یا اللہ مدد

عقیدہ حیات النبی ﷺ زندہ باد
شانِ رسالت زندہ باد

اصلی کلمۂ اسلام لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

بیاد

حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ

خلیفہ مجاز: امام الموحدین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ

اکابر اہل سنت (دیوبند) بالخصوص
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

بفیضان

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین وکیل صحابہ نور اللہ مرقدہ

تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

مجلّہ صفدر

علامہ ڈاکٹر خالد محمود نمبر

جلد اول

اشاعتِ خاص بیاد

سلطان العلماء، مفکرِ اسلام، ترجمانِ اہلِ حق، بحر العلوم

حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود نور اللہ مرقدہ

مجلّہ صفدر

اشاعتِ خاص بیاد

بحر العلوم، سلطان العلماء، مفکر اسلام، ترجمان اہل حق، حضرت مولانا

علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ

(1925ء-2020ء)

(جلد اول)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا اللہ مدد — حیات النبی ﷺ زندہ باد — شان رسالت ﷺ زندہ باد — لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ — شان صحابہؓ زندہ باد — مقام امام اعظم ابو حنیفہؒ زندہ باد — حق چار یارؓ

مفسر قرآن ولی کامل حضرۃ مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ	فقیہ العصر ترجمان دیوبند حضرۃ مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ
شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرۃ مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ	فخر اہل سنت وکیل صحابہؓ حضرۃ مولانا عبد اللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ
حکیم العصر شہید اسلام حضرۃ مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ	امین ملت مناظر اسلام حضرۃ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ
پاسبان مسلک احناف شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ	ترجمان مسلک دیوبند مولانا نور محمد تونسوی نور اللہ مرقدہ
وکیل صحابہؓ حضرۃ مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نور اللہ مرقدہ	جانشین شہید اسلام محقق العصر حضرۃ مولانا سعید احمد جلالپوری شہید نور اللہ مرقدہ

اشاعت خاص بیاد

(جلد اول)

سلطان العلماء، مفکر اسلام، ترجمان اہل حق حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ

مدیر اعلیٰ	مدیر مسئول	مدیر
مولانا جمیل الرحمٰن عباسی	مولانا احسن خدامی	حمزہ احسانی
0301-7790908	0320 4902150	0307-5687800

فی شمارہ: 70 ...... زر سالانہ: 400 روپے برائے رابطہ: مکان نمبر 4، گلی نمبر 82، محمود سٹریٹ، محلہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ ہیں!

نام کتاب..............................مجلّہ صفدر "علامہ ڈاکٹر خالد محمود نمبر" (جلد اول)

شمارہ:۱۱۹-تا-۱۲۷..............................جنوری تا ستمبر ۲۰۲۱ء......جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ تا صفر ۱۴۴۳ھ

بیاد..............................سلطان العلماء مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ

مرتب..............................حمزہ احسانی

صفحات (جلد اول)..............................آٹھ سو بتیس (**832**)

قیمت مکمل سیٹ..............................

طبع اول..............................صفر الخیر ۱۴۴۳ھ/ستمبر **2021**ء

ناشر..............................**مظهريه دار المطالعه**

اسٹاکسٹ:مکتبۃ الفرقان، اُردو بازار، لاہور **0300-6863281**

ملنے کے پتے

مجلّہ صفدر، مکان نمبر **4**، گلی نمبر **82**، محمود سٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور **0312-4612774**

محمود پبلیکیشنز، ہادیہ حلیمہ سنٹر، اردو بازار لاہور رابطہ: **0302-4284770**

مکتبہ صفدریہ، نزد مدینہ مسجد، ماڈل ٹاؤن بی، بہاول پور **0301-7790908**

حافظ عبد الوحید حنفی، مدنی جامع مسجد چکوال......جامعہ حنفیہ، شیخوپورہ روڈ، فیصل آباد

مکتبہ عظیمیہ، محمد شعیب دین پوری، بنوری ٹاؤن، کراچی **0332-2250646**

باب نمبر ۱

آغازِ سخن

فہرست ابواب، فہرست مضامین، فہرست اہم عنوانات، اِشاریہ
کلماتِ تبریک، پیش لفظ، اداریہ، فہرست اشتہارات، کارگزاری

فہرست ابواب

جلد اول

جلد دوم

فہرست مضامین جلد اول

(۱)......باب اول......آغازِ سخن!

(۲)......باب دوم......اکابر و معاصرین کی نظر میں!

(۳)......باب سوم......باہمی تعلقات

(۴)......باب چہارم......تاثرات و تعزیتی پیغامات

(۵)......باب پنجم......سوانح

(۶)......باب ششم......تصنیفات

(۷)......باب ہفتم......رسائل وجرائد کا خراج تحسین

باب نمبر۴ (تاثرات وتعزیتی پیغامات) کا ایک مضمون

☆......☆......☆......☆

مجلّہ صفدر ''علامہ ڈاکٹر خالد محمود نمبر'' (**جلد اول**) میں شامل اہم عنوانات و واقعات کی فہرست

منصور الحق، احسان الحق، حمزہ ابن عبدالحق

اشاریہ منتخب افادات علامہ صاحب

’’د‘‘ سے ’’دوازدہ احادیث‘‘ ......’’ع‘‘ سے ’’عبقات‘‘ ......اور ’’م‘‘ یا جہاں کتاب کا نام نہ ہو اس سے مراد ’’مطالعہ بریلویت‘‘ ہے۔

حدیث حوض:[دوازدہ:۳۷]	حدیث ثقلین: دوازدہ احادیث:۱۵۰
حدیث ولایت علی::۵۳،۵۴،۶۰	حدیث مباہلہ: دوازدہ احادیث:۱۹۹
کونڈوں کی رسم: دوازدہ احادیث:۶۲	نبوت اور المہدویت: عبقات:۱/۴۸۳۔
نماز تراویح، رکعات تراویح: عبقات:۱/۲۵۶،۲۱۱،۱۰۱،	اہلحدیث باصطلاح جدید: مطالعہ:۳/۲۴۔۸/۳۶۔
کیا بریلوی اکثریت ہیں؟ مطالعہ:۱/۲۰۔۴/۲۸۳۔۴/۳۱۳۔	دیوبندی بریلوی اختلافات کی حیثیت:۴/۲۰۷۔۴/۳۲۰۔ ۵/۴۲، ۴۶، ۴۷، ۵۳، ۱۱۳، ۱۱۸۔ ۶/۴۶۔ ۸/۲۰، ۲۰۶،
قادیانی ورضاخانی مشترکات: مطالعہ:۱/۲۱۵،۲۴۴۔	بریلویوں کے شیعہ عقائد: مطالعہ:۳/۱۹۱
بدعتی کو سنی کہنے کا گناہ: مطالعہ:۶/۱۳۵۔۷/۳۸۱،	بدعت فی العقائد اور بدعت فی الاعمال:۳/۲۶۔۷/۲۷۔
عقائد خمسہ:۵/۵۳،	۱۔مسئلہ علم غیب:۱/۳۵۵۔۳/۱۵۰۔۵/۸۷۔۵/۲۸۳۔
۲۔مسئلہ حاضر ناظر:۵/۸۷۔۵/۲۵۵۔	۳۔نور وبشر: مطالعہ:۲/۲۹۲۔۵/۲۰۱۔
۴۔مختار کل:۵/۳۳۹،۵۰۸۔	۵۔پکار فوق الاسباب:۵/۱۱۵۔
بدعات عشرہ:۵/۶۳۔	رد بدعات: مطالعہ:۱/۲۷۔۶/۱۰۰
اہل بدعت کی اقسام:۵/۷۳۔	اجتماعی ذکر بالجہر:۶/۳۸۔
اثر ابن مسعودؓ: مطالعہ:۳/۲۳۲۔۶/۳۶،۵۹	نماز میں حضور ﷺ کا خیال: مطالعہ:۱/۲۹۲۔عبقات:۱/۱۱۲،
خان صاحب بریلوی: مطالعہ:۷/۰۔	معیار حق وصداقت:۷/۲۵۷
مرزا غلام قادیانی: عبقات:۱/۲۲۰،	ذکر اللہ کی تمام اعمال پر فضیلت: دوازدہ:۱۰۳
نظریۂ وحدتِ ادیان: دوازدہ احادیث:۱۴۳	وحدتِ امت: دوازدہ احادیث:۱۸۰، عبقات:۱/۱۸۷،
امام ابوحنیفہؒ: عبقات:۱/۴۷۔	حضرت مجدد الف ثانیؒ: مطالعہ:۱/۴۱۔۵/۲۲۸۔
شاہ اسماعیل شہیدؒ:۴/۱۷۔۳۔عبقات:۱/۱۸۸،	حضرت نانوتویؒ: مطالعہ:۳/۴۲۱۔۴/۱۹۔
حضرت گنگوہیؒ: عبقات:۱/۶۶	حضرت شیخ الہندؒ: مطالعہ:۴/۱۸۔
حضرت مدنیؒ: عبقات:۱/۹۵،	مولانا کرم الدین دبیرؒ: مطالعہ:۱/۴۳۹
تبلیغی جماعت: مطالعہ:۲/۱۹۔	تحریک تنظیم اہل سنت: عبقات:۱/۱۶۔
انجمن سپاہِ صحابہ پاکستان:۴/۲۴۹۔	

☆......☆......☆......☆

انتساب

مجلّہ صفدر کے ''علامہ ڈاکٹر خالد محمود نمبر'' کا انتساب

۱) رئیس المناظرین ابوالفضل حضرت مولانا

قاضی کرم الدین دبیر

رحمۃ اللہ علیہ

۲) قائد اہل سنت، وکیل صحابہ واہل بیت حضرت مولانا

قاضی مظہر حسین

رحمۃ اللہ علیہ

۳) جانشین قائد اہل سنت، شیخ الحدیث حضرت مولانا

حبیب الرحمٰن سومرو

[خلیفہ مجاز: حضرت قائد اہل سنتؒ]

کے نام ہے۔

۴) نیز زیر نظر اشاعتِ خاص کے لیے حضرت علامہ صاحبؒ کے حالات و واقعات بروقت بھیجنے والے اُن تمام صحیح العقیدہ حضرات کے نام جنھوں نے یہ امانت اُمت تک پہنچانے کے لیے مجلّہ ''صفدر'' کی آواز پر لبیک کہا۔ **عافاهم الله فى الدنيا و الآخرة.**

مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی (۱)

حامدًا و مصليًا و مسلمًا، أما بعد!

قارئین کرام! اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ ہود میں مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات ذکر کر کے آخر میں فرمایا کہ ’’رسولوں کے احوال سے ہم وہ تمام احوال آپ سے ذکر کر رہے ہیں جن سے ہم آپ کے دِل کو تسلی دیتے ہیں اور ان احوال میں صحیح حالات اور نصیحت اور یاد داشت ہے مومنوں کے لیے۔‘‘ [ہود: ۱۲۰] اِس آیت سے معلوم ہوا کہ

۱-رسولوں اور گذشتہ صلحاء کی سیرت صحیح محفوظ ہونی چاہیے۔

۲-پہلوں کے حالات میں بعد والوں کے لیے تسلی اور نصیحت ہوتی ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کی اتباع کا حکم دیا۔اسی طرح اخلاف کو اسلاف کی پیروی کا حکم ہے۔تو یہ بات اسی وقت ممکن ہے کہ اسلاف کے صحیح کارنامے محفوظ ہوں۔اسی لیے قصص النبیین، سیرتِ صحابۂ کرام اور سلف صالحین کی سوانح لکھنے کا ہمیشہ سلسلہ جاری رہا ہے۔

اسی سلسلہ میں مجلّہ صفدر نے بہت سے اکابر کی زندگی محفوظ کرنے کے لیے بہت سے خصوصی نمبر اِس سے پہلے بھی شائع کیے ہیں۔اور اَب محقق العصر حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمہ اللہ پر خاص نمبر شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔اِس خاص نمبر میں گزشتہ خاص نمبرات کی نسبت کافی زیادہ مواد ہے۔جس کی وجہ حضرت علامہ صاحب مرحوم کی ہمہ گیر علمی و عملی خدمات ہیں۔ تقریباً اڑھائی سو قلم کاروں نے نظم و نثر کے ذریعہ اِس خاص نمبر میں حصہ ڈالا ہے۔جو بارہ (۱۲) قسم کے عنوانات کے تحت دو حصوں میں شائع ہو رہا ہے۔تجویز کردہ عنوانات یہ ہیں:

۱-آغازِ سخن	۲-اکابر و معاصرین کی نظر میں!	۳-باہمی تعلقات	۴-تاثرات و تعزیتی پیغامات
۵-سوانح	۶-تصانیف	۷-رسائل و جرائد کی نظر میں	۸-اہل علم و قلم کے مضامین
۹-افادات	۱۰-منظوم خراج عقیدت	۱۱-آئینۂ تحریرات	۱۲-آئینۂ تصاویر

مجلّہ ’’صفدر‘‘ کی عاملہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے حضرت علامہ صاحب کی زندگی کے علمی و عملی کارناموں کو محفوظ کر کے یہ بتا دیا کہ اگرچہ ظاہری طور وہ ہم سے جدا ہو گئے ہیں مگر ہم نے ان کی زندگی کو محفوظ کر کے ان کو معنوی طور پر مرنے نہیں دیا۔اللہ تعالیٰ علماء، طلبہ اور عوام الناس کو اس علمی ذخیرہ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔اور مجلّہ ’’صفدر‘‘ کے تمام معاونین اور حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کے لیے صدقہ جاریہ بنائیں۔آمین

کتبہ محمد انور اوکاڑوی......۲۷؍جمادی الاخری ۱۴۴۲ھ/۱۲؍فروری ۲۰۲۱ء، جمعۃ المبارک

---

(۱) خلیفہ مجاز: حضرت سید نفیس الحسینی شاہؒ......رئیس: تخصص فی الدعوۃ والارشا: د جامعہ خیر المدارس، ملتان......نگران: مجلّہ صفدر

مولانا حبیب الرحمٰن سومرو(اؔ)

جب سے دنیا وجود میں آئی اور حرکتِ زمانہ شروع ہوئی ہے، تب سے کچھ ہستیاں ایسی موجود رہی ہیں جو زیرِ فلک روشنی کی مشعل ہوتی ہیں، جن میں انبیاء، صلحاء اور اولیاء ایسے مہدی اور ہادی ہوئے ہیں کہ جن کے اُٹھ جانے سے کون ومکان مرجھا جاتے ہیں، سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرامؓ، تابعین اور اسلافِ کرام غرضیکہ یہ شخصیات ایک عجیب طور سے وادی عبور کرتے ہیں اور موت العالم موت العالم کا مصداق بن جاتے ہیں۔

محدث کبیر حضرت علامہ خالد محمود صاحب نور اللہ مرقدہ بھی انہی میں سے ایک تھے، جن کی شخصیت ہمہ جہتی تھی اور وہ علوم کی جامعیت میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کی کتاب ''آثار الاحسان فی مراتب السلوک والاحسان'' تصوف کی ایک جامع اور بے نظیر کتاب ہے، جس کے پڑھنے کے بعد لگتا ہے کہ صوفیہ کے علاوہ کسی کی خدمات قابل اعتنا نہیں ہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے، اِس لیے کہ تصوف دِل کی اس کیفیت کے کمال کا نام ہے جس سے ایمان کا کمال ہے۔ اور اخلاص بھی دِل کی صفت ہے، یہ صفت ہو تو رضائے الٰہی والے اعمال کو بقا ملتی ہے، باقی تو حظوظِ نفس سے مکدر ہوتے ہیں، **ما کان للہ یبقیٰ**۔ (جو اللہ کے لیے ہو، بس وہی باقی رہتا ہے۔) حضرت علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی یہ کتاب جواہرات کا مجموعہ ہے جس میں انھوں نے تصوف کے تمام گوشوں پر جامع انداز میں گفتگو فرمائی ہے۔

حضرت مولانا حمزہ احسانی صاحب مدظلہ نے حضرت موصوفؒ کے حالات جمع کرنے میں بہت جدوجہد اور سعی کی ہے، اور حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ پر رسالہ ''صفدر'' کا خاص نمبر شائع فرمارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

خادم اہل سنت حبیب الرحمٰن، حال وارد لاہور

۲۲ر اگست ۲۰۲۰ء

(اؔ) خلیفہ مجاز: حضرت قائد اہل سنتؒ......مدیر وشیخ الحدیث: جامعہ مظہریہ حسینیہ جنھان سومرو، سندھ......سرپرست: مجلّہ صفدر

مولانا مفتی جمیل الرحمٰن (ا)

بحرالعلوم، سلطان العلماء حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات سنی کانفرنس موضع بھیں (ضلع چکوال) وغیرہ کے موقع پر سننے کا موقع ملتا رہا۔ ہمارے حضرت قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ کے ساتھ علامہ صاحبؒ کا گہرا تعلق تھا، جب ماہنامہ "حق چار یار" کی طرف سے حضرت قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وواقعات پر "قائد اہل سنت نمبر" شائع ہوا تو اُس کی تقریب رونمائی میں حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لائے تھے، اس موقع پر ہمارے ہاں امدادیہ مسجد چکوال میں بھی آئے، جب روانگی کے لیے گاڑی میں تشریف فرما ہوئے تو بندہ آگے ہو کر ملا، کسی ساتھی نے میرا تعارف کرایا کہ: "حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے وصیت نامہ میں جن کا تذکرہ ہے، وہ جمیل الرحمٰن صاحب یہ ہیں۔" تو حضرت علامہ صاحبؒ نے مجھے اپنے قریب کیا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ حضرت قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے بڑی محبت اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ اِس سے حضرت قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اُن کی محبت وتعلق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔[۹۹/۱]

اللہ تعالیٰ حضرت قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور جملہ اہل سنت کو اُن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اخلاص واستقامت اور جرأت وحکمت کے ساتھ اشاعتِ دین اور حفاظتِ دین کی خاطر اپنی توانائیاں صرف کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

بڑی سعادت اور خوش بختی کی بات ہے کہ اکابر اہل سنت دیوبند کے حالات وواقعات پر مشتمل معیاری خصوصی اشاعتیں پیش کرنے لیے مجلّہ "صفدر" پیش پیش ہے۔ اکابر واسلاف کے تذکرے سے ایمان کو جلا ملتی ہے اور قوتِ عمل میں ترقی واضافہ ہوتا ہے۔ عقیدہ وعمل کی اشاعت وحفاظت بھی ہوتی ہے اور فرق باطلہ کی تردید وسرکوبی بھی۔ حضرت علامہ صاحب جیسی عبقری شخصیت کے حوالے سے زیرِ نظر خاص اشاعت بھی ان شاء اللہ ہر لحاظ سے مفید ونافع ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں اِس کاوش کو قبول فرمائیں اور اسے دین اور اہل دین کے لیے فائدہ مند بنائیں اور ہر قسم کے نقصان سے حفاظت فرمائیں۔ آمین

۷/اکتوبر ۲۰۲۰ء

☆......☆......☆......☆

(ا) مجاز بیعت توبہ: حضرت قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ...... مدیر: جامعہ عربیہ اظہار الاسلام چکوال

مولانا عبد الجبار سلفی

(پیش لفظ)

''مجلّہ صفدر'' کا ایک اور تاریخی کارنامہ

(رفیع المرتبت علمی شخصیت کی یاد میں خصوصی اشاعت)

بے کیف اور اداس ماحول میں ''مجلّہ صفدر'' کے اس اعلان نے روحوں میں اِک کُہرام بپا کر دیا کہ سلطان العلماء مفکر اسلام علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ کی شخصیت اور بے پناہ علمی خدمات کو اجاگر کرنے کی غرض سے خصوصی اشاعت کا انتظام کیا جائے گا۔ سوز و ساز سے خالی پتھروں کی مورتیوں میں اس اعلان کا سننا تھا کہ ملک اور بیرونِ ملک سے وارفتگانِ علامہ خالد محمودؒ بے تابانہ اور مجنونانہ اداؤں کے ساتھ اس کی تکمیل و تتمیم میں اپنا اپنا حصہ ڈالنے کے لئے قلم بر داشتہ ہو گئے۔ دنیا میں سب سے مضبوط اور صاف رشتہ عقیدت کا رشتہ ہوتا ہے جس کی وابستگی ضمیر اور خمیر کے اتصال سے ممکن ہوتی ہے۔ اور جس دور میں ضمیر نیم مُردہ ہو کر رہ جائیں اُس دور میں یہ صدا ایک حوصلہ افزاء اور مایوسیوں کے تعفن کو دُور بہت دُور کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ ۱۹۲۵ء میں کتمِ عدم سے عالَم وجود میں آئے اور ۲۰۲۰ء میں بقاءِ عالم کے راہی بن کر اس جہانِ فانی کو چھوڑ گئے، مگر شمسی اعتبار سے ۹۵ر اور قمری لحاظ سے کم و بیش ۹۷ر بہاریں دیکھنے کے بعد اپنے علم و فضل اور شخصیت کی نرالی اور فطری صلاحیتوں کے ایسے نقوش چھوڑ گئے کہ جو صبح قیامت تک چراغوں کی سی روشنی دیتے رہیں گے۔ اس طویل زندگی کے ماہ و سال میں علامہ رحمہ اللہ کو کتنے کرب انگیز طوفانوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا؟ اس کا تصور کرنا یا اس پر قلم اُٹھانا روح فرسا عمل ہے، کیونکہ ہر انسان اپنی دنیا کے حالات خود ہی جانتا ہے، دوسرے تو محض لفظوں میں تنقیدی تبصرے داغ کے فارغ ہو جاتے ہیں۔ پھر ہر انسان کے احوال زندگی دوسروں سے یکسر مختلف ہوتے ہیں۔ یہ نظامِ دنیا ہے جہاں چل چلاؤ ہے اور خود فریبیاں خدا جانے کتنی حقیقتوں کو اپنے شعلوں سے بجھانے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ تاہم حضرت علامہ صاحبؒ نے اپنے شعور کی ابتدائی منزل میں جس رستے کا انتخاب کیا وہ تا دم واپسیں اُسی رستے پر ایک چٹان کی طرح قائم رہے۔ انہوں نے قافلہ حق کے ساتھ چلنے کے لئے پہلے جس رکاب میں پاؤں ڈالا تھا زندگی کے آخری لمحہ میں بھی ان کا پاؤں اُسی رکاب میں تھا۔ اپنی فکر و خیال کا جو دائرہ انہوں نے پہلے دن تجویز کیا تھا۔ برسہا برس کے بعد ان کی چارپائی اسی دائرہ سے اُٹھائی گئی۔ نحیف مادی چیزوں اور دنیا کی رنگ رنگینیوں سے انہوں نے پہلے دن جو منہ موڑا تو پھر زندگی کی آخری سانس تک انہیں دنیا میں رہنے کے باوجود دنیا سے برگشتہ ہی دیکھا گیا۔

لطافتِ فکر کی پہلی لکیر پر پاؤں رکھنے کے بعد جوانہوں نے ہاتھ میں کتاب اٹھائی تھی تو پھر زندگی بھر ان کا یارانہ فقط کتابوں ہی سے رہا۔انہوں نے اپنی ذات کو پُرشکوہ رفعتیں دینے کے لئے جو علم کا رستہ اختیار کیا تو پھر کفن اوڑھنے تک وہ سراپا علم وفضل ہی رہے۔ مطالعہ وتحقیق ان کی ہڈیوں میں رچ گیا تھا، یوں لگتا تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے علامہ بدرالدین عینیؒ اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ سے لے کر علامہ انورشاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تک کی مقتدر شخصیات کا علمی فیضان علامہ صاحب کے گوشت پوست میں بسا دیا تھا۔ علامہ خالد محمودؒ کی خصوصیت یہ تھی کہ ان کا علم محض نفس میں اُلجھ کر نہیں رہ گیا تھا۔ وگرنہ نفس میں اُلجھی معلومات تو ابلیس لعین سے لے کر مرزا غلام احمد قادیانی تک لاکھوں کو حاصل رہیں اور اَب بھی ایسے لوگ موجود ہیں، کیونکہ قیامِ علم کا پہلا مقام نفس ہے، دوسرا دِل ہے، تیسرا روح ہے اور چوتھا دماغ ہے۔ بے شمار بلکہ لاکھوں لوگ پہلے دام میں ہی پھنس کر دھوئیں گے مرغولے بن گئے اور جو اپنے علم وفکر کو نفس کے پھندوں سے نکال لانے میں کامیاب ہو بھی گئے تو وہ دل کی تسکین اور جنونِ تجسس کے ہاتھوں مار کھا گئے اور حظِ نفس نے دل کی دنیا میں آ کر اُن سے اپنا بدلہ چُکا لیا۔ پھر وہ خوش نصیب جو دل کی بھول بھلیوں سے کامیابی کے ساتھ متاعِ علم و اگزار کروا گئے تو وہ ''روح'' کی آوارہ بے قراریوں میں اپنے علم ومعلومات کا شیرازہ بکھیر بیٹھے۔اور جو ان سارے مراحل سے گذرتے ہوئے حرص وہوس، نمود ونمائش، تصنع وبناوٹ، غرور وتکبر اور تعلّی وتفرّد کی گرم سلاخوں سے اپنا آپ بچا جاتے ہیں ان کا علم وفہم ان کے دماغ کو کچھ ایسا نروس کر دیتا ہے پھر وہ کئی نسلوں کو روشنی مہیا کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کا فہم دنیاوی رقص گاہوں سے مرعوب نہیں ہوتا بلکہ ان کی روح کی مرغوب غذا صرف اور صرف معرفتِ الٰہی ہوئی ہے اور یہی علم کی آخری منزل ہے اور دیکھنے والوں نے اسلاف اہل سنت دیوبند کے اس قابل فخر سپوت یعنی علامہ خالد محمود کو اسی منزل پر موجود پایا۔

علامہ خالد محمودؒ کی لغتِ حیات میں احساس کمتری کا تو کوئی وجود تھا ہی نہیں، ہاں! وفورِ علم کی بنا پر احساس برتری کا ہونا ایک فطری امر تھا، مگر اسی احساس برتری کو انہوں نے اپنے سادگی، مسکنت، تواضع اور تقویٰ وخشیت سے کچھ ایسا معمور ومعنبر کر دیا تھا کہ احساس برتری خود بخود فطری خوددَاری کا مجسمہ بن گئی تھی۔ علامہ صاحب خشک ونیم مُردہ فضاؤں میں اپنے علم کی چاشنی سے ایسا چھڑکاؤ کر دیتے تھے کہ گویا غروبِ شفق پر آفتاب اپنی کرنوں سے نرالا منظر پیش کر رہا ہو۔ بلاشبہ اُن کی قومی، ملی، عالمگیر، علمی وادبی اور دفاعی پیش قدمی کے واقعات اِس قدر زیادہ ہیں کہ چند مضامین، ایک مفصل کتاب یا کسی رسالہ کا ایک خصوصی نمبر اُن کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اگر کوئی رسالہ احاطہ نہ کر سکے تو کیا وہ یہ قدم ہی نہ اُٹھائے؟ اس کا جواب زیرِ نظر ''خصوصی اشاعت'' ہے، جسے مجلّہ ''صفدر'' سنگ دلوں کے ہجوم اور تغافل علمی کے مجرموں کی دندناہٹ میں پورے عزم وہمت کے ساتھ پیش کر رہا ہے۔ اور یہ سبق دے رہا ہے کہ دنیا میں ہزاروں میل لمبا سفر بھی اگر درپیش ہو تو اس کی ابتدا بہر حال پہلے قدم سے ہی ہوتی ہے۔ اور یہ پہلا قدم ''مجلّہ صفدر'' نے اٹھا کر ہزاروں میل کی مسافتوں کو اپنے زیرِ قدم کرنے کا شرف حاصل کر لیا ہے۔ یہ رتبہ بلند ملا جسے مل گیا

شیخ طریقت اور سلسلہ تصوف کے لعلِ بدخشاں حضرت ابوالحسن علی بن عثمان الہجویری رحمہ اللہ کا ارشاد ''کشف

المحجوب‘‘ میں لکھا ہے کہ بعض لوگ غیر نبی اور غیر صحابی ہونے کے باوجود فنافی اللہ کے مقام پر ہوتے ہیں اور اس مقام کی تعریف یہ ہے کہ انسانی صفات سے گذر کر الٰہی صفات اپنے اندر پیدا کرلے، یعنی جہل کی جگہ صفتِ علم، نفرت کی جگہ صفتِ رحمت، غصے کی جگہ صفتِ حلیمی، بخل کی جگہ صفتِ سخا پیدا کرے، ہاں! مگر تکبر و معبودیت چونکہ صرف اور صرف خاصہ خداوندی ہیں اور یہ جزوی طور پر بھی مخلوق کے لیے ثابت نہیں ہیں۔ لہٰذا اِن دونوں کی جگہ صفت تواضع وعبدیت پیدا کرلے تو پھر وہ فنافی اللہ کے مقام پر فائز نظر آتا ہے۔ علامہ اقبالؒ مرحوم نے اپنے فارسی کلام میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

در دشتِ جنون من جبرئیل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ

معرفتِ الٰہی کی تلاش اور جنون میں سید الملائکہ تو میرا ایک معمولی شاہکار ہے، ہمت مردانہ وعزم مومن سے اگر متصف ہے تو اپنی محبت کی کمند سیدھی رب ذوالجلال پر ڈال دے۔

علامہ صاحب نے طویل ریاضتوں، پاکیزہ صحبتوں، مشکل ومتواتر مجاہدہ کشیوں اور اضطراری نہیں بلکہ فقرِ اختیاری کی منزلوں سے گزرتے ہوئے علم وعمل کے ایسے دیپ جلادیئے تھے کہ اُن کی لَو غباوت ولاعلمی یا تنفر وتباغض کی آندھیاں اَب بجھا نہیں سکتیں۔ اُنہیں چراغوں کی ایک چراغاں ’’مجلّہ صفدر‘‘ کی زیرِ نظر اشاعت ہے۔ مگر سوچوں اور خیالوں کے آئینہ خانوں میں صرف اپنے آپ سے ’’پیار‘‘ کرنے والے ان چراغوں سے روشنی نہ پاسکیں گے۔ اس کے لئے طلبِ ہدایت اور شوقِ استفادہ شرط ہے۔ اَب یہ طلب اور شوق اپنے اندر پیدا کرنے کی ذمہ داری ’’مجلّہ صفدر‘‘ پر ڈالنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے مانگئے اور پھر اس خصوصی اشاعت کا نظارہ کیجیے کہ اللہ کریم نے اپنے ایک محبوب ومقبول بندہ کو صفتِ علم سے متصف کر کے کس طرح اُن سے اپنے دین متین کی خدمات لیں اور انہیں علم ومعرفت کا مہر تاباں بنادیا۔

علامہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے انسانی جبلت، تعقّل، تجسّس اور وجدان کے مراحل سے گذارنے کے بعد کیفیات اِلہام یعنی علم وعقل اور فراست ودانائی کی پاکیزگی ونفاست نصیب فرمادی تھی۔ علامہ صاحب جب فی البدیہ جملے ادا کرتے اور زبان و بیان کی نکتہ آفرینیوں سے بہار پیدا کردیتے تھے تو یہ فی الاصل اسی الہامی انعام کا کامل نتیجہ تھا۔ جیسے جبلت تعقّل کا رُوپ دھار لیتی ہے اور عقل کی روشنی سے میراث پاکر انسان ’’وجدانی‘‘ دولت کا مالک بن جاتا ہے۔ ایسے ہی مسلسل ارتکاز کے بعد وجدانی طبیعت ’’الہامی‘‘ بن جاتی ہے اور پھر ’’الہام‘‘ والی کسی بھی شخصیت کو علوم وفیوض کے حصول کے لئے خارجی اور مادی ذرائع کی ضرورت کم پڑتی ہے۔ صاحبِ الہام کی عقل کے ساتھ جب عالم ملکوت کے پرنالے جڑ جاتے ہیں تو پھر علم مجسماتی شکل میں علامہ خالد محمود بن کر احساسات کی دنیا کو روشن خیالات سے آراستہ کردیتا ہے۔

''مجلّہ صفدر'' کو اب تک مندرجہ خصوصی نمبرات شائع کرنے کا اعزاز حاصل ہے:

۱-امام اہل سنت نمبر

(یہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ پر مجلّہ ''المصطفیٰ'' کی خصوصی اشاعت تھی مگر چونکہ اس کی تیاری و طباعت کا مکمل سہرا مولانا حمزہ احسانی کے سر ہے۔فلہٰذا اِسے ہم نے مجلّہ ''صفدر'' کی ترقیات میں درج کیا ہے۔)

۲-شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد نمبر

۳-شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف نمبر

۴-مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری نمبر

۵-فتنہ غامدی نمبر

(اس میں معروف متجدد، جاوید احمد غامدی کے افکار ونظریات کا علمی جائزہ لیا گیا ہے۔)

''مجلّہ صفدر'' کے مدیر برادرِ مکرم مولانا حمزہ احسانی نے جب اس خصوصی اشاعت کے لئے کمر ہمت باندھی تو کاتب السطور کو بھی اس جانفشانی کی معرکہ خیزی میں اپنا معاون بنانے کا ارادہ کیا۔ برادر معزز کا کہنا تھا کہ آپ نے طویل عرصہ تک حضرت علامہ صاحب کے جوتوں کی خاک اُٹھانے کا اعزاز حاصل کیا، فلہٰذا اس خصوصی اشاعت کے تمام تر مضامین کی ایڈیٹنگ، پروف خوانی، حذفِ تکرار، واقعات کی چھان بین، تعلیمی وعملی زندگی کی جہودِ مسلسل پر مشتمل حقائق کی چھان پھٹک اور دیگر فنی واُصولی ترامیم وتحذیف کی ذمہ داری آپ پر ہے۔ بلکہ کاتب السطور نے خودکو بھی اِس خدمت کے لئے پیش کیا اور زہے نصیب کہ اس عظیم الشان علمی کام کی کچھ نہ کچھ خدمت کرنے کا شرف حاصل ہوگیا۔

[۱]-خصوصی اشاعت کے لئے مضامین لکھنے والے اکثر احباب چونکہ مستقل طور پر لکھنے لکھانے کے میدان کے نہیں ہوتے جس کی وجہ سے ان کی تحریر کی نوک پلک سنوارنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ اس عمل میں ہم نے مقدور بھر تراکیبِ الفاظ، سیاق وسباق کا باہم ربط متضاد ومترادف عبارتوں کی تنقیح وغیرہ کردی ہے۔

[۲]-بعض واقعات تقدس وعقیدت کی وادیوں میں مسلسل سرگرداں رہتے ہیں اور وہ ''سینہ گزٹ'' مآخذ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ چنانچہ ہم نے مکمل تحقیق کے بعد غیر معتبر اور صدری واقعات کو کافی حد تک کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ البتہ وہ واقعات جو ذمہ دار اور سنجیدہ حضرات نے درج فرمائے ان کو جوں کا توں رکھا گیا ہے۔

[۳]-تکرار کا سیلاب روکنے میں بھی کافی مہم جوئی کرنا پڑی۔ بعض واقعات تو ایسے تھے جو مسلسل دس دس مضامین میں آرہے تھے اور یوں گمان گذرتا تھا کہ دس مضامین نگاروں نے آپس میں ایک دوسرے کو سنا کر دیکھے ہیں۔ سو ایسے واقعات یا باتیں

دو چار جگہوں پر باقی رکھیں اور بقیہ حذف کر دی گئیں۔

کچھ حضرات نا معتبر اور سُنے سنائے واقعات کو کچھ ایسا ''بچشمِ خود'' کی سند دے کر لکھا کہ ان کو شاید لفظ ''غلط'' صحیح کر دینے میں عار محسوس نہ ہوتی ہو مگر ایک تاریخی دستاویز کی وثاقت وثقاہت کے لئے یہ زبردست عیب ہے۔ چنانچہ ایسی چیزوں کو بھی سلب کر لیا گیا۔

اس کے علاوہ کمپوزنگ کی خامیوں اور خوبیوں پر بھی توجہ کی گئی۔ خوبی کو مزید خوب کرنے اور خامی کو ''خام'' کرنے کی جُہدِ بلیغ کی گئی ہے۔

اس سب کے باوجود مضامین کے حصول کے لئے مولانا حمزہ احسانی کو جس قدر مشکلات اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا وہ الگ داستان ہے جو انہیں کے سنانے سے ''لطف'' دے سکتی ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم یہ چوٹی سر کرنے میں کسی نہ کسی حد تک کامیاب ہو گئے۔ ہماری محنت کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ متذکرہ خصوصی اشاعت ہمہ قسم کے عیوب ونقائص سے مبرا ہو گی۔ قطعاً نہیں! کیونکہ مزید سے مزید تر کی گنجائش بہر حال ہمیشہ باقی رہتی ہے۔

یہ خصوصی اشاعت پڑھنے کے بعد آمدہ نسلیں بھی بہت کچھ حاصل کر پائیں گی اور انہیں ضرور پتہ ملے گا کہ علم وعمل کے زیور سے آراستہ ہونے والے لوگ دنیا سے تو مر جاتے ہیں مگر تاریخ میں اور خلقِ خدا کے دلوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ علمِ خالص اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ ''حیی اور قیوم'' ہے، اس لئے حسبِ ضابطہ اہل علم پر موت طاری کر دینے کے باوجود اللہ کریم ان کے نام اور ان کی عالی خدمات کو زندہ رکھتا ہے۔ یہی رِجال اللہ کی شان ہے اور دنیا کی تاریخ کا فیصلہ ہے اور یہی فیصلہ علامہ خالد محمودؒ سے متعلق بھی ہو چکا ہے۔

موت کا سرد ہاتھ بھی ساقی! تجھ کو خاموش کر نہیں سکتا
ساز کا تار ٹوٹ سکتا ہے، تار کا سوز مَر نہیں سکتا

محمد عبد الجبار سلفی

۱۰ رفروری ۲۰۲۱ء، بدھ، سبزہ زار لاہور

حمزہ احسانی ادا ریہ

مجلّہ ''صفدر'' کا علامہ ڈاکٹر خالد محمود نمبر

تقریباً سوا سال کے طویل انتظار اور جان توڑ محنت و کوشش کے بعد الحمدللہ مجلّہ ''صفدر'' کا ''علامہ ڈاکٹر خالد محمود نمبر'' تیار ہے۔ اللہ پاک اِسے نافع و مفید بنائیں اور قبولیت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

بحر العلوم، سلطان العلماء، مفکر اسلام، ترجمان اہل حق حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہمارے اَجداد کا قدیم اور گہرا تعلق تھا۔ حضرت امام اہل سنتؒ اور حضرت قائد اہل سنتؒ کے ساتھ علامہ صاحبؒ کے تعلقات کی ایک جھلک اِسی اشاعت خاص کے تیسرے باب میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ہمارے والد گرامی مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ کا بھی علامہ صاحب کے ساتھ تقریباً چالیس (۴۰) سال تعلق رہا۔ ہم بھی اپنے بچپن سے ہی علامہ صاحب مرحوم و مغفور کو دیکھتے، سنتے اور پڑھتے تو چلے آئے ہیں، اُن سے شرفِ تلمذ بھی حاصل ہے۔ لیکن اُن کے خدمت میں زیادہ وقت گزارنا نصیب نہیں ہوا۔ اُن کی بلند پایہ علمی خدمات اور قوتِ حافظہ و حاضر جوابی کے واقعات تو پڑھتے سنتے رہے لیکن اُن کے حالاتِ زندگی سے واقفیت نہ ہونے کے برابر رہی۔ اِس کے باوجود دفاعِ صحابہ و اہل بیت کے میدان میں اُن کی بے مثال خدمات اور مسلکِ حق اہل سنت کی اشاعت وحفاظت کے لیے اُن کی ہمہ جہت کوششوں نے اُن کے حوالے سے اشاعتِ خاص کا داعیہ پیدا کیا۔

اس کے علاوہ ایک اہم سبب یہ تھا کہ آج کل مسلکی خدمات کو ''فرقہ واریت'' کا سبب سمجھ کر نظر انداز کرنے یا ثانوی حیثیت دینے کی کوشش کی جاتی ہے، اور بعض حضرات اپنے ذاتی تعلقات کے متاثر ہونے کے ڈر اور اپنی ذاتی ترجیحات کی رعایت کے پیش نظر بزرگوں کی زندگی کے اہم، قیمتی اور واجب البیان واقعات و اَحوال کی پردہ پوشی میں اپنی ''عافیت'' سمجھتے ہیں۔ اِس طرح صاحبِ سوانح کی زندگی کے وہ گوشے اور اَفکار جو مرتبین یا ناشرین کے مزاج کے مطابق نہیں ہوتے، پوشیدہ رہ جاتے ہیں۔ جانب داری کے اِس ماحول میں حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اشاعتِ خاص کا بیڑہ اُٹھانے کا مقصد یہ بھی ہے کہ ایسی صورتِ حال سے بچا جاسکے۔ ہم نے اپنی سی محنت کر کے یہ اشاعتِ خاص پیش خدمت کر دی ہے۔ اس پر تبصرہ و تجزیہ قارئین و مبصرین کے حوالے کرتے ہیں۔

مولانا عبدالجبار سلفی صاحب کا بھرپور تعاون:

جب ہم نے اشاعتِ خاص کا اعلان کیا تو ابتدا میں مخدوم مکرم مولانا عبدالجبار سلفی حنفی مدظلہ کا خیال تھا کہ حضرت علامہ صاحبؒ اپنے ذاتی حالات میں بہت اخفا سے کام لیتے تھے۔ اِس لیے اُن کے صحیح حالات معلوم کرنا بہت دشوار ہے۔ لٰہذا ضخیم اشاعتِ خاص کے بجائے ایک بالکل مختصر شمارہ شائع کیا جائے، جس کی ضخامت سو (۱۰۰) کے لگ بھگ صفحات پر مشتمل ہو۔

مولانا موصوف خود ہی اُس کے لیے ایک جامع مضمون تحریر فرما دیں۔ بندہ نے عرض کیا کہ اہل علم وقلم حضرات سے گذارش کر کے دیکھ لیتے ہیں، کہنے میں کیا حرج ہے؟ کام کی چیزیں موصول ہوگئیں تو شائع کرلیں گے ورنہ آپ تو ہیں ہی! پھر جب مضامین کی آمد شروع ہوئی اور سلفی صاحب نے نظر ثانی کا کام شروع کیا تو اندازہ ہوا کہ ذاتی اور خانگی معلومات نہ سہی، لیکن علامہ صاحب کے علم و تقویٰ پر مبنی حالات وواقعات ایک دنیا کے سینوں میں محفوظ ہیں، جسے دوسروں تک پہنچانے کا واحد ذریعہ خاص نمبر ہی ہوسکتا ہے۔

مجلّہ ''صفدر'' کی مجلس مشاورت کے سرپرست حضرات کے علاوہ دیگر اراکین کی تو ذمہ داری تھی ہی کہ بروقت تمام تحریرات پر نظر ثانی فرمائیں (اگر چہ یہ ذمہ داری پوری نہ ہوسکی)، مجلس مشاورت کے علاوہ بھی چند حضرات کو مضامین دکھانا مجھے مناسب معلوم ہوا، جن میں مولانا عبدالجبار سلفی، مولانا ظفر اقبال [کراچی]، مولانا خالد محمود [ٹیکسلا]، مولانا صہیب ظفر [لاہور] اور مولانا عمر فرید شامل ہیں۔ لیکن اپنی اپنی مصروفیات اور مجلّہ ''صفدر'' کے دفتر سے بُعد مکانی کے باعث مؤخر الذکر تین حضرات تو چند مضامین ہی دیکھ سکے۔

جبکہ مولانا ظفر اقبال صاحب زید قدرہ نے اپنے والد محترم رحمہ اللہ کی علالت، اپنی بیماری اور بعض دیگر اعذار کے باوجود ۶۰۰ رصفحات پر مشتمل مضامین کا ایک بڑا پلندہ نہایت غور سے دیکھا، بڑی محنت سے اُن کی تصحیح وترمیم کی نشاندہی کی، بے حد لگن سے اُن کے بارے میں اپنے تاثرات سے آگاہ فرمایا۔ **جزاه الله أحسن الجزاء**. اللہ پاک مولانا کو خیر وعافیت سے رکھیں اور اُن کے والد گرامی کی مغفرت فرما کر اُنھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں۔ آمین

باقی رہے مولانا عبدالجبار سلفی صاحب! ماشاء اللہ! اُن کی محنت وایثار کے کیا کہنے! اِس اشاعت خاص کی نظر ثانی، مضامین کی تصحیح وترمیم اور حذفِ زوائد میں سب سے زیادہ کردار مولانا عبدالجبار سلفی دام ظلہ کا ہے۔ اکثر مضامین اُن کی نظر سے گزرے اور بیشتر مضامین کی پروف خوانی انہوں نے دو دو مرتبہ فرمائی۔ بلاشبہ جس محنت، دماغ سوزی، لگن، جذبے، سرعت اور ذمہ داری وپابندی سے انھوں نے یہ کام کیا، کوئی اور نہ کرسکا۔ اللہ پاک انھیں ڈھیروں ڈھیر جزائے خیر عطا فرمائیں۔

مجلّہ ''صفدر'' کے عمومی شماروں میں مشاورت اور نظر ثانی کے علاوہ تمام اُمور بندہ کو تن تنہا انجام دینے پڑتے ہیں۔ اِس اشاعتِ خاص میں بھی زیادہ تر عملی کام بندہ کو ہی کرنا پڑا، نظر ثانی کا کام اِس تیز رفتاری اور جانفشانی سے مولانا عبدالجبار سلفی صاحب نہ کرتے تو لازماً یہ اشاعتِ خاص مزید تاخیر کا شکار ہوجاتی۔ لہٰذا بندہ ناچیز پر، مجلّہ ''صفدر'' کی نظر ثانی کرنے والے حضرات پر اور شدت سے اِس اشاعتِ خاص کا انتظار کرنے والے تمام حضرات پر مولانا عبدالجبار سلفی صاحب کا احسان ہے۔ اللہ پاک اُنھیں اِس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین

بروقت تحریرات وتاثرات بھیجنے والوں کا خصوصی شکریہ اور اُن کا اعزاز:

اِس اشاعتِ خاص کے لیے مضمون نگاروں سے ہماری درخواست یہ تھی کہ یکم اگست ۲۰۲۰ء تک مضامین بھیج دیئے جائیں۔ الحمدللہ! بہت سے مضامین مقررہ وقت تک موصول ہوگئے۔ ایسے تمام حضرات خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔ اُن کے اِس

ذمہ دارانہ اور انتہائی قابلِ تحسین اقدام کے باعث ہمیں بہت راحت پہنچی، بے حد آسانی رہی، اور اُن کے لیے بے انتہا دعائیں دِل سے نکلتی رہیں۔اُن کے اعزاز میں اِس اشاعتِ خاص کا ''انتساب'' اُن کے نام بھی ہے۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف!

اور جن حضرات کے مضامین تاخیر سے موصول ہوئے، اُن کا بھی شکریہ! لیکن اِس احساس کے ساتھ کہ اُن کی وجہ سے یہ اشاعتِ خاص کافی تاخیر سے منظر عام پر آسکی اور اُن سمیت ہم سب کو اِس قدر انتظار کرنا پڑا۔

اگست ۲۰۲۰ء کے آخر یا ستمبر ۲۰۲۰ء کے وسط تک تقریباً ۹۵ رفیصد مضامین نہ صرف موصول ہو چکے تھے، بلکہ کمپوز ہو کر دو مرتبہ تصحیح کے مرحلے سے بھی گزر چکے تھے۔مگر اُس وقت تک ''کرونا'' کے نام پر بند کیے گئے مدارس اللہ پاک کے فضل و کرم سے کھل چکے تھے اور تعلیمی مشاغل شروع ہو چکے تھے، اِس لیے پھر خاص نمبر کی ترتیب و تکمیل کا وقت ہاتھ نہ آیا۔ ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح یہ کام مکمل ہو جائے، نومبر ۲۰۲۰ء سے مجلّہ ''صفدر'' کا معمول کا شمارہ بھی موقوف کر دیا، کئی اَسفار ترک کیے، متعدد مشغولیات کو آگے پیچھے کیا، لیکن وہی ہوا جو منظورِ خدا تھا۔ سالانہ تعطیلات میں شعبان کا ابتدائی حصہ اَسفار اور آخری حصہ ''اسلامی عقائد کورس''(ا) کی نذر ہو گیا۔ رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ میں بھی اشاعتِ خاص کا کوئی کام نہ ہو سکا۔عید الفطر کے چند دِن بعد جب دوبارہ کام شروع ہوا تو شاید اڑھائی تین ماہ کا وقفہ آ چکا تھا۔لیکن اس کے بعد الحمد للہ تسلسل سے یومیہ بنیاد پر کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہا۔ پھر عید الاضحیٰ کی چھٹیوں میں دِن رات ایک کر کے کام مکمل ہوا۔آج اداریہ لکھ رہا ہوں اور آج ہی تعطیلات ختم ہو رہی ہیں۔کل مدرسہ میں حاضری ہے۔اِن شاء اللہ!

تفصیلی مضامین کے حصول کی کوشش:

حضرت علامہ صاحب کی شخصیت، سوانح اور خدمات کے حوالے سے چند تفصیلی مضامین ناگزیر تھے، باہمی مشاورت سے طے ہوا کہ مفصل مقالہ جات کے لیے چار حضرات کی خدمت میں گزارش کی جائے: [ا]-استاذِ مکرم مولانا منیر احمد منور [۲]-عمِ محترم مولانا عبد القدوس خان قارن [۳]-والدِ مکرم مولانا عبد الحق خان بشیر [۴]-مخدومِ محترم مولانا عبد الجبار سلفی۔

مولانا منیر احمد منور نے اپنی تحقیقی و تصنیفی مصروفیات کا عذر پیش فرمایا، وہ ایک کتاب کی فوری تصنیف و تکمیل میں بے پناہ مشغول تھے۔عمِ محترم کی صحت نے اجازت نہ دی، والد گرامی نے مقررہ وقت کی قلت کا شکوہ کر کے بایں الفاظ معذرت کر لی:

''عزیزم احسن خدامی و عزیزم حمزہ احسانی سلمہما اللہ تعالیٰ فی الدارین وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خط ملا، خوشی ہوئی کہ مجلّہ ''صفدر'' مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت و خدمات پر (خاص) نمبر شائع کر رہا ہے۔اللہ رب العزت آسان بھی فرمائے اور قبول بھی۔آمین

میں نے عزیزم حمزہ سے عرض کر دیا تھا کہ اتنے مختصر وقت میں میرے لیے کوئی تفصیلی مضمون لکھنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ مسلسل بیماری کی وجہ سے نقاہت بھی ہے، یادداشت بھی کافی متاثر ہے، اور جن مسودات پر میں مسلسل کام کر رہا ہوں، ان سے خود کو فارغ

(ا) پندرہ روزہ یہ کورس ''الاحسان آن لائن اکیڈمی'' کے زیرِ اہتمام بذریعہ واٹس ایپ منعقد ہوا۔تفصیلات کے لیے دیکھیے: ۱۱۸،۶۲/۱

کرنا بھی بہت مشکل ہے، اس لیے میں چند سطروں میں ان شاء اللہ العزیز اپنے تاثرات تو مقررہ وقت سے پہلے ارسال کردوں گا، لیکن اتنے قلیل وقت میں کوئی تفصیلی مضمون تحریر کرنا مشکل ہے۔ یہ اطلاع صرف اِس لیے دے رہا ہوں تا کہ آپ لوگ بلا وجہ میرے کسی تفصیلی مضمون کا انتظار نہ کرتے رہیں۔ سب احباب واقرباء کو سلام عرض کردیں، بچوں کو بہت بہت پیار!

والسلام عبدالحق خان بشیر، مدرسہ حیات النبی، محلّہ حیات النبی، گجرات......۱۸ رشوال المکرّم ۱۴۴۱ھ......۱۳ رجون ۲۰۲۰ء‘‘

چنانچہ قرعہ فال مولانا عبدالجبار سلفی صاحب کے نام نکلا۔ اور اُنھوں نے بحمد اللہ محنت کا حق ادا کردیا۔ کہاں کہاں کے سفر کیے، علامہ صاحب کے کن کن متعلقین کی کھوج لگا کر اُن تک پہنچے، کیسی کیسی لائبریریوں کو کھنگالا، کس کس طرح ہفت روزہ ’’دعوت‘‘ کے شمارے حاصل کیے، اور نجانے کن کن جان توڑ مراحل سے گزر کر وہ اِس قدر معلوماتی، تفصیلی اور تحقیقی مضمون لکھنے میں کامیاب ہوئے، جس کی تکمیل اِن شاء اللہ اُن کی مستقل کتاب پر ہوگی۔ اللہ پاک آسان فرمائے، مفید و نافع بنائے اور قبول فرمائے۔ (اور ’’تذکرہ مولانا نافع‘‘ اور ’’مظہر کرم‘‘ میں جو صورتِ حال پیش آئی، اُس سے محفوظ فرمائے، آمین۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ علامہ صاحبؒ کے مزاج و حالات سے واقف دو تین حضرات قبل از طباعت بغور نظر ثانی فرمالیں۔) اِس محنت پر وہ نہ صرف ادارہ ’’صفدر‘‘ بلکہ حضرت علامہ صاحب کے تمام متعلقین و محبین کی طرف سے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔ **فجزاہ اللہ خیرا.**

اشاعتِ خاص میں شامل اہم مضامین:

اِس خاص نمبر میں الحمد للہ ایک سے بڑھ کر ایک مضامین موجود ہیں۔ جنھیں غیر اہم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن چند ایک حضرات کے مضامین معلوماتی حوالے سے زیادہ اہم ہیں: (۱)- مولانا ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ [جلد:۱ رصفحہ:۱۸۴] (۲)- مولانا عبدالجبار سلفی [۱/۲۱۱] (۳)- مولانا احسان الحق چاریاری [۱/۱۶۹] (۴)- محترم جناب پروفیسر بشیر حسین حامدؒ [۱/۶۲۱]۔

مولانا سعید احمد عنایت اللہ نے بڑی خوبصورتی سے علامہ صاحب کی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ مولانا عبدالجبار سلفی نے تفصیلی حالات بڑی محنت سے رقم فرمائے ہیں۔ مولانا احسان الحق اور بندہ ناچیز کا مشترکہ مضمون ’’سوانحی خاکہ! ماہ و سال کے آئینے میں!‘‘ بہت سی معلومات پر مشتمل ہے۔ اور پروفیسر بشیر حسین حامدؒ کا مضمون علامہ صاحب کی تصنیفات و تحریرات کے حوالے سے بہت جامع ہے۔ اِس مضمون کا ابتدائی خاکہ محترم پروفیسر صاحب مرحوم کا تیار کردہ ہے۔ جبکہ اضافہ جات اور مختلف رسائل میں شائع شدہ مضامین کی فہرستیں وغیرہ بندہ کی درج کردہ ہیں۔

اسی طرح ’’عقیدہ امامت‘‘ کے حوالے سے ایک اہم مضمون بھی شامل اشاعت ہے [جلد ۲، صفحہ: ۶۵۷]، حضرت علامہ صاحبؒ کی متفرق تحریرات میں اِس عنوان کا مواد بکھرا ہوا تھا، بندہ نے اسے یکجا کیا ہے۔ موقع کی مناسبت اور موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اہل تشیع کے متعدد حوالہ جات بھی شامل ہیں، تا کہ بخوبی جائزہ لیا جاسکے کہ علامہ صاحبؒ نے عقیدہ امامت کی تفصیلات سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ الزام نہیں بلکہ حقیقت کا اظہار ہے۔ نیز تین درجن اکابر اہل سنت کے حوالہ جات بھی درج کردیئے ہیں تا کہ یہ حقیقت ذہن نشین رہے کہ حضرت علامہ صاحب اِس معاملے میں متفرد نہیں بلکہ اُنھوں نے جو موقف اپنایا ہے، اکابر اہل سنت کی پیروی میں ہی اپنایا ہے۔ اور اِس حوالے سے بعض حضرات کے شبہات کا جائزہ بھی اسی مضمون میں پیش کیا گیا ہے۔

کتب کا اشاریہ، مختلف فہرستیں اور حواشی:

ا...... بندہ نے برادرم منصور الحق اور مولانا احسان الحق (آ) کے تعاون سے علامہ صاحب کی تحریرات کا ایک مختصر سا اشاریہ ترتیب دینا شروع کیا تھا، اگر چہ وہ ابتدائی مراحل میں ہے، لیکن فائدے سے خالی نہیں۔ لہٰذا شامل اشاعت ہے۔ (۱۸/۱)

۲...... نیز خاص نمبر کے مضامین میں سے مولانا عبد الجبار سلفی کے تفصیلی مضمون کی مکمل فہرست لگائی گئی ہے۔ (۱۲/۱)

۳...... اشاعتِ خاص میں شامل اہم عنوانات، واقعات اور افادات کی فہرست الگ سے (جلد اول، صفحہ: ۱۵...... جلد دوم، صفحہ: ۸۱۷) شامل کی جا رہی ہے۔ تاکہ دلچسپی کا باعث ہو اور مطلوبہ عنوان تلاش کرنے میں آسانی رہے۔

۴...... اسی طرح بہت سی مفید اور قیمتی کتب و مضامین کے اشتہارات بھی اِس اشاعتِ خاص کا حصہ ہیں۔ اُن کی فہرست بھی (جلد اول، صفحہ: ۴۰...... جلد دوم، صفحہ: ۸۲۳) شامل ہے۔ یہ فہرست تو گویا ''اشتہارات کا اشتہار'' ہوگئی۔

۵...... ایک مختصر سی (یک صفحاتی) فہرست علامہ صاحب کی کتب کے حوالے سے بھی [۶۲۰/۱ پر] موجود ہے۔ جس میں یہ نشاندہی کی گئی ہے کہ علامہ صاحب کی کس کتاب کا تذکرہ اِس اشاعتِ خاص میں کہاں کہاں موجود ہے۔

۶...... اور علامہ صاحبؒ کے چند مناظروں کی مختصر سی فہرست بھی [۱۸۳/۱] موجود ہے۔ جس میں مناظرے کا مقام، تاریخ، مد مقابل اور عنوان لکھا گیا ہے۔ اور یہ نشاندہی بھی کی گئی ہے اِس اشاعت خاص میں اس مناظرہ کا تذکرہ کہاں موجود ہے۔

۷...... مذکورہ بالا فہارس ستہ کے علاوہ حاشیہ یا قوسین (بریکٹ) میں اُن افادات و واقعات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے جو اِس اشاعتِ خاص میں مکرر مذکور ہیں، تاکہ ایک جگہ اجمال اور دوسرے مقام پر تفصیل ہو تو وہ سامنے آجائے۔ اور دونوں مقامات پر تعبیر، رائے، طرزِ تحریر یا واقعہ کا کوئی اختلاف ہو تو وہ بھی دیکھا جا سکے۔ کسی واقعہ کی متعدد گواہیاں ہوں تو وہ بھی نظر میں رہیں۔

امید ہے ان شاء اللہ یہ فہرستیں اور حواشی قارئین کے لیے سہولت کا باعث ہوں گے اور کم وقت میں زیادہ استفادہ بہ آسانی ممکن ہو سکے گا۔

چند مرحومین مضمون نگار:

بعض حضرات کی خدمت میں ہم مضمون کی گزارش کرنا چاہتے تھے، اُن کا نام بھی فہرست میں شامل تھا، لیکن رابطہ کرنے سے پہلے ہی وہ انتقال فرما گئے، جیسے شیخ الحدیث مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری رحمہ اللہ۔ بعض حضرات ایسے ہیں جن سے مضمون کی گزارش کی جا چکی تھی، لیکن کچھ لکھنے یا لکھوانے سے پہلے ہی وہ انتقال فرما گئے، جیسے مولانا ڈاکٹر عبد الحلیم چشتی، مولانا ڈاکٹر عادل خان شہید، مولانا مفتی محمد نعیم اور مولانا مفتی زر ولی خان رحمہم اللہ۔ اور چند حضرات ایسے بھی ہیں جو ہماری درخواست پر مضمون

(آ) برادرم منصور الحق اسلام آباد میں اور مولانا احسان الحق چار یاری نواب شاہ سندھ میں رہتے ہوئے مجلّہ ''صفدر'' کے ساتھ اِس تسلسل سے تعاون کرتے ہیں کہ بندہ مجلّہ صفدر کے عملی کام کی انتظامیہ کو ایک تکون قرار دیتا ہے، جس کا ایک کونہ منصور الحق، دوسرا احسان الحق اور تیسرا حمزہ ابن عبد الحق ہے۔ اللہ پاک دونوں حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ آمین۔

ارسال فرما چکے تھے، لیکن اشاعتِ خاص کی طباعت سے پہلے اُن کا وقتِ موعود آ پہنچا، اُن میں مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری، پروفیسر حافظ بشیر حسین حامد، مولانا ابن الحسن عباسی اور مولانا احسان اللہ فاروقی [وڈالہ سندھواں] رحمہم اللہ شامل ہیں۔ اللہ پاک تمام مرحومین کی مغفرت فرما کر اُن کے درجات بلند سے بلند تر فرمائیں۔ آمین

بر گردنِ راوی

مولانا عبدالجبار سلفی پیش لفظ میں تحریر فرما چکے ہیں کہ انھوں نے اِس اشاعتِ خاص کے مضامین میں خاصی کانٹ چھانٹ کی ہے، لیکن اِس کے باوجود مبالغہ آمیزی اور بھول چوک وغیرہ کا امکان بہرحال موجود رہتا ہے۔ اِس لیے اشاعتِ خاص کے مضامین میں درج واقعات کی تمام تر ذمہ داری مضامین نگاروں پر ہی ہے۔ خصوصاً ایسے واقعات جن کا تعلق مضمون نگار سے ہو یا ایسی شخصیت و جماعت سے ہو جن سے صاحبِ مضمون کا: عقیدت یا دوستی کا تعلق ہے۔

حضرت علامہ صاحبؒ: حوصلہ افزائی کا ایک خاص انداز:

نیز مولانا عبدالجبار سلفی صاحب کا کہنا ہے کہ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اصاغر کی حوصلہ افزائی، دِل جوئی اور اُن میں خود اعتمادی و شوقِ عمل بڑھانے کی خاطر بعض اوقات انھیں ایسے جملے فرمادیا کرتے تھے کہ:

......''یہ آپ کا ہی ادارہ ہے، آپ آجائیں اور اِسے سنبھال لیں۔''

......''فلاں کتاب یا تحریر کے بارے میں آپ سے مشورہ کرنا ہے۔''

......''آپ ہمارے ساتھ مل کر کام کریں تو ہمارا کام بہت ترقی کرسکتا ہے۔'' وغیرہ وغیرہ۔

اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا تھا کہ جن حضرات کو علامہ صاحبؒ نے اپنے ادارے کا مہتمم، ناظم اور ذمہ دار مقرر کیا ہے آپ اُنھیں برطرف کر کے خود انتظام سنبھال لیں یا علامہ صاحب کو اپنی کسی تحریر کے سلسلے میں واقعی آپ کے مشورے کی 'محتاجی' تھی، یا اُن کے کام کی ترقی آپ کے تعاون پر موقوف ہے۔ بلکہ ایسے جملے بیسیوں افراد کو محض اُن کی حوصلہ افزائی اور دِل جوئی کے لیے فرماتے تھے۔ لہٰذا انھیں اسی پس منظر میں سمجھا جائے۔

علامہ صاحبؒ اور دارالعلوم دیوبند میں تلمذ:

ایک اہم بات حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی طرف حضرت مدنی رحمہ اللہ اور دارالعلوم دیوبند سے تلمذ کی نسبت ہے۔ مولانا عبدالجبار سلفی صاحب نے ذاتی معلومات، تحقیق اور قرائن وغیرہ سے پورے یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے کہ علامہ صاحبؒ دیوبند جانا چاہتے تھے، لیکن حضرت مدنی رحمہ اللہ کی گرفتاری کے باعث نہیں جاسکے۔ اِس لیے مولانا سلفی نے زیرِ نظر اشاعتِ خاص کے تمام مضامین سے ایسی نسبت حذف کرنے کا مشورہ دیا تھا، تاکہ قاری تردد و تذبذب میں نہ پڑے۔ لیکن یہ نسبت کئی ایسے مقامات پر موجود ہے کہ سب جگہ اس کی تغلیط کرنا بھی ہمارے لیے مشکل ہے، مثلاً:

۱-علامہ صاحب کی نگرانی میں شائع ہونے والے ہفت روزہ ''دعوت'' میں شائع شدہ ایک اشتہار میں علامہ صاحب کو ''فاضل دیوبند'' لکھا گیا ہے۔(دیکھیے:۱/۱۷۳)اور علامہ صاحب کی طرف سے اس کی کوئی تردید نظر سے نہیں گزری۔

۲-شیخ الاسلام سیمینار بہاول پور میں علامہ صاحبؒ نے منتظمین سے شیلڈ وصول کی،جس پر تلمیذ حضرت مدنی درج ہے۔

۳-علامہ صاحب کی حیات میں شائع ہونے والے **"الصیانہ"** کے مضمون میں بھی یہ نسبت درج ہے۔اور اُس مضمون کے بارے میں مضمون نگار کا دعویٰ ہے کہ علامہ صاحب کی تائید و تصحیح کے بعد شائع ہوا تھا۔(دیکھیے:۱/۸۲۶)

۴-علامہ صاحبؒ کی موجودگی میں مولانا عبید اللہ انورؒ نے جو سپاس نامہ پیش کیا تھا اُس میں بھی اِس نسبت کا ذکر موجود ہے۔(دیکھیے:۱/۵۴)

بعض دیگر چیزوں سے بھی اِس نسبت کی طرف اشارات ملتے ہیں۔اِس لیے بندہ نے اِس اشاعتِ خاص کے مضامین سے یہ نسبت حذف نہیں کی۔نہ ہی مولانا عبدالجبار سلفی صاحب کے مضمون سے اِس کی تغلیط مٹائی ہے۔فیصلہ قارئین پر ہے۔

مستقل قارئین توجہ فرمائیں!

مجلّہ ''صفدر'' کا یہ شمارہ ۹/ماہ کے شماروں جنوری تا ستمبر۲۰۲۱ء(شمارہ نمبر **119**/تا**127**)پر مشتمل ہے۔اگلا شمارہ (**128/129**)اکتوبر/نومبر۲۰۲۱ء کا ہوگا۔

مجلّہ ''صفدر'' کا تونسوی وڈیروی نمبر

مجلّہ ''صفدر'' نے آج سے کئی سال قبل اعلان کیا تھا کہ درجِ ذیل شخصیات پر خاص نمبر شائع کیا جائے گا:

۱-ترجمان اہل سنت دیوبند مولانا نور محمد تونسوی رحمہ اللہ

۲-محدث جلیل وکیل احناف مولانا حافظ حبیب اللہ ڈیروی رحمہ اللہ

مجلّہ ''صفدر'' اِن کے لیے پُرعزم ہے۔جملہ قارئین سے دعا اور علمی و قلمی تعاون کی درخواست ہے۔

التبیان کی اشاعت خاص

علامہ صاحب کی وفات کے بعد جب ہم نے اشاعتِ خاص کا اعلان کیا تو اُسی وقت برادرم مولانا ظفر اقبال[کراچی] نے بتایا کہ ہم بھی علامہ صاحبؒ پر ایک اشاعتِ خاص شائع کریں گے۔اَب الحمدللہ اُس پر کام شروع ہو چکا ہے۔اللہ کرے جلد مکمل ہو اور بہتر و مفید انداز میں شائع ہو کر منظر عام پر آئے۔آمین

اعتذار:

ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ اِس شاعتِ خاص کے لیے تاثرات و واقعات بھیجنے والوں میں سے کسی کا نام رہ نہ جائے، چاہے اُن کی تحریر میں چار سطریں ہی قابل اشاعت قرار پائیں۔پھر بھی اگر کسی کے تاثرات شائع ہونے سے رہ گئے ہوں تو بندہ اُن سے معذرت خواہ ہے۔

زیرِ نظر اشاعت خاص کے لیے موصولہ بعض افاداتی مفید مضامین شامل اشاعت نہیں ہو سکے، خود حضرت علامہ صاحب کے بعض چنیدہ مضامین بھی اشاعت سے رہ گئے۔ ایک تو اس لیے کہ ضخامت بہت بڑھ گئی ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ افادات مطبوعہ ہیں اور کہیں نہ کہیں دستیاب ہیں۔ مثلاً: البلاغ مفتی اعظم نمبر اور بینات بنوری نمبر میں علامہ صاحب کے مضامین اور علامہ صاحب کا نایاب قیمتی مضمون ''قادیانیوں کی قانونی حیثیت'' وغیرہ۔

سرپرستی، دعا اور تعاون کرنے والے اکابر و احباب!

اِس اشاعتِ خاص کے لیے ہماری سرپرستی' حوصلہ افزائی اور تائید فرمانے والے، دعائیں کرنے والے، اِس کے اعلان کی تشہیر کرنے والے، دوسروں سے مضامین مہیا کر کے دینے والے، مشورے دینے والے، مالی تعاون کرنے والے، نظرِ ثانی' تصحیح' بہتری اور پروف ریڈنگ میں تعاون کرنے والے الغرض کسی بھی طرح اِس میں تعاون کرنے والے تمام حضرات کا شکریہ! اپنی یادداشت کی حد تک سب کے نام درج کر رہا ہوں کسی کا نام رہ جائے تو اُن کا دوہرا شکریہ! وہ ناراض بالکل نہ ہوں:

جانشین حضرت اوکاڑوی مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہم، جانشین قائد اہل سنت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہم، استاذ العلماء مولانا مفتی جمیل الرحمٰن مدظلہم، محترم جناب انجم نیازی، مولانا عبدالجبار سلفی، برادرم منصور الحق، مولانا ظفر اقبال، مولانا مفتی رب نواز، مولانا جمیل الرحمٰن عباسی، برادرم مولانا احسن خدامی، مولانا احسان الحق چاریاری، برادرِ عزیز شمس الدین طلحہ، مولانا قاری سمیع اللہ لالہ موسیٰ، مولانا خالد محمود، مولانا عمر فرید، محترم ماسٹر منظور حسین صاحب اور اُن کے فرزند مولانا عثمان معاویہ، مولانا عطاء اللہ، مولانا ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ، جناب سید عبدالماجد شاہ، مولانا عبدالرحیم چاریاری، محترم میاں رضوان نفیس، مولانا سید زین العابدین، مولانا زبیر احمد صدیقی، جناب شبیر میواتی، حکیم محمد امجد شاکر، مولانا بلال احمد، مولانا محبوب احمد، مولانا مفتی شعیب احمد، مولانا بلال معاویہ، مولانا ارشاد احمد، برادرم قاری محمد الیاس، برادرم مولانا حذیفہ جمیل، برادرم مولانا لطیف الرحمٰن، مولانا امجد ولی، مولانا محمد شعیب دین پوری، برادرم محمد وقاص قاسم، برادرم محمد عامر، برادرم محمد ساجد، عزیزم محمد زبیر، برادرم حکیم محمد احسن، برادرم محمد اعظم طارق، برادرم ماجد حسین، حضرت علامہ صاحبؒ کے خدام جناب ہمایوں صادق، مولانا مفتی فیض الرحمٰن، مفتی عزیر الحسن، مولانا عبدالغفور، مولانا صہیب ظفر، مولانا ثقلین حیدری۔ اور کچھ نیک لوگ ایسے ہیں جن کی مخلصانہ دعائیں اور بے لوث تعاون مسلسل شامل حال رہا، لیکن وہ اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے، ایسے حضرات بھی ایک دو نہیں شاید درجن بھر ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائیں، برکات سے نوازیں، خیر و عافیت سے رکھیں اور اپنے شایانِ شان اجرِ عظیم دیں۔ آمین

اِس مقام پر حضرت علامہ صاحبؒ کی ایک تحریر ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس میں اُنھوں نے بعض حضرات کا تذکرہ فرمایا ہے، چنانچہ ''تجلیات آفتاب'' میں لکھتے ہیں:

''مولانا عبدالجبار سلفی نے بلطائف الحیل ڈھکو صاحب کی اِس کوشش کو ناکام کر دیا۔...... اللہ تعالیٰ کا فضل اس طرح ہمارے شامل حال ہوا کہ احقر کے احباب میں جناب مفتی صہیب حسن، جناب ہمایوں صادق ایم اے پرنسپل جیلانی اکیڈمی اور مولانا عبدالغفور

صاحب نے اسے کمپوز کرنے کا ذمہ لے لیا اور اب وہ جلد آپ کے سامنے ہے۔‘‘[۳۲/۲](خدام کا مزید تذکرہ دیکھیے :۵۹۸/۱)

معذرت پیش کرنے والے حضرات:

بعض حضرات نے مضمون سے معذرت بھی فرمائی، اُن کے جواب دینے کا شکریہ! مکاتیب درج ذیل ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ

بندہ دعا کرتا ہے کہ آپ کا یہ خصوصی نمبر مفید اور مقبول ہو۔ بندہ کو علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے زیادہ نیاز حاصل نہیں رہا۔ اس لیے ان کے بارے میں کچھ لکھنے سے اپنے آپ کو نااہل پاتا ہوں۔ تاہم ان کی علمی خدمات سے فی الجملہ متعارف ہوں۔ اللہ تعالیٰ انھیں قبول فرمائیں۔ اور مسلمانوں کے لیے نافع بنائیں۔ آمین والسلام......محمد تقی......۴۲/۶/۲۱ھ

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائیں، مغفرت فرمائیں، اور اُن کی خدمات قبول فرمائیں۔ بندہ اُن کے حالات وغیرہ سے زیادہ واقف نہیں ہے اور آں موصوف سے کوئی رابطہ بھی نہ تھا، اِس لیے اُن کے بارے میں کچھ لکھنا مشکل ہے۔ اس لیے معذرت ہے۔ والسلام بندہ عبدالرؤف سکھروی......۱۷/۱۰/۱۴۴۱ھ

مکرمی جناب مدیر صاحب مجلّہ صفدر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مطبوعہ مکتوب موصول ہوا۔ حضرت علامہ مولانا خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اِس ناچیز کا تلمذ کا تعلق نہیں رہا، نہ اُن کی خدمت میں حاضری اور اُن کے ارشادات سے مستفید ہونے کا موقعہ احقر کو مل سکا، اِس لیے اُن کے علمی وروحانی مقام کے بارے میں کچھ مستند بات تحریر کرنے سے قاصر ہوں۔ احقر کے پاس اُن کا کوئی مکتوب بھی موجود نہیں جو آپ کی خدمت میں پیش کر سکوں۔

والسلام احقر محمود اشرف غفر اللہ لہ......۸/۱۱/۱۴۴۱ھ......۳۰/جون ۲۰۲۰ء

محترمی ومکرمی مدیر مجلّہ صفدر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آنجناب کا حکم موصول ہوا تھا، مگر چونکہ کم قسمتی سے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے کبھی شرفِ ملاقات یا شناسائی نہیں رہی، اِس لیے اِس بابت بندہ کے پاس عرض کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ امید ہے عذر قبول فرمائیں گے۔

سید عدنان کاکاخیل، البرہان، اسلام آباد......۲/صفر المظفر ۱۴۴۲ھ بمطابق ۲۵/ستمبر ۲۰۲۰ء

ماہنامہ ’’لولاک‘‘ کے ’’حکیم العصر نمبر‘‘ میں جانب داری:

زیرِ نظر تحریر کے آغاز میں ہم تذکرہ کر چکے ہیں کہ بعض حضرات ذاتی ترجیحات کی بنا پر کچھ چیزوں کو عمداً مخفی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کی چند مثالوں کا تذکرہ بھی کر دیا جائے، ماہنامہ ’’لولاک‘‘ کے ’’حکیم العصر نمبر‘‘ میں اِس طرح کی صورتِ حال کا مشاہدہ ہم کر چکے ہیں، تفصیلات کا یہ موقع نہیں، مختصر یہ کہ حکیم العصر شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ کی زندگی کے بعض اہم واقعات اور چند شخصیات سے متعلق اُن کے جو خیالات حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ کی ذاتی ترجیحات کے مطابق نہیں تھے، اُنہیں ’’حکیم العصر نمبر‘‘ میں نہ صرف یہ کہ شامل نہیں کیا گیا بلکہ اُن کا تذکرہ کرنے والوں کو ہی

مورد الزام ٹھہرا دیا گیا۔ حالانکہ ماہنامہ ''لولاک'' کی یہ اشاعتِ خاص ''حکیم العصر نمبر'' کے نام سے موسوم تھی نہ کہ ''مولانا اللہ وسایا نمبر'' کے نام سے۔ حیرت ہے کہ ''حکیم العصر نمبر'' میں حضرت حکیم العصرؒ کے ہی بعض اَفکار کو جگہ نہ دی گئی۔ مجبوراً ہم ریکارڈ کی درستگی اور حقائق سے آگاہی کے لیے اُن میں سے دو ایسی چیزوں کا تذکرہ کرنا لازم سمجھتے ہیں، جن کا تعلق مسلکی معاملات سے ہے۔

[۱]- عم مکرم مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ کے بارے میں حضرت حکیم العصر رحمہ اللہ کی واضح اور دوٹوک رائے یہ تھی کہ وہ بہت سی چیزوں میں اکابر اہل سنت خصوصاً اپنے والد حضرت امام اہل سنتؒ سے الگ راستہ اختیار کر چکے ہیں۔ نیز اُن کے بہت سے اقدامات مسلکِ اہل سنت دیوبند کے لیے نقصان دہ ثابت ہو رہے ہیں۔ خصوصاً اُن کی طرف سے عمار خان ناصر غامدی کی پشت پناہی، حوصلہ افزائی اور بے جا دفاع انتہائی مہلک و نقصان دہ ہے۔ اُن کا رسالہ ''الشریعہ'' غامدیت اور دیگر باطل اَفکار کی اشاعت و ترجمانی کر رہا ہے۔ حضرت حکیم العصر رحمہ اللہ کی اِس رائے کی تصدیق اُن کی تحریرات، اُن کے تلامذہ خصوصاً اُن کے علمی جانشین مولانا منیر احمد منور مدظلہ سے کی جاسکتی ہے۔ حضرت حکیم العصر خود تحریر فرماتے ہیں:

> ''مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی (مولانا زاہد الراشدی سے) بائیکاٹ کی تجویز واجب التقلید ہے۔ اللہ تعالیٰ امام اہل سنت مولانا سرفراز صاحب صفدر رحمہ اللہ کے خاندان کو حضرت اقدس کے طریق صواب پر استقامت نصیب فرمائے۔''
>
> [مجلّہ صفدر اپریل ۲۰۱۴ء]

مزید تفصیلات کے لیے مجلّہ ''صفدر'' کے شمارے دیکھیے، جن کا اشتہار اِسی اشاعتِ خاص (۱/۵۷۷) میں موجود ہے۔

[۲]- حضرت حکیم العصرؒ کے نزدیک عالم عرب کے مشہور رضا خانی عالم جناب محمد بن علوی مالکی، اُن کے مؤیدین، کتاب ''اصلاح مفاہیم'' اور رِسالہ ''اکابر کا مسلک و مشرب'' وغیرہ کا مسلکِ اہل سنت سے کوئی تعلق نہیں تھا، وہ انھیں اہل بدعت کے ترجمان سمجھتے تھے۔ اِس کا اقرار اُن لوگوں کو بھی ہے جو اِس سلسلے سے وابستہ ہیں۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے کتاب ''تحفظ عقائد اہل سنت'' جس کا اشتہار زیرِ نظر اشاعتِ خاص (۱/۷۱۱) میں موجود ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ محترم مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ بھی اِس بات کا اِنکار نہیں فرما سکے کہ یہ آراء حضرت حکیم العصر رحمہ اللہ کی ہی ہیں۔ لیکن اِنھیں جگہ بھی نہیں دی گئی۔

اِسی طرح حال ہی میں شائع ہونے والے ماہنامہ ''دار التقویٰ'' کی ''اشاعتِ خاص بیاد: مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد'' میں جہاں مولانا زاہد الراشدی، ماہنامہ الشریعہ، شیخ محمد بن علوی مالکی وغیرہ کے متعلق حضرت مفتی صاحب کی بے لاگ رائے درج کرنے کا قابلِ تحسین کارنامہ سرانجام دیا گیا وہیں مولانا طارق جمیل کے بارے میں حضرت مفتی صاحب کی رائے سے چشم پوشی کرتے ہوئے اِس پہلو کو مخفی رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مولانا طارق جمیل کے بارے میں حضرت مفتی صاحب کی رائے یہ تھی کہ:

''وہ بہت سے معاملات میں بے اعتدالی کی راہ اختیار کر چکے ہیں۔'' تفصیلات دیکھیے ماہنامہ حق چار یار: جون/جولائی ۲۰۰۸ء

''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے ناشرین کی علمی خیانت:

یہ تو خاص نمبرات میں بعض چیزیں درج نہ کرنے کی مثالیں ہیں، اَب تو اکابر کی تحریرات میں: پہلے سے درج شدہ چیزیں

نکالے جانے کی سازشیں ہو رہی ہیں۔ چنانچہ حضرو ضلع اٹک کے مولانا نثار احمد الحسینی صاحب کئی مرتبہ کوشش کر چکے ہیں کہ امین ملت حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کی کتاب ''تجلیاتِ صفدر'' سے علوی مالکی کا قضیہ نکال دیا جائے۔ اِسی طرح ماہنامہ ''الخیر'' کی اشاعتِ خاص بیادِ حضرت اوکاڑویؒ سے بھی اِس حصہ کو نکلوانے کے در پے ہیں۔ اِس حوالے سے مطبوعہ خطوط موجود ہیں۔

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کی مایہ ناز شہرہ آفاق کتاب ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے موجودہ ناشرین نے علمی خیانت کا ارتکاب کرتے ہوئے فتنہ علوی مالکی سے متعلق تقریباً ایک سو سے زائد صفحات ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' سے نکال بھی دیئے ہیں۔ لہٰذا سادہ ایڈیشن ۲۰۱۱ء سے اور تخریج شدہ ایڈیشن ۲۰۱۳ء سے اسی تحریف وخیانت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے کتاب ''علمائے اہل سنت دیوبند کے خلاف سازشیں'' جس کا اشتہار زیر نظر اشاعت (۱۹۴/۲) میں موجود ہے۔

جانب داری، بے اِنصافی اور تحریف وخیانت کے اِس ماحول میں ایسی چیزوں کی نشاندہی اور تعاقب مجلّہ ''صفدر'' کا امتیاز ہے۔ اللہ پاک اعتدال وانصاف اور اخلاص واستقامت کے ساتھ اسے قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

خادم اہل سنت حمزہ احسانی غفرلہ

مدیر: مجلّہ صفدر

۲۱/ذوالحجہ ۱۴۴۲ھ/یکم اگست ۲۰۲۱ء، بروز اتوار

مجلّہ صفدر ''علامہ ڈاکٹر خالد محمود نمبر'' (جلد اول) میں شامل اشتہارات کی فہرست

عرضِ مرتب حمزہ احسانی

اشاعتِ خاص: ارادہ سے تکمیل تک، مرحلہ وار کارگزاری

زیرِ نظر اشاعتِ خاص کی اشاعت کے ارادہ سے لے کر تکمیل تک کے اہم مراحل کا تذکرہ کرنا کئی وجوہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے، جن میں جہاں یہ وجہ شامل ہے کہ اپنے مضامین وتاثرات دینے والوں کو مرتبین کی مشکلات کا احساس ہو اور وہ آئندہ زیادہ ذمہ داری اور توجہ سے بروقت یہ خدمت انجام دے سکیں، وہیں یہ وجہ بھی شامل ہے کہ جن حضرات کو کبھی کسی اشاعتِ خاص کی ترتیب کا موقع نہیں مل سکا، وہ بھی دوسروں کے تجربات سے فائدہ اُٹھا سکیں اور جب اُنھیں موقع ملے تو کام کی کچھ نہ کچھ ترتیب اُن کے سامنے ہو۔ بندہ ناچیز کو جب زندگی میں پہلی مرتبہ اشاعتِ خاص (امام اہل سنت نمبر) کی ترتیب کا موقع ملا تو جن کڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اُن میں ایک بڑی مشکل یہ بھی تھی کہ تفصیلی طریق کار کہیں سے دستیاب نہ ہو سکا، نہ اپنی منشا کا تسلی بخش مشورہ مل سکا۔ سو بندہ کی چاہت ہے کہ آئندہ کسی بھائی کو یہ مشکل پیش نہ آئے۔ ممکن ہے خاص نمبرات کا تجربہ رکھنے والوں کے لیے یہ سطور دلچسپی کا باعث نہ ہوں، لیکن اِس میدان کے نو وارد اِس سے اِن شاء اللہ فائدہ اُٹھائیں گے۔

ہماری یہ گفتگو چار پہلوؤں میں تقسیم ہوگی: [۱]-تشہیر واعلانات [۲]-تاثرات ومقالات کا حصول [۳]-حصولِ معلومات کے دیگر ذرائع [۴]-ترتیب وتدوین۔

(۱)-تشہیر واعلانات:

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے غالباً دوسرے دن اشاعتِ خاص کا خیال آیا۔ مشاورت کے بعد درجِ ذیل اعلان تیار کر کے فوری طور پر نشر کر دیا گیا:

"مجلّہ "**صفدر**" لاہور، بحر العلوم، سلطان العلماء، مفکرِ اسلام حضرت مولانا **علامہ خالد محمود** رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت وخدمات پر ایک "**خاص نمبر**" شائع کر رہا ہے، جس میں معاصرین، تلامذہ، متعلقین ومحبین اور عوام میں سے استفادہ کرنے والے حضرات کے تاثرات بھی شامل ہوں گے۔ جو حضرات اپنے مضامین ومقالات، تاثرات، تعزیتی پیغامات یا منظوم کلام ارسال فرمانا چاہیں، جلد از جلد درج ذیل پتے، ای میل یا واٹس ایپ نمبر پر ارسال فرما دیں۔ علاوہ ازیں اگر کسی صاحب کے پاس حضرت علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا مکتوب یا تحریر موجود ہو تو اسے بھی ارسال فرمانے کی گزارش ہے۔ جو حضرات اپنے تاثرات زبانی بتانا چاہیں، وہ اپنے نام، پتے اور مکمل تعارف کے ساتھ درج ذیل نمبر پر صوتی پیغام (وائس میسج) بھی ارسال فرما سکتے ہیں۔ اگر مضمون، مقالہ، مکتوب یا تاثرات کمپوز شدہ ہوں تو اُن کی "اِن پیج" فائل بھی ای میل یا واٹس ایپ فرما دیں تو نوازش اور اِدارے کے ساتھ دوہرا تعاون ہوگا۔ حمزہ احسانی، (ڈاک کا مکمل پتہ......ای میل......واٹس ایپ نمبر)"

اشاعتِ خاص میں مضامین کی وصولی کی تاریخ تو دی گئی، لیکن طباعت واشاعت کی تاریخ کا اعلان نہیں کیا گیا، (اور شکر ہے کہ نہیں کیا گیا) کیونکہ اعلان کے بعد مقررہ وقت پر کام نہ ہو سکے تو شائقین کو شدید انتظار اور مرتبین کو شرمندگی کا سامنا ہوتا ہے۔

مضامین کے لیے اڑھائی ماہ کا وقفہ رکھ کر تاریخ کا اعلان کیا گیا تھا۔ مضامین نگاروں کو چاہیے تھا کہ آخری وقت کا انتظار کیے بغیر پہلی فرصت میں مضامین تحریر فرما دیتے۔ لیکن اکثر حضرات آخری وقت کے انتظار میں رہے اور آخری دنوں میں عید قربان، امتحانِ وفاق، پرچوں کی جانچ پڑتال یا دیگر مصروفیات نے آلیا اور یوں تاخیر سے تاخیر ہوتی چلی گئی۔

[۱]- مذکورہ بالا اعلان کے سادہ و جاذبِ نظر اشتہار بنا کر واٹس ایپ، فیس بک اور دیگر ذرائع کے ذریعے نشر کیے گئے۔ اور ہر چند روز بعد رنگ بدل بدل کر یہ اشتہار نشر کیا جاتا رہا۔

[۲]- دینی رسائل نیکی اور خیر میں تعاون کے طور پر عموماً دیگر جرائد کے اعلانات واشتہار مفت یا تبادلہ میں شائع کر دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ جتنے رسائل میں ممکن ہوا، یہ اعلان لگوایا گیا۔ اور اُنھیں اِعلان بھیجنے میں کسی ایک ذریعہ پر اکتفا نہیں کیا گیا، جو جو ذریعہ ممکن ہوا، استعمال کیا گیا، ڈاک، واٹس ایپ، ای میل، بالمشافہہ وغیرہ۔ اعلان کے ساتھ درجِ ذیل عریضہ بھیجا گیا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم المقام مدیر صاحب　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ　مزاج شریف؟　بعدہ!

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ مجلّہ ''صفدر'' کا اجرا قرآن وسنت اور فقہ حنفی کی تعلیمات اور مسلک اہل سنت علماء دیوبند کی اشاعت وحفاظت کے لیے کیا گیا تھا، اکابر اہل سنت کی علمی، دینی، مسلکی و دیگر ہمہ جہت خدمات منظر عام پر لانا بھی اِسی سلسلے کی ایک کڑی ہے...... اِس سے قبل مجلّہ ''صفدر''

......شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ

......شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف رحمہ اللہ [شیخ الحدیث: دار العلوم مدنیہ، بہاول پور]

......فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد المجید دین پوری شہید رحمہ اللہ [مفتی: جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی]

پر خصوصی اشاعتیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر چکا ہے، اور اَب

......بحر العلوم، سلطان العلماء حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمہ اللہ

کے حوالے سے اشاعت خاص پیش کرنے کا عزم رکھتا ہے۔

آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ حسب سابق شفقت فرماتے ہوئے اِس کا اعلان اپنے مؤقر جریدے کی قریبی اشاعت میں شائع فرمانے کے ساتھ ساتھ خود بھی بھرپور علمی وقلمی تعاون فرمائیں۔ اور اس سلسلہ میں اپنی قیمتی آراء وتجاویز سے بھی ضرور نوازیں۔ جزاك الله أحسن الجزاء

والسلام (مولانا) جمیل الرحمٰن عباسی، بہاول پور (مدیر اعلیٰ)......خادم اہل سنت حمزہ احسانی (مدیر)

۲۲ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ......۱۶ مئی ۲۰۲۰ء...... بروز ہفتہ

ماہنامہ حق چار یار، ماہنامہ صدائے فاروقیہ، ماہنامہ القاسم، ماہنامہ **الفتحیہ**، ماہنامہ الحق وغیرہ نے بلا معاوضہ یہ اعلان شائع کیا۔**فجزاھم اللہ أحسن الجزاء** جبکہ ماہنامہ بینات، ماہنامہ البلاغ اور ماہنامہ وفاق المدارس میں معاوضۃً یہ اعلان لگوایا گیا۔اور ماہنامہ ''لولاک'' کے حضرات نے اعلان شائع فرما کر کہا کہ اشاعتِ خاص کے دس پندرہ نسخے آپ نے ہمیں دینے ہیں۔

(۲)-حصولِ مضامین وتاثرات:

اعلان کے بعد حصول مضامین کا مرحلہ تھا۔کسی بھی خاص نمبر کے مرتبین کے لیے سب اہم اور کڑا معرکہ مضامین کا حصول ہوتا ہے۔الحمدللہ ہمیں بعض اکابر اہل سنت سے خاندانی نسبتیں بھی حاصل ہیں، اِس لیے ہمارا لحاظ بھی کیا جاتا ہے، اِس کے باوجود اِس معرکہ کے لیے جو محنت، جہد مسلسل، صبر وتحمل، روابط کا تسلسل، موقع ومزاج شناسی، عزم مصمم اور امید ورجاء بروئے کار لانی پڑی وہ ایک مستقل داستان ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ نا اُمیدی، دل برداشتگی، حوصلہ شکنی اور ترکِ عزم کے کئی موڑ آ کر گزر گئے۔اور خاص نمبرات کی تیاری میں ہم جیسے کمزوروں پر ایسے موڑ آیا ہی کرتے ہیں۔

[۱]-حصول مضامین کے لیے سب سے پہلے مضامین نگاروں کی فہرست تیار کی گئی، ماضی قریب اور حال کے مختلف خصوصی نمبروں کی فہرست سے نام منتخب کیے گئے، وفاق المدارس کے اراکین عاملہ، مسئولین وغیرہ کی فہرست وفاق المدارس کی ویب سائٹ سے ملی، علامہ صاحب کے خدام کی فہرست تیار ہوئی، اُن خدام و متعلقین سے رابطہ کر کے اِس فہرست کی تکمیل میں تعاون کی درخواست کی گئی، خصوصاً برطانیہ اور دیگر ممالک میں علامہ صاحب کے متعلقین کے نام ونمبر چاہیے تھے۔لیکن بیرون ممالک حضرات سے روابط کے بارے میں عدم تعاون کے باعث قابل ذکر پیش رفت نہ ہوسکی۔بہر حال لگ بھگ ۳۰۰ر افراد کی فہرست تیار ہوگئی۔(۱)

[۲]-ناموں کی فہرست تیار ہونے کے بعد سب کے فون نمبر اور ڈاک پتے حاصل کرنے کی تگ ودَو شروع ہوئی۔جس میں الحمدللہ بڑی حد تک کامیابی رہی۔

[۳]-فون/واٹس ایپ کے ذریعہ رابطہ کی کوشش کی گئی۔پہلی بار ۱۹،۲۰ر مئی کو مضمون کی گزارش کے لیے رابطہ کیا گیا۔ پھر تقریباً ہر دس پندرہ دِن بعد یاددہانی کی خاطر رابطے کا سلسلہ رہا۔بعض حضرات کو دس سے زائد مرتبہ بھی فون کرنے کی نوبت آئی

---

(۱) خیال تھا کہ ۳۰۰ر میں سے بمشکل آدھے یعنی ڈیڑھ سو افراد اپنے تاثرات ومضامین بھیجیں گے۔لیکن اپنے احباب کو (اور خود اپنے آپ کو بھی) تسلی دینے کے لیے شروع میں یہی عرض کیا کہ: ۳۰۰ر حضرات سے رابطہ کر کے ۷۰،۸۰ر مضامین حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں تو یہ ہماری کامیابی ہے۔آج جب وہ فہرست دیکھی تو معلوم ہوا کہ ۳۰۰ر میں ۱۵۳ر حضرات کے مضامین وتاثرات موصول نہیں ہوسکے۔دوسری طرف ایک سو (۱۰۰) کے لگ بھگ ایسے حضرات کی تحریرات موصول ہوئیں جن سے ہم نے براہ راست درخواست نہیں کی تھی۔یوں الحمدللہ یہ اشاعتِ خاص تقریباً اڑھائی سو (۲۵۰) حضرات کے تاثرات وتحریرات پر مشتمل ہے۔

اور ''لطف'' کی بات یہ ہے کہ اُن میں سے بعض کے تاثرات و مضامین پھر بھی نہ مل سکے۔ اِسی طرح واٹس ایپ پیغام اور میسج کے ذریعہ یاددہانی کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ بیسیوں بار بھی یاددہانی کرانی پڑی تو الحمد للہ دریغ نہیں کیا گیا۔ مسلسل یاددہانیوں اور وعدہ کے باوجود بھی بعض حضرات کی طرف سے کچھ بھی موصول نہ ہوسکا۔ مسلسل رابطوں اور پے در پے یاددہانیوں کے اِس طویل کام میں کس قدر وقت صرف ہوا؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

[۴]- تاکید مزید اور جوابی لفافہ پیش کرنے کی خاطر اکثر حضرات کو خطوط بھی ارسال کیے گئے، چند اہم حضرات کو دوبارہ بھی خط بھیجا گیا اور ایک دو جگہ سہ بارہ بھی۔ خطوط کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم ومکرم جناب صاحب زید شرفکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔

گزارش ہے کہ بحر العلوم، سلطان العلماء، رئیس المحققین، وکیل صحابہ واہل بیت، سرخیل علماء حق حضرت مولانا علامہ خالد محمود نور اللہ مرقدہ کی وفات، اہل اسلام بالخصوص مسلک اہل السنۃ والجماعۃ احناف علماء دیو بند سے وابستہ اکابر واصاغر کے لیے ایک عظیم ترین سانحہ ہے۔ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے تقریباً پون صدی تک قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی تشریح وتوضیح، تحفظ ختم نبوت، دفاع صحابہ واہل بیت، مسلکِ اہل حق کی ترجمانی اور فرق باطلہ ضالہ کے تعاقب وسرکوبی کے لیے جو عظیم ترین خدمات سرانجام دی ہیں وہ عصر حاضر کی تاریخ کا ایک روشن اور یادگار باب ہیں۔ جنہیں وقت کا مؤرخ نظرانداز کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا۔ اِدارہ ''صفدر'' نے حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی عقیدت کے اظہار، حضرت رحمہ اللہ کی ہمہ جہت خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے اور ان کی حیاتِ مستعار کے علم وتقویٰ پر مبنی حالات وواقعات کو منظر عام پر لانے کے لیے ایک عدد خصوصی نمبر شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

آپ سے دست بستہ درخواست ہے کہ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات' واقعات' تعلیمات اور خدمات کے بارہ میں اس خصوصی اشاعت کے لیے اپنے خیالات، جذبات، یادداشتیں، نگارشات اور قلبی تاثرات تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ اگر بالفرض آپ اپنی تدریسی، تحقیقی اور دعوتی یا دیگر مصروفیات وعوارض کی وجہ سے تفصیلی مضمون تحریر نہ فرما سکیں تو آپ کی طرف سے چند صفحات اور چند سطور بھی ہمارے لیے باعث سعادت ہوں گی۔ علاوہ ازیں اگر آپ کے پاس حضرت علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا مکتوب یا تحریر موجود ہو تو اسے بھی ارسال فرمانے کی گزارش ہے۔

مضمون، مقالہ یا تاثراتی تحریر کے ساتھ ساتھ اگر آپ اپنے زبانی تاثرات بھی بتانا چاہیں، تو اپنے نام، پتے اور مکمل تعارف کے ساتھ درج ذیل واٹس ایپ نمبر پر صوتی پیغام (وائس میسج) بھی ارسال فرما سکتے ہیں۔ کمپوز شدہ تحریر کی ''اِن پیج'' فائل بھی ای میل یا واٹس ایپ فرما دیں تو نوازش اور اِدارے کے ساتھ دوہرا تعاون ہوگا۔ اَز راہِ کرم یکم اگست ۲۰۲۰ء تک اپنا مضمون یا مکتوب ضرور ارسال فرما دیں۔ امید ہے کہ خاص شفقت سے نوازیں گے۔ خدا تعالیٰ آپ کو دنیوی واُخروی سعادتوں سے نوازے۔ آمین۔

والسلام: ادارہ مجلّہ ''صفدر'' لاہور ۲۲ر رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ، ۱۶ر مئی ۲۰۲۰ء، بروز ہفتہ

مضامین کی وصولی کی آخری تاریخ سے ۸/دن قبل درج عریضہ مکرر یاد دہانی کے لیے بھیجا گیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم ومکرم جناب صاحب زید شرفکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

بعدہ! آنجناب کے علم میں ہوگا کہ بحر العلوم سلطان العلماء حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کی حیات وخدمات منظر عام پر لانے کے لیے، مجلّہ ''صفدر'' لاہور ایک اشاعت خاص کا عزم رکھتا ہے۔ نیز آں محترم کو یاد ہوگا کہ مئی ۲۰۲۰ء کے اواخر میں آپ سے بھی اِس سلسلے میں (یکم اگست ۲۰۲۰ء تک) تحریر ارسال فرمانے کی درخواست کی گئی تھی، یاد دہانی کی خاطر جوابی لفافہ بھی ہمراہ تھا۔ شاید آپ کی مصروفیات نے اجازت نہیں دی، اِس لیے ہم تادمِ تحریر آپ کی نگارشات سے محروم ہیں۔ زیر نظر عریضہ کی وساطت سے مکرر درخواست ہے کہ ۱۰/اگست ۲۰۲۰ء تک اپنے تاثرات روانہ فرمادیں۔ اگر تفصیلی مضمون کے لیے وقت میں گنجائش نہ ہو تو چند صفحاتی یا چند سطری تاثرات سے ہرگز محروم نہ فرمائیں۔ **جزاک اللہ خیر الجزاء**

ملاحظہ: ایک سوال نامہ پیش خدمت ہے، سہولت سے جتنے سوالات کا جواب ممکن ہو، تحریر فرمادیں! نوازش ہوگی۔

والسلام: ادارہ مجلّہ ''صفدر'' لاہور......۳۰/ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۴۱ھ......۲۲/جولائی ۲۰۲۰ء...... بروز بدھ

[۵]-بعض حضرات کی خدمت میں بندہ اور دیگر احباب نے حاضری دے کر مضمون کی درخواست کی۔

[۶]-جن حضرات کا لکھنے لکھانے سے زیادہ واسطہ نہیں رہتا، اُن کی سہولت کی خاطر اور واقعات کی یاد دہانی کی خاطر ایک سوال نامہ بھی تیار کیا گیا، سوال نامہ کی یہ تجویز اور اس کا بنیادی خاکہ محترم جناب شبیر احمد میواتی صاحب نے عنایت فرمایا تھا، **جزاہ اللہ احسن الجزاء**۔ ایک اہم اعلان کی شکل میں سوالنامہ تیار کر کے سوشل میڈیا کے ذریعہ بھی نشر کیا گیا، جن حضرات کو مکرر خطوط ارسال کیے گئے تھے، انھیں بھی خطوط کے ساتھ ہی بھیجا گیا، دیگر ذرائع سے بھی اس کی اشاعت ہوتی رہی۔ ملاحظہ ہو!

باسمہ سبحانہ

ایک اہم اعلان، ایک ضروری گزارش

مجلّہ ''صفدر'' لاہور کا ''مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود نمبر'' زیر ترتیب ہے۔

بحر العلوم، سلطان العلماء، مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ (المتوفیٰ: ۱۴/مئی ۲۰۲۰ء) کی عبقری شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، ان کی شخصیت وکردار اور متنوع خدمات وکارناموں کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے ایک ضخیم خصوصی اشاعت منصۂ شہود پر لانے کے لیے مجلّہ ''صفدر'' پر عزم ہے، ہماری بھرپور کوشش ہوگی کہ علامہ صاحب کی حیات وخدمات کے شایانِ شان معیاری نمبر شائع ہو۔ (ان شاء اللہ)

ہم حضرت علامہ صاحب کے احباب ومتعلقین، خاص طور سے ان کے تلامذہ وخدام سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ علامہ صاحب کے حالاتِ زندگی اور اُن کی علمی وعملی، تدریسی وتبلیغی اور مسلکی وسماجی خدمات وکارناموں پر تاثراتی، مشاہداتی واقعاتی یا موضوعاتی مضمون تحریر کر کے اِرسال فرمائیں۔

آپ کا مضمون اِس اشاعتِ خاص میں یقیناً ایک گراں قدر اضافہ ہوگا۔ آپ کی گوناگوں مصروفیات کے احساس کے

باوجود ہمیں یقین ہے کہ آپ حضرت علامہ صاحب کے ساتھ اپنے تعلق کی بنا پر ہماری اِس درخواست کو شرف قبولیت بخشیں گے۔

اَز رَاہِ کرم یکم اگست ۲۰۲۰ء تک اپنا مضمون بھیج دیں، ہمیں آپ کے مضمون کا شدّت سے انتظار رہے گا۔

حضرت علامہ صاحب سے متعلق کچھ سوالات پیش خدمت ہیں، ان کے مطابق آپ اپنے تاثرات و مشاہدات لکھ سکتے ہیں، واضح ہو کہ علامہ صاحب کے بارے میں تاثرات و مشاہدات لکھنے کے لیے آپ کا مضمون نگار ہونا ضروری نہیں، بس آپ قلم اٹھائیے اور جیسے تیسے بھی لکھا جائے لکھیے۔ نوک پلک ہم خود درست کرلیں گے۔

البتہ تاثرات لکھتے وقت ان باتوں کا خیال رکھیے کہ:

۱- مضمون کاغذ کے ایک طرف ایک سطر کو خالی چھوڑ کر لکھا جائے۔

۲- اور صفحہ کے دونوں طرف مناسب حاشیہ رکھ کر لکھیے۔

ضروری نہیں کہ آپ تمام سوالات کے جوابات لکھیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ آپ ان سوالات کے تحت ہی مضمون لکھیں، مزید جو کچھ بھی آپ حضرت علامہ صاحب کے بارے میں لکھنا چاہتے ہیں بخوشی تحریر فرمائیں۔

سوالات

۱- حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اوّل اوّل تعارف کیسے ہوا اور ملاقات کیسے اور کہاں ہوئی؟ مفصل واقعہ کی صورت میں تحریر فرمائیں۔

۲- آپ کا علامہ صاحب سے تعلق کس نوع کا تھا؟ آپ علامہ صاحب کے ساتھی ہیں، شاگرد ہیں یا بیانات و کتب سے استفادہ کرنے والے، آپ کے ان سے تعلق کی کیا شکل تھی؟ بہر صورت علامہ صاحب سے تعلق کی صورتِ واقعہ تفصیلاً تحریر کریں۔

۳- علامہ صاحب فن مناظرہ کے عظیم ماہر تھے، ان کا اندازِ گفتگو کیا تھا؟ اس میدان میں ان کا اختصاص کیا تھا؟

۴- علامہ صاحب کی تالیفات کو اللہ تعالیٰ نے بہت مقبولیت سے نوازا تھا، آپ کو یقیناً ان کی تالیفات سے استفادے کا موقع ملا ہوگا، اس حوالہ سے آپ کیا فرمائیں گے، ان کی تالیفات کی خصوصیت کیا تھی؟

۵- کیا کبھی علامہ صاحب کے ساتھ سفر میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی؟ اگر ایسا ہے تو سفر کے کچھ حالات و واقعات اور دوران سفر علامہ صاحب کے معمولات کے بارے اپنے تاثرات و مشاہدات رقم کریں۔

۶- علامہ صاحب کے اخلاقِ عالیہ اور عام عادات و مزاج کیسے تھے؟ ان کی رویوں اور اداؤں کے بارے میں اپنے تاثرات لکھیں۔

(مثلاً ان کے تقویٰ، للّٰہیت، نماز سے شغف، دیانت داری، بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، اکابر پر اعتماد، وقت کی قدر و قیمت، سنتوں کی پابندی، قوت حافظہ، احساس ذمہ داری، اصاغر نوازی، معاملات میں صفائی، خدام سے رویہ وغیرہ کے حوالے سے جو واقعات آپ کے ذہن میں ہوں، تحریر فرمائیے)

۷- خدمتِ دین خصوصاً دفاع صحابہ و اہل بیت اور تحفظ مسلک اہل سنت کے معاملے میں ان کی مساعی و انہماک اور جدوجہد؟

۸-تنظیم اہل سنت کے حوالہ سے علامہ صاحب کی خدمات کے نمایاں پہلو کیا تھے؟ اس حوالہ سے آپ کے تاثرات و مشاہدات؟

۹-علامہ صاحب کی دفاع صحابہ اور تحفظ دین کا کام کرنے والے افراد و جماعتوں، نیز عام انسانوں سے شفقت و محبت کے سلسلہ میں کوئی مشاہدہ کوئی واقعہ؟

۱۰-علامہ صاحب کی حرمین شریفین کی حاضری سے متعلق معلومات؟

۱۱-عقیدہ توحید یا ذات وصفات باری تعالیٰ سے متعلق علامہ صاحب کا کوئی علمی نکتہ یا ارشاد؟

۱۲-علامہ صاحب کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بے حد محبت و عقیدت اور فدویت تھی، آپ کا تاثر اور مشاہدہ کیا ہے؟

۱۳-فقہ حنفی سے متعلق علامہ صاحب کے تاثرات؟

۱۴-حضرت علامہ صاحب کو امام اعظم ابوحنیفہ اور آخر زمانہ کے حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی، حضرت مدنی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ادریس کاندھلوی وغیرہ اکابر (رحمہم اللہ) سے بہت عقیدت تھی، ان کے بارے میں بیان فرمودہ تاثرات و واقعات؟

۱۵-علمائے اہل سنت (دیوبند) کی علمی وعملی جامعیت اور کردار سے متعلق علامہ صاحب کے ملفوظات؟

۱۶-علامہ صاحب کا تنظیم اہل سنت اور تحریک خدام اہل سنت کے اکابر سے بے حد محبت و مودت کا تعلق تھا، اور اپنی مجالس میں بکثرت ان کا تذکرہ فرماتے رہتے تھے، اس حوالے سے کوئی گفتگو یا واقعہ؟

۱۷-علامہ صاحبؒ کے بیان فرمودہ قصص و واقعات، علمی وادبی یا تفریحی فقرے اور اشعار وغیرہ اگر یاد ہوں تو تحریر فرمائیں۔

۱۸-علامہ صاحبؒ نے اپنے یا اپنے خاندان یا علاقے کے بارے میں یا اپنے اساتذہ سے متعلق کبھی کوئی خاص بات ارشاد فرمائی ہو تو اسے ضبط تحریر میں لائیں۔

۱۹-علامہ صاحب نے آپ کو کوئی کتاب عنایت فرمائی؟ یا کسی کتاب کے مطالعہ کی طرف رہنمائی یا مشورہ دیا ہو؟ یا کسی رسالہ کے اجراء و مطالعہ کا مشورہ دیا ہو؟

۲۰-علامہ صاحب کے انتقال پر ملال پر آپ کے کیا محسوسات تھے؟

ملاحظہ: آپ کے پاس علامہ صاحب کی کوئی یادگار تحریر یا کوئی خط ہو یا درسی امالی ہوں تو از راہ کرم اس کی نقل (عمدہ فوٹو) فراہم کریں تاکہ اس سے استفادہ یا اسے شامل اشاعت کیا جا سکے۔مکرر تاکید ہے کہ مضمون جتنی جلدی ممکن ہو ارسال فرما دیا جائے۔یکم اگست ۲۰۲۰ء میں صرف آٹھ دن باقی ہیں۔

ہم اس تعاون پر آپ کے بے حد احسان مند، شکر گزار اور دعا گو ہوں گے۔

مضامین درج ذیل ڈاک پتے پر بھجوائے جائیں:

(دوستوں سے التماس ہے کہ اس ''اعلان وگزارش'' کو زیادہ سے زیادہ عام کریں، شکریہ)

۳۰/ ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ، ۲۲/ جولائی ۲۰۲۰ء، بروز جمعۃ المبارک''

اِس سوال نامہ سے بہت فائدہ ہوا۔ لکھنے میں بھی آسانی ہوئی، واقعات کی یاد دہانی میں بھی مدد ملی۔ مولانا عبد الجبار سلفی صاحب کا دوسرا مفید مضمون [۲/۲۰۰] اِسی سوال نامہ کی بدولت برآمد ہوسکا۔

[۷]-ایک سہولت یہ بھی دی گئی کہ واٹس ایپ میسج یا فون کے ذریعہ بھی اپنے تاثرات زبانی بھیجے جاسکتے ہیں۔ اِس سہولت سے الحمدللہ بہت حضرات اکابر و احباب نے فائدہ اُٹھایا اور اپنے تاثرات اور یادداشتیں وغیرہ ریکارڈ کر کے بھیج دیئے، جنھیں تحریر میں منتقل کرنے کی خدمت ہم نے سرانجام دی۔ مضامین کی ترتیب میں سب سے زیادہ اِن مضامین پر وقت صرف ہوا، کیونکہ ریکارڈنگ سے کاغذ پر منتقلی اور پھر اسے مکمل مسلسل مضمون کی شکل دینا بھی ایک کام ہے۔ اور ایسے مضامین ایک دو نہیں پورے دو درجن ہیں، جن میں بعض قدرے طویل مضامین بھی شامل ہیں۔ لیکن الحمدللہ اِس محنت سے علامہ صاحبؒ کے جو حالات و واقعات اور اُن کے متعلقین کے جو تاثرات سامنے آئے اُن کے مقابلے میں یہ محنت و مشقت بہر حال معمولی ہے۔

[۸]-مضامین کے سلسلہ میں ایک فہرست متفرق عنوانات کی بھی تیار کی گئی، ملاحظہ ہو!

سوانحی خاکہ	سوانح	مادراتِ علمیہ	مشہور اساتذہ	معروف تلامذہ
اندازِ تربیت	تدریسی خدمات	جلسہ ہائے ولایت	تصانیف: اجمالی تعارف	منتخب افادات
تفسیری خدمات	حدیثی خدمات	فقہی خدمات	کلامی خدمات	روحانی خدمات
کتبِ آثار	دفاعِ صحابہ	جہاد سے تعلق	اکابر کی نظر میں	سیاسی خدمات
بحیثیت جسٹس	تاریخ پر نظر	اسناد و اجازات	زیر ترتیب مسودے	تبلیغی خدمات
تنظیم اہل سنت	قائد اہل سنت	حضرت اوکاڑوی	جامعہ اشرفیہ لاہور	حضرت چنیوٹی
جامعہ حنفیہ جہلم	تحریک خدام اہل سنت	مطالعہ بریلویت	تحفظ عقیدہ ختم نبوت	ردعیسائیت
دفاعِ فقہ حنفی	تحفظ سنت	حجیت حدیث	اُصول سنت و بدعت	مشاجرات صحابہ
مسئلہ خلافت راشدہ	ردِ ناصبیت	عقیدہ حیات النبی	مودودیت	تجلیات آفتاب
معیارِ صحابیت	اندازِ خطابت	بحیثیت مناظر	حیات و نزول عیسیٰ	

باہمی مشاورت سے منتخب اہل علم و قلم سے چنیدہ عنوانات پر مضامین لکھنے کی گزارش کی گئی۔ اور ہماری درخواست یہ تھی کہ دس صفحات میں مضمون سمیٹنے کی کوشش کی جائے۔ مذکورہ بالا عنوانات میں سے الحمدللہ! تقریباً ۳۰/عنوانات پر مستقل مضامین اِس اشاعتِ خاص میں شامل ہیں۔ طے شدہ عنوان کے تحت مقالہ تحریر فرمانے والے تمام مضامین نگاروں کے ہم بطورِ خاص شکرگزار اور ممنون ہیں۔

(۳)-معلومات کے حصول کے دیگر ذرائع:

حضرت علامہ صاحب سے متعلق متفرق معلومات کے حصول کے لیے اہل علم و قلم کے تاثرات و مشاہدات کے علاوہ بھی

کئی ذرائع اختیار کیے گئے:

[ا]-علامہ صاحب کی کتب کا جائزہ لیا گیا۔

[۲]-جن رسائل میں علامہ صاحب کے مضامین شائع ہوتے رہے،اُن کی پرانی فائلیں دیکھ کر فہرست بنائی گئی۔

[۳]-علامہ صاحب کے متفرق بیانات سن کر اُن سے معلومات حاصل کی گئیں۔

[۴]-علامہ صاحب کے مطبوعہ افادات (مناظرے،خطبات وغیرہ) کو بھی دیکھا گیا۔

[۵]-علامہ صاحب کی کتب وتحریرات پر کیے جانے والے تقاریظ وتبصرے پیش نظر رہے۔

[۶]-دیگر اکابر وعلماء کی کتب وتحریرات میں علامہ صاحب کا تذکرہ تلاش کیا گیا۔خصوصاً وفات کے بعد اخبارات اور رسائل میں جو خبریں اور کالم آتے رہے،انھیں جمع کیا گیا۔

[۷]-علامہ صاحب کے پڑھائے ہوئے اَسباق ودروس کی کاپیاں حاصل کی گئیں۔

[۸]-شخصیات پر لکھی گئی علامہ صاحب کی تحریرات الگ جمع کی گئیں۔

[۹]-مختلف حضرات نے اپنے بیانات،اسباق یا سوشل میڈیا پیغامات میں علامہ صاحب کے بارے میں جو تاثرات و تعزیت پیش کی انھیں یکجا کیا گیا۔

[۱۰]-علامہ صاحب کی یاد میں منعقد ہونے والے جلسہ ولایت کے بیانات حاصل کرنے کی کوشش کی،لیکن اس میں کامیابی نہ ہوسکی۔علامہ صاحب کی شخصیت پر ایک طے شدہ سیمینار ہماری نظر میں تھا،لیکن کرونا کی وجہ سے وہ ملتوی ہوگیا۔

مذکورہ بالا تمام ذرائع سے الحمدللہ اس قدر معلومات حاصل ہوگئیں جن سے ایک جاندار خاص نمبر تیار ہوسکا۔

(۴)-ترتیب وتدوین:

[ا]-موصولہ مضامین میں سے ہر مضمون پر ایک نمبر شمار لگایا گیا۔تاکہ کمپوزنگ،پروف خوانی اور ترتیب ومراجعت وغیرہ میں سہولت رہے۔

[۲]-تمام موصولہ مضامین کی فہرست بنائی گئی۔تاکہ کوئی مضمون نظروں سے اوجھل ہو جائے تو فہرست کے ذریعے اُس کی اطلاع مل جائے۔یہ فہرست دو طرح سے تھی،ایک بالکل مختصر دو صفحات کی،جس میں تمام لکھنے والوں کے نام اور اُن کے مضمون کا شمار۔تاکہ تلاش کرنے میں کئی صفحات نہ دیکھنے پڑیں۔اور ایک قدرے طویل فہرست جس میں ایک خانہ کمپوزنگ کی نشاندہی کے لیے تھا،تاکہ جو تحریرات کمپوز شدہ موصول ہوں،یا جن کی کمپوزنگ ہوچکے،انھیں نشان زد کیا جاسکے۔اور دو خانے تصحیح کے تھے، ایک ہر مضمون کی تصحیح اول کی نشاندہی کے لیے،دوسرا تصحیح ثانی کی نشاندہی کے لیے۔

مذکورہ بالا دونوں اقدامات کی وجہ سے بڑی سہولت رہی اور آخر تک اِن کی ضرورت وافادیت کا احساس ہوتا رہا۔

[۳]-تکرار کو نشان زد کیا گیا۔اِس سلسلے میں بڑی تگ ودو کرنی پڑی،بعض چیزیں پچاس پچاس مضامین میں پائی گئیں،

مثلاً علم کے بصورتِ علماء اُٹھ جانے سے متعلق روایت، ولادت و وفات کی تاریخ و سن اور مقام، کتب کے نام، حاضر جوابی کے مشہور واقعات، حضرت امیر شریعت کا ملفوظ، تنظیم اہل سنت سے تعلق، ہفت روزہ ''دعوت'' کی ادارت وغیرہ۔ دیگر کئی چیزیں بھی ایک سے زائد مضامین میں موجود تھیں، مثلاً: حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ کی رائے گرامی، کتب کا تعارف، بعض مناظروں کے دلچسپ واقعات وغیرہ۔ لکھنے والوں نے اگر کسی کے مضمون سے دیکھ کر نہ لکھا ہو تو اِس میں اُن کا بھی کوئی قصور نہیں، کیونکہ اُنھیں کیا معلوم کہ یہ واقعہ میرے علاوہ پچاس اور افراد بھی لکھ چکے ہیں۔

[۵]-اشاعتِ خاص کے لیے موصولہ تحریرات میں مکرر اشیاء کی نشاندہی کے بعد اُن کی فہرست بنائی گئی، تاکہ یہ فیصلہ آسان ہو کہ کون سی چیز کہاں باقی رکھنی ہے اور کہاں سے حذف کرنی ہے۔

[۶]-مختلف خاص نمبرات کو سامنے رکھ کر ابواب کے عنوانات طے ہوئے، پھر تمام مضامین کو دیکھ کر ہر مضمون پر متعلقہ باب کا عنوان لکھ دیا گیا کہ یہ مضمون مثلاً سوانح کے باب کا ہے، یہ افادات کے باب کا۔ پھر مضامین کی فہرست میں بھی یہ تفصیل درج کردی گئی۔ اور بعد ازاں اُسی ترتیب کے موافق مضامین کو ابواب میں تقسیم کرلیا گیا۔

افادات کے باب کے لیے بعض چیزیں دیگر مضامین سے الگ کی گئیں، مثلاً: مولانا عبدالجبار سلفی صاحب کے تفصیلی مضمون میں کئی مناظرے من و عن شامل ہیں۔ اُن میں سے دو مناظرے (مناظرہ ساؤتھ افریقہ اور مناظرہ چک ذخیرہ) الگ کرکے افادات کا حصہ بنائے گئے۔ مولانا مفتی فیض الرحمٰن کے مضمون سے ''آخری خطاب'' الگ کرکے افادات میں لگایا گیا۔ مولانا مفتی طاہر مسعود کے مضمون سے ''تقابل ادیان کورس کے دروس'' الگ کرکے افادات کے باب میں شامل کیے گئے۔

[۷]-ابواب کی ترتیب میں بیشتر احباب کا مشورہ یہ تھا کہ سوانح کا باب پہلے آنا چاہیے۔ لیکن اکابر کی آراء اور اکابر کے ساتھ باہمی تعلقات کے باب کو تبرکاً مقدم رکھا گیا ہے۔

[۸]-دونوں جلدوں کا حجم متوازن رکھنے کے لیے تینوں طویل ابواب ایک جلد میں اکٹھے کرنا ممکن نہیں تھا، لہٰذا سوانح کا تفصیلی باب پہلی جلد میں اور ''مضامین و مقالات'' اور ''افادات'' کا باب دوسری جلد میں رکھا گیا ہے۔

[۹]-کوئی بات ایک جگہ اجمالاً اور دوسری جگہ مفصل مذکور ہے تو حاشیہ میں اُس کی طرف نشاندہی کی گئی ہے۔ اِس سے ان شاءاللہ کم وقت میں زیادہ استفادہ ممکن ہوگا۔ نیز دونوں مقامات پر تعبیر، رائے یا واقعہ کا فرق ہوا تو وہ بھی سامنے آجائے گا۔(۱)

[۱۰]-تفصیلی مضمون کی مکمل فہرست اور دیگر مضامین کے اہم حصوں کی فہرست بھی شامل کی گئی ہے۔

امید ہے کہ شخصیات کے حوالے سے شائع شدہ خاص نمبرات میں زیرِ نظر خاص نمبر کئی وجوہ سے منفرد و ممتاز ہوگا۔ اللہ پاک قبول و منظور فرمائیں اور آئندہ بھی اپنے نیک بندوں کے حالات و واقعات کی اشاعت کی توفیق مرحمت فرماتے رہیں۔ آمین

☆......☆......☆......☆

---

(۱) دیکھیے ۱/۳۴
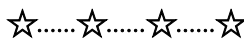
باب نمبر۲

اکابر اور معاصرین کی نظر میں!

-مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ بڑے اہتمام اور انہاک سے علامہ صاحب کا بیان سنا کرتے تھے۔
-عصر کے وقت فتنہ نمودار ہو تو مغرب سے پہلے علامہ صاحب تریاق کر سکتے ہیں۔ حضرت امیر شریعتؒ
-مناظرہ کرنا ہے تو میری طرف سے علامہ خالد محمود کو لے جائیں۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ
-مولانا خیر محمد جالندھری علامہ صاحب کے بیان کے وقت ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے۔
-مولانا محمد علی جالندھریؒ نے علامہ صاحب کو عقیدہ ختم نبوت پر درسی کتاب لکھنے کا مشورہ دیا۔
-''دعوت'' کی عظمت کے لیے علامہ خالد محمود صاحب کا نام ہی کافی ہے۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ
-''دعوت'' کے کام کو ہدیہ تبریک وتحسین پیش کرتا ہوں۔ مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ
-تحفظ ملت اور تردید مسالکِ باطلہ میں ''دعوت'' کا کوئی مثیل نہیں۔ مولانا دوست محمد قریشیؒ
-جدید وقدیم علوم پر گہری نظر، مسلک حقہ کی صحیح ترجمانی آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ مولانا عبید اللہ انورؒ
-''دعوت'' محققانہ شان سے مسلکِ اعتدال کی علم برداری کر رہا ہے۔ مولانا عبد الحق، اکوڑہ خٹک
-''دعوت'' مسلکِ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد ونظریات کا صحیح ترجمان ہے۔ مولانا عبد اللہ درخواستی
-علامہ خالد محمود صاحب کے علم وفکر پر مولانا قاضی مظہر حسین کو بھرپور اور بے پناہ اعتماد تھا۔
-انکے مضامین مسلکِ اہل سنت کی جان اور علوم وحقائق کے بحر بے کراں ہیں۔ مولانا عبد الرشید ارشد
-علامہ خالد محمود ہماری جماعت کے محقق عالم ہیں، بہت کام کر رہے ہیں۔ مولانا محمد سرفراز خان صفدر
-مضامین اعلیٰ اور معلومات افزاء ہیں۔ ظاہر ومعنوی خوبیوں سے آراستہ ہے۔ مولانا خواجہ خان محمد
-ہمیں اور ہمارے اکابر کو علامہ صاحب اور ان کے علم پر پورا پورا اعتماد ہے۔ مولانا عبد الرحمٰن اشرفی
-میدانِ مناظرہ میں علامہ صاحب جتنا بھروسہ مجھے کسی اور پر نہیں ہوتا۔ مولانا عبد الستار تونسوی
-علامہ صاحب کی تحریر پر یہ سوال اٹھتا ہی نہیں کہ پسند ہے یا نہیں۔ مولانا محمد صدیق
-راقم الحروف ان کی ذات گرامی کو ایک عظیم نعمتِ خداوندی سمجھتا ہے۔ مولانا محمد سالم قاسمی
-اِس وقت روئے زمین پر سب سے بڑے عالم علامہ خالد محمود ہیں۔ مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری
-نہایت عمیق العلم، متوازن دماغ، معتدل مسلک اور گہری فکر کا مالک پایا ہے۔ مولانا اطہر علی
-علامہ خالد محمود صاحب کے علم وفضل پر علماء کے اونچے طبقے کو پورا اعتماد ہے۔ مولانا عبد الکبیر تلمیذ حضرت کشمیری
-ایک بڑا کتب خانہ بھی وہ کام نہیں کر سکتا جو ''دعوت'' کے ذریعہ ہو رہا ہے۔ مولانا شمس الحق جیسور
-حق یہ ہے کہ ان کی شخصیت ''نگہ بلند سخن دلنواز، جاں پُرسوز'' کا حسین مرقع ہے۔ مولانا ولی محمد فقیر والی

ترتیب و انتخاب: منصور الحق رحمزہ احسانی

حضرت علامہ صاحبؒ......اکابر اور معاصرین کی نظر میں

کسی شخصیت کے مقام کے بارے میں جاننے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ دیکھا جائے کہ اس کے معاصرین اُس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ شاگرد اور خاندان کے حضرات تو اپنے تعلق کی بنا پر محبت اور احترام کے جذبات رکھتے ہی ہیں، ممکن ہے کہ وہ فرطِ محبت بعض ایسی باتیں کہہ دیں جن کا حقیقت سے تعلق نہ ہو یا مبالغہ آمیزی ہو۔ اِس لیے معاصرین کی رائے زیادہ معتبر ہوتی ہے۔ حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کے علمی مقام کے بارے میں یہاں اُن حضرات کی رائے پیش کی جارہی ہے جو ذاتی طور پر حضرت کو دیکھنے اور جاننے والے ہیں جن میں سے بعض آپ کے اساتذہ کے درجے میں بھی تھے۔ زیرِ نظر تحریر کے چند صفحات مکرر ضرور ہیں، لیکن بے فائدہ نہیں۔ نیز زیرِ نظر اکابر و علماء کی آراء سن وفات کی ترتیب سے درج کی گئی ہیں، جن حضرات کے سن وفات ہمیں معلوم نہیں ہو سکے، انھیں آخر میں جگہ دی گئی ہے۔

(۱)-بانی جامعہ اشرفیہ مولانا مفتی محمد حسنؒ [خلیفہ مجاز: حضرت تھانویؒ] (یکم جون ۱۹۶۱ء)

مولانا مفتی محمد حسن رحمہ اللہ نے علامہ صاحب کی قابلیت سے متاثر ہو کر اپنے بیٹے مولانا عبدالرحمٰن اشرفی کو علامہ صاحب کے حوالے کیا کہ آپ ان کی تعلیم کی نگرانی کریں۔ اور حضرت مفتی محمد حسن رحمہ اللہ بڑے اہتمام اور انہماک سے علامہ صاحب کا بیان سنا کرتے تھے۔ (مضمون مولانا یوسف خان صاحب: ۷۸/۱۔ مزید دیکھیے: ۲۶۶/۲)

(۲)-امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (۲۱/اگست ۱۹۶۱ء)

[۱]-امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا محمد علی جالندھریؒ نے علامہ صاحب کو عقیدہ ختم نبوت کے حوالے سے ایک درسی کتاب لکھنے کا مشورہ دیا تھا۔ (۲۴۶/۱) [۲]-حضرت امیر شریعتؒ کا یہ ملفوظ بیسیوں حضرات نے نقل کیا ہے کہ: اگر عصر کے وقت کوئی فتنہ نمودار ہو تو سورج غروب ہونے سے پہلے علامہ خالد محمود اس کا تریاق تیار کر سکتے ہیں۔ (۲۰۲/۱)

(۳)-امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ (۲۳/فروری ۱۹۶۲ء)

حضرت لاہوری کو کسی نے مناظرے کا کہا تو فرمایا: میری طرف سے علامہ خالد محمود کو لے جائیں۔ (۱۸۱/۲)

(۴)-استاذ العلماء مولانا خیر محمد جالندھریؒ [بانی: جامعہ خیر المدارس، ملتان] (۱۹۷۰ء)

خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں وقت کے کبار اہل علم تشریف لاتے تھے، مولانا خیر محمد جالندھریؒ علامہؒ صاحب کو نہ صرف اہتمام سے بلاتے بلکہ ان کا بیان بھی خود سماعت فرماتے تھے، اور اس وقت باقی مصروفیات ترک کر دیتے تھے۔ (۲۶۸/۲)

(۵)-مجاہد ختم نبوت مولانا محمد علی جالندھریؒ (۲۱/اپریل ۱۹۷۱ء)

۱-مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ اور امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے علامہ صاحب کو عقیدہ ختم نبوت کے حوالے سے ایک درسی کتاب لکھنے کا مشورہ دیا تھا۔

(۶)-تنظیم اہل سنت کے مرکزی راہنما، حضرت علامہ صاحب کے رفیق مولانا قائم الدین عباسیؒ (۴/جنوری ۱۹۷۴ء) لکھتے ہیں:

''اخبار ''دعوت'' جو کہ مسلک حقہ کا واحد ترجمان ہے۔ جس کی سرپرستی موجودہ دور کے بہترین مفکر و محقق مولانا علامہ خالد محمود صاحب فرما رہے ہیں۔......'' [دعوت: ۳، ۱۰/مئی ۱۹۶۳ء، ص: ۱۶]

(۷)-حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ [سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند] (۱۷/جولائی ۱۹۸۳ء)

''**قدر الشهادة بقدر الشهود** عربی کی مشہور ضرب المثل ہے، کسی تصنیف و تالیف کی عظمت اور خوبی اس کے مؤلف کی عظمت و شخصیت سے جانی جا سکتی ہے۔ ''دعوت'' کی تالیف اور سنجیدہ علمی مضامین کی عظمت و مقبولیت کے لیے یہ کافی ہے کہ فاضلِ محترم علامہ خالد محمود صاحب کا اسم گرامی لے لیا جائے، جو اس کی سرپرستی اور نگرانی کا مبارک کام سرانجام دے رہے ہیں۔ اس پرچہ کے اصلاحی اور محققانہ مضامین خود ہی اس کی خوبی کی ضمانت ہیں۔ ''دعوت'' اسم بامسمی ہے، اس کے علمی اور دینی مضامین حقیقی معنی میں اسلام اور دین کی دعوت ہیں۔ اِس دورِ پُرفتن میں اسلام کی صحیح اور معتدل آواز الحمد للہ اِس پرچے کے ذریعہ سے بلند ہو رہی ہے۔'' [عبقات جلد اول۔ دعوت: ۲۲/مئی ۶۴ء]

(۸)-رئیس العلماء امیر اہل سنت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ [صدر: تنظیم اہل سنت پاکستان] (۱۹۸۴ء)

''دعوت کا دورِ جدید ماشاء اللہ خوب ہے۔ حضرت علامہ خالد محمود صاحب کی سرپرستی و نگرانی میں سوادِ اعظم کا یہ واحد مسلکی، تبلیغی رسالہ راہِ ترقی پر گامزن ہے۔ ایک معصوم و مظلوم مذہب کی حمایت اور اس کے خلاف جارحانہ حملوں کی مدافعت و مزاحمت کا فریضہ جس تسلسل و تواتر سے ''دعوت'' پورا کر رہا ہے اور دین حق کی مفید و مثبت تبلیغی خدمات جس حسن و خوبی سے انجام دے رہا ہے، اس کے پیش نظر ادارہ ''دعوت'' کی خدمت میں ہدیہ تبریک و تحسین پیش کرتا ہوں۔ نور الحسن بخاری''

[دعوت: جلد۲، شمارہ ۴۱۔ ۱۹/جون ۱۹۶۴ء۔ ۷/صفر ۱۳۸۴ھ۔ جلد۲، شمارہ ۴۱]

(۹)-امام المناظرین مولانا دوست محمد قریشیؒ [ناظم اعلیٰ: تحریک تنظیم اہل سنت پاکستان] (۲۷/مئی ۱۹۸۴ء)

''امکان النظر اور غور و فکر سے اگر دیکھا جائے تو تحفظ ملت اور تردید مسالکِ باطلہ کے لحاظ سے ہفت روزہ ''دعوت'' کا دورِ حاضر میں کوئی مثیل نہیں۔ اور یہ محض اللہ کا فضل ہے اور حضرت العلامہ خالد محمود صاحب نیز حافظ ارشد صاحب اور حافظ نور محمد صاحب انور کی توجہات عالیہ کا نتیجہ ہے۔'' [دعوت: اکتوبر ۱۹۶۴ء]

(۱۰)-جانشین شیخ التفسیر مولانا عبید اللہ انورؒ [سابق امیر جمعیۃ علماء اسلام پنجاب] (۲۸/اپریل ۱۹۸۵ء]

علامہ مولانا خالد محمود صاحب ایک مرتبہ افریقی ممالک کے تبلیغی دورے کے بعد ایک ہفتہ کے لئے پاکستان تشریف

لائے تو جمعیت علماء اسلام لاہور کی طرف سے ان کے اعزاز میں ایک تقریب کے انعقاد کے موقع پر حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمہ اللہ نے علامہ صاحب کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا۔ مولانا عبید اللہ انور رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بگرامی خدمت محترم علامہ خالد محمود صاحب ایم اے پی ایچ ڈی برمنگھم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک عرصہ کے بعد آپ کو اپنے یہاں موجود پا کر ہمیں جو خوشی اور مسرت حاصل ہو رہی ہے اس کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں حقیقت یہ ہے کہ آپ کی وطن تشریف آوری صحن گلستان میں موسم بہار کی آمد کے مترادف ہے۔ مہمان محترم! آپ کی تدریسی تبلیغی اور تصنیفی خدمات کا ایک ایک گوشہ آج ہمارے سامنے ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے مادر علمی دار العلوم دیو بند کی کوکھ سے جن عظیم المرتبت اور سعادت مند فرزندوں کو جنم دیا ان میں آپ کی شخصیت بڑی اہم ہے، قدرت نے آپ کو جدید وقدیم علوم پر گہری نظر عطا فرمائی ہے اور اس نظر عمیق کے ساتھ ساتھ اپنے اساتذہ مشائخ اور اکابر کے مسلک حقہ سے صحیح وابستگی اور ان کی بھر پور ترجمانی آپ کا طرۂ امتیاز ہے، آپ نے کالج کی چار دیواری میں مسجدوں کے منبروں پر مدارس کے اسٹیج پر اور دوسرے ہر مقام پر جس طرح قاسمی ورشیدی مسلک کی ترجمانی کی اور لومۃ لائم سے بے نیاز مخالفین کا ناطقہ بند کیا اس پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ:

این کار از می آید و مرداں چنیں کنند

بالخصوص ستر (۱۹۷۰ء) کے ہنگامی اور انتخابی دور میں تجدد والحاد کی علمبردار تحریکوں کے خلاف آپ کا قلمی اور لسانی جہاد تاریخ حق وصداقت کا سنہرا باب ہے اور مجھے یقین ہے کہ اسلاف امت کی مقدس روحیں آپ کی طرف متوجہ تھیں۔ برادر دینی! ایک عرصہ سے سرزمین یورپ میں قیام کے پیش نظر ہمیں آپ کی یاد بہت ستاتی ہے اور آپ کی کمی کو ہم بڑی شدت سے محسوس کرتے ہیں، لیکن جب ہم دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں کہ آپ ظلمت کدہ یورپ میں مسلک حقہ کے حقیقی نمائندہ اور ترجمان بن کر دین حنیف کی خدمت میں مشغول ہیں اور آپ کی جولانی طبع نے ان گنت معرکے سر کئے ہیں تو ہماری گردنیں فخر سے بلند ہو جاتی ہیں اور جسم کا ایک ایک رواں مشغول دعا ومناجات ہوتا ہے۔ ترجمان مسلک حقہ! اس مختصر سی تقریب کا اہتمام بہت جلدی میں کیا گیا تا کہ چند گھڑیاں مل بیٹھ کر ''خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے'' کی عملی تعبیر دیکھ لی جائے، ورنہ ہمیں احساس ہے کہ اتنا مختصر پروگرام آپ کے شایان نہیں، تاہم ہمیں یقین ہے کہ آپ وقت کی تنگی موسم کی نامساعدات اور دوسرے اسباب پر نظر رکھتے ہوئے ان چیزوں کو محسوس نہ کریں گے اور ہر حال و ہر گھڑی برق وصاعقہ بن کر اہل زیغ وضلالت پر گرجتے اور برستے رہیں گے۔ اللہ تعالی آپ کو صحت و سلامتی سے رکھے اور پوری جماعت کی طرف سے آپ کی مساعی جمیلہ کا آپ کو بہترین اجر مرحمت فرمائے۔ آمین''

[ماہنامہ الہلال مانچسٹر، جلد:۱۹، شمارہ:۱۲]

(۱۱)۔ شیخ الحدیث مولانا عبد الحق [بانی جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک، سابق مدرس دار العلوم دیو بند] (۷رستمبر ۱۹۸۸ء)

''مکرمی فاضل اجل حضرت علامہ صاحب زید مجد کم ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ...... امید ہے مزاج گرامی بالخیر ہوں گے۔ ہفت روزہ ''دعوت'' کے کئی پرچے موصول ہوئے ہیں اور دل ودماغ کے لیے باعثِ فرحت وانبساط بنے۔ اس نازک دور

میں اتنا وقیع اور ایسا سنجیدہ اور ٹھوس علمی مضامین سے لبریز پرچہ نکالنا اور اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا بڑے دل گردے اور حوصلے کا کام ہے۔...... ماشاء اللہ آپ کا علمی و تبلیغی پرچہ مسلمانوں کے مسلک اعتدال اور صحیح جذبات و احساسات کی علم برداری کر رہا ہے اور بڑی خصوصیت اس کا علمی اندازِ بیان اور عالمانہ رنگ اور محققانہ شان ہے۔ اور پھر ان تمام خصوصیتوں کے ساتھ تبلیغی و اصلاحی فوائد بھی لیے ہوئے ہے۔'' [عبقات جلد اول۔ دعوت: ۱۴/دسمبر ۱۹۶۲ء۔ ۱۵/رجب ۱۹۸۲ھ]

(۱۲)- حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی [سابق امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان] (۲۸/اگست ۱۹۹۴ء)

''ہفتہ روزہ ''دعوت'' لاہور مسلکِ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد و نظریات کا صحیح ترجمان ہے اور ماشاء اللہ نشر و اشاعت مسلک حقہ کا خوب کام کر رہا ہے۔ میں اپنے تمام متعلقین اور تلامذہ کو خصوصاً تاکید کرتا ہوں کہ وہ ہفت روزہ ''دعوت'' کا ہمیشہ مطالعہ کریں۔ موجودہ فتنوں کے دور میں اس کی آواز کو مضبوط بنانا اور اس کے ساتھ تعاون کرنا بہترین خدمتِ اسلام ہے۔ مبارک ہو ان کو جو یہ دینی کام کرتے ہیں۔'' [عبقات جلد اول]

(۱۳)- فخر اہل سنت مولانا عبداللطیف جہلمیؒ [خلیفہ مجاز: شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ، بانی جامعہ حنفیہ جہلم] (۲۷/اپریل ۱۹۹۸ء)

مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ نے اپنے فرزند مولانا قاری خبیب احمد عمر مرحوم سے فرمایا: ''اگر ہمارے دنیا سے جانے کے بعد علمائے اہل سنت دیوبند میں کوئی فکری اختلاف ہو جائے تو تم اُس طرف ہو جانا جس طرف علامہ خالد محمود ہوں۔ حق وہی ہوگا۔'' (مضمون مولانا مفتی فیض الرحمٰن: ۱/۴۹۹)

(۱۴)- شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ [سابق نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت و مدیر ماہنامہ بینات] (۱۸/مئی ۲۰۰۰ء)

مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ بینات میں علامہ صاحب کی مایہ ناز تصنیف **آثار الحدیث** پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کی شخصیت علمی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ جس انداز سے علوم اسلامی، عربیت و بلاغت، حدیث و قرآن میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، اسی طرح علوم جدیدہ پر گہری دسترس کے حامل ہیں، انہیں مغرب اور مغربی معاشرہ کو قریب سے دیکھنے اور پڑھنے کا موقع میسر آیا ہے، اس لیے مرعوب ذہنوں کی نفسیات کو خوب پہچانتے ہیں، اور یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ تمام فتنے عموماً اور فتنہ انکار حدیث خصوصاً مستشرقین سے مرعوب ذہنیت کی پیداوار ہے۔ زیر تبصرہ کتاب ''آثار الحدیث'' اسی فتنہ انکار حدیث کے زہر کا تریاق اور اس مرض کا شافی علاج ہے۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ اس فتنہ کے پروان چڑھانے میں اس محاذ پر سب سے پہلے مستشرقین کے گولڈز ہیر، مسٹر شاٹ اور ولیم میور نے کام کیا لیکن اس کے بعد ان کے جانشینوں میں سرسید اور چراغ علی نے اس کی ابتدا کی، پھر غلام نبی چکڑالوی اور غلام احمد پرویز نے اس کمان کو سنبھالا اور یہ فتنہ مسلمانوں میں تیزی سے پھیلا۔ پھر جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس باب میں قدیم علماء سے سازگار نہیں تھا اور قدیم و جدید کے اس فرق نے اس خلیج کو اور وسیع کر دیا۔ علامہ موصوف نے اپنی اس ضخیم کتاب میں جو دراصل ان کے مختلف کالجوں اور سیمیناروں کے مقالات کا مجموعہ ہے۔ درج ذیل عنوانات پر خوب سے خوب تر انداز میں تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے...... اس کتاب کی افادیت کے لیے ہمیں

مولف موصوف کی اس تحریر سے مکمل اتفاق ہے کہ: آثار الحدیث ان شاء اللہ العزیز! آپ کی زندگی کے اس پورے سفر میں آپ کا ساتھ دے گی، آپ بھی توجہ سے اس کا ساتھ دیں ...... حدیث کے خلاف پھیلائے گئے فتنوں کی جڑ خود بخود کٹتی جائے گی۔''

[ماہنامہ بینات کراچی ربیع الاول ۱۴۱۰ھ.....نقد و نظر:۴۹۲/۲]

(۱۵)-مناظر اسلام وکیل احناف ترجمان اہل سنت دیوبند مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ (۳۱/اکتوبر ۲۰۰۰ء)

مولانا محمود عالم صفدر برادرزادہ مولانا امین صفدر اوکاڑویؒ لکھتے ہیں:

''حضرت علامہ صاحبؒ نے جو لکھا خوب لکھا، چھوٹے اور ہم عمر تو کیا بڑوں سے بھی داد وصول کی۔ بندہ نے حضرت اوکاڑویؒ سے ایک دفعہ پوچھا کہ مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام پر سب سے بہترین کتاب کونسی ہے؟ فرمایا ''مقام حیات''۔ دنیا میں اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی۔ اور مقام حیات کے بارے میں حضرت قاری محمد طیبؒ صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بھی یہی فرمایا۔ حضرت اوکاڑویؒ حضرت علامہ صاحبؒ کا ذکر خیر اور ان کے علمی نکات بے تکلف اپنی مجالس میں بیان فرماتے تھے۔ اس وجہ سے ہمارے دل میں حضرت علامہ صاحب کا عشق جڑ پکڑتا گیا۔ حضرت نے ایک بار فرمایا کہ: ''ہم جب طالب علم تھے، حضرت علامہ صاحب اس وقت بھی علامہ تھے۔'' (حوالہ: مضمون مولانا محمود عالم صفدر: ۱۰۴/۱)

(۱۶)-قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ [خلیفہ مجاز: حضرت مدنیؒ، بانی: تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ] (۲۶/جنوری ۲۰۰۴ء)

۱-حضرت قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ مسلکی معاملات میں انتہائی حساس اور بے حد محتاط تھے، نہایت سوچ بچار کے بعد اپنے اسٹیج پر کسی کو بلاتے تھے۔ اُن کے جماعتی اجتماعات کے لیے ہر مقرر کی منظوری خود حضرت قائد اہل سنت سے حاصل کرنا لازم تھا۔ لیکن واحد شخصیت حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ پر حضرت قائد اہل سنت کو اتنا بھروسہ اور اعتماد تھا اُن کو بلانے کے لیے کسی منظوری کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ (مضمون مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر: ۱۲۳/۱)

۲-حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ صرف دو حضرات کے نام ساتھ ''علامہ'' لکھتے تھے: [۱]-حضرت مولانا علامہ محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ [۲]-حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب (مجلّہ المصطفیٰ امام اہل سنت نمبر: ۶۴۳۔ مزید: ۴۹۳/۲۔ ۳۹۶/۲)

۳-حضرت قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد سلطان المناظرین حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر نوراللہ مرقدہ کی کتاب ''آفتاب ہدایت'' پر شیعہ مجتہد محمد حسین ڈھکو نے اعتراضات اٹھائے تو تفصیلی جواب کے لیے حضرت قائد اہل سنت نے علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کا انتخاب فرمایا۔ (۹۹/۱......۱۲۴/۱......۶۳۲/۱......۶۶۱/۱......۱۸۷/۲......۴۷۰/۲......۴۹۹/۲)

۴-حضرت قائد اہل سنت اپنی کتاب ''کشف خارجیت میں لکھتے ہیں: ''علامہ خالد محمود صاحب پی ایچ ڈی نے ''مقام حیات'' اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے تسکین الصدور لکھی ہے۔ اور یہ دونوں کتابیں ماشاء اللہ مدلل ہیں۔'' [کشف خارجیت: ۲۰۹]

(۱۷)-معروف صحافی و ادیب مولانا عبدالرشید ارشدؒ [مدیر: ماہنامہ ''الرشید'' لاہور] (جنوری ۲۰۰۶ء) لکھتے ہیں:

''ہفت روزہ ''دعوت'' نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے جو جرأت مندانہ اداریئے سپرد قلم کیے وہ ہمارے پلیٹ فارم کی جان اور تنظیمی موقف کے روشن عنوان ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ دعوت کا دنیائے صحافت میں تعارف ہمارے انہی کالموں کا رہین احسان ہے، اسی طرح دعوت کے باب الاستفسارات مسلک اہلسنت کی جان اور علوم وحقائق کے وہ بحر بیکراں ہیں کہ انہی ان مختصر کالموں میں سمونا حضرت علامہ خالد محمود صاحب ہی کے قلم حقیقت رقم کا کام تھا اور اہل علم حضرات سے ان کالموں کی قدر ومنزلت مخفی نہیں ان کا حضرت علامہ صاحب کی طرف نسبت ہونا ہی ان کی علمی اور فکری شان کی ایک کافی ضمانت ہے۔''

[عبقات جلد اول]

(۱۸)-امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدرؒ [تلمیذ حضرت مدنی، خلیفہ مجاز: مولانا حسین علیؒ واں بھچراں] (۵رمئی ۲۰۰۹ء)

۱-''آپ کا مکتوب ملا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ محترم! تدریس اور رد بدعات کی بنا پر تردید رفض میرا مستقل موضوع کبھی نہیں رہا۔ آپ لاہور میں علامہ خالد محمود سے استفادہ کرتے رہا کریں۔ راقم اثیم تو اس وقت صرف حسن خاتمہ کی دعا چاہتا ہے۔''

[افادات امام اہل سنت: ۸۲۳]

۲-''بعض مسائل پر حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب ایم، اے سیالکوٹی نے ایک عمدہ، مدلل اور بہترین کتاب ''مقام حیات'' لکھ کر اہل علم کی علمی تشنگی بجھائی ہے۔...... مجموعی اعتبار سے یہ عمدہ اور ٹھوس کتاب ہے اور ہم نے بھی بعض حوالوں میں اس سے استفادہ کیا ہے۔'' [تسکین الصدور: ۷۷]

۳-''علامہ خالد محمود ہماری جماعت کے محقق عالم ہیں، بہت کام کر رہے ہیں۔'' [ذخیرۃ الجنان: ۸/۴۶۱]

(۱۹)-شیخ المشائخ مولانا خواجہ خان محمد [امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت وسجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف] (۵رمئی ۲۰۱۰ء)

''فقیر خان محمد کی طرف سے مکرم منیجر صاحب مطالعہ فرمائیں کہ آپ کا والانامہ موصول ہوا۔ حضرت علامہ صاحب اور آپ کی یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ جزاکم اللہ تعالیٰ.

''دعوت'' کے مطالعہ سے بھی مشرف ہوا۔ مضامین اعلیٰ اور معلومات افزاء ہیں۔ کتابت وطباعت معیاری اور دیدہ زیب ہے۔ گویا کہ دعوت کا پرچہ اپنے اندر دعوت کا پورا مفہوم ادع الیٰ سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن لیے ہوئے ہے۔ ظاہر ومعنوی خوبیوں سے آراستہ ہے۔...... فقیر کو اپنا مستقل دعا گو اور ''دعوت'' کا ہمیشہ کے لیے خریدار تصور فرمایئے اور ''دعوت'' کو فقیر کے نام پر جاری رکھیں۔...... از خانقاہ سراجیہ کندیاں، ۲۴/ربیع الثانی ۸۲ھ''

[عبقات جلد اول...... دعوت: ۵/اکتوبر ۶۲ء۔ ۵/جمادی الاولیٰ ۸۲ھ]

(۲۰)-استاذ العلماء مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ [ناظم اعلیٰ: جامعہ اشرفیہ لاہور] (۲۲/جنوری ۲۰۱۱ء) لکھتے ہیں:

''ایک مقامی ہفت روزہ پرچے نے یہ اثر دینے کی کوشش کی ہے کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحب کے ساتھ جامعہ اشرفیہ والوں کے کچھ اختلافات ہیں، یہ خبر انتہائی ناقابل اعتبار ہے، حضرت علامہ صاحب کے ساتھ جامعہ اشرفیہ کے اور جامعہ

اشرفیہ کے حضرت علامہ صاحب کے ساتھ وہی تعلقات ہیں جو حضرت مفتی (محمد حسن) صاحب قدس سرہ العزیز کی زندگی میں تھے۔ ہمیں اور ہمارے اکابر علمائے کرام کو حضرت علامہ صاحب اور ان کے علم پر پورا پورا اعتماد ہے۔ فقیر عبد الرحمٰن عفی اللہ عنہ جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور" [دعوت: ۴۶/۲ ـ ۱۴ربیع الاول ۱۳۸۴ھ ـ ۲۴ر جولائی ۱۹۶۴ء]

(۲۱)- مناظر اعظم مولانا علامہ عبد الستار تونسویؒ [صدر: تحریک تنظیم اہل السنۃ والجماعۃ پاکستان] (۲۱ر دسمبر ۲۰۱۲ء)

مولانا عبد الغفار تونسوی مدظلہ اپنے والد ماجد علامہ عبد الستار تونسوی رحمہ اللہ کے تاثرات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میری عمر کا کافی حصہ دشمنانِ صحابہ کے تعاقب اور ان سے مناظرہ، مکالمہ اور مباحثہ میں گزرا، مجھے کسی شخص پر اتنا بھروسہ اور اعتماد نہیں ہوتا تھا جتنا علامہ صاحب پر تھا، میدان مناظرہ میں فریق مخالف ہمیشہ خروج عن المبحث کر کے موضوع کو خلط ملط کرنے کی کوشش کرتا رہتا، ہمارے ساتھی فریق مخالف پر کما حقہ گرفت نہیں کر سکتے تھے، یہ دشواری مناظروں میں ہمیشہ پیش آتی رہی، صرف علامہ صاحب کی ہی شخصیت تھی جن کی مضبوط گرفت سے مخالفین گھبراتے تھے، روافض سے مناظرے تو کافی ہوئے چند مناظرے ایسے ہوئے جس سے میں میدان مناظرہ میں بہت خوش ہوا، اور مخالف مناظر تھوڑی ہی دیر میں میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ (حوالہ: مضمون مولانا محمد عبد الغفار تونسوی: ۷۹/۱)

(۲۲)- شیخ الحدیث مولانا محمد صدیقؒ [صدر مدرس و شیخ الحدیث: جامعہ خیر المدارس ملتان] (۲۲ر فروری ۲۰۱۶ء)

بنت مولانا محمد صدیقؒ اپنی ایک تحریر میں لکھتی ہیں:

"میں پاکستان میں ہی تھی جب میرے والد محترم (حضرت مولانا محمد صدیق صاحبؒ شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس، ملتان) مجھے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہیں تقدیر وہاں لے جا رہی ہے تو علامہ صاحب کے بیانات ضرور سننا اور ساتھ ہی فرمایا کرتے تھے کہ صرف سننے ہی نہیں بلکہ علمی نکات کو قلمبند بھی کرنا ہے۔ پھر جب بھی فون پر بات ہوتی تو ضرور پوچھتے کہ علامہ صاحب کے بیانات سنتی ہو؟ اور فرماتے کہ بڑے قیمتی شخص ہیں، اللہ ان کو سلامت رکھے اور لمبی عمر عطا کرے۔ ایک دفعہ علامہ صاحب نے میرے والد صاحب کو کوئی تحریر بھجوائی، میں نے پوچھا مل گئی؟ تو فرمایا: ہاں! میں نے پوچھا: پسند آئی؟ فوراً فرمایا: تحریر تو پسند آئی، لیکن تمہارا سوال پسند نہیں آیا۔ علامہ صاحب کی تحریر پر یہ سوال اٹھتا ہی نہیں کہ پسند ہے یا نہیں۔" (مضمون: ۳۶۱/۲)

(۲۳)- خطیب اسلام مولانا محمد سالم قاسمی [مہتمم دار العلوم دیوبند، وقف] (۱۴ر اپریل ۲۰۱۸ء)

"حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مکرم و محترم حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب زید مجدہ کی ذات گرامی سے اہل حق کو نوازا جو تمام فرقِ ضالہ کے بارے میں عموماً اور بریلویت کے بارے میں خصوصاً مکمل و صحیح معلومات کے ساتھ غیر معمولی ذکاوت و ذہانت اور ہر باطل کے مقابلے پر مسکت و دنداں شکن جوابات کی جانب مافوق العادۃ انتقال ذہن کے بے مثال امتیازات کے حامل ہیں اور راقم الحروف حضرت علامہ محترم کے ساتھ اپنے قرب تعلق کے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں باطل کی سرکوبی کے باب میں علامہ موصوف کو نہ صرف منفرد و بے مثال شخصیت قرار دینے میں کسی تردید کا خطرہ و خوف محسوس نہیں کرتا بلکہ عصرِ رواں

میں، متبع سنت علماءِ اسلام کے لیے ان کی ذات گرامی کو ایک عظیم نعمتِ خداوندی سمجھتا ہے۔'' [مطالعۂ بریلویت، جلد اوّل]

(۲۴)- شیخ الحدیث مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری [صدر مدرس و شیخ الحدیث: دارالعلوم دیوبند] (۱۹ مئی ۲۰۲۰ء)

مولانا سعید احمد پالن پوری رحمہ اللہ کا فرمان ایک صاحب نے کسی تحریر میں نقل کیا ہے کہ: ''اِس وقت روئے زمین پر سب سے بڑے عالم علامہ خالد محمود ہیں۔'' (مضمون، مقصود احمد ضیائی: ۲/۳۳۵)

(۲۵)- مولانا اطہر علیؒ [خلیفہ مجاز مولانا اشرف علی تھانویؒ بانی و صدر جامعہ امدادیہ کشور گنج میمن سنگھ] لکھتے ہیں:

''اس وقت اس (ہفت روزہ دعوت) کے چند پرچے دیکھے ہیں، اس کی تحقیقات بڑی عالمانہ اور طریق بہت معتدل ہے۔ ہر کتاب اور ہر پرچے کی عظمت اس کے مصنف اور نگران کی شخصیت سے ظاہر ہوتی ہے۔ ''دعوت'' کے اعتماد اور عظمت کے لیے اتنا علم ہی کافی ہے کہ پرچہ علامہ خالد محمود صاحب کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے مغربی پاکستان میں دینی کام کرنے والے بہت سے علماء ارباب قلم اور کارکن لوگوں کو میں ملا ہوں ان میں علامہ خالد محمود صاحب کو میں نے نہایت عمیق العلم، متوازن دماغ، معتدل مسلک اور گہری فکر کا مالک پایا ہے۔ ۳۰ رمئی ۱۹۶۴ء'' [عبقات جلد اول۔ دعوت: ۲/۴۳۔ ۲۲ رصفر ۱۳۸۴ھ۔ ۳ رجولائی ۱۹۶۴ء]

(۲۶)- فاضل اجل صدر الافاضل مولانا شمس الحق [از جیسور مشرقی پاکستان] لکھتے ہیں کہ:

''ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور جو تنظیم اہل سنت کی سرپرستی میں ...شائع ہوتا ہے مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کا نہایت بلند پایا علمی آرگن ہے۔..جس پر یہاں کے اہل علم کو پورا پورا اعتماد ہے۔ باب الاستفسارات کے ذریعہ اس پرچہ نے جو خدمت سرانجام دی ہے وہ علمی دنیا پر ایک احسانِ عظیم ہے۔ ایک بڑا کتب خانہ بھی وہ کام نہیں کرسکتا جو اَب ''دعوت'' کے بات الاستفسارات کے ذریعہ ہو رہا ہے۔ سب سے بڑی بات جو مجھے پسند آئی ہے وہ اس کا مسلکِ اعتدال ہے۔ جو فرقہ بندی کی تنگ نظری سے بالکل بالا ہے۔ اس میں کسی دوسرے فرقہ پر عامیانہ حملے نہیں ہوتے۔ اپنے عقائد اور مسائل کا مثبت اور شُستہ بیان ہوتا ہے، مشرقی بنگال میں ''دعوت'' کی عظمت کے لے یہ کافی سمجھا جاتا ہے کہ فاضل جلیل علامہ خالد محمود صاحب ایم اے کا نام لے لیا جائے۔ یہاں کے علماء ان کے بہت معتقد ہیں۔'' [عبقات جلد اول۔ دعوت: جلد۲، شمارہ ۴۳۔ ۲۲ رصفر ۱۳۸۴ھ۔ ۳ رجولائی ۱۹۶۴ء]

(۲۷)- تلمیذ حضرت کشمیریؒ شیخ الحدیث مولانا عبد الکبیر [شیخ الحدیث: جامعہ مدینۃ العلوم سری نگر] لکھتے ہیں:

''ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور جو تنظیم اہل سنت کے زیر اہتمام اور فاضل محترم جناب علامہ خالد محمود صاحب کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے۔ ماشاءاللہ بہت علمی اور دینی خدمت کر رہا ہے۔ مادہ پرستی کے اس دور میں ایسے رسالے کا چل نکلنا ایک بہت ہی بڑا کام اور اسلام کا ایک زندہ اعجاز ہے۔ پاکستان میں دینی رسائل اور اخبارات تو بہت ہوں گے، لیکن ''دعوت'' جس علمی امتیاز اور ادبی انداز سے چل رہا ہے، اس کی مثال ملنا محال ہے، جہاں تک میں اس رسالے کو دیکھ سکا ہوں، تحقیق کے نقطۂ نظر سے ''دعوت'' کا بیان حرفِ آخر ہوتا ہے۔ پاکستان کے اہل سنت مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ وہاں علامہ خالد محمود صاحب جیسے حضرات جن

کے علم وفضل پر علماء کے اونچے طبقے کو پورا اعتماد ہے۔علم دینی کی نشر و اشاعت اور تبلیغ شرع متین میں پوری طرح کوشاں ہیں۔..''

[عبقات جلد اول۔ دعوت: ۲۵/جنوری ۶۳ء۔۲۸/شعبان ۸۲ھ]

(۲۸)-استاذ العلماء مولانا ولی محمد [صدر: شعبہ تبلیغ مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی] لکھتے ہیں:

''علامہ صاحب ادیبوں میں ادیب، خطیبوں میں خطیب، مصنفوں میں مصنف، عالموں میں عالم، مناظروں میں مناظر اور مفکروں میں مفکر ہیں۔ان کی زبان صداقت کی ترجمان ہے۔ان کا قلم حقیقت رقم ہے اور وہ قوتِ حافظہ، وسعتِ مطالعہ، فصاحت و بلاغت اور علوم جدید و قدیم میں مہارت تامہ کے باعث طبقہ علماء میں اپنے شرف و امتیاز کے بلاشرکتِ غیرے مالک ہیں۔ یہ حقیقت بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ ان کی صداؤں نے ڈھلتی راتوں کے تاریک سناٹوں میں بھی اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بلند کیا ہے۔انہوں نے نامعلوم کتنے دماغوں میں توحید، ختم نبوت کا اجالا پھیلایا ہے اور نامعلوم کتنے ان گنت دل ایسے ہیں جن میں انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت ثبت کردی ہے۔حق یہ ہے کہ ان کی شخصیت ع نگہ بلند سخن دلنواز، جاں پُرسوز کا حسین مرقع ہے۔باب الاستفسارات تو بالخصوص زبان و بیان اور علمی و تحقیقی لحاظ سے شاہ کار کی حیثیت رکھتا ہے۔اس کا ایک ایک لفظ حضرت علامہ خالد محمود صاحب کی ذہانت کا آئینہ دار اور ان کے تبحر علمی کا ترجمان ہوتا ہے۔باب الاستفسارات پڑھ کر الجھے ہوئے مسائل کا قدرتی اور علمی و تحقیقی سلجھاؤ سامنے آجاتا ہے۔حق کے متلاشیوں کے لیے یہ باب خضرِ راہ ہے، لیکن وہ لوگ جن کے قلوب زنگ آلود ہو چکے ہیں اور جن کی فکری صلاحیتیں اور دماغی توانائیاں ان کے تنورِ شکم کی بھوکی صلاحیتوں نے مفلوج کر رکھی ہیں، وہ اس سے مستفید نہیں ہوسکتے۔مجھے اس سے اتنا فائدہ پہنچا ہے کہ اس کے بیان سے پائے قلم لنگ ہے، بہت سے شکوک وشبہات جو میرے قلب میں خار کی طرح کھٹک رہے تھے، اس کے پڑھنے سے وہ یک قلم کافور ہوگئے۔بہرحال ہفت روزہ ''دعوت'' گم کردہ راہ لوگوں کے لیے خضرِ راہ اور ظلم و ضلالت کی وادیوں میں بھٹکنے والوں کے واسطے روشنی کا معیار ہے۔اس محبوب پرچے کے انتظار میں ہفتہ بھر بے چینی رہتی ہے۔'' [عبقات جلد اول]

(۲۹)-تنظیم اہل سنت جام پور کے خطیب مولانا عبدالحئی جام پوریؒ کا مکتوب:

''پچھلے دنوں بعض غیر ذمہ دار افراد کی طرف سے ہفت روزہ ''دعوت'' اور تنظیم اہل سنت کے مرکزی راہنما حضرت علامہ خالد محمود صاحب ایم اے کے خلاف کچھ بازاری قسم کے جملے نظر سے گزرے، مذہب کے نام سے اس قسم کے نازیبا الفاظ نہایت قابل مذمت ہیں۔''دعوت'' نے ان ناشائستہ بیانات کا نوٹس نہ لے کر بڑی سنجیدگی اور وقار کا ثبوت دیا ہے۔یہاں کے سب دوست اس نہایت معقول روش پر آپ کو اور حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔''

[دعوت: جلد۲، شمارہ ۵۰......۱۲/ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ......۲۱/اگست ۱۹۶۴ء]

☆......☆......☆......☆

باب نمبر ۳

باہمی تعلقات

میں مفتی محمد حسن صاحب کے پاس جامعہ نعمانیہ میں بھی پڑھتا تھا اور مسجد نور کا درس بھی سنا، پھر جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد کے سنگ بنیاد میں بھی شریک تھا، پھر فرمانے لگے کہ مسجد حسن کے قدیم سنگ بنیاد میں بھی شریک تھا اور آج جدید سنگ بنیاد میں بھی شریک ہوں۔[۱/۷۸]

''ہر فرعونے را موسیٰ! مرزا بشیر الدین کے ضلع جھنگ میں آنے سے پہلے قسام ازل نے چنیوٹ کے ایک صنعتی گھرانے سے دین کا ایک طالب علم اُٹھایا، جس نے خیر المدارس ملتان اور دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار سے فراغت کر کے فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیات سے قادیانیت کو ایک کورس کے طور پر پڑھا۔

مولانا منظور احمد چنیوٹی اس موضوع میں آگے بڑھے، یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے دریائے چناب کے دو طرف خیر و شر کے دو لشکر بٹھا دیئے، مغربی کنارے کے پار بشیر الدین محمود کا ڈیرہ لگا اور مشرقی کنارے پر مولانا منظور احمد چنیوٹی جامعہ عربیہ کی مسند تدریس پر آئے۔''[۱/۶۹]

''اَب میں لکھنے کی ہمت تو نہیں کر سکتا تھا، نہ اُس وقت میری صحت اجازت دیتی تھی، لیکن ایک شخص جو جاہی رہا ہو، اور اس نے اپنی زندگی بڑی محنت سے گزاری ہو، اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی خلافت کا شرف پایا ہو، تو پھر دِل نہیں چاہتا تھا کہ میں انکار کروں، لیکن میں حیران تھا کہ میں کیا کروں؟ (میں نے حامی بھر لی۔ پھر) میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ اس کتاب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے کرم کی مجھ پر کتنی عنایات ہوئیں، اللہ نے مجھے توفیق دی کہ میں نے اس (تجلیات صداقت) کے جواب میں یہ کتاب (تجلیات آفتاب) لکھ لی۔ اور جب یہ کتاب لکھی تو سب سے پہلے قاضی مظہر صاحب کے بیٹے کو، یعنی جو مصنف کا پوتا تھا، (انھیں دی)''[۱/۹۹]

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن (۱)

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ اور دار العلوم مدنیہ بہاول پور

بیس (۲۰) رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ ۱۴/مئی ۲۰۲۰ء جمعرات کو دُرِنایاب رئیس المحققین انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ علم وعمل کے یہ قافلے اس دنیا سے رخصت ہوتے چلے جا رہے ہیں اور تا قیامت یہ عمل جاری رہے گا۔ ہر روز ایک خبر آتی ہے کہ آج فلاں اِس دنیا سے چلا گیا۔ کائنات کی پیشانی پر: کل من علیها فان و یبقیٰ وجه ربك ذو الجلال والاکرام کا نوشتہ ازل سے موجود ہے، باقی رہنے والی ذات صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر کے لیے بھیجا ہے، اور یہ سلسلہ آنے جانے کا جاری رہے گا، مگر کچھ ہستیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک عالم ان کی جدائی پر افسردہ وغمگین ہوتا ہے۔

سب سے پہلے حضرت کا تعارف ۶۲،۱۹۶۳ء میں ہوا جب بندہ دار العلوم کبیر والا میں زیر تعلیم تھا۔ اس وقت حضرت خانیوال میں پروفیسر متعین ہوئے (۲) تو حضرت علامہ مرحوم بانی دار العلوم کبیر والا (مولانا عبد الخالق رحمہ اللہ) سے ملاقات کے لیے تشریف لائے اور حدیث کے ایک سبق کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت بانی دار العلوم رحمہ اللہ مشاہرہ کے ساتھ راضی تھے۔ حضرت علامہؒ بغیر مشاہرہ کے خدمت کرنا چاہتے تھے۔ اتفاق نہ ہوسکا تو خدمت کا وقت بھی نہ مل سکا۔

ہمارے جامعہ دار العلوم مدنیہ کے بانی حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ علامہ صاحب کا بہت گہرا تعلق تھا، گاہے بگاہے تشریف لایا کرتے تھے، بلکہ ایک دفعہ تو ہفتہ عشرہ دار العلوم میں قیام فرمایا، طلبہ اور شہر کے اہل علم کو صبح وشام درس بھی دیا اور تربیت بھی فرمائی۔ اور اس موقع پر جامعہ کے رجسٹر ''کتاب الآراء'' میں اپنے تاثرات بھی درج فرمائے، جو یہاں موجود ہیں۔

بہرحال آج ان کا تذکرہ زبان پر آتا ہے اگر چہ حسب معمول تو نام کے آخر میں ''دامت برکاتہم'' کا لاحقہ ہونا چاہیے تھا، لیکن اب تو وہ اپنے اصلی گھر میں منتقل ہو چکے ہیں، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اَب ''رحمۃ اللہ علیہ'' کا لاحقہ ہو، لیکن ان کی برکات وفیوضات اب تا قیامت باقی ہوں گی تو کیوں نا ''دامت برکاتہم'' بھی کہہ دیں؟

انہی کے نقش قدم پر ہو یا خدا جینا ویرحم اللہ عبدا یقول آمینا

اللہ تعالیٰ ان کے درجات شایان شان بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں مقام اعلیٰ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

عطاء الرحمٰن، دار العلوم مدینہ بہاول پور۔ ۱۶/شوال المکرّم ۱۴۴۱ھ، ۸/جون ۲۰۲۰ء

---

(۱) مدیر وشیخ الحدیث: دار العلوم مدنیہ بہاول پور، فرزند ارجمند: مولانا محمد شریف بہاول پوریؒ...... (۲) دیکھیے: ۱/۳۱۱

دارالعلوم مدنیہ بہاول پور سے متعلق علامہ صاحب کی رائے گرامی:

(۱)......"**الحمد لله و سلام على عباده الذين اصطفى و وفق عبده العلامة غلام المصطفىٰ أن ينشر علوم المصطفىٰ فى هذه القارة الممتازة ما لمع القمر وارتفعت بنوره الدجى فى الليلة الظلماء. أمابعد!**

بہاولپور کا شہر برصغیر پاک و ہند کی اسلامی عظمت اور تاریخی سطوت کا ایک مرکزی نقطہ رہا ہے، انگریزی دورِ اقتدار میں بھی یہاں ایک اسلامی ریاست تھی، جامعہ عباسیہ کی پورے برصغیر میں شہرت تھی، کبھی سید العلماء حضرت علامہ الشیخ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے ساتھ علماء حق کا ایک قافلہ اس سرزمین میں اترا تھا، اور ایک وقت حضرت الشیخ قدوۃ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ بھی یہاں درس حدیث دے چکے، پاکستان بننے کے بعد یہاں جامعہ اسلامیہ میں حضرۃ الشیخ مولانا شمس الحق افغانی دامت برکاتہم کے علوم کے چشمے بہتے رہے، لیکن اس دور آخر میں یہاں ایک ایسا وقت آن لگا کہ وہ دن محض عظمت رفتہ بن کر رہ گئے۔

ضرورت تھی کہ کوئی مرد باہمت پھر سے اس شہر میں کمر ہمت باندھے، یہ سعادت مولانا المکرّم علامہ غلام مصطفےٰ کے نام لکھی تھی، **ولقد جاء فى المثل السائر كم ترك الاول للآخر.** مولانا نے یہاں جامعہ مدنیہ قائم کر کے چند سالوں میں ہی اسے وہ ترقی دے دی کہ موقوف علیہ تک یہاں مثالی تعلیم ہونے لگی ہے۔ مولانا کے ساتھ دوسرے اعیان العلم کا توافق وتعاون اس مدرسہ کو چار چاند لگائے ہوئے ہے، سو کے قریب یہاں رہائش پذیر طلبہ ہیں جن کے قیام وطعام اور دیگر مصارف کا مدرسہ ذمہ دار ہے۔

علاقے میں توحید وسنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کا استیصال ان اثرات میں سے ہے جو اہم دینی درسگاہوں کے گردوپیش خود جمع ہو جاتے ہیں، اِس پہلو سے اس علاقہ میں تدریس خدمت کے ساتھ ساتھ تبلیغی محنت بھی برابر ہو رہی ہے۔ رب العزت نوائب الحق میں اس مدرسہ کی نصرت فرمائیں اور یہاں سے طلبہ، جید علماء دین بن کر نکلیں تا کہ ان کی ضیاباریوں سے اس علاقہ کی پوری فضا منور اور پورا ماحول معطر ہو جائے۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

حررہ بقلمه و بنانه احقر العباد خالد محمود عفا اللہ عنہ صدر جمعیت علماء برطانیہ

حال وارد پاکستان 30-01-1983"

(۲)......"**الحمد لله و سلام علىٰ عباده الذين اصطفىٰ ء الله خير اما يشركون. أما بعد!**

بہاولپور میں "جامعہ عباسیہ" کسی وقت علوم عربیہ ادبیہ اور علوم دینیہ اسلامیہ کا مرکز تھا اور علماء کبار جہابذہ روزگار یہاں وارد و صادر ہوتے تھے۔ وقت کی بساط الٹی تو وہ عظیم درس گاہ حضرت علامہ شمس الحق افغانی قدس اللہ سرہ العزیز کے جانے کے بعد ایک حسین یاد ماضی بن کر رہ گئی اور بہاولپور کے دینی کنارے کچھ خاموش خاموش نظر آنے لگے۔

دنیا کے دینی امور اور زمین کے آسمانی فیصلے انسانوں سے نہیں امر الٰہی سے چلتے ہیں اور اللہ رب العزت ضرورت کے ہر وقت میں اپنے دین کی مساعت اور حق کی اشاعت کے لیے رجال کار کھڑے کر دیتے ہیں۔ جامعہ عباسیہ کے اُس زریں دور کے بعد اس شہر میں ایسے مدارس عربیہ کی ضرورت تھی جن کا نصاب دارالعلوم دیوبند کی طرح صحیح الفکر اور عمیق النظر علماء پیدا کرے۔ الحمد

للہ کہ دارالعلوم مدینہ بہاولپور اس منزل کی طرف اپنے نہایت مختصر اور قلیل وسائل کے ساتھ بڑی تیزی سے گامزن ہے۔

احقر یہاں دورۂ حدیث اور درجہ موقوف علیہ کے طلبہ کے' درجہ تخصص کے بعض اسباق کے لیے ایک ہفتہ کے قریب قیام پذیر رہا اور طلبہ میں روزانہ دو سبق جاری رہے ہیں، میں نے طلبہ کو بنیادی تعلیم میں نہایت پختہ پایا۔ نچلی کتابوں میں محنت مدارس کے بہتر مستقبل کی آئینہ دار ہوتی ہے، بہت کم مدارس ہیں جہاں ابتدائی کتابوں پر پوری محنت کی جاتی ہو۔ معلوم ہوتا ہے یہاں اساتذہ محنتی ہیں اور مدرسہ کا نظم ونسق کسی آن بھی غفلت اور بے پرواہی کا شکار نہیں۔ مولانا غلام مصطفیٰ صاحب جنہیں احقر تیس سال سے جانتا ہے، اس کی نظامت پر مامور ہیں۔ مہتمم دارالعلوم ہذا اِس علاقے کے جلیل القدر عالم محترم قاضی عظیم الدین صاحب ہیں، جن کے جد محترم کی دعوت پر شیخ المحد ثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ، علاقہ بہاولپور میں درس حدیث کے لئے آئے تھے اور دس سال کے قریب یہاں مقیم رہے تھے۔ یہ دارالعلوم مدینہ بھی حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس درسگاہ کو ان بزرگوں کی نسبت اور ہر عام وخاص کی فکری، عملی اور مالی امداد سے مستفید اور کامیاب فرمائے اور خدا کرے یہاں وہ نادرہ روزگار علماء پیدا ہوں جو اس پورے علاقے کو علوم نبوت سے منور کردیں۔

احقر: خالد محمود عفا اللہ عنہ، ۲۸/ذوالحجہ ۱۴۰۴ھ"

(۳)......"**نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم، أما بعد!** آج ۲۰/فروری ۲۰۰۳ء، ۱۸/ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ بروز جمعرات جامعہ مدینہ بہاولپور میں حاضری کا موقع ملا۔ جامعہ کے بانی مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مرحوم احقر کے دوستوں میں سے تھے۔ ان کے سانحہ ارتحال کے بعد گمان تھا کہ جامعہ اب اس طرح نہ چل سکے (گا)، لیکن آج کی حاضری نے اس حقیقت کو اور واضح کردیا کہ اللہ رب العزت خود اپنے کاموں کا ولی ہے، وہی کارساز ہے اور وہی مسبب الاسباب ہے۔ اللـه ولی أمره و بـه تتم الصالحات.

جامعہ کی نئی عمارت اور وسعت رقبہ کو دیکھ کر اور دل خوش ہوا۔ اساتذہ کرام سے مل کر اور خوشی ہوئی، امید ہے کہ یہ جامعہ اس علاقے کی عظیم دینی درسگاہوں میں ایک نہایت موقر اور ممتاز مقام حاصل کرے گا۔ **واللہ المؤفق** کتبہ خالد محمود عفا اللہ عنہ از مانچسٹر، حال وارد بہاولپور"

(۱۸/ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ بروز جمعرات صبح کو تشریف فرما ہوئے، ناشتہ سے قبل اساتذہ اور علماء کو مختصر خطاب فرمایا، بعد ازاں جامعہ صدیقیہ تشریف لے گئے وہاں یہ تحریر فرمایا۔ عطاء الرحمٰن، بقلم خود)

مولانا قاری ظفر اقبال (۱)

حضرت علامہ صاحبؒ اور جامعہ حنفیہ جہلم، تحریک خدام اہل سنت

افسوس صد افسوس کہ **بحر العلوم والفیوض رئیس العلماء رأس المحققین والمتکلمین** مناظر اسلام حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات تمام اہل اسلام کے لیے بالعموم اور مسلک اہل السنۃ والجماعۃ احناف علمائے دیوبند کے لیے بالخصوص بہت بڑا اصدمہ ہے۔ سچ ہے **موتُ العالِم موتُ العالَم**.

موصوف کو علمی، مذہبی و دینی تحریکوں میں ہمیشہ مقتدائی کا شرف حاصل رہا ہے۔ دین کے تمام شعبہ جات مثلاً تحفظ ختم نبوۃ ودفاع صحابہؓ واہلِ بیت و دیگر دینی مسائل میں مسلک حق کی ترجمانی اور فرق باطلہ کے رد میں اپنی مثال آپ تھے۔ نیز اہل حق کے لیے آپ کا طرز عمل ہمیشہ مشعل راہ رہے گا۔

تجر علمی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ مقام عطا فرمایا تھا کہ ہر عقیدہ وعمل میں آپ کی قلم وزبان بے روک چلتے تھے اور رسوخ فی القلم میں آپ کی یہ شان تھی کہ نہ تو کسی مسئلہ میں آپ کو رجوع کرنا پڑھا اور نہ اتباع سلف سے انحراف کے ساتھ آپ کو مطعون کیا گیا۔

تمام دیوبند مکتب فکر آپ کو اپنا سرمایہ سمجھتے تھے، ہر ادارہ اور جماعت ایک دوسرے سے بڑھ کر آپ سے عقیدت کا اظہار کرتا تھا، اسی لئے کسی ادارے اور تنظیم کا کوئی اہم جلسہ آپ کی شرکت سے خالی نہ ہوتا تھا۔ نیز ہر دینی محاذ میں حصہ لینا آپ اپنا دینی فریضہ سمجھتے تھے۔ مگر تحفظ ختم نبوت اور دفاع کے محاذ پر آپ نے بے مثال خدمات سرانجام دیں۔

تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ اور حضرت علامہ صاحب

تحریک خدام اہل سنت کا کام دفاع صحابہؓ واہل بیت رضوان اللہ علیہم کے سلسلہ میں ایسا امتیازی کام ہے جسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ بانی جماعت وکیل صحابہؓ، قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے اہل سنت کے جملہ مسائل پر اور رد رفض میں جو کام فرمایا اور جس اعتدال سے فرمایا قریب دُور میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ایسا کام جو اسلاف اہل سنت کی سو فیصد اتباع میں تھا اور اسے دورِ حاضر کے کبار علمائے اہل سنت کی بھرپور تائید بھی حاصل تھی، یہاں تک کہ مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ بانی دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے آپ کے کام کو دیکھ کر فرمایا کہ: ''حضرت قاضی صاحب تمام علمائے اہل سنت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر رہے ہیں۔''

---

(۱) شیخ الحدیث: جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم

خصوصاً فتنۂ خارجیت پر حضرت کا کام منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ یہ ایسا حساس اور نازک ترین موضوع ہے کہ جس میں آ کر بہت سے علماء نے اہل سنت کے قلم بھی افراط یا تفریط کا شکار ہو گئے۔ مگر حضرت قاضی صاحبؒ مسئلہ مذکورہ میں اتباع سنت کرتے ہوئے راہ اعتدال پر قائم رہے۔ اس سلسلہ میں حضرت کی کتب علمائے کرام کے لیے بہت بڑا علمی ذخیرہ ہیں۔ چنانچہ ''خارجی فتنہ''، ''کشف خارجیت'' اور ''دفاع حضرت معاویہؓ'' پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ حضرت قاضیؒ صاحب آخر عمر تک اپنے مشن پر مضبوطی سے قائم اور عملی میدان میں خدمات انجام دیتے رہے۔ آج ان کی جماعت بھی اس مشن پر چلنے کی بھرپور کوشش کررہی ہے۔ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کا حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی حیات میں بھی اور اُن کی وفات کے بعد بھی آخر دم تک اُن کی جماعت ''خدام اہل سنت'' کے جماعتی پروگراموں میں شریک ہونا اور حضرت قاضی صاحب کے کام کو زبردست خراج عقیدت پیش کرنا اُن کی گہری عقیدت اور محبت کی روشن دلیل ہے۔

جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم میں حضرت علامہ صاحبؒ کا ورود مسعود

مذہب اہل سنت اور مسلک احناف کی اشاعت وحفاظت کے حوالے سے جامعہ حنفیہ جہلم کا ''سالانہ جلسہ'' اپنی ایک تاریخ اور اہل علم کے ہاں ایک مقام رکھتا ہے۔ حضرت علامہ صاحبؒ پاکستان میں موجود ہوتے تو اس پروگرام میں ان کی شرکت لازمی ہوتی تھی۔ خال خال ہی کوئی جلسہ ان کی شرکت سے خالی ہوتا ہوگا۔ اس کے علاوہ بھی فخر اہل سنت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ کی درخواست پر حضرت علامہ صاحب کی جہلم تشریف آوری ہوتی رہتی تھی۔ حضرت جہلمی رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ ''سنی درس'' کے نام سے ایک تربیتی دورہ منعقد فرمایا، جس سے طلبہ کے ساتھ ساتھ عوام الناس بھی استفادہ کرتے تھے۔ اس دورہ میں مختلف علمائے کرام تشریف لائے، ان میں حضرت علامہ صاحبؒ بھی شامل ہیں۔ جو بڑی محبت سے تشریف لائے اور بڑی بشاشت سے کئی روز جامعہ حنفیہ میں قیام فرمایا تھا۔ گویا جامعہ حنفیہ ان کا دوسرا گھر تھا۔ اس سے بھی خدام اہل سنت کے اکابر اور حضرت علامہ صاحب کے باہمی تعلقات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

علامہ صاحبؒ نے تحفظ ختم نبوت کی جدوجہد کے باعث اپنے آپ کو شفاعت محمدی کا مستحق بنایا اور ''دفاع صحابہ کا فریضہ سرانجام دے کر حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کے بقول ''کامیاب ہو گئے۔'' مسلم شریف کے درس میں استاذ مکرم مولانا عبدالرحمٰن اشرفی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کا یہ ملفوظ نقل فرمایا کہ: ''جس نے دفاع صحابہ کیا، وہ کامیاب ہوگیا۔''

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی خدمات کو قبول فرمائے اور آپ کو اپنے جوارِ رحمت میں حضرت صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ہمراہ جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد عمر قریشی (۱)

تحریک تنظیم اہل سنت سے وابستگی (۲)

مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی ذات بابرکات جن اوصاف حمیدہ کی حامل تھی اور حق جل شانہ نے ان میں جو امتیازی کمالات اور اعلی اخلاقی اقدار ودیعت فرمائے تھے ان کے پیش نظر یہ کہنا برمحل ہوگا کہ علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ اس دور میں علمی اعتبار سے دنیائے اسلام کی ان گنی چنی شخصیات میں سے ایک تھے جنہیں حق جل شانہ نے اسلام کی حمایت اور اس کے خلاف پیش کیئے جانے والے شبہات کا رد کرنے کیلئے منتخب فرمایا تھا۔ آپ کی نادر روزگار ہستی علم وبصیرت، ایمانی فراست، احقاق حق اور ابطال باطل کا ایک متحرک پیکر تھی۔ آپ اس دور الحاد و بے دینی میں روشنی کا ایک مینار تھے۔

قوت حافظہ، وسعت مطالعہ، اور پھر اس پر مستزاد معلومات کا استحضار اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمودہ وہ نعمت تھی جس نے علامہ مرحوم کو اپنے ہم عصر اہل علم سے ممتاز بنائے رکھا۔ ایک شخص ایک ہی مجلس میں تفسیر وحدیث، فقہ واصول فقہ، بلاغت ومعانی، کے سربستہ اسرار ومعارف کو وا کرتا نظر آئے، علم کلام کی گتھیاں سلجھائے، اسلام اور اسلام کی حقیقی تعبیر اہل السنۃ والجماعۃ کے جملہ عقائد ونظریات کی سرحدات پر نہ صرف یہ کہ پہرہ داری کے فرائض سرانجام دے بلکہ اس گلشن کو ہر قسمی باد سموم کے نقصان دہ ہواؤں سے حتی المقدور حفاظت کا سامان بھی مہیا کرے، ناممکن نہیں تو مشکل ضرور نظر آتا ہے مگر واقفان حال بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب قدس سرہ کی ذات والا صفات کو اللہ تعالیٰ نے ان تمام خوبیوں سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔

میرا چشم دید واقعہ!

سن وسال تو حتمی طور پر یاد نہیں غالباً نوے کی دہائی کا واقعہ ہے کہ بندہ حرم بیت اللہ شریف میں بعد نماز فجر حاضر تھا کہ میزاب رحمت کے سامنے مطاف کے اندر حضرت علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ کو تشریف فرما دیکھا، سامنے مختصر مگر جید علماء کرام کی جماعت بھی موجود تھی اس مجلس کی عظمت کا اندازہ اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں جلوہ افروز تھے مگر طرفہ یہ کہ تمام تشنگان علوم ایک ہی چشمہ سے سیراب ہو رہے تھے اور وہ تھے ہمارے ممدوح حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ، یہ حسین منظر دیکھ کر بے ساختہ زبان گنگنانے لگی ؎

سبحان من آتاہ علما وحکمۃ
قلبا سلیما ذاکراً متیقّظا

---

(۱) جامعہ فرقانیہ دار المبلغین کوٹ ادو پنجاب پاکستان...... (۲) مزید دیکھیے: ۱/۱۶۹۔ ۱/۲۲۳

آپ ایک ہمہ جہت شخصیت تھے!

تصنیف وتالیف ہو یا تبلیغ وتدریس، میدان سیاست ہو یا میدان مناظرہ، تحریک ختم نبوت ہو یا تحریک تنظیم اہل السنّت، تحریک نظام مصطفیٰ ہو یا مسند ارشاد پر جانشین ہو کر متوسلین کے قلوب کو نور معرفت سے منور کرنا، آپ ہر جگہ صف اول میں نظر آتے ہیں۔ میرا حضرت علامہ مرحوم کو ہمہ جہت شخصیت لکھنا محض عقیدت نہیں بلکہ حقیقت ہے ؎

ولیس علی اللہ بمستنکر

ان یجمع العالم فی واحد

یوں تو حضرت مرحوم نے ہر ایک کار خیر میں حصہ لیا اور ہر دینی تحریک کی سرپرستی فرمائی مگر ۱۹۴۳ء سے لے کر تا دم زیست جس تحریک سے آپ باقاعدہ منسلک رہے وہ ہے: تحریک تنظیم اہل السنّت۔

جمعیت علماء برطانیہ کی سرپرستی ہو یا جمعیت علمائے اسلام کی صدارت، تحفظ عقیدہ ختم نبوت کیلئے گراں قدر محنت ہو یا عقیدہ حیات عیسیٰ علیہ السلام وعقیدہ حیات النبیؐ کے لیے جہد مسلسل، پاکستان کی عدالت عظمیٰ کا عہدہ قضا ہو یا پھر زندگی کی دیگر مصروفیات کوئی چیز بھی تحریک تنظیم اہل السنّت سے تعلق وسرپرستی میں حائل نہ ہو سکی۔

مختصر تاریخ تحریک تنظیم اہل السنّت!

متحدہ ہندوستان میں روافض کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کے سدباب اور عوام اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی حفاظت کے پیش نظر ذوالحجہ ۱۳۶۴ ہجری مطابق ۱۲ر دسمبر ۱۹۴۳ء کو محترم سردار احمد خان صاحب پتافی رحمۃ اللہ علیہ [م ۲۵ر نومبر ۱۹۶۰ء] کے مکان واقع شہر جام پور ضلع راجن پور پنجاب میں شرفائے ملت، فدایان اہل سنت کا نمائندہ اجلاس ہوا، جس میں سردار صاحب مرحوم نے عوام اہل سنت کی عقائد کے حوالہ سے زبوں حالی کا تذکرہ فرمایا۔ شرکاء نے ان کے دَردِ دل کو سن کر باقاعدہ اسی کام کے لیے ایک جماعت تشکیل دینے کا فیصلہ کیا جس پر کافی غور وخوض کے بعد طے پایا کہ تحریک تنظیم اہل سنت کے مبارک نام سے اس مبارک کام کا آغاز کیا جائے۔ اسی مجلس خیر میں بالاتفاق ابتدائی طور پر مرکزی عہدیداران کا انتخاب کیا گیا:

سردار نواب زادہ محمود خان صاحب لغاری۔ مرکزی صدر

سردار احمد خان پتافی صاحب۔ مرکزی ناظم اعلی

امام اہل السنۃ مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری۔ مرکزی مہتمم

ملک کے طول وعرض میں جماعت کو منظم کرنے کی ذمہ داری حضرت بخاریؒ کے سپرد کی گئی۔

ہر سہ حضرات کا اجمالی تعارف: سردار احمد خان صاحب پتافی

ان کا کچھ تذکرہ آپ تاریخ تنظیم کے تحت پڑھ چکے ہیں اور بقایا سید نور الحسن شاہ صاحب کے تذکرہ میں ملاحظہ

فرماویں۔

سردار محمود خان صاحب لغاری:

ان کے متعلق زیادہ معلومات تو حاصل نہیں ہوسکیں البتہ اہل علاقہ سے استفسار پر بڑی عمر کے بزرگوں نے فرمایا کہ آپ سابق صدر مملکت پاکستان جناب سردار فاروق احمد خان صاحب لغاری مرحوم کے چچا تھے، حد درجہ غریب پرور، نہایت درجہ معاملہ فہم اور سینہ میں ملک وملت کا درد رکھنے والا دل رکھتے تھے۔ ان کے دور صدارت میں تحریک تنظیم اہل السنۃ کے نصب العین کو ملک کے سردار صاحبان اور زمین دار طبقہ میں متعارف کرانے میں بہت زیادہ کامیابی ملی۔ حضرت بخاری مرحوم کو ملک بھر میں تحریک تنظیم اہل السنۃ کو منظّم کرنے کا فریضہ سونپا گیا، آپ نے اس سلسلہ میں فروری ۱۹۴۴ء سے اپریل ۱۹۴۴ء تک لاہور، امرتسر، سہارن پور، دیوبند شریف، میرٹھ، دہلی اور لکھنو کا سفر فرما کر جہاں عوامی محنت فرمائی وہاں مقتدر علمی شخصیات سے ملاقاتیں اور مشاورت فرما کر ۱۴ر پریل ۱۹۴۴ء میں امرتسر کے اندر باقاعدہ جماعتی دفتر کا افتتاح فرمایا۔ یہ تحریک تنظیم اہل السنّت کا پہلا دفتر تھا۔ ساتھ ہی لاہور سے جاری ہونے والے اخبار ''زمزم'' کے ذریعہ سے تحریک تنظیم اہل السنّت کی ضرورت اس کے اغراض ومقاصد کو ملک کے طول وعرض میں متعارف کروایا گیا۔

امام اہل سنت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاریؒ:

پیدائش ۱۹۱۱ء بمقام سکھانی والا علاقہ جام پور ضلع راجن پور۔ ابتدائی عصری علوم حاصل فرما کر مقامی سکول میں معلم مقرر کیے گئے۔ حضرت سردار احمد خان پتافی مرحوم کی مسلسل تحریض پر دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا، ۲۰ر شعبان المعظم ۱۳۵۷ھ کو شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ اور دیگر اساتذہ کرام کے مبارک ہاتھوں سے دستار بندی ہوئی۔ نیز سند فراغت عطا فرمائی گئی۔

آپ روایتی طرز تبلیغ سے ہٹ کر نہایت درجہ علمی ادبی اور مسلکی گفتگو فرماتے تھے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے بیان میں ایک ہی موضوع پر بیان کرنا آپ کا طرہ امتیاز تھا۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے شاہ جی صرف خطیب نہیں بلکہ خطیب گر ہیں۔ بیس سے زائد کتب تصنیف فرمائیں۔ ہر ایک تصنیف اپنے موضوع پر ایک مستند حیثیت رکھتی ہے۔ البتہ ''الاصحاب فی الکتاب'' مشتمل ۶۵۰ر صفحات، ''سیرت وشہادت امیر عثمانؓ '' مشتمل بر ایک ہزار صفحات، ''عادلانہ دفاع'' ۲ر جلد اور ''توحید اور شرک کی حقیقت'' وہ علمی شاہکار ہیں جن سے نہ صرف شاہ جی کا علمی ذوق اور عمق معلوم ہوتا ہے بلکہ تحقیقی کام کرنے والے احباب کے لیے شاہ جی کا انداز تحریر اور اسلوب گرفت یقیناً لائق تقلید ہے۔ وفات ۱۹۸۳ء یکم محرم الحرام کو ہوئی۔ نماز جنازہ جناب علامہ عبد الستار تونسویؒ نے پڑھائی۔

دوسرا مرکزی دفتر:

۳۰ربیع الاول مطابق ۱۵/مارچ ۱۹۴۵ء لاہور میں دفتر کا قیام عمل میں لایا گیا،، نیز ۱۸،۱۷،۱۶/مارچ ۱۹۴۵ء مطابق یکم دو تین ربیع الثانی لاہور میں قائدین تحریک تنظیم اہل السنّت کے زیر اہتمام پہلا جلسہ عام منعقد ہوا، جس میں کثیر تعداد کے اندر اکابرین امت نے شرکت فرمائی، خصوصی خطابات، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی اور امام اہل السنّت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہوئے۔ پروگرام بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوا اور یوں ضلع راجن پور کے پس ماندہ علاقہ جام پور میں سردار احمد خان پتافی مرحوم کے مکان پر چند مخلص ہمدردان ملک وملت نے جو خواب دیکھا تھا، یا جس فکر پر مشاورت فرمائی تھی وہ فکر ملک کے کونے کونے تک پہنچی۔

تیسرا مرکزی دفتر:

۱۹۵۲ء میں ملتان میں قائم کیا گیا، ابتداءً بوہڑ گیٹ ملتان میں کرایہ کے مکان میں کام شروع کیا گیا، پھر اسے کچھ عرصہ بعد چوک نواں شہر بالمقابل گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول ذاتی جگہ پر ایک خوب صورت عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔ جو بحمداللہ آج تک قائم ہے۔

تحریک تنظیم کے لیے افراد کار کی تلاش:

کسی بھی تحریک یا جماعت کے لیے مخلص باصلاحیت وباہمت افراد کی تلاش اور ان کا میسر آنا نہایت ہی اہم مسئلہ ہوتا ہے، اس سلسلہ میں قائدین تحریک تنظیم بہت زیادہ خوش قسمت ثابت ہوئے کیونکہ انہیں کامیاب مناظرین، مخلص قادر الکلام مبلغین وشعراء اور محقق مصنفین کی اچھی خاصی کھیپ میسر آ گئی۔ جن میں امام المناظرین علامہ دوست محمد صاحب قریشیؒ، مناظر اعظم علامہ محمد عبدالستار تونسویؒ، بحر العلوم سلطان المناظرین علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ صاحب، امام پاکستان سید احمد شاہ صاحب چوکیروی، محقق العصر مولانا محمد نافعؒ صاحب محمدی شریف، خطیب پاکستان مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ صاحب، امام الملوک والسلاطین سید عبدالقادر صاحب آزادؒ سابق خطیب بادشاہی مسجد لاہور، مبلغ توحید مولانا قائم الدین عباسیؒ صاحب علی پور، شاعر اسلام جناب خان محمد کمترؒ صاحب، مبلغ اسلام مولانا قاری لطف اللہ صاحبؒ جامعہ رشیدیہ ساہیوال، خطیب لاثانی مولانا عبدالشکورؒ دین پوری، مقرر خوش الحان مولانا عطاء اللہ صاحب آف لیہ نور اللہ مرقدہم کے اسماء مبارکہ تاریخ تحریک تنظیم اہل السنۃ کے ماتھے کا جھومر ہیں۔

تقسیم کار:

اکابرین تنظیم نے اپنا کام تین حصوں میں تقسیم فرمایا تھا:

۱)......تصنیف وتالیف!

اس شعبہ کا نگران امام اہل سنت سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری کو مقرر کیا گیا ان کی زیر ادارت ''ہفت روزہ دعوت'' اور ''پندرہ روزہ تنظیم اہل سنت'' کا اجرا ہوا، جو اپنے وقیع مضامین اور محقق مضمون نگاروں کے سبب مقبول عوام وخواص ہوئے۔

۲)......شعبہ دار المبلغین:

جس میں ہر سال شعبان اور رمضان المبارک کی تعطیلات میں علماء وطلبہ کو حقانیت مذہب اہل السنۃ والجماعۃ پر دلائل وبراہین پڑھائے جاتے، مدرسین میں علامہ دوست محمد قریشیؒ، ڈاکٹر علامہ خالد محمودؒ، علامہ عبد الستار تونسویؒ، علامہ سید نور الحسن بخاریؒ اور مولانا محمد نافعؒ محمدی شریف قابل ذکر ہیں۔

۳)......شعبہ تبلیغ

اس میں بیسیوں مبلغین وشعراء ملک کے کونے کونے میں توحید، رسالت، ختم نبوت، مدح اصحاب واہل بیت رسول، ترغیب اعمال صالحہ جیسے اہم عنوانات پر سیر حاصل گفتگو فرما کر برادران اہل السنّت والجماعۃ کے عقائد ونظریات کی حفاظت فرماتے۔ایک وقت تھا جب چاروں صوبوں میں کوئی کانفرنس یا بڑا جلسہ ایسا نہیں ہوتا تھا جس میں ملبغین تنظیم کو مرکزی حیثیت حاصل نہ ہوتی ہو۔اس شعبے کا ایک اہم کام احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے اہل سنت مخالف طبقہ سے مناظرہ کرنا تھا، الحمدللہ ثم الحمدللہ نگاہ قدرت نے اس کے لیے جن مبارک شخصیات کا انتخاب فرمایا انہوں نے ہر میدان میں کامیابی کے جھنڈے گاڑے۔ میری مراد امام المناظرین علامہ دوست محمد صاحب قریشیؒ، سلطان المناظرین علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ اور مناظر اعظم علامہ محمد عبد الستار تونسوی رحمہم اللہ کی ذوات مبارکہ ہیں۔

امام المناظرین علامہ دوست محمد قریشیؒ:

یوں تو حضرت نے چھوٹے بڑے درجن بھر مناظرے فرمائے جن میں حق جل شانہ نے حق کو فتح سے ہمکنار فرمایا جن میں مناظرہ جھوک دایہ، مناظرہ میراں ملہہ، مناظرہ اسلام پور، مناظرہ پھلن شریف، مناظرہ سیالکوٹ (جھنگ)، مناظرہ ملانوالی وغیرہ قابل ذکر ہیں، مگر باقاعدہ جن مناظروں کی رودادیں شائع ہوئی ہیں ان میں مناظرہ جھوک دایہ ضلع جھنگ اور مناظرہ بمقام میراں ملہہ شجاع آباد ضلع ملتان سرفہرست ہے۔

مناظرہ جھوک دایہ:

۱۷،۱۸ ستمبر ۱۹۵۵ء بمقام جھوک دایہ ضلع جھنگ میں پیر قمر الدین صاحب سیالوی مرحوم کی زیر صدارت دو دن معرکۃ الآراء مناظرہ ہوا جس میں مناظر اہل سنت علامہ دوست محمد صاحب قریشیؒ کے ہاتھوں مشہور تبرائی مناظر اسماعیل گوجروی کو ذلت آمیز شکست ہوئی۔اس کا مکمل تذکرہ ''حیاتِ نافع'' اور مولانا محمد اشرف سیالوی کی تصنیف ''تحفہ حسینیہ'' میں بھی کیا گیا ہے۔

مناظرہ میراں ملہہ:

۱۹۷۰ میں بمقام میراں ملہہ تحصیل شجاع آباد ملتان، دو دن کے مناظرے میں اسماعیل گوجروی کو منہ کی کھانی پڑی یہاں تک کہ فریق مخالف کی طرف سے مناظرے کے منتظم نے فتح کا ہار علامہ قریشی صاحب کے گلے میں ڈالا۔

مناظر اعظم علامہ محمد عبد الستار صاحب تونسویؒ:

آپ فن مناظرہ میں ید طولی رکھتے تھے، آپ کے ہر بیان میں میدان مناظرہ جیسی گرج، دلائل کا انبار اور دشمنان اہل سنت کو کھلا چیلنج ہوتا، مگر دو اہم مناظروں کی روداد یں طبع ہو کر مقبول خواص وعوام ہیں:

مناظر باگڑ سرگانہ ضلع خانیوال:

دو دن کے فیصلہ کن مناظرہ میں روافض کے علماء کو ناقابل فراموش شکست ہوئی اہل سنت کے اسٹیج پر فاتح اعظم مولانا اللہ یار خان چکڑالویؒ، مناظر اسلام مولانا لال حسین اخترؒ اور مبلغ ختم نبوت مولانا محمد علی جالندھریؒ جلوہ افروز تھے۔

مناظرہ جھوک وڑھیل ضلع بہاولپور:

بنات رسولؐ کے موضوع پر اس منعقدہ مناظرہ میں حضرت تونسویؒ نے وکیل اہل بیت ہونے کا حق ادا فرمایا۔

علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ اور تحریک تنظیم اہل السنۃ:

۱۹۵۰ء سے قبل ہی ہفت روزہ ''دعوت'' میں حضرت علامہ مرحوم کے علمی اور فکری مضامین شائع ہونے لگ گئے تھے اور یوں تحریک تنظیم سے آپ کا تعلق قائم ہو چکا تھا لیکن باقاعدہ دفتر تنظیم اہل السنّت میں آپ کی تشریف آوری ۱۹۵۰ میں ہوئی۔ سردار احمد خان صاحب پتافی بانی تحریک تنظیم اہل السنّت نے احباب سے علامہ صاحب کا تعارف کروایا۔

بس وہ تعلق تادم زیست قائم دائم رہا۔ ہفت روزہ دعوت ہو یا پندرہ روزہ تنظیم اہل السنّت ان میں علامہ مرحوم کے جان دار مضامین پورے رسالے کی جان ہوتے تھے۔ ملک کے طول وعرض میں علامہ مرحوم کو تنظیم کی زبان گردانا جاتا، عوام اہل سنت کی مذہبی ذہن سازی ہو یا مبلغین تنظیم کی مختلف مسلکی فتنوں کے سدباب کے لیے تیاری، ہر دو میں حضرت علامہ مرحوم کا کردار کلیدی رہا۔ امام المناظرین حضرت علامہ دوست محمد قریشیؒ صاحب متوفی ۱۹۷۴ء اور امام اہل السنۃ سید نور الحسنؒ شاہ صاحب بخاری [متوفی ۱۹۸۳ء] کے بعد حضرت علامہ صاحب تحریک تنظیم اہل السنۃ کے باقاعدہ سرپرست اعلیٰ مقرر ہوئے اور پھر زندگی کے آخری سانسوں تک سرپرستی کا حق ادا فرمایا۔

میری علامہ صاحب سے پہلی اور آخری ملاقات:

غالباً ۱۹۶۹ء کی بات ہے کہ تحریک تنظیم اہل السنّت کے زیر اہتمام لانگے خان باغ ملتان کے وسیع وعریض میدان میں سالانہ خلافت راشدہ کانفرنس انعقاد پذیر تھی، تاحد نگاہ برادران اہل سنت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ اسٹیج پر صرف دو کرسیاں لگی تھیں

ایک پر حضرت والد گرامی قدر امام المناظرین علامہ دوست محمد قریشیؒ اور دوسری پر امام اہل السنّت سید نور الحسن شاہ صاحبؒ جلوہ افروز تھے۔ نقیب محفل نے اعلان کیا کہ اَب آپ کے سامنے پروفیسر علامہ خالد محمود صاحب سیالکوٹی مدظلہ خطاب فرمائیں گے۔ مجھے اچھی طرح یاد کہ ہے حضرت علامہ کے سر پر لیاقت کیپ تھی، وضع قطع پر کالج کا رنگ اثر انداز تھا۔ حضرت والد صاحب نے کھڑے ہوکر علامہ صاحب کا استقبال کیا، علامہ صاحب نے مختصر خطبہ مسنونہ کے بعد خلافت راشدہ کے عنوان پر بیان کا آغاز فرمایا۔ پھر کیا سماں تھا، کیا عرض کروں، عقلی ونقلی دلائل وبراہین پر مشتمل مسلسل گفتگو انداز خطاب میں بلا کا اثر، جوش خطابت میں اٹھتے ہوئے بامعنی ہاتھ، دوران خطابت صرف زبان ہی نہیں بلکہ پیشانی کی متانت اور نظر کی حسین اداؤں نے پورے مجمع کو مسحور کیئے ہوئے تھا، آواز کے بامقصد اتار چڑھاؤ نے حاضرین کو اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا، کسی ہم عصر سے متأثر نہ ہونے والے حضرت بخاریؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی آج حضرت علامہ مرحوم کو داد تحسین دے رہے تھے۔ دو گھنٹے کے دورانیہ پر نصف گھنٹے کا وہم ہونے لگا۔ اختتامی دعا حضرت والد گرامی قدر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی۔ یہ تھی حضرت علامہ صاحبؒ سے میری پہلی ملاقات۔

آخری ملاقات!

سالانہ فتح مباہلہ کانفرنس چنیوٹ میں حاضری ہوئی، وہاں حضرت علامہ صاحب بھی تشریف فرما ہوئے تھے، دست بوسی کا شرف حاصل ہوا، حضرت کا موضوع سخن اگر چہ عقیدہ ختم نبوت تھا، مگر دوران خطاب، عظمت صحابہ اور خلافت راشدہ کا پہلو نمایاں بلکہ غالب رہا، اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ کو جنت الفردوس میں دین اسلام کی خدمت کرنے والوں کا ہم نشین بنائے۔ آمین ثم آمین

مجھے اس بات کا احساس بھی ہے اور ادراک بھی کہ میری علمی بے بضاعتی کے سبب یہ بے ربط تحریر حضرت علامہ صاحب مرحوم جیسی رفیع المرتبت شخصیت کو کما حقہ خراج عقیدت پیش کرنے سے قاصر رہے گی۔ لیکن بایں ہمہ چاہتا ہوں کہ اسلامی سرحدوں کے اس عظیم پاسبان کے خدام میں شمار ہو جائے۔

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد یوسف خان [استاذ الحدیث: جامعہ اشرفیہ، لاہور]

جامعہ اشرفیہ لاہور سے تعلق

اللہ رب العزت ہر دور میں اپنے دین متین کی خدمت کے لئے اشخاص کا انتخاب کرتا ہے۔ دیرینہ پُر خلوص قلبی اور پھر ساری انسانیت کے لیے ان کی زندگی کو بطور رہنما بنایا ہے۔ حضور ﷺ کی امت میں بہت علماء ایسے گزرے ہیں کہ ان کے علوم بعد والوں کے لیے سند کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی لکھی ہوتی کتب رہنمائی کے لیے بہت مفید ہوتی ہیں۔ ان حضرات کو مختلف علوم پر دسترس حاصل ہوتی ہے۔ انہی میں ایک شخصیت ہمارے ممدوح حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہے۔ ان کی شخصیت پر علامہ کا لقب مکمل طور پر صادق آتا ہے۔ آپ کو بچپن ہی سے ایسی ہستی کی صحبت میسر ہوئی جن کی خانقاہ کو مفتی اعظم مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کے تھانہ بھون کی خانقاہ سے تشبیہ رہی ہے۔ میری مراد بانی جامعہ اشرفیہ مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ ہیں۔

حضرت علامہ صاحبؒ نے امرتسر کے محلّہ شریف پورہ میں مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ کی صحبت میں وقت گزارا۔ ان سے مختلف اسباق بھی پڑھے۔ مفتی صاحبؒ علامہ صاحبؒ پر بہت شفقتیں فرماتے تھے، بلکہ اپنی اولاد کی طرح خیال رکھتے تھے۔ حضرت علامہ کی پیدائش ۱۹۲۵ء میں قصور کے شہر میں ہوئی۔ آپ کا آبائی علاقہ امرتسر ہے۔ آپ کے والد محکمہ تعلیم میں ملازم تھے۔ قصور میں ان دنوں تبادلہ ہوا تھا۔ علامہ صاحبؒ نے ابتدائی تعلیم قصور ہی سے حاصل کی۔ مگر بچپن ہی سے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلفاء کی صحبت میسر ہوئی اور طبیعت پر اس کے اثرات تھے، نظم ونسق میں بہت اہتمام فرماتے تھے۔

مفتی محمد حسن امرتسریؒ کے بڑے صاحبزادے مفتی عبید اللہ قاسمیؒ اور علامہ صاحبؒ کے بڑے بھائی ڈاکٹر احسان قریشی صاحب کی دوستی تھی اور علامہ صاحبؒ کا مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ سے بہت تعلق تھا۔ آپ کی ذہانت سے متاثر ہو کر مفتی محمد حسن امرتسریؒ نے مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ کو ان کے حوالہ کیا تھا کہ ان کی تعلیم میں اور عصری دینی تعلیم میں رہنمائی فرمائی۔ حضرت علامہ کو مولانا اشرفیؒ اپنے اساتذہ میں شمار کرتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد مفتی محمد حسن امرتسریؒ نے جامعہ اشرفیہ کی بنیاد لاہور میں رکھی اور مفتی صاحب کا قیام لاہور میں ہوا۔ مگر علامہ صاحب کا خاندان سیالکوٹ کے علاقہ پسرور میں آباد ہوا۔ آپ کے بھائی ڈاکٹر احسان قریشی مرے کالج سیالکوٹ میں پرنسل رہے اور آپ بھی وہاں بطور پروفیسر مقرر ہوئے۔ علامہ صاحب لاہور حضرت مفتی صاحبؒ کی مجلس میں اور سبق میں وقتاً فوقتاً آتے۔ پھر مفتی صاحب کی فرمائش پر لاہور منتقل ہو گئے۔

مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ نے محلّہ اسلام پورہ میں ایک گھر تلاش کیا جسے حضرت علامہؒ نے خریدا۔ علامہ صاحب خود بیان فرماتے تھے کہ اشرفی صاحب کے ساتھ میں پہلی مرتبہ اس گھر میں داخل ہوا۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ ہی نے یہ گھر میرے لیے پسند فرمایا۔

علامہ صاحب کا جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد کے افتتاح میں بھی شریک تھے اور ۱۳۷۲ھ بمطابق ۱۹۵۳ء جب پہلی مرتبہ دورہ حدیث کی کا افتتاح ہوا، تب موجود تھے، اس کے بعد بھی میں بہت آنا جانا رہا۔ اس دور میں سیکٹریٹ کی مسجد میں جمعہ پڑھاتے تھے۔ بعدازاں جب جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن میں منتقل ہوا تو آپ کا قیام بھی جامعہ اشرفیہ میں رہا۔ مستقل اپنے خاندان کے ساتھ جامعہ میں قیام رہا۔

حضرت علامہ صاحبؒ جامعہ اشرفیہ کے ترجمان ماہنامہ الحسن کا اداریہ بھی لکھتے رہے۔ مختلف اجتماعات پر علامہ صاحب کی تقریر کو بہت پسند کیا جاتا تھا۔ بلکہ مولانا عبدالرحمٰن اشرفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جلسہ میں ابا جی (مفتی محمد حسنؒ) علامہ صاحب کی تقریر کو اپنے کمرے سے کھڑی کھول کر سنا کرتے تھے۔ (دیکھیے: ۲/۲۶۶)

جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور میں بھی حضرت علامہ صاحب لگا تار تشریف لاتے رہے۔ طلبہ کو مختلف اوقات میں نصیحت فرماتے، خصوصا جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد کے سہ ماہی، ششماہی، سالانہ امتحانات میں لازماً خصوصی بیان فرماتے۔

ایک مجلس میں جب خطبہ شروع فرمایا تو صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تلاوت فرمائی اور خاموش ہو گئے۔ پھر فرمایا: میں نے جامعہ اشرفیہ کی تاریخ بیان کر دی ہے:

بسم اللہ: عبیداللہ الرحمٰن: عبدالرحمٰن الرحیم: فضل الرحیم

حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب سے بھی بہت تعلق رہا۔ بلکہ متعدد ملکوں میں اسفار میں بھی اکٹھے رہے۔ مولانا فضل الرحیم صاحب علامہ صاحبؒ کا بہت ادب کرتے مگر علامہ صاحبؒ بھی استاذ زادے کی حیثیت سے مولانا فضل الرحیم صاحب مدظلہ سے محبت کا معاملہ فرماتے۔ جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن میں مختلف اوقات میں مؤطا امام مالک کا درس بھی دیتے رہے۔

۲۰۱۱ء جنوری میں مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ کی وفات کے بعد مولانا فضل الرحیم اور مولانا زبیر حسن کی کوششوں سے علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جامعہ بلایا گیا۔ اور حضرت مہتمم صاحب مولانا عبیداللہ قاسمیؒ نے بہت محبت بھرے انداز میں دعوت دی کہ ''اب تو آجاؤ اب تو مولانا عبدالرحمٰنؒ بھی چلے گئے۔'' یہ کہہ کر خاص انداز میں ایک جملہ بولا کہ: ''اب تو میں سوچتا ہوں کہ مجھے بلانا نہ آیا، یا مجھ میں کشش نہ رہی۔'' یہ جملہ کہنا تھا کہ علامہ صاحب نے فرمایا: ابھی سیدھا دارالحدیث جارہا ہوں۔

پھر بالترتیب ۲۰۱۱ء سے ۲۰۱۸ء تک مؤطا امام مالک اور ۲۰۱۸ء سے ۲۰۲۰ء تک مؤطا کے ساتھ ساتھ بخاری کا درس بھی ارشاد فرماتے رہے اور پاکستان کے قیام میں آخری دو سال جامعہ اشرفیہ میں رہے۔

جب جامعہ اشرفیہ کی مسجد جدید کا سنگ بنیاد رکھا گیا تو علامہ صاحب نے کھڑے ہو کر بیان فرمایا اور کہنے لگے میں مفتی محمد حسن صاحب کے پاس جامعہ نعمانیہ میں بھی پڑھتا تھا اور مسجد نور کا درس بھی سنا، پھر جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد کے سنگ بنیاد میں بھی شریک تھا، پھر فرمانے لگے کہ مسجد حسن کے قدیم سنگ بنیاد میں بھی شریک تھا اور آج جدید سنگ بنیاد میں بھی شریک ہوں۔

حضرت جامعہ اشرفیہ کو اپنا مادر علمی کہتے تھے کے حضرت مفتی محمد حسن رحمہ اللہ کی برکت سے ہی سب نسبتیں ملی۔ اللہ رب العزت آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ☆☆☆☆

مولانا محمد عبدالغفار تونسوی (۱)

حضرت علامہ صاحب اور علامہ عبدالستار تونسوی رحمہما اللہ

پاکستان کے قدیمی شہر سیالکوٹ کی زرخیز مٹی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اسی شہر سیالکوٹ سے منسلک مایہ ناز ومعروف عالم دین حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ بھی تھے جن کی تمام زندگی دین اسلام کی خدمت اور دفاع صحابہ میں صرف ہوئی، علوم اسلامیہ میں حد درجہ انہاک اور درس وتدریس اور تصنیف وتالیف ان کا سرمایۂ حیات رہا، دنیائے اسلام میں ان کی علمی منقبت وعظمت کسی تعارف کی محتاج نہیں، ان کی تحریر وتقریر اور تصنیف وتالیف اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ہر فن میں ان کا مقام بہت بلند تھا، آپ کی ہر کتاب اپنے فن میں بے مثال ہے، اللہ تعالیٰ کا اُن پر خصوصی انعام یہ تھا کہ تقریباً ایک صدی کے قریب عمر پائی لیکن صحت اور قوتِ گویائی میں بفضل اللہ تعالیٰ کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوا، اس عظیم سایۂ عاطفت کے اُٹھ جانے سے صرف ہم ہی نہیں بلکہ تمام علماء وطلبہ ایک عظیم روحانی والد سے محروم ہوگئے ہیں اور حضرت کی وفات سے ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جو صدیوں میں پورا نہیں ہوسکتا، ، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

ابتداء سے تادمِ آخر علامہ صاحب کا تعلق تحریک تنظیم اہل السنۃ والجماعۃ سے رہا، آپ چونکہ سادہ مزاج، خوش خلق اور ہردلعزیز شخصیت تھے اس لئے علماء اہل سنت دیوبند کے تمام مدارس آپ کو دعوت دیتے اور آپ سب کے پاس تشریف لے جاتے، آپ سے جو بھی گفتگو کرتا آپ کا گرویدہ ہوجاتا۔

مسئلہ ختم نبوۃ اور تحفظ ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم پر جو تاریخی کام آپ نے کیا ہے، امت اس کو ہرگز فراموش نہیں کرسکتی، علاوہ ازیں یہودیت، نصرانیت، آریہ سماج، ہندومت اور سکھ مت کے بارے میں بھی وسیع معلومات رکھتے تھے، طبیعت نہایت ہی معتدل تھی، ہر سال مرکز تنظیم اہل السنۃ والجماعۃ ملتان مناظرہ پڑھانے کے لئے تشریف لاتے، اسی طرح مختلف مدارس میں بھی پڑھانے کے لئے تشریف لے جاتے، علماء وطلبہ آپ کے علمی جواہر پارے قلم بند کرتے اور خوش ہوتے بلکہ راقم الحروف کی رائے تو یہ ہے کہ آپ کی ہر تقریر وبیان تحریر وضبط کے قابل تھا کیونکہ آپ کی تقریر میں نادر علمی نکات ہوتے تھے، مسائل کا استخراج واستنباط بھی عجیب وغریب ہوتا، جس سے علماء وطلبہ حیران ودنگ رہ جاتے۔ میرے والد صاحب رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃً کے ساتھ کئی مناظروں میں تشریف لے گئے، والد صاحب فرماتے تھے کہ:

"میری عمر کا کافی حصہ دشمنان صحابہ کے تعاقب اور ان سے مناظرہ، مکالمہ اور مباحثہ میں گزرا، مجھے کسی شخص پر اتنا بھروسہ اور اعتماد نہیں ہوتا تھا جتنا علامہ صاحب پر تھا، میدان مناظرہ میں فریق مخالف ہمیشہ خروج عن المبحث کر کے موضوع کو خلط ملط

---

(۱) صدر: تحریک تنظیم اہل السنۃ والجماعۃ پاکستان، فرزند: مناظر اہل سنت مولانا علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ

کرنے کی کوشش کرتا رہتا، ہمارے ساتھی فریق مخالف پر کما حقہ گرفت نہیں کر سکتے تھے، یہ دشواری مناظروں میں ہمیشہ پیش آتی رہی، صرف علامہ صاحب کی ہی شخصیت تھی جن کی مضبوط گرفت سے مخالفین گھبراتے تھے، روافض سے مناظرے تو کافی ہوئے چند مناظرے ایسے ہوئے جس سے میں میدان مناظرہ میں بہت خوش ہوا، اور مخالف مناظر تھوڑی ہی دیر میں میدان چھوڑ کر بھاگ گیا''۔

انہیں مناظروں میں سے ایک مناظرہ چک ذخیرہ کا ہے۔ حضرت والد صاحب فرماتے تھے میں نے علامہ صاحب سے کہا مولوی اسماعیل شیعہ کو آپ بخوبی جانتے ہیں، ان کی چالوں سے بھی خوب واقف ہیں، خروج عن المبحث کے سوا اس کے پاس کوئی اور حربہ نہیں ہے، میدان مناظرہ میں صدارت کے فرائض آپ ہی کے سپرد ہوں گے، میں مقررہ عنوان پر روایات پیش کروں گا، وہ خروج عن المبحث کر کے وقت ضائع کرے گا، آپ اس پر گرفت بھی کریں اور خروج عن المبحث اور لایعنی باتیں بھی نہ کرنے دیں، حضرت علامہ صاحب نے فرمایا: آپ فکر نہ کریں، چنانچہ صبح کو میدان مناظرہ میں رافضی محمد اسماعیل بڑی منت سماجت کے بعد آ گیا، مناظرہ شروع ہوا حضرت علامہ صاحب صدر مناظر منتخب ہوئے، مناظر والد صاحب تھے، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شیعوں کی معتبر کتب سے مضبوط روایات پیش کر کے اپنے موقف کو مبرہن و مدلل کیا۔ اسماعیل گوجروی نے حسب عادت خلط مبحث کی کوشش کی، جسے علامہ صاحب اور والد صاحب نے بری طرح ناکام بنا دیا۔(۱)

ایک اور مناظرہ میں بھی حضرت والد صاحب مناظر اور علامہ صاحب صدر مناظر تھے، مد مقابل اسماعیل گوجروی ہی تھا، مناظرہ کا عنوان ''بناتِ اربعہ'' تھا۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شیعوں کے ہاں معتبر و مسلّم سمجھے جانے والی کتب سے متعدد روایات پیش کیں، جبکہ اسماعیل گوجروی نے اپنی باری میں بخاری شریف کی درج ذیل روایت پڑھ دی: ''فاطمة سيدة نساء اهل الجنة ـــ'' [۱/۵۳۲] جنتی عورتوں کی سردار فاطمہ ہوں گی۔ جب اس نے یہ روایت پڑھی تو حضرت علامہ صاحب نے اس سے فرمایا کہ: خبردار آپ کو بخاری کی روایت پیش کرنے کی اجازت نہیں ہے، یہ تمام مسلمانوں کو معلوم ہے کہ جنتی عورتوں کی سردار سیدہ فاطمۃ الزہرا ہیں، یہاں فضائل نہیں سنانے بلکہ یہ بتانا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں چار تھیں یا نہیں، آپ کو اِدھر اُدھر نہیں بھاگنے دیا جائے گا، پہلے ان روایات کا جواب دیں جو تونسوی صاحب نے پیش کی ہیں، یہ مجلس نہیں ہو رہی۔ والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے علامہ صاحب کی اس گرفت سے محمد اسماعیل رافضی نے کتاب بند کر دی اور کہا مجھے مناظرہ نہیں کرنا۔ اور دس منٹ میں میدان مناظرہ چھوڑ کر فرار ہو گیا۔

ہمارے والد صاحب رحمہ اللہ کو علامہ خالد محمود صاحب سے بڑی محبت تھی اور علامہ صاحب بھی والد ماجد سے بہت محبت اور عقیدت رکھتے تھے، اگر میں یہ بات عرض کروں کہ پاکستان کے تمام علماء دیوبند خواہ وہ کسی مدرسہ میں موجود ہوں یا کسی جماعت کے ساتھ منسلک ہوں سب ہی آپ سے محبت وعقیدت رکھتے تھے تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔

---

(۱) مناظرہ چک ذخیرہ کی مکمل روداد کے لیے دیکھیے: ۲/۱۷۷

حضرت علامہ صاحب نہایت درجہ ذہین، بیدار مغز اور حاضر جواب انسان تھے، فرق باطلہ کا کوئی شخص آپ کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا تھا، فریق مخالف کو عقلی و نقلی دلائل سے لاجواب کر دیتے تھے، حضرت علامہ صاحب کو مسلک اہل السنۃ والجماعۃ دیوبند کا علمی ترجمان سمجھا جاتا تھا، اور تمام حضرات اکابر مولانا سید نورالحسن شاہ بخاری، مولانا قاضی مظہر حسین، مولانا محمد سرفراز خان صفدر، مولانا قاضی عبداللطیف جہلمی، مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی، مولانا حبیب اللہ مختار شہید، مولانا قاری لطف اللہ، مولانا قائم الدین عباسی، مولانا غلام قادر ملتانی، مولانا حافظ عطاء اللہ آف لیہ، مولانا عبدالقادر آزاد، مولانا محمد عبداللہ، مولانا دوست محمد قریشی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ آپ کے تبحر علمی و ذہانت کے قائل تھے اور آپ سے محبت رکھتے تھے، حضرت علامہ صاحب بھی ان حضرات کے شانہ بشانہ تحفظ ناموس صحابہ کے لئے ملک کے طول و عرض میں توحید و سنت کی تبلیغ اور اقامتِ دین کی محنت میں مصروف رہے۔

ہندوستان کی سرزمین پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحفظ ناموس صحابہ کے موضوع پر کتاب ''**ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء**'' تحریر فرمائی، ساتھ ساتھ اس بات کو بھی مدنظر رکھا کہ افضل الناس بعد الانبیاء سیدنا ابوبکر صدیق و سیدنا فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں اور اس موضوع پر مستقل کتاب ''**قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین**'' مدون کی۔ پھر آپ کے صاحبزادہ حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے رفض والحاد کے خلاف ''تحفہ اثنا عشریہ'' کتاب مدون کی، یہ ایک الہامی اور لاجواب کتاب ہے، اسی طرح حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے ردِ شیعیت و دفاعِ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ''**ھدیۃ الشیعہ**'' لکھی، پھر روافض نے مسلمانوں پر کئی قسم کے سوالات واعتراضات کئے تو مولانا نانوتویؒ نے ان کے جواب میں کتاب ''اجوبۂ اربعین'' تحریر کی، اسی طرح حضرت علامہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ''**ھدایۃ الشیعہ**'' کے نام سے کتاب لکھی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے بھی ''**مطرقۃ الکرامۃ علی مرآۃ الامامۃ**'' تحریر کی، ان کے شاگردوں میں حضرت مولانا حافظ محمد شفیع صاحب نے ضلع نارووال سے روافض سے مقابلے مباحثے، مناظرے کر کے شیعیت کو رسوا کیا، حضرت مولانا بشیر احمد صاحب پسروری رحمہ اللہ ان کے دست راست رہے، حضرت پسروری اصل قصبہ وھوا تحصیل ضلع ڈیرہ غازیخان کے باشندے تھے، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے بیعت ہوئے، ان کے حکم سے نقل مکانی کر کے پسرور تشریف لے گئے اور اسی جگہ کو مستقل مسکن بنایا اسی نسبت سے حضرت مولانا بشیر احمد ''پسروری'' مشہور ہوئے۔

ہندوستان میں لکھنوء شیعیت کا مرکز تھا، یہاں حضرت مولانا عین القضاۃ جو قرآن و سنت کی تعلیم و ترویج میں نمایاں کردار ادا کر رہے تھے ان کے خصوصی شاگردوں میں حضرت رئیس المناظرین حضرت مولانا علامہ عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے روافض سے مقابلے، مناظرے اور مباحثے کر کے روافض کا ناطقہ بند کر دیا بلکہ شیعیت کو چاروں شانے چت کر دیا، انہوں نے اپنے دورِ حیات میں ماہنامہ ''النجم'' کا اجرا کیا، جو تقریباً ایک صدی تک جاری رہا، وہ مواد جو برسوں سے روافض

نے اپنی کتب میں چھپایا ہوا تھا ''النجم'' نے ان کے اس مواد کو آشکارا کر کے ان کی حقیقت کو آشکارا کر دیا۔

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ، مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز رحمہما اللہ کی روایات کے حقیقی جانشین وامین تھے، تحفظ ناموس صحابہ کے بارے میں اٹھنے والا کوئی قلم ان سے بے نیاز ہو کر نہیں چل سکتا، ادھر دارالعلوم دیوبند میں مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تحفظ ناموس صحابہ کے بارے میں بڑے حساس تھے، حضرت مدنی کے سامنے کسی طالب علم کو صحابی کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کہے بغیر آگے بات کرنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی، لکھنو میں تحفظ ناموس صحابہ کے نام سے تحریک کا آغاز ہوا، اس تحریک میں پیش پیش یہ دونوں بزرگ مولانا عبدالشکور لکھنوی اور مولانا حسین احمد مدنی رحمہما اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً تھے، حضرت علامہ لکھنویؒ نے تو پوری زندگی تحفظ ناموس صحابہ کے لئے وقف کر دی اور آپ مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز اور مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ کے مشن کے گرد جانفشانی سے کما حقہ پہرہ دیتے رہے اور اس کی پوری پوری آبیاری کرتے رہے اور اس فکر میں رہے ملک میں تحفظ ناموس صحابہ کے لئے کوئی بھی صورت نکل آئے۔ ہر دو حضرات کی انتھک کوششوں، مسلسل دعاؤں اور طلبہ کی ذہن سازی ونظریاتی تربیت کے نتیجہ میں ''تنظیم اہل سنت'' وجود میں آئی، جس کی تفصیلی روداد اسی اشاعت خاص میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔(۱)

حضرت علامہ صاحبؒ نے ہمیشہ تحریک تنظیم اہل سنت کی سرپرستی فرمائی اور بوقت وفات بھی آپ ہی باقاعدہ تنظیم کے سرپرست تھے۔ حضرت والد ماجد کی وفات کے بعد ہمارے تشریف لائے تو فرمایا کہ: حضرت کی وفات سے اہل سنت کو بہت بڑا دھچکا لگا ہے۔ اسی موقع پر حضرت علامہ صاحبؒ نے اپنے دست مبارک سے بندہ کی دستار بندی فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: اب تنظیم کی ذمہ داری میں تمہیں سونپ رہا ہوں، اسے نبھانا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ کو جنت الفردوس نصیب فرمائیں اور پسماندگان کو صبر واجر سے نوازیں، آمین

حقیقت تو یہ ہے کہ بندہ ناچیز حضرت علامہ رحمہ اللہ کے احسانات کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے، حضرت کی بے پایاں شفقت ومحبت اور عنایات کا تقاضا تو یہ تھا کہ بندہ خود تنظیم کی طرف سے حضرت رحمہ اللہ کی سوانح مرتب کرنے کا اہتمام کرتا، لیکن عدیم الفرصتی کے سبب یہ ممکن نہ ہو سکا، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دیں عزیزم مولانا حمزہ احسانی حفظہ اللہ کو جنہوں نے حضرت کی شاندار خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے مجلّہ ''صفدر'' کی اس اشاعت خصوصی کا اہتمام فرمایا، فجزاهم الله تعالیٰ عنا وعن جميع المسلمين آمين يارب العالمين.

(۱) تحریک تنظیم اہل سنت کی تاریخ وتفصیل کے لیے دیکھیے مولانا محمد عمر قریشی کا مضمون: ۱/۰۷۔ نیز دیکھیے: ۱/۱۶۹۔ ۱/۲۲۳

مولانا ابوسعد خواجہ خلیل احمد(۱)

حضرت خواجہ خان محمد اور حضرت علامہ صاحب رحمہما اللہ(۲)

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک عبقری شخصیت کے مالک اور کثیر کتب کے مصنف تھے۔تحریر وتقریر کے ذریعہ آپ نے احقاق حق وابطال باطل کے لئے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جس پر برصغیر کے مسلمان مدتوں اُن کے ممنون احسان رہیں گے۔آپ کو حق تعالیٰ نے ذہن رسا نصیب کیا تھا۔اپنے دور میں وہ جس مجلس میں ہوتے تھے،آپ کی رائے کو احترام کا مقام حاصل ہوتا تھا۔حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خوبیوں میں سے ایک اہم خوبی یہ تھی کہ وہ حلقہ اہل سنت دیوبند کی جملہ خانقاہوں سے محبت بھرا مخلصانہ تعلق رکھتے تھے۔خانقاہ سراجیہ کے صدر نشین حضرت والد گرامی خواجہ خواجگان خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے احترام میں وہ کسی سے کم نہ تھے۔جس مجلس میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تشریف لے جانا ہوتا حضرت علامہ صاحبؒ وہاں موجود ہوتے۔ملاقات کے وقت غرضِ ملاقات اور خیر خیریت کے بعد سراپا سکوت بن جاتے،اُن کی نظر ہر وقت حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رُخ انور پر رہتی۔حضرت علامہ صاحب کا خانقاہ سراجیہ کے قرب وجوار میں جلسہ پر آنا ہوتا تو اپنے بیان میں عوام کو خانقاہ سراجیہ کی قدر ومنزلت کی طرف متوجہ کرتے،یہ حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ اور خانقاہ سراجیہ سے اُن کی محبت وتعلق کی دلیل تھی۔

حضرت والد صاحبؒ جب صحت کے زمانہ میں برطانیہ کے دورہ پر تشریف لے جاتے تو لندن میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر یا جہاں کہیں آپ کا قیام ہوتا حضرت علامہ صاحبؒ ملاقات کے لئے حاضر ہوتے،اپنے ادارہ جامعہ اسلامیہ لاہور یا اسلامک سینٹر مانچسٹر کے لئے بڑے اصرار کے ساتھ وقت متعین کراتے اور حضرت والد صاحبؒ کے وہاں تشریف لے جانے پر سراپا تشکر بن جاتے۔برطانیہ کا طول وعرض،یورپی ممالک،امریکہ تک جہاں کہیں ختم نبوت کانفرنسوں میں حضرت علامہ صاحبؒ کی حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوتی قرأن السعدین بن جاتی۔

اور یہ محبت واحترام یک طرفہ نہ تھا بلکہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت علامہ صاحبؒ کے علم وفضل،حاضر جوابی،نکتہ رسی اور طرزِ استدلال کی تعریف فرماتے۔بسا اوقات ضرورت کے مطابق منتظمین جلسہ کو حضرت والد صاحبؒ فرماتے کہ اس جلسہ میں فلاں موضوع حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کے ذمہ لگایا جائے۔پھر حضرت والد صاحبؒ جلسہ میں بذات خود شریک رہ کر حضرت علامہ صاحب کی **تشجیع** فرماتے۔حضرت والد صاحبؒ حضرت علامہ صاحب کو اہل حق کا ترجمان سمجھتے تھے اور غائبانہ طور پر اُن کے لیے دعا گو رہتے تھے۔علامہ صاحبؒ نے جب حیات النبی ﷺ پر ''مقام حیات'' نامی کتاب تحریر کی تو حضرت والد صاحبؒ نے اپنے حلقہ کو اس کتاب کے مطالعہ کے لئے متوجہ کیا۔

---

(۱) سجادہ نشین: خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ کندیاں میانوالی......(۲) مزید دیکھیے :۵۱۳/۱

حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد فقیر کے انگلینڈ کے سفر ہوئے تو ختم نبوۃ کانفرنسز اور دیگر دینی اجتماعات میں حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت اور ملاقات کا شرف حاصل رہا، حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کی وجہ سے بہت شفقت فرماتے تھے۔ مانچسٹر میں حضرت علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے سنٹر میں جمعۃ المبارک کے اجتماع میں حاضر ہونے کا شرف حاصل رہا۔ آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے حوالہ سے ختم خواجگان کا اہتمام فرماتے تھے۔ ۲۰۱۹ء میں انگلینڈ کے سفر کے دوران مانچسٹر اسلامک سنٹر میں حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی، اُس وقت بھی صحت کافی کمزور محسوس ہو رہی تھی، دوران گفتگو فرمایا کہ اَب آنے والے احباب سے عرض کرتا ہوں کہ آئندہ سال ملاقات نہیں ہوگی، ۲۰۲۰ء میں فقیر کا انگلینڈ جانا نہیں ہوا، واقعتاً یہ آخری ملاقات ثابت ہوئی اور حضرت علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ ۲۰ ر رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ ،۱۴ر مئی ۲۰۲۰ء کو جمعرات کے دن مانچسٹر میں وصال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت فرمائیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور ان کے تمام تلامذہ اور فیض یافتہ حضرات کو ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی سعادت سے سرفراز فرماوے۔ آمین بحرمۃ النبی الامی الکریم ﷺ

فقیر ابو السعد خلیل احمد عفی عنہ، خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ کندیاں میانوالی

۵ رذوالحجہ ۱۴۴۱ھ بمطابق ۲۷ر جولائی ۲۰۲۰ء

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں شائع ہونے والے ہفت روز ''دعوت'' کی دو سطریں ملاحظہ ہوں:

''حضرت والا (مولانا خواجہ خان محمد) دامت برکاتہم نے ''دعوت'' کی مستقل سرپرستی فرماتے ہوئے باقاعدہ طور پر اسے حضرت امام ربانی شیخ سرہندی کے افاضاتِ عالیہ سے مستفید اور مستنیر کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔'' [دعوت: ۲۹ر مارچ ۶۳ء]

مولانا مفتی محمد ظفر اقبال(۱)

مولانا عبد المجید لدھیانوی اور حضرت علامہ صاحب رحمہما اللہ(۲)

محترم ومکرم حضرت مولانا حمزہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج بعافیت ہونگے۔ آپ کے حکم کے مطابق دو چار سطریں تحریر کردی ہیں۔ میں اس میدان کا آدمی نہیں ہوں، اِس لیے اسی پر اکتفا فرمائیں۔ اگر اشاعت کے لائق ہوں تو ٹھیک ورنہ اس کو ضائع کردیں۔ ہاں اس میں اگر کچھ ردوبدل کرنا چاہیں تو اجازت ہے، لیکن مجھے دکھادیا جائے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مقصد میں کامیابی نصیب فرمائیں۔ اعلیٰ اور معیاری نمبر نکالنے میں آپ کی مدد فرمائیں۔ دعاؤں کی درخواست کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں۔

والسلام: ابوطلحہ ظفر اقبال، مدیر: **جامعة السراج**، چیچہ وطنی، ضلع ساہیوال

مفکر اسلام، سلطان العلماء، حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم شخصیت اور علمی خدمات اظہر من الشمس ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے مسلک کا بہت کام لیا، بندہ کو حضرت سے زیادہ نیاز مندی کا موقع نہیں مل سکا، ایک دفعہ جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا کے سالانہ جلسہ پر تشریف لائے تو زیارت وملاقات کی سعادت نصیب ہوئی۔ انتہائی سادہ مزاج اور ملنسار شخصیت کے مالک تھے، آپ کی مجلس ایک علمی مجلس اور بیان بڑا عمدہ اور مضبوط دلائل سے مزین ہوتا تھا، بیسیوں کتابوں کے مصنف اور میدانِ علم کے شاہسوار تھے، خصوصاً تصنیف وتالیف اور فن مناظرہ میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ اپنے دور کی محقق، مدقق، مصنف، کامیاب اور ماہر ہستی تھے، تمام عقلی ونقلی علوم میں بڑی بصیرت ومعلومات کے حامل تھے، اپنے پیچھے بڑا علمی ذخیرہ چھوڑا، جواُن کے لیے بلندیٔ درجات اور ہمارے لیے تاقیامت ہر میدان میں راہ نمائی کا باعث ہوگا۔

حضرت استاذ جی حکیم العصر شیخ الحدیث مولانا عبد المجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ حضرت علامہ صاحب کی تحریرات پر بہت اعتماد کرتے تھے، خود بھی شوق سے ان کی کتب کا مطالعہ فرماتے اور دوسروں کو بھی ترغیب دیتے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی حضرت علامہ صاحب کو اپنے اکابر پر بے حد اعتماد تھا، علامہ صاحب کی تقریر وتصنیف میں جو برکت تھی وہ اکابر پر اعتماد اور ان کے ساتھ محبت و عقیدت کی بناء پر تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ بھی اپنے اکابر سے سچی محبت اور عقیدت رکھتے ہیں، اپنے بزرگوں اساتذہ اور علماء کرام کا دل سے ادب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا وآخرت کی کامیابیوں سے نوازتے ہیں۔

ایک مرتبہ بندہ کو استاذ جی مولانا عبد المجید لدھیانوی رحمہ اللہ کے ہمراہ بطورِ خادم برمنگھم کی سالانہ ختم نبوت کانفرنس میں

---

(۱) مدیر: جامعۃ السراج، چیچہ وطنی......(۲) مزید دیکھیے: ۲۰۳/۱......۱۹۲/۲

شرکت کا موقع ملا، وہاں حضرت علامہ صاحب تشریف لائے اور ختم نبوت کے عنوان پر مدلل بیان فرمایا۔ اندازِ بیان بہت خوب اور بات سمجھانے کا سلیقہ نہایت عمدہ تھا۔ وہاں حضرت علامہ صاحبؒ کی حضرت استاذ جیؒ سے ملاقات ہوئی تو بہت خوش ہوئے اور ''عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت'' کا مرکزی امیر بننے پر مبارک باد پیش کی۔ پھر مانچسٹر میں اپنی مسجد میں استاذ جی کا بیان کرایا۔ اور ان کے بیان پر خوشی کا خوب اظہار بھی فرمایا۔

۳۰ رجون ۲۰۱۰ء سوا گیارہ بجے مانچسٹر میں علامہ صاحب کے ہاں حضرت استاذ جی تشریف لے گئے، بندہ بھی ساتھ تھا، تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ حضرت علامہ صاحب سے ملاقات رہی۔ علامہ صاحب نے بہت مفید مشوروں سے نوازا اور فرمایا کہ: قادیانیوں کا یہاں لندن میں دو دن کا اجلاس ہوتا ہے۔ اس اجلاس میں قادیانی یہ طے کرتے ہیں کہ کام کس طرح کیا جائے۔ کس ملک میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں ایک دن کانفرنس ہوتی ہے، اس میں بیس سے بھی زائد تقریریں ہوتی ہیں اور تقریریں بھی ایسی جن سے سامعین کو قادیانیت کے مقابلے اور تردید کے لیے کوئی مستقل لائحہ عمل نہیں ملتا۔ ہونا یہ چاہیے کہ جو لوگ کانفرنس میں آتے ہیں اُن کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کرایا جائے کہ ہم نے قادیانیوں کا مقابلہ کس طرح کرنا ہے۔ اور خوب غور وفکر کے بعد لائحہ عملہ طے کیا جائے کہ برطانیہ میں کام کرنے کا طریقہ کیا ہونا چاہیے؟ ذہن سازی کس طرح ہو، تاکہ مؤثر طریقہ سے قادیانیوں کا سدِ باب کیا جائے۔

پھر حضرت استاذ جی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی دعوت پر ساڑھے چھ بجے اکیڈمی تشریف لے گئے، وہاں پر ایک پروگرام کے سلسلہ میں استاذ جیؒ کا بیان تھا، حضرت علامہ صاحبؒ نے حضرت استاذ جیؒ سے فرمایا کہ: آج کے پروگرام میں ہم نے ''استقبال رمضان اور قرآن'' کا عنوان تجویز کیا ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر حضرت استاذ جی کا آدھا گھنٹہ بیان ہوا۔ حضرت مولانا جلیل احمد اخون کا بھی پندرہ منٹ بیان ہوا۔ اس کے بعد کھانے کا اہتمام تھا، سب نے کھانا کھایا۔ یوں یہ مجلس اختتام کو پہنچی۔

الحمد للہ بہت ہی بابرکت مجلس تھی۔ اللہ تعالیٰ اسے ہمارے لیے دنیا وآخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنائیں۔ اور حضرت استاذ جیؒ اور علامہ صاحب کو اپنے شایان شان اجر عظیم عطاء فرمائیں۔ آمین

مولانا بلال احمد، ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد، چنیوٹ

حضرت علامہ خالد محمودؒ اور مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ

دنیا کی اس رنگینی میں بڑی بڑی شخصیات آئیں اور دارِ فانی میں ایام مستعار گزار کر چلی گئیں لیکن کچھ شخصیات ایسی بھی تشریف لائیں جو اپنے جانے کے بعد بھی انمٹ نقوش چھوڑ گئیں جو رہتی دنیا تک مشعل رہ بنے رہتے ہیں۔ انہی شخصیات میں سے دو عظیم نام جو کہ ہمارے مخدوم اور اساتذہ ڈاکٹر علامہ خالد محمود (۱۹۲۵ء......۲۰۲۰ء) اور سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی (۱۹۳۱ء......۲۰۰۴ء) شامل ہیں۔ دونوں شخصیات ہم عصر، ہم فکر اور دوستی کے عظیم رشتے میں اس طرح منسلک تھے کہ جسے اجل کے علاوہ کوئی جدا نہ کرسکا۔ ان کے تعلق کی ابتداء ہم امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ (۱۸۷۶ء......۱۹۶۲ء) سے کرتے ہیں۔ دونوں حضرات اس عظیم ہستی کے نظر وفکر، طریقہ کار اور منہج سے متاثر تھے اور ان کے اسی فکر کے خوشہ چینوں میں سے تھے۔ اگرچہ ان کے براہِ راست شاگرد نہ تھے لیکن 'النجم' اور حضرت کی دیگر تالیفات کے ذریعے ان کی فکر کے امین تھے۔ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ بیک وقت مفسر، محدث، فقیہہ اور فکر باطلہ کے خلاف اُصولی اور نظریاتی مخالف اور فروعی اور مسلکی مخالف سب کے لیے شمشیر بے نیام تھے۔

مولانا منظور احمد چنیوٹی اپنے طالبعلمی کے زمانے میں امام اہل سنتؒ کے شائع ہونے والے رسالہ 'النجم' کے مستقل قاری تھے اور اسی کی بدولت مشکوٰۃ والے سال تحریف قرآن پر کامیاب مناظرہ کیا اور فریق مخالف کو شکست سے دوچار کیا۔ پھر قادیانیوں کے خلاف مرزا قادیانی کے کردار کو ہی زیر بحث لانے کے لیے عوام وخواص میں اس اصول کو عام کرنے کی بنیادی وجہ امام اہل سنتؒ ہی تھے جنہوں نے اپنی زندگی میں کبھی بھی مرزا کے کردار کے علاوہ دوسرے موضوعات پر مناظرہ نہیں کیا۔ علامہ ڈاکٹر محمود صاحب باقاعدہ تنظیم اہل سنت کے روحِ رواں رہے ہیں جو کہ حضرت لکھنویؒ کے مشن کی امین تھی۔ جس طرح حضرت لکھنویؒ بیک وقت مفسر محدث، فقیہ، خطیب، مناظر اور ادیب تھے؛ اللہ تعالیٰ نے حضرت ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ کو بھی ان تمام اوصاف سے نوازا تھا، پھر عقلیات میں برصغیر پاک وہند میں ید طولیٰ رکھنے والے شخصیت تھے۔ علاوہ ازیں حضرت علامہ خالد رحمہ اللہ کا برصغیر پاک وہند میں ان شخصیات میں شمار ہوتا ہے جن کی ایک تقریر دوسری تقریر کے ساتھ مماثلت نہیں رکھتی، چاہے ایک ہی دن میں آٹھ دس پروگرام کروا لیے جائیں بلکہ ہر تقریر میں سامعین کو نئی چیز، نئی جہت سے میسر ہوتی تھی۔ اسی طرح سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی ہر موضوع میں بڑی گہری خطیبانہ گرفت رکھتے تھے۔ کئی دفعہ جلسوں میں اس موضوع پر سب کچھ کہا جا چکا ہوتا لیکن حضرت چنیوٹی کوئی نہ کوئی ایسی چیز سامنے لے آتے کہ مجمع انگشت بدنداں رہ جاتا۔

سفیرِ ختمِ نبوت مولانا چنیوٹیؒ کے ڈاکٹر علامہ خالد محمودؒ کے ساتھ تعلقات ۵۰ء کے عشرہ میں شروع ہوئے جب آپ نے اپنی عملی زندگی میں قدم رکھا تھا۔ علامہ صاحب اس وقت تنظیم اہل سنت کے مرکزی رہنماؤں میں سے تھے اور حضرت چنیوٹیؒ بھی اس قافلہ کے معاونین میں سے تھے۔ حضرت چنیوٹیؒ بیک وقت فتنہ قادیانیت اور رافضیت کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ آپ کی ترجیح قادیانیت تھا لیکن روافض اور اہل بدعت وغیرہ کی ریشہ دوانیوں کا بھی مقابلہ کرتے آئے ہیں۔ حضرت چنیوٹی صاحب بہت بے باک، نڈر، حاضر دماغ، جفاکش سادہ مزاج عوامی رابطہ مہم میں ہمہ وقت تیار اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ اور علامہ خالد محمود صاحب انتہائی نفیس، دلیر، حاضر جواب اور خوب جاہ وجلال والی شخصیت کے مالک تھے۔ علامہ صاحب سے علمی کام لینا ایک کٹھن اور صبر آزما مرحلہ رہا ہے۔ لیکن حضرت چنیوٹیؒ وہ واحد شخصیت ہیں جو علامہ کے رمز شناس تھے اور ساری زندگی ان سے علمی کام اور مشاورت حاصل کرتے رہے۔

استاذِ محترم حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب (۱۹۶۷ء......۲۰۱۵ء) راوی ہیں کہ میں نے علامہ صاحب سے ایک دفعہ شکوہ کیا کہ آپ حوالہ جات کس طرح لگاتے ہیں کہ تلاش کرنے میں دقت ہوتی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرا مزاج ہے کہ حوالہ اس طرح لگایا جائے کہ وہ عوام الناس کی پہنچ سے دُور رہے۔ جن حضرات کا تحقیق وتخریج سے واسطہ پڑا ہے انہیں علامہ صاحب کے حوالوں سے ضرور یہ چیز آشکارا ہوئی ہوگی۔ بندہ ''ردِّ قادیانیت کے زریں اُصول'' کے مقدمہ میں حال ہی میں اس تخریج کے مراحل سے گزرا ہے اور علامہ صاحب کے حوالوں نے چودہ طبق روشن کر دیے ہیں۔ ان حالات میں حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی کا ساری زندگی علامہ رحمہ اللہ کو اپنی تصانیف وتالیف وغیرہ کے اکثر مسودات چیک کروانا یا پھر ان پر مقدمہ رقم کروانا آسان کام نہیں تھا۔ پھر مغربی دنیا اور افریقہ کے قریباً تمام اسفار میں وہ ان کے ساتھ رہے گویا حضرت چنیوٹی علامہ صاحب سے دوستی اور تعلق رکھنے اور پھر اسے دوام بخشنے کا ہنر جانتے تھے۔ اس وقت ان دونوں حضرات کے باہمی تعلقات اور روابط پر چند واقعات کو پیش کیا جاتا ہے۔ کوشش یہی ہوگی کہ ان میں بھی علمی چیزوں کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی جائے۔

مناظرہ چک ذخیرہ:

چک ذخیرہ چنیوٹ اور حافظ آباد کی آخری لکیر پر ہے۔ یہاں پر شیعہ حضرات اکثر مناظرہ کے لیے چیلنج کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ وہاں کے لوگوں نے حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی سے رابطہ کیا تاکہ شیعہ مبلغین کی ریشہ دوانیوں کو روکا جاسکے۔ مارچ ۱۹۶۳ء کے اواخر میں شیعہ اور اہل سنت کے مابین ایک متفقہ تحریر لکھی گئی جس کی رُو سے ۲۳ راپریل ۱۹۶۳ء کو رائے سادے خان رئیس چک ذخیرہ کے ڈیرے پر ''ایمان بالقرآن'' کے عنوان پر مناظرہ طے پایا۔ اہل سنت کی طرف سے مولانا منظور احمد چنیوٹی اور شیعہ حضرات کی طرف سے رائے سادے خان منتظم مقرر ہوئے۔ اس مناظرے میں علامہ خالد محمود صاحب کو صدر اور علامہ عبدالستار تونسوی صاحب (۱۹۲۶ء......۲۰۱۲ء) کو مناظر اور امام پاکستان حضرت مولانا احمد شاہ صاحب چوکیروی (۱۹۰۶ء

......۱۹۶۹ء) کو معاون بنایا گیا۔ جب کہ شیعوں کی طرف سے شیعہ مناظر اسماعیل گوجروی، شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین صدر مدرس جامعہ محمدیہ سرگودھا اور خادم حسین گوجروی وغیرہ تھے۔مکمل مناظرہ، ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور کے مئی ۱۹۶۳ء سے لے کر جولائی ۱۹۶۳ء کے شماروں میں موجود ہے۔ (اِس اشاعتِ خاص میں بھی شامل ہے۔ دیکھیے :۲۹۳/۱......۲/۱۷۷[ادارہ]) یہاں بھی حضرت چنیوٹی اور علامہ رحمہ اللہ کے گہرے مراسم اور ایک دوسرے پر اعتماد آشکارا ہوتا ہے۔

اس مناظرہ میں شیعوں کی طرف سے پہلی عہد شکنی یہ کی گئی کہ دس دس آدمیوں کی بجائے شیعوں کے بہت سارے لوگ ڈیرہ کے ساتھ متصل گھر میں آ گئے۔ مجبوراً اہل سنت کے لوگوں کو بھی اکٹھا کیا گیا۔ نیز مناظرہ شروع ہونے سے پہلے ہی مولوی اسماعیل گوجروی نے شرائط مناظرہ سے انحراف شروع کیا تو علامہ صاحب نے ان سے کہا کہ ''مولوی صاحب اگر آپ کو یہ شرطیں جو اہل سنت اور شیعہ نمائندوں نے مل کر طے کی تھیں اور جن پر فریقین کے دستخط موجود ہیں اگر آپ ان شرطوں پر مناظرہ نہیں کر سکتے تھے تو یہاں لینے ہی کیا آئے تھے۔ گوجرہ میں کہہ دیتے کہ میں اس موضوع اور ان شرائط کے مطابق مناظرہ کرنے سے عاجز ہوں''۔ جس کے جواب میں مولوی اسماعیل نے کہا کہ مجھے ان شرائط کا پہلے علم نہیں تھا۔ علامہ صاحب نے اس پر کہا کہ اگر آپ ان شرائط پر مناظرہ نہیں کرنا چاہتے تو ہم نے آپ کو کونسا جکڑ رکھا ہے آپ لکھ کر دیں اور چلے جائیں۔

یہی بحث چل رہی تھی کہ حضرت چنیوٹیؒ ، اسماعیل گوجروی کے سٹیج پر پہنچ گئے کہ آپ کو اسی موضوع پر مناظرہ کرنا ہوگا، یہ حضرت کی بہت بڑی جرأت اور دوسری طرف علامہ صاحب کی موضوع پر گرفت اور بحیثیت صدر اپنے فرائض سے جان کاری کا نتیجہ تھا کہ مولوی اسماعیل کو مجبوراً مناظرہ کرنا پڑا۔ مناظر اہل سنت علامہ عبدالستار تونسوی کی پہلی اور ایک قسم کی آخری تقریر بحیثیت مدعی ہوئی۔ اس کے بعد مولوی اسماعیل سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور اس نے اس موضوع پر مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے اس علاقے کے شیعہ کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور ایک شیعہ نے اہل السنۃ والجماعۃ مسلک کو بھی قبول کر لیا۔ مولوی اسماعیل نے ناسخ اور منسوخ کی بحث کو چھیڑنے اور ادھر ادھر ہانکنے کی کوشش کی مگر بحیثیت صدر علامہ صاحب نے اسے کہیں کا نہ چھوڑا اور بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ حضرت علامہ صاحب، مولانا چنیوٹی کے اس عظیم تعلق نے رافضیت کی ریشہ دوانیوں کو خاک میں ملا دیا۔

سالانہ پندرہ روزہ کورس:

۱۹۵۴ء میں آپ نے جب جامعہ عربیہ کا احیاء کیا تو شعبان کی چھٹیوں میں پندرہ روزہ تربیتی کورس شروع فرمایا جس میں ہر سال بڑے بڑے اکابرین اور اساطین فرق باطلہ کے خلاف پڑھاتے رہے۔ ان میں جن حضرات کی دائمی رفاقت رہی ہے ان میں محقق العصر حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اور علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ سرفہرست ہیں۔ علامہ صاحب جب تک صحت مند رہے اور وطن عزیز میں موجود رہے تو اس کورس میں ضرور شرکت فرماتے رہے۔ آپ کی آمد پر نہ صرف طلبہ شریک درس ہوتے بلکہ عوام الناس بھی شامل ہوتی۔ آپ کا درس ہر سال نئی رنگینی، منطق اور عقلی دلائل سے مزین ہوتا تھا۔

فتح مباہلہ کانفرنس:

۱۹۵۶ء میں قادیانیوں کے مباہلہ کے پروپیگنڈا کو ختم کرنے کے لیے سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ نے مرزا بشیر الدین محمود قادیانی کو مباہلہ کا چیلنج دیا۔مرزا بشیر الدین محمود قادیانی (قادیانی) جماعت کا دوسرا سربراہ اور مرزا قادیانی کا بیٹا تھا جس کو قادیانی ''مصلح مسیح موعود'' کہتے ہیں۔ یہ پرلے درجے کا بدقماش، زانی شرابی تھا۔اس کے ساتھ ۱۹۶۳ء تک مباہلہ کے سلسلہ میں خط وکتابت چلتی رہی۔آخر کار ۲۶رفروری ۱۹۶۳ء بمطابق یکم شوال بروز عیدالفطر دریائے چناب کی دو پلوں کے درمیان المعروف چکی (وادی عزیز شریف) مقامِ مباہلہ طے پایا۔قادیانیوں نے دفعہ ۱۴۴رلگوا کر اسے روکنے کی بھرپور کوشش کی مگر وہ اپنی اس کوشش میں ناکام رہے اور حضرت چنیوٹی اپنے ساتھیوں کے ساتھ مقام مباہلہ پر پہنچ گئے۔قادیانیوں نے نہ آنا تھا اور نہ آئے۔ اس دن سے ہر سال ۲۶رفروری کو سالانہ فتح مباہلہ کانفرنس انعقاد پزید ہوتی ہے۔علامہ صاحب ہر سال اس کانفرنس میں شرکت کرتے رہے ہیں۔ان کی غیر حاضری صرف اس صورت میں ہوتی جب وہ برطانیہ تشریف لے جاتے۔سفیر ختم نبوتؒ نے مرزا بشیر الدین کے مرنے کے بعد اس کے بڑے بیٹے اور جانشین مرزا ناصر کو دعوت مباہلہ دی اور اس کے مرنے کے بعد اس کے چھوٹے بھائی مرزا طاہر کو دعوت مباہلہ دی جب یہ لندن فرار ہو گیا تو پھر آپ نے اس کا وہاں بھی تعاقب جاری رکھا اور وہاں بھی دعوت مباہلہ دی اور ہائیڈ پارک میں علماء کے ایک بہت بڑے وفد کے ساتھ مرزا طاہر کا انتظار کرتے رہے جس میں علامہ خالد محمود صاحب بھی تھے جو اس کارروائی کے روح رواں افراد کی صف اوّل میں شامل تھے۔اس طرح یورپ میں فتح مباہلہ کے پروگرام ہوں یا چنیوٹ میں، آپ کا خطاب بہت علمی ہوتا اور اس میں نئے نئے علمی رنگ عوام اور خواص کو حاصل ہوتے۔حضرت چنیوٹی کے وصال کے بعد یہ سلسلہ الحمدللہ جاری وساری ہے۔چند سال پہلے اس کانفرنس کو لاہور میں منتقل کیا گیا ہے اس پر چنیوٹ کی عوام کے مطالبے کے ساتھ علامہ خالد محمود نے مولانا محمد الیاس چنیوٹی کو بلا کر باقاعدہ حکم دیا کہ اس کانفرنس کو واپس چنیوٹ ہی میں رکھیں اور دو پلوں کے درمیان بھی حسب سابق دعوت مباہلہ کے لیے ضرور جائیں۔لاہور میں اگر پروگرام کرنا ہے تو اس کے لیے ۲۱راپریل (یوم اقبالؒ) ۲۶راپریل (نفاذ تاریخ امتناع قادیانیت آرڈیننس) یا ۲۶رمئی کو رکھ لیں جس دن مرزا قادیانی آنجہانی ہوا۔گزشتہ دو سال میں علامہ صاحب سالانہ فتح مباہلہ کانفرنس میں اپنی علالت کے باوجود تشریف لائے، مباہلہ اور عظمت صحابہ پر بہت پرمغز خطاب فرمایا۔(مزید دیکھیے زیرنظر اشاعتِ خاص: ۱ر۳۴۳۔ادارہ)

حیات مسیح اور ختم نبوت کانفرنس یورپ:

۱۹۷۴ء میں جب پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تو انہوں نے لندن کا رخ کیا اور لندن میں ۱۹۷۸ء میں وفات مسیح کانفرس کا انعقاد مرزا ناصر کی سربراہی میں ہوا اور اس موضوع پر اپنے دجل وفریب کو پھیلانے کی کوشش کی۔ ان حالات کو دیکھ کر حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ نے حیات مسیح کانفرنس یورپ میں کرنے کا عزم بالجزم کیا۔چنانچہ آپ

جب لندن پہنچے تو وہاں سے سیدھا مانچسٹر علامہ صاحب کی اکیڈمی میں تشریف لے گئے اور وہیں پر تمام علماء کرام کا اجلاس ہوا اور حیات عیسیٰ کانفرنس کے انعقاد کی باقاعدہ منظوری دی گئی۔ پھر اس کانفرنس کو کامیاب بنانے میں جہاں دیگر علماء کرام کا سنہری کردار تھا اس میں علامہ صاحب صف اوّل میں شامل ہیں۔ اس کانفرنس میں علامہ صاحب اور حضرت چنیوٹی کی خطاب لاجواب نے پورے یورپ کو لرزہ براندام کر دیا۔ اس کانفرنس کے فوراً بعد لندن میں ختم نبوت کانفرنس کا بھی فیصلہ ہوا اور الحمدللہ وہ کانفرنس بھی انہی شخصیات کی محنت اور سعی سے کامیاب ہوئی اور قادیانی فتنے کا پروپیگنڈا یورپ میں بھی دم توڑ گیا۔ اس کانفرنس کے سلسہ میں حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی مرحوم (۱۹۴۶ء......۲۰۱۷ء) یوں تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا چنیوٹی رحمہ اللہ کا سب سے پہلے برطانیہ میں جانا ۱۹۷۸ء میں ہوا جس کی وجہ یہ بنی کہ مرزا ناصر احمد قادیانیوں کے سربراہ نے جون ۱۹۷۸ء میں لندن میں ''وفات مسیح کانفرنس'' منعقد کی اور اپنی عادت کے مطابق اس کی بہت زیادہ تشہیر کی گویا کہ پاکستان کی پارلیمنٹ نے انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا ہے تو اب یہ یورپ فتح کر کے اسے قادیانیت کا مرکز بنائیں گے۔ خوب چرچے کیے اور حسب عادت مبالغہ آرائی سے کام لیا۔ برطانیہ میں موجود مسلمان علماء کرام خصوصا حضرت علامہ خالد محمود اور جمعیت علماء برطانیہ کے کارکنان کو اس کی بڑی فکر ہوئی۔ سب کی متفقہ رائے ہوئی کہ حضرت چنیوٹی کو بلوایا جائے اور اس فتنے کی یورپ و برطانیہ میں سرکوبی کی جائے۔

مولانا چنیوٹی رحمہ اللہ تو اس فتنہ خبیثہ کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ برطانیہ کے علماء کا پیغام ملتے ہی فوراً تیار ہو گئے اور دیگر چند علماء کو ساتھ لیکر ۶ر جولائی ۱۹۷۸ کو لندن پہنچ گئے جہاں اسلامیان برطانیہ نے انکا پر جوش استقبال کیا وہاں جاتے ہی میٹنگ بلائی گئی اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کو مرکز بنا کر اس سلسلہ میں مؤثر پلان شروع کر دیا اور حضرت چنیوٹیؒ کی رائے پر متفقہ طور پر طے ہوا کہ ۲۹ر جولائی ۱۹۷۸ء کو ''حیات مسیح کانفرنس'' منعقد کی جائے ء۔ جس کا اعلان کر دیا گیا پھر ۲۵ر جولائی ۱۹۷۸ء کو مولانا چنیوٹی نے روزنامہ جنگ لندن میں باقاعدہ اشتہار قادیانیوں کو دعوت مناظرہ ومباہلہ کے عنوان کے تحت مرزا ناصر کو چیلنج کیا اور اس کو خبردار کیا کہ ہر جگہ ہر محاذ پر اس فتنہ خبیثہ کی سرکوبی کی جائے گی۔

۲۹، ۳۰ر جولائی ۱۹۷۸ء کو شاندار طریقہ پر ریجنٹ پارک مسجد میں ''حیات مسیح کانفرنس'' منعقد ہوئی جس میں پورے برطانیہ سے مسلمانوں نے شرکت کی اور اکابر علماء اہل اللہ نے حضرت چنیوٹی اور ان کے رفقاء کرام کو مبارک دی۔ ۱۹۷۸ء کو ''ختم نبوت کانفرنس'' برطانیہ کی پہلی پھر اسی سفر میں ۵، ۶ر اگست کو شاہی مسجد ''شاہجہاں مسجد'' ووکنگ لندن میں کانفرنس ہوئی جس میں اکابر علماء، سکالرز، پروفیسرز، عوام وخواص مسلمانوں نے پورے برطانیہ سے شرکت کی۔ برطانیہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اس اہتمام سے ختم نبوت کا ز اور رد قادیانیت کے لیے کانفرنسز منعقد ہوئیں جس کا اثر یہ ہوا کہ پھر قادیانیوں نے دوبارہ برطانیہ میں کوئی کانفرنس منعقد نہ کی''۔ [حیات سفیر ختم نبوت: ۳۵۳، ۳۵۴]

اس موقع پر حضرت چنیوٹی نے قادیانیوں کو دعوت مناظرہ اور مباہلہ بھی دی جسے جنگ اخبار لندن نے بھی شائع کیا۔ اس میں بھی حضرت علامہ کا بھی برابر کا ساتھ ہے تاریخی ریکارڈ کو قارئین کی نظر کیا جاتا ہے۔ لندن کی وفات مسیح کانفرنس مرزا غلام

احمد قادیانی کی سیرت کو چھپانے کی سازش ہے، خادم ختم نبوت منظور احمد چنیوٹی نے مرزا ناصر اور امیر جماعت قادیانی لندن کو مندرجہ ذیل خط ۴/جولائی کو بذریعہ رجسٹری ارسال کیا اب تک انہوں نے جواب نہیں دیا اب اسے اطلاع کے لیے شائع کیا جارہا ہے۔

''محترم جناب بشیر احمد خاں صاحب رفیق امام مسجد فضل لندن

السلام علی من اتبع الھدیٰ

مجھے یہ معلوم کر کے انتہائی دکھ ہوا کہ آپ نے اس جون میں وفات مسیح کانفرنس کر کے لوگوں کی توجہ مرزا غلام احمد صاحب کی طرف سے ہٹانے کی کوشش کی ہے آپ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان اصل اختلاف مرزا غلام احمد صاحب کی وجہ سے ہے اور اسی موضوع پر میں نے مرزا بشیر الدین محمود صاحب خلیفہ ثانی کو مباہلہ کا چیلنج دیا تھا حق تعالیٰ نے احقر کو فتح عطا فرمائی اور خلیفہ صاحب اس دار فانی سے رخصت ہو گئے ان کی وفات کے بعد موجود خلیفہ مرزا ناصر احمد صاحب کو بھی دعوت مباہلہ دی گئی لیکن انہیں بھی قبول کرنے کی ہمت و جرأت نہ ہو سکی اب آپ کی حالیہ لندن کانفرنس کے رازِ دروں پردہ کھولنے کے لیے مجھے انگلستان آنا پڑا، امید ہے کہ آپ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کی سیرت پر تبادلہ خیال کرنے سے گریز نہ کریں گے اور مجھے موقع دیں گے کہ جس طرح میں نے ربوہ (چناب نگر) اور اس کے مضافات بلکہ اندرون و بیرون ملک مرزا صاحب کی سیرت پر مفصل بحثیں کی گئی آپ کے یہاں انگلستان میں بھی یہ خدمات سرانجام دے سکوں۔ میں ۶/جولائی کو لندن حاضر ہو رہا ہوں آپ مجھے مانچسٹر میں درج ذیل پتہ پر اپنے جواب سے مطلع فرمائیں اگر آپ کے خلیفہ مرزا ناصر احمد صاحب بھی موجود ہوں تو میری یہ دعوت ان کو بھی پہنچا دیں۔

فقط منظور احمد چنیوٹی، معرفت علامہ خالد محمود صاحب

13 Pownal avenue withington

Manchester 20''

[روزنامہ جنگ لندن بروز منگل ۲۵/جولائی ۱۹۷۸ء بحوالہ حیات سفیر ختم نبوت: ۳۵۵]

مناظرہ ابادان:

نائیجیریا کے شہر ابادان میں چھ اگست ۱۹۷۶ء کو علامہ خالد محمود صاحب اور مولانا منظور احمد چنیوٹی نے لاہوری مرزائی عبادت گاہ میں لاہوری مرزائی مبلغین سے مناظرہ کیا۔ جس میں علامہ صاحب اور حضرت چنیوٹی صاحب نے میدان مار کر افریقہ کے ان ممالک میں مرزائیت کے شرور و فتن کا ناطقہ بند کر دیا۔ اس مناظرے میں حیرت، جرأت اور دلیری کی بات یہ تھی کہ مناظرہ کے اصولوں کے خلاف فریق مخالف کی عبادت گاہ میں گئے اور وہاں پہ ان کو شکست دی۔ علامہ صاحب نے اپنے ابتدائی کلمات میں کہا کہ ہم یہاں نو وارد ہیں آپ لوگوں کے بارے میں ہمیں تفصیلی حالات معلوم نہیں ہم نہیں جانتے کہ آپ کا تعلق مرزا غلام احمد کے ساتھ کس جہت سے ہے۔ مناظرہ شروع ہونے سے پہلے ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ آپ مرزا غلام احمد کو کیا مانتے ہیں۔ برائے کرم آپ اپنے عقیدے کی وضاحت کریں۔ اس کے جواب میں مرزائی عبادت گاہ کے امام ایچ ٹی دادا نے کہا کہ ہم مرزا غلام احمد کو

نبی نہیں مانتے وہ نبی یا رسول نہ تھا۔ آخری رسول و نبی محمد رسول اللہ ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی اور رسول نہ آئے گا۔ مرزا غلام احمد ایک ریفارمر تھا ہم اسے مجدد مانتے ہیں نبی نہیں مانتے۔ اس پر علامہ صاحب نے فرمایا کہ آپ کے تحریر کردہ تین موضوعات مناظرہ میں سے پہلا موضوع ختم نبوت تھا۔ آپ کے اس جواب سے یہ موضوع ختم ہوگیا۔ آپ نے تسلیم کرلیا ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔ اب مناظرہ، دوسرے موضوع پر ہوگا کہ مرزا غلام احمد کا مہدی ہونے کا دعوی درست تھا یا اس نے اللہ اور اس کے دین پر ایک افتراء کیا۔ یاد رہے کہ بنیادی طور پر بحث کے لیے تین موضوع قرار پائے:

1۔ختم نبوت، 2۔ظہور مہدی، 3۔نزول مسیح۔

اس پر مرزائی امام نے پینترہ بدلا اور کہا کہ ہم نے یہ کہا ہے کہ مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ جس پر علامہ صاحب نے مرزا قادیانی کی کتاب حقیقت الوحی سے مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت اور بارش کی طرح وحی کے نزول کے حوالہ جات دکھائے اور یہ کتاب لاہوری گروپ کی ہی شائع کردہ تھی۔ مگر مرزائیوں نے اسے مرزا کی کتاب ماننے سے انکار کردیا۔ اس کے بعد علامہ صاحب نے اخبار بدر ۲۵ر اکتوبر ۱۹۰۶ء کا حوالہ دیا اور ساتھ ہی خطبہ الہامیہ سے مرزا کی تحریریں پیش کیں، لیکن مرزائیوں سے اس کا کوئی جواب بن نہ پایا۔ بعد میں مرزا قادیانی کے دیگر دعاوی بھی پیش کیے۔ اس دوران امام ایچ ٹی دادا نے سوال کردیا کہ چودھویں صدی کا مجدد کون ہے؟ چودھویں صدی کا مجدد مہدی بھی ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ مہدی چودھویں صدی میں آئے گا اور وہی چودھویں صدی کا مجدد ہوگا۔ اس پر سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ نے گرجتے ہوئے کہا کہ: یہ حدیث دکھاؤ کہ جس میں چودھویں صدی کا صریح ذکر ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہو کہ مہدی چودھویں صدی میں آئے گا اگرچہ وہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ ہمارا چیلنج ہے کہ آپ قیامت تک ایک ایسی حدیث نہیں دکھا سکتے جس میں حضور ﷺ نے صریح طور پر فرمایا ہو کہ مہدی کا نزول چودھویں صدی میں ہوگا۔ اس پر مرزائی مناظر الحاجی اے اے بیلو نے کہا کہ: احادیث صریحہ میں آیا ہے کہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا اور وہ چودھویں صدی کا مجدد ہوگا۔ کیا آپ ان احادیث صحیحہ کے منکر ہیں؟ اس پر حضرت سفیر ختم نبوتؒ نے فرمایا کہ آپ حضور ﷺ پر مرزا قادیانی کی طرح افتراء باندھ رہے ہیں جس طرح اس نے ضمیمہ براہین احمدیہ کے حصہ پنجم میں باندھا ہے۔ اگر آپ میں جرأت ہے تو کوئی ایک حدیث پیش کرو جس میں چودھویں صدی کا ذکر ہو۔ اس پر انہوں نے کتاب جواہر الاسرار کا حوالہ پیش کیا۔ جب ان سے کتاب کا مطالبہ کیا تو انہوں نے پہلے کتاب نہ ہونے کا بہانہ بنایا لیکن بعد میں کتاب پیش کی مگر اس میں چودھویں صدی کا لفظ نہیں تھا۔ اس پر جب مرزائی صدر سے پوچھا کہ آپ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں تو اس نے کہا کہ ہمارے مناظرین چودھویں صدی کا لفظ کسی حدیث سے نہیں دکھا سکے۔ اسی پر مناظرے کا اختتام ہوا۔ لاہوری مرزائیوں کی حالت زار دیدنی تھی مسلمان نعرۂ تکبیر کی صدائیں بلند کرتے ہوئے واپس آئے اس سے سینکڑوں لوگ مسلمان ہوگئے اور قادیانیت کی مہم بھی کافی ماند پڑ گئی۔ (مزید دیکھیے زیر نظر اشاعت خاص: ۱ر۳۹۵۔ادارہ)

مناظرہ نائیجیریا:

۱۲/اگست ۱۹۷۶ء کی صبح ختم نبوت کا کاروان نائجیریا کے شہر ُاجی بوڈی ُ پہنچا۔ یہاں بھی مسلمانوں نے قادیانیوں کے ساتھ ایک مناظرے کا اہتمام کیا۔ اس میں علامہ خالد محمودؒ اور حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ نے مل کر قادیانیوں کے کفر کو طشت از بام کیا اور مرزے قادیانی کے کریکٹر میں اس کے شراب پینے کو موضوع بحث بنا کر قادیانی مناظر کو لاجواب کردیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہاں پر مرزا قادیانی کے مختلف دعاوی کو بھی پیش کیا گیا لیکن مرزائیوں سے اس کا کوئی جواب نہ بن پایا۔ یہ مناظرہ دو دن تک یعنی ۱۲/اور ۱۳/اگست ۱۹۷۶ کو جاری رہا۔ آخر میں علامہ صاحب نے براہین احمدیہ سے مرزا قادیانی کی قرآن کریم کی آیت کو غلط پیش کرنے پر بحث کی۔ جس کا قادیانی جواب نہ دے سکے۔ یہ بہت اہم مناظرہ ہے جس کی مکمل تفصیل کتابی شکل میں کئی بار شائع ہوئی ہے۔ اس وقت ہم صدر مناظرہ کے فیصلہ کو رقم کرتے ہیں:

> ”احمدی (قادیانی) مرزا غلام احمد کی سیرت کا دفاع نہیں کرسکے اور مسلمانوں نے ثابت کردیا کہ مرزا غلام احمد شراب پیتا تھا جو شخص ام الخبائث میں مبتلا ہو اس سے باقی خبائث اور بے حیائی امور صادر ہونے لازمی ہیں۔ میں نے براہین احمدیہ دیکھی ہے۔ اور اس کی لکھی ہوئی آیت کا قرآن شریف سے موازنہ کیا ہے۔ مسلمانوں نے ثابت کردیا ہے کہ مرزا نے قرآن پاک کی آیات بدلی ہیں۔ یہ بدلنا قرآن میں تبدیلی کرنے لیے تھا یا نشہ کی وجہ سے۔ اس میں بندہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

صدر کے اس اعلان پر مناظرہ ختم ہوگیا۔ مسلمان فرط مسرت میں ہال سے ایک جلوس کی شکل میں نکلے۔ یہ جلوس شہر کے مختلف بازاروں اور چوکوں سے گزرتا گیا۔ مرزا قادیانی کی سیاہ سیرت کے خلاف یہ ایک بڑا احتجاج تھا۔(۱)

مناظرہ ناروے:

۱۵/اگست ۱۹۹۵ء کو ایک تبلیغی دورہ پر سفیر ختم نبوت اور علامہ صاحب اوسلو ناروے پہنچے۔ یہ ان حضرات کا وہاں کا پہلا دورہ تھا۔ وہاں پر ان کے کئی بیانات ہوئے۔ اس دوران قادیانیوں کی طرف سے ایک تحریری مناظرے کا میدان گرم ہوا۔ چنانچہ ۲۴، ۲۵/اگست کو یہ تحریری مناظرہ ہونا قرار پایا۔ علامہ صاحب نے مرزا قادیانی کے **کن فیکون** کے اختیارات ملنے کے دعویٰ پر ایک تحریر رقم فرمائی اور دوسری تحریر مرزا غلام احمد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کا مرتکب ہوا، تحریر کی۔ جب کہ سفیر ختم نبوت نے ایک تحریر قادیانیوں کے نزدیک تمام مسلمان جو مرزا قادیانی پر ایمان نہیں لائے وہ سب کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، لکھی۔ اور دوسری تحریر انگریزوں کا خود کاشتہ پودا، رقم فرمائی۔ ان چاروں تحریروں کے جواب میں قادیانیوں کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا اور وہ شکست سے دوچار ہوئے۔

مرزا طاہر کے لندن بھاگنے پر تعاقب:

جب ۲۶/اپریل ۱۹۸۴ء کو امتناع قادیانیت آرڈیننس جاری کیا گیا تو مرزا طاہر لندن بھاگ گیا اور اگلے سال یعنی ۱۹۸۵ء میں اس نے وہاں اپنے سالانہ جلسے کا اعلان کردیا۔ ان دنوں حضرت سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ عمرہ

---

(۱) مزید دیکھیے زیر نظر اشاعت خاص: ۲/۷۴۷......۱/۳۳۲

کے ساتھ ساتھ مدینہ یونیورسٹی میں کورس پڑھانے کے لیے حجاز مقدس تھے۔آپ جب مدینہ منورہ سے واپس مکہ مکرمہ آئے تو وہاں خطیب ایشیا و یورپ حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی (۱۹۳۷ء......۲۰۰۰ء) نے لندن میں قادیانیوں کی طرف سے کانفرنس کے انعقاد کے بارے میں بتایا۔اس پر مکہ میں ہی اجلاس ہوا اور لندن میں ختم نبوت کانفرنس کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔اس کانفرنس کے انعقاد کے لیے ختم نبوت مشن لندن کی بنیاد رکھی گئی اور اس طرح یورپ میں با قاعدہ ختم نبوت کانفرسوں کا آغاز ہوا جو الحمدللہ اب بھی جاری وساری ہے۔اس تسلسل اور دعوت مباہلہ کے نتیجے میں مرزا طاہر کے پرسنل سیکرٹری حسن محمود عودہ نے مرزا قادیانی پر لعنت بھیج کر اسلام قبول کرلیا۔اس پروگرام میں علامہ صاحب کا خاص تعاون تھا۔پھر ان حضرات نے یورپ سمیت مغربی ممالک اور افریقی ممالک میں قادیانی جماعت کے فتنہ کے تعاقب میں بھرپور کردار ادا کیا اور اس سلسلہ میں علامہ صاحب آخری وقت تک ہراول دستے کے طور پر کام کرتے رہے ہیں۔

فتویٰ حیات مسیح اور عقیدہ خیر الامم فی مقامات عیسیٰ بن مریمؑ

حضرت سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ نے قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع ہمیشہ اپنا مقصد حیات اور اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔وہ کسی بھی طرف سے قادیانیوں کے حملے کے جواب کے لیے ہمیشہ مستعد اور تیار رہتے تھے۔۶۰ء کے عشرے میں چناب نگر (ربوہ) کے قادیانیوں نے جامعۃ الازہر مصر کے شیخ محمود شلتوت (۱۸۹۳ء......۱۹۶۳ء) کا ایک فتویٰ اور کچھ دیگر روشن خیال دانشوروں کی آراء کو شائع کر کے عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جس میں قادیانیوں کے نظریہ وفات مسیح کی تائید ہوتی تھی۔حضرت چنیوٹی نے اپنے مربی اور شفیق اساتذہ حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ (۱۹۰۸ء......۱۹۷۷ء) اور محدث کبیر حضرت مولانا محمد بدر عالم مہاجر مدنیؒ (۱۹۰۱ء......۱۹۶۵ء) کے مشورے سے اس کے توڑ کے لیے مفتی اعظم سعودی عرب اور مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ عبدالعزیز بن بازؒ (۱۹۱۰ء......۱۹۹۹ء) سے حیات مسیح پر فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش کی۔مسلسل ڈیڑھ ماہ کی تگ ودو کے بعد آپ نے اپنے پہلے حج کے موقع پر ۱۹۶۴ء میں یہ فتوی حاصل کیا۔پھر اس پر ۳۰ سال کے جہد مسلسل سے ۲۹۱ علماء اور مفتیان کرام، جن کا تعلق عرب وعجم سے تھا، پر تصدیقی تائید یا فتویٰ حاصل کر کے ۱۹۹۴ء میں شائع کیا۔اس سے پہلے ۱۹۶۴ء ہی میں مختلف رسائل اور پمفلٹ کی شکل میں بھی متعدد بار شائع ہو چکا تھا۔اس میں شیخ بن باز نے یہاں تک فرمایا کہ:

”بل هو مكذب لله ورسوله ﷺ، ومن كذب الله ورسوله فقد كفر! والواجب ان يستتاب من قال مثل هذه الاقوال وان توضح له الأدلة من الكتاب والسنة فان تاب ورجع الى الحق والا قتل كافراً۔“ ترجمہ: بلکہ وہ تو اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کرے تو تحقیق وہ کافر ہو گیا۔اور ضروری ہے کہ اس قسم کے دعویٰ کرنے والے سے توبہ کرائی جائے اور اس پر کتاب وسنت سے دلائل واضح کئے جائیں پس اگر وہ توبہ کرلے اور اپنے قول سے رجوع کر کے حق کی طرف آجائے تو بہتر ہے ورنہ اسے کافر گردانتے ہوئے قتل کر دیا جائے گا۔[فتویٰ حیات مسیح:۳۲]

منکرِ حیات عیسیٰ کا شرعی حکم اور حضرت علامہ صاحب:

اس فتویٰ پر حضرت علامہ خالد محمود صاحب نے بھی تصدیقی دستخط فرماتے ہوئے لکھا کہ: ''جواب بالکل صحیح ہے اور حق بات اس کے لائق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے''۔[فتویٰ حیات مسیح:۹۶]

اسی طرح مصر کے مفتی اعظم شیخ حسنین محمد مخلوف حنفی (۱۸۹۰ء......۱۹۹۰ء) نے شیخ بن بازؒ کے فتویٰ کی تائید کرتے ہوئے الگ سے ایک تفصیلی اور قیمتی فتویٰ سے نوازا۔انہوں نے مرزا قادیانی کی مکمل ریشہ دوانیوں کو طشت از بام کیا۔مزید بتایا کہ:

مصر کے ایک اخبار 'منبی الشرق' نے کئی سال قبل ایک خبر شائع کی جس میں یہ واضح کیا گیا کہ احمدی (قادیانی) جماعت جامعہ ازھر کے ایک شیخ کی رائے لینے میں کامیاب ہوگئی ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا دعوی کیا ہے۔پھر یہ مشہور کر دیا کہ علمائے ازہر نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا متفقہ فتویٰ دے دیا ہے۔اس پر اخبارات نے ہم سے سوال کیا تو ہم نے تفصیلی جواب دیا جو کہ ہمارے فتاویٰ کی جلد نمبر۱ رصفحہ نمبر۹۰ر وغیرہ پر بھی موجود ہے۔[ملخصاً فتویٰ حیات مسیح:۶۲، ۶۳ر وغیرہ]

حضرت علامہ صاحبؒ اور حضرت چنیوٹیؒ کے باہم اعتماد اور رفاقت و تعلقات کی ایک جھلک حضرت چنیوٹی کی مشہورِ زمانہ کتاب ''ردقادیانیت کے زریں اصول'' پر لکھے گئے علامہ صاحبؒ کے مقدمہ میں بھی دیکھی جاسکتی ہے، حضرت علامہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

''ہر فرعونے راموسیٰ

مرزا بشیر الدین کے ضلع جھنگ میں آنے سے پہلے قسام ازل نے چنیوٹ کے ایک صنعتی گھرانے سے دین کا ایک طالب علم اُٹھایا، جس نے خیر المدارس ملتان اور دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار سے فراغت کر کے فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیات سے قادیانیت کو ایک کورس کے طور پر پڑھا۔

مولانا منظور احمد چنیوٹی اس موضوع میں آگے بڑھے، یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے دریائے چناب کے دو طرف خیر و شر کے دو لشکر بٹھا دیئے، مغربی کنارے کے پار بشیر الدین محمود کا ڈیرہ لگا اور مشرقی کنارے پر مولانا منظور احمد چنیوٹی جامعہ عربیہ کی مسند تدریس پر آئے۔''

''یہ کتاب ''ردقادیانیت کے زریں اصول'' اس کورس کی ایک عملی دستاویز ہے، آپ نے اس میں ختم نبوت اور نزول عیسیٰ بن مریم کے علمی موضوعات پر مناظرانہ پیرائے میں بہت مفید بحثیں کی ہیں اور الحمدللہ آپ ان میں نہایت کامیاب رہے۔**ولقد جاء فی المثل السائر کم ترک الاول للآخر.**

ان علمی مباحث کے ساتھ کچھ عوامی مباحث کی بھی ضرورت تھی، جنھیں انگریزی خوانوں اور کالجوں اور یونیوسٹیوں کے ان طلبہ میں پھیلایا جائے جو عربی زبان کا علم نہیں رکھتے اور قرآن و حدیث کو اپنی اس بے بضاعتی میں سمجھ نہیں پاتے۔ یہ کتاب ان عوامی مباحث کے ساتھ مل کر مطالعہ قادیانیت کا گویا ایک مختصر انسائیکلوپیڈیا بن گیا ہے جو قادیانیت کے گرف گھومنے والے جملہ مباحث کو ایک دائرے میں لا رہا ہے۔اور ہر کسی کو اس کی علمی منزلت کی حدود میں قادیانیت کی سب اندر کی باتیں بتلا رہا ہے۔راقم

الحروف نے اس ساری کتاب پر نظر ثانی کی ہے اور اسے واقعی زریں پایا اور یہ اسم بامسمی ہے۔"

"کیپ ٹاؤن افریقہ کے تاریخی مقدمہ میں ہمیں کئی ماہ تک وہاں رہنے کا اتفاق ہوا، مولانا کی علمی قابلیت، وسعتِ مطالعہ، مناظرانہ جرأت اور للکار اور ردِ قادیانیت میں ان کے مجاہدانہ یلغار کا چشم دید گواہ ہوں، ہم نے اکٹھے مناظرے بھی کیے، اور اس سلسلہ میں اللہ رب العزت کی نصرت کو مختلف ممالک میں آنکھوں سے اترتے دیکھا۔ مولانا ان لوگوں میں سے ہیں جن پر قرآن کریم کی یہ آیت پوری اترتی ہے: **"والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا، و ان الله مع المحسنین"**. (ترجمہ) اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں محنتیں کیں، ہم خود ان کے لیے اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔ اور اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو مقام احسان میں آئے ہوئے ہیں۔" [ص: ۱۶۱ تا ۱۶۳]

ہم عصر ہونے کے باوجود حضرت چنیوٹی کی خداداد صلاحتیوں کا کھلا اظہار جہاں دونوں بزرگوں کے باہمی تعلقات کو واضح کر رہا ہے وہیں حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بے نفسی، عاجزی اور تواضع کا بھی پتہ دے رہا ہے۔

بشارت عظمیٰ:

۱۹۷۶ء میں جب حضرت سفیر ختم نبوت اور ڈاکٹر علامہ خالد محمود جنوبی افریقہ سے عمرہ کے لیے سعودی عرب پہنچے تو مولانا عبدالمنان ملتانی ان سے ملے اور کہا کہ: مدینہ منور میں مقیم ایک بزرگ کو خواب میں خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "مدینہ منورہ میں میرے 2 رخادم آئے ہوئے ہیں انہیں میرا اسلام پہنچادو۔" وہ بزرگ ہر دو حضرات کو جانتے نہ تھے اس لئے انہوں نے مولانا عبدالمنان ملتانی کے ذمہ لگایا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سلام مبارک آپ حضرات تک پہنچایا، حضرت چنیوٹی رحمہ اللہ کے اصرار کے باوجود مولانا عبدالمنان نے خواب دیکھنے والے بزرگ کا نام نہ بتایا۔ بہر حال یہ بشارت وسعادت ان دو ہستیوں کے مقدر تھی ؎

اک عشق مصطفیٰ ہے اگر ہو سکے نصیب ورنہ دھرا ہی کیا ہے جہانِ خراب میں

(ملخصاً قلمی ڈائری وحیات سفیر ختم نبوت)

حضرت چنیوٹیؒ کے علامہ صاحب کے نام آخری خط سے اقتباس:

"آپکا ایک مدت دراز ساتھ رہا سفر وحضر میں ہم ساتھی رہے۔ انسانی احتیاط کے باوجود کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ آپ پر معترضین کے ساتھ میں ہمیشہ آپ کا دفاع ہی کرتا رہا۔ لیکن پھر انسان ہے کہیں آپ کے حقوق میں کوتاہی ہوگئی ہو، آپ کا کہیں غیبت گلہ کیا ہو تو خدا کے لیے مجھے معاف کر دیں تاکہ قیامت کے دن مجھ سے مواخذہ نہ ہو۔ میں نے اپنے حقوق ہر ایک کو معاف کر دیئے ہیں، آپ سے بھی توقع ہے۔ شائد اب زندگی میں آپ سے دوبارہ ملاقات نہ ہو سکے اور آپ کو جنازہ کی اطلاع ملے۔"

یہ چند گزارشات خالص ہنگامی طور پر رقم کی گئی ہیں، ورنہ حضرت چنیوٹی اور علامہ صاحب کے تعلقات پر اور بھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ فی الحال اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں بزرگوں کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین۔

مولانا حافظ زاہد حسین رشیدی

حضرت قاضی صاحبؒ کی معتمد ترین شخصیت

مظہر شریعت وطریقت قائدِ اہل سنت، وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نوراللہ مرقدہ نے اپنی دعوتی، مسلکی اور تحریکی جدوجہد میں اپنے رفقاء کا انتخاب بہت غور خوض سے کیا تھا۔ انتہائی محتاط پیمانے کو ہمیشہ ترجیح دی۔ اپنے اسٹیج پر بلانے سے قبل مبلغین وواعظین کی بابت پوری تحقیق سے کام لیتے تھے۔ عقیدہ ومسلک میں کمی یا کمزوری تو خیر بہت دُور کی بات ہے۔ اگر کسی صاحب (جو اپنی ذات میں کتنے ہی معتبر کیوں نہ ہوں) میں تھوڑی سی بھی مداہنت یا رواداری بھی محسوس کرتے جو مسلک کے لئے نقصان دہ ہوتی تو اپنی تحریک کے دروازے ان کے لئے بند کر دیتے تھے۔ محتاط طبیعت ہی کا کرشمہ تھا کہ کسی ہم عصر کی تحریر کو بھی بغیر پڑھے تائید سے نہ نوازتے تھے۔ ماہنامہ ''حق چار یار'' لاہور کے جملہ مضامین کو اشاعت سے قبل از خود ملاحظہ فرماتے۔ عموماً ایک ادارتی نوٹ جرائد کے شروع یا بعض مضامین کے آغاز میں لکھا جاتا ہے کہ: ''ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں۔'' حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسے پسند نہیں کرتے تھے، گویا ہر مضمون کو ان کے تائید حاصل ہوتی تھی اور کوئی تحریر جسے وہ اپنے مسلک یا ذوق کے خلاف سمجھتے، اس کی اشاعت ممکن نہ تھی۔ تاہم چند شخصیات معاصرین میں ایسی گزری ہیں جن پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ہر صورت اعتماد تھا اور ان کی تحریر وتقریر کو ہمیشہ آپ کی تائید حاصل رہتی۔

ان میں ایک محترم نام سلطان العلماء عالم ربانی حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود علیہ الرحمہ کا بھی ہے۔ جن پر حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کو مکمل اعتماد تھا، ان کی علمی وجاہت اور قد کاٹھ سے مطمئن تھے۔ تحریر وتقریر کو تائید سے نوازتے اور حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ناز کرتے ہوئے اپنی نمائندگی کے لئے منتخب فرماتے تھے۔ اس ضمن میں ایک ہی حوالہ کافی ہوگا۔

حضرت قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد سلطان المناظرین حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر نوراللہ مرقدہ نے کی مایہ ناز تصنیف '' آفتاب ہدایت'' کا جواب اہل تشیع نے ''تجلیاتِ صداقت'' کے نام سے دیا جو شیعہ مجتہد محمد حسین ڈھکو کی تالیف ہے۔ ڈھکو مجتہد کی ''تجلیات صداقت'' کا اجمالی جواب خود حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''اجمالی نظر'' کے نام سے دیا تھا اور تفصیلی جواب کے لئے حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب فرمایا۔ آپ اپنی حیاتِ مبارکہ میں اکثر فرماتے تھے کہ میری صحت اجازت دیتی تو میں ڈھکو کی تجلیات صداقت کا تفصیلی جواب لکھتا۔ اَب ان شاء اللہ علامہ صاحب اس کا شافی جواب لکھیں گے۔ راقم کے خیال میں حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقام ومرتبہ اور مسلکی صلابت وانابت کی تفہیم کے لئے ان پر حضرت قاضی صاحب جیسے اکابر کا اعتماد کافی ہے۔ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اِس انتخاب واعتماد کا ذکر علامہ

صاحب کی زبانی پڑھیے، ایک بیان میں فرماتے ہیں:

''ہمارا علمی تعلق مادرِ علمی دیوبند سے ہے، وہاں کی آواز یہی ہے کہ ہم صحابہ اور اہل بیت سب کو مانتے ہیں۔ ہم اتحاد کے قائل ہیں۔ اور ہمارے مقابلے میں جو لوگ ہیں، اُن کا مرکز ''قم'' ہے، جو عراق میں ہے اور اُن کی بڑی درسگاہ ہے۔ ان لوگوں کے مدارس کے پڑھے ہوئے لوگ صحابہ پر حملے کرتے ہیں، اُنہی لوگوں میں سے ایک صاحب نے وہاں جا کر سات آٹھ سال تعلیم پائی اور پھر یہاں آکر صحابہ کے خلاف کتاب لکھی، اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ موقع دیا کہ اس کے تمام اعتراضات کے جواب میں یہ کتاب ''تجلیات آفتاب'' تیار ہوئی۔

تقسیم ہند سے پہلے پاکستان کے علاقہ چکوال (آج کل تو ضلع چکوال ہے، اُس وقت تحصیل تھی۔) کے ایک عالم مولانا کرم الدین دبیرؒ تھے، جو مسلمانوں کے نمائندے تھے، اُنہوں نے ایک کتاب لکھی تھی ''آفتاب ہدایت''، اُس کا جواب قم یا عراق کی کسی درسگاہ سے پڑھ کر آنے والے اُس عالم نے لکھا۔

''آفتاب ہدایت'' کے مصنف (مولانا کرم الدین دبیرؒ) کے بیٹے مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کا جب آخری وقت آیا تو انہوں نے مجھے بلایا اور کہا کہ: میں آخر تک کوشش کرتا رہا ہوں کہ میرے والد پر جو علم کا قرضہ تھا وہ میں اتار سکوں، لیکن میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے نہیں اتار سکا، اَب میں اپنے پروردگار کے پاس جا رہا ہوں، اب میں نے آپ سے عرض کرنی ہے۔ میں کہا کیا؟ اُنھوں نے اُس (شیعہ) عالم کی لکھی ہوئی کتاب (تجلیات صداقت) میری جھولی میں ڈال دی۔

اَب میں لکھنے کی ہمت تو نہیں کر سکتا تھا، نہ اُس وقت میری صحت اجازت دیتی تھی، لیکن ایک شخص جو جاہی رہا ہو، اور اس نے اپنی زندگی بڑی محنت سے گزاری ہو، اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی خلافت کا شرف پایا ہو، تو پھر دِل نہیں چاہتا تھا کہ میں انکار کروں، لیکن میں حیران تھا کہ میں کیا کروں؟ (میں نے حامی بھر لی۔ پھر) میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ اس کتاب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے کرم کی مجھ پر کتنی عنایات ہوئیں، اللہ نے مجھے توفیق دی کہ میں نے اس (تجلیات صداقت) کے جواب میں یہ کتاب (تجلیات آفتاب) لکھ لی۔ اور جب یہ کتاب لکھی تو سب سے پہلے قاضی مظہر صاحب کے بیٹے کو، یعنی جو مصنف کا پوتا تھا، (انھیں دی) جس نے دیکھا کہ ایک صدی پہلے سے میرے دادا پر قرضے کا جو بوجھ تھا آج وہ اُٹھ گیا ہے، اُن کا نام بھی میں نے شروع میں لکھا ہے۔'' [اقتباس از خطاب] (۱)

حضرت علامہ صاحب کے اس قتباس میں جہاں حضرت قائد اہل سنتؒ کے علامہ صاحب پر بھرپور اعتماد کا تذکرہ ہے وہیں علامہ صاحب کی حضرت قائد اہل سنتؒ سے بے مثال عقیدت بھی نمایاں ہے۔ ماہنامہ حق چاریار کے ''قائد اہل سنت نمبر'' کی تقریب رونمائی سے خطاب کرتے ہوئے علامہ صاحبؒ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) مزید دیکھیے: ۱/۱۲۴......۱/۶۳۲......۱/۶۶۱......۲/۱۸۷......۲/۴۷۰......۲/۴۹۹۔ [ادارہ]

’’حضرت قاضی صاحبؒ کے ساتھ چالیس سال کا عرصہ گزرا، اتنے طویل وقت کے بعد جدائی بہت بڑا معنی رکھتی ہے، آپ جیسے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے ؂

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھودیئے
پالا تھا آسمان نے جنہیں خاک چھان کر

قاضی صاحبؒ اپنے مشن کے حوالے سے زندہ ہیں، کیونکہ مجتہد لوگ مرنہیں سکتے، فقط راستہ بدلتے ہیں۔ ان کے نقش قدم سے صدیوں تک ہدایت کے چراغ جلتے رہیں گے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کی بنیاد وامتیاز یہی ہے کہ دین کو پیچھے لے جایا جائے، تا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں تک رسائی ہوجائے۔ قاضی صاحبؒ نے اسی عنوان سے محنت کی ہے۔ آپ دیوبند کا کھلا ہوا ایسا پھول تھے جس کی خوشبو سے ایک جہان مہکا۔ باطل کو آپ نے ہر محاذ پر شکست فاش دی ؂

کفر ناچا جن کے آگے بارہا تگنی کا ناچ
جس طرح جلتے توے پر رقص کرتا ہے سپند

حضرت قاضی صاحبؒ اُن کے تربیت یافتہ ہیں، جن کے متعلق مولانا ظفر علی خان نے کہا ؂

گرمیٔ ہنگامہ ہے تیری حسین احمدؒ سے آج
جس سے ہے پرچم روایات سلف کا بلند

حضرت قاضی صاحبؒ حق (بات) پر ایسے ڈٹ جاتے کہ پھر کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، جیسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ ڈٹ گئے تھے، کیوں نہ ہو آپ حسینؓ کے مظہر تھے، مظہرِ حسین تھے۔ اُن کا طریقہ اور عمل جب اِن میں چمکا تو یہ روشنی آگئی۔ وہ فقیر ودرویش ضرور تھے، لیکن حالات سے کنارہ کش نہیں تھے، انہوں نے ہمیشہ وقت کی نبض پر ہاتھ رکھ کر قوم کی صحیح راہ نمائی کی۔ اسی حوالہ سے دیوبند میں (مولانا) حسین احمدؒ (مدنی) کی یاد اور یہاں (مولانا) قاضی مظہر حسینؒ کی یاد ہمیشہ تازہ رہے گی۔‘‘ [ماہنامہ حق چاریار، مئی ۲۰۰۵ء، ص:۲۸]

حضرت علامہ صاحبؒ کی شخصی خوبیاں، ذاتی وجاہت اور سب سے بڑھ کر ان کی طویل دینی جدوجہد میں بعد والوں کے لئے سیکھنے کا بہت سامان ہے۔ مجلّہ صفدر کی یہ خصوصی اشاعت جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ ایک قابلِ قدر ذخیرہ ثابت ہوگی بلکہ ہم سب کی راہ نمائی کے لئے ایک بہترین توشہ بھی۔ ان شاء اللہ۔ ’’صفدر‘‘ کی پوری ٹیم بالخصوص عزیز القدر مولانا حمزہ احسانی سلمہ کو پیشگی مبارک باد اور ڈھیروں دعائیں۔ **جزا کم اللہ احسن الجزاء.** (آ)

(آ) حضرت قائد اہل سنتؒ اور حضرت علامہ صاحبؒ کے باہمی تعلقات اور محبت وعقیدت کے حوالے سے بے شمار واقعات ہیں، مثلاً:

۱۔حضرت قائد اہل سنتؒ اپنے معاصرین میں صرف دو شخصیتوں کے نام کے ساتھ لفظ ''علامہ'' تحریر فرماتے تھے، امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ اور حضرت علامہ خالد محمودؒ۔[۳۹۶/۲......۴۹۳/۲......۵۷/۱]

۲۔حضرت قائد اہل سنتؒ علامہ صاحب کی تقریر خود اسٹیج پر بیٹھ کر سماعت فرمایا کرتے تھے۔[۳۹۶/۲]

۳۔علامہ صاحبؒ نے ایک موقع پر حضرت قائد اہل سنت کی بڑائی کا کھلے لفظوں اعتراف فرمایا۔[۲۹۵/۲]

۴۔چکوال شہر میں حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوتا ہے، اسی تاریخ کو ایک اور صاحب نے حضرت کے مقابلہ و مخالفت میں جلسہ شروع کرلیا۔ایک مرتبہ اُنہوں نے علامہ صاحب کو بھی دعوت دی، مگر جب علامہ صاحب کو حقیقتِ حال معلوم ہوئی تو علامہ صاحب نے وہاں تشریف لے جانے سے انکار کردیا۔[۱۶۳/۲]

۵۔ایک سوال کے جواب میں علامہ صاحبؒ نے فرمایا: ''حضرت قاضی صاحبؒ اپنی تو کوئی بات کرتے ہی نہیں، وہ تو اکابر کا ہی مسلک پیش کرتے ہیں۔''[۲۴۰/۲]

۶۔ایک موقع پر آپؒ نے نوجوانوں کو خاص طور پر نصیحت کی کہ: ''تحریکیں جوانوں کی وجہ سے جلد کامیاب ہوجاتی ہیں۔ اے نوجوانو! آپ بھی اس سلسلہ میں حضرت قاضی صاحبؒ کا بھرپور ساتھ دو۔اور تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ اور سنی تحریک طلبہ کو مضبوط بناؤ۔''[۲۵۰/۲]

۷۔حضرت قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر علامہ صاحبؒ نے موضع بھیں میں جنازہ کے موقع پر جو بیان فرمایا، اُس میں ایک جملہ یہ بھی تھا کہ ''وقت کا انور شاہ رخصت ہوگیا۔''[۲۹۳/۲]

۸۔حضرت قائد اہل سنتؒ کے مشورہ سے جامعہ حنفیہ جہلم میں جو تربیتی دروس ہوتے تھے، اُن میں حضرت علامہ صاحب کو ضرور بلایا جاتا تھا۔[۶۹/۱]

۹۔ایک جلسہ میں دوران خطاب علامہ صاحبؒ سے کوئی بات خلاف تحقیق صادر ہوئی تو حضرت قائد اہل سنتؒ نے کان میں بتایا۔علامہ صاحب نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ہماری اصلاح کرنے والے بھی موجود ہیں۔[۱۲۴/۱]

۱۰۔علامہ صاحب کی کوئی بات حضرت قائد اہل سنت کو پہنچی تو انھوں نے بذریعہ خط علامہ صاحب کو فرمایا کہ یہ بات درست نہیں۔علامہ صاحب نے طویل غور و خوض کے بعد فرمایا: قاضی صاحب کی بات ہی درست ہے۔

۱۱۔حضرت قائد اہل سنتؒ لکھتے ہیں: ''سب سے پہلے علامہ خالد محمود صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی نے کتاب ''مقام حیات'' تالیف کی، جس میں مدلل طور پر مسئلہ حیات النبی کا اثبات کیا۔''[کشف خارجیت:۱۸۲]''علامہ خالد محمود صاحب پی ایچ ڈی نے ''مقام حیات'' اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے تسکین الصدور لکھی ہے۔اور یہ دونوں کتابیں ماشاء اللہ مدلل ہیں۔''[ایضا:۲۰۹]

تفصیلات کے لیے دیکھیے مولانا قاضی ظہور الحسین اظہر، مولانا عبدالجبار سلفی، مولانا عبدالستار معاویہ، مولانا خالد محمود قادری اور مولانا حافظ رشید احمد حسینی کے مضامین۔نیز: ۱۲۳/۱......۲۱۹/۲، ۲۱۵......۱۰۸/۱......۲۴۹/۲......۴۴۲/۱......۵۴۹/۱

حمزہ احسانی

حضرت امام اہل سنتؒ اور حضرت علامہ صاحبؒ

ہمارے جد امجد امام اہل سنت، محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے باہمی تعلقات نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہیں، اس حوالے سے عم مکرم مولانا عبدالقدوس قارن مدظلہم اپنے مضمون میں تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔ اِن شاء اللہ۔ البتہ ایک ہلکی سی جھلک پیش خدمت کرنے کے لیے اِس اشاعت خاص میں شامل مضامین اور ذاتی مشاہدات ومعلومات کی روشنی میں بندہ دونوں حضرات کے ملفوظات، تحریرات اور واقعات مختصراً پیش خدمت کرتا ہے۔

(۱) حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز کتاب ''تسکین الصدور'' میں لکھتے ہیں:

''بعض مسائل پر حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب ایم، اے سیالکوٹی نے ایک عمدہ، مدلل اور بہترین کتاب ''مقام حیات'' لکھ کر اہل علم کی علمی تشنگی بجھائی ہے۔ اِس کتاب کے بعض حوالوں اور دلائل اور اُن سے طرزِ استدلال میں تو علمی وتحقیقی طور پر اختلاف ہوسکتا ہے، لیکن مجموعی اعتبار سے یہ عمدہ اور ٹھوس کتاب ہے اور ہم نے بھی بعض حوالوں میں اس سے استفادہ کیا ہے۔'' [تسکین الصدور:۷۷]

حضرت امام اہل سنتؒ جیسی شخصیت نے حضرت علامہ صاحبؒ کی کتاب کو [۱] عمدہ [۲] مدلل [۳] بہترین [۴] اور ٹھوس کتاب قرار دینے کے ساتھ ساتھ [۵] اِس بات کا بھی کھلے لفظوں اِظہار واقرار فرمایا ہے کہ اُنہوں نے بھی بعض حوالوں میں استفادہ کیا۔ حضرت امام اہل سنتؒ کے قلم سے علامہ صاحب کی کتاب کے متعلق بیک جگہ یہ پانچ گواہیاں اپنی جگہ بیسیوں عام شہادتوں سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔

(۲) حضرت امام اہل سنتؒ سے بندہ نے ایک مرتبہ حضرت علامہ صاحب سے متعلق دریافت کیا تو فرمایا: ''بڑا معقول آدمی ہے، بڑا معقول آدمی ہے۔''

(۳) محترم مولانا یعقوب قصوری نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ حضرت امام اہل سنتؒ نے ایک ملاقات کے موقع پر حضرت علامہ صاحب کو اپنی کتاب ''خزائن السنن'' کے دو نسخے عنایت فرمائے، اور کہا کہ: ایک نسخہ اِس لیے کہ آپ تنقیدی نظر سے اِس کا مطالعہ فرمائیں، کوئی غلطی ہو تو مجھے ضرور مطلع کریں۔ (دیکھیے: ۱۸۴/۲)

(۴) مولانا عبدالقیوم قاسمی نے حضرت امام اہل سنت کی تفسیر ''ذخیرۃ الجنان'' [۴۶۱/۸، ط: ہفتم] سے اپنی مرتبہ کتاب ''ملفوظات امام اہل سنت'' [ص: ۲۹۱] میں اور مولانا احسان اللہ احسان نے ''ملفوظات امام اہل سنت'' سے اپنے مضمون میں

حضرت امام اہل سنت کا یہ ملفوظ نقل فرمایا ہے کہ: ''علامہ خالد محمود ہماری جماعت کے محقق عالم ہیں، بہت کام کر رہے ہیں۔''

مندرجہ بالا سطور سے حضرت امام اہل سنتؒ کے حضرت علامہ صاحب کی علمیت پر گہرے اعتماد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

دوسری طرف حضرت علامہ صاحب کی حضرت امام اہل سنت سے عقیدت بھی بہت کوئی ڈھکی چھپی نہیں۔ ذیل کی سطور سے اُس کی ایک جھلک بھی بخوبی عیاں ہے۔

(۱) مولانا مفتی شیر محمد علوی دامت برکاتہم نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ: ایک مرتبہ حضرت علامہ صاحب برطانیہ سے حج کے لیے سعودیہ تشریف لے گئے، وہاں مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی تو فرمایا: تین بزرگوں سے ملاقات کی تمنا تھی، اُن میں حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی لیا۔ (دیکھیے: ۳۴۳/۲)

(۲) ایک مرتبہ بندہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں حضرت علامہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجلّہ ''صفدر'' کے سرورق پر حضرت امام اہل سنتؒ اور حضرت قائد اہل سنتؒ کے اسمائے گرامی دیکھ کر فرمایا کہ ''آپ نے دو بڑے آدمیوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔'' (۲۹۵/۲)

(۳) مولانا یعقوب قصوری نے لکھا ہے کہ راولپنڈی سے لاہور جاتے ہوئے حضرت علامہ صاحبؒ نے حضرت امام اہل سنتؒ کی خدمت میں حاضری اور ملاقات کا اشتیاق ظاہر فرمایا اور پھر ملاقات کے لیے حاضر بھی ہوئے۔ (دیکھیے: ۱۸۴/۲)

(۴) مولانا منیر احمد منور کے مضمون میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے کہ حضرت علامہ صاحبؒ کے بقول پاکستان میں غیر مقلدیت کے خلاف سب سے مضبوط علمی کام حضرت امام اہل سنتؒ نے کیا۔ (دیکھیے: ۲۵/۲)

(۵) مولانا طاہر فاروقی لکھتے ہیں کہ: حضرت امام اہل سنتؒ کے جنازہ کے موقع پر حضرت علامہ صاحبؒ نے بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''جو دنیا میں آیا ہے، اُس نے ایک دِن ضرور جانا ہے، مگر فرق یہ ہے کہ کوئی اِس دنیا سے ''سرفراز'' جاتا ہے اور کوئی اِس دنیا سے سرنگوں جاتا ہے۔'' (دیکھیے: ۱۵۸/۱)

(۶) ایک مجلس میں بندہ نے حضرت امام اہل سنت کی نسبت سے اپنا تعارف کرایا تو علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصی شفقت سے نوازا۔

(۷) علامہ صاحب سے عرض کیا گیا کہ مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کتب پڑھتے ہوئے روحانیت کا بہت احساس ہوتا ہے۔ تو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اُن کی روح کو امام ابوحنیفہؒ کی روح سے ملا دیا ہے۔

مندرجہ بالا سطور ناقلین کے نام و شکریہ کے ساتھ پیش خدمت ہیں جن سے دونوں حضرات کے باہمی تعلق، اخوت و محبت کی جھلک نمایاں ہے۔ اللہ پاک ان کے درجات بلند سے بلند تر فرمائیں اور ہم سب کو اخلاص و استقامت کے ساتھ اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین

مزید دیکھیے: ۲۰۷/۲

از: مولانا محمود عالم صفدر اوکاڑوی

حضرت علامہ خالد محمود اور حضرت علامہ اوکاڑوی رحمہما اللہ (ا)

بندہ تقریباً چودہ سال کا تھا جب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امین ملت حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ کی سات سالہ صحبت کی ابتداء ہوئی، اگرچہ اس میں سے دو سال بوجہ عذر صحت قریب نہ رہ سکا، مگر حضرت کی نگرانی وتوجہات برابر نصیب رہیں۔ **فللہ الحمد**۔

بندہ بچپن ہی سے علم کا حریص رہا ہے۔ جب حضرت کی صحبت ملی تو اس فقیر نے خوب علمی پیاس بجھانے کی کوشش کی، اگرچہ بندہ ابتدائی کتب میں تھا، مگر فجر، عصر اور عشاء کے بعد کی مجالس نصیب ہو جاتی تھیں اور اسفار میں بھی کبھی خدمت کی سعادت میسر آ جاتی۔

حضرت اوکاڑویؒ حضرت علامہ صاحبؒ کا ذکر خیر اور ان کے علمی نکات بے تکلف اپنی مجالس میں بیان فرماتے تھے۔ اس وجہ سے ہمارے دل میں حضرت علامہ صاحب کا عشق جڑ پکڑتا گیا۔ حضرت نے ایک بار فرمایا کہ: ''ہم جب طالب علم تھے، حضرت علامہ صاحب اس وقت بھی علامہ تھے۔''

یہاں یہ بات یاد رہے کہ حضرت اوکاڑویؒ نے درس نظامی کی بہت سی کتب حضرات اساتذہ کرام سے باقاعدہ پڑھی تھیں، بچپن میں ہی اوکاڑہ کے ایک چک میں مقیم ایک عالم سے صرف ونحو خوب محنت سے پڑھی۔ اساتذہ کی خدمت بھی خوب کی، فرمایا کرتے تھے کہ: ''میں استاذِ محترم کو پانچ پانچ گھنٹے دباتا رہتا تھا، وہ سو جاتے، میں دباتا رہتا، جب اٹھتے تو فرماتے بس کرو۔'' نیز فرمایا کہ: استاذ صاحب کے گھر کے لیے ایندھن خوب جمع کر کے رکھتا، استاذ بہت خوش ہوتے حتیٰ کہ استاذ محترم اپنی بیٹی کا رشتہ بھی حضرت کو دینا چاہتے تھے، مگر دادا جی اپنی قوم سے باہر جانا پسند نہیں کرتے تھے، اس لیے انکار کر دیا۔

بہرحال حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کے اساتذہ میں حضرت مولانا علامہ عبدالحمید سیتاپوری، حضرت مولانا عبدالحنان حضرو اٹک، حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب (جو بعد میں تعلیم القرآن راولپنڈی میں شیخ الحدیث بھی رہے۔) بھی شامل ہیں، جن سے حضرت نے خوب علمی پیاس بجھائی۔ ایک مرتبہ مجھے فرمایا: میں چوبیس گھنٹوں میں صرف چار گھنٹے سوتا تھا، باقی وقت مطالعہ کرنے اور اسباق میں صرف ہوتا تھا۔ بتیس (۳۲) اسباق تک روزانہ پڑھتے رہے۔ الغرض آپ نے جلیل القدر اساتذہ سے ہی علوم کے دریا سمیٹے، اور علمی استعداد میں پختگی ورسوخ پیدا کیا اور پھر اپنے وقت کے **رئیس المتکلمین، امام المناظرین، فخر المحققین** بنے۔

(ا) مزید دیکھیے: ۱۷۹/۲......۱۹۳/۲......۲۰۷/۲

حضرت اوکاڑویؒ نے یہ قصہ سنایا کہ: ایک دفعہ حضرت علامہ صاحب کا ساہیوال میں بیان تھا اور اُن پر پابندی تھی، آپ ہمارے مدرسہ اوکاڑہ آئے، ہمارے استاذ سے رفاقت کے لیے کوئی طالب علم مانگا، فرمایا: استاذِ مکرم نے مجھے ساتھ کر دیا، حضرت کسی طرح خفیہ طور پر جلسہ گاہ پہنچ گئے، بیان شروع ہو گیا۔ پولیس افسر پابندی کا کاغذ لے کر علامہ صاحب کے سامنے آیا اور کاغذ علامہ صاحب کی طرف بڑھایا، حضرت نے فرمایا: بھائی جس کسی نے بھی کوئی سوال کرنا ہو، بیان کے آخر میں کرے۔ وہ بار بار کاغذ آگے بڑھاتا، حضرت ہر مرتبہ یہی ارشاد فرماتے، آخر بیان ختم ہوا تو حضرت نے وہ کاغذ وصول کیا اور اس پر لکھا کہ: یہ کاغذ مجھے تقریر کے بعد موصول ہوا، لہٰذا میں ابھی لاہور واپس جا رہا ہوں۔ حضرت کی اِس ترکیب کی بدولت بیان بھی ہو گیا اور کوئی پریشانی بھی نہ ہوئی۔

حضرت اوکاڑویؒ حضرت علامہ صاحبؒ کے علمی چٹکلے اور لطائف اپنی مجالس میں بڑے مزے سے سناتے تھے، فرمایا: ایک دفعہ حضرت علامہ صاحب سے کسی لڑکے نے سوال کیا کہ: یزید کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ علامہ صاحب نے فرمایا! جو حضرت حسینؓ کا تھا۔ کہ حضرت حسینؓ نے خروج کیا، آخر کوئی وجہ تو تھی اگر یزید اتنا ہی نیک تھا تو حضرت حسین خروج ہی نہ فرماتے۔ (دیکھیے: ۱/۲۳۰......۲/۵۱۱ [ادارہ])

فرمایا کہ: حضرت علامہ صاحبؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ سے لڑائی کی تھی؟ فرمایا: لڑائی کے بعد صلح بھی تو ہو گئی، اَب صلح کا تذکرہ نہ کرنا اور لڑائی کا ذکر چھیڑنا یہ شرارت ہے، جیسے باپ اور چچا کی لڑائی ہو جائے اور وہ صلح بھی کرلیں پھر بھی کوئی اس لڑائی کا تذکرہ کر کے چچا کو گالیاں دینے لگے تو باپ بھی اس کی پٹائی کرے گا اور اسے شرارتی کہا جائے گا۔ اسی طرح جو سیدنا معاویہؓ کو برا بھلا کہتے ہیں ان سے سیدنا علیؓ بھی ناراض ہوں گے اور وہ شرارتی بھی ہیں کہ پہلے کی لڑائی تو ان کو نظر آتی ہے، مگر صلح نظر نہیں آتی۔ (دیکھیے: ۲/۲۳ [ادارہ])

فرمایا: حضرت علامہ صاحب فرماتے ہیں: ہندوؤں کا مزاج بدعتیوں والا ہے اور سکھوں کا مزاج غیر مقلدین والا۔

حضرت اوکاڑویؒ کی وفات کے بعد جب حضرت علامہ صاحبؒ جامعہ خیر المدارس ملتان میں تشریف لائے تو بندہ حاضر خدمت ہوا، تعارف کروایا تو کافی شفقت فرمائی اور پھر اس مناظرہ کا ذکر کیا جو پہاڑ پور ڈیرہ اسماعیل خان میں نور بشر کے موضوع پر ہوا تھا، اس میں حضرت علامہ صاحبؒ صدر مناظر اور حضرت اوکاڑویؒ مناظر تھے۔ فرمایا: وہ مناظرہ بعد میں میں نے قلمبند کر کے حضرت اوکاڑویؒ کو دکھایا تو وہ (علامہ صاحبؒ کے حافظہ پر) حیران رہ گئے۔ (دیکھیے: ۲/۴۵۴ [ادارہ])

جامعہ خیر المدارس ملتان کے ترجمان ماہنامہ الخیر کی طرف سے حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں جو اشاعت خاص شائع ہوئی تھی، اس میں علامہ صاحب کا حضرت اوکاڑوی کے حوالے سے بیان موجود ہے، جس سے علامہ صاحبؒ کی حضرت اوکاڑویؒ سے شدید محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت علامہ صاحبؒ اپنے زمانہ میں علمی لحاظ سے انتہائی نمایاں مقام کے حامل تھے، میری رائے کے مطابق آپ کے

ہم عصروں میں شاید ہی کوئی آپ کے ہم پلہ ہو۔ جزوی خصوصیات اگرچہ دیگر اکابر میں بھی موجود تھیں جو انھیں نمایاں کیے ہوئے تھیں، مگر علامہ صاحب کی علمی شان سب سے نرالی تھی، اس کے باوجود حضرت علامہ صاحبؒ سب علماء ومشائخ سے محبت رکھتے اور احترام فرماتے تھے۔ اور اپنی تحریر وتقریر میں ان کا تذکرہ کھلے دِل سے فرماتے تھے۔ یہ حضرت کی تواضع اور عاجزی کی دلیل ہے، ایسے ہی مواقع پر مکارم اخلاق کا علم ہوتا ہے، بہت سے لوگ اپنے نامور معاصرین کا تذکرہ خیر وبھلائی کے ساتھ زبان پر لانا بھی گوارا نہیں کرتے، اور ان کی وفات کے بعد بھی اُن کا تذکرہ اور تحسین اپنی عظمت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت علامہ ان بیماریوں سے مبری تھے۔ چند حوالہ جات بطور نمونہ پیش خدمت ہیں، آثار الحدیث [۲۱۹/۲] پر شروحات کتب الحدیث کے تعارف میں فتح الملہم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ.....اپنی زندگی میں اس کی تکمیل نہ کر پائے تھے، اس کا تکملہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی (کراچی) نے لکھا ہے۔ **فجزاه الله أحسن الجزاء.**'' معارف السنن کے تعارف میں لکھتے ہیں: ''محدث شہیر مولانا محمد یوسف بنوریؒ [۱۳۹۵ھ] کی شرح ہے۔ چھ جلدیں چھپ چکی ہیں، اب اس کی تکمیل حضرت مولانا نذیر احمد صاحب بانی جامعہ امدادیہ فیصل آباد کے بیٹے مولانا محمد زاہد کر رہے ہیں۔''

نوٹ: کاش مولانا زاہد اکابر کی اس محبت کی لاج رکھتے اور لاحاصل موضوعات کے پیچھے نہ پڑتے۔ جب مولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب [کراچی] نے مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ پر اکابر اہل سنت دیوبند کے موقف کے مطابق دیئے گئے فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا اور مماتیوں کو بھی ''اہل سنت میں شامل'' قرار دیا تھا تو بندہ کو قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ نے فرمایا تھا کہ: ''ایسے شخص کا بنوری ٹاؤن میں شیخ الحدیث ہونا علامات قیامت میں سے ہے۔'' مولانا شامزئی صاحب تو رجوع پر آمادہ ہو گئے تھے (جیسا کہ بندہ نے ''فتوحات صفدر'' جلد اول کے حاشیہ میں وضاحت کر دی ہے۔) لیکن مفتی زاہد صاحب جیسے آزاد خیال شخص کا اہل السنۃ والجماعۃ علمائے دیوبند کے اتنے بڑے جامعہ میں استاذ الحدیث ہونا کسی آفت سے کم نہیں ہے۔ کاش! اکابر وفاق اس کا نوٹس لیتے۔ آج جو ہم شدید پریشانیوں کا شکار ہیں اس کی مرکزی وجہ مداہنت پسندی بھی ہے۔ اس سے ذات حق کی مدد ونصرت کما حقہ حاصل نہیں ہوتی۔ مختلف احباب نے بتایا کہ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی مولانا زاہد صاحب کی ایسی چیزوں سے بہت نالاں تھے اور اس پر کڑھتے رہتے تھے۔

حضرت علامہ صاحب ایک مرتبہ جامعہ حیدریہ سندھ میں تشریف لائے تو فرمایا کہ: علمائے اہل سنت دیوبند سے انگریز نہ علم چھین سکا، نہ تقویٰ، نہ جذبہ جہاد، البتہ اجتماعیت چھین کر لے گیا۔ ہمارے ہاں کوئی اجتماعی لائحہ عمل نہیں نہ ہی باہم مشورے کی ترتیب ہے۔

جب آپ حیدریہ تشریف لاتے تو علامہ حیدری شہیدؒ خود وضو کراتے اور آپ کے پاؤں خود دھوتے، اس میں جہاں حضرت حیدریؒ کی کمال تواضع کی اعلیٰ مثال ہے وہیں حضرت علامہ صاحبؒ کی علمی عظمت کی واضح دلیل بھی ہے۔

ایک مرتبہ موسم سرما کی ٹھٹھرتی رات میں عشاء کے بعد حضرت علامہ صاحبؒ کی زیارت وملاقات کے لیے ان کے گھر لاہور حاضری ہوئی، بندہ کا خیال تھا کہ پانچ دس منٹ کا وقت مل جائے تو غنیمت ہے، ایسے بزرگوں کے جوتے اٹھانے کا موقع ہی مل جائے تو سعادت ہے۔ مگر حضرت نے اس قدر شفقت فرمائی کہ رات ایک بجے تک مجلس قائم رہی، حضرت کی مشفقانہ علمی باتوں میں ایسا مگن ہوا کہ وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہوا۔ بوقت رخصت بندہ سے فرمانے لگے: ''ملتے رہا کریں، پرانے دوستوں سے مل کر خوشی ہوتی ہے۔'' اللہ اللہ کہاں ہم کہاں بحرالعلوم کی شخصیت۔ پھر ہم ان کے شاگردوں کے شاگردوں کے شاگردوں کے برابر۔ مگر دوست فرمایا، پھر ''پرانے'' کی قید بڑھانا اشارہ تھا کہ حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے اعزہ کو اِس قدر اکرام سے نواز کر اُن سے رفاقت ومحبت کا حق ادا کر رہے ہیں۔ دوست کے چلے جانے کے بعد دوست کی اولاد سے ایسا پیار کہاں دیکھنے کو ملتا ہے؟ آج تو دوستی بھی مطلب کی ہوتی ہے۔ واقعی علامہ صاحب کے اخلاق کی بلندی ستاروں پہ کمند ڈال رہی تھی۔ آج پوری دنیا علامہ صاحب کی رحلت پر افسردہ ہے، یہ ان کی شفقت کی بین دلیل ہے۔

۲۰۱۸ء میں ہم حضرت کے سالانہ جلسۂ ولایت میں حاضر ہوئے، وہ جلسہ حضرت اویس قرنیؒ اور سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کے عنوان سے معنون تھا۔ حضرتؒ سے ملاقات ہوئی تو مولانا ظہیر احمد ظہیر سے فرمایا کہ ان کا بیان بھی کراؤ! بندہ جھجک کے باعث دل ہی دل میں دعا کرتا رہا کہ بیان نہ ہی ہو تو اچھا ہے۔ خدا کا کرم ہوا کہ اچانک حضرت خاکوانی صاحب اور دیگر اکابر تشریف لے آئے اور ہم اپنی جہالت بکھیرنے سے بچ گئے۔ چونکہ جلسہ کا موقع تھا، رش زیادہ تھا، اس لئے حضرت سے زیادہ استفادہ نہ کر سکے۔ لہٰذا کچھ دن بعد دوبارہ حاضر خدمت ہوئے، پہلے سفر میں مولانا خالد محمود قاسمی (تلمیذ خاص حضرت علامہ خالد محمودؒ وعلامہ حیدری شہیدؒ) اور محترم حسان مرزا بھی رفیق سفر تھے۔ مفتی ندیم سرگودھا والے بھی تشریف لے آئے تھے۔ دوسرا سفر میں نے اور مولانا خالد محمود نے کیا، نماز فجر حضرت کے ساتھ ادا کی، بعد فجر علمی مجلس جمی تو تقریباً دس بجے تک جاری رہی، خوش قسمتی سے بندہ نے ریکارڈ بھی کر لی، اس میں سے کچھ موتی قارئین کی خدمت میں بھی پیش کرتا چلوں۔ چونکہ اس مجلس میں ہم تین لوگ تھے، بندہ، مولانا خالد محمود اور حضرت علامہ صاحب، اِس لیے تینوں کی باتیں ذکر ہوں گی۔

محمود عالم: حضرت ہم جلسہ پر آئے تھے، ملاقات بھی ہوئی، مگر سیرابی نہ ہوئی، اس لئے اَب دوبارہ حاضر خدمت ہوئے ہیں۔

علامہ صاحب: آپ آئے مگر پہلے ملے نہیں تھے؟

مولانا خالد محمود: حضرت ملے بھی تھے اسٹیج پر شکریہ بھی ادا کیا گیا تھا مولانا محمود عالم کی آمد پر۔

علامہ صاحب: دراصل اگر آپ کو میری طبیعت کا علم ہوتا تو بھولنے کا شکوہ نہ کرتے، میں برطانیہ میں دو تین بار اتنا بیمار ہو چکا ہوں کہ پاکستان آنے کی امید کم تھی۔ اس لیے میں یہ چاہتا تھا کہ پہلے آپ میرا حال پوچھتے۔ اب غیبی امداد ہوئی کہ میں آ گیا، اور جہاں غیبی امداد ہو تو حوصلہ بڑھایا جاتا ہے، نہ کہ یہ کہو کہ تم بھول گئے۔ مخلص احباب سے میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ میرے دکھ میں

یہ میرے ساتھ ہونگے، مجھ پر بوجھ نہیں ہونگے۔ مجھے سننے میں اتنی دقت نہیں، مگر سمجھنے میں دقت ہے۔ سن کر سمجھنے میں کچھ دیر لگتی ہے۔ طبیعت اگرچہ ساتھ نہیں دے رہی تھی، مگر جامعہ اشرفیہ والوں سے تعلق ایسا ہے کہ انہیں چھوڑ نہیں سکتا۔

(۱)...... ہمارے مدارس میں دورۂ حدیث میں شافعی دلائل کا جواب تو دیا جاتا ہے، حالانکہ وہ فتنہ نہیں ہے۔ اور معتزلہ کا فتنہ جواَب بہت پھیل رہا ہے، اس کی طرف توجہ نہیں کی جاتی، نہ طلبہ کو تیاری کرائی جاتی ہے۔ خارجی، غیر مقلد وغیرہ سب معتزلہ کے نئے ایڈیشن ہیں۔ مماتی بھی معتزلہ ہیں، پرویز، غامدی معمولی آدمی نہیں ہیں، یہ بہت دُور پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کے جواب میں محنت وہ ہو جو ظاہر ہو، ہر ایک کو نظر آئے، اس وقت کوئی ایسا مزاج سامنے آئے جو پوری امت کو بچالے۔ ہم نے امامیہ کالونی لاہور میں اسی لیے مرکز بنایا کہ ہم ثابت کرسکیں کہ ہم روافض کے علاقہ میں بھی اپنا مرکز بنا سکتے ہیں۔ پہلے یہ عزم حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کا تھا۔ پھر انہوں نے کہا ہم چکوال والوں کے لیے ایسا کرنا مشکل ہے، لاہور والے خود ہی کرلیں۔ چنانچہ ہم نے پھر یہاں ادارہ بنایا۔

(۲)...... آپ نے مجھ سے میرا حال تو پوچھا حالانکہ میں ایک فرد ہوں، آپ امت کا حال پوچھتے کہ امت کدھر جارہی ہے؟ امت میں اہل سنت دیوبند اس وقت سب سے کمزور ہو چکے ہیں۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کے مخالف صرف روافض نہیں ، مودودی وغیر مقلد بھی ہیں۔ عوام کو اس کا پتہ ہی نہیں۔ آج جو فرقے کٹ رہے ہیں اہل سنت دیوبند سے کٹ رہے ہیں۔ مماتی دیوبندیوں سے کٹے، مودودی دیوبندیوں سے کٹا۔ مودودی پہلے مفتی کفایت اللہ صاحب کے ساتھ رہا ہے، پھر اس نے علیحدہ جماعت بنالی۔ گوجرانوالہ میں مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ تھے، انہوں نے ہر فرقے کے خلاف لکھا ہے، کسی کی رعایت نہیں کی۔ ان کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو دیوبندی نہیں رکھ سکے، ان کا بیٹا ہے: زاہد الراشدی، دورۂ تفسیر بھی پڑھاتا ہے دورۂ حدیث بھی، مگر غامدی ہوگیا ہے۔ اسی طرح عرب میں ایک شخص محمد بن علوی مالکی تھا، بدعتی تھا، چونکہ عرب تھا، اس نے فتنہ اٹھایا تو اس کے جال میں دیوبندی آگئے۔

(۳)...... درمیان میں ایک لطیفہ سنادوں، قطر کے ایک شیخ نے کراچی میں ایک عالم کو زمین لے کردی مدرسہ ومسجد کے لیے، اس نے وہاں کام کرنا شروع کردیا، مولوی دیوبندی تھا، لوگوں نے اس کو ناکام کرنے کے لیے ایک سازش کی، سازش کیا؟ کہ اس سے یہ سوال کیا کہ آپ شیعوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اَب اگر وہ حق کی بات کرے تب مسئلہ، نہ کرے تب مسئلہ۔ میں نے اس کو مشورہ دیا، جس سے ایسی شفا ہوئی کہ عرصہ ہوگیا کوئی مسئلہ نہیں بنا۔ میں نے اس کو یہ کہا کہ جب کوئی آدمی آپ سے شیعہ کے بارے میں پوچھے تو آپ کہہ دیں کہ میں چھوٹا مولوی ہوں یہ مسئلہ بڑے علماء سے پوچھو۔ چنانچہ اس طرح اس کی جان بچ گئی، اور مسجد بھی محفوظ رہی۔

(۴)...... ایک دفعہ دیوبندیوں اور غیر مقلدوں کا مناظرہ تھا، طے یہ پایا کہ علاقے کے بڑے لوگوں میں سے ایک صدر

ہوگا، علاقہ کے جو بڑے لوگ تھے، وہ ڈر گئے، اور صدارت کے لیے کوئی بھی نہ آیا، ہم مناظرہ کی جگہ پر تھے، میرے ساتھ مولانا عبدالواحد گوجرانوالہ والے بھی تھے۔ غیر مقلد کہنے لگے کہ چونکہ صدارت کے لیے کوئی تیار نہیں ہو رہا، اس لیے مناظرہ کینسل کرتے ہیں۔ میں نے کہا: صدر نہ ہو پھر بھی مناظرہ کر لیتے ہیں، عوام کے سامنے دونوں قسم کے دلائل آ جائیں گے۔ مناظرہ شروع ہو گیا، حافظ الیاس صاحب (حضرو اٹک، مولانا رشید احمد الحسینی کے والد محترم) بھی مجمع میں بیٹھے تھے۔ میں نے ان کو کہا آپ غیر مقلدوں کی طرف کرسی صدارت پر بیٹھ جائیں، بزرگوں والی چادر سر پر ڈال لیں، حافظ صاحب بطورِ صدر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میں آپ دونوں فریقوں سے التماس کرتا ہوں کہ امن اور تحمل سے گفتگو کریں۔ جب میری تقریر کی باری تھی تو میں نے ایک عبارت پڑھی، اس پر روپڑی صاحب غیر مقلد مناظر بولے کہ آپ نے عبارت غلط پڑھی ہے۔ میں نے کہا آپ کو میری تقریر میں بولنے کا حق کس نے دیا؟ یہ اعتراض آپ اپنی تقریر میں کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا: جس کتاب سے میں عبارت پڑھ رہا ہوں، اُس میں اِسی طرح چھپی ہوئی ہے، لیکن آپ نے میری تقریر میں اعتراض کر کے غلطی کی ہے، اَب میں بھی آپ کی تقریر میں بولوں گا۔

ہماری طرف سے مولانا عبدالواحد صدر تھے (جو حضرت کشمیریؒ کے شاگرد تھے، گوجرانوالہ میں رہتے تھے۔) ایک غیر مقلد نے شرارت سے جا کر ان کی قمیص پھاڑ دی، تا کہ یہ کھڑے ہو کر تقریر نہ کر سکیں، کیونکہ مجمع زیادہ تھا اِس لیے میں کرسی پر کھڑا ہو گیا، تا کہ سارے مجمع تک بات پہنچ جائے۔ مجھے دیکھ کر روپڑی صاحب بھی کرسی پر کھڑے ہو گئے، میں نے جب یہ دیکھا تو میں نے کہا کہ میں روپڑی صاحب کے احترام میں بیٹھتا ہوں۔ اس پر روپڑی صاحب پھنس گئے کہ بیٹھتا ہوں تب بے عزتی، کھڑا رہتا ہوں تب مشکل۔ بالآخر غیر مقلد جگہ چھوڑ کر کتابیں اٹھا کر چلے گئے۔

اُن دنوں پاکستان اور انڈیا کی جنگ بھی جاری تھی، میں نے لوگوں سے کہا: ان حالات میں مناظرہ کرنا مناسب نہیں تھا، مگر انھوں نے مجبور کیا، اَب دعا کرو کہ پاکستانی فوج انڈیا کے فوج کے سامنے رفع یدین نہ کرے (ہاتھ نہ اٹھائے، ہتھیار نہ ڈالے۔) دعا فوج کے لیے تھی، مگر سنائی غیر مقلدین کو۔

میں نے کہا عبدالقادر روپڑی بہت اچھے مناظر تھے، انھوں نے مرزائیوں سے کئی مناظرے جیتے ہیں۔ مگر یہ اس وقت تھا جب ان کے چچا عبداللہ روپڑی زندہ تھے۔ وہ صدر مناظر ہوتے، جہاں یہ غلطی کرتا وہ بتا دیتے، اس لئے یہ جیت جاتا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا یہ پہلا مناظرہ ہے، اور اس کا حال اور بوکھلاہٹ دیکھ چکے ہو۔

اس بات کا روپڑی پر یہ اثر ہوا کہ وہ جب قادیانیوں کو چیلنج کرتا تو کہتا کہ میں اور علامہ خالد محمود اکھٹے ہوں تو کوئی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایک دفعہ گپ شپ میں میں نے روپڑی صاحب سے پوچھا کہ آپ تو اچھے مناظر ہیں، اُس مناظرہ میں ہارے کیسے تھے؟ تو کہنے لگا کہ: اب تک ہم نے جب بھی مناظرہ میں گفتگو کی تو ترمذی کی رفع یدین کے ترک والی روایت پر کی، آپ نے نسائی والی روایت پڑھ دی، ہمیں علم ہی نہیں تھا کہ نسائی میں بھی ترک کی روایت ہے۔ نہ چچا جان (عبداللہ روپڑی) نے کبھی

بتایا تھا کہ ترک رفع یدین کی روایت نسائی میں بھی ہے۔آپ نے حوالہ وہ دیا کہ ہماری عقلیں حیران رہ گئیں۔

(۵)......مجھے کسی نے کہا کہ آپ نے بریلویوں کے ’’خلاف‘‘ اتنا کام کیا ہے۔ میں نے کہا: کونسا؟ کہنے لگا کہ کتاب لکھی ہے مطالعہ بریلویت۔ میں نے کہا مطالعہ بریلویت ہے، رد بریلویت تو نہیں ہے۔ میں نے بریلویت کے رد میں کوئی کتاب نہیں لکھی۔ مطالعہ کے لیے لکھی ہے تا کہ بریلویت کا مطالعہ کرنا آسان ہو جائے۔ مطالعہ تو سب کا کرنا چاہیے۔

(۶)......میں یہ چاہتا تھا کہ اسلام آباد میں ہمارا کوئی مرکز بن جائے۔ مولانا غلام اللہ خان کا مدرسہ ہمارا مرکز بن سکتا تھا، مگر وہ ہماری مرضی کے مطابق نہ چلے۔ اَب یہ (مولانا خالد محمود مہتمم جامعہ حیدریہ ٹیکسلا) اسلام آباد میں مرکز بنالیں، آدھا وقت اسلام آباد دیں آدھا ٹیکسلا۔ ٹیکسلا بھی اہم جگہ ہے، شیعوں نے بڑی محنت کی ہے ٹیکسلا پر۔ اُن کا یہاں مولوی بشیر تھا، اس کا لقب فاتح ٹیکسلا تھا۔ میرا بھی اس سے مناظرہ ہوا تھا۔ جب مولانا خالد محمود سندھ سے ٹیکسلا آ گئے تو میں اندر سے خوش تھا کہ موقع پر آ گئے۔

اس کے بعد خوشی کی خبر یہ ملی کہ انہوں نے وہاں ادارہ بھی بنالیا ہے، ٹیکسلا میں ایسے آدمی کی ضرورت تھی۔ لیکن آپ کی تین جگہیں ہونی چاہئیں۔(۱) ٹیکسلا۔(۲) اسلام آباد۔(۳) یہ جگہ (مدرسہ جامعہ ملیہ اسلامیہ حضرت کا اپنا ادارہ)۔ میں آپ کو بھی اس (جامعہ ملیہ) کا ایک رکن سمجھتا ہوں۔ تا کہ میرے جانے کے بعد لوگ یہ نہ سمجھیں کہ یہ (جامعہ ملیہ کے مولانا عزیر) اکیلا ہے، بلکہ اس کے ساتھ شیعیت کو جاننے والا موجود ہے (یعنی مولانا خالد محمود)۔ اَب ضرورت ہے کہ مراکز بنائے جائیں۔

(۷)......اب ایک سوال میں کرتا ہوں کہ تکفیر رفض میں اختلاف کیوں ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس مذہب میں تقیہ ہے، کبھی کس طرح ظاہر ہوئے اور کبھی کسی طرح، اس لئے علماء جن کے سامنے ان کے عقائد نہ آ سکے وہ تکفیر کے قائل نہ ہوئے۔

(۸)............ایک سرکاری میٹنگ تھی، اس میں شیعہ مولوی کہنے لگا کہ ہم صحابہ کو مانتے ہیں، جو صحابہ کو برا کہے وہ غلط ہے۔ اس پر وہاں موجود افسران حیران ہوئے۔ پھر کہنے لگا: البتہ ہم ان صحابہ کو نہیں مانتے جنہوں نے ام المؤمنین عائشہؓ پر بہتان لگایا، وہ بھی تو صحابہ تھے، اب ہم ان کو کیسے مانیں؟ (معاذ اللہ)۔ میں نے اس کا جواب دیا کہ یہ اُس وقت کی باتیں ہیں جب وہ زیر تربیت تھے۔ جب تربیت مکمل ہوگئی تو **رضی اللہ عنہم، ورضوا عنہ** کا خطاب آ گیا۔ اب تربیت والی بات کو لے کر اعتراض کرنا غلط ہے۔ اس لئے ہم تربیت مکمل ہونے کے بعد **رضی اللہ عنہم** کہتے ہیں۔

(۹)......ایک دفعہ علماء بیٹھے تھے، میں نے سوال کیا کہ ہمارا بڑا کون ہے؟ اَب کسی نے کہا مولانا قاضی مظہر حسین، کسی نے کہا مولانا عبدالستار تونسوی؟ میں نے کہا: تم سچے ہو، مگر ہمارے بڑے اورنگزیب عالمگیر اور مولانا عبدالرحیم (شاہ ولی اللہ کے والد) ہیں۔ کیونکہ انہوں نے فتاوی عالمگیر مرتب کیا۔ آگے مولانا امین صفدر اوکاڑویؒ ہوں یا مولانا قاضی مظہر حسینؒ یہ اُسی راستے پر چلے ہیں۔ جب تک اپنے آپ کو چھوٹا نہیں کرو گے اللہ آپ کو بڑا نہیں کرے گا۔ اپنی عزتیں صحابہؓ پر اور امام ابوحنیفہؒ پر قربان کردو۔

<u>مولانا خالد محمود قاسمی:</u> بشیر انصاری فاتح ٹیکسلا کے ساتھ آپ کا مناظرہ کہاں ہوا؟

<u>علامہ صاحب:</u> نارووال میں ہوا تھا۔

حضرت علامہ صاحب کے ''مطالعہ بریلویت'' والے جواب پر ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ سنا ہے کہ ایک دفعہ پاکستان کے کسی صدر نے علماء سے مشورہ کیا کہ میں امیر المؤمنین بن جاؤں، مجھے امیر المؤمنین کہا جائے۔ اس مجلس میں حضرت علامہؒ صاحب بھی موجود تھے، فرمایا: ملک کے اندر اقلیتیں بھی رہتی ہیں، وہ ناراض ہو جائیں گی کہ آپ صرف مسلمانوں کے امیر ہیں، اس لئے آپ نے اگر کہلوانا ہی ہے تو یوں کہلایا کرو! **امیر المؤمنین والکافرین** ۔ تاکہ اقلیتوں کی بھی رعایت ہو جائے۔ اس پر اس صدر صاحب کا امیر المؤمنین بننے کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔

حضرت علامہ صاحبؒ نے جو لکھا خوب لکھا، چھوٹے اور ہم عمر تو کیا بڑوں سے بھی داد وصول کی۔ بندہ نے حضرت اوکاڑویؒ سے ایک دفعہ پوچھا کہ مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام پر سب سے بہترین کتاب کونسی ہے؟ فرمایا ''مقام حیات''۔ دنیا میں اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی۔ اور مقام حیات کے بارے میں حضرت قاری محمد طیبؒ صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بھی یہی فرمایا۔

حضرت علامہ صاحبؒ کے علمی مقالات کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں منتشر مواد یکجا جمع فرما دیتے ہیں، جو آسانی کے ساتھ کسی ایک کتاب میں نہیں مل سکتا۔ دوسرے منقولات کے ساتھ وہ بہت سی ایسی نئی باتیں لکھ دیتے ہیں جن کی طرف عام طور پر ذہن نہیں جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت نکتہ رس ذہن عطا فرمایا تھا۔ قرآن مجید کی وہی آیات اور صحاح کی وہی احادیث اور تاریخ کے وہی بیانات جو ہم آپ بیسیوں بار پڑھ چکے ہیں، علامہ صاحبؒ ان سے ایسے حقائق ثابت کر دیتے اور ان سے ایسے عجیب لیکن صحیح نتائج نکالتے کہ حیرت ہوتی۔ حضرتؒ کے پاس بیٹھنے والا یہ دیکھ لیتا تھا کہ ان کا علمی استغراق اور تصنیفی انہماک بہت بڑھا ہوا تھا۔ اس کے باوجود جب حاضرین مجلس سے سلسلہ گفتگو شروع فرماتے تو علمی موتیوں کی برسات کر دیتے۔

علامہ صاحبؒ سے ملنے میں دو باتوں کا احساس ضرور ہوا کہ حضرت اوکاڑویؒ کے بعد آپ کے پسماندگان سے آپ کی کیا محبت ہے۔ دوسرا ذوقی و علمی مناسبت۔ علامہ صاحبؒ نے جس میدان میں بھی قدم رکھا سب سے آگے بڑھ گئے۔ قدرت نے ان کو تخلیق ہی سعادت کے لیے کیا تھا۔ ایسے لوگ صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔ آپ نے پون صدی امت کے غم اٹھائے۔ مسلک حقہ کی ترجمانی کی، حفاظت اسلام کے لیے سات سمندر پار کئے۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ دفاع حق کے لیے وار دیا۔ اب وہ بہت کمزور ہو چکے تھے، تھک چکے تھے، اسلام کے اصلی محافظ نے اپنے پاس بلا لیا اور انبیاء وصدیقین کا ہم نشیں بنا دیا، وہ اسی کے مستحق تھے، وہ اسی کے لیے تڑپتے تھے۔

☆......☆......☆......☆

میاں غلام ابوبکر نافع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی ومکرمی عزیزم مولانا حمزہ احسانی صاحب زیدت حسناتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امید ہے مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

''مجلّہ صفدر لاہور'' آپ کی زیر ادارت عقائد اہل سنت پر عظیم خدمات سرانجام دے رہا ہے۔علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ پر خصوصی نمبر نکالنے کی کاوش وقت کی ضرورت اور آواز ہے۔والد گرامی قدر حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اور حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ تنظیم اہل سنت کے ابتدائی اور مرکزی رہنماؤں میں سے تھے۔ان حضرات نے مختلف مقامات اور بالخصوص دارالمبلغین کوٹ ادوا اور دفتر ملتان میں سالہاسال تک مدح صحابہؓ پر اکٹھے کورس پڑھائے،مختلف مناظروں میں اکٹھے شریک ہوئے۔آپس میں محبت ومودت کا گہرا تعلق رہا اور آپس کی تعلق داری اور علم دوستی مسلسل پروان چڑھتی رہی۔

علامہ صاحبؒ والد ماجدؒ کی تحقیقات وتصنیفات کے دل سے قدر دان تھے،حضرت کی متعدد تصانیف پر انتہائی وقیع مقدمات تحریر فرمائے۔بنات اربعہ کے مقدمہ کے آخر میں تحریر فرمایا:

''اللہ رب العزت حضرت مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم کو جزائے خیر دے،اور آپ کی مساعی جمیلہ کو اور نافع بنائے،آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں صاحبزادیوں کے حالات،کمالات اور درجات ایسے محققانہ اور نفیس پیرائے میں بیان فرمائے ہیں کہ اس کتاب کی اشاعت واقعی اس عہد کا ایک اہم علمی اضافہ ہے۔مولانا کا اندازِ بیان محض تبلیغی نہیں،تحقیقی بھی ہوتا ہے۔ایک مؤرخ کی حیثیت میں آپ بات کی آخری تہہ تک اترتے ہیں۔''رحماء بینہم'' کے بعد آپ کی یہ تحقیقی پیشکش بے شک دنیائے علم پر ایک عظیم احسان ہے۔رب العزت آپ کی ان مساعی کو مشکور فرمائے۔اور آپ کو ہر فتنہ اور عین لامہ سے محفوظ فرمائے۔[بنات اربعہ:ص۳۲،۳۳]''

حدیث ثقلین کے مقدمہ کے آخر میں رقم طراز ہیں:

''خدا کا شکر ہے جامع کمالات علمیہ وعملیہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم نے جہد بلیغ فرما کر اس روایت کی پوری تحقیق فرمائی ہے،اور اس کے جتنے اسناد میسر آسکے،ان کا پوری طرح محاسبہ کیا،**فجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء**

مولانا موصوف کے ساتھ دورانِ تالیف بھی اس موضوع پر مذاکرات رہے،اور احقر پورے اطمینان سے کہہ سکتا ہے کہ اس عظیم خدمت سے عہدہ برآ ہونا یہ مولانا موصوف کا ہی حصہ تھا۔

ولقد جاء فی المثل السائر کم ترک الاول للموخر.''[حدیث ثقلین:ص۲۳،۲۴]

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر پورا بھروسہ اور اعتماد تھا،وہ اپنی کتب کا مقدمہ انہی سے لکھواتے تھے۔بہر حال یہ حضرات علم وعمل کے پیکر اور گہرے سمندر تھے،حق تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے،

ہمیں ان کی علمی خدمات سے استفادہ اور اس کی تبلیغ کی توفیق عطا فرمائے۔

بندہ آپ کو اور آپ کی پوری ٹیم کو علامہ صاحب کے بارے میں مجلّہ صفدر کی خصوصی اشاعت منصۂ شہود پر لانے کی کاوشوں پر خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ اور دعا گو ہے کہ حق تعالیٰ اس محنت کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور حضرت علامہ رحمہ اللہ کے صدقاتِ جاریہ میں اضافہ کا ذریعہ بنے۔

والسلام......غلام ابوبکر صدیقی، چیئر مین رحماء بینہم ٹرسٹ پاکستان......محمدی شریف ضلع چنیوٹ

میاں رضوان نفیس، لاہور [خادم خاص وخلیفہ مجاز: حضرت سید نفیس الحسینی شاہؒ]

علامہ صاحب اور حضرت سید نفیس الحسینی شاہؒ

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب نوراللہ مرقدہ ہمارے اکابر علماء میں سے تھے۔اہل علم اور دینی تحریکوں کے لیے وہ ایک گھنے درخت تھے۔علماءِ حق کی ترجمانی کا فریضہ انہوں نے عمر بھر بہت خوبی سے سرانجام دیا۔ان کی وفات سے ہمارے برصغیر کے اربابِ علم وفضل بجاطور پر یتیمی کے احساس سے دوچار ہوئے ہیں۔اللہ ان کی جگہ کو ان کے نعم البدل سے پُر فرمائے۔آمین

ہمارے حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب نوراللہ مرقدہ حضرت علامہ صاحب نوراللہ مرقدہ کی علمی رفعتوں اور عملی صلاحیتوں کے معترف اور قدر دان تھے۔دونوں حضرات کے باہمی تعلقات بے تکلفی کی حد تک خوشگوار تھے۔ایک دفعہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے جلسے میں حضرت شاہ صاحب اور علامہ صاحب دونوں تشریف لے جارہے تھے،بندہ گاڑی چلا رہا تھا۔حضرت شاہ صاحب نے فرمایا:''ہمارے حلقے کے لوگ جلسوں میں بہت بے ترتیبی اور بدنظمی کرتے ہیں،وقت بے تحاشا ضائع کرتے ہیں،نعت خواں پر نعت خواں اور بالآخر جب مجمع تھک ہار جاتا ہے تب خطیب کو وقت دیتے ہیں۔''اس پر علامہ صاحب نے مسکراتے ہوئے اپنا واقعہ سنایا،فرمایا:''مجھے ایک جلسے والوں نے بلایا حسب دستور کاروائی چلتی رہی جب بارہ بجے تو انہوں نے مجھے تقریر کے لیے بلایا۔میں نے سٹیج پر جا کر اختتامی دعا مانگنا شروع کردی،انہوں نے کہا یہ کیا ہوا؟ آپ نے تو تقریر کرنی تھی،جس پر میں نے ان سے کہا: آپ نے مجھ سے جس تاریخ کا وقت لیا تھا وہ تاریخ ختم ہوگئی کیونکہ بارہ بجے کے بعد نئی تاریخ شروع ہوجاتی ہے۔''حضرت شاہ صاحب اس بات سے بہت محظوظ ہوئے۔

ایک دفعہ (خانقاہ الحافظ ٹاؤن میں) علامہ صاحب حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں تشریف لائے،کافی دیر مجلس رہی،تاریخی واقعات بیان ہوتے رہے،علامہ صاحب نے یہ بھی بتایا کہ مجھے جب کسی کتاب کا کوئی مشکل مقام حل نہیں ہوتا تھا تو میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ کی قبر کے قریب جا کر مطالعہ کرتا تھا تو اللہ کا فضل متوجہ ہوجاتا تھا اور مشکل بات حل ہوجاتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ ملا عبدالحکیم صاحب کے بیٹے ملا لبیبؒ روحانی مقام میں اپنے والد پر بھی سبقت لے گئے تھے۔مجلس کے اختتام پر حضرت شاہ صاحب باوجود ضعف اور پیری کے حضرت علامہ صاحب کو رخصت کرنے کے لیے دروازے تک تشریف لائے اور واپس آنے کے بعد فرمایا:'' آج علامہ صاحب پر رقت طاری تھی اس لیے میں نے ان کا یہ اکرام کرنا ہی تھا۔''

ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں شیخ التفسیر حضرت مولانا مفتی حمید الرحمان عباسی صاحبؒ اپنے دو

متعلقین کو لائے اور عرض کیا حضرت یہ دو بھائی ہیں دوبئ جا رہے ہیں، دعاؤں کے لیے حاضر ہوئے ہیں، حضرت نے دعائیں دیں اتنے میں حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''بھائی پہلے دو بھائی گئے تھے، وہ واپس نہیں آئے آپ لوگ واپس آجانا۔'' حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ مسکرانے لگے باقی سب حاضرین متحیر تھے کہ یہ کونسے دو بھائی تھے۔ پھر حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے خود ہی فرمایا: ''بھائی دوبئ اصل میں دو بھائی ہی تو ہے۔'' حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ اس قسم کی نکتہ رسی کے بادشاہ تھے اور باتوں سے بات نکال کر محفل کو کشت زعفران بنا دیتے تھے۔

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے جب اپنی کتاب ''آثار الاحسان'' لکھی ہمارے تو حضرت اقدس نفیس شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے ازاول تا آخر حرف بحرف پوری کتاب اپنی مجلس میں پڑھوا کر سنی اور پھر ایک ہزار روپے بطور ہدیہ یا انعام کتاب میں رکھ کر حضرت علامہ صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا۔ یہ بزرگوں کی علمی قدر دانی ہے۔

اسی کتاب سے جڑا ایک واقعہ یہ بھی ہوا کہ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے اس میں عام مشہور تاریخی روایت کے مطابق یہ لکھا کہ جب حضرت علی ہجویری کو ان کے شیخ نے لاہور روانہ کیا تو حضرت نے عرض کیا کہ وہاں میرے پیر بھائی (میراں حسین زنجانیؒ) بھی ہیں، شیخ نے فرمایا: جو میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو چنانچہ حضرت علی ہجویریؒ چل دیئے۔ جب لاہور پہنچے تو رات کا وقت تھا رات کو دروازوں سے باہر قیام فرمایا صبح دیکھا تو ایک جنازہ باہر آرہا تھا پوچھا کس کا جنازہ ہے؟ بتایا گیا کہ میراں حسین زنجانیؒ کا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کو اس طرف متوجہ کیا کہ یہ روایت اگرچہ مشہور ضرور ہے، مگر تاریخی حقائق اس کے برعکس ہیں کیونکہ حضرت میراں حسین زنجانیؒ کی معاصرت حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ سے ثابت ہے جو کہ حضرت علی ہجویریؒ کے تقریباً سو سال بعد کا زمانہ ہے۔ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا میں اس کو دیکھوں گا، اگر ضرورت ہوگی تو اسے ضرور تبدیل کر دوں گا۔

یہ اکابر حضرات کے باہمی علمی روابط کا اور حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی بے نفسی کا عمدہ نمونہ ہے۔

حضرت شاہ صاحب علامہ صاحب کی نظر میں:

حضرت علامہ صاحب بھی حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ کے دینی اور روحانی مقام سے بخوبی آگاہ تھے، اپنے بہت سے گھریلو اور نجی معاملات میں حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ سے دعا کرواتے تھے، اپنی اس قدر دانی کا اظہار حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ پر لکھے گئے اپنے تاثراتی مضمون میں بھی کیا ہے، جس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''آج ہم جس شخصیت کو خراج تحسین ادا کرنے کے لیے اور ان کے نقش قدم پر زندگی گذارنے کے لیے جمع ہیں، یہ وہ شخصیت ہیں جنھوں نے پورے لاہور کو ایک نقطہ اعتدال پر جمع کر رکھا تھا۔ جماعت اہل سنت دیوبند کے تمام طبقے اپنے ذوق کے

مطابق کام کر رہے ہیں لیکن ان سب میں جو نقطہ شرکت تھا وہ حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت تھی۔ حضرت کا وصال پورے لاہور کے لیے ایک بہت بڑا صدمہ ہے۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

ہمارا حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ سے تعلق نصف صدی سے تھا ان کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ایک خاص وصف (جس میں وہ اپنی مثال آپ تھے) یہ تھا کہ انہیں علماء، مورخین، شہداء اور مجاہدین اوران کے آثار باقیہ کو جمع کرنے کا عشق تھا، جب کبھی ملاقات ہوتی تو آپ کے پاس پرانی کتابیں، پرانے مخطوطے، نایاب رسائل، نظمیں موجود ہوتی تھیں۔ حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ کو پچھلوں کے حالات زندگی جمع کرنے کا عشق تھا۔ جو لوگ حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ کے پاس بیٹھتے ان کو بھی زندوں کے پیچھے لگانے کی بجائے ان کے واقعات سناتے تھے۔ آج علماء میں نئی کتابیں نئے انداز میں آتی جا رہی ہیں لیکن گذشتہ علماء کی کتابوں کو بھی جو ہمارے آثار ہیں باقی رکھنا ہمارا کام ہے۔ حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ پچھلوں کا تذکرہ فرماتے تھے۔ اس کام میں حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ کو بے مثل دیکھا کہ پچھلوں پر قربان ہونے کے اور پچھلوں کی محبت میں بھرے ہوتے تھے۔ ہمارا عقیدہ اگر ان کے مطابق ہے تو ہم کامیاب کامیاب کامیاب، وہ عقیدہ یہ ہے کہ مجتہد لوگ مر نہیں سکتے وہ فقط راستہ بدلتے ہیں، ان کے نقش قدم پر صدیوں تک منزلوں کے چراغ جلتے ہیں، شاہ صاحب کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

بزرگوں کا اشارہ بھی اصل ہوتا ہے، میں ایک کتاب لکھ رہا تھا تو اس کی چوتھی جلد کا ٹائٹل حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ سے بنوا رہا تھا تو حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ نے کے قلم سے جلد چہارم کی بجائے جلد پنجم نکل گیا، میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ جلد چہارم ہے، آپؒ نے فرمایا لکھوانے والے نے لکھوا دیا ہے، میرے دل میں خیال آیا کہ یہ جو لکھا گیا ہے یہ غیبی آواز ہے جب میں باہر نکلا تو سوچا اب چار جلدوں پر اکتفا نہیں کرنا، یہ جو ہاتف غیبی آواز ہے اس کے مطابق چلنا ہے، تو پھر آٹھ جلدیں لکھدیں۔ آخری دو جلدیں جب میں لکھ رہا تھا تو حضرت شاہ صاحب علیل تھے، میری خواہش تھی کہ حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ کی زندگی میں ہی یہ دونوں مکمل ہو جائیں لیکن جو اللہ کو منظور، ہم اس کی رضا پر راضی ہیں۔

حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے کمالات سے نوازا تھا اوران کے کمالات میں حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ اپنی مثال آپ تھے۔ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرمایا: **لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم.** اس میں ایک قراءت **انفَسکم (بفتح الفاء)** بھی ہے یعنی یہ پیغمبر سب سے نفیس ترین لوگوں میں سے ہیں، تو اس مسئلہ کی تفصیل میں کچھ عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا یہ پیغمبر سب سے نفیس ترین لوگوں میں سے ہیں تو میں نے سوچا کہ امت میں کوئی فرد ایسا بھی ہے جس کے القاب، خطابات بڑے بڑے امتیازات کے ہوتے ہوئے اس سارے سے بھی کوئی وصف ہو۔ جب غور کیا تو ایک ہی چمکتا ہوا سورج دیکھا جو حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ ہیں۔''

[بحوالہ: الحسن حضرت شاہ نفیس صاحبؒ نمبر]

حرفِ آخر:

ان ہر دو بڑے حضرات کے درمیان محبت اور تعلق خاطر کی ایک وجہ ان کے مقصد کی وحدت بھی تھی۔ دونوں حضرات کے درمیان ایک قدر مشترک تھی۔ وہ یہ کہ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے جمہور امت علمائے اہل السنۃ والجماعۃ کے جن عقائد ونظریات کو قلم سے تحفظ دے کر دماغ کی آبیاری کا سامان کیا، حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان عقائد ونظریات کو اپنے محبت کے جام سے دلوں میں اتارا۔ دونوں کی مجلسیں اور خلوتیں اپنے بڑوں کے تذکروں سے ہی معمور ومعطر رہتی تھی۔ ع

ہم دونوں کا دکھ تھا ایک جیسا احساس مگر جدا جدا تھا

اللہ دونوں حضرات کی قبروں کو نور سے منور فرمائے۔ اور ہم اصاغر کو ان حضرات کے جذبات کا حقیقی وارث بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

☆......☆......☆......☆

الاحسان اکیڈمی ''اسلامی عقائد کورس'' کے چند عنوانات

دین کی ضرورت	ہم کون ہیں؟	اسلام کیا ہے؟ اور کفر کیا ہے؟	عقیدہ کسے کہتے ہیں؟
اسلام کے ضروری عقائد کیا ہیں؟	عقائد کی اہمیت وضرورت	عقائد سے ناواقفیت کا نتیجہ	دینی معاملات میں عقل کا درجہ
عقیدے کے بغیر عمل	مدارِ نجات عقائد کیوں؟	اسلامی عقائد اور اُن کے دلائل	عقائد کی اقسام
چند اصطلاحات	عقائد میں اختلاف کا نتیجہ	اہل اسلام کی خدمات	کتب عقائد کا تعارف
اصلاحِ عقائد کا طریقہ	عقائد کی حفاظت کا طریقہ	اہل السنۃ والجماعۃ	سنت وبدعت

الاحسان اکیڈمی ''عشرۂ ذوالحجہ وقربانی کورس'' کے عنوانات

عشرہ ذوالحجہ کے فضائل	ذوالحجہ قرآن کی روشنی میں	ذوالحجہ احادیث کی روشنی میں	عرفہ کے دن کا روزہ
عید کی رات کی فضیلت	عشرہ ذوالحجہ کے احکام ومسائل	قربانی کی تاریخ	قربانی کا فلسفہ
قربانی کے فضائل	قربانی کا حکم	قربانی کا نصاب	قربانی کس پر واجب ہے؟
کیا صدقہ قربانی کا بدل ہے؟	قربانی کے بجائے رفاہی کام؟	کیا قربانی کرنا فضول خرچی ہے؟	قربانی حج کے ساتھ خاص ہے؟
احادیث: دوسری قربانی کا ذکر	قربانی اور جانوروں کی نسل کشی؟	جانور کو ذبح کرنا بے رحمی ہے؟	قربانی کے جانور اور شرائط
قربانی کے جانور کی دو شرائط	جانور کی عمر کی تفصیل	بڑے عیب کا مطلب	کچھ غلط فہمیوں کا ازالہ
جانور سے متعلق ہدایات	بھینس کی قربانی	آسٹریلین گائے کی قربانی	قربانی کے شرکاء کی شرائط
اونٹ کی قربانی میں کتنے حصے؟	دس شرکاء کے جواز کا استدلال	قربانی میں عقیقہ کا حصہ رکھنا	مرحومین کی طرف سے قربانی
میت کی طرف سے قربانی	سربراہ کی قربانی سب کی قربانی؟	قربانی کے دن	چار دن والی دلیل کا جائزہ
قربانی کا وقت	دوسرے ملک میں قربانی	ذبح کا طریقہ: آداب ومسائل	ذبیحہ صحیح ہونے کی شرائط
ذبح کا مکمل طریقہ وآداب	ذبح میں مکروہ چیزیں	کھال کے احکام	گوشت کے احکام
قربانی کے متفرق مسائل	تکبیرات تشریق کے مسائل	**عیدالاضحیٰ:** مسنون اعمال	عید مبارک کہنا، قبرستان جانا

رکنیت کے لیے **طریقہ کار**: نام، ولدیت، تعلیم، علاقہ اور واٹس ایپ نمبر لکھ کر درج ذیل پر واٹس ایپ کریں۔

رابطہ: **0092-312-4612774**......(مزید تعارف کے لیے دیکھیے: [۶۲/۱])

باب نمبر۴

تاثرات وتعزیتی پیغامات

حضرت علامہ صاحب اور دیگر اکابر اہل سنت دیوبند کی زندگیوں سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ: پہلے اپنے آپ پر محنت کرنا لازمی ہے۔ علامہ صاحب نے اپنے آپ پر محنت کی تو علامہ بن گئے۔ انسان پہلے خود پر محنت کرے، اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرے، پھر دوسروں کی فکر کرے۔[۱۲۵/۱]

ہمارے اجل علمائے کرام اس دھرتی کا نمک ہیں، ان کے بغیر زندگی بے کیف ہے۔ علامہ صاحب کی برکات سے صرف اہل ملک ہی نہیں بلکہ ساری اسلامی دنیا اور انسانی دنیا فائدہ اٹھاتی تھی۔ فتنوں کے دبے رہنے اور پرانے فتنوں کی سرکوبی کا ذریعہ تھے۔ آڑے وقت میں اسلام کی وکالت کے لئے سب کی نگاہیں ان ہی کی طرف اٹھتی تھیں۔ وہ اہل حق کے لئے اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے تھے۔[۱۳۱/۱]

علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کو اللہ جل شانہ نے حاضر جوابی اور بذلہ سنجی کی خاص صلاحیت دی تھی۔ وہ مزاح ہی میں سب کچھ سمجھا جاتے، مگر ان کے مزاح میں تضحیک اور استہزاء نہ تھا۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کی صرف مسلکی خدمات تھیں، ایسا ہرگز نہیں، وہ علوم میں ہمہ جہتی شخصیت تھے۔ آثار التنزیل، آثار الحدیث، آثار الاحسان اور عبقات کے مطالعہ سے قاری دیکھ سکتا ہے کہ یونیورسٹی کے طلبہ کے لئے کس طرح ان موضوعات کو آسان فہم لکھا ہے۔[۱۴۵/۱]

(۱)-مفتی ابوالقاسم نعمانی [شیخ الحدیث و مہتمم: دارالعلوم دیوبند]

مکرمی جناب مدیر صاحب مجلّہ صفدر لاہور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بندہ ان دنوں اپنے وطن بنارس میں ہے۔اور واپسی دس بارہ یوم کے بعد ہی ممکن ہے۔آپ کو عجلت ہے، اس لئے چھوٹے لیٹر پیڈ پر جو گھر پر ہے۔دستی تحریر بھیجنے پر اکتفا کرنا پڑا۔ والسلام مفتی ابوالقاسم نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند (بنارس)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ......محترم مدیر صاحب مجلّہ صفدر لاہور! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ معلوم کر کے بہت مسرت ہوئی کہ آپ حضرات حضرت علامہ خالد محمود صاحب علیہ الرحمۃ کی حیات، خدمات، خصوصیات اور باقیات صالحات کے تعارف پر مشتمل مجلّہ ''صفدر'' کا خاص نمبر شائع کررہے ہیں۔ جو تیاری کے آخری مراحل پر ہے۔حضرت علامہ خالد محمود صاحب علیہ الرحمۃ سے بندہ کو شرف ملاقات تو حاصل نہیں ہوسکا۔لیکن ان کی تصانیف خصوصاً ''مطالعہ بریلویت'' سے خوب استفادہ کیا۔اور اہل علم سے ان کی خدمات کے بارے میں سنتا رہا۔

مرحوم دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں سے تھے اور دارالعلوم کے کبار اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دینِ حنیف اور مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کی حفاظت اور دفاع کا خاص ملکہ عطاء فرمایا تھا۔خصوصاً تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ پر ان کے کارنامے دینی وعلمی خدمات کے صفحہ اول پر درج کئے جانے کے قابل ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ان کی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ان کی تصنیفات سے امت کو استفادہ کی توفیق بخشے اور آپ کے مجلّہ کی اشاعت کو حضرت علامہ مرحوم کی خدمات، حیات اور کارناموں کے تعارف کا کامیاب ذریعہ بنائے۔ والسلام مفتی ابوالقاسم نعمانی از۔بنارس ۱۲/ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ

---

(۲)-مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ [(۱)]

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ ہمارے اکابر و معاصر کا بہترین سنگم تھے، علمی رسوخ، وسیع مطالعہ، بے مثال قوتِ حافظہ اور منفرد حاضر جوابی میں اکابر کا نمونہ اور معاصرین کے پیشوا تھے۔دعوت وارشاد کے مختلف شعبوں سے وابستہ تھے۔مذاہب عالم اور فرقِ اسلامیہ کے بارے میں آپ کی تحریرات میں تین چیزیں آپ کے متوسلین اور دیگر محققین کے لیے لائق تقلید ہیں:

۱-تحقیق میں مسئلے کے جملہ جوانب کو پیش نظر رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں، اس سے آپ کی بات میں اشکال یا گرفت کا موقع تقریباً نہیں بچتا۔

۲-تنقید میں اصلاحِ خصم کی کوشش نمایاں ہوتی ہے اور خصم کے ساتھ ادب واحترام، نیز عدل وانصاف سے کام لیتے ہیں، ہر حال میں خصم کو زچ کرنا اور محض پسپائی پر مجبور کرنا یا صرف لاجواب کرنا ہدف نہیں ہوتا، اس لیے آپ کو صرف مناظر ہی نہیں

---

(۱) خلیفہ مجاز: امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ وشہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ......صدر: وفاق المدارس العربیہ پاکستان امیر: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، رئیس: جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی۔(۳۰/جون ۲۰۲۱ء بروز بدھ کو انتقال فرما گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون)

مصلح بھی کہنا چاہیے۔

۳-زبان و بیان میں سنجیدگی، شائستگی، وقار و متانت اور جامعیت وسلاست آپ کا منفرد خاصہ ہے۔

آپ کی تحریرات کا یہی لائق تقلید پہلو ہے، جس کی وجہ سے آپ کی تحریرات ہر مسلکی حلقے اور ہر علمی شعبے میں قابل استفادہ سمجھی جاتی ہیں۔

آپ کے متوسلین ومحبین کی ذمہ داری ہے کہ وہ آپ کے شخصی تعارف کی تگ ودَو پر مستزاد آپ کے علمی کارناموں کو عام سے عام تر کرنے کی کوشش بھی کریں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو توفیق صالح اور جزائے خیر عطا فرمائے جو حضرت علامہ کے شخصی و علمی مقام کو اجاگر کرنے کی کوشش میں مصروف علم ہیں۔ عبدالرزاق سکندر ۸/ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ......۳۰/جولائی ۲۰۲۰ء

(۳)-مولانا منظور احمد نعمانی [مدیر، شیخ التفسیر والحدیث: جامعہ عربیہ احیاء العلوم ظاہر پیر، ضلع رحیم یار خان]

۱۹۸۲ء کی بات ہے مولانا فداء الرحمٰن درخواستی مرحوم نے اپنے ادارہ مدرسہ انوار القرآن، کراچی میں ایک دورہ منعقد کیا تھا، اُس دورے کے ایک مدرس حضرت علامہ خالد محمود مرحوم بھی تھے۔ اُنہوں نے مذاہبِ باطلہ کے خلاف مناظرہ پڑھایا۔ دورے میں کافی طلبہ شریک ہوئے۔ یہ گناہ گار بھی وہاں اُن کے ساتھ تھا اور اِس نے دورۂ نحو پڑھایا۔ اِس عاجز کو یہ شرف حاصل ہے کہ علامہ مرحوم کے ساتھ تدریس کا موقع ملا۔ بڑے مدرس وہ تھے، اُن کا نائب یہ عاجز تھا۔ اُن کا موضوع تھا: مذاہب باطلہ کے خلاف مناظرہ، اور اِس عاجز کا موضوع تھا دورۂ نحو۔ اُس دورۂ نحو میں مولانا محمد اعظم طارق شہیدؒ نے بھی اِس گناہ گار کے ہاں پڑھا تھا۔

اس طرح تقریباً ایک ماہ حضرت علامہ مرحوم کے ساتھ گزارنے کا موقع ملا۔ اِس عاجز پر علامہ مرحوم بے حد مہربان تھے، اس دوران کراچی میں جہاں کہیں سے بھی اُن کو دعوت ملتی، مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔ ان ایام میں اُنھیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اِس عاجز نے اُن کو علمی لحاظ سے ایک جامع شخصیت اور مزاج کے اعتبار سے نہایت ہی مشفق ومہربان پایا۔ اگرچہ وہ ہمارے استاذوں کے برابر تھے، لیکن میرے ساتھ ان کا رویہ بالکل مخلص دوستوں جیسا تھا۔

بعض مقامات پر کچھ لوگوں نے ہماری تصویر کھینچنے کی کوشش کی، علامہ مرحوم خود تو اِس بارے میں تسامح فرماتے تھے، لیکن میں نے اُن سے عرض کیا کہ: میری برداشت سے باہر ہے۔ پھر جہاں بھی جانا ہوتا، وہ پہلے ہی فرمادیتے کہ: میرے یہ دوست تصویر سے ناراض ہوتے ہیں، ان کے احترام میں کوئی بھی تصویر نہ کھینچے۔ شریعت کا حکم بھی یہی ہے۔

بہر حال ایک ماہ جو اُن کے ساتھ گزرا، یادگار ہے۔ کھانا پینا، رہائش، تدریس سب ایک ساتھ رہی۔ بڑی جامع شخصیت تھے۔ ایسے لوگوں کے جانے سے قحط الرجال ہو جاتا ہے، اور ان کا خلا بمشکل ہی پر ہو پاتا ہے، شاعر کہتا ہے

مضت الدھور وما اتین بمثلہ ولقد اتی فعجزن عن نظائرہ

(۴)-مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر

قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے فرزند، تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ کے مرکزی امیر مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر مدظلہم مارچ ۲۰۲۱ء کو جامع مسجد برکت علی اچھرہ لاہور میں تشریف لائے، دوران گفتگو حضرت علامہؒ سے متعلق چند یادوں کا تذکرہ فرمایا۔ جو حذف واضافہ اور تحریر کے قالب میں ڈھالنے کے بعد قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہیں۔[ادارہ]

محقق العصر، مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے بڑے عبقری انسان تھے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ کی ایسی جامعیت، ذہانت وقوتِ حفظ کی ایسی مثال اور نکتہ رسی وبرجستگی کا ایسا نمونہ تاریخ کے اوراق میں خال خال ہی نظر آتا تھا۔ ایسی ذی شان قابلیت اور بلند پایہ علمیت کے باوجود مسلکِ حق اہل السنۃ والجماعۃ سے اُن کی وابستگی اور مسلک کی خاطر ہمہ قسم خدمات میں ڈوبی زندگی اُن کی عظمت کی روشن دلیل اور اُن کے علم وتقویٰ کی واضح برہان ہے۔

حضرت علامہ صاحبؒ نے بہت نوعمری میں ہمارے والد گرامی (قائد اہل سنت وکیل صحابہ واہل بیت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین) رحمہ اللہ کے ہاں آنا شروع کردیا تھا۔ آپ اِس سے اندازہ لگائیں کہ ہمارے ہاں علامہ صاحب کے نام پر ایک نومولود کا نام "خالد" رکھا گیا، وہ نومولود بچپن، لڑکپن جوانی اور ادھیڑ عمر سے گزرتا ایک متوسط عمر گزار کر چند سال قبل دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اُس بچے کی ولادت سے پہلے علامہ صاحب کی ہمارے ہاں آمد ورفت شروع ہوئی اور اُس کی وفات کے بعد تک جاری رہی۔ والد گرامی رحمہ اللہ کی قائم کردہ جماعت "تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ" کے اجتماعات میں بھی اور جماعت کے قیام سے قبل ہمارے علاقے کے چھوٹے بڑے اجتماعات میں حضرت علامہ صاحب کے اِس کثرت سے بیانات ہوئے کہ شمار مشکل ہے۔ اہم اور مرکزی جلسوں میں علامہ صاحب کی شرکت لازمی سمجھی جاتی تھی۔ ہمارے آبائی گاؤں بھیں ضلع چکوال کی مرکزی جامع مسجد کے علاوہ فاروقی مسجد میں بھی بیانات فرمائے۔ چکوال شہر اور مضافات کے دیہات میں اُن کے بے شمار بیانات ہوئے۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسلکی معاملات میں انتہائی حساس اور بے حد محتاط تھے، اپنے حلقہ کے دینی اجتماعات اور جلسوں میں انہی حضرات کو دعوت دیتے جن کے فکر وطرزِ فکر پر آپ کو اطمینان ہوتا تھا۔ موضع بھیں ضلع چکوال کی سالانہ مرکزی دوروزہ "سنی کانفرنس" کے لیے جن مقررین حضرات کو دعوت دی جاتی تھی، اُن کے نام پیش کرکے والد صاحب سے اجازت لینا لازم تھا۔ لیکن واحد شخصیت حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ تھے جن کے لیے منظوری لینے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ اِس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو علامہ صاحبؒ پر کتنا بھروسہ اور اعتماد تھا۔

حضرت علامہ رحمہ اللہ کے، ہمارے والد صاحب مرحوم سے متعلق جذبات بھی انتہائی عقیدت مندانہ، نیاز مندانہ اور تشکرانہ تھے۔ علامہ صاحب انھیں اپنے زمانے کی قیمتی، باہمت اور مسلکی معاملات میں انتہائی معتبر شخصیات میں شمار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ: بھکر میں ایک جلسہ کے موقع پر دوران بیان مجھ سے ایک کمزور بات بیان ہوگئی تو حضرت قاضی صاحبؒ نے چپکے سے کان میں بتادیا۔ میں نے کہا: اللہ کا شکر ہے کہ ہماری اصلاح کرنے والے موجود ہیں۔

ایک مرتبہ ایک نکتہ بیان فرمایا کہ: کوئی رسول دنیا سے ناکام نہیں گیا۔ استدلال میں چار آیات کریمہ تلاوت فرمائیں، جن میں یہ آیات بھی شامل ہیں: **انالننصر رسلنا. وان جندنا لهم الغالبون، كتب الله لاغلبن انا ورسلی.**

ہمارے والد گرامی رحمہ اللہ کے زمانہ میں اہل سنت کے مقررین و مبلغین کی کثرت تھی، ملک بھر میں بڑی تعداد میں نظریاتی مقرر موجود تھے، مگر اَب آخر میں صرف علامہ صاحب ہی رہ گئے تھے، سو وہ بھی رخصت ہو گئے۔ ع ''اِک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے!'' اللہ پاک انھیں جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں۔ آمین

ہمارے جدامجد رئیس المناظرین حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت علامہ صاحب کو بہت لگاؤ تھا۔ اُن کی مشہورِ زمانہ کتاب ''آفتاب ہدایت'' پر شیعہ مجتہد محمد حسین ڈھکو نے اعتراضات اُٹھائے تو دو ضخیم جلدوں میں ''تجلیات آفتاب'' کے ساتھ اُن تمام اعتراضات کے شافی جواب دے کر ''آفتاب ہدایت'' پر اُڑائے گئے چھینٹوں کو صاف کر دیا۔ (تفصیل مولانا زاہد حسین رشیدی کے مضمون [۱/۹۹] میں دیکھی جاسکتی ہے۔) ابھی ایک سفر درپیش ہے، اس سے واپسی پر میں ان شاء اللہ حضرت علامہ صاحب کے حوالے سے مضمون تحریر کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحب کے درجات بلند فرمائیں۔ اور جملہ اہل سنت کو اُن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مذہب حق اہل سنت کی اشاعت وحفاظت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

---

(۵)-مولانا مفتی زرولی خان رحمہ اللہ [بانی: جامعہ عربیہ احسن العلوم کراچی]

''ہمارے بزرگ اور مخدوم جو اس وقت اللہ تعالیٰ کی زمین پر علم راسخ کا ایک بحر بیکراں ہیں (یعنی) حضرت العلامہ خالد محمود سلمہ المعبود نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ مبتدعین کے ساتھ مولانا مرحوم (مولانا محمد امین صفدر) کا غالبًا ڈیرہ اسماعیل خان میں مناظرہ تھا، مناظر مولانا اوکاڑوی تھے اور حضرت العلامہ بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت مولانا محمد امین صاحب نے تقریر مناظرہ میں ''بدعت خبیثہ'' کا لفظ استعمال فرمایا تو مخالفین نے بہت شور کیا کہ بدعت حسنہ یا سیئہ تو ہے لیکن ''خبیثہ'' کا لفظ آپ کی جعل سازی ہے۔ حضرت علامہ نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے یہ سمجھا کہ حضرت مولانا محمد امین صاحب سے سبقت لسانی ہوگئی، مگر بدعتیوں کے شدید مطالبے کے نتیجہ میں جب حضرت مولانا مرحوم امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کی جلد پکڑ کر ہر دوسرے، تیسرے صفحے پر حضرت مجددؒ کے الفاظ میں ''بدعت خبیثہ'' دکھانے لگے تو ایک کرامت کی فضا اور اہل حق کی نصرت من اللہ کا سماں بندھ گیا۔ حضرت علامہ خالد محمود جیسے بحر بیکراں کا حضرت مولانا کی اس فی البدیہہ قوتِ برہان اور حاضر حوالوں سے متاثر ہونا اہل علم کے ہاں ایک سند کی حیثیت رکھتا ہے۔'' (ماہنامہ ''حق چار یار لاہور'' اوکاڑوی نمبر صفحہ ۲۸۰، ۷/اپریل ۲۰۰۱ء) [دیکھیے: ۱/۲۴۳]

''اللہ اللہ! وہ دنیا کا عظیم بحر العلوم، اہل حق کا دریائے بے کنار، علامہ خالد محمود انگلینڈ والے۔ آج کل ہسپتال میں زیر علاج ہیں، حضرت کی عمر سو (۱۰۰) سال کے قریب ہے۔ میری مولانا کے ساتھ بڑی رفاقتیں رہی ہیں، عرب وعجم میں ہم اکٹھے رہے ہیں۔ یہاں تشریف آوری کی شفقت بھی ہمیشہ فرماتے رہے ہیں۔ ان کی معلومات، خیالات اور ان کے مطالعہ کی وسعت ضرب المثل تھی۔ وہ ''علامہ'' خالد محمود کہلاتے تھے۔ میں کہتا ہوں (اِس زمانہ میں) علامہ کا لفظ اُن کے علاوہ کسی اور پر صحیح منطبق نہیں

ہوگا۔لیکن افسوس یہ دنیا ہے اور دنیا سے ہر کسی نے بالآخر جانا ہے۔ ہمیشہ رہنے والی بس ایک اللہ کی ذات ہے۔''

''روئے زمین کے بہت بڑے عالم، البحر الذخار، اہل حق کے مینارِ رُشد وہدایت علامہ خالد محمود صاحب انگلینڈ والے انتقال کر گئے۔سوسال یا اِس سے کچھ زیادہ ہی عمر ہوگی۔ڈابھیل کے فاضل تھے، مولانا شبیر احمد صاحب، مولانا شمس الحق اور مولانا بنوری کے شاگرد۔اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے۔اللہ تعالیٰ اُن کے صدمے پر پورے عالم میں جتنے لوگ غمگین ہیں، اللہ اُن سب کو صبر جمیل اور اَجر جزیل دے، اور حضرت کو مقاماتِ تقدس، جنت عدن اور جنت الفردوس نصیب فرمائے۔کیسی عجیب بات ہے کہ جب ہم ''**وجعلنا للمتقین اماما**'' پر پہنچے تو علامہ خالد محمود کی وفات کی خبر آ گئی۔

یا اللہ حضرت علامہ خالد محمود کی بخشش فرما۔ بڑے عالم، بڑے فقیہ، بڑے محدث، بڑے مفسر، تمام علوم وفنون کے کماحقہ خبر دان عالم تھے، اور اہل حق کے ستون تھے، تمام موضوعات میں کامیاب مناظر تھے، پورا زمانہ اُن کی صلاحیتوں کا شاہدِ عدل ہے۔ خدایا اُن کی بخشش فرما۔اُن کے آل اولاد، اُن کے اعزہ، اقرباء اُن کے وفات حسرت آیات پر دُکھ، درد، غم اُٹھانے والے سب کو صبر واجر دے۔آمین'' (دورۂ تفسیر کے دو مختلف اسباق میں گفتگو) [مزید دیکھیے: ۱/۱۵۹]

---

(۶)-مولانا محبّ اللہ [خلیفہ مجاز: حضرت خواجہ خان محمد رحمہ اللہ]

عزیزی حمزہ احسانی سلمہ ربہ، اللہ تعالیٰ تمہیں دارین کی سعادتیں نصیب فرمائیں اور اپنی رضا والے اعمال کے لیے قبول فرمائیں۔تمہارا مکتوب موصول ہوا، فون کے ذریعہ بھی تم نے حضرت علامہ خالد رحمہ اللہ کے حوالے سے کچھ لکھنے کے لیے کہا تھا، لیکن مجھے تو صرف ایک مرتبہ لاہور کے ایک دینی اجتماع میں ان کی زیارت نصیب ہوئی۔ اِس لیے اُن کے حوالے سے کچھ لکھنے کے سلسلے میں معذرت قبول کرو! اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے، علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم فیوض کو پورے پاکستان اور پوری دنیا میں عام فرمائے اور ہم سب کو ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

البتہ ایک بات کہتا ہوں، حضرت علامہ صاحب اور دیگر اکابر اہل سنت دیو بند کی زندگیوں سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ: پہلے اپنے آپ پر محنت کرنا لازمی ہے۔علامہ صاحب نے اپنے آپ پر محنت کی تو علامہ بن گئے۔انسان پہلے خود پر محنت کرے، اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرے، پھر دوسروں کی فکر کرے۔

حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ اور تمام اکابر اہل سنت کی زندگیوں میں یہ پہلو بہت نمایاں ہے کہ انھوں نے اپنے آپ پر محنت کی، تعلق مع اللہ کو مضبوط کیا، باطنی نسبت حاصل کی، اور اس معاملے کبھی کوتاہی کا شکار نہیں ہوئے۔ان اکابر کے حالات سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم بھی اپنے آپ پر محنت کریں، تعلق مع اللہ کو مضبوط کریں اور خود کو بنانے کی فکر کریں۔یہ بے حد ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق ارزانی فرمائیں۔آمین

---

(۷)-مولانا مفتی محمد حسن، لاہور [خلیفہ مجاز: حضرت امام اہل سنتؒ، حضرت صوفی سرورؒ، حضرت نفیس الحسینیؒ]

اللہ رب ذوالجلال کا بہت بڑا اِحسان اور فضل وکرم ہے کہ انہوں نے اپنے دین مبین کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے، جیسے کہ

ارشاد ربانی ہے: **انا نحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظون** اور عالم اسباب میں دین مبین کی حفاظت کا یوں انتظام فرمایا کہ اہل حق کی ایک جماعت کو دین متین کی پاسداری کے لیے چن لیا۔

اہلِ حق کی اس نورانی جماعت کی ہستیوں میں سے ایک مبارک ہستی حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی تھی، جنھیں اللہ تعالیٰ نے دین حق کے مختلف شعبوں میں تالیف تصنیف اور بالخصوص فرق باطلہ کے خلاف مناظرہ کے میدان میں عظیم خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔

بندہ کے شفیق اور مہربان اساتذہ میں سے تھے، ایک مرتبہ بندہ حضرت کی خدمت میں بیٹھا تھا، فرمانے لگے کہ میں نے بہت سے مناظرے کیے، کسی مناظرے میں فاتح ہونے کی نیت نہیں کی، بس یہ دعا کرتا تھا: ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین.

ایک مرتبہ ملتان تنظیم اہل سنت کے دفتر کی مسجد میں باہر صحن میں ایک پرانی صف پر نماز پڑھ رہے تھے، نماز کے دوران حضرت کی ہتھیلی میں ایک تنکا چبھ گیا، میں پاس کھڑا تھا، جب سلام پھیرا تو فرمانے لگے: ہتھیلی میں تنکا چبھنے سے ایک مثال سمجھ آ گئی کہ ہتھیلی میں یہ معمولی سا تنکا چبھا، اس نے پورے جسم کو پریشان کر دیا، یہی مثال بدعت کی ہے کہ بدعت معمولی سی ہی کیوں نہ ہو، پورے دین پر اثر انداز ہوتی ہے اور نقصان کا باعث بنتی ہے۔ (دیکھیے: ۲/۱۱۷[ادارہ])

ایک دفعہ مناظرے کے سبق میں فرمانے لگے: کہ اللہ پاک نے اپنی ذات کو چھپا رکھا ہے، یہاں ہماری آنکھوں میں دیکھنے کی ہمت نہیں، آخرت میں اللہ پاک اپنا دیدار نصیب فرمائیں گے۔ لیکن کائنات میں سب سے محبوب ترین ہستی اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کو ظاہر فرما دیا اور فرما دیا کہ ہمیں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک ادا پسند ہے، ہمیں ان کی گفتار پسند ہے، ان کا دیکھنا پسند ہے، ان کا سننا پسند ہے، ان کی نشست و برخاست پسند ہے ان کی خوشی غمی پسند ہے، اگر تم ہمارے محبوب اور پیارے بندوں میں شامل ہونا چاہتے ہو تو ہمارے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری اور نورانی اداؤں کو اپنا لو! تم بھی ہمارے پیارے بندوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ جیسے ارشاد ربانی ہے: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم.

حضرت کی عجیب تواضع:

ایک مرتبہ برطانیہ کے سفر میں بندہ حضرت کی زیارت کے لیے مانچسٹر حاضر ہوا، ظہر کی نماز حضرت کی مسجد میں پڑھی، نماز کے بعد حضرت نے خود کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ پاکستان سے ہمارے ایک طالب علم آئے ہوئے ہیں، اُن کی تھوڑی سی بات سن لیں، اُس دن فجر کی نماز کے بعد گلاسکو میں بندہ کا بیان تھا، ظہر میں ہم مانچسٹر پہنچے، پھر شام کو مغرب یا عشاء کے بعد لندن کی ایک مسجد میں بیان تھا۔ مانچسٹر میں بیان کے بعد کھانے سے فراغت پر بندہ سے پوچھنے لگے: اب کیا ارادہ ہے؟ عرض کیا: حضرت فلائٹ کے ذریعے لندن روانگی ہے۔ (تو اِس پر اَز راہِ خوش طبعی) فرمانے لگے: تم جیٹ طیارہ بنے ہوئے ہو!

اللہ تعالیٰ جزائے خیر نصیب فرمائے ہمارے نیک، مخلص عزیز مولانا حمزہ احسانی صاحب زید مجدہم کو جنہوں نے بڑی

محبت اور محنت سے مجلّہ ''صفدر'' میں حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی زندگی کے حالات اور سوانح پر اشاعتِ خاص کا اہتمام کیا ہے۔اللہ تعالیٰ اس نیک کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اپنی رضا اور خوشنودی کے حصول کا ذریعہ بنائے۔آمین

محتاج دعا محمد حسن عفی عنہ۔ذوالحجۃ الحرام ۱۴۴۱ھ۔۲۷رجولائی ۲۰۲۰ء۔الاثنین

---

(۸)-مولانا مفتی عبدالرحمٰن ظفر، فیصل آباد

اس جہانِ آب وگل میں قدرت الٰہی کے بے شمار کرشمے ہیں۔حضرت انسان سب سے بڑا کرشمہ اور ایک عظیم الشان تخلیق ہے، مگر اس افضل الخلوقات کے ساتھ بھی موت وحیات کا رشتہ جڑا ہے۔تاہم حضرتِ انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ بعد از مرگ اس کے کارہائے نمایاں اس کو زندہ وتابندہ رکھتے ہیں۔انہی نامور شخصیات میں سے ایک عبقری شخصیت علامہؒ تھے۔

ہم نے اپنے زمانہ طالب علمی (غالباً ۱۹۶۳ء، ضلع ملتان) میں انہیں سنا، حضرت علامہ صاحب عالمِ شباب میں تھے اور علمی وتحقیقی جولانیاں بھی عروج پر تھیں۔اکابر علماء کو ان کے علمی نکات اور سلاست بیان پر سر دھنتے دیکھا، پھر زندگی بھر علامہ صاحب رحمہ اللہ سے محبت وعقیدت کا تعلق رہا۔یوں تو آج کے دور میں ہر شخص چند سطور پڑھ کر علامہ کہلانے کا مستحق سمجھا جاتا ہے مگر لفظ ''علامہ'' آپ کے نام کا لازمی حصہ تھا اور آپ کے علمی مقام کی بنیاد پر بغیر تامل کے کہا جاسکتا ہے کہ یہ لقب آپ پر صادق آتا ہے۔

حضرۃ علامہ صاحب رحمہ اللہ کی ذات بے شمار خصوصیات کی حامل تھی۔آپ کی سب سے نمایاں خوبی یہ تھی کہ آپ دین کے مختلف محاذوں پر اعتدال کے ساتھ قائم رہے اور ہر محاذ کی صفِ اول کی قیادت میں نظر آئے۔علمی وتحقیقی کام میں ''عبقات'' سے لے کر ''مطالعہ بریلویت'' تک بیسیوں کتب آپ کے پختہ علم اور وسیع مطالعہ کا شاہکار ہیں۔بالخصوص آثار التنزیل، آثار الحدیث، آثار التشریع اور آثار الاحسان آپ رسوخ فی العلم کے منہ بولتے آثار ہیں۔

آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ قدیم وجدید فکر وفلسفہ کے شناور تھے اور آپ کی فکر سے مشرق ومغرب کے مسلمان مستفید ہوئے۔باطل افکار کے رد میں قرآن وسنت سے نقلی دلائل کے ساتھ ساتھ آپ عقلی دلائل کے بھی انبار لگا دیتے۔ اپنی بات سامعین کو سمجھانے کے ڈھنگ اور سلیقہ سے خوب واقف تھے۔بلند وبالا علمی شخصیت اور وسیع مطالعہ کے حامل تھے۔میں نے اپنی زندگی میں حضرۃ علامہ صاحب رحمہ اللہ سے بڑھ کر کثیر المطالعہ اور مستحضر علم والا شخص نہیں دیکھا۔بے مثال حافظہ، نکتہ رس ذہن اور نہایت بذلہ سنج شخص تھے۔کامیاب مناظر بلکہ رئیس المناظرین تھے۔حق گو عالم دین تھے۔علوم ومعارف کا ایک بحرِ بے کنار ہم سے رخصت ہوا مگر ''**آثارة من علم**'' کا ایک انبار آنے والی نسلوں کے لئے چھوڑ گیا۔

اللہ جل جلالہ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کے دینی وعلمی خدمات کو قبول فرمائے اور اُمت مسلمہ کو ان کے علمی ورثے سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین

---

(۹)-قائد جمعیۃ مولانا فضل الرحمٰن [امیر: جمعیۃ علماء اسلام پاکستان]

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کے انتقال پُر ملال پر ہم سب اور اہل حق علماء کا ایک وسیع حلقہ اور امت کا ایک

بہت بڑا حلقہ انتہائی صدمہ اور افسوس سے دوچار رہوا ہے، اور اہم انہی لوگوں میں سے ہیں کہ جن کے لیے ان کی وفات کی خبر ایک صاعقہ بن کر گری ہے۔ اللہ رب العزت حضرت مولانا کے درجات کو بلند فرمائے، ساری زندگی انہوں نے اللہ کے دین کی خدمت کی ہے، دین کا پیغام انھوں نے ہر مقام پر لوگوں تک پہنچایا ہے، اللہ اُن کے اعمال صالحہ کو آخرت میں ثقل موازین اور عیشہ راضیہ کا سبب اور ذریعہ بنائے، اور تمام پس ماندگان کو رب العزت صبر جمیل سے سرفراز فرمائے۔ (آمین)

وہ برطانیہ میں جمعیۃ علماء کے بانیوں میں شمار ہوتے تھے، اور حضرت مفتی (محمود) صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ اُن کا انتہائی ایک قریبی تعلق تھا، اِس نسبت سے بھی میرے لیے ذاتی طور پر وہ انتہائی قابل احترام تھے، اب وہ ہم میں نہیں رہے، ہماری دعائیں اُن کے لیے ہیں، اُن کے خاندان کے لیے ہیں اور اُن کے حلقہ احباب، متعلقین ومعتقدین کے لیے ہیں، اللہ رب العزت ان سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

اور جو کام انھوں نے دنیا میں شروع کیے تھے: علمی کام، دینی کام، سیاسی کام، اللہ اُن کے سلسلے کو جاری وساری فرمائے، اور اس میں مزید برکتیں اللہ تعالیٰ عطا فرمائے۔ ایک بار پھر ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہوں اور اُن کے تمام پس ماندگان کے صبر جمیل کے لیے اللہ سے دعا کرتا ہوں۔

---

(۱۰)-مولانا محمد مسعود ازہر، بہاول پور

اللہ تعالی کی ایک نشانی.. اللہ تعالی کے بندے حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب.. انتقال فرما گئے .. انا للہ وانا الیہ راجعون.. **اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ** .. علم میں اپنی مثال آپ.. حاضر جوابی میں اسلاف کی یادگار.. قوت حافظہ میں حیرت کا ایک باب.. وسعت مطالعہ میں.. ابن قیم رحمہ اللہ کے ہم پلہ.. مناظرہ میں نا قابل شکست.. تحریر وتقریر میں سیل رواں.. حقیقت میں قابل رشک علمی صلاحیتوں کے حامل.. حضرت علامہ.. واقعی عالم تھے.. علامہ کا لفظ ان پر جچتا تھا..

میری سعادت کہ وہ میرے استاذ محترم تھے.. ایسے استاذ پر اللہ تعالی کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے.. لاہور کے ایک اجتماع میں انہوں نے ''مسئلہ جہاد'' اسطرح بیان فرمایا کہ علم کے دروازے کھلتے چلے گئے.. فرمایا.. کلمہ پڑھ کر ایمان میں داخل ہوئے تو اب پانچ فرائض لازم ہو گئے.. نماز، زکوۃ، صوم رمضان، حج.. اور جہاد فی سبیل اللہ.. قادیانیت کو انہوں نے ایسے زخم پہنچائے کہ.. امید ہے بہت پیار بھری ''شفاعت'' حضرت آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے پائیں گے.. جنوبی افریقہ کی عدالت میں.. قادیانیت کے ''غیر اسلامی'' مذہب ہونے پر انگریزی میں ایسی مدلل تقریر فرمائی کہ.. غیر مسلم جج حیرت سے تکتے رہ گئے اور فوراً فیصلہ مسلمانوں کے حق میں دے دیا..

حضرت علامہ کی تصانیف میری نشست گاہ میں ہمیشہ ساتھ رکھی رہتی ہیں.. بے شک یہ کتابیں علم کے موتی.. اور مسلمانوں پر حضرت علامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہیں.. اللہ تعالی ان کو مغفرت کا اعلیٰ مقام اور اہل اسلام کی طرف سے بہت جزائے خیر عطا فرمائیں.. لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

---

(۱۳)-مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ [سابق سر پرست اعلیٰ سپاہ صحابہؓ پاکستان] (۱۸/جنوری ۱۹۹۷ء)

حضرت علامہ خالد محمود کی شخصیت سے کون واقف نہیں، عالم اسلام کا یہ عبقری صفت مفکر، علم و فضل میں ایسے مقام پر فائز ہے جس کی بلندی ہمالہ کو چھو رہی ہے۔اس کے نقادین کی مثال ایسے تنکوں کی ہے جو اس کے دریائے علم کی موجوں میں تیر رہے ہیں۔ اعلیٰ ذکاوت، بے مثال فطانت، حاضر جوابی اور عصری علوم میں اس وقت ان کا کوئی ثانی نہیں۔ان کی صرف ایک تالیف آثار الحدیث بڑے بڑے علمی ذخیروں پر بھاری ہے، مناظرانہ انفرادیت، محدثانہ یکتائیگی، نے ان کو اپنے تمام ہم عصروں میں ممتاز کر دیا ہے۔ برطانیہ، امریکہ، آسٹریلیا، ناروے، فجی آئی لینڈ، افریقہ، جرمنی، فرانس، نیوزی لینڈ زمبابوے میں عیسائیوں قادیانیوں اور پرویزیوں سے عربی، انگریزی اور اردو کے مناظروں میں ان کے ذریعے اللہ تعالی نے اہل حق کو کامیابی کے اوج ثریا پر فائز کیا ہے۔[پھر وہی قید وقفس:۱۸۴]

---

(۱۴)-مولانا محمد احمد لدھیانوی [سربراہ: اہل السنۃ والجماعۃ پاکستان]

علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ کو فرق باطلہ کے خلاف علمی کام کرنے کا ممتاز ملکہ اللہ تعالی نے عطا فرمایا تھا، موصوف نے ساری زندگی فرق باطلہ اور مبتدعین کے خلاف اپنی قلمی تلوار کو بے نیام رکھا، قادیانیت سبائیت اور مبتدعین کے خلاف ہمیشہ اپنے قلم کو حرکت میں رکھا موصوف کے قلمی اثاثہ پر نظر ڈالی جائے تو بے اختیار زبان سے نکلتا ہے کہ زندگی میں برکت دیکھنی ہو تو علامہ مرحوم کی زندگی کو دیکھا جائے مصروفیات کے باوجود کتنا بڑا قلمی ذخیرہ چھوڑ کر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

موصوف قلمی اور دیگر علمی مصروفیات کے باوجود فرق باطلہ کے خلاف برسرپیکار جماعتوں کی خصوصی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کرتے تھے مختلف عنوانات پر کام کرنے والی جماعتوں اور تنظیموں کے ذمہ دار سمجھتے تھے کہ موصوف کا ہمارے ساتھ سب سے زیادہ تعلق ہے، حالانکہ حضرت رحمہ اللہ کا اہل حق کی تمام جماعتوں سے والہانہ اور مخلصانہ تعلق رہا۔

ہماری قیادت کے ساتھ اور ہماری جماعت اہل السنۃ والجماعۃ سے موصوف کا جو مخلصانہ اور ہمدردانہ تعلق تھا، اس کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں، ساری زندگی ہم مصائب و آلام کا شکار رہے، مکار دشمن کے ساتھ ریاستی جبر اور اپنوں کی سردمہری بھی جھیلتے رہے، جب بھی میں زخموں سے چور چور ہو کر دلبرداشتہ ہو جاتا تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی مظلومانہ بے بسی اور بے کسی کا دکھڑا سناتا تو موصوف مجھے ایسا حوصلہ اور تسلی دیتی کہ میں پھر شیر بن جاتا میرے ٹوٹے ہوئے حوصلے آسمانوں کو چھونے لگتے۔

علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: یہ میری اپنی جماعت ہے، اس کے مشن اور کاز کے لئے اپنے گذرے ہوئے وقت کو میں ذخیرہ آخرت اور باعث نجات سمجھتا ہوں۔ کچھ عرصہ قبل مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہید اور مولانا شمس الرحمٰن معاویہ شہید کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے لاہور میں جماعت نے ایک خوبصورت پروگرام ترتیب دیا تھا، اسی دوران حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ پاکستان تشریف لائے تو میں اپنے جماعتی دوستوں کے ہمراہ موصوف کو دعوت دینے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو موصوف نے کہا کہ مجھے دعوت دینے کے لئے آپ لوگوں نے کیوں زحمت کی؟ میں نے کسی جگہ شہدا ناموس

صحابہ کے عنوان سے اس پروگرام کا اشتہار پڑھا تو میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ میں اس پروگرام میں ان شاء اللہ ضرور شرکت کروں گا، بعدازاں موصوف ہماری دعوت پر مذکورہ پروگرام میں تشریف لائے اور پروگرام کو چار چاند لگا دیئے، جب ان کو گفتگو کرنے کے لئے دعوت خطاب دی گئی تو میں نے ایک ساتھی کو کہا کہ مائیک مولانا کے قریب کردیں، اس پیرانہ سالی میں مولانا کھڑے ہوکر کیسے خطاب فرمائیں گے؟ تو مولانا نے میرے یہ جملے سن لئے اور کہا: شہدا ناموس صحابہ کو خراج تحسین پیش کرنا ہو اور میں کھڑا بھی نہ ہوں، یہ نہیں ہوسکتا، اسکے بعد موصوف نے کھڑے ہوکر شہدا ناموس صحابہ کو خوبصورت انداز میں خراج عقیدت پیش کیا۔

میرے لیے بہت ہی خوش قسمتی ہے کہ میری جب بھی آپ سے ملاقات ہوتی تو آپ علماء لدھیانہ کا ذکر خیر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالی نے علماء لدھیانہ پر بہت ہی خاص کرم فرمایا ہوا ہے، دین کے ہر شعبہ میں علماء لدھیانہ کا کردار قائدانہ رہا ہے۔آپ نے ہمیشہ اپنی دعاؤں میں ہمیں یاد رکھا ہے اور رگا ہے بہ گاہے آپ میرے لیے اپنی مجالس میں ذکر خیر فرمایا کرتے تھے۔آپ کی ایک اہم خاصیت یہ بھی تھی کہ آپ ہمیشہ شر سے خیر اور بھلائی کا راستہ نکالا کرتے تھے۔مولانا اعظم طارق شہید نے قومی اسمبلی میں تحفظ ناموس صحابہ بل پیش کیا تھا جو آپ ہی کی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نے ''فتوی امام اہل سنت'' و دیگر کئی کتب لکھیں وہ آپ ہی کی سرپرستی اور مشاورت سے طے پائی تھیں۔

آج میں جب دکھی ہوتا ہوں جب پریشانیوں کا شکار ہوتا ہوں تو مجھے حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ بہت یاد آتے ہیں، ان کی تسلیاں مجھے ستاتی ہیں، مجھے اپنی روحانی یتیمی کا احساس شدت سے ہوتا ہے۔اللہ تعالی اس آفتاب رشد وہدایت کی بال بال مغفرت فرمائے اور اپنی شایان شان انکے درجات کو بلند فرمائے لواحقین اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین یارب العالمین

---

(۱۳)-مولانا قاری محمد حنیف جالندھری[مہتمم وشیخ الحدیث: جامعہ خیر المدارس ملتان، ناظم اعلیٰ: وفاق المدارس العربیہ پاکستان]

آج پہلی مرتبہ سٹی جامع مسجد مانچسٹر برطانیہ میں چوتھے تعلیمی سال کے آغاز کے موقع پر صحیحین بخاری شریف اور مسلم شریف کے درس کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کے ساتھ نیاز مندی، محبت اور عقیدت کا تعلق ہمیں وراثت میں ملا۔حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہمارے جد امجد استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اور میرے والد مرحوم حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اور جامعہ خیر المدارس ملتان کے اکابر خیر کے ساتھ بہت قریبی تھا اور بہت قدیمی تھا۔حضرت علامہ صاحب کی سرپرستی میں سٹی جامع مسجد میں جاری ہونے والا یہ سلسلہ اُن کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔[اقتباس از بیان]

---

(۱۴)-مولانا مفتی ارشاد الحق[مدیر وشیخ الحدیث: جامعہ خیر العلوم، خیر پور ٹامیوالی]

جن دنوں حضرت مولانا حق نواز جھنگوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک چل رہی تھی، اس دوران ایک مرتبہ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے ہاں تشریف لائے، ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، تو فرمایا: مولانا حق نواز صاحب شیعیت کے خلاف کام کررہے ہیں، میرے نزدیک اصل شیعیت یہ ہے کہ اکابر سے اعتماد اٹھ جائے۔شیعوں کا اصل مذہب بھی یہی ہے کہ اکابرو

اسلاف سے اعتماد اٹھا دیا جائے۔ مولانا کے مشن اور مقصد سے ہمیں اختلاف نہیں ہے، لیکن ان کے طرزِ عمل سے ہمیں اختلاف ہے، ہمارے اکابر کا یہ طریق نہیں رہا۔ (دیکھیے: ۶۹/۲......۲۱۹/۲......۲/۲۴۷)

(۱۵)-مولانا قاری محمد سلیمان [مہتمم مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن ٹیکسلا راولپنڈی]

ہمارے اجل علمائے کرام اس دھرتی کا نمک ہیں، ان کے بغیر زندگی بے کیف ہے۔ ہمارے اکابر ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے ہیں، جو اٹھتے ہیں ان کا بدل نہ ہونے کی وجہ سے ایک جہاں خالی ہو جاتا ہے۔ علامہ صاحب کی برکات سے صرف اہل ملک ہی نہیں بلکہ ساری اسلامی دنیا اور انسانی دنیا فائدہ اٹھاتی تھی۔ فتنوں کے دبے رہنے اور پرانے فتنوں کی سرکوبی کا ذریعہ تھے۔ آڑے وقت میں اسلام کی وکالت کے لئے سب کی نگاہیں ان ہی کی طرف اٹھتی تھیں۔ وہ اہل حق کے لئے اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے تھے۔ یہ آخری امت ہے اسے قیامت تک چلنا ہے لیکن امت کے سرخیلوں کے اٹھنے سے امت تزلزل کا شکار ہو جاتی ہے۔ ان کی جگہ لینے کے لیے قابل افراد کے سامنے آنے تک وقت لگ جاتا ہے۔

بندہ نے سب سے پہلے انہیں حسن ابدال میں سنا تھا۔ حضرت نے ''**بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه فاذا هو زاهق**'' پڑھ کر فرمایا کہ ہم حق کو اٹھا کر باطل کے سر پر مارتے ہیں اور باطل کا بھیجا نکال کے رکھ دیتے ہیں۔ باطل ان کے نام سے لرزتا تھا۔ وہ دلیل کے بادشاہ تھے، بڑی مدلل گفتگو فرماتے تھے۔ مولانا محمد الیاس حضرویؒ ان کے دوستوں میں سے تھے۔ آپ نے فتنوں کے استیصال پر وافر تحریری مواد چھوڑا۔ وہ ہمہ گیر شخصیت تھے۔ وہ باطل کا مقابلہ کرنے کے لیے رجال کار کی تربیت بھی فرماتے تھے۔ دوبارہ ایک چلہ کے دوران بہاولنگر عید گاہ والی مسجد میں مولانا عبدالجلیل صاحب کے ہاں حضرت کی زیارت ہوئی۔ ماشاءاللہ کبار علماء دیوبند سے فیض حاصل کرنے والوں میں آپ باقیات میں سے تھے۔ خاصی عمر پائی۔ رمضان المبارک کی مبارک گھڑیوں میں اللہ کے مہمان بنے، برزخ کا سارا زمانہ خدمتِ دین میں تھکے تھکائے مسافر کے لیے رحمتوں کا ذریعہ بنے گا۔ اللہ کریم علامہ صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

(۱۶)-مولانا عبدالحلیم قاسمی، اسلام آباد

حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ سے میرا تعلق رہا ہے، بلکہ مجھے یاد ہے کہ جمعیۃ علماء اسلام کے صوبائی انتخابات کے دوران سیالکوٹ میں اجلاس تھا تو میں نے کہا کہ میں صوبہ پنجاب کے امیر کی حیثیت سے آپ کا نام پیش کروں گا اور دوسری طرف سے مولانا میاں محمد اجمل قادری صاحب تھے، میری دونوں سے سلام دعا تھی، تو میں نے علامہ صاحب کا نام پیش کر دیا۔ حضرت لاہوریؒ سے نسبت کی وجہ سے میاں اجمل قادری صاحب جیت گئے، کیونکہ اُن کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ بعد میں مجھے میاں اجمل صاحب نے کہا کہ: آپ کو خالد محمود میں کیا نظر آیا تھا جو آپ نے اُن کا نام پیش کر دیا؟ میں نے کہا: یہ بڑے متبحر عالم دین ہیں، بڑی گہری نظر رکھتے ہیں، سلجھی ہوئی گفتگو کرتے ہیں، یہ علم کا ایسا سمندر ہیں جس کا کنارہ نہیں، اِس وجہ سے میں نے ان کا نام پیش کیا تھا۔ بہر حال علامہ خالد محمود صاحب سے تعلقات رہے، وہ بھی مجھ سے مانوس تھے، جب میں جہلم میں خطیب تھا، تب بھی اُن کے

ہاں آنا اور میل ملاقات رہتی تھی۔

ایک مرتبہ میرے پاس تشریف لائے تو مجھے کہنے لگے کہ: میں نے کھانا کھانا ہے، میں نے کہا: کیا ترکاری لاؤں؟ فرمایا: دو تین انڈے لے آؤ، وہ بنالو، اور پیاز کو اچھی طرح جلالینا، زندہ نہیں چھوڑنا، اور ساتھ دو تین روٹیاں لے آؤ۔ بس یہ کھانا تھا۔ اِس طرح اُن سے موقع بموقع ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ پھر جب وہ شرعی عدالت کے جج تھے تو یہاں اسلام آباد میں بھی ملنا جلنا رہا۔

زاہدالراشدی صاحب کہتے ہیں: دو آدمی ضائع ہوگئے، ایک علامہ شمس الحق افغانیؒ، وہ اتنے بڑے آدمی تھے کہ کسی ادارے میں جم کر پڑھانے بیٹھتے تو وقت کے انورشاہ ہوتے۔ اسی طرح علامہ خالد محمود، یہ بھی کسی ادارے میں جم کر نہیں بیٹھے، ملازمت کے سلسلہ میں دربدر رہے، اس طرح وقت گزار دیا۔ ورنہ یہ بھی اپنے وقت کے انورشاہ سے کم نہیں۔

مجھے یاد ہے کہ جامعہ خیرالمدارس ملتان کے سالانہ تین روزہ جلسہ میں علامہ صاحب کا خصوصی بیان ہوتا تھا، ایک مرتبہ اس جلسہ کی ایک نشست کی صدارت ڈی سی ملتان کی تھی، اس نے اپنی گفتگو میں علماء پر کچھ تنقید کی، مولانا خیر محمد جالندھریؒ بہت زیرک انسان تھے، انہوں نے ڈی سی کے جواب کے لیے علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کا انتخاب کیا اور اعلان کیا کہ علامہ صاحب اس کا جواب دیں گے۔ چنانچہ پھر علامہ صاحب نے اس کا جواب دیا، اور اسے سمجھایا کہ آپ نے علماء کو قریب سے نہیں دیکھا، اس لیے غلط فہمی کا شکار ہیں، اپنے ماحول اور اپنے خول میں رہ کر علماء کو سمجھنے کی کوشش کی ہے، ان کا قرب اختیار کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ کتنے ذہین، زیرک، سمجھدار اور باصلاحیت لوگ ہیں، ان کی علمی گہرائی اور معاملہ فہمی کا اندازہ تبھی ہوسکے گا۔

مجھے کبھی علامہ صاحب کی کتب پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا، اسی طرح ان کے ساتھ مستقل رہنے کا موقع بھی نہیں ملا، لیکن موقع بموقع ملاقاتیں بہرحال ہوتی رہیں۔ خیرالمدارس کے جس جلسہ میں عنایت اللہ شاہ صاحب نے عقیدہ حیات النبی کے حوالے سے امت کے اجماعی عقیدہ سے الگ رائے کا اظہار کیا تھا، اس میں مَیں بھی موجود تھا، پھر اُنھیں سمجھانے کی کوشش ہوئی، سوچنے کی کچھ مہلت دی گئی، پھر اعلان ہوا کہ اس عنوان پر اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کو تفصیل سے علامہ خالد محمود بیان کریں گے، چنانچہ پھر جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے شیخ الحدیث مولانا عبداللہؒ اور علامہ خالد محمودؒ نے بھرپور انداز میں یہ مسئلہ واضح کیا، اسٹیج پر کتابیں رکھی ہوئی تھیں، علامہ صاحب کتابیں اُٹھا اُٹھا کر حوالے سناتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین ثم آمین

---

(۱۷)۔مولانا محمد قمرالزمان الہٰ آبادی

حضرت علامہ خالد محمود صاحب بہت زبردست اور بہت وسیع المطالعہ عالم تھے، ان کے متعلق علماء کہتے تھے کہ: خالد محمود کا علم ایسا سمندر ہے جس کا ساحل نہیں۔ انھوں نے بہت کام کیا، علمی بھی اور عملی بھی۔ مناظرے کا کام بھی۔ کچھ عرصہ جسٹس بھی رہے۔ میں بھی ان کے پاس گیا ہوں، ان سے تعلق بھی رہا۔ ایک مرتبہ افریقہ کے ائیرپورٹ پر گھنٹوں انتظار میں بیٹھنے کے باوجود مجھ سے کہہ رہے تھے کہ: سجدہ علی الطین (زمینی سجدہ) کی توفیق کے لیے دعا کرو۔ پچانوے سے سو سال کے درمیان ان کی عمر تھی، اِس عمر میں بھی زمینی سجدہ کی دعا کی اور آخر تک زمینی سجدہ ہی کرتے رہے۔ اور نماز بھی کھڑے ہوکر پڑھتے تھے۔ بہت خاص آدمی

تھے۔ بہت بڑے آدمی تھے، بہت بڑی اور بہت زبردست کتابیں ہیں۔ ہمیں ان کی کتابیں ضرور پڑھنی چاہییں، اور علماء کو تو ضرور بالضرور پڑھنی چاہییں۔ عجیب وغریب علوم کی جامع کتابیں ہیں۔ اگر قریب ہوتے تو جنازہ میں شرکت کے لیے ضرور جاتا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، آخرت کی تمام منازل آسان فرمائے، ان کی قبر کو نور سے بھر دے، ان درجات بلند فرمائے، جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، اپنی رضا اور خوشنودی سے ان کو مسرور فرمائے، آخرت میں بڑے مناصب سے سرفراز فرمائے۔ ان کے کام جو جاری وساری رکھے۔ ان کی اولاد کو خیر وعافیت سے رکھے۔ آمین

---

(۱۸)-مولانا قاری احسان الحق [مدیر: مدرسہ تعلیم الفرقان قاسمیہ مسجد حق چار یار، واہ کینٹ]

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عزیزم مولوی حمزہ احسانی سلمہ اللہ تعالیٰ، آپ نے حضرت علامہ خالد محمودؒ سے متعلق کچھ تحریر کرنے کا کہا ہے، میں نے حضرت علامہ صاحبؒ سے ''سنی کانفرنس'' بھیں (ضلع چکوال) یا (جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام) جہلم کے سالانہ جلسہ کے کسی بیان میں ایک بات سنی تھی، جو اُسی وقت لکھ بھی لی تھی اور الحمد للہ حضرت کی یہ امانت متعدد مواقع پر تفصیل سے سامعین کے گوش کرنے کا موقع ملا۔ وہی آپ کے سپرد کرتا ہوں، آپ اگر چاہیں تو یہ بھی شامل اشاعت کرلیں۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دین اسلام چار مراحل سے گزر کر ہم تک پہنچا ہے:

۱۔ تکمیل دین ۲۔ تمکین دین ۳۔ تدوین دین۔ ۴۔ تبلیغ دین

پہلا مرحلہ تکمیل دین کا ہے، جو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں پایہ تکمیل کو پہنچا اور دین مکمل ہوگیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا."** تکمیل دین کے لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانثاروں کے ساتھ مل خود اپنے آپ کو پیش کیا اور ہر قسم کی قربانی دی۔

دوسرا مرحلہ تمکین دین کا ہے، جو حضرات صحابہ کرام خصوصاً حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں طے ہوا۔ جس کا ذکر قرآن پاک میں ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے: **"الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلاۃ".** اور **"ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم."** اس مرحلے کے لیے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے مثال قربانیاں تاریخ میں ثبت ہیں جو تا قیامت امت مسلمہ کو اُن ہستیوں کا ممنون احسان رکھیں گی۔ (دیکھیے: ۵۸۳/۲ [ادارہ])

تیسرا مرحلہ تدوین دین کا ہے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فقہاء کو پیدا کیا اور انھوں نے جہد مسلسل اور تاریخ ساز محنتوں اور کوششوں سے یہ مرحلہ عبور کیا اور دین کو مرتب ومدون شکل میں جمع کرکے امت کے حوالے کرگئے۔

یہ تین کام پوری طرح مکمل ہوچکے۔ چوتھا مرحلہ تبلیغ دین کا ہے جو تا قیامت جاری رہے گا۔ اس کے لیے چودہ سو سال سے امت مسلمہ قربانیاں دیتی چلی آئی ہے اور تا قیامت یہ فریضہ سرانجام دیتی رہے گی۔

(لہٰذا جو شخص یا گروہ دین اسلام کی اصلی اور حقیقی صورت چاہتا ہے، اسے ان تمام مراحل اور ان کے متعلقات کو ماننا ہوگا ورنہ وہ بے دین ہی رہے گا۔)

---

(۱۹)-مولانا ڈاکٹر محمد الیاس فیصل، مدینہ منورہ

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کا نام تو اپنے اساتذہ سے سن رکھا تھا۔۱۹۸۰ء کی دہائی میں ناچیز مدینہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا۔ پتہ چلا کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ مدینہ منورہ آئے ہوئے ہیں۔حضرت کا قیام رباط مکی میں تھا، جو مدرس حرمِ مکی حضرت مولانا محمد مکی حجازی مدظلہ کی زیرنگرانی ہے۔ناچیز بعد از نماز عصر حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوجاتا۔ حضرت کی علمی باتوں سے مستفید ہوتا اور پھر نماز مغرب کے لیے انہی کے ہمراہ مسجد نبوی ﷺ حاضر ہوتا۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کے ایک رفیق سفر روزانہ یہ منظر دیکھتے اور ایک دن کہنے لگے: علامہ صاحب یہ نوجوان آپ سے ملنے کے لیے آتا ہے اور آپ روزانہ اپنی باتیں شروع کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔حضرت علامہ صاحبؒ نے فرمایا۔اگر یہ صرف میری زیارت اور مصافحہ کی غرض سے آتے تو یہ مقصد پہلے دن ہی حاصل ہوگیا۔یہ روزانہ میرے پاس یہی باتیں سننے آتے ہیں اور میں ان کا وقت ضائع نہیں ہونے دیتا۔حضرتؒ کی منجملہ نصائح دو باتیں عرض خدمت ہیں۔

۱......تدریس کرو تو ہر فن کی بنیادی کتاب پڑھا کر اگلی کتاب لو، ابتداء میں ہی بڑی کتابوں کی تدریس نہ کرنا، بنیاد مضبوط ہوگی تو طلبہ کو بہتر انداز میں سمجھا سکو گے اور ان کے سوالات کا اطمینان بخش جواب دے سکو گے۔

۲......کسی بھی نئے ماحول میں کام شروع کرو تو تین سے پانچ سال تک خاموشی سے کام کرو۔علاقے میں مناسب ماحول سازی اور بنیاد مضبوط کر لینے کے بعد بے شک اپنے کام کا تذکرہ عام کرو۔اس سے بعض طبقوں کی مخالفت کا زیادہ اثر نہ پڑے گا۔

اس کے بعد علامہ صاحبؒ سے ملاقات ہوتی رہی اور ٹیلیفونک رابطے بھی رہے۔چند سال قبل ساہیوال کے ایک جامعہ میں طلبہ کی تربیتی نشست تھی جس میں علامہ صاحبؒ کے ہمراہ ناچیز بھی مدعو تھا، یہ حضرت سے میری آخری ملاقات تھی۔

حضرت کا سرمایہ اب ان کی تصانیف ہیں بہتر ہوگا کہ

۱۔علامہ صاحبؒ کی تصانیف کی اشاعت کے مجاز ادارے ان کی تمام تصانیف کی اشاعت کا سلسلہ جاری رکھیں۔

۲۔ان تصانیف کو کم منافع کے ساتھ قارئین کو مہیا کریں۔

۳۔اہل خیر ان تصانیف کو خرید کر اہل علم کی خدمت میں فری یا کم قیمت پر پیش کریں۔

۴۔حضرت کی تقاریر اور دروس کو جمع کر کے کتابی شکل میں شائع کیا جائے تاکہ حضرت کا علم محفوظ ہو کر قارئین تک پہنچے اور آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ ہوجائے۔

مجلّہ صفدر کی انتظامیہ نے حضرت علامہؒ کی بابت خصوصی نمبر شائع کر کے ان کے متعلق اہل علم کی یادداشتوں کو محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے۔جس پر وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ علامہ صاحبؒ کو کروٹ کروٹ سکون عطا فرمائے، ان کے علوم کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

ان حالات میں تعلیمی اداروں کی ذمہ داری بڑھ گئی ہے کہ وہ علامہ صاحبؒ کے نہج پر علماء اور سکالرز تیار کریں جو ممکنہ حد تک اس خلاء کو پر کر سکیں۔ فقیر پر تقصیر ڈاکٹر محمد الیاس فیصل مدینہ منورہ ۔۱۴؍اگست ۲۰۲۰ء

---

(۲۰)-مولانا نور اشرف جہلم

علامہ ڈاکٹر خالد محمود نور اللہ مرقدہ ایک نابغہ روزگار اور جامع شخصیت کے مالک تھے، وہ بیک وقت بہترین مناظر، عمدہ ترین مصنف، شاندار مبلغ اور اعلیٰ پائے کے محقق تھے۔ جن کی ہر تقریر نکات سے بھرپور اور ہر تصنیف عقلی و نقلی دلائل سے معمور ہوتی تھی، ملک و بیرون ملک فرق باطلہ کے ساتھ اُن کے کامیاب مناظرے مشہور و معروف ہیں۔ **جزاہ اللہ عنا وعن جمیع المسلمین احسن الجزاء.** والسلام: خادم التدریس جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام مدنی محلّہ جہلم [۱۵؍جون ۲۰۲۰ء]

---

(۲۱)-مولانا محمد فیاض خان سواتی [مہتمم: جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ]

آج عالمِ اسلام کی ایک نابغہ ہستی، مناظرِ اسلام، عظیم محقق و مصنف، سابق جسٹس حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود پی ایچ ڈی لندن، فاضل دارالعلوم دیوبند تقریباً ستانویں برس کی عمر پا کر لندن میں انتقال فرما گئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

کہانی ہے تو اتنی ہے فریب خواب ہستی کی   کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ بن جائے

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ؎

ان الذی خلق الحیاۃ و ضدھا   جعل البقاء لوجھہ اکراما

تعالی اللہ لا یبقی سواہ   اذا وردت بریتہ الفناء

انہوں نے اپنی حیاتِ مستعار کو نہایت دلیری اور بے باکی سے بسر کیا کہ بے ساختہ یہ کہنے کو جی چاہتا ہے ؎

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق   نے خوف سکندر ہے نہ اندیشہ دارا

علمی دنیا میں آج ایک ایسا مہیب سناٹا طاری ہے کہ ؎

بدلا ہوا ہے رنگ گلوں کا ترے بغیر   خاک سی اُڑی ہوئی ہے سارے چمن میں

تحقیقی دنیا کے میکدہ کے اجاڑ پر کسی نے درست ہی کہا ہے کہ ؎

خالی ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں   تم کیا گئے لوٹ گئے دن بہار کے

احمد شوقی مصری نے شاید ایسے ہی موقع کے لیے کہا تھا ؎

ثکل الرجال من البنین و انما   ثکل الممالک فقدھا العلماء

علامہ صاحب کی زندگی ایک طویل تاریخ کا مرقع ہے، جب مؤرخ اسے لکھنے بیٹھے گا، تو اس کی کیفیت کچھ یوں ہوگی ؎

اٹھ جاتے ہیں جب چہرہ ماضی سے حجابات   افسانوں میں ڈھل جاتے ہیں گزرے ہوئے اوقات

افسانہ در افسانہ ابھر آتے ہیں لمحات   پیمانہ بہ پیمانہ چھلک جاتے ہیں جذبات

وہ ہمارے ہاں جامعہ نصرۃ العلوم میں کثرت سے تشریف لاتے رہے ہیں، حضرت والدِ ماجد رحمہ اللہ سے ان کا بڑا قدیمی تعلق تھا، جو زمانہ جوانی سے عمر رسیدگی تک برقرار رہا، اس سلسلہ میں بہت سی یادداشتیں ذہن کی سکرین پر متحرک ہیں، جنہیں کسی دوسرے موقع پر عرض کروں گا، اس وقت تو ہم سب آپس میں صرف ان کی جدائی کا غم بانٹ رہے ہیں، ایک دوسرے سے تعزیت کر رہے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ کریم ان کی جملہ مساعی وجہود کو اپنی بارگاہ اقدس میں شرف قبولیت سے نوازے، ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے اور خلد بریں میں انہیں اپنی بے پایاں نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین بحرمۃ خاتم الانبیاء والمرسلین

علم و عمل، بذل و بخت، حکمت، کلام و اتقاء دست قضا نے آہ سب کو بے سر و پا کر دیا

---

(۲۲)-مولانا مفتی محمد احمد انور [صدر وشیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مان کوٹ]

صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے جو کہ حضرت مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "**يَذْهَبُ الصَّالِحُوْنَ اَلْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ وَتَبْقِىْ حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشَّعِيْرِ اَوِ التَّمَرِ لَايُبَالِيْهِمُ اللّٰهُ بَالَةً .**"[۹۲۵/۲]

نیک اور ذی صلاحیت لوگ یکے بعد دیگرے رخصت ہوتے جائیں گے جیسے چھٹائی کے بعد ردی جو یا کھجوریں باقی رہ جاتی ہیں ایسے ناکارہ لوگ رہ جائیں گے کہ اللہ تعالی کو انکی کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔

گذشتہ کوئی چار پانچ ماہ سے اکابر اور مشائخ کی رحلت کا جو سلسلہ چلا ہے ان میں غالباً آغاز ہی سلطان القلم سرتاج العلماء محقق العصر حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت سے ہی ہوا ہے۔

آپ کی شخصیت اسقدر جامع اور ہمہ گیر تھی کہ آپ نے اگرچہ از خود تو نہ کوئی بڑی خانقاہ قائم فرمائی اور نہ ہی کوئی بڑا ادارہ اور نہ کوئی رسمی سے انداز اختیار کئے مگر آپ کے جامع اور ہمہ گیر تشخص سے محسوس یوں ہوتا تھا کہ آپ خود ایک انجمن، ادارہ، اور جماعت ہیں اور اس میں کسی مبالغہ کا الزام نہیں لگے گا کہ واقعتاً آپ نے دینی انفرادیت میں ایک جماعت کا کام کیا ہے۔ آپ علم اور صائب ذوقِ علم سے لبریز ان تاریخ کے نفوس قدسیہ میں سے تھے کہ جن کا صرف قلم ہی سیال نہیں تھا بلکہ آپ کا قلب ودماغ بھی ایک بحر بے کراں تھا۔ آپ کی علمی تعبیرات اس قدر شائستہ اور شستہ تھیں کہ سامع یا قاری دینی رنگ میں رنگتا چلا جاتا تھا۔ بیشتر مرتبہ آپ کے خطبات اسلام اور شریعت پر واقع ہونے والے اعتراضات کا دفع دخل مقدر کے طور پر جوابات سے لبریز ہوتے تھے کہ عوام سے زیادہ اہل علم مستفید ہی نہیں بلکہ لطف اندوز ہو رہے ہوتے تھے۔

اس فتنہ انگیز دور میں مذکورہ حدیث بار بار یاد آتی ہے اور بڑی خطرے کی گھنٹی محسوس ہونے لگتی ہے۔ حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ علیہ جہاں ایک علمی چٹان کی حیثیت رکھتے تھے وہی اہل باطل کے سامنے سد سکندری بھی تھے۔ آپکی علمی دینی خدمات کوئی تقریبا پون صدی پر محیط ہیں۔ اس طویل ترین زندگی میں آپ کا اوڑھنا بچھونا نہ صرف علم رہا ہے بلکہ احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ بھی آپ کے ساتھ لازم ملزوم رہا ہے۔

بجا طور پر عالم اسلام کی ان چنیدہ شخصیات میں سے تھے جن کو ایک ہی وقت میں تمام علوم وفنون میں نہ صرف رسوخ

حاصل تھا بلکہ علم مستحضر بھی تھا۔اس جدید ترین دور میں دجالی قوتوں کی علمی دسیسہ کاریوں کا جواب حضرت علامہ جیسی شخصیت سے ہی ممکن تھا، چنانچہ آپ کے محاضرات ہوں یا تالیفات وہ بنیادی طور پر دفاع شریعت مطہرہ اور دفاع اسلام سے عبارت تھے۔آپ کے امتیازات میں ایک اہم چیز علم واہل علم کی شان کا آپ کی ادا اور مزاج میں تحفظ تھا۔

ایک مرتبہ بندہ نے اپنے جامعہ اشرفیہ مان کوٹ کی ختم صحیح البخاری کی سالانہ تقریب میں شرکت کے لیے بذریعہ ٹیلی فون دعوت دی تو فرمایا کہ: ''آکرمل کر دعوت دیتے ہیں۔'' بندہ کو بھی احساس ہوا کہ واقعی حضرت کی شان کا تقاضا یہی ہے۔

ہمارے حضرت والدگرامی استاذ العلماء مولانا محمد اشرف شاد رحمہ اللہ سے گہرا اور خصوصی تعلق بھی رہا۔اس لیے کہ جب حضرت والدگرامی جامعہ رحمانیہ جہانیاں میں استاذ اور صدر المدرسین تھے، علامہ صاحبؒ بھی ان ایام میں وہاں آکر کئی کئی دن قیام فرماتے اور تالیف میں مشغول رہتے۔حضرت والدگرامی قدس سرہ اوران کی تدریس کے وہ ایام شباب تھے۔

ہمارا جامعہ اشرفیہ مان کوٹ اکابرین اور علمی شخصیات کی رحلت اور جدائی کے صدمہ میں برابر کا شریک ہے، بالخصوص ان گذشتہ کورونا ایام میں جو ایک کربناک علم وروحانیت پر قیامت خیز ایام تھے۔ایک طرف تو جبال علم وروحانیت کی وفیات تھے اور دوسری طرف اداروں اور مراکز کی بندش نے اہل فکر ودانش کے دلوں کو دہلا کے رکھ دیا تھا۔یوں لگتا تھا کہ علم وعرفان اٹھ جانے کا واقعی کوئی آخری وقت آ ہی گیا ہے۔

مگر بحمد اللہ رب العلمین کہ ان ایام میں مدارس وجامعات کے کھل جانے سے ایک حوصلہ سا پیدا ہو گیا ہے۔دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالی حضرت علامہ صاحب قدس سرہ العزیز سمیت دیگر اکابر ومشائخ کے ورثہ علمی وروحانیہ کو تا ابد زندہ وتابندہ رکھیں اور انکی خدمات ہائے دینیہ اور فیوضات ربانیہ کو مزید سے مزید وسعتوں کے ساتھ چہار دانگ عالم میں عام وتام فرماتے رہیں۔

اَللّٰھُمَّ لَاتَحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ وَلَاتَفْتِنَّا بَعْدَھُمْ. ایں دعا از من وجملہ جہاں آمین باد

---

(۲۳)-مولانا ابن الحسن عباسی رحمہ اللہ[۱]

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب بھی رخصت ہو گئے، وہ انگلینڈ میں مقیم تھے اور اس وقت علمائے اہل سنت دیوبند کی بزرگ ترین ہستیوں میں سے تھے، ان کی سن پیدائش ۱۹۲۵ء بتائی گئی ہے، اس طرح انہوں نے اس فانی دنیا کی زندگی میں سے ایک صدی عمر پائی، انہوں نے مختلف دینی محاذوں پر کام کیا اور ہر محاذ کی صف اول کی قیادت میں رہے، اہل السنۃ والجماعۃ کے مناظر ہونے کی حیثیت سے ان کی بڑی شہرت رہی ہے اور ''مطالعہ بریلویت'' کے نام سے ان کی کتاب بہت مقبول ہوئی، یہ کتاب دس جلدوں میں چھپی ہے، وہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے اولین فضلاء میں سے تھے، جامعہ اشرفیہ کے بانی حضرت مفتی محمد حسن صاحب سے ان کا دیرینہ تعلق تھا، امرتسر کے تھے، مفتی صاحب کا قیام بھی تقسیم سے پہلے وہاں تھا، علامہ صاحب نے تقسیم کے بعد سیالکوٹ میں قیام اختیار کیا، فراغت کے بعد مختلف کالجوں میں استاذ رہے، ۱۹۶۶ء میں وہ انگلینڈ چلے گئے اور زندگی کا اکثر حصہ وہیں گزارا،

---

(۱) مؤرخہ ۱۴؍دسمبر ۲۰۲۰ء کو صاحبِ مضمون انتقال فرما گئے۔انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

وہاں بھی دینی کاموں اور مجلسوں کی سرپرستی کی، وقفہ وقفہ سے پاکستان بھی آتے رہے، کچھ عرصہ پاکستان میں وفاقی شرعی عدالت کے جج رہے، گزشتہ چند برسوں سے ان کا معمول تھا کہ وہ پاکستان آکر جامعہ اشرفیہ لاہور میں قیام فرماتے، دورہ حدیث کے طلبہ کو حدیث کی کتاب مؤطا پڑھاتے اور اہل علم ان کی مجالس سے فیض یاب ہوتے۔

جنوری ۲۰۱۹ء میں لاہور جانا ہوا تو معلوم ہوا کہ علامہ صاحب جامعہ اشرفیہ میں تشریف فرما ہیں، ان کی زیارت کا شوق پہلے سے تھا، دارالکتاب کے مدیر حافظ ندیم صاحب کو ساتھ لیا اور خدمت میں حاضری دی، چند دوسرے علماء بھی تھے، اسی مجلس میں احقر نے ان سے پوچھا کہ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں پڑھا ہے؟ فرمایا، نہیں، تقسیم سے پہلے گیا تو تھا لیکن پڑھا نہیں ہے۔ ان کے کچھ خدام کا اصرار ہے کہ وہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل، کچھ کا کہنا ہے کہ وہ ڈابھیل کے فاضل تھے، لیکن غالب گمان ہے کہ انہوں نے جامعہ اشرفیہ ہی میں مفتی محمد حسن صاحب، مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب اور دیگر بزرگوں سے فیض اٹھایا ہے، یہ بزرگ بھی کیا کم تھے، اپنے زمانے میں علم وعمل کے روشن چراغ اور جگمگاتے تارے!

علامہ صاحبؒ کے چہرے پر بچوں کی طرح معصومیت تھی اور ان کی محفل میں ایک مٹھاس ونورانیت تھی، وہ ماہ رمضان میں اپنے رب کے حضور چلے گئے، مغفرت کی راتیں، بخشش کی ساعتیں...... زہے مقدر، زہے نصیب......! اللہ تعالیٰ ان کی قبر کا پڑاؤ شاداب اور آخرت کی منزل آسان فرمائے۔ آمین

---

(۲۴)-مولانا اورنگزیب فاروقی [مرکزی صدر اہل السنۃ والجماعۃ پاکستان]

اس وقت دنیا بھر میں دفاع صحابہ کے دو میدان ہیں: ایک علمی۔ دوسرا عملی۔ عملی میدان میں اہل تشیع کے دنیا بھر کے مختلف خطوں اور حصوں میں اہل سنت برسرپیکار ہیں۔ اور علمی وعملی دونوں میدانوں میں جن ذی قدر محققین نے خدمات سرانجام دی ہیں ان میں ایک نمایاں ترین نام محقق العصر، امام اہل سنت، ترجمان اسلام، وکیل صحابہ، فخر الملۃ والدین، حضرت العلام ڈاکٹر خالد محمودؒ کا ہے۔ بلاشبہ آپ پورے عالم اسلام کے چند گنے چنے کبار علماء میں سے تھے، اور بلاشبہ آپ ایک بیدار مغز، عبقری شخصیت تھے۔ اگر صرف آپ کے علم کی زکوۃ نکال کر تقسیم کی جائے تو کئی بے علم وقت کے ''علامہ'' بن جائیں۔ اگرچہ آپ کی تمام تر سرگرمیوں کا مدار تحقیقی وتصنیفی کام ہی رہا ہے، مگر عملی کام کرنیوالوں سے آپ کی شفقت، محبت اور سرپرستی کسی سے مخفی نہیں۔

جرنیل سپاہ صحابہ مولانا محمد اعظم طارق صاحبؒ کی طرف سے نیشنل اسمبلی میں پیش کردہ ''ناموس صحابہ بل'' حضرت علامہ صاحب ہی کے گہربار قلم سے تحریر کردہ تھا۔ میرے مخدوم مکرم، مربی ومحسن حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ سے حضرت علامہ صاحب کی محبت اور حضرت حیدری شہید کی طرف سے آپ کا احترام کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔

پہلی بار جب لاہور میں مجھے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور احباب نے میرا تعارف کروایا کہ یہ ''مولانا اورنگزیب فاروقی ہیں۔'' تو آپ نے جس اپنائیت اور شفقت کا برتاؤ کیا اس کی چاشنی آج بھی عزم کی پختگی اور حوصلے کا سبب ہے۔ دیر تک ہمت بندھاتے رہے، استقامت کی تلقین فرماتے رہے اور دعاؤں سے نوازتے رہے۔

بزم میں عشاق کی ساقی نے کردی خود تمیز جام بھر کے کہہ دیا تیرا، تمہارا، آپ کا

حضرت علامہ صاحب کی خدمات کا احاطہ میرے بس میں نہیں ہے، اس پر اہل علم ہی درست خامہ فرسائی کر سکتے ہیں، مگر میں دو باتیں ضرور کہوں گا: پہلی بات: آپؒ کا لکھا ہوا ایک ایک جملہ اپنے اندر علوم ومعانی کا ایک عمیق سمندر رکھتا ہے، جس سے اہل تحقیق ہمیشہ غواصی کر کے موتی نکالتے ہی رہیں گے، اور آپ کی باتیں آنے والے دور میں اہل علم بطور حوالہ پیش کیا کرینگے، اور انہیں ایک سند کی حیثیت حاصل ہوگی ۔

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں یہاں اب میرے رازداں اور بھی ہیں

دوسری بات: مطالعہ کی اس قدر وسعت اور علمی رسوخ کے باوجود آپ نے اکابر اہل سنت اور اسلاف امت کی تحقیقات سے ہٹ کر الگ رائے اور تفرد قائم نہیں کیا، اس میں دور حاضر کے ان لوگوں کے لئے عبرت ہے جو دو چار کتابیں پڑھ کر اکابرین کی تحقیقات کو پس پشت ڈالنا اور مخالفت کرنا اپنا ایمان سمجھتے ہیں ۔

عشق کی تیغ جگر دار اڑالی کس نے علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

اگرچہ آپکی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے مگر ناموس رسالت وناموس صحابہ آپ کے خاص عنوانات تھے۔ اور میں یہ کہنے میں بجا طور پر فخر محسوس کرتا ہوں کہ میں ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے حضرت علامہ صاحب کا دور پایا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

---

(۲۵)-مولانا حافظ محمد اکبر شاہ بخاری [مدیر: مدرسہ اشرفیہ جام پور]

محترم المقام جناب حمزہ احسانی صاحب ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

احقر کا لکھا ہوا یہ مضمون علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب نمبر مجلّہ صفدر میں شائع فرما دیں۔ حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں۔ بے حد مسرت ہوئی ہے کہ آپ مجلّہ ''صفدر'' کا خصوصی نمبر نکال رہے ہیں۔ احقر کے دونوں مضامین اس خصوصی اشاعت میں ضرور شائع فرمائیں۔ حق تعالیٰ شانہ اجر عظیم عطا فرمائیں۔ آمین۔ مخلص خادم احقر سید اکبر شاہ بخاری غفرلہ [۷/جون ۲۰۲۰ء]

آہ! ۲۰/رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بمطابق ۱۴/مئی ۲۰۲۰ء کو دار العلوم دیوبند کے تعلیم یافتہ اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے فاضل حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب لندن میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ نے درسِ نظامی کی مکمل تعلیم دار العلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل دونوں جگہ سے حاصل کی۔ غالباً ۱۹۴۳ء میں دار العلوم دیوبند سے فراغتِ تعلیم حاصل کی اور پھر اپنے شفیق استاذِ مکرم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے ساتھ ڈابھیل چلے گئے۔ جہاں علامہ عثمانی اور دیگر اکابر سے کسبِ فیض کیا۔ قیام پاکستان کے بعد اپنے استاذ ومربی مولانا مفتی محمد حسن امرتسری کے حکم پر لاہور آئے اور جامعہ اشرفیہ سے با قاعدہ تعلق قائم کر لیا۔ حضرت مفتی صاحب آپ سے بڑی محبت فرماتے تھے اور آپ پر کلی اعتماد فرماتے تھے۔ بلکہ مولانا عبید اللہ اشرفی کے بقول ''والد صاحب نے علامہ خالد محمود صاحب کا اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ اور اُن سمیت اپنے سات بیٹے بتاتے تھے۔''

آپ نے مختلف دینی مدارس وکالجز میں محقق، استاذ الحدیث اور پروفیسر کی حیثیت سے علمی، دینی وتدریسی خدمات انجام دیں۔ اور علمی وروحانی فیوضات میں مصروف رہے۔ تنظیم اہل سنت سے وابستہ ہو کر تحفظ ناموس صحابہؓ کے اُفق پر آفتاب بن کر اُبھرے۔ معیاری تحقیقی رسالہ ''دعوت'' کے ذریعہ رفض والحاد کے سیلاب میں دفاعِ صحابہ کے محاذ پر بھرپور تعمیری کام کیا۔ اس سلسلہ میں عملی و مالی مشکلات برداشت کیں، اور پاکستان کے شہر شہر قریہ قریہ میں عظمتِ صحابہ کے وہ چراغ روشن کیے جن کی تابانی کی جھلک ''دعوت'' کے صفحات میں ملے گی۔ آپ نے تنظیم اہل سنت کے قائد و جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے ملک کے طول عرض میں مقام صحابہ کا بھرپور دفاع کیا۔ اور جلسوں، مناظروں، تقریروں اور تحریروں کے ذریعے ہر ہر محاذ پر رفض والحاد کو للکارا۔ بعد ازاں **دار المبلغین** قائم کر کے ایسے عظیم مبلغین وتلامذہ تیار کیے جنھوں نے شہر شہر بستی بستی عظمت صحابہ کے چراغ جلائے رکھے۔

اصلاحی تعلق شروع ہی سے اپنے استاذِ گرامی وشیخ ومربی مولانا مفتی محمد حسن امرتسری سے رہا، اسی طرح دیگر اکابر سے بھی روحانی فیض حاصل کرتے رہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء مولانا مسیح اللہ خان شیروانیؒ وغیرہ سے بھی اصلاحی تعلق رہا۔ اور کئی بزرگوں سے اجازت وخلافت بھی حاصل ہوئی۔ آپ قدیم وجدید علوم کے ماہر تھے، جدید فکر وفلسفہ کے عظیم شناور بھی تھے، مختلف کالجز ومدارس کے علاوہ اپنی مادرِ علمی جامعہ اشرفیہ میں بھی استاذ الحدیث وشیخ الحدیث رہے۔ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے بھی بڑی سرگرمی سے کام کیا۔ ردِّ قادیانیت کے سلسلہ متعدد تصانیف آپ کے قلم سے منظر عام پر آئیں۔ امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ساتھ مجلس احرار اسلام میں حصہ لیا اور ملک بھر میں تحریکی وتنظیمی سرگرمیوں میں شریک رہے۔ حضرت امیر شریعت نے آپ پر مکمل اعتماد فرمایا اور آپ کی علمی بصیرت کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا:

> تنظیم اہل سنت کے مرکزی راہ نما اور ہفت روزہ ''دعوت'' کے مدیر اعلیٰ مولانا علامہ خالد محمود بڑے محقق مناظر ہیں، اگر باطل عناصر کے بارے میں مناظرے کا کہا جائے تو آپ کو طویل وقت کی ضرورت نہیں وہ فوری طور پر مدلل جواب دے سکتے ہیں۔

اسی طرح مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی، مولانا ادریس کاندھلوی اور مولانا بدر عالم میرٹھی بھی آپ کے علم وعمل کی تعریف کرتے تھے۔ اور آپ کی تصانیف کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ ایک عظیم محقق اسلام، مبلغ دین اور متکلم اسلام تھے، آپ کی ساری زندگی تدریس وتبلیغ اور تصنیف وتالیف میں گزری۔ عظیم الشان تالیفات منظر عام پر آئیں جن کی تفصیلات کی اِس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں۔ الغرض اکابر علمائے اہل سنت دیوبند شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہما اللہ جیسے اکابر سے فیوضات حاصل کرنے کے بعد عظیم الشان علمی کارناموں کے ساتھ ساتھ لادینی فتنوں کے خلاف بڑا کام کیا۔ جامعہ خیر المدارس کے سالانہ جلسوں میں تین چار روز تک آپ کے علمی بیانات ہوتے رہتے تھے۔ سپریم کورٹ آف پاکستان کے شریعت بینچ کے جج بھی رہے۔ مجلس صیانۃ المسلمین کے عظیم مبلغ وشوریٰ کے رکن رہے۔ آپ بین الاقوامی شہرت کے مالک ہونے کے باوجود عاجزی وانکساری اور اخلاق واوصاف میں اکابر واسلاف کی یادگار تھے۔ آپ جیسا عظیم محقق پیدا ہونا اَب مشکل ہے۔ حق تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین

حضرت علامہ صاحب احقر سے بڑی شفقت ومحبت فرماتے تھے، احقر کی تصانیف ومقالات کو دیکھ کر مسرت کا اظہار فرماتے اور دعاؤں سے نوازتے تھے۔ جامعہ اشرفیہ لاہور، خیر المدارس ملتان اور دیگر مدارس کے جلسوں میں علامہ صاحب کے علمی بیانات سنے اور شرفِ ملاقات حاصل ہوا۔ احقر کی دعوت پر جام پور بھی تشریف لائے جو احقر کے لیے بڑی سعادت کی بات ہے۔ علامہ صاحب سے پہلی ملاقات مولانا عبدالرحمٰن اشرفی رحمہ اللہ نے آج سے کوئی بیس سال قبل جامعہ اشرفیہ لاہور میں مغرب کے بعد کرائی تھی۔ علامہ صاحب کئی روز سے جامعہ میں مقیم تھے۔ احقر مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے اجتماع میں حاضر ہوا تھا۔ علامہ صاحب نے بڑی محبت وشفقت فرمائی۔ اس کے بعد احقر باقاعدگی سے علامہ صاحب سے شرف ملاقات حاصل کرتا رہا۔ اپنی تصانیف بھی پیش کرتا رہا۔ مسرت اظہار فرما کر حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ جامعہ خیر المدارس ملتان میں کئی کئی گھنٹوں کی طویل صحبتیں نصیب ہوئیں۔ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری فرماتے تھے کہ: ''اَب آپ جانیں اور علامہ صاحب!'' علامہ صاحب اپنے کمرے میں لے جاتے اور خوب استفادے کا موقع ملتا۔ ہمارے علاقے جام پور میں تنظیم اہل سنت کے مرکز فاروقی مسجد میں بھی خطاب فرمایا۔ بیان کے بعد احقر کو علامہ صاحب کے ساتھ کھانا کھانے کی سعادت ملی۔ حضرت سے خط وکتابت بھی رہی۔ آخری خط احقر نے اُس وقت لکھا جب آپ آخری مرتبہ پاکستان تشریف لائے، واپس برطانیہ جانے میں چند روز تھے، احقر نے خط بھیجا، جس کا جواب نہ مل سکا۔ اور آپ واپس تشریف لے گئے۔ خط یہ ہے:

''محترم المقام مخدوم مکرم حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب دامت برکاتہم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاجِ گرامی بخیر وعافیت ہوں گے۔ کافی عرصہ ہوا ملاقات نہ ہوسکی۔ کئی سال قبل خیر المدارس ملتان میں حضرت والد صاحب کے ساتھ آپ کے دروس میں شرکت کی سعادت حاصل رہی۔ اور آپ کے ساتھ سارا دن کمرے میں بھی اکٹھے رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ علیل رہتا ہوں۔ دعا کی درخواست ہے۔ یہ چند کتب حاضر خدمت ہیں، شرفِ قبولیت سے نوازیئے!

[۱]-مقالات ومشاہدات وواقعات، شخصیات وتاثرات [۲]-اکابرین وفاق المدارس پاکستان [۳]-حیاتِ احتشام

والسلام......محتاج دعا......سید اکبر شاہ بخاری غفرلہ

علامہ صاحب کی وفات عالم اسلام کے لیے عظیم سانحہ ہے۔ بالخصوص علمی حلقوں کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے، ایسی عظیم المرتبت شخصیات صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ اِس دورِ پُرفتن میں حضرت علامہ کی ذاتِ گرامی باطل عناصر کے سامنے دین اسلام کی ترجمانی کے لیے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار اور مضبوط چٹان کی مانند تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

عجب آزاد مردِ حق تھے جو رخصت ہوئے۔

---

(۲۶)-مولانا سلیم عمر، چکوال

بخدمت جناب حمزہ صاحب احسانی مدظلہ العالی السلام علیکم! کے بعد عرض خدمت ہے بندہ کو آپ کا حکم نامہ ملا پڑھ کر جہاں پریشانی ہوئی وہاں ایک گونہ خوشی بھی نصیب ہوئی کہ اللہ والوں کے تذکروں سے اُمت مسلمہ کو نفع پہنچانے والوں سے

ابھی یہ دنیا خالی نہیں۔ اللہ والوں کے دم قدم سے ہی یہ فانی دنیا آباد ہے۔ حضرت علامہ انور شاہؒ کے بعد علامہ کہلانے کے حقیقی مصداق علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ تھے، اُن سے پہلی ملاقات چکوال کے کسی علاقہ میں ہوئی تھی۔

ایک مرتبہ موضع لکھوال ضلع چکوال کے مولوی ممتاز صاحب (جو لکھوال کی مسجد سیدنا عمر کے متولی اور مدرسہ تعلیم القرآن کے منتظم ہیں، سکول میں عربی بھی پڑھا رہے ہیں۔) نے علامہ صاحب کو جلسہ پر بلایا اور اجازت لیے بغیر ہی اشتہار پر یہ بھی لکھ دیا کہ سوال و جواب کی نشست ہوگی، علامہ صاحبؒ جواب دیں گے۔ جبکہ علامہ صاحبؒ اُن دِنوں جسٹس تھے، اِس لیے سوال و جواب کا عوامی سلسلہ موقوف کیا ہوا تھا۔ علامہ صاحب نے مولوی ممتاز صاحب سے پوچھا کہ آپ نے یہ کیوں لکھا ہے اور وہ بھی بغیر پوچھے؟ انھیں تنبیہ فرمائی، وہ کانپتے ہوئے ہمارے پاس آئے، جہاں بندہ اور مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر مدظلہ بیٹھے ہوئے تھے، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ علامہ صاحب ناراض ہو گئے ہیں۔ بندہ نے کہا: مجھے علامہ صاحب سے ملوا دیں، مولوی ممتاز صاحب علامہ صاحب کے جلال سے خائف تھے، لہٰذا کہنے لگے: دروازے تک لے جاؤں گا، آگے آپ جانیں اور علامہ صاحب۔ میں نے کہا ٹھیک ہے، انھوں نے مجھے دروازے تک پہنچا دیا، میں اندر چلا گیا، علامہ صاحب تشریف فرما تھے، سلام دعا کے بعد مجھ سے پوچھا کہ کیا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کے ہاتھ مضبوط کرتا ہوں۔ یہ سنتے ہی سنبھل کر بیٹھ گئے اور پوچھا کہ میرے ہاتھ مضبوط کرنے کا کیا مطلب؟ میں نے کہا: بریلویت و رضاخانیت کی تطہیر کرتا ہوں۔ فرمایا: میں نے ''فتاویٰ رضویہ'' پر کام شروع کیا ہے، چار جلدوں پر کام ہو گیا ہے، آٹھ جلدیں باقی ہیں، ان پر آپ کام کر دیں، طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے حوالہ جات کو اصل کتابوں سے سیاق و سباق سمیت دیکھنا ہے کہ حوالے ٹھیک ہیں یا نہیں؟ میں نے وعدہ کر لیا، اللہ کرے یہ وعدہ وفا ہو جائے۔ آمین۔ یہ تو میرے ساتھ گفتگو ہوئی، مولوی ممتاز صاحب سے علامہ صاحب نے کہا کہ اعلان کر دیں کہ سوالات کے جوابات مولوی محمد سلیم دیں گے جو مقامی بھی ہیں اور مسائل سے واقف بھی۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری ملاقات موضع بلکسر ضلع چکوال میں حضرت مولانا غلام نبی صاحب مرحوم [بانی حنفی مسجد بلکسر] کے ہاں ہوئی، علماء کی مجلس تھی، دورانِ ملاقات بندہ عاجز نے علامہ صاحب سے ایک مسئلہ پوچھ لیا، خیال تھا کہ سب کو فائدہ ہوگا، لیکن علامہ صاحب نے مجھے ڈانٹ پلا دی۔ کچھ دیر بعد دیگر علماء چلے گئے، مجھے وہیں بیٹھنے کا کہا، پھر مجھے فرمایا کہ: عوام کے سامنے علمی مسائل کیوں پوچھتے ہو؟ میری دِل جوئی کے لیے دوبارہ چائے بھی پلوائی، بندہ نے عرض کیا کہ یہ سب علماء تھے تو کہنے لگے: اِن میں ایک بھی عالم نہیں، یہ سب واعظ ہیں، چنانچہ بندہ خاموش ہو گیا۔

علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور بھی ملاقاتیں رہیں، اُن کے نام لیواؤں میں اپنا نام درج کرانے کی خاطر دو ملاقاتوں کا تذکرہ کر دیا ہے۔ ورنہ میں اِس قابل نہیں کہ بڑوں کے بارے میں کوئی بات کہہ سکوں۔ اللہ تعالیٰ علامہ صاحب کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دیں، ہم کمزور و نحیف لوگوں سے وہ کام لیں جو ہر لحاظ سے مفید ہو اور ہر ایسے کام سے محفوظ رکھیں جو نقصان کا باعث ہو۔ آمین۔ حیات باقی ملاقات باقی۔

العارض محمد سلیم عمر غفرلہ خطیب جامع ترکوال نزد ڈھڈیال چکوال

---

(۲۷)-مولانا حامد الحق حقانی [پریس ریلیز: ۱۶ رمئی ۲۰۲۰ء]

۱۲ رمئی (اکوڑہ خٹک) جمعیۃ علمائے اسلام کے سربراہ اور دفاع پاکستان کونسل کے چیئر مین مولانا حامد الحق حقانی نے کہا کہ شیخ الحدیث حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود رحمہ اللہ اُمت مسلمہ اور جمعیت علمائے اسلام پاکستان کا بہت بڑا قیمتی سرمایہ واثاثہ تھے، ان کی وفات سے علمی، دینی، ادبی اور سیاسی خلا پیدا ہوا جسے پُر کرنا آسان نہ ہوگا، وہ میرے شہید والد، شہید ناموس رسالت، شہید پاکستان شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحقؒ کے ساتھ تمام عمر ہر محاذ پر ان کے شانہ بشانہ دست راست بنے رہے، مولانا حقانی نے کہا کہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ نے میرے والد مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی قیادت میں پورے پاکستان کے نوجوانوں میں ایک نئی روح پھونک دی تھی، مولانا حقانی نے کہا کہ ہم نے لڑکپن اور جوانی میں کئی تربیتی واخلاقی کانفرنسوں کے پروگراموں میں شرکت کی اور آج کئی دینی وسیاسی، فلاحی وتعلیمی اداروں اور جماعتوں کے ورکرز اور لیڈرز ان کے ہاتھوں تربیت یافتہ ہیں، مولانا حقانی نے کہا کہ ان کا درس وتدریس اور تبلیغی خدمات کا سلسلہ یورپ وانگلینڈ تک پہنچ چکا تھا اور آج اہل پاکستان اور پورے ملک کے مسلمان اور ہماری تعلیمی ودینی روحانی اسلامی یونیورسٹی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور ہماری جماعت جمعیت علمائے اسلام پاکستان اور دفاع پاکستان کونسل پوری طرح ڈاکٹر صاحبؒ کو ان کی ملی وقومی ودینی خدمات پر بھرپور خراج تحسین پیش کرتی ہے اور ان کے خاندان وادارہ کے ساتھ اس غم میں برابر کی شریک ہے، ڈاکٹر صاحبؒ کے لیے جامع مسجد مولانا عبدالحق رحمہ اللہ میں رمضان المبارک میں ختم القرآن کے ایک بڑے اجتماع کے موقع پر دعائے مغفرت کی گئی اور انہیں ان کی خدمات پر شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق، مہتمم جامعہ حقانیہ، مولانا حامد الحق نائب مہتمم، حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی نے بھرپور روشنی ڈالی اور ان کی وفات کو ملت اسلامیہ کا عظیم نقصان قرار دیا۔

---

(۲۸)-مفتی حماد فضل

۲۰۰۰ء کی بات ہے کہ مجھے ایک ساتھی نے بتایا کہ انگلینڈ سے ایک بہت بڑے علامہ آئے ہوئے ہیں، جو پی ایچ ڈی بھی ہیں اور علامہ خالد محمود ان کا نام ہے۔ یہ پہلا تعارف تھا۔ پتا چلا کہ ان کی بے شمار کتب بھی ہیں۔ بندہ اس وقت طالب علم تھا۔ الحمدللہ بچپن سے کتب کے مطالعہ کا بے حد شوق تھا اور اسی شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہر مہینہ جو جیب خرچ جمع ہوتا، اس کو لے کر اردو بازار چلا جاتا۔ کتب خریدتا اور ساتھ اگلے ماہ کا انتظار کہ کب کچھ رقم جمع ہو تو کتاب خریدوں۔

حضرت علامہ خالد محمودؒ سے محبت ہوئی تو دل چاہا کہ ان کی کتابیں بھی خرید کر پڑھوں تو سہی، اردو بازار گیا تو اس وقت آثار التنزیل ملی۔ خرید کر گھر آ گیا، کتاب کا مطالعہ کیا تو دِل باغ باغ ہو گیا، بندہ اس وقت ابتدائی درجات کا طالب علم تھا، لیکن اس کتاب کے مطالعہ نے کمال لطف دیا، اب شوق بڑھا تو مطالعہ بریلویت ہی مل سکی، اس وقت اردو بازار لاہور میں یہی دو کتب دستیاب تھیں، اس کے علاوہ باقی کتب نہیں ملیں۔ مطالعہ بریلویت کے مطالعہ سے اس عنوان پر مزید کتب دیکھنے کا شوق ہوا۔ قصہ مختصر، مطالعہ بریلویت ان دنوں پڑھی تو تھی مگر اس کے مطالعہ کا صحیح لطف اس وقت آیا جب بریلوی مسلک کے علماء کی کتب

پڑھیں۔ مطالعہ بریلویت کے لا جواب ہونے کا حق الیقین اس وقت ہوا جب بریلوی عالم مولانا حسن رضوی کی ''محاسبہ دیو بندیت'' پڑھی۔ مولانا حسن رضوی نے سوائے گالم گلوچ اور مغلظات لکھنے کے کچھ نہیں کیا تھا اور ادھر حضرت علامہ خالد محمودؒ نے نہایت میٹھے، لطیف انداز میں خوب اصلاح کی ہوئی تھی۔ بندہ ایک صفحہ مطالعہ بریلویت کا دیکھتا اور پھر اس کا جواب۔ یقین جانئے مطالعہ بریلویت کا صحیح لطف آیا۔ مسلکی عنوان ہونے کے باوجود پوری کتاب میں انداز بیان میں فریق مخالف کے لئے ادب و احترام بھی تھا۔ مطالعہ بریلویت نے تو حضرت کا شدید گرویدہ کر دیا۔ مطالعہ بریلویت کم از کم تین بار پڑھی۔ اور ہر بار نیا لطف آیا۔ اب تو حضرت علامہ خالد محمود رح کی ہر کتاب خریدنے کی جستجو ہوئی۔ جو مطبوعہ نہ مل سکی اس کو لائبریری سے ڈھونڈ کر فوٹو کاپی کرائی۔

۲۰۰۸ء میں ہم نے ''راہِ سنت'' رسالہ نکالا، جس کا موضوع ردِ بریلویت ہی تھا۔ حضرت کو پیش کیا تو بہت پسند فرمایا اور تاکیداً پیغام بھجوایا کہ لازمی ہر شمارہ بھجوادیا کرو۔ ڈیڑھ سال بعد رسالہ بند کرنا پڑا۔ حضرت سے ملاقات ہوئی تو بندہ نے اپنی کتاب ''صراط مستقیم پر اعتراضات کا جائزہ'' پیش کی۔ حضرت نے بہت پسند فرمائی۔

حضرت ان دنوں شرعی عدالت میں جج کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ حضرت علامہ خالد محمودؒ نے اس وقت ملاقات میں پاکستان سے فرقہ واریت ختم کرنے کے حوالے سے بہترین گفتگو فرمائی۔ اور بندہ کو تاکیداً کہا کہ ان تجاویز کو چلایا جائے۔ اس میں سے سب سے بنیادی بات یہ تھی کہ جو شخص بھی ہم پر یا ہمارے مسلک پر الزام و بہتان لگائے اس کو خود جواب مت دو بلکہ قانون کا سہارا لو۔ اس کو عدالت میں لے کر آؤ کہ الزام ثابت کرے۔ ورنہ عدالت اس کو سزا دے۔ فرمایا کہ چند اشخاص کے خلاف بھی اس طرح کی کاروائی ہوئی تو ملک میں امن ہو جائے گا۔

علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کو اللہ جل شانہ نے حاضر جوابی اور بذلہ سنجی کی خاص صلاحیت دی تھی۔ وہ مزاح ہی میں سب کچھ سمجھا جاتے، مگر ان کے مزاح میں تضحیک اور استہزاء نہ تھا۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کی صرف مسلکی خدمات تھیں، ایسا ہرگز نہیں، وہ علوم میں ہمہ جہتی شخصیت تھے۔ آثار التنزیل، آثار الحدیث، آثار الاحسان اور عبقات کے مطالعہ سے قاری دیکھ سکتا ہے کہ یونیورسٹی کے طلبہ کے لئے کس طرح ان موضوعات کو آسان فہم لکھا ہے۔

حضرت کو اللہ نے قوت استدلال بھی کمال کی دی تھی۔ ''مقام حیات'' اس پر روشن دلیل ہے۔ قوت استدلال، لطیف اور آسان اسلوب جو کہ کئی جگہوں پر مسکراہٹ بھی بکھیر دے اور اسی مسکراہٹ میں اصلاح و دعوت بھی۔ مسکراتا چہرہ جس میں رعب بھی تھا اور سادگی بھی۔ بچوں کی سی معصومیت بھی اور بزرگوں کا نور اور رعب بھی۔ وہ چمن کے گل نہیں بلکہ وہ شجر سایہ دار تھے جو پھولوں کی مہک سے مالا مال تھا۔ وہ واقعتاً علامہ تھے جنہیں لفظوں کا برتنا آتا تھا۔ ان کا ایک جملہ فریق مخالف کی پوری کتاب پر بھاری ہوتا تھا۔ وہ تدریس کے بھی شاہ سوار تھے اور قلم کے بھی سبک رفتار راہی۔ سلوک کے شناور بھی اور علم کلام کے رمز آشنا بھی۔ جانا ہر اک نے ہے اور وہ بھی چلے گئے ہیں لیکن سچ تو یہ ہے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ علامہ زمانہ ہم میں نہیں رہے۔

راغب دہلوی کے چند اشعار حضرت کی نظر کرتے ہوئے مضمون کا اختتام کرتا ہوں ؎

وہ ذرہ جس میں اک عالم نہاں تھا ادب کا ایک بحر بیکراں تھا

وہ نبض وقت کو پہچانتا تھا وہ رہبر تھا وہ میر کارواں تھا
اسے آتا تھا لفظوں کا برتنا زباں رکھتا تھا وہ اہل زباں تھا
اخوت کا تھا وہ پرچم اٹھائے نہ اپنی فکر نہ خوف جہاں تھا
چٹاں کا عزم دھارے کی روانی جھکا قدموں پہ اس کے آسماں تھا
جو سب چپ چاپ سہہ لیتے ہیں صدمے وہ ان سب بے زبانوں کی زباں تھا
اسے ڈھونڈے گا اب راغبؔ زمانہ کہ اس جیسا زمانے میں کہاں تھا

---

(۲۹)-مولانا عبید اللہ تونسوی [نائب مدیر: جامعہ عثمانیہ، ترنڈہ محمد پناہ، ضلع رحیم یار خان]

ہمہ صفت موصوف، گوناگوں خوبیوں کا مرقع، اہل حق کے دل کا سرور، امام المحققین و المتکلمین، صاحب نکتہ دان، شیخ الحدیث والتفسیر، استاذ العلماء، علامہ خالد محمود صاحب نور اللہ مرقدہ ۹۵ ربرس کی عمر میں اپنی زندگی کے گنے چنے سانس پورے کر کے سیدنا عمر بن عبد العزیز کے الفاظ میں زبان حال سے "الست علی صحبتکم بحریص" میں تمہارے پاس رہنے کا خواہش مند نہیں ہوں۔ کہتے ہوئے دونوں ہاتھ جھاڑ کر دنیا کی تمام تر رعنائیوں کو چھوڑ کر مانچسٹر میں ۲۰ ررمضان المبارک ۱۴۴۱ر ہجری بمطابق ۱۴ ارمئی ۲۰۲۰ رعیسوی بروز جمعرات رمضان المبارک کے مقدس ومطہر ایام میں تا ابد آسودۂ خاک ہوگئے! (انا للہ وانا الیہ راجعون)

قانون خداوندی ہے (کل من علیھا فان) ہر چیز کو فنا ہے، ہر شئے کو اسی نے پیدا کیا اور اسی نے اس کو اپنے وقت پر واپس بلایا، موت سے پاک اور بالاصرف خداوند کی ذات ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسا نہیں جس کو موت سے چھٹکارہ ہو۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ باغ ہوتا ہے باغباں نہیں، مکاں ہوتا ہے مکیں نہیں، سواری ہوتی ہے سوار نہیں، مسند ہوتی ہے، مسند نشیں نہیں۔ بالکل اسی طرح آج علامہ خالد محمود صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی پر کیف علمی تصانیف بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ لیکن خود علامہ صاحبؒ ہمارے درمیان موجود نہیں!

بلاشبہ اسلام کے ہر دور میں علم وتحقیق کے آفتاب و ماہتاب چمکتے رہے، اسلام کی زرخیز زمین میں ایسی ہستیاں پیدا ہوئیں، علوم ومعارف کے گلستانوں میں کیسے کیسے پھول کھلے جن سے آج تک مشامِ عالم مہک رہا ہے، اور مہکتا رہے گا! فیصلہ خداوندی ہے: اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون

آپ کے کمال علم تقوی اخلاص وخلوص کا اندازہ آپ کے اساتذہ کے نام سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ پاک نے آپ کو جبال علم اساتذہ کی صحبت نصیب فرمائی تھی، آپ کی زندگی کا کافی حصہ اکابرین علمائے اہل سنت دیوبند کی صحبت میں گزرا، سفر وحضر میں آپ کو ایک طویل عرصہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ، امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ، مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ، مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ علیہ کی رفاقت رہی۔

آپ کے علمی وتحقیقی اور زور آور قلم نے بڑے بڑے باطل فرقوں کی دیواروں میں شگاف ڈال دیئے، آپ کی تحریری شگفتگی اور مضبوط دلائل کی وجہ سے باطل ہمیشہ سرنگوں رہا اور حق کا پرچم ہمیشہ بلند وبالا رہا۔ آپ کے رسائل وجرائد تصانیف وتالیف پوری امت مسلمہ کے لیے مشعل راہ ہیں اور آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہیں، ساری زندگی اپنے اکابرین علمائے اہل سنت دیوبند کی کی تحقیق کو حرف آخر سمجھا، یہی وجہ تھی کہ آپ کی تحریر اور آپ کے انداز وافکار میں اکابر کی صاف جھلک نظر آتی تھی۔

جس نے ساری زندگی میں سوز پیدا کر دیا اے خدا آسودہ جنت میں رہے

دعا ہے کہ اللہ پاک تمام مسلمانوں کو حضرتؒ کے علمی ذخائر سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائیں اور حضرت کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں آمین بجاہ النبی الکریم محمد عبید اللہ تونسوی بن مولانا نور محمد تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

---

(۳۰)-مولانا عثمان غنی بہاول پور

اللہ کی زمین عجائبات سے لبریز ہے۔ ایسے عجائبات کہ اِدراک سے بُلند اور یقین سے ماورا، چلتے پانی پر ٹھوس زمین، بغیر ستونوں کے جڑا آسمان، چمکتا سورج اور جگ مگ چاند، **له المُلک وله الحمد**.

تاریخ کا ایک باب عجائبات میں بند ہے، ناسمجھ آنے والے لوگ، حیران کُن واقعات اور طلسماتی شخصیات۔ اللہ جسے چاہیں عجائبات سے نوازیں۔ معمولی چال ڈھال کے ساتھ قدرت کے کئی راز سونپ دیں اور اہلِ سنت دیوبند اس نعمت میں بڑے خوش بخت ہیں، غضب کے حافظے، شفاف وبے داغ کردار، وجد آفریں منہ زور خطابت، باطل شکن عبرتناک مُناظرے، بزدلانہ مصلحت سے پاک دوٹوک فتوے، لاکھوں افراد پر مشتمل تاریخ ساز جنازے، روشن قبروں سے معطر ولازوال بولتی خوشبوئیں، رزمگاہوں کے سربکف غازی، قافلہ آزادی کے جواں ہمت سپاہی اور شوق شہادت کے وعدہ وفا سودائی، واہ رے دیوبند سلام تیرے فرزندوں کو!

دل جھوم اٹھا کہ آج پھر تیرے ایک فرزند کا عنبر فشاں تذکرہ ملا، ''محقق العصر حضرت علامہ خالد محمودؒ'' حضرت علامہ کی ذات سے کون واقف نہیں! سچ پوچھیں تو ''علامہ کا لفظ سنتے ہی خیال دو شخصیات کو سوچتا ہے، شاعرِ مشرق ''حضرت اقبالؒ اور عالمِ ربانی حضرت خالدؒ، تحقیقی ذوق اور علم سے گہری وابستگی نے آپ کو زمانہ طالب علی سے ہی علامہ بنادیا اور پھر وقت گزرنے پر علامہ کا نیّر تاباں پوری آب وتاب کے ساتھ آسمانِ علم پر چمکنے لگا''۔

انسان کا مقام اس کا علم، اساتذہ یا پھر شاگرد متعین کرتے ہیں اور حضرت علامہ ان تینوں میں طاق تھے۔ اساتذہ ایسے کہ علوم کے سمندر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ حضرت مفتی محمد حسن صاحب (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور) اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ جیسے بابرکت، اونچے اور قدآور نام، کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

اور آپؒ کے فیض یافتہ شاگرد بھی ایسے کہ آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں: مُصلح الامۃ حضرت صوفی محمد سرور صاحبؒ، حضرت ضیاء القاسمیؒ، مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقیؒ اور علامہ علی شیر حیدریؒ جیسے نامور مجاہد آپ کے شاگردوں میں ٹھہرے۔

اور آپ کا علم تو بحر بیکراں، پہاڑ کی طرح راسخ اور سمندر کی طرح ناختم ہونے والا، مگر باوقار، شاندار اور مضبوط دلائل سے مالا مال۔ درحقیقت حضرت علامہ اپنی مثال خود آپ تھے۔ آپ بیک وقت صاحب طرز ادیب، باکمال خطیب، حوالہ دار مصنف اور حاضر دماغ کامیاب مناظر تھے۔

قوت حافظہ، وسعت مطالعہ، فصاحت و بلاغت اور قدیم وجدید علوم کے بے تاج بادشاہ تھے۔ آپ توحید وختم نبوت کے پُر زور مبلغ تھے اور عظمت و ناموس صحابہؓ کے غضبناک سپاہی تھے۔ وقت کے جبال العلم اور نامور شیوخ آپؒ پر مکمل اعتماد کرتے اور اپنی مجالس میں آپ کا والہانہ تذکرہ فرماتے تھے۔ مفسرِ قرآن حضرت احمد علی لاہوریؒ، امیر شریعت حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے آپ نورِ نظر اور معتمدِ خاص تھے۔

فرق باطلہ، مرزائیت، رافضیت، نیچریت، منکرین فقہ اور اہل بدعت کے خلاف آپ کی ناقابلِ فراموش کاوشوں کو ہمیشہ سراہا جائے گا۔ حضرت کی گراں قدر نایاب تصانیف امت کی ہدایت کا ذریعہ اور خرمن کفر کے لیے شعلہ جوّالہ ہیں۔ دم قدم ہدایت کے متلاشی کے لیے نورِ ایمان اور باطل نظریات کے مقابل سد سکندری۔

آہ! بلند پایہ حضرت کی تحریر بھی عجیب۔ نکتہ رس آپ کے خطبات بھی عجیب۔ جامع کمالات حضرت کے اوصاف بھی عجیب۔ اور علم وعمل، زھد وتقویٰ اور جہد مسلسل کی انمول تصویر قابل فخر علامہ خود بھی عجیب۔

اللھم نور قبرہ و أملاہ مغفرۃ ورحمۃ

---

(۳۱)۔ حکیم محمد امجد شاکر، گجرات

رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ کا سب سے بڑا علمی حادثہ مفکر اسلام فاضل دارالعلوم دیوبند حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کی وفات کی خبر ہے۔ ۲۰ر رمضان المبارک کو پانچ بجے شام کے قریب اطلاع ملی کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ ہم سے رخصت ہوگئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

۱۹۹۹ء کی سردیوں کی ایک شام یاد آ گئی، جب کچھ مجاہدین کے ساتھ حضرت سے لالہ موسیٰ میں ملاقات ہوئی۔ حضرت نے مسجد میں بیان فرمایا اور غیر مقلدین کو آڑے ہاتھوں لیا اور دلائل کے ساتھ جماعت المسلمین کی عمارت کو فنا کر دیا۔ آپؒ کے سمجھانے کا طریقہ بھی بڑا ازبردست تھا وہ خود تو مناظر تھے ہی۔ جب وہ کسی کو سمجھاتے تو سکول، کالج کے طلبہ کو مناظرہ سکھا دیتے۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ سے ملاقات بھی اچھی رہی، خوش ہوئے، دعائیں دیں۔ انہوں نے اپنی کتاب اور امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ کا شجرہ علمی، محدثین اور فقہا کی نسبت سے کتابچہ کا بھی تعارف کروایا۔ میں نے لے کر ان کا بھی مطالعہ کیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کو جزائے خیر دے۔ آمین۔ بعد میں ''مطالعہ بریلویت'' بھی پڑھی اور مختلف مضامین سے بھی استفادہ ہوا۔ حضرت باطل قوتوں کے خلاف ایک ننگی تلوار تھے۔ حضرت نے '' آثار احسان'' میں صفحہ ۲۳۶ ر پر ''درویشانِ طریقت جہاد کے خلاف نہیں رہے۔'' کے ذیل میں اہل طریقت کی جہاد میں حصہ لینے کے بارے میں لکھا ہے۔ یقیناً

یہی بات ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی بدر اور اُحد کے بارے میں پڑھے اور میدان جہاد میں نہ نکلے؟

ہمارے حضرت امیر المجاہدین مولانا محمد مسعود ازہر مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ: جب مسلمان نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھتا یا سنتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ انعام یافتہ، انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین کا ذکر فرماتے ہیں۔ تو جو لوگ جہاد نہیں کرنا چاہتے وہ کیسے اس آیت سے گزرتے ہوں گے پتہ نہیں کیا تاویل کرتے ہوں گے۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ لکھتے ہیں: ''جو لوگ اہل طریقت کے وقائع حیات سے آشنا نہیں۔ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ درویشی، رہبانیت اور ترک دنیا کا نام ہے اور تصوف کی لائن اضبوں کی طرح لوگوں کے جذبات کو دبانے اور ٹھنڈا کرنے کے لیے عمل میں آئی تھیں، ایسا ہرگز نہیں۔'' [صفحہ:۲۳۶]

اس کے بعد مختلف شیوخ کے جہاد کے متعلق واقعات بیان کیے ہیں۔ اللہ جزائے خیر دے علامہ صاحبؒ کو کہ مکمل اسلام بیان کرتے تھے۔

بہر کیف اسلامی سرحدوں کا یہ جانثار محافظ ومجاہد، دین کی حفاظت، سنت، فقہ حنفی اور عقائد اہل السنۃ والجماعۃ، علما دیوبند پر چاروں طرف سے دشمنان اسلام کے پے در پے حملوں کا اپنے اکابر واسلاف کے طریقہ پر دفاع کرتے ہوئے آخر کار ۲۰؍رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ کو ۹۷؍سال کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اللہ رب العزت حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام اور کروٹ کروٹ سکون نصیب فرمائے۔ پسماندگان، ورثا، علماء، اور امت مسلمہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ امت کو گمراہی، لادینیت ولا مذہبیت اور آئے روز اٹھنے والے فتنوں سے نجات عطا فرمائے۔ آمین

---

(۳۲)۔مفتی احمد الرحمٰن [مدرسہ عربیہ رفیقیہ (رجسٹرڈ) جامع مسجد کلاں جھاوریاں]

اگرچہ دنیا کے اس پل پر سے گزر کر عقبیٰ کی طرف ہر انسان نے جانا ہے لیکن ان جانے والوں میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے متعلق کہنا پڑتا ہے ؎

پی گئی کتنوں کا لہو تیری یاد غم تیرا کتنے کلیجے کھا گیا

اس قبیل کی ایک عظیم المرتبت شخصیت رئیس المحققین استاذ المناظرین حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحبؒ (پی ایچ ڈی لندن) ہیں۔ آپؒ مسلکِ اہل سنت دیوبند کے عظیم الشان محقق اور مصنف تھے، سچ تو یہ ہے کہ علامہ صاحب علوم وفنون، تحریر و تقریر میں اپنی نوعیت کے جامع اور منفرد شخص تھے، ان کے علم وفضل کے شجرۂ طوبیٰ کی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں دُور تک راسخ تھیں اور دوسری طرف اس درخت کی شاخیں اور برگ وبار کی بلندیاں آسمان سے باتیں کررہی تھیں، ان کے علوم وفنون میں حقیقت کی روشنی اس قدر تیز ہوتی ہے کہ دلوں اور دماغوں میں تاریکیوں کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہتا تھا جو جگمگا نہ اُٹھے، قرآن کریم ہو یا حدیث، فقہ ہو یا منطق ہو، فلسفہ ہو یا علم معانی، علم بیان ہو یا علم کلام کسی بھی علم کے مشکل مسائل کی گتھیاں جو اہل علم کو پریشان کررہی

ہوتیں، جن کا سمجھنا ان کے بس کی بات نہ رہے، وہاں ان کا حل علامہ صاحب کے لیے ایک معمولی سی بات تھی، بڑے بڑے علماء کو مشکل مسائل کا حل معلوم کرنے کے لیے زانوئے استفادہ کرتے دیکھا ہے اور یہ بھی دیکھا ہے کہ ان کی طرف سے اس قدر شافی کافی محققانہ جواب ملتا تھا کہ سننے والا یہ سمجھ کر اٹھتا تھا کہ اس مسئلے کی آخری تحقیق یہی ہے جو علامہ صاحب نے بیان کی ہے، ان کی علمی عظمتوں کے آثار ان کی وہ تحقیقی تقریر یا تحریری بیانات ہیں جو دلوں کو شفا بخشتے ہیں۔

علامہ خالد محمودؒ صاحب پاکستان و ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کی جن چند ہستیوں کے علمی رسوخ اور دینی بصیرت پر اس دور میں اعتماد کیا جا سکتا ہے بلاشبہ علامہ خالد محمودؒ صاحب ان میں سے ایک تھے۔ نظر و مطالعہ کی وسعت، فکر کی دقت، سلاست اور زبان و بیان کی فصاحت و بلاغت اور حلاوت کی صفات جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان میں جمع کر دی تھیں، ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

علامہ صاحب کی یہ علمی شان تھی کہ ہر مشکل سے مشکل شریعت کے مسئلے کو وہ حقیقت کی طرح سمجھا دیتے تھے اس لیے کہ وہ شریعت کے مزاج سے پورے پورے واقف تھے اور ان کی انگلیاں قرآن وسنت فقہ اور کلام کی نبضوں سے اور ان کی دھڑکنوں سے بخوبی شناسا تھیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ علامہ خالد محمود صاحب کی مغفرت کاملہ فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ (آمین ثم آمین)

---

(۳۳)۔ مولانا مسعود خوشابی [استاذ الحدیث: مدرسہ دار القرآن والسنہ، منڈی بہاؤ الدین]

محقق زمان، غزالی دوراں، صمصام وقت، شیخ الحدیث والقرآن، کشور توحید وسنت کے باران شجاج، ظلمت رسم ورواج میں سراج وہاج، عزم وہمت کے بحر مواج، ہر ظالم وجابر کے لیے ملح اجاج، ہر باطل کے لیے مثال علاج، جہد مجسم، عزم مصمم، شرک وبدعت کے سامنے سیسہ پلائی، دیوار فکر قاسمی، گنگوہی اور لکھنوی کے نڈر سپاہی، بقیۃ السلف اور ترجمان مسلک اہل حق علامہ ڈاکٹر خالد محمود رمضان المبارک میں جنت مکانی ہو گئے۔ جس چیز کا آغاز ہے، اس کا انجام بھی ہے۔ موت ایک اٹل، حتمی اور یقینی امر ہے، نہ اس سے راہ فرار اور نہ ہی گریز کی کوئی سبیل۔ **حتی یاتیک الیقین** کے جاندار اور شاندار الفاظ اس حقیقت کے یقینی ہونے پر دلالت کر رہے ہیں۔ شاعر نے خوب کہا ؎

ایک ہی قانون عالمگیر کا ہے سب اثر — بوئے گل کا باغ سے گل چین کا دنیا سے سفر

اس دنیا میں کچھ ہستیاں ایسی بھی گزری ہیں، جن کی نگاہ اس جہان کی دلچسپیوں سے گزر کر آخرت کی راحتوں اور نعمتوں پر جا ٹکتی ہے۔ وہ خود چلے جاتے ہیں، مگر ان کا نام اور کام دُور تک اور دیر تک اپنے اثرات قائم رکھتا ہے ؎

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں — یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

موت کا بس صرف ظاہری جسم تک چلتا ہے، روح اس کی دسترس اور دست برد سے محفوظ رہتی ہے۔ حضرت علامہ

صاحب انہی ہستیوں میں تھے جنھوں نے با مقصد زندگی گزاری۔حالات کی سنگینیوں سے شاہراہ حیات کے جھاڑ جھنکاڑ سے گزرتے ہوئے، تحصیل علم وحکمت کی امنگوں سے گزرتے ہوئے میدان عمل میں اترے۔مرجعیت، مقبولیت اور محبوبیت کا مظہر بن گئے۔ان کے کیا کیا وصف بیان کیے جائیں۔ان کی تقریری وتحریری خدمات کا جائزہ لیا جائے تو ہزاروں مواعظ اور متعدد تصنیفات کا تحریری سرمایہ ان کے تبلیغی کارناموں کا گواہ ہے۔ان کی تصنیفات کوغور سے پڑھا جائے تو ان کی قرآن وحدیث میں دقت نظر، استنباط واستخراج کی خداداد صلاحیت، تفقہ فی الدین سے مسائل کی تہذیب تک پہنچنے کی استعداد، اپنی بات کو مستحکم استدلال سے باور کرانے کا ملکہ ان کا طرہ امتیاز رہا ہے۔اپنے موقف کے لیے جس طرح استشہاد کرتے ہیں تو مخالف سے مخالف اور معاند سے معاند بھی استدلال کی اس آہنی دیوار کے مقابلے میں اپنی آراء کو ریگ رواں پاتا ہے۔علامہ مرحوم کی اشاعت دین کے سلسلے میں مساعی جمیلہ ان گنت ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔محاذ کوئی بھی ہو، دین سے انحرافی راہیں اختیار کرنے والوں، دین فروشوں، غالی رافضیوں، منکرین ختم نبوت کا تعاقب جس استقامت سے کیا وہ قابل دید بھی تھا اور قابل داد بھی۔آپ کے چھوڑے ہوئے قیمتی علمی ورثے کے خوشہ چین جانے کب کب، کہاں کہاں، کون کون لوگ مستفید و مستفیض ہو کر اس میراث کے وارث بنیں گے اور اس روشنی کو آگے پھیلاتے رہیں گے ؎

کتنے ہی راہیوں نے سکھ پایا اے گھنے پیڑ تیری چھاؤں میں

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے راقم کو بھی ایسی علم وعمل کی جامع شخصیت کے شرف تلمذ سے نوازا۔حضرت علامہ کا قحط الرجال کے اس دور میں داغ مفارقت دینا انتہائی نقصان کی بات ہے۔۔اللہ تعالی سے دعا ہے کہ علامہ مرحوم کی جملہ دینی خدمات کو قبول فرما کر ان کی بدولت جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ یکے از تلامذہ محمد مسعود خوشابی

---

(۳۴)-مولانا قاری محمد اسحاق فاروقی [خادم: جامعہ صدیقیہ قادریہ محلّہ شمالی ڈومیلی ضلع جہلم]

راقم الحروف ۱۹۸۷ء موافق رجب المرجب ۱۴۰۷ھ میں مادرِ علمی جامعہ اشرفیہ لاہور میں دورہ حدیث شریف کے لیے تکمیلی مراحل طے کر رہا تھا۔اطلاع ملی کہ بعض بدعقیدہ حضرات نے علاقہ ڈومیلی کی پرامن خوشگوار فضا کو مکدّر کرنے میں رات دن صرف کر دیئے ہیں اور علاقہ ڈومیلی کی ہردلعزیز شخصیت قاطع شرک وبدعت ماہر علم وحکمت حضرت اقدس مولانا سیّد سَید علی شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز خیر العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کو مختلف انداز میں پریشان کرنا شروع کر دیا ہے۔ان بدعقیدہ حضرات نے اپنے آباؤ اجداد کی تربیت کے پیشِ نظر حضرت حکیم صاحب رحمہ اللہ کو مسئلہ حیات النبی کے موضوع پر مناظرہ کا چیلنج دیدیا۔خطیب اہل سنت مولانا قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ راوی تھے کہ حضرت حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طبعی شرافت اور مصلحت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جب فریق مخالف نے ضرورت سے زائد ظاہری سرگرمی کا مظاہرہ کیا تو پیر طریقت مجاہد ملت حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے مجھے علاقہ ڈومیلی جامع مسجد مقبول حضرت حکیم صاحب رحمہ اللہ کے پاس حالات کا جائزہ لینے بھیجا۔تمام تر صورت احوال کے بعد بالآخر مناظرہ کا چیلنج قبول کر لیا

گیا۔ گجرات، سرگودھا، نیلوی حضرات وغیرہ کو فریق مخالف نے خوب شہرت سے مدعو کیا جبکہ ہمارے اکابرین میں حقیقت کو آشکارا کرنے کے لیے مناظر اسلام امین ملت حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ، مناظر اسلام حضرت علامہ سعید احمد سرگودھوی رحمۃ للہ علیہ، **رئیس المتکلمین** سلطان المناظرین محقق اہل سنت حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ و دیگر حضرات علمائے کرام وقت سے پہلے میدان مناظرہ میں تشریف لا چکے تھے، جبکہ فریق مخالف کی قیادت مع مدعیان نظروں سے اوجھل ہونے میں مختلف ہتھکنڈوں سے غازیوں میں نام رقم کروانے میں کامیاب ہوگئی۔ علماء اہل حق کی طرف سے مسلسل انتظار بسیار کے باوجود فریق مخالف میدان مناظرہ سے کنارہ کشی کرتے رہے، نیز اعلیٰ سرکاری افسران سے ساز باز ہوئی، نقض امن کا واویلا کروایا گیا، اہل حق کا بالآخر حالات کو سنبھالا دینے کے باعث باہمی مشاورت سے اتحاد کرنا ضروری ٹھہرا۔ اندریں حالات جامع مسجد مقبول ڈومیلی میں عمومی جم غفیر سے عقیدہ مطہرہ حیات النبی پر اکابرین حضرات علماء حق اہل السنۃ والجماعۃ نے مفصل خطابات فرمائے، جن میں حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ اور حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ و دیگر اکابرین نے اس مسئلہ پر خوب روشنی ڈالی۔

چنانچہ مؤرخہ ۱۱ر فروری ۲۰۱۸ء جامعہ اشرفیہ لاہور کی مسجد الحسن کے توسیعی منصوبے کے پروگرام کے موقع پر حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ نے ڈومیلی آمد کے حوالہ سے بندہ ناچیز سے اس بارہ میں ذکر خیر فرمایا تھا، دعا ہے کہ رب تعالیٰ ہمیں اس اہل حق کے خوبصورت معطر و منور گلدستہ سے تادم آخر استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے رکھیں اور دور پرفتن میں بدعقیدگی سے محفوظ فرمالیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم

---

(۳۵)۔مولانا عبدالمقیت

فخر اسلام، سلطان المناظرین حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ ایک جامع العلوم شخصیت تھے، آپ نے عمر بھر خدمت اسلام اور علمی جہاد میں گزاری، حضرت سے تعارف بچپن میں ہی ہوگیا تھا، حضرت جب پاکستان تشریف لاتے تو بڑے بڑے جید علماء کی انتہائی خواہش ہوتی کہ حضرت کی مبارک رفاقت نصیب ہوجائے۔ حضرت کو بنیادی طور پر احقاق حق وابطال باطل کے سلطان ہونے کی حیثیت سے پہچانا، مگر جب حضرت کا تاریخی تفسیری اور فقہی ذوق منکشف ہوا تو ہو بہو حضرت نانوتویؒ کی زندہ تصویر سامنے آئی، بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے بعد علامہ صاحب کی شخصیت جامع علوم سے مزین نظر آئی۔

آپ کے خطبات میں اجتہاد و تقلید کی گفتگو بڑی دلچسپ ہوتی تھی، انکار تقلید کے سلسلے میں الحاد کی فضا نے موثر قدم جمائے جس نے امت کے اتحادی شیرازے کو تار تار کردیا، علامہ موصوف نے ملحدین کے موجدین یعنی منکرین فقہ المعروف غیر مقلدین کی سرکوبی فرمائی۔

آپ جہاں باا‌ثر عالم دین محدث مفکر مناظر اور فقیہ تھے وہیں دنیاوی علوم میں بھی گرفت رکھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ ہر طبقہ کے لوگوں کو بات سمجھانے کا خوبصورت ڈھنگ تھا، آپ نے اسلامک سائنسز اور تقابل ادیان جیسے موضوعات پر مہارت تامہ بھی

حاصل کی تھی۔

آپ معیارِ ایمان اور ایمان کی قدر ومنزلت کے زبردست داعی تھے، ایک دفعہ اسلامک اکیڈمی مانچسٹر میں کچھ سکھ آئے، انھیں نچلی منزل پر ہی بٹھایا گیا، ایک مسلم دوست ایک سکھ سے کہنے لگے کہ دس منٹ تم سکھ ازم سے علیحدہ ہو جاؤ، اور دس منٹ میں دینِ اسلام سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں، آؤ تبادلہ خیال کرتے ہیں، علامہ صاحب کو کسی نے خبر دی کہ ایک مسلمان نے اپنے آپ کو دس منٹ کے لیے اسلام سے جدا کر دیا ہے، یہ سننا ہی تھا کہ علامہ صاحب بھاگے اور اس مسلمان کو پکڑا..... جلدی جلدی اسے کلمہ پڑھا کر حلقہ بگوش اسلام کیا..... فرمایا: ایمان تو وہ چیز ہے جسے ایک لمحہ کے لیے بھی علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔

یقیناً ایسے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے، بے شک علوم وافہام دین دے کر اللہ نے آپ سے خیر وبھلائی کا معاملہ فرمایا۔ اکثر لوگ جب آپ سے ملاقات کرتے یا کسی معاملے میں گفتگو کرتے تھے تو جلد ہی آپ کی لیاقت، بصیرت، علمی وجاہت اور فقہی مقام کے قائل ہو کر آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو جاتے، زندگی میں بہتوں کو دیکھا ہے کہ چند فقرات رٹ کر علامہ بن جاتے ہیں اور فتنہ پروری کا سبب افراط وتفریط کے ذریعے بنتے ہیں، مگر حضرتؒ کو خدا نے ایسا ملکہ عطا کیا تھا کہ احقاق حق وابطال باطل میں مسلک اعتدال پر رہ کر کام کیا اور ہمیشہ بزرگوں کی توقعات پر پورا اتر کر مسلک حق کی زینت بنے رہے۔

اللہ نے حضرت کو سادگی جیسی عظیم نعمت سے بڑا نوازا تھا، دو تین سال پہلے حال ہی میں ہانگ کانگ ختم نبوت کانفرس تھی، حضرت نے باوجود زاد سفر مہیا کرنے کے بزنس کلاس میں سفر نہیں فرمایا تاکہ میزبانوں کو تکالیف کا سامنا نہ کرنا پڑے ایک صدی سے چند برس کم دنیا میں گزارے......شب وروز دعوت دین درس وتدریس اور دفاع اسلام میں گزرے......آپ کی زندگی کا انگ انگ متبرک گزرا...... جب دفاع صحابہؓ کا فریضہ سرانجام دیا تو وکیل صحابہؓ کے خطاب سے نوازے گئے...... جب مناظروں کی باری آئی تو سلطان المناظرین کے لقب سے نوازے گئے...... جب علم الکلام کے میدان میں قدم رکھا تو متکلم اسلام کہلائے ...... جب تدریس کا موقع آیا تو استاذ العلماء کہلائے...... جب رد قادیانیت کا فریضہ سرانجام دیا تو مجاہد ختم نبوت کہلائے...... جب عدالت میں گئے تو جسٹس کہلائے...... جب علم حدیث کی باری آئی تو محدث جلیل کہلائے......غرض آپ کی جامعیت کی وجہ سے آپ کو علامہ کے خطاب سے نوازا گیا۔

آپ کے افادات تا قیامت علوم وفیوضات کی برکات سے نوازت رہیں گے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

---

(۳۶)-محمد اجمل معروفی الاعظمی، معروف ضلع مئو یوپی الہند

رمضان کا بابرکت مہینہ تیزی کے ساتھ گذر رہا تھا اور دنیا کورونا وائرس جیسی مہلک بیماری سے بے چین تھی کہ اسی بے چینی کے عالم میں امت مسلمہ کے لئے ۱۴/مئی ۲۰۲۰ء بمطابق ۲۰/رمضان ۱۴۴۱ھ بروز جمعرات ایک اندوہناک اور غم ناک خبر موصول ہوئی کہ یادگار اسلاف، سرچشمہ علم وحکمت، بحر العلوم، رئیس المدققین، سلطان المحققین، فاتح رافضیت، فاتح بریلویت، فاتح

قادیانیت، فاتح عیسائیت، امام اہل سنت، مناظر اسلام، مفکر اسلام، مصنف کتب کثیرہ، حضرت علامہ خالد محمود P.H.D لندن امت مسلمہ کو روتا بلکتا چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اس خبر کا سننا تھا کہ اہل علم کے پاؤں تلے زمین کھسک گئی۔

علامہ کی وفات پر مخلوقِ خدا کی زبان پر عجیب تذکرے تھے۔ کسی نے کہا کہ صدی کا سب سے بڑا مناظر چل بسا۔ کسی نے کہا کہ سُنیت یتیم ہوگئی۔ کسی نے کہا کہ دیوبند کا فخر چلا گیا۔ کسی نے کہا کہ عرب وعجم، یوروپ وایشیا کا سب سے بڑا عالم چل بسا۔ کسی نے کہا کہ تحفظ عقیدہ ختم نبوت کا پشتیبان اور ناموس صحابہ کا پاسباں چلا گیا۔ کسی نے کہا کہ غزالی زماں اور رازئ دوراں رخصت ہوگیا۔ کسی نے کہا کہ قوتِ حافظہ، حاضر جوابی اور فقر ودرویشی کا تاجدار ہمیں داغ مفارقت دے گیا۔

ہاں زمانے کا حافظہ تجھے یاد کرے گا۔ ہاں مؤرخ اس بات کو لکھے گا کہ پاکستان کی عدالتوں اور پارلیمنٹ سے لیکر برطانیہ، امریکہ، افریقہ اور عرب ممالک تک کس نے اپنی نمود ونمائش سے کوسوں دور رہ کر فقر اور درویشی میں اپنا نام گم کر کے دین و مذہب کو کیسے کیسے وقت میں کس کس طرح سنبھالا کہ اس پر دنیائے یہودیت اور عیسائیت اور تمام مذاہب کے لوگ پکار اٹھے کہ ہاں یہ ہے امت مسلمہ کا علامہ وقت۔

دنیا کے پرستار جب کبھی خواب غفلت سے بیدار ہونگے تو تلاش کریں گے کہ کون تھا وہ شخص جس نے افریقہ اور گھانا کے خوفناک جنگلوں میں ختم نبوت کی اذان دی؟ ہاں زمانہ ایک دن ضرور پوچھے گا کہ وہ کون تھا جس نے نصف صدی سے زائد عرصہ میں پوری دنیا کے اسفار اپنی ایک بوسیدہ قمیص اور پرانی دھوتی میں کیا؟ تو جواب ملے گا کہ وہ مرد قلندر وہ تحفظ ختم نبوت کا پہریدار وہ ناموس صحابہ کا محافظ علامہ خالد محمودؒ ہی تھا۔ جو برطانیہ (انگلینڈ) کا باشندہ ہوکر بھی اپنے جسم پر جبہ اس لئے زیب تن کئے رہتا تھا کہ کپڑوں کی بوسیدگی اور سیاہی کے داغ نظر نہ آئیں۔ یعنی فقر کی شان بھی باقی رہے اور علماء کا مقام بھی باقی رہے۔ واہ امت مسلمہ کے عظیم قائد، عظیم رہنماء تجھے صدیوں اور قرنوں کا سلام

میں نے جتنے بھی لفظ سوچے ہیں ترے مقام تری عظمتوں سے چھوٹے ہیں

انالله وانااليه راجعون، اللهم اغفرله، وارحمه، وادخله الجنة فى الفردوس الاعلىٰ، اللهم لاتفتنا بعده، ولاتحرمنا بعده، آمين، يارب العلمين، برحمتک یاارحم الراحمين.

---

(۳۷)-مولانا عبدالرؤف [فاضل ومتخصص دارالعلوم عیدگاہ کبیر والا]

اللہ تعالیٰ نے علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کو بے شمار خداد صلاحیتوں سے نواز رکھا تھا، آپ عقلی ونقلی علوم میں کمال درجہ کی مہارت رکھتے تھے، علمی حلقوں میں آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، آپ کا نام آتے ہی سر ادب سے جھک جاتا ہے، آپ عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیت تھے، آپ ہی کی شخصیت ہے جن کے بارے ایک مرد قلندر نے فرمایا تھا ''خالد محمود وہ ہے جس کی شخصیت پر تو دارالعلوم دیوبند کو بھی فخر ہے''۔ علامہ مرحوم میدانِ مناظرہ کے شہسوار تھے۔

قلمی میدان میں بھی آپ کی تصنیفات کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ کا قلمی مواد شستہ اردو میں فصاحت وبلاغت سے

بھرا ہوا ہے، آپ کی تصنیفات تحقیقی اعتبار سے کمال درجے کو پہنچی ہوئی ہیں اور اس قابل ہیں کہ مطالعے کے بعد آنکھیں بند کر کے ہر بات بیان کی جاسکتی ہے، آپ کی تصنیفات سے بہت زیادہ استفادہ کرنے کا موقع ملا، جن میں خلفاء راشدین، عبقات، معیار صحابیت، مناظرے اور مباحثے اور خطبات خالد سرفہرست ہیں، حضرات خلفاء راشدین کی حیات طیبہ پر علامہ صاحب کی مرتب کردہ کتاب ''خلفاء راشدین'' ایک جامع و مانع دستاویز ہے جس میں حضرات خلفاء راشدین کی زندگیوں کے مختلف پہلوں پر سیر حاصل کلام کیا گیا ہے، تحریر و تقریر میں اکثر اسی کتاب سے استفادہ کا موقع ملتا رہتا ہے۔ عرصہ ہوا ایک صاحب فرمانے لگے کہ فلاں مفتی صاحب نے اپنے ایک درس میں فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کندھوں پر اٹھانے والی روایت مجھے کہیں سے نہیں مل سکی، بندہ گناہ گار نے ان صاحب سے عرض کی کہ ان مفتی صاحب سے کہیں علامہ خالد محمود صاحب کی خلفاء راشدین دیکھیے وہاں حوالہ موجود ہے، اور علامہ صاحب بلا تحقیق ہر چیز کو کتاب کا حصہ نہیں بناتے۔ آپ کی کتب ''آثار التنزیل اور آثار الحدیث'' بھی اپنے موضوع پر معرکۃ الاراء دستاویزات ہیں۔

بات کو عمدہ انداز میں بیان کرنا بھی علامہ صاحب کا خاص وصف تھا، زندگی میں کبھی ان سے ملاقات کا موقع تو نہیں ملا البتہ دو دفعہ اپنے شہر چیچہ وطنی میں جمعہ کے اجتماعات میں ان کی گفتگو سننے کا موقع ملا، ان کی گفتگو ایسی عام فہم ہوتی تھی کہ سامنے بیٹھا ایک کم علم بھی بآسانی بات سمجھ جاتا تھا، علمی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو جو مقام اور مرتبہ عطا فرمایا تھا اس سے تو کسی کو انکار نہیں لیکن کمال یہ تھا کہ وہ اپنے علم کو غیر محسوس طریقے سے سمجھانے کا ملکہ بھی رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان کی گفتگو عالم اور جاہل ہر ایک کے لیے مفید ہے۔ ان کی بہت سی ویڈیوز سے بھی استفادے کا موقع ملتا رہتا ہے جو دلائل و براہین سے لبریز ہوتی ہیں، اور بھی بہت سی کتب میں پڑھنے کا موقع ملا لیکن جس انداز میں علامہ صاحب نے اپنی ایک گفتگو میں اس کو بیان فرمایا شاید ہی کہیں سے مل سکے۔

یقیناً علامہ صاحب کا جانا کسی قیمتی سرمائے کے کھو جانے سے کم نہیں، علمی لحاظ سے اہل السنۃ والجماعۃ ایک محقق سے محروم ہوگئی، آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم علامہ صاحب کی کتب اور تقاریر سے استفادہ کر کے ان کے مشن کو عام کرنے اور گام گام پہنچانے کی تگ و دو کریں تاکہ محافظین اسلام کی لسٹ میں کہیں ہمارا نام بھی شامل ہو جائے۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو آمین

---

(۳۸)-مولانا عمر فاروق بنوی

آج کا دن ایک بار پھر پاکستان کی علمی و ادبی اور دینی تاریخ میں ایک المناک سانحہ اور جانگداز المیہ کی حیثیت سے یاد گار رہے گا۔ آج اقلیم علم کا تاجدار، گلشن دین کا باغبان، حریم نبوت کا پاسبان، قاسمی حکمت کا رازدان، ولی اللّٰہی سلسلہ کا امین، علم و معرفت کا بحرِ مواج، اسرار شریعت کا نکتہ رس، محقق و مدقق حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ دنیا کے افق سے غائب ہوگئے۔ آپؒ کی رحلت فرمانے سے آپؒ کے روحانی فرزندوں کی روح بے چین ہے، اور غمِ فراق، درد فرقت، جدائی کی کسک کی وجہ سے قلب و جگر مضطرب ہے اس لیے کہ آپؒ ان ہستیوں میں شامل تھے کہ ان کی زندگی ایک حوالہ تھی اور ایک روشنی تھی جس کی تلاش

سب کو ہوتی ہے، جس کی آرزو اور جستجو سب کرتے تھے۔ مگر اس منزل تک پہنچنا، اس طرح حوالہ بننا، اس طرح روشنی بکھیرنا ہر ایک کی بس کی بات نہیں ہوتی ؎

آتی ہی رہے گی ترے انفاس کی خوشبو گلشن تری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

آپؒ سے ملاقات اور ان کے شیدائی بننے کا اصل سبب:

اس کا اصل سبب میرے ساتھی مولانا طارق کامران تھے، جو جامعہ دار التقوی لاہور میں اس وقت تخصص فی الفقہ کے طالب علم تھے۔ انہوں نے راقم السطور سے آپؒ کا تذکرہ کیا کہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں کئی سالوں سے ایک عظیم شخصیت حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب پی ایچ ڈی لندن تشریف لاتے ہیں جو کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے فیض یافتہ ہیں۔ اگر چہ راقم السطور جامعہ اشرفیہ میں پہلے ایک سال سبق پڑھ چکا تھا، مگر آپؒ سے ناواقف تھا، ناواقفیت کی اصل وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ شاید آپؒ اس سے قبل جامعہ میں باقاعدہ تشریف نہیں لاتے تھے۔ اثناء کلام میں میری خواہش پیدا ہوئی کہ میں آپؒ کا شاگرد بن جاؤں اور ان سے ہمیں احادیث کی اجازت مل جائے۔ پھر کئی سالوں تک موقع فراہم نہیں ہوا جبکہ دل تو آپؒ کی محبت سے پہلی ہی روز سے سرشار ہو چکا تھا۔ ؎

محبت کیا ہے دل کا درد سے معمور ہو جانا متاعِ جاں کسی کو سونپ کر مجبور ہو جانا

امسال (۲۰۲۰ء) میں جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں دورۂ حدیث کا طالب علم تھا، حسن اتفاق کہئے کہ ان دنوں میں میرے دوست لاہور کے ایک مدرسے میں مدرس تھے۔ انھوں نے مجھے پیغام بھیجا کہ ایک دو ہفتے کے اندر اندر علامہ صاحبؒ انگلینڈ واپس جانے والے ہیں۔ پیغام ملتے ہی میں تذبذب کا شکار ہوا، کیونکہ میرا ارادہ کچھ عرصہ بعد جانے کا تھا، لیکن نوشتہ تقدیر میں کچھ اور لکھ چکا تھا۔ بس میں اسی دن جامعہ حقانیہ سے گھر آیا اور دوسرے دن جامعہ اشرفیہ کا رخ کیا۔ اور ان دنوں آپؒ جامعہ اشرفیہ میں علوم نبویہ کی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ میں وہاں پہنچا اور آپؒ سے پہلی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپؒ کے خادم خاص مولانا صہیب ظفر صاحب سلمہ اللہ نے جب میرا تعارف کروایا اور میرا چھوٹا سا تحفہ آپؒ کے سامنے پیش کیا تو آپؒ نے مجھے گلے سے لگایا اور فرمانے لگے یہ کیوں لائے ہو؟ آپ تو ہمارے مہمان ہیں۔ دعاؤں کے ساتھ ساتھ آپؒ نے مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ کا ملفوظ بیان فرمادیا کہ وہ جب جامعہ اشرفیہ کی بنیاد رکھ رہے تھے تو انہوں نے طلباء کی رہائش گاہ کو مہمان خانہ نبوت کا نام دیا، پھر فرمانے لگے کہ طلبہ تو مہمانان رسول ہیں۔ پھر چند دن میں اور میرا دوست آپؒ کے دروس سے استفادہ کرتے رہے اور ان کی علمی گفتگو سے مستفید ہوتے رہے۔ میں اسے اپنی خوش قسمتی سے تعبیر کرتا ہوں کہ مجھے آپؒ کے دروس میں علمی پیاس بجھانے کا موقع ملا۔ میں نے اپنی زندگی میں جو بہترین اوقات گزارے ہیں۔ ان میں آپؒ کے دروس میں شرکت نصیب ہونا ایک امتیازی خصوصیت رکھتا ہے۔ کیونکہ آپؒ ان خوش قسمت ہستیوں میں سے ہیں جنہوں نے دار العلوم دیوبند کا وہ سدا بہار زمانہ پایا ہے جس کو دیکھنے کے لئے آنکھیں ترستی ہیں اور ان اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کیا جو اپنے دورِ حیات میں خلائق مرجع تھے۔

---

(۳۹)-مولانا عبدالستار [مدرس: جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام گلگت]

۱۹۸۹ء کی بات ہے کہ ہم لوگ فن تقابل الادیان سیکھنے کی غرض سے ختم نبوۃ اکیڈمی فیصل آباد میں حاضر ہوئے جہاں پاکستان کے نامور علماء اور ماہرین فن حضرات موجود تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں: (۱) حضرت مولانا خالد محمود صاحب، پی ایچ ڈی لندن۔ (۲) شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل امین صاحب۔ (۳) امیر عزیمت مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ۔ (۴) حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ۔ (۵) حضرت مولانا محمد یوسف رحمانی صاحب۔ (۶) خطیب ایشیاء حضرت مولانا ضیاء القاسمی صاحب۔ بعض اساتذہ تو اسی سال ہی مرتبہ شہادت پر فائز ہوگئے، اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو قبول فرمائیں۔ (آمین)

حال ہی میں ایک ساتھی کے توسط سے اطلاع ملی ہے کہ استاذِ محترم حضرت مولانا خالد محمود صاحبؒ بھی اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے قصور معاف فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں۔ (آمین) حضرت کی وفات اہل سنت کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے استاذِ محترم اپنے دور میں بڑے ذہین علماء میں شمار ہوتے تھے، انہوں نے ہی ہمیں فن تقابل الادیان پڑھایا، جس کی ابتداء آپ ان الفاظ سے فرماتے تھے کہ: کسی بھی مذہب پر پورا قابو پانے کے لیے آپ کو تین مراحل سے گزرنا ہوگا: (۱) تاریخی مطالعہ۔ (۲) تنقیدی مطالعہ۔ (۳) تردیدی مطالعہ۔ پھر حضرت مثالوں کے ساتھ تینوں مراحل کی وضاحت فرماتے تھے جواَب بھی میری کاپی میں محفوظ ہے۔

دورانِ درس ایک قصہ بیان فرمایا کہ: ایک جگہ علمائے اہل سنت اور علمائے بریلوی جمع تھے، کسی نے پوچھا کہ ''نعرہ رسالت'' کا جواب ''یارسول اللہ سے دینا چاہئے یا ''محمد رسول اللہ'' سے؟ تو میں نے کہا: جو لوگ بزدل ہیں اور کافروں سے ڈرتے ہوں وہ تو ''یارسول اللہ'' سے جواب دیں اور جو دلیر ہیں اور وہ کافروں سے ڈرنے والے نہیں وہ ''محمد رسول اللہ'' سے جوب دیں گے۔ انہوں نے پوچھا: یہ کیسے؟ میں نے جواب دیا جب ''نعرہ رسالت'' کے جواب میں ''یارسول اللہ'' کہیں گے تو یہود ونصاریٰ اور قادیانی وغیرہ سب خوش ہوں گے کہ شاید ہمارے نبی مراد ہوں اور اگر تم نے جواب ''محمد رسول اللہ'' سے دیا تو سب ناراض ہوں گے کہ یہ تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے اور مسلمان ہیں۔ مطلب یہ کہ ''محمد رسول اللہ'' میں اپنے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کا اظہار ہے اور ''یارسول اللہ'' میں ابہام اور اپنی پستی اعتراف۔ والسلام، عبدالستار، تانگیر دیامر گلگت بلتستان

---

(۴۰)-مولانا طاہر فاروقی، لاہور

ٹپک پڑتے ہیں آنسو جب تمہاری یاد آتی ہے یہ وہ برسات ہے جس کا موسم نہیں ہوتا

برادرانِ اسلام! ذاتِ باری کے علاوہ کسی کو بقا نہیں، کوئی شخص لازوال نہیں، مگر انسانیت کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں بعض مقدس ومحبوب بارگاہ الٰہی شخصیات ایسی بھی ہیں جن کی ذات، ان کے کمالات، خدمات، علوم ومعارف، علم وولایت کے آئینہ میں بادوام لازوال ہوجاتی ہے، پس اُن مقدس ومحترم شخصیات میں ایک ہستی فخر علماء دیوبند، آبروئے قلم وقرطاس، محقق و مدقق، عالم نحریر حضرت العلام مولانا خالد محمود رحمہ اللہ کی بھی ہے۔ میرے علم سے بے بہرہ ہونے کا تقاضا یہ تو یہ تھا کہ حضرت پر کچھ

بھی لکھنے کی جرأت وجسارت نہ کرتا،لیکن جرأت اس لیے پیدا ہوئی کہ حضرت علامہ صاحبؒ کے حوالہ سے جو چند یادیں جو میرے علم میں ہیں امت کی اِن سے محرومی مواخذہ کا باعث بن سکتی ہے۔

۱۹۹۰ء کی دہائی تھی کہ جب ہم مدرسہ کے ماحول سے واقف ہوئے، چنانچہ جب میں درجہ ثانویہ عامہ میں تھا تو جامعہ محمودیہ جھنگ میں حضرت علامہ صاحبؒ تشریف لائے، یہ پہلی زیارت تھی جو نصیب ہوئی، گھر واپسی پر والدِ محترم قاری محمد عظیم صاحب مدظلہ سے تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: جب میں لاہور میں قاری محمد حسن شاہ صاحب مرحوم کے پاس پڑھتا تھا تو علامہ صاحبؒ کے پروگرام میں شرکت کا موقعہ ملا، حضرت علامہ صاحبؒ نے فرمایا: جو باطل ابھی پیدا نہیں ہوا، وہ پیدا ہو، اسکے نظریات و عقائد اُن تمام باطل فرقوں سے مختلف ہوں جو اَب موجود ہیں یا موجود ہو کر معدوم ہو چکے۔ پھر وہ سو سال تیاری کرے، اللہ تعالیٰ مجھے زندگی دے اور وہ میرے سامنے آئے تو ان شاءاللہ چند منٹ میں اللہ کے فضل سے اُس کا باطل ہونا واضح کردوں گا۔

دوسری مرتبہ آپ کی زیارت کا شرف پنڈی بھٹیاں کی شاہی مسجد میں ہوا جہاں عاجز جمعہ پڑھانے کی غرض سے آیا اور حسنِ اتفاق سے مسجد کے پڑوس میں حضرت علامہ صاحبؒ اعزہ کے ہاں شادی کی تقریب میں تشریف لائے ہوئے تھے، چنانچہ آپ نے خطبہ جمعۃ المبارک ارشاد فرمایا، جس میں آپ نے ایک جملہ ارشاد فرمایا جو مجھے آج تک یاد ہے، فرمایا: نوجوانو! تم مغرب جاتے ہو تو ڈگریاں لینے کے لیے جاؤ، مگر ایک بات ضرور یاد رکھنا مغرب تو وہ ہے جہاں سورج بھی جائے تو ڈوب جاتا ہے۔

تیسری مرتبہ آپ کی زیارت امام اہل سنت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے جنازہ پر ہوئی جب اسٹیج پر آپ کے نامِ مبارک کا اعلان ہوا، آپ تشریف لائے تو فرمایا: جو دنیا میں آیا ہے اُس نے ایک دن ضرور جانا ہے، مگر فرق یہ ہے کہ کوئی اس دنیا سے سرفراز جاتا ہے اور کوئی اس دنیا سے سرنگوں جاتا ہے۔

چوتھی مرتبہ آپ کی زیارت ایوانِ اقبال لاہور میں شہدائے اسلام کانفرنس ۲۰۱۱ء میں ہوئی جب آپ تشریف لائے جہاں اور علماء نے استقبال کیا، وہاں کانفرنس کے سرپرست علامہ محمد لدھیانوی دام اقبالہ نے بھی استقبال کیا۔ چنانچہ جب آپ کے خطاب فرمانے کا اعلان ہوا تو پیرانہ سالی کی وجہ سے مائیک آپ کی نشست تک لانے لگے، آپؒ نے روک دیا، اُٹھ کر خود اسٹیج تک آئے اور فرمایا میں اس وجہ سے اُٹھ آیا کہ ایسا نہ ہو۔ ع ناداں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا

دنیا کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس پر حضرت کی نظر نہ گئی ہو، آپ کی قلم وتقریر نے کتنے گم کردہ راہ کو راہ دکھائی ہے۔ دیارِ غیر میں بیٹھ کر آپ نے علم کے چراغ کو روشن رکھا۔ اللہ ہمیں آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔

دل کی گہرائیوں سے جب بھی کرو گے یاد ہمیں تمہیں میرے قریب ہونے کا احساس ہوگا

---

(۴۱)۔ جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام، مدنی محلّہ جہلم [پریس ریلیز: ۱۶ رمئی ۲۰۲۰ء]

ہم مفکر اسلام، سلطان العلماء، رئیس المحققین، مناظر اہل سنت حضرت مولانا جسٹس (ر) ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی عظیم دینی، علمی، تحقیقی و تصنیفی خدمات پر خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ اور دعا گو ہیں کہ رب تعالیٰ ان کی

جملہ مساعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائیں اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ درجہ عطا فرمائیں۔ اور ان کے جملہ پس ماندگان اور دنیا بھر میں موجود ان کے تلامذہ ومعتقدین کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ آمین

مولانا مفتی محمد شریف عابد [رئیس دارالافتاء]......مولانا محمد ظفر اقبال [شیخ الحدیث]......مولانا محمد ابوبکر صدیق [مہتمم]

(۴۲)-مولانا محمد عطاء الحق قلبی [استاذ تفسیر وحدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ ودارالعلوم نورالاسلام، اٹک]

اہل حق کی تاریخ اُمت مسلمہ کی عبقری شخصیات کے پہلو بہ پہلو گھومتی اور اُن کے نقشِ پا کو چومتی نظر آتی ہے۔ وقت کے مؤرخ ان کے سدا بہار کارناموں کو رقم کرنے چلے آئے ہیں۔ آج، اہل قلم قافلہ کے حق کے ترجمان، علم وعمل کے درماندہ، راہروؤں کے حُدی خوان، حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی یادوں کے چراغ جلائے بیٹھے ہیں ؎

کٹ گیا درخت، مگر تعلق کی بات تھی
بیٹھے رہے زمیں پر پرندے تمام رات!

یوں بہت لوگ "تحت حفلة اهل السنة والجماعة الحنفية الديوبندية" کے مدعی ہیں، لیکن ثاقب ذہن، مضطرب دل، متحرک قوی، بے قرار روح، مضبوط علم، طویل تجربہ، معتدل مزاج، وسیع مطالعہ اور محاکمانہ طبیعت ہر ہوسناک کا حصہ نہیں، اس حوالہ سے حضرت ممدوح اسم بامسمیٰ کے طور پر سامنے آتے ہیں ؎

تشبیہ شاخِ گُل کو نہ دوں کیوں صلیب سے
دیکھا ہے میں نے جشنِ بہاراں قریب سے!

حضرت موصوفؒ نے بزم ورزم کا حق ادا کرتے ہوئے اہل حق کی فتح کے مناظر بھی پیش کیے۔ اور اہل باطل کو شکست و ریخت کے تماشے بھی دکھائے۔ آپ کی اکثر تصانیف اس سلسلہ کی عمدہ شہادت ہیں، اللہ کرے آپ کی باقی زیرِ طبع کتب بھی شائع ہو جائیں، بالخصوص آپ کے مناظروں کی روداد یں اگر طبع ہو جائیں تو یہ بھی ایک عظیم علمی اور تاریخی سرمایہ ہوگا۔

آپ کی کتب میں "مقام حیات" نے شہرتِ دوام پائی ہے۔ اسی طرح "آثار التنزیل" میں بعض ایسے حقائق آ گئے ہیں جو بڑی بڑی متداول تفاسیر کے مقدموں میں بھی نہیں ملتے۔ اسی طرح حضرت کے عوامی خطبات بھی اپنے اندر علمی وتحقیقی رنگ لئے ہوئے ہیں۔ تقریباً سولہ سال قبل جامع مسجد سعدی پارک مزنگ لاہور، میں عزیز محترم عثمان امجد علی صاحب کی تقریبِ نکاح میں حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے خطاب فرمانا تھا، احقر بھی مدعو تھا، آپ نے "فضیلتِ نکاح" اور "فلسفۂ نکاح" پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: قرآن پاک نے میاں بیوی کے لیے اِحصان، محصنین، محصنات جیسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں، عربی میں حصن قلعہ کو کہتے ہیں، گویا مرد اور عورت نکاح کے بعد عفت و پاکدامنی کے مضبوط قلعہ میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ یورپ میں طلاق کا اختیار عورت کو ہے، جب کہ اسلام میں اس طرح نہیں۔ اسلام میں پہلے عورت والوں کو "اختیار" دے کر پوچھا جاتا ہے اور "ایجاب" کروایا جاتا ہے، بعد میں مرد سے "قبول" کروایا جاتا ہے، جب وہ قبول کر لیتا ہے تو اب عورت والوں کا یا عورت کا اختیار ختم ہو جاتا

ہے۔(مفہوم)

مطالعۂ بریلویت کی دو جلدیں جب پہلی بار شائع ہوئیں اور حضرت اقدسؒ چند نسخے ہمراہ لے کر جامع مسجد سعدی پارک عمِ محترم واستاذِ مکرم حضرت مولانا غلام مصطفٰی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تشریف لائے۔ تو ایک صاحب نے پوچھا کہ کتاب کے نام سے بعض لوگ فرقہ وارانہ تاثر لیں گے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ: ''نہیں یہ کتاب تو ایک مطالعہ ہے، تجزیہ وتبصرہ ہے۔ اس کو ہر طبقہ پڑھ سکتا ہے اور اسکولوں کالجوں کی لائبریریوں میں بھی رکھا جاسکتا ہے۔''

حضرت ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کو سمجھنے کے لیے علومِ اسلامیہ پر دستگاہ ضروری ہے، آپ کی تقریریں، تعبیریں، اور تحریریں علم ووجدان کی دنیا پر راج کرتی نظر آتی ہیں۔ مجھے تو وہ الفاظ تڑپاتے ہیں جو آپ نے امام اہل سنت حضرت اقدس استاذ محترم مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ پر اپنے خطاب کے آخر میں فرمائے۔ ''دنیا میں ہر شخص جانے کے لیے آتا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ کوئی سرنگوں ہو کر جاتا ہے اور کوئی ''سرفراز'' بن کر جاتا ہے۔'' افسوس ایسی عظیم الصفات ہستیوں سے ہماری دنیا خالی ہوتی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے اور حضرت علامہؒ کو کروٹ کروٹ فردوس عطا فرما کر درجات بلند فرمائے۔ آمین

---

(۴۳)-مولانا شمعون خان پوری[متعلم: دورہ حدیث دار العلوم اشرفیہ راندیر، سورت، گجرات، الہند]

عالمِ اسلام کی عظیم شخصیت اور حقیقی معنی میں لفظ علامہ کے مصداق، کامیاب مناظر، اہلِ حق کے روشن مینار، ٹھوس علمی کتابوں کے مصنف، حضرت علامہ خالد محمود صاحب کی وفات کے بعد لکھا گیا ایک عریضہ

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو　　　تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

رمضان المبارک کے برکت اور فضیلت والے مہینے میں حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کی وفات کا حادثہ جانکاہ پیش آیا۔

یہ سرائے دہر مسافرو! بخدا کسی کا مکاں نہیں　　　جو مکیں تھے اس میں کل تلک آج ان کا نشاں نہیں

علامہ صاحبؒ سے کبھی ملاقات کا شرف تو حاصل نہیں ہوسکا لیکن حضرت کی تقریرات وتحریرات سے بہت وابستگی رہی، وسیع علم، نظر میں گہرائی وگیرائی، مسلم محقق، فرقہ باطلہ کے رد میں بے مثال مناظر، بطور خاص ردِّ بریلویت میں حضرت کی شاہکار تصنیف اس کا بین ثبوت ہے۔ علامہ صاحب کی تصانیف پڑھنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ تن تنہا اس مجاہد نے کیسے زمانے کے زمانے لکھ دیئے اور اس میں بھی قرآن وحدیث اور علماء سلف کے حوالوں سے اوراق کے اوراق، ٹھوس اور علمی دلائل، تمام شبہات کا ازالہ، ہر اشکال کا حل مختلف اعتراض کا مدلل وکافی شافی جواب دیا ہے۔ حضرت کی قدیم تصنیف ''مقام حیات'' کے متعلق شیخ الحدیث والتفسیر مفتی زرولی خان صاحب فرماتے ہیں: ''کتاب کا اسلوب نگارش نہایت دلکش اور دلچسپ ہے اور اس کی زبان سلیس ورواں ہی نہیں بلکہ ادبی ہے۔ مختلف موضوعات بھی اہم ہیں اور پھر مولانا موصوف کے رواں قلم نے اس میں جو چاشنی بھری وہ نور علیٰ نور کا مصداق ہے۔''

حضرت علامہ کی وفات سے عالم اسلام میں جو خلا پیدا ہوا ہے وہ صدیوں میں پورا نہیں ہوگا۔

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

یا جگر کی زبان میں ۔

جان کر منجملہ خاصان میخانہ مجھے مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

فقط والسلام شمعون خانپوری، ۲۰ رصفر المظفر ۱۴۴۲ھ جمعرات بوقت ۳ بجے

---

(۴۴)-مولانا احمد بزرگ [مہتمم: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل]

آج ۲۰ ررمضان المبارک ۱۴۴۱ھ کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ مانچسٹر برطانیہ میں مقیم اہل حق کے ترجمان ''پروفیسر ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب'' اس دارِفانی سے راہی عالمِ بقا ہو کر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے قانونِ ازلی کے تحت ماہ مبارک کے مقدس و متبرک ایام میں تاابد آسودہ خاک ہوئے۔ **اِنا لـلـه واِنـا اليه راجعون. اِن الله مااخذ وله ما اعطیٰ و كل شئی عنده باجل مسمی.**

آپ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل ۔سملک (گجرات، ہند) کے خوشہ چیں تھے۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ جب یہاں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے اس وقت ان سے استفادہ کیا۔ دینی تعلیم کی اسناد جامعہ اشرفیہ لاہور اور دارالعلوم دیوبند سے حاصل کی۔

مختلف باطل فرقوں کے سر اٹھانے کے قحط الرجال دور میں علامہ کا وصال اہلِ حق جماعت کے لیے ایک جاں گداز سانحہ اور صبر آزما نقصان ہے۔ اہلیان جامعہ دل سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ حضرت کی جملہ خدماتِ علمیہ و دینیہ وملیہ کو شرفِ قبولیت سے نوازیں، آپ کی مکمل مغفرت فرما کر جوارِ رحمت میں مقامات عالیہ عطا فرمائیں اور پسماندگان کو صبرِ جمیل اور اجرِ جزیل عطا فرمائیں، آپ کے وجود سے جو فتنے دبے ہوئے تھے آئندہ بھی ہر قسم کے شرور رفتن سے حفاظت فرمائیں۔ آپ کی حیات میں جن خیرات و برکات کا سلسلہ جاری تھا مستقبل میں بھی اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے جاری رکھیں، این دعا از من واز جملہ اہالیان جامعہ۔ آمین ۲۶ ررمضان المبارک ۱۴۴۱ھ......۲۰ رمئی ۲۰۲۰ء

مولانا ظفر اقبال کراچی

حضرت علامہ خالد محمود: آخری ملاقات اور اس سے وابستہ حسین وحزیں یادیں

میرے محسن، دیرینہ کرم فرما اور بزرگ حضرت مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی مد ظلہم کا اس عاجز پر ہمیشہ یہ احسان رہا ہے کہ وہ مخدومی وسیدی حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود کی برطانیہ سے پاکستان آمد کی اطلاع پہلے ہی مجھے فرما دیتے تھے۔ ۲۰۱۹ء میں بھی حافظ صاحب نے مجھے اطلاع دیتے ہوئے تاکید فرمائی کہ علامہ صاحب پاکستان گئے ہوئے ہیں، لہٰذا میں خصوصی طور پر وقت نکال کر کچھ دن حضرت کی بابرکت صحبت اور علمی رفاقت میں گزار لوں۔ علامہ صاحب کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ سفر پاکستان میں آپ سے ملاقات ہو۔ کچھ گھریلو مصروفیات اور دیگر امور سے فراغت پاتے کافی وقت گزر گیا، یہاں تک کہ حافظ صاحب نے مجھے بتایا کہ علامہ صاحب کی برطانیہ واپسی میں بس اب چند روز رہ گئے ہیں۔ ادھر میرے ایک اور کرم فرما برادر معظم شبیر احمد خان میواتی کے ذریعے بھی مجھے مسلسل یہ پیغام ملتا رہا کہ حضرت علامہ صاحب کے ایک حاضر باش خادم، جو مجھ سے اس وقت واقف نہیں تھے، انھیں بتاتے رہتے ہیں کہ علامہ صاحب کراچی سے آنے جانے والے افراد سے کسی شخص ظفر اقبال کا پوچھتے اور اس کا فون نمبر طلب کرتے رہتے ہیں۔ یہ خبریں سن کر میں تمام مصروفیات اور امور کو جوں کا توں چھوڑ کر عازم لاہور ہو گیا۔ لاہور پہنچنے پر معلوم ہوا کہ آئندہ کل حضرت کی برطانیہ روانگی ہے۔ میں نے فوراً اپنے محترم دوست مولانا علی داؤد سے درخواست کی کہ وہ بھی میرے ہم راہ حضرت سے ملاقات کے لیے چلیں۔ وقت طے ہو گیا۔ اگلے دن صبح صبح میں تیار ہو کر مولانا علی داؤد کے گھر، جو بالکل جامعہ اشرفیہ کے عقب میں ہے، پہنچا تو وہاں ایک اور محترم دوست مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی کو بھی موجود پایا۔ حال احوال کے بعد ہم تینوں جامعہ اشرفیہ جا پہنچے۔ معلوم ہوا کہ یہ وقت حضرت علامہ صاحب کا دورۂ حدیث شریف میں سبق پڑھانے کا ہے، حضرت علامہ صاحب حسب روایت **"المؤطا"** کا سبق ارشاد فرمائیں گے۔ طلبہ کی کثرت کی وجہ سے دورے کے اسباق چونکہ جامعہ کی مسجد میں ہوتے ہیں، اس لیے ہم بھی کشاں کشاں مسجد میں پہنچ کر طلباء کے جم غفیر میں شامل ہو گئے۔ علامہ صاحب کی زیارت، معیت اور صحبت کے اشتیاق سے دل میں ایک عجیب فرحت اور انبساط کی سی کیفیت موجزن تھی۔ اس عاجز کا علامہ صاحب سے تعلق تقریباً دو عشروں سے زائد پر محیط ہے۔ حضرت سے خلوت وجلوت اور سفر وحضر میں، ایک ایک لمحے کو غنیمت جانتے ہوئے، خوب استفادہ کیا، استفسارات کیے، اپنے چند مسودات نظر ثانی کے لیے پیش کیے، بعض کتابوں پر مقدمے اور دیباچے لکھوائے، ان سب سعادتوں کے باوصف اس عاجز کے لیے یہ اعزاز کوئی معمولی بات نہیں کہ اس درس کی بدولت مجھے جامع العلوم والفنون، بحر العلوم، سید المتکلمین، امام المناظرین اور اپنے وقت کے مقتدر محدث سے، ایک جہت سے، باقاعدہ نسبت تلمذ حاصل ہونے جا رہا تھا۔ محدثین کے یہاں یہ قاعدہ مسلم ہے کہ اگر کسی طالب علم کو کسی محدث کے درس میں شریک ہو کر شرف سماع حاصل ہو جائے تو اسے بھی طلب علم کے نیاز مندوں میں شمار کر لیا جاتا ہے، اس طریق پر اس سیاہ کار کو بھی یہ سعادت حاصل ہے۔ درس کا دورانیہ تقریباً

ایک گھنٹے پر محیط تھا۔ پورا درس حدیث کے نادر نکات، دفاع اہل سنت و جماعت اور عقائد اہل سنت کے دلائل سے مملو تھا۔ چند نکات جو یاد رہ گئے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱-اگرچہ **"المؤطا"** مذہب مالکی کی بنیادی کتاب ہے، امام شافعی کے نزدیک اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے، لیکن مذہب مالکی کو سمجھنے کے لیے صرف **"المؤطا"** پر انحصار کافی نہیں، اس کے بعد مذہب مالکی کے اکابر فقہا و محدثین کی کتابوں پر نظر ناگزیر ہے۔

۲-امام اعظم ابوحنیفہ اور امام دار الہجرۃ مالک ابن انس کے اصول و ضوابط حدیث میں موافقت پائی جاتی ہے۔ دونوں ائمہ کے نزدیک مرسل روایت حجت ہے۔

۳-دونوں ائمہ کے نزدیک اعتماد و تعامل سند پر فائق ہے۔

۴-امام مالک امام کی اقتدا میں جہری نمازوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل نہیں تھے۔

۵-امام مالک کے نزدیک امام کی اقتدا آمین آہستہ کہنی چاہیے۔

۶-امام مالک کے نزدیک ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی ایک نہیں اور امام کا یہ مؤقف **"المؤطا"**[صفحہ۲۰۹] میں مرقوم ہے۔

جوں ہی سبق اختتام پذیر ہوا طلبہ کے اژدھام نے حضرت کو گھیر لیا۔ جب حضرت کھڑے ہوئے تو صحت کی کافی کمزوری کا اندازہ ہوا۔ حضرت دوطرفہ سہارے سے قدم اٹھا رہے تھے۔ میں اور میرے دونوں رفقا چاہ کر بھی حضرت تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوسکے، دروازے پر اگلے سبق کے لیے ایک اور بزرگ استاذ موجود تھے۔ علامہ صاحب دروازے پر ہی ان سے ملے علیک سلیک اور دعاؤں کے تبادلے کے بعد وہ بزرگ مسجد کے اندر تشریف لے آئے اور علامہ صاحب گاڑی میں تشریف فرما ہوگئے۔ اتنے میں ایک طالب علم اپنے دورے کی سند پر دستخط کروانے کے لیے حضرت کی گاڑی کی کھڑکی کے نزدیک ہوا۔ پوری کوشش کے باوجود ہم اب بھی اتنا آگے نہ پہنچ سکے کہ حضرت سے مخاطب ہوا جاسکے۔ بس حسرت بھری نظروں اور افسردہ دل کے ساتھ زیارت کرتا رہا۔ بہت تشویش تھی کہ اگر ابھی ملاقات نہ ہوسکی تو پھر اس سفر میں ملاقات نہیں ہوسکے گی۔ ادھر حضرت کی روبہ زوال صحت بہ ظاہر جلد سفر آخرت کا اشارہ دے رہی تھی۔ اتنے میں گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور مرکزی دروازے سے باہر نکل گئی۔ میں دل مسوس کر رہ گیا اور جی ہی جی میں خود کو ملامت کرنے لگا کہ کاش تھوڑا پہلے آجاتا۔ دل یہی جواب دیتا کہ تیری تاخیر کی یہی سزا ہے کہ تو شرف لقا سے محروم لوٹے۔ اسی سوچ میں غلطاں و پیچاں تھا کہ مولانا علی داؤد نے خبر دی، چونکہ جامعہ میں تعمیراتی کام جاری ہے، اس لیے علامہ صاحب کی گاڑی باہر سے گھوم کر دفتر کے نزدیک والے دروازے سے جامعہ میں داخل ہوگی۔ علامہ صاحب کی چونکہ کل روانگی ہے، اس لیے وہ مہتمم جامعہ مولانا فضل الرحیم اشرفی سے الوداعی ملاقات کریں گے۔ یہ سن کر ہم تینوں تیز رفتاری سے دفتر کی طرف چلنے لگے۔ کافی فاصلہ تھا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو علامہ صاحب دفتر کے اندر تشریف لے جاچکے تھے۔ ہم قریباً پون گھنٹہ دیگر زائرین کے ہم راہ دفتر کے باہر انتظار کرتے رہے۔ مجھے علامہ صاحب سے اپنے تعلق میں اپنی محبت و عقیدت کی شدت

اور علامہ کی جانب سے اس نا کارہ پر لطف وعنایت کا اندازہ تھا، لیکن ''عشق است ہزار بدگمانی'' کے اصول پر میرے دماغ میں مختلف اندیشے پھوٹتے رہے کہ بھلے تعلق مضبوط اور قدیم ہو، تو کون سا غیر معمولی انسان ہے جسے حضرت یاد رکھیں، کہیں میں نے عرض کیا کہ میں ظفر اقبال ہوں، کراچی سے آیا ہوں، اگر حضرت نے نہ پہچانا اور پوچھ لیا کہ کون ظفر اقبال؟ تب میں کیا کہوں گا؟ جب حضرت باہر آئے تو زیارت اور مصافحہ کرنے والوں نے ایک بار پھر حضرت کو گھیر لیا، یہاں تک کہ حضرت اپنی قیام گاہ جانے کے لیے دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گئے۔ میں ذرا ہمت کر کے مجمع کو چیرتے ہوئے آگے ہوا۔ حضرت گاڑی کا شیشہ اوپر کر رہے تھے، میں نے ذرا اونچی آواز میں عرض کیا: حضرت! میں ظفر اقبال کراچی سے!! بس یہ سننا تھا کہ حضرت نے میری جانب نہایت توجہ سے دیکھا اور فوراً گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آئے۔ مصافحے کا شرف حاصل ہوا، حضرت نے حسب معمول شفقت کی انتہا کر دی، نہایت گرم جوشی سے تین دفعہ گلے لگایا، اور میرے کان میں فرمایا: مولوی صاحب! کہاں غائب تھے آپ؟ آپ کو معلوم ہے میں نے آپ کا کتنا انتظار کیا ہے۔ کس کس سے آپ کا نہیں پوچھا؟ میں اپنے بعض گھریلو مسائل اور تعلیمی مشغولیت کا ذکر کر کے عذر خواہی کر کے حضرت کو مناتا رہا۔ اتنے میں حضرت میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے مجمع سے ہٹ کر کونے میں لے گئے اور مجھ سے سرگوشی کے انداز میں حال احوال اور گھر والوں کی خیریت کی دریافت کے بعد فرمانے لگے کہ ''مطالعہ بریلویت'' کی آخری جلد کے متعلق آپ سے کچھ مشاورت کرنی ہے۔ میری خواہش ہے کہ لاہور کے اسی قیام میں اس سلسلے میں آپ کے ساتھ دو تین بھرپور اور طویل نشستیں ہو جائیں۔ ابھی حضرت یہ باتیں ارشاد فرما ہی رہے تھے کہ اس وقت حضرت کے موجود ''خادم'' اور ڈرائیور آگئے اور نہایت تجسس سے کان لگا کر ہماری باتیں سننے لگے، گویا یہ بھی ان کے فرائض خدمت میں داخل تھا کہ اگر کوئی بزرگ اپنے کسی معتقد سے کان میں سرگوشی کر رہا ہے تو وہ بہر صورت اسے سن کر رہیں۔ علامہ صاحب کو ڈرائیور موصوف کا یہ عمل انتہائی ناگوار گزرا، لیکن وہ چونکہ مستقل خدمت پر مامور تھے، اس لیے سکوت فرماتے ہوئے میرا ہاتھ پکڑ کر تھوڑا اور آگے ہو گئے، ڈرائیور صاحب بھی آگے آ کر ہاتھ باندھ کر اور کان لگا کر کھڑے ہو گئے۔ جب موصوف بالکل ساتھ لگ کر کھڑے ہو کر بات سننے لگے تو علامہ صاحب نے بات پلٹتے ہوئے مجھ سے استفسار فرمایا: لاہور کس سلسلے میں آنا ہوا؟ عرض کیا: حضرت آپ ہی کی زیارت اور ملاقات کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ حضرت بے حد خوش ہوئے اور فرمایا: جب مجھ سے ملاقات ہی کے لیے آئے ہیں تو بس اب میرے ساتھ چلیں اور میرے پاس ہی رہیں۔ میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہو سکتی تھی۔ عرض کیا: بندہ حاضر ہے۔ یہ باتیں کرتے ہوئے ہم گاڑی کی طرف پلٹے، اب میرے دونوں رفقا مولانا علی داؤد اور مولانا ثناء اللہ شجاع آبادی نے بھی حضرت سے مصافحہ کیا، اتنے میں حضرت نے مجھ سے پوچھا: آپ کا سامان یعنی کپڑے وغیرہ کہاں ہیں؟ عرض کیا: ایک عزیز دوست شبیر احمد خان میواتی کے گھر پر ہے، فرمایا: وہ میرے مستقر پر منگوالیں۔ مولانا علی داؤد نے حضرت سے عرض کیا کہ وہ شام تک میرے کپڑوں کا سوٹ کیس حضرت کی قیام گاہ تک پہنچا دیں گے۔ اب میں حضرت کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا، اگلی سیٹ پر حضرت اور ڈرائیور تھے اور میں پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ راستے میں میں نے اپنی کتاب ''اسلام اور جدیدیت کی کشمکش'' خدمت میں پیش کی۔ علامہ نے نہایت توجہ سے اس کی ورق گردانی شروع کی، کافی دیر مختلف مقامات ملاحظہ فرماتے رہے۔ اس سے چند سال پیش تر میں حضرت کی خدمت میں اپنی ایک اور

تالیف ''اسلام اور جدید سائنس نئے تناظر میں'' میں بھی اپنے ایک عقیدت نامے کے ہم راہ صدیق عزیز پروفیسر ڈاکٹر آفتاب عالم خان یوسف زئی کے ہاتھوں ارسال کر چکا تھا۔ اس عریضے اور کتاب ہی کے باعث علامہ صاحب کے حاضر باش خدام اس عاجز کے نام اور اس پر حضرت کی غیر معمولی چشم کرم سے غائبانہ طور پر واقف تھے۔ اتنے میں اچانک حضرت نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

''مجھے حافظ اقبال رنگونی کے ذریعے جامعہ فاروقیہ میں حضرت مولانا سلیم اللہ خان کی خدمت میں آپ کی حاضری اور نوع بہ نوع خدمات کی اطلاع مسلسل ملتی رہی۔ مجھے انتہائی خوشی ہے کہ آپ کے ابتدائی زمانے میں یہ میری تربیت کا اثر ہے کہ آپ سے وہاں اتنی عظیم الشان سرگرمیوں کا ظہور رہا۔ ورنہ مولانا سلیم اللہ خان ایسے صاحب ذوق اور بلند معیار کے حامل بزرگ کی نگاہ بلند میں جچ جانا کوئی آسان بات نہیں تھی۔''

حضرت کے یہ جملے سن کر مجھے بہت قلبی اطمینان اور بے حد خوشی ہوئی۔ اس کے بعد مستشرقین کے بیانات میں پائی جانے والی فاش غلطیوں اور مغالطوں پر کئی حوالے سنائے۔ میں اس ضعیف العمری میں علامہ موصوف کے قوت حافظہ اور استحضار علمی پر حیران رہ گیا۔ مختلف امور پر علامہ صاحب انتہائی انبساط اور نشاط سے گفتگو فرماتے رہے۔ ڈرائیور موصوف کو شاید اس عاجز پر حضرت کا اس درجے التفات ہضم نہیں ہوسکا، لہٰذا انھوں نے اگلے دن کے سفر، پیکنگ اور بعض مہمانوں کی آمد کے متعلق ڈرامائی انداز میں بہ تکرار ایسی ذہن سازی کی کہ حضرت اپنے ضعف وعلالت اور برطانیہ کے طویل سفر کا سن کر اعصابی تناؤ محسوس کرنے لگے، چونکہ خود نہایت چاہت سے مجھے ساتھ چلنے کو کہہ چکے تھے، اس لیے اب منع کرنا بھی بار معلوم ہو رہا ہوگا۔ مجھے حضرت کو اس کشمکش میں دیکھنا اچھا نہیں لگا۔ اور میں حضرت سے اجازت لے کر گاڑی رکوا کر آدھے راستے میں ہی اتر گیا۔ مجھے ڈرائیور صاحب کے اس رویے پر آج تک تکلیف ہے، وہ مجھ پر حضرت کی شفقتوں سے غیر واقف نہیں تھے، انھیں یہ خبر بھی تھی کہ میں نے کراچی سے لاہور تک کا طویل سفر صرف حضرت کی خدمت میں حاضری ہی کے لیے کیا تھا، اس کے باوجود انھوں نے مجھ پر یہ ظلم کیا۔ اس کے بعد پھر حضرت سے ملاقات نہ ہوسکی۔ اگلے سال علامہ صاحب چھ ہفتوں کے لیے پھر تشریف لائے، لیکن میں ان نالائق خدام کے ناقابل برداشت رویوں سے دل برداشتہ ہو کر ہزار کوششوں کے باوجود بھی خود کو لاہور پہنچنے پر آمادہ نہیں کرسکا۔ ہر چند علامہ صاحب نے حسب معمول انتظار فرمایا، احباب سے دریافت فرمایا اور برطانیہ پہنچ کر مولانا محمد ثقلین جاوید سے عتاب آمیز شکوہ بھی کیا کہ: ''مولانا ظفر اقبال صاحب اس دفعہ ملنے کے لیے نہیں آئے۔''

اس کے اصل ذمے دار یہ خدام ہیں۔ ایسے خدام فی الاصل خود اپنے آپ کو ''بزرگ'' سمجھتے ہوئے بزرگوں کو اپنے مزاج پر چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی رعونت، تنگ دلی اور کم ظرفی کی نحوست کی بدولت بڑی سے بڑی عبقری شخصیت کے ساتھ طویل ترین صحبت ومجالست کے باوجود ان میں کسی قسم کا علمی صعود اور عملی واخلاقی کمال پیدا نہیں ہو پاتا۔ ایسے لوگ نرے ڈرائیور ہی رہ جاتے ہیں، اس سلسلے میں ایک اور نالائق خادم کی روداد بھی بہ طور عبرت نقل کرنے کو جی چاہتا ہے۔ معروف ادیب مختار مسعود لکھتے ہیں:

''بڑے آدمی وہی اچھے ہوتے ہیں جو اپنے کام میں مصروف ہوں تو سو پردوں میں پوشیدہ رہیں اور جب فارغ ہوں تو

سارے حجابات دور ہو جائیں اور یاران نکتہ داں کے لیے صلائے عام بن جائیں۔ میں نے ایک بار اسی خیال میں مگن ہو کر ایک مصور کے گھر دستک دی۔ ان کے بجائے ایک اور شخص برآمد ہوا اور میرے شوق اور مصور کی ذات کے درمیان ہمیشہ کے لیے حائل ہو گیا۔ بڑے آدمیوں کے گرد ایسے چھوٹے آدمی اکثر جمع ہو جاتے ہیں، خود فیض کے اہل نہیں ہوتے اور دوسروں کو محروم کرتے ہیں۔'' [مختار مسعود، آواز دوست، لاہور: النور ۱۹۷۵، صفحہ: ۱۰۳]

بہر طور ڈرائیور صاحب کا طرز عمل مجھے علامہ صاحب ایسی مقتدر ہستی کے خادم کے شایان شان نہیں معلوم ہوا، ورنہ حقیقی خدام تو شیخ الہند مولانا محمود حسن اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کی طرح علم و عمل کے آفتاب و ماہ تاب بن کر مطلع عالم پر ضوفشاں ہوتے ہیں۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ میں علامہ صاحب کی ملاقات سے محروم نہیں رہا۔ برطانیہ تشریف لے جانے کے بعد مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی کی عنایت اور خادم خاص مولانا محمد ثقلین جاوید کی معرفت علامہ صاحب سے مسلسل رابطہ رہا۔ یہ علامہ صاحب کی ازحد شفقت اور خرد نوازی تھی کہ انھوں نے برطانیہ میں اپنے قریبی رفقاء اور علم دوست احباب کو اس عاجز اور اس کے ٹوٹے پھوٹے تصنیفی کاموں کا تعارف کرایا۔ وہ پاکستان بالخصوص کراچی سے برطانیہ تشریف لے جانے والے افراد سے مستقل میرے احوال کی خبر گیری رکھتے، بلکہ لاہور کے قیام کے دوران بھی جو لوگ کراچی سے علامہ صاحب سے ملنے تشریف لے گئے، ان سے بھی میرے متعلق دریافت کیا، خواہ وہ شہید مولانا ڈاکٹر محمد عادل خاں ہوں یا مرحوم ابن الحسن عباسی۔ فی الاصل علامہ صاحب کے اس درجے التفات کی کئی وجوہ میں سے ایک وجہ میرے ایک بہت قدیم تصنیفی منصوبے کے متعلق دریافت کرنا اور اس کی تکمیل اور جلد اشاعت کی ترغیب دینا تھا۔ یہ منصوبہ برعظیم میں اہل سنت و جماعت کی ہمہ گیر خدمات اور تاریخ پر خالص مؤرخانہ اسلوب اور عالمی معیار تحقیق پر تدوین تھی۔ میں بہت کم عمری، غالباً ۲۰۰۲-۲۰۰۳ء، میں اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے اس منصوبے کا آغاز کر چکا تھا اور اسے شروع کرنے سے قبل سیدی و مرشدی، شیخنا و شیخ الکل حضرت مولانا سلیم اللہ خان قدس سرہ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم سے اس سلسلے میں مشورہ و ہدایات لے کر اس کا آغاز کر چکا تھا، مکانی بعد کی وجہ سے علامہ سے پہلے مشورہ نہیں کر سکا تھا، البتہ جب اس مسودے کے دو ضخیم رجسٹر، جن کی مجموعی ضخامت ڈیڑھ ہزار صفحات کے لگ بھگ ہوں گے، تیار ہو گئے، اور مجھے علامہ صاحب کی لاہور آمد کی اطلاع ہوئی تو میں اسے لے کر علامہ موصوف کی خدمت میں لاہور حاضر ہوا، ڈرتے ڈرتے اسے نظر ثانی اور مقدمہ لکھنے کے لیے پیش کیا۔ علامہ صاحب نے پورا ایک ہفتہ مسودہ اپنے پاس رکھا، متن میں جگہ جگہ قلم لگایا اور میری تیار کردہ فہرست کو سامنے رکھ کر اپنی نگرانی میں ایک نئی فہرست ترتیب دلوائی۔ میرا مسودہ بارہ ابواب پر مشتمل تھا، علامہ صاحب نے فرمایا: اس کے ہر باب کو پھیلا کر ایک مستقل جلد بنا دو۔ اس طرح کے کام روز روز نہیں ہوتے، اگر معیاری اسلوب اور تحقیقی انداز کے ساتھ یہ کام انجام پا گیا تو ہمیشہ کے لیے اپنے موضوع پر حوالہ بنے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اگر مجھے زندگی اور صحت دی تو، ان شاء اللہ، اس کی ایک ایک سطر پر نظر ثانی کروں گا اور ہر جلد کے لیے علیحدہ مقدمہ تحریر کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مسودے کی چھ جلدوں پر کام مکمل ہو چکا ہے، کتابت ہو رہی ہے، ان شاء اللہ اشاعت کے بعد یہ حضرت علامہ صاحب کی

خواہش کی تکمیل کا ذریعہ بنے گا۔

مولانا محمد اقبال رنگونی اور مولانا محمد ثقلین جاوید سے اس ناکارہ کے تعارف اور مضبوط تعلق میں چکی کا پاٹ حضرت علامہ صاحب ہی کی ذات اور ان کی اس عاجز پر لطف وکرم کی انتہا تھی، ورنہ سات سمندر پار ایک بعید الوطن اور گمنام طالب علم کو کون جانتا اور کون پوچھتا۔ مولانا ثقلین جاوید نے جب مجھ سے پہلی مرتبہ رابطہ کیا تو بتایا:

''آپ کی کتاب ''سیدنا معاویہ: گمراہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ'' علامہ صاحب کی کتابوں کی الماری میں کافی عرصے سے رکھی ہوئی تھی۔ ایک دن میں اسے نکال کر الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا، علامہ صاحب سامنے ہی تشریف فرما تھے، مجھ سے پوچھا: کون سی کتاب ہے؟ میں نے نام بتایا تو علامہ صاحب فرمانے لگے: یہ بہت اچھی کتاب ہے، نہایت سلجھے ہوئے علمی وتحقیقی انداز میں انھوں نے جوابات دیے ہیں۔ مولانا ظفر اقبال ہمارے کراچی کے عزیز دوست ہیں، جن کے متعلق میں اکثر کراچی سے آنے والوں سے پوچھتا رہتا ہوں۔ یہ بہت ذہین نوجوان ہیں، مطالعہ بھی وسیع ہے اور لکھتے بھی اچھا ہیں۔ ہمارے ہم ذہن اور ہم فکر بھی ہیں۔''

راقم نے بہت سالوں پہلے مبتدعین کے متعلق ایک کتاب تیار کی تھی کہ بدعت فی الاصل غیر مقلدیت اور خودرائی کا مظہر ہے۔ لاہور آمد پر یہ مسودہ بھی میں نے علامہ صاحب کی خدمت میں مقدمہ تحریر فرمانے کے لیے پیش کیا، بعض مقامات پر مسودے کی اصلاح کے ساتھ مقدمہ تو حضرت نے اسی زمانے میں تحریر فرما دیا تھا، لیکن مسودہ اپنے ساتھ مانچسٹر لے گئے تھے۔ مولانا ثقلین نے مجھے بتایا کہ آپ کا یہ مسودہ علامہ صاحب اپنے مطالعے کی جگہ پر سامنے ہی رکھتے ہیں اور وقتاً فوقتاً اسے دیکھتے رہتے ہیں۔ میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہوسکتی تھی کہ: ''ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے۔''

جب بھی فون پر بات ہوتی علامہ صاحب دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ دفاع وتعارف اہل سنت وجماعت کے سلسلے میں اس عاجز کی لکھے گئے تمام مسودات کی جلد اشاعت کا حکم فرماتے۔ اسی عرصے میں اس عاجز کی کتاب: ''سیدنا معاویہ: گمراہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ'' کے انگریزی ترجمے:

Dispelling Distortion of History :Sayyiduna Muawiyah

کی اشاعت کے سلسلے میں بھی مشورہ ہوا۔ یہاں تک کہ رمضان المبارک کے ایام میں اللہ تعالیٰ نے علم وعمل کے اس پیکر کو اپنی بارگاہ میں بلالیا۔ مولانا ثقلین کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، انھوں نے علالت کے ایام سے لے کر انتقال وتدفین تک پل پل کی خبر سے باخبر رکھا۔ مجھے ایسا محسوس ہورہا تھا کہ جیسے میں بھی وہیں ہوں، گویا: ہم نے آنکھوں میں تیرے جانے کا منظر رکھ لیا

مولانا محمد اقبال رنگونی مدظلہم جب بھی حضرت کے مزار پر تشریف لے جاتے ہیں تو اس عاجز کو ضرور یاد رکھتے ہوئے فون کرتے ہیں۔ کبھی تو ہم علامہ کی یاد میں ساتھ مل کر آنسو بہا لیتے ہیں۔ یہ دونوں قیمتی احباب بھی فی الاصل اس عاجز کے لیے علامہ خالد محمود رحمہ اللہ ہی کا تحفہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں سلامت رکھے اور ہم سب کو علامہ صاحب کے مسلک ومشرب کا امین اور ترجمان بنائے۔ آمین یارب العالمین۔ باقی تو بس اب یادیں ہیں، جو ہمارے استقبال کے تحفظ کی ضامن ہیں:

ع مگر ایک تیری یاد ہے، میں رکھوں سنبھال سنبھال کے

باب نمبر ۵

سوانح

سوانحی خاکہ......علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ!

نام ونسب: خالد محمود ولد پیر محمد غنی، صدیقی النسب قریشی، آبائی علاقہ امرتسر......ولادت: ۱۷/۱۰ اکتوبر ۱۹۲۵ء بمقام قصور۔

تعلیم قرآن: حافظ خدا بخش مرحوم امرتسر......ابتدائی تعلیم: دارالعلوم حنفیہ قصور......مزید تعلیم: مدرسہ نعمانیہ امرتسر۔

۱۹۴۳ء کسبِ فیض: دارالعلوم دیوبند، حضرت مدنیؒ......۱۹۴۴ء دورۂ حدیث: جامعہ اسلامیہ ڈابھیل علامہ عثمانیؒ۔

اصلاحی تعلق: حضرت لاہوری، مولانا مسیح اللہ خان، شاہ ابرارالحق رحمہم اللہ سے۔ اجازت: مولانا وصی اللہؒ سے۔

۹/جنوری ۱۹۴۴ء۔ تنظیم اہل سنت سے وابستگی......۱۹۴۷ء: ہجرت پاکستان (امرتسر سے سیالکوٹ)

ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور (دورِ ثانی: ۱۹۶۲ء۔۱۹۶۶ء) کی سرپرستی ونگرانی

۱۹۴۹ء: مرے کالج سیالکوٹ میں بطور پروفیسر تعیناتی (تقریباً ۸/سال گزارے۔)

۱۹۵۸ء: مرے کالج سیالکوٹ سے ایم اے او کالج لاہور میں منتقلی۔

۱۹۶۲ تا ۱۹۶۴ء: اسلامیہ ڈگری کالج خانیوال میں بطورِ وائس پرنسپل تقرری۔ (اوقاف مسجد خانیوال میں خطابت)

۱۹۶۵ء: اسلامیہ ڈگری کالج خانیوال سے دوبارہ ایم اے او کالج لاہور میں تقرری۔

اپریل ۱۹۶۶ء ایم اے او کالج سے طویل رخصت لے کر ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کے لیے برمنگھم (برطانیہ)

۱۹۶۹ء: برطانوی شہر برمنگھم کی مرکزی مسجد کے امام مقرر ہوئے۔

۱۹۷۰ء: برطانیہ سے پاکستان واپسی۔ پھر ۷۰ء کے اواخر میں اہل خانہ سمیت برطانیہ روانگی۔

اکتوبر ۱۹۷۰ء: قومی اسمبلی کی نشست پر حلقہ نمبر ۴/لاہور سے انتخابات میں حصہ۔

۷/ستمبر ۱۹۷۱ء: ایم اے او کالج لاہور کی ملازمت سے سبکدوشی۔

۱۹۷۲ء: پی ایچ ڈی کا مقالہ جمع کرایا اور برمنگھم یونیورسٹی کی طرف سے پی ایچ ڈی کی ڈگری جاری کی گئی۔

۱۹۷۴ء: برطانوی شہر برمنگھم سے مانچسٹر منتقلی۔......۱۹۷۴ء: ''اسلامک اکیڈمی'' مانچسٹر کی بنیاد۔

۲۹/مئی ۲۰۰۲ء: سپریم کورٹ آف پاکستان کے شریعت بینچ میں جج کے طور پر تقرری۔

۲۰۱۸ء: حضرت صوفی محمد سرورؒ کے انتقال کے بعد جامعہ اشرفیہ لاہور میں بخاری شریف کا درس۔

۵/مئی ۲۰۲۰ء: نماز عشاء سے پہلے بیڈ سے اٹھتے ہوئے گرنے کے باعث کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

وفات: ۲۰/رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۴/مئی ۲۰۲۰ء بروز جمعرات (برطانوی وقت کے مطابق) صبح ۹/بجے۔

تدفین: ۲۱/رمضان، ۱۵/مئی بروز جمعۃ المبارک، نمازِ جمعہ کے بعد مانچسٹر (برطانیہ) کے قبرستان میں۔

اولاد: ۳/بیٹے اور ۲/بیٹیاں۔

سوانحی خاکہ...... ماہ و سال کے آئینے میں!

متفرق مضامین و تحریرات اور ''دعوت'' کے شماروں سے اخذ شدہ معلومات کے مطابق

نام: خالد محمود۔ والد: پیر محمد غنی، صدیقی النسب قریشی، رہائش امرتسر۔

پیر محمد غنی کی اولاد: سات بیٹے اور ایک بیٹی: پروفیسر احسان الحق قریشی، علامہ ڈاکٹر خالد محمود، محمد سعید، محمد شفیق، محمد نسیم، محمد حفیظ اور ایک نام معلوم نہیں ہو سکا۔

۱۷ر اکتوبر ۱۹۲۵ء۔ ولادت بمقام قصور

تعلیم قرآن: حافظ خدا بخش مرحوم امرتسر

ابتدائی تعلیم: دارالعلوم حنفیہ قصور (اساتذہ کرام: مولانا فضل کرم رامپوری، مولانا سید فردوس علی)

مختلف علوم و فنون کی تعلیم: مولانا مفتی محمد حسن امرتسری (بمقام مدرسہ نعمانیہ امرتسر)

۱۹۴۳ / ۱۹۴۴ء۔ بعض حضرات کے مطابق علامہ صاحب نے ۴۳ / ۴۴ء میں دارالعلوم دیوبند میں رہ کر حضرت مدنی رحمہ اللہ اور دیگر اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ واللہ اعلم

۱۲ر دسمبر ۱۹۴۳ء (غالباً ذوالحجہ ۱۳۶۲ھ) تحریک تنظیم اہل سنت کی بنیاد رکھی گئی۔

۹ر جنوری ۱۹۴۴ء۔ تنظیم اہل سنت کی مجلس شوریٰ کا اجلاس اغراض و مقاصد کی تعیین، دستور العمل کی ترتیب طے ہوئی۔

۱۴ر اپریل ۱۹۴۴ء۔ امرتسر میں تنظیم اہل سنت کے پہلے دفتر کی افتتاحی تقریب میں اسٹیج سیکرٹری۔

۱۹۴۴ء۔ دورہ حدیث شریف، شیخ الاسلام حضرت شبیر احمد عثمانیؒ، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

۱۵ر مارچ ۱۹۴۵ء۔ لاہور میں تنظیم اہل سنت کا دفتر قائم ہوا۔

۱۶ر تا ۱۸ر مارچ ۱۹۴۵ء۔ بیرون دہلی دروازہ لاہور میں تنظیم اہل سنت کا پہلا سالانہ جلسہ منعقد ہوا، جس سے حضرت مدنی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، حضرت لکھنوی، حضرت لاہوری، حضرت امیر شریعت اور مولانا غلام غوث ہزاروی وغیرہم رحمہم اللہ نے بھی خطاب فرمایا۔

۱۹۴۷ء: ہجرت پاکستان (امرتسر سے سیالکوٹ: براستہ جموں کشمیر)

ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور (۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۶ء تک جاری رہا) دعوت کے دو (۲) دور ہیں۔ پہلے دور میں دعوت کے مدیر مسئول مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ تھے۔ جبکہ دوسرے دور میں دعوت کے سرپرست علامہ صاحب اور مولانا دوست محمد قریشی تھے۔ دوسرے دور کا آغاز ۱۹۶۲ء سے ہوا۔

۱۹۴۹ء۔ مرے کالج سیالکوٹ میں بطور پروفیسر تعیناتی (تقریباً ۸ رسال گزارے۔)

۱۹۴۹ء۔ ہفت روزہ ''دعوت'' کا ''مرزا غلام احمد قادیانی نمبر'' شائع ہوا۔

۲۰ ردسمبر ۱۹۴۹ء (۲۹ رصفر ۱۳۶۹ھ) سہ روزہ ''دعوت'' کے اجراء کا اشتہار ''تنظیم اہل سنت'' میں شائع ہوا۔

۱۹۵۰ء۔ علامہ صاحب کی تنظیم اہل سنت کے دفتر میں باقاعدہ تشریف آوری۔

۱۹۵۰ء۔ مرے کالج میں اسلامیات کا مضمون اپنے آغاز سے ہی علامہ صاحب کے سپرد۔

۱۹۵۲ء۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی غیر مقلد سے فاتحہ الامام پر تحریری مناظرہ

۱۹۵۲ء۔ علامہ صاحبؒ اور مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے باہمی تعلقات کا آغاز۔ (مظہر کرم: ۱ر۲۳۲)

۱۹۵۲ء۔ ملتان شہر کے علاقہ بوہڑ گیٹ میں تنظیم اہل سنت کا دفتر قائم ہوا۔

۱۹۵۳ء۔ تحریک ختم نبوت میں شرکت۔

۱۲ رمارچ ۵۳ء۔ تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں گرفتاری۔

۱۹۵۳ء۔ امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا محمد علی جالندھری رحمہما اللہ کے حکم پر ''**عقیدۃ الأمت في معنى ختم النبوت**'' کی تالیف۔

۷ راگست ۱۹۵۶ء کے ''دعوت'' میں تنظیم اہل سنت پاکستان کے مرکزی علمائے کرام کے درج ذیل اسماء گرامی شائع ہوئے: ۱۔ مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، ۲۔ مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری، ۳۔ مولانا دوست محمد قریشی، ۴۔ علامہ خالد محمود، ۵۔ مولانا قاری لطف اللہ، ۶۔ مولانا عبدالستار تونسوی، ۷۔ مولانا قائم الدین علی پوری، ۸۔ مولانا سید احمد شاہ بخاری، ۹۔ مولانا عبدالقادر قاسمی، ۱۰۔ مولانا قاری عبدالرحمٰن، ۱۱۔ مولانا منظور احمد نارووال، ۱۲۔ مولانا غلام قادر ملتان، ۱۳۔ مولانا علاؤ الدین ڈیرہ اسماعیل خان، ۱۴۔ مولانا درویش محمد جھنگ، ۱۵۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ جتوئی، ۱۶۔ مولانا اللہ بخش صدیقی میانوالی، ۱۷۔ مولانا منظور احمد شاہ بہاول پوری، ۱۸۔ مولانا حافظ عطاء اللہ، ۱۹۔ مولانا خدا بخش چتروڑ گڑھی، ۲۰۔ شاعر بے مثل خان محمد کمتر پپلاں، ۲۱۔ صوفی کریم بخش شاکر جام پوری، ۲۲۔ محمد بخش چشتی، ۲۳۔ صوفی احمد یار ڈیرہ غازی خان، ۲۴۔ خدا بخش (انچارج دفتر)

۱۰ راگست ۵۶ء: موضع لودھران ضلع سیالکوٹ میں علامہ صاحب کی سرپرستی میں مجلس تنظیم کا قیام عہدیداران کا تقرر۔ علامہ صاحب کا شان فاروق اعظمؓ پر خطاب ہوا، علامہ صاحب کا فاضلانہ ومحققانہ خطاب سن کر موضع لودھران کے ۲۵ رافراد شیعیت سے تائب۔ جن میں خواجہ محمد اکبر نامی شخص بھی تھا جو شیعوں کی طرف سے گھوڑا نکالا کرتا تھا۔

۷، ۱۴ راگست ۱۹۵۶ء (۲۹ رذوالحجہ ۷۵ھ، ۷ رمحرم ۷۶ھ): دعوتِ دورِ اول کا فاروق اعظم نمبر (۲۰) جلد ۹، شمارہ ۱، ۲،

ستمبر ۱۹۵۶ء (محرم ۱۳۷۵ھ) علامہ صاحب کی انتھک کوششوں سے ''سنی بورڈ'' قائم ہوا۔ جس پر بانی تنظیم اہل سنت جناب سردار احمد خان پتافی صاحب کی طرف سے علامہ صاحب کا خصوصی شکریہ ادا کیا گیا۔

ستمبر ۱۹۵۶ء (محرم ۱۳۷۵ھ): علامہ صاحب ضلع بہاول پور ورحیم یار خان داخلے پر پابندی

ستمبر ۱۹۵۶ء (محرم ۱۳۷۵ھ): ''دعوت'' کی قیمت فی پرچہ: دو (۲) آنے تھی۔

۱۹ر نومبر ۱۹۵۶ء (۱۵ر ربیع الثانی ۱۳۷۶ھ) ''دعوت'' کا قاری لطف اللہ شہید نمبر شائع ہوا۔

۲۶ر جنوری ۱۹۵۷ء: تحریک تنظیم اہل سنت کی سالانہ مجلس مشاورت مرکزی دفتر بیرون بوہڑ گیٹ ملتان میں منعقد ہوئی، جس میں دستور پر بحث کی گئی،، مرکزی عہدیداران کا جدید انتخاب ہوا، اخبار ''دعوت'' سے متعلق لائحہ عمل طے ہوا۔

۲۲، ۲۳ر فروری ۱۹۵۷ء: آل پاکستان تنظیم اہل سنت کی مرکزی سالانہ کانفرنس باغ لانگے خاں ملتان میں علامہ صاحب کی صدارت میں منعقد ہونا تھی، لیکن بوجہ علالت نہ جاسکے۔ مولانا نور الحسن بخاری، مولانا تونسوی، علامہ دوست محمد قریشی، مولانا قائم الدین، مولانا ضیاء القاسمی، مولانا قاری عبدالرحمٰن سرگودہا، مولانا درویش محمد جھنگ، خان محمد کمتر وغیرہ شریک ہوئے۔

مئی ۱۹۵۷ء: جامعہ رشیدیہ (ساہیوال) کے ساتویں سالانہ جلسہ: صد تقریب جہادِ آزادی ''جہاد کانفرنس'' میں شرکت

۹، ۱۰ر مئی ۱۹۵۷ء کو مرکز تنظیم اہل سنت کی مجلس شوریٰ اور مجلس مبلغین کا اہم مشاورتی اجلاس منعقد ہوا۔

۲۵ر مئی ۵۷ء بروز ہفتہ: مناظرہ سنکھترہ تحصیل نارووال میں شیعہ مناظر مولوی اسماعیل گوجروی کو شکست

۱۵ر جولائی ۱۹۵۷ء (۱۶ر ذوالحجہ ۱۳۷۶ھ) ''دعوت'' کا ''شیعی جارحیت نمبر'' شائع ہوا۔

۲ر ستمبر ۱۹۵۷ء: لاہور میں سوادِ اعظم پاکستان کا اجلاس: احمد پور شرقیہ اور سیت پور ضلع مظفر گڑھ میں عشرۂ محرم کے دوران جلوس کے موقع پر فسادات کر کے سنیوں کو خون میں نہلا دیا گیا تھا۔ متعصب شیعہ کمشنر ہاشم رضا اس خونی ڈرامے کا ذمہ دار ہے۔ مطالبات: مالی نقصان کا معاوضہ دیا جائے۔ ماتمی جلوسوں پر پابندی عائد کی جائے۔ اعلیٰ سطحی تحقیقات کرائی جائیں۔

۲۱ر اکتوبر ۱۹۵۷ء (ربیع الاول ۱۳۷۷ھ): علامہ صاحب کا دورۂ آزاد کشمیر (باغ، پونچھ، مظفر آباد وغیرہ)

۱۸ر اکتوبر ۵۷ء: سہ روزہ کانفرنس شیخوپورہ میں علامہ خالد محمود صاحب اور مولانا منظور احمد نارروالی کے خطابات

نومبر ۱۹۵۷ء: علامہ صاحب کے تبلیغی اسفار اس قدر کثرت سے ہوتے تھے کہ بعض اوقات اُن تک پیغام پہنچانے کے لیے اخبار کا سہارا لینا پڑتا تھا، چنانچہ ۲۵ر نومبر ۱۹۵۷ء کے ''دعوت'' کی عبارت ملاحظہ ہو: ''علامہ خالد محمود مطلع رہیں: [۱]۔ گڑھ مہاراجہ میں تبلیغی جلسہ ضرور ہوگا۔ آپ شرکت فرمائیں۔ [۲]۔ ۲۲، ۲۳ر کو گوجرہ میں تبلیغی جلسہ ملتوی کر دیا گیا ہے۔ (بخاری)''

۲۸، ۲۹، ۳۰ر نومبر ۵۷ء: ادارہ اشاعتِ دین قیم میاں چنوں کے سالانہ تبلیغی جلسہ میں شرکت

۱۹۵۸ء۔ مرے کالج سیالکوٹ سے ایم اے او کالج لاہور میں منتقلی۔

۲۰ر جنوری ۱۹۵۸ء کے ''دعوت'' میں مولانا نور الحسن بخاریؒ کا مکتوب شائع ہوا، جس میں علامہ خالد محمود اور مولانا محمد علی جالندھری کے خلاف مقدمات کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا۔

۲، ۳ر جنوری ۵۸ء: تنظیم اہل سنت کانفرنس کبیر والہ میں حاضرین کے اصرار پر علامہ صاحب کا رات کو دوبارہ بیان

۱۶ر جنوری ۵۸ء: ڈھڈیال (چکوال) میں مولانا قاضی مظہر حسینؒ، مولانا عبداللطیف جہلمیؒ، علامہ خالد محمودؒ کے بیانات۔

۲۱، ۲۲ر فروری ۵۸ء: باغ لانگے خان ملتان میں تنظیم اہل سنت پاکستان کی مرکزی سالانہ کانفرنس زیر صدارت مولانا

نورالحسن بخاری منعقد ہوئی۔ مولانا شمس الحق افغانی، پیر عبداللطیف زکوڑی، مولانا احمد شاہ بخاری، خان تاج محمد خان درانی، علامہ خالد محمود، علامہ قریشی، علامہ تونسوی، مولانا قائم الدین، حافظ اللہ وسایا (ڈیرہ غازی خان)، مولانا ضیاء القاسمی، مولانا حبیب اللہ رشیدی، مولانا درویش محمد رحمہم اللہ وغیرہ کے خطابات ہوئے۔

مارچ ۱۹۵۸ء۔ سابقہ نہرو پارک (موجودہ نام افغان پارک) کرشن نگر لاہور میں تاریخی کانفرنس۔

۷/اپریل ۱۹۵۸ء کے دعوت کی خبر: ''۱۱/اپریل ۵۸ء کو بمقام حافظ آباد حضرت علامہ خالد محمود صاحب (نائب امیر مرکزی تنظیم اہل سنت پاکستان) کے مقدمہ کی تاریخ ہے۔ یہ مقدمہ دفعہ ۱۵۳/اے کے ماتحت حکومت کی طرف سے دائر ہے۔''

مئی ۱۹۵۸ء (شوال ۱۳۷۷ھ): ملتان میں تنظیم اہل سنت کے مرکزی دفتر کی تعمیر کا سلسلہ شروع

مئی ۱۹۵۸ء: لاہور، ''دعوت'' کا دفتر ''۱۲۔ اے شاہ عالم'' سے ''۱۴۔ بی شاہ عالم'' منتقل

۳/مئی ۵۸ء: علامہ خالد محمود کے خلاف استغاثہ کی سماعت: علامہ پروفیسر خالد محمود کے خلاف حکومت کی طرف سے دائر کردہ استغاثہ کی سماعت ریزیڈنٹ مجسٹریٹ ملک عبدالرحمٰن صاحب حافظ آباد باختیار دفعہ ۳۰/کی عدالت میں ہوئی۔

۵/مئی ۵۸ء: استغاثہ کی سماعت ہوئی۔ بغیر کسی کارروائی کے آئندہ تاریخ سماعت ۱۲/مئی مقرر کی گئی۔

۱۹۵۹ء (۲۸/شوال ۱۳۷۹ھ) دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے سالانہ جلسہ میں شرکت۔

۲۵/نومبر ۱۹۶۰ء۔ بانی تحریک تنظیم اہل سنت سردار احمد خان پتافی رحمہ اللہ انتقال۔

۱۹۶۰ء۔ لاہور سے ساہیوال کی طرف جاتے ہوئے خیبر میل کا خوفناک حادثہ۔ علامہ صاحب کو ایک اسٹیشن پہلے ہی چند نوجوانوں نے باصرار روک لیا تھا، یوں آپ محفوظ رہے۔

۱۹۶۱ء یا ۱۹۶۲ء جامعہ عثمانیہ ورکشاپی محلّہ راولپنڈی کے سالانہ جلسہ میں مولانا قاضی زاہد الحسینی رحمہ اللہ کی اُسی جلسہ میں کہی ہوئی ایک بات کی علی الاعلان تردید کی۔

۱۹۶۲ء۔ تنظیم اہل سنت کے ترجمان ہفت روزہ دعوت کے دوسرے دور کا آغاز ہوا۔

۱۹۶۲ء۔ علامہ صاحبؒ کے والد گرامی کی رحلت

۱۹۶۲ء۔ (ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ) علامہ صاحب کی معرکۃ الآراء کتاب ''مدارک الاذکیاء فی حیات الانبیاء'' مسمی بہ ''مقام حیات'' پہلی مرتبہ طبع ہو کر منظر عام پر آئی۔ (حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ کا تبصرہ دیکھیے: ۱۹۸/۱......۲۶۸/۱)

۱۹۶۲ء۔ علامہ صاحب کو دھمکی آمیز گمنام خطوط ملنے کا سلسلہ شروع ہوا۔

۱۹۶۲ء۔ علامہ صاحب کی نگرانی میں مولانا الیاس صاحبؒ نے ''تبلیغ نماز کمیٹی'' قائم کی۔

۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۴ء۔ اسلامیہ ڈگری کالج خانیوال میں بطورِ وائس پرنسپل تقرری۔

اسی دوران خانیوال کی غلہ منڈی میں واقع اوقاف مسجد میں خطابت۔

۲۳/فروری ۱۹۶۲ء۔ علامہ صاحبؒ کے استاذ و مربی اور مرشد حضرت لاہوریؒ کا انتقال۔

۱۹/مارچ (غالباً ۱۹۶۲ء) بروز منگل رات ۹ تا ۲/بجے قادیانیوں سے مناظرہ بمقام جامعہ اشرفیہ لاہور

۲/اگست ۱۹۶۲ء۔ ہفت روزہ ''دعوت'' کا ''رسول کریم نمبر'' شائع ہوا۔

۳۱/اگست ۶۲ء: مولانا ادریس کاندھلوی، علامہ صاحب، مولانا لال حسین اختر کا جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں خطاب

ستمبر ۶۲ء: تنظیم اہل سنت لاہور کا ہنگامی اجلاس، بھیرہ میں تبرابازی پر احتجاجی لائحہ عمل

ستمبر ۱۹۶۲ء۔ علامہ صاحبؒ نے ''تنظیم اہل سنت'' کو مشورہ دیا کہ وہ محمود عباسی اور مماتی فتنہ سے دُور رہیں۔

۸/ستمبر ۶۲ء بروز ہفتہ: راولپنڈی میں جلسہ سیرت سے ''مقام رسالت'' کے عنوان پر تین گھنٹے خطاب

۲۱/ستمبر ۱۹۶۲ء (۲۱/ربیع الثانی ۸۲ھ) کے دعوت کے مطابق ستمبر ۱۹۶۲ء میں ملک میں بحالی جمہوریت کے بعد کارکنان تنظیم اہل سنت کا پہلا مرکزی اجلاس منعقد ہوا۔ اس سے قبل تنظیم کے سرکردہ حضرات مقامی سطح پر انفرادی کام کرتے رہے، اِس موقع پر علامہ خالد محمود صاحب نے لاہور کی ''مرکزی تنظیم اہل سنت'' کا الحاق مرکزی جماعت سے کر دیا۔ الحاق سے قبل دو بنیادی شرائط پیش کیں: [۱] مبلغین تنظیم کی پالیسی وطریقہ ایسا ہرگز نہ ہو جس سے خود اُن کا مسلک اہل سنت (سے وابستہ ہونا) مشتبہ ہو جائے۔ [۲] حضرات حسنینؓ کے حوالے سے محمود عباسی کے اندازِ فکر کی ہمنوائی نہ کی جائے۔ علامہ صاحب کی یہ شرائط تسلیم کی گئیں۔ اجلاس میں مولانا نور الحسن بخاری صدر، علامہ خالد محمود صاحب نائب صدر شعبۂ تنظیم، مولانا عبد الستار تونسوی نائب صدر شعبۂ تبلیغ، مولانا دوست محمد قریشی ناظم اعلیٰ، مولانا قائم الدین عباسی ناظم اور سید افتخار احمد شاہ ناظم نشر واشاعت مقرر ہوئے۔

۱۸/اور ۲۳/ستمبر ۱۹۶۲ء۔ مال روڈ لاہور پر قادیانیوں سے یادگار مناظرہ۔ مطبوعہ بنام ''نصرت الاسلام''

اکتوبر ۱۹۶۲ء۔ ڈاکٹر سلیم پیرزادہ کے مکان امرت روڈ لاہور پر ہر جمعہ کو بعد مغرب درس قرآن۔

اکتوبر ۱۹۶۲ء: ''دعوت'' میں شائع شدہ ایک اشتہار میں علامہ صاحب کو ''فاضل دیوبند'' لکھا گیا۔

۹/اکتوبر ۶۲ء: جامعہ مدنیہ کی جمعیۃ الطلبہ کے زیر اہتمام نیلا گنبد میں جلسہ، علامہ صاحبؒ، مولانا ضیاء القاسمیؒ کا خطاب

۱۰/اکتوبر ۶۲ء: فتنہ انکارِ حدیث کی روک تھام کے لیے تنظیم اہل سنت لاہور کا اہم اجلاس۔ مفتی جمیل احمد تھانوی، مولانا عبید اللہ انور، علامہ صاحب، مولانا عبد الرحمٰن اشرفی، وغیرہ کی شرکت

۲۶ تا ۲۸/اکتوبر ۶۲ء: سالانہ سہ روزہ کانفرنس شیخوپورہ، مولانا قاری طیبؒ، مولانا احتشام الحقؒ، حضرت درخواستیؒ، علامہ صاحبؒ، مولانا مفتی محمودؒ، حضرت کاندھلویؒ، مولانا نور الحسن بخاریؒ، مولانا اجمل خانؒ اور مولانا شجاع آبادیؒ وغیرہ کی شرکت۔ فوت شدگان حضرت مدنی، حضرت لاہوری، مولانا آزاد، امیر شریعت، حضرت رائے پوری اور مولانا مفتی حسن کے لیے دعائیں۔

۲۷/اکتوبر ۶۲: سہ روزہ کانفرنس شیخوپور میں علامہ صاحب کا بیان، عنوان: پاکستان میں مسیحیت کے اڈے

۲۷/اکتوبر ۶۲ء ہفتہ: مہتمم دیوبند حضرت قاری طیب صاحب کے اعزاز میں مدیر چٹان آغا شورش کاشمیری کی دعوتِ عشائیہ، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا عبد الحق، مولانا غلام غوث، علامہ خالد محمود، مولانا عبید اللہ انور، مولانا عبید اللہ اشرفی، مولانا قاری سالم، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد اجمل، مولان تاج محمود وغیرہ کی شرکت

نومبر ۶۲ء: تنظیم اہل سنت لاہور کا سالانہ انتخاب (مجلس عامہ کی نمائندہ میٹنگ) بیان علامہ صاحب، ارکانِ شوریٰ: علامہ صاحب، مولانا عبیداللہ انور، مفتی جمیل احمد تھانوی وغیرہ۔ قرار دار نمبر ۲: تنظیم اہل سنت کا مسلک اور پالیسی علمائے اہل سنت دیوبند کے مطابق مصلحانہ اور سنجیدہ ہوگی، جس میں تشدد اور جارحیت کی ہرگز گنجائش نہ ہوگی۔ [دعوت، ۱۹/ اکتوبر ۶۲ء]

نومبر ۶۲ء: مدیر ''چٹان'' آغا شورش کاشمیری کے بعد ''دعوت'' کے سرپرست علامہ خالد محمود کے نام ''گمنام خطوط''

۲/ نومبر ۶۲ء: آغا شورش کاشمیری کی پابندی کے خلاف احتجاج کے لیے کرشن نگر لاہور میں ہنگامی اجلاس۔

۵/ تا ۸/ نومبر ۶۲ء: اندرون لاہور اجتماعات میں بیانات

۸، ۹/ نومبر ۶۲ء: سعدی پارک مزنگ لاہور میں دو روزہ اجتماع، مولانا اجملؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، علامہ خالد محمودؒ

۱۰، ۱۱/ نومبر ۶۲ء: جامعہ محمدی جھنگ کا سالانہ جلسہ، وزیر قانون شیخ خورشید کی صدارت، علامہ صاحب کا بیان

۹، ۱۰، ۱۱/ نومبر ۶۲ء: گڑھ مہاراجہ: مفتی محمودؒ، علامہ صاحبؒ، مولانا بخاریؒ، حضرت قریشیؒ، حضرت تونسویؒ کے خطابات

۱۳/ نومبر ۶۲ء: کرشن نگر لاہور میں جلسہ تنظیم اہل سنت۔ خطابات: علامہ صاحب، مولانا نور الحسن بخاری، علامہ قریشی

۱۵/ نومبر ۶۲ء: اڈہ شہباز خان سیالکوٹ شہر، تنظیم اہل سنت کا اجتماع، علامہ صاحب کی شرکت

۱۶، ۱۷، ۱۸/ نومبر ۶۲ء: مغل پورہ لاہور میں جلسہ۔ علامہ صاحب، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا اجمل، مولانا الیاس وغیرہ کی شرکت۔

۲۳، ۲۴/ نومبر ۶۲ء: مدرسہ تعلیم القرآن نوشہرہ صدر کے پہلے سالانہ جلسہ میں شرکت، دو گھنٹے خطاب: سورۂ اخلاص کی تشریح، بقدرِ طاقت بشری، صفاتِ باری کو اپنے اندر سمو لینا چاہیے۔ انبیاء کے بعد سورۂ اخلاص کی بیان کردہ چار صفات میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ساری امت سے ممتاز ہے۔ اسی لیے وہ خلافت کے حق دار بھی تھے۔

۲۸، ۲۹، ۳۰/ نومبر ۶۲ء: ادارہ اشاعت دین قیم کے سالانہ جلسہ میں خطاب

دسمبر ۱۹۶۲ء۔ ہفت روزہ ''دعوت'' کا ''صدیق اکبر نمبر'' شائع ہوا۔

۷/ دسمبر ۱۹۶۲ء کے دعوت میں اعلان: آئندہ شمارے سے دعوت کے صفحات بارہ کے بجائے سولہ ہوں گے۔

۴/ دسمبر ۶۲ء: تنظیم اہل سنت کے مرکزی دفتر بمقام ملتان میں مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ کی صدارت میں مرکزی مبلغین کا اجلاس ہوا، صدر مجلس نے دستور کے مطابق ۲۵/ حضرات کو مشاورت کے لیے منتخب کیا، جن میں چوتھا نام علامہ صاحب کا ہے۔ ۱۔ حضرت بنوریؒ، ۲۔ علامہ دوست محمد قریشیؒ (ناظم اعلیٰ)، ۳۔ حضرت تونسویؒ (نائب صدر)، ۴۔ علامہ خالد محمودؒ (نائب صدر) ۵۔ مولانا قائم الدین عباسی (ناظم)

۱۹۶۳ء۔ مقبول حسین دہلوی شیعہ کے ترجمہ قرآن کے خلاف زوردار احتجاجی مہم میں بھرپور حصہ۔ بالآخر ۲۶/ جون ۶۳ء کو ترجمہ مقبول کو ضبط کرنے کے سرکاری احکامات جاری۔

۱۹۶۳ء۔ تھائی لینڈ کے بدھ مذہب کے بھکشوؤں سے علامہ صاحب کی آٹھ گھنٹے گفتگو۔

صدر جنرل ایوب خان کے دورِ حکومت (۱۹۵۸ء۔۱۹۶۹ء) میں غیر اسلامی قوانین کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے علماء اسلام کی نمائندہ کمیٹی میں بطور ممبر علامہ صاحب کا تقرر۔ کمیٹی میں حضرت بنوری، علامہ شمس الحق افغانی اور مفتی محمود صاحب بھی شامل تھے۔

جنوری ۱۹۶۳ء (شعبان ۱۳۸۲ھ): ایک تقریر کے دوران علامہ صاحب پر چنیوٹ میں قاتلانہ حملہ

۲/جنوری بروز ہفتہ بعد ظہر: علامہ صاحب پر قاتلانہ حملے کا مذمتی اجلاس۔

۴/جنوری، بروز جمعہ: تنظیم اہل سنت لاہور کا اجلاس، مولانا عبیداللہ انور، مولانا لال حسین اختر، حافظ طالب حق (مدیر: پیام اسلام)، علامہ خالد محمود اور مولانا حافظ الیاس وغیرہ کی شرکت۔

۲۵/جنوری ۱۹۶۳ء (۲۸/شعبان ۱۳۸۲ھ) کے ''دعوت'' میں شائع شدہ شکریہ نامہ: ''شکریہ احباب:...حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب چکوال....کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے، جنھوں نے اپنے حلقہ اثر ورسوخ سے ادارہ کو خریدار مہیا کیے۔''

فروری ۱۹۶۳ء ہفت روزہ خدام الدین کے ''شیخ التفسیر نمبر'' میں علامہ صاحب کا مضمون بعنوان: ''حضرت شیخ التفسیر کا منہاج درس تفسیر'' کی اشاعت۔

۱۷/فروری ۶۳ء: باغ بیرون موچی دروازہ لاہور تنظیم اہل سنت کے جلسہ سے خطاب

۲۴/فروری ۶۳ء: باغ بیرون موچی دروازہ لاہور تنظیم اہل سنت کے جلسہ سے خطاب

مارچ ۱۹۶۳ء۔ جناح پارک سیالکوٹ میں ۳۰/ہزار افراد کے مجمع سے عید کا خطاب۔

مارچ ۱۹۶۳ء (شوال ۱۳۸۲ھ) جناح پارک سیالکوٹ میں خطبہ عید الفطر

۲۴/رمضان ۸۲ھ: نیو ہوسٹل گورنمنٹ کالج لاہور میں ''ضرورت مذہب'' کے عنوان پر خطاب

۲۵/رمضان ۸۲ھ، فروری ۶۳ء: جامع مسجد کوٹ فتح دین خان (قصور) میں فضائل رمضان پر دو گھنٹے خطاب

۲۸/رمضان: جامع مسجد حاجی رانجھے خان (قصور) میں عظمت قرآن اور مسئلہ توحید پر خطاب

۲۵/مارچ ۶۳ء: تنظیم اہل سنت لاہور کا اجلاس، صدارت: مولانا محمد اجمل

اپریل ۱۹۶۳ء: تنظیم اہل سنت کے تین ارکان کی ضلع بدری پر علامہ خالد محمودؒ [نائب صدر: تنظیم اہل سنت] کا بیان

اپریل ۱۹۶۳ء۔ مشہور شیعہ مناظر مولوی اسماعیل گوجروی کے ساتھ چک ذخیرہ ضلع گوجرانوالہ میں ''ایمان بالقرآن'' کے عنوان پر تاریخی مناظرہ۔

۱۷/مئی ۱۹۶۳ء۔ ہفت روزہ ''دعوت'' کا ''عثمان غنی نمبر'' شائع ہوا۔

جون ۶۳ء، عشرہ محرم لاہور میں فرقہ وارانہ فسادات کی نذر، گولیاں تک چلتی رہیں، جلاؤ گھیراؤ اور پتھراؤ کے واقعات۔

۸/جون ۱۹۶۳ء۔ محرم میں اہل تشیع کے خونی جلوسوں کی وجہ سے فسادات۔ علامہ صاحب دو ماہ کے لیے ضلع بدر۔

۹/جون ۱۹۶۳ء: ادارہ تبلیغ قرآن وسنت کرشن نگر لاہور کا اجلاس، ترجمہ مقبول دہلوی کے خلاف احتجاج

یکم جون ۶۳ء، ۸/محرم ۸۳ھ: یادگار پارک شیخوپورہ سہ روزہ کانفرنس میں ''فلسفہ شہادت'' کے عنوان پر خطاب

جولائی ۱۹۶۳ء (صفر ۱۳۸۳ھ): علامہ صاحب اوران کے رفقاء کی کوششوں سے حکومت نے ترجمہ مقبول پر پابندی لگادی، جس پر مولانا عبیداللہ انورؒ نے بھی خراج تحسین پیش کیا جو ۵/جولائی ۱۹۶۳ء کے ''دعوت'' میں شائع ہوا۔

۸/جولائی ۶۳ء: تنظیم اہل سنت کرشن نگر کے تمام ارکان کو ضلع بدر کر دیا گیا۔

۸/جولائی ۶۳ء: حضرت علامہ خالد محمود صاحب کو بھی دوماہ کے لیے ضلع بدر کر دیا گیا۔

اگست ۱۹۶۳ء (ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ) مدرسہ تعلیم القرآن حسن ابدال میں سیرت النبی کے عنوان پر خطاب

۲/اگست ۱۹۶۳ء (۱۱/ربیع الاول ۱۳۸۳ھ) ''دعوت'' کا ''رسول کریم نمبر'' شائع ہوا۔

۱۳/ستمبر ۱۹۶۳ء (۲۴/ربیع الثانی ۸۳)۔ ہفت روزہ ''دعوت'' کا ''فاروق اعظم نمبر'' شائع ہوا۔

۲۲/ستمبر ۶۳ء: تنظیم اہل سنت ٹیکسلا کے زیر اہتمام جلسہ، علامہ صاحب مسئلہ خلافت وامامت پر بیان

۲۷/ستمبر ۶۳ء بروز جمعہ: حضرت قاری طیب رحمہ اللہ کی لاہور تشریف آوری، علامہ صاحب نے مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا مفتی جمیل تھانوی، مولانا ادریس کاندھلوی کے ہمراہ ائیر پورٹ پر استقبال کیا۔

اکتوبر ۱۹۶۳ء۔ علامہ صاحب کی دعوت پر حکیم الاسلام مولانا قاری طیب رحمہ اللہ کا جامع مسجد سول سیکرٹریٹ لاہور میں جمعہ کے موقع پر دو گھنٹے خطاب۔

اکتوبر ۶۳ء: تھائی لینڈ کے بدھ مذہب کے بھکشوؤں کی کرشن نگر میں آمد اور اسلام کے موضوع پر تبادلہ افکار

اکتوبر ۱۹۶۳ء (جمادی الثانیہ ۱۳۸۳ھ) جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کا سالانہ جلسہ، حضرت درخواستی، حضرت جالندھری، مولانا محمد سرفراز خان صفدر، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا قاضی مظہر حسین، علامہ خالد محمود، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا عبداللطیف جہلمی، مولانا سید گل بادشاہ اور مولانا عبدالحکیم رحمہم اللہ وغیرہ کی شرکت

۶، ۷/اکتوبر ۶۳ء: جامع مسجد نہر والی مغل پورہ لاہور میں جلسہ، علامہ صاحب، مولانا شجاع آبادی، مولانا ضیاء القاسمی اور مولانا اجمل کی شرکت۔

۱۶، ۱۷/اکتوبر ۶۳ء: کرشن نگر لاہور میں ادارہ تبلیغ قرآن وسنت کا سالانہ جلسہ، علامہ صاحب وعلامہ قریشی کی شرکت۔

۲۴/اکتوبر ۶۳ء: شرق پور میں ''فضائل صحابہ اور سیرت نبوت'' پر تین گھنٹے خطاب

۲۵، ۲۶/اکتوبر ۶۳ء: دار العلوم حنفیہ ورکشاپی محلّہ راولپنڈی کا سالانہ جلسہ، حضرت درخواستی، مولانا عبدالحق، مولانا عبیداللہ انور، علامہ خالد محمود اور سید امین گیلانی کی شرکت

۲۵/تا ۲۷/اکتوبر ۶۳ء: تنظیم اہل سنت جام پور کا سالانہ جلسہ: حضرت درخواستیؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، علامہ خالد محمودؒ، مولانا عبدالستار تونسویؒ، مولانا محدم علی جالندھریؒ، مولانا ضیاء القاسمیؒ اور مولانا غلام اللہ خانؒ وغیرہ کے بیانات

۳۰/اکتوبر ۶۳ء: میترانوالی ضلع سیالکوٹ میں حضرت علامہ خالد محمودؒ اور مولانا سرفراز خان صفدرؒ نے ایک جلسہ میں

شرکت کرنی تھی، لیکن حکومت کی طرف سے لاؤڈ اسپیکر کی اجازت نہ ملنے کے باعث یہ جلسہ نہ ہو سکا۔

نومبر ۱۹۶۳ء: ''دعوت'' کا ''امیر معاویہؓ نمبر''

۸؍دسمبر ۶۳ء: باغ بیرون موچی دروازہ لاہور تنظیم اہل سنت کے جلسہ سے خطاب

۱۳؍دسمبر ۱۹۶۳ء کے دعوت کا ایک اشتہار: ماہنامہ ''تنظیم اہل سنت'' کا دور جدید۔ اجازت نامہ حاصل کر لیا گیا ہے۔ جنوری ۶۴ء میں پہلا پرچہ شائع ہوگا۔

۲۹، ۳۰؍دسمبر ۶۳ء: مدرسہ احیاء العلوم چنیوٹ کے سالانہ جلسہ سے خطاب

۱۳؍جنوری ۱۹۶۴ء۔ ہفت روزہ ''دعوت'' کا ''علی المرتضٰی نمبر'' شائع ہوا۔

۳۱؍جنوری ۱۹۶۴ء (۱۵؍رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ) ''دعوت'' کا ''علی المرتضٰی نمبر'' شائع ہوا۔

فروری ۱۹۶۴ء: تنظیم اہل سنت لاہور کے زیر اہتمام ''دارالمبلغین'' کا قیام۔ (مسیحی نظریات اور اسلامی تقابلی مطالعہ) ہر اتوار ۱۱؍بجے تا ۲؍بجے دوپہر۔

۵، ۶؍مارچ ۶۴ء: تنظیم اہل سنت کانفرنس گڑھ مہاراجہ (جھنگ) میں شرکت

مارچ ۱۹۶۴ء: حکومت کی طرف سے علامہ صاحب پر خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں شرکت پر پابندی عائد کر دی گئی۔

مارچ ۱۹۶۴ء: لاری کے ذریعہ علامہ صاحب ہارون آباد گئے۔ ہارون آباد تا فقیر والی سائیکل پر سفر کیا۔ اور بیان فرمایا

۸؍تا ۱۰؍مارچ ۶۴ء: مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیر والی کا چھبیسواں سالانہ جلسہ، حضرت افغانی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا دوست محمد قریشی، مولانا عبدالستار تونسوی، علامہ خالد محمود اور مولانا ضیاء القاسمی وغیرہ کے خطابات

جون ۱۹۶۴ء۔ تنظیم اہل سنت پاکستان کا مرکزی دفتر ملتان میں بوہڑ گیٹ سے کچہری چوک منتقل ہوا، جس کا اعلان ۱۹؍جون ۶۴ء کے دعوت میں شائع ہوا۔

جولائی ۱۹۶۴ء۔ علامہ صاحب کے دوسرے بیٹے شاہد محمود کی ولادت۔

جولائی ۱۹۶۴ء۔ بعض شر پسندوں کے بے بنیاد پروپیگنڈہ کے جواب میں جامعہ اشرفیہ لاہور کی طرف سے علامہ صاحب پر اظہارِ اعتماد کا اعلان اور اختلافات کی افواہوں کی تردید۔

۹؍جولائی ۱۹۶۴ء۔ مولانا محمد سرفراز خان صفدر کے ہمراہ راولپنڈی میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سے ملاقات۔

۱۱؍جولائی ۱۹۶۴ء۔ پہلا ہوائی سفر ہمراہ علامہ دوست محمد قریشی لاہور تا کوئٹہ۔

۱۷؍جولائی ۱۹۶۴ء۔ ہفت روزہ ''دعوت'' کا ''رسول کریم نمبر'' شائع ہوا۔

۲۴؍جولائی ۱۹۶۴ء: مولانا عبدالرحمٰن اشرفی کا اعلان، علامہ صاحب اور اُن کے علم پر اظہارِ اعتماد

۲۴؍جولائی ۱۹۶۴ء کے دعوت میں شائع شدہ اعلان: حضرت علامہ خالد محمود صاحب فوری متوجہ ہوں! جہاں جہاں

آپ کا تبلیغی پروگرام تھا، حضرت علامہ قریشی کی ہدایت کے مطابق بذریعہ خطوط اطلاع دی جا چکی ہے۔ تاہم اس کے باوجود آپ جہاں بھی ہوں مدرسہ مظاہر العلوم کوٹ ادو مظفرگڑھ کے پتے پر حضرت علامہ دوست محمد صاحب قریشی کو اطلاع دیں۔ ان کے دو خطوط آچکے ہیں جس میں حضرت علامہ صاحب نے سخت تاکید کی ہے۔ ایک خط شائع کیا جارہا ہے، آپ سے گذارش ہے کہ ان کو اطلاع دے دیں ''بخدمت حضرت العلامہ زیدت معالیکم ......سلام مسنون! دار المبلغین میں تعلیم وتدریس کے سلسلے میں جولائی کا مہینہ حضور نے اپنے لیے منتخب فرمایا تھا۔ مگر طلبہ کے اصرار پر جون و جولائی دو مہینوں کے لیے اُن کو چنیوٹ بھیج دیا گیا ہے۔ جناب اِس عاجز پر احسان عظیم فرماتے ہوئے اگست کا مہینہ عطا فرمائیں۔ فقیر دوست محمد قریشی''

اگست ۱۹۶۴ء (ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ): علامہ خالد محمود کا ہفتہ وار تبلیغی پروگرام

۲۰؍ اگست ۶۴ء: جھنگ صدر ۲۱؍ اگست: جمعہ، لاہور ۲۳؍ اگست: اوچ شریف

۲۴؍ اگست: ہارون آباد ۲۵؍ اگست: فقیر والی ۲۶؍ اگست: رحیم یار خان

۲۷؍ اگست: نواب شاہ ۲۸؍ اگست: جمعہ، لاہور

۱۸؍ ستمبر ۱۹۶۴ء (۱۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۴ھ) ''دعوت'' کا ''خاتم النبیین نمبر'' شائع ہوا۔

ستمبر ۶۴ء: مجلس تنظیم اہل سنت کرشن نگر لاہور کا انتخاب۔ سرپرست: علامہ خالد محمود

اکتوبر ۱۹۶۴ء: علامہ دوست محمد قریشی کی اپیل: امکان النظر اور غور وفکر سے اگر دیکھا جائے تو تحفظ ملت اور تردید مسالکِ باطلہ کے لحاظ سے ہفت روزہ ''دعوت'' کا دورِ حاضر میں کوئی مثیل نہیں۔ اور یہ محض اللہ کا فضل ہے اور حضرت العلامہ خالد محمود صاحب نیز حافظ ارشد صاحب اور حافظ نور محمد صاحب انور کی توجہات عالیہ کا نتیجہ ہے۔''

۹؍ اکتوبر ۱۹۶۴ء کامونکی ضلع گوجرانوالہ میں تبلیغی کانفرنس سے ولولہ انگیز خطاب

۱۵، ۱۶؍ اکتوبر ۶۴ء: ادارہ تبلیغ قرآن وسنت کرشن نگر لاہور کا چوتھا سالانہ جلسہ، مولانا دوست محمد قریشی، مولانا عبدالرحمٰن اشرفی، مولانا محمد اجمل، شیخ الحدیث سید میرک شاہ [سابق مدرس دار العلوم دیوبند] اور علامہ صاحب کے خطابات

۲۱؍ اکتوبر ۱۹۶۴ء: تنظیم اہل سنت لاہور کا نیا انتخاب، علامہ صاحب کا بیان، مولانا مفتی طفیل و مفتی جمیل احمد تھانوی سرپرست، مولانا اجمل صدر، مولانا عبدالرحمٰن اشرفی نائب صدر، خواجہ ابوبکر اویس شبلی ناظم، مولانا نذیر نائب ناظم، مولانا طفیل خازن۔ عبوری ناظم اعلیٰ: علامہ خالد محمود

۲۵؍ اکتوبر ۱۹۶۴ء۔ شرق پور کے ایک جلسہ میں شورش کاشمیری اور مولانا اجمل خان کے ساتھ شرکت۔

۲۷ تا ۲۹؍ اکتوبر ۶۴ء منگل، مولانا احتشام الحق تھانوی کے ہمراہ دورہ سندھ

نومبر ۱۹۶۴ء۔ جمعیۃ المسلمین برمنگھم کی طرف سے علامہ صاحب برمنگھم آنے کی دعوت۔

۱۲؍ نومبر ۶۴ء بروز جمعرات: بلکسر ضلع جہلم (موجودہ ضلع چکوال) میں خطاب

۱۹۶۵ء۔ کتاب ''عبقات'' پہلی مرتبہ طبع ہوئی۔

۱۹۶۵ء۔ اسلامیہ ڈگری کالج خانیوال سے دوبارہ ایم اے او کالج لاہور میں تقرری۔

اپریل ۱۹۶۶ء کے لگ بھگ علامہ صاحب ایم اے او کالج سے طویل رخصت لے کر ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کے لیے برمنگھم (برطانیہ) تشریف لے گئے۔

۱۹۶۹ء۔ مولانا عبدالرشید ارشد کی کتاب ''بیس بڑے مسلمان'' کا پیش لفظ لکھا۔

مئی ۱۹۶۹ء۔ قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے تحریک خدام اہل سنت کی بنیاد رکھی تو علامہ صاحب دفاع مسلک بالخصوص دفاع صحابہ کے اِس مشن میں اُن کے شانہ بشانہ رہے۔

۱۹۶۹ء۔ امام پاکستان مولانا احمد شاہ بخاری رحمہ اللہ کا انتقال۔

۱۹۶۹ء۔ برطانوی شہر برمنگھم کی مرکزی مسجد کے امام مقرر ہوئے۔

۱۹۷۰ء۔ علامہ صاحب کی برطانیہ سے پاکستان واپسی۔ پھر ۷۰ء کے اواخر میں اہل خانہ سمیت برطانیہ روانگی۔

اکتوبر ۱۹۷۰ء۔ قومی اسمبلی کی نشست پر حلقہ نمبر ۴ر لاہور سے انتخابات میں حصہ۔

۱۹۷۰ء: پی ایچ ڈی (برمنگم یونیورسٹی): مقالہ کا عنوان: ''اصول کافی اور صحیح بخاری کا تقابلی مطالعہ''

۱۹۷۰ء۔ آئین شریعت کانفرنس لاہور میں علامہ صاحب کی فرمائش پر خان محمد کمتر مرحوم نے حضرت مفتی محمود صاحبؒ کے حوالے سے نظم پڑھی۔

۲۶ر اگست ۱۹۷۱ء۔ مولانا سید اسعد مدنی کی طرف سے علامہ صاحب کو دہلی سے خط۔

۷ر ستمبر ۱۹۷۱ء۔ ایم اے او کالج لاہور کی ملازمت سے سبکدوشی۔

۱۹۷۲ء۔ آپ نے پی ایچ ڈی کا مقالہ جمع کرایا اور نومبر ۱۹۷۲ء میں برمنگھم یونیورسٹی کی طرف سے آپ کو پی ایچ ڈی کی ڈگری جاری کی گئی۔

۱۹۷۴ء۔ تنظیم اہل سنت کے مرکزی راہ نما حضرت علامہ دوست محمد قریشی کا انتقال ہوا۔

نومبر ۱۹۷۴ء۔ حضرت بنوری کے ہمراہ انگلینڈ کے طول وعرض میں ختم نبوت کے اجتماعات۔

۱۹۷۴ء۔ علامہ صاحب برطانوی شہر برمنگھم سے مانچسٹر منتقل ہوئے۔

۱۹۷۴ء۔ مانچسٹر یونیورسٹی کے قریب ایک عمارت میں ''اسلامک اکیڈمی'' کی بنیاد رکھی۔

۱۴ر اپریل ۱۹۷۵ء۔ امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کا قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کو خط۔ علامہ صاحب کے انگلستان جانے کے بعد چند ذی استعداد علماء کو شیعہ سنی اختلافی مسائل میں مناظرہ کے تیار کرنے کا پرزور مشورہ۔

۲۷ر اپریل ۱۹۷۵ء۔ برطانیہ میں اہل بدعت کے بے بنیاد الزامات واتہامات کے جواب میں سد باب کے طور پر مولانا احمد رضا خان کے تعارف وحقیقت پر ایک جلسہ کا انعقاد ہوا، جس میں علامہ صاحب نے جناب احمد رضا خان صاحب اور ان کے عقائد وافکار کا تفصیلی تعارف باحوالہ پیش کیا، اور ساٹھ (۶۰) علماء نے مشترکہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ: مولانا احمد رضا خان اور اُن کے

پیروکار ہرگز اہل سنت نہیں۔

۲۶؍جولائی ۱۹۷۶ء۔ مولانا منظور احمد چنیوٹی کے ہمراہ کینیا کا دورہ۔

یکم اگست ۱۹۷۶ء۔ حضرت چنیوٹی کے ہمراہ نائیجیریا پہنچے۔

۶؍اگست ۱۹۷۶ء۔ مناظرہ ابادان

۱۲؍اگست ۱۹۷۶ء۔ مغربی افریقہ کے اسلامی ملک نائیجیریا میں قادیانیوں سے تاریخی مناظرہ۔

۱۵؍تا ۲۲؍اگست ۱۹۷۶ء۔ اکرہ، کماسی، سیرالیون وغیرہ کے دورے۔

۲۲؍اگست ۱۹۷۶ء۔ دورۂ گیمبیا۔

۱۹۷۶ء۔ سعادت عمرہ۔

۲۹؍جولائی ۱۹۷۸ء۔ مولانا منظور احمد چنیوٹی اور علامہ صاحب کی کوششوں سے برطانیہ میں ''حیات مسیح کانفرنس''۔

۱۹۸۰ء۔ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے ہمراہ مدینہ طیبہ کا سفر۔

۲۰؍جولائی ۱۹۸۰ء۔ مناظرہ شیفلیڈ۔ مولوی عنایت اللہ سانگلوی کے ساتھ علم غیب کے عنوان پر علامہ صاحب اور مولانا ضیاء القاسمی کا یادگار مناظرہ۔

جنوری ۱۹۸۱ء۔ ''مناظرہ نائیجیریا'' کی طباعت۔

۱۹۸۲ء (صدر ضیاء الحق کے دور) میں ساؤتھ افریقہ میں پاکستان کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے قادیانیوں کو عدالتی طور پر غیر مسلم قرار دینے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

۱۹۸۲ء۔ آثار الحدیث طبع ہوئی۔

۱۹۸۲ء۔ مولانا فداء الرحمٰن درخواستیؒ کے مدرسہ انوار القرآن کراچی میں مناظرہ کے اسباق۔

۱۹۸۳ء۔ ردفرق باطلہ کورس کے لیے جامعہ سراج العلوم سرگودیا میں ۱۵؍دن قیام فرمایا۔

۱۹۸۳ء۔ تنظیم اہل سنت کے صدر مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

۵؍مئی ۱۹۸۳ء۔ قادیانیوں کے اخبار ''الفضل'' میں حضرت تھانویؒ پر الزام عائد کیا گیا کہ انھوں نے اپنی کتاب ''المصالح العقلیہ'' کی بعض عبارات مرزا غلام قادیانی کی کتب سے بلاحوالہ نقل کی ہیں۔ علامہ صاحب حضرت تھانوی کے دامن سے اِس الزام کا داغ صاف کرنے میدان میں اترے۔ چنانچہ اگست ۱۹۸۳ء کے ماہنامہ ''الرشید'' ساہیوال میں اِس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ بلاتذکرہ نقل کرنے کا اصل مجرم خود مرزا قادیانی ہے۔

۱۹۸۴ء (ذوالحجہ ۱۴۰۴ھ) دارالعلوم مدنیہ میں مختلف اسباق کے لیے ہفتہ بھر قیام۔

۱۹۸۴ء۔ ردفرق باطلہ کورس کے لیے جامعہ سراج العلوم سرگودیا میں ایک ماہ قیام فرمایا۔

۱۹۸۴ء۔ جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں تقابل ادیان کے اسباق ارشاد فرمائے۔

۱۹۸۵ء۔ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔

روسی انخلاء کے بعد پروفیسر صبغۃ اللہ کے دور میں علماء کے وفد کے ساتھ دورۂ افغانستان

۱۹۹۰ء۔ رابطہ عالم اسلامی کی دعوت پر حج کی سعادت حاصل کی۔

۱۸؍جولائی ۱۹۹۱ء۔ لاہور کے علاقہ شاہدرہ کی ایک کالونی میں مسجد ومدرسہ کے لے جگہ خریدی۔ جہاں ۱۹۹۲ء میں مختصرسی عارضی مسجد تعمیر ہوئی۔ ۱۳؍مئی ۲۰۰۰ء کو حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ اور حضرت علامہ صاحبؒ وغیرہ کے ہاتھوں جدید تعمیر کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

۲۶؍اکتوبر ۱۹۹۲ء۔ مولانا محمد الیاس حضروی رحمہ اللہ کی وفات۔

۱۹۹۵ء۔ حج اللہ کی سعادت حاصل کی۔

۱۷؍جولائی ۱۹۹۵ء۔ مناظرہ ساؤتھ افریقہ: اوریئنٹ ہال ڈربن (ساؤتھ افریقہ) میں جناب خمینی کے شاگرد، ایرانی نائب سفیر آیت اللہ الحسینی کے ساتھ ''تقیہ'' کے عنوان پر مناظرہ۔

۱۵؍اگست ۱۹۹۵ء۔ مناظرہ ناروے: قادیانیوں سے تحریری مناظرہ۔

۱۹۹۷ء۔ پاکستانی کمیونٹی سنٹر کے قریب ''سٹی جامع مسجد'' کی بنیاد رکھی۔

۲۲؍جنوری ۲۰۰۰ء۔ مولانا ضیاء القاسمی کے جنازہ موقع پر خطاب۔

۲۰۰۰ء۔ مولانا محمد امین صفدر رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں منعقدہ اجتماع سے خطاب

دسمبر ۲۰۰۰ء۔ جناب پروفیسر ہمایوں صادق صاحب کی جیلانی اکیڈمی کا افتتاح فرمایا۔

۲۰۰۰ء۔ قادیانیت کے تعاقب کے لیے مولانا منظور احمد چنیوٹی کے ہمراہ انڈونیشیا کا دورہ۔

۱۹؍مئی ۲۰۰۲ء۔ جامعہ خیر المدارس ملتان میں تحفظ سنت کانفرنس سے خطاب فرمایا۔

۲۹؍مئی ۲۰۰۲ء۔ علامہ صاحب سپریم کورٹ آف پاکستان کے جج مقرر ہوئے۔

۲۰۰۳ء۔ جامعۃ الرشید کراچی میں ردِ نصرانیت پر دروس ارشاد فرمائے۔

۲۰۰۴۔ قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے جنازہ کے موقع پر خطاب فرمایا۔

۲۰۰۴ء۔ علامہ صاحب کے رفیق دیرینہ سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کا انتقال۔

۲۰۰۵ء۔ دورۂ نیویارک کے دوران مدنی مسجد برونکس نیویارک میں خطاب۔

۶؍مارچ ۲۰۰۵ء۔ شیخ الاسلام سیمینار بہاول پور سے خطاب۔ اس سیمینار میں آپ کو بھی ایک شیلڈ دی گئی جس پر ''تلمیذ شیخ الاسلام حضرت مدنی'' درج تھا۔

۴؍مئی ۲۰۰۵ء۔ جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا میں سنت وبدعت کے عنوان پر سبق پڑھایا۔

۲۹؍اپریل ۲۰۰۷ء۔ عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مدلل کا مقدمہ تحریر فرمایا۔

۲۰۰۸ء۔ جامعہ فاروقیہ شجاع آباد میں تین روز ''تقابل ادیان ومسالک'' کے اسباق پڑھائے۔

۲۰۰۸ء۔ ۵۸ر سالہ طویل رفاقت کے بعد اہلیہ محترمہ کا انتقال پر ملال۔

۵ر مئی ۲۰۰۹ء۔ امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے جنازہ کے موقع پر خطاب۔

۱۳ر اگست ۲۰۰۹ء بروز جمعرات۔ مانچسٹر سے جامعہ حیدریہ خیر پور میرس سندھ کے سالانہ جلسہ میں بخاری شریف کے آخری حدیث کا درس ارشاد فرمایا۔

۳۰ر جون ۲۰۱۰ء۔ حکیم العصر مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ کی علامہ صاحب کے ہاں مانچسٹر تشریف آوری۔

۲۰۱۰ء۔ آپ نے اپنے ادارہ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں سالانہ جلسۂ ولایت کا آغاز فرمایا۔ پہلا جلسہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے عنوان پر تھا۔

۲۰۱۲ء۔ تنظیم اہل سنت کے صدر علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ انتقال۔

۲۰۱۳ء۔ عمرہ کی سعادت حاصل کی۔

۲۰۱۶ء۔ علامہ صاحب نے عمرہ کی سعادت حاصل کی۔

۲۰۱۶ء۔ شدید بیماری کے باعث نیشنل ہسپتال لاہور میں داخل رہے۔

۲۰ر فروری ۲۰۱۷ء۔ ڈاکٹر مفتی عبدالواحدؒ سے ملاقات کے لیے اُن کے ہاں تشریف لے گئے۔

۲۰۱۷ء۔ ہانگ کانگ کا سفر فرمایا۔ تین روز میں واپسی بھی ہوگئی۔

۲۰۱۸ء۔ علالت کے باعث برطانیہ میں ہسپتال داخل رہے۔

۲۰۱۸ء۔ حضرت صوفی محمد سرورؒ کے انتقال کے بعد جامعہ اشرفیہ لاہور میں بخاری شریف کا درس۔

۲۰۱۹ء۔ ایمان بالقرآن کے عنوان سے ایک مختصر تحریر رقم فرما کر نشر فرمائی۔

۱۶ر جنوری ۲۰۲۰ء۔ جامعہ اشرفیہ لاہور میں وفاق المدارس العربیہ کے کنونشن سے خطاب۔

۲۰ر جنوری ۲۰۲۰ء۔ جامعہ اشرفیہ لاہور میں آخری سبق پڑھایا۔

آخری درس قرآن، جو لاک ڈاؤن کے باعث آن لائن نشر ہوا۔

۵ر مئی ۲۰۲۰ء۔ نماز عشاء سے نصف گھنٹہ پہلے بیڈ سے اٹھے، توازن برقرار نہ رہ سکا، لہٰذا گر گئے، جس کے باعث کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اگلے روز آپریشن ہوا، جو بظاہر کامیاب رہا، مگر بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے طبیعت سنبھل نہ سکی۔

وفات: ۲۰ر رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۴ر مئی ۲۰۲۰ء بروز جمعرات (برطانوی وقت کے مطابق) صبح ۹ر بجے

۲۱ر رمضان، ۱۵ر مئی بروز جمعۃ المبارک، نمازِ جمعہ کے بعد مانچسٹر (برطانیہ) کے قبرستان میں تدفین۔

اولاد: ۳ بیٹے اور ۲ بیٹیاں

☆......☆......☆......☆

علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ کے چند مناظروں کی فہرست

شمار	بمقام	تاریخ	مدمقابل	عنوان	صفحہ
۱	سیالکوٹ		مولوی اللہ دتہ (قادیانی)		۱/۲۳۳
۲	کرشن نگر لاہور	۱۹۵۱ء	مولوی بشیر انصاری (شیعہ)	تحریف قرآن	
۳	سیالکوٹ	۱۹۵۲ء	مولانا ابراہیم میر (غیر مقلد)	فاتحہ خلف الامام	۱/۲۴۱
۴	نارووال	۱۹۵۶ء	مولوی بشیر انصاری (شیعہ)	خلافت بلافصل	۱/۱۱۱
۵	سنکھترہ نارووال	۱۹۵۷ء	مولوی اسماعیل گوجروی (شیعہ)		۱/۱۷۱
۶	مال روڈ لاہور	۱۹۶۲ء	قاضی نذیر جلال شمس (قادیانی)	ختم نبوت	۱/۲۶۰
۷	چک ذخیرہ، گوجرانوالہ	۱۹۶۳ء	مولوی اسماعیل گوجروی (شیعہ)	ایمان بالقرآن	۲/۱۷۷
۸	ابادان، نائیجیریا	۱۹۷۶ء	ایچ ٹی دادا (قادیانی)	ختم نبوت / دعویٰ مہدویت	۱/۳۹۵
۹	اجی بوڈی نائیجیریا	۱۹۷۶ء	عبدالرحیم (قادیانی)	مرزا قادیانی کی زندگی	۲/۴۷۷
۱۰	اسلامک اکیڈمی مانچسٹر	۱۹۸۰ء	مولوی عبدالقادر جیلانی (بریلوی)	درودِ خارج صلوۃ	۱/۴۱۶
۱۱	شیفیلڈ (برطانیہ)	۱۹۸۰ء	مولوی عنایت اللہ سانگلوی (بریلوی)	علم غیب، حاضر ناظر وغیرہ	۱/۴۱۷
۱۲	ساؤتھ افریقہ	۱۹۹۵ء	آیت اللہ الحسینی (شیعہ)	تقیہ	۱/۴۴۲
۱۳	ناروے	۱۹۹۵ء	قادیانی گروہ	تحریراتِ مرزا قادیانی	۱/۹۴
۱۴			مولانا عبدالقادر روپڑی	رفع الیدین	۱/۱۰۸
۱۵	کمبوہ ڈیرہ اسماعیل خان		مولوی سعید اسد (بریلوی)	نور و بشر	۲/۴۵۴
۱۶	برج مہالم (پتوکی)				۱/۴۸۵
۱۷	چٹیانہ (ٹوبہ ٹیک سنگھ)				۱/۴۸۵
۱۸	جیلانی اکیڈمی لاہور	۲۰۰۳ء	قادیانی مربی	مرزا شراب پیتا تھا	۱/۴۸۸
۱۹	جامعہ اشرفیہ لاہور		(قادیانی)		

مولانا ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ، مکۃ المکرمۃ

خیر عمیم کا مجسم شاہکار

منعمِ حقیقی باری تعالیٰ جل جلالہ نے اپنے بندے کو جب ذہنی ذکاء، فکری ارتقاء اور حسنِ تلقی جیسی خصوصی نعمتوں سے نوازا ہو۔ پھر اسے حصولِ علوم ومعارف کے لیے ماحول اور مدارس میں حضرت مولانا مفتی حسن صاحبؒ، مولانا احمد علی لاھوری صاحبؒ، مولانا مسیح اللہ خان شیروانیؒ جیسے مربی ومزکی، حضرت مولانا شبیر احمد عثانی صاحبؒ جیسے متبحر عالم، حضرت مولانا شمس الحق افغانی صاحبؒ جیسے محقق ومدقق، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحبؒ جیسے محدث اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ جیسے فقیہ کا شرفِ تلمذ، امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحبؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ کا اعتماد اور رفاقت عطا کی ہو، اور ان جیسے راسخین فی العلم اور علمائے ربانیین کی صحبتوں اور تربیتوں کے بیش بہا، قیمتی مواقع میسر کیے ہوں، تو پھر حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود جیسی شخصیات پیدا ہوتی ہیں۔

علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ اللہ تعالیٰ کے ان مقبولین بندوں میں سے ایک تھے جو اس حدیثِ نبوی کے مصداق ہونے کے مقامِ جلیلہ کے شرف سے مشرف رہے۔ ہمارے استاذ حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ جو معمر محدثین میں سے تھے اور حضرت علامہؒ کے بھی استاذ تھے، ان کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب بھی ان کے پاس کوئی شخص کسی بچہ کو دعا کرانے کے لیے لاتا، یا کوئی نوجوان عالم اپنے لئے دعا کراتا تو اسی حدیث کا ذکر فرماتے (**خیر الناس من طال عمرہ، وحسن عملہ**) بہترین لوگ وہ ہیں جن کی عمر لمبی اور عمل صالح اور حسین ہوں۔ پھر یوں فرماتے کہ اللہ تعالیٰ اس بچہ یا اس نوجوان کو یا اس عالم کو اس کا مصداق بنادے۔

حضرت علامہ رحمہ اللہ کی عملی زندگی جو ان کی تصنیفی، تعلیمی، تدریسی، تحریکی اور اصلاحی مبارک مساعی پر مشتمل ہے، آپ کی اس عملی زندگی کا زمانہ بیسویں صدی کا دوسرا نصف یعنی بیسویں صدی کی پانچ دہائیاں اور اکیسویں صدی کا پہلا خمس یعنی دو دہائیاں۔ اپنے اس طویل ترین عملی سفر میں برصغیر کے علماءِ کرام اور زعماء کے تین طبقات میں، وہ ہر دور میں اپنے نمایاں اور ممتاز مقام کے حامل رہے۔

دین میں اہلِ فتنہ خواہ وہ کسی بھی گروہ کے ہوں ان کے بالمقابل اسلام جو مسلسل اور سندِ متصل سے امت میں نقل ہوتا آ رہا ہو، وہ اسے اصلی اسلام یا قدیم اسلام کہا کرتے تھے، وہ اس کے حسین وجمیل چہرے کو اہلِ فتنہ سے تحفظ اور حمایت کی خاطر اہلِ باطل کے خلاف چلنے والی ہر تحریک میں اپنی قابلِ ذکر اور قابلِ قدر نمایاں خدمات پیش کرتے رہے۔

وہ تحریکیں بین الاقوامی، ملکی، صوبائی ہوں یا علاقائی ہوں، پھر وہ تحریک تحفظِ عقیدہ ختمِ نبوّت ہو، تحفظِ عقائدِ اہلِ سنت کی جدوجہد ہو، یا فتنۂ انکارِ حدیث اور قدحِ سنت یا قدحِ خلفائے راشدین ان سبھی کے ردّ کے لیے علماءِ حق کے جن مختلف طبقات نے اپنی زندگیاں اس مبارک جدوجہد میں گزاریں، وہ تمام تحریکوں میں قیادت کرنے والے قد آور علماء ہوں یا بڑے بڑے دینی

وسیاسی زعماء ان سبھی کے یہاں علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ معتمد، ثقہ اور محبوب مقام رکھتے تھے۔

حضرت علامہ خالد محمودؒ کا بعض شخصی وذاتی امور پر جواب اس حدیثِ مسلسل کے عین موافق ہوتا تھا، جو یوں ہے: ''جب آپ کی کوئی عمر کا سوال کرے کہ کتنی ہے؟'' تو آپؐ اسے جواب میں کہیں: ''وشـــانـک'' آپ اپنے کام سے کام رکھیں، یعنی کارآمد اُمور میں مشغول رہیں، بے کار سوال نہ کیا کریں۔ حضرت علامہ صاحبؒ کی صحبت میں رہنے والے طلبہ کو ان کی اس عادت کا خوب علم ہے۔ بلکہ ایک خصوصی مصاحب نے مجھے بتایا کہ میں نے حضرت سے سوال کیا کہ آپ کس سال فارغ ہوئے؟ تو اس پر بھی انھوں نے ان صاحب کو سختی سے یہ جواب دیا کہ کام کے سوال پوچھا کرو، اس سوال میں آپ کی کیا منفعت ہے؟ حضرت علامہ صاحبؒ ہمیشہ اپنے طلبہ کو کارآمد کاموں میں مشغول رہنے کی نصیحت فرماتے اور بے کار مباحث، بے کار سوالات سے منع فرماتے۔ کیونکہ ہمارے بڑے بڑے اسلاف کی اعمار، یا سنِ ولادت آج تک محقق اور مجمع علیہ نہیں ہو سکے ہیں۔ اور پھر یہ اُمور لائقِ اعتنا بھی نہیں ہوتے، نہ ہونے چاہئیں۔ البتہ بعض احباب نے ان کے شناختی کارڈ یا پاسپورٹ سے ان اُمور کو اخذ کر رکھا ہے، مگر یہ غیر مفید ہے۔ نافع بات تو ان کے علوم ومعارف کو اخذ کیا جائے، جس کا شوق سبھی کو ہونا چاہئے، یقیناً یہ محمود عمل ہے، اور یہ قابلِ تنافس فعل ہے۔ اسی مذکورہ خبر کے مطابق ۱۹۲۵ء کا یہ ''مولود مسعود'' ایک صدی تک حیات علم کے ساتھ زندہ رہے، جس نے انھیں حیات جاوداں بخش دی۔

مناسب ہوگا کہ امرتسر کے بعد حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کے موطنِ جدید اور مہجر (بلد ہجرت) سیالکوٹ کے خطے کا نظریاتی اور فکری اعتبار سے پسِ منظر کا کچھ ذکر کیا جائے، کہ شاید ان حالات وماحول نے ہی حضرت علامہ صاحبؒ کو مختلف فرقہائے باطلہ کے خلاف علمی وتحقیقی جدوجہد کرنے میں اپنا فعّال کردار کیا ہو اور وہی باعث بنے ہوں۔ کیونکہ ماحول (خصوصاً نظریاتی) کسی بھی مجاہد انسان کی زندگی کا رُخ متعین کرنے میں قابلِ اعتبار تأثیر رکھتا ہے۔

جس شخص نے حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کا وہ وقیع مقدّمہ پڑھا جس نے ان حالات کا مدلّل تجزیہ کیا ہے، جو انھوں نے مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحبؒ کی ردّ قادیانیت کے زریں اصول'' کے شروع میں اصل کتاب سے طویل لکھا ہے۔ یاد رہے کہ حضرت کی کتاب کا ترجمہ اور حضرت علامہ صاحبؒ کے مقدمہ کا ترجمہ عربی زبان میں ''**الأصول الذهبية في الرد على القاديانية**'' کے نام سے انٹرنیشنل ختمِ نبوت موومنٹ نے طبع کرا کے عرب علماء میں تقسیم کیا ہے، جو قادیانیت کی تأسیس، اس کے اہداف واسباب کو جاننے کے بعد آج کے دور میں ابن خلدون کے مقدمہ سے کم نہیں ہے۔

یاد رہے کہ سیالکوٹ ہی وہ شہر ہے جس میں خود مرزا غلام احمد قادیانی یہاں کچہری میں ملازم رہا۔ قادیان قصبہ جس ضلع گورداسپور میں واقع ہے، یہ ضلع سیالکوٹ اس کے بالکل متصل ہے۔ اور آج بھی قادیان اس کے بارڈر سے چند میل کے فاصلہ پر ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے اس ضلع کی مسلم آبادی کا تناسب ۵۰٪ فیصدی سے زیادہ تھا۔ اس اعتبار سے یہ ضلع پاکستان میں منضم ہونا چاہئے تھا، مگر قادیانیت، استعمار اور ہندو کی باہمی ملی بھگت سے تقسیم کی آخری رات میں اس ضلع کو پاکستان سے کاٹ دیا گیا، جس کے نتیجہ میں ہزاروں مسلمانوں کو جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔

ہندوستان سے کشمیر کے تمام راستے اسی ضلع گورداسپور سے گزرتے ہیں، اگر یہ قادیانی سازش نہ ہوتی، تو کشمیری بھائی آج ہندو مظالم کا شکار نہ ہوتے۔ یہ وہ حقائق ہیں جن پر پردہ اٹھانے میں حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ اور حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحبؒ نمایاں کردار رہا۔ اور ان کا جاننا ہر پاکستانی ذی عقل وشعور کو خصوصاً اور عام مسلمانوں کو عموماً مسلم امت کے خلاف ہونے والی بہت سی سازشوں کو بے نقاب کرنے والا ہے۔

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ کی سکونت کے شہر سیالکوٹ کے بارے میں مزید عرض ہے کہ: ضلع سیالکوٹ کی تحصیل ''ڈسکہ'' سر ظفر اللہ قادیانی کا موطن ہے۔ جو مرزا غلام احمد کا مصاحبِ خاص تھا، اس کا سارا قادیانی خاندان اور اس کے بڑے بڑے سرمایہ دار رشتہ دار اس ضلع میں آباد تھے۔ ظفر اللہ پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ بھی تھا، جس نے ہمارے خارجہ کے تحت سفارت خانوں اور مکاتب کو قادیانی تبلیغ کے اڈے بنا رکھا تھا۔ پھر اس ضلع کی اس وقت کی تحصیل اور موجودہ ضلع "نارووال" کے سرحدی علاقوں میں قادیانیوں کی زمینیں ہیں۔ خود مرزا قادیانی اسی سیالکوٹ کی کچہری آفس میں ملازم رہا، اور اس کے اس وقت کے مصاحب وملازم بہت سے خاندان اس کی باطل فکر سے نہ صرف متاثر تھے، بلکہ قادیانیت کے پیروکار بن گئے۔ یہ تو ایک فتنہ کے بارے میں مختصر حالات وماحول کا بیان ہے۔

فتنۂ قادیانیت کے علاوہ اسی ضلع کے ایک گاؤں "لودھرے" سے اس وقت نصف صدی سے زائد اور آج ایک صدی کے زمانہ سے اہلِ تشیع کا ایک جریدہ "درنجف" شائع ہوتا تھا۔ "درنجف" کا ایڈیٹر عنایت علی شاہ اسی دور میں حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ کے ساتھ اپنے جریدے میں ان کے علمی مضامین پر نقد کرتا، اور میں نے اس سے خود سنا ہے کہ مولانا تو علمی مسائل بیان کرتے ہیں، مگر میں محض انھیں الجھانے ہی کا کام کرتا، حضرت لکھنوی کے مقابلہ میں یہ شخص تو بالکل علمی طور پر تہی دست تھا۔ وہ صرف "رپھڑ" ڈال سکتا تھا۔ اسکی رافضیت کی مساعی سے بہت سے لوگوں نے رافضیت اختیار کرلی۔ ہمارے اس وقت کے اکابر علماء کو اس کے فتنہ سے آگہی دینے میں الحمد للہ الحاج عنایت اللہ نے جو "لودھرے" ہی کے رہائشی اور راقم کے والد تھے، بھرپور کردار ادا کیا۔ کیونکہ تحریکِ احرار سے وہ گہری وابستگی رکھتے تھے۔ احرار کے اکابر سے تعلقات تھے، تو انھوں نے حضرت مولانا حافظ محمد شفیع سنکھتر ویؒ، مولانا مفتی بشیر پسروریؒ، حضرت مولانا منظور احمد نارووالیؒ، اور حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب سیالکوٹیؒ (جوان سب میں عمر میں چھوٹے تھے)، مگر وہ شہر سیالکوٹ میں اقامت پذیر ہونے کے ناطے سہل الحصول بھی تھے، اور خود "وہاں پہنچ کر" علاج معالجہ بھی کرتے، اس روداد کا ذکر اپنے موقع پر کیا جائے گا۔

ان سطور کی تحریر سے مقصد صرف اتنا ہے کہ "امرتسر" کے بعد حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ کے تعاقب قادیانیت وتردید تشیع کا باعث جدید موطن کے مذکورہ نظریاتی ماحول اور فکری حالات اور قادیانیت کی سیاسی مکاریاں بنے۔ حضرت علامہؒ یہاں ساکن ہونے کے بعد پھر سکون سے نہیں بیٹھے، بلکہ باطل کے خلاف ردّ ہی میں ان کا سکون پنہاں تھا۔ ویسے بھی علمائے ربّانیین فتنوں سے گھبراتے نہیں، وہ انہیں اپنی فکری پرواز کا باعث اور اللہ تعالیٰ کے ہاں رفعِ درجات اور ایمان کی پختگی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس شہر سے گردوپیش سے جس جہاد کا آغاز اس مردِ مجاہد نے کیا، اور اس کے اسوقت کے تمام اکابر کی انھیں رفاقت نصیب

ہوئی۔ ان شاء اللہ

علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ ہمارے عام بزرگوں کی طرح نہیں ہیں جو کسی ایک مدرسہ، ایک اسکول، ایک کالج یا ایک طبقہ میں دنیا کے کسی ایک شہر یا ایک ملک میں قرار پکڑ کر بیٹھے ہوں، اور ان کے مصاحبین رفقاء یا ان کی سیرت کی شہود چند لوگ ہوں۔ بلکہ وہ طائرِ لاہوتی کی طرح اقسمہائے تعلیم گاہ، مدرسہ، اسکول، کالج، یونیورسٹی، انسانی متنوع عام عوام، خواص، اہلِ حُکم وحکومت طبقات اور تقریباً ملک کے تمام صوبوں اور متعدد اداروں، پھر دنیا کے متعدد ممالک میں پرواز کرتے رہے۔ اور ہر جگہ اپنے محبّین ومصاحبین کو اپنے فیوضات سے مشرف فرماتے رہے۔ ہر جگہ ہی ان کے ہم نشین، مخلصین، مجالسین پورے التزام کے ساتھ ان کے علوم ومعارف کے حصول کے لیے ان کے حلقہ اور مجالس سے چمٹے رہتے۔ ایسے حضرات علامہ صاحبؒ کی زندگی کے ہر دَور میں ہر جگہ، وہ جہاں بھی رہے انہیں میسّر رہے۔ یہی لوگ علامہ صاحبؒ کے فیوضات کے امین وحاملین ہیں۔ اور عمر کے مختلف مرحلوں سے تعلّق رکھتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے مصاحبین تو علامہ صاحبؒ سے پہلے ہی دار البقاء میں ان کے استقبال کے لیے پہنچ چکے۔ اور بعضے کبارِ مشائخ کی فہرست میں ہیں۔

چونکہ حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وعنایت سے آغازِ عمر سے آخری بڑھاپے کی عمر تک فیوضاتِ قاسمی کے قاسم رہے ہیں۔ لہٰذا ایسے ادھیڑ عمر اور نوجوان کثیر تعداد میں ہیں جن کی خدمت میں میری اتنی گذارش ہے کہ وہ آج ہی سے اپنی اپنی شہادت قلمبند کریں۔ پھر ایک جگہ یا شخص یا ادارے کو مرجعیت قرار دے کر علامہ صاحبؒ کے محسنین ومجالسین کی ان شہادات کو مرتب کریں۔ تو ایسا مجموعہ کسی درجہ میں علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ کی سوانحِ عمری کہلانے کا حقدار ہوگا۔ اگر ہمارے چند باصلاحیت ساتھی ایسا کرلیں تو منزل تک پہنچنا، نہ مشکل، نہ ہی کوئی راستہ کی مشقت برداشت کرنا ہوگی۔

مثال کے طور پر علامہ صاحبؒ کے "مرے کالج" سیالکوٹ کے زمانہ کے ایک تلمیذِ رشید جو عمر کی آٹھویں دہائی میں پہنچ چکے ہیں اور اپنے استاذ ومربی کی طرح خوب نشیط ومتحرک بھی ہیں۔ میں نے جب انہیں فون کیا تو وہ تیز فوّار کی طرح پھوٹ پڑے، اور مدائحِ علامہ میں ایسا کچھ کہہ گئے جس کا میں بھی شاہد (گواہ) نہیں رہا۔ پھر بولتے ہی گئے۔ جب کچھ خاموش ہوئے تو ان کے ملک کے بڑے قانون دان ہونے کے ناطہ میں نے عرض کیا: آپ بھی اپنی گواہی ریکارڈ کرا دیں۔ تو کہنے لگے: کہ پھر آپ لکھیں۔ اب بذریعہ فون کتنا کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ پھر میں نے عرض کیا: آپ ہر روز پانچ چھ بار واٹس ایپ پر اپنی گواہی ریکارڈ کرتے رہیں، اور مجھے ارسال کرتے رہیں۔

حضرت علامہ سے تعلق یا عقیدت؟

یہ امر کہ ڈاکٹر علامہ صاحبؒ سے میرے تعلق کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟ میری کیا بساط کہ ایسا جملہ میرے منہ سے نکلے۔ ایسے جملے تو بڑوں اور اقران ومعاصرین کے ہوتے ہیں۔ مجھ جیسے حقیر کے لیے تو یہ شرف کا باعث ہے کہ میں کہوں کہ اس عظیم ہستی کی پہلی بار زیارت کب اور کہاں نصیب ہوئی؟ جو آغاز عقیدت بنی۔ پھر اس میں اضافہ اور قوت ہی ہوتی گئی اور الحمدللہ برابر بڑھوتری میں ہے۔ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ ہمارے ہاں "ختمِ نبوت" اور "تحفّظِ عقائدِ اہلِ سنت" یا "مدحِ صحابہ" وغیرہ کی

تحاریک میں (الحمدللہ کہ میرے والدِ مرحوم الحاج عنایت اللہ آف لودھرے سیالکوٹ) بھرپور شرکت فرماتے تھے۔ وہ نہ عالم تھے نہ فاضل، بلکہ عام عوام میں سے ایک فرد تھے۔ مگر مسلماتِ اسلامیہ کے تحفّظ کی حمیّت میں ہم سے بہت آگے تھے۔ بلکہ کئی بار مجھے فراغتِ جامعہ کے بعد یہ پوچھتے: تم عالم لوگ اسباب میں شجاع کیوں نہیں ہوتے؟ خیر بات ہو رہی تھی حضرت علامہؒ سے عقیدت کے آغاز کی تو میرے والد محترم جو تحریکِ احرار اور تنظیم اہلِ سنت کے ایک مخلص کارکن تھے۔ اور اس وقت کے اپنے تمام اکابر علماء سے گہری عقیدت ومحبت بھی رکھتے، اور ان کے سامنے فرقہائے باطلہ کی اپنے علاقہ کے عوام میں گمراہی کی واردات کے حربوں کو احسن انداز میں بیان بھی کرتے تھے۔ چاہے وہ منکرینِ ختمِ نبوت کی مساعی ہوں یا قادحینِ خلافتِ راشدہ کی طرف سے۔ پھر وہ خود اپنے مسلک اور علاقہ کے اکابر علماء کی خدمت میں حاضری بھی دیتے۔ اور انھیں عزت واکرام سے اپنے علاقہ میں بُلاتے۔ اسی وجہ سے سیالکوٹ ضلع کے عام اکابر علماء اور تحریکی زعماء ان سے محبت کرتے اور پوری شفقت فرماتے۔ اور اہلِ باطل کے خلاف عام عوام میں کام کرنے کی گائیڈ لائن بھی دیتے۔ اس وقت کے ہمارے اکابر علماءِ اہلِ سنت سیالکوٹ شہر میں مولانا محمد علی کاندھلویؒ سنکھترہ میں مولانا حافظ محمد شفیعؒ، پسرور میں مفتی بشیر احمدؒ خلیفہ مجاز حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، "نارووال" میں حضرت مولانا منظور احمدؒ فاضل دیوبند خصوصی تلمیذ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ ہمارے سیالکوٹ شہر کے "مرے کالج" کے پروفیسر حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ جو اس وقت جامع محلّہ اراضی یعقوب میں خطیب بھی تھے۔ میرے والد ان کے بہت قدردان دوست تھے۔ لفظ قدردان یہ اس لیے کہ آج ہم میں دعوی دوستی تو ہے، مگر قدر دانی کا وصف ناپید ہے۔ میرے والد صاحب مجھے جمعہ کے لیے علامہ صاحبؒ کی مسجد میں لے گئے کہ ان کا خطبہ جمعہ کا عنوان عموماً دین کے نام پر قائم فتنوں کا علاج ومعالجہ پر ہوتا، وہ قادیانی فتنہ ہو یا رافضیت کے متعلق علمی مسائل کو عوامی انداز سے سمجھانے کا ملکہ یہ ان کا خصوصی خاصہ تھا جس کی وجہ سے ردفتن پر کام کرنے والے حضرات یا اسے سمجھنے والے لوگ ان کو سننے کے لئے دُور دُور سے آتے۔ اگرچہ میں کم عمر تھا، مگر علماء ومشائخ کی شان وشوکت اور ظاہری مظاہر سے کچھ واقف تو تھا ہی۔

یہ پروفیسر بھی، خطیب بھی، مگر اس کا مظہر نہ خطیبوں والا، نہ واعظوں والا، نہ پیروں والا، نہ پروفیسروں والا، نہ طرے دار پگڑی، نہ بل دار رنگین عمامہ، نہ ہاتھ میں مخصوص چھڑی، نہ خدام کی کثرت، سادہ لباس، کرتہ پائجامہ، اور ٹوپی، خطاب میں رنگینی نہیں، گفتگو عام فہم، مشکل مسائل کو عوامی انداز سے بیان کرنا، مظہر سراپا فقیری، شخصیت میں جاذبیت، اور واقعی وہ سراپا حضرت علامہؒ۔

رہا! کالج میں ان کا انداز تو اس باب میں ہم ان شاء اللہ اس وقت کے کالج کے طلبہ کی شہادت ثبت کریں گے جس میں مولوی پروفیسر کا قدوہ اور نمونہ ہمیں نظر آئے گا۔ ان کا مذکورہ سادہ مظہر جو مسجد کے منبر پر تھا۔ وہی "مرے کالج" کی تدریسی کلاسز میں بھی، خانیوال کے "ڈگری کالج" اور لاہور کے "ایم-اے-او-کالج" میں بھی، بلکہ اس کے ایک عرصہ بعد جب وہ "پی-ایچ-ڈی" کے لیے انگلینڈ گئے تو وہاں بھی وہ فقیری مظہر میں بادشاہ بن کر اسی پر قانع اور ثابت رہے۔

مجھے یاد ہے کہ ۱۹۶۸ء میں جب مَیں جامعہ اشرفیہ میں دورۂ حدیث کر رہا تھا اور جمعیۃ علماءِ اسلام کے تحت لاہور میں علماء

کنونشن میں مشرقی ومغربی پاکستان کے ۷۰/ہزار علماء شریک ہوئے، ان میں وہ قدیم زعماء بھی تھے، جو ملک کی آزادی کی تحریک میں انگریزی استعمار کیخلاف جدوجہد میں شریک تھے۔ اور وہ بھی تھے جو ۱۹۵۳ء تحریک تحفّظِ ختمِ نبوت کے مجاہد تھے۔ اور وہ سبھی ملک میں نفاذِ شریعت کی تحریک کے لیے اس کنونشن میں جمع تھے۔ مجھے جب علامہ صاحبؒ کی اسی مظہر میں ان زعماء کے درمیان زیارت ہوئی۔ تو انھوں نے مجھے پوچھا: کہاں کے رہنے والے ہو؟ تو مَیں نے بتایا: "لودھرے" سیالکوٹ کا۔ تو فرمانے لگے: وہاں تو میرا ایک قدر دان دوست عنایت اللہ ہے۔ تو مَیں نے عرض کیا: میں انہیں کا بیٹا ہوں۔ تو انھوں نے اپنے اس قدر دان دوست کے نام پیغام دیا۔ وہی اس قصہ میں اصل شاہد ہے۔ اور باعثِ عبرت بھی۔

مجھے فرمایا: تم نے اپنے والد کو یہ کہنا کہ علامہ خالد محمود لندن سے علماء کنونشن میں شرکت کے لیے آئے تھے، اور وہ کرتے پائجامہ میں ملبوس تھے۔ مَیں نے اپنے والد صاحب کو علامہ صاحبؒ ہی کے لفظوں میں پیغام دے کر یہ پوچھا: کہ اس سے علامہ صاحبؒ کی مراد کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: یہ تم مولویوں کے لیے ایک درس ہے کہ جہاں بھی رہو اپنے مظہر کا تحفّظ کرنا۔ اور واقعی میرے والد صاحبؒ اور مَیں اس کا مشاہدہ کر چکے تھے کہ بہت سے مولوی اپنے دائرہ سے نکل کر اپنا مظہر بھی بدل لیتے ہیں۔

خیر ہم علامہ صاحبؒ کے اوائل کے شاہد ہیں۔ جو نوجوان علامہ صاحبؒ کے اوسط ایام یا اواخر کے شاہد ہیں۔ وہ انگلینڈ میں ہوں، یا پاکستان کے ان اداروں میں مصاحبین بنے، جہاں وہ مستقل قیام کرتے تھے وہ بھی قناعت کے اس بادشاہ کے اس فقیری مظہر کے گواہ ہیں۔ مَیں ان سے امید رکھتا ہوں کہ علامہ صاحبؒ کی سیرت کے اس پہلو پر اور دیگر عناوین پر اپنی اپنی شہادت ضرور رقم کریں گے۔ کیونکہ ہماری استقامت میں عزت ہے، نہ کہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے میں۔

مگر یہ بات سبھی کے زیرِ زبان کہ یہ پروفیسر اپنی مولویت میں خوب متصلب، یہ کالج کا استاذ اپنے مدرسہ اور درسگاہ سے وابستہ اپنی روحانی درسگاہ کا پکا اور وفادار اور سالک تھا۔ بلکہ اس زمانہ کے عمومی علماء وخطباء سے ہٹ کر عوام میں بیان، وعظ ونصیحت، تقریر اور لیکچر اپنے دعوتی وظیفہ اور مشن کا فرضِ منصبی سمجھ کر پیش فرمانے والا تھا۔ اپنے شہر اور گردو پیش کے دیہاتوں کے عوام کی ملکی خبر گیری، پھر جہاں ضرورت ہو وہاں پہنچنا۔ کبھی پیدل، کبھی سواری تانگہ وغیرہ اور کبھی سائیکل۔ یہ درویش داعی جو علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کے نام سے موسوم۔ اور آج مرحوم ہیں۔ **رحمه الله رحمة الابرار.**

۱۹۴۷ء میں پاکستان کی تاسیس ہوئی تو علامہ صاحبؒ کا خاندان "امرتسر" سے ہجرت کر کے "سیالکوٹ" منتقل ہو گیا۔ اس کے تین سال بعد ۱۹۵۰ء میں حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کا "مرے کالج" سیالکوٹ میں بطورِ اسلامیات پروفیسر تعیّن ہوا۔ "مرے کالج" یہ برصغیر کے قدیم عصری تعلیمی اداروں میں سے ایک تھا، اور پنجاب بھر کے کالجوں میں اپنا ایک ممتاز مقام رکھتا تھا۔ جس میں سیالکوٹ شہر اور اس کے اطراف سے ایلیٹ کلاس کے لوگوں کی اولاد اسکول کی تعلیم کے بعد کالج کی تعلیم کے لیے داخلہ لیتی تھی۔ یہ کالج ایک عیسائی مشنری کے زیرِ انتظام چل رہا تھا۔ جس میں اسلامیات کے مضمون کے علاوہ بقیہ تمام مروجہ مضامین کی تدریس کے لیے نامی گرامی پروفیسرز صاحبان متعیّن تھے۔ علامہ خالد محمود صاحبؒ اپنی تعلیمی قابلیت اور کالج میں تعیّن ہونے کے لیے تمام علمی سرٹیفکیٹ کے حامل تھے۔ تو تبھی بطورِ اسلامیات پروفیسر "مرے کالج" میں ان تعیین ہوئی۔ مگر وہ کیسے؟

یہ امر اور دیگر چند امور کے بارے میں کچھ شہادات (گواہیاں) پیش کرتا ہوں۔ جو مندرجہ ذیل امور ہیں۔(دیکھیے :۲۳۴/۱[ادارہ])

۱)......علامہ صاحبؒ کی "مرے کالج" میں تعین کی شہادت خود ان کی زبانی۔

۲)......کالج کی تدریس کے ساتھ ساتھ علامہ خالد محمود صاحبؒ ایک عوامی مصلح بطورِ خطیبِ مسجد۔

۳)......علامہ خالد محمودؒ کا عام عوام کی راہنمائی کی خاطر عوامی جلسوں اور تحاریک میں حصّہ۔

۴)......اپنے ماحول میں موجود مختلف فتن، رافضیت، قادیانیت اور بدعات کے ردّ میں جدّ جہد۔

۵)......"مرے کالج" میں تدریس اور اپنے طلبہ اور رفقاءِ کار کی تربیت کا خصوصی طریقۂ کار۔

اولاً: علامہ صاحبؒ کی اپنی "مرے کالج" میں تعین کی کہانی خود انھیں کی زبانی:

چالیس سال (اور آج سے ٹھیک ستر برس) پہلے کی بات ہے کہ جب "مرے کالج" سیالکوٹ میں مسلمان طلبہ کا احتجاج شدت اختیار کر گیا کہ پنجاب یونیورسٹی میں ایک نئے مضمون کا اجراء عمل میں آ چکا ہے تو اسے یہاں بھی لایا جائے۔ یہ مضمون اسلامیات کا تھا جسے بعد میں اسلامک اسٹڈیز (Islamic Studies) کا نام دیا گیا۔ پنجاب یونیورسٹی میں اس شعبہ کے پروفیسر علاؤالدین صدیقی تھے۔

کالج کی مسیحی انتظامیہ کو طلبہ کا یہ جائز مطالبہ تسلیم کرنا پڑا، اور ۱۹۵۰ء میں پہلی مرتبہ اس قدیم مسیحی ادارے میں اسلام بطورِ ایک مضمون کے داخل ہوا۔ اور قرعہ فال اس عاجز کے نام پڑا کہ اسلامیات یہاں ایک آپشنل مضمون کی حیثیت سے پڑھائی جائے۔ ڈگری کلام کے آپشنل نصاب میں قرآن کا تعارف نکتۂ اول تھا اور ازاں بعد حضور پیغمبر ﷺ کی سنت اور سیرت سے مسلمان طلبہ کو متعارف کرانا تھا۔[مقدمہ آثار التنزیل] تو یہ ہے قصہ علامہ خالد محمود صاحبؒ بطورِ اسلامیات پروفیسر "مرے کالج" کا۔

”کالج کے طلبہ نے کالج کے اوقاتِ تعلیم میں اس مضمون کی تدریس پر اکتفانہ کی۔ بلکہ خارجی اوقات میں قرآن کریم کے تعارف پر ہفتہ وار لیکچرز کا اہتمام بھی کیا۔ جس میں وہ طلبہ بآسانی شریک ہو سکتے تھے جن کا یہ مضمون نہ ہو۔ اور پھر یہ بھی ان کی خواہش تھی کہ ان لیکچرز کو صرف آپشنل حدود میں نہ رکھا جائے۔ قرآن کریم کا یہ تعارف (Elective Subject) کے درجہ میں ہونا چاہیئے۔ یہ ہفتہ وار پروگرام مرتب کیا گیا۔ اور بیانات کا یہ سلسلہ آٹھ ماہ تک چلتا رہا۔ کئی طلبہ اسے قلمبند بھی کرتے رہے اور کئی پہلوؤں سے سوال و جواب بھی ہوتے رہے۔ "آثار التنزیل" انہیں لیکچرز کی ایک تحریری دستاویز ہے۔“[ایضاً]

ثانیاً: کالج کی تدریس کے ساتھ ساتھ آپؒ مسجد، مدرسہ اور عام عوام کے ساتھ رابطہ اور ان کی راہنمائی اور آگہی ان امور سے تعلّق بھی ہمیشہ قائم رکھا۔ اسی "مرے کالج" ہی کے زمانہ میں آپ سیالکوٹ کے محلّہ "آراضی یعقوب" کی جامع مسجد میں بھی خطیب تھے۔ جہاں پر ان کے کالج کے شاگرد اساتذہ اور محبّین دُور دُور سے خطبۂ جمعہ شوق سے سننے آتے۔ کیونکہ وہ اپنے خطبہ میں عوام کی ہر اعتبار سے علمی و روحانی تشنگی دور کرتے۔ بلکہ علامہ خالد محمود صاحبؒ کا اپنی عوام سے یہ تعلّق "مرے کالج" سیالکوٹ، "ڈگری کالج" خانیوال اور "ایم-اے-او- کالج" لاہور کی تدریس کے دوران بھی قائم رہا۔

ثالثاً: علامہ صاحبؒ جہاں بھی رہے، اپنے ماحول میں موجود فتنوں، رافضیت، قادیانیت یا اہلِ بدعت پر علمی رُدود اور عوام کی آ گہی ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہی۔ اسی لیے ان فتنوں کے خلاف مختلف تحاریک، وہ مجلسِ احرار کی ردّ قادیانیت کے مبارک مساعی ہوں یا تنظیمِ اہلِ سنت کی تحفّظ مقامِ صحابہ واہلِ بیت۔ سبھی میں ان کی فعال مشارکتِ علمی اور عوامی سطح پر جدّ وجہد ان تحریکوں کے ساتھ انھوں نے قائم رکھا۔

رابعاً: پروفیسر علامہ خالد محمودؒ اپنی پروفیسری کے دوران جہاں بھی وہ تھے، اس علاقہ کے اہلِ فتنہ کے ردود کے لیے اپنے مخلصین کی دعوت پر پُر مشقت سفر کرتے اور اسی میں وہ راحت محسوس کرتے۔ ان لوگوں کے محلوں، دیہاتوں اور شہروں اور بستیوں کا سفر کرتے۔ اور ان کی سواری کبھی ٹرین، کبھی بس، کبھی تانگہ ہوتی۔ اور کبھی وہ پیدل چل کر بھی اپنے مخلصین کی علمی اور مسلکی تسکین کے لیے پہنچتے۔ اور مستقل طور پر پھر ان کے ساتھ رابطہ میں رہتے۔ اور بالفعل ان کے جلسوں اور مجالس میں شریک ہوتے۔ میں خود ان کی اس والہانہ مسلکی دلچسپی اور مشقّت میں راحت محسوس کرنے کا اس زمانہ کا شاہد ہوں جب وہ ۱۹۵۵ء، اور ۱۹۶۵ء میں اور اس کے مابعد ردّ رافضیت کے لیے مسلسل ہمارے علاقہ میں مولانا محمد شفیع سنکھتروی تلمیذِ رشید مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا منظور احمد صاحب تلمیذِ رشید حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ تشریف لاتے۔ اس اخلاص اور مجاہدانہ کا کردار کا نمونہ آج ہمارے سامنے ناپید ہو چکا ہے۔

۱۹۵۳ء میں "تحریکِ ختمِ نبوت" پورے ملک میں چلی۔ علامہ صاحبؒ کا شہر سیالکوٹ احرار کا خصوصی گڑھ تھا۔ کیونکہ وہ قادیانیت اور اس کے ہمنواؤں کی آماجگاہ تھا۔ اس تحریک میں عام عوام اور عمومی علماءِ کرام نے قربانیاں پیش کیں۔ شہادتیں ہوئیں۔ اور گرفتاریاں بھی ہوئیں۔ کارکنان اور علماء نے جیلیں بھر دیں۔ علامہ صاحبؒ کا بھی دیگر رفقاء اور عوام کے ساتھ فعال کردار رہا۔ گرفتاری بھی ہوئی۔ سیالکوٹ کے اکثر خاندان وہ دیندار ہوں یا عام عوام، ہر خاندان اور ہر گھرانے کے افراد گرفتار ہوئے۔ ہمارے خاندان کے بھی دو افراد چچا عبد الغنی اور چچا محمد شریف گرفتار ہوئے۔ ان دونوں کو بھی میرے والد صاحبؒ کی طرح علامہ صاحبؒ اور ان کے رفقاءِ علماء سے بے حد عقیدت تھی۔

مجھے بخوبی یاد ہے کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک میں جن ٹرینوں میں گرفتار ہونے والوں کو سوار کر کے پولیس دیگر اضلاع کی جیلوں کو بھرتی رہی۔ اسی ایک ٹرین کا نقشہ آج بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ ریلوے اسٹیشن سیالکوٹ پر ایک ٹرین جو "ختمِ نبوت تحریک" کے گرفتار شدہ لوگوں پر مشتمل تھی۔ میرے والد صاحبؒ ان لوگوں کو کچھ پھل فروٹ یا اشیاءِ خوردنی دینے کے لیے بار بار ٹرین کے ڈبوں میں داخل ہوتے۔ آخر کار ایک پولیس والے نے میرے والد صاحب سے مخاطب ہو کر کہا: "اب اس سلسلہ کو بند کریں۔ اگر اب آپ نے ان کو کچھ اور دینے کی کوشش کی تو ہم آپ کو بھی ان کے ساتھ ہی گرفتار کر کے سوار کر لیں گے"۔

بلاشبہ اس تحریک کی قیادت حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ان کے مربی دیگر حضرات پورے ملک میں کر رہے تھے۔ جبکہ سیالکوٹ میں اس تحریک کے روحِ رواں حضرت مولانا محمد علی کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا منظور احمد صاحبؒ، حضرت مولانا بشیر احمد صاحبؒ پسروری وغیرہ کر رہے تھے۔ اور پروفیسر علامہ خالد محمود صاحبؒ بھی ان

کے رفیقِ کار تھے۔قادیانیت کے عوامی ردّ اور عوامی راہنمائی کے ساتھ ساتھ، رافضیت اور بدعات کے ردّ میں بھی حضرت علامہ صاحبؒ کا علمی ذخیرہ یقیناً اس تحریک کا ایک حصہ ہے۔

خامساً: علامہ صاحبؒ کا "مرے کالج" میں اپنے طلبہ کا نصابی تدریس کے علاوہ ان کی تربیت اور دیگر اساتذہ کی علمی آگہی خصوصی مشغلہ رہا۔اس باب میں حضرت علامہؒ ہمارے ان احباب کے لیے قابلِ تقلید نمونہ ہے جنھیں مولوی بننے کے بعد پروفیسر بننے کے مواقع بھی میسّر رہے۔

راقم نے خود بھی اپنے کالج کی تدریس کے تجربہ میں اس ہستی سے یقیناً بہت کچھ سیکھا ہے۔یہ بات مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہمارے خاندان کے بعض بڑے جنھیں اس وقت حضرت علامہ صاحبؒ کی صحبت وعقیدت حاصل تھی۔مجھے بار بار نصیحت کرتے کہ "تم علامہ صاحبؒ کی طرح مولوی بننا۔علامہ صاحبؒ کی طرح "ایم-اے" کی ڈگری حاصل کرنا۔اور علامہ صاحبؒ کی طرح کالج کی تدریس بھی کرنا۔اور عام عوام کی خدمت بھی"۔ان حضرات کے یہ سادہ جملے دراصل ان کی علامہ صاحبؒ سے بے پناہ عقیدت اور ان کی علمی، عوامی اور ردّ فتن میں سنہری خدمات کا اعتراف تھا، جو نقشِ حجر کی طرح ان کے دلوں کی تعبیر ان کے لفظوں میں تھی۔

حضرت علامہ صاحبؒ کا منفرد مقام اور ان کے محبّینِ صادقین کی ذمہ داریاں:

حضرت علامہ خالد محمودؒ کو اللہ تعالیٰ نے ایک خصوصی اور منفرد مقام عطا فرمایا تھا کہ وہ اپنے دور کے اکابر کے ہاں معتمد علیہ اور اپنے اقران میں ثقہ اور محقّق ومدقّق عالم اور عام عوام میں بے حد عقیدت ومحبت کی حامل شخصیت تھے۔ان کے دَور کے اکابر علماءِ اہلِ سنت دیوبند، وہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا قاری محمد طیبؒ ہوں، وہ جامعہ اشرفیہ کے مہتمم حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ ہوں، یا شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ ہوں، یا خیر المدارس کے مہتمم حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ ہوں، علامہ صاحبؒ سبھی کے معتمد علیہ رہے۔اور ان کے دَور کے عام عوام بھی یہ تمنا کرتے کہ ان کی نسلوں میں ایسے عالم پیدا ہوں۔

علامہ صاحبؒ کی یہ مقبولیت کس وجہ سے ہوئی؟

ہمارے یہاں عام رواج یہ ہے کہ تعلیمی درسگاہوں کی مسندوں پر بیٹھنے والے علومِ عالیہ وآلیہ کے ماہرین اپنے علمی ماحول میں تو معروف ہوتے ہیں۔مگر انھیں عوامی مقبولیت عموماً حاصل نہیں ہوتی - اِلّا ماشاء اللہ- برخلاف حضرت علامہ خالد محمودؒ کے کہ انھیں عوام وخواص میں یکساں طور بے حد مقبولیت حاصل تھی۔

علامہ صاحبؒ کا یہ خصوصی کمال یقیناً ہمارے لیے قابلِ تقلید وصفِ حمید اور بیش قیمت گوہر ہے۔اور یہ عقدہ ہے جو حل طلب بھی ہے۔آخر ان کی عوام وخواص میں مقبولیت اور محبوبیت کیوں کر تھی؟ اس سوال کا جواب یقیناً مسلکی عوام کے لیے عموماً اور اہلِ تحقیق وتدقیق کے لیے خصوصاً دلچسپی کا باعث بھی ہوگا، اور انتہائی نافع بھی، اور قابلِ تقلید بھی۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کا یہ منفرد مقامِ مقبولیت اس لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں علمی رسوخ، فکری سربلندی کے

ساتھ ساتھ خالص علمی اصطلاحات کی عوامی تعبیر کا ایسا ملکہٗ خاصہ عطا فرمایا تھا۔ جسے وہ استعمال کرنے کے لیے خوب محنت اور جدّ و جہد سے کام بھی لیتے تھے۔ بڑی بڑی علمی اور اصولی اصطلاحات وہ اصولِ تفسیر کی ہوں، یا اصولِ حدیث یا اصولِ فقہ کی یا دیگر علومِ عالیہ کی، علامہ خالد محمود صاحبؒ ان کی تشریحات عوامی زبان میں تعبیر کرنے کا کمال ملکہ رکھتے تھے۔ پھر وہ خالص علمی اور فنی اصطلاحات جو عام علماء دینی درسگاہوں کی مسندوں میں شرعی علوم کے طلبہ کے سامنے پیش کرتے۔ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ انہیں اصطلاحات کی صحیح اور آسان تعبیرات امتِ مسلمہ کے ہر طبقے کے سامنے، وہ کالج کے طلبہ ہوں یا اساتذہ، قانون کے طلبہ ہوں یا اساتذہ، یا کسی بھی طبقہ سے ان کا تعلق ہو، علامہ صاحبؒ کے لیے خالص علمی اصطلاحات کو اپنے دَور کے جملہ مخاطبین کو پیش کرنے کی یکساں مہارت حاصل تھی۔ یقیناً علامہ صاحبؒ کو اس مہارت اور ملکہ نے انھیں اپنے اکابر کا معتمد علیہ اور اپنے اقران کا قابلِ فخر رفیقِ کار بنادیا تھا۔ اور اسی وجہ سے انھیں عام عوام میں مقبولیت حاصل تھی۔

میں اپنے اہلِ علم رفقاءِ کار کے سامنے یہ تجویز پیش کروں گا کہ وہ اس مہارت کو حاصل کرنے کی مبارک سعی میں خوب اپنی توانائیاں صرف کریں۔ نیز میں علامہ خالد محمودؒ کے مخلصین و محبین اور متوسلین اور مصاحبین اور مجالسین اہلِ علم کی خدمت میں یہ درخواست کروں گا کہ وہ بھی خوب محنت کر کے ایک ایسی تالیفِ لطیف تیار کریں، جس کا عنوان یہ ہو، "علمی اصطلاحات کی تشریحات و تعبیرات علامہ خالد محمودؒ کی زبانی"۔ میری رائے میں ہمارے نوجوان علماء کا یہ عمل ایک جانب میں علامہ صاحبؒ سے سچی عقیدت و محبت کا مظہر ہوگا۔ تو دوسری جانب امت کے اہلِ تحقیق، امت کے علماء اور عام عوام پر بھی ان کا احسانِ عظیم ہوگا۔

علامہ صاحبؒ کی کالج میں تدریس اور تربیت کا حکیمانہ قابلِ تقلید طریقۂ کار:

یہ امر ہم ان کے طلبہ میں سے ان کے محبّ صادق اور ثقہ راوی اور ان کے ایک تربیت یافتہ مربی کی شہادت سے نقل کرتے ہیں۔ جو پاکستان کے ماہرِ قانون ڈاکٹر سید ریاض الحسن گیلانی، سابق اٹارنی جنرل پاکستان، حالیہ پروفیسر "لاء کالج" جو کہ قادیانیت کے خلاف کئی پاکستانی اعلیٰ عدالتوں اور بیرونِ ملک عدالتی کارروائیوں میں حضرت علامہ صاحبؒ کے ساتھ شریکِ عمل بھی رہے ہیں۔ (یاد رہے کہ سید ریاض الحسن گیلانی کے ماموں صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ" آف آلومہار" حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے قافلۂ احرار میں شامل رہے۔)

وہ کہتے ہیں کہ: جب مَیں نے ۱۹۵۵ء میں "مرے کالج" سیالکوٹ میں داخلہ لیا۔ (اور چونکہ میرا تعلق ضلع سیالکوٹ کے ایک علمی سادات گھرانے سے تھا۔) تو میں نے حضرت علامہ صاحبؒ کو ان کی اندرونِ کالج کی زندگی میں کیسا پایا؟ علامہ صاحبؒ ہمارے ایسے استاذ تھے جو ایک راسخ العلم عالم، سلیم الفطرت استاذ اور ناصح امینِ مربی کی سچی تصویر تھے۔ بلکہ میں اگر یوں کہوں کہ ان کی علمی ہیبت و وقار نہ صرف طلبہ پر تھا، بلکہ کالج کے دیگر اساتذہ بھی ان کے علوم و معارف سے نہ صرف مرعوب تھے، بلکہ ان سے دورانِ کالج علمی استفادے کی خاطر ان کا قرب حاصل کرنے کے لیے پیش پیش رہتے، اور ان کی علمی مجلس میں شوق و رغبت سے وقت نکال کر بیٹھتے۔ پورے کالج کے علمی حلقہ میں علامہ صاحبؒ ایک ذی وقار پروفیسر تھے۔ اور سبھی ان کی علمی صلاحیت کے معترف اور ان سے کسبِ فیض کے شوقین تھے۔

یہ حق ہے کہ وہ کالج میں صرف تعلیمی نصابی سرگرمی پر اکتفانہ کرتے۔ بلکہ وہ ایک انتہائی حریص داعی اور ناصح مربّی کی طرح اپنے دعوتی وظیفہ کو بڑے شوق اور ہمت سے ادا کرتے۔ ان کا **مطمحِ نظر** صرف اپنے طلبہ کو نصاب سکھانا ہی نہیں، بلکہ انھیں راسخ العقیدہ مسلمان اور عقائدِ صحیحہ کا محافظ اور امین بنانے کے لیے فکر مند رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ صاحبؒ کے اس وقت کے شاگرد وہ "مرے کالج" کے ہوں یا "ڈگری کالج" خانیوال کے ہوں، یا "ایم-اے-او- کالج" کے ہوں، ایسے باصلاحیت نوجوان پیدا ہوئے، جنھوں نے ملک میں نفاذِ شریعت کی تحریک ہو یا ردّ قادیانیت کی، ردّ رافضیت یا ردّ بدعات کی تمام تحاریک میں اپنے اپنے حلقوں میں نمایاں کردار ادا کیا۔ چاہے وہ میدانِ سیاست میں گئے یا وہ سوِل سیکٹریٹ میں گئے یا وہ دیگر ملکی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ ہر جگہ انھوں نے حضرت علامہ صاحبؒ کی تربیت کا برملا اظہار بھی کیا اور اعتراف بھی۔

ہم یہ شہادتیں اس لیے درج کر رہے ہیں تاکہ ہمارے احباب علماءِ کرام میں سے جس کو مدرسوں سے باہر اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دیگر اداروں میں کام کرنے کے مواقع میسّر آئیں تو اس مردِ قلندر کے طریقۂ کار کو اپنائیں۔ پھر اس کے نتائج اور مفید ثمرات کا نتیجہ دیکھیں۔ اپنے شائقین احباب اور محبّینِ طریقۂ کار علامہ خالد محمود صاحبؒ کے سامنے میں اپنے کالج کی تدریس و تربیت کا ذکر کرتا ہوں۔ جو یقیناً حضرت علامہ صاحبؒ کی ہی تربیت کا فیض تھا۔

میرا آج سے تقریباً نصف صدی قبل جب "لارنس کالج مری" میں بطورِ مدرس اسلامیات اور خطیب تعیّن ہوا۔ یاد رہے کہ یہ کالج انگریز کے دور میں ایک رہائشی ادارے کے طور پر برّصغیر میں اس لیے بنایا گیا کہ یہاں پر ہماری نسل کے کالے لوگ گوری فکر کے ساتھ پروان چڑھیں۔ اس کالج میں بھی ہمارے ملک کے اشرافیہ کی اولاد زیرِ تعلیم رہی اور آج بھی ہے۔ مگر ہمارے مشفق اور مربّی حضرت علامہ صاحبؒ کے طرزِ عمل اختیار کرنے پر میرا مشاہدہ کیا ہے؟

جب میں نے پانچ سال مذکورہ طرز پر وہاں گزارے۔ تو حضرت علامہ صاحبؒ کا عملی نقشہ اور کام کا طریقۂ کار میرے لیے قدوہ رہا۔ بلکہ میں نے اپنے مظہر (ظاہری لباس) میں بھی ان کا التزام کیا۔ اور کالج کی اس تدریس کے موقع کو حضرت علامہ صاحبؒ کی طرح میں نے بھی غنیمت جانتے ہوئے بطورِ ایک داعی کے کام کیا۔ اور عرصۂ پانچ سال کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرونِ ملک اللہ تعالیٰ نے مواقع میسّر فرمائے۔ تو اولاً: کالج کی انتظامیہ نے مجھے نہایت اعجاز کے ساتھ رُخصت کیا۔ اور ساتھ ہی وہاں کے بڑوں نے مجھے یہ کہا: کہ ہمارے قلوب میں آپ کی عظمت کا سبب آپ کا دعوتی طریقۂ کار تو ہے ہی، البتہ ایک اور اہم سبب یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے مظہر (لباس) میں ویسا ہی رہے جیسا کہ آپ روزِ اول میں اس کالج میں داخل ہوئے تھے۔ یقیناً میرے سامنے حضرت علامہ صاحبؒ کا مظہر ایک قدوہ تھا۔

پھر ثانیاً: آج نصف صدی گزرنے کے بعد بھی اپنے طلبہ پر اس وقت کی گئی تدریسی اور تربیتی دعوتی محنت کے اثرات کو نمایاں طور پر پاتا ہوں۔ میرے اس وقت کے طلبہ آج ہمارے ملک کی بحری، برّی اور فضائی افواج کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ بعض سول سیکٹرز میں اہم مناصب پر متعین ہیں۔ اور جو تجارت میں مشغول ہوئے وہ بھی ملک کے ممتاز تجار ہیں۔ اور جو سیاست کی لائن میں گئے وہ بھی اعلیٰ حکومتی مناصب پر پہنچے۔ اور بعض تا حال بھی ہیں۔ آج بھی جب میں ان کے منصب کی رعایت

رکھتے ہوئے ان سے خطاب کرتا ہوں تو وہ مجھے یوں تلقین کرتے ہیں: کہ ''سرخدارا! آپ ہمیں اسی لہجے میں خطاب کریں جس میں آپ ہمیں طالبِ علمی کے زمانہ میں کرتے تھے۔''

میں نے اپنے تجربہ کا ذکر اس لیے کیا تا کہ میں اپنے احباب کو شہادت پیش کرسکوں کہ جو شخص اپنے ماحول میں اپنے مظہر اور اپنی ثقافت اور اپنے دعوتی وظیفے پر استقامت سے قائم رہتا ہے۔ وہی علامہ صاحبؒ سے استفادہ کرنے والا ان کا سچا محبّ ہے۔ اور وہ یقیناً شرفِ کرامت کے اس راستہ پر گامزن ہوگا جس پر ہمارے محبوب، ہمارے شفیق، ہمارے محسن، ہمارے معلم حضرت علامہ صاحبؒ پوری زندگی استقامت سے قائم رہے۔ خود نہیں بدلے۔ مگر اپنے زمانے اور ماحول کو بدلنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ یہی میری اِن شہادات کو ثبت کرنے کی غرض ہے۔ کاش! کہ میری یہ بات میرے احباب ورفقاء کے دلوں میں اتر جائے۔

مشکل مسائل کا حل اور حضرت علامہ صاحبؒ کی ایک اہم اصولی ضابطہ کی پابندی:

حضرت علامہ خالد محمودؒ کے جملہ علمی آثار جوان کے دَورِ سیالکوٹ، خانیوال، لاہور یا ۱۹۶۶ء کے بعد انگلینڈ منتقل ہونے سے لے کر ان کی آخری عمر کی تصانیف تک، سبھی میں ایک اہم اصولی ضابطہ کا التزام خاطر خواہ طور پر موجود ہے۔ جس کا ذکر ہم ذیل میں کریں گے۔ اور بطورِ تمہید اپنی بات کا آغاز اس امر واقعی سے کرتے ہیں، جو علامہ صاحبؒ کے اعلیٰ علمی مقام کا شاہدِ مبین ہے۔

حضرت علامہ صاحبؒ مشکل علمی مسائل کی تسہیل میں ایک خاص ملکہ رکھتے تھے، ان کی تقریر وتحریر دونوں میں یوں لگتا ہے کہ تسہیل ان کی زبان اور قلم کی نوک کے اشاروں پر ایک مطیع اور فرمابردار لونڈی کی طرح ہوتی تھی۔ وہ جس مشکل عقدہ کو حل کرنے کا ارادہ فرماتے، اس کے لیے مناسب الفاظ وکلمات زانوئے ادب طے کرتے ہوئے حاضر کھڑے رہتے۔ پھر وہ انہیں اپنے حسین وجمیل اندازِ خطاب یا طرزِ تحریر میں جیسے چاہتے استعمال میں لاتے جاتے۔

حضرت علامہ صاحبؒ نے جس اہم ضابطہ کو اپنی تقریر وتحریر میں اصل الاصول بنایا وہ یہ تھا کہ ''گفتگو کا ماحول اور ان کے مخاطب جیسے بھی ہوں، ان کی تعبیر ان کے دلوں میں سرایت کرنے والی ہو؛ مگر قدیم اور اصل علمی اصطلاح ہاتھ اور سلفِ صالحین کے فہم سے سرِ مُو انحراف نہ ہونے پائے۔'' یہ ایک اہم زریں ضابطہ ہر تسہیل کرنے والے مدرس، داعی، خطیب، واعظ اور مُحرّر سے شرعاً مطلوب ہےکہ وہ اپنے زورِ بیان، تاثیرِ خطابت اور حسنِ تحریر میں سلفِ صالحین کے مفاہیم سے ہٹنے نہ پائے۔ یہ ملکہ علمی رسوخ اور توفیقِ الٰہی کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

ہم سب کے مشاہدہ میں ہے کہ آج کل کے بہت سے واعظ، خطیب اور تحقیق وتدقیق کے دعوے دار بجائے تسہیل کے تحریف کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور یوں علمی انحراف کے بھی کبھی کبھار مرتکب ہو جاتے ہیں۔ اور بجائے ہدایت کے عوام کی بے راہ روی کا سبب بنتے ہیں۔ حضرت علامہ صاحبؒ اس طرزِ عمل کے ہمیشہ سخت ناقد رہے۔ ہمارے سامنے آج کل کے تسہیل پسند، نام نہاد اہلِ تحقیق کے کئی نمونے موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہؒ صاحب کو علم میں رسوخ، تسہیل میں ملکۂ تامہ اور الحاد وتحریف کرنے والوں کا مؤاخذہ، اس پر کمال قدرت ہبہ کر رکھی تھی۔ مالک کی ان نعمتوں کے ساتھ ساتھ حضرت علامہ کا قابلِ قدر اور مجتہدانہ کردار بھی کافی حد تک معاون رہا۔ حضرت علامہ صاحبؒ کا یہ وصفِ حمید یقیناً وہ اصولی ضابطہ ہے جس کی

وضاحت کرنا ہمارا مقصود ہے۔

اس کی عملی تطبیق کے لیے بطورِ نمونہ ہم اپنے قارئین کو دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ وہ ان کی قدیم تالیف " آثار التنزیل" میں غور کریں۔ کہ علامہ صاحبؒ کی یہ وقیع تالیف دینی مدرسے کے تقلیدی طلبہ کے سامنے علمی دروس کی پیشکش نہیں۔ بلکہ بقول ان کے کالج کے اسلامیات کے شاگرد اور دیگر شعبوں کے طلبہ کے سامنے قرآنی معارف کا بیان ہے۔ حضرت علامہ صاحبؒ کے اس عالی مرتبت علمی کام کو عمومی کالج کے طلبہ کے سامنے تسہیل سے پیش کرنے کے لیے اس وقت کے مسلکی اکابر کے سرخیل مہتمم دار العلوم دیو بند حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی تقریباً ۶/ دہائیاں پہلے کی تقریظ ان کے تسہیلی کارنامے کی توثیق وتصدیق ہے۔(۱)

ہماری نظر میں ہر تسہیل کرنے والے محقق، مصنف اور واعظ کو اس اصولی ضابطہ کا پابند ہونا چاہئے کہ اس کی تسہیل میں اپنے سلف صالحین اور اکابر کے فہمِ قرآن وسنت سے سرِ مُو انحراف نہ کریں۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ اسلاف کے مسلک کے محافظ اور ترجمان:

حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کا ایک نمایاں ترین علمی وصف اور خصوصیت یہ بھی رہی کہ وہ اپنے اسلاف (علماءِ اہل سنت دیو بند اور اس سلسلہ کے اوپر کے اکابر) (جن کی مسلسل علمی سند جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اور جامع تعلیمات سے جڑی ہوئی ہے۔) کے محافظ اور ترجمان تھے۔ حضرت علامہ رحمہ اللہ اپنے طویل علمی سفر چاہے وہ ان کے تعلیمی ودعوتی اسفار ہوں یا ان کی تصنیفی وتالیفی خدمات ہوں، سبھی میں نمایاں طور پر یہ خصوصیت نظر آئے گی کہ ان کے پیشِ نظر ہمیشہ اپنے سلفِ صالحین اور اکابر کے منہج کی ترویج رہی۔ اور اسی راستے پر حضرت علامہ رحمہ اللہ نے اپنی طویل ترین جدّ وجہد میں اپنی خداداد صلاحیتوں کو صرف کیا۔ اب راقم (ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ) جملۂ معترضہ کے طور پر اس منہج کی تشریح وبیان میں چند سطور پیش کرتا ہے، تا کہ:

اولاً: عوام وخواص پر وہ منہجِ نبوی جسے ہمارے اسلاف نے (**عضو علیها بالنواجذ**)" تم اسے مضبوطی سے تھام لو" سے اخذ کیا۔ پھر برصغیر میں ولی اللّٰہی سلسلہ کی معروف درسگاہ دار العلوم دیو بند نے اُسے اپنا منہج قرار دیا۔

ثانیاً: ہماری یہ سطور اپنے اہلِ علم احباب کے لیے بھی ان کے طریقۂ کار میں مشعلِ راہ ہونگی۔ ہم اس منہج کا بیان حدیثِ جبریل کی روشنی میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ ایک روز حضرت رحمۃ للعالمینؐ اپنے صحابۂ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے کہ جبریل امین تشریف لائے، اور بصورتِ سوال انھوں نے دریافت فرمایا: اور حضرت خاتم النبیین ﷺ نے بطورِ جواب بیان فرمایا: اس مجلس کے تمام سامعین نے اس منہج کو بطورِ امانت محفوظ رکھا۔ پھر آگے مسلسل سند کے ساتھ ہمارے اکابرین اور ہم تک پہنچا۔ سائل یعنی حضرت جبریلؑ نے اولاً: سوال کیا؛ ایمان کیا ہے؟ تو جناب رسول اللہ ﷺ جملہ ایمانیات کو بیان فرما دیا۔

ثالثاً: سائل نے سوال کیا؛ اسلام کیا ہے؟ تو جنابِ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے جملہ ارکان بیان فرما دیے۔

---

(۱) دیکھیے: ۱/۲۳۵......۱/۶۲۲......۱/۶۵۱......۱/۲۷۷......۲/۵۸۰ [ادارہ]

رابعاً: سائل (حضرت جبریلؑ) نے سوال کیا: احسان کیا ہے؟ تو جنابِ رسول اللہ ﷺ نے احسان کے دونوں درجات بیان فرما دیئے۔ اس مجلس میں کچھ اور امور بھی پیش آئے۔ اس مجلس کے بارے میں صحابۂ کرامؓ کا یہ تعجب ایک فطری امر ہے کہ یہ عجیب سائل ہے جو سوال بھی خود پیش کرتا ہے پھر جواب ملنے پر خود اس کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ تو دراصل یہ منہجِ اسلاف کو راسخ کرنے کا ایک خوبصورت انداز تھا جسے جبریل امینؑ اور رسول امینؐ نے صحابۂ کرام کے سامنے پیش کیا۔ سائل کے مجلس سے چلے جانے کے بعد آپؐ نے صحابہ سے سوال کیا؛ کہ تم جانتے ہو یہ کون تھے؟ پھر فرمایا: یہ حضرت جبریلؑ تھے جو تمھیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے"۔

اس مبارک مجلس سے جو درس امتِ مسلمہ کے سلف وخلف کو ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے دین کی ترکیب وتشکیل جن تین عناصر کے مجموعہ سے ہوتی ہے وہ جملہ ایمانیات، جملہ اسلامیات اور جملہ کیفیاتِ احسان ہیں۔ اور ان میں سے کوئی امر بھی مدّ زائد نہیں کہ اس کا اہتمام نہ کیا جائے؛ بلکہ تینوں دین کے عناصر اور اہم اجزاء ہیں۔ جن کے جمع ہونے سے ہمارے دین کی ہیئتِ ترکیبیہ تشکیل پاتی ہے۔ یہی امتِ مسلمہ کے اولین سرخیل سلف، وہ اصحابِ رسول ہوں یا تابعین یا ائمہ مجتہدین یا محدّثین یا مفسّرین یا قیامت تک کے ہر دَور کے علماءِ امت، انھیں اسی منہج کو منہج بنانا ہے۔ اسی کی ترویج واشاعت کرنی ہے۔ اور امت کی تربیت میں ان تینوں امور کو افرادِ امت کی عملی زندگی میں لانے کی جدّ جہد کرنی ہے۔ ہم منہج کے اسی تسلسل کا پورے عالم کے ہر دَور کے علماءِ کرام میں مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔

اب ہم برّصغیر کی طرف آتے ہیں، اور اس کے احوال کا کچھ تجزیہ کرتے ہیں۔ جس میں ہم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو اس سلسلہ کی ترویج کا سرخیل سمجھتے ہیں، اس خطہ پر جب استعمار نے قبضہ کرلیا، اور مسلمانوں کی حالت یہ ہوگئی کہ اُن کا ملک بھی اُن کے ہاتھ سے چلا گیا اور ان کی سیاسی سطوت بھی ختم ہوگئی، اور اس پر مستزاد یہ کہ استعمار نے اپنی تہذیب وتمدن اپنی ثقافت اور مذہب کی ترویج کے لیے اپنے مذہبی طبقہ (پادریوں) کو تبلیغ کے مواقع خوب میسّر کیے۔ تو اس صورتِ حال میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جن مجاہدین علماءِ ربّانیین جن میں دین کا ایک جامع نقشہ اسلامیات وایمانیات اور احسانیات خوب تر راسخ تھا۔ انھوں نے اس منہج کے تحفّظ کے لیے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔ میرے استاذِ محترم حضرت مولانا منظور احمد سیالکوٹیؒ جو حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ سے کچھ بڑے تھے۔ مگر کاز میں ان کے رفیقِ کار تھے۔ انھوں نے اپنے "ایم-اے" کا مقالہ دارالعلوم دیوبند کی تأسیس پر لکھا۔ جب ممتحن نے ان سے سوال کیا؛ کہ آپ اپنے تھیس (مضمون) کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کریں؛ تو انھوں نے فرمایا: "تحفّظ دین"۔ جسے میں اپنے احباب کے سامنے منہج کے تحفّظ سے تعبیر کرتا ہوں۔ کہ بانیانِ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور دیگر رفقاءِ کار سبھی دین کے جامع یعنی ایمانیات، اسلامیات اور احسانیات کے عملی نمونہ تھے۔ یہی وہ منہج ہے جس کے تحفّظ کو حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ نے اپنا مشن بنا لیا۔ اور دین کے جس شعبہ میں بھی وہ ایمانیات کا ہو، یا اسلامیات کا ہو، یا احسانیات کا، اہلِ انحراف نے انحراف کی کوشش کی تو حضرت علامہ خالد محمود

صاحبؒ نے مناظرات، محاضرات، بیانات، تصنیفات اور تالیفات کی شکل میں اس پر محکم ردود پیش کیے۔ اور یوں اپنے اسلاف کے منہج اور مسلک ومشرب کے تحفّظ اور ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔

حضرت علامہ صاحبؒ کے دَور شباب میں جب "حیاتِ انبیاء" کے باب میں کچھ انحراف سامنے آیا تو چونکہ ہمارے اکابر اس باب میں "حیات النبیؐ" کے قائل تھے، تو نہ صرف ان کی زبان حرکت میں آئی، بلکہ قلم بھی جنبش میں آ گیا۔ اور انھوں نے اس باب میں منہجِ اکابر کے تحفّظ کی خاطر "مقامِ حیات" ترتیب دیدی۔ جس پر دار العلوم دیو بند کے اس وقت کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ بے حد مسرور ہوئے، اور انھوں نے اپنی تقریظ میں مسلکِ اکابر کا نصیر ومعین قرار دیا۔

اب ہم قارئین کے سامنے وہ تقریظ پیش کرتے ہیں جس سے مقامِ حیات چہرہ مزیّن ومنور ہے۔

مولانا قاری محمد طیّب صاحبؒ کا مؤلف مقامِ حیات کے نام ۱۹۶۲ء کا ایک خط:

''حضرت محترم زید مجدکم السامی!

سلام مسنون نیاز مقرون، گرامی نامہ باعثِ شرف ہوا۔ میں شعبان، رمضان اور اوائلِ شوال میں مسلسل سفر میں رہا۔ یہی وجہ تاخیر جواب کی ہے۔ اب بھی سفر میں ہی ہوں اور ریل ہی میں جواب لکھ رہا ہوں۔ کل دیو بند پہنچوں گا - ان شاء اللہ- "مقامِ حیات" جیسے مؤقر رسالہ سے مستفید ہوا اور حرفاً حرفاً اول سے آخر تک پورا رسالہ دیکھا۔ اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گزری۔ مسئلہ کا تجزیہ نہایت ہی فاضلانہ اور محققانہ انداز سے کیا گیا ہے۔ طرزِ بیان انتہائی بلیغ، مؤثر اور دلنشین ہے۔ مسئلہ کے ہر پہلو کا حکم نہایت ہی بالغ نظری کے ساتھ اس کی صحیح کیفیت وحقیقت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی ایک ایک سطر سے آنکھوں میں نُور اور دل میں سرور بڑھتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ آپ کی اس مبارک سعی کو قبول فرمائے۔ اور جس طرح آپ نے اپنے اسلاف کے مسلک کی نصرت واعانت کر کے اسے نمایاں فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی نصرتِ دارین میں فرما کر آپ کو سر بلند اور رفیع المرتبت بنائے۔ آمین۔ اور اس خدمت کو قبول فرمائے۔ مستدعی دعا ہوں اور احباب کے لیے ہر وقت دُعا گو ہوں۔

والسلام۔ محمد طیب (مدیر دار العلوم دیو بند) ۱۳۸۱ھ۔ منقول از ہفت روزہ دعوت لاہور۔ ۱۴/ستمبر ۱۹۶۲ء

حضرت علامہ خالد صاحبؒ ایک مردِ کامل:

اس عقدہ کو سمجھنے کے لیے ایک اہم اور ضروری وضاحت:

دین اور شریعت دونوں مترادف ہیں۔ اور ہماری امتِ مسلمہ کی "دین" سے مراد دینِ اسلام اور شریعت سے مراد "خاتم الشرائع" ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان الفاظ میں بیان فرمایا: (**شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ إلخ**)۔ جناب نبی کریم ﷺ نے حدیثِ جبریل میں مجموعۂ ایمان، اسلام اور احسان کو دین قرار دیا۔ حضرتِ مربی اعظم اور اکمل الکاملین ﷺ نے حضراتِ صحابۂ کرام کو علمی اور عملی طور پر ایمان، اسلام اور احسان کا کامل ترین مظہر بنا دیا۔ اسی لیے تو وہ قیامت تک کے انسانوں کے

لیے نمونہ قرار پایا۔ وہی امتِ مسلمہ کے اولین اکابر ہیں۔ پھر انہیں تینوں مراتب کے ساتھ "دین" کا تصور سلف سے خلف تک پورے عالم میں منتقل ہوا۔ اور حضرات تابعین، اتباعِ تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین ومفسرین اور ان کے بعد کے جمہور علماءِ اسلام دین کے اسی تصور (یعنی مراتبِ ثلاثہ) کے ساتھ اس امانت کو عملی طور پر اپنی ذوات اور اپنے اقران اور اپنے تلامذہ میں منتقل کرتے رہے۔ البتہ جب تخصّص اور تصنیف کا دَور شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ کی تکوینی سنت یہ رہی کہ دین کے ان تینوں شعبوں میں کاملین حضرات نے بعض شعبوں میں خوب محنت کی اور اُنہیں میں شہرت بھی پائی۔ جیسے کہ ان میں سے بعض نے ایمانیات اور اصولِ شریعت کی خدمت کی، اور وہ ائمہ عقائد کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور بعض نے فقہی شعبہ کی خدمت کی، اور ان کی شہرت اس میدان میں ہوئی۔ اور بعض نے احسان کے مراتب کو، اور اصلاح وتزکیہ کی لائن کو اپنی جدّ وجہد کا محور بنایا، تو انھوں نے اس میدان میں شہرت پائی۔ یہ تو ہمارے اولین اور اوسط اکابرین کی دین اور شریعت کے شعبہائے ثلاثہ کی خدمت اور اپنے اپنے شعبہ میں شہرت پانے اور امتِ مسلمہ کی خدمت میں رقم شدہ تاریخ ہے۔ جس سے سبھی واقف بھی ہیں۔ اور ہمارے ہم عصر احباب کے لیے اس عقدہ اور وضاحت کا سمجھنا اور جاننا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ بہت سے عقدے اسی تاریخی تسلسل کو سمجھنے سے حل ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور اس کے بغیر نہیں۔

چونکہ ہمارا موضوع برّصغیر کے ہمارے قریب کے اکابر ہیں، تو یقین کرلیں کہ ہمارے ان حضرات نے بھی مسلسل اور متصل سند کے ساتھ دین کے اس جامع تصور (مراتبِ ثلاثہ) کو سمجھا بھی اور اپنی عملی زندگی میں اپنایا بھی، اور اپنے تلامذہ کو سکھایا بھی۔ اور اس باب میں ہمارے یہ اکابر بھی کاملین تھے۔ پھر سلفِ امت کے اوائل اور اواسط اکابر کی طرح ہمارے اکابر بھی دین کے مراتبِ ثلاثہ کی واقفیت اور علمی وعملی تطبیق میں کاملین تھے۔ البتہ ان میں سے بعض نے اپنی محنت اور جدّ جہد، وہ تحریری ہو یا تقریری مخصوص شعبے پر مرکوز کی۔ بعض حضرات نے ایمانیات کی خوب خدمت کی۔ اور اس میں بڑا نام پایا۔ بعض حضرات نے اسلامیات کی خوب خدمت کی اور اس میں عظیم نام پایا۔ اور بعض حضرات نے احسانیات میں خوب محنت کی، اور اس میں بڑا رُتبہ پایا۔ یہ تکوینی تقسیم آج بھی ہمیں اپنے مسلک کے راسخین علماء میں دیکھنے میں آتی ہے۔ مگر دین کے مراتبِ ثلاثہ میں سبھی کاملین ہیں۔

مثال کے طور پر سمجھانے کے لیے ہم یہ کہتے ہیں: کہ ہمارے استاذ الحدیث جو علامہ خالد محمود صاحب کے بھی استاذ ہیں، حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ، سابق شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند، شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ، اور شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ۔ انھوں نے شعبۂ ایمانیات میں بھی خوب لکھا اور بیان بھی کیا۔ ان کی اسلامیات میں بھی خوب تصانیف موجود ہیں۔ اور احسان وتزکیہ اور سلوک میں بھی حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ مجاز ٹھہرے۔ میں نے خود اس امر کا شاہد ہوں کہ وہ بخاری شریف کے درس سے پہلے نمازِ فجر کے بعد اشراق تک اور اس کے بعد بھی جامعہ اشرفیہ عمارت مکمل ہونے سے پہلے کسی نیو (بنیاد) پر بیٹھ کر ایک طویل عرصہ مکمل اوراد ووظائف کرتے؛ پھر گھر جاتے اور تیار ہوکر دار الحدیث تشریف لاتے۔ اور درسِ حدیث شروع فرماتے۔

ہماری اس طویل وضاحت کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم اپنے احباب علماءِ کرام، اپنے عزیزان طلبہ اور عام عوام، اور محبّین علامہ خالد محمود صاحبؒ کو خصوصاً یہ حقیقت سُلجھا سکیں کہ ہمارے تمام اکابر کاملین تھے اور وہ دین کے شعبہائے ثلاثہ سے خوب واقفیت رکھنے والے تھے۔ اور ان پر اپنی عملی زندگی میں خوب عمل کرنے والے بھی تھے۔ اگر چہ اُن کی خصوصی توجہات اور جدّ وجہد مخصوص شعبوں پر مرتکز رہی۔

فالحمد للہ کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کی تقریری اور تحریری خدمات دین کے تمام شعبوں کو محیط ہے۔ انھوں نے ایمانیات کے شعبہ پر بھی لکھا اور خوب لکھا۔ اور خطبات و بیانات بھی دیے اور خوب دیے۔ اسی طرح اسلامیات کے شعبہ جو کہ عمومی تشریعی مجال کو محیط ہے اس پر بھی لکھا، اور خوب لکھا۔ اور خطبات بھی دیے اور خوب دیے۔ اور انھوں نے شعبۂ احسان کو بھی موضوعِ سخن بنایا اور خوب اس کی وضاحت کی۔ توضیح کی خاطر ہم ایک نقشہ رقم کر رہے ہیں، جس کا مشاہدہ کرنے والا ہر قاری دین کے بارے میں اُس کے جامع تصور کو ذہن میں خوب نقش کر سکتا ہے۔

دین:...... ایمانیات، اسلامیات، احسانیات۔

ارکانِ ایمان: (۱) ایمان باللہ۔ (۲) ایمان بالملائکہ۔ (۳) ایمان بالکتب۔ (۴) ایمان بالرسل۔ (۵) ایمان بالیوم الآخر۔ (۶) ایمان بالقدر۔

ارکانِ اسلام: (۱) شہادتِ توحید و رسالت۔ (۲) اقامتِ صلوٰۃ۔ (۳) ادائیگی زکوٰۃ۔ (۴) صومِ رمضان۔ (۵) حجِ بیت اللہ۔

احسان کے دو مرتبے: (۱) اللہ تعالیٰ کی عبادت، گویا کہ اسے دیکھ رہے ہیں۔ (۲) یا ایسے کہ وہ عبادت کرنے والے کو دیکھ رہا ہے۔

دینِ اسلام یا شریعتِ محمد یہ جب ایمان، اسلام اور احسان کے مجموعے سے عبارت ہے۔ اور الحمد للہ کہ ہمارے اکابرِ اولین و آخرین علمی اور عملی طور پر اس شریعت کے خُدّام رہے۔ اور ان کی تصنیفات اور بیانات ان شعبہائے شریعت کو محیط رہیں۔ تو پھر وہ اس بات کے حقدار ہیں کہ ہم انھیں مردِ کامل کہیں۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کی مراتبِ دین پر عظیم الشان تصنیفات:

ہم نے گذشتہ مقال کے آخر میں مراتبِ دین کا ایک چارٹ پیش کیا ہے۔ جس سے ہماری غرض قارئین کو کوئی نئی معلومات فراہم کرنا نہیں تھی۔ البتہ مراتبِ دین کی اس طرح وضاحت و بیان سے ہمارے مندرجہ ذیل اہداف تھے۔

۱)...... ہمارے احباب خصوصاً اور دیگر مسلم امت کے خواص و عوام عموماً اس نکتہ کو خوب دل میں بٹھالیں کہ "ایمان"، "اسلام" اور "احسان" کے مجموعہ کو جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "دین" قرار دیا۔ ۲)...... یہ مراتبِ ثلاثہ ہمارے دین کے ارکان، عناصر اور اجزاء ہیں۔ ان میں سے کوئی امر دینی اعتبار سے امرِ زائد نہیں کہ اسے سیکھنے، سکھانے میں کوتاہی برتی جائے۔

۳)......"ایمان"، "اسلام" اور "احسان" میں سے ہر ایک کو سیکھنے اور سکھانے کا مستقل ایک طریقۂ کار ہے، جسے اپنائے بغیر وہ حاصل نہیں ہوتے۔ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ نے دین کے ان تینوں مراتب پر اپنی وقیع تصنیفات بھی چھوڑی ہیں، اور اسی سلسلہ میں ان کے آڈیو بیانات اور خطبات بھی موجود ہیں۔

۴)......حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کے مخلصین، محبین اور منتسبین صادقین کا یہ اہم فریضہ ہے کہ وہ ان کی تصنیفات، ان کے بیانات اور ان کے خطبات کو مراتبِ دین کے اعتبار سے عوام میں خوب عام کرنے کی مستقل محنت میں لگ جائیں۔ تا کہ فیوضاتِ علامہ منظرِ عام پر آجائیں۔ اور ان سے افادہ اور استفادہ جملہ خواص وعام کے لیے آسان ہو جائے۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کی مراتبِ دین پر عظیم تصنیفات کے تعارف کے سلسلہ میں ہم بعض خفی ترجیحی امور کی وجہ سے تیسرے مرتبہ یعنی احسان سے شروع کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ کیونکہ علامہ صاحبؒ کی سیرت کے اس پہلو سے عام لوگ بے خبر ہیں۔ نیز آج کیفیتِ احسان کے حصول کے طریقۂ کار سے بھی عمومی طور پر ہم لوگ غفلت میں ہیں۔

حالانکہ "اہمیتِ احسان" کے ذیل میں یہ جاننا ضروری ہے کہ "احسان" کی انسان کی تربیت میں قوی تأثیر ہوتی ہے۔ اور انسانی نفوس کی اصلاح اور قلوب کے تزکیہ اور ملکاتِ نفسیہ کے سدھارنے اور اخلاقِ محمودہ پر انسان کو ابھارنے کا تعلق اسی "احسان" سے ہے۔ مگر یہ (احسان) محض پڑھنے پڑھانے اور کثرتِ مطالعہ سے حاصل نہیں ہوتا، جب تک کہ سالک کسی صالح انسان کی صحبت اور ملازمت نہ اختیار کرلے۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے مرتبۂ احسان کے حصول کے لیے نہ صرف عمیق علم کی دولت دی تھی؛ بلکہ اپنے دور کے افضل ترین اہلِ اصلاح وتزکیہ کی صحبت بھی نصیب فرمائی تھی۔ حضرتِ علامہ صاحبؒ کو جن اکابر کی صحبت کے جلوے میسّر آئے، وہ اہلِ حق کے اس دَور کے کبار مصلحین اور اہلِ تزکیہ تھے۔ جیسے: حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا مسیح اللہ خان شیروانیؒ، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ، حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ، حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ، حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا صاحبؒ اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ، یہ سب حضرات ایمانیات واسلامیات اور احسانیات کے ائمہ تھے۔ ان میں سے بعض حضرات نے حضرت علامہ صاحبؒ کو خلافت واجازت سے بھی سرفراز فرمایا۔

ان تمام مشائخِ پاک وہند کی نظر میں حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ حضرت علامہ صاحبؒ نے خود احسان کے باب میں جو تألیف فرمائی، ہم اس پر تھوڑی سی روشنی ڈالیں گے۔ اگر قارئین اس کتاب کے عناوین میں ہی تأمل کرلیں تو یہ امر ان پر خوب کھل جائے گا کہ حضرت علامہ صاحبؒ کو اس میدان میں کس قدر مہارت حاصل تھی۔ چند عناوین ملاحظہ ہوں: (۱) مسائلِ تصوف۔ (۲) آدابِ تصوف۔ (۳) قرآن میں قلب کی واردات۔ (۴) ظلمات الذنوب۔ (۵) ظلمات المجالس۔ (۶) کفارات الذنوب۔ (۷) آداب المشائخ۔ (۸) اولیاءِ کرام کی حیاتِ برزخی۔ (۹) اصطلاحاتِ تصوف۔ (۱۰) رجالِ تصوف۔ (۱۱) اقوالِ تصوف۔ (مزید دیکھیے: ۱/۱۷......۱/۶۲۳......۱/۶۵۵......۱/۷۳۰ [ادارہ])

میری نو جوان علماء کرام سے درخواست ہے کہ وہ آج کل کے دَور میں ان ابواب کا ضرور مطالعہ کریں۔ اور اس سے غرض صرف اپنی اصلاح کی ہو۔ اس سے پہلے کے دوسروں کے مصلحین بن کر منبرِ خطابت پر جوہرِ خطابت دکھائیں۔ ان عناوین سے حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کی دین کے تیسرے شعبہ کے بارے میں تخصّص اور مہارت اور ہمارے لیے اصلاح کے بہت سے پہلوں نمایاں ہوں گے۔ میں وضاحت کر چکا ہوں کہ میری اس تحریر کو حضرت علامہ صاحبؒ کی سوانح سمجھنے کے بجائے اسے اپنے لیے دروسِ عبر و بصائر سمجھا جائے۔ اور اسی نیت سے آپ اپنے اندر علامہ شناسی کے جوہر پیدا کرنے کی سعی کریں۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کی جلی اور خفی فتنوں کے خلاف بیدار مغزی:

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی فتنہ عصر کو اُبھرے تو علامہ خالد محمود صاحبؒ شام تک اس کی سرکوبی کرنے کا سامان جمع کر کے اس کا بہ دلائل قلع قمع کر سکتے ہیں۔

ہمارے ایک استاذ حضرت مولانا محمد علی کاندھلوی صدیقی صاحبؒ جو علامہ صاحبؒ سے عمر میں بڑے تھے، اور محبت سے علامہ صاحبؒ کو بجائے علامہ کے "خالد" کہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا: یہ شخص اپنے وقت کا ابو حنیفہؒ ہے۔ اگر چاہے تو دلائل سے لوہے کو سونا ثابت کر دے۔

الحاصل! حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کو حق تعالیٰ شانہ نے فتنہ شناسی اور احتسابِ فتنہ کا جو ذوق عطا فرمایا تھا؛ یقیناً یہ ان کا خداداد عظیم موہبہ تھا۔ اور حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کا آخری وقت تک یہ خاصہ رہا۔ ان کے دَور میں سر اٹھانے والے فتنہ دو قسم کے ہیں: (۱) جلی فتنے۔ (۲) خفی یا خفیف فتنے۔

جلی فتنے:

جلی فتنوں سے ہماری مراد اہلِ باطل کے وہ فتنے ہیں جو امتِ مسلمہ کے اجماعی مسلّمات کے خلاف اہلِ باطل کے ہاتھوں نشو ونما پاتے ہیں۔ اور ان کے ردّ کے لیے امت کا ہر طبقہ اپنی اپنی صلاحیت واستعداد کے مطابق ہمیشہ شریکِ عمل بھی رہا ہے۔ جیسے کہ: فتنۂ انکارِ ختمِ نبوت۔ فتنۂ انکارِ حجیتِ حدیث۔ فتنۂ انکارِ خلافتِ راشدہ، ان فتنوں کے ردّ میں تو علامہ صاحبؒ کا کردار سبھی کے سامنے نمایاں رہا ہے۔

خفی یا خفیف فتنے:

خفی یا خفیف فتنوں سے ہماری مراد وہ فتنے ہیں جو ناپختہ اور خام خیال لوگ تحقیقِ تجدید کے نام سے اپنے مسلک کے اکابر کے منہج سے ہٹ کر، روش اختیار کرتے رہے ہیں۔ اور اسے وہ کتاب وسنت کی راہ کا نام دی کر ترویج کے لیے کوشاں رہے ہیں۔ جیسے کہ: تزکیہ وسلوک یا حیاتِ انبیاء کے خلاف بعض فنِ تحقیق میں نومولود واردین کی کوششیں۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کی بیدار مغزی اور فکری انتباہ دیکھئے کہ جلی فتنوں کے خلاف تو ان کا بارز مقام تھا ہی۔ مگر ان خفی فتنوں کے خلاف بھی انھوں نے قابلِ قدر اور وقیع، قابلِ تقلید خدمات سرانجام دی ہیں۔

حضرت علامہ صاحبؒ کی عین جوانی کا زمانہ تھا، جب انھوں نے اس نئے فتنہ کے سر اٹھاتے ہی ۱۹۶۲ء میں منکرینِ حیاتِ انبیاء کے خلاف قلم اٹھایا۔ اور اس باب میں اپنے اکابر کے منہج کے تحفّظ کا حق ادا کر دیا۔ اور جب انھیں اس خفی فتنہ کا احساس ہوا تو انھوں نے اس کے معالجہ کا سریع حل علمی انداز میں پیش کیا۔ جسے مسلک کے اصابر و اکابر کے ہاں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔

بقول بعض ثقہ اہلِ علم حیات الانبیاء کے متفقہ مسئلہ پر جماعت اہل سنت دیوبند سے منسوب بعض حضرات کی طرف سے اٹھائے گئے ایک نزاع کے حل میں حضرت علامہ صاحبؒ کا بہت نمایاں کردار رہا۔ اور آپ نے جس بھرپور طریقے سے اکابرین امت کی تشریحات و توضیحات پیش کیں؛ اسکا بیّن ثبوت اس مسئلہ پر پہلی مدلل اور مفصل کتاب "مقامِ حیات" ہے۔ اور اس پر ہم حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی وقیع تقریظ بھی قارئین کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔

نیز علامہ صاحبؒ کے اس عمل کی مقبولیت مسلک کے اس وقت کے نوجوان علماء (بعد کے استاذ المحد ثین) میں حکیم العصرؒ مولانا عبد المجید لدھیانوی صاحبؒ کے بقول ملاحظہ کریں:

"۱۹۶۲ء ہمارا قاسم العلوم ملتان میں دورۂ حدیث کا سال تھا، اور انکارِ حیات انبیا کا فتنہ اس سال عروج پر تھا، ہر جگہ علمی حلقوں کا موضوعِ بحث مسئلہ "حیات النبی" تھا۔ اور اس موضوع پر پہلی کتاب "مقام حیات" حضرت علامہ صاحبؒ کی سامنے آئی، تو اس مسئلہ کا مدلل ماخذ ہونے کا شرف اس دور میں اسی مقام حیات کو حاصل رہا، ہم طلبہ اور ہمارے اساتذہ نے اس کتاب کے صفحات رٹے ہوئے تھے۔"

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ ایک رجال ساز شخصیت:

اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ ہے کہ اس نے اپنی توفیق سے ہمارے اکابر میں سے بعض کو مدارس و مساجد اور دینی تعلیمی ادارے قائم کرنے کی توفیق بخشی۔ جبکہ بعض شخصیات کو تعلیماتِ حقہ کی نشر و اشاعت اور فتنوں کی سرکوبی کے لیے منتخب فرمایا۔ حضرت علامہ صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے استخلاصِ رجال اور پھر رجالِ کار کی صناعتِ خیر کی توفیق بخشی۔ مگر علامہ صاحبؒ کی شخصیت کے اس قابلِ قدر پہلو کو ہماری اکثریت نہ سمجھ سکی۔ اور نہ ہی ہم کما حقہ ان کی قدر کر سکیں۔ **إلّا من رحم الله** ۔ ایک موقع پر حضرت علامہ صاحبؒ نے اپنی شخصیت کے اس عظیم پہلو کو خود واضح فرمایا۔ جس کا محلِ ورود میں برائے عبرت خوب وضاحت سے بیان کروں گا۔

قصہ یہ ہوا کہ راقم (سعید احمد) کے بیرونِ ملک اکثر اسفار محض کانفرنسز میں شرکت کے لیے نہیں ہوئے۔ جبکہ ہمارے احباب کی اکثریت ملک سے اسی غرض سے سفر کرتے، کہ وہ کانفرنسز میں شرکت کر کے، بواسطۂ حرمین شریفین واپس آجائیں گے۔ جبکہ میرے اسفار کی غرض عموماً دیگر تعلیمی کورسز اور تربیتی پروگراموں کے پیشِ نظر ہوتے۔

میرا انگلینڈ کا پہلا سفر ۱۴۰۶ھ میں "دارالعلوم بری" کی جامع مسجد کے افتتاحی جلسہ میں شرکت کے عنوان سے ہوا۔

جس میں امامِ کعبہ شیخ السبیلؒ اور مسجدِ حرام کے امورِ تدریس کے نگران شیخ طٰہٰ البرکاتی، دونوں حضرات کے عربی پیغامات لیکر مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا۔ (اس سال حرمِ مکی میں بعض اہلِ فتنہ کی وجہ سے ائمہ کے بیرونی سفر پر پابندی تھی)۔ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب مرحوم بھی اس افتتاحی پروگرام میں شریک تھے۔ اور پہلی نمازِ فجر کی امامت بھی انھوں نے ہی کرائی۔ اس کے بعد میرا اور حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب کا "یو۔ کے" کا کئی مقامات کا طویل سفر ہوا۔ (جو اس وقت موضوعِ سخن نہیں)

اگرچہ میں عمومی طور پر کانفرنسز میں شرکت کی خاطر "یو۔ کے" کا سفر نہیں کیا کرتا تھا۔ بلکہ میرا سفر علماءِ کرام اور فضلاءِ عظام کے تربیتی کورسز لیے ہوتا، انہیں کورسز میں مشغولیت کی وجہ سے کئی بار وہاں ہوتے ہوئے بھی عام کانفرنسز میں شریک ہونے کا وقت نہ ملتا۔ مگر برطانیہ کے صوبہ اسکاٹ لینڈ گلاسکو کی "ختمِ نبوت کانفرنس" میں مستقل طور پر مَیں اور حضرت علامہ صاحبؒ کئی سال تک شریک ہوتے رہے۔ جسکی اولاً وجہ یہ تھی کہ "جمعیت اتحاد المسلمین" کی اس کانفرنس میں شرکاءِ کانفرنس پر عنوانات پیشگی معیّن کر دیے جاتے، جن کے وہ پابند رہتے۔ اور کوئی شخص مسائلِ ختمِ نبوت سے ہٹ کر بیان نہ کرتا۔ جبکہ عام کانفرنسوں میں یہ صورت حال نہ ہوتی۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت علامہ صاحبؒ کا ایک عنوان پر مفصّل و مدلّل بیان ہوتا۔ جس سے ہم سب بھی مستفیض ہوتے، اور عام عوام بھی معلومات کا ذخیرہ لے کر جاتے۔ مجھے یاد ہے کہ حضرت علامہ صاحبؒ کا بیان ہمیشہ مغرب سے عشاء تک چلتا۔ جبکہ دیگر کانفرنسوں میں حضرت علامہ صاحبؒ اور حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ جو اس میدان کے امام تھے، انھیں ہمیشہ کانفرنس کے آخر میں چند منٹ کا موقع دیا جاتا۔ اور ان دونوں حضرات کو ایسی کانفرنسوں میں ہمیشہ یہ شکایت رہتی کہ اصل موضوع پر ہم دونوں سے وقت کی کمی کی وجہ سے منتظمین حضرات صحیح طور پر استفادہ نہیں کرتے۔ البتہ گلاسکو کی اس کانفرنس کا حال دیگر سے مختلف تھا۔ اس لیے مَیں اور حضرت علامہ صاحبؒ کئی سال تک شریک ہوتے رہے ہیں۔

اس موقع پر ایک بار ہمارے احباب علماءِ کرام نے باہم حضرت علامہ صاحبؒ کے لیے ایک استفسار تیار کیا۔ اور وہ یہ تھا کہ حضرت کو "یو۔ کے" میں نصف صدی سے زائد عرصہ گزر چکا۔ ان سے بعد میں آنے والے حضرات نے کئی مدارس "یو۔ کے" میں قائم کر دیے۔ جبکہ حضرت علامہ صاحبؒ نے اپنے علم و فضل کے باوجود کوئی نمایاں کام اس فیلڈ میں کیوں نہیں کیا؟ مگر اس سوال کو حضرت علامہ صاحبؒ پر کون پیش کرے؟ سبھی احباب کو علم تھا کہ حضرت کا میرے ساتھ حسنِ عہد کا قوی رشتہ قائم ہے۔ اور واقعی اس سنتِ مبارکہ کو حضرت علامہ صاحبؒ سے بڑھ کر مَیں نے کسی دیگر شخصیات کو نہیں پایا۔ تو جب حضرت علامہ صاحبؒ کانفرنس سے فارغ ہوئے اور ہمارے درمیان تشریف فرما ہوئے، تو مَیں نے اپنے اور ان کے درمیان حسنِ عہد کے رشتہ کی وجہ سے مذکورہ استفسار کو پیش کرنے کی جسارت کر دی۔ جس کو ہم نے بڑی محنت سے تیار کیا تھا۔ مگر حضرت علامہ صاحبؒ جن کی حاضر جوابی ہمارے اکابر و اصاغر کے درمیان معروف رہی، ان کے جواب کے چند الفاظ جو انتہائی پُر مغز اور آج تک میرے لیے راہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ یہ تھے کہ: "مَیں نے آپ کو بنایا ہے"۔

واقعی صناعتِ رجال کی محنت ایک کٹھن اور مشکل کام ہے، جو مدارس ومساجد یا اداروں کی اقامت وعمارت کی طرح نظر نہیں آتی۔ اور نہ ہی عام عوام اور اہلِ خیر حضرات کے لیے اس میں کچھ جاذبیت کا سامان ہوتا ہے۔ مگر یہ کام حضرت علامہ صاحبؒ جیسا صاحبِ عزیمت ہی کرسکتا ہے۔ اور یقیناً حضرت علامہ صاحبؒ کے اس جواب میں جو پنہاں راز ہیں، وہ آج تک اپنے تربیتی تجربات کی بناء پر ہر روز مجھ پر کھل رہے ہیں۔ کہ رجال سازی کی صناعت کس قدر کٹھن کام ہے۔ اور اس کے لیے کس قدر استقامت کی ضرورت ہے۔ اور کس طرح اس فکر کے حامل شخص کو ملک در مُلک، اداروں در اداروں میں جاجا کر اس وظیفہ کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ کاش! کہ ہم لوگوں میں علامہ شناسی پیدا ہوجائے۔ اور ہم جان لیں کہ حضرت علامہ صاحبؒ نے کتنا عزیمت والا راستہ اختیار کیا تھا۔ اس محنت طلب کام کی عظمت سمجھنے کے لیے ایک قصہ مزید پیش کرتا ہوں۔

حضرت علامہ صاحبؒ اور حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحبؒ اور دیگر علماء جب "کیپ ٹاون" جنوب افریقہ میں قادیانیت کے خلاف مقدمہ جیت کر مکہ مکرمہ آئے، تو اجیاد ہوٹل مکہ مکرمہ میں ہم نے اپنی جماعت کی طرف سے انھیں استقبالیہ دیا۔ تو اسی اثناء میں حضرت چنیوٹی صاحبؒ نے مجھے کہا: کہ تم حضرت علامہ صاحبؒ سے میری یہ درخواست پیش کرو کہ وہ میرے ادارے میں بیٹھ کر کام کریں، جو خدمت وہ چاہیں گے، ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ میں نے جب یہ درخواست حضرت علامہ صاحبؒ کی خدمت میں پیش کی تو وہ فرمانے لگے: تو پھر میرے ذمہ ادارہ چلانے کا کام نہیں ہوگا۔ میرے ذمہ صرف رجال سازی کا ہی کام ہوگا۔ بات نہ بن سکی۔ مگر حضرت علامہ صاحبؒ ایک ادارہ میں نہیں بیٹھے۔ بلکہ اپنے وظیفہ کی ادائیگی کی خاطر، خواہ پاکستان ہو، برطانیہ ہو، یورپ امریکہ ہو، یا مشرق ومغرب کا کوئی ملک، وہاں کا کوئی ادارہ نہ چھوڑا، جہاں جاکر رجال سازی کا کام نہ کیا ہو۔ یقیناً یہ کام مدرسہ کی عمارت کی طرح نظر نہ آنے والا ہے۔ لیکن حضرت علامہ صاحبؒ کی یہ عظیم خدمت مجھ جیسے احقر کے لیے قابلِ تقلید عظیم نمونہ ہے۔ اور مَیں اپنے تجربات کی روشنی میں اس محنت کی مشکلات اور اس کے کٹھن مراحل کا خود بھی اندازہ کرچکا ہوں۔

الحاصل! حضرت علامہ صاحب اس فن میں ہمارے لیے ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ **"یا لیتَ قومی یعلمون"**۔

کاش! کہ ہم میں علامہ شناسی پیدا ہوجائے۔ اور جن جن اداروں میں حضرت علامہ صاحب نے رجال سازی کا کام سرانجام دیا ہے وہ اس مبارک تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے، فنِ رجال سازی کا مستقل شعبہ قائم کرکے اس عظیم مجاہد کو خراجِ تحسین پیش کریں۔

رجال سازی اور اداروں کی اقامت میں فرق جاننے کی لیے ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ ماہِ رمضان ۱۴۴۰ھ میں مکہ مکرمہ میں جنوب افریقہ کے ایک معروف اہلِ خیر مجھے ملنے آئے۔ اور ان کی غرض مذکورہ فرق کو جاننے ہی کی تھی۔ اور وہ خود ادارے اور مساجد بنانے کے کام میں مصروفِ عمل تھے۔ تو جب انھوں نے صناعتِ رجال کے کام کے مختلف مراحل کا مشاہدہ کیا؛ کہ کس طرح اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے اسلامی مراجع کو کنگھالنا پڑتا ہے۔ پھر اہلِ فتنہ کے اشکالات اور اعتراضات کا بھی مطالعہ کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ان کے علمی ردود، خطابات، بیانات اور تحریرات کی شکل میں مدارس کے طلبہ اور مدرسین کو سکھلانے کا مرحلہ پیش آتا ہے۔ جس کے لیے ایک ادارے میں بیٹھ کر کام کرنا، یا صرف ایک ہی ملک میں چکّر کاٹنا کافی نہیں ہوتا۔ تو میرے یہ

مہمان مجھے کہنے لگے: کہ میں تو دنیا میں مساجد کی تعمیر کراتا ہوں، مگر رجال سازی کا جو کام آپ کر رہے ہیں، یہ بہت بڑا اور مشکل کام ہے۔ یقیناً اس محنتِ شاقہ میں میرے لیے نمونہ حضرت علامہ صاحبؒ کی شخصیت ہی رہی ہے۔

پھر چند ہفتے قبل ڈربن، جنوب افریقہ میں بعض علماء اور اہلِ خیر حضرات سے رجال سازی کے کام سے ہماری ایک طویل مشاورت ہوئی، تو وہی تجربہ کار صاحب بولے: کہ فنِّ صناعتِ رجال کا جو کام آپ نے اختیار کیا ہے، ہمارے لیے بہت مشکل ہے کہ ہم اس میں آپ کے ساتھ آسانی سے کھڑے ہو سکیں۔ ہاں! اگر آپ کوئی ادارہ بنائیں تو ہم آپ کے ساتھ آسانی سے کھڑے ہو سکتے ہیں۔ مگر میرے سامنے تو ہمارے مربّی حضرت علامہ صاحبؒ کی شخصیت تھی۔ تو اس کام کی عظمت کی وجہ سے میرے قدم متزلزل نہیں ہوئے۔ بلکہ ایک سفر میں جنوب افریقہ کے معروف وکیل احمد برَو جنھیں حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ، حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحبؒ، حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحبؒ، ڈاکٹر محمود غازی اور ایڈوکیٹ سید ریاض الحسن گیلانی صاحب وغیرہ مسائلِ ختمِ نبوت اور قادیانیت کی دائرۂ اسلام سے الگ ہونے کے دلائل مسلمان وکلاء کو سکھاتے۔ اور وہ پھر وہ وکلاء عدالت میں پیش ہوتے۔ اور الحمد للہ کہ اسی مقدمہ میں عدالت نے قادیانیت کو اسلام سے الگ اور خارج فرقہ قرار دیا۔ یقیناً یہ حضرت علامہ صاحبؒ کی رجال سازی کا نتیجہ ہی تھا۔

اسی طرح کیپ ٹاون میں جب مَیں علماءِ کرام کے سہ روزہ تربیتی کورس سے فارغ ہوا تو مذکورہ وکیل احمد برو صاحب نے انتہائی قیمتی نصیحت کی۔ وہ کہنے لگے: کہ ہمارے مدارس میں ردّ قادیانیت کے لیے رجال سازی کا کام کیوں نہیں ہوتا؟ ہماری یہ گفتگو جنوب افریقہ کے شہر کیپ ٹاون میں ان کے دفتر میں ہو رہی تھی۔ ایک طویل نشست کے بعد میں نے ان سے کہا کہ: پاکستان کے بہت سے اداروں میں یہ کام ہوتا ہے۔ تو وہ کہنے لگے: تو پھر ہمارے ملک میں خطیر بجٹ سے چلنے والے دینی مدارس میں یہ کام کیوں نہیں ہوتا؟ تو میں نے یہ کہا: کہ آپ کا یہ مشورہ میں یہاں کے ذمہ دارانِ مدارس کے سامنے ضرور رکھوں گا۔

جب میں کیپ ٹاون سے جوہانسبرگ "دار العلوم زکریا" پہنچا۔ وہاں بھی میرا علماءِ کرام کا سہ روزہ تربیتی کورس تھا۔ تو میں نے حضرت علامہ صاحبؒ کے اس ٹرینڈ وکیل کا مشورہ دار العلوم زکریا کے مہتمم صاحب کے سامنے پیش کیا۔ تو وہ مجھے کہنے لگے: کہ حضرت! ہم آپ کو پاکستان میں ایک ادارہ بنا دیتے ہیں، وہاں آپ یہ کام کریں۔ مگر میرے سامنے حضرت علامہ صاحبؒ کی شخصیت اور ان کا طریقۂ کار تھا۔ کہ وہ کس طرح اداروں میں خود جا جا کر اپنی حسنِ نظر سے رجال کو اختیار کرتے۔ اور پھر انھیں ٹرینڈ کرتے۔ لہٰذا میں نے مہتمم صاحب سے ایک سوال کیا: کہ ہمارے یہ ادارے جو برّصغیر میں قائم ہیں، یا دنیا کے دیگر برّ اعظموں میں آپ حضرات نے قائم کر رکھے ہیں، یہ کس کے ہیں؟ تو وہ فوراً بولے: یہ آپ ہی کے ہیں۔ جس پر میں نے انھیں حضرت علامہ صاحبؒ سے سیکھا ہوا فوری جواب دیا: کہ میں اپنا وقت کیوں ادارہ سازی پر خرچ کروں؟ حضرت علامہ صاحبؒ کی طرح رجال سازی کو کیوں نہ اختیار کروں؟

الحاصل! حضرت علامہ صاحب اس فن میں ہمارے لیے ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ **"یا لیتَ قومی یعلمون "۔**

کاش! کہ ہم میں علامہ شناسی پیدا ہو جائے۔ اور جن جن اداروں میں حضرت علامہ صاحب نے رجال سازی کا کام کیا، وہ اس تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے، وہ فنِ رجال سازی کا مستقل شعبہ قائم کر کے اس عظیم مجاہد کو خراجِ تحسین پیش کریں۔

اسلام کے عہدِ اول سے تا حال اور تا قیامت دین کے تحفّظ کے لیے دین کے نام پر مختلف فتنے پنپتے رہے۔ پھر ہر فتنہ کے سدِّ باب کے لیے مناسب رجالِ کار کو یہ توفیق ملتی رہی کہ وہ اہلِ فتنہ کے افکار کو ان کے اصل مراجع سے مطالعہ کر کے ان کے مسکت جوابات کر کے اپنے اپنے دَور میں پیش کرتے رہے۔ تا کہ اہلِ فتنہ کا بھی ردّ ہو، اور اہلِ ابتلاء کا بھی تحفظ اور اصل اور قدیم دین کے مسلّمات بھی محفوظ طریقہ سے منتقل ہوتے رہیں۔

اس عظیم خدمت کے لیے حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی نورِ نظر عطا فرمایا کہ وہ ہر فتنہ کے لیے مناسب رجالِ کار کا انتخاب کرتے۔ اور ان کی ضروری رہنمائی اور تربیت بھی۔ کیونکہ اس کاک کے لیے شرعی علمی رسوخ اور اہلِ الحاد کے مغالطات اور ان کے باطل نقطہائے نظر کو جاننا ضروری ہوتا ہے۔

بعض لوگ محض اپنے مطالعہ اور لغتِ عربی کی کچھ سوجھ بوجھ کی بناء پر بغیر صالحین کی صحبت اور رہنمائی کے زور آزمائی کرتے ہیں، تو ان میں سے بہت سے یہ خدشہ رہتا ہے کہ وہ خود انحراف کے راستہ پر نہ چل پڑیں۔ ایسی صورتِ حال میں حامیانِ شریعت کا اہلِ صلاحیت اور ذی استعداد ہونا ان کا اصل اسلامی مراجع پر عبور اس عمل کا ضروری تقاضا ہے۔ پھر اس عظیم خدمت کو عام عوام میں سر انجام دینا بغیر توفیقِ ربانی کے ممکن نہیں۔

حضرت علامہ صاحبؒ کا نورِ نظر تھا کہ انھوں نے اپنے عصر کے ہر شر اٹھانے والے فتنہ کی سرکوبی کے لیے مناسب رجالِ کار کا انتخاب کیا۔ اور چونکہ وہ خود اپنے عصر کے فتنوں سے خوب واقف تھے، لہٰذا ان منتخب شخصیات کی خوب تربیت اور رہنمائی فرمائی۔ مثال کے طور پر بدعات ورسوم کے خلاف کام کے لیے حضرت مولانا ضیاء القاسمی صاحب کو اپنے سیالکوٹ کے دورِ قیام میں دو سال تک اپنے پاس رکھا۔

اسی طرح تحفّظِ عقائدِ اہل سنت اور ناموسِ صحابہ اور اہلِ بیت اور رافضیت کے ردّ کے لیے حضرت علامہ صاحبؒ نے اولین دَور میں تو تنظیم اہلِ سنت کے تحت بہت سے رجالِ کار کو بھی تیار کیا۔ اور اس تنظیم کے ترجمان مجلّہ دعوت کی ادارت کی خدمت بھی سر انجام دی۔ اور آخری دور میں حضرت مولانا حق نواز صاحب اور ان کے رفقاء کی بھی تربیت فرمائی۔ جن جن مدارس اپنے مختلف ادوار میں کام کرتے رہے، وہ سیالکوٹ کا دور ہو، یا خانیوال اور لاہور میں اقامت کا زمانہ، معروف مبلغین کو حضرت علامہ صاحبؒ سے کسِ فیض کا شرف حاصل رہا۔

ان حضرات میں حضرت مولانا عبد الرحمٰن اشرفی صاحب، حضرت مولانا شیخ الحدیث صوفی محمد سرور صاحب، حضرت مولانا ضیاء القاسمی صاحب، حضرت مولانا علی شیر حیدری صاحبؒ، حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی صاحب، حضرت مولانا عبد القادر آزاد صاحب، حضرت مولانا حق نواز جھنگوی صاحبؒ، حضرت مولانا الیاس حضروی صاحبؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا منیر

احمد منور صاحب، حضرت مولانا عبد الغفار تونسوی صاحبؒ شامل ہیں۔ان مدرسین ومناظرین اور خطباء حضرات کے نام بطورِ نمونہ ہم نے ذکر کیے ہیں۔

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ اور ان کی تألیفات:

حضرت علامہ صاحبؒ نے اپنی زندگی میں جس عظیم دینی خدمت کے شعبہ کو اختیار کیا تھا، یقیناً وہ اپنے عصر کے اعتبار سے قابلِ قدر اور ادائیگی کے اعتبار سے بڑا ہی کٹھن اور عام عوام کی نظروں سے پوشیدہ رہنے والا ہے۔مگر جس محنت اور جانفشانی سے انھوں نے قریہ قریہ،شہر شہر، ملک ملک اور عالم کے ساتوں برّ اعظموں کے اسفار کیے،اس پر مستقل کام کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ اس عظیم القدر شخصیت کی قدر کو اہلِ قدر جان سکیں۔اس کے ساتھ ساتھ حضرت علامہ صاحبؒ نے اپنی مبارک اور نورانی تألیفات کی شکل میں ہمیشہ رہنے والا ایک ایسا علمی خزینہ چھوڑا؛ جس کے لازوال اثرات -ان شاء اللہ- رہتی دنیا تک باقی رہیں گے۔اور حضرت علامہ صاحبؒ کی طرح اہلِ توفیق کے لیے کسبِ فیض کا روشن مینار ثابت ہوں گے۔ایسے ہی موقع کے وضاحت کے لیے مَیں ایک قصہ بیان کرتا ہوں۔

ہمارے ایک پرانے رفیق جو تقریباً پچاس سال قبل دار العلوم الشہابیہ سیالکوٹ میں مدرس اور سیالکوٹ چھاؤنی کی ایک مسجد میں امام وخطیب تھے، وہ اپنے قوی حافظہ اور ظرافتِ طبع میں بھی معروف تھے۔پھر بعد میں انگلینڈ منتقل ہو گئے۔اور "برمنگھم" کے قریب "ویل ورہیمٹن" میں خطابت وتدریس میں کچھ عرصہ مصروف رہے۔پھر ان کا وہیں انتقال بھی ہو گیا۔میری مراد حضرت مولانا ابراہیم سیالکوٹی ہیں۔انگلینڈ کے پرانے احباب علماء وعوام انھیں خوب جانتے ہیں۔وہ ایک جملہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مبارک تألیفات کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ:"اور بزرگوں کو تو کشف ہوتا ہے،مگر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتابوں کو بھی کشف ہوتا ہے"۔کیونکہ آپ کی تألیفات جو رسوم وبدعات کے ردّ اور سنّت کے اثبات اور ہر موقع پر اسلامی تعلیمات کی توضیح کرتی ہیں۔انہیں پڑھنے والے کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے برّصغیر (پاک وہند اور بنگلا دیش) کے ہر خطہ میں حضرت تھانویؒ اقامت پذیر رہے ہوں۔اور وہ ان کی رسوم سے خوب واقف بھی رہے ہوں۔پھر انھیں بدعات کی جگہ سنت کی دعوت دیتے رہے ہوں۔یہ تو حضرت مولانا ابراہیم صاحبؒ کی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تألیفات کے بارے میں رائے تھی۔

راقم (سعید احمد) یہ کہتا ہے کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں برّصغیر اور بیرونِ برّصغیر جن جن فتنوں کا ملاحظہ فرمایا: ان کی مبارک تألیفات یقیناً اس میدان میں کام کرنے والوں کو جلی اور خفی فتنوں کے بارے میں نہ صرف مکمل آگہی فراہم کرتی ہیں، بلکہ ان کے قلع قمع اور ان کے بارے میں افہام وتفہیم کے لیے سہل ترین اسلوب بھی پیش کرتی ہے۔جو اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت علامہ صاحبؒ نے جس طرح اپنی زندگی میں بنفسِ نفیس احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی خاطر علماء اور عام عوام کی رہنمائی کی۔ان کے بعد -ان شاء اللہ- ان کی یہ مبارک تألیفات امت کے طبقۂ علماء اور عام عوام کی -ان شاء اللہ-

رہنمائی کرتی رہیں گی۔

اخیر میں مَیں اپنی اس تمنّا کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت علامہ صاحبؒ ان تصانیف پر ان کے مخلصین اور محبّین اہلِ نسبت انھیں فیضِ عام کے لیے ضرور موضوعِ سخن بنائیں۔ یقیناً حضرت علامہ صاحبؒ اپنی ان تصانیف کی وجہ سے زندہ وتابندہ رہیں گے۔

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ کی اسلامی دعوت کی عالمی فکر:

حضرت علامہ صاحبؒ کا ان کی دینی اور عصری تعلیم سے اپنے آغازِ عمل سے صرف ایک ہی ہدف رہا اور وہ تھا "اسلامی عالمگیر دعوت کے لیے باصلاحیت رجال کار کا استخلاص"۔ نیز اس فکر کو اپنے تلامذہ میں فروغ دینا۔

حضرت علامہ صاحبؒ کا سیالکوٹ کی اقامت ہی کا دَور تھا، جبکہ ہماری درسگاہ "دار العلوم الشہابیہ" سیالکوٹ میں ہمارے استاذِ محترم حضرت مولانا محمد علی کاندھلوی صدیقی کی دعوت پر حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سیالکوٹ تشریف لائے۔ ہمارے استاذِ محرم کاندھلہ کے علمی گھرانہ کے چشم وچراغ تھے۔ ان کے والدِ محترم حکیم صدیق احمد صاحبؒ حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ تھے۔ اور دیگر برادران بھی اہلِ علم تھے اور کاندھلہ کے وُجہاء میں سے تھے۔ استاذِ محترم کی حضرت قاری طیب صاحبؒ سے بے تکلفی بھی تھی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت الاستاذ نے حضرت قاری طیب صاحبؒ سے انتہائی بے تکلفی سے سوال کیا کہ سالم (حضرت مولانا سالم صاحب) پڑھا رہے ہیں یا نائب مہتمم ہیں؟ اس سوال میں بھی حضرت الاستاذ کا مقصود تھا کہ کیونکہ ہمارے یہاں یہی رواج ہوتا ہے کہ ابنِ مہتمم شروع ہی سے نائب مہتمم بن جاتا ہے۔ تو حضرت قاری طیب صاحبؒ نے فرمایا: نہیں نہیں! وہ تو خالص مدرس ہے۔ اور پھر ان کے زیرِ تدریس کُتب کے نام بھی بتا دیئے۔ خیر یہ جملہ معترضہ "نسبت ومحبتِ اکابر" کی خاطر قارئینِ کرام قبول فرمائیں۔

بات حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ کی عالمی دعوتی سوچ کی ہو رہی تھی۔ دار العلوم الشہابیہ سیالکوٹ میں رات کے وقت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا دار العلوم الشہابیہ کی مسجد میں بیان ہوا۔ حضرت کا بیان بھی کیا ہوتا، وہ تو علمی جواہر کی ایک لڑی میں پروئے ہوئے لعلوں کا مربوط سلسلہ ہوتا۔ جو سامعین پر اپنی قوتِ تاثیر بھی رکھتا، اور ان کے حافظے میں راسخ ہو کر قرار پکڑ لیتا۔

یہاں قاری محمد طیب صاحبؒ کے بیان کی سامعین کے حافظوں میں جم کر بیٹھنے کا ایک اور واقعہ مجھے یاد آیا۔ چند سال قبل سیالکوٹ "سیرت اسلامی سینٹر" میں سیرت کے موضوع پر میرا ایک لیکچر تھا۔ موضوعِ سخن چونکہ مقرّر تھا تو میں نے بھی سعی کی کہ موضوع ہی کی تقریر و تثبیت ہو۔ پروگرام کے بعد سیالکوٹ کی ایک ممتاز سماجی شخصیت اور انجمن اسلامیہ کے رکن رکین محترم جناب آغا ممتاز صاحب مجھے کہنے لگے: مولوی سعید صاحب مکہ مکرمہ سے اگلی آمد پر ایک سال بعد آپ پھر ہمارے یہاں تشریف لائیں،

اور اپنا پہلا آج کا بیان مجھ سے پورا سن لیں۔ پھر دوسرا بیان کریں۔ کیا ہی بہترین سامعین تھے یہ لوگ بھی۔ (آج کل تو دورانِ بیان سامعین کی توجہات کے کئی مراکز، ان کی جیب میں اسمارٹ فون کی صورت میں رہتے ہیں)۔

میں نے کہا: آغا صاحب! آپ کا -ماشاء اللہ- علماء سے تعلق اور عقیدت قدیم ہیں۔ تو فوراً کہا: آپ کو یاد ہے جب قاری محمد طیب صاحبؒ دار العلوم الشہابیہ تشریف لائے تھے، تو میں نے کہا: کیوں نہیں! اس بیان کے بعد کی مجلسِ بیعت میں میرے والد صاحب الحاج عنایت اللہ صاحب اور بندہ سعید احمد حضرت سے بیعت ہوئے تھے۔ آغا ممتاز صاحب نے کہا: واہ! حضرت قاری طیب صاحب کا بیان، اس کی حلاوت، اس کا تسلسل ایسا ہوتا کہ آج چالیس سال گزرنے کے بعد بھی میں آپ کو سنا سکتا ہوں۔ (خیر یہ جملہ معترضہ بھی میرے اکابر سے عقیدت کا مظہر ہے۔ جس کے بغیر میرے لیے آگے چلنا یقیناً مشکل تھا، اکابر سے یہی محبت میرا سرمایۂ حیات ہے)۔

حضرت علامہ صاحبؒ کی حضرت قاری صاحب سے سیالکوٹ کی اس ملاقات کے وقت ہم لوگ دار العلوم الشہابیہ میں ابتدائی کتب کے طلبہ تھے۔ اور حضرت علامہ صاحبؒ "مرے کالج" کے پروفیسر۔ ہر ایک اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق ہی اکابر سے استفادہ کر سکتا ہے۔

حضرت علامہ صاحبؒ تو حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی یقیناً عالی فکری، دعوت میں حسنِ اعتدال، گفتگو مدلل و مربوط، ان تمام خوبیوں سے واقف تھے، تو انھوں نے حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کو بطورِ مشورہ عرض کیا کہ حضرت آپ برصغیر سے باہر امریکہ و یورپ کا سفر کیوں نہیں فرماتے؟ اور یقیناً آپ کے اسفار سے دار العلوم دیوبند کو تقویت بھی ملے گی۔ اور فکرِ قاسمی کو عالمی میدان بھی میسّر آئے گا۔ تو یہیں سے اور خصوصاً حضرت علامہ صاحبؒ کی تشجیع اور فکرمندی سے حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے حضرت علامہ صاحبؒ کی رائے کو بغور اعتناء بخشا۔ پھر حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے امریکہ و برطانیہ کے اسفار کے سلسلہ کا آغاز ہوا۔ پھر تو فکرِ اعتدال کی وسعتیں کہ دیوبند اور مظاہر علوم کے فضلاء کی نہ صرف بیرونِ برصغیر روانگی اور یورپ و امریکہ آمد ہی پر اقتصار رہا۔ بلکہ ان ملکوں میں -الحمد للہ- دورۂ حدیث تک کی تعلیم کے کئی مدارس بھی قائم ہو گئے۔ یقیناً قاسمی فکر کے امین حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے اسفار کے اثرات، پھر اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے اسفار، ان کے ہونہار شاگردوں کی مبارک مساعی، اس خیرِ عمیم کے پھیلنے کے غیر منتہی سلسلے کی شروعات کے پیچھے حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحبؒ کی عالمی فکری دعوت بھی دیگر عناصر کے ساتھ کارفرما رہی۔

☆......☆......☆......☆

مولانا حافظ عبدالجبار سلفی

سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ......احوال و آثار

مؤرخہ ۱۴؍ مئی ۲۰۲۰ء بمطابق ۲۰؍ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ کو مفکر اسلام، بحر العلوم، سلطان العلماء حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کم و بیش قمری اعتبار سے ستانوے برس کی بھرپور علمی و عملی زندگی گزارنے کے بعد مانچسٹر میں انتقال فرما گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ حضرت علامہ صاحب کی شخصیت طبقۂ علماء میں اپنی منفرد طرز اور نرالے ڈھب کے اعتبار سے ہمیشہ یادگار رہے گی۔ علامہ صاحب کی کبر سنی اور طویل علالت کی وجہ سے اگرچہ ان کی خبرِ رحلت سننے کو ذہن تیار رہتا تھا مگر جب خبرِ وفات نشر ہوئی تو کافی دیر تک طبیعت اس کی تصدیق کرنے کو آمادہ نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ انسان کی بشری کمزوری ہے کہ عقیدت و محبت کے ایک مقام پر جا کر وہ سب کچھ جاننے کے باوجود اپنے محبوب کی جدائی کی اطلاع پا کر انجان سا بن جاتا ہے۔ اور یہ ایسا مقام ہے کہ جہاں سے تاریخ اسلام کی فولادی شخصیت سیدنا حضرت عمر فاروقؓ جیسے کامل مومن اور عزم و ہمت کے کوہسار کو بھی رُکنا پڑا۔ اور اگر خلیفہ بلافصل بالتحقیق سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بروقت قیادت حوصلہ و بردباری کے ساتھ جلالِ فاروقی کو اپنے جمال و کمالِ صدیقیت کی خوشبو نہ دیتی تو تاریخ و تفسیر کے مغموم صفحات پر آج **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُول** کے یہ جلوے نظر نہ آتے جو صدیوں سے اہل اسلام کو موت و حیات کے حقائق سے آشنا کرتے چلے آرہے ہیں۔ علامہ صاحب کی شخصیت، عالمانہ طبیعت اور فکرِ پاکیزہ سے منور و معطر زندگی کا چند سو صفحات میں تذکرہ قلمبند کرنا اور ان پر ہونے والے کمالات و عنایاتِ ربانیہ کا احاطہ کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ علم و فضل ان کے خون کی ایک ایک بوند میں اس قدر سرایت کر چکے تھے کہ ''علامہ'' ان کے نام کا جزو لازم بن گیا تھا اور اس لفظ کے بغیر ان کا نام لینے سے دماغ اُن کی ذات کی جانب متوجہ ہی نہیں ہوتا تھا۔ آپ بذریعہ مطالعہ گزشتہ ادوار کی جانب دماغی سفر کریں تو حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے زمانہ کے ہفت روزہ ''خدام الدین'' کی فائلوں میں ''علامہ خالد محمود'' ہی لکھا نظر آئے گا۔ تحریک تنظیم اہل سنت پاکستان کا تاریخی ہفت روزہ ''دعوت'' ہو یا جامعہ رشیدیہ ساہیوال کا ماہنامہ ''الرشید''، گوجرانوالہ کا ماہنامہ ''العدل'' ہو یا ملتان کا ''الصدیق''، دیوبند کا ماہنامہ ''دارالعلوم'' ہو یا مصر سے شائع ہونے والا عربی جریدہ ''**زهرة الخليج**'' کسی بھی کتاب پر مقدمہ ہو یا تقریظ، کوئی اخباری خبر ہو یا کسی کانفرنس کا دعوتی اشتہار، وہ سبھی جگہوں پر ''علامہ صاحب'' ہی کے سابقہ سے یاد کئے جاتے تھے۔ وہ ''علامہ'' کب سے معروف ہوئے؟ اور یہ بابرکت کلمہ کب ان کے نام کا ایک مستقل حصہ قرار پایا؟ اس کے پس منظر میں ایک نہایت دلچسپ واقعہ ہے جو کاتب السطور کو اس کے استفسار پر خود حضرت علامہ صاحب نے سنایا تھا۔ جب ایک مرتبہ مولانا محمد اسمٰعیل محمدی مرحوم اور بندہ حضرت علامہ صاحب کے بحر علوم و فیوض کی موجوں کا نظارہ کرنے ان کے مکان، واقع دیو سماج روڈ سنت نگر لاہور میں موجود تھے، مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے بیان سے قبل حضرت کے سن

ولادت، مقام ولادت اور تعلیم و تعلم کے رسمی مراحل کو ذکر کر دیا جائے۔

سنِ ولادت و مقام ولادت:

حضرت علامہ صاحبؒ کے والد گرامی کا نام ''پیر محمد غنی''(ا) تھا جو گورنمنٹ برطانیہ دور میں امرتسر میں سرکاری ملازمت کرتے تھے اور اپنے وقت کے جہابذۂ روزگار اکابرین و مشائخ کے ساتھ ان کا برابر رابطہ رہتا تھا اور وہ خود بھی ایک کھرے مسلمان، اپنے فرائض منصبی کو دیانت داری کے ساتھ ادا کرنے والے، پنجگانہ نماز کے عادی، شب بیدار اور بدعات و رسومات کی آلائش و آمیزش سے پاک عقائد و اعمال کے پوری طرح پابند تھے۔ امرتسر میں حضرت علامہ صاحبؒ کے والدین کریمین ''کوچہ پادری عماد الدین'' میں اپنے ذاتی مکان میں رہتے تھے۔ اس کوچہ کا ذکر علامہ صاحبؒ نے خود بھی درج فرمایا ہے۔ چنانچہ ردعیسائیت پر مشتمل ایک نہایت علمی کتاب ''کتاب الاستفسار'' ہے جو اس عنوان پر اردو زبان کی پہلی کتاب ہے اس کے مصنف مناظر اسلام حضرت مولانا آلِ حسن مہانیؒ ہیں جو ۱۲۸۷ھ میں انتقال فرما گئے تھے۔ (دیکھیے: ۶۷۸/۱[ادارہ])

یہ ضخیم کتاب حضرت علامہ صاحبؒ نے نہایت اہتمام کے ساتھ اپنے ادارہ ''دار المعارف لاہور'' سے اپنے طویل مقدمہ کے ساتھ شائع کی تھی۔ علامہ صاحبؒ کا لکھا ہوا یہ مقدمہ اس قدر علم افروز، معلومات افزاء اور حقائق و بصائر کا اُچھلتا ہوا فوارہ ہے کہ اگر علامہ آلِ حسن مہانیؒ خود اسے ملاحظہ فرما لیتے تو علامہ صاحب کے وفورِ علم پر حیران و ششدر رہ جاتے۔ بہر حال اس کتاب کے مقدمہ میں ایک مقام پر علامہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

> ''(پادری رابرٹ کلاک نے)۱۸۶۶ء میں امرتسر کے ایک نام نہاد مولوی، عماد الدین کو عیسائی کیا، اور اُسے جو زمین ملی وہ اب تک کوچہ پادری عماد الدین کے نام سے موسوم ہے، راقم الحروف امرتسر کے اسی کوچہ کا رہنے والا ہے۔''

(مقدمہ کتاب الاستفسار صفحہ نمبر ۴۲ مطبوعہ لاہور)

لیکن علامہ صاحب کی ولادت امرتسر میں نہیں ہوئی بلکہ قصور شہر میں اکتوبر ۱۹۲۵ء میں ہوئی ہے۔ جب آپ کے والد گرامی ''پیر محمد غنی'' بسلسلۂ ملازمت کچھ عرصہ کے لیے یہاں مع اہل خانہ منتقل ہوئے تھے۔ یہاں ان کے قیام کا دورانیہ علامہ صاحب کی ولادت کے بعد بمشکل چند سال ہی رہا کہ پھر آپ اپنے وطنِ اصلی ''امرتسر'' چلے گئے۔ اور حضرت علامہ صاحب امرتسر کی فضاء میں اپنی طفلانہ سانسیں لینے لگے۔ اس وجہ سے بعض حضرات اشتباہ میں پڑ جاتے ہیں کہ پرانے مضامین و مقالات میں علامہ صاحب کے ساتھ کہیں امرتسری، کہیں قصوری، کہیں سیالکوٹی تو کہیں لاہوری درج ہوتا ہے۔ آخر علامہ صاحب کہاں کے تھے؟ تو واقعہ یہ ہے کہ علامہ صاحب اصلاً امرتسر کے رہنے والے تھے، والدین کسی کام کی غرض سے قصور میں ٹھہرے تو یہاں آپ کی ولادت ہوئی۔ پھر اپنے وطن مالوف امرتسر جا کر آباد ہو گئے۔ بعد ازاں سیالکوٹ ہجرت کی اور پھر سیالکوٹ سے لاہور اور بسلسلہ ملازمت دیگر شہروں میں علم و فضل کے موتی نچھاور کرنے کے بعد بالآخر انگلینڈ مقیم ہوئے۔ اور وہاں سے پورے عالم میں چھا گئے، یہ تفصیلات

(ا) حضرت علامہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ پہلے ان کا نام ''پیر غنی بخش'' تھا۔ بعد میں بدل کر ''پیر محمد غنی'' رکھ لیا تھا۔ سلفی

آگے درج ہوں گی (ان شاء اللہ)۔حضرت علامہ صاحبؒ اپنے ذاتی کوائف اور تفصیلات دینے میں بہت حساس مزاج واقع ہوئے تھے، اس لیے اکثر لوگ جب آپ سے اس قسم کے سوالات کرتے تو علامہ صاحب فرماتے زندگی بہت مختصر ہے، کوئی علم کی بات پوچھیں جو آپ کے لیے فائدہ مند ہو۔

ایک مرتبہ کاتب السطور حضرت علامہ صاحب کی خدمت میں موجود تھا، شدید سردیوں کا موسم اور عصر کی نماز کا وقت تھا کہ دو نوجوان ملاقات کے لیے آئے، دورانِ گفتگو ان میں سے ایک نے یہی سوال دُہرایا کہ ہماری آمد کا بنیادی مقصد تو بعض قادیانیوں کی جانب سے وارد کئے گئے سوالات کے جوابات لینا ہے۔مگر آتے ہوئے رستے میں ہماری یہ بحث بھی شروع ہوگئی کہ علامہ صاحب کی پیدائش کہاں کی ہے؟ پھر ہم نے سوچا کہ اب علامہ صاحب کے پاس جا ہی رہے ہیں تو خود ان سے پوچھ لیں گے۔ علامہ صاحب نے برجستہ جواب ارشاد فرمایا کہ میرے مقام ولادت کے متعلق آپ کا باہم اُلجھنا ایک کارِ عبث ہے کیونکہ ''نفسِ ولادت'' ثابت ہے۔اور آپ نے اپنے سوالات کے جوابات مجھ سے لینے ہیں نہ کہ میری جائے ولادت سے، پھر عشاء کی نماز کے بعد تک علمی محفل جمی رہی اور علامہ صاحب کا قلزمِ علم مختلف عنوانات پر بنجر دماغوں کو سیراب کرتا رہا، دراصل اپنے اوقات کے معاملہ میں آپ بہت نازک طبع واقع ہوئے تھے اور ان کی خواہش ہوتی تھی کہ فقط علم کی باتیں ہوں، سوالات کے تواتر و تسلسل سے علامہ صاحب اکتاتے نہیں تھے بلکہ بہت خوش ہوتے تھے۔البتہ سوال کرنا بھی چونکہ نصف علم کہلاتا ہے، سو کبھی سائل اگر اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر پوری طرح قادر نہ ہوتا یا کج بحثی کی کوشش کرتا تو علامہ صاحب کمالِ بے نیازی کے ساتھ اپنی گفتگو کا دھارا کسی دوسری طرف موڑ دیتے تھے۔ چونکہ ذاتی زندگی سے متعلقہ معلومات فراہم کرنے میں آپ کی طبیعت گریزاں رہتی تھی۔اس لیے اکثر لوگ اِس بابت بدستِ خود چڑیاں کوے بنا بنا کر ہوا میں اڑاتے رہتے ہیں، جس سے ایک عام شخص پریشان ہوجاتا ہے کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ اسے بدقسمتی کہیے کہ فی زمانہ بحث ومباحثہ کرنے کے لیے غیر عاقل اور دوسروں کو معلومات فراہم کرنے والے کے لیے محروم از علم ہونا ہی معیار سمجھا جاتا ہے۔

یہاں ایک اور بات بڑی بروقت پردۂ دماغ پہ آگئی ہے۔ایک مرتبہ کاتب السطور نے علامہ صاحب سے سن ولادت کے متعلق پوچھا تو اول حسبِ عادت ٹال گئے، معاً میرے ہاتھ میں ابوالفضل حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''آفتاب ہدایت'' دیکھی تو فرمایا: ''آفتاب ہدایت'' مجھ سے مہینہ، آدھ مہینہ ہی بڑی ہوگی، اس سے زیادہ نہیں، تب علامہ صاحب کی طبیعت میں شگفتگی کا ورود ہوا تھا، کاتب السطور نے فوراً اپنے سوال کا جواب وصول کرلیا، کیونکہ آفتاب ہدایت ستمبر ۱۹۲۵ء میں مکمل ہوئی تھی اور علامہ صاحب کی ولادت اکتوبر ۱۹۲۵ء میں ہوئی۔اس طرح کے خاص ماحول کی واردات وکیفیات میں ہی اس قسم کی مخفی باتیں علامہ صاحب سے وصول کی جاسکتی تھیں، بصورتِ دیگر نجی زندگی سے متعلق معلومات لینے کے لیے اُن کا اجتناب کئی کئی ماہ تک انسان کو مبتلاءِ انتظار رکھتا تھا۔''پیر محمد غنیؒ'' یعنی حضرت علامہ صاحبؒ کے والد گرامی کا جب انتقال ہوا تو تنظیم اہل سنت کے ایک بنیادی سرگرم رکن اور ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور دفتر کے انچارج حافظ نور محمد انور مرحوم نے ''جذباتِ غم'' کے نام سے ۳۲/

صفحات کا ایک کتابچہ شائع کر کے اس میں مرحوم کا منظوم تذکرہ قلمبند کیا تھا۔ جس پر مندرجہ ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا:

''اس کتابچہ میں مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ، پیر غلام دستگیر نامی، پیر محمد غنی والدِ بزرگوار علامہ خالد محمود صاحب، بانی تحریک تنظیم اہل سنت سردار احمد خاں صاحب پتافی اور دیگر بزرگانِ دین و اکابرین دیوبند کی وفات پر مولف نے آج تک جو اپنے دلی جذبات سے درد بھری نظمیں کہی ہیں، سب اس میں تاریخ وار درج ہیں۔''

(ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور، خاتم النبیین نمبر صفحہ ۳۳، ۱۸ر ستمبر ۱۹۶۴ء)

امرتسر اہلِ علم کی سرزمین ہے:

حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے لکھا ہے کہ سرزمین امرتسر قریباً ایک صدی تک مرکز علوم اسلامیہ رہی۔ اس عرصہ میں بہت سے ایسے نامور علماء وفضلاء پیدا ہوئے جنہوں نے پاک وہند کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی شہرت حاصل کی جن میں سے مولانا غلام علی قصوری، مولانا سید عبداللہ غزنوی، مولانا سید عبدالجبار غزنوی، مولانا مفتی غلام رسول قاسمی، مفتی عبدالصمد خان، مولانا مفتی غلام مصطفیٰ قاسمی، مولانا ابوالوفا ثنا اللہ، مولانا محمد عالم آسی، مولانا مفتی محمد حسین اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ حضرات دین کے مختلف علوم وفنون میں ایسے باکمال تھے کہ ان کی نظیر آج ناممکن ہے۔ [تذکرہ علماءِ امرتسر: ۸۱، مطبوعہ **والضحی پبلی کیشنز**، لاہور]

حضرت علامہ صاحب جب قصور سے اپنے وطن امرتسر واپس لوٹے تو شعور کی دہلیز پر پہنچتے ہی آپ کو اسکول و مدرسہ کی تعلیم حاصل کرنے پر لگا دیا گیا۔ اگرچہ ابتدائی تعلیم کا آغاز قصور سے ہی ہو چکا تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آنے والے وقتوں میں آپ کا شہر قصور کے ساتھ ایک گہرا تعلق قائم رہا، اس امر کی شہادتیں ہفت روزہ ''دعوت'' کی وہ فائلیں دیتی ہیں جو آپ کی تنظیمی، دعوتی اور تبلیغی رودادوں پر مشتمل ہیں۔ علاوہ ازیں کاتب السطور نے کئی بار آپ کو قصور شہر کے بعض علماء کرام مثلاً مولانا سید فردوس شاہ صاحب (مصنف چراغِ سنت، الصلوٰۃ والسلام، کلمہ طیبہ مع فلسفہ نماز، کارِ خیر یا بدعت وغیرہم) مولانا فضل محمدؒ، خطیب جامع مسجد کوٹ رکن دین خان، مولانا قاری محمد طیب، مہتمم مدرسہ اشرف العلوم قصور اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب المعروف فقیہ شہر وغیرہ کا والہانہ ذکر کرتے سنا۔ جس زمانہ میں حضرت علامہ صاحب تنظیم اہل سنت کے پلیٹ فارم سے اپنی خداداد صلاحیتوں کے جوہر دکھا رہے تھے اور عظمتِ صحابہ کے دیپ جلا کر رفض و بدعت کی تاریکیوں سے مسلمانانِ وطن کو نکال رہے تھے تو آپ کے متعدد جلسے، سیمینارز، کانفرنسیں اور اجلاس قصور میں منعقد ہوتے تھے، چنانچہ ''جماعتی خبریں'' کے زیرِ عنوان اُس دور کے دو تبلیغی پروگراموں کی کارگزاری پڑھیے:

۱) حضرت علامہ خالد محمود صاحب اور مولانا محمد اجمل خان صاحب، اکابرین تنظیم کا قصور میں ورودِ مسعود۔ ۲۵ر رمضان المبارک کو جامع مسجد کوٹ فتح دین خان میں نمازِ تراویح میں ختم قرآن مجید کے سلسلہ میں پروگرام منعقد ہوا۔ اس اجتماع عظیم سے حضرت علامہ خالد محمود صاحب سیالکوٹی نائب صدر تنظیم اہل سنت پاکستان نے دو گھنٹے فضائل رمضان پر ایک ولولہ انگیز تقریر فرمائی۔ حضرت مولانا محمد

اجمل صاحب صدر تنظیم اہل سنت لاہور نے شانِ صحابہ کرامؓ، اور ضرورتِ تنظیم پر ایک نہایت بصیرت افروز تقریر کی، فضاء تنظیم اہل سنت زندہ باد کے نعروں سے گونج رہی تھی۔

۲) جامع مسجد رانجھے خان میں ۲۸/رمضان المبارک کو حضرت مولانا سید فردوس شاہ صاحب دامت برکاتہم کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں حضرت علامہ خالد محمود صاحب نے نہایت جامع اور فاضلانہ تقریر فرمائی۔ حضرت علامہ صاحب کے بیان سے بہت سے شبہات کی جڑ اس طرح کٹ گئی کہ وہاں کے دیوبندی، بریلوی ایک دوسرے کے بہت قریب ہو گئے اور ان اتحاد پرور بیانات سے ماحول بہت اچھی طرح متاثر ہوا۔ [ہفت روزہ ''دعوت'' صفحہ ۱۴، ۸/مارچ ۱۹۶۳ء، لاہور]

ان دو حوالوں پر اکتفا طوالت سے بچنے کے لیے کیا گیا ہے، کیونکہ فی الحال یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جس شہر کی فضا میں آپ نے پہلی بات آنکھ کھولی تھی، اس شہر اور وہاں کے اہل سنت عوام و علماء کے ساتھ آپ کا برابر تعلق قائم رہا۔ حضرت علامہ صاحب کے والد گرامی چونکہ محکمہ تعلیم میں ایک معزز عہدہ پر فائز تھے، اس لحاظ سے آپ کی عصری تعلیم کا آغاز نہایت مستحکم اساس پر رکھا گیا تھا، نیز آپ کا رجحانِ قلبی اور ذوق سلیم چونکہ دینی تعلیم کی طرف مائل تھا، سو اس لیے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیم و تربیت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ امرتسر میں ہم مولانا غلام علی قصوری ثم امرتسریؒ اور مولانا غلام رسول امرتسریؒ (متوفی ۱۹۰۲ء) کا تذکرہ بہت سنا کرتے تھے جبکہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، اور مولانا محمد ثناء اللہ امرتسری مرحوم وغیرہ کا یہ زمانۂ عروج تھا جس میں ان کی مجاہدانہ و مناظرانہ للکار سے اہل باطل کے ایوانوں پر لرزہ طاری تھا۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ میرے بچپن میں ہمارے گھر اور ارد گرد کے علمی ماحول میں مولانا مفتی غلام مصطفیٰ قاسمی امرتسریؒ (متوفی ۱۹۳۳ء) کا بڑا چرچا تھا۔ اگرچہ میں نے انہیں نہیں دیکھا، مگر میرے والد گرامی پیر محمد غنی اکثر وہاں جایا کرتے تھے۔ تاہم میری آٹھ سال کی عمر میں جب ان کا انتقال ہوا تو مجھے ان کے جنازہ کے مناظر یاد ہیں۔ حضرت علامہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ امرتسر کے زمانہ قیام میں جبکہ میرا بچپن کا دور تھا، امرتسر کی جامع مسجد خیر الدین میں مدرسہ نعمانیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم تھا۔ یہ مدرسہ بنیادی طور پر مسجد شیخ بڈھا میں قائم تھا جس کے بانی مولانا نور احمد امرتسری تھے جو پسرور شہر سے امرتسر منتقل ہوئے تھے۔ یہ مسجد بڈھا حضرت علامہ صاحب کے دورِ بچپن میں ایک نہایت عالی شان مسجد تھی، اس مسجد کے بانی شیخ بڈھا نام کے ایک معروف بزرگ تھے جو چمڑے کے تاجر تھے، افسوس کی بات یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد اس مسجد کو متعصب ہندوؤں نے شہید کر کے وہاں ہندو آبادی کے سکونتی مکانات تعمیر کر دیئے اور اب اس مسجد کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ چنانچہ مسجد شیخ بڈھا سے متصل مدرسہ نعمانیہ کی ایک شاخ ۱۹۰۷ء کے زمانہ میں مسجد خیر الدین میں بھی قائم کر دی گئی تو اب یہاں حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ بطور مدرس تشریف لائے جن کے ساتھ ایک دوسرے مدرس جہلم کے مولانا غلام محی الدین بھی تھے۔ اس تفصیل کی جزئیات تو کاتب السطور کے علم میں نہیں ہیں، تاہم علامہ صاحب اکثر و بیشتر جس والہانہ انداز میں اس مدرسہ و مسجد کا ذکر فرماتے تھے، غالب بلکہ اغلب گمان یہ ہے کہ ابتدائی دینی تعلیم آپ نے اس مدرسہ سے حاصل کی تھی اور یہ بات تو شک و شبہ سے بالکل مبرا ہے کہ مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ کی پہلی زیارت کے ساتھ

ساتھ تعلیم و تربیت کا ایک پرت یہیں پہ کھلا تھا، تاہم اس کے دورانیہ کے متعلق کچھ کہنا محتاج تحقیق ہے۔حضرت علامہ صاحب نے امرتسر میں حافظ خدا بخش مرحوم سے بھی قرآنِ مجید کی تعلیم حاصل کی تھی جو حضرت مولانا عین القضاۃ کے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ سے فاضل تجوید تھے، وہی مولانا عین القضاۃ جو امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے اور انہوں نے ہی امام لکھنوی کو تردید شیعیت کی طرف متوجہ فرمایا تھا۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

بندہ کے خیال کے مطابق قدرت کی جانب سے یہ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مستقبل کی دینی خدمات کا روٹ متعین ہو رہا تھا، حضرت مولانا عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ کے دینی مرکز سے مستفید ہونے والے استاذ سے کسب فیض، حضرت مولانا مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ (جو بعد میں بانی جامعہ اشرفیہ، لاہور ہوئے) سے شرف تلمذ اور امرتسر کے علمی ماحول میں پروان چڑھنے والے "خالد محمود" کچھ ہی سال بعد جب والدین کے ہمراہ سیالکوٹ میں سکونت کرتے ہیں تو نوعمری ہی میں "علامہ" بن جاتے ہیں اور پھر اللہ کریم کی صفت کریمی کی پھوار کچھ یوں پڑتی ہے کہ ستانوے برس علم وفضل کی کرنوں سے ایک جہان کے قلوب منور کرنے کے بعد لحد کی دہلیز تک وہ شانِ علم کے ساتھ ایک عالم کا سفر بخیر وخوبی کرتے ہیں اور اپنے وقار وتمکنت سے طبقہ علماء کا سر فخر سے بلند کر دیتے ہیں، واقعی قدرت کی یہ فیاضی ان پر بچپن ہی سے عیاں ہونا شروع ہو گئی تھی۔

حضرت علامہ صاحب کہاں سے فارغ التحصیل تھے؟

اس عنوان پر کچھ قلمبند کرنے سے پہلے کاتب السطور پوری تحدی کے ساتھ یہ دعوی کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ صاحب کو جس قدر دولت علم، ذکاوت وفہم، ندرت وحکمت، لامحدود کتابوں تک رسائی، اعلیٰ اجتہادی سوچ، لطیف و پاکیزہ نکات کہنے کا ملکہ، قوت استدلال، اندازِ استنباط، بے مثال درجہ کی دانش، چہرے بُشرے سے جھلکتی متانت، تحقیق وجستجو کا شوق، اپنی جنبش لب سے بڑے سے بڑا علمی عقدہ کھولنے کا کمال، مسئلے کو حل کرنے کی بروقت صلاحیت، چرچ وگرجا تک میں اسلام کی حقانیت کا لوہا منوانے کا گُر، اور پھر ان تمام تر وہبی صلاحیتوں کے باوصف لب ولہجہ میں اعتدال، چال ڈھال میں اعتدال، فکر ونظر میں اعتدال، نظریہ ومسلک میں اعتدال حتیٰ کہ اظہار مافی الضمیر میں بھی تشدد وتعنت اور غصہ وگھن گرج سے دور ونفور طبیعت جیسی وافر نعمتیں عطا فرمائی تھیں، ان کی موجودگی میں عرب وعجم کی کسی مسلّمہ دانش گاہ کی سند کا علامہ صاحب کے پاس ہونا اس دانش کدہ کی بھی خوش بختی ہے فقط صاحب سند پر احسان اور مراحل تعلیم وتعلم طے کرنے کا اعتمادی سٹیفکیٹ نہیں کہ جسے بغل میں دبا کر اپنے تقدیس علم اور حصولِ ملازمت کی جدوجہد کا سطحی ذہنوں میں تصور پایا جاتا ہے۔

جاننے والے بخوبی جانتے ہیں کہ علامہ صاحب کے گلشن علم وعمل میں جو بہار آخری سانسوں تک بہار ہی رہی وہ محض کسی کاغذی سند کا صدقہ نہیں تھی، بلکہ اس کے پیچھے کامل صحبتیں تھیں، طویل مجاہدات تھے۔اضطراری نہیں، اختیاری مجاہدات کا ایک

تسلسل تھا۔ متقدمین پر اعتماد کا جذبہ تھا، اسلاف کی اعلیٰ نسبتوں کی تاثیر تھی، محض علم نہیں، عمل بھی تھا اور محض عمل نہیں، اخلاص بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ مجلس کتنی ہی طول طویل کیوں نہ ہوتی اُن کی ابتداء علم سے ہوتی اور انتہاء بھی علم ہی پر! ایسا نادرِ دہر شخص بذاتِ خود ایک سند ہوتا ہے، اس کی بات حوالہ ہوتی ہے، اس سے نسبت دلیل ہوتی ہے۔ اس کی مجلس لاکھوں کتابوں سے بھری اٹی لائبریری پہ بھاری ہوتی ہے اور اس کے چہرے کی ہر بدلتی سلوٹ ایک مستقل عنوان ہوتا ہے۔ اس لیے ایک خاص حد تک کسی ضروری درجہ کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ایسے سوالات کھڑے کرنے میں تو کوئی حرج نہیں کہ ان کی فراغت کہاں سے تھی؟ مگر بلاضرورت اور بلاتکان اسی ایک لکیر کو ہی پیٹتے چلے جانے میں بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ شخصیت کے علمی مقام اور قد کاٹھ کے تناسب سے لوگ خود ہی جہالتوں کے مرکبات اپنے اپنے دماغی مرتبان میں ڈال کر بانٹتے رہتے ہیں۔

اب آیئے اس خیال کی طرف کہ علامہ صاحب کہاں سے فارغ التحصیل تھے؟ سو عرض ہے کہ حضرت علامہ صاحب دارالعلوم دیوبند کے فاضل نہیں تھے۔ بلکہ آپ نے کتب صحاح ستہ کی تکمیل جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے کی تھی، علامہ صاحب اگرچہ دارالعلوم دیوبند پڑھنے کے لیے نہ جاسکے تھے، تاہم اپنی زندگی میں کئی بار دارالعلوم دیوبند میں لیکچر دے کر سینکڑوں شاگرد اور فکری معتقد پیدا کر آئے۔ علامہ صاحب کو یہ موقع نہ ملا کہ وہ اپنے دور طالب علمی میں دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کی نعلین برداری کرتے۔ مگر اللہ کی شان کہ دیوبند والوں نے علامہ صاحب کی علمی عظمت پر مہر تصدیق ثبت کر دی تھی۔ اوروں کو فی الحال چھوڑ یئے، دارالعلوم دیوبند پر سب سے زیادہ اہتمام کا راج کرنے والے اور حجۃ الاسلام حضرت امام نانوتویؒ کے علوم کے حقیقی شارح حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ یوں اقرار کر گئے کہ:

> ”کسی تصنیف و تالیف کی عظمت اور خوبی اُس کے مولف کی عظمت رشخصیت سے جانی جاسکتی ہے۔ ہفت روزہ ”دعوت“ کی تالیف اور سنجیدہ علمی مضامین کی عظمت و مقبولیت کے لیے یہ کافی ہے کہ فاضل محترم علامہ خالد محمود کا اسم گرامی لے لیا جائے۔“
>
> [دعوت، ۲۲، مئی ۱۹۶۴ء، لاہور رعبقات: ۱/۲۱]

علامہ خالد محمود کون ہیں؟ ۵۶ رسال قبل مولانا ولی محمد کا عطر بیز تبصرہ!

مولانا ولی محمد جامعہ قاسم العلوم فقیر والی کے شعبہ تبلیغ کے صدر تھے انہوں نے جولائی ۱۹۶۳ء میں اپنے ایک مراسلہ میں حضرت علامہ صاحب کو جن الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا تھا، وہ عقیدت ہی نہیں، اظہارِ حقیقت کا ترجمان ہے اور گزشتہ اوراق میں مندرج سطور کا پورا مؤید بھی، ملاحظہ فرمایئے:

> ”علامہ صاحب ادیبوں میں ادیب، خطیبوں میں خطیب، مصنفوں میں مصنف، عالموں میں عالم، مناظروں میں مناظر، اور مفکروں میں مفکر ہیں۔ ان کی زبان صداقت کی ترجمان ہے۔ ان کا قلم حقیقت رقم ہے اور وہ قوت حافظہ، وسعتِ مطالعہ، فصاحت، بلاغت، اور علومِ جدید و قدیم میں مہارتِ تامہ کے باعث طبقہ علماء میں اپنے شرف و امتیاز کے بلا شرکتِ غیرے مالک ہیں۔ یہ حقیقت بلا خوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ ان کی صداؤں نے ڈھلتی راتوں کے تاریک

سناٹوں میں بھی اصحاب رسول کا نام بلند کیا ہے انہوں نے نا معلوم کتنے دماغوں میں توحید و ختم نبوت کا اجالا پھیلایا ہے۔ اور نا معلوم کتنے اَن گنت دل ایسے ہیں کہ جن میں انہوں نے صحابہ کرام کی عظمت ثبت کر دی ہے۔ حق یہ ہے کہ ان کی شخصیت ''نگہ بلند، سخن دلنواز جاں پُرسوز'' کا حسین مُرقع ہے۔ زبان و بیان اور علمی و تحقیقی لحاظ ان کی ہر بات شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس کا ایک ایک لفظ حضرت علامہ خالد محمود صاحب کی ذہانت کا آئینہ دار اور ان کے تبحر علمی کا ترجمان ہوتا ہے۔'' [ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور، بابت ۳۱، جولائی ۱۹۶۴ء]

یہاں ایک اور غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو جانا چاہیے کہ مولانا ولی محمد مرحوم کے اس تبصرہ کو جامعہ اشرفیہ، لاہور سے شائع ہونے والے ماہ نامہ ''**الصیانۃ**'' بابت اکتوبر، نومبر ۲۰۱۹ء کی اشاعت میں مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی مرحوم سے منسوب کیا گیا ہے جو کہ غلط انتساب ہے۔ یہ تاثرات مولانا ولی محمد فقیر والی، والوں کے ہیں۔

یہ ساری بحث پیش خدمت کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علامہ صاحبؒ کا فاضل دارالعلوم دیوبند نہ ہونا علامہ صاحب کے لیے نقص یا ان کی قدر و منزلت پر سوالیہ نشان نہیں چھوڑتا۔ البتہ دارالعلوم کا ریکارڈ اس امر کا ضرور متمنی رہے گا کہ کاش اس کے فضلاء کی فہرست میں علامہ خالد محمود جیسی شخصیت کا اسم گرامی بھی ہوتا۔ اسے مبالغہ نہ سمجھئے بلکہ ان لوگوں سے رائے لیجیے جو حافظ ذہبیؒ یا ان کے استاذ ذی قدر علامہ ابن تیمیہ کو پڑھتے ہیں۔ یا پھر جنہوں نے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے وسعت علم و فضل کا کسی قدر نظارہ کر رکھا ہے وہ ضرور شہادت دیں گے کہ علامہ خالد محمودؒ مراتب علمی اور تحقیقی تفوق و تعمق کے لحاظ سے ان اکابر کے ساتھ کس قدر عالی، مربوط، مضبوط اور شاندار نسبت رکھتے تھے۔ چنانچہ یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت علامہ صاحب جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے چشمہ علم کے آب چشیدہ تھے، اب اس کی تفصیل اور اس سے آگے کے احوال ملاحظہ فرمائیے۔ اپنی کوشش کی حد تک ان شاء اللہ ہم سنی سنائی باتوں کو درخور اعتناء سمجھنے کی بجائے ثقہ اور مضبوط شہادتوں کے ساتھ سلطان العلماء کے احوال و آثار قلمبند کریں گے۔

بطور سعادت اس امر کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ بندہ ہی نے ایک بار علامہ صاحب کے نام کے ساتھ ''سلطان العلماء'' کا لقب و سابقہ استعمال کیا تھا، جسے آپ نے اپنے مزاج کے خلاف پا کر ناپسند فرمایا تھا، بندہ نے عرض کیا کہ شیعہ امامیہ برصغیر کے اپنے معروف عالم مولانا سید محمد (متوفی ۱۲۸۴ھ) کو بطور خاص ''سلطان العلماء'' لکھتے ہیں، ان کی سلطانی اسی صورت میں توڑی جا سکتی ہے کہ ہم بکثرت جناب والا کے اسم گرامی کے ساتھ اس کا استعمال کریں۔ حضرت علامہ صاحب اپنے مخصوص انداز میں زیر لب مسکرا دیئے۔ بہر حال کاتب السطور نے اس کے بعد اپنی تحریروں میں اس لقب کا استعمال شروع کر دیا۔ ۱۹۵۵ء کے زمانہ کے تبلیغی اشتہارات اور رسائل و جرائد پر آپ کے نام کے ساتھ ''مفکر اسلام'' کم و بیش ہر جگہ لکھا نظر آتا ہے اور جیسا کہ شروع میں بتایا گیا ہے کہ ''علامہ'' کا استحقاق تو آپ کو اس سے بھی پہلے حاصل ہو چکا تھا، یاد رہے کہ اس زمانہ میں القابات اس قدر سستے داموں فروخت نہیں ہوا کرتے تھے بلکہ حق بہ حقدار رسید کا محاورہ کچھ نہ کچھ معنویت رکھتا تھا۔ اس لیے ایام شباب میں علامہ صاحب کو طبقہ اہل علم میں ان اعزازات سے یاد کیا جانا بھی کسی سند سے کم نہیں ہے۔

علامہ صاحب کا جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا انتخاب کرنا بھی اُن کے ایک خاص ذوق کی وجہ سے تھا، وہ یہ کہ حضرت علامہ صاحب طبعاً شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے مقامِ علمیت کے بہت زیادہ قائل تھے، ایک مرتبہ مکان پر ہونے والی نشست میں ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا عثمانیؒ کا علم منقح تھا، وہ سینکڑوں صفحات پر پھیلی ہوئی بحثوں کو چند سطروں میں سمو دینے پر قادر تھے۔ اس کی مثال فوائد عثمانی ہیں جو ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمۂ قرآن مجید پر بطور تفسیر درج ہیں۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ فتح الملہم سمیت علامہ عثمانیؒ کے ذخیرۂ علوم کو بار بار پڑھنے کے مواقع ملے مگر فوائد عثمانیہ کا لطف اپنی جگہ جوں کا توں رہا۔ آپؒ اکثر و بیشتر طلبہ اور علماء کرام کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بندہ سے فرمایا کہ صبح کے درس قرآنِ مجید کے لیے کون کونسی کتب تفسیر دیکھتے ہو؟ کاتب السطور نے چند تفاسیر کا نام لیا تو فرمایا بھلے ایک درجن مفسرین کے افادات پڑھ لیا کرو مگر آخر میں تفسیر عثمانی کو دیکھنے کا مستقل معمول بنالو۔ جب کاتب السطور نے اس پر عمل کیا تو واقعی روحانیت وطمانیت کا ایک الگ ذائقہ ملا، بہرحال علامہ عثمانیؒ کے ساتھ قلبی لگاؤ اور طبعی مناسبت بھی ڈابھیل جانے کا سبب بنی تھی۔

علامہ صاحب صدیقی النسب قریشی تھے:

علامہ صاحب نسباً ''صدیقی قریشی تیمی'' تھے، آل حضرت ابوبکر صدیقؓ میں یہ نسبت بہت عام ہے۔ اور یہ ایک زمانہ سے استعمال ہوتی چلی آرہی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں صحیح النسب صدیقی اپنے آپ کو عموماً قریشی صدیقی لکھتے، کہلواتے ہیں۔ علامہ صاحب خود تو کبھی اپنے نام کے ساتھ یہ نسبت بطورِ تعارف نہیں لگاتے تھے مگر آپ کے ایک بھائی احسان الحق قریشی مرحوم سے جب ایک بار حضرت علامہ صاحب کی موجودگی میں ملاقات ہوئی اور لفظ ''قریشی'' کی اضافت معلوم ہونے پر کاتب السطور نے استفسار کیا تو تب علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفصیل بتائی تھی۔ (دیکھیے: ۶۱۳/۱ [ادارہ])

نسباً قریشی صدیقی شجرہ پر بہت سی معلوماتی کتابیں بھی طبع ہو چکی ہیں، جن میں سے ایک کتاب ''انساب صدیقی'' لائق مطالعہ ہے جس کے مرتب منصور احمد صدیقی ہیں اور یہ کتاب ۱۹۹۵ء میں پہلی بار اردو میں طبع ہوئی تھی۔ چکوال کے ایک مشہور قدیمی بزرگ حضرت شاہ مُرادؒ کا تعلق بھی اسی خاندان کے ساتھ تھا۔ اور پرانے وقتوں سے اس خاندان کے بہت سے اہل علم تحفظ ناموس صحابہ کرامؓ کے محاذ پر سرگرم عمل رہے جن میں حضرت ایشاںؒ اور شیخ موسیٰ آہنگر جیسی تاریخی شخصیات شامل ہیں اور علامہ صاحب اس محاذ پر انہیں عظیم المرتبت اجداد کا ایک علمی تسلسل تھے۔ علامہ صاحب کے بڑے بھائی احسان الحق قریشی صاحب کامرس کالج لاہور میں پرنسپل رہے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے ایک مرتبہ مکاشفہ کے نتیجہ میں فرمایا تھا کہ حضرت علی بن عثمان المعروف ہجویریؒ کا مدفن شاہی قلعہ میں موجود ایک تہہ خانہ میں ہے اور بیرون بھاٹی گیٹ میں جو مشہور مزار ہے یہ کسی اور بزرگ کا ہے۔ مگر کچھ دنوں کے بعد حضرت لاہوریؒ نے اپنی اس رائے سے رجوع کر لیا تھا، چنانچہ اس رجوع کے حوالہ سے احسان الحق صاحب قریشی نے ایک مضمون بھی شائع کروایا تھا۔ علامہ صاحب کے بھائی احسان الحق قریشی مرحوم کا حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ کے ساتھ بھی گہرا تعلق تھا۔ ان کے پاس مفتی صاحب کی ایک تصویر محفوظ تھی، جس پر آپؒ نے شدید برہمی کا اظہار فرمایا اور حکم دیا کہ یہ تصویر

فوراً دفن کر دی جائے، اس خط کا عکس مولانا عبدالرشید ارشدؒ کی کتاب ''بیس بڑے مسلمان'' نامی کتاب میں موجود ہے۔ مولانا مفتی محمد حسنؒ کا خط پڑھ کر پروفیسر احسان الحق قریشی مرحوم نے بجائے فوٹو دفن کرنے کے وہ مفتی صاحب کو ارسال کر دیا، مفتی صاحبؒ نے جوابی خط میں شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا کہ میں نے اپنی تصویر فوراً چاک کر دی ہے اب آئندہ ایسا نہ کیجیے گا۔ یہ جوابی خط مولانا مفتی محمد حسن کی سوانح ''احسن السوانح''، مطبوعہ جامعہ اشرفیہ، لاہور ۲۰۰۷ء کے صفحہ نمبر ۳۶۴ / پر موجود ہے۔ سوانح نگار جناب حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی ہیں اور حکیم صاحب کے ہاتھ کی صفائی اور دل کا میل ملاحظہ ہو کہ انہوں نے احسان الحق قریشی کا نام لکھنے کی بجائے ''سیالکوٹ کے ایک صاحب'' لکھا ہے۔ کیونکہ پورا نام لکھنے میں علامہ خالد محمود صاحب کی برادرانہ نسبت کا ذکر بھی کرنا پڑتا، سو ۔

مگس کو باغ میں جانے نہ دیجو
کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

لاہور کے علماء کرام میں سے حضرت علامہ صاحب کا تعلق زیادہ تر چھ حضرات کے ساتھ تھا۔ ۱: حضرت سید نفیس الحسینی۔ ۲: مولانا محمد الیاس حضروی۔ ۳: مولانا عبدالرشد ارشد۔ ۴: مولانا عبدالرحمٰن اشرفی۔ ۵: مولانا عبیداللہ انور۔ ۶: اور مولانا محمد اجمل خان رحمہم اللہ

امرتسر میں اسکول و کالج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ علامہ صاحب نے مدرسہ نعمانیہ اور مدرسہ غزنویہ میں اپنی دینی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا، علامہ صاحب نے ایف ایس سی کا امتحان بھی پاس کر لیا تھا اور اس زمانہ میں مولانا داؤد غزنویؒ کے بھتیجے ڈاکٹر خالد غزنوی آپ کے کلاس فیلو تھے۔ درس نظامی کی کتب پڑھنے کی کیفیت یہ تھی کہ خداداد صلاحیتوں کے نکھار کے لیے ایک کامل استاذ کی صحبت میں کسی بھی فن کی کتاب کھلنے کی دیر ہوتی تھی کہ علامہ صاحب کے دماغ سے جواہر ریزے بارش کے قطروں کی طرح ٹپکنا شروع ہو جاتے۔ علامہ صاحب بطور تحدیث بالنعمت فرماتے تھے کہ طالب علمی کے زمانہ میں جبکہ میں قاضی مبارک، شمس بازغہ، صدرا، توضیح وتلویح اور شرح چغمینی کی عبارتیں بے تکلف اور فر فر پڑھتا تھا تو کسی نے میرے والد گرامی پیر محمد غنی سے کہا کہ آپ کا بیٹا بہت ذہین و فطین ہے اس کا راز کیا ہے؟ تو والد صاحب نے جواب دیا کہ میں نے اس کا عقیقہ نہایت اہتمام اور اخلاص سے کیا تھا۔ اس بات کی وضاحت میں علامہ صاحب فرماتے تھے کہ بچے کا عقیقہ بروقت اور جس قدر اخلاص کے ساتھ ہوگا، اور اس میں مشکوک آمدن کا دخل نہیں ہوگا تو بچہ اس قدر ذکی الطبع اور صحت مند ہوگا۔ نیز تا دمِ آخر وہ ہمہ قسم کی نظر بد اور جادو ٹونے سے محفوظ رہے گا۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ کسی بچے کے عقیقہ کا گوشت اگر لذیذ پکا ہو تو یہ بچے کی خوش بختی کی دلیل ہوتی ہے اور اگر کسی ولیمے کا کھانا لذیذ ہو تو یہ کامیاب ازدواجی زندگی کی بشارت ہوتی ہے۔

''کوڑ تُمّہ'' کا ایک دلچسپ واقعہ

حضرت علامہ صاحب لڑکپن سے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکے تھے کہ آپ کی بچپن کی ایک عادت کی وجہ سے والدین پریشان رہتے تھے وہ یہ کہ علامہ صاحب نچلا ہونٹ دائیں جانب سے دانتوں کے نیچے دبا کر رکھتے تھے جس کی وجہ سے وہ اکثر پھولا

رہتا تھا، یہ عادت ترک کروانے کے لیے کافی جتن کئے جاتے مگر عادت نہ چھوٹتی۔ تا آنکہ علامہ صاحب کے والد گرامی نے ایک ملاقات میں معروف اہل حدیث مناظر مولانا ثناء اللہ امرتسری سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان کے ہونٹوں پر ''کوڑ تمہ'' مل لیا کریں تو کڑواہٹ کی وجہ سے یہ ہونٹ چبانا ترک کر دیں گے۔ ''کوڑ تمہ'' ایک بیل دار بوٹی کا پھل ہوتا ہے جس کی جڑیں کافی لمبی ہوتی ہیں اور برسات کے موسم میں زیادہ تر یہ صحرائی علاقوں میں اُگتا ہے۔ اور اس کا ذائقہ نہایت کڑوا ہوتا ہے۔ عربی میں اسے حنظل، فارسی میں خربوزۂ تلخ اور اردو میں تمبہ نیز علاقائی زبانوں میں ''کوڑ تمہ'' کہا جاتا ہے۔ اطباء دواؤں میں اس کا استعمال کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس کا ایک نام ''اندرائن'' بھی ہے۔ علامہ صاحب کے والد گرامی نے کہا کہ یہ کوڑ تمہ، اپنے ہونٹوں پر کیسے لگانے دیں گے؟ مولانا ثناء اللہ صاحب نے فرمایا کہ اس کا حل میرے پاس ہے جو اگلی کسی ملاقات میں آپ کو بتا دوں گا۔ کچھ دنوں کے بعد امرتسر کی ایک مسجد میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تقریر تھی۔ علامہ صاحب مع والد گرامی وہاں جا پہنچے تو یہاں علامہ صاحب نے پہلی مرتبہ مولانا ثناء اللہ صاحب کو دیکھا اور ان کے فن مناظرہ، زبان کی سلاست اور گفتگو کی بلاغت سے بہت متاثر ہوئے۔ مولانا امرتسری مرحوم نے علامہ صاحب سے بیضاوی شریف یا غالباً صحیح مسلم کے مقدمہ میں سے عبارت پڑھنے کا کہا، علامہ صاحب فرماتے تھے کہ اگرچہ میرے کتب احادیث کے اسباق ابھی شروع نہیں ہوئے تھے مگر علم حدیث کے ساتھ قلبی مناسبت اور علوم خادمہ پر کافی کچھ محنت کے نتیجہ میں میں نے پوری صحت کے ساتھ صحیح مسلم کی عبارت مع متن وشرح کچھ اس انداز میں سنائی کہ مولانا ثناء اللہ مرحوم فرمانے لگے بہت خوب! اگر آپ ہونٹوں پر ''کوڑ تمہ'' لگا کر عبارت پڑھنے کی ترتیب بنا لیں تو عربی مزید آپ کی زبان پر ایسے جاری ہو جائے گی جیسے امرتسریوں کی زباں پر ماجھی پنجابی! علامہ صاحب فرماتے تھے کہ میں نے سوچا یہ اتنے بڑے اور معروف عالم ہیں ممکن ہے یہ اس قسم کے تجربہ سے گزرے ہوں، سو میں نے شوقِ علم میں اگلے روز ہی سے اس نسخے پر عمل شروع کر دیا جو اگرچہ بمشکل تمام دو دن سے زیادہ جاری نہ رہ سکا، تاہم ہونٹ چبانے والی عادت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوٹ گئی۔ کاتب السطور سمیت دیگر بہت سے حضرات نے بھی بارہا دیکھا ہو گا کہ حضرت علامہ صاحب مولانا ثناء اللہ امرتسری کے مناظرانہ واقعات دلچسپی سے سنایا کرتے تھے۔ ایک مقام پر بقلمِ خود لکھتے ہیں:

> ''مولانا ثناء اللہ امرتسری علماء دیوبند اور جماعتِ اہل حدیث کے مابین ایک نقطۂ اتصال تھے، آپ دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے مگر مسلک ترکِ تقلید کا ہی رہا۔ تاہم آخر دم تک علماء دیوبند سے بہت قریب کا تعلق رہا۔''

[آثار الحدیث: ۳۸۱/۲، مطبوعہ ۱۹۹۵ء لاہور]

غالباً اسی دورِ طالب علمی کے تاثرات کی وجہ سے ان کے ساتھ علامہ صاحب کو مناسبت ہو گئی تھی۔ ویسے بھی آپ کا مزاج تھا کہ محض شخصیات سے بُعد نہیں رکھتے تھے بلکہ آپ کے پیش نظر ہمیشہ نظریات وافکار ہوتے جن کا دلائل وحجت کے ساتھ تبادلہ کر کے آپ دین اسلام کی اساسی تعبیرات کی حفاظت کا فریضہ اس قدر عجیب وغریب نکات کے ذریعے سرانجام دیتے کہ سننے والے علامہ صاحب کے علم ودانش پر سر دھنتے رہ جاتے۔ البتہ فقہ حنفی پر تصلب اور حضرت امام اعظمؒ کی شان فقاہت ومقام تفقہہ پر اس قدر اعتماد

تھا کہ جب کبھی آپ اس عنوان پر لب کشا ہوتے تو اپنی عطر بیزی سے پورا ماحول معطر کر دیتے۔ جیسا کہ گزشتہ اوراق میں ہم یہ بات لکھ آئے ہیں کہ حضرت علامہ صاحب کی تعلیمی و تربیتی زندگی میں حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ امرتسری کا گہرا عمل دخل تھا۔ علامہ صاحب تو جدی پشتی امرتسری تھے مگر حضرت مفتی صاحب کی حسن ابدال کے قریبی گاؤں ''مل پور'' میں ولادت ہوئی تھی۔ آپ کے امرتسر جانے کی سبیل یہ بنی تھی کہ آپ نے ڈھینڈہ میں عالم نبیل حضرت مولانا محمد معصومؒ سے علوم عقلیہ یعنی منطق اور فلسفہ کے علاوہ نحوی علوم پر کافی دسترس حاصل کی تھی اور اپنے تمام اساتذہ میں سے ان کے ساتھ قلبی لگاؤ ہو گیا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد معصوم امرتسر تدریس کے لیے منتقل ہوئے تو انہوں نے مفتی صاحب کو بھی بلا لیا، جہاں پر آپ نے مدرسہ غزنویہ میں اپنی تعلیم مکمل کر کے دورۂ حدیث شریف کیا۔ اور پھر حضرت مفتی صاحب کا وطن ہی امرتسر ہو گیا۔ یہاں بطور ریکارڈ یہ عرض کر دینا بھی مناسب ہے کہ مدرسہ غزنویہ سے فراغت کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ کے دل میں حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہونے کا جب داعیہ پیدا ہوا اور خانقاہ تھانہ بھون جا کر خواہش قلبی ظاہر کی تو حضرت تھانویؒ نے مشروط طور پر بیعت کرنے کا ارشاد فرمایا اور تین شرطیں پیش فرمائیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱) کسی ماہر فن تجوید سے قرآن مجید کی تعلیم از سر نو حاصل کی جائے۔

۲) کسی حنفی مدرسہ میں دوبارہ دورۂ حدیث شریف کیا جائے۔

۳) حکیم غلام مصطفیٰ بجنوریؒ سے پچیس عدد اصلاحی خطوط کا تبادلہ کر کے وہ خطوط مجھے دکھائے جائیں۔

سلطان العلماء حضرت علامہ صاحبؒ حضرت حکیم الامت کی ان شرائط کی شرح میں فرماتے تھے کہ عام طور پر برصغیر کے علماء باقی علوم وفنون میں تو کامل توجہ دیتے ہیں مگر قرآنِ مجید با تجوید پڑھنے کی طرف ان کی توجہ بہت کم ہوتی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا صوفی محمد سرور رحمہ اللہ کا یہ ارشاد بھی دلچسپ مگر فکر انگیز ہے کہ علماء تجوید اور ریاضی میں کمزور ہوتے ہیں، جبکہ یہی دونوں چیزیں ان کے لیے بہت اہم ہیں، قرآن مجید کی اہمیت تو مسلمہ ہے اور علم میراث کی مکمل تفہیم اور ابلاغ کے لیے علم ریاضی میں مہارت ضروری ہے۔ حضرت علامہ صاحب فرماتے تھے کہ اگرچہ مسلک اہل حدیث میں جید اور زہد و ورع سے مزین اکابرین رہے ہیں مگر عمومی طور پر تارکین تقلید کی تعلیمی فضاؤں میں سلف بیزاری کی گھٹن پائی جاتی ہے۔ اس لیے حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ نے مولانا مفتی محمد حسن کو دوبارہ دورۂ حدیث شریف کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ جیسے جہابذہ امت سے علوم حدیث کے جام پیے۔ حسب حکم مولانا قاری محمد کریم بخشؒ سے فن قراءۃ کی سند بھی حاصل کی اور بفحوائے ارشاد حکیم غلام مصطفیٰ بجنوریؒ سے پچیس عدد خطوط کا تبادلہ کر کے وہ خطوط حضرت حکیم الامت کی خدمت میں پیش کیے تو آپ کو بیعت کر لیا گیا۔

حضرت علامہ صاحبؒ کے دورِ طالب علمی میں بطور خاص حضرت مفتی صاحب کی توجہات ان کے شامل حال رہیں اور یہ رشتہ اس قدر مضبوط ہوا کہ حضرت علامہ صاحب مفتی محمد حسنؒ کے حقیقی بیٹوں میں ''بیٹے'' کے طور پر شامل رہے۔ اکابرین جامعہ

اشرفیہ نے علامہ صاحب کی قدر شناسی کا حق ادا کیا۔آپ جب کبھی پاکستان تشریف لاتے تو دورۂ حدیث شریف کے طلبہ کو مختلف ازمنہ میں مؤطا امام مالک، صحیح مسلم، طحاوی شریف اور بخاری شریف کچھ ایسے انداز سے پڑھاتے رہے کہ طالبانِ علوم کے دلوں کی کھیتیاں ہری ہو جاتیں اور علامہ صاحب کی چند ماہ کی تدریس طلبہ کے اندر اس قدر روحانی توانائی بھر دیتی تھی کہ وہ نہ صرف عصر حاضر کے فتنوں سے آگاہ ہو جاتے بلکہ فتنوں کی سرکوبی کرنے کے جذبات بھی ان میں امنڈ آتے تھے۔علامہ صاحب اس شان کے ساتھ دارالحدیث میں تشریف لاتے کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ بدرالدین العینیؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ جیسے محدثین ثلاثہ کے انوارات آپ کے چہرے سے ٹپکتے محسوس ہوتے۔

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

علامہ صاحب کی ڈابھیل روانگی اور دفتر تنظیم اہل سنت امرتسر کی افتتاحی تقریب:

یہ ۱۹۴۳ء کے زمانہ کی بات ہے کہ ڈیرہ غازی خان کے ایک بڑے زمیندار جناب سردار احمد خاں پتافیؒ کے دل میں تحفظ ناموسِ صحابہ کرامؓ اور تحفظ ختم نبوت کے لیے اہل سنت کو مجتمع کرنے کا خیال پیدا ہوا۔سردار صاحب مرحوم کا یہ خیال اس قدر اخلاص و بے لوثی پر مبنی تھا کہ اگلے چند سالوں میں امرتسر سے کاغان تک اور لاہور سے بلوچستان تک ''تنظیم اہل سنت'' عودِ ہندی کی بھینی بھینی خوشبو کی طرح پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔حالانکہ اُس زمانہ میں تحریک کو اٹھان دینا بہت مشکل کام تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ مجلس احرار اسلام، جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت، یونینسٹ پارٹی، اور تحریک خاکسار جیسی جماعتوں کا طوطی بول رہا تھا۔اس کے علاوہ تقسیم ہند کی تحریک کامیابیوں کے مراحل طے کر رہی تھی۔اور پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے مکمل و روشن امکانات سامنے تھے۔تیسری جانب مرزائیت کے گمراہ قہقہے بھی اپنے جوبن پر تھے۔آریہ سماج کی تحریک الگ اپنے پنجے گاڑے سادہ لوح مسلمانوں کو برباد کر رہی تھی۔ان حالات میں سردار صاحب مرحوم نے برصغیر کے چپے چپے کا سفر کر کے علماء کرام کو بیدار کیا۔بیدار ہونے والوں کی اس پہلی کھیپ میں مولانا سید نورالحسن شاہ بخاری، علامہ ڈاکٹر خالد محمود، علامہ مولانا عبدالستار تونسوی، علامہ دوست محمد قریشی، خواجہ نظام الدین تونسوی، مولانا محمد نافع اور جناب خان محمد کمتر مرحوم (شاعر) جیسے لوگ شامل تھے۔(دیکھیے: ۱/۷۰)

اسے حسن اتفاق سے تعبیر کیجیے کہ تنظیم بنانے کا خیال ڈیرہ غازی خان میں بیٹھے سردار احمد خان پتافی مرحوم کے دل میں آتا ہے، مولانا سید نورالحسن شاہ بخاریؒ ان کا دایاں بازو بن کر سامنے آتے ہیں جبکہ تنظیم کا پہلا دفتر ''امرتسر'' میں قائم ہوتا ہے جہاں سردار صاحب مرحوم اور مولانا سید نورالحسن شاہ بخاریؒ کی باریک اور عقابی نگاہیں علامہ ڈاکٹر خالد محمود کو تاڑ لیتی ہیں۔یہ اخلاص ہی کے نتائج تھے وگرنہ نمود و نمائش کے شوقین جب جماعتیں بناتے ہیں تو ایسی جماعتیں اپنے پیروں پر کھڑی ہونے سے پہلے ہی کاٹھ کباڑ کی نذر ہو جاتی ہیں، نہ انہیں شخصیات میسر آتی ہیں، نہ زمین ہموار ہوتی ہے اور نہ مثبت افکار کی لہریں بحرِ عمل میں ہلچل پیدا کرتی ہیں۔لیکن سردار احمد خان صاحب مرحوم کا عزم بلند تھا، سوچ پاکیزہ تھی اس لیے وہ بے ثمر اور لاحاصل نہ رہے۔۱۲/دسمبر ۱۹۴۳ء کو

باضابطہ طور پر ''تحریک تنظیم اہل سنت'' کی بنیاد رکھی گئی۔ حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ لکھتے ہیں:

''میں ۱۹۴۰ء میں دار العلوم دیوبند سے فارغ ہو کر آ گیا تھا۔ ۴۰ء سے ۴۳ء تک تقریباً چار سال سردار صاحبؒ نے راقم بخاری، مولانا مشتاق احمد اور محترم صوفی کریم بخش کو ساتھ لے کر تونسہ، چوٹی زیریں، کوٹلہ مغلاں اور روجھان وغیرہ مقامات کا سفر کیا اور حضرت خواجہ نظام الدین صاحب، نواب محمد جمال خان لغاری، نواب زادگان مزاری وغیرہ سے ملاقاتیں کیں اور اپنا دردِ دِل پیش کیا۔ چونکہ اس اہم تحریک کی خدمت اہتمام کا شرف راقم کو نصیب ہوا لہٰذا میں نے تحریک کے اغراض ومقاصد شائع کر کے شروع فروری ۴۴ء سے وسط اپریل تک لاہور، امرتسر، سہارن پور، دیوبند، میرٹھ، دہلی اور لکھنؤ کا سفر کر کے اکابر ملت سے ملاقاتیں کیں اور ۱۴/ اپریل ۱۹۴۴ء کو امرتسر میں مرکزی دفتر کھول دیا گیا۔'' [بیس بڑے مسلمان: ۹۰۴، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۶ء]

امرتسر میں قائم ہونے والے اس پہلے دفتر کی افتتاحی تقریب میں حضرت علامہ صاحب اسٹیج سیکرٹری مقرر ہوئے تھے۔ کاتب السطور نے ایک بار جب اس کی روداد علامہ صاحب سے پوچھی تو سردار احمد خان پتافی، سید نور الحسن شاہ بخاری اور امرتسر کے اس پہلے دفتر کی یادیں تازہ کر کے علامہ صاحب کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو اس ربط کے ساتھ ان کے ڈاڑھی مبارک پر گرے تھے کہ اب تک وہ منظر بھول نہیں پایا۔ تب علامہ صاحب نے دوران گفتگو تین چار مرتبہ مختلف جذبات کے ساتھ یہ شعر پڑھا تھا۔

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

یہ وہ وقت تھا جب علامہ صاحب صرف ونحو کی ابتدائی کتب سے لے کر منقولات ومعقولات اور فقہ واصول کی تمام کتب پڑھ لینے کے بعد دورۂ حدیث شریف کے لیے کسی بڑی دینی درسگاہ کے انتخاب میں مصروف تھے۔

میں اپنے ددھیال اور ننھیال کے فکری تصادم کا نتیجہ ہوں، علامہ صاحب کا دلچسپ قول

حضرت علامہ صاحب فرماتے تھے کہ میری والدہ ماجدہ راسخ العقیدہ سنی تھیں، مگر ننھیال میں اکثریت اہل تشیع کی تھی، دوسری جانب ددھیال کی اکثریتی آبادی رسومات ورواج پر خوب عمل پیرا تھی، گو وہ نظریاتی اعتبار سے ''رضویت'' سے نا آشنا تھے مگر علاقائی رسومات اور روایات کی بناء پر شعور وآگہی سے بھی محروم تھے۔ اکابرین اہل سنت دیوبند کا ہمارے ہاں تعارف پروپیگنڈوں کی وجہ سے مثبت پیرائے میں نہ تھا۔ چنانچہ جب دورۂ حدیث شریف کرنے کا وقت آیا تو اب یہ پہلا موقع تھا جب میں نے اپنے شہر سے باہر جا کر اقامت پذیر ہونا تھا۔ کیونکہ اب تک اسکول، کالج اور مدرسہ امرتسر ہی میں تھے اور مجھے باہر کی دنیا میں گھر سے باہر والے ماحول میں رہنے کا تجربہ نہیں تھا۔ والد صاحب پیر محمد غنی جو کہ ''صابری'' تخلص بھی کرتے تھے۔ ان کا اور خاندان کے دیگر بزرگوں کا فیصلہ ہوا کہ دورۂ حدیث شریف کے لیے مجھے ''بریلی'' بھیجا جائے جبکہ ننھیال میں اہل تشیع مزاج کے بعض خاندانی بزرگوں نے آنکھیں بند کر کے فیصلہ کن انداز میں کہا کہ کچھ بھی ہو، خالد محمود کو لکھنؤ کے مدرسۃ الواعظین میں داخل کروایا جائے گا تا کہ آصف الدولہ کے امام باڑہ سے فیض یابی کی سبیل بھی نکل سکے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں فیصلے ناقابل عمل تھے۔ امرتسر میں دفتر تنظیم اہل سنت کی

افتتاحی تقریب میں مولانا سید نورالحسن شاہ بخاری اور مولانا محمد شفیع سنکھتروی نے مشورہ دیا تھا کہ آپ دارالعلوم جائیں اور جلد سے جلد واپس آ کر تنظیم اہل سنت میں عملاً اپنا کردار ادا کریں۔ خیر، علامہ صاحب فرماتے تھے کہ میرے ددھیال ونھیال کے اس اختلاف نے جب طول پکڑا تو بیچ میں سے خیر کا پہلو نکل آیا وہ یوں کہ فریقین نے اپنی اپنی ضد پر قائم رہتے ہوئے اس امر پر رضا مندی ظاہر کر دی کہ خالد محمود کو نہ تو بریلی بھیجا جائے کہ ننھیال ناراض ہوں اور نہ لکھنو کہ ددھیال خفا ہوں۔ البتہ ان کو "دیوبند" بھیج دیا جائے، چنانچہ اس فیصلہ پر سبھی متفق ہو گئے۔ حضرت علامہ صاحب بطور مزاح فرماتے تھے کہ مجھ پر اس کبڑے کی مثال صادق آتی ہے جسے غصہ سے ایک شخص نے زور سے ٹانگ ماری تو اس کا کبڑا پن نکل گیا تھا، وہ خوشی سے لوگوں کو بتاتا تھا کہ "فلاں نے تو اپنا غصہ نکالا، میرا کبڑا پن نکل گیا۔" اس لیے آپ فرمایا کرتے تھے کہ بفضل اللہ العظیم میں نے دنیا بھر میں اکابرین علماء اہل سنت دیوبند کی نظریاتی املاک پر پہرہ دیا ہے اور یہ فی الاصل میرے ددھیال ونھیال کے فکری تصادم کا فطری نتیجہ تھا۔

قارئین کرام! یہاں آ کر اب ہم اس مقام پر آ پہنچے ہیں کہ علامہ صاحب نے دارالعلوم کا انتخاب کیوں نہ کیا تھا؟ ڈابھیل کا سفر کیوں کیا؟ سو اس امر کی عقدہ کشائی آمدہ سطور میں کی جاتی ہے۔ حضرت علامہ صاحب نے دو شخصیات کی عقیدت والفت میں دیوبند شریف کا سفر کرنا تھا ایک شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور دوسرے شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی۔ کیونکہ آپ نے ان دو ہستیوں کی علمی و عملی زندگی سے بہت گہرا اثر لے رکھا تھا۔ اگر مولانا شبیر احمد عثمانی کے پیکر علم کی چھٹکتی چاندنی پر آپ فدا تھے تو دوسری جانب حضرت شیخ مدنی کا رشک گلاب چہرہ، مجاہدانہ عملی زندگی اور آزادئ وطن کی تڑپ ورضاء الٰہی کی طلب نے حضرت علامہ صاحب کی آنکھیں خیرہ کر رکھی تھیں، مگر ہوا یہ کہ ۱۹۴۴ء والے سال میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نینی تال جیل میں پابند سلاسل تھے جس کی تفصیل یہ ہے کہ مؤرخہ ۲۴ رجون ۱۹۴۲ء کو آپ کی گرفتاری عمل میں آئی اور مراد آباد، الہ آباد و نینی تال وغیرہ کی جیلوں میں آپ کو محبوس رکھا گیا تھا۔ دو سال دو ماہ اور دو دن کی طویل اسارت کے بعد مورخہ ۲۶ راگست ۱۹۴۴ء بمطابق ۶، رمضان المبارک پروانہ رہائی ملا تو آپ جیل سے باہر تشریف لائے اور پھر چند دن دیوبند شریف رہ کر سلہٹ جا کر اقامت گزیں ہوئے۔ ماہ شوال میں پھر واپس دیوبند تشریف لائے۔

حضرت شیخ مدنی کی اس گرفتاری اور حکومت کے عزائم کی بناء پر ہر شخص یہی نتیجہ اخذ کر چکا تھا کہ اب آٹھ دس سال سے پہلے آپ کی رہائی ممکن نہیں ہے۔ یہی وہ دورِ اسارت ہے جس میں آنجناب نے مشہور زمانہ کتاب "نقش حیات" تصنیف فرمائی تھی۔ حضرت علامہ صاحب کو بھی حالات سے یہی اندازہ ہوا کہ حضرت شیخ مدنی کی اسیری کا سلسلہ طول پکڑ گیا ہے اور آپ کی جگہ دارالعلوم دیوبند میں بخاری شریف کا سبق حضرت مولانا فخر الدین کے سپرد کر دیا گیا ہے تو آپ نے دارالعلوم کی بجائے ڈابھیل جانے کا پروگرام ترتیب دے دیا، کیونکہ حسن اتفاق سے ماہ جنوری ۱۹۴۴ء بمطابق ۲۴ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ تا ۱۹۴۴ء بمطابق شعبان المعظم ۱۳۶۲ھ والا سال علامہ عثمانی نے ڈابھیل میں بخاری شریف پڑھائی تھی۔ یاد رہے کہ ڈابھیل میں چلے جانے کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی چند سال وہاں رہ کر پھر دیوبند تشریف لے آئے تھے پہلی مرتبہ آپ ۱۹۲۷ء میں حضرت مولانا علامہ انور شاہ

کشمیری کے ہمراہ تشریف لے گئے تھے جہاں حضرت کشمیری شیخ الحدیث اول اور علامہ عثمانی شیخ الحدیث دوم کے طور پر مقرر ہوئے۔ پھر جب ۱۹۳۳ء میں امام کشمیری رحلت فرما گئے تو علامہ عثمانی شیخ الحدیث اول یعنی امام کشمیری کے جانشین مقرر ہوئے۔

جس طرح قدرت کی جانب سے مولانا سید حسین احمد مدنی کی کتاب ''نقش حیات'' کا مقام تالیف نینی تال جیل مقدر تھا، م ایسے ہی ترجمہ حضرت شیخ الہند پر مولانا شبیر احمد عثمانی کے حاشیہ کا اکثر حصہ اور صحیح مسلم شریف کی شرح کی تالیف بھی ڈابھیل کے لیے لکھی جا چکی تھی۔ دونوں ہی حضرت شیخ الہند کے شاگرد تھے دونوں کا الگ الگ ذوق اپنے استاذ گرامی کی لامحدود اور بے پناہ وسعتِ فکر کا پتہ دیتا تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ دیکھنے والے اگر حضرت مدنی کو دیکھتے تو انہیں کو دیکھتے رہ جاتے اور اگر علامہ عثمانی کے بحرِ علم میں تیراکی کرتے تو پھر اسی کی تیراکی کرتے رہ جاتے۔ دونوں کی عظمت کے کیا کہنے، علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ یہاں ڈابھیل میں کم و بیش ۹ رسال رہے اور ان حضرات کے قدوم میمنت لزوم سے ڈابھیل کا نام بھی دیو بند کی طرح چہار دانگ عالم میں معروف ہو گیا۔ اللہ کے نیک بندوں کے پیروں کے تلوے بھی کیا عجب بہاریں پیدا کر دیتے ہیں ۹، سال ڈابھیل قیام کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو دوبارہ دیو بند میں بطور وائس چانسلر (صدرِ مہتمم) لایا گیا۔ چند سال بعد پھر بعض ناگفتہ احوال کی بناء پر آپ دوبارہ ڈابھیل تشریف لے گئے۔ اور یہی وہ سال تھا کہ جس میں ہمارے ممدوح سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود نے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے کسب فیض کیا اور دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ تاریخی ریکارڈ کی درستی کے پیش نظر قارئین کو یہ بات مستحضر رہنی چاہیے کہ جس سال علامہ صاحب ڈابھیل گئے تھے، اسی سال ہی حضرت شیخ مدنی کی رہائی عمل میں آ گئی تھی۔ مگر چونکہ اس سے قبل کے حالاتِ عمومی حضرت کی قید کے دورانیے کے طویل ہونے کا پتہ دے رہے تھے۔ اور ذرائع ابلاغ محدود تھے۔ جس کی وجہ سے معلوم نہ ہو سکا کہ ماہ رمضان المبارک میں حضرت مدنی کی رہائی ہو چکی ہے، شوال المکرّم میں عربی مدارس میں اسباق کی ابتداء ہو جاتی ہے۔ عید الفطر کے متصلاً بعد علامہ صاحب جب ڈابھیل جا کر داخلہ لے چکے تو پتہ چلا کہ حضرت مدنی کی رہائی عمل میں آ گئی ہے۔ مگر اس پر بھی انھیں پچھتاوا اِس لیے نہ ہوا کہ کیونکہ علامہ شبیر احمد عثمانی ڈابھیل میں ہی تھے، جن کے ذوق علم، لطافت فہم اور ندرت وحکمت کا سحر زندگی بھر علامہ صاحب کے دل پر موجود رہا اور آپ ہر جگہ بالخصوص نجی مجلسوں میں حضرت عثمانی کا تذکرہ بہت آبدیدگی اور کمال محبت کے ساتھ فرماتے تھے۔

علامہ صاحب کی منصفانہ اور عادلانہ طبیعت کا ایک لائق تقلید نمونہ

یہاں ہم یہ عرض کیے بنا نہیں رہ سکتے کہ اکابرین دار العلوم دیو بند کے مابین ماضی میں سیاسی، ذوقی یا انتظامی نوعیت کے جس قدر اختلافات رونما ہوئے تھے اور ان روشن ضمیر بزرگوں کو باوجود نیک نیتی اور بے نفسی کے جن آزمائشوں سے گزرنا پڑا تھا، وہ بعد والوں کے لیے اپنی جگہ ایک مستقل عبرت، سبق اور اجتماعی شعور کو اجاگر کرنے میں ایک بے مثال اہمیت کے حامل ہیں۔ زندہ انسانوں میں آخر اختلافات کہاں نہیں ہوتے؟ لیکن صحابہ کرامؓ سے لے کر اکابرین دار العلوم تک اپنی اپنی ایمانی اور علمی حیثیت کے مطابق جس دیانت واخلاص کا دامن تھام کر اظہارِ اختلاف کیا گیا، اگر انہیں سبق اور ہدایت حاصل کرنے کے ارادہ سے بغور پڑھا

جائے تو بعد والوں کو پُرسکون زندگی گزارنے کے کامیاب ترین فارمولے مل جاتے ہیں۔

تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ نا قابل انکار ہے کہ اپنے ممدوحین کے دفاع میں شاہراہ انصاف پر سو فیصد برقرار رہنا بھی بہت بھاری مجاہدہ ہے۔لیکن اس امت کے اندر کچھ ایسے خوش خصال بھی موجود رہے ہیں کہ جو اس گھاٹی سے پوری کامرانی کے ساتھ گزرے ہیں اور ماحول وفضا کی تند وتیز ہوائیں انہیں جادۂ اعتدال سے پرکاہ بلکہ سر مو جتنا بھی دائیں بائیں نہ کر سکیں۔اکابرین دارالعلوم میں مدنی اور تھانوی نام سے جو دو ذوق پائے جاتے ہیں، افسوس کہ اس کو بدذائقہ کرنے میں انسانی کمزوریوں نے اپنی کرشمہ گری دکھائی ہے۔اور کہیں کہیں تو صریح ظلم کا ارتکاب کیا گیا ہے۔حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی سوانح پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی مرحوم نے ''حیات عثمانی'' کے نام سے لکھے جنہیں مکتبہ دارالعلوم کراچی شائع کرتا چلا آرہا ہے۔پروفیسر صاحب مرحوم نے اگرچہ نہایت محتاط اور جچے تلے انداز تحریر سے حضرت مولانا مدنی کی پالیسیوں اور افکار کو ہدفِ تنقید بنایا ہے، تاہم کتمان حقیقت کے کانٹے پھر بھی جگہ جگہ بکھرے نظر آتے ہیں۔اس کے ردعمل میں حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینیؒ نے جب حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی سوانح ''چراغِ محمد'' کے نام سے قلمبند فرمائی تو انہوں نے ''حیات عثمانی'' کے ایرادات پر زبردست چوٹ کی اور حضرت مدنیؒ کی ذات شریف کا خوب خوب دفاع کیا اور ساتھ ہی پروفیسر صاحب انوار الحسن شیر کوٹی مرحوم کو بھی اڑنگے پر لاکر وہ پٹخنیاں دیں کہ انہیں ریت میں کشتیاں تیرتی نظر آنے لگیں۔

دوسری مثال ملاحظہ کیجیے۔فیض انبالوی اور شفیق صدیقی نے ادارہ سیرت نابھہ روڈ لاہور کی جانب سے ''حیاتِ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی'' شائع کی تھی۔یہ کتاب علامہ عثمانیؒ کے وفات والے سال ۱۹۴۹ء میں چھپی تھی۔اس میں ان دو مصنفین نے مل کر اس بات پر اپنی پوری قوت صرف کر دی کہ:

> ''موصوف (علامہ عثمانی) نے اس دور میں خاص طور سے اپنی مادر علمی کی طرف توجہ منعطف فرمائی جب وہاں مولانا حسین احمد مدنی اور ان کے ہم خیال کانگریس کی متحدہ قومیت کی تبلیغ کرنے لگے۔دوقومی نظریہ پر شاعرِ اسلام حضرت علامہ اقبال اور مولانا حسین احمد مدنی کے درمیان بڑے معرکہ کا ایک قلمی مظاہرہ بھی ہوا تھا جس میں علامہ مرحوم نے بتائیدالٰہی پوری فتح حاصل کی تھی۔اس ضمن میں علامہ اقبال کے اشعار زبان زدِ خلائق ہو گئے تھے۔'' [حیات شیخ الاسلام، صفحہ نمبر ۲۶، مطبوعہ ادارۂ سیرت، لاہور ۱۹۴۹ء]

> تمہیں کہو یہ انداز گفتگو کیا ہے؟

اس عبارت کے اندر کس قدر زہر بھرا گیا ہے، اِنصاف کو کیسے کند چھری کے ساتھ ذبح کرنے کی کوشش کی گئی ہے؟ حضرت شیخ مدنیؒ کے ساتھ عناد کے جذبات نے علامہ اقبال مرحوم کے ساتھ پیش آمدہ قضیہ کا فیصلہ بھی سنا دیا ہے کہ اقبال مرحوم کو فتح ہوئی تھی اور تائید الٰہی انہیں حاصل تھی، خوب، بہت خوب، منہ اور قلم کے آگے گڑھا تو ہوتا نہیں کہ جس میں گر جانے کا خطرہ ہو، رہا خوفِ خدا، تو اس کی ضرورت ایسوں کو شاید نہیں کیونکہ حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے محبت کے نام پر سبھی کچھ روا ہو جاتا ہے۔اور دونوں بزرگوں کے مابین ہونے والے اختلاف میں اقبال مرحوم کی شاعری جو کود پڑی تھی تو یہ مت ذکر کیجیے کہ انہوں نے علامہ

طالوت کے کہنے پر ان اشعار سے رجوع کر لیا تھا، یہ بھی مت پوچھئے کہ شخصی عظمت میں اقبال مرحوم کہاں کھڑے ہیں اور شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام کیا ہے؟ یہ بھی مت پوچھئے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہونے کے اعزاز میں علامہ عثمانی کے ساتھ حضرت مدنی شریک ہیں یا علامہ اقبال؟ اور اسے بھی جانے دیجیے کہ تقویٰ وللّٰہیت، شانِ محدثیت اور فرزند دار العلوم دیوبند ہونے کی نسبت سے علامہ عثمانی علیہ الرحمۃ کے ہم مشرب و ہم پیالہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں یا علامہ اقبال؟ صاحب آپ کیا انصاف کی دعوت دینے بیٹھ گئے؟ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ کون کیا ہے؟ ہم تو روز محشر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خُلد بریں میں داخل ہونے کے خواہشمند ہیں جس کا حل فقط یہی ہے کہ حضرت شیخ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف جس نے جو کہہ دیا، لکھ دیا وہ ہماری آنکھوں کا کاجل ہے۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ چند بزرگ ہستیاں ایسی موجود ہیں کہ جو واضح طور پر ایک کیمپ میں ہونے کے باوجود دوسرے کیمپ سے برابر ادب واحترام کا رشتہ رکھے رہے اور نہایت متوازن ومعتدل مزاج اور اعلیٰ اخلاق کے ساتھ اسی دنیائے آب وگل میں طویل زندگیاں گزار کر سرخروئی سے اپنے اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ گئے۔ جن حضرات نے مدنی وتھانوی اذواق کو ملحوظ رکھ کر ہمیشہ اپنے سینے صاف رکھے، ان کے نام یہ ہیں:

۱ سابق مفتی اعظم پاکستان، مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

۲ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

۳ سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ

۴ فقیہہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبد الشکور ترمذی رحمہ اللہ

۵ شیخ الحدیث، آبروئے اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

ہمارا یہ دعویٰ قطعاً نہیں ہے کہ فقط یہی چند بزرگانِ دین ہی اسی معاملہ میں محتاط رہے، اور بھی لاتعداد ہوں گے، تاہم جن کا مزاج اور اعتدال دوسروں کے لیے حجت قرار پایا، وہ کم وبیش یہی حضرات تھے۔ حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی ساری تحریریں جو لاکھوں سطور پر مشتمل ہیں، اٹھا لیجیے۔ سینکڑوں بیانات پر مشتمل بیانات کا ذخیرہ اپنی سماعتوں سے گزار لیجیے، اور ان کی مجالس میں بیٹھنے والوں سے قسم لے لیجیے کہ حضرت علامہ صاحب نے کبھی حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی محبت سے مغلوب ہو کر خسروانہ انداز ہی میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ پر کوئی تبصرہ کیا ہو؟ اور نہ ہی اس کے برعکس، کاتب السطور نے بارہا دیکھا کہ حضرت مدنی علیہ الرحمۃ کا تذکرہ آنے پر علامہ صاحب بحر عقیدت میں اتر جاتے تھے اور پھر تیرا کی کرنے کے بعد جب ساحل پر نمودار ہوتے تو ان کے گلے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتماد والفت کے موتیوں کی مالا ہوتی، اور وہ اپنی عالمانہ شان کے ساتھ ان تمام بزرگان دین کا کچھ ایسا ذکر خیر فرماتے تھے کہ سننے والا وجد میں آجاتا تھا۔ علامہ صاحب کی طبیعت میں انصاف واعتدال اور توازن تھا، اور وہ اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کرتے تھے کہ

کچھ انبیاء سے دعویٰ محبت کر کے کچھ انبیاء کی تکذیب کرنا ''یہودیت و نصرانیت'' ہے۔

کچھ صحابہ کرامؓ سے اظہارِ محبت کر کے کچھ پر تنقید کرنا ''شیعیت، خارجیت اور ناصبیت'' ہے۔

تاریخ کی من چاہی باتوں کو اچھالنا اور رب چاہی باتوں سے غض بصر کرنا ''مودودیت'' ہے۔

اور علماء اہل سنت دیوبند میں کچھ سے محبت کا دعویٰ کر کے کچھ کو ملامت وطعن کے نیزوں پر رکھ لینا ''انانیت'' ہے۔

ایک مجلس میں کاتب السطور کی جانب دیکھ کر ''مماتیت'' کا اضافہ بھی فرما دیا تھا۔

اگرچہ آپ مروجہ اصطلاحات کا استعمال کرتے ہوئے حریف سے مخاطب نہیں ہوتے تھے، مثلاً منکرین حیات النبی کے لیے ''مماتی'' اہل حدیث حضرات کے لیے ''غیر مقلد'' بریلوی حضرات کے لیے ''رضا خانی'' یا جماعت اسلامی سے وابستہ لوگوں کے لیے طنزاً ''مودودیئے'' جیسے الفاظ کا استعمال کم فرماتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ ہماری نظر دلیل پر ہوتی ہے، مخالف کی ذات پر نہیں۔ اور پھر ایک دنیا نے دیکھا کہ اندرونی و بیرونی فتنوں میں سے کوئی ایک ایسا نہ تھا جو علامہ صاحب کے دلائل کے سامنے ٹھہر سکا ہو۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہبی علوم ودیعت فرمائے تھے۔ اکثر جگہ آپ کو دلائل یاد کرنے اور جمع کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی، استحضار، خوداعتمادی، اور برموقع بات کہہ دینے کا ایسا کامل ملکہ آپ کو نصیب تھا کہ دین اسلام کی چودہ صدیوں میں ہر صدی میں ایک یا دو سے زیادہ اس کی مثالیں نہیں ملتیں۔ اس میں کوئی مبالغہ آمیزی نہیں ہے کہ نادرۃ الدھر کا تاج آپ کے سر پر پھبتا، جچتا تھا۔ علامہ صاحب نے اپنی تحریروں میں حضرت مدنی اور علامہ عثمانی رحمہما اللہ کی دینی و ملی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے اکثر مقامات پر دونوں بزرگوں کو ساتھ ساتھ رکھنے کی کوشش کی ہے تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں غیر متوازن رستے پر چل کر دونوں میں سے کسی ایک کی عظمت سے ناآشنا رہ جائیں۔ [اگرچہ جانشینِ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ہونے کے اعتبار سے علامہ صاحب کا ذاتی موقف یہ تھا کہ حضرت مولانا محمد عبیداللہ سندھیؒ، حضرت شیخ الہند کے جانشین کہلائے جانے کے زیادہ مستحق ہیں] کم و بیش ۴۵ سال قبل کے ایک یادگار مقالہ کی مندرجہ ذیل سطور سے خوشبو لے کر پھر ہم آگے نکلتے ہیں، علامہ صاحب لکھتے ہیں:

''شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مقامِ صحابہ پر کامیاب مضامین لکھے اور جب وقت کی سیاسی آندھیوں نے قافلہ اسلام کی صف اول پر یلغار کی تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے معیارِ حق ہونے پر وہ مباحث تحریر فرمائے جو قرنِ حاضر کا سرمایۂ فخر ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور خلیفہ مجاز، مولانا قاضی مظہر حسین صاحب امیر انجمن (تحریک) خدام اہل سنت جو اپنے والد ماجد مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ مصنف ''آفتاب ہدایت'' کی نسبت سے بھی دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم میں پورے مجاہد ہیں، اس میدان میں ربع صدی سے خدمات جلیلہ سرانجام دے رہے ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں جو خاصی شہرت رکھتی ہیں۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری اور مولانا عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت پوری قوم کو اسلام کی شاہراہ مسلسل کی دعوت دے رہے ہیں۔ مخدوم القوم سردار احمد خان پتافی نے تنظیم اہل السنۃ کی بنیاد رکھی تو شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد علامہ دوست محمد قریشی نقشبندی اور حضرت مولانا لطف اللہ جالندھری اس پلیٹ فارم

پر فتنہ رفض والحاد کے خلاف تیغ براں بن کر چمکے اور اسی محنت میں حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ دونوں شاگرد اپنے خالق سے جا ملے۔''

[دارالعلوم دیوبند نمبر، ماہ نامہ الرشید، صفحہ نمبر ۱۲۱، فروری، مارچ ۱۹۷۶ء]

مندرجہ بالا عبارت میں جہاں علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مدنی و عثمانی دونوں کو ''شیخ الاسلام'' لکھا ہے وہاں غیرت دینی اور دفاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاکیزہ عنوان پر محنت کرنے والوں میں دونوں بزرگوں کے شاگردانِ رشید کا نمونہ پیش کیا ہے۔ اور پھر عاجزی و مسکنت کے کیا کہنے کہ اپنا کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ علامہ صاحب بذاتِ خود علامہ عثمانی علیہ الرحمۃ کے شاگرد رشید ہیں، تحریک تنظیم اہل سنت کے بانیوں میں سے ہیں اور ردِّ رفض و بدعت کے محاذ پر ذکر کردہ علماء دین میں سے کسی سے پیچھے نہیں ہیں، بلکہ بعض منفرد خصائل کی بناء پر الگ تھلگ شان کے مالک نظر آتے ہیں جسے معروف اصطلاح میں ''جزوی فضیلت'' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مگر ملاحظہ کیجئے کہ اپنا ذکر اپنے قلم سے تمام تر حقائق اور ثابت شدہ واقعات کے باوجود بھی درج نہیں فرماتے وگرنہ مروجہ مزاج کے مطابق ''احقر، بندہ ناچیز، لاشئے، فقیر، سراپا تقصیر، بندہ گناہگار یا عاجز و مسکین'' وغیرہ وغیرہ کی بیساکھیوں کی مدد سے اپنے تقدس کا بت کھڑا کرنا کونسا مشکل کام ہے؟ مگر علامہ صاحب کی زندگی میں ''مَیں'' کا تو شاید کہیں وجود ہی نہیں تھا۔ حتیٰ کہ جب کبھی اپنے مناظروں کی کارگزاری سناتے تو آخر میں جا کر اپنے دونوں بازو آستینوں سے نکال کر بڑے ہی ولولہ سے فرماتے ''غرضیکہ وہ ہارے، اسلام جیتا''۔ علامہ صاحب کا سب اوڑھنا بچھونا اسلام کی بقاء و عزت کے لیے تھا۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت پر جیتے رہے اور بقول کرنل محمد سلیم لالی صاحب کہ زندگی کی آخری تحریر ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم'' کے متعلق لکھ رہے تھے۔ اور ہسپتال میں آخری سانسوں کے دوران بار بار صرف لفظ ''صحابہ، صحابہ'' کی ہی سمجھ آتی تھی۔ ان کے بیان کے مطابق یہ بات فون پر تعزیت پیش کرتے ہوئے حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دختر ستارۂ اختر نے بتلائی ہے۔ حضرت علامہ صاحب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس درجہ کے شیدائی تھے کہ اپنے معاصر اکابرین کے تذکار میں جب ان کا حسب و نسب بیان فرماتے تو محبت صحابہ کی ایک دور پرے کی لہر بھی آپ کے خمامہ عنبرِ شمامہ کو مست کر دیتی تھی۔ جیسا کہ امیر شریعت، مجاہد کبیر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر نرالے انداز میں لکھے جانے والے اپنے ایک مضمون کی ابتداء میں رقم طراز ہیں:

''آپ شہزادۂ صلح و صفا سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے مگر طبیعت پر شہید جور و جفا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا رنگ غالب تھا۔'' (بیس بڑے مسلمان، صفحہ نمبر ۸۶۲، ط: رشیدیہ لاہور، فروری ۱۹۹۴ء)

دیکھیئے سید عطاء اللہ شاہ بخاری علیہ الرحمۃ کے سلسلہ نسب کا تعارف نہایت مختصر جملوں کی مدد سے ایسا جامع پیش فرما دیا کہ ''شہزادۂ صلح و صفا'' اور ''شہید جور و جفا'' کے بلیغ کلمات میں مشاجراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری تاریخ سمو کر رکھ دی، اور شاہ جی کے مزاج پر غلبہ رنگ حسینی درج فرما کر حضرت علامہ صاحب کے نوکِ قلم نے بری طرح یزید کی آنتیں نکال کر رکھ دیں، جب کبھی عوامی جلسوں میں علامہ صاحب سے پوچھا جاتا کہ ''یزید کے متعلق ہمارا کیا نظریہ ہونا چاہیے؟ تو آپ برجستہ جواب میں فرماتے ''وہی جو امام حسین رضی اللہ عنہ کا تھا'' پوچھنے والا پوچھتا ''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ہماری سوچ کیا ہونی چاہیے؟ علامہ صاحب فرماتے

''وہی جو امام حسن رضی اللہ عنہ کی تھی''۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ ہم صحابہ رضی اللہ عنہم والے ہیں اور اہل بیت کے متوالے ہیں، اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کا تصور آئے گا تو ہم حسنی مزاج پیدا کرلیں گے اور یزیدیت سامنے ہوگی تو حسینی جذبوں سے کار زارِ عالم کو گرم کردیں گے۔ آمدم برسرِ مطلب! تلخیص بحث یہ ہے کہ ۱۹۴۴ء والے سال میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی رہائی ماہ رمضان المبارک میں عمل میں آئی۔ آپ ۱۹۴۲ء سے مراد آباد، الہ آباد اور نینی تال کی جیلوں میں پابند سلاسل تھے۔ اور اسی سال شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں چلے گئے۔ علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کے دیوبند نہ جانے کی وجہ حضرت شیخ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری اور غیر یقینی رہائی تھی جبکہ ڈابھیل جانے کی وجہ حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت تھی۔ ان کے علاوہ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی اور مولانا شمس الحق افغانی سے بھی کسب فیض کیا۔ مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ پہلی بار ۱۹۲۸ء میں ڈابھیل گئے تھے۔ ۱۹۳۳ء میں علامہ کشمیری کی رحلت ہوئی تو اس کے بعد کم وبیش پندرہ سال مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ ڈابھیل میں رہے۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ میں اپنی تحریروں میں مولانا بدرِ عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاح لیا کرتا تھا۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا تعارف

ڈابھیل ہندوستان کے صوبہ گجرات کے ضلع سورت میں ہے، اس زمانہ میں ایک بڑا قصبہ تھا اور اب یقیناً بہت بڑی آبادی پر مشتمل ہوگا۔ ۱۹۰۸ء میں اس کی زمین مولانا محمد علی جوہر مرحوم کی سفارش سے حاصل کرکے مولانا محمد بام نے مدرسہ تعلیم الدین کے نام سے اجراء کیا تھا۔ ۱۹۲۷ء میں جب دارالعلوم دیوبند میں انتظامی اختلافات نے طول پکڑا تو اس وقت مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تھے جو علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی تھے۔ مگر باہم اختلاف ہوا، جس کے نتیجہ میں حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم سے الگ ہوکر ڈابھیل والوں کی دعوت پر وہاں چلے گئے۔ ان اکابرین کے وہاں جانے سے مدرسہ تعلیم الدین رحمۃ اللہ علیہ ''جامعہ اسلامیہ'' کے اضافہ کے ساتھ معروف ہوا اور برصغیر سے باہر تک اس کا چرچا ہونے لگا۔ اس انتظامی اختلاف کی تفصیل کافی حد تک دردناک ہے جس سے اگرچہ خیر کے چشمے بھی پھوٹے مگر یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ انتشار کے برگ وبار بہت دور دور تک پھیلے، بہرحال جہاں تاریخ اسلام میں جمل وصفین، شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور کربلا جیسے وقائع ظہور پذیر ہوئے تھے اگر تاریخ دارالعلوم دیوبند میں بھی ازیں قسم سانحات ہوگئے تو یہ رسم دنیا ہے۔ البتہ بعد والے اگر سیکھنا چاہیں تو تادّب واحترام کے ساتھ جانبین کے موقف کو پڑھ کر اپنی کامیابی زندگی کے نادر اصول وضع کرسکتے ہیں مگر اکثر وبیشتر یہی ہوتا ہے کہ پڑھنے والے اس تندور کی تپش کو بڑھاوا تو دیتے ہیں، کم نہیں کرتے اور جو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہی گڑھے مردوں کی اکھاڑ پچھاڑ سے بچ بچا کر اپنے حصے کا کام کرپاتے ہیں اور انہی معدودے لوگوں میں سے ہمارے ممدوح علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ ۱۹۴۴ء والے سال جب آپ ڈابھیل کے متذکرہ جامعہ میں دورۂ حدیث شریف کے لیے داخل ہوئے تو حضرت علامہ

شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث اور علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس تھے۔ علامہ صاحب نے مکمل سال یہاں گزارا، مگر کاتب السطور کی ڈائری کے مطابق بوجہ مرض نکسیر علامہ صاحب امتحان سے قبل ہی واپس امرتسر تشریف لے آئے تھے اور اس سے اگلے سال تقسیم ہند کے یقینی اور سو فیصد متوقع حالات کی ہنگامہ آرائی کی وجہ سے آپ دوبارہ امتحان میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ کاتب السطور کی یادداشت کے مطابق علامہ صاحب نے یہ بات ایسے ہی فرمائی تھی، تاہم اگر کسی باذوق دوست کے پاس اضافی معلومات ہوں تو وہ مطلع کر کے ریکارڈ کی درستی فرما دے۔ اب ہماری جستجو کے مطابق تمام تر بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علامہ صاحب کا فاضل دیوبند نہ ہونا جبکہ فاضل ڈابھیل ہونا مکمل طور پر درست ہے۔

امرتسر سے سیالکوٹ آمد

۱۹۴۷ء میں جب برصغیر تقسیم ہوا اور پاکستان معرض وجود میں آیا تو حضرت علامہ صاحب کی عمر ۲۲ سال تھی۔ اس دوران آپ درس نظامی کی رسمی تعلیم سے فراغ پا چکے تھے اور بی ایس سی کا امتحان بھی اعلیٰ نمبروں سے پاس کر لیا تھا۔ دوسری جانب ذوقِ مطالعہ بچپن ہی سے حرزِ جاں بن چکا تھا، تبادلہ خیالات کا شوق بھی امرتسر اسکول میں ہی پیدا ہوا۔ جو رفتہ رفتہ ''مناظرہ'' کی نوبت تک لے آیا اور تقابل ادیان و مذاہب عالم پر تحقیق نیز دین اسلام کے مآخذ و مصادر پر اس قدر عبور ہو چکا تھا کہ سیالکوٹ میں جب مولانا محمد شفیع سنکھترہ والوں سے علامہ صاحب نے مشورہ کیا کہ حالات کے موافق ہونے پر دوبارہ دیوبند جا کر بھی دورۂ حدیث شریف کروں گا تو مولانا سنکھتروی مرحوم نے جواباً کہا ''مزید اب آپ نے کیا سیکھنا ہے؟ انسان ساری زندگی طالب علم ہی رہتا ہے اب آپ عملی طور پر تنظیم اہل سنت کے اسٹیج سے اہل سنت کی راہنمائی کریں اور فرقہائے باطلہ کے خلاف علمی جدوجہد کا آغاز کریں۔'' حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی پروفیسر احسان الحق قریشی مرحوم کے بیٹے اور علامہ صاحب کے بھتیجے جناب محمد ریاض قریشی صاحب نے دورانِ ملاقات کاتب السطور کو بتایا کہ علامہ صاحب اپنے بھائیوں، اور والدین کے ہمراہ امرتسر سے براستہ جموں کشمیر سیالکوٹ وارد ہوئے تھے۔ مہینہ تو یاد نہیں، تاہم ۱۹۴۷ء کے اواخر ایام ہی میں آپ امرتسر سے ترک سکونت کر کے یہاں آ گئے تھے۔ سیالکوٹ میں آپ نے موضع گودھ پورہ کے محلّہ رام تلائی میں رہائش اختیار کی اور ۶۰/۵۵ آپ کا مکان نمبر تھا۔ یہاں آ کر بھی علامہ صاحب کی طبیعت پر ہجرت کی مشقت، سفر کی اذیت اور اپنے آبائی شہر کی جدائی کا غم غالب آنے کی بجائے علم و تحقیق کا شوق ہی غالب رہا۔ یوں سمجھئے کہ حصول علم آپ کی قسمت کی لکیریں بن گیا تھا۔ یہاں آپ نے ایم اے کی تیاری شروع کر دی۔ شہری سطح پر دستیاب کتب خانوں میں جانے کا معمول بھی بنا لیا اور قدآور علمی و روحانی شخصیات کے مشاہدات و تجربات سے فائدہ اٹھانے کی ترتیب بھی بنا ڈالی۔ یہاں اولین فرصت میں آپ نے مفسر قرآن مجید مولانا محمد علی کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (مصنف معالم القرآن، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور علم حدیث وغیرہ) اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم کیا۔ اول الذکر حنفی اور ثانی الذکر مسلک اہل حدیث کے اپنے زمانہ میں جید علماء دین میں سے تھے۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی مرحوم کے ساتھ علامہ صاحب کا تحریری مباحثہ بھی ہوا تھا، جو مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے عنوان پر تھا، پھر یہی مباحثہ ''**مصباح الظلام فی مسئلہ ترک**

فاتحہ خلف الامام ‘‘ کے نام سے شائع ہوا تھا اور قیام پاکستان کے بعد بلکہ تصنیفی زندگی کا آغاز اس کتابچہ سے ہوا۔ علامہ صاحب کبھی کبھار اپنی مجلس میں اس کتابچہ اور مباحثہ کی روداد سنایا کرتے تھے، اس مباحثہ کی ابتداء جانبین کی عوامی اجتماعات میں ہونے والی گرم گرم تقریروں سے ہوئی تھی، اس کی تفصیل ان شاء اللہ آمدہ سطور میں قلمبند ہوں گی۔ (دیکھیے: ۲۴۲/۱)

’’واہ علامہ واہ‘‘ کا قلندری نعرہ جو نام کا حصہ بن گیا

اب ہم اپنے اس وعدہ کے ایفاء سے گزرتے ہیں جو ابتداء مضمون میں کیا گیا تھا یعنی آپ ’’علامہ‘‘ کب سے معروف ہوئے تھے؟ سو اس کی تفصیل یہ ہے کہ مولانا محمد اسمٰعیل محمدی مرحوم اور کاتب السطور علامہ صاحب کی خدمت میں موجود تھے، علامہ صاحب نے فرمایا کہ آپ ’’محمدی‘‘ تخلص کس نسبت سے کرتے ہیں؟ مولانا محمدی مرحوم نے کہا، جناب رسول اللہ ﷺ کے نامِ نامی اسم گرامی کی نسبت سے، علامہ صاحب نے فرمایا نہیں، آپ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے ’’محمدی‘‘ کہلوایا کریں۔ مولانا محمدی مرحوم چونکے اور عرض کی حضرت! یہ تو آپ مجھے بڑی نسبت سے چھوٹی نسبت کی طرف لا رہے ہیں؟ علامہ صاحب نے فرمایا: نہیں اس نیت سے جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی نسبت مزید مضبوط ہوگی، وہ یوں کہ جب لوگ آپ کی صلاحیتوں اور فقہ حنفی پر صلابت و براہین کا نظارہ کریں گے تو سوچیں گے کہ جب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا نمائندہ اس قدر فاضل ہے تو خود امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی شان کیا ہوگی؟ پھر وہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ و شیخ امام اعظم علی الاطلاق سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قدر و منزلت میں کھو جائیں گے، پھر امام صاحب کی نسبت سے وہ صحابیت کے مقام پر غور کریں گے، تب وہ نبی علیہ السلام کے مقام نبوت سے شناسا ہو کر منزل کو پالیں گے، تو میں آپ کی نسبت مضبوط کرنے کے لیے یہ مشورہ دے رہا ہوں۔ اس کے بعد کاتب السطور کے تخلص ’’سلفی‘‘ پر جواہر پارے نچھاور کئے، مگر چونکہ اس کا تعلق بندہ کی ذات کے ساتھ ہے اس لیے ان کے بیان سے غض بصر کیا جا رہا ہے۔ البتہ اس قدر عرض کر دیا جاتا ہے کہ اس مجلس میں علامہ صاحب نے حکم فرمایا تھا کہ آپ ایک کتابچہ لکھیں جس میں یہ ثابت کیا گیا ہو کہ مقلدین ہی فی الاصل متبع سلف ہوتے ہیں، تعمیلِ حکم میں کاتب السطور نے مختصر سا رسالہ لکھا، جو علامہ صاحب کے منظور شدہ ’’سلفی کون؟‘‘ کے نام سے شائع ہو گیا تھا۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ذات شریف کے ساتھ علامہ صاحب کو بہت رغبت تھی، جس دور میں اہل تشیع نے فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ کیا تھا اور ردعمل میں اہل سنت نے فقہ حنفیہ کے نفاذ کا مطالبہ کر دیا تو درمیان میں اہل حدیث حضرات اپنی تیسری جنس کے ساتھ ’’نہ جعفریہ نہ حنفیہ محمد یہ محمد یہ‘‘ کے نعروں کے ساتھ جلوس نکالنے لگے تو علامہ صاحب اپنی تقریروں میں ان حکمت ناآشنا دوستوں کی نادانی کی یوں کہہ کر تاویل فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت دیکھو کہ ان کے شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ و شانِ اجتہاد کے نفاذ کا مطالبہ بھی کر دیا گیا ہے۔ بہرکیف جب علامہ صاحب کی طبیعت میں شگفتگی پیدا ہوئی اور آپ ایک ایک کر کے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مقام علم و فضل کے نمونے پیش کر رہے تھے تو ہم نے اپنا سوال داغ دیا کہ آپ کے نام کے ساتھ پہلے پہل ’’علامہ‘‘ کب لگا تھا جو عالمگیر شہرت کا حامل بن گیا؟ جاننے والے جانتے ہیں کہ جب کبھی علامہ صاحب خاص کیفیت میں ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ بغلوں میں ڈال دیتے یعنی دایاں ہاتھ بائیں بغل میں اور بایاں دائیں میں، سر جھکا دیتے اور آنکھیں بند کر دیتے پھر

اس قدر گہری سوچ میں اتر جاتے کہ بسا اوقات خراٹوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ پھر اچانک سر اٹھاتے اور مطلوبہ سوال کا جواب ارشاد فرماتے تھے، علامہ صاحب کی یہ ادا کسی خاص روحانی پس منظر سے تعلق رکھتی تھی۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین متین کا خود محافظ ہے، یاد نہیں کہ زندگی میں کبھی کسی بھی مقام پر، کسی بھی فرقہ سے تبادلہ افکار کرتے ہوئے مجھے لاجوابی کا داغ دیکھنا پڑا ہو، خیر، علامہ صاحب نے حسب عادت اپنے آپ کو جب اس مخصوص روحانی کیفیت سے نکالا تو ہماری بات کا جواب ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ سیالکوٹ میں معروف قادیانی مناظر مولوی اللہ دتہ وارِد ہوا اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی سے سینگ لڑانے کے چیلنج دینے لگا، اس وقت ہم تازہ تازہ امرتسر سے سیالکوٹ منتقل ہوئے تھے اور میری ابھی تک ڈاڑھی ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ مولانا سیالکوٹی شہر سے باہر تھے لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اس کے اردگرد جمع تھی تو میں نے کہا، میں مناظرہ کروں گا۔ تالی بج گئی کہ ایک نوجوان نے مرزائی مناظر کا چیلنج قبول کیا ہے۔ دیکھئے، نتیجہ کیا نکلتا ہے، چنانچہ گفتگو شروع ہوگئی (اس دوران علامہ صاحب نے اپنا مخصوص جملہ دہرایا کہ ''ہمارا کیا ہے؟ گھڑی پہ وقت دیکھ لیا اور بات کہہ دی) اور چند منٹوں میں ہی مرزائی مناظر عرق آلود ہو چکا تھا، عوام طالب حق ہونے سے زیادہ تماش بین ہوتے ہیں، نعرے بازی شروع ہوگئی کہ ایک نوجوان نے مرزائی ربّی کے اوسان خطا کر دیئے ہیں، یہ صورتحال دیکھ کر مولوی اللہ دتہ نے شرمسار ہو کر پنجابی لہجے میں کہا ''جا اوئے جا تیری تے اجے داڑھی ای نئیں آئی'' (جا او جا، تمہاری تو ابھی تک داڑھی ہی نہیں آئی) علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دماغ میں فی البدیہہ جواب ڈالا۔ مولوی اللہ دتہ کی پوری داڑھی تھی، میں نے بھی پنجابی لہجہ میں برجستہ جواب دیا ''میری داڑھی تے آئی نئیں، پَر تیری وی میں ریہن نئیں دینی۔'' (میری داڑھی تو ابھی نکلی ہی نہیں مگر تیری بھی میں نہیں چھوڑوں گا) بس پھر کیا تھا، عوام پُر جوش نعرہ زن تھے، اسی اثناء میں مجمع میں سے آواز آئی ''واہ بھئی علامہ واہ، واہ بھئی علامہ واہ'' یہ الفاظ اللہ جانے کس قلندر کے منہ سے نکلے تھے کہ پھر خالد محمود اور ''علامہ'' ایسے لازم وملزوم ہوئے کہ روح وجسم کا رشتہ بھی کبھی نہ کبھی ٹوٹ جاتا ہے مگر ''خالد محمود'' اور ''علامہ'' دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اکٹھے ہی ہیں۔ سیالکوٹ میں علامہ صاحب کی تصنیفی زندگی کا آغاز اہل حدیث عالم مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کے ساتھ تحریری مباحثہ سے ہوا جس نے ''مصباح الظلام'' نامی کتابچہ کا نام پایا، اور تقریری مناظرانہ زندگی کا آغاز دفاعِ ختم نبوت کرتے ہوئے مرزائی مناظر سے مباحثہ کرنے سے ہوا تھا۔ جبکہ دفاعِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمانی جذبہ تو امرتسر میں تنظیم اہل سنت کے پہلے دفتر کے قیام (۱۹۴۳ء) سے ہی پیدا ہو گیا تھا جب سردار احمد خان پتافی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وجد انگیز اور ذوق آفریں نگاہوں نے علامہ صاحب کو بھانپ لیا تھا، اس کا اجمالی تذکرہ گزشتہ ابتدائی سطروں میں گزر چکا ہے، جبکہ تفصیلات آگے آرہی ہیں مگر اس سے قبل ہم نے علامہ صاحب کی تدریسی زندگی اور اس کے ساتھ ساتھ احقاقِ حق وابطالِ باطل کے کارہائے نمایاں کے کچھ گوشوں سے کرنیں حاصل کرنی ہیں۔

سیالکوٹ ''مرے کالج'' میں بطور پروفیسر تعیناتی:

۱۹۴۹ء کے اوائل میں علامہ صاحب مرے کالج سیالکوٹ میں بطور پروفیسر تعینات ہو گئے۔ ترک سکونت کے بعد معاشی

خوشحالی کی یہ پہلی نوید تھی کیونکہ انسان اپنے کاسہ دل کو خواہشات سے کتنا ہی خالی کیوں نہ کر لے، بقدر ضرورت آمدن اور وسائل کی بہرحال حاجت رہتی ہے۔ اور اس ضرورت و حاجت سے کائناتِ انسانی کا کوئی طبقہ مستثنیٰ نہیں ہے۔ اس کالج میں علامہ صاحب صرف تدریس ہی نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کی مناظرانہ استعداد کی یافت بھی یہیں پر ہوئی۔ سیالکوٹ، نارووال، شکر گڑھ اور گوجرانوالہ ضلع کے بعض دیہاتوں میں عیسائیت، شیعیت اور مرزائیت و اہل بدعت کا غلبہ تھا جن سے علامہ صاحب بیک وقت نمٹتے تھے مگر ''مرے کالج'' کے مزید اختصاصی ماحول وفضاء نے بھی حضرت علامہ صاحب a کو دفاع اسلام کے ایک اور محاذ پر لگانے میں کردار ادا کیا اور وہ ماحول عیسائیت زدگی کا تھا جس کے تجربہ نے آنے والے وقتوں میں آپ کو یورپ کی دنیا میں کامیابی سے ہمکنار کیا، اگرچہ لفظوں اور جذباتی حرفوں میں اس کا بیان حد امکان سے باہر ہے تاہم تاریخی طور پر اس کا پس منظر اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ (مزید دیکھیے: ۱/۱۹۰ [ادارہ])

''مرے کالج سیالکوٹ'' کا تعارف

مرے کالج سیالکوٹ جہاں سے علامہ صاحب نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا تھا، یہ ۱۹۴۹ء کے اوائل کی بات ہے۔ اس کالج کا پرانا نام ''اسکاچ مشن کالج'' تھا اور اس کی تاسیس ۱۸۸۹ء میں رکھی گئی تھی۔ اس کالج کے پہلے پرنسپل کا نام ڈبلیو ینگ سن تھا، یہاں بطور پرنسپل ہمیشہ عیسائی مذہب سے تعلق رکھنے والا کوئی گورا ہی متعین ہوتا تھا البتہ اسٹاف میں عیسائی اور مسلمان پروفیسرز بھی بھرتی کیے جاتے تھے۔ علامہ اقبال مرحوم نے یہیں سے ۱۸۹۳ء میں فرسٹ ائیر میں داخلہ لیا تھا، اس زمانہ میں کالج ہذا کے پرنسپل کا نام ''مسٹر جارج واگھ'' تھا ۱۹۰۹ء میں انگریزی فوج کے ایک آنجہانی کیپٹن ''مرے'' کے ورثاء نے کالج کی تعمیر و ترقی کے لیے کم و بیش ۱۵۰۰ ر پونڈز کا عطیہ دیا تھا جس کی بناء پر کالج کا نام ''مرے'' سے موسوم کر دیا گیا۔ کسی زمانہ میں یہاں عربی و فارسی کے استاذوں میں مولوی میر حسن بھی شامل تھے، معروف شاعر فیض احمد فیض بھی مولوی میر حسن مصوم سے پڑھتے رہے۔ علاوہ ازیں معروف بیوروکریٹ مختار مسعود مرحوم (مصنف آوازِ دوست، سفر نصیب، لوحِ ایام وغیرہ) کے والد عطاء اللہ بھی اسی کالج میں اکنامکس اور انگلش کے استاذ رہے۔ جیسا کہ نام سے اور اب تک کے تعارف سے ظاہر ہے کہ یہ کالج مسیحی مشنری کے زیر انتظام تھا اور یہاں کالج پرنسپل ایک خاص مشن کے تحت لائے جاتے تھے۔ البتہ قیام پاکستان کے بعد اس کی انتظامی پالیسیوں میں تبدیلیاں لائی گئی تھیں۔ علامہ صاحب کی علمی خودداری، اور اپنے مذہب وکمال پر تصلب کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس کالج میں کم و بیش آٹھ سال تک پڑھانے کے باوجود آپ نے کالج کا مخصوص ماحول قبول کرنے کی بجائے اپنا علمی و دینی اثر وہاں کے طلبہ میں منتقل کیا۔

قیام پاکستان کے بعد جب پنجاب یونیورسٹی لاہور میں اسلامیات کا مضمون جاری ہوا تو مرے کالج سیالکوٹ کے مسلمان طلبہ نے بھی پوری شدت کے ساتھ اسلامیات کا مضمون شامل نصاب کرنے کا مطالبہ کر دیا، یہ علامہ صاحب کی ملازمت کے وہاں ابتدائی ایام تھے، اور اللہ تعالیٰ نے اس نیک مقصد کے لیے علامہ صاحب ہی کا انتخاب فرما دیا، چنانچہ علامہ صاحب اپنی نہایت علمی اور شاندار تحقیقی کتاب کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

"کالج کی مسیحی انتظامیہ کو طلبہ کا یہ جائز مطالبہ تسلیم کرنا پڑا اور ۱۹۵۰ء میں پہلی مرتبہ اس قدیم مسیحی ادارے میں اسلام بطور ایک مضمون کے داخل ہوا اور قرعۂ فال اس عاجز کے نام پڑا کہ اسلامیات یہاں ایک آپشنل مضمون کی حیثیت سے پڑھائے۔ ڈگری کلاس کے آپشنل نصاب میں قرآن کا تعارف اول تھا۔ کالج کے طلبہ نے کالج کے اوقاتِ تعلیم میں اس مضمون کی تدریس پر اکتفاء نہ کی بلکہ خارجی اوقات میں قرآن کریم کے تعارف پر ہفتہ وار لیکچرز کا اہتمام کیا جس میں وہ طلبہ بھی بہ آسانی شریک ہو سکتے تھے جن کا یہ مضمون نہ ہو اور پھر ان کی خواہش تھی کہ ان لیکچرز کو صرف آپشنل حدود میں نہ رکھا جائے۔ یہ ہفتہ وار پروگرام مرتب کیا گیا اور بیانات کا یہ سلسلہ آٹھ ماہ تک چلتا رہا۔ کئی طلبہ اسے قلمبند بھی کرتے رہے اور کئی پہلوؤں سے سوال و جواب بھی ہوتے رہے۔ آثار التنزیل انہی لیکچرز کی ایک تحریری دستاویز ہے جو ترمیم و اضافہ کی راہوں سے گزر کر مرتب ہوئی ہے۔" (آثارُ التنزیل، جلد اول، صفحہ ۲۵، مطبوعہ ۱۹۹۰ء، لاہور)

"مرے کالج" دور کی عظیم یادگار، آثار التنزیل کی تصنیف و طباعت

علامہ صاحب کی تصنیفی زندگی کا یہ شاہکار نمونہ ہے کہ "مرے کالج" سیالکوٹ میں آپ اسلامیات کے لیکچر کے دوران جو قرآنی مضامین بیان فرماتے تھے، وہ محفوظ ہوتے رہے اور آگے چل کر یہی مضامین دو مجلدات میں "آثار التنزیل" کے نام سے جلوہ گر ہوئے۔ شروع کے چار ایڈیشنوں میں تو یہ کتاب اتنی مفصل نہ تھی مگر ۱۹۸۰ء میں جا کر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں خاطر خواہ اضافہ فرمایا اور اب یہ کتاب اپنے عنوان پر ایسی نادر، دلچسپ، معلومات افزاء اور ایمان افروز کتاب ہے کہ محض لفظوں میں اس کا تعارف کروانا علامہ صاحب کے مقام علم کی بے ادبی ہے، حق یہ ہے کہ اسے پڑھ کر ہی اس کی عظمت سے آگاہی ہو سکتی ہے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ (سابق مہتمم دار العلوم دیوبند) اس کتاب کے عالی قدر مضامین پڑھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

> "آثار التنزیل مؤلفہ مولانا خالد محمود صاحب کیسی کتاب ہے؟ اس سوال کا پہلا جواب یہ ہے کہ وہ مولانا خالد محمود صاحب کی تالیف ہے جو تصنیف و تالیف کی لائن کے معروف اور علمی دنیا کے جانے پہچانے مصنف ہیں۔ قدر الشہادۃ قدر الشہود کے اصول پر مصنف کی علمی قدر و منزلت تصنیف کی قدر و منزلت کا کھلا نشان ہے۔"

(محررہ ۶، ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ، از دیوبند)

اس کتاب کی پہلی جلد پچیس مضامین پر مشتمل ہے جنہیں ضرورۃ القرآن، خصوصیات القرآن، صداقت القرآن، نزول القرآن، جمع القرآن، کتابت قرآن اور حقائق القرآن وغیرہ ناموں سے مزین کیا گیا ہے اسی طرح دوسری جلد بھی چودہ مضامین پر پھیلی ہوئی ہے جنہیں ایک قرآن، آداب القرآن، ارض القرآن، امثال القرآن، اصحاب القرآن، قصص القرآن اور علاج بالقرآن وغیرہ کے ناموں سے ترتیب دیا گیا ہے۔ (آ) مسیحی کالج میں تدریس کرتے ہوئے آپ کی زبان اور قلم سے اس قدر عالی مضامین پر مشتمل اس کتاب کا تصنیف ہونا قرآنِ مجید کا اعجاز ہے۔ اور یہ کتاب علامہ صاحب کی زندگی کے ان ایام کی ایک بہترین

(آ) مزید دیکھیے: ۱/۱۹۰...... ۱/۲۲۲...... ۱/۲۵۱...... ۱/۲۷۷...... ۲/۵۸۰ [ادارہ]

علمی یادگار رہے جو ''مرے کالج'' میں سیالکوٹ میں گزرے یاد رہے کہ علامہ صاحب اسلامیات کے علاوہ فارسی بھی پڑھاتے تھے اور آپ سے فارسی پڑھنے والوں میں سے اب گنتی کے ایک دو شاگرد ہی بقید حیات ہیں۔ کاتب السطور نے کوشش بسیار کے بعد آپ کے مرے کالج کے شاگردوں کو تلاش کیا۔ پہلے مختلف معلومات کے ذریعے ایک بیس رکنی فہرست تیار کی، پھر مختلف شہروں بالخصوص سیالکوٹ، سمبڑیال، ڈسکہ وغیرہ میں ان کے خاندانی اور رہائشی حالات کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ مرے کالج دور کے شاگردوں میں سے علامہ صاحب کے اب دو تین شاگرد ہی حیات ہیں جو ۸۰، ۸۵ سال کی عمر رفتہ سے گزر رہے ہیں۔ حافظہ کی کمزوری، اور بڑھاپے کی نقاہت کی وجہ سے وہ زیادہ معلومات تو فراہم نہ کر سکے، تاہم جتنا کچھ بتلایا وہ بہت قیمتی ہے۔ ان میں سے ایک سپریم کورٹ کے سینئر وکیل بھی ہیں جو ۱۹۵۵ء سے ۵۷ء تک کے تین سال مرے کالج میں علامہ صاحب سے پڑھتے رہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ۱۹۷۴ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں علامہ صاحب نے قادیانیت کے خلاف مناظروں میں تیاری کروا کر مجھ سے خوب کام لیا، اور یہ بھی بتایا کہ ایف سی کالج لاہور کا ایک پروفیسر جامعہ اشرفیہ میں اپنے سٹوڈنٹس کو بھیج کر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے مختلف سوالات کیا کرتا تھا، حضرت کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا عبدالرحمٰن اشرفی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ اس قادیانی کے ساتھ مباحثہ ہونا چاہیے اور ہماری طرف سے ایسا مناظر ہو جو قدیم اور گاڑھی عالمانہ اصطلاحات کی بجائے عام فہم زبان میں گفتگو کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو نیز عصری تعلیم یافتہ بھی ہو، تو مولانا عبدالرحمٰن اشرفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ سے رابطہ کیا، علامہ نے اپنی نگرانی میں انہیں ایڈووکیٹ صاحب کو میدانِ مناظرہ میں اتارا تھا۔ اور اس مناظرہ کے بعد وہ قادیانی پروفیسر سوالات کی علت سے ہمیشہ کے لیے باز آ گیا۔ ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے فیصلے کے خلاف جب قادیانیوں نے ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں اس قانون کو چیلنج کیا تو مسلمانوں کی طرف سے علامہ صاحب کے انھی شاگرد وکیل نے حق وکالت ادا کیا، ان کا نام سید ریاض الحسن گیلانی ہے اور ان کے مقابلہ میں قادیانی وکیل فخر الدین جی ابراہیم تھے جو علامہ صاحب کے شاگرد کے مقابلہ میں قانونی بازی ہارے اور قومی اسمبلی کے بعد عدالتوں میں بھی قادیانیت کو شکست فاش ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ صاحب اپنی ذات میں ایک مستقل ادارہ کی سی حیثیت رکھتے تھے اور آپ نے پوری زندگی رجال سازی کا فریضہ سرانجام دیا، ادارے، مراکز اور عمارتیں بنانا اتنا مشکل کام نہیں ہے، افراد تیار کرنا معنی رکھتا ہے۔ چنانچہ مولانا سعید احمد عنایت اللہ جو ایک طویل عرصہ سے مکۃ المکرّمۃ میں مقیم ہیں اور دار العلوم شہابیہ سیالکوٹ میں اپنے زمانہ طالب علمی میں علامہ صاحب کے شباب، مرے کالج میں دوران تدریس مسیحیت کا مقابلہ اور دیگر دینی خدمات کا بچشم خود نظارہ کر چکے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ علامہ صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ کا نصف صدی سے زائد کا عرصہ یورپ میں گزر گیا ہے، پاکستان میں بھی طویل عرصہ مختلف محاذوں پر آپ نے کام سرانجام دیئے، آپ کے بعد یورپ وارد ہونے والوں (اور بہت بعد میں پیدا ہونے والوں) نے بڑے بڑے مدارس اور ادارے بنائے ہیں، جبکہ آپ نے یورپ میں کوئی مدرسہ قائم نہیں کیا؟ تو جواب میں علامہ صاحب نے مولانا سعید احمد عنایت اللہ کی جانب اشارہ کر کے فرمایا، لوگوں نے ادارے بنائے ہیں اور میں نے ''آپ کو بنایا ہے۔'' واقعی صناعتِ رجال کی

محنت ایک مشکل ترین محنت ہے۔ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ، یا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگوں نے دلوں اور دماغوں پر محنت کر کے افراد تیار کیے ہیں، انہیں افراد نے آگے چل کر ایسے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیتے ہیں کہ جن کی دینی وملی خدمات نقش آب نہیں، نقش کا الحجر ہیں۔ اور یہ نقوش قیامت کی صبح تک ان حضرات کا نام وکام ان شاء اللہ روشن رکھیں گے۔ مولانا سعید احمد عنایت اللہ صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ کیپ ٹاؤن، افریقہ میں قادیانیوں کو شکست دینے کے بعد جب علامہ صاحب اور مولانا منظور احمد چنیوٹی، مکۃ المکرّمۃ کے اجیاد ہوٹل میں آکر ٹھہرے تو مولانا چنیوٹی مرحوم نے بعض احباب کی وساطت سے علامہ صاحب کی خدمت میں عرض داشت پیش کی کہ آپ چنیوٹ ہمارے ادارہ میں مستقل بیٹھ کر کام کریں تو ہم آپ کی اپنی بساط سے بڑھ کر خدمت کریں گے، جواب میں علامہ صاحب نے فرمایا کہ میں اداروں کی ذمہ داری نہیں لیتا، میرے ذمہ رجال سازی ہی کا کام ہے، اور وہ بحمد اللہ ہو رہا ہے۔ علامہ صاحب آبشار یا چشمہ نہیں تھے جہاں جا کر پیاسے اپنی پیاس بجھاتے ہیں بلکہ آپ بارش کے وہ قطرات تھے جو بادلوں کے مشکیزوں میں جگہ جگہ جا کر برستے تھے اور نیک فطرت لوگ علامہ صاحب کے نورِ علم کی کرنوں سے دل و دماغ روشن کرتے تھے۔

علامہ صاحب کی عالمگیر سوچ کا لائق تقلید واقعہ

مرے کالج دور کا ہی ایک واقعہ مولانا سعید احمد عنایت اللہ صاحب سناتے ہیں کہ ہم دارالعلوم شہابیہ میں ابتدائی درجہ کے طالب علم اور علامہ صاحب ''مرے کالج'' میں پروفیسر تھے۔ علامہ صاحب کا شہابیہ میں آنا جانا رہتا تھا اور مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ ایک مرتبہ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم شہابیہ والوں کی دعوت پر سیالکوٹ تشریف لائے تو علامہ صاحب نے حضرت قاری صاحب کو مشورہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علوم قاسمی کا شارح بنایا ہے آپ برصغیر سے باہر کی دنیا میں سفر کیوں نہیں کرتے؟ تاکہ دنیا بھر کے لوگ آپ سے مستفید ہوں اور ہدایت کا فیضان عام و تام ہو۔ اس سے دارالعلوم دیوبند کو بھی تقویت ملے گی اور افکار قاسمی کو عالمی میدان بھی میسر آئے گا۔ علامہ صاحب کی اس رائے کو حضرت قاری صاحب نے اعتناء بخشا اور اس کے بعد انہوں نے بیرونی ممالک سے دعوتیں قبول کیں اور پھر ایسا وقت بھی آیا کہ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں تھا جہاں حضرت قاری صاحب نہ پہنچے ہوں۔ (۱)

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تبلیغی دوروں کے نتیجہ میں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے دیگر فضلاء کو بھی باہر کی دنیا میں جا کر خدماتِ دین کے مواقع میسر آئے، دورۂ حدیث شریف تک کے بڑے بڑے مدارس کی بنیاد پڑی۔ خانقاہی نظام کو جلا ملی، اور اہل حق کا پیغام شرق سے غرب تک ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کی طرح پھیل گیا، اس خیر عمیم کی اشاعت کے لامتناہی سلسلے کے پس منظر میں علامہ صاحب کی عالمی فکری دعوت اور دردِ دل کارفرما تھا جو آپ کے جاری صدقات میں سے ایک صدقہ جاریہ ہے۔ پھر علامہ صاحب کو بھی جب اللہ تعالیٰ نے ایسے مواقع عطا کیے تو چشم فلک نے دیکھا کہ ۲۶، ۲۷ سال کی عمر میں علامہ صاحب جو مشورہ

---

(۱) دیکھیے مولانا سعید احمد عنایت اللہ کا مضمون [۲۱۰/۱]

حضرت حکیم الاسلام قاری صاحب کو دے رہے تھے، اب خود انہی منزلوں سے گزر کر اشاعت دین کا فریضہ دنیا بھر میں ادا کرتے نظر آ رہے تھے۔ بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر نہ صرف اشاعت دین بلکہ صیانت دین کی ذمہ داری بھی ادا کر رہے تھے۔ اور دین اسلام کے اندرونی و بیرونی فتنوں سے اس قدر پامردی اور استقلال کے ساتھ نبرد آزما رہے کہ خود حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی علامہ صاحب کے شانِ علم کے گرویدہ بن گئے۔

''مرے کالج'' دور کا ایک ایمان افروز واقعہ

علامہ صاحب اُس دور کا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے اور جب کبھی سناتے آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے تھے، بسا اوقات رومال چہرے پر ڈال لیتے، اور رویا کرتے تھے۔ اور ایسا صرف اجتماعات میں نہیں ہوتا تھا بلکہ کاتب السطور نے مکمل واقعہ سننے کی غرض سے ایک مرتبہ مکان پر علامہ صاحب سے استفسار کیا تو تب بھی بندہ کے کاندھے سے رومال اتار کر مہرے پر رکھا اور سسکیاں لے لے کر روتے رہے تھے جبکہ اس وقت تیسرا کوئی فرد موجود نہیں تھا، یہ واقعہ اپنے اندر عبرت بھی رکھتا ہے، عاشقانہ رمز بھی اور مومنانہ صفت بھی! علامہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب میں مرے کالج سیالکوٹ میں پڑھایا کرتا تھا تو ابتداء میں میرا رہائشی کمرہ چرچ کے ساتھ تھا۔ میں اس وقت اسے ''گرجا'' کہتے ہوئے گر اور ''جا'' کے درمیان سکتہ کیا کرتا تھا یعنی گر، جا۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ اس دور میں ٹرین میں سفر کر رہا تھا اور ٹرین فیصل آباد اور وزیر آباد کے درمیان چل رہی تھی۔ دوران سفر چند مسلمان طلبہ دو پادریوں سے گپ شپ کرنے میں مصروف تھے۔ اتنے میں ایک پادری نے طلبہ سے سوال کیا آپ لوگ درود شریف پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ایک دعا کرتے ہیں: **اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ** یعنی اے اللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اپنی رحمت نازل فرما۔ صدیاں بیت رہی ہیں اور آپ لوگ مسلسل اس دعا میں مشغول ہیں، مسلمان طلبہ نے کہا، بالکل ایسا ہی ہے۔ دولت ایمان سے محروم، مقام رسالت سے ناآشنا اور علم و ادب کی کم مائیگی کا پتلا وہ پادری خبث باطنی کا اظہار کرتے ہوئے یوں گویا ہوا کہ اس کا مطلب ہے ابھی تک تمہارے نبی اس درجہ کے کامل نہیں ہوئے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت مکمل ہوئی ہو، تبھی تو آپ یہ دعا کر کے ان کی کاملیت کے متمنی رہتے ہیں۔ رحمت کا مصداق ہونے میں جب وہ کامل ہی نہیں تو نقطہ ہدایت کیسے ہوئے؟ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو مجھے سمجھا دو، یہ امت متواتر درود پڑھتی جا رہی ہے مگر تمہارے نبی ابھی تک نشانِ رحمت میں ناقص ہی ہیں (یہاں تک بیان کر کے علامہ صاحب زار و قطار رویا کرتے تھے، محبت نبی کے غلبہ، اور شان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بدبخت پادری کی یہ جسارت نقل کفر کے طور پر بیان کر کے علامہ صاحب کے چہرے پر ایمانی کمال، شدت غیظ اور علمی تحمل کا امتزاج ایسا نقشہ ابھارتا تھا کہ دیکھنے والے آبدیدہ ہو جاتے)

علامہ صاحب نے فرمایا کہ میں اگرچہ سفری تھکاوٹ کی وجہ سے لیٹا ہوا تھا اور لیٹے لیٹے اس پادری کی بات سن رہا تھا، مگر جب اس نے یہ کفریہ فلسفہ چھیڑا تو میری رگِ ایمانی پھڑک اٹھی اور میں نے اپنی طبیعت پر قابو پا کر اس پادری سے جا کر کہا کہ پادری صاحب، آپ کی گفتگو میں مطالب و معانی واضح نہیں ہوئے۔ آپ نے بار بار ناقص اور کامل کے الفاظ بولے ہیں۔ یہ دونوں ایک

دوسرے کی ضد ہیں۔آپ دونوں لفظوں میں سے کسی ایک کی حقیقت واضح کریں۔ کیونکہ یہ الفاظ اضافات میں سے ہیں۔کسی نسبت سے کسی کو ناقص یا کامل کہا جا سکتا ہے۔اور حقائق اضافیہ ایک دوسرے کے مقابل نہیں ہوتے بلکہ انہیں صرف بیان کیا جاتا ہے۔مثلاً میرا یہ رومال تین گز کا ہے، یہ چار گز والے کپڑے سے چھوٹا ہے اور دو گز والے کپڑے سے بڑا ہے تو اب اس کی دو حقیقتیں ہیں کہ یہ ایک کے مقابلہ میں ناقص ہے اور دوسرے کے مقابلہ میں کامل! چونکہ ناقص کا لفظ مفہوماتِ اضافیہ میں سے ہے۔ اس لیے جب تک آپ یہ بندھن نہ توڑیں گے کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ بقول تمہارے کامل نہ تھے تو کس کے مقابلہ میں؟ اور بقوائے عقیدہ ما، کامل تھے تو کس کے مقابلہ میں؟ علامہ صاحب فرماتے تھے ابھی میں نے یہاں تک بات کی تھی کہ پادری کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور مسلمان طلبہ چاک و چوبند ہو کر ہماری باتیں سننے لگے، یہ دیکھ کر پادری کہنے لگا آپ ہی ''ناقص'' کا مفہوم بتا دیں، تو میں نے جواباً کہا یہ عجیب طوفانِ بدتمیزی ہے کہ لفظ تو آپ استعمال کریں اور اس کا معنی کوئی دوسرا بیان کرے؟ پادری کہنے لگا یہ تو واقعی مجھ سے غلطی ہوئی، اب آپ مجھے سمجھا دیں۔علامہ صاحب نے فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے نبی پر رحمت ارسال کرنے کی درخواست اس لیے کرتے ہیں کہ ہمارا ایمان ہے نبی علیہ السلام کائنات انسانی کی کامل واکمل ہستی ہیں۔ان سے بڑا اگر کوئی ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہیں، لہٰذا ہم اس بات کے اقرار کے ساتھ درود شریف پڑھتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کی ذات اقدس پر اگر کوئی ہستی رحمت بھیجنے کا اور محبت کے تمام تر تقاضے پورے کرنے کا حق رکھتی ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔دوسرا اقرارِ توحید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے اتنے لامحدود ہیں کہ جس قدر کثرت سے یہ امت درود شریف پڑھ چکی، پڑھ رہی ہے یا پھر پڑھتی جائے گی، پھر بھی خدا اور رسول برابر نہیں ہو سکتے۔ ہمارے نبی ﷺ کا شانِ ظرف اتنا وسیع ہے کہ ان کا اپنے اللہ سے لینے کا عمل مکمل نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ کی صفت عطا اتنی بے مثل ہے کہ ان کا دینا ختم نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ سب سے کامل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بعد کوئی کامل ہے تو فقط ہمارے نبی ہیں۔اس میں نقص و عیب والی تو کوئی بات ہی نہیں جس کا آپ اظہار کر رہے ہیں۔اسی درود شریف نے تو ہمیں توحید پر قائم رکھا ہوا ہے، اور یہ جو آپ نبی کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے کا عقیدہ رکھے ہوئے، یہ درود شریف نہ پڑھنے کی نحوست ہے، اگر آج سے آپ درود شریف کی عظمت کا اقرار کر لیں تو انبیاء کی عظمت بھی سمجھ میں آجائے گی اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر عقیدۂ قائم کر کے آپ تثلیث کے کانٹوں سے نکل سکیں گے۔ میں نے مرے کالج میں تدریس کے دوران عیسائیوں کی گمراہی کے اسباب پر جب غور کیا تو اسی نتیجہ پر پہنچا کہ ان لوگوں کو توحید کا عقیدہ صرف اس لیے نصیب نہیں کہ ان میں درود شریف کا تصور نہیں۔اور ہمارا درود شریف ایک ایسی چیز ہے جس نے ہمارا سب کچھ بچا لیا ہے اور اس پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔اب پادری کہنے لگا کہ میری تسلی ہوگئی ہے اور ساتھ ہی یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا کہ ''میرا اسٹیشن آگیا ہے'' اور لٹکے ہوئے منہ کے ساتھ ٹرین سے اتر گیا۔غرضیکہ وہ ہارا، اسلام جیتا۔

نوٹ: یہ واقعہ ''خطبات خالد'' جلد دوم میں بھی موجود ہے، تاہم تقریر کو تحریر کے قالب میں نہ ڈھالے جانے کی وجہ سے قاری کا ذوق مطالعہ متاثر ہوتا ہے۔(دیکھیے: ۴۲۲/۲[ادارہ])

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ سے مباحثہ، قیام سیالکوٹ کی ایک اور یادگار

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۵۷ء) اہل حدیث مسلک کے جید عالم دین تھے۔ حکمرانوں اور وڈیروں کی حاشیہ نشینی کی بجائے وہ گوشہ نشینی کے قائل تھے اور زیادہ وقت اپنی مسجد میں گزارتے تھے، ان کا دار المطالعہ، مدرسہ اور آرامگاہ وغیرہ مسجد کا حجرہ ہوتا۔ ان کے قلم سے نہایت معلومات افزاء کتابیں منصۂ شہود پر آئیں۔ سیالکوٹ کے مخصوص حالات کے پیش نظر انہوں نے زیادہ تر تردید رافضیت اور تردید مرزائیت کو اپنا میدان عمل تجویز کر رکھا تھا۔ علامہ خالد محمود صاحب کا جب شباب اپنے جوبن پر تھا تو تب مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی مرحوم کا چراغ حیات ٹمٹما رہا تھا۔ ہمارے قارئین کو حیرت ہوگی کہ عالم جوانی میں ہی حضرت علامہ صاحب کا تعارف سیالکوٹ سے باہر پنجاب کے اکثر شہروں میں ہو چکا تھا۔ اور آپ مرے کالج کی تدریس کے دوران تعطیل کے دن دور دراز مقامات پر بغرض مناظرہ و تبلیغ سفر کرتے تھے۔ علامہ صاحب فرمایا کرتے تھے اتنی ہماری زندگی قیام میں نہیں گزری جتنی سفروں میں گزری ہے۔

۱۹۵۲ء میں سیالکوٹ شہر میں مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی مرحوم نے اپنی کسی تقریر میں فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ اپنے مسلک کے مطابق بیان کیا جس نے رفتہ رفتہ عوامی تشدد کا روپ دھار لیا۔ احناف نے علامہ صاحب سے درخواست کی کہ مولانا صاحب میر سیالکوٹی کے جواب میں آپ ہمیں مطمئن فرمائیں۔ سیالکوٹ میں مولانا محمد سلطان محمود ہوا کرتے تھے، وہ علامہ صاحب کے دوست اور علمی کاموں میں شہری سطح پر ممد و معاون تھے۔ چنانچہ جامع مسجد مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی میں ایک عوامی اجتماع منعقد کیا گیا جس میں علامہ صاحب نے ان تمام دلائل کا جائزہ لیا جنہیں اہل حدیث عالم دین نے وجوب فاتحہ خلف الامام کے لیے نص کے طور پر پیش کیا تھا، اگلے جمعۃ المبارک میں مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے علامہ صاحب کے دلائل پر اپنی مسجد میں جرح کی تو جامع مسجد ادارہ ارائیاں کے ایک بڑے اجتماع میں علامہ صاحب نے اُن کا توڑ کر دیا۔ غرضیکہ یہ سلسلہ اچھی خاصی دلچسپ صورت اختیار کر گیا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ دونوں حضرات خالص علمی انداز میں بغیر کسی نوک جھونک اور بے جا ردو تنقید کے گفتگو کیا کرتے تھے۔ علامہ صاحب ستائیس سال کے نوجوان تھے اور مولانا محمد ابراہیم صاحب میر مرحوم کبر سنی کی منزلوں سے گزر رہے تھے۔ چنانچہ مولانا محمد ابراہیم صاحب کا تقریری معرکہ ٹھنڈا پڑ گیا تو انہوں نے راہوارِ قلم کو ایڑ لگائی اور ایک سو صفحات پر مشتمل کتابچہ ''گلدستہ سنت'' کے نام سے شائع فرما دیا اسی دوران مولانا سلطان محمود مرحوم نے بذریعہ اشتہار اہل حدیث حضرات سے متعلق کوئی بات کہی جو علامہ صاحب کے ایک شاگرد کے ذریعہ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی تک جا پہنچی تو انہوں نے اپنے کتابچہ کے حاشیہ میں وہ سنی سنائی بات درج فرما دی، وہ بات مولانا محمد ابراہیم صاحب مرحوم نے یوں درج کی تھی:

> ''مولوی خالد محمود صاحب نے اپنے کالج کے ایک طالب علم سے ذکر کیا کہ مولوی سلطان محمود صاحب کے اشتہار دینے سے اُن کی واہ واہ تو ہو گئی تھی لیکن اُن کی تقریر نے ہمارے وقار کو ملیا میٹ کر دیا۔'' (گلدستہ سنت صفحہ ۵، حاشیہ)

لیکن علامہ صاحب نے اس بات کی تردید کرتے ہوئے لکھا کہ:

''احقر جواباً عرض کرتا ہے کہ یہ روایت موضوع اور بالکل جھوٹ ہے اور شاید کسی محمد بن اسحٰق کے ہی کسی پیرو کی اختراع ہو، نہایت افسوس ہے کہ مولانا ہر کس و ناکس کی روایت کو بلاتحقیق قبول کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ مولانا سلطان محمود صاحب سے اگر کسی حدیث کی عبارت پڑھنے میں لغزش لسانی یا جوشِ تقریر سے لحن واقع بھی ہو گیا تو اس میں کیا حرج ہے؟ ہم نے مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم کو بارہا اسی کا مرتکب ہوتے ہوئے سنا ہے۔''

(مصباح الظلام فی مسئلہ ترک فاتحہ خلف الامام، مشمولہ ''خطبات خالد'' جلد دوم صفحہ نمبر ۲۷۲)

علامہ صاحب نے مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی صاحب کے کتابچہ ''گلدستہ سنت'' کا جواب ''مصباح الظلام'' کے نام سے شائع فرمادیا تھا، یعنی تقریری مباحثہ کے بعد اب جانبین سے تحریری مباحثہ شروع ہو گیا تھا، اس جوابی کتابچہ کی ابتداء علامہ صاحب نے حسب مزاج علمی ان الفاظ سے کی ہے ''پچھلے چند دنوں سے شہر سیالکوٹ میں مولانا محمد ابراہیم صاحب کی تحریک سے ''قرأت خلف الامام'' ایک اچھا خاصا عوامی اور ہنگامی مسئلہ بنا ہوا ہے۔ مولانا سلطان محمود صاحب نے ملک وملت کے موجودہ حالات کے پیش نظر اس تحریک کے روز اول کو ہی ''روزِ آخر'' بنانے کی یہ حکیمانہ تدبیر اختیار کی کہ مولانا محمد ابراہیم صاحب سے انہی کی مسجد میں انہی کے جلسہ کے موقع پر مذکورہ مسئلے پر اظہار مسئلہ کی اجازت چاہی جسے مولانا محمد ابراہیم صاحب نے قبول کرنے کی ہمت نہ کی اور ایسے دم بخود ہوئے کہ آج تقریباً ایک دو ماہ بعد پہلی کروٹ لی ہے اور ایک سو صفحے کا رسالہ شائع کیا ہے تا کہ اپنے غیر مقلد ساتھیوں کو تسلی دے سکیں۔ (مصباح الظلام، صفحہ اول مطبوعہ ۱۹۵۷ء، سیالکوٹ)

علامہ صاحب کی اس جوابی کارروائی بصورت تقریر وتحریر سے سیالکوٹ شہر میں ایک دھوم مچ چکی تھی۔ جب بات بہت آگے جا بڑھی تو شہر کے کچھ ذمہ دار افراد نے علامہ صاحب اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کو آمنے سامنے بٹھا کر اس موضوع پر بات چیت کرنے کی خواہش ظاہر کی علامہ صاحب تو ایسا موقع اللہ سے مانگتے تھے، جبکہ مولانا محمد ابراہیم مرحوم نے اپنے رفقاء کے مشورہ سے یہ مطالبہ قبول نہ فرمایا تھا۔ چنانچہ اہل حدیث کی جانب سے ''گلدستہ سنت'' اور علامہ صاحب کی جانب سے ''مصباح الظلام'' کی اشاعت کے بعد عملاً یہ بحثیں بند ہو گئیں تھیں۔ ساتھ ہی ۱۹۵۳ء کی پہلی تحریک تحفظ ختم نبوت شروع ہو چکی تھی جس میں پورے ملک کے مسلمان اپنے تمام تر باہمی اختلافات کو برداشت کر کے قادیانیت کے تعاقب میں منہمک ہو گئے۔ اور اس کے چند سال بھی مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی کا بھی انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی پر علامہ صاحب کی صدماتی کیفیت

علامہ صاحب کے دفاعِ حنفیت کے تذکرہ میں امین ملت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا ذکر کیے بغیر یہ باب مکمل طور پر دلیل راہ نہیں بن سکتا، کیونکہ حضرت علامہ صاحب مولانا محمد امین صفدر مرحوم کے قوت حافظہ، اسلوب مناظرہ، غیرتِ حنفیت اور استحضار علمی کے بہت بڑے قدردان تھے۔ اوروں نے تو جو دیکھا وہی بتائیں گے، کاتب السطور نے متعدد مرتبہ مشاہدہ کیا کہ چند شخصیات کا ذکر خیر جب کبھی گفتگو میں آتا تو حضرت علامہ صاحب پر آبدیدگی کا غلبہ ہو جاتا تھا۔ خاندان حضرت شاہ

ولی اللہ میں سے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام آنکھوں کی پلکیں بھگو کر لیتے، اسی طرح حضرت مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ اور قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر چھڑتا تو ماضی کی یادیں، چھلک چھلک کر ظہور پذیر ہوتیں، امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا لعل حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات مچلتے دل کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اور سردار احمد خان پتافی رحمۃ اللہ علیہ کا نام کسی نے جھٹ لیا تو پٹ علامہ صاحب کا بحر علم تلاطم خیز نظر آتا۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا مؤرخہ ۳۱، اکتوبر ۲۰۰۰ء کو انتقال ہوا تو چند روز کے بعد جامعہ خیر المدارس ملتان میں ایک اجتماع سے حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ نے دورانِ خطاب ارشاد فرمایا تھا کہ:

میں جب پاکستان میں رہتا تھا تو اس وقت مولانا مرحوم ابھی اس میدان میں نہیں آئے تھے تو غیر مقلدین (کی تردید) کے میدان میں اس وقت ہم لوگ کام کر رہے تھے، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ زندگی کے آخری ایام میں ان مسائل کے حل کے لیے ایک تو اس عاجز (علامہ صاحب) کا نام لیتے تھے اور دوسرا حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کا، میں انگلینڈ چلا گیا اور جب واپس آ کر دیکھا کہ الحمدللہ مولانا اوکاڑوی نکل آئے ہیں اور اس عالم میں ایسے چھا گئے ہیں کہ بس اس میدان کو سنبھال لیا ہے تو مجھے اس سے اتنی خوشی ہوئی کہ اب مجھے پاکستان سے جانے کا غم نہ رہا۔ لیکن مولانا کی وفات کی خبر جب میں نے انگلینڈ میں سنی تو بے ساختہ کہا کہ ہمیں تو یہ امید تھی کہ ''حنفی خدمات'' کا یہ سلسلہ جو حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے چلا اور خاص طور پر پنجاب میں جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی اس لائن میں کچھ کام کرنے کا موقع دیا۔ اب مولانا محمد امین صفدر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو سنبھال لیا ہے تو امید یہ تھی کہ وہ اس لائن کو چلائیں گے لیکن:

قد کنت ارجوان تکون خلیفتی

لکن رحلت الی الجنان بسرعة

(میں تو اس امید میں تھا کہ آپ میری نیابت میں اس کام کو لے کر آگے چلیں گے مگر تو نے جنت کی طرف قدم اٹھانے میں بہت جلدی کی) معلوم ہوتا ہے کہ یہ جلدی صرف مولانا مرحوم نہیں کر رہے تھے بلکہ جنت خود کھینچ رہی تھی۔ (ماہ نامہ ''الخیر'' ملتان: ۹۴، مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نمبر، اگست تا نومبر ۲۰۰۱ء) (مکمل بیان کے لیے دیکھیے :۲۰/۲/۷ [ادارہ])

مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتماد کے حوالہ سے مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب (کراچی) نے لکھا ہے کہ:

''ہمارے بزرگ اور مخدوم جو اس وقت اللہ تعالیٰ کی زمین پر علم راسخ کا ایک بحر بیکراں ہیں (یعنی) حضرت العلامہ خالد محمود سلمہ المعبود نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ مبتدعین کے ساتھ مولانا مرحوم (مولانا محمد امین صفدر) کا غالباً ڈیرہ اسماعیل خان میں مناظرہ تھا، مناظر مولانا اوکاڑوی تھے اور حضرت العلامہ بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت مولانا محمد امین صاحب نے تقریر مناظرہ میں ''بدعت خبیثہ'' کا لفظ استعمال فرمایا تو مخالفین نے بہت شور کیا کہ بدعت حسنہ یا سیئہ تو ہے لیکن ''خبیثہ'' کا لفظ آپ کی جعل سازی ہے۔ حضرت علامہ نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے یہ سمجھا کہ حضرت مولانا محمد امین صاحب سے سبقت لسانی ہوگئی، مگر بدعتیوں کے

شدید مطالبے کے نتیجہ میں جب حضرت مولانا مرحوم امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کی جلد پکڑ کر ہر دوسرے، تیسرے صفحے پر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ''بدعت خبیثہ'' دکھانے لگے تو ایک کرامت کی فضا اور اہل حق کی نصرت من اللہ کا سماں بندھ گیا۔ حضرت علامہ خالد محمود جیسے بحر بیکراں کا حضرت مولانا کی اس فی البدیہہ قوتِ برہان اور حاضر حوالوں سے متاثر ہونا اہل علم کے ہاں ایک سند کی حیثیت رکھتا ہے۔''

(ماہنامہ ''حق چار یارؓ لاہور'' مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نمبر صفحہ ۲۸۰، ۷/ اپریل ۲۰۰۱ء)

قیام سیالکوٹ کے احوال و آثار میں علامہ صاحب کی دفاع حنفیت کے ذکر سے حضرت مولانا محمد امین صفدر رحمۃ اللہ علیہ کے تذکار میں علامہ صاحب کی عظمت علمی مزید عیاں ہو رہی ہے کہ اگر مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ پر علامہ صاحب کا اعتماد ایک سند ہے تو حضرت علامہ صاحب پر مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا احمد علی لاہوری اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کا اعتماد بھی ایک اعلیٰ سند کی سی حیثیت رکھتا ہے۔

سیالکوٹ کے حکیم عبدالوحد صاحب جو کہ حضرت سید نفیس الحسینی شاہ کے خلیفہ مجاز ہیں، اور حضرت علامہ صاحب کے دور جوانی کی دینی خدمات کے چشم دید گواہ بھی ہیں، نے کاتب السطور کو بتایا کہ ہم نے بچشم خود وہ منظر دیکھا کہ دار العلوم شہابیہ میں حضرت مولانا محمد علی کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مفسر قرآن، معمر عالم دین اور صاحب نسبت ہستی جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کر رہی تھی کہ علامہ خالد محمود مسجد میں داخل ہوئے، تو مولانا محمد علی کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً منبر چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اب ہم سب علامہ خالد محمود کے علم لدنی سے استفادہ کریں گے۔ علاوہ ازیں جب کبھی مولانا محمد علی کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ مرحوم شہر سے باہر سفر پر ہوتے تو پیچھے جمعۃ المبارک پڑھانے کی ذمہ داری علامہ خالد محمود صاحب پر ہوتی۔ عالم جوانی میں مرے کالج جیسے ادارہ کی ملازمت اور پھر خارجی دینی مذہبی انہماک پتہ دے رہا تھا کہ علامہ صاحب کے اندر کس قدر قیمتی جواہر محفوظ ہیں جن کی چمک و دمک سے آپ دین اسلام کا پرچم بلند رکھنے میں نہایت قابل فخر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اور معاصر مشفق بزرگوں کا یہ اندازہ اور امیدیں عین حقیقت ثابت ہوئیں جب علامہ صاحب اپنے علمی وقار کے ساتھ پوری دنیا میں چھا گئے تھے۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں علامہ صاحب کا کردار

ضلع سیالکوٹ اپنی شناخت کے اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل شہر ہے، مذہبی و تاریخی اور تحریکی لحاظ سے جتنی قد آور اور علمی شخصیات اس شہر میں پیدا ہوئیں، وہ اعزاز کسی دوسرے شہر کو شاید ہی حاصل ہوا ہو، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک استاذ گرامی حضرت حاجی محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ سیالکوٹ ہی کے تھے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے معروف خلیفہ حضرت امام الحق رحمۃ اللہ علیہ یہیں کے رہنے والے تھے، حضرت علامہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ اسی شہر میں آرام فرما ہیں جو حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق تھے اور دونوں نے ایک ہی استاذ حضرت ملا شاہ کمال سے کتب احادیث پڑھی ہیں، بلکہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے سیالکوٹ آکر علامہ مولانا محمد یعقوب صرفی رحمۃ اللہ علیہ سے کسب فیض کیا تھا۔ لاہور میں تاریخی عالمگیری بادشاہی مسجد کی تعمیر

جب مکمل ہوئی تو اس میں پہلا جمعۃ المبارک پڑھانے کی سعادت حضرت ملا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند علامہ مولانا محمد عبداللہ الحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کو نصیب ہوئی۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا سلطان محمود، مولانا محمد علی کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا احسان الٰہی ظہیر، حضرت سید نفیس الحسینی شاہ رحمۃ اللہ علیہ، سب کے سب سیالکوٹ ہی سے تعلق رکھتے تھے، کس کس کا ذکر کریں اور کس کس سے صرفِ نظر کریں؟ یہ سچ ہے کہ سیالکوٹ کے قبرستانوں میں ایسے ایسے قیمتی ہیرے مدفون ہیں کہ جن کی قبروں کے ذرات نے مطلع عالم کو پُر انوار کر رکھا ہے۔

دوسری جانب اس کی جغرافیائی تاریخ دیکھئے کہ سیالکوٹ اور گورداسپور کی حدود آپس میں ہم بوس ہیں۔ جس طرح قادیان ضلع گورداسپور کی تحصیل بٹالہ میں واقع ہے، اسی طرح سیالکوٹ کی تحصیل شکرگڑھ بھی تقسیم ہند سے پہلے ضلع گورداسپور میں واقع تھی۔ مگر قادیانیوں نے باؤنڈری کمیشن کے سامنے الگ سے کیس پیش کر کے گورداسپور کو غیر مسلم اکثریتی ضلع قرار دلوا کر بھارت میں شامل کروا دیا تھا جبکہ شکرگڑھ کو ضلع سیالکوٹ میں ڈال کر پاکستان میں شامل کر لیا گیا۔ تقسیم سے پہلے بھی سیالکوٹ کو متحدہ ہندوستان میں خاص مقام حاصل تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی یہیں پر ضلع کچہری میں ملازمت کرتے تھے، اور مرزا صاحب قادیانی کا پوتا یعنی مرزا بشیر احمد کا بیٹا ایم ایم قادیانی تقسیم کے وقت سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ خلاصہ کلام یہ کہ سیالکوٹ مختلف فرقوں، طبقوں اور نسلوں کی دھرتی ہے۔ مؤرخہ ۱۳ رجولائی ۱۹۵۳ء کو لاہور میں آل پارٹیز مجلس عمل کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ ملک کے باقی تمام شہروں اور دیہاتوں کی طرح سیالکوٹ بھی تحفظ ختم نبوت کے متوالوں کا مرکز تھا۔ حضرت علامہ خالد محمود صاحب عالم جوانی میں تھے، اور جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے کہ مرے کالج میں پروفیسر تعینات تھے۔ سیالکوٹ شہر کے علماء وعوام نے ۲۰، فروری ۱۹۵۳ء کو شہر کے جناح پارک میں بڑے پیمانے پر کانفرنس منعقد کی جس میں علامہ خالد محمود، مولانا محمد علی کاندھلوی، مولانا فضل حق، مولانا محمد یعقوب، مولانا بشیر احمد پسروری، اور دیگر حضرات نے خطابات کر کے باقاعدہ قادیانیت کے خلاف تحریک چلاتے کا اعلان کر دیا۔ مؤرخہ ۲، مارچ ۵۳ء کو علامہ صاحب نے اپنے محلّہ رام تلائی میں رات کے وقت ایک بڑے جلسے کا انتظام کیا اور اس میں بھرپور علمی اور تڑاخ دار لب ولہجہ میں اس حکومت وقت کی قادیانیت نوازی کو للکارا، اختتامِ جلسہ پر علامہ صاحب تو کہیں محفوظ مقام پر چلے گئے مگر مولانا محمد علی کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات کو پولیس نے گرفتار کر کے تھانے منتقل کر دیا، علامہ صاحب فرماتے تھے کہ اس زمانہ کی یادیں تازہ کر کے یقین ہی نہیں آتا کہ ہم وہ سب کچھ بھی کر گزرے؟ فرماتے تھے کہ میں صبح حسب معمول ''مرے کالج'' جا کر اپنے وقت پہ لیکچر دیتا، اور چھٹی کے بعد بجائے اپنے گھر جانے کے اِدھر اُدھر جائے پناہ تلاش کر کے کسی طرح شام تک کا وقت پاس کرتا، پھر شام ہوتے ہی کسی نہ کسی مقام پر طے شدہ جلسہ میں جا کر جوشیلی تقریریں کرتا تھا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا اور میں پولیس والوں سے بچتا رہا تا آنکہ مؤرخہ ۱۲، مارچ ۵۳ء کو مجھے بھی گرفتار کر لیا گیا، جلسہ گاہ سے لاؤڈ سپیکر اتار کر قبضہ میں لے لئے گئے اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے جیل بھجوا دیا۔ تحریک ختم نبوت کی کارروائی حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب نے دس جلدوں میں شائع کر دی ہے، جس کی پہلی جلد میں ۱۹۵۳ء کے احوال میں سیالکوٹ کی تحریکی کارگزاری میں حضرت علامہ صاحب کی خدمات کی جھلک ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

یہ معلوم نہ ہوسکا کہ متذکرہ گرفتاری کے بعد علامہ صاحب کتنے دن پابند سلاسل رہے؟ تاہم فرماتے تھے کہ ہر ہفتہ عشرہ بعد ہم انتظامیہ کے ہاتھ چڑھ جاتے تھے۔مگر اس بادۂ تند کا سامنا کرنے کے لیے جس ظرف اور حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے، ختم نبوت کے صدقہ میں وہ ہمیں نصیب تھا۔اس لیے متاعِ ہوا وہوس کے شیفتگان ہمارے حوصلوں کے دیئے بجھانے میں ناکام ہی رہے۔

امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر علامہ صاحب کی ایک اور علمی پیش کش

یہی ۱۹۵۳ء کا دور چل رہا تھا کہ حضرت مجاہد کبیر امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ علامہ صاحب کی خداداد صلاحیتوں سے آگاہ ہوئے۔اور یہ راز کھلا کہ علامہ صاحب فقط زبان وبیان پر ہی قادر نہیں بلکہ اپنے زوردار قلم سے فرقہائے باطلہ کے دخمۂ جہالت ووحشت پر ضرب کاری رکھنے کی استعداد بھی رکھتے ہیں۔علامہ صاحب کا کمال یہ تھا کہ آپ اردو ادب کی پوری صحت کے ساتھ تحریر لکھنے کا ملکہ رکھتے تھے۔اور آپ اکثر وبیشتر علماء کرام کو یہ نصیحت فرماتے تھے کہ آسان اور عامی انداز میں لکھنے کا ایسا جوہر پیدا کیجیے کہ اس میں تفہیم کا مکمل سامان بھی موجود ہو اور صحتِ املاء کی پوری رعایت بھی! جامعہ مدنیہ جدید کے صف اول کے لائق وفائق مدرس حضرت مولانا خالد محمود صاحب نے کاتب السطور کو بتایا کہ ایک مرتبہ میں نے دینی مدارس کے طلبہ وعلماء میں فارسی زبان کی مفقودی اور عدم ذوق کا ذکر کیا تو علامہ صاحب نے فرمایا کہ میرے تجربہ ومشاہدہ کے مطابق تو اردو عبارت پڑھنے اور لکھنے پر ہی بہت سوں کی گرفت نہیں ہے، آپ فارسی کی بات کرتے ہیں۔ چونکہ علامہ صاحب مرے کالج سیالکوٹ اور بعد میں ایم اے کالج میں اسلامیات کے ساتھ فارسی بھی پڑھاتے تھے جس کی وجہ سے عین ممکن ہے کہ استفسار میں علامہ صاحب کے اس ذوق کے پیش نظر عمومی حالات کا جائزہ لیا گیا ہو۔ بہرکیف، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد علی جالندھری مرحوم نے علامہ صاحب کو مشورہ دیا کہ آپ نبی علیہ السلام کی ختم نبوت کے متعلق امت مسلمہ کے عقیدہ کو کتاب وسنت، آثار صحابہ کرام اور تعامل امت کی روشنی میں عقل ونقل کے براہین کے ساتھ ایک کتاب تصنیف کریں جو عوام والناس کے ہر طبقہ کے لیے اور اہل علم کی تمام دینی وعصری شاخوں کے لیے یکساں مفید ہو، چنانچہ علامہ صاحب نے اپنے بفضلہ تعالیٰ چراغِ عقل کی مدد سے قابلیت وعلم کا توشہ تیار کردیا جس نے ''عقیدۃ الامت فی معنی ختم النبوت'' کا نام پایا، علامہ صاحب لکھتے ہیں:

> ''۱۹۵۳ء میں یہ کتاب امیر شریعت حضرت مولانا سید عطا اللہ شاہ صاحب بخاری اور حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔اور اس وقت تصور بھی نہ کیا جاسکتا تھا کہ اس کتاب کے چوتھے اڈیشن کے وقت نہ صرف یہ کہ کوئی قادیانی مرکزی یا صوبائی اسمبلی کا ممبر نہ ہوگا بلکہ قادیانی جمع اپنے لاہوری گروپ کے پاکستان بلکہ پورے ماتم اسلام میں ایک غیر مسلم اقلیت پاچکے ہوں گے۔**وللہ الحمد والمسنة واليه يصعد الكامة الطيبة والعمل الصالح يرفعه** ۔۱۹۵۳ء میں یہ کتاب مجلس عمل آل پارٹیز کی طرف سے پہلی بار شائع ہوئی۔اس وقت اس کے بعض مندرجات پر مجلس عمل سیالکوٹ کے ایک رکن طالب علی شاہ صاحب نے کچھ اعتراضات کیے تھے۔'' (عقیدہ الامت: ۱۵، طبع پنجم، مطبوعہ لاہور)

یہ کتاب ۳۲۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس اہم موضوع پر کتاب لکھوانے کا ایک سبب علامہ صاحب نے جو درج فرمایا ہے وہ معلومات افزاء اور تاریخی حقائق سے لبریز ہے، اور خدشہ طوالت کے باوجود اسے پیش کرنے کو جی چاہتا ہے، علامہ صاحب رقمطراز ہیں:

''۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا تو ہندوستان اور پاکستان کی بین الاقوامی مصلحت اس میں تھی کہ وزارتِ خارجہ میں وہ اشخاص رکھے جائیں جن پر انگریزوں کو اعتماد ہو اور وہ ان کے اپنے ہوں۔ کانگریس نے انڈیا کے عہدۂ گورنر جنرل کے لیے آخری وائسرائے ہند ''لارڈ ماؤنٹ بیٹن'' کو چنا اور پاکستان نے وزیر خارجہ کے لیے چوہدری ظفر اللہ کو۔ یہ دونوں انگریز کے آدمی تھے۔ یہ مصلحت اپنی جگہ کتنی وقیع کیوں نہ ہو لیکن خان لیاقت علی خان کے ناگہانی قتل نے یہ بتا دیا کہ پاکستان کی زمین اندر سے بہت دہک رہی ہے۔ اور کسی سازش کا لاوا پھٹنے والا ہے۔ ان حالات میں قادیانیوں کو مسلم لیگ میں لینے کے خطرناک نتائج کھل کر سامنے آ گئے، اَب ضرورت تھی کہ ملک میں قادیانیت کے خلاف کوئی تحریک اٹھے اور چوہدری ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے ہٹایا جائے اس کے بغیر پاکستان کی بقاء مشکل نظر آ رہی ہے۔ حضرت شاہ صاحب (امیر شریعت) نے لاہور میں سادات کی ایک میٹنگ کی اور حاضرین کو اپنے نانا کی عزت کے نام پر اکٹھے ہونے اور میدان میں نکلنے کا مشورہ دیا۔ اس مجلس میں مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا پیر سید فیض الحسن، مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری، سید مظفر علی شمسی اور مولانا سید غلام محی الدین، گولڑہ شریف کے ساتھ کئی اور سادات کرام بھی شریک ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب نے مولانا ابوالحسنات اور مولانا محمد داؤد غزنوی پر مشتمل ایک سب کمیٹی تجویز کی جو ملکی سطح پر دورہ کر کے مختلف مکاتب فکر کو اس مقصد کے لیے ہم خیال کریں۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کو بھی اس میں شمولیت کی دعوت دی گئی تھی مگر وہ کسی مجبوری کی وجہ سے اس اجلاسِ سادات میں شامل نہ ہو سکے۔ حکومت کو متنبہ کرنے کے لیے آپ نے حضرت مولانا محمد علی جالندھری اور مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی پر مشتمل ایک کمیٹی نامزد کی جو مرکزی اور صوبائی وزراء اور ان کے ارکانِ اسمبلی سے وفد کی صورت میں ملاقاتیں کرے اور ملک میں پیش آنے والے خطرات سے انہیں آگاہ کرے۔ اس وقت ایک ایسی دستاویز کی ضرورت ہے جو عام فہم انداز میں مسئلہ ختم نبوت کو واضح کر سکے اور پڑھنے والے کو ختم نبوت کے اس معنی ومفہوم پر لا سکے جو امت محمدیہ آیت خاتم النبیین اور حدیث لا نبی بعدی سے آج تک مراد لیتی چلی آ رہی ہے۔ یہ دستاویز ''عقیدۃ الامت'' حضرت شاہ صاحب کے اس ارشاد پر اس پاک مقصد کے لیے لکھی گئی ہے اور مرکزی اور صوبائی سب وزرائے کرام اور ممبرانِ عظام کو بھیجی جا رہی ہے اور یہ آپ کی خدمت میں بھی پیش کی جا رہی ہے۔ خدا کرے کہ جب اس کا اگلا اڈیشن سامنے آئے تو نہ چودھری ظفر اللہ خان وزارتِ خارجہ میں ہو اور نہ ہی کوئی قادیانی مرکزی یا صوبائی اسمبلی کا ممبر ہو۔'' (عقیدہ الامت فی معنی ختم النبوت، صفحہ نمبر ۲۰۶، مطبوعہ لاہور)

اس کتاب کے آخر میں اختتام تحریر ۲/اگست ۱۹۵۲ء نیز ''خالد محمود امرتسری ثم سیالکوٹی'' لکھا ہوا ہے اور جس معترض طالب علی شاہ کا نام علامہ صاحب نے لیا ہے یہ امامیہ فرقہ کے تھے اور علامہ صاحب نے اکا دکا مقامات پر جو روافض کے اوہام باطلہ کا جائزہ لیا تھا، انہیں اس پر تحفظات تھے، بہر کیف مسئلہ ختم نبوت کے حوالہ سے جس کسی کا بھی پائے فہم لڑکھڑایا تو علامہ صاحب کی اس کتاب

نے اس کا سرزانوئے فکر پر لا دھرا، یہ کتاب علامہ صاحب نے محض ۲۸ سال کی عمر میں لکھی تھی اور اس زمانہ کے ذہین وعقدہ کشا اکابرین نے علامہ صاحب پر بھرپور اظہارِ اعتماد کیا تھا۔ (دیکھیے: ۱/۶۲۵، ۱/۶۶۳، ۱/۷۰۴، ۱/۳۵۷، ۱/۵۹۵، ۲/۱۷۴)

یاد رہے کہ علامہ صاحب کی مشہور زمانہ دو مجلدات پر مشتمل کتاب ''آثار الحدیث'' کا اکثر حصہ بھی قیام ''مرے کالج سیالکوٹ'' کے دور میں لکھا گیا تھا۔ پھر لاہور منتقل ہونے کے بعد جب یہ مضامین جی سی کالج لاہور اور اسلامیہ کالج کے بعض علمی سیمیناروں میں سنائے گئے تو طلبہ کے بھرپور اصرار پر علامہ صاحب نے ان مضامین کو یکجا فرما دیا تھا جس سے دو مجلدات پر مشتمل ''آثار الحدیث'' وجود میں آگئی۔ علوم حدیث کے ذخیرہ، ضرورتِ حدیث پر دلائل، منکرین حدیث کے قلع قمع اور مستشرقین و مستغربین کے پروپیگنڈے کا خوب خوب ازالہ اس کتاب میں کر دیا گیا ہے۔ پہلی جلد ۱۵، اور دوسری ۱۴ رعنوانات کے ذریعے اپنی روشن کرنوں سے گمراہی کو کافور کرتی ہے۔[۱] تردید قادیانیت پر علامہ صاحب کا ایک اور شاہکار صدر ضیاء الحق کے دور میں اس وقت منظر عام پر آیا تھا جب قادیانیوں نے امتناعِ قادیانیت آرڈیننس کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا تھا، تاہم اس کی تفصیلات اِن شاء اللہ اپنے موقع پر پیش ہوں گی۔ ابھی ہم نے درمیان میں کافی سفر کاٹنا ہے۔

۵۳ء کی تحریک میں علامہ صاحب کے والد گرامی پر ایک الزام کی حقیقت

اس وقت کاتب السطور کے سامنے ۱۹۸۵ء میں ''آتش فشاں پبلی کیشنز'' لاہور سے شائع ہونے والی ایک کتاب ''سیاسی اتار چڑھاؤ'' موجود ہے اس کتاب میں چودھری سر ظفر اللہ خاں (قادیانی) سید مرید حسین ایڈووکیٹ سیالکوٹی (شیعہ) یحیٰی بختیار، سردار عبدالحمید خاں دستی اور یوسف خٹک کے تفصیلی انٹرویوز شامل ہیں جبکہ منیر احمد منیر اس کے مرتب اور ناشر ہیں۔ سید مرید حسین ایڈووکیٹ سیالکوٹی ۱۹۵۱ء میں پنجاب اسمبلی کے ممبر رہے ہیں، خواجہ ناظم الدین کے دور میں پاکستان مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے رکن اور ۱۹۶۲ء میں قومی اسمبلی کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ انہوں نے سیالکوٹ سے وابستہ اپنی یادوں میں ان علماء اہل سنت کی کردار کشی کرنے کی ناکام کوشش کی ہے جو عظمت صحابہ کے دفاع اور تردید رفض و بدعت یا مرزائیت کے خلاف سرگرم عمل تھے۔ چنانچہ ایک مقام پر حضرت علامہ صاحب اور آپ کے والد گرامی کے متعلق لکھا ہے کہ:

> ''۵۳ء والے ہنگامہ میں جب خواجہ صفدر کا منہ کالا کیا گیا، علامہ خالد محمود کو بھی پکڑا گیا، ان کی الاٹمنٹیں بھی کینسل ہوگئیں۔ میں اس وقت ممبر تھا، یہ میرے پاس آگئے۔ میں ان کے متعلق نہیں جانتا تھا، اس کا (علامہ خالد محمود) باپ ابھی زندہ تھا۔ اس نے آکر مجھے بتایا کہ میں شیعہ ہوں۔ اس نے مجھے نادِ علی پڑھ کر سنایا۔ میں نے کہا آپ مجھے حکم کریں، پھر میں نے ان کی الاٹمنٹیں بھی بحال کرائیں۔ علامہ خالد محمود کی ضمانت کرائی، باہر نکلا، کیس تو قائم تھا، پیشی تھی۔ گئے تو کیس شروع ہونے لگا، اس نے کہا شاہ جی تاریخ لے لیں۔ میں نے کہا کیوں؟ کہتا ہے میرے کوئی کاغذات آنے ہیں، میں نے کہا کوئی گل نئیں، ایہہ کوئی کیس نہیں، آپ کو ان شاء اللہ بری کرائیں گے۔ پتہ چلا کہ وہ تو معافی کے کاغذات تھے۔ بندے مروا دیئے اور معافی مانگ لی۔''

(سیاسی اتار چڑھاؤ: ۲۹۸، ستمبر ۱۹۸۵ء مطبوعہ آتش فشاں پبلی کیشنز، لاہور)

---

[۱] دیکھیے: ۱/۶۲۲......۱/۶۵۲......۱/۲۸......۲/۵۱۵......۲/۵۶۵

علامہ خالد محمود کے ساتھ بغض نے ایک غیر مقلد کو رافضی اور مرزائی کی تقلید پہ مجبور کر دیا

کتاب ''سیاسی اتار چڑھاؤ'' میں موجود مرید حسین ایڈووکیٹ کی جانب سے علامہ صاحب اور ان کے والد گرامی پر اس الزام کا جائزہ لینے سے پہلے ہم ایک اہل حدیث مؤرخ کا ذکر کرتے ہیں جو اپنے لب و رخسار پر اس تہمت کا غازہ لگا کر گلابی ہونٹ بنانے کا پہلے شوق پورا کر گزرے، پھر اللہ جانے آئینہ دیکھ کر خود ہی اپنا سا منہ لے کر کچھ ایسے شرمندہ ہوئے کہ فوراً مذکورہ غازہ اتار ڈالا، یا ممکن ہے واقعی انہیں رافضی و مرزائی کی تقلید ''شخصی'' پر ندامت ہوئی ہو۔ یہ اہل حدیث مؤرخ جناب ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر ہیں جو مولانا محمد عبداللہ گورداسپوری کے بیٹے، بورے والا ضلع وہاڑی کے رہائشی اور اب ایک عرصہ سے انگلینڈ میں مقیم ہیں۔ موصوف ڈاکٹر محمد بہاؤالدین کے قلمی نام سے مختلف کتابیں لکھ کر مسلک اہل حدیث کی خدمت میں معروف ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب ''تاریخ اہل حدیث'' جلد اول مطبوعہ مکتبہ ترجمان، دہلی کے صفحہ نمبر ۵۱۴ر پر مولانا احمد رضا خان کا تذکرہ کرتے ہوئے پہلے تو علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخی کتاب ''مطالعہ بریلویت'' سے استفادہ کرتے ہوئے اس سے حوالہ اخذ کیا، معاً اس کے بعد مرید حسین ایڈووکیٹ کی متذکرہ بات بھی درج کر ڈالی جو علامہ صاحب اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی کے حوالہ سے ''سیاسی اتار چڑھاؤ'' نامی کتاب میں موجود ہے۔ اس کے بعد مئی ۲۰۱۱ء میں مکتبہ اسلامیہ لاہور نے جب یہی ''تاریخ اہل حدیث'' شائع کی تو اس میں سے یہ تہمت نکال دی گئی۔ خوش قسمتی سے ہمارا تعلق چونکہ امام اعظم سراج الامت سیدنا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فہم و فقاہت پر اعتماد و تقلید کرنے والے سوادِ اعظم اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ ہے اور ہماری تربیت میں حسن ظن شامل ہے اس لیے خیال یہی ہے مؤرخ موصوف خوف خدا پیدا ہو جانے کے باعث علامہ صاحب کے خلاف یہ تہمت باندھنے والوں کی صف سے نکل چکے (بشرطیکہ نظریہ ضرورت کے تحت انہوں نے کسی اور مقام پر یہ لقمہ نہ چبایا ہو)، اب آیئے دیانت و انصاف سے تہی دست تہمت طرازوں کی طرف، مرید حسین ایڈووکیٹ متشدد رافضی تھے جنہوں نے اپنے انٹرویو میں اکابرین مجلس احرار اور سیالکوٹ میں تحفظ ناموس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے شہرت رکھنے والے علماء کرام پر جگہ جگہ کیچڑ اُچھالا ہے۔ بالخصوص مولانا محمد شفیع سنکھتروی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا منظور احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہرزہ سرائی کی گئی ہے اور انہی میں انہوں نے علامہ خالد محمود صاحب پر بھی کرم فرمائی کرتے ہوئے یہ طوطا کہانی ایجاد کی تھی، دوسرے نمبر پر کتاب ''سیاسی اتار چڑھاؤ'' میں سابق وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کا انٹرویو بھی ہے جس میں کھلے عام قادیانیت جیسے بدبودار کفریہ طبقے کی حمایت و تبلیغ کی گئی ہے۔ تیسرے نمبر پر کتاب کے مرتب جناب منیر احمد منیر ہیں جو دینی طبقے سے خدا واسطے کا بیر رکھتے ہیں، نہایت آزاد خیال اور قادیانی نہ سہی، مگر مسلمانوں سے زیادہ اُن کی قادیانیوں کے ساتھ ہی گاڑھی چھنتی ہے۔ اور ان کے مکتبہ سے ہمیشہ قادیانی مصنفین اور دین بیزار لوگوں کی کتابیں ہی شائع ہوتی رہی ہیں، خود موصوف کا تعلق انہیں مذہب بیزار قسم کے لوگوں کے ساتھ ہے جو اپنے شناختی کارڈ میں والد کا نام بھی ''قانونی کاروائی'' کی ضرورت پوری کرنے کے لیے درج کرواتے ہیں۔ اب انصاف کیجیے کہ علامہ خالد محمود جن کا نام سن کر قادیانیت، رافضیت اور ملحد طبقہ کے اوسطان خطا ہو جاتے تھے۔ ان کی ذات سے وابستہ متذکرہ الزام کس قدر حقیقت پر مبنی ہو سکتا ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ اختلاف عقیدہ سے قطع نظر ضروری نہیں کہ ہر رافضی جھوٹ بولتا ہو اور ہر سنی ہمیشہ سچ ہی بولتا ہو، مگر ذرا دامن دیانت تھامئے، مرید حسین ایڈووکیٹ کو یہ ساری خامیاں علماء اہل سنت ہی میں کیوں نظر آئی ہیں؟ انہوں نے اپنی یادداشتوں میں جتنا کچھ اگلا ہے وہ اپنے مذہب کے خلاف نظریات رکھنے والوں کے خلاف ہی لکھا ہے۔ ان کو اپنی تحریکی اور مذہبی زندگی میں اپنوں کا تو گوبر اور تعفن تک محسوس نہ ہوا، مگر اپنے حریفوں پر انہوں نے وہ تہمت لگا دی جسے عقل بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے۔ ہم یہ کہنے میں بھی حق بجانب ہیں کہ علامہ صاحب کے والد گرامی نے اپنے بیٹے کی رہائی کے لیے اور منسوخ شدہ الاٹمنٹ بحال کرنے والے کے لیے جب مرید حسین ایڈووکیٹ سے رابطہ کیا ہوگا تو کیا ایڈووکیٹ صاحب نے بلا معاوضہ یہ مقدمہ لڑا ہوگا؟ اگر بلا معاوضہ لڑا تھا تو ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ اور یقیناً جب بلا معاوضہ نہیں لڑا تھا تو پھر اپنی ہی روزی کا سبب بننے والے عالم اسباب کے ذرائع پر تھوکنا کسی شر پسند رافضی کی فطرت ہی ہو سکتی ہے۔ علامہ صاحب کے والد گرامی کا ذکر ہم پہلے درج کر آئے ہیں کہ وہ ایک مضبوط سنی العقیدہ اور صوفی بزرگ تھے جنہوں نے اپنی ساری اولاد کو عصری اعلیٰ تعلیم یافتہ بنانے کے ساتھ ساتھ دین متین کے علوم سے بھی بہرہ ور کیا اور اللہ کریم نے انہیں علامہ خالد محمود اور پروفیسر احسان قریشی جیسی عظیم اولاد کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا۔ اس لیے ''نادِ علی'' کی آڑ میں یہ جتنا کچھ ایجاد کیا گیا ہے محض فرضی ہے اور اپنے حریف کے حق میں ہی کیا، جن کا پورے کا پورا مذہب ہی خود ساختہ اور فرضی ہو ان کے ہاں پیالی میں طوفان اٹھانا کونسا مشکل کام ہے؟ چنانچہ ہمیں سب سے زیادہ افسوس اہل حدیث مؤرخ جناب ڈاکٹر محمد بہاؤالدین صاحب پر ہے کہ اگرچہ انہوں نے دوسرے اڈیشن میں سے یہ عبارت مکمل حذف کر دی مگر پہلے اڈیشن میں چھپ جانے کی وجہ سے تاریخ کے کوڑے دان کا ایک کانٹا بن کر غلط فہمیوں کا سبب بن گئی۔ یہاں ہم نہایت معذرت کے ساتھ اہل حدیث دوستوں کی خدمت میں عرض کریں گے کہ اسی کتاب میں سر ظفر اللہ خان نے مولانا محمد ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی بہت کچھ کہا ہے، یہاں تک بھی کہ امرتسر کی عدالت میں مسٹر سیمور جج کی عدالت میں مَیں (ظفر اللہ خاں) نے مولانا امرتسری مرحوم کو تین روپے دیئے تھے اور وہ عدالت کے باہر کھڑے ہو کر ہاتھ میں تین روپے لہرا کر کہتے تھے ''ہمیں کچھ نہ کچھ مرزا صاحب سے ہمیشہ مل ہی جاتا ہے''۔ یہ بات ظفر اللہ خان نے اپنی آپ بیتی ''تحدیث نعمت'' میں بھی لکھی ہے اور زیر بحث کتاب ''سیاسی اتار چڑھاؤ'' میں شامل اپنے انٹرویو کے اندر بھی، تو کیا اہل حدیث مؤرخ اغیار کا یہ الزام بھی تسلیم فرمائیں گے اور کیا قادیانیوں کا یہ ہفوہ بھی ان کے لیے حجت قرار پائے گا؟ یا یہ مہربانیاں اور کرم فرمائیاں فقط علامہ خالد محمود کے خاندان کے لیے ہیں؟۔

آخر میں ہم مرید حسین ایڈووکیٹ کی مزید ایک عبارت پر ہلکا سا تبصرہ کر کے اس عنوان پر اپنی بحث کو سمیٹتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

''مولانا محمد علی کاندھلوی کی میں عزت کرتا ہوں، وہ کریکٹر کے آدمی ہیں، عالم بھی ہیں۔''

(سیاسی اتار چڑھاؤ، صفحہ نمبر ۲۹۶)

ایڈووکیٹ صاحب نے ۱۹۵۳ء کی تحریک کے ضمن میں علامہ صاحب اور ان کے والد گرامی پر الزام عائد کیا تھا اور اسی تسلسل

میں انہوں نے حضرت مولانا محمد علی کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے، لہٰذا ہم ۵۳ء ہی کے زمانہ کا ایک نمونہ پیش کرنے کی جسارت نہیں بلکہ سعادت حاصل کریں گے۔ جناب مولانا حکیم عبدالواحد صاحب جو جوانی کے زمانہ سے علامہ صاحب کے دست راست اور یارِ وفادار رہے ہیں، آپ نے کاتب السطور کی فرمائش پر واقعہ سنایا ہے کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک میں حضرت مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ بار بار نظر بند ہوئے۔ ایک مرتبہ رہائی کے بعد حضرت کاندھلوی سیالکوٹ جیل سے رہا ہو کر پہلے خطبہ جمعۃ المبارک میں بیان فرمارہے تھے تو علامہ خالد محمود خطبہ سماعت کرنے کے لیے تشریف لے گئے، تو آپ کی نظر علامہ صاحب پر پڑ گئی، دورانِ خطبہ ہی فرمایا: علامہ صاحب آگے آجائیں، آپ خود خطبہ دیں، پھر علامہ صاحب نے **الامر فوق الادب** کے تقاضے کے پیش نظر خطبہ جمعۃ المبارک ارشاد فرمایا۔

سفینہ برگِ گل بنا لے گا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہوگا

علامہ صاحب کا ۱۹۵۴ء کا ایک خط بنام مولانا افتخار احمد بگوی

قیام سیالکوٹ دور کا ایک خط جو علامہ صاحب نے مولانا افتخار احمد بگوی رحمۃ اللہ علیہ کے کسی خط کے جواب میں لکھا تھا، ملاحظہ فرمایئے:

محترمی ومکرمی زید مجدکم۔

وعلیکم السلام ورحمت اللہ وبرکاتہٗ۔ ہر دو خطوط موصول ہوئے۔ پہلے خط کے جواب میں موجب تاخیر یہ ہوا کہ انہی تاریخوں میں خیر المدارس ملتان کا جلسہ ہو رہا تھا۔ اس صورت میں میرے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ کس جلسے میں شرکت کروں؟ خیر المدارس سے بھی نیاز مندانہ مراسم تھے اور آپ سے بھی مسلک تبلیغ میں خاصہ لگاؤ تھا۔ اس لیے آپ کا دوسرا خط پہنچنے تک میں متردد ہی رہا۔ اب اسی خط کے ساتھ ملتان بھی لکھ رہا ہوں، بہتر ہوا کہ تاریخوں میں تبدیلی ہوگئی۔ مگر جیسا کہ پہلے بھی اتفاق ہوتا رہا، ۶، مارچ کو ہی ہمارے کالج میں جلسہ تقسیم اسناد ہو رہا ہے۔ جس میں میری شمولیت قانونی طور پر ضروری ہے اب ارادہ ہے کہ اسی دن بوقت شام یہاں سے روانہ ہو کر اتوار کو حاضر جلسہ ہو جاؤں گا۔ اس لیے اب میرا پروگرام گویا اتوار پر ہی رکھیں، نیز اپنے جلسہ کے مسلک تبلیغ سے مطلع کرتے ہوئے عنوانِ تقریر بھی متعین فرما دیجیے۔ کیونکہ بدلتے ہوئے حالات میں شاید آپ بھی عنوان بدل رہے ہوں۔ ورنہ ہم بھی وہی پرانے ہیں اور ہمارا مسلک تبلیغ بھی بفضلہ تعالیٰ وہی پرانا ہے۔ والسلام خالد محمود۔ فروری ۱۹۵۴ء۔

(مشمولہ خط تذکارِ بگویہ جلد سوم صفحہ نمبر ۲۵۵، مطبوعہ مجلس حزب الانصار بھیرہ)

یہ خط کئی ایک دبیز پردوں تلے دبے ہوئے حقائق کو طشت ازبام کرنے میں بھرپور مدد کر رہا ہے مثلاً یہ کہ محض ۲۹ رسال کی عمر میں علامہ صاحب ایم اے کر چکے تھے، ڈابھیل سے درس نظامی کا کورس مکمل کر چکے تھے، مرے کالج سیالکوٹ میں بطور پروفیسر سروس بھی کر رہے تھے، مناظرہ وتقریر کا کام بھی اپنے عروج پر تھا۔ تصنیف وتالیف میں ''آثار والتنزیل''، مکمل آثار الحدیث کے اکثر حصے اور ''مصباح الظلام'' تصنیف کر چکے تھے۔ دور دراز شہروں اور پنجاب کے مقتدر اداروں کے سالانہ اجلاس وجلسوں میں

مدعو کیے جاتے تھے اور خط کی ایک اہم بات یہ بھی کہ آپ اپنے موقف و کاز میں زبردست متصلب تھے، اور ہر ماحول و ہر حالت میں اپنے اکابرین کے طرزِ عمل کو بنیاد بنا کر دینی فرائض ادا کرنے پر ثابت قدم تھے۔ اگر یوں کہیں تو بے جا نہ ہوگا کہ متذکرہ خط اب تک پیش کردہ ہمارے مشاہدات و واقعات اور آثار و حالات پر ایک زبردست سند اور تائیدی سرٹیفکیٹ ہے۔

علامہ صاحب کی سیالکوٹ سے لاہور آمد

ہماری تحقیق کے مطابق علامہ صاحب نے ۱۹۵۷ء تک مرے کالج سیالکوٹ میں تقریباً آٹھ سال گزارے۔ اس کی تائید اس خیال سے ہوتی ہے کہ سید ریاض الحسن گیلانی ایڈووکیٹ کا کہنا ہے کہ میں نے ۵۵ء سے ۵۷ء تک کے تین سال علامہ صاحب کی شاگردی میں مرے کالج کے اندر گزارے ہیں۔ دوسری جانب لاہور ایم اے او کالج دور کے ایک شاگرد جناب پروفیسر نصیر اے چوہدری صاحب کا کہنا ہے کہ ۵۸ء میں علامہ صاحب کا ٹرانسفر ایم اے او کالج لاہور میں ہوا تو میں نے ۱۹۶۳ء تک کا ان کا دور یہاں دیکھا اور خوب دیکھا، اس کی تفاصیل پیش کرنے سے پہلے علامہ صاحب کا ایک اور کارنامہ پیش کیا جاتا ہے جسے قیام سیالکوٹ کا آخری کارنامہ قرار دیا جاسکتا ہے اس کے بعد لاہور منتقلی ہوگئی تھی وہ یہ کہ مؤرخہ ۲۳، مارچ ۱۹۵۷ء کو جامعہ خیر المدارس ملتان کے شوریٰ کے اجلاس میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ نے مدارس عربیہ کے انضباط و ارتباط کے لیے ''وفاق المدارس العربیہ'' قائم کرنے کی تجویز دی جسے اکابرین نے متفقہ رائے سے پاس کیا، اس کے پہلے اجلاس منعقدہ مؤرخہ ۱۸، ۱۹، اکتوبر ۱۹۵۹ء میں مولانا خیر محمد رحمہ اللہ نے علامہ صاحب کو شرکت کی دعوت دی تھی اس کا ذکر بارہا آپ رحمہ اللہ نے کیا اور اواخر زندگی میں ایک بڑے اجتماع کے اندر بھی علامہ صاحب نے اپنی تقریر کے آغاز میں ہی فرمایا کہ میں وفاق المدارس کے قیام کے بعد ہونے والی پہلی میٹنگ کے اندر شریک تھا، یہ بیان یوٹیوب پر موجود ہے۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ ''وفاق المدارس کے قیام کی ضرورت واہمیت'' کے نام سے پہلی تحریر میں نے ہی لکھی تھی جس کی اصلاح مولانا خیر محمد رحمہ اللہ نے فرمائی تھی۔ آج نظم وفاق میں ملک بھر کے ہزاروں مدارس مربوط ہیں اور ایک شاندار معیار کے تحت یہ سلسلہ جاری ہے، اس سلسلہ خیر میں علامہ صاحب کا کردار بھی شامل ہے۔

علامہ صاحب کو لاہور کیوں لایا گیا؟

حضرت علامہ صاحب کو سیالکوٹ سے لاہور منتقل کروانے میں امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کا حکم شامل تھا جسے امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ اور مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کی تائید و تصویب نے عملی جامہ پہنا دیا، قیام سیالکوٹ ہی میں علامہ صاحب کی ندرت و حکمت کو جانچتے ہوئے حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے آپ کی سرپرستی شروع فرما دی تھی، حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے حیات کے آخری دس سالوں میں علامہ خالد محمود رحمہ اللہ نے آپ کی قربت و صحبت سے خاطر خواہ فوائد کشید کیے۔ چنانچہ علامہ صاحب خود ارشاد فرماتے ہیں:

''راقم الحروف کو حضرت مرحوم کے ساتھ ان کی زندگی کے آخری دس سالوں میں بہت قریب رہنے کا موقع ملا ہے۔ جمعیت

علماء اسلام میں ان کی سربراہی میں کچھ دینی جدوجہد کرنے کا موقع بھی ملا اور حضرت کی معیت میں سندھ اور کراچی کے متعدد سفر بھی کیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت کی شخصیت اور خدمات کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس پس منظر میں دور تک جانا ہوگا جس کی خارزار راہوں سے دینِ حق کے ہر پرستار کو گزرنا ہوتا ہے۔ مولانا احمد علی مرحوم اس خارزار وادی سے بہت کامیابی سے گزرے اور جب آپ نے سفر آخرت اختیار کیا تو آپ پر آسمان بھی رحمتیں برسا رہا تھا اور پرندے بھی سایوں کے پرے باندھے ہوئے تھے اور ہر زبان سے یہ بات نکل رہی تھی کہ ایک خدا پرست اپنے مولا کے پاس جا رہا ہے۔"

(عصر حاضر کے زعیم اسلام، مشمولہ ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور کا حضرت لاہوری نمبر، صفحہ ۱۹۷۹/۲۰۱ء)

علامہ صاحب کی مذکورہ عبارت پڑھنے سے یہ بات خوب عیاں ہوتی ہے کہ حضرت امام لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں علامہ صاحب کی قدر و منزلت کیا تھی؟ علامہ صاحب اکثر و بیشتر فرمایا کرتے تھے کہ جمعیت علماء اسلام کو مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ دینے والا میں ہوں، ایک مرتبہ مولانا لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ سیاسی مزاج رکھنے والے ایک مخلص و قابل عالم کی جمعیت کو ضرورت ہے۔ میں نے کہا مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں مولانا مفتی محمود نام کے ایک مدرس ہیں جو نہایت پاکیزہ سیاسی افکار رکھتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے مفتی صاحب کی حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کروائی تھی اور یہ واقعہ ۱۹۵۶ء میں جمعیت علماء اسلام کی نشاۃ ثانیہ سے سال ڈیڑھ قبل کا ہے۔ علامہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کوئی کرامت دیکھ کر، کرامات کے واقعات سن کر یا وعدۂ حور و قصور پر حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے رشتہ اعتقاد قائم نہیں کیا تھا بلکہ پہلی ملاقات میں حضرت کے روحانی تصرفات سے میں نے لوگوں کا نشہ غرور ہرن ہوتے دیکھا، اور مذہبی و مسلکی اعتبار سے امام لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو بہت حساس اور خبر دار پایا۔ چنانچہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ صاحب کو حکم دیا کہ میری معلومات کے مطابق لاہور کے قدیم علاقہ کرشن نگر (جس کا بعد میں اسلام پورہ نام رکھا گیا ہے) کو شیعہ اسٹیٹ بنانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اور اس سلسلہ میں کچھ خفیہ طاقتوں کا پلان یہ ہے کہ ربوہ (چناب نگر) کو قادیانیت اور لاہور کے علاقہ کرشن نگر کو رافضیت کا گڑھ بنایا جائے۔ لہٰذا ہم اگر کچھ کر سکتے ہیں تو انہیں علم و عقل کی طاقت سے شکستہ دست کر سکتے ہیں۔ لہٰذا آپ اپنا ٹرانسفر لاہور کروالیں اور رہائش کرشن نگر میں رکھ لیں تاکہ کالج کی تدریس کے ساتھ ساتھ مذہبی و دینی فرائض کی ادائی سے بھی سبکدوشی ممکن ہو سکے۔ کرشن نگر اور سنت نگر کے علاقے قیام پاکستان سے پہلے اکثریتی ہندوؤں کے رہائشی علاقے تھے۔ مذہبی رسومات اور ہلہ گلہ کرنے میں چونکہ ہندوؤں اور روافض میں خاصی مشابہت اور قرب موجود ہے۔ قیام پاکستان سے بہت پہلے غالباً ۱۸۳۰ء کے زمانہ میں غلام علی شاہ عرف گاما اور مائی گاماں اپنے سروں پر تعزیئے اٹھا کر گلی کوچوں میں گھومتے تھے اور موجودہ کربلا گامے شاہ آکر اختتام کرتے تھے۔ پرانے لوگوں کی بیان کردہ روایت کے مطابق یہ دونوں اپنی سرگرمیوں کو ہندو، رافضی نوجوانوں کی مدد سے آنچ دیتے تھے۔ چنانچہ علامہ صاحب ۱۹۵۸ء میں اپنا تبادلہ کروا کر مستقل رہائش رکھنے کے عزم کے ساتھ لاہور تشریف لے آئے۔ اور ایم اے او کالج لوئر مال میں سلسلہ تدریس شروع کر دیا، یہاں پر ابتدائی دو سال تو آپ نے فارسی کے مضامین پڑھائے ہیں، دینی جدوجہد اب لاہور میں شروع ہوگئی اور یہاں آکر علامہ صاحب نے ایک پل آرام نہیں کیا بلکہ اپنے کاموں میں حسب دستورِ سابق پوری توانائی کے ساتھ منہمک

ہو گئے۔ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق سنت نگر دیو سماج روڈ پر مکان نمبر ۱/۳۲ خرید لیا اور ''دار المعارف'' کے نام سے اشاعتی ادارہ کی ابتداء بھی اسی مکان سے کر دی۔ سیالکوٹ اور لاہور منتقل ہونے میں علامہ صاحب کو بعض خاندانی آزمائشوں سے دو چار ہونا پڑا تھا جس میں ذہنی پریشانی تو تھی ہی، مالی خسارے اور باقاعدہ حق تلفیوں کے سانحات بھی پیش آئے، مگر صبر و ثبات کو اپنا شیوہ بنا کر آپ رحمۃ اللہ علیہ منزل کی جانب رواں دواں رہے۔ یہاں آکر علامہ صاحب نے پہلے پہل تنظیم اہل سنت کے زیر اہتمام ایک بہت بڑی کانفرنس کا انعقاد کیا، جس کے مقرر خصوصی علامہ صاحب خود ہی تھے۔

نہرو پارک میں علامہ صاحب کی تاریخی کانفرنس

مولانا خالد محمود صاحب (مدرس جامعہ مدنیہ جدید لاہور) کرشن نگر کے رہنے والے ہیں اور حافظ غلام محمد مرحوم کے بیٹے نیز غنی مسجد کے خطیب بھی ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۹۵۸ء میں ہوئی والد گرامی نے علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ سے متاثر ہو کر ان کا نام ''خالد محمود'' رکھا۔ مولانا خالد محمود کے والدین بھی امرتسر سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہوئے تھے مگر امرتسر میں کبھی ان کی علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات نہ ہوئی تھی، یہیں پر رہ و رسم بڑھی تو ''امرتسری'' ہونے کی وجہ سے ان کے خاندان کا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق پیدا ہوا۔ مولانا خالد محمود صاحب کا کہنا ہے کہ مارچ ۱۹۵۸ء میں سابقہ نہرو پارک، (موجودہ نام افغان پارک) میں علامہ صاحب کی رات بعد از نماز عشاء تقریر تھی۔ ہمارے والد حافظ غلام محمد صاحب بتایا کرتے تھے کہ علامہ صاحب نے میز پر شیعوں سنیوں کی کتابوں کا کافی بڑا ذخیرہ جمع فرمایا اور عشاء کے بعد آپ نے حقانیت اہل سنت، عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابہ و اہل بیت کی رشتہ داریوں سے متعلق اتنا مفصل اور جامع بیان کیا کہ اہلیانِ کرشن نگر انگشت بدنداں رہ گئے۔ اور یہ اس قدر بڑا اجتماع تھا کہ اس شب کرشن نگر اور سنت نگر کے گھروں میں صرف مستورات اور بچے ہی تھے، مرد کل کے کل علامہ صاحب کی تقریر سننے گئے ہوئے تھے۔ کرشن نگر میں بیداریٔ اہل سنت کا یہ پہلا بڑا اجتماع تھا جو قیام پاکستان کے بعد پہلی مرتبہ منعقد ہوا اور یہ علامہ صاحب کے سوزِ دل کا نتیجہ تھا۔ ایم اے او کالج میں تدریس کے ساتھ ساتھ کرشن نگر کے مونگے سٹریٹ کی فضلیہ مسجد میں جمعۃ المبارک بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ پڑھاتے رہے۔ اور انگلینڈ منتقل ہونے سے پہلے عیدین کی نمازیں بھی پڑھاتے تھے۔ اور بعض اوقات سیالکوٹ کے احباب علامہ صاحب سے عید نماز و خطاب کی دعوت دیتے تو وہاں بھی تشریف لے جاتے تھے۔ اس دور کی ایک خبر چوکھٹے میں درمیان صفحہ پر یوں شائع ہوئی تھی:

> ''سیالکوٹ میں نماز عید، علامہ خالد محمود کا بصیرت افروز خطبہ، تنظیم اہل سنت سیالکوٹ کے زیر اہتمام جناح پارک سیالکوٹ کے عظیم وسیع میدان میں نماز عید بڑے تزک و احترام سے ادا کی گئی، تیس ہزار فرزندانِ اسلام نے اس سالانہ اسلامی تقریب پر عظیم اجتماعِ ملی کا مظاہرہ کیا۔ حضرت علامہ خالد محمود صاحب نے دستور اسلامی اور سالمیت کشمیر پر نہایت روشن حقائق پیش کیے...... فضا تنظیم اہل سنت زندہ باد کے فلک بوس نعروں سے گونج رہی تھی۔'' (نامہ نگار ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور ۸، مارچ ۱۹۶۳ء، صفحہ نمبر ۱۳)

علامہ صاحب جب لاہور ایم اے او کالج لاہور میں تعینات ہوئے تو اس وقت کالج کے پرنسپل پروفیسر دلاور حسین تھے۔

علامہ صاحب یہاں ایم اے او کالج یونین کے ایڈوائزر بھی رہے۔ اور کالج میں منعقد ہونے والی تمام تقریبات میں علامہ صاحب کا ایک اہم کردار ہوتا تھا۔ اس دور میں کالج کے اندر ہونے والی تقاریب ممتاز دولتانہ، مولانا کوثر نیازی، میاں طفیل محمد اور مولانا عبدالستار خان نیازی اکثر و بیشتر متحرک نظر آتے تھے۔ اس سلسلہ میں پروفیسر نصیر اے چوہدری ہمارے بہت کام آئے۔ کاتب السطور کرشن نگر میں مولانا مفتی عبدالقوی صاحب کی وساطت سے پروفیسر صاحب موصوف کو ملنے گیا (مولانا عبدالقوی صاحب کا تعارف آمدہ سطور میں ہوگا) جناب بھائی عدیل رومی صاحب کی رہائش گاہ پر پروفیسر صاحب کی ہمارے ساتھ ملاقات ہوئی تو انہوں نے پرانی یادوں کے کئی چراغ روشن کر کے حیران کر دیا۔ پروفیسر نصیر اے چوہدری صاحب علامہ صاحب کے شاگرد ہیں اور اپنے طالب علمی زمانہ میں کالج یونین میں جوائنٹ سیکرٹری اور وائس پریذیڈنٹ بھی رہے۔ پروفیسر صاحب کا کہنا ہے کہ اس وقت علامہ صاحب پُر جوش مبلغ تھے اور مسلمہ سکالر کی حیثیت سے کالج پروگراموں میں تقریریں کیا کرتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ کرشن نگر کی گلیوں بازاروں اور چوکوں پر علامہ صاحب کتابیں اٹھا کر اسٹول پر کھڑے ہو جاتے، لوگ جمع ہونا شروع ہو جاتے اور علامہ صاحب فارسی کتابوں کی عبارتیں پڑھ پڑھ کر لوگوں کو رافضیت کے غلط عقائد اور عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واہل بیت سے آگاہ کرتے۔ کرشن نگر میں امام بارگاہ بلتسانیہ اور پاؤنڈ وسٹریٹ والی امام بارگاہ میں بڑی بڑی مجلسیں ہوتی تھیں۔ جنہیں عرف عام میں ''امام باڑہ'' کہا جاتا تھا تو علامہ صاحب اپنے بیانات میں کہتے تھے۔ ''باڑہ'' کسے کہتے ہیں؟ جواب ملتا وہ جگہ جہاں بکریاں وغیرہ باندھی جاتی ہیں۔ علامہ صاحب فرماتے تو سوچو ''امام باڑہ'' کا معنی کیا ہوا؟ بس اس سے آگے کچھ نہ کہتے۔ تفصیل لوگوں پر ہی چھوڑ دیتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ لوگ اپنے گھروں میں بچوں کو رٹاتے تھے کہ ''امام بارگاہ'' کہنا ہے امام باڑہ نہیں تا کہ پروفیسر خالد محمود کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔ پروفیسر نصیر اے چوہدری صاحب کا کہنا ہے کہ ایران کی چھپی کتابیں علامہ صاحب اپنے ساتھ رکھتے تھے اور انہیں میں سے صحابہ کرام واہل بیت کے مابین تعلقات ورشتہ داریاں ثابت کرتے تھے۔ باوجود ایسے نازک اور پیچیدہ مسائل کے کبھی دنگا فساد نہ ہوا، بلکہ اہل علاقہ علامہ صاحب کی مثالیں دیتے کہ دیکھو اپنا موقف ڈنکے کی چوٹ پر بیان کر جاتے ہیں کبھی کی نوبت نہیں آتی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ پرامن اور صحیح العقیدہ لوگوں کی روز بروز ایک جماعت بڑھتی گئی، یوں یہ کہنے میں قطعاً مبالغہ نہ ہوگا کہ اہلیانِ لاہور اور خصوصاً کرشن نگر (اسلامپورہ) اور ملحقہ آبادیوں کے اہل سنت علامہ صاحب کے نخلِ فطرت کے میٹھے پھل تھے جنہیں دیکھ کر اور چکھ کر علامہ صاحب کے شجر علم وفضل کے گھنے سائے کا اندازہ کرنا ممکن ہوتا۔

اسلام پورہ کی مسجد حنفیہ، علامہ صاحب کی دینی سرگرمیوں کا اہم مرکز

جامع مسجد حنفیہ کرشن نگر (اسلام پورہ) میں شری رام روڈ پر واقع اہم دینی مرکز ہے، شری رام روڈ کو اب ''ابوبکر روڈ'' بھی کہا جاتا ہے جس سے متصل ''کپڑے والا بازار'' مشہور ہے۔ مگر چونکہ چند قدم سے گزرنے والے مین روڈ کا نام دیانند روڈ ہے۔ اس لیے اس نے دیانند روڈ والی مسجد کے نام سے شہرت پائی ہے۔ یاد رہے کہ دیانند روڈ کو اب ''سعدی روڈ'' کہا جاتا ہے۔ آج کل یہاں مولانا مفتی عبدالقوی خطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں اور ساتھ ہی کچھ فاصلے پر ''اقراء تربیت الاطفال'' کے نام

سے ایک اسکول بھی چلا رہے ہیں۔ مفتی عبدالقوی صاحب کو ایک طویل عرصہ حضرت علامہ صاحب کی رفاقت میں رہ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کرنے کے مواقع ملے ہیں۔ مفتی صاحب نفیس و نرم طبیعت کے مالک ہیں، اور اہم یادداشتوں کا ایک دفتر ان کے سینے میں محفوظ ہے۔ علامہ صاحب کے تیار کردہ نگینوں میں سے یہ نگینہ بھی اپنے اندر معانی کا شہرستان رکھتا ہے۔ مفتی صاحب نے کاتب السطور کو بتایا کہ میرے دادا، والد، میں خود اور آگے میرے بچے گویا ان چار نسلوں نے علامہ صاحب کی زیارت کی، ان کے فیوض سے مستفید ہوئے آپ کا کہنا ہے کہ ابتدائی دور میں جامع مسجد حنفیہ ایک چھوٹے برآمدہ، بڑے صحن اور آگے تین دکانوں پر مشتمل تھی۔ اب تعمیر جدید میں تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ مسجد کا کل رقبہ تقریباً ۱۳، مرلہ ہے اور اس لحاظ سے انتہائی حساس جگہ ہے کہ یہاں ہر سال محرم الحرام میں اہل تشیع کے ماتمی دستے گزرتے اور مسجد سے متصل چوک پر کھڑے ہو کر اشتعال انگیز نعرہ بازی کرتے ہیں۔ ماضی میں کبھی کبھار انتہائی خطرناک صورتحال کی وجہ سے بڑے پیمانہ پر نقصانات ہوتے ہوتے رہ گئے۔ ابوبکر اویس احمد شبلی (نائب ناظم تنظیم اہل سنت لاہور) کی اس دور میں اہل تشیع کی چیرہ دستیوں پر مشتمل مفصل مقالات و خبریں ہفت روزہ ''دعوت'' میں شائع ہوا کرتے تھے۔ صرف ماہ محرم الحرام ہی نہیں بلکہ ماہ مقدس رمضان المبارک میں بھی نماز تراویح کے وقت کرشن نگر اور سنت نگر کے امامیہ لاؤڈ اسپیکر پر مجلسیں بپا کر دیتے تھے جس سے اہل السنۃ والجماعۃ کا شغف عبادت شدید متاثر ہوتا تھا۔ علامہ صاحب کے دور میں یعنی ۱۹۵۸ء کے زمانہ میں حنفیہ مسجد کے برآمدہ اور دو کانوں کی چھت پر علامہ صاحب اسٹیج لگایا کرتے تھے اور آگے پورے بازار میں دائیں بائیں سینکڑوں کی تعداد میں عوام ایستادہ علامہ صاحب کا خطاب سنا کرتے تھے۔ اس اجتماع میں اہل تشیع کی بھی ایک بڑی تعداد موجود ہوتی تھی جو کاغذ کی پرچیوں پر سوالات لکھ کر اسٹیج پر بھیجتے اور علامہ صاحب ان کے مدلل جوابات دیا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں ایک شیعہ ذاکر کہیں سے آ نکلا اور علامہ صاحب کو مباحثہ کا چیلنج دیا، علامہ صاحب تو اس کے چہرے بشرے سے ہی بھانپ گئے کہ یہ کس معیار کا مناظر ہے؟ مگر اس نے وقت سے پہلے ہی اپنی جہالت کا ڈھکن یوں کہہ کر اٹھا دیا کہ ''مناظرہ عربی میں ہوگا'' علامہ صاحب نے مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مناظرے کا مقصد باہم تبادلۂ خیالات کر کے سننے والوں کو دلائل کے ساتھ اپنی اپنی فکر کے صواب سے آگاہ کرنا ہوتا ہے، اب یہ صاحب فرما رہے ہیں کہ مناظرہ عربی میں ہوگا تو اس پورے مجمع میں کتنے لوگ ہیں جو عربی سمجھ سکتے ہیں؟ جب جواب نفی میں آیا تو علامہ صاحب نے فرمایا ہاں البتہ یوں کر لیتے ہیں کہ پہلا مناظرہ اردو میں ہو جائے اس کے بعد اگلی نشست عربی میں ہو جائے گی، مگر امامی اپنی بات پر قائم رہا، آخر کار علامہ صاحب نے سامنے موجود ایک کیکر کے درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ چلیں بات ختم کرتے ہیں، یہ ذاکر صاحب عربی میں کیکر کا نام بتا دیں تو مناظرہ عربی میں شروع ہو جائے گا؟ اب ذاکر صاحب کو دانتوں پسینہ آنے لگا۔ اِدھر مجمع میں سے لوگ اس کے گرد اکٹھے ہو گئے، کہ آپ کو عربی دانی کا زعم ہے تو کیکر کا نام بتا کیوں نہیں دیتے؟ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ اس پر کچھ ایسی ہیبت طاری ہوگئی کہ زبان تھتھلانے لگی اور موقع پاتے ہی دم دبا کر بھاگ نکلا۔

ایم اے او کالج لاہور میں آپ رحمۃ اللہ علیہ فارسی کے پروفیسر رہے۔ اگرچہ آخری دو سالوں میں اسلامیات کے مضامین بھی پڑھاتے تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ علامہ صاحب کی چند گھنٹے کالج کی کلاسوں کے علاوہ پوری زندگی دین اسلام کی نشر و اشاعت کے

لیے وقف تھی۔آپ کالج کے ماحول میں بھی اپنی دینی سرگرمیاں جاری رکھتے تھے نیز کرشن نگر، سنت نگر کی گلیاں، سنت نگر کی گلیاں، چوک وچوراہے، بازار، مسجدیں اور چند خاص دوکانیں تو آپ کے علمی معرکوں کی آج بھی داستانیں پیش کرتی ہیں۔ان داستانوں کو سننے کے لیے کان چاہئیں اور ان ایام رفتہ کا نظارہ کرنے کے لیے منصفانہ نگاہوں کی ضرورت ہے۔ یہاں تنظیم اہل سنت کے زیر اہتمام لاہور شہر میں جگہ جگہ جلسوں کا ایک جال بچھ گیا، جس سے قصور، شیخوپورہ، گوجرانوالہ اور حافظ آباد کے اہل سنت بھی بیدار ہوئے۔اورانہوں نے بھی اپنے اپنے شہروں میں عظمت صحابہ کے جلسوں کا انعقاد شروع کردیا، یہ سب علامہ صاحب کی ڈالی ہوئی داغ بیل تھی جس پر عقائد وافکار صحیحہ کی ایک مضبوط عمارت کھڑی ہوچکی تھی۔اپنے گھر کے قریب زیادہ تر علامہ صاحب نمازوں کی ادائیگی مسجد رحمت العالمین اور غنی مسجد میں کرتے تھے، یہ سنت نگر میں واقع ہیں، جبکہ جمعۃ المبارک کا خطبہ مونگے سٹریٹ کی فضیلہ مسجد میں دیتے رہے، نیز فاروقی مسجد آخری بس سٹاپ کرشن نگر اور مسجد حنفیہ دیانند روڈ (سعدی روڈ) میں جلسوں کے اجتماعات اور ہفتہ وار دروسِ قرآنِ مجید میں بھی خطاب فرماتے تھے۔اس دوران مقامی سطح پر وہ شہری حضرات جو تنظیم اہل سنت میں باقاعدہ وقت نہیں پاتے تھے ان کے لیے ''ادارۂ تبلیغ قرآن وسنت'' کے نام سے ایک یونٹ قائم کی جس کے متحرک کرداروں میں خواجہ اویس احمد شبلی اور حافظ طالب حق تھے۔علاوہ ازیں علامہ صاحب ہر جمعۃ المبارک کو بعد نماز مغرب ڈاکٹر سلیم احمد پیرزادہ کے مکان پر بھی درس قرآنِ مجید دیتے تھے جس سے اہل علاقہ کا شوق دن بہ دن دین حق اور مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف بڑھتا گیا۔اس دور میں اس درس کا اشتہار مندرجہ ذیل متن کے ساتھ شائع ہوتا تھا۔

''کرشن نگر لاہور میں درس قرآن''

ہر جمعہ کو بعد نماز مغرب ڈاکٹر سلیم احمد پیرزادہ صاحب کے مکان واقع امرت روڈ ملحقہ یدھشٹر روڈ پر علامہ خالد محمود صاحب سیالکوٹی درس قرآن دیتے ہیں۔جس میں شہر کے مختلف علاقوں سے معززین شرکت فرماتے ہیں۔ حجۃ اللہ فی الارض حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اندازِ فکر پر قرآن کریم کے مطالب اور حقائق بیان ہوتے ہیں۔ بیرون جات کے حضرات جب کبھی بروز جمعہ لاہور وارد ہوں تو اس درس قرآن سے ضرور استفادہ فرماویں۔

منجانب: خواجہ ابوبکر اویس احمد شبلی، صدر ادارہ تبلیغ قرآن وسنت ''کرشن نگر لاہور''۔

(ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور صفحہ آخر، ۱۲، اکتوبر ۱۹۶۲ء)

ادارہ تبلیغ قرآن وسنت کرشن نگر کے زیر اہتمام سالانہ جلسہ بھی ہوا کرتا تھا، جس میں تنظیم اہل سنت کے اکابرین شرکت فرماتے تھے۔اُسی دور کے ایک جلسہ کا اعلان مندرجہ ذیل شائع ہوا تھا:

''مؤرخہ ۱۶، ۱۷ اکتوبر (۱۹۶۳ء) بروز پیر منگل بعد از نماز عشاء چوک اسلام پورہ کرشن نگر، لاہور میں ادارہ تبلیغ قرآن وسنت کرشن نگر کا سالانہ جلسہ ہوگا۔جس میں حضرت علامہ دوست محمد صاحب قریشی، ناظم اعلیٰ تنظیم اہل سنت پاکستان، مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب، خطیب اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خان صدر تنظیم اہل سنت لاہور، مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالستار خان صاحب نیازی، شاعر اہل سنت الحاج سید امین گیلانی اور جناب محمد بخش صاحب چشتی شرکت فرما رہے ہیں۔''

اس دور میں کرشن نگر میں معروف شیعہ عالم کفایت حسین نقوی بھی مقیم تھے جو اپنے نام کے ساتھ بطور خاص ''حافظ'' لکھواتے تھے۔قرآنِ مجید کے حافظ تو اللہ جانے تھے یا نہیں؟ تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینے میں انہیں بہت کچھ یاد رہتا تھا۔ یہ بلند شہر کے پیدائشی تھے۔۱۹۳۹ء میں جب لکھنؤ کے اندر تبرا ایجی ٹیشن کے نام سے متحدہ برصغیر کے دور دراز شہروں سے روافض جمع ہو کر گالیاں دینے کا مظاہرہ کرتے تھے تو موصوف بھی اپنے فن کا مظاہرہ کرنے وہاں جا پہنچے تھے۔کرشن نگر میں جون ۱۹۶۳ء بڑے پیمانے پر شیعہ سنی فسادات ہوئے ہیں۔جو پورے شہر کی گلیوں کوچوں کو اپنی لپیٹ میں لیتے ہوئے پورے پنجاب میں پھیل گئے تھے، انہی فسادات میں علامہ خالد محمود صاحب کو مع رفقاء دو ماہ کے لیے ضلع بدر کر دیا گیا تھا،ان فسادات کے پیچھے (حافظ) کفایت حسین صاحب کا کافی عمل دخل تھا۔اور تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے یہ بات بھی ثابت ہوئی تھی کہ موصوف کے بیٹے سے چاقو بھی برآمد ہوا ہے۔اس دور میں چاقو بستہ ب کے بدمعاشوں سے ہی برآمد ہوتا تھا اور یہ ''آتشیں اسلحہ'' میں شامل سمجھا جاتا تھا۔ان فسادات کی تفصیلات کی اگر ضرورت محسوس کی گئی تو ہم آئندہ سطور میں پیش کر دیں گے۔حافظ کفایت حسین صاحب باقاعدہ مناظر کی حیثیت سے تو علامہ صاحب کے سامنے نہ آئے تاہم دستی پرچیوں کے ذریعے نوک جھونک چلتی رہتی تھی۔

سول سیکرٹریٹ کی جامع مسجد میں خطابت

کرشن نگر کی مقامی مسجد (فضلیہ،مونگے سٹریٹ) میں جمعۃ المبارک پڑھانے کے دوران ایم اے او کالج کے بعض فکر مند پروفیسرز حضرات اور کچھ دیگر علماء کرام (جن میں مولانا محمد اجمل خان اور مولانا محمد ابراہیم تلوار والے شامل تھے) نے علامہ صاحب کو رائے دی کہ سیکرٹریٹ والی مسجد میں آپ جیسی علمی شخصیت اگر جمعۃ المبارک پڑھانے کی ذمہ داری لے لے تو مختلف عنوانات پر آپ کے خطبات سے اہل شہر کو بہت فائدہ ہوگا۔اس وقت سیکرٹریٹ کی مسجد سرکاری تحویل میں نہیں تھی۔ پرائیویٹ نظم میں تھی۔ چنانچہ ارباب حل وعقد سے مشاورت کے بعد علامہ صاحب نے وہاں جمعۃ المبارک کا خطبہ شروع کر دیا، یہاں علامہ صاحب کی طبیعت بہت کھلتی تھی۔فرماتے تھے اسی دور میں زیادہ تر میرے خطابات حجیت حدیث پر ہوتے تھے اور شیعہ،سنی نزاعی مسائل کو میں نے کرشن نگر اور سنت نگر تک محدود کر دیا تھا۔ البتہ بیرون لاہور ملک بھر میں جہاں بھی دعوت ملتی تھی، زیادہ تر میری تقریر کے موضوعات عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق ہوتے۔ایک مرتبہ علامہ صاحب کی دعوت پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاسمی محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے بھی اجتماع جمعہ سے مفصل خطاب فرمایا تھا،جس کی خبر یوں شائع ہوئی تھی:

''بروز جمعۃ (المبارک) جامع مسجد سول سیکرٹریٹ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ نے فضیلت جمعہ کے عنوان پر ۲ گھنٹہ تک بصیرت افروز خطاب فرمایا۔آپ کے ارشاد عالیہ سے مستفید ہونے کے لیے لاہور اور بیرون لاہور سے ہزاروں افراد تشریف لائے۔آپ کی بصیرت افروز تقریر کو ریکارڈ کرنے کے لیے چار ٹیپ ریکارڈر لگے ہوئے تھے۔آپ کی تقریر کے بعد حضرت علامہ خالد محمود صاحب خطیب جامع مسجد سول سیکرٹریٹ نے حضرت حکیم الاسلام کی تشریف آوری اور افاضہ فرمائی کا شکریہ ادا کیا۔'' (ہفتہ روزہ ''دعوت'' لاہور صفحہ نمبر ۱۰، ۱۱ / ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۳ء)

یاد رہے کہ علامہ صاحب سے پہلے سیکرٹریٹ کی جامع مسجد میں مولانا غلام محمد ترنم خطبہ جمعۃ المبارک دیتے تھے، ان کا انتقال ۱۹۵۹ء میں ہو گیا تھا اور وفات سے چھ ماہ قبل تک وہ کم وبیش دس سال تک خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ مولانا غلام محمد ترنم مرحوم کے بعد اس جگہ کی خطابت حضرت علامہ صاحب نے سنبھال لی جو آپ کے خانیوال تبادلہ ہونے تک جاری رہی۔ مولانا ترنم مرحوم نے ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ علامہ صاحب کی اسی دور کچھ تحریریں نظر سے گزری ہیں جن کے آخر میں آپ اپنا مکمل نام ''خالد محمود عفا اللہ عنہ پروفیسر ایم اے او کالج لاہور، خطیب جامع مسجد سیکرٹریٹ'' لکھا کرتے تھے۔ جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ رہی ہے کہ سول سیکرٹریٹ کی جامع مسجد کے منبر کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس پر علامہ صاحب جیسی عبقری صفت شخصیت آواز حق بلند کرتی رہی۔

۱۹۶۰ء کا ایک حیرت انگیز واقعہ، جب ٹرین ایکسیڈنٹ میں علامہ صاحب محفوظ رہ گئے

علامہ صاحب کے بھتیجے جناب محمد ریاض قریشی صاحب کافی ضعیف ہیں، دماغی طور پر منتشر رہنے کی وجہ سے یادداشتوں کا استحضار بہت کم ہے۔ طبیعت میں بوجہ ضعف وعلالت ٹھہراؤ بھی نہیں ہے۔ ان کے صاحبزادہ جناب محمد فیاض قریشی صاحب یعنی علامہ صاحب کے پوتے سے کاتب السطور نے وقت لیا اور ان کی رہائش گاہ واقع شام نگر، چوبرجی جا پہنچا۔ تاکہ علامہ صاحب سے متعلق کچھ یادوں کا تبادلہ کر سکوں، دوران گفتگو قریشی صاحب نے یہ واقعہ سنایا کہ ۱۹۶۰ء کے زمانہ کی بات ہے کہ علامہ صاحب عقیدۂ ختم نبوت بیان کرنے کے لیے پہلے سے طے شدہ ایک جلسہ میں ساہیوال جا رہے تھے۔ خیبر میل سے سفر تھا، رستہ میں رائیونڈ سے آگے گیمبل ریلوے اسٹیشن پر ٹرین رکی تو یہاں کے مقامی چند نوجوان جنہیں پہلے سے علامہ صاحب کے سفری شیڈول کا علم تھا، انہوں نے اصرار کیا کہ آپ کا یہاں ہمارے علاقہ میں خطاب بہت ضروری ہے۔ آپ تشریف لائیں، اگلی ٹرین سے ہم آپ کو سوار کروا دیں گے اور بہ آسانی آپ رات کے وقت ساہیوال کانفرنس میں پہنچ جائیں گے۔ علامہ صاحب نے ہر چند انکار کیا مگر نوجوان کچھ ایسے بضد ہوئے کہ علامہ صاحب کو بادلِ نخواستہ وہاں اترنا پڑا۔ ایک مقامی مسجد میں واقعتاً جلسہ بپا تھا، علامہ صاحب نے جاتے ہی عقیدۂ ختم نبوت پر زوردار دلائل کے ساتھ خطاب فرمایا۔ خطاب کے دوران ہی اطلاع ملی کہ خیبر میل کو حادثہ پیش آ گیا ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ علامہ صاحب کے اتر جانے کے بعد وقت مقررہ پر جب خیبر میل روانہ ہوئی تو آگے جا کر مخالف سمت سے آنے والی ایک دوسری ٹرین سے اس کا اس قدر خطرناک تصادم ہوا کہ اس حادثہ میں کم وبیش ڈیڑھ سو سے زائد افراد جاں بحق ہو گئے، قریشی صاحب کے بقول یہ قیام پاکستان کے بعد سب سے پہلا بڑا حادثہ تھا۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ ختم نبوت کے صدقہ میں اور ان مسلمان نوجوانوں کے اخلاص کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا، اور رستے میں کھڑے ان نوجوانوں کا اصرار میرے لیے باعث رحمت ثابت ہوا۔ (دیکھیے: ۱/۶۱۷ [ادارہ])

۱۹۶۲ء، جب علامہ صاحب کو امام لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر ملی!

علامہ صاحب فرماتے تھے کہ میں نیلا گنبد مسجد میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ موجود تھا کہ اچانک

حضرت کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمانے لگے، خالد محمود آج آسمانوں پر فرشتوں کی بڑی چہل پہل ہے، بلکہ ہلچل ہے۔ اللہ جانے کیا ماجرا ہے؟ ابھی ہم واپس کمرے میں آ کر بیٹھے ہی تھے کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر ملی، تب حضرت مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مکاشفہ سمجھ میں آیا، گزشتہ سطور میں علامہ صاحب کی تحریر سے ہی یہ بات گزر چکی ہے جس میں فرمایا کہ میں نے زندگی کے آخری دس سالوں میں حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ دور دراز کے شہروں، صوبوں اور قصبوں کے اسفار کیے۔ علامہ صاحب پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص کرم یہ بھی تھا کہ جوانی کے عالم میں آپ اکابرین کے نہ صرف نورِ نظر بن گئے تھے بلکہ آپ کے اجتہادی و فقہی اور علمی مقام پر معاصرین علماء کبار کو بھرپور اعتماد بھی تھا، حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ہی کے حکم سے علامہ صاحب نے سیالکوٹ کی سکونت ترک کی تھی اور لاہور آ کر قیام فرمایا تھا، اس کی مکمل روداد بھی گزر چکی ہے۔ ذہن نشین رہے کہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال مؤرخہ ۲۳، فروری ۱۹۶۲ء بروز جمعۃ المبارک شب ساڑھے نو بجے ہوا تھا اور عشاء کی نماز میں حالت سجدہ کے اندر روح پرواز کر گئی تھی۔ (امام لاہوری نمبر، ہفتہ روزہ ''خدام الدین'' ۱۹۷۹ء، صفحہ ۳۰)

علامہ صاحب کے والد گرامی کی وفات (۱۹۶۲ء)

۱۹۶۲ء میں علامہ صاحب کے والد بزرگوار ''پیر محمد غنی'' کا انتقال ہوا، اور ان کی تدفین میانی قبرستان میں حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد مبارک سے چند گز کے فاصلے پر ہوئی۔

پیر ''محمد غنی'' مرحوم کے اعلیٰ بخت کے کیا کہنے کہ جنہیں ''علامہ خالد محمود'' جیسی اولاد نصیب ہوئی۔ مرحوم اپنے نام کے ساتھ ''صابری'' تخلص لکھتے تھے، گورنمنٹ برطانیہ دور میں محکمہ تعلیم میں اعلیٰ عہدے پر فائز رہے، اور اپنے تمام بچوں کو بساط سے کہیں بڑھ کر دینی و دنیاوی تعلیم سے آراستہ فرمایا۔ معروف تنظیمی بزرگ جناب حافظ نور محمد انور مرحوم نے ''جذباتِ غم'' کے نام سے ۱۶ رصفحات پر مشتمل ایک کتابچہ میں ''پیر محمد غنی'' کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا تھا۔

۱۹۶۲ء میں علامہ صاحب کا قادیانیوں سے یادگار مناظرہ

۱۸، ستمبر ۱۹۶۲ء اور ۲۳، ستمبر ۱۹۶۲ء کو یکے بعد دیگرے مال روڈ لاہور پر واقعہ قادیانیوں کے تبلیغی مرکز سے متصل ایک بلڈنگ میں علامہ صاحب کے مناظرے ہوئے۔ پہلے مناظرہ میں قادیانیوں کے مرکز اعلیٰ جامعہ ربوہ کے سابق صدر قاضی نذیر احمد مقابلہ میں آئے اور ۲۳، ستمبر کو جلال الدین شمس (مبلغ مرزائیت، لندن) مقابلہ میں آیا، ان دونوں مناظروں میں علامہ صاحب نے دلائل و براہین کی طاقت سے قادیانی مناظرین کو ایسا رسوا کیا کہ متذکرہ مناظرے ہمیشہ کے لیے یادگار بن گئے، اور علامہ صاحب کی زندگی میں ۱۹۶۲ء کے سن میں پیش آنے والے چند اہم واقعات میں سے یہ بھی ہیں۔ یہ مناظرہ اصلاً مولانا عبدالقادر روپڑی مرحوم نے اپنے رفقاء کے ہمراہ قادیانیوں کے ساتھ طے کیا تھا، مگر انعقاد مناظرہ سے ایک دن قبل مولانا عبدالغفار روپڑی مرحوم، مولانا محمد الیاس حضروی رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد پٹولیاں میں گئے اور کہا کہ آپ علامہ صاحب کو اس مناظرہ کے لیے آمادہ کریں۔ کیونکہ قادیانیوں کے سربرآوردہ مناظرین آ رہے ہیں۔ جس وقت یہ حضرات علامہ صاحب کے مکان واقع سنت نگر میں آئے تو عین اسی وقت علامہ

صاحب کالج سے چھٹی کر کے گھر میں داخل ہو رہے تھے اور آپ کے ہاتھوں میں طلبہ کے پیپرز کا ایک بڑا سا بنڈل تھا جسے علامہ صاحب نے چیک کرنا تھا۔ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا علامہ صاحب کے ساتھ مضبوط دوستانہ تھا، اور آمد لاہور کے بعد سب سے پہلے علامہ صاحب کے دینی و مذہبی محاذوں پر اعانت کرنے والوں میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ہوتا تھا۔ جب ان حضرات نے مناظرے کی بابت بات کی تو علامہ صاحب فرماتے تھے میں نے باہر کھڑے کھڑے پیپرز کا بنڈل اندرونِ خانہ بھجوایا اور کھڑے قدموں پر ہی واپس ان حضرات کے ساتھ چل پڑا۔ کاتب السطور نے طفلانہ سوال کیا، کیا آپ کی تیاری تھی؟ حضرت علامہ صاحب نے بڑی لے اور لہر میں آ کر فرمایا: ''ہاں تیاری تھی، الحمد للہ۔ ہمارا کیا ہے، گھڑی پہ ٹائم دیکھ لیا اور بات کہہ دی۔'' اس مناظرہ میں علامہ صاحب کی گفتگو کو قلمبند کرنے والے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ تھے اور انہی کی ضبط کردہ روداد ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور میں بالاقساط شائع ہوئی تھی، اس سلسلہ میں ہم کچھ گزارشات آمدہ سطور میں کریں گے (ان شاء اللہ) اس مناظرہ میں اہل حدیث علماء کی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی اور قادیانی مناظرین کے ساتھ منور لطف اللہ ایڈووکیٹ بھی تھا، سامعین میں مال روڈ لاہور کے بڑے تجار متعین مقدار میں موجود تھے، یہ مناظرہ ہفت روزہ ''دعوت'' کے علاوہ اسی دور میں علامہ صاحب نے بھی ''نصرت الاسلام'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کر دیا تھا۔ حال ہی میں ایک کتاب پر کاتب السطور کی نظر پڑی، سچ پوچھیے کہ خون کھول اٹھا، وجہ آمدہ سطور میں پیش کر دی جائے گی۔ اگر ہمیں طوالت کی فکر دامن گیر نہ ہوتی تو ہم مکمل یہ مناظرہ یہاں نقل کر دیتے، مگر اس کے باوجود اس کے چند مقامات پیش کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ پیش کردہ اس نمونہ میں علامہ صاحب کے علم لدنی، قوت حافظہ، استحضار ملکہ حاضر جوابی اور ندرتِ فہم کی ایک جھلک دیکھی جا سکے۔ البتہ اس سے متعلقہ ایک یادداشت جو علامہ صاحب سنایا کرتے تھے، ملاحظہ کیجیے۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے مقامِ مناظرہ پر جا کر مرزا غلام احمد قادیانی کی تصنیف کردہ کتابیں میز پر لگانا شروع کیں تو قاضی نذیر احمد، قادیانی مناظر نے کہا، علامہ صاحب پہلے شرائط کا مطالعہ کر لیں، ہم نے روپڑی صاحب کے ساتھ جو شرائط طے کی ہیں ان میں یہ لکھا ہے کہ مرزا صاحب کی کتابیں نہیں، صرف قرآن وحدیث کو پیش کیا جائے گا، اس لیے آپ شرائط مناظرہ کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ علامہ صاحب نے فی البدیہہ جواب دیا، مناظرہ میں مرزا صاحب کی کتابیں از روئے شرائط پیش نہیں کی جا سکتیں، مگر میز پر تو لگائی جا سکتی ہیں! اس لیے میز پر ان کتابوں کو لگانے کا شرائط کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب اس مناظرہ کی چند جھلکیوں کا نظارہ کیجیے۔

قاضی نذیر احمد قادیانی۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں، اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے کے سب نبیوں کے مصدق تھے اور آپ کے بعد واقعی کوئی ایسا نبی نہیں آ سکتا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کر دے، مسیح موعود کا آنا دونوں فریقوں میں مسلم ہے، آپ ہی کہتے ہیں کہ وہ مسیح ناصری آسمان سے اتریں گے، حالانکہ آسمان سے اترنے کا کہیں ذکر نہیں، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ مسیح موعود اسی امت کا ایک فرد ہے کہ جس میں حقیقت عیسوی اتری ہوگی۔ پس جس طرح آپ خاتم النبیین کے بعد بھی ایک نبی کی آمد جائز قرار دیتے ہیں اور یہ ختم نبوت کے خلاف نہیں۔ تو ہم مسیح موعود کو نبی اللہ مان کر ختم نبوت کے مخالف کیسے ہو گئے؟ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام تو تشریعی نبی تھے جب وہ آپ کے اعتقاد کے مطابق قیامت سے پہلے تشریف لائیں گے تو کیا ان کی نبوت سلب ہو جائے گی؟ اور سلب نہیں ہوگی تو کیا ان کی نبوت ختم نبوت کے خلاف نہ ہوگی؟ بخلاف اس کے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اسی امت کا ایک فرد مسیح موعود کا مقام پائے گا۔ اس صورت میں وہ بغیر مہر توڑنے کے نبی کہلائے گا کیونکہ وہ امتی نبی ہے۔ مستقل شریعت والا مسیح ناصری نہیں۔

علامہ خالد محمود سیالکوٹی......حضرات فریق مخالف کی طرف سے بار بار یہ کہا جا رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی ختم نبوت کے خلاف کیوں نہیں؟ حضرات پہلے ہمارا عقیدہ سن لیجیے پھر مسئلہ زیر بحث پر غور کیجیے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے پیغمبر ہیں وہ قرب قیامت میں آسمان سے نزول فرمائیں گے اور ان کی یہ آمد علاماتِ قیامت میں سے ہوگی، جب تشریف لائیں گے تو بدستور نبی ہوں گے، ان سے نبوت ہرگز مسلوب نہ ہوگی۔ لیکن اس وقت ان کی نبوت یہاں نافذ نہ ہوگی بلکہ اس لیے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع ہوں گے کہ یہ دور، دورِ محمدی ہے۔ وہ اس طرح امتی بن کر رہیں گے۔ مثال سے یوں سمجھئے کہ جس طرح ضلع منٹگمری کا ڈپٹی کمشنر کسی سرکاری کام کے لیے لاہور آجائے تو وہ ڈپٹی کمشنر بدستور ہوگا، اسے ڈپٹی کمشنر کی مراعات اور تکریمات بھی حاصل ہوں گی۔ لیکن اس کی ڈپٹی کمشنری یہاں لاہور میں نافذ نہ ہوگی۔ بلکہ وہ یہاں کے ڈپٹی کمشنر کے احکامات کے تابع ہوگا۔ اسی طرح یقین کیجیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی اللہ تو ہوں گے مگر ان کی نبوت اس آمد ثانی پر نافذ نہ ہوگی بلکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع اور امتی ہوں گے۔ قاضی صاحب کا یہ کہنا کہ مسیح ناصری کی آمد ختم نبوت اور حدیث لا نبی بعدی کے خلاف ہے، صحیح نہیں، اس لیے کہ ختم نبوت اور حدیث لا نبی بعدی کی رو سے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ اور کسی کو نئی نبوت ملے گی نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل نبی ہو چکے اور پھر فوت ہو گئے، اب ان میں سے کوئی زندہ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت قائم نہیں رہتی۔ جس طرح اس ہال میں لوگ باری باری آئے۔ اور کئی جاتے بھی رہے۔ تو جو آخر میں داخل ہوا وہ خاتم الداخلین تو ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے آنے والے سب مر چکے ہیں یا جا چکے ہیں، اس کے آخر میں آنے کو ان امور میں سے کوئی لازم نہیں۔ مرزا غلام احمد اپنے ماں باپ کی آخری اولاد تھے، جیسا کہ لکھتے ہیں کہ ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام جنت تھا اور پہلے وہ پیٹ سے نکلی تھی اور بعد اس کے میں نکلا تھا اور میرے بعد میرے والدین کے گھر میں اور کوئی لڑکی یا لڑکا پیدا نہیں ہوا اور میں ان کے لیے خاتم الاولاد تھا (تریاق القلوب، ص ۱۵۷) تو مرزا صاحب کے خاتم الاولاد ہونے کا اگر یہ مطلب نہیں کہ ان کے پہلے سب بھائی بہن مر چکے تھے اور وہ والدین کے پاس پھر آتے جاتے نہ تھے تاکہ مرزا صاحب کا خاتم الاولاد ہونا غلط نہ ہو جائے تو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا یہ مطلب کیسے نکل آیا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا کوئی نبی زندہ ہو تو اور پھر اس کا آنا جانا بھی ہو تو اس سے ختم نبوت قائم نہ رہے گی، ہاں آنے جانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی اپنی نبوت نافذ نہ ہو بلکہ وہ تابع ہو کر رہے۔

قاضی نذیر احمد قادیانی۔ علامہ صاحب یہ کہیں ثابت نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہی مسیح ناصری آسمان سے اتریں گے، آسمان

سے اترنے کا آپ نے کوئی ثبوت نہیں دیا، حضرت، وہ اسی امت میں پیدا ہوں گے اور مسیح موعود امتی نبی ہوں گے۔ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ یہ تھا کہ میں امتی نبی ہوں وہ صاحب شریعت نبی ہرگز نہیں اور انہیں نبی تسلیم کرنے سے ختم نبوت نہیں ٹوٹتی۔

علامہ خالد محمود...... قاضی صاحب آپ موضوع سے فرار کیوں کر رہے ہیں؟ اصل موضوع ختم نبوت ہے، مسیح ناصری کی آمدِ ثانی نہیں۔ (درمیان میں لاتعداد حوالے پیش کرنے کے بعد، سلفی) آپ کا یہ کہنا کہ ختم نبوت پر ہمارا اصلی نزاع نہیں، ایک مسیح کا آنا تو آپ بھی مانتے ہیں یہ اصل موضوع سے فرار ہے جب تک آپ ختم نبوت کے اسلامی معنوں کا اقرار نہ کرلیں یا اپنی شکست کا اقرار نہ لکھ دیں، مسیح موعود کے موضوع پر ہم قطعاً الجھنے کو تیار نہیں۔ آپ پہلے مناظرہ میں اپنی شکست کا اعلان کردیں پھر میں اسی مجلس میں دوسرے موضوع پر بھی مناظرہ کرنے کو تیار ہوں۔

علامہ صاحب کی اس بات پر پورا ہال تالیوں اور نعروں سے گونج اٹھا، تب مرزائی مناظر نے کہا:

قاضی نذیر احمد...... مولانا آپ اب لوگوں سے تالیاں لگوا کر ہمیں مرعوب کرنے کی کوشش نہ کریں، آپ نے ابھی تک ملا علی قاری کی عبارت کا جواب نہیں دیا، آپ یونہی خوامخواہ مرزا صاحب کی عبارات پیش کر رہے ہیں۔

قادیانی ایڈووکیٹ منور لطف اللہ کی مداخلت

آج سے مناظرہ کے لیے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ استدلال صرف قرآن وحدیث سے ہوگا، اس لیے مرزا صاحب کی کتابیں پیش نہیں ہوسکتیں۔ علامہ خالد محمود صاحب اس شرط کے باوجود مرزا صاحب کی کتابیں پیش ہوسکتی ہیں۔ کیونکہ حدیث کسے کہا جاتا ہے؟ کلامِ پیغمبر کو حدیث کہتے ہیں۔ اگر مرزا صاحب خدا کے پیغمبر تھے تو یہ سب کتابیں آپ کے لیے احادیث ہیں، جس جس شخصیت کو ہم پیغمبر مانتے ہیں ان کا کلام ہمارے لیے حدیث اور جس جس کو آپ پیغمبر مانیں، اُن کا کلام آپ کے لیے حدیث اور حجت ہے۔ ہاں آپ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے استدلال نہیں کرسکتے۔ کیونکہ وہ کسی کے نزدیک نبی نہیں جبکہ آج کے مناظرہ میں یہ شرط ہے کہ استدلال صرف قرآن وحدیث سے ہوگا۔ (منور لطف اللہ ایڈووکیٹ علامہ صاحب کی اس دلیل سے لاجواب ہوگیا)۔ اب قاضی نذیر احمد یوں گویا ہوتے ہیں۔

قاضی نذیر احمد...... حضرات ختم نبوت کے موضوع پر ہم یونہی وقت ضائع کر رہے ہیں۔ جب ہم دونوں فریق مانتے ہیں کہ ختم نبوت کے بعد بھی ایک نبی آسکتا ہے۔ آپ اس مسیح ناصری کا آنا مانتے ہیں اور ہم مرزا صاحب کو ان احادیث کا مصداق سمجھتے ہیں۔ جن میں ایک آنے والے کی خبر دی گئی ہے میں تو ختم نبوت کے عقیدے میں دونوں فریق کو ایک ہی طرح سمجھتا ہوں۔ اب صرف نبوت کے اجزاء باقی ہیں۔ **لم یبق من النبوۃ الا المبشرات** جس میں کامل طور پر پائے جائیں وہ نبی ہوگا۔ باقیوں میں نبوت تو ہوگی ان کے لیے حدیث میں نبی کا لفظ نہیں آتا کیونکہ ان میں کامل اجزا نہ تھے جس مسیح نے آنا تھا وہ آگئے اور وہ حضرت مرزا صاحب تھے۔

علامہ خالد محمود صاحب۔ حضرات قاضی صاحب نے اپنی پوری تقریر میں یہی ایک فقرہ صحیح کہا ہے کہ ''ہم وقت ضائع کر رہے

ہیں''۔قاضی صاحب بے شک آپ وقت ہی ضائع کر رہے ہیں۔کیونکہ دلائل کے باب میں تو آپ کے ڈھول کا پول کھل چکا تھا۔ آپ کا یہ کہنا کہ جس مسیح کی آمد کا اعلان تھا وہ آچکا اور وہی مرزا صاحب ہیں یہ سراسر غلط ہے۔کیونکہ مرزا صاحب پر وہ علامات پوری نہیں اترتیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کے متعلق صحیح احادیث میں موجود ہیں۔مرزا صاحب خود اپنی کتاب ''ازالۂ اوہام'' جلد اول صفحہ نمبر ۹۸ پر لکھتے ہیں:

مگر ''ممکن اور بالکل ممکن ہے کہ کسی زمانے میں کوئی ایسا مسیح بھی آجائے جس پر حدیثوں کے بعد ظاہر الفاظ بھی صادق آسکیں کیونکہ یہ عاجز اس دنیا کی حکومت اور بادشاہت کے ساتھ نہیں آیا۔'' یہ میرے ہاتھ میں ''آئینہ کمالاتِ اسلام'' ہے اس میں مرزا صاحب کہتے ہیں کہ عیسائیوں کی غلط تعلیمات اور ان کے دجل وفریب کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت کو دوبارہ جوش آیا اور اس نے مثالی طور پر دنیا میں دوبارہ اپنا نزول چاہا جو موجودہ فتنوں کے لحاظ سے اپنی جگہ کافی ہیں۔لیکن دنیا میں جب پھر فساد اور شرک وظلم عود کرے گا تو تیسری مرتبہ پھر مسیح کی روحانیت سخت جوش میں آکر جلالی طور پر اپنا نزول کرے گی۔اس سے معلوم ہوا کہ مسیح کی امت کی نالائقی کرتوتوں کی وجہ سے مسیح کی روحانیت کے لیے یہ ہی مقدر تھا کہ تین مرتبہ دنیا میں نازل ہو۔

قاضی صاحب! جب بقول مرزا صاحب ابھی مزید انتظار باقی ہے اور وہ مسیح اب بھی منتظر ہے جس پر احادیث منطبق اتر سکیں تو آپ خوامخواہ مرزا صاحب کو درمیان میں کیوں لا رہے ہیں؟ بہرحال آپ مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے کی بحث میں نہ پڑیں اگر اس پر بحث کرنی ہے تو پھر کرلیں گے۔اب تو ختم نبوت کا موضوع ہے۔قاضی صاحب آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ میں اس مسئلہ میں دونوں فریق کو ایک سمجھتا ہوں۔یہ ٹھیک ہے کہ آپ دونوں کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتے ہیں (چونکہ مرزائی مناظر قاضی نذیر احمد صاحب ایک آنکھ سے بھینگے تھے، اِس لیے علامہ صاحب اِس جملے سے اُن پر چوٹ کی۔) لیکن یہ دھوکا اور مغالطہ ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔**لم یبق من النبوة الا المبشرات** کی رُو سے صرف اجزاءِ مبشرات کا بقاء ثابت ہے، نبوت کا اجراء قطعاً نہیں۔چینی بیشک سکنجبین کا جزو ہے، کیونکہ سکنجبین پانی، لیموں، چینی اور برف سے بنتی ہے لیکن ہم چینی کو سکنجبین نہیں کہہ سکتے کہ بوریوں میں چینی جا رہی ہو اور ہم کہیں سکنجبین جا رہی ہے، اس طرح سچے خواب نبوت بھی نہیں کہلائے جاسکتے، اگرچہ وہ نبوت کے چالیسویں حصہ کے طور پر ایک جزو ہوں۔مرزا صاحب خود اپنی کتاب ''تحفہ گولڑویہ'' صفحہ نمبر ۱۸ر کے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ کنجریاں بھی جو سخت ناپاک فرقہ دنیا میں ہیں، سچی خوابیں دیکھا کرتی ہیں۔

قاضی نذیر احمد قادیانی۔مولانا آپ نے اپنی تقریر میں ۳۵ منٹ لیے ہیں۔حالانکہ اصل ۱۵، ۱۵ منٹ تھے یہ ہمارے ایڈووکیٹ منور لطف اللہ صاحب نے جو ۲۰، ۲۰ منٹ زیادہ کا نظام العمل تجویز کرلیا یہ ان کی اپنی طرف سے تھا میرے مشورے سے ہرگز نہیں۔اب میں بھی ۲۰ منٹ زیادہ لوں گا اور آپ کے اعتراضات اور دلائل کا جواب دوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے بعد مناظرہ بند ہوگا۔آپ اس کا جواب الجواب دیں، بس میں اپنی تقریر کرنے کے فوراً بعد چلا جاؤں گا۔میں......

علامہ خالد محمود صاحب (ٹوکتے ہوئے) ہرگز ہرگز آپ کو اس طرح ہم نہیں جانے دیں گے۔آپ نے میرے دلائل کا

جواب دیا تو پھر آپ کو جواب الجواب بھی سننے کے لیے تیار رہنا پڑے گا۔ مسئلہ مانیں یا پھر منوائیں، اس طرح ہم مجلس برخاست نہیں کریں گے۔ اگر آپ ہمارے دلائل سے جان چھڑانا چاہتے ہیں تو اپنی شکست کا واشگاف الفاظ میں اقرار کریں۔ اس کے بغیر ہم آپ کو ہرگز نہیں بھاگنے دیں گے۔ قاضی صاحب اگر آپ کو بھوک لگ رہی ہے تو ہم کھانا منگوا دیتے ہیں اگر آپ تھک گئے ہیں تو ۱۵ رمنٹ آرام کرلیں۔ لیکن ہم اس طرح آپ کو بھاگنے نہیں دیں گے۔

قاضی نذیر احمد قادیانی۔ میں کوئی قیدی ہوں جو یہاں سے نہیں جاسکتا؟ میں جاؤں گا۔ دیکھتا ہوں کہ کون مجھے روکتا ہے؟

قادیانی ایڈووکیٹ منور لطف اللہ (کھڑے ہوکر کہتے ہیں) حضرات میں اس مناظرے کا ثالث ہوں میں فیصلہ کرتا ہوں کہ قاضی نذیر احمد صاحب اب جوابی تقریر کریں، اور اس کے بعد مناظرہ بند ہوگا۔ قاضی صاحب کو جانے سے ہرگز نہ روکا جائے۔ کیونکہ وہ مدعی تھے اور آخری تقریر مدعی کی ہوتی ہے۔

مولانا محمد الیاس اور مولانا عبدالغفار روپڑی......منور صاحب آپ کو کس نے ثالث بنایا ہے؟ یونہی خود بخود ثالث بن گئے؟ آپ تو اس مناظرہ میں فریق ہیں۔ بھلا کبھی کوئی فریق بھی ثالث ہوا ہے؟ آپ بلا کسی کے بنائے خود ہی ثالث بن رہے ہیں؟

علامہ خالد محمود صاحب۔ جب لوگ نبی تک خود بخود بن جاتے ہوں تو ثالث بخود بننا کیا مشکل ہے۔

ایں　خانہ　ہمہ　آفتاب　است

اسی گفتگو کے دوران قاضی نذیر احمد صاحب نے اپنی کتابوں کا بنڈل اٹھایا اور وہاں سے تیز تیز قدموں کے ساتھ چلتے ہوئے ہال سے باہر نکل گئے۔ لوگوں نے نعرہائے تکبیر، تاج وتخت ختم نبوت زندہ باد، علامہ خالد محمود صاحب زندہ باد کے پُر جوش نعروں سے ایک سماں باندھ دیا۔ مولانا حافظ عبدالغفار روپڑی اور مولانا محمد الیاس حضروی نے علماء کرام کی طرف سے علامہ صاحب کو مبارکباد دی اور ۱۸، ستمبر کا یہ مناظرہ اپنے اختتام کو پہنچا۔

۲۳، ستمبر ۱۹۶۲ء کو دوبارہ مناظرہ

۱۸ ر ستمبر والے مناظرہ میں علامہ صاحب کے سامنے تاب نہ لاسکنے اور زبردست شکست کھانے کے بعد مرزائیوں نے مؤرخہ ۲۳، ستمبر ۶۲ کو دوبارہ اسی جگہ (مال روڈ) پر انعقاد مناظرہ کا اعلان کیا اور کہا کہ اس بار ہماری جانب سے مناظر جلال الدین شمس ہوں گے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ حضروی نے مولانا عبدالقادر روپڑی، مولانا عبداللہ روپڑی، حافظ عبدالقادر کمیرپوری اور مولانا حافظ ثناء اللہ سمیت دیگر جماعت اہل حدیث کے زعماء کے ساتھ علامہ صاحب کے مکان پر آکر گزارش کی کہ آج پھر آپ نے مناظرہ کرنا ہوگا۔ علامہ صاحب کے لیے یہ سب کچھ بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، آپ کا تو مشہور زمانہ قول تھا کہ ”ہمارا کیا ہے، بس گھڑی پر وقت دیکھ لیا اور بات کہہ دی“۔ اس مناظرے کی ابتداء بھی بڑی دلچسپ تھی۔ علامہ صاحب نے موقع پر پہنچتے ہی مناظرے کا آغاز کردیا۔

علامہ خالد محمود صاحب، **الحمد لله و كفى و سلام علىٰ عباده الذين اصطفىٰ** خصوصاً **علىٰ سيد المرسلين**

وخاتم الانبیاء، اما بعد فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم ......جلال الدین شمس قادیانی (بات کاٹتے ہوئے) علامہ صاحب آپ کو بولنے کا کوئی حق نہیں، مناظرہ حافظ عبدالقادر روپڑی کریں گے، آپ اس وقت نہ مناظر ہیں اور نہ صدر مناظر۔

علامہ خالد محمود صاحب: آپ میری بات سنیں اگر واقعی مجھے بولنے کا حق نہیں تو یہی بات آپ اپنی باری آنے پر کہہ دیجیے گا۔ اب تو میری بات سنیں آپ جو اس بات پر اصرار کر رہے ہیں کہ مناظرہ ختم نبوت پر ہو تو اس موضوع پر تو مناظرہ ۱۸ رستمبر کو اسی جگہ اسی ہال میں ہو چکا ہے۔ آپ کے اور ہمارے عقائد و دلائل عوام کے سامنے آچکے ہیں، گھنٹوں اس پر بحث ہوتی رہی ہے۔ اب یا تو آپ یہ تسلیم کریں کہ اس دن آپ کو شکست فاش ہوئی تھی اور آج محض اس دن کی ندامت سمیٹنے کے لیے آپ آئے ہیں۔ اس صورت میں پھر ہم ختم نبوت پر مناظرہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن جب تک آپ اپنی اس دن کی شکست کا اقرار نہ کرلیں ہمارا یہی مطالبہ ہوگا کہ آج کے مناظرے کا موضوع مرزا صاحب کا صدق و کذب ہوگا۔

جلال الدین شمس قادیانی: (درمیان میں بولتے ہوئے) آپ کو قطعاً بولنے کا حق نہیں، اس وقت مناظر حافظ عبدالقادر روپڑی ہیں، وہ بولیں۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں کہ میں اپنی باری پر بولوں، میری اور آپ کی کوئی باری مقرر نہیں، اور میرے ذمہ آپ کی کسی بات کا جواب نہیں ہے۔

علامہ خالد محمود صاحب: یہ ساری باتیں بھی آپ اپنی باری میں کہیں، اب میری باری ہے۔ آپ کا یہ کہنا کہ ''میرے ذمہ آپ کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں ہے'' یہ تو بذاتِ میری بات کا جواب ہے۔ جب آپ کے ذمہ میری بات کا جواب نہیں ہے، تو آپ بار بار کیوں بول رہے ہیں؟ جب آپ کھڑے ہو کر بولتے ہیں تو گویا آپ نے میری اصولی حیثیت تسلیم کرلی، لہٰذا اب مجھے بولنے دیں، میری باری ہے۔ جلال الدین شمس قادیانی۔ اچھا فریقین پانچ پانچ منٹ لے لیں، لیکن مناظرہ حیات مسیح پر ہوگا۔ حضرت مسیح موعود کی صداقت پر نہیں ہوگا۔ ۱۸، ستمبر کے مناظرہ میں مَیں موجود نہیں تھا آپ جو کچھ کہتے ہیں کہ ہم احمدی شکست کھا گئے، اگر ہم شکست کھا کر بھاگ گئے ہوتے، آج پھر کیوں آتے؟ ہمارا دوبارہ آنا ہی دلیل ہے کہ ہم بھاگے نہیں تھے...... اب فریقین لکھ دیں کہ جو فریق مناظرہ کے لیے نہ آئے گا وہ ایک ہزار روپیہ دوسرے فریق کو ہرجانہ ادا کرے گا۔ لیکن یاد رکھیے کہ ہم مرزا صاحب کے صدق و کذب پر پہلے مناظرہ ہرگز نہیں کریں گے۔

علامہ خالد محمود۔ حضرات جلال الدین شمس صاحب کے بیان پر ذرا غور فرمائیے کہ فریقین لکھ دیں کہ جو فریق مناظرہ میں نہ آئے، وہ ایک ہزار روپیہ ہرجانہ دوسرے فریق کو ادا کرے۔ حضرات! ہم تو مناظرہ کے لیے آئے ہوئے ہیں اور ابھی مناظرہ ہوگا۔ پھر نئی مجلس مناظرہ کے انعقاد کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دوستو! اگر قادیانی حضرات نے اب بھاگنے کی نیت نہ کی ہوئی ہو اور وہ اس وقت گریز پائی کے اسباب تلاش نہ کر رہے ہوں تو یہ جملہ ان کی زبان پر کیسے آ گیا کہ جو فریق مناظرہ میں نہ آئے وہ ہرجانہ دے گا۔ جلال الدین شمس صاحب کا یہ فقرہ خود زبان حال سے پکار رہا ہے کہ آج بھی ۱۸، ستمبر کے مناظرہ ختم نبوت کی طرح قادیانی بوکھلائے ہوئے ہیں۔ شمس صاحب کا یہ کہنا کہ ۱۸ ر ستمبر کو اگر ہمارے مناظر قاضی نذیر احمد بھاگ گئے ہوتے تو آج پھر وہ یہاں کیوں

آتے؟ شمس صاحب! اگر آج وہ دوبارہ آئے بیٹھے ہیں تو دیکھئے تو سہی کس طرح چپ چاپ سرنگوں بیٹھے ہیں۔ آج کیوں نہیں بول رہے؟ آج پھر آئے ہیں تو ساتھ آپ کو لے کر آئے ہیں۔ اور اپنی بلا آج آپ کے گلے میں ڈال کر اب آپ کا تماشہ کر رہے ہیں۔ مگر افسوس کہ آپ بھی ان کی امیدوں پر پورا نہیں اترے، وہ تو چھ سات گھنٹہ مناظرہ کر کے بھاگے تھے اور آپ نے تو ابتداء ہی میں بھاگنے کی ٹھان لی۔ مگر آپ کو ہرگز بھاگنے نہیں دیا جائے گا۔

یہاں مکمل روداد مناظرہ پیش نہیں کی جا رہی، کیونکہ یہ ۱۹۶۲ء کے زمانہ میں ہی ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور میں بالاقساط شائع ہو چکی ہے، اور اسی دور میں حضرت علامہ صاحب نے اسے ''نصرت الاسلام'' کے نام سے کتابی شکل بھی دے دی تھی جو متعدد مرتبہ طبع ہو کر اہل ایمان کے لیے تسلین قلب کا سامان بن چکی ہے، ''نصرت الاسلام'' کی اشاعت اول کا اشتہار مندرجہ ذیل الفاظ میں شائع ہوا کرتا تھا:

''کامیاب مناظرہ مسمی بہ نصرت الاسلام''۔ یہ اس مناظرہ کی مفصل روداد ہے جو ۱۸، ستمبر ۱۹۶۲ء کو مابین علامہ خالد محمود صاحب ایم اے و قاضی نذیر احمد صاحب سابق صدر جامعہ ربوہ اور ۲۳، ستمبر کو مابین علامہ خالد محمود صاحب و جلال الدین صاحب شمس سابق مبلغ مرزائیت لندن، مال روڈ پر قادیانی تبلیغی مرکز کے متصل انعقاد پذیر ہوا، رب العزت نے اسلام کو نہایت واضح فتح عطا فرمائی اور قادیانی حضرات بری طرح ناکام ہوئے اور تاریخی شکست کھائی، قسم اول ۲۵ پیسے، قسم دوم پچاس پیسے علاوہ ڈاک۔''

(ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور، صفحہ آخر ۲۴ رمئی ۱۹۶۲ء)

اب سے چند سال قبل متذکرہ مناظرہ لاہور کے ایک ادارہ سے طبع ہوا، جو خالص کاروباری ذہنیت کے ساتھ شائع کیا گیا تھا۔ اور اس میں وہ ذوق مدنظر نہیں رکھا گیا جو علامہ صاحب کے مزاج علمی کے مطابق تھا۔ ایک تو مرتب نے کوئی حوالہ نہیں دیا کہ یہ روداد انہوں نے ''دعوت'' کی فائلوں سے یا پرانی کیسٹوں کی مدد سے اخذ کی ہے یا کہیں اور سے؟ کیونکہ بظاہر یہ دونوں ذرائع مفقود ہیں، ''دعوت'' کی فائلیں نادر ہیں اور ۱۹۶۲ء کے زمانہ کی کیسٹوں کا حاصل کرنا ناممکن! انہوں نے یقیناً علامہ صاحب کے شائع کردہ کتابچہ ''نصرت الاسلام'' کے پرپُرزے تبدیل کر کے اسے شائع کیا ہے۔ جس کا علامہ صاحب کو دُکھ تھا۔ ایک تو ''نصرت الاسلام'' نام حذف کر دیا گیا، دوسرا مناظرہ کے عینی شاہد حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ حضروی کا نام محو کر دیا، جنہوں نے محنت بسیار کے ساتھ موقع پر تقریریں ضبط تحریر میں لا کر اہم فریضہ سرانجام دیا تھا۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ دیانت و سلیقہ کے ساتھ کام کر کے بھی تو کاروبار کیا جا سکتا ہے، بہرحال جس مکتبہ والے دوست نے کتاب شائع کی تھی، وہ نہایت ملنسار اور خادمانہ طبیعت کے تھے، کاتب السطور کی درخواست پہ وہ علامہ صاحب سے معذرت کرنے مکان پر آئے تو علامہ صاحب نے ان کو پوری بات ہی نہیں کرنے دی اور درمیان میں بات کاٹ کر فرمایا ''بس اب آپ آ گئے تو ہمارے ہو گئے، اب کوئی اور باتیں کرتے ہیں۔'' یہ آپ کی وسعت قلبی تھی۔ تاہم مرتب صاحب کے متعلق کاتب السطور کو علم نہیں کہ انہوں نے بھی کوئی معذرت خواہانہ حاضری پیش کی تھی یا نہیں۔ تو ۱۹۶۲ء کے یادگاری واقعات میں سے یہ مناظرہ لاہور بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے علامہ صاحب سے تحفظ ختم نبوت کا کام لیا۔

اور جماعت اہل حدیث کے کبار علماء کرام نے بھی علامہ صاحب کے علم وفراست کا اعتراف کیا، کیونکہ اصلاً یہ مناظرہ علماء اہل حدیث کے ساتھ طے ہوا تھا، پھران کی درخواست پر علامہ صاحب نے مناظر بننا قبول کرلیا تھا۔

علامہ صاحب کے ایک خط پر بگوی ترجمان کی حاشیہ آرائی!

علامہ خالد محمود صاحب کا خاندان بگویہ کے سالانہ جلسوں میں آنے جانے کا معمول تھا، جیسا کہ اس ضمن میں گزشتہ سطور میں ایک خط پیش کیا گیا ہے۔ جب تنظیم اہل سنت پاکستان نے اپنے جماعتی ترجمان رسالہ ہفت روزہ ''دعوت'' کی ادارت علامہ صاحب کے سپرد کی تو ان دنوں (غالباً ۱۹۶۲ء، کیونکہ خط پر سن وتاریخ درج نہیں ہے) مولانا حاجی افتخار احمد بگوی مرحوم نے علامہ صاحب کو سالانہ جلسہ میں دعوت دی، جس کا جواب علامہ صاحب کی جانب سے مندرجہ ذیل دیا گیا:

''محترم حاجی صاحب۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ گرامی نامہ موصول ہوا، ادارہ ''دعوت'' کی طرف سے مجھے پابند کیا گیا ہے کہ جب تک ۳۰/خریداروں کا سالانہ چندہ جو پچھلے سال کے حساب میں محسوب ہے اور پچھلے سال کا ہی آپ کے ذمہ لائق ادا ہے دفتر میں موصول نہ ہو جائے، احقر وہاں کی اس کانفرنس میں شمولیت نہ کرے، بروقت اطلاع دے رہا ہوں تا کہ مناسب انتظام فرما سکیں، امید ہے کہ ناراض نہ ہوں گے۔ والسلام''

یہ خط ''تذکار بگویہ'' جلد سوم کے صفحہ نمبر ۲۵۶/ پر موجود ہے۔ ہر دور کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں اور ان تقاضوں کو وہی انسان سمجھتا ہے جو اس دور میں جی رہا ہو، اس خط میں علامہ صاحب نے ایک جماعتی نظم میں اپنی اطاعت کا ذکر کیا ہے، کہ چونکہ مرسل الیہ کے بقایا جات ہفت روزہ ''دعوت'' کے حق میں واجب الادا ہیں اور علامہ صاحب کو پابند کیا گیا تھا کہ جہاں جہاں سے بقایا جات کی وصولی نہیں ہو جاتی، آپ نے وہاں تقریر کے لیے وقت نہیں دینا، یہ کوئی دھمکی، اظہار خفگی، نامناسب رویہ یا خدانخواستہ بدلحاظی نہیں تھی۔ اس دور میں خط وکتابت کے اندر اس قسم کے مبادلہ احوال ہوتے تھے، جیسا کہ ''تذکار بگویہ'' ہی میں موجود سینکڑوں مشاہیر کے خطوط میں یہ بات پائی گئی ہے۔ مگر ''تذکارِ بگویہ'' کتاب کے مرتب جناب ڈاکٹر انوار احمد صاحب بگوی نے علامہ صاحب کے اس خط پر یوں حاشیہ آرائی کی ہے:

''علامہ خالد محمود بخوبی جانتے تھے کہ مضافاتی مدارس ومجالس کے وسائل شہری اداروں کے مقابلے میں بہت محدود ہوتے ہیں۔ ایسی شرائط عائد کرنا منصب تبلیغ کے منافی اور دینی کارکنوں کا صریح استحصال ہے، خصوصاً جب مقرر اصحاب اپنا خرچ آمد و رفت اور من چاہا معاوضہ لینے میں کسی نرمی کا مظاہرہ نہیں کرتے، خود علامہ صاحب بہت پرانے اور قریبی تعلقات کے باوجود اپنی تقریر کے معاوضے کے سلسلہ میں بالکل تجارتی انداز اپناتے تھے اور وہ کسی رورعایت کے قائل نہ تھے۔ علامہ صاحب کا موضوع عام طور پر تردید شیعیت ہوتا تھا جس کی ضرورت دیہی علاقوں میں آج بھی موجود ہے۔''

(تذکار بگویہ، حاشیہ صفحہ نمبر ۲۵۶، جلد سوم، جنوری ۲۰۱۴ء)

تبصرہ

جناب بگوی صاحب خاصہ غصہ دکھا گئے ہیں، مولانا افتخار احمد بگوی مرحوم تو آخری دم تک علامہ صاحب سے دوستانہ رکھے

رہے اور علامہ صاحب بھی ان کی خدمات کے معترف رہے، مگر انوار احمد صاحب کو بہت دیر بعد طیش آ گیا۔ ہمارا ایسا کوئی دعویٰ نہیں ہے کہ علامہ صاحب، مولانا افتخار احمد بگوی صاحب یا کوئی بھی ذی علم و کمال شخصیت بشری کمزوریوں سے مبرا ہوتی ہے۔ مگر یہ بھی عین حقیقت ہے کہ جب کسی کا تقویٰ، شرف انسانیت، کمال علم و فضل، اور خدمات دینیہ اس قدر غالب ہوں کہ کمزوریوں کا گویا وجود تک نہ رہے، وہاں خورد بین لگا کر عیب تلاش کرنا بھی کسی کم ظرف کا ہی کام ہوتا ہے۔ گزارش ہے کہ علامہ صاحب کے دعوتی و تبلیغی مزاج میں آنجناب کو جو ''تجارتی انداز'' نظر آیا ہے، کیا آپ خود اس کے عین گواہ ہیں؟ آپ کا بذاتِ خود کبھی کوئی معاملہ ہوا ہے؟ ہمیں یقین ہے کہ معترض کا جواب نفی میں ہوگا، جو شخص سرتاپا جذبہ دین، اخلاص وللّٰہیت اور عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم و محبت اہل بیت میں فنا ہو چکا ہو، اور جس کا دائرہ عمل صرف ''بھیرہ'' تک نہیں پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہو، کیا اس پایہ کی شخصیت کے متعلق اس قدر غیر ذمہ دارانہ الفاظ کسی رکھ رکھاؤ والے انسان کو زیب دیتے ہیں؟...... ہم معترض کی اس بات یا تہمت کی جانب رسم دنیا کے طور پر التفات کر ہی لیتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ موصوف بہت سے تاریخی حوالوں کے اعتبار سے معمولی سی شد بد بھی نہیں رکھتے۔ مثلاً تذکارِ بگویہ کے صفحہ نمبر ۳۱۶ر کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''مشہور صحافی احسان بی اے علامہ خالد محمود کے بڑے بھائی تھے۔''

حالانکہ احسان بی اے کی علامہ صاحب کے ساتھ کسی قسم کی کوئی رشتہ داری نہ تھی، ہاں علامہ صاحب کے بڑے بھائی صاحب کا نام احسان الحق قریشی تھا اور وہ کامرس کالج سیالکوٹ کے پرنسپل رہے تھے، صحافی نہ تھے۔ علامہ صاحب کل سات بھائی تھے دو تو امرتسر میں ہی فوت ہو گئے تھے، ایک کا نام حفیظ تھا اور دوسرے کا فی الوقت معلوم نہ ہو سکا، جبکہ پانچ بھائی والدین کے ساتھ ہجرت کر کے سیالکوٹ آئے تھے جن کے نام یہ ہیں:

① پروفیسر احسان الحق قریشی رحمۃ اللہ علیہ ② علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ
③ محمد سعید ④ محمد شفیق ⑤ محمد نسیم

جبکہ ایک ہمشیر تھی جن کا بمرضِ کینسر پاکستان میں ہی انتقال ہوا تھا، علامہ صاحب سمیت اب تمام بھائی بھی دنیا سے جا چکے ہیں۔ جناب ڈاکٹر انوار احمد بگوی کا دوسرا زبردست تسامح یہ ہے کہ انھوں نے حضرت علامہ مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ:

''دیوبندی فکر میں اس مکتب سے منسلک تھے جو مماتی کہلاتا ہے۔'' [تذکارِ بگویہ: ۵۹۶/۳]

کس قدر ناقص معلومات ہیں، یہ درست ہے کہ کوئی بھی انسان کامل و مکمل نہیں ہوتا اور نہ ہی علم و معلومات کا کامل ذخیرہ ہر شخص کے پاس ہوتا ہے، مگر کم از کم تحقیقی کتابوں اور تاریخی خانوادوں کے تذکار میں اس قسم کی لغزشیں نہیں ہونی چاہئیں۔ ہمارے ہاں ''مماتی'' کی اصطلاح ان لوگوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر اور سماعِ صلوٰۃ وسلام عند القبر کے منکر ہوں، جو جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے نام سے موجود جماعت کے نظم میں اپنا کام کر رہے ہیں، اس کے برعکس علامہ دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق شروع سے آخر تک تنظیم اہل سنت کے ساتھ تھا، اور

آپ رحمۃ اللہ علیہ نبی علیہ السلام کی حیات فی الروضہ کے قائل ہی نہیں، پوری طرح منادبھی تھے۔ ''تذکار بگویہ'' کے مرتب موصوف اس امر کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ:

''(علامہ صاحب) کا یہ تعلق ثانی امیر سے ثالث امیر تک برابر قائم رہا۔'' (ایضاً صفحہ نمبر ۳۱۶)

ثانی امیر مولانا حاجی افتخار احمد بگوی رحمۃ اللہ علیہ کو اور ثالث امیر حضرت مولانا ابرار احمد بگوی صاحب کو کہا جاتا ہے، اب تو ہمارا شکوہ بجا ہے کہ کیا اپنے بزرگوں کے دوستوں اور رفقاء خیر کے متعلق ایسے ہی الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، جو مرتب موصوف نے کیے ہیں؟ یاد رہے کہ علامہ صاحب عین جوانی میں، جبکہ آپ کی عمر تیس برس تھی اور مرے کالج سیالکوٹ میں پروفیسر تھے، اس زمانہ سے ہی آپ کے ملک کی مقتدر شخصیات کے ساتھ نہ صرف تعلقات تھے بلکہ حسن اعتماد سے بھی مشرف تھے، اس سے بڑھ کر علماء کبار کے مابین روابط کا قابل اعتبار ذریعہ بھی تھے۔ جیسا کہ حضرت مولانا بہاء الحق قاسمی (والد گرامی عطاء الحق قاسمی) علامہ صاحب کے متعلق مولانا افتخار احمد بگوی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

''پرسوں مولوی خالد محمود صاحب ایم اے سیالکوٹی میرے پاس آئے تھے ان سے میں نے اس کا ذکر کیا اور کہا کہ میں بیمار ہوں، نہ معلوم طبیعت کہاں تک سنبھلے، آپ ہی اس کام کو کر دیجیے جسے انہوں نے منظور کر لیا، چنانچہ کتاب مذکور ان کے حوالہ کر دی گئی ہے۔ امید ہے کہ وہ جلد ہی ریویو لکھ کر آپ کو روانہ کر دیں گے۔ میں ایک دو روز کے بعد ان کو یاد دہانی کا خط بھی لکھ دوں گا۔'' (۱۰، ستمبر ۱۹۵۵ء، ماڈل ٹاؤن، لاہور)

اس خط میں جس کتاب کا ذکر ہے وہ مولانا پیر کرم شاہ صاحب الازہری کی ''سنت خیر الانام'' ہے۔ جس پر تبصرہ کرنے کو مولانا ظہور احمد بگوی رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً مولانا بہاء الحق قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا تا کہ وہ تبصرہ ماہ نامہ ''شمس الاسلام'' بھیرہ میں شامل ہو سکے۔ مولانا قاسمی مرحوم نے تبصرہ لکھ کر روانہ کیا تھا مگر ڈاک میں ضائع ہو گیا، پھر مولانا بگوی مرحوم نے دوبارہ استدعا کی تو مولانا بہاء الحق قاسمی نے علامہ صاحب کے ذمہ لگا دیا۔ اکابرین امت کے مابین یہ رشتہ اعتماد اور علامہ صاحب کے علم و فضل پر اعتبار کیا کم سعادت ہے؟ ڈاکٹر انوار احمد بگوی صاحب جہاں قلت معلومات کا شکار ہیں وہاں سینہ زوری اور انصاف توڑ تحریف کے بھی مرتکب ہوتے رہتے ہیں، ان کی تحریف کی ایک اندوہناک مثال ہم نے اپنی کتاب ''تذکرہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ'' کے صفحہ نمبر ۱۲۰ر تا ۱۲۳ر پر پیش کر دی ہے۔ اور وہ تحریف بھی ان کی زیر تبصرہ کتاب ''تذکار بگویہ'' ہی سے متعلق ہے۔ طوالت کے خوف سے بچنے کے لیے ہم اپنے قارئین کو ''تذکرہ مولانا محمد نافع'' کے متذکرہ صفحات کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیں گے۔ البتہ اس بحث کو سمیٹتے ہوئے اتنا ضرور کہیں گے کہ آں موصوف نے چند سال قبل ایران کا دورہ کر کے واپسی پر اپنا سفرنامہ ''فردوسی و خمینی کے دیس میں'' مرتب کیا تو اس میں جگہ جگہ خمینی صاحب کے نام پر ''رح'' یعنی علامت ترحم ڈالی، خاندان بگویہ جس نے خطہ پنجاب میں رفض و بدعت کے استیصال کے لیے مردانہ وار کام کیا، خمینی صاحب جیسے شاتم صحابہ کی اس قدر تعظیم و تادیب سے کیا بزرگانِ بھیرہ کی ارواح نہ تڑپی ہوں گی؟ خیر اسے جانے دیجیے، اتنی ہماری تسلی فرما دیجیے کہ بلا تحقیق علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کے دینی کاموں میں آپ کو ''تجارتی انداز''

محسوس ہوا ہے تو سفر ایران میں دشمنانِ اصحاب رسول ﷺ کی توقیر و مودت کا نام آپ کی لغت ہائے بھیرہ میں کیا لکھا ہے؟ امید ہے کہ انسانی کمزوریوں سے مبرا و مجلّٰی ہمارے مخاطب معترض ضرور کوئی تسلی بخش جواب ارشاد فرمائیں گے۔

علامہ صاحب صدر ایوب اور یحییٰ خان کے دور میں

ہماری ملکی تاریخ میں صدر ایوب پہلے فوجی آمر کے طور پر معروف ہیں، جنہوں نے ۱۹۵۸ء میں سویلین حکومت کو ہٹا کر پاکستان میں مارشل لاء نافذ کیا تھا۔ ۲۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء سے ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء تک آپ صدر پاکستان رہے۔ اس دوران طاقت و منصب کے بل بوتے پر بڑوں بڑوں کے نقارے خاموش کروا دیئے گئے تھے اور وہ لوگ بھی انتقام کا نشانہ بنے جو نہ کسی کے سخن ساز حلیف تھے اور نہ ہی دشنام طراز حریف! چنانچہ جمعیت علماء اسلام کو بھی خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا، جمعیت کا نام استعمال کرنے پر پابندی عائد کر دی گئی تھی تو اکابرین نے امام لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں ''نظام العلماء'' کے نام سے اپنا سیاسی سفر جاری رکھا۔ اور اس دورِ جبر و ستم میں عائلی قوانین کے خلاف آپ کی قیادت میں منظّم جدوجہد ہوئی، اس سلسلہ میں جو کبار اہل علم کی کمیٹی تشکیل دی گئی تھی اس میں علامہ صاحب کا نام بھی شامل تھا، جیسا کہ علامہ صاحب نے بقلم خود لکھا ہے کہ:

''صدر ایوب کے دور میں عائلی قوانین کی بحث خوب چلی، پاکستان میں غیر اسلامی عائلی قوانین نافذ کر دیئے گئے۔ سلطان جائر کے سامنے کلمہ حق کہنے کی سعادت ہر کسی کو نہیں ملتی، اس مرحلے پر مجاہد کبیر شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے علماء حق کو جمع کیا، غیر اسلامی قوانین کے خلاف آواز اٹھائی اس مقصد کے لیے علماء کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا (محمد یوسف) بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی محمد محمود صاحب اس کمیٹی کے سربراہ تھے، اور راقم الحروف بھی اس کمیٹی کا ایک ممبر تھا اور یہ مرحلہ میرے لیے ایک شیریں یاد ہے جب ہم مردان میں اس عظیم دینی کام کے لیے جمع ہوئے، اس کمیٹی میں عائلی قوانین پر جو تنقیدات کی گئیں اور جو متبادل تجویزات سامنے آئیں وہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے اسی دور میں چھپ گئی تھیں۔'' (حضرت بنوری نمبر، ماہنامہ بینات کراچی، صفحہ نمبر ۴۳۷، ۱۹۷۸ء طبع جدید)

صدر ایوب خان کے بعد ۱۹۶۹ء میں تیسرے صدر مملکت کے طور پر جناب یحییٰ خان مقرر ہوئے تو ایں گل دیگر شگفت، انہوں نے بھی اہلیانِ وطن کو ہمدوشِ ثریا کرنے کا راز مذہبی جماعتوں اور علماء حق کو پریشان کرنے میں جانا۔ اس دور میں بھی علامہ صاحب جمعیت علماء اسلام کے اکابرین کے منظورِ نظر رہے اور ''دستور اسلامی پاکستان'' کے حوالہ سے جو جدوجہد کی گئی تھی، علامہ صاحب اس کی ایک مضبوط کڑی کے طور پر نمایاں رہے، جیسا کہ لکھتے ہیں کہ:

''جمعیت علماء اسلام نے یحییٰ خان کے دور میں پاکستان کا دستور، اسلامی خطوط پر مرتب کیا تھا۔ جمعیت نے اس کے لیے جو کمیٹی مرتب کی اس کے بیشتر اجلاس جامعہ مدنیہ لاہور میں منعقد ہوئے، اس میں بھی مجھے حضرت مولانا افغانی، حضرت مولانا بنوری اور حضرت مفتی محمود صاحب کے ساتھ شرکت کی سعادت ملی۔ ہمارے یہ اجلاس تقریباً ایک ماہ تک رہے۔ اس کارکردگی میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ اس انداز سے رہنمائی کرتے، گویا وہ فقہ اور عصری تقاضوں کے مابین ایک بہترین ربط اور کلیاتِ اسلام کے لیے ایک جامع ضبط ہوں۔'' (ایضاً، صفحہ نمبر ۴۳۸)

حضرتِ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے اندازِ تفسیر اور تاثیر صحبت کا علامہ صاحب کی طبیعت پر گہرا اثر

۱۹۶۲ء کے آخری ایام تیزی کے ساتھ گزر رہے تھے کہ حضرت مولانا محمد عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ اور ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور کے اس وقت کے مدیر مناظر حسین نظر نے حضرت علامہ صاحب سے ''خدام الدین'' کے شیخ التفسیر نمبر کے لیے مضمون لکھنے کی فرمائش کی، چنانچہ علامہ صاحب نے ''حضرت شیخ التفسیر کا منہاج درس تفسیر'' کے عنوان سے ایسا مقالہ لکھا کہ گویا نور کی برسات ہوگئی۔ پھر جب فروری ۱۹۶۳ء میں اس کی طباعت ہوئی تو مدیر خدام الدین نے اپنے سرنامہ میں لکھا: ''مفکر اسلام علامہ خالد محمود ایم اے کا یہ تجزیہ حضرت (لاہوری رحمۃ اللہ علیہ) سے گہرے تعلق کا غماز ہے۔ اور دراصل یہ علامہ موصوف ہی کا حصہ ہے۔''

اپنے اس مقالہ میں علامہ صاحب ایک مقام پر رقمطراز ہیں:

''راقم الحروف پر ایک ایسا دور بھی گزرا جب میرے ذہن پر معقولات اور ادبیات کا پورا تسلط اور میرے نزدیک علم کی گہرائی بس اسی بال کی کھال اتارنے کا نام تھا، لیکن ذہن بڑی شدت سے ایک تشنگی محسوس کرتا جو محسوس تو ہوتی مگر اسے الفاظ کا لباس پہنا کر دوسروں کے سامنے پیش کرسکنے پر قدرت نہ تھی۔ ان دنوں بعض دوسرے علماء کی معیت میں بعض اوقات حضرتِ مرحوم کی مجلس درس میں حاضری ہوئی، میرے وہ احباب تو حضرت کے اس سادہ اور بے تکلف بیانِ قرآن کو محض ایک سطحیت قرار دیتے، لیکن میں (جس کا ذہن معقولات اور جدلیات کے فرسودہ مباحث سے کافی تھک چکا تھا) اپنی اس مذکورہ تشنگی کے لیے اسے ایک نسخہ شفاء محسوس کرنے لگا، میں نے اپنے ان علماء سے کہا کہ اس سادہ اور بے تکلف انداز بیان میں قرآن پاک کے کسی ایک رکوع کو بیان کیجیے؟ جب ان حضرات نے اپنی سی کوشش کی تو پھر انہیں اقرار کرنا پڑا کہ بے شک عربی اسلام کی ترجمانی کا حق ان سے ادا نہیں ہو رہا۔ اور عجمی حاشیہ آرائی کے کانٹے اس فطری جادۂ ہدایت پر دور تک پھیلے نظر آتے ہیں، میں نے بارہا محسوس کیا کہ جب بھی کسی آیتِ قرآنی کے بیان کی ضرورت پیش ہوئی تو عجمیت کسی نہ کسی دریچے سے ضرور جھانکنے لگی۔ اس پر ان علماء اور احباب سب کو اقرار کرنا پڑا کہ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ انداز تدریس علمی موشگافیوں، لاطائل تکلفات اور بیان احتمالات سے بہت آگے کی ایک منزل ہے۔ یہ درس قرآن کا ایک ایسا درجہ ہے جو محض رب العزت کی عطا تھی اور یہ ایک ایسا انداز تفسیر ہے جس کے ذریعے اہل اسلام کا ہر طبقہ قرآن پاک سے وابستہ ہوسکتا ہے۔ ان معروضات کی تصدیق ان علماء کرام سے بھی ہوسکتی ہے جو حضرت مرحوم کے کبھی حلقہ تفسیر میں شامل ہوئے ان مستفیضین میں سے بعض احباب کا بیان ہے کہ حضرت شیخ التفسیر کو ہر فن کی کتابیں ازبر تھیں، اور سلم العلوم، کافیہ، حسامی وغیرہ فنون کی کتابیں تو من وعن حفظ تھیں، علوم وفنون پر اس گہری نظر کے باوجود قرآن مجید کو ذہن میں اس طرح اتارتے جیسے شیر مادر اپنے فطری تقاضے سے اپنے مرکز کی طرف آ رہا ہے، اس سادگی کو سطحیت قرار دینا خود ایک بہت بڑی سطحیت تھی اور جن احباب نے حضرت مرحوم کے دوسرے سلسلہ تفسیر (جو مکمل نہ ہوسکا اور جس کا نمونہ تیسویں پارے کی بعض سورتوں کی علیحدہ علیحدہ تفاسیر کی صورت میں بارہا طبع ہو چکا ہے) کے چند صفحات بھی مطالعہ کیے ہیں وہ وادئ حیرت میں گم ہو جاتے ہیں کہ اس گہری فکر اور اس قدر تفصیل سے قرآنی مطالب کو پھیلانے والے بزرگ اپنے پہلے سلسلۂ تفسیر میں اس قدر غیر معمولی اختصار، سادگی، بے تکلفی اور پھر ان سب امور کے باوجود ایک باقاعدہ نظم اور ایک باقاعدہ ربط پر کیسے قادر ہیں، ربط آیات کے

سلسلہ میں حضرت کے مختصر اور نہایت جامع حواشی ہمارے اس بیان کے نا قابل تردید گواہ ہیں۔حضرت مرحوم سے قرآن سن کر ذہن وفکر پر نہ کوئی بوجھ محسوس ہوتا تھا اور نہ ذکر وعمل کے باب میں کوئی مشکل یا طبعی رکاوٹ محسوس ہوئی۔حضرت بیان فرماتے اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا نسل انسانی کی عملی ہدایات کے لیے وحی بھی اتر رہی ہے۔اور یہ محض اس وجہ سے تھا کہ حضرت کا موضوع ہمیشہ عربی واسلام تھا،عجمی اسلام نہ تھا جس کی موشگافیوں اور تاویلات نے عملی دنیا میں انقلاب پیدا کرنے کی بجائے محض ذہنی اور علمی ورزش کے چند ابواب مہیا کرر کھے ہیں۔''

(خالد محمود،علامہ ہفت روزہ''خدام الدین''شیخ التفسیر نمبر،صفحہ ۲۹،۲۲ فروری ۱۹۶۳ء)

ہم نے خدام الدین کا یہ شمارہ تلاش کرنے کے لیے خاصی جدو جہد کی ہے اور اس کی بازیابی میں بھی ایک ایسی شخصیت کا کردار ہے جو اگر چہ آج دنیا میں موجود نہیں مگر کاتب السطور پر ان کا علمی احسان ان کی یاد دلا رہا ہے، یہ میانہ گوندل ضلع منڈی بہاؤ الدین کے جناب نور محمد مرحوم تھے جنہوں نے ایک مرتبہ وہاں کے تبلیغی جلسہ میں شرکت کے موقع پر بندہ کو''خدام الدین'' کے پرانے فائل جلد شدہ پیش کر دیئے تھے،آپ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص معتقد اور حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کے وارفتہ گان میں سے تھے اور مولانا عبدالرؤف صاحب نعمانی کے والد گرامی تھے،اس مضمون کے ملنے کے بعد جب کاتب السطور نے حضرت علامہ صاحب کو ان کا یہ پرانا مضمون دکھایا تو آپ نے ڈھیروں دعائیں دی تھیں اور فرمایا کہ اچھا ہوا آپ نے اسے تلاش کر لیا، میرے بزم خیال سے تو یہ کوچ کر چکا تھا۔اس سے قبل دو ایک مقامات اور اب یہ حوالہ اس حقیقت سے بھر پور پردہ اٹھا رہا ہے کہ حضرت علامہ صاحب کا امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گہرا تعلق تھا اور حضرتِ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت فیض اور خصوصاً انداز بیان وتفسیر سے علامہ صاحب بہت متاثر تھے۔ یہ بات ان لوگوں کے لیے بہت اہم ہوگی جو علامہ صاحب کے مخصوص مزاج سے واقف ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کسی کی تعریف یا تنقیص میں مبالغہ نہیں فرمایا کرتے تھے، تنقیص یا ذاتیات کو اپنی مجلسوں میں چٹخاروں کے طور پر پیش کرنا تو خیر علامہ صاحب کی طبیعت ہی کے خلاف تھا،اور جہاں تک تعریف وتوصیف کا تعلق ہے آپ اس معاملہ میں نہایت حساس اور محتاط طبیعت رکھتے تھے۔اس لیے علامہ صاحب کا کسی کی تعریف میں رطب اللسان ہونا ایک سند ہے۔حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے ان کی شانِ استغناء نے بھی بہت متاثر کیا تھا،علامہ صاحب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں موجود تھا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے بڑے بڑے مالداروں اور متمول لوگوں کو اپنے استغناء کی چھری سے ذبح کر دیا، یہ الفاظ فرماتے ہوئے علامہ صاحب اپنی ایک خاص ادا سے آنکھیں بند کر کے جھوم جاتے تھے اور فرماتے تھے اس جملے کی چاشنی آج بھی محسوس ہوتی ہے۔علامہ صاحب فرماتے تھے کہ امام لاہوری رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر وزراء وافسران کہیں تو میں ان کی کوٹھیوں اور بنگلوں میں آکر انہیں قرآن مجید پڑھا دیا کروں گا مگر شرط یہ ہے کہ آنا جانا اپنے تانگہ پر کروں گا۔اور تانگے والے کو چوان کو چونی اپنی جیب سے ہی ادا کروں گا۔اس قسم کے لاتعداد واقعات وحقائق علامہ صاحب کی علمی شخصیت اور زیرک ودانائی پر دلیل بن کر گواہی دے رہے ہیں کہ آپ کو عین عالم جوانی

میں کتنی بڑی اور مقتدر ہستیوں کا اعتماد حاصل تھا اور یہ چیز موجودہ نسلوں کی آنکھیں کھول دینے کی لیے اس پہلو سے بھی لائق غور ہے کہ اہل اللہ کی صحبتیں اور ان کی دور رس نگاہیں ایسے ایسے نایاب ہیرے تلاش کر لیتی ہیں جو ’’علامہ خالد محمود‘‘ بن کر جہل وظلمت کی تاریکیوں کو اپنے نورِ علم سے ضیا پاش کر دیتے ہیں۔

مولانا لعل حسین اختر کی بطور خطیب لاہور تعیناتی میں علامہ صاحب کی دلچسپی

مناظر ختم نبوت حضرت مولانا لعل حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ تحصیل شکر گڑھ کے پیدائشی، لاہور کے اقامتی اور دین پور شریف میں مدفون ہیں۔ آپ اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی لاہور میں حصول تعلیم کے دوران مرزائیوں کی محنت سے مرزائی بن گئے تھے، بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے ہدایات بخشی تو پوری زندگی تحفظ ختم نبوت میں صرف کر دی، باکمال مناظر تھے۔ طبعی مناسبت اور ہم آہنگی کی بناء پر حضرت علامہ صاحب کے ساتھ بھی آپ کا گہرا تعلق رہا، چنانچہ ۱۹۶۲ء میں علامہ صاحب کی دلچسپی اور دیگر رفقاء واحباب کی خواہش پر جامع مسجد جانی شاہ لٹن روڈ لاہور میں آپ با قاعدہ خطبہ جمعۃ المبارک دینے لگے۔ تب علامہ صاحب خود سول سیکرٹریٹ والی مسجد میں خطیب اور ایم اے او کالج میں پروفیسر تھے نیز کرشن نگر آپ کی مناظرانہ ودعوتی سرگرمیوں کی جولانگاہ بنا ہوا تھا، علاوہ ازیں ملک بھر میں جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت ایک الگ داستان ہے جو ان شاء اللہ آمدہ سطور میں پیش ہوگی۔ جس وقت مولانا لعل حسین اختر جانی شاہ مسجد لاہور میں خطیب بنائے گئے تھے اس وقت مسجد کمیٹی کے جنرل سیکرٹری برکت علی تھے، جنہوں نے اس خوشی میں ہفت روزہ خدام الدین لاہور ہفت روزہ دعوت اور ’’چٹان‘‘ وغیرہ میں ’’خوشخبری‘‘ کا اشتہار شائع کروایا تھا جس میں یہ اعلان درج تھا کہ مؤرخہ ۷، دسمبر ۱۹۶۲ء سے مولانا لعل حسین اختر خطبہ جمعۃ المبارک دیا کریں گے۔ علامہ صاحب جب ۱۹۶۶ء میں انگلینڈ منتقل ہو گئے، جس کی مکمل تفصیلات آگے درج ہوں گی، ان شاء اللہ، تو اس سے اگلے سال حضرت مولانا لعل حسین اختر نے برطانیہ کا تبلیغی دورہ کیا تھا، ۱۹۶۷ء میں ووکنگ کی جامع مسجد جو نواب آف بھوپال کی بیگم نے تعمیر کروائی تھی، میں مولانا لعل حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ نے عقیدہ ختم نبوت پر تقریریں کیں، ان دنوں مرزا ناصر بھی ووکنگ میں موجود تھے آپ نے انہیں دعوتِ مباہلہ اور مناظرے کا چیلنج بھی دیا تھا جو وہ قبول نہ کر سکے تھے۔ ۱۹۷۳ء میں مولانا لعل حسین اختر کا انتقال ہو گیا تو حسب وصیت انہیں دین پور شریف کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ تو علامہ صاحب کی ۱۹۶۲ء کی یادوں میں ایک مولانا لعل حسین اختر کی شخصیت بھی ہے جن کا مختصر تذکرہ پیش کر دیا گیا ہے۔ اب ہم ۱۹۶۲ء کی یادوں میں سے ایک اہم اہم علمی یادگار ’’مقام حیات‘‘ کا ذکر کرتے ہیں جو مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توضیح وتشریح میں حضرت علامہ صاحب کی ایک نادر اور تاریخی پیش کش کے طور پر منظر عام پر آئی تھی۔

’’مقام حیات‘‘ کی تصنیف، ۱۹۶۲ء میں علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور یادگار علمی کارنامہ:

جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے قیام کا مقصد توحید وسنت کی ترویج اور شرک وبدعات کی تردید تھا، مگر افسوسناک بات یہ ہے کہ مذکورہ جماعت نے انکار حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ پیدا کر کے نہ صرف اپنی جماعتی اہداف سے روگردانی کی، بلکہ علماء دیوبند کو دو واضح بلاکوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے جب ۱۹۵۶ء میں جمعیت علماء اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی

تھی تو اس سے اگلے سال ہی مولانا غلام اللہ خان اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے اپنی جمعیت (اشاعت التوحید) کی بنیاد رکھ دی تھی، حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات کے اس عمل سے خفاء تھے اور آپ نے اسے جمعیت علماء اسلام کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کے مترادف قرار دیا تھا۔ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خدشہ اس وقت جملہ پہلوؤں کے ساتھ درست ثابت ہوا جب اشاعتی بزرگوں نے صرف جمعیت ہی نہیں بلکہ پوری امت کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔ یہ مکمل تفصیلات ہماری کتاب ''مظہر کرم'' (سوانح حیات قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ) میں موجود ہیں۔ اس وقت چونکہ ہم نے علامہ صاحب کی کتاب ''مقامِ حیات'' کے دور تصنیف کی کتھا سنانی ہے، اس لیے تاریخی واقعات درج کرنے کے جھمیلوں سے پرہیز برت رہے ہیں۔ جس وقت اشاعت التوحید کے حضرات نے ناروا شدت اور بے جا غصیلی کیفیت کے ساتھ انکار حیات کا مسئلہ عوام میں پیش کیا تو اس کی ابتداء جامعہ خیر المدارس ملتان سے ہوئی تھی۔ جہاں مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری نے اس ضمن میں ہونے والے اجلاسوں میں سے ایک اجلاس کے اندر حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے چہرہ پر طمانچہ رسید کر دیا تھا رد عمل میں حضرت جالندھری مرحوم نے بھی شاہ صاحب کو تھپڑ مارا اور جس بات پر یہ تھپڑوں کا تبادلہ ہوا تھا وہ بھی ہم نے مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک نادر خط کی مدد سے ''مظہر کرم'' میں پیش کر دی ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اشاعت التوحید کے پیدا کردہ اس مسئلہ نے جب باقاعدہ فتنے کا روپ دھارا تو اب اکابرین علماء اہل سنت مصلحت وحکمت کے تمام تر تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے میدان عمل میں نکلے اور اشاعتی بزرگوں کا علمی وتحریکی تعاقب شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ مربوط اور مضبوط بنیادوں پر جمعیت علماء اسلام کے جماعتی رسالہ ''ترجمانِ اسلام'' میں حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ نے مردانہ وار مضامین قلمبند کیے اور دوسرے علماء کرام کو بھی متوجہ فرمایا۔ اہل حق کی تین جماعتوں کے مناظرین، مبلغین، واعظین اور مصنفین نے اپنی پوری قوت کے ساتھ ملک بھر میں مذہبی اجتماعات کے اندر سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی الروضہ کے متعلق کتاب وسنت، آثار صحابہ کرام اور اسلافِ امت کے اقوال کی روشنی میں بھرپور رہنمائی کی۔ وہ تین جماعتیں جمعیت علماءِ اسلام، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور تحریک تنظیم اہل سنت ہیں، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی جانب سے حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا لعل حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ، جمعیت علماء اسلام کی جانب سے امام الاولیا حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں مولانا غلام غوث ہزاروی اور حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ (اس وقت حضرت قاضی صاحب جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے خدمت دین میں مصروف تھے) سرگرمِ عمل تھے جبکہ تحریک تنظیم اہل سنت کا معاملہ قدرے مختلف اور محتاج وضاحت ہے۔ جو آمدہ سطور میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی اس ضمن میں خدمات کی تفصیلات کی تمام تر گتھیاں سلجھانے اور سمجھانے میں ہم کامیاب ہو سکیں۔

منکرین حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اکابرین تنظیم اہل سنت کے دو مختلف رجحانات

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور مولانا غلام اللہ خان صاحب نے ناقابل فہم معمہ اور موضوعِ مباحثہ بنا کر اس امت کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ قیام پاکستان کے محض دس سال بعد جبکہ اس وطن کو اتحاد ویگانگت اور مذہبی

ہم آہنگی کی بہت زیادہ ضرورت تھی، نیز مرزائیت ورافضیت کے ساتھ ساتھ اشتراکیت کا فتنہ اہل پاکستان کو مسلسل متذبذب کیے ہوئے تھا، مذکورہ دوحضرات نے اس بحروسواس میں اپنی کشتیاں ڈال دیں اور پھر چپو یہ چپو چلا کر ساری عمر اسی عنوان پہ ہی خون پسینہ ایک کرتے رہے۔ جہاں تک عقیدہ اور نظریہ کی بات ہے تو تنظیم اہل سنت میں کوئی شخصیت اشاعتی بزرگوں کی ہمنوا نہیں تھی۔ البتہ پالیسی میں کچھ فرق تھا۔ حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری اور مولانا علامہ دوست محمد قریشی مرحوم نے ابتداء میں اشاعتی بزرگوں کے ساتھ نرم رویہ رکھا، جس کا خمیازہ بھی انہیں بھگتنا پڑا، جبکہ علامہ ڈاکٹر خالد محمود اور حضرت مولانا عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ ابتداء ہی سے ان کے ساتھ لاتعلقی کے حق میں تھے۔ چنانچہ حضرت تونسوی اور علامہ صاحب کا موقف بالکل درست ثابت ہوا، کیونکہ آنے والے دنوں میں مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو مستقل ایک کتاب ''حیات الاموات'' لکھ کر اپنے موقف کو واضح کرنا پڑا، اور علامہ دوست محمد قریشی مرحوم نے بھی مولانا افتخار احمد بگوی مرحوم کے نام ایک خط میں وضاحت کی تھی کہ حیات ومماتِ کے اس اختلاف میں اگرچہ ہم بین بین رہے مگر مسلک ونظریہ ہمارا وہی تھا جو امام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ یہ خط ''تذکارِ بگویہ'' میں موجود ہے اور اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے مگر تذکار بگویہ کے مرتب صاحب چونکہ علامہ خالد محمود صاحب سے بغضِ باطنی کا شکار تھے اس لیے انہوں نے عجلت وغلبہ جذبات میں یہ بھی لکھ دیا کہ مولانا دوست محمد قریشی مماتی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس زمانہ میں تنظیم اہل سنت کے ساتھ چل رہے تھے اور آپ بھی اشاعتی بزرگوں کے ساتھ کسی قسم کی مروت ونرمی کے قائل نہیں تھے بلکہ مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تو کہنا تھا کہ میں نے سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو متعدد بار مشورہ دیا کہ ہمیں ان لوگوں سے دور رہنا چاہیے مگر شاہ صاحب کا کہنا تھا کہ ان ''توحیدی حضرات'' کو ساتھ لے کر چلنا چاہیے، حضرت سید صاحب کی اس پالیسی کا پہلا اور بڑا نقصان بقول مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب یہ ہوا کہ تنظیم اہل سنت کے ابتدائی سرپرست حضرات ایک ایک کر کے تنظیم سے علیحدہ ہوگئے جن میں حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی، خواجہ قمر الدین سیالوی اور حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین میں سے بے شمار لوگ شامل تھے۔ پھر وہ وقت بہت جلد آگیا جب اشاعتی بزرگوں نے مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری کو عین حسب فطرت لڑاکے مرغوں کی طرح ٹھونگیں مارنا شروع کر دیں، تب شاہ صاحب نے مولانا غلام اللہ خاں مرحوم کو خط لکھا کہ جب آنجناب بالکل اچھوت ہو کر رہ گئے تھے اور علماء دیوبند میں سے کوئی آپ کے اسٹیج پر جانے کو تیار نہ تھا، اس وقت راقم (سید نور الحسن شاہ) اور مولانا دوست محمد صاحب قریشی ہی تھے جو آپ کے جلسوں کی رونقیں دوبالا کیا کرتے تھے، اور جب صدر ایوب کے دور میں آپ نظر بند کر دیئے گئے تھے تو ہم دونوں نے ہی آپ کی مسجد میں جمعۃ المبارک اور عیدین کی نمازیں پڑھائیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ جملہ تفصیلات حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ کی خود نوشت ''حیات مستعار'' کے اندر موجود ہیں۔ یہاں ایک دلچسپ بات زیر قلم آگئی کہ ۱۹۵۰ء میں تنظیم اہل سنت کے زیر اہتمام تین روزہ تبلیغی کانفرنس بیرون دہلی دروازہ لاہور میں منعقد ہوئی تھی جس میں مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب ناظم مجلس استقبالیہ تھے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اشتہار میں مقررین علماء کرام کے اسماء گرامی میں علامہ صاحب کا نام ''علامہ سید خالد محمود شاہ صاحب خالد''

لکھا ہوا ہے۔ حالانکہ علامہ صاحب صدیقی النسب قریشی تھے، البتہ نام کے آگے ''خالد'' لکھنے کا بطور تخلص چند ایک سال شوق پورا کیا، پھر جلد ہی آپ کی طبیعت اس قسم کے تکلف سے اکتا گئی۔ اور نام کے آگے اس کا استعمال ترک فرما دیا تھا۔

یہ تمام تر تفصیلات بیان کرنے کا مقصد یہ عرض کرنا کہ تحریک تنظیم اہل سنت میں جن حضرات نے وقتی طور پر حسب حکمت و مصلحت اشاعتی بزرگوں کے ساتھ نرم رویہ برتا تھا، انہیں بہت جلد اپنی اس پُر خطا پالیسی کا ادراک ہوگیا تھا اور پھر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''حیات الاموات'' کے نام سے کتاب بھی لکھی۔ جس کے پہلے صفحہ پر ہی علامہ خالد محمود صاحب کی شہرہ آفاق کتاب ''مقامِ حیات'' کا ذکر خیر موجود ہے۔ علامہ صاحب منکرین حیات النبی کے خلاف اس جذبہ سے سرگرم عمل تھے کہ آپ کی سرگرمیوں کا اعتراف بانی خیر المدارس حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کیا۔ یہ خط حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہے اور پہلی مرتبہ ہماری کتاب ''مظہر کرم'' میں طبع ہوا ہے۔ یہاں بھی وہ پیش کیا جاتا ہے۔

'' مخدومنا المکرّم حضرت مفتی صاحب دامت فیضکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ جواباً عرض ہے کہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلک اکابر علماء دیو بند کو مجروح کرنے والے ابتداءً مولانا سید عنایت اللہ شاہ گجراتی ہیں، **البادی اظلم** مشہور مقولہ ہے، بعدہ تقریر وتحریر میں اچھالنے والے مولانا غلام اللہ (اور) مولانا قاضی شمس الدین ہیں۔ جنہوں نے اپنی مجالس اور جلسوں میں اس کو موضوع قرار دیا بلکہ بعض جگہ احقر اور مولانا محمد علی جالندھری صاحب کے نام لے کر چیلنج مناظرہ بھی دیا گیا، مگر احقر پیرانہ سالی اور کہنہ تجربہ کی بناء پر ایسے شور وغل سے اب تک متاثر نہ ہوا۔ ہاں مولانا محمد علی صاحب اور علامہ خالد محمود صاحب ضرور متاثر ہوئے اور انہوں نے چیلنج کو قبول کرنے میں دینی مصلحت کا راز مضمر سمجھا اور درمیان میں واسطہ بنا کر تاریخ کا فیصلہ کرنے والے مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب ہیں کل یا پرسوں ان حضرات کا دفتر نظام العلماء شیرانوالہ دروازہ لاہور میں اجتماع ہونے والا ہے، مجھے نہیں معلوم کہ کیا گفتگو ہوگی اور کیا تصفیہ ہوگا واللہ اعلم بالصواب۔ فریق ثانی کے بعض خیر خواہوں نے خطوط کے ذریعے مناظرہ کے لیے مجھے بھی اُکسانے کی بہت کوشش کی ہے مگر میں بدستور ساکن ہوں، متحرک ہونے کا ارادہ نہیں کیا۔ اس لیے کہ فریق ثانی کے عمائد ثلاثہ کے کبر وعُجب اور ضد وعناد کے سبب مجھے اصلاح کی توقع نہیں اور ان کے حاشیہ نشین اکثر جہلاء کے متکبرانہ پروپیگنڈے اصلاح سے مایوس کنندہ نظر آتے ہیں۔ لہٰذا اپنا مسلک تو یہ ہے: ؂

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
تو کسی سے کوئی گلہ نہ رہا

اس گروہ کے اختلاف بڑھانے کا باعث حضرت مفتی محمد حسن صاحب قبلہ کے نرم مصالح اور ان کے بعض معتقدین علماء کا اختلاط و انبساط اور آپ جیسے پکے متبع مسلک اکابر دیو بند کا سکوت ہے۔ میرے نزدیک فریقین کا اس حالت میں اجتماع اور مواجہۃً گفتگو خواہ مجمع خاص میں ہو یا عام میں، فتنہ اور فساد کے بڑھانے کا سبب ہے نہ کہ مٹانے کا۔

(مکتوب مولانا خیر محمد جالندھری بنام مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، محررہ ۲۰، ذوالحج ۱۳۷۹ھ، ملتان)

تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے اس خط سے بہت ساری کیفیات پردہ کتم سے ظاہر ہو رہی ہیں جن کا تعلق اس ابتدائی دور کے ساتھ ہے، مثلاً:

۱۔ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت جالندھری رحمۃ اللہ علیہ حساس اور بہت فکر مند تھے اور ان کی خواہش تھی کہ اسے موضوع عوام نہ بنایا جائے۔

۲۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ اس میدان میں بھی پوری طرح متحرک وفعال کردار ادا کر رہے تھے اور اشاعتی حضرات کے ہر چیلنج کو قبول کر کے ان کے ساتھ بذریعہ مناظرہ فیصلہ کن کارروائی کرنے کے خواہاں تھے۔

۳۔ جو اکابرین امت اپنے طبعی مزاج یا دیگر خدماتِ دینیہ کے انہماک کی وجہ سے اس مسئلہ کو معمولی نوعیت کے اختلاف کا درجہ دے کر اشاعتی بزرگوں سے رہ ورسم قائم رکھے ہوئے تھے، مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان حضرات کی یہ پالیسی خطرناک تھی کیونکہ اس سے فریق مخالف دن بہ دن پارۂ سنگ بنتا جا رہا تھا جس کے نتیجہ میں مسلک حق کو غیر معمولی نقصان پہنچ رہا تھا۔

۴۔ اشاعتی قیادت کی اصلاح وغیرہ سے ہمارے بزرگانِ اہل سنت مایوس ہو چکے تھے اور وہ اپنے طویل تجربات کی روشنی میں بھانپ گئے تھے کہ اب ان پر اصلاح کا ہر عمل بنجر زمین پر بارش کے مترادف ہے۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ جس طرح حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ کو ابتداء میں نرم رویہ اختیار کر کے بعد میں پچھتانا پڑا اور انہوں نے برملا اس امر کا اقرار کیا کہ اشاعتی بزرگ تو کٹی ہوئی وہ پتنگیں ہیں جن کی ڈور کسی کے ہاتھ میں نہیں۔ ایسے ہی حضرت مولانا مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ (بانی جامعہ اشرفیہ، لاہور) نے بھی ان سے مکمل بائیکاٹ فرما دیا تھا، چنانچہ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

> ''تمام اکابر دیوبند نے مولوی غلام اللہ خان اور ان کی پارٹی سے انقطاع کر لیا تھا، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کی کوشش سے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تمام خلفاء اور حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری، بانی جامعہ اشرفیہ، لاہور نے مولوی غلام اللہ خان صاحب کے سالانہ جلسہ سے بائیکاٹ کر دیا تھا، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے جلسہ میں جانا چھوڑ دیا تھا، حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اکابر جمعیت ان کے سخت مخالف ہو گئے تھے۔ مجلس احرار اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے علماء و زعماء حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے زور و شور سے ان کی مخالفت شروع کر دی تھی ابن امیر شریعت مولانا حافظ المنعم شاہ صاحب بخاری ان کے سخت مخالف تھے۔ ان کی زبان سے خود میں نے ملتان میں مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے خلاف سخت الفاظ سنے تھے، تحریری اور تقریری مناظرات پر نوبت پہنچ گئی۔ مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے سب سے زیادہ اس پارٹی کے خلاف مہم چلائی، مناظر اسلام حضرت مولانا لعل حسین اختر نے ان کو مناظرے کا چیلنج دیا اور علامہ خالد محمود صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی نے علماء حق کی حمایت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور شاہ صاحب بخاری کی طرف سے مناظرہ کے چیلنج کے جواب میں بندہ نے ان کے نام کھلی چٹھی میں چیلنج قبول کیا۔''

(کشفِ خارجیت (طبع اول) صفحہ نمبر ۱۷۴، جون ۱۹۸۵ء، چکوال)

قائد اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت میں بھی علاوہ دیگر حقائق کے علامہ صاحب کی خدمات اس مسئلہ پر حساسیت اور اہل حق کی حمایت میں بھرپور حصہ لینے کا اعتراف موجود ہے۔اس ساری تفصیل کے بیان کا اصل مقصد دعوی یہ ہے کہ علامہ صاحب کا شمار ان اسلاف اہل سنت میں ہوتا ہے جو اول روز ہی سے اس فتنے کی روش کا اندازہ لگا کر جان گئے تھے کہ فتنے کی راکھ سے اٹھتا ہوا یہ دھواں جب شرربار ہوگا تو اس کی لپیٹ میں کیا کچھ آجائے گا۔

چنانچہ علامہ صاحب نے ''مدارک الاذکیاء فی حیاتِ الانبیاء'' مسمّٰی بہ ''مقام حیات'' لکھ کر شائع کی جس کے پہلے اڈیشن میں اختصار سے کام لیا، جبکہ دوسرے اڈیشن میں سینکڑوں مزید حوالہ جات شامل کر کے امت کی خدمت میں پیش کی گئی۔اس کتاب کا جب پہلا اڈیشن شائع ہوا تھا تو اس کے جواب میں فریق ثانی کی جانب سے مولانا قاضی شمس الدین صاحب (گوجرانوالہ) نے ''مسالک العلماء فی حیات الانبیاء'' لکھ کر شائع فرمائی مگر حضرت قاضی صاحب کی مجذوبانہ طبیعت نے اس جوابی کتاب میں علامہ صاحب ہی کے موقف کی تائید کر دی اور یوں متذکرہ کتاب اشاعتی طبقہ کے لیے ایک دردِ سر بن کر رہ گئی۔علامہ صاحب لکھتے ہیں:

''(مقامِ حیات) پہلی بار ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ میں چھپی۔اس کے جواب میں قاضی شمس الدین صاحب نے ''مسالک العلماء'' لکھی۔قاضی صاحب اس میں کسی مسلک پر جم نہیں سکے اور ان کی یہ کمزوری خود اس کتاب کے نام سے عیاں ہے، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب جب پاکستان آئے اور قاضی صاحب کے سامنے اپنا دیوبندی عقیدہ لکھا تو قاضی صاحب نے جھٹ اس پر دستخط کر دیئے۔اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں مسئلہ زیر بحث میں اختلاف اتنا نہیں ہے، جتنا انتشار ہے اور نہایت افسوس ہے کہ اب اس انتشار کی ہی اختلاف کے نام پر پرورش کی جا رہی ہے اور زیادہ لوگ نہیں جانتے کہ اختلاف کیا ہے؟ پنجاب کی اس معرکہ آرائی پر جب ربع صدی گزری اور پچیس سال حیاتی اور مماتی آپس میں معرکہ آراء رہے تو کچھ لوگوں نے یہ معاملہ پھر دیوبند لکھ کر بھیجا...... پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے اور مماتیوں کی کتابیں اور تحریریں دیکھنے کے بعد علماء دارالعلوم دیوبند اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مماتیوں کے پاس اس موضوع میں سوائے انتشار کے کچھ نہیں اور اگر ان کے پاس کوئی مادہ اختلاف ہوتا تو وہ ضرور ان کو کچھ نہ کچھ اہمیت دیتے۔اب دارالعلوم دیوبند کا یہ حالیہ تاریخی فیصلہ سراسر عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں ہے اور اس لحاظ سے اس کی بہت اہمیت ہے کہ یہ پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد کا ہے اور اس سے مماتیوں کی پوری عمارت دھڑام سے نیچے آگری ہے۔'' (مقام حیات: ۷۰۹، مطبوعہ ۱۹۹۳ء، لاہور)

۱۹۶۲ء میں جب پہلی بار ''مقامِ حیات'' شائع ہوئی تو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ نے حرف بہ حرف پڑھ کر اس کی تائید فرمائی تھی۔حضرت قاری صاحب علیہ الرحمۃ نے علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کے نام اپنے خط میں تاثرات کا یوں اظہار فرمایا:

''سلامِ مسنون نیاز مقرون، گرامی نامہ باعث شرف ہوا۔میں شعبان، رمضان اور اوائلِ شوال میں مسلسل سفر میں رہا۔یہی وجہ تاخیر جواب کی ہے۔اب بھی میں سفر میں ہی ہوں اور ریل ہی میں جواب لکھ رہا ہوں۔کل دیوبند پہنچوں گا۔ان شاء اللہ۔ ''مقام حیات'' جیسے موقر رسالہ سے مستفید ہوا اور حرفاً حرفاً اول سے آخر تک پورا رسالہ دیکھا۔اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب

اب تک میری نظر سے نہیں گزری۔ مسئلہ کا تجزیہ نہایت ہی فاضلانہ اور محققانہ انداز سے کیا گیا ہے، طرز بیان انتہائی بلیغ، موثر اور دلنشین ہے۔ مسئلہ کے ہر پہلو کا حکم نہایت ہی بالغ نظری کے ساتھ اس کی صحیح کیفیت وحقیقت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی ایک ایک سطر سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور بڑھتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی اس مبارک سعی کو قبول فرمائے اور جس طرح آپ نے اپنے اسلاف کے مسلک کی نصرت واعانت کر کے اسے نمایاں فرمایا ہے حق تعالیٰ آپ کی نصرت دارین میں فرما کر آپ کو سربلند اور رفیع المرتبت بنائے آمین۔ والسلام'' (مکتوب مشمولہ ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور ۱۴، ستمبر ۱۹۶۲ء)

اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ تحریک تنظیم اہل سنت پاکستان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کے اسٹیج سے اشاعتی فرقہ کے خلاف علامہ خالد محمود جیسی ذی مرتبت اور ذی وقار شخصیت نے ''مقامِ حیات'' جیسی علم افروز کتاب لکھ کر ملت کی رہنمائی کی۔ اس کتاب کا انداز تحریر بڑا دلچسپ اور علم وظرافت کی آمیزش سے بھرا ہوا ہے۔ پڑھنے والے کو یہ کتاب تھکنے نہیں دیتی اور جس طرح اچھا تیراک پانی کی لہروں سے کھیلتا اور موجوں کو چیرتا ہوا دریا کے اس پار جا پہنچتا ہے یہ کتاب بھی اپنے قاری کو ایسے ہی سلامتی کے ساحل پر پہنچا دیتی ہے۔ (مزید دیکھیے: ۱/۱۹۸......۱/۲۰۳......۱/۶۲۹......۱/۶۶۵......۱/۷۰۷ (مضمون)......۱/۷۳۱ [ادارہ])

جمعیت علماء اسلام اشاعتی فرقہ کے خلاف میدانِ عمل میں، اور حضرت علامہ صاحب کے علمی مقام کا اعتراف

سب سے پہلے اشاعتی فرقہ کا ناطقہ بند کرنے کی کوشش کرنے والوں میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا کردار ہے اور اس کے ذیل میں مجلس احرارِ اسلام کے قائدین بھی شامل ہیں، حضرت مولانا سید عطاالمنعم شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ملک بھر میں زوردار تقریروں میں مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم عوام کو سمجھایا اور جلالی لب ولہجہ میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے غلط نظریہ کی ٹھوس براہین کے ساتھ تردید کرنے کا فریضہ سرانجام دیا۔

دوسرے نمبر پر تحریک تنظیم اہل سنت کے اکابر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے مخصوص موضوع (مدحِ صحابہ کرام اور تردید شیعیت) کے ساتھ ساتھ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے موضوع کا حصہ بنایا اور خصوصاً علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا علامہ عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے ملک بھر میں اپنی گرج دار اور دلائل وبرھان سے مزین آوازوں کے ساتھ اہل باطل کے دل دہلا دیئے۔ جیسا کہ پہلے ہم یہ بات لکھ آئے ہیں کہ اگرچہ شروع شروع میں مولانا سید نورالحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ نے نرم پالیسیوں کے ساتھ اشاعتی فرقہ کے لوگوں سے رہ رسم جاری رکھی مگر جلد ہی انہیں اس کے نقصانِ عظیم کا ادراک ہوا تو انہوں نے بھی بائیکاٹ کر دیا اور مولانا بخاری مرحوم نے بھی ''حیات الاموات'' نامی کتاب لکھ کر شائع کر دی۔ اگر ہم یہ کہہ دیں کہ تنظیم اہل سنت کے پلیٹ فارم سے مندرجہ ذیل تین کتابوں نے اپنا بے مثل اور لازوال کردار ادا کر کے اہل سنت کی ڈگمگاتی کشتی کو اشاعتی فرقہ کے بھنور سے نکالنے میں نمایاں کردار ادا کیا تو غلط نہ ہوگا۔

۱۔ مقام حیات ......علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ رحمت کائنات ......مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ (اس کا پہلا اڈیشن مختصر تھا، بعد میں اضافہ جات کے ساتھ شائع کی گئی)

۳۔ حیات الاموات......مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

علامہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر تنظیمی مناظرین و مبلغین کی تقریریں اس کے علاوہ ہیں جنہوں نے تصحیح عقائد میں اپنا حصہ ڈال کر دارین کی سعادتیں سمیٹیں، اللہ تعالیٰ سب کی کاوشوں کو شرف قبول بخشے۔ **اللھم آمین**

تیسرا مرحلہ جمعیت علماءِ اسلام کی خدمات کا ہے۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' میں مسلسل مضامین و مقالات اور تازہ بہ تازہ روداد یں شائع کر کے اہل حق کی قیادت کرتے رہے۔ مگر جب فریق ثانی کی جانب سے اصلاح کی تمام کوششوں کا جواب ہٹ دھرمی اور عناد کے ذریعے دیا گیا تو اب جمعیت کے اکابرین نے جماعتی قوت کے ساتھ ان کا علاج شروع کر دیا، اس کی از اول تا آخر مکمل تفصیلات کا تو یہ موقع نہیں، اپنی بساط کی حد تک ''مظہر کرم'' کے اندر ہم نے اس عنوان پر خامہ فرسائی کی ہے، یہاں اختصار کے ساتھ ان تمام واقعات و واردات کی تلخیص پیش کی جاتی ہے۔ جمعیت علماء اسلام نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ سے اس عنوان پر کتاب لکھنے کی فرمائش کی اور اُسے جماعتی اجلاس میں پیش کرنے کا کہا، تا کہ متذکرہ کتاب کو جماعتی حیثیت کے طور پر پیش کیا جا سکے۔ یہاں ایک عام اور سادہ سوال دماغوں میں پیدا ہو سکتا ہے کہ علامہ صاحب کی ''مقام حیات'' کے ہوتے ہوئے ارباب جمعیت نے نئی تصنیف کروانے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ صاحب نے یہ کتاب علماء کرام اور خواص کے فہم کو سامنے رکھ کر لکھی تھی، کیونکہ جس زمانہ میں علامہ صاحب یہ کام کر رہے تھے اس وقت یہ مسئلہ صرف خواص تک محدود تھا، اس لیے کہ ۱۹۵۸ء میں شاہ صاحب مولانا عنایت اللہ کی جانب سے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا گیا تو ٹھیک چار سال کے اندر اندر علامہ صاحب نے ان کی تردید اور عقیدہ ہذا کی توضیح پر مشتمل کتاب لکھ ڈالی تھی، بلکہ چھپوا کر اہل علم تک پہنچ بھی چکی تھی۔ کیونکہ ہفت روزہ 'دعوت' لاہور بابت اگست، ستمبر ۱۹۶۲ء کے شماروں میں ''مقام حیات'' کے تشہیری اشتہارات موجود ہیں، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تب تک یہ کتاب منصّہ مشہود پر آ چکی تھی۔

اس لیے حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ نے عوامی اور سادہ انداز میں کتاب تصنیف فرمائی جس نے ''تسکین الصدور فی احوال الموتی فی البرزخ والقبور'' کے نام سے شہرت پائی، اور اس کے پہلے صفحہ پر ہی لکھا گیا کہ:

> ''حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب ایم اے نے ایک عمدہ، مدلل اور بہترین کتاب ''مقام حیات'' لکھ کر اہل علم کی علمی تشنگی بجھائی ہے......مجموعی اعتبار سے یہ عمدہ اور ٹھوس کتاب ہے اور ہم نے بعض حوالوں میں اس سے استفادہ کیا ہے۔'' (تسکین الصدور، صفحہ نمبر ۷۷)

مندرجہ بالا عبارت کو بار بار پڑھیے۔ علامہ صاحب کی کتاب کو عمدہ دلائل سے مزین، بہترین، ٹھوس اور اس کے حوالوں سے مستفید ہونے کا اقرار اس شخصیت کی جانب سے ہو رہا ہے جو بہ ذاتِ خود علم و فضل کا بحر بیکراں تھے، جنہوں نے پچاس سال سے زائد عرصہ تک مسند تدریس کو شرف بخشا، اور جن کے جواہر ریز قلم سے نکلی درجنوں کتابیں بار بار زیور طباعت سے آراستہ ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ اور جنہوں نے ہر باطل فرقہ سے چومکھی لڑائی لڑی تھی اور حق کا پھریرا سدا بلند سے بلند کئے رکھا......اس لیے اس قدر

ذی حشم اہل علم کا اقرار و اعتراف بھی علامہ صاحب کی عظمت علمی پر ایک نا قابلِ تردید ثبوت ہے...... بہر کیف ۱۹۶۲ء کے دور قیام کرشن نگر، لاہور کی یادوں میں سے ایک ''مقام حیات'' بھی ہے جس میں علامہ صاحب کا قلم اور علم اپنی پوری اٹھان کے ساتھ جلوہ گر ہوئے ہیں اور اس جلوہ گری کے نظارے رہتی دنیا تک اہل انصاف کرتے رہیں گے، البتہ حاسدین اس سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ حاسد اپنے محسود کے مرنے کے بعد بھی نذرِ آتش ہی رہتا ہے۔ اس لیے حساد سے انصاف کی امید رکھنا ببول کے درخت سے آموں کی توقع رکھنے کے مترادف ہے۔

حاسد حسد کی آگ میں ہر دم جلا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

۱۹۶۲ء کے سال میں علامہ صاحب کے چند اہم تبلیغی دورے

ایم اے او کالج میں تدریس، سول سیکرٹریٹ کی جامع مسجد میں خطبات جمعۃ المبارک، کرشن نگر اور اندرون لاہور میں مرزائیوں سے مناظرے اور اہل تشیع کے ساتھ مجلسی مباحثے، نیز تصنیف و تالیف کی جان توڑ کوششوں اور بے انتہا مصروفیات میں سے علامہ صاحب بیرونِ لاہور دور دراز کے اسفار کر کے جلسوں میں شمولیت کے لیے بھی وقت نکالا کرتے تھے۔ یہ اسفار تانگوں، بسوں، سائیکلوں اور بذریعہ ٹرین ہوا کرتے تھے۔ ہماری معلومات کے مطابق علامہ صاحب نے پہلا ہوائی سفر مؤرخہ ۱۱، جولائی ۱۹۶۴ء کو کیا تھا جب آپ اور علامہ دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ لاہور سے ہوائی جہاز کے ذریعے کوئٹہ میں منعقد ہونے والی سیرت کانفرنس میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے تھے اور مذکورہ سفر کی اطلاع ہفت روزہ ''دعوت'' کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمبر، بابت ۱۷، جولائی ۱۹۶۴ء کے صفحہ نمبر ۱۶ پر شائع ہوئی تھی ...... ۲۶ تا ۲۸، اکتوبر ۱۹۶۲ء کو تین روزہ کانفرنس انجمن اہل السنۃ والجماعۃ شیخوپورہ کے زیر اہتمام منعقد ہوئی تھی جس میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ، اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی جلی حروف میں زیب اشتہار رہا تھا۔ اس خطاب میں علامہ صاحب نے ''پاکستان میں مسیحیت کے اڈے'' کے موضوع پر خطاب فرمایا تھا، اور دورانِ خطاب مولانا لعل حسین اختر اور شورش کاشمیری موجود تھے۔ اس سے قبل مؤرخہ ۱۰، اکتوبر ۱۹۶۲ء کو شیرانوالہ دروازہ لاہور میں تنظیم اہل سنت کا ایک اہم بڑا اجلاس منعقد ہوا تھا جس کا مقصد فتنہ انکار حدیث کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی روک تھام کے لیے غور و خوض کرنا تھا، علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ نے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت کو اجلاس ہذا میں مدعو کر کے فکر انگیز گفتگو فرمائی تھی، اس کی روداد سید افتخار احمد نے قلمبند کر کے شائع کی تھی جو اس دور میں تنظیم اہل سنت لاہور کے جنرل سیکرٹری تھے۔ مؤرخہ ۲۳، ۲۴ نومبر ۱۹۶۲ء کو مدرسہ تعلیم القرآن، مرکزی جامع مسجد نوشہرہ میں ایک بڑا اجتماع منعقد ہوا تھا، اس میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں رات کو علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ اخلاص کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں دو گھنٹے ایسا مدلل بیان فرمایا تھا کہ اسٹیج پر موجود زعماء اسلام جھوم اٹھے۔ اس خطاب کے دوران حضرت مولانا مفتی عبد القیوم

یوپلزئی، مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ اور مولانا سید گل بادشاہ رحمہم اللہ موجود تھے۔ اس خطاب میں علامہ صاحب نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات بقدرِ طاقت بشری، انسان اپنے اندر جمع کرنا چاہے تو کن مجاہدات سے گزر کر وہ جمع کر سکتا ہے؟ مزید یہ کہ چار صفات سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اندر جمع کی تھیں جس میں وہ اس امت کے اندر بلا شرکت غیرے اختصاص رکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ خلافت اول کے بھی حق دار ہیں۔ سورۂ اخلاص کی تشریح میں عقل و نقل کے موتیوں سے خلافت بلافصل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا استدلال و استنباطِ علماء کرام اور عوام کے لیے موجب مسرت اور حیران کن تھا۔ کاش یہ مکمل خطاب کہیں محفوظ ہوتا، اس کی روداد اس زمانہ میں شیخ عبدالشکور نوشہروی نے شائع کی تھی۔ مؤرخہ ۲۵، اکتوبر ۱۹۶۲ء بروز جمعرات حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ اشرفیہ، لاہور کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے تھے تو علماءِ لاہور نے حضرت علامہ صاحب کی قیادت میں لاہور ریلوے اسٹیشن پر حضرت قاری صاحب کا تاریخی استقبال کیا تھا۔ رات کو جامعہ اشرفیہ میں زندہ دلانِ لاہور کا ایک جم غفیر تھا جب حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قبل علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کو دعوتِ خطاب دی گئی تو آپ نے مذہب اہل سنت کی حقانیت وصداقت پر ایمان افروز خطاب فرمایا تھا، آپ کے خطاب کے دوران جامعہ کی فضا علماء دیوبند زندہ باد کے نعروں سے گونجتی رہی تھی، اس کی روداد سید افتخار احمد، ناظم نشر و اشاعت تنظیم اہل سنت نے قلمبند کی تھی۔ ۳۰، ۳۱/ اکتوبر ۶۲ء کو طیب کالونی ملتان روڈ لاہور میں اور مؤرخہ ۶، نومبر ۶۲ء کو نواں کوٹ لاہور میں علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کے جلسوں نے ایک دھوم مچادی تھی جن میں آپ نے اہل تشیع کے بدنام زمانہ ترجمہ مقبول کے خلاف مجاہدانہ آواز بلند فرمائی تھی (اس کے کچھ احوال آمدہ سطور میں آئیں گے)۔

علامہ صاحب کے نام گمنام خطوط کا سلسلہ

۱۹۶۲ء کے دور میں جبکہ حضرت علامہ صاحب کی تمام تر دوڑ دھوپ اشاعتِ اسلام اور حقانیتِ اہل سنت کے اثبات و ترویج میں ہورہی تھی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ تحریر و تقریر کے ذریعے نہایت محتاط انداز میں اپنا کام کیے جارہے تھے۔ ایسے میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ دھمکی آمیز اور دل برداشتہ کر دینے والے خطوط کا تانتا بندھ گیا تھا۔ ایسے دل آزار خطوط میں سے چند ایک کاتب السطور کی نظر سے گزرے ہیں جنہیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مثبت اور خالص علمی و فکری انداز میں دینی کام کرنے والوں کو بھی بعض اوقات اخلاقی پستی کے شکار لوگوں سے پالا پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ اس دور میں تنظیم اہل سنت کرشن نگر، لاہور کے سیکرٹری چوہدری محمد صدیق کھوکھر مرحوم نے ''گم نام خطوط'' کے زیر عنوان لکھا تھا:

> ''مدیر ''چٹان'' آغا شورش کاشمیری صاحب کے نام گمنام خطوط کا سلسلہ ابھی ختم نہ ہونے پایا تھا کہ ہفت روزہ ''دعوت'' کے سرپرست اعلیٰ مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب ایم اے کے نام بھی گم نام خطوط آنے شروع ہو گئے ہیں۔ ان خطوط سے اہل باطل اور بدعت گردوں کی بوکھلاہٹ اور جہالت عیاں ہو جاتی ہے۔ واقعی یہ دین فروش، بدعت کے بیوپاری اور دارالتکفیر کے مجاور نہایت پست ذہنیت کے مالک ہیں، ان میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ خط کے نیچے اپنا نام اور پتہ ہی لکھ دیں۔ دراصل جو لوگ محبت رسول کے تاجر بن کر اور بزرگوں کے مزارات کے مجاور بن کر ان کا نام بیچ بیچ کر کھا رہے ہوں اُن میں اتنی ہمت ہی کہاں کہ

علی الاعلان حق کے مقابلہ میں بدعت کا علم لے کر نکلیں۔انہیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ علی الاعلان اہل سنت کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلے تو انہیں منہ کی کھانا پڑے گی۔ پھر ہمارے لیے پاکستان میں کوئی جگہ نہیں ہوگی، پھر خانقاہوں کے حجروں میں بسیرا کرنا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کھل کر سامنے نہیں آتے بلکہ چوہوں کی طرح اپنے بلوں میں بیٹھ کر آوازیں نکال رہے ہیں۔ان بدعتیوں کے مذہب اور مسلک میں صداقت کی کوئی کرن ہوتی تو یہ گم نام خطوط یوں نہ لکھتے اور اتنے گندے اخلاق کا مظاہرہ نہ کرتے۔''

(ہفت روزہ ''دعوت''لاہور، صفحہ نمبر ۱۰،۲، نومبر ۱۹۶۲ء)

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کی پاکستان آمد کا حال جو گزشتہ سطروں میں گزرا، اسی سفری شیڈول میں شورش کاشمیری مرحوم نے بھی مؤرخہ ۲۷، اکتوبر ۶۲ء کو لاہور میں دعوتِ طعام کا انتظام کیا تھا جس میں اکثر اکابر وزعماء ملت کی موجودگی میں علامہ صاحب نے دارالعلوم دیوبند اور خاندان قاسمی کا تعارف نہایت خوبصورت انداز میں سامعین کے سامنے رکھا تھا۔اس کی مکمل روداد اس زمانہ میں ''چٹان''، ''دعوت'' اور ''خدام الدین'' وغیرہ میں شائع ہوئی تھی۔اسی ۶۲ء والے سال میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کرشن نگر میں مزید ایک ہفتہ وار درس قرآنِ مجید کا آغاز بھی کر دیا تھا جو فرینڈز پریئر سرکل کے زیر اہتمام منعقد ہوتا تھا اور اس درس کی ایک منفرد اور اضافی خوبی یہ بھی تھی کہ اس میں علامہ صاحب کلام اقبال کی شرح فرماتے تھے۔محمد عرفان عثمانی نے اس درس قرآنِ مجید کی تشہیر کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا اور حضرت علامہ صاحب کی عدم موجودگی میں مولانا محمد الیاس (خطیب جامع مسجد پٹولیاں) اور مولانا منظور الحق صاحب، (خطیب سعدی پارک) درس ارشاد فرماتے تھے۔اسی دور میں میاں چنوں ضلع خانیوال میں ایک ادارہ ''اشاعت دین قیم'' کے نام سے معرض وجود میں آیا تھا جس کے زیر اہتمام تین روزہ کانفرنس میں علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات کا اہل علاقہ کو سال بھر انتظار رہتا تھا، اس کانفرنس کے انعقاد میں مولانا عبدالرشید ارشد مرحوم کا نمایاں کردار ہوتا تھا۔اور وہی مذکورہ ادارہ کے بانی بھی تھے۔

لاہور میں ''تبلیغ نماز کمیٹی'' کا قیام اور علامہ صاحب کی سرپرستی

۱۹۶۲ء ہی کے سال میں اندرون لوہاری گیٹ میں حضرت علامہ صاحب کی زیر سرپرستی حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ''تبلیغ نماز کمیٹی'' کی بنیاد رکھی تھی۔علاقہ کے نوجوانوں اور عام مسلمانوں کو ترغیب نماز دینے اور عملاً نمازی بنانے میں اس کمیٹی کا کسی دور میں اہم کردار رہا ہے۔اس کمیٹی کے صدر قاری محمد صابر (سابق خطیب مکی مسجد، انارکلی) نائب صدر جناب رشید احمد (جالندھر موتی چُوروالے) سیکرٹری محمد رمضان پھول فروش چوک بخاری جبکہ خزانچی محمد جمیل خان کیفی ہوا کرتے تھے۔اس کمیٹی کا طریقہ کار یہ تھا کہ روزانہ قبل از نماز فجر چند اراکین گشت کیا کرتے تھے اور بعد از نماز عشاء تعلیم نماز کے عنوان پر ایک درس خاص ہوا کرتا تھا، متذکرہ کمیٹی نے اپنے قیام کے ابتدائی دنوں میں حضرت مولانا محمد عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ہاں دعوت دی تھی تو علامہ صاحب نے اراکین کمیٹی کو ایک سپاسنامہ لکھ کر دیا تھا، جو مطالعہ کرنے کے لائق ہے، ملاحظہ کیجیے:

''بخدمت گرامی، مخدوم مکرم، اسوۃ الصلحاء، عمدۃ العلماء جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالیٰ۔''

گرامی منزلت۔آپ کی تشریف آوری ہمارے لیے باعث صد افتخار اور موجب صد خیر و برکت ہے۔یقین جانیے! آپ کی

تشریف آوری سے ہم پھولے نہیں سمائے آپ کا وجود گرامی مذہب وملت اور طریقت کی امانت ہے اور آپ اس جلیل القدر عالم باعمل، عظیم المرتبت شیخ، مایہ ناز ہادیٔ دوراں کے فرزندار جمند اور جانشین ہیں، جنہوں نے اس گئے گزرے دور میں دینی صداقتوں کا علم بلند کیا۔ آپ کی رگوں میں اس شیخ بے مثال کا خون دوڑ رہا ہے جس کا دل خدا کے دین کی سربلندی کے لیے دھڑکتا تھا اور جس کی نبضیں صرف سنت محمد مصطفیٰ ﷺ کا پھریرا فضائے آسمانی میں لہراتا دیکھنے کے لیے حرکت کرتی تھیں۔

سید المحترم! خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمیں مایوسی کا منہ نہیں دیکھنا پڑا اور آپ کی ذرہ نوازی سے ہماری دلی تمنا برآئی ہے۔ چنانچہ آج کی مجلس اس حقیقت کا کامل آئینہ دار ہے اور ہمیں خوشی ہے کہ ہماری طلب، طلب صادق ثابت ہوئی۔ مخدومنا! آپ قطب الاقطاب، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے مسند نشین ہیں۔ جنہوں نے پوری نصف صدی تک لاہور کے طاقِ عظمت پر دین حق کا چراغ روشن رکھا۔ ہم آپ کی موجودگی میں عہد کرتے ہیں کہ جب تک ہم زندہ ہیں اور ہماری رگوں میں خون کا آخری قطرہ دوڑ رہا ہے، ہماری زندگیاں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کی تکمیل کے لیے وقف رہیں گی۔ چنانچہ اس کی ابتداء ''تبلیغ نماز کمیٹی'' کے قیام سے کی گئی ہے۔ ہم تمام نیاز مند آپ سے ملتجی ہیں کہ اس کمیٹی کی سرپرستی قبول کر کے آپ ہماری دست گیری فرمائیں اور دعواتِ صالحہ میں ہمیں ہمیشہ یاد رکھیں۔

منجانب! اراکین تبلیغ نماز کمیٹی، بخاری چوک اندرون لوہاری گیٹ، لاہور۔

نماز کی ترغیب وتعلیم پر مشتمل اس کمیٹی کے قیام میں علامہ صاحب کا اپنا ذوقِ نماز بھی کارفرما رہا ہے، لازمی بات ہے کہ جب تک انسان خود کسی کام کا جذبہ اور ذوقِ سلیم نہ رکھتا ہو، تب تک وہ اصلاح وتغیر کی معقول کوششوں کا حصہ نہیں بن سکتا، چنانچہ علامہ صاحب نماز کی پابندی اس شان کے ساتھ فرماتے تھے کہ ملاحظہ کرنے والوں کو رشک آتا تھا، باجماعت نماز کا اہتمام، پھر قیام و رکوع اور سجود میں کامل وارفتگی اور بعد از نماز کافی دیر تک دعاء ومناجات کا انہماک علامہ صاحب کا دیدنی ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ حیات مستعار کے آخری سالوں میں جب جامعہ اشرفیہ، لاہور یا اپنے مکان واقع سنت نگر میں قیام فرماتے تو بمشکل تمام وضو وغیرہ کے عمل سے فراغ پانے کے باوجود باجماعت نماز کا اہتمام فرماتے تھے۔

علامہ صاحب کی ۱۹۶۳ء میں ترجمہ مقبول کے خلاف تحریک اور ضلع بدری

قیامِ لاہور میں ۱۹۶۳ء کا سال بھی اپنے دامن میں ایمان افروز واقعات اور بعض ہولناک لمحات کی داستان محفوظ رکھتا ہے۔ اس سال کی ایک اہم تاریخی مہم علامہ صاحب کی وہ تحریک ہے جو آپ نے کرشن نگر سے شائع ہونے والے اہل تشیع کے نہایت متنازعہ ترجمہ مقبول کے خلاف آواز احتجاج بلند کی تھی۔ اس کی سرگذشت یہ ہے کہ حکیم سید مقبول احمد دہلوی ولد پیر جی غضنفر علی عرف مراد علی دہلوی جو کہ ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے تھے اور مرزا احمد بیگ کی زیرِ کفالت پروان چڑھے، انہوں نے قرآنِ مجید کا ترجمہ وتفسیر قلمبند کیا تھا اور مطالب کی تفسیر پر الگ سے ضمیمہ بھی لکھا، اس تفسیر نے ''ترجمہ وضمیمہ مقبول'' کے نام سے شہرت پائی، یہ شہرت مذکورہ مفسر کی علمی لیاقت اور ان کی تفسیر کی علمی عظمت کی بناء پر نہ تھی، بلکہ ان کی دریدہ دھنی، مغلظانہ فطرت، تکفیری طبیعت اور نہایت مکروہ ومخرب اخلاق حرکتوں کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اس تفسیر وترجمہ نامی کتاب میں حکیم مقبول احمد صاحب نے پاکانِ امت کے خلاف

بہت ہی غالیانہ اور گستاخانہ لب ولہجہ اختیار کیا ہے۔ علاوہ ازیں آنجہانی اپنی تقریروں اور وعظوں میں توہین آمیز کلمات بکنے کی خاص مشق رکھتے تھے اور ان کے اس عفعفے لب ولہجے کے باعث ان کو اہل تشیع کے ہاں ''صدر المحققین'' وکیل حق زہراؓ، اور دیگر ازیں قسم مقدس القابات سے ملقب کیا جاتا تھا۔ ترجمہ مقبول پہلی مرتبہ ادارۂ مقبول پریس دہلی سے شائع ہوا، بعدازاں نظامی پریس بمبئی وغیرہ سے بھی اس کے اڈیشن شائع ہوتے رہے۔ ۱۹۶۳ء کے زمانہ میں کرشن نگر کے اہل تشیع نے اس دل آزار کتاب کی اشاعت کی تو اہل سنت حلقوں میں کہرام مچ گیا۔ چنانچہ علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ نے اپنی تقریروں اور کالموں میں اسے زبردست ہدفِ تنقید بنایا اور ہفت روزہ ''دعوت'' میں ایک مشن و کاز اور تحریک کے انداز میں آوازِ احتجاج بلند کی جس سے خوابِ خرگوش میں مخمور سنی حلقے بھی خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر امامیہ فرقہ کے اس جارحانہ عمل سے بیزار ہوئے اور اس بیزاری کا اظہار انہوں نے جگہ جگہ جلسوں اور جلوسوں میں کیا۔ علامہ صاحب نے حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ اس گستاخانہ کتاب کی اشاعت خلافِ قانون قرار دی جائے اور ناشرین کو قرار واقعی سزا بھی دی جائے۔ چنانچہ ایک اہم اور بھرپور اجلاس علامہ صاحب کی اپیل پر مئی ۱۹۶۴ء میں کرشن نگر میں منعقد ہوا تھا جس میں مولانا عبید اللہ انور، مولانا حامد میاں، مولانا عبد الرحمٰن اشرفی، مولانا محمد اجمل خان اور مولانا محمد الیاس رحمہم اللہ نے بصور خاص اپنے رفقاء سمیت شرکت کر کے اخباری بیان جاری کیا تھا کہ تنظیم اہل سنت کا یہ اجلاس ضمیمہ مقبول احمد دہلوی جو کہ کرشن نگر لاہور کا شائع شدہ ہے، اس کے صفحہ نمبر ۸ پر سیدنا و مولانا و مرشدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ''گوسالہ'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ''فرعون'' حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو ''سامری'' اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شانِ اقدس میں وہ الفاظ تحریر کیے گئے ہیں کہ جن کے لکھنے سے قلم لرزتا ہے۔ اس سے کروڑوں سنی مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کر دیا گیا ہے۔ اس لیے یہ اجلاس حکومت پر واشگاف الفاظ میں واضح کرنا اپنا فرض سمجھتا اور حکومت سے گزارش کرتا ہے کہ اس ترجمہ کو ضبط کر کے ناشرین کے منہ میں لگام دی جائے۔ علاوہ ازیں مؤرخہ ۳ تا ۱۰ ار مئی ۶۳ء کے ہفت روزہ ''دعوت'' کے اداریہ میں علامہ صاحب نے سخت مؤقف کے ساتھ اداریہ شائع فرمایا تھا۔ ''دعوت'' کی اس فکر انگیز تحریک سے شیعہ رسائل و جرائد کے تبرائی منہ تو کھلنے ہی تھے ہفت روزہ ''شہاب'' میں کوثر نیازی اور ان کی تانگہ پارٹی نے بھی بزعم خویش ''اتحادِ امت'' کے ڈھنڈورے پیٹنا شروع کر دیئے تھے۔ اور یہ تاثر دیا کہ گویا ضمیمہ مقبول کی اشاعت سے تو نہیں البتہ اہل سنت اور علامہ خالد محمود کے آوازِ احتجاج سے اتحاد امت متاثر ہوتا ہے۔ لہٰذا علامہ صاحب لاکھوں اہل سنت سمیت دھنیا پی کر سو جائیں اور اہل تشیع یوں ہی حسب عادت وفطرت بکنے بکانے کی روش جاری رکھیں، اس پر علامہ صاحب نے ایک طویل احتجاجی اداریہ کے آخر میں یوں لکھا تھا کہ:

''مقامِ مسرت ہے کہ ہفت روزہ ''شہاب'' نے بھی باوجودیکہ اس کے مدیر اعلیٰ شیعہ مجالس کی ایک بنیادی زینت بنتے رہے ہیں اور مشترکہ اجتماعات میں انہی کے ذریعہ سے شیعیت کے لیے فضاء ہموار ہوتی رہی ہے۔ اب کروٹ بدل لی ہے اور ۲، جون کے پرچے میں جہاں تنظیم اہل سنت کو فروعی نزاعات میں الجھنے کا الزام دیا جا رہا تھا، اب ۹، جون کی اشاعت میں ہفت روزہ ''شہاب'' خود اسی کشتی میں اتر رہا ہے۔ ہفت روزہ ''دعوت'' نے اپنی ۳، مئی کی اشاعت میں ترجمہ مقبول کی جن دل آزار تحریرات

کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی انہیں اور ان جیسی دوسری عبارات نقل کرنے کے بعد ''شہاب'' لکھتا ہے کہ ''جب تک اس طرح کی کتابیں موجود ہیں کوئی سنی عالم یا خطیب شیعہ اسٹیج سے خطاب نہیں کرسکتا۔'' سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تحریرات جب برسوں پہلے کی ہیں اور غالباً کوئی شیعہ گھر ایسا نہیں جہاں مولوی مقبول احمد دھلوی کا ترجمہ کردہ یہ قرآن موجود نہ ہو تو اب تک مشترکہ مجالس کے یہ داعی کس مصلحت کی نیند سوئے ہوئے تھے؟ اگر انہیں اس وقت تک شیعہ مذہب کی حقیقت اور اس کے دل آزار انداز کا علم تھا تو انہیں یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ شیعہ سنی معاملات کو محض فروعی اختلافات قرار دے کر ایک انتہائی اشتعال پرور مذہبی تحریک کی ہم نوائی کرتے رہیں؟ اور ان حضرات نے اس اخلاقی جرأت سے کام کیوں نہ لیا کہ اس وقت جو اکابر اہل سنت ان مشترکہ مجالس سے بنیادی اختلافات رکھتے تھے، ان کے پاس جا کر شیعہ مذہب کی حقیقت معلوم کرتے اور ان سے اس مذہب کے ساتھ بنیادی ناراضگی کے اسباب معلوم کرتے، اس صورت میں جو حقیقت ان دوستوں پر آج کھلی ہے، وہ برسوں پہلے کھل جاتی۔''

ہمیں ہیں جاہل ، ہمیں ہیں مفسد، ہمیں نے رسم فساد ڈالی
مگر بتاؤ تو اب کہاں سے ہوا شرارت کی آرہی ہے

(''دعوت'' صفحہ نمبر۴، بابت ۲۱، جون ۱۹۶۳ء، لاہور)

جون ۱۹۶۳ء میں جبکہ ترجمہ وضمیمہ مقبول کی اشاعت کے خلاف قانونی دائرہ میں رہتے ہوئے پُرامن احتجاج جاری تھا، کہ اچانک ماہ محرم الحرام میں اہل تشیع کے خونی جلوسوں کی وجہ سے فسادات کا لاوا پھٹ پڑا۔ اور اسے سوئے اتفاق کہیے کہ کرشن نگر کی جامع مسجد دیا نند روڈ (موجودہ سعدی روڈ) والی کے پاس سے گزرنے والا جلوس وجہ فساد بنا، اب صورتحال یکسر بدل چکی تھی کیونکہ علامہ خالد محمود صاحب کی رہائش گاہ بھی اسی علاقہ سے متصل سنت نگر میں تھی اور آپ کی دینی مہمات کا مرکز بھی یہی مسجد تھی جس کی تفصیلات کا ایک باب اس مضمون کے آغاز میں گزر آیا ہے۔ اس دور کے مبصرین کے تبصروں کے مطابق ان فسادات میں سیاسی طاقتوں نے بھی جلتی پر تیل ڈالنے کا بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ کیونکہ کرشن نگر سے بھڑکنے والے شعلے موچی دروازہ، لال کھوہ، چوک رنگ محل تک اور پھر اگلے چند ایام عاشورہ میں فیصل آباد، سمندری سمیت پنجاب کے اکثر بڑے شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے۔ باوجودیکہ یہ جلوس بذاتِ خود شرانگیز اور سبب فساد تھے، متذکرہ فسادات کا ذمہ دار اہل سنت کو ٹھہرانے کی ناکام کوشش کی گئی تھی مگر تحقیقاتی اور انکوائری ٹیموں نے اپنی رپورٹوں میں اہل سنت کو بے گناہ قرار دے دیا تھا، ان رپورٹوں اور فسادات کی روداد وں پر مشتمل ایک طویل مضمون روزنامہ کوہستان ہفت روزہ چٹان اور ''دعوت'' میں شائع ہوا تھا۔ اہل سنت پر یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ انہوں نے جامعہ مسجد حنفیہ (دیا فندار روڈ، کرشن نگر) کے آگے سے گزرنے والے ماتمی جلوس کے دوران رات کے وقت بجلی کے بلب بند کردیئے تھے جس سے ماتمی شرکاء خوفزدہ ہوگئے اور یوں خوف ووحشت کی حالت میں سے بدامنی اور اشتعال نے جنم لیا۔

لاہور کے ان خونی فسادات کی تحقیقات کرنے والے افسر خان عبدالرشید خان نے ڈسٹرکٹ کونسل ہال میں فسادات کی تحقیقات شروع کردیں تھیں، ابتدائی تفتیش میں تحقیقاتی کمیٹی نے ڈیوٹی مجسٹریٹ اعجاز چیمہ اور ایک دوکاندار محمد لطیف کے بیانات

بطور گواہان قلمبند کئے تھے۔اس دور کی یہ مکمل تفصیلات پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل تشیع ماتمی جلوس کے دوران جب مسجد حنفیہ دیانند روڈ کرشن نگر کے پاس پہنچے تو انہوں نے ''او شمر تو بے حیاء'' اور ''یزیدیت مردہ باد'' کے نعرے لگائے۔جس سے اشتعال پھیلا اور اہل علاقہ نے اپنے بیانات میں بطور خاص یہ بیانات قلمبند کروائے تھے کہ اہل سنت اپنے آپ کو ''یزیدی'' کہلوانے میں زبردست عار سمجھتے ہیں، جب ہم حسینی ہیں اور یزید سے کوئی ہمارا لینا دینا نہیں ہے تو یہ امامی فرقہ کے لوگ ہمارے حق میں یہ الفاظ کیوں استعمال کرتے ہیں؟

بہر حال ان فسادات کی وجہ سے بظاہر تو علامہ صاحب کی وہ یک مطالبہ تحریک ''ترجمہ مقبول ضبط کرو'' دب گئی، مگر علامہ صاحب اپنے احتجاج پر ڈٹے رہے اور آپ نے فرمایا کہ ان فسادات کے پس منظر میں دراصل یہی اشتعال انگیز اور گستاخانہ لٹریچر ہی کارفرما ہوتا ہے۔لہٰذا ان جیسی موذی کتابوں کو بحق سرکار ضبط کرلیا جائے تو فسادات کہیں بھی پیدا نہ ہوں گے۔بہر حال مؤرخہ ۹، جون ۱۹۶۳ء بروز ہفتہ جمعیت علماءِ اسلام لاہور کے زیر اہتمام مولانا سید حامد میاں رحمۃ اللہ علیہ نے دفتر ترجمانِ اسلام لاہور میں ایک ہنگامی اجلاس بلا کر علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کے اس موقف کی کھلی حمایت کا اعلان کیا تھا کہ ترجمہ مقبول کی ضبطی کا مطالبہ واقعی معقول مطالبہ ہے۔اسی دوران دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث مسالک کے جید علماء دین پر مشتمل ایک ''سنی بورڈ'' کے قیام کا فیصلہ ہوا جس کے تحت جامعہ حزب الاحناف لال کوٹھی لاہور میں اجلاس منعقد ہوا اور اس اجلاس میں علامہ خالد محمود، مولانا محمد اجمل خان، مولانا محمود احمد رضوی، مولانا عبد الستار خان نیازی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، اور مولانا عبد القادر روپڑی نے شرکت کی تھی۔اسی طرح شورش کاشمیری مرحوم نے اپنے اداریہ میں لکھا تھا:

> ''(چٹان) کا مسلک سب پر ظاہر ہے، ایڈیٹر حنفی العقیدہ مسلمان ہے۔عاشورہ کے دنوں میں تذکرہ حسین علیہ السلام اس کا شعار رہا ہے۔اس نے اتحاد بین المسلمین پر ہمیشہ زور دیا ہے۔لیکن یہ بات کہنا عجیب نہ ہوگا کہ ہمارے شیعہ دوستوں کی بعض کتابیں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور خلفائے راشدینؓ کے بارے میں سخت گستاخانہ ہیں اور اس کی توقع ایک کافر سے بھی نہیں کی جاسکتی۔جواب میں شیعہ کہتے ہیں کہ سنی مسلمانوں کی بعض کتابیں بھی ان کے بارے میں درشت ہیں۔مگر ان دونوں حقیقتوں میں عظیم فرق ہے۔سنی اہل بیت پر (معاذ اللہ) سب وشتم نہیں کرتے۔وہ زیادہ سے زیادہ اس فرقہ کے عقائد کی تصریح وتعبیر میں درشت ہوتے ہیں اور یہ فرق ایسا ہے جو نزاع کے پس منظر و پیش نظر کو بالکل ہی بدل دیتا ہے۔جب تک شیعہ علماء ان تبرا نگاروں اور دُشنام طرازوں کی خود مذمت نہ کریں وہ اہل بیت کے نام پہ عام مسلمانوں سے اپنے تراشیدہ آثار و مظاہر کے احترام کا مطالبہ کیونکر کرسکتے ہیں؟ ان حضرات کا فرض ہے کہ وہ اپنے ان بدزبانوں کا خود محاسبہ کریں۔جب تک خود ثقہ شیعہ علما مقبول احمد دہلوی کی ضمیمہ جات جیسی واہیات کتاب کو لغو قرار نہ دیں گے اور اس کے گندہ دہن مصنف اور ناشر کا اخلاقی محاسبہ نہ کریں گے۔اس وقت تک کسی عارضی نسخہ سے مستقل روگ کا خاتمہ ناممکن ہے۔پھر کیا یہ ضروری ہے کہ اختلاف وتصادم کی اس فضاء میں ذوالجناح کا موجودہ راستہ ہی برقرار رہے؟ لازماً اس میں ترمیم ہونی چاہیے۔یہ رستہ انگریزوں کا مقرر کیا ہوا ہے۔یہ کوئی آیت ربانی یا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم علم نہیں کہ منسوخ ہونے سے ایمان جاتا رہے گا۔مسلمانوں کا اتحاد، پاکستان کا استحکام، صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجلال واحترام،

اہل بیت کی محبت، انسانوں کا خون، اور اسلام کا وقار یقیناً اس رستہ سے زیادہ قیمتی ہے۔ بے ہودہ لٹریچر کی تردید و تنسیخ اور ذوالجناح کے راستے میں تبدیلی دو ایسی چیزیں ہیں کہ سارا قضیہ آنِ واحد میں ختم ہوسکتا ہے۔ اس کے لیے انکوائری کی بھی ضرورت نہیں بلکہ خود حکومت ملک وقوم کے وسیع مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے واضح احکامات نافذ کرسکتی ہے اور اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔ نقصان صرف اُن مٹھی بھر افراد کا ہے جو ذکر و وعظ کے نام پر دکان داری کرتے اور اپنے دامن کی ہوا دے کر اتحاد بین المسلمین کو آگ لگاتے ہیں۔'' (''چٹان'' ہفت روزہ، مؤرخہ ۱۷، جون ۱۹۶۳ء)

علامہ صاحب دو ماہ کے لیے ضلع بدر کر دیئے گئے

اسی دوران جبکہ ملک بھر اور خصوصاً لاہور کے تمام مکاتب فکر کے مسلمان اپنی تقریروں اور ماہانہ ہفت وار رسالوں میں علامہ صاحب کی حمایت کر رہے تھے کہ مؤرخہ ۸، جون ۱۹۶۳ء کو ڈپٹی کمشنر لاہور نے ایک نوٹس کے ذریعے علامہ صاحب کو دو ماہ کے لیے ضلع بدر کر دیا۔ اور اسی شام یعنی ۸، جون کو شام ۵، بجے مقامی انتظامیہ نے شیعہ، سنی ذمہ داران کی ایک مشترکہ میٹنگ بلائی، جس کا مقصد یہ ظاہر کیا گیا کہ فرقہ وارانہ فضا کو خوش گوار بنانے کے لیے باہم صلح جوئی کی راہ ہموار کی جائے۔ مگر تنظیم اہل سنت کے حضرات جب حسب دعوت میٹنگ میں پہنچے تو ڈی ایس پی پرانی انارکلی ملک محمد صدیق نے ان سب سنی نمائندوں کو تھانہ پرانی انارکلی بھجوا کر نہایت شرمناک سلوک کیا اور ان سے ضلع بدر ہونے کے احکام کی تعمیل کروا کر فی الفور باہر بھیج دیا گیا۔ اور انہیں اس قدر مہلت بھی نہ دی گئی کہ گھر والوں سے ملاقات کرسکیں اور کرایہ وغیرہ اخراجات ہمراہ لے سکیں۔ علامہ صاحب کو اسی تاریخ کی صبح بذریعہ نوٹس ضلع بدر کر دیا گیا تھا اور بقیہ حضرات کو شام کے وقت اس غیر منصفانہ رویہ کا سامنا کرنا پڑا۔ علامہ صاحب کے رفقاء جنہیں ضلع بدری کا پروانہ دیا گیا تھا ان کے نام یہ ہیں۔ خواجہ ابوبکر اویس احمد شبلی، سید افتخار احمد، حافظ نظام الدین، سید وقار حسین گردیزی، صوفی عبدالرحمٰن پانی پتی، اور چودھری محمد صدیق کھوکھر۔

اور ''ترجمہ مقبول'' ضبط ہو گیا، علامہ صاحب کی قربانی رنگ لے آئی

علامہ صاحب نے مئی ۱۹۶۳ء میں ترجمہ مقبول کے خلاف تحریک تنظیم اہل سنت کے پلیٹ فارم سے صدائے احتجاج بلند کی تھی جسے پورے ملک نے اپنی آواز قرار دیا اور پوری ملت علامہ صاحب کی ہم آواز نظر آئی تو مؤرخہ ۲۶، جون ۱۹۶۳ء کو روزنامہ ''نوائے وقت'' میں مندرجہ ذیل خبر شائع ہوئی:

''گورنر مغربی پاکستان نے ضمیمہ جات مقبول، ترجمہ وحواشی بحق سرکار ضبط کرنے کا حکم جاری کیا ہے۔ اس کتاب میں ایسا مواد موجود ہے جس سے عوام کے مختلف طبقوں میں منافرت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔''

حکومت کے اس فیصلے نے عوام اہل سنت میں خوشی کی ایک لہر پیدا کر دی تھی، دوسری جانب فرقہ وارانہ فسادات کی تحقیقاتی انکوائری میں بھی اہل سنت سرخرو ہو چکے تھے اور اِدھر ضلع بدر ہونے والے اہل سنت مع علامہ صاحب کے لیے پندرہ دن کے بعد ضلع بدری کے احکامات واپس لے لئے گئے اور بیس بیس ہزار کی ضمانتیں دفعہ 105/109 کے تحت لے لی گئیں۔ پھر علامہ صاحب

بخیر و عافیت اپنے گھر تشریف لے آئے۔ اس کے بعد ملک بھر سے تنظیم اہل سنت ہفت روزہ ''دعوت'' اور حضرت علامہ صاحب کے حق میں داد و تحسین کے بیانات آنا شروع ہو گئے۔ چنانچہ مولانا سید حامد میاں رحمۃ اللہ علیہ نے جمعیت علماء اسلام لاہور کے ایک ہنگامی اجلاس میں منظور کردہ مذکورہ تجویز حوالۂ پریس کی کہ:

''یہ اجلاس حکومت کے اس اقدام کو بنظر استحسان دیکھتا ہے کہ اس نے کتاب ضمیمہ جات ترجمہ مقبول کو، جس میں سنی بزرگانِ دین کے خلاف نا قابلِ برداشت مواد تھا، ضبط کر لیا، جس کی طرف اخبار ''دعوت'' لاہور نے حکومت کو توجہ دلائی تھی۔''

تنظیم اہل سنت حسن ابدال کے سینکڑوں افراد پر مشتمل ایک بھرپور اجلاس نے مندرجہ ذیل قرارداد پاس کی تھی:

''یہ اجلاس گورنر مغربی پاکستان کے اس اقدام کو بنظر استحسان دیکھتا ہے کہ انہوں نے ایک حکم نامے کے ذریعے ''ضمیمہ جات مقبول'' اس کے ترجمہ و حواشی کو بحق سرکار ضبط کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ نیز ہفت روزہ ''دعوت'' کے سرپرست و ایڈیٹر اور دیگر معاونین کو ہدیہ تبرک پیش کرتا ہے کہ انہوں نے اس دل آزار کتاب کا بروقت نوٹس لے کر حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ نیز یہ اجلاس مفکر اسلام پروفیسر علامہ خالد محمود صاحب کے ضلع بدر کیے جانے پر سخت اظہارِ تاسف کرتا ہے جبکہ علامہ موصوف اہل سنت عقائد کے صحیح ترجمان اور نہایت درجہ محتاط مبلغ ہیں۔ پھر اُن پر پابندی کیوں؟ (نوٹ: یہ رودادیں ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور بابت جون ۶۳ء کے شماروں میں شائع ہوئی تھیں)

حضرت مولانا عبیداللہ انور رحمۃ اللہ علیہ کا خراج تحسین

حضرت مولانا عبیداللہ انور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''آج ہمارے سامنے لاہور کا ہفت وار ''شہاب'' پڑا ہے۔ وہ شیعہ کی مسلّم اور مشہور کتاب ضمیمہ جات ترجمہ مقبول سے وہ پلید اور نہایت خطرناک الفاظ نقل کرتے ہیں جو بزرگانِ اہل سنت کے خلاف اور شر انگیز ہیں جن کو ہم زبان اور قلم پر نہ ادب کی وجہ سے لانا پسند کرتے ہیں اور نہ فضاء کے تکدر کی وجہ سے، لیکن ہم کو یہ حق حاصل ہے کہ ہم ''شہاب'' کے ایڈیٹر کوثر نیازی سے دریافت کریں کہ کل آپ ڈی سی لاہور میاں شفیع صاحب کے ساتھ منتھی ہو کر اتحاد اتحاد کی رٹ لگاتے تھے۔ اس وقت آپ نے بیماری کے اصل اسباب کو کیوں بیان نہ کیا؟ اور فساد سے پہلے کیوں اخبار یا میٹنگ میں یہ رائے نہ پیش کی کہ ایسی تحریروں کی موجودگی میں پائیدار اتحاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ ملکی امن و امان کی تجاویز پر سوچا جا سکتا ہے جو ہمارا متفقہ مقصد اور وطن عزیز کا حق ہے۔ آج قوم اتحاد کے ان علَم برداروں اور اتحاد کانفرنسوں کے ان لیڈروں پر کیسے اعتماد کرے جو وقت پر صحیح بات نہ کہیں اور بعد از وقت ہونٹوں کو چاٹتے رہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ علماء اہل سنت اور اخبار ''دعوت'' وغیرہ بہت پہلے سے اپنا یہ فرض ادا کرتے ہوئے عوام اور حکام کو متوجہ کرتے رہے۔'' (نوائے وقت، کوہستان اور دیگر قومی اخبارات میں شائع شدہ بیان، ۵، جولائی ۱۹۶۳ء)

ترجمہ مقبول کی ضبطی کے بعد علامہ صاحب کا ''دعوت'' میں شائع شدہ اداریہ

یہاں ہم مکمل تو نہیں، مگر چند اہم سطور اس اداریئے کی نقل کرتے ہیں جو علامہ صاحب نے ہفت روزہ ''دعوت'' میں تحریر فرمایا تھا۔ چنانچہ ''نوائے وقت'' سے ترجمہ مقبول کی ضبطی کی خبر دے کر علامہ صاحب لکھتے ہیں:

’’(دعوت) نے اپنی ۳ر تا ۱۰ ر مئی کی اشاعت میں سب سے پہلے اس انتہائی دل آزار اور اشتعال انگیز کتاب کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی۔اور ملک کے امن وسلامتی کے نام پر حکومت مغربی پاکستان کے درِانصاف پر دستک دیتے ہوئے ملک کے دوسرے رسائل و جرائد سے بھی اپیل کی تھی کہ ہمارے اس اصولی اور جائز موقف میں وہ ہماری تائید کریں۔ہم ہفت روزہ ترجمانِ اسلام، پیام اسلام اور’’شہاب‘‘ کے تہہ دل سے ممنون ہیں کہ انہوں نے ہماری اس دردمندانہ اپیل پر لبیک کہتے ہوئے ہماری ہم نوائی میں نام نہاد مولوی مقبول احمد دہلوی آنجہانی کی ان انتہائی دل آزار تحریرات کے خلاف اپنا فرضِ صحافت اور حق دیانت ادا کیا۔الحمدللہ کہ’’دعوت‘‘ کی یہ پکار رائیگاں نہیں گئی اور بالآخر گورنر مغربی پاکستان جناب نواب صاحب (امیر محمد خاں) کالا باغ نے اس طومارِ لعنت کو بحق حکومت ضبط کرنے کے احکام جاری فرمادیئے لیکن معاملہ یہیں تک بس نہیں اور باہمی کچھاؤ صرف اسی ایک ذخیرہ منافرت پر موقوف نہیں بلکہ عداوت وتبرا کے یہ تمام انداز ایک پورے مذہب میں ضروریات کا درجہ رکھتے ہیں جنہیں یکسر چھوڑ دینے کے بعد اس مذہب کا تقوم ہی باقی نہیں رہ سکتا اور اس کا وجود وعدم سب برابر ہوجاتے ہیں۔‘‘

(اداریہ ہفت روزہ’’دعوت‘‘ لاہور، ۵، جولائی ۱۹۶۳ء جلد نمبر ا، شمارہ نمبر ۴۳)

اس کے ساتھ سرپرست تنظیم اہل سنت پاکستان سردار عبدالرحیم خاں نے بھی ایک بڑے اجتماع میں قرارداد پیش کرتے ہوئے کہا کہ:

’’یہ اجلاس حکومت کے اس اقدام کو بنظر استحسان دیکھتا ہے کہ اس نے کتاب ضمیمہ جات ترجمہ مقبول کو جس میں سنی بزرگان دین کے خلاف ناقابل برداشت مواد تھا، ضبط کرلیا، جس کی طرف اخبار’’دعوت‘‘ لاہور نے حکومت کو توجہ دلائی تھی۔‘‘

(مرسلہ ڈاکٹر گل محمد انصاری، سیکرٹری تنظیم اہل سنت جام پور، ۵، جولائی ۱۹۶۳ء)

۱۹۶۳ء کی کارگزاری میں علامہ صاحب کی’’ترجمہ مقبول ضبط کرو‘‘ تحریک کا ہم نے مفصل اور باحوالہ تذکرہ پیش خدمت کردیا ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ صاحب کے اندر مذہبی غیرت اور دینی حمیت کس قدر جوش میں اور موج زن تھی۔سب سے پہلے آواز علامہ صاحب نے ہفت روزہ’’دعوت‘‘ میں اٹھائی تو پھر شہاب، چٹان، کوہستان، خدام الدین، نصرت، سمیت بڑے بڑے ادیبوں اور صحافیوں کی ادارت میں نکلنے والے رسائل نے بھی علامہ صاحب کے موقف کی حمایت کی تھی، جلسوں میں خطابات کے عوامی اثرات الگ مرتب ہورہے تھے۔کاتب السطور نے ایک مرتبہ علامہ صاحب سے اس قضیہ کی مکمل روداد سنی تو ششدر رہ گیا، علامہ صاحب نے فرمایا کہ میں اور مولانا عبدالستار تونسوی ترجمہ مقبول کا نسخہ اٹھا کر دور دراز شہروں میں ہونے والے دینی اجتماعات میں تقریریں کرتے تھے اور اس کی غلیظ عبارتیں پڑھ کر آواز احتجاج بلند کرتے تھے۔علامہ صاحب فرماتے تھے کہ اس وقت ایم اے او کالج اور سول سیکرٹریٹ کی جامع مسجد سمیت جہاں کہیں چار افراد نظر آتے تو میں ترجمہ مقبول کے خلاف اپنی مہم شروع کردیتا تھا، علامہ صاحب فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں میری راتوں کی نیند اڑ گئی تھی، جب میں دیکھتا تھا کہ تفسیر قرآنِ مجید کے درپردہ اصحاب نبی ﷺ کی اہانت وتوہین کی جارہی ہے تو میرا خون کھولتا تھا، چنانچہ تحریک تنظیم اہل سنت کے پلیٹ فارم سے حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی اس مخلصانہ اور مجاہدانہ کردار کا چند ماہ میں ہی نتیجہ نکل آیا کہ گورنر مغربی پاکستان نواب آف

کالاباغ امیر محمد خان نے یہ ضمیمہ و ترجمہ ضبط کرنے کا اعلان کر دیا۔ اہل انصاف رہتی دنیا تک حضرت علامہ صاحب کی اس خدمت کو یاد رکھیں گے کہ انہوں نے بیداری اہل سنت کی خاطر سکون و قرار اپنی لُغت سے نکال رکھا تھا۔

بدھ مذہب کے بھکشوؤں کا علامہ صاحب سے تبادلۂ افکار

اسی سال (۱۹۶۳ء) میں تھائی لینڈ کے بدھ مذہب کے بھکشو کافی تعداد میں پاکستان کے دورے پر آئے تو انہوں نے مختلف مذاہب کے لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ چنانچہ ماہ اکتوبر بروز بدھ (تاریخ محفوظ نہیں) کو طے شدہ نظم کے تحت وہ کرشن نگر میں ایک مکان کے اندر علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ سے مباحثہ کرنے آئے۔ علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کم و بیش آٹھ گھنٹے تک صداقت اسلام پر دلائل پیش کیے تھے۔ اس مجلس مبادلہ افکار میں صرف بیس افراد کو شمولیت کی اجازت دی گئی تھی۔ چودھری محمد صدیق کھوکھر اس دور میں تنظیم اہل سنت لاہور کے ناظم تھے جو مجلس میں شریک تھے۔ کاتب السطور کی خواہش تھی کہ بذریعہ چودھری محمد شریف صاحب (لاہور) چودھری محمد صدیق کھوکھر صاحب سے اس مباحثہ کی کچھ روداد حاصل کی جاتی مگر افسوس کہ چودھری صاحب اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ اب ہم ۱۹۶۳ء میں چک ذخیرہ ضلع گوجرانوالہ (حال ضلع حافظ آباد) میں ہونے والے علامہ صاحب کے ایک یادگار مناظرہ کی کاروائی پیش کرتے ہیں۔ یہ مناظرہ اہل تشیع اور اہل سنت کے چوٹی کے علماء کرام کے مابین ہوا تھا۔ اور حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجالس میں اس مناظرہ کا تذکرہ کر کے بڑا لطف لیا کرتے تھے۔ فرقہ امامیہ کے خدوخال اور مذہب اہل سنت کی توضیح و تشریح کے ساتھ ساتھ بعض سماجی رویوں کو سمجھنے کے لیے بھی اس مناظرہ کی کارگزاری فائدہ مند ثابت ہوگی، سو ملاحظہ کیجیے۔

علامہ صاحب پر چنیوٹ میں قاتلانہ حملہ (جنوری ۱۹۶۳ء)

علامہ صاحب اپنی علمی اور سحر انگیز شخصیت کا جادو پاکستان کے چاروں صوبوں میں منوا چکے تھے اور معاصر فتنوں میں کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جو دلیل و برہان کے زور پر اپنا نظریاتی ڈھانچہ علامہ صاحب کے سامنے برقرار رکھ سکتا۔ آپ کا انداز تحریر اور طرزِ تعلم اگرچہ بہت ہی شستہ اور خالص علمی ہوتا تھا، تاہم علامہ صاحب کی قابل رشک صحت کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ ۱۹۹۵ء تک جلسوں میں پُر جوش تقاریر کرتے رہے اور اس سے قبل ۸۵ء تک کے مذہبی اجتماعات میں کھڑے ہو کر تین تین گھنٹے خطابات بھی کرتے رہے۔ فتنوں کی سرکوبی اور صداقتوں کا دفاع کرنے والوں کو کسی نہ کسی درجہ میں آزمائشوں کا سامنا رہتا ہے، چنانچہ علامہ صاحب جنوری ۱۹۶۳ء میں ختم نبوت کانفرنس چنیوٹ میں خطاب فرما رہے تھے، عوام ہمہ تن گوش علمی خطاب سے مستفید ہو رہے تھے اور اسٹیج پر علماء کرام میں سے اکابر طبقہ کے حضرات علامہ صاحب کے نکات سے محظوظ ہو رہے تھے کہ اچانک ایک شخص اسٹیج پر آیا اور اس نے علامہ صاحب پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی، اس واقعہ کی تفصیل مندرجہ ذیل خبر کے ساتھ شائع ہوئی تھی:

”مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب پر قاتلانہ حملہ کی ناکام کوشش“ مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب ختم نبوت کانفرنس چنیوٹ میں بروز جمعرات خطاب فرما رہے تھے کہ فریقِ مخالف کا بظاہر ایک پاگل نما شخص اچانک پبلک کی صفوں کو

چیرتا ہوا اسٹیج پر آ گیا۔ یہ شخص حضرت علامہ صاحب پر حملہ کرنے ہی والا تھا کہ اسٹیج پر بیٹھے ہوئے افراد نے اُسے پکڑ لیا۔ اتنے میں پولیس نے اسٹیج پر پہنچ کر اس پاگل نما شخص کو قابو کر لیا۔ حضرت علامہ صاحب نے اپنی تقریر جاری رکھی اور تین گھنٹے تک ختم نبوت کے موضوع پر خطاب فرمایا، باقی تفصیلات ابھی سامنے نہیں آئیں۔'' [خصوصی نامہ نگار ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور ۴، جنوری ۱۹۶۳ء]

اس کے بعد ملک بھر میں مذمتی قرار دادیں پاس کروائی گئیں اور علامہ صاحب کے ساتھ قلبی اظہارِ مودت کیا گیا، اس سلسلہ میں تنظیم اہل سنت پاکستان کی جانب سے بھی بھرپور احتجاج کیا گیا جس کی روداد ۱۸ر جنوری ۶۳ء کے ''دعوت'' میں شائع ہوئی تھی۔

تاریخی مناظرہ چک ذخیرہ، گوجرانوالہ منعقدہ اپریل، ۱۹۶۳ء

اب ہم ۱۹۶۳ء کے احوال میں علامہ صاحب کے اس تاریخی مناظرہ کا ذکر کرتے ہیں جس کو یاد کر کے علامہ صاحب خود بھی حظ اٹھایا کرتے تھے، بلکہ اپنے آخری سفر پاکستان کے موقع پر ایک دن کاتب السطور جب جامعہ اشرفیہ میں ملاقات کے لیے گیا تو فرمایا کہ گزشتہ شب ۶۳ء والا مناظرہ میرے ذہن میں گھومنے لگ گیا تھا مگر مقامِ مناظرہ کا نام ذہن میں نہیں آ رہا، اگرچہ اتنا ضرور یاد ہے کہ گوجرانوالہ یا حافظ آباد کے بغلی علاقوں میں سے کوئی علاقہ تھا، جب کاتب السطور نے ''چک ذخیرہ'' کہا تو علامہ صاحب بہت ہی مسرور ہوئے اور پُر مسرت لہجہ میں فرمایا ہاں ہاں، وہی وہی، پھر اُس دور کی کارگزاری سناتے ہوئے بندہ کو حکم دیا کہ ہفت روزہ ''دعوت'' کے فائلوں میں اس کی جو کارگزاری چھپی تھی، میں چاہتا ہوں اُسے مکمل شائع کر دیا جائے تا کہ علماء کرام کے لیے فائدہ مند بھی ہو اور روداد محفوظ بھی ہو جائے کیونکہ کتابوں کے مقابلہ میں رسائل کی عمر کم ہوتی ہے، مناسب حفاظت نہ ہونے کی بناء پر شمارے گم ہو جاتے ہیں اور یوں تاریخی ریکارڈ ضائع ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ کاتب السطور نے کہا کہ متذکرہ مناظرہ کی روداد کل سات اقساط میں شائع ہوئی تھی، چھ تو موجود ہیں، جونہی ساتویں قسط مہیا ہوگی اسے شائع کروا دیں گے، چنانچہ کاتب السطور نے اُس ایک قسط کی کمی پوری کرنے کے لیے کیا کچھ نہ کیا، کہاں کہاں کی خاک نہ چھانی، اور کس کس کی منت سماجت نہ کی، بالآخر اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال ہوئی اور بندہ کو ہفت روزہ ''دعوت'' کے پہلے سے موجود فائل کے علاوہ ایک بڑا ذخیرہ دستیاب ہو گیا، جب چھان پھٹک کی تو اس میں الحمدللہ ساتویں اور آخری قسط بھی دستیاب ہو گئی، مگر تدبیروں پر ایک ہی تقدیر نے پانی پھیر دیا کہ اب علامہ صاحب اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے تھے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ع بتا میں جی کے کیا کروں جو زندگی میں تو نہیں

پہلے تو شاید ہم اس مناظرہ کا اختصار کے ساتھ ذکر ہی کرتے مگر اب اس کی مکمل کارگزاری کا پیش خدمت ہونا ضروری ہے کہ یہ علامہ صاحب کا قرض ہے۔ ان شاء اللہ اسے پڑھ کر حضرت علامہ مرحوم کے تبحر علمی اور جذبہ خدمت دین کا گہرا تاثر بے شمار لوگوں کو علامہ صاحب کی یاد دلائے گا تو آپ کی روح کو مزید تسکین نصیب ہوگی۔ ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور میں یہ کاروائی مندرجہ ذیل شماروں میں شائع ہوئی تھی۔

قسط اول: ۳ تا ۱۰، مئی ۱۹۶۳ء، شمارہ نمبر ۳۵، جلد نمبر ۱

قسط دوم: ۱۱ تا ۱۷، مئی ۱۹۶۳ء، شمارہ نمبر ۳۶، جلد نمبر ۱

قسط سوم: ۱۸ تا ۲۴ مئی، ۱۹۶۳ء، شمارہ نمبر ۳۷، جلد نمبر ۱

قسط چہارم: ۷ تا ۱۴ جون، ۱۹۶۳ء، شمارہ نمبر ۴۰، جلد نمبر ۱

قسط پنجم: ۱۵ تا ۲۱ جون، ۱۹۶۳ء، شمارہ نمبر ۴۱، جلد نمبر ۱

قسط ششم: ۲۲ تا ۲۸ جون، ۱۹۶۳ء، شمارہ نمبر ۴۲، جلد نمبر ۱

قسط ہفتم: ۲۹ جون تا ۵ جولائی، ۱۹۶۳ء، شمارہ نمبر ۴۳، جلد نمبر ۱

اس مناظرہ کی کاروائی کو قلمبند کرنے والے پنڈی بھٹیاں کے مرحوم غلام محمد فاروقی تھے، جو اُس زمانہ میں تحریک تنظیم اہل سنت کے سرگرم اور فعال رہنما تھے اور متذکرہ مباحثہ میں عینی شاہد کی حیثیت سے موجود تھے۔ اس مناظرہ میں مناظر علامہ عبدالستار تونسویؒ اور صدرِ مناظر علامہ خالد محمودؒ تھے، چونکہ صدرِ مناظرہ کو مناظرہ میں ایک بنیادی اور اہم حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اس میں فریق ثانی کے مناظرین کے ساتھ زیادہ تر گفتگو علامہ صاحب نے کی تھی، اہل فن جانتے ہیں کہ صدرِ مناظر جتنا مضبوط اور ذی استعداد ہو، متکلم مناظر اتنا ہی خود اعتمادی اور دبنگ انداز میں حریف کا محاسبہ کرتا ہے۔ اس مجلس مناظرہ میں امام پاکستان حضرت مولانا علامہ احمد شاہ چوکیرویؒ بھی موجود تھے۔

کاتب السطور کی خواہش تھی کہ اگر چک ذخیرہ ضلع حافظ آباد (سابقہ ضلع گوجرانوالہ) کا کوئی بزرگ اُس زمانہ کا آج بقید حیات ہو تو ان سے ملاقات کر کے مزید معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ مگر افسوس کہ بشمول غلام محمد فاروقی اب تمام لوگ اس دارِ فانی سے جاچکے ہیں۔ یعنی متذکرہ مناظرہ کے اہم کردار اہل سنت علامہ صاحب ہی شاید آخری ہستی کے طور پر موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم نے متعدد بار علامہ صاحب کی مجلس میں مذکورہ مناظرے کی روداد سنی تھی۔ چند سال قبل ماہ ربیع الاوّل میں چکوال کے سفر پر جاتے ہوئے علامہ صاحب نے فرمایا تھا کہ اس مناظرہ کی دو اہم باتیں ہیں جو آپ کو شاید کہیں اور سے نہ ملیں، کاتب السطور نے استفسار کیا تو فرمایا کہ ایک بار شیعہ مناظر مولوی اسمٰعیل گوجروی اپنے صدر مناظر مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو سے الجھ پڑے تو اپنا جوتا اتار کر انہیں دکھایا۔ یہ سارا منظر لوگ دیکھ رہے تھے۔ دوسری بات یہ کہ شیعہ نمبر دار رائے سادہ خاں نے ابتدائی گفتگو کے دوران حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی کو منہ پر طمانچہ مار دیا تھا مگر مولانا چنیوٹی کے تحمل و بردباری نے وہاں پر موجود ہر شخص کو متاثر کیا کہ انہوں نے ردعمل میں کچھ کرنے یا کہنے کی بجائے یہ کہا کہ ''جناب طمانچہ آپ دوسری بار بھی مار لیں مگر آج ہم حق و باطل کا فیصلہ کر کے ہی یہاں سے اُٹھیں گے اور مناظرہ ضرور ہوگا''۔ علامہ صاحب مولانا چنیوٹی مرحوم کے اس طرز عمل کو بہت یاد کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جھنگ، پنڈی بھٹیاں اور چنیوٹ کے دور دراز علاقوں میں مولانا چنیوٹیؒ نے بہت محنت و اخلاص کے ساتھ اہل رفض و بدعت کا مقابلہ کیا ہے اور ان کی خدمات بھلائی نہیں جاسکتیں۔

مولانا چنیوٹی مرحوم کے ایک رشتہ دار حاجی بخش الٰہی صاحب بھی اس مناظرہ میں موجود تھے، ان کا کہنا ہے کہ دورانِ مناظرہ مولانا منظور احمد چنیوٹی فریق ثانی کے اسٹیج پر گئے اور کہا کہ طے شدہ موضوع پر مناظرہ شروع کریں جس پر مولوی محمد اسمٰعیل

صاحب گوجروی نے مولانا چنیوٹی صاحب کو پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا کہ ''جاؤ جاؤ تم میرے ساتھ کیا بات کرو گے میں تو تمہارے استاذوں کو بھی کچھ نہیں سمجھتا۔'' جب مولانا چنیوٹی کو مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے دو تین بار دھکیلا تو مجھ سے برداشت نہ ہوسکا، میں نے بھی سٹیج پر چڑھتے ہوئے گوجروی صاحب سے کہا کہ زبان سے بات کرو اور اپنے ہاتھ کو سنبھالو، ہمارے بھی ہاتھ ہیں۔ لیکن بھائی (مولانا چنیوٹی) صاحب کی حوصلہ مندی اور تحمل کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا، وہ کہہ رہے تھے، آپ مجھ سے بڑے ہیں، دھکے تو کیا جوتے بھی ماریں، اٹھا کر دوں گا لیکن اس موضوع پر آپ کو مناظرہ کرنا پڑے گا یا شکست تسلیم کرنا پڑے گی میرے مداخلت کرنے پر شیعہ حضرات مجھ پر پل پڑے اور میں چپکے سے اپنے مجمع کی طرف سرک گیا۔ لیکن مولانا چنیوٹی کی بُردباری سے معاملہ ٹھنڈا ہو گیا۔ [حیات سفیر ختم نبوت: ۲۱۴، مطبوعہ ۲۰۱۴ء مرتب مولانا مشتاق احمد]

معلوم ہوتا ہے یہی وہ موقع ہوگا کہ جب رائے سادہ خان نے مولانا چنیوٹی مرحوم پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ اس واقعہ سے وڈیروں اور نوابوں کی فرعونیت کے ساتھ ساتھ عوام اہل سنت کی بے کسی و لاچاری بھی عیاں ہو رہی ہے کہ وہ اپنے مقتداؤں کا تحفظ کرنے میں بھی کس قدر بے بس اور کمزور ہوتے ہیں۔

ہفت روزہ ''دعوت'' کے فائلوں کی مدد سے ہم غلام محمد فاروقی مرحوم کی جمع کردہ کارگزاری اسی اشاعتِ خاص میں شامل کر رہے ہیں۔ قارئین تفصیلات وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ (دیکھیے: ۱/۸۹......۲/۱۷۷ [ادارہ])

اس مناظرے میں اہل سنت کے مناظر علامہ عبدالستار تونسویؒ اور صدر مناظر علامہ خالد محمودؒ تھے۔ روافض کی طرف سے مولوی اسماعیل گوجروی مناظر اور مولوی محمد حسین ڈھکو صدر مناظر تھے۔ عنوان ایمان بالقرآن تھا۔ مولوی اسماعیل گوجروی صاحب نے طے شدہ شرائط سے راہِ فرار اختیار کی۔ اور بالآخر عبرتناک شکست سے دوچار ہوئے۔ حتی کہ یہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ یہ سنی علماء کافر ہیں، میں ان کے پاس بھی نہیں بیٹھتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولوی اسماعیل گوجروی کو لانے والے شیعہ روساء اپنی اپنی کاروں میں بیٹھ کر سب واپس چلے گئے اور مولوی اسمٰعیل کو ایک خچر پر بٹھا کر پیچھے ایک دوسرا آدمی سوار کرا کر اور اس کی کتابوں کو گدھوں کے اوپر لادکر واپس کیا گیا۔ اہل سنت اور شیعہ عوام وخواص نے مولوی اسمٰعیل صاحب کو ذخیرہ سے چنیوٹ کی سڑک پر اس طرح آتے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور اہل سنت علماء کاروں میں بیٹھ کر اسلام زندہ باد، تنظیم اہل سنت زندہ باد کے نعروں میں نہایت کامیابی سے واپس ہوئے۔

مناظرہ چک ذخیرہ سے آمدہ نتائج پر تبصرہ

۱)...... مذکورہ مناظرہ اس اعتبار سے تاریخی اہمیت کا حامل تھا کہ اس میں اپنے وقت کے نہایت زیرک اور معروف علماء کرام شریک تھے جن میں حضرت مولانا احمد شاہ چوکیروی مع اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد نافع، حضرت مولانا عبدالستار تونسوی، علامہ ڈاکٹر خالد محمود، مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہم اللہ تعالیٰ اور علماء شیعہ میں سے مولانا محمد اسمٰعیل گوجروی، مولانا محمد حسین ڈھکو، مولوی ناصر حسین نجفی اور مولوی خادم حسین جیسے لوگ شامل تھے۔

۲)......اتنے بڑے علماءِ حق کی موجودگی میں صدرِ مناظرہ کے لیے علامہ خالد محمودؒ کا منتخب ہونا علامہ صاحب کے تبحر علمی اور مناظرانہ تجربہ وفن پر ایک سند ہے۔ کنج انصاف میں بیٹھ کر اس پر غور کرنے سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ صداقت کے نالوں کی اس صدا میں علامہ خالد محمود کا کتنا حصہ ہے۔

۳)......مولانا محمد اسمٰعیل گوجروی اگر چہ بے حد شاطر اور عیار طبیعت کے مناظر تھے مگر علامہ خالد محمود نے اپنے علم منقح سے دُر شہوار نکال کر انہیں اس نوبت تک پہنچا دیا تھا کہ موصوف کو خود بھی اپنے سطحی علم پر ندامت ہوئی اور ان کے میزبان یا سامعین بھی پھڑ پھڑاتے ہوئے گوجروی صاحب کو ہدف ملامت بنا رہے تھے کہ انہوں نے مذہب کی نمائندگی کرنے میں نہایت عامیانہ کردار ادا کیا ہے ہم نے اس مناظرہ کی روداد قلمبند کرتے ہوئے چک ذخیرہ کے احباب سے بھی رابطہ کیا کہ ممکن ہے اس زمانہ کا کوئی چشم دید گواہ ابھی حیات ہو تو مزید معلومات حاصل کی جاسکیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جناب مرزا ظفر صاحب سے ہمارا رابطہ ہوا، ان کے والد گرامی اس مناظرہ میں شریک تھے مگر ان کا کہنا ہے کہ میں اس وقت نو عمر تھا اور مہمان علماء کرام کے بستر وغیرہ لگانے کی ڈیوٹی پر مامور تھا اس لیے کچھ زیادہ احوال تو یاد نہیں تاہم اتنا یاد پڑتا ہے کہ جب رائے سادہ خان نے مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ پر ہاتھ اٹھایا تو اس کے ردعمل میں ہماری طرف سے بھی ایک قریبی رشتہ دار نے مولوی محمد اسمٰعیل گوجروی پر ہاتھ اٹھایا تھا، مگر اس کی تفصیلات ہمیں اس زمانہ کی مطبوعہ خبروں یا رودادوں میں نہیں ملتیں اور نہ ہی کبھی علامہ صاحب نے کاتب السطور کو بتائی تھیں۔ تاہم علامہ صاحبؒ کے اپنے تجربات کی روشنی میں چک ذخیرہ کے مناظرہ کا بھی کوئی دائمی یا مستقل نتیجہ برآمد نہ ہوسکا، کیونکہ اب بھی چک ذخیرہ کے اندر بڑی مسجد میں شیعہ اور سنی دونوں کا ملکیتی دعوی ہے اور ایک ہی مسجد میں دونوں فریق اپنے اپنے مذہب کے مطابق نمازیں پڑھتے ہیں۔ یہ مثال پاکستان کے اندر اکا دکا مقامات میں سے ایک ہے کہ جہاں اس قدر نظریات کے واضح تصادم کے باوجود بھی اہل سنت اپنے شعار مذہبی سے تا حال غافل ہیں۔ البتہ علماءِ حق نے اپنے حصہ بقدر جُثہ کے مطابق احقاق حق اور ابطال بطال کا فریضہ سرانجام دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ مناظروں کے فوائد ونقصانات کا تجزیہ فقط اُسی دور کے تناظر میں کیا جائے جس دور میں مناظرہ وقوع میں آتا ہے۔ نہیں بلکہ آنے والے وقتوں میں ان کی رودادیں اور احوال سن، پڑھ کر بھی لوگوں کو صراط مستقیم کا نشان نظر آجاتا ہے۔ نظریاتِ مذہبی سے مایوسی اور دلبرداشتہ لوگوں کے لیے بہر حال ان مناظروں کی داستانیں پارہ دلوں پر پھاہا رکھنے کا کردار ادا کرتی ہیں۔ تاہم حضرت علامہ صاحب سمیت تقریباً تمام کے تمام علماءِ حق، جن کی زندگیاں مناظروں میں گزریں وہ اس امر پر متفق ہیں کہ دعوت وتبلیغ اور وعظ ونصائح سے بڑھ کر کارآمد کوئی اور ذریعہ نہیں ہوسکتا، اس لیے ہمارے اکابر نے بامر مجبوری اس میدان میں قدم رکھا ہے اور ان کا کمال یہ تھا کہ مناظروں میں بھی دعوتی اسلوب کا غلبہ رہتا تھا، اس لیے ان کے اخلاص کے نتائج دوررس ہوتے تھے اور صدیوں تک ان کے چلائے ہوئے چراغ دلوں کو روشنی مہیا کرتے رہتے ہیں۔

اہل تشیّع کی جانب سے مناظرہ چک ذخیرہ کی مطبوعہ روداد کی حیثیت

مولوی ناصر حسین نجفی آنجہانی کا کہنا ہے کہ متذکرہ مناظرہ میں مَیں بھی شریک تھا، یہ مبلغ اعظم اہل تشیع مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجروی کے شاگرد تھے اورانہوں نے بعد میں اپنے استاذ کے مناظروں کی رودادیں ایک کتابی شکل میں شائع کیں، اس کا نام ''فتوحاتِ شیعہ'' ہے جواس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔اس میں بعنوان ''تنظیمی ملاؤں کا غلط وطیرہ'' چک ذخیرہ والے مناظرہ کی روداد شامل ہے۔اسے پڑھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اہل تشیع کو متذکرہ مباحثہ میں کس قدر خفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔اس کے چند عنوانات اور جملوں کو پڑھیے:

[۱]...... ملاں خالد محمود کی چالاکیاں اور علمی کمزوریاں

[۲]...... مولوی عبدالستار اور خالد محمود کے جھوٹے اور مصنوعی وقار کا بھانڈہ چک مذکور کے جوہڑ کنارے کچھ اس طرح پھوٹا کہ احمد شاہ چوکیروی کا تعاون بھی بے حقیقت ہو کر رہ گیا۔

[۳]...... مولوی منظور احمد چنیوٹی کی امن سوز حرکات۔

[۴]...... خالد محمود اور عبدالستار نے قصرِ سنیت کو تزلزل سے بچانے کے لیے شور مچانا شروع کر دیا۔

[۵]...... ملاں خالد کے لیے یہ مصیبت بن گئی کہ اگر حقائق تسلیم کرے تو مذہب ختم ہوتا ہے۔بس ضد اور ہٹ دھرمی کی پناہ میں ہی خیریت سمجھی۔

ملاں خالد محمود کی دھاندلیاں (وغیرہ وغیرہ)۔

[ناظر حسین نجفی، فتوحات شیعہ:۲۲۸ رمطبوعہ مبلغ اعظم اکیڈمی خوشاب، روداد مناظرہ چک ذخیرہ]

لاہور کے اجتماعات میں علامہ صاحب کے خطابات کی اہمیت

۱۹۶۳ء کے حالات وواقعات میں سے تنظیم اہل سنت کے زیر اہتمام یادگار کانفرنسوں کا انعقاد بھی ہے۔کیونکہ ۱۹۶۰ء تا ۱۹۷۵ء کے پندرہ سال تنظیم اہل سنت کے تبلیغی اور تحریکی کاز کے اعتبار سے بہت اہم ہیں اور انہی سالوں میں حضرت علامہ صاحب کا طوطی بھی ملک کے طول وعرض میں بول رہا تھا۔بالخصوص لاہور میں قیام کی وجہ سے آپ کا بطور خاص مورچہ لاہور ہی تھا جس میں آپ کی خداداد صلاحیتیں آئے روز مسلمانانِ وطن کی ہدایت کا سبب بن رہی تھیں۔اس دور میں سید ناصر علی شاہ کربلائی (کرشن نگر لاہور) کے قلم سے ہفت روزہ ''دعوت'' میں چھپنے والی جلسوں کی رودادیں بڑی دلچسپ ہوا کرتی تھیں، چنانچہ ماہ فروری ۱۹۶۳ء میں جبکہ ماہ مقدس رمضان المبارک کا مہینہ تھا تو حضرت علامہ صاحب نے تحریک تنظیم اہل سنت کے زیر اہتمام ہر اتوار کو باغ بیرون موچی دروازہ لاہور میں تبلیغ اسلام اور تقدس ماہ رمضان المبارک کے سلسلہ میں اجتماعات منعقد کئے تھے جن سے قرب و جوار کے بڑے بڑے علماء تشریف لا کر عوام الناس کو مستفید کرتے تھے۔اس سلسلہ میں آخری جلسہ سے علامہ خالد محمودؒ کے خطاب کی کارگزاری یوں شائع ہوئی تھی:

''خطیب اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خان نے اپنی تقریر کے بعد مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب کو سٹیج پر آنے کی دعوت دی۔ حضرت علامہ کی شخصیت علمی و دینی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے آپ کو جہاں دینی علوم میں پوری گہرائی اور دسترس حاصل ہے۔ وہاں دنیوی تعلیم پر بھی آپ کو پورا پورا عبور حاصل ہے۔ نئی تہذیب کے دلدادہ لوگ اور تعلیم یافتہ طبقے بھی آپ کی تقریر سے یکساں سیراب ہوتے ہیں۔ آپ کی تقریر کے بعد کسی اور تقریر کا جمنا بہت کم دیکھا گیا ہے۔ حضرت علامہ صاحب نے مائیک پر تشریف لاتے ہی ادبی موتی برسانے شروع کر دیئے۔ آپ نے تحریک پاکستان میں علماء دیوبند کی خدمات پر تبصرہ فرماتے ہوئے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کو خراج تحسین ادا کیا اور علمائے ہند کے شاندار ماضی پر ایک تبصرانہ نگاہ ڈالی آپ نے پندرہ منٹ کے خطاب میں حاضرین کو تنظیم اہل سنت کے نصب العین سے آگاہ فرمایا۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت علامہ اقبال کو نقاش پاکستان اور قائداعظم کو بانی پاکستان کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن قائداعظم بھی پاکستان کے منصوبے کو عملی شکل میں نہ لا سکے، جب تک کہ دیوبند کے محدث جلیل حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کی علمی و عملی اور عوامی تائید نہ کی۔ حضرت علامہ عثمانی بجا طور پر موسس پاکستان تھے، جن کی راہنمائی میں ہمارے صدر محترم کا بھی تعمیر پاکستان میں ایک نمایاں حصہ ہے اور تحریک پاکستان پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم دیوبند کے اس احسان عظیم کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے، اسٹیج پر بیٹھے ہوئے صدر محترم خان عبدالوحید خان، وزیر محکمہ ریلوے، مغربی پاکستان حضرت علامہ صاحب کی پُر زور تائید فرماتے رہے اور فضا دار العلوم زندہ باد اور علامہ شبیر احمد عثمانی زندہ باد کے نعروں سے گونج رہی تھی۔'' [''دعوت'' لاہور صفحہ نمبر ۱۱، ۸/ مارچ ۱۹۶۳ء، ہفت روزہ۔]

موچی دروازہ لاہور میں علامہ صاحب کا ایک تاریخی اور پالیسی ساز خطاب

۱۹۶۳ء ہی میں ڈپٹی کمشنر لاہور میاں محمد شفیع مرحوم کی صدارت میں ایک روح پرور اجتماع منعقد ہوا تھا۔ جس میں حضرت مولانا دوست محمد قریشی، مولانا محمد اجمل خان، مولانا محمد الیاس حضروی اور قاری سید حسن شاہ صاحب نے خطابات کئے تھے جبکہ جلسہ کے منتظم اور متواتر دو گھنٹے تک خطاب کرنے والے علامہ خالد محمود تھے۔ یہ تقریر بھی بڑی دلچسپی کے ساتھ عوام نے سنی تھی۔ اس میں ڈپٹی کمشنر لاہور، دیگر افسرانِ بالا اور جید علمائے کرام کی موجودگی میں علامہ صاحب نے فرمایا تھا:

''شیعہ فرقہ کے ایک ذاکر صاحب فرمانے لگے کہ علامہ صاحب ہاتھ ہمارے، چھاتی ہماری، زنجیر ہماری، خون ہمارا، عقیدہ ہمارا تو اہل سنت والجماعت کے افراد ہمارے کھلے تعزیتی جلوسوں سے کیوں ناراض ہوتے ہیں؟ تو میں نے ذاکر صاحب سے مخاطب ہو کر کہا بھائی گردان مکمل کرو، کیونکہ ابھی گردان مکمل نہیں ہوئی۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ ہاتھ تمہارے، چھاتیاں تمہاری، زنجیر تمہارے، خون تمہارا، عقیدہ تمہارا۔ تو بھائی جب کچھ تمہارا ہے تو جگہ بھی تمہاری ہی ہونی چاہیے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب سب کچھ تمہارا ہے تو رسومات ادا کرنے کے لیے جگہ بھی تمہاری ہی ہونی چاہیے۔ جگہ اہل سنت والجماعت کی کیوں استعمال کی جاتی ہے؟ علامہ خالد محمود صاحب نے مزید فرمایا کہ اگر ماتمی جلوسوں کو سنی آبادیوں میں آنے جانے سے روک دیا جائے تو مسلمانوں کے (۱) دو فرقوں میں ہمیشہ کے لیے اتحاد ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان دونوں فرقوں میں کشیدگی کا باعث عموماً یہی جلوس بنتے ہیں۔ اس

---

(۱) یہاں شیعہ عقائد کے تناظر میں نہیں بلکہ رسومات کے حوالہ سے بات ہو رہی ہے، اس لیے اُن کے دعوی کے مطابق ان کو مسلم فرقوں کا اتحاد کہا جا رہا ہے، وگرنہ شیعہ عقائد پر علامہ صاحب اثنا عشریوں کی علی الاطلاق تکفیر کے قائل تھے اور یہ کوئی ڈھکی چھپی (جاری)

طریق کار کے بغیر حقیقی امن و اتحاد کا ہونا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ پھر علامہ صاحب نے دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث اختلافات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ یہ اختلافات ایسے نہیں کہ جن کو مذہب کا مدار قرار دے کر ایک دوسرے کی تکفیر روا رکھی جائے۔ اور پاکستان کی بنیادوں کو کمزور کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر حکومت یہ ذمہ داری لے لے کہ کوئی نیا فرقہ پیدا نہیں ہونے دی گی تو تنظیم اہل سنت پہلے تمام فرقوں میں اتحاد کا ذمہ لیتی ہے۔ علامہ صاحب نے ۲ گھنٹے تک اتحاد پر ور تقریر فرمائی''

[''دعوت'' صفحہ نمبر ۱۵/۸، مارچ ۱۹۶۳ء، لاہور ہفت روزہ]

مولانا محکم الدین، جن کی قلبی خواہش ''عبقات'' کی اشاعت کا سبب بن گئی

دین حق سے وابستہ انسان کی کوئی نیکی یا کوئی بھی عمل رائیگاں نہیں جاتا۔ بعض دفعہ ایک معمولی نوعیت کی بات لاکھوں افراد کی ہدایت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ ایسا ہی ایک خط ۱۹۶۳ء کے زمانہ میں اس وقت کے منتظمِ دفتر ہفت روزہ ''دعوت'' حافظ نور محمد انور کے نام آیا جو حضرت مولانا محکم الدین صاحبؒ (خطیب جامع مسجد میاں قطب الدین، جھنگ صدر) کی جانب سے ارسال کیا گیا تھا۔ وہ خط ملاحظہ کیجیے:

''محترمی حافظ صاحب زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف! آئندہ ''دعوت'' کے پرچے آٹھ کی بجائے دس عدد روانہ کرتے رہیں، تاکید ہے۔ نیز خواہش ہے کہ اگر علامہ صاحب مدظلہ پسند فرمالیں تو استفسارات کا جو سلسلہ شروع ہے، نہایت فائدہ مند ہے۔ اگر ان کو یکجا کر کے کتابت کرا کر کتاب کی صورت میں شائع کر دیا جائے تو یہ کتاب اہل علم حضرات کے لیے رہنمائی کا باعث بنے گی۔ اور دوسرے فتاویٰ جات کی طرح حضرت علامہ صاحب کی عظیم یادگار بھی رہے گی اور خلق خدا نفع مند ہوگی۔ والسلام، محکم الدین غفرلہ، خطیب وصدر جامع میاں قطب الدین جھنگ صدر۔''

[''دعوت'' صفحہ نمبر ۴، ۲۶ جولائی ۱۹۶۳ء، لاہور ہفت روزہ]

۱۹۶۴ء میں علامہ صاحب کے ہاں دوسرے بیٹے کی ولادت

۱۹۶۴ء میں حضرت علامہ صاحب کے ہاں دوسرے بیٹے کی ولادت ہوئی۔ چنانچہ ''دعوت'' میں ہدیۂ تبریک کے عنوان سے یوں خبر شائع ہوئی تھی:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ خالد محمود صاحب کو اپنے فضل وکرم سے ایک اور فرزند ارجمند سے نوازا ہے۔ مولود مسعود کا نام ''شاہد محمود'' رکھا گیا ہے۔ ادارہ ''دعوت'' علامہ صاحب اور ان کے تمام خاندان کی خدمت میں اس موقع پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے قارئین دعوت اور تنظیمی حلقوں سے التماس ہے کہ وہ شاہد محمود کی درازیٔ عمر اور سعادت علم وعمل کے لیے پورے اخلاص سے دعا فرمائیں۔''

[چوھدری محمد صدیق کھوکھر، نمائندہ "دعوت" رسول کریم نمبر: ۲۸/ ۱۷، جولائی ٦٤ء، لاھور]

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) بات نہیں ہے۔ ہمارے اس موقف کی تائید اسی تقریری اقتباس کی اگلی سطور میں موجود ہے جس میں حضرت علامہ صاحب دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث مسالک کا ذکر کر رہے ہیں۔ (سلفی)

اس سے قبل بڑے صاحبزادہ اور اکلوتی صاحبزادی کی پیدائش ہو چکی تھی، جیسا کہ ہفت روزہ ''دعوت'' کی اُس خبر سے واضح ہے جس میں ''دعائے صحت'' کے تحت اپیل کی گئی تھی کہ:

''حضرت علامہ خالد محمود صاحب ایم اے کے دونوں بچے عزیزم طارق محمود و عزیزہ طاہرہ کو پانچ روز سے شدید بخار ہے۔ قارئین دعوت بخلوصِ قلب بچوں کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جلد صحت کاملہ عطا فرمائے۔ آمین''

[نور محمد انور، ''دعوت'' صفحہ آخر، ۲۳؍نومبر ۱۹۶۲ء]

ان دو خبروں سے یہ بات تو محقق ہو چکی ہے کہ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۴ء تک حضرت علامہ صاحب کے ہاں دو بیٹے اور ایک صاحبزادی متولد ہو چکے تھے، تیسرے صاحبزادہ ناصر محمود کی ولادت اس کے بعد کب ہوئی؟ اس کا فی الوقت ہمیں اندازہ نہ ہو سکا۔

صاحب جلال، صاحب جمال اور صاحب کمال! (شورش مرحوم کا دلچسپ تبصرہ)

۲۵؍اکتوبر ۱۹۶۴ء کے دور کا ہی واقعہ ہے کہ شرق پور ضلع شیخوپورہ میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں علامہ خالد محمود، آغا شورش کاشمیری اور مولانا محمد اجمل خان نے خطابات کیے تھے۔ اولاً شورش مرحوم نے اتحادِ ملی اور محبت اسلام کے عنوان پر ولولہ انگیز خطاب کیا۔ اس کے بعد مولانا محمد اجمل خان نے تردید عیسائیت کے موضوع پر تقریر کی، آپ کی تقریر کے دوران ایک پادری نے تحریری طور پر کچھ اعتراضات پیش کیے۔ جنہیں علامہ خالد محمودؒ کے سپرد کر دیا گیا، چنانچہ علامہ خالد محمودؒ نے توحید کے عنوان پر فاضلانہ تقریر فرمائی اور پادری صاحب کے جملہ اعتراضات کا مدلل جواب دیا۔ آپ نے اسٹیج پر آتے ہی فرمایا:

''حضرات آپ ابھی آغا شورش صاحب کے انداز جلال اور مولانا محمد اجمل صاحب کے پیرانہ جمال سے مستفید ہو رہے تھے (ابھی علامہ صاحب فقرہ مکمل نہ کر پائے تھے کہ جناب شورش صاحب بول پڑے ''جلال و جمال کے بعد اب کمال کی باری ہے''۔ بہر حال تینوں حضرات کی تقریریں سرزمین شرق پور میں بکھرے ہوئے موتیوں کی طرح پھیل رہی تھیں اور توحید و سنت پوری تابانی سے جلوہ ریز ہو رہے تھے۔ جلسہ کے اختتام پر تینوں حضرات راتوں رات بذریعہ کار لاہور روانہ ہو گئے۔ جلسہ کی کامیابی کا سہرا مولانا محمد یحییٰ صاحب، مولانا قاری حسن شاہ صاحب اور جناب ملک حسن علی صاحب جامعی کے سر ہے۔''

[نامہ نگار ''دعوت'' صفحہ نمبر ۵، ۶؍نومبر ۱۹۶۴ء؍لاہور ہفت روزہ]

علامہ صاحب کے تبلیغی دوروں کی ایک جھلک

علامہ صاحب کالج ملازمت اور سیکرٹریٹ والی جامع مسجد میں خطابت نیز تصانیف و تالیف کے ساتھ ساتھ کس قدر طویل اسفار کر کے فریضہ دعوت و تبلیغ ادا کیا کرتے تھے؟ اس کی ایک معمولی جھلک ملاحظہ کیجیے مثلاً گزشتہ سطور میں آغا شورش کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ۲۵، اکتوبر ۶۴ء کو آپ شرقپور میں خطاب کر رہے تھے، رات ہی کو واپس گھر لاہور پہنچے تو صرف ایک دن گھر رہ کر مؤرخہ ۲۷؍اکتوبر کو آپ تیز رو (ٹرین) کے ذریعہ لاہور سے سکھر پہنچے، اُدھر کراچی سے مولانا احتشام الحق تھانویؒ بذریعہ خیبر میل سکھر پہنچ گئے تو اب ہر دو حضرات نے سکھر میں حضرت مولانا محمود احمد صاحب تھانوی کے ہاں قیام کر کے بعد از نماز عشاء سکھر

کے مرکزی چوک میں ایک عظیم الشان کانفرنس سے خطاب کیا۔ یہاں حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ نے ''اسلام اور بنیادی انسانی حقوق'' کے عنوان پر دو گھنٹے کے قریب نہایت فاضلانہ خطاب فرمایا، اس کے بعد حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نے جذبہ جہاد کے عنوان پر خطاب فرمایا۔ اگلے دن مؤرخہ ۲۸/ اکتوبر ۶۴ء، صبح ۹ بجے یہ دونوں حضرات بستی بھیل گوٹھ تشریف لے گئے (بھیل اقوام ہندوستان کے وہ قدیم باشندے تھے جو آریوں کی آمد سے قبل برصغیر پاک و ہند میں آباد ہوئے اور ان اقوام کی مختلف آبادیاں سندھ اور اس کے مضافات میں پھیلی ہوئی ہیں) اس علاقہ کے تقریباً چھ سو گھروں نے اسی مہینہ میں اسلام قبول کیا تھا اور اس بستی میں ایک وسیع مسجد کی تعمیر درکار تھی۔ چنانچہ علاقہ کے مشہور مذہبی اور سماجی کارکن حاجی محمد یونس صاحب نے توکلاً علی اللہ پوری مسجد کی بنیادیں کھدوا رکھی تھیں۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی اور علامہ خالد محمود نے اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور بستی میں ثباتِ اسلام پر تقریریں فرمائیں۔ شام کو دونوں حضرات بذریعہ کار روہڑی پہنچ گئے۔ اگلے روز مؤرخہ ۲۹/ اکتوبر بروز بدھ روہڑی شہر میں عشاء کی نماز کے بعد ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں پہلے مولانا احتشام الحق تھانوی نے سورۂ عصر کے موضوع پر نہایت مؤثر تقریر فرمائی اور ان کے بعد حضرت علامہ خالد محمود صاحب نے ''عصمت نبوت'' کے موضوع پر مدلل تقریر کی۔ اس تبلیغی دورہ کا اثر مسلک اہل سنت دیوبند کے حوالہ سے بہت اچھا رہا، اس کے بعد مولانا تھانوی بذریعہ خیبر میل کراچی اور حضرت علامہ صاحب بذریعہ تیز گام لاہور تشریف لے گئے۔ پھر ۳۰/ اکتوبر کو علامہ صاحب نے اپنی مسجد سیکرٹریٹ والی میں نماز جمعۃ المبارک پڑھائی، حسب سابق خطاب فرمایا اور جمعۃ المبارک کے فوراً بعد پیر محل کے سفر پر روانہ ہوگئے جہاں آپ نے مدرسہ منور الاسلام کے سالانہ جلسہ سے خطاب فرمانا تھا۔ لاہور سے ٹرین کے ذریعے آپ میگنجا اسٹیشن پر اترے اور عشاء کی نماز کے بعد آپ نے آیت تکمیل دین پر بڑی عالمانہ اور محققانہ تقریر فرمائی، یکم نومبر ۱۹۶۴ء سے لے کر ۱۱/ نومبر تک لاہور میں مختلف اجلاس اور جلسوں سے خطاب کرتے رہے، پھر مؤرخہ ۱۲/ نومبر ۶۴ء بروز جمعرات بلکسر ضلع چکوال میں بعد از نمازِ ظہر خطاب فرما کر واپس لاہور تشریف لے آئے کیونکہ اگلے دن جمعۃ المبارک تھا، جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب فرمانے اور نماز پڑھانے کے فوراً بعد راولپنڈی کے سفر پر چل نکلے اور ۱۴/ نومبر ۶۴ء بروز ہفتہ دار العلوم امینیہ راولپنڈی کے سالانہ جلسہ سے مفصل خطاب فرمایا۔''

[''دعوت'' ۴/ نومبر ۱۹۶۴ء، لاہور / ہفت روزہ]

اب سے (وقت سطور) کم و بیش ۵۴ سال پہلے جبکہ سفری سہولیات آج کی طرح دستیاب نہیں تھیں، برقی رابطوں کا موجودہ نظم بھی نہیں تھا کہ دورانِ سفر اہل خانہ یا طے شدہ جلسے والوں سے پل پل کی خبر آتی رہے، اس قدر جان لیوا اسفار کر کے چاروں صوبوں میں دین متین کی سربلندی کے لیے پرچم حق بلند کرنے کا کس قدر قابل رشک جذبہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ صاحب کو عطا فرمایا تھا۔ مولانا محمد اقبال صاحب رنگونی نے بندہ کو یہ دلچسپ بات سنائی کہ حضرت علامہ صاحب کی اہلیہ فرمایا کرتی تھیں کہ ہم نے تو ساری زندگی علامہ صاحب کی پیٹھ ہی دیکھی ہے، پیٹ کبھی نہیں دیکھا، یعنی ہمیشہ گھر سے نکلتے ہی دیکھا ہے، داخل ہوتے نہیں دیکھا۔ نہایت لطیف تشبیہ کے ساتھ علامہ صاحب کی رفیقۂ دنیا و آخرت نے جو علامہ صاحب کا

سفری شیڈول بیان کیا ہے، وہ اپنی جگہ دلچسپ تو ہے ہی، فکر انگیز بھی ہے کہ آج ہم اپنے اکابر و اسلاف کے نقش پاء پر چل رہے ہیں یا غفلت و جمود کا شکار ہیں؟

ماہ جولائی ۱۹۶۴ء کے تبلیغی اسفار کی ایک جھلک

۱۹۶۴ء کے دور کے صرف ایک ماہ میں علامہ صاحب کے سفری شیڈول کا ایک اور نظارہ کیجیے۔ تا کہ حضرت علامہ صاحب کی عالی ہمتی اور جذبہ دین کو دیکھ کر اخلاص و وفا کے راہی کے قدوم میمنتِ لزوم سے ہدایت کی کرنیں حاصل کی جا سکیں، چنانچہ ماہ جولائی ۱۹۶۴ء میں علامہ صاحب کے تبلیغی دوروں اور تنظیمی سرگرمیوں کا مندرجہ ذیل پروگرام شائع ہوا تھا:

''حضرت علامہ خالد محمود صاحب کی تبلیغی اور تنظیمی سرگرمیاں''

۴، جولائی......نارووال، سالانہ اجتماع سے خطاب

۵، جولائی......خطاب سالانہ جلسہ دربار صاحب، نارووال

۶، جولائی......شمولیت میٹنگ جمعیت علماء اسلام مغربی، پاکستان

۸، جولائی (دن)......جلسہ سیرت النبی، حسن ابدال

۸، جولائی (شب)......جلسہ ایبٹ آباد شہر

۹، جولائی......راولپنڈی، ہمراہ مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر (ملاقات شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب)

۱۰، جولائی......جمعۃ المبارک، لاہور

۱۱، ۱۲، ۱۳، جولائی......بذریعہ طیارہ کوئٹہ روانگی

۱۴، جولائی......لاہور آمد برائے مقدمہ حافظ نظام دین صاحب، صدر تنظیم اہل سنت، کرشن نگر، لاہور

۱۶، جولائی......میاں چنوں

۱۷، جولائی......جمعۃ المبارک

۱۸، جولائی سے ۲۴ جولائی تک حضرت علامہ صاحب احمد پور سیال، ڈیرہ اسمٰعیل خان، جھنگ، کیمبل پور، کلاچی، کوہاٹ اور سہاوانی ضلع سرگودھا کا تبلیغی دورہ کریں گے (نیز) تنظیمی کارکنوں سے جماعتی تنظیم اور مسلکی استحکام کے مسائل پر تبادلۂ خیالات کریں گے۔'' [نور محمد انور، حافظ ''دعوت'' صفحہ نمبر ۴، ۲۴، جولائی ۱۹۶۴ء۔ لاہور ہفت روزہ]

اختلافات کی افواہ اور ارباب جامعہ اشرفیہ کا علامہ صاحب پر اظہارِ اعتماد:

معاشرہ میں حاسدین چونکہ بالکل فارغ ہوتے ہیں اور وہ از صبح تا شام اپنے محسودین کے خلاف سینکڑوں ٹن مٹی سے کنکری تلاش کر کے اس کا پہاڑ بنا دینے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے اور یوں اپنے تن من کو مبتلائے عذاب رکھتے ہیں۔ حضرت علامہ صاحب کے ساتھ بھی ساری زندگی یہی کچھ ہوتا رہا ہے۔ اور آپ حاسدین کی کرم فرمائیوں کا شکار رہتے تھے۔ کیونکہ ہر صاحب کمال کو حاسدین کی حسد کا سامنا رہتا ہی ہے۔ ابتدائی سطور میں یہ بات ہم لکھ آئے ہیں کہ بانی جامعہ اشرفیہ، لاہور

حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ کو حضرت علامہ صاحب کے ساتھ امرتسر کے زمانہ ہی سے محبت تھی اور وہ اپنی نظر کیمیا سے پہچان چکے تھے کہ یہ فقط لعلِ بدخشاں ہی نہیں بلکہ لعل شب چراغ ہے۔ قیام پاکستان کے بعد علامہ صاحب جب سیالکوٹ منتقل ہوئے تو بھی آپ کا اپنے برادر گرامی پروفیسر احسان الحق قریشی مرحوم کے ساتھ حضرت مفتی صاحب سے مستقل رابطہ رہا اور باقاعدہ آمد و رفت رہی، پھر جب علامہ صاحب لاہور منتقل ہو گئے تو حضرت مفتی صاحب نے اس قدر اپنا قرب مہیا کیا کہ علامہ صاحب کو اپنا بیٹا قرار دے دیا۔ بلکہ جامعہ اشرفیہ کی مسجد میں حضرت علامہ صاحب جب خطاب کرتے تھے تو حضرت مفتی صاحب اپنے کمرے کا دریچہ کھول کر شوق سے بیان سماعت کیا کرتے تھے۔ جب بعض حضرات نے حضرت علامہ صاحب پر ارباب جامعہ اشرفیہ کی یہ شفقتیں مسلسل محسوس کیں تو ان کے پیٹ میں گُدگدی ہونے لگی اور ایک مقامی ہفت روزہ میں یہ بے بنیاد افواہیں گردش کرنے لگیں کہ جامعہ اشرفیہ والوں کے ساتھ علامہ صاحب کے اختلافات پیدا ہو چکے ہیں۔ یہ صورتحال دیکھ کر ہفت روزہ ''دعوت'' میں جامعہ اشرفیہ، لاہور کے منتظمین کی جانب سے اس قسم کی افواہوں سے اعلان لاتعلقی اور حضرت علامہ صاحب پر اظہارِ اعتماد کیا گیا۔ ملاحظہ کیجیے:

حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالرحمٰن صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ، لاہور کا اعلان

''ایک مقامی ہفت روزہ پرچے نے یہ اثر دینے کی کوشش کی ہے کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحب کے ساتھ جامعہ اشرفیہ والوں کے کچھ اختلافات ہیں۔ یہ خبر انتہائی ناقابل اعتبار ہے۔ حضرت علامہ صاحب کے ساتھ جامعہ اشرفیہ کے اور جامعہ اشرفیہ کے حضرت علامہ صاحب سے وہی تعلقات ہیں جو حضرت مفتی صاحب قدس سرہ العزیز کی زندگی میں تھے(آ)۔ ہمیں اور ہمارے اکابر علمائے کرام کو حضرت علامہ صاحب اور ان کے علم پر پورا پورا اعتماد ہے۔ جامعہ اشرفیہ اور اس کے اکابر حضرت علامہ صاحب کے لیے دعا گو ہیں۔ میں جامعہ کے متوسلین اور متعلقین سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ باہمی تخالف کی کسی ایسی خبر کا یقین نہ کریں......

فقیر عبدالرحمٰن عفی اللہ عنہ۔ جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن، لاہور۔'' [''دعوت'' صفحہ نمبر ۱۵، ۲۴ر جولائی ۱۹۶۴ء/لاہور/ہفت روزہ]

ہم نہ چاہتے ہوئے بھی ایک بار پھر اس افسوسناک رویہ کا ذکر کریں گے جو حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ کے سوانح نگار نے روا رکھا ہے اور اس میں جامعہ اشرفیہ کے موجودہ اکابر کا تغافل بھی شامل سمجھا جائے تو ناانصافی نہیں ہوگی۔ وہ علامہ خالد محمود کہ جن کو مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ نے اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا، اور ایک وقت تھا کہ جب اشرار کوئی فتنہ پرور افواہ پھیلاتے تو ارباب جامعہ اشرفیہ اس کی پُرزور تردید کرتے تھے اور حضرت علامہ صاحب کے تبحر علمی پر مکمل اعتماد و اعتراف کرتے تھے اور ایک آج کا ستم بھی ملاحظہ ہو کہ ''احسن السوانح'' میں حضرت علامہ صاحب کا ذکر نہ متعلقین میں ہے نہ متوسلین میں، نہ محبین میں ہے اور نہ اساتذہ یا

(آ) حضرت مفتی صاحب کا وصال یکم جون ۱۹۶۱ء کو ہوا تھا۔

نوٹ: حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ کو یہاں ''مہتمم جامعہ'' لکھا گیا تو سہو کاتب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس وقت آپ کے برادر کبیر حضرت مولانا عبید اللہ **المفتیؒ** کے پاس نظم اہتمام تھا اور آپ نائب مہتمم تھے۔

شاگردوں میں! غضِ بصر، تو تا چشمی اور بے اعتنائی کی انتہا ہوگئی۔ ہمیں تو اس موقع پر وہ کرم فرما بھی خوب یاد آرہے ہیں جنہوں نے بھرے مجمع میں حضرت علامہ صاحب کی خدمت میں آکر ایک خطیر رقم بطور ہدیہ پیش کی تھی اور ساتھ ہی یہ مشورہ بھی دیا کہ مذکورہ رقم کتابوں کی اشاعت میں صَرف کر دیں یا اپنی صوابدید پر جہاں چاہیں، آپ کو اختیار ہے مگر کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت علامہ صاحب کا انتقال ہوگیا تو ہدیہ دینے والوں نے علامہ صاحبؒ کے احباء وخدام سے رقم کی واپسی کا مطالبہ کر دیا کہ وہ رقم بطور قرض دی گئی تھی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ فی الحال اس قضیہ کی اتنی ہی تفصیل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ وقت نہ لائے کہ ہمیں اس کی تمام جزئیات کو عوام کے سامنے لانا پڑے وگرنہ بڑے بڑے مقدس، بزعم خویش تقویٰ میں مُغرّق اور مُرتاض لوگوں کے چہروں سے پارسائی کا میک اَپ اتر جائے گا۔

تحریک تنظیم اہل سنت میں علامہ صاحب کا مخلصانہ کردار

تنظیم اہل سنت پاکستان کا مختصر حال ابتداء میں گزر آیا ہے۔ تفصیلات کا یہ موقع نہیں اور نہ ہی مزید یہ مقالہ متحمل ہے کہ تحریک تنظیم اہل سنت کی مکمل تاریخ قلمبند کی جائے۔ الحمد للہ بندہ نے اپنی کتاب ''تذکرہ مولانا محمد نافع'' (مطبوعہ ۲۰۱۵ء) میں کافی کچھ پیش کر دیا ہے ارباب تحقیق مراجعت فرما کر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ علامہ خالد محمودؒ نے سردار احمد خان پتافی مرحوم اور حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ کی تحریک پر نوجوانی میں ہی تنظیم میں شمولیت اختیار کر لی تھی اور پھر زندگی کے آخری سانسوں تک تنظیم سے ہی وابستہ رہے۔ اس دوران بے شمار نشیب وفراز گزرے، کئی ایک مد وجزر سے واسطہ پڑا جن میں بعض گفتنی اور بعض ناگفتنی ہیں مگر علامہ صاحب چونکہ ایک مشنری اور نظریاتی سوچ کے عالم دین تھے اس لیے آپ کے پایہ استقلال میں کبھی لغزش نہ آئی۔ باوجودیکہ سیاسی طور پر جمعیت علماء اسلام کے ساتھ لمبی وابستگی رہی اور جب تحریک خدام اہل سنت کا قیام (مئی ۱۹۶۹ء میں) عمل میں آیا تو حضرت قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کی قائم کردہ اس جماعت کے ساتھ بھی خوب چلے، اگرچہ حضرت قاضی صاحبؒ کے ساتھ ذاتی تعلقات ۱۹۵۲ء کے زمانہ سے چلے آرہے تھے۔ تاہم مستقل آپ کا تعلق تنظیم اہل سنت کے ساتھ ہی رہا۔ حضرت علامہ صاحب کا ہفت روزہ ''دعوت'' میں شائع ہونے والا ایک اداریہ اس وقت ہم زیب قرطاس کرتے ہیں جسے پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ آپ کے دل میں تحریک اور تنظیم کا کس قدر درد موجود تھا؟ اس اداریہ کا عنوان ''تردید و مدافعت سے تنظیم وتعمیر کی طرف'' ہے۔ علامہ صاحب لکھتے ہیں:

> ''ملک وملت میں بڑے بڑے اہل علم وعمل اور ارباب فکر ونظر گزرے آج بھی دنیا اہل عقل وبصیرت اور اصحاب افکار وکردار سے خالی نہیں ہے۔ ہمارے ماضی اور حال میں آسمانِ تعلیم وتدریس، ملکی سیاست وقیادت اور مطلع صحافت ونگارش پر سینکڑوں روشن ستارے جگمگاتے نظر آتے ہیں لیکن اسے ملت اسلامیہ کی بدقسمتی کہیے یا مسلک حقہ کی بے نصیبی! کہ مذہب حقہ اہل سنت کی خدمت و اشاعت اور ملت کی بقاء وحفاظت کا کسی کو بھولے سے بھی خیال نہ آیا، اگر دریا میں سکون وجمود ہوتا تو بھی ہمیں اپنے تعطل وتغافل پر تحیر واستعجاب نہ ہوتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سینکڑوں مسیحی مشنری یورپین حکومتوں کی سرپرستی اور امریکن سرمائے کی مدد سے ہمارے

بیشتر افراد غرقاب کرتے رہے۔ دیانند کا سیلاب آیا۔ مرزا غلام احمد کا طوفان اٹھا اور ہزاروں بے نظم و بے مرکز مسلمانوں کی متاعِ ایمان کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا۔ تشیع کی آندھی آئی اور لاکھوں آوارہ اور بے سہارا سینوں کا سفینہ ایمان ڈبو گئی مگر ہمارے بڑے علماء وفضلاء بڑے بڑے صلحاء و مشائخ بڑے بڑے مفکر و مدبر بڑے بڑے رہنما اور بڑے بڑے زاہد و عابد اور بڑے بڑے نیکوکار و شب زندہ دار اصحاب ساحل ساحل خراماں خراماں یہ سارا تماشہ دیکھتے رہے۔

ڈبویا تھا جہاں طوفان نے ہم کو
وہاں سب تھے خدا کیا ، نا خدا کیا!

ان بدنصیب ڈوبنے والوں پر کسی کو ترس نہ آیا۔ ان بدقسمت غرق ہونے والوں کو بچانے کے لیے کوئی بحر ہمت کا شناور نہ لپکا، کوئی بازوان کو سہارا دینے کے لیے آگے نہ بڑھا، کنارے پر مسند نما مصلی بچھا اور تکیہ لگا کر میٹھی میٹھی عبادتوں میں تو شب و روز لاکھوں مخلصین مصروف اور کروڑوں اہل حق مشغول رہے لیکن ان بے یار و مددگار مغرقین کو طوفان و تلاطم سے بچانے اور بحر کفر سے نکالنے کے لیے کوئی بندۂ خدا باطل کی موجوں سے لڑنے اور الحاد وارتداد کی لہروں سے گتھم گتھا ہونے پر آمادہ نہ ہوسکا اِلا ماشاء اللہ۔ اگر کچھ اولوالعزم اور ارباب ہمت آگے بڑھے بھی، تو ان کی مساعی اپنی ذات تک محدود رہیں، وہ کسی جماعت کو اپنے گرد و پیش جمع کر کے میدان عمل میں نہ نکل سکے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک فرد ایک یا دو افراد ہی کو بچا سکتا ہے۔ ہزاروں ڈوبنے والوں کو تو تیراکوں کی منظّم جماعت اور شناوروں کی پوری جمعیت ہی موت کے منہ سے نکال سکتی ہے۔ یہ توفیق رب العزت نے اگر بخشی ہے تو مرکز تنظیم اہل سنت کے بانی اور کارکن حضرات کو، اور یہ سعادت اگر قسام ازل نے ودیعت فرمائی تو مبلغین تنظیم اہل سنت کو! اور اس رحمت و عنایت ربانی پر ہم بارگاہ رب العزت میں جس قدر ہدیہ تشکر و سپاس پیش کریں، کم ہے الحمد للہ علٰی ذالک حمدًا کثیرًا۔“

[”دعوت“ اداریہ بہ قلم سلطان العلماء علامہ خالد محمودؒ ۲۹ مارچ ۱۹۶۳ء، لاہور ہفت روزہ]

تحریک تنظیم اہل سنت کے چند مخلص حضرات (منظوم تعارف از حافظ نور محمد انور مرحوم)

حافظ نور محمد انور کا نام بھی تحریک تنظیم اہل سنت کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا، ہفت روزہ ”دعوت“ لاہور کے دفتر میں آپ منتظم دفتر رہے اور اس زمانہ میں ”دعوت“ کی پرنٹنگ سے لے کر ترسیل و فروختگی تک کے سارے معاملات اور حسابات کے فرائض کو انہوں نے نہایت جانفشانی کے ساتھ ادا کیا تھا، اصلاً کالا باغ ضلع میانوالی کے رہنے والے تھے اخیر عمر میں مکتبہ الفاروق کے نام سے اپنا مکتبہ بھی چلاتے رہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو گئے۔ انہوں نے اب سے کم وبیش ۵۷ سال پہلے تنظیم اہل سنت کے علماء مناظرین اور شعراء و مبلغین کے اسماء اپنے منظوم کلام میں جمع کر کے شائع کئے تھے، یاد رہے کہ حافظ صاحب مرحوم شاعری بھی کرتے تھے اور ”تنویرات“، ”جذبات غم“ نیز ”انوارِ سخن“ کے نام سے ان کے کتابچے بھی متعدد مرتبہ شائع ہو چکے ہیں، نظم ملاحظہ کیجیے

آ سناؤں میں تجھے ان ہستیوں کی داستاں
نام دنیا میں سدا جن کا رہے گا ضوفشاں

بانی تحریک ان میں پہلے احمد خان[۱] تھے
جو لباسِ سادگی میں آدمی ذی شان تھے
بعد ان کے جانشین سردار ہیں عبدالرحیم
ان کو دینی خدمتوں کا دے صلہ رب کریم
سرپرست تنظیم کے ہیں نائبِ احمد علیؒ[۲]
ہیں وہ تاریخ شریعت میں بعنوانِ جلی
بعد ان کے ہیں بخاری سید نور الحسن
دم قدم سے جن کے ہے تنظیم کا رنگیں چمن
ہیں صحافت اور خطابت میں بھی جو کہ بے نظیر
منتخب شوریٰ نے جن کو کر لیا ہے اب امیر
تیسرے اس کارواں کے ہیں قریشی[۳] باصفا
جن کی تقریروں سے ملتا ہے ہمیں درسِ وفا
جس جگہ پہنچے قریشی پیکر عالی دماغ
ہوگئے ہیں گل وہیں سب شرک و بدعت کے چراغ
ہیں چہارم خالد محمود[۴] فاضل نوجوان
جو کہ علم دینِ قیم کے ہیں بحرِ بیکراں
فلسفہ میں اور منطق میں بھی جو ہیں بے مثال
اور ہیں حاضرِ دماغی میں بھی یکتائے کمال
پانچویں فاضل اجل ہیں ان میں حضرت تونسوی[۵]
جن کے دل میں موجزن ہے اُلفت ِ دین نبی
ہیں چھٹے اک قائم دیں[۶] واعظِ شیریں مقال
جن کی ہر تقریر ہوتی ہے یقیناً بے مثال
ساتویں اس کارواں کے ہیں ضیا القاسمی
نام سے جن کے ہراساں ہیں جہاں کے بدعتی
ہیں شاعرِ تنظیم پہلے ان میں شوقی اسعدی

جن کے شعر و فکر کا مرکب ہے فرسِ شاعری
آٹھویں ہیں شاعرِ تنظیم کمتر(۷) نوجواں
حلقۂ تنظیم کو ہے فخر اُن پر بے گماں
ہیں نویں ان میں عطا اللہ قاری لا جواب
اور عنایت معظم دسویں ہیں عالی جناب
گیارہویں ہیں حافظ اللہ وسایا خوش بیاں
بارہویں صوفی کریم بخش ہیں شیریں زبان
تیرہویں ہیں طالب حق اور مناظر چودھویں
پندرہویں اجمل ہیں اور الیاس صاحب سولہویں
سترہویں ہیں عبدِ حئی اٹھارویں قادر، عزیز
عظمت ِ کردار کا پیکر ہے ہر اک باتمیز
انیسویں صدیق ہیں اور بیسویں ہیں افتخار
اور ہیں اکیسویں رحمان و شبلی ذی وقار
شاکر و چشتی و احمد ہیں سارے بالیقیں
موجزن ہے ان کے دل میں عشق ختم المرسلین
حفظِ اصحابِ محمد ﷺ ان کا نصب العین ہے
الفت یارانِ حضرت میں ہر اک بے چین ہے
خدمت ِ تبلیغ دیں میں رات دن مصروف ہیں
بندگانِ حق زمانے بھر میں یہ معروف ہیں
ان کی دینی خدمتوں کو ہم بھلا سکتے نہیں
اور خلاف ان کے قدم کوئی اٹھا سکتے نہیں
ملت اسلام پر ان کے بڑے احسان ہیں
کارنامے بالیقین ان کے عظیم الشان ہیں
یا خدا دنیا میں یہ تحریک تا بندہ رہے
ہر مبلغ اس کا انورؔ دیر تک زندہ رہے

(۱) سردار احمد خان پتافیؒ (بانی تنظیم) (۲) حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ (۳) حضرت مولانا دوست محمد قریشیؒ (۴) سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ (۵) مناظر اعظم حضرت علامہ عبد الستار تونسویؒ (۶) مولانا قائم الدین عباسیؒ (۷) جناب استاذ الشعراء خان محمد کمتر مرحوم

تنظیم، محمود عباسی اور فتنہ مماتیت سے دُور رہے، علامہ صاحب کا مشورہ اور اکابر کی تصویب:

ستمبر۱۹۶۲ء میں پاکستان کے اندر مذہبی اور سیاسی دونوں طرح سے ملک میں ہلچل تھی۔ صدر ایوب کے مارشل لاء کے زیر سایہ بھولی بھالی ''جمہوریت'' جنم لے چکی تھی اور دوسری جانب مذہبی اعتبار سے دیوبندی حلقوں میں دو طوفان اٹھ چکے تھے ایک تو محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافتِ معاویہ و یزید'' اپنے مسخرہ پن کی وجہ سے سطحی درجہ کے لوگوں میں یہ تاثر پیدا کر رہی تھی کہ حضرت سیدنا معاویہؓ کے ساتھ عقیدت و محبت کا دم بھرنے کے لیے یہ لازمی ہے کہ یزید کی تعریفیں اور آل نبی میں سے حضراتِ حسنین کریمینؓ کی تنقیص شان کی جائے۔ اس وقت پنجاب میں محمود احمد عباسی کے ان افکار کو عوام میں لانے کا وبال مجلس احرار اسلام کے بزرگوں کے سر ہے کیونکہ مولانا سید **عطاء المنعم** شاہ صاحب بخاری اور مولانا سید **عطاء المحسن** شاہ بخاری مرحوم پہلے سے ہی سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف میں عوامی جلسوں سے خطاب کر رہے تھے، یہ ایک مستحسن عمل تھا مگر اس میں شدت در آنے سے یہ حضرات عباسی افکار کے مناد بھی بن بیٹھے تھے۔

دوسرا بڑا طوفان جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ کے زیر پرچم فتنہ کی صورت میں اٹھ چکا تھا جس نے نبی ﷺ کی حیات فی القبر کے اجماعی عقیدہ کا انکار کر کے اہل دیوبند کو دو حصوں میں منقسم کر دیا تھا۔ علامہ خالد محمود صاحبؒ نے سب سے پہلے مناظرانہ اور عالمانہ انداز میں ''مقام حیات''، لکھی تھی اور یوں یہ سہرا بھی تنظیم اہل سنت کے سر سجتا ہے (اس کی مکمل تفصیلات ماقبل کے صفحات میں گزر چکی ہیں اور وہاں حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی کی کتاب ''رحمت کائنات'' کا ذکر بھی ہے)۔ یہ اہل سنت دیوبند کے لیے انتہائی کڑا وقت تھا۔ فتنہ مرزائیت اور تشیع باہر سے اور متذکرہ بالا دو طبقے اندر سے اس مسلک کے تازہ خون، یعنی نوجوانوں کو ورغلا رہے تھے۔ چنانچہ ان حالات میں ستمبر۱۹۶۲ء میں تحریک تنظیم اہل سنت کا ایک نمائندہ اجلاس مرکز اہل سنت بیرون بوہڑ گیٹ ملتان میں منعقدہ ہوا، اس اجلاس کی کارگزاری اور بالخصوص علامہ خالد محمود کی جانب سے پیش کی جانے والی اہم تجاویز پیش خدمت کی جا رہی ہیں، یاد رہے کہ ان تجاویز کو بطور تنظیم پالیسی کے طور پر قبول کیا گیا تھا جس سے حضرت علامہ صاحب کے تفوق علمی اور صائب الرائے ہونے کا مزید ثبوت ملتا ہے، اجلاس کی روداد پڑھیے:

> ''ملک میں جمہوریت بحال ہونے کے بعد کارکنان تنظیم اہل سنت کا یہ پہلا مرکزی اجلاس تھا جس میں بدلے ہوئے حالات کی روشنی میں جماعتی کارکردگی پر پورا غور و خوض کیا گیا۔ قبل ازیں کارکنانِ تنظیم ''جماعت اہل سنت'' کے نام سے تنظیمی کام سرانجام دیتے رہے جس کے امیر حضرت مولانا دوست محمد صاحب قریشی رہے۔ ہاں لاہور ڈویژن میں تنظیم اہل سنت کے نام سے مرکزی حیثیت سے کام ہوتا رہا جس کی سرپرستی علامہ خالد محمود صاحب فرماتے رہے۔ ملتان کے اس اجلاس میں تقریباً سب پرانے تنظیمی

زعماء اور کارکن شامل تھے۔ تنظیم اہل سنت کو با قاعدہ طور پر بحال کیا گیا۔ تنظیم اہل سنت پاکستان کی اس بحالی کے ساتھ ہی علامہ خالد محمود صاحب نے لاہور کی مرکزی تنظیم کا اس کے ساتھ الحاق کر دیا اور ایک ہی تنظیم باقاعدہ قیام پذیر ہوئی۔ علامہ خالد محمود صاحب نے اس الحاق کے لیے بنیادی دو شرطیں پیش کیں جنہیں مجلس مبلغین تنظیم نے بالاتفاق منظور کرلیا۔ علامہ صاحب کی پہلی شرط یہ تھی کہ مبلغین تنظیم کی پالیسی اور طریق کار ایسا ہرگز نہ رہے کہ خود ان کا اپنا مسلک اہل سنت مشتبہ ہو کر رہ جائے۔ اہل سنت کے اجماعی عقائد مثلاً حیات النبیؐ کے متعلق تنظیم کے مبلغین کی پالیسی واضح رہنی چاہیے کہ ان کے نزدیک ان اجماعی عقائد کے انکار کو قبول کرنے کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ ثانیاً حضراتِ حسنینؓ کے متعلق محمود احمد صاحب عباسی کے انداز فکر کی ہم نوائی نہ کی جائے۔ مولانا دوست محمد قریشی اور دیگر مبلغین نے ہر دو امور کے متعلق علامہ صاحب سے اتفاق فرمایا اور کہا کہ وہ ان ابواب میں اکابر دیو بند کے مسلک سے سرمو تجاوز کرنے کو تیار نہیں اور علمائے دیو بند کو ہی ان اختلافات میں وہ حق پر سمجھتے ہیں۔ نیز یہ کہ تنظیم کی پالیسی ہرگز کسی طرح مشتبہ نہ رہنے پائے گی۔ اس اجلاس کی صدارت مجاہد اہل سنت حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری نے فرمائی۔ [''دعوت'' صفحہ نمبر ۱۰، ۲۱ ستمبر ۱۹۶۲ء/لاہور، ہفت روزہ]

ابو یزید محمد دین بٹ کی کارستانی اور حقیقتِ حال

۳ جنوری ۱۹۶۴ء کے تنظیمی اخبار ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور کے آخری صفحہ پر ''مولود مسعود'' کے نام سے مندرجہ ذیل خبر چھپی تھی:

''محترم محمد دین صاحب بٹ، چوک شہید گنج لاہور کو اللہ تعالیٰ نے فرزند ارجمند عطا فرمایا ہے، موصوف نے اپنے اس بچے کا نام ''محمد یزید'' رکھا ہے احباب اس بچے کی درازئ عمر کے لیے دعا فرمائیں۔''

یہ محمد دین بٹ وہی ہیں جن کی بدنام زمانہ کتاب ''خلافت رشید ابن رشید'' ہے اور یہ کتاب یزید کی حمایت میں لکھی گئی تھی، یہ نہایت متشدد قسم کے یزیدی تھے جو بطور تفاخر اپنے نام کے ساتھ ''ابو یزید'' کنیت لکھتے تھے۔ محمود احمد عباسی کے افکار سے بے حد متاثر تھے اور لنڈا بازار میں آئرن کا کاروبار کرتے تھے، ساتھ ساتھ یزید کی حمایت اور آل نبی کی تنقیصِ شان میں کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے جس بیٹے کا نام ''یزید'' رکھا تھا، اس کی دلچسپ داستان بھی اپنے مقام پر درج ہوگی ان شاء اللہ۔ انہوں نے اپنی کتاب ''رشید ابن رشید'' کا وہ حصہ جو حضرت معاویہؓ کے مناقب پر مشتمل تھا، تنظیم اہل سنت کے بعض بزرگوں کو ارسال کر کے اس پر تقریظیں لکھوا لیں اور جب کتاب شائع کی تو یزید کے دفاع والا حصہ شامل کر کے متذکرہ تقریظیں شامل اشاعت کر دیں، جس سے یہ تاثر پیدا ہوا کہ علماء کرام نے اس کتاب کی تائید کی ہے۔ جبکہ صورتحال اس سے برعکس تھی۔ یہ بزرگ اپنے ممدوح یزید کی طرح کافی شاطر اور مکار طبیعت کے مالک تھے۔ جنہوں نے علماء کرام کی شرافت طبعی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مذکورہ حرکت کا ارتکاب کر ڈالا تھا۔ ان کے اس عمل سے علماء کرام کی اچھی خاصی سبکی ہوئی تھی اور روافض کو بھی پروپیگنڈہ کرنے کا ایک موثر ہتھیار مل گیا تھا۔ ان کی دوسری کتاب '''اصحاب رسول اور واقعہ کربلا'' بھی ہے اور مزید چند کتابچے نظر سے گزرے ہیں

جن میں قدرے مشترک دفاع یزید ہے۔ اِدھر ہفت روزہ ''دعوت'' میں جب یہ خبر شائع ہوئی تو معرضین کے وہم میں اضافہ ہونا یقینی تھا۔ اب یہاں جو ابو یزید نے کرتب دکھایا تھا اس کی تفصیل بھی ملاحظہ فرما لیجیے۔ حضرت علامہ خالد محمودؒ نے اپنے دور قیام خانیوال (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) میں ''دعوت'' کی ادارت عارضی طور پر مولانا عبدالرشید صاحب ارشد مرحوم کے سپرد اور مدیر معاون تابش کامران کو بنادیا تھا۔ جبکہ منیجر دفتر حسب دستورِ سابق حافظ نور محمد انور مرحوم تھے۔ بندہ نے حضرت علامہ صاحب سے اس قضیہ کے متعلق پوچھا تھا تو حضرت علامہ صاحب نے فرمایا کہ میں تو اس وقت خانیوال میں ہوتا تھا اور اگر لاہور میں بھی ہوتا تو کونسا ''دعوت'' کے دفتر میں بیٹھا رہتا تھا، مسلسل تبلیغی اسفار، کالج کی ملازمت اور تصنیف و تالیف کی مصروفیات وغیرہ وغیرہ میں سر کھجانے کی فرصت بھی نہیں ملتی تھی۔ یہ محمد دین بٹ صاحب ہفت روزہ ''دعوت'' کے دفتر گئے، تعارف تو تھا ہی اور مذہبی حلقوں میں ان کی شناخت بھی تھی۔ وہاں جا کر حافظ نور محمد انور مرحوم سے کہا کہ میرے ہاں لڑکا ہوا ہے جس کا نام میں نے ''بایزید'' رکھا ہے لہٰذا آپ میرے نومولود کی خبر ''دعوت'' میں چھاپ دیں، اس وقت ''دعوت'' کی کتابت غلام محمد خوش نویس کیا کرتے تھے، حافظ نور محمد صاحب مرحوم نے کہا کہ میں تو بے حد مصروف ہوں، آپ ایک مختصر خبر بنا کر فلاں جگہ پر موجود کاتب کے حوالے کر دیں تاکہ وہ اسے ''دعوت'' میں کتابت کر دے۔ محمد دین بٹ صاحب کے خبثِ باطن کو اب کوئی معقول اور مہذب انسان کیسے جان لیتا؟ چنانچہ یہ وہاں سے چل کر کاتب کے پاس گئے اور خبر میں اپنے نومولود کا نام ''محمد یزید'' لکھ کر دے دیا، باقی رسالہ چونکہ کتابت ہو چکا تھا، تو یہ خبر لگا کر رسالہ حوالہ پریس کر دیا گیا اور یوں ابو یزید محمد دین بٹ صاحب کی مکاری اور یزیدیت کا داؤ کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد تنظیم اہل سنت پاکستان کے مرکزی امیر حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مفصل مضمون لکھا تھا جس کا عنوان **''لعنت الله على الكاذبين''** تھا اور ہم نے اپنی کتاب ''دفاع حضرت حسینؓ'' (طبع اول ۲۰۱۴ء) میں حضرت شاہ صاحب کا مذکورہ مکمل مضمون شامل کتاب کر دیا ہے۔ یہ مضمون اس زمانہ میں ہفت روزہ ''دعوت'' اور ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور میں شائع ہوا تھا جس میں صراحتاً ابو یزید محمد دین بٹ اور ان کی کتاب ''خلافت رشید ابن رشید'' سے سخت لب و لہجہ میں اظہار لاتعلقی کیا گیا تھا۔ چنانچہ ایک جگہ مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ فرماتے ہیں:

''میں واضح طور پر اعلان کرتا ہوں کہ ہم سیدنا حسینؓ اور یزید کے مقابلہ میں نہ یزید کے حامی ہیں اور نہ سیدنا حسینؓ کے مخالف، ہم آپؓ کے اعداء و مخالفین کو ملعون و مردود سمجھتے ہیں۔ درحقیقت سیدنا حسینؓ اور یزید کی شخصیت میں موازنہ و تقابل کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یزید، حسینؓ کی خاکِ پا کو بھی نہیں پہنچ سکتا اور لاکھ یزید جمع ہوں تو مرتبہ میں ایک حسینؓ کے برابر نہیں ہو سکتے۔ سیدنا حسینؓ نہ صرف حضورؐ کے صحابی ہیں بلکہ حضورؐ کے لختِ قلب و جگر ہیں۔ آپ کی محبت حضورؐ کی محبت ہے اور آپ کا بُغض و عداوت حضورؐ سے بُغض و عداوت ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ آپؓ مظلومیت کا پیکر ہیں اور دشتِ کربلا میں انتہائی بے دردی و سنگ دلی سے شہید کیے گئے۔

میں غیر مبہم الفاظ میں اعلان کرتا ہوں کہ ہم نے کتاب ''خلافت رشید ابن رشید'' کی قطعاً کوئی تصدیق و تائید نہیں کی، نہ اس

کے مضامین و مندرجات سے ہمارا کوئی تعلق ہے۔ اس میں جو باتیں صحیح ہیں، صحیح ہیں اور جو مسلک حق اہل السنۃ والجماعۃ کے خلاف ہیں، ہم ان سے بری الذمہ ہیں۔'' [''خدام الدین'' ہفت روزہ ۲۷ر۸، اگست ۱۹۶۵ء/ لاہور]

حضرت علامہ خالد محمود کی گزشتہ سطور میں دی گئی وضاحت اور مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ کے مضمون کا یہ اقتباس اپنے حرف حرف کے ساتھ اس تاریک پہلو سے نہ صرف اعلان لاتعلقی بلکہ اظہارِ نفرت کر رہا ہے، جس کی رُو سے سیدنا امام عالی مقام حضرت حسینؓ کے مقابلہ میں یزید بے دید کی مدح سرائی کی گئی تھی۔ یہی تنظیم اہل سنت کے اکابرین کی تنظیمی پالیسی تھی اور اس کے برعکس وہ ہر قسم کی کتاب، مصنف یا نظریہ وروش سے بری تھے۔ اسی طرح محمود احمد عباسی کی کتاب کے پہلے اڈیشن میں جو سردار احمد خان پتافی رحمۃ اللہ علیہ کا خط لگایا گیا تھا وہ بھی تائیدی خط نہیں تھا کہ جسے ''خلافت معاویہ ویزید'' کے تمام تر مندرجات کی تصدیق قرار دیا جاسکے۔ عباسی صاحب کی کتاب میں بھرا گیا زہر آہستہ آہستہ اہل علم پر منکشف ہوتا گیا تو وہ ساتھ ہی ساتھ اس کا تریاق کرتے چلے گئے تا آنکہ دیوبند مکتب فکر کی طرف سے عباسی صاحب کی تردید میں درجنوں کتابیں منصۂ شہود پر آگئیں اور اس کا اعتراف خود علماء شیعہ نے بھی کیا ہے مثلاً مولانا سید طیب الجزائری رقمطراز ہیں:

''اُن (محمود احمد عباسی) کے خلاف انہی کے ہم مذہب علماء نے ان کے بخئے ادھیڑنا شروع کر دیئے اور اس رسوائے عالم کتاب کے ایسے منہ توڑ جواب لکھے کہ باید وشاید۔ حضرات اہل سنت نے تو جواب لکھ کر اپنا حق ادا کر دیا اور اس کتاب سے اپنی برأت کا ثبوت دے دیا لیکن اس سلسلہ میں ہم پر بھی کچھ فرض عائد ہوتا ہے۔''

[سید طیب آغا الجزائری، آفتاب شہادت: ۱ر۲۳، مطبوعہ ادارہ علوم آل محمد جون ۱۹۶۵ء/ لاہور]

یہاں یہ بات اہل علم کے پیش نظر رہے کہ اُس دور میں تنظیم اہل سنت کے اندر واقعتاً کچھ افراد ایسے تھے کہ جو عباسی افکار سے متاثر ہوگئے تھے اور یہ ایک امر طبعی تھا، کیونکہ تنظیم، اہل تشیع کا ہر محاذ پر مقابلہ کر رہی تھی تو ردعمل میں کسی خارجی عوامل سے بعض کا متاثر ہو جانا ممکنات میں سے ہے۔ تاہم گنتی کے چند بے اختیار لوگوں کے اس عمل کا الزام اکابرینِ تنظیم کو نہیں دیا جاسکتا، یہی انصاف کا تقاضہ ہے۔

علامہ صاحب کا قیامِ خانیوال

۱۹۶۲ء سے لے کر ۱۹۶۵ء کے اواخر تک علامہ صاحب کی پوسٹنگ خانیوال میں ہوگئی تھی اور یہاں آپ بطور وائس پرنسپل اسلامیہ ڈگری کالج مقرر ہوگئے۔ علامہ صاحب کی تحریکی اور دینی وعلمی زندگی میں قیام خانیوال کا یہ مختصر عرصہ بھی ایک طویل روداد کا متقاضی ہے بشرطیکہ اس کے مکمل احوال کی تحقیق کی جائے۔ ہم اپنی بساط کے مطابق جتنی کچھ تحقیق کر سکے ہیں وہ یہاں نذر قارئین کرتے ہیں۔

خانیوال میں معروف کاتب جناب حفیظ الحق صدیقی صاحب نے علامہ صاحب کی کم وبیش ۴۰ر کتابوں کی کتابت کی ہے جن میں ضخیم کتابیں اور کتابچے و اشتہارات شامل ہیں۔ صدیقی صاحب کے والد گرامی حاجی صادق محمد صاحب اس دور میں علامہ

صاحب کے معتقد تھے اور اکثر و بیشتر نماز جمعۃ المبارک پڑھنے علامہ صاحب کے پاس خانیوال آتے تھے۔ خانیوال میں علامہ صاحب کا قیام شیخ محمد رفیق کے مکان میں ہوتا تھا جنہوں نے اپنے ایک بیٹے کا نام علامہ صاحب سے متاثر ہو کر ''خالد'' رکھا تھا اور آج کل وہ ڈاکٹر خالد رفیق کے نام سے خانیوال میں معروف ڈاکٹر ہیں۔ یہاں علامہ صاحب کے مہر شہادت خان اور مہدی خان، مکھڈ چپل ہاؤس والوں کے ساتھ قریبی مراسم تھے۔ کالج میں ملازمت کے ساتھ علامہ صاحب خانیوال، ملتان، کبیر والا، میاں چنوں، لودھراں اور گرد و نواح کے دیگر شہروں میں منعقد ہونے والے دینی اجتماعات میں خطابات کے لیے تشریف بھی لے جاتے تھے اور ہفت روزہ دعوت کی نگرانی کے سلسلہ میں پندرہ یوم کے بعد لاہور تشریف لاتے تھے۔ یہاں مجلّہ ''دعوت'' کی ترتیب و ترسیل اور اہل خانہ کی خبر گیری کرنے کے بعد واپس خانیوال تشریف لے جاتے تھے۔ خانیوال میں غلہ منڈی کے اندر واقع اوقاف کی جامع مسجد میں آپ نے خطابت بھی شروع کر دی اور دروس قرآن و حدیث بھی مختلف مساجد میں دینے لگے تھے۔ صدیقی صاحب نے کاتب السطور کو بتایا کہ یہ وہ مسجد ہے جہاں بعد میں معروف خطیب مولانا محمد سلیمان طارق بھی جمعۃ المبارک پڑھاتے رہے۔
علامہ صاحب اپنے علمی خطبات میں بدعات و رسومات کی تردید اور توحید و سنت کی تشریح و تبلیغ فرماتے تھے جس سے بعض کم فہم لوگوں نے مخالفانہ فضاء پیدا کر دی اور انہوں نے کالج کے پرنسپل عبدالباری مرحوم سے مطالبہ کیا کہ وہ علامہ صاحب کا یہاں سے تبادلہ کروا دیں کیونکہ ان کی تقریروں سے ہم مخبوط الحواس ہو چکے ہیں اور رہ رہ کر پیٹ میں مروڑ اٹھتے ہیں۔ کمزور افکار کے یہ فکر مند روگی اس وقت مایوس ہو کر اپنی انگلیاں دانتوں میں دبا بیٹھے جب ان کا موقف سن کر عبدالباری صاحب نے کہا ''تم مجھے علامہ خالد محمود جیسا پروفیسر، علامہ، خطیب اور اجتہادی سوچ کا مالک عالم دین فراہم کر دو تو میں انہیں یہاں سے ٹرانسفر کروا دوں گا''۔ اپنے فرسودہ خیالات کے درخت پر آکاس کی بیل لپیٹے لوگ یہ جواب سن کر یوں گئے کہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھا اور علامہ صاحب خواجگی و تبحر علمی کی کلاہ سر پر سجائے اہل خانیوال کو مستفید کرتے رہے۔ آمدہ دنوں میں جب ۱۹۸۵ء کا دور آیا اور حفیظ الحق صاحب نے علامہ صاحب کو یاد کروایا کہ ۱۹۶۲ء کے دور میں میرے والد گرامی صادق محمد مرحوم آپ کے پاس غلہ منڈی والی مسجد میں جمعۃ المبارک کی نماز پڑھا کرتے تھے اور میں بھی اس وقت اپنے بچپن میں والد گرامی کے ساتھ آیا کرتا تھا تو علامہ صاحب بہت خوش ہوئے۔ چونکہ صدیقی صاحب کاتب بھی تھے تو اب علامہ صاحب لاہور سے اپنی کتب کے مسودات ان کو بھجوا دیتے تھے اور خود بھی بارہا مرتبہ خانیوال ان کے گھر تشریف لاتے اور کئی کئی دن یہاں رہ کر پروف خوانی کرتے تھے اور بقول صدیقی صاحب میں نے پوری پوری رات علامہ صاحب کو لکھتے دیکھا ہے اور رات کے آخری پہر جب وہ نمازِ تہجد میں مشغول ہوتے تو وہ لمحات لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہیں۔ کاتب السطور کے استفسار پر صدیقی صاحب نے مزید بتایا کہ الحمدللہ علامہ صاحب کا شغفِ تہجد دیکھ کر مجھے بھی اس کا شوق لگا اور میں اس پر اب تک قائم ہوں۔ آپ نے نمناک آنکھوں اور ڈوبتے لہجے میں بتایا کہ مجھے حضرت علامہ صاحب کی سادگی نے اتنا متاثر کئے رکھا کہ میں نے اس مقام پر فائز اتنے بڑے علامہ جیسا کوئی اور سادگی پسند زندگی بھر نہیں دیکھا علامہ صاحب ہمارے گھر آتے تو چونکہ ان کو اونچے اونچے خراٹے لینے کی عادت تھی تو کوئی اور ان کے کمرے میں نہ سو سکتا تھا، لیکن میں بخوشی

علامہ صاحب کے معمولاتِ علمی و عملی کو دیکھنے کے شوق میں سو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ علامہ صاحب لوٹے کے ساتھ وضو کر رہے تھے جونہی وضو کر کے اٹھے تو ان کو چکر آ گیا اور وہ گھوم کر گرنے کے قریب تھے کہ میں بھاگتا ہوا آیا اور ان کو تھام لیا، علامہ صاحب نے فرمایا الحمد للہ الحمد للہ، آپ کی وجہ سے بچت ہو گئی، مجھے وہ لمحات آج تک نہیں بھولے۔

مولانا ضیاالرحمٰن فاروقی کو تنبیہ

حفیظ الحق صاحب صدیقی نے بتایا کہ ایک مرتبہ میں علامہ صاحب کی کتاب ''مقام حیات'' کی کتابت میں مصروف تھا کہ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہید نے اپنا کتابچہ ''غوث الاعظم'' مجھے کتابت کرنے کے لیے دیا، میں نے بادلِ نخواستہ قبول کر لیا کیونکہ فرصت بالکل نہیں تھی جبکہ دوسری طرف مولانا فاروقی صاحب کا احترام و اکرام بھی پیش نظر تھا، چنانچہ میاں چنوں کے علاقہ میں کسی جگہ مَیں اور علامہ صاحب گئے ہوئے تھے کہ وہاں مولانا ضیاالرحمٰن فاروقی صاحب سے ملاقات ہو گئی تو علامہ صاحب نے ان کو ڈانٹ پلا دی اور فرمایا کہ آپ کو جب پتہ ہے کہ یہ میری کتابوں کی کتابت میں مصروف رہتے ہیں تو آپ کو اپنا کتابچہ انہیں نہیں دینا چاہیے تھا کیونکہ اس سے میرا کام رک جاتا ہے۔ اس ڈانٹ ڈپٹ کے دوران مولانا فاروقی صاحب ایک تابعدار شاگرد کی طرح حضرت علامہ صاحب کی گفتگو سنتے رہے اور پھر معذرت پیش کی، صدیقی صاحب کے بقول کہ علامہ صاحب جب دارالعلوم کبیر والا تشریف لے جاتے تو وہاں کے جید اساتذہ آپ کے سامنے دوزانو ہو کر مودّب بیٹھتے جیسے یہ سارے حضرت علامہ صاحب کے شاگرد ہوں۔ علامہ صاحب معاملات کے معاملہ میں بھی حساس تھے اور کسی کا پائی دھیلہ رکھنے کے روادار نہ تھے۔ بعض دفعہ کسی کتاب کا معاوضہ دینے میں تاخیر ہو جاتی تو میں مانگنا گوارا نہیں کرتا تھا، علامہ صاحب بھی کثرتِ اشغال کی بناء پر بھول جاتے اور اسی دوران انگلینڈ روانہ ہو جاتے اور وہاں جا کر جب ان کو یاد آتا تو انگلینڈ ہی سے مجھے معاوضہ ارسال فرما دیتے۔ چند سال یہاں خانیوال میں بھرپور متحرک رہنے کے بعد پھر علامہ صاحب ایم اے او کالج لاہور چلے گئے اور خانیوال کی یادوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مشک عود بنا گئے۔

علامہ صاحب کی انگلینڈ روانگی:

۱۹۶۶ء کے وسط میں حضرت علامہ صاحبؒ اپنے سلسلہ تعلیم میں مزید اضافہ ونکھار پیدا کرنے کی غرض سے برمنگھم تشریف لے گئے جہاں آپ نے مختلف لائبریریوں میں علمی تحقیقات کے ساتھ ساتھ پی ایچ ڈی بھی کی۔ قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ صاحب اپریل ۱۹۶۶ء کے لگ بھگ روانہ ہوئے تھے کیونکہ ۱۳؍فروری ۱۹۶۶ء کو جامعہ اشرفیہ، لاہور میں ایک بہت بڑی محفل حسن قرأت منعقد ہوئی تھی، جس میں علامہ صاحب بحیثیت اناؤنسر موجود رہے، اس محفل میں عالمی شہرت یافتہ قراء، بالخصوص حضرت قاری عبدالباسط محمد عبدالصمد نے بطور خاص شرکت فرمائی تھی، تب اُن کی عمر ۲۸؍سال تھی۔ جبکہ علامہ صاحب اپنی عمر کے ۴۱ رویں برس سے گزر رہے تھے۔ اس محفل حسن قرات کی مکمل اور ایمان افروز کارگزاری قاری عبدالمجید بھاکری

(قاری ریڈیو پاکستان) کے قلم سے ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور بابت ۴؍مارچ ۱۹۶۶ء کے صفحہ ۱۳؍تا ۱۵؍شائع ہوئی تھی اوراس میں حضرت علامہ صاحب کا ذکر خیر بھی ہے، یعنی مارچ ۱۹۶۶ء میں تو علامہ صاحب پاکستان میں ہی تھے۔البتہ دسمبر ۱۹۶۶ء میں علامہ صاحب نے حضرت مولانا محمد عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ کے نام انگلینڈ سے خط لکھا تھا جو''خدام الدین'' کے صفحات کی زینت بنا۔

برمنگھم سے مولانا محمد عبیداللہ انورؒ کے نام خط

علامہ صاحب نے برمنگھم سے جو خط حضرت مولانا محمد عبیداللہ انورؒ کے نام ارسال کیا تھا، وہ ملاحظہ کیجیے!

برادر محترم حضرت مولانا المکرّم مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے کہ آنجناب کے مزاج بخیر ہوں گے اور حضرت مرحوم (حضرت لاہوریؒ) کے خیر جاری میں دن رات خدمت دین میں مصروف ہوں گے۔احقر ان دنوں وطن عزیز سے ہزاروں میل دور انگلستان میں قیام پذیر ہے۔برمنگھم یونیورسٹی کے زیر اہتمام کچھ ریسرچ موضوعِ قلم ہے اور دوسرے اوقات میں یہاں جمعیۃ المسلمین کے زیر اہتمام کچھ خدمت دین کا موقع بھی مل جاتا ہے۔آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے کہ رب العزت ہر دو سلسلوں میں سعی مشکور کی توفیق عطا فرماویں۔وطن سے دوری پر ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا کہ اخبارات کے ذریعہ اپنے بہت سے ان بزرگوں کے سفر آخرت اختیار کرنے کا پتہ چلا جنہیں بسلامت الوداع کہہ کر پاکستان سے رخصت ہوا تھا اور معلوم نہ تھا کہ آئندہ اس زمین پر ان سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔ابھی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، شیخ الحدیث سراج العلوم سرگودھا اور حضرت مولانا عبدالحنان صاحب راولپنڈی صدر کی وفات کے زخم مندمل نہ ہونے پائے تھے کہ سفیر اسلام مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سابق مدرس دارالعلوم دیوبند کی وفات کی جانکاہ خبریں دل و دماغ پر انتہائی صدمے کے موجب ہوئیں۔ان حضرات سے نہ صرف احقر کی مسلکی اور مجلسی وابستگی تھی بلکہ یہ سب حضرات اپنی اپنی خدمات میں پوری ملت کا سرمایہ حیات تھے اور مسلک اہل سنت کے لیے سب علم کے روشن چراغ تھے ؎

لقد فارقوا الدنیا وحاذوا بخیرها
وللمومن اعلٰی مراتب جنة
فواللّٰه ما طاب الزمان بغیرهم
علیهم من الرحمن ازنی تحیة

ارادہ تھا کہ ان بزرگوں کے اعزہ واقارب کو بسلسلہ تعزیت کچھ لکھوں، مگر خیال آیا کہ یہ بزرگ تو پورے مسلک کے لیے حق کا نشان تھے۔ان کی تعزیت اعزہ تک محدود نہیں، ان کی اس جدائی پر پوری ملت سے تعزیت درکار ہے۔آپ حضرت شیخ التفسیر مرحوم (حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ) کے جانشین انجمن خدام الدین کے امیر، جمعیت علماء اسلام کے مرکزی راہنما اور اپنے مسلک کے دائرے کا مرکز ہیں۔ان بزرگوں سے جدائی پر آپ سے تعزیت پورے مسلک سے تعزیت ہے۔احقر آپ کی معرفت اپنے

سب اہل مسلک کے ساتھ عموماً اور مرحومین کے اعزہ و اقارب کے ساتھ خصوصاً ان صدمات میں پوری طرح شریک غم ہے۔ ان حضرات کے اٹھ جانے سے اپنے حلقوں میں وہ خلا پیدا ہو گیا ہے جس کا پُر ہونا بظاہر مشکل نظر آتا ہے۔ یہ دنیا ایک گزرگاہ سے زیادہ نہیں، یہاں سے بہر حال جانا ہے اور ہر کسی کو جانا ہے۔ سعادت مند وہ ہیں جو آخرت میں عمل کے پھول چن کر اچھی یادوں کے ساتھ یہاں سے رخصت ہوں اور امید ہے کہ یہ بزرگان کرام اپنے خیمے جنت میں لگا چکے ہوں گے۔ رب العزت ان کے مراتب خیر میں بلندی فرمائے، آخرت کو منزلوں کو آسان فرمائے اور دین کے جو کام ان بزرگوں نے اختیار کر رکھے تھے اللہ تعالیٰ انہیں جاری وساری رکھے ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

حضرت قاضی احسان احمدؒ کی وفات سے تاریخ کا ایک باب ختم ہو گیا ہے، قاضی صاحب مرحوم کی زندگی ایک تاریخ تھی۔ ان کی ذات ایک تحریک تھی اور ان کی فکر ایک تعمیر تھی۔ حضرت امیر شریعت قدس اللہ سرہ العزیز نے جو کام ان کے سپرد کیا تھا، وہ آخر دم تک اس کے علمبردار رہے۔ آپ سے اور اپنے تمام ہم مسلک بزرگوں سے میری استدعا ہے کہ قاضی صاحب مرحوم کے بعد ختم نبوت کے کام میں ذرا آنچ نہ آنی چاہیے۔ اب آپ حضرات کی ذمہ داریوں میں کچھ اضافہ ہو گیا ہے۔ جو کام قاضی صاحب کر رہے تھے، اب آپ سب بزرگوں کے علمی اور عملی سہارے کی ضرورت ہے۔ رب العزت حضور خاتم النبیین ﷺ کی ختم نبوت کا صدقہ قاضی صاحب کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔

یہ سطور ہفت روزہ ''خدام الدین'' میں شائع فرما دیں تا کہ سب اہل مسلک ان بزرگوں، دوستوں اور بھائیوں سے تعزیت اور سلویٰ کا سامان ہوں۔

والسلام، احقر العباد خالد محمود عفا اللہ عنہ

18- Speedivell road birmingham.5

[''خدام الدین'' لاہور/صفحہ نمبر ۱۷، ۲۳، دسمبر ۱۹۶۶ء/لاہور، ہفت روزہ]

اس خط میں حضرت علامہ صاحب کی مسلکی غیرت وحمیت، معاصرین اہل علم سے تعلقات و روابط، خدمت دینیہ کا جوش وجنون اور برمنگھم میں اقامت پذیر ہونے کی غرض وغایت عیاں ہو رہی ہے۔ جس سے آپ کی انگلینڈ منتقلی کے تاریخ و سن اور دیگر واقعات واحوال سے روشنی حاصل کر کے اگلا سفر کیا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ علامہ صاحب کے خط میں حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کی وفات کا ذکر ہے اور جن کے ساتھ علامہ صاحب کے قلبی تعلقات کا پتہ بھی ملتا ہے ان کا انتقال مؤرخہ ۲۳/نومبر ۱۹۶۶ء کو صبح پونے چار بجے ہوا تھا اور ہفت روزہ خدام الدین لاہور کے شمارہ بابت ۲/دسمبر ۱۹۶۶ء کے اداریہ میں بعنوان ''اک چراغ اور بجھا'' تعزیتی کالم بھی شائع ہوا تھا۔

مکتوب امام اہل سنتؒ بنام قائد اہل سنتؒ (علامہ صاحبؒ پر اظہارِ اعتماد)

اس وقت ہمارے پیش نظر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدرؒ کا ایک نادر خط ہے جو حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے نام ہے، پہلے اس خط کا متن ملاحظہ کیجیے، بعد ازاں ہم تبصرہ پیش خدمت کریں گے۔

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

من جانب ابی الزاہد الی محترم المقام جناب حضرت مولانا قاضی صاحب دام مجد ہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ مزاج سامی؟

یہ پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کی بمع جملہ مجاہدین اہل السنۃ والجماعۃ ضمانتیں ہو چکی ہیں۔ الحمد للہ تعالیٰ علیٰ کل حال۔ لیکن سچ پوچھیے تو راقم کو اس سے زیادہ خوشی آپ حضرات کے جیل خانہ میں جانے کی تھی، کیونکہ آپ حضرات کی اس قربانی سے پورے علاقے بلکہ پورے ملک میں مسئلہ زندہ ہو گیا ہے اور اب اس محاذ کو قوی تر بنانے کی اشد ضرورت ہے۔

اور ایک التجا اور بھی ہے وہ یہ کہ کم از کم دو تین مستعد علماء کرام کو جنہوں نے درس نظامی کی کتابیں سمجھ کر پڑھی ہوں اور ان کو آتی بھی ہوں، فن مناظرہ (مع الشیعۃ الشنیعۃ) کے لیے تیار کرائیں، محترم اس کی نہایت اہم ضرورت ہے اور یہ محاذ سچ پوچھئے تو بالکل خالی ہے۔ علامہ قریشی مرحوم کی وفات اور علامہ خالد محمود صاحب کے انگلستان چلے جانے سے بہت بڑا خلا پیدا ہو چکا ہے۔ ایک آدھ بزرگ مثلاً مولانا تونسوی صاحب دام مجد ہم وغیرہ ملک کے کس کس کونے پر پہنچیں گے؟ اور کیا کیا کریں گے؟ اس بات کی طرف فوراً توجہ فرمائیں اور علماء کرام کو معقول وظیفے دے کر اس کی تیاری کرائیں۔ آپ جیسے مخلص بزرگوں کے لیے مالی اسباب کی کوئی کمی نہیں ہے۔ راقم اثیم کی اس پُر زور استدعا کو صدا بصحرا ہرگز نہ تصور فرمائیں اور بہت جلدی اس کا انتظام کریں۔ تمام مجاہدین حضرات کو راقم اثیم کی طرف سے مبارک ہو اور سلام مسنون قبول ہو، کچھ پریشانیاں ہیں، دعوات صالحات میں یاد فرمائیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ راقم اثیم بھی دعا گو ہے۔ والسلام، احقر ابوالزاہد محمد سرفراز گکھڑ۔

[مکتوب محررہ ۱۴، اپریل ۱۹۷۵ء بمطابق یکم ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ]

حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صفدرؒ کا یہ خط قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے نام ہے اور اس میں جس مقدمہ کی ضمانت کا ذکر ہے اس کی تفصیلات ان شاء اللہ کاتب السطور کی کتاب ''مظہر کرم'' جلد دوم میں پیش کر دی گئی ہیں جو حضرت اقدس قاضی صاحبؒ کی مفصل و مدلل سوانح حیات ہے۔ اس میں لائق دید چیز یہ ہے کہ ان اکابر کا باہم اعتماد و محبت کا رشتہ موجود تھا حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صفدر، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین، علامہ دوست محمد قریشی، حضرت مولانا عبدالستار تونسوی اور علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہم اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کے علم وفہم پر بھروسہ کرتے تھے اور علامہ خالد محمودؒ کے انگلستان منتقل ہو جانے سے حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صفدر تشویش میں تھے کہ اب اس میدانِ مناظرہ میں کونسا رجل رشید اتر کر دفاع اسلام کا فریضہ سرانجام دے گا؟ اس لیے انہوں نے اس خط میں حضرت قاضی صاحب کو مشورہ دیا کہ آپ ذی استعداد علماء وطلبہ کی ایک ایسی ٹیم تیار کر دیں جو یہ فریضہ سرانجام دینے کے لیے ہمہ وقت دستیاب رہے۔ یہ خط ۱۹۷۵ء کا ہے اور اس وقت علامہ صاحب مستقل طور پر انگلینڈ میں منتقل ہو چکے تھے۔ اولاً آپ ۱۹۶۶ء میں گئے تھے، تقریباً پانچ سال کے بعد واپس پاکستان تشریف لائے (ان پانچ سالوں کے درمیان بھی مختصر مدت کے لیے پاکستان آئے تھے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) پھر ۷۰ء کے اواخر میں دوبارہ چلے گئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اس دوران آپ کا پاکستان میں سالانہ دورہ ہوتا تھا،

سردیوں کے چند ماہ یہاں قیام فرماتے تھے۔ انگلستان میں قیام کے دوران جن کتابوں کے مسودات لکھتے، انہیں یہاں آ کر کتابت وطباعت کے زیور سے آراستہ کرواتے، دینی اجتماعات میں شریک ہوتے، اپنے تعلیمی ادارہ کی نگرانی فرماتے، اور اہل علم سے ملاقاتیں کر کے پھر واپس انگلینڈ تشریف لے جایا کرتے تھے، ۱۹۷۰ء سے تادم آخر ۲۰۲۰ء تک آپ کا یہی معمول رہا۔

اکتوبر ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں علامہ صاحب کا حصہ

مارچ ۱۹۶۹ء میں پاکستان میں دوسری مرتبہ مارشل لاء کا نفاذ ہوا، جنرل یحییٰ خان نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور ملکی صدر کے طور پر ذمہ داریاں سنبھالیں۔ انہوں نے ایک لیگل فریم ورک آرڈر جاری کیا تھا جس کے تحت دسمبر ۱۹۷۰ء میں پہلی مرتبہ براہِ راست عام انتخابات کا انعقاد ہوا تھا۔ اس الیکشن میں مجموعی طور پر ۲۴ر سیاسی جماعتوں نے حصہ لیا تھا۔ اس الیکشن میں مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں سیلابی بدترین صورتحال کی وجہ سے الیکشن مؤخر ہوئے تھے۔ ادھر مغربی پاکستان میں پاکستان پیپلز پارٹی ۸۱ر نشستیں جیتنے میں کامیاب ہوگئی اور اس نے پنجاب وسندھ میں بڑے بڑے سیاسی امیدواروں کو شکست سے دوچار کر دیا۔ ۱۹۷۰ء کے ان انتخابات میں مذہبی جماعتوں نے بھی حصہ لیا تھا مگر یہ کسی حد تک ناکامی سے ہمکنار ہوئی تھیں، خواہ اس کی سیاسی وسماجی یا بین الاقوامی وجوہات کچھ بھی ہوں۔ کیونکہ یہ بات طے ہے کہ ہمارے ہاں الیکشن میں فی الحقیقت سلیکشن ہوتی ہے اور یہ حکومتی بندر بانٹ مقتدر قومی وقوی اداروں کے زیر سایہ کی جاتی ہے۔ ان انتخابات کے بعد سیاسی حالات عجیب وغریب کشمکش کا شکار ہو گئے تھے۔ کیونکہ اس سے اگلے سال ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان سے الگ ہو گیا اور بنگلہ دیش معرض وجود میں آ گیا تھا۔ اور مغربی پاکستان میں جنرل یحییٰ خان نے اقتدار چھوڑ دیا اور ذوالفقار علی بھٹو نے زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ ۱۹۷۰ء کے متذکرہ الیکشن میں کم وبیش اٹھارہ دینی وسیاسی جماعتوں کا ایک اتحاد قائم ہوا تھا، جس کے سربراہ حضرت مولانا مفتی محمودؒ تھے اور آپ ہی نے پیپلز پارٹی کی اس ملک گیر انتخابی یلغار میں ذوالفقار علی بھٹو کو شکست دی تھی۔ بہرکیف ۱۹۷۰ء کے اس الیکشن میں علامہ صاحب قومی اسمبلی کی نشست پر کھڑے ہوئے تھے اور آپ کا حلقہ نمبر ۴ر تھا جو لاہور کا سب سے بڑا انتخابی حلقہ تھا۔ علامہ صاحب کا انتخابی نشان کھجور کا درخت تھا اور آپ جمعیت علماء اسلام کی نمائندگی میں الیکشن لڑ رہے تھے۔ حلقہ نمبر ۴ر سے صوبائی نشست پر سید اصغر زیدی تھے۔ جبکہ مقابلے میں پاکستان پیپلز پارٹی کے شیخ رشید اور جماعت اسلامی کے میاں طفیل محمد تھے۔ شیخ رشید بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گئے تھے۔ جبکہ علامہ صاحب اور میاں طفیل محمد ہار گئے تھے۔ اس زمانے کا انتخابی اشتہار اس وقت کاتب السطور کے پیش نظر ہے۔ بڑے سائز کے اس اشتہار کے بائیں طرف جمعیت علماء اسلام کا پرچم ہے جس کے نیچے ''پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ'' درج ہے اور نیچے کھجور کے درخت کا نشان ہے۔ اور دائیں طرف جلی حروف میں علامہ صاحب کا بطور امیدوار تعارف یوں درج کیا گیا تھا:

''پاکستان قومی اسمبلی کے لیے لاہور حلقہ نمبر ۴ کے سب سے زیادہ تعلیم یافتہ امیدوار پروفیسر علامہ خالد محمود۔ ایم اے (علوم اسلامی) فسٹ کلاس، ایم اے (عربی) فسٹ کلاس، ایم اے (فارسی) فسٹ کلاس ایم اے (تاریخ روایت) برمنگھم یونیورسٹی

انگلینڈ، پی ایچ ڈی کے رجسٹرڈ ریسرچ اسکالر برمنگھم، غریبوں، کسانوں اور مزدوروں کے سچے مخلص دوست، سامراج کے سب سے بڑے دشمن، دین اسلام کے نڈر اور بیباک سپاہی۔ منجانب: ایچ ڈاکٹر سید محمود حسن، سنت نگر، حلقہ نمبر ۴ قومی اسمبلی، لاہور۔''

[انتخابی اشتہار الیکشن ۱۹۷۰ء مطبوعہ مدینہ پرنٹنگ پریس لاہور (مملوکہ لائبریری عبدالجبار سلفی)]

علامہ صاحب کے اس حلقہ نمبر ۴ر میں جمعیت علماء پاکستان کی جانب سے قومی اسمبلی کے امیدوار میاں ظفر احمد راعی تھے جن کا انتخابی نشان چابی تھا۔ ان کے اشتہاروں پر ''سُنی جاگ، پاکستان تیرا ہے'' کی سرخی لگائی گئی تھی اور یہ اشتہار ''ندائے ملت پریس'' سے چھاپے گئے تھے۔

علامہ صاحب کے حلقہ میں مولانا مفتی محمودؒ کی آمد

ریڑھی والا چوک اچھرہ میں علامہ صاحب کے انتخابی جلسہ میں حضرت مولانا مفتی محمودؒ تشریف لائے تھے اور ہزاروں کے اجتماع میں مفتی صاحب نے عوام الناس سے علامہ خالد محمود کو کامیاب کروانے کی ترغیب واپیل کی تھی۔ اس دور کی ایک بہترین یادگار علامہ صاحب کا وہ ظریفانہ جملہ ہے جو آنے والے دنوں میں ہر ایک کی زباں پر جاری ہوا۔ جب علامہ صاحب جلسوں میں میاں طفیل محمد مرحوم کی جانب اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے: ''ہمارے تو حلقے کا بچہ بچہ کہہ رہا ہے کہ میاں تو فیل، میاں تو فیل۔''

متذکرہ الیکشن کے بعد جب کوئی علامہ صاحب سے پوچھتا تھا کہ حضرت آپ ہار گئے ہیں؟ تو جواب میں علامہ صاحب فرماتے تھے کہ جیتنا تو ہمارا مقصد ہی نہیں تھا، ہم تو جماعت اسلامی کو ہرانا چاہتے تھے۔ جب وہ ہار گئے تو ہم خود بخود جیت گئے۔ علامہ صاحب بانی جماعت اسلامی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی فکری بے رہروی اور انبیاء وصحابہ کرامؓ کے متعلق ان کی بعض غیر ذمہ دارانہ آراء کو نہایت تشویش کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور میں ان کے افکارِ عاطلہ کی اپنے عالمانہ ومحققانہ شان کے مطابق تردید کیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ علامہ صاحب کو بعض کاہل اور غافل علماء کرام سے بھی گلہ رہتا تھا جو تحقیق ومطالعہ کے باب میں ارتکاب غفلت کا شکار رہتے ہیں۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ اگر علماء کرام اپنے فرائض منصبی کو پوری ذمہ داری سے ادا کریں تو اس قسم کے افراد کی اصلاح بھی ہو سکتی ہے اور راہ گم کردہ افراد پر مشتمل پارٹی بھی وجود میں نہیں آسکتی۔ اس سلسلہ میں فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میری مولانا مودودی سے ملاقات ہوئی تو باتوں باتوں میں انہوں نے کہا کہ جب میں جمعیت علماء ہند کے دفتر میں ملازمت کرتا تھا تو اس وقت عام طور پر یہ بات زیر بحث آتی تھی کہ رجال کار نہیں رہے، رجالِ کار ختم ہو گئے، تو ایک دن میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں خود ہی رجُل کار بن جاؤں۔ علامہ صاحب علماء کرام کے جذبات کو مہمیز اور تقویت وتائید دینے کے لیے بطور نصیحت فرماتے تھے کہ رجال کار کی قلت کا رونا رونے کی بجائے خود کو کام میں لے آؤ، وگرنہ آپ کے اس واویلا میں مودودی صاحب جیسے حضرات رجُل کار بن جائیں گے اور پھر تردید ومدافعت میں پوری پوری جماعتیں بھی اپنے مطلوبہ نتائج لینے میں کامیاب نہیں ہوسکیں گی۔ بہرکیف ۱۹۷۰ء کے الیکشن

میں علامہ خالد محمودؒ کا بطور امیدوار قومی اسمبلی میدان عمل میں نکلنا علامہ صاحب اور جمعیت علماء اسلام کی تاریخ کا ایک مستقل باب ہے۔ باقی رہی فتح وشکست ! تو وہ ۱۹۷۰ء کے زمانہ میں سیاسی صورتحال کا علم وادراک رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ پاکستان کو دولخت کرنے کے لیے کس پارٹی کو آشیر باد دے کر باقی سیاسی خصوصاً دینی سیاسی جماعتوں کو چت گرایا گیا تھا۔ یہ ہمارے ملک کی سیاسی تاریخ کا ایک اندوہناک باب ہے۔

۱۹۷۰ء کے الیکشن کے موقع پر مولانا محمد عبید اللہ انور کی ایک اہم اپیل

مرکز شیرانوالہ لاہور کے ساتھ علامہ صاحب کا ایک خاص تعلق تھا جس پر ماسبق کی سطور وصفحات پر بحث ہو چکی ہے۔ مرکز شیرانوالہ ہی کے حکم پر علامہ صاحب نے الیکشن میں حصہ لیا تھا۔

اس دور میں جمعیت علماء اسلام کے زیر اہتمام مؤرخہ ۲۶، ۲۷، ۲۸ رجون ۱۹۷۰ء کو دہلی دروازہ لاہور میں ''آئین شریعت کانفرنس'' منعقد کی گئی تھی جس کا دعوت نامہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اور اس کے مندرجات پڑھ کر نہ صرف اُس دور کے الیکشن کی اہمیت جانی جاسکتی ہے بلکہ جمعیت علماء اسلام کی سیاسی خدمات پر مذہبی ونظریاتی جذبات کا تفوق بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، کیونکہ آمدہ وقتوں میں پھر حالات یکسر تبدیل ہوگئے اور سیاسی پالیسیوں نے مذہبی ومسلکی نظریات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے متذکرہ الیکشن سے ایک سال قبل جمعیت العلماء سے استعفیٰ دے دیا تھا اور ۷۰ء کے الیکشن کے بعد انگلینڈ منتقل ہو جانے کی وجہ سے علامہ صاحب کی وابستگی بھی کمزور پڑ گئی تھی، اگرچہ انگلینڈ میں آپ نے اپنے احباب کے ساتھ تحفظ ختم نبوت، تحفظ ناموس صحابہ، احیاء مسلک اہل سنت دیوبند اور دیگر فرقوں کی اصلاح وابطال میں بھرپور کردار ادا کرنا شروع کردیا تھا، تاہم بشمول تنظیم اہل سنت وجمعیت علماء اسلام سے بطور جماعتی نظم آپ فاصلے پر ہوگئے تھے۔ حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے جاری کردہ آئین شریعت کانفرنس کے دعوت نامہ میں مندرجہ ذیل اقتباس لائق توجہ ہے:

> ''صدر مملکت جنرل یحییٰ خان کے اس اعلان کے بعد کہ ۵، اکتوبر ۱۹۷۰ء کو ملک بھر میں قومی اسمبلی کے انتخابات کرائے جائیں گے۔ اب ذمہ داری قوم کے کندھوں پر آن پڑی ہے کہ وہ ایسے نمائندے منتخب کریں جو نظریہ پاکستان کی بنیاد پر ایسا اسلامی نظام حکومت تشکیل کریں جس میں عقیدۂ ختم نبوت، عصمت انبیاء اور ناموس صحابہ کرام کا تحفظ ہو۔'' [''دعوت نامہ'' آئین شریعت کانفرنس، لاہور رجون ۱۹۷۰ء رمکتبہ جدید پریس لاہور]

علامہ صاحب چونکہ ایک مدت سے تنظیم اہل سنت کے پلیٹ فارم پر تحفظ صحابہ کرام کا مقدس فریضہ سرانجام دیتے چلے آرہے تھے، اس لیے جمعیت العلماء کا مذکورہ منشور آپ کو الیکشن میں حصہ لینے کے لیے برانگیختہ کرنے کو کافی تھا۔ سو آپ نے اپنا حصہ اس میں شامل کردیا اور سرخرو ہوگئے تھے، اس کے برعکس علماء کرام کی ایک جماعت، جس میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ شامل تھے، کا موقف یہ تھا کہ اہل تشیع، جماعت اسلامی، یا دیگر اشتراکی نظریات رکھنے والی پارٹیوں کو شامل اتحاد کرکے

مطلوبہ اسلامی نتائج حاصل کرنے کی توقع بے سود ہے۔ تاہم اختلافِ آراء یا اختلافِ فکر ونظر کے باوجود یہ سب کے سب علماء کرام اپنی نیتوں میں مخلص تھے اور اخلاص کی بنیاد پر ہی اپنے اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے تھے۔

الیکشن ۱۹۷۰ء میں ایک افسوسناک الزام اور اس کی اصل حقیقت

منافرت وعداوت اور گروہی تعصب انسان کو کہیں سے اٹھا کر کہیں جا پھینکتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں جمعیت علماء اسلام کی جانب سے قومی اسمبلی کی سیٹ پر علامہ خالد محمود کو ٹکٹ دیا گیا تھا اور فیصل آباد میں مولانا محمد ضیاء القاسمی مرحوم نے قومی اسمبلی کی نشست پر حصہ لیا تھا۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں لکھا جا چکا ہے کہ مذکورہ انتخابات میں ایک منظّم اور طے شدہ منصوبے کے تحت دینی جماعتوں کو ناکامی کی دہلیز تک پہنچایا گیا تھا، مگر دوسری جانب خود دینی جماعتوں میں موجود بعض غیر ذمہ دار افراد اس قدر سطحی حرکات کا ارتکاب کر رہے تھے کہ جنہیں آج درج کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے مگر کیا کریں کہ تاریخ کی ضربیں بڑی اذیت ناک ہوتی ہیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی ایک مبصر اور تجزیہ نگار ان گڑے مردوں کو اکھاڑنے پر مجبور ہوتا ہے کہ اس کے بغیر کسی بھی بڑی شخصیت کے سوانح کے پہلوؤں کا مکمل احاطہ ممکن نہیں ہوتا۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں دینی جماعتیں جاگیردارانہ وسرمایہ دارانہ نظام سے ٹکرانے کی مدعی تھیں، دوسری جانب امریکی سامراج اور سوشلزم کو تہس نہس کرنے کے جذبات بھی تھے مگر اندرونی صورتحال یہ تھی کہ جمعیت علماء اسلام اور جماعت اسلامی جیسی بڑی جماعتیں آپس میں گتھم گتھا تھیں، تسلیم کہ اس میں فکری ونظری اختلاف بھی تھا مگر بات اختلاف آراء اور سنجیدہ تناؤ سے بہت دور جا پہنچی تھی۔ اس دور کے رسائل مثلاً کوثر نیازی کا ''شہاب'' حنیف رامے کا ''نصرت'' شورش کاشمیری کا ''چٹان'' اور نسیم حجازی کے ''کوہستان'' وغیرہ کے فائل دیکھنے سے ہمارے اس موقف کی تصدیق ہوسکتی ہے۔ چنانچہ لاہور میں منعقد کی جانے والی ''آئین شریعت کانفرنس'' جس کا ذکر گزشتہ سطروں میں گزر آیا ہے، کے انعقاد کے بعد شورش کاشمیری نے ایک زہریلا پروپیگنڈا کیا تھا کہ اس کانفرنس کے لیے قادیانیوں نے علماءِ اسلام کی مالی اعانت کی ہے اور مبلغ دس ہزار روپے پیش کیے ہیں۔ دراصل اُن دنوں شورش مرحوم پر مودودی صاحب کے دفاع کا خبط سوار تھا، مرحوم ایک متلون طبیعت کے مالک تھے، اور اختلاف واتفاق کی ہر دو صورتوں میں انتہاء تک پہنچ جاتے تھے۔ یہ الزام کیوں لگایا گیا تھا اور اس کی بنیادی وجہ کیا تھی؟ ندیم راؤ کی کارگزاری ملاحظہ کیجیے۔

''آئین شریعت کانفرنس کے اثرات زائل کرنے کا منصوبہ''

اچھرہ میں خفیہ اجلاس

شورش کاشمیری کا بطور خاص بلاوا

آج کل شورش صاحب ایسے وہم میں مبتلا ہیں جس کا علاج کسی حکیم یا ڈاکٹر کے پاس موجود نہیں۔ یہاں تک کہ اب وہ خود بھی نجی محفلوں، جلسوں، جہاد کانفرنسوں میں اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ روز روز کے جلسوں اور جلوسوں نے مجھے پاگل کر دیا

ہے۔ خاص طور پر جمعیۃ علماء اسلام کے جلسے اور جلوس یا مولانا کوثر نیازی کے شہاب اور مولانا ضیاء القاسمی کی للکار نے اس کی رات کی نیند حرام کر دی ہے۔ اب مرض یہاں تک بڑھ گیا کہ ڈاکٹروں نے دو ماہ تک مکمل آرام کرنے کا مشورہ دے دیا۔

خیر میں اس بحث میں نہیں جانا چاہتا صرف آپ کی توجہ شورش کے اس مضمون کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ جو اس نے اپنی ہفتگی کی حالیہ اشاعت میں شائع کیا ہے۔ جس میں شورش ''خلوتی راز'' کے نام سے جلوہ گر ہوا ہے۔ مضمون پر سوالیہ نشان لگا کر یہ عنوان دیا ہے کہ ''قادیانی جماعت نے آئین شریعت کانفرنس کے انعقاد پر دس ہزار روپیہ دیا تھا؟''

یہ مضمون کیوں لکھا اور یہ الزام لگانے کا منصوبہ کیسے تیار کیا گیا؟ یہ مسئلہ غور طلب ہے۔ گزشتہ دنوں شورش صاحب کے ایک دوست سے ملاقات ہوئی۔ باتوں باتوں میں آئین شریعت کانفرنس کا تذکرہ چل نکلا۔ انہوں نے دوران گفتگو کہا کہ آپ کو کچھ معلوم بھی ہے کہ...... یہ الفاظ کہہ کر وہ کچھ خاموش ہو گئے۔ میں نے اصرار کیا کہ آپ جو بات کہنا چاہتے ہیں۔ وہ بتائیں۔ کافی اصرار کے بعد انہوں نے بتایا کہ شورش صاحب نے باتوں باتوں میں ذکر کیا کہ جس دن آئین شریعت کا لاکھوں آدمیوں پر مشتمل جلوس نکل رہا تھا۔ اس دن مغرب کے بعد اچھرہ میں بطور خاص مجھے بلایا گیا اور خفیہ اجلاس ہوا۔ اس میں مودودی صاحب نے مجھ سے کہا کہ آغا صاحب! کوثر نیازی کے ''شہاب'' نے میرے لڑکے فاروق کے ربوہ سے بھیجے ہوئے خط کا عکس شائع کر کے ہمیں بہت زیادہ بدنام کر دیا ہے۔ پاکستان بھر میں اس کے خلاف شدید ردعمل ہے۔

اور پھر ملتان میں شوکت اسلام کے جلوس کی مختار شیخ مرزائی نے قیادت کی۔ اس کا خرچہ برداشت کیا اور روزنامہ جسارت کو بھی وہ ایک ہزار روپیہ ماہوار دیتا ہے۔ ان تمام باتوں سے عوام میں ہمارے خلاف نفرت کی ایک رو چل نکلی ہے۔ شوکت اسلام کا جلوس جو دھوم دھام سے نکلا تھا اور ہماری جو پورے ملک میں دھاک بیٹھی تھی۔ آئین شریعت کے اس جلوس نے ہمارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔

آغا صاحب! آپ کی ذمہ داریاں بہت بڑھ چکی ہیں۔ جمعیۃ علماء اسلام کے ہزاروں مبلغین اخبارات میں آمدہ ان خبروں کی وجہ سے ہمیں خوب بدنام کر رہے ہیں۔ اب کوئی تدبیر ہونی چاہیے کہ آئین شریعت کانفرنس کے اثرات کو زائل کیا جائے۔ اور ان مولویوں کو بدنام کیا جائے۔ تاکہ عوام کی توجہ ہماری طرف سے ہٹ جائے اور سارا نزلہ جمعیۃ والوں پہ گرے۔

شورش صاحب یہ واقعات بیان کرتے جا رہے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ رہے تھے کہ دیکھو جی مودودی صاحب میرا کتنا خیال کرتے اور مجھ کو کتنی اہمیت دیتے ہیں اہم مشورے میرے بغیر انجام نہیں پاتے۔ مزید معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مودودی صاحب جس وقت تمام باتیں کر چکے تو شورش نے کہا۔ میرے ماں باپ آپ پر نثار۔ آپ مجھے ہر موقعہ پر فرمانبردار اور وفا شعار پاتے ہیں۔ اس اہم موقعہ پر میں آپ کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟ شورش نے تجویز پیش کرتے ہوئے کہا کہ اس سلسلے میں میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے۔ اگر حضور والا اس کو منظور فرمالیں تو اس کو آگے چلا دیا جائے اور اپنے تمام کارکنوں کو ایک پروپیگنڈا لائن دے دی جائے۔ مودودی صاحب نے کہا، بتایئے:

شورش صاحب یوں گویا ہوئے کہ:

جناب والا! آپ کو معلوم ہے کہ عوام میں مرزائیوں کے خلاف شدید نفرت ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ نے اپنے لڑکے کو

ربوہ بھیجا۔ جس پر عوام میں شدید ردعمل ہوا۔ اور یہ بھی درست ہے کہ شوکت اسلام کے جلوس کے تاثرات آئین شریعت کانفرنس کے جلوس نے مٹا دیئے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ جمعیۃ علماء اسلام کا عوام میں بہت زیادہ اثر ورسوخ اور اس کی جڑیں انتہائی گہری ہیں۔ میرے خیال میں ان پر الزام لگا دیا جائے کہ ''آئین شریعت کانفرنس'' کے سب اخراجات مرزائیوں نے برداشت کیے ہیں۔

مودودی صاحب نے ٹوکتے ہوئے کہا کہ شورش کیسی بات کہہ رہے ہو؟ اگر سارے اخراجات لکھو گے تو عوام اس پر یقین نہیں کریں گے۔ میرے خیال میں یہ لکھو کہ مرزائیوں نے آئین شریعت کانفرنس میں دس ہزار روپے کا چندہ دیا۔ چنانچہ یہ منصوبہ مکمل ہو گیا۔

ادھر شورش صاحب کی وہ رات اس خفیہ اجلاس میں بسر ہوئی۔ دوسری رات جبکہ آئین شریعت کانفرنس کا دوسرا اجلاس تھا۔ شورش نے اس اجلاس میں شرکت کی۔ اور تمام مقررین کی تقریریں سنیں۔ نیز ایک سفید رنگ کی کار میں کیمپوں کو دیکھتا رہا۔ وہاں سب کچھ دیکھنے کے بعد اس نے یہ مضمون تحریر کر کے مودودی صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ مودودی صاحب نے کہا کہ چونکہ میں مصروف ہوں اور مشرقی پاکستان بھی جانا ہے اس وجہ سے اس کو رکھ دیجیے۔ پھر اس کا مطالعہ کروں گا مودودی صاحب مشرقی پاکستان کے دورہ سے واپس آئے۔ مضمون کا مطالعہ کیا اور شورش کو پھر اپنے پاس بلایا۔ مضمون کی اور شورش کی بہت تعریف کی اور یہ کہا کہ یہ مضمون جلدی آ جانا چاہیے۔

چنانچہ وہ مضمون چٹان کے حالیہ شمارہ میں شائع ہوا ہے۔ جس میں شورش کاشمیری نے جمعیۃ علماء اسلام پر الزام عائد کیا ہے کہ اس نے آئین شریعت کانفرنس کے لیے مرزائیوں سے دس ہزار روپیہ چندہ وصول کیا ہے۔ یہ ہے اسلام پسندوں کی صحافت جس کی بنیاد ہی جھوٹ پر رکھی جاتی ہے۔ [ندیم راؤ ہفت روزہ ''ترجمان اسلام لاہور'' ۳۱، جولائی ۱۹۷۰ء/صفحہ نمبر ۵]

خان محمد کمتر مرحوم کی یادگار نظم

تاریخ تحریک تنظیم اہل سنت میں جناب خان محمد کمتر مرحوم کی خدمات بھی ہمیشہ اہل سنت کو ولولۂ تازہ دیتی رہیں گی۔ مرحوم سرائیکی زبان کے منفرد، قادر الکلام شاعر تھے اور محبت صحابہ میں ڈوب کر جب پڑھتے تھے تو سماں باندھ دیتے تھے۔ علامہ خالد محمودؒ سے ہم نے بارہا مرتبہ کمتر صاحب کا ذکر سنا، ۱۹۷۰ء کے الیکشن کے موقع پر کمتر صاحب بھی نظموں کی گرمئ سخن سے اپنا حصہ شامل کرتے رہے۔ چنانچہ ''آئین شریعت کانفرنس'' جو لاہور میں منعقد ہوئی تھی، اس میں کمتر صاحب نے علامہ صاحب کی فرمائش پر حضرت مولانا مفتی محمود کی موجودگی میں اردو زبان میں جو نظم پڑھی تھی، وہ پیش خدمت ہے، اور ہم کمتر مرحوم کی اس نظم پر ہی فی الحال الیکشن ۷۰ء کی کارگزاری کا باب بند کرتے ہیں۔ (دیکھیے: ۳۶/۲ [ادارہ])

اے مفتی اعظم قوم تیرے ساتھ ہے:

نوٹ: جون ۱۹۷۰ء یہ نظم آئین شریعت کانفرنس میں پڑھی گئی:

اب قوم تیرے ساتھ ہے اے مفتی اعظم — میدان سیاست میں تیرا اونچا ہے پرچم
اس ملک میں ہم چاہتے ہیں آئین شریعت — ایوان عدالت میں ہو قرآن کی عظمت

ظلمت کے جو طوفان ہیں رک جائیں گے یک دم اے مفتی اعظم......
اب دل میں جو ہم ٹھان چکے کر کے رہیں گے اس کی نہیں پرواہ کہ جئیں گے یا مریں گے
باطل کے گھرانوں میں بچھی ہے صف ماتم اے مفتی اعظم......
ہم ختم نبوت کے وفادار رہیں گے پہلے کبھی باطل سے دبے ہیں نہ دبیں گے
ہر آن جمعیت کے رضا کار رہے ہم اے مفتی اعظم......
اب دور خلافت کا بھلایا نہیں جاتا فاروق کی عظمت کو چھپایا نہیں جاتا
جس شیر کی آمد نے کیا کفر کا سرخم اے مفتی اعظم......
جاتے ہوئے مدنی نے جمعیۃ تجھے سونپی انیس جماعتوں نے قیادت تجھے سونپی
یہ شان تیری کرسی صدارت سے نہیں کم اے مفتی اعظم......
کئی شوق صدارت کا لیے بھاگ رہے ہیں سوئے تھے کراچی میں جواب جاگ رہے ہیں
مودودی کے دامن میں اچانک ہوئے مدغم اے مفتی اعظم......
درخواستی و غوث کی مخصوص دعائیں شفقت بھری مزدور کسانوں کی دعائیں
ہیں ساتھ تیرے پھر تجھے کس بات کا ہے غم اے مفتی اعظم......
ہم سر پہ کفن باندھ کے نکلے ہیں جو گھر سے ٹکرائیں گے ناپاک چٹانوں کے جگر سے
دشمن تیرے ہو جائیں گے سب درہم برہم اے مفتی اعظم......
حق کہنا ہے کمتر تجھے حق کہتا چلا جا باطل کے غضب ناک ستم سہتا چلا جا
چومے گی فتح تیرے قدم دیکھے گا عالم اے مفتی اعظم......

ایم اے او کالج کی ملازمت کا کیا ہوا؟

جیسا کہ گزشتہ سطور میں یہ بات پیش کی گئی ہے کہ علامہ صاحب ۱۹۶۶ء میں بسلسلہ پی ایچ ڈی برمنگھم کے لیے روانہ ہوئے تھے اور چھ ماہ کے بعد پہلی تعطیل پر پاکستان آئے، جانے کے بعد پھر ۱۹۶۹ء کے اواخر میں واپس تشریف لائے تھے اس دوران ایم اے او کالج انتظامیہ نے آپ کی طویل رخصت منظور کی تھی۔اور ۱۹۷۰ء کے اواخر میں جب انگلینڈ جانے کا پروگرام مرتب ہوا اور آپ نے درخواست برائے تعطیل دی تو اسے بھی مختصر عرصہ کے لیے منظور کر لیا گیا تھا۔مگر جب ایک ماہ کی مزید توسیع کے لیے درخواست دی گئی تو اب کالج انتظامیہ نے علامہ صاحب کو ملازمت سے سبکدوشی کا نوٹس جاری کر دیا۔علامہ صاحب کی درخواست برائے تعطیلات اور کالج انتظامیہ کی جانب سے جوابات کا اصل ریکارڈ بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے پاس محفوظ

(۱) یہ نظم اس زمانہ میں کم وبیش ہر ماہنامے اور ہفت روزہ میں شائع ہوئی تھی، تاہم اس وقت ہمارے پیش نظر ہفت روزہ ''ترجمان اسلام'' لاہور بابت جولائی ۱۹۷۰ء کا شمارہ ہے جس کے صفحہ آخر پر اہتمام کے ساتھ یہ نظم شائع کی گئی تھی۔سلفی

ہے۔اس وقت کالج انتظامیہ کی جانب سے دو اہم نوٹس یہاں پیش کیے جا رہے ہیں، ان کے مطالعہ سے علامہ صاحب کی جانب سے دی گئی درخواستوں کا بھی چونکہ بخوبی علم ہو جاتا ہے۔لہٰذا فی الوقت انہی پر ہی اکتفاء کیا جائے گا۔ملاحظہ کیجیے:

......(۱)......

7/ستمبر 1971ء......جی بی 5۔

محترم ومکرم پروفیسر خالد محمود صاحب

السلام علیکم! بحوالہ آپ کی درخواست مؤرخہ ۲۰/اگست ۱۹۷۱ء تحریر ہے کہ کالج کونسل نے اپنے اجلاس منعقدہ 24-01-71 میں آپ کی طویل رخصت تا اختتام تعطیلاتِ موسم گرما منظور کی تھی۔اور یہ بھی فیصلہ کیا تھا کہ اگر تعطیلات موسم گرما کے بعد، آپ حاضر نہ ہوئے تو آپ کی ملازمت از خود ختم تصور کی جائے گی۔آپ نے کالج کونسل کا یہ فیصلہ نوٹ فرما لیا تھا اور اس فیصلہ کے مطابق تعطیلاتِ موسم گرما کے بعد یعنی یکم ستمبر ۱۹۷۱ء کو آپ کا کالج میں حاضر ہونا ضروری تھا۔آپ نے بذریعہ درخواست مؤرخہ 17-02-71 اپنی طویل رخصت میں ایک ماہ کی جو توسیع چاہی ہے۔وہ اجلاس گورننگ باڈی منعقدہ 24-02-71 میں پیش ہوئی، اور فیصلہ ہوا کہ آپ کی طویل رخصت کے متعلق کالج کونسل منعقدہ 24-01-71 کے مطابق ہی عمل درآمد کیا جائے۔چونکہ آپ نے دفتر کالج کو اپنے انگلستان پتہ کی کوئی اطلاع نہ دی تھی اس لیے متذکرہ بالا فیصلہ کی اطلاع، بذریعہ مراسلہ نمبر K-13 مؤرخہ 28-07-71، آپ کے لاہور کے پتہ پر بھیج دی گئی تھی۔موسم گرما کی تعطیلات کے بعد حسب فیصلہ جات مندرجہ بالا آپ ڈیوٹی پر حاضر نہیں ہوئے۔لہٰذا آپ کو ملازمت سے سبکدوش تصور کیا گیا ہے۔

سیکرٹری گورننگ باڈی ایم اے او کالج (مع مہر و دستخط)

......(۲)......

11/اکتوبر 1971ء.............................No - 16 / G-B

محترم ومکرم پروفیسر خالد محمود صاحب

السلام علیکم۔بحوالہ آپ کے مراسلہ مؤرخہ 13-09-71 تحریر ہے کہ آپ کا یہ مراسلہ اجلاس گورننگ باڈی، مؤرخہ 27-09-71 پیش کیا گیا۔فیصلہ ہوا۔کیونکہ بموجب فیصلہ کالج کونسل منعقدہ 24-01-71 و فیصلہ گورننگ باڈی ایم اے او کالج منعقدہ 24-02-71، تعطیلاتِ موسم گرما کے بعد کالج کھلنے پر آپ ڈیوٹی پر حاضر نہیں ہوئے تھے اور ان فیصلوں کی رو سے آپ کو ملازمت سے سبکدوش کیا جا چکا ہے۔اس لیے آپ کے مراسلہ محررہ 13-06-71 پر غور نہیں کیا جا سکتا۔

سیکرٹری گورننگ باڈی، ایم اے او کالج، لاہور (مع مہر و دستخط)

ان ٹھوس اور کھلی شہادتوں سے واضح ہے کہ ایم اے او کالج لاہور کی ملازمت سے طویل رخصت لے کر آپ انگلینڈ روانہ ہوئے تھے اور جب ۱۹۷۰ء میں واپس تشریف لائے، قومی الیکشن میں بھی حصہ لیا اور دوبارہ پھر انگلینڈ جانے کے لیے تعطیلات میں توسیع کی درخواست پیش کی تو وہ منظور نہیں کی گئی اور یوں آپ ریٹائرڈ منٹ سے پہلے ہی کالج ملازمت سے سبکدوش کر دیئے گئے تھے۔اس سفر میں آپ مع اہل وعیال ہمیشہ کے لیے انگلینڈ ہی کے ہو کر رہ گئے تھے اور وہیں رہ کر دنیا بھر کے تبلیغی

اسفار کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ نیز سال میں تین ماہ کے لیے پاکستان تشریف لاتے اور اپنی کتابوں کے مسودات کو کتابت و طباعت سے آراستہ کروانے کے ساتھ ساتھ تعلیمی ادارہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، شاہدرہ لاہور (جس کی کارگزاری آگے آ رہی ہے) کی نگرانی فرماتے اور دینی مدارس و جامعات کے جلسوں میں بھی شرکت فرماتے تھے۔

جمعیت المسلمین برمنگھم کی دعوت پر انگلینڈ جانے کا پروگرام

نومبر ۱۹۶۴ء میں جمعیت المسلمین برمنگھم نے پہلے پہل علامہ صاحب کو وہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ اس زمانہ کا خط مع عکس ملاحظہ فرمائیے:

نوٹ: یہ خط انگریزی زبان میں ہے، اس کے اردو ترجمے میں مقصودی مفہوم کو پیش نظر رکھا گیا ہے یعنی لفظ بہ لفظ ترجمہ نہیں کیا گیا۔

جمعیت المسلمین (مسلم ایسوسی ایشن)

۱۸۔ سپیڈویل روڈ، لاج باسٹن، برمنگھم۔ ۵

مؤرخہ ۱۷، نومبر ۱۹۶۴ء

جناب علامہ خالد محمود صاحب

سلامت رہیں۔ جمعیت کے عہدیداران کے مابین مکمل غور و فکر اور گفتگو کے بعد ہم مندرجہ ذیل فیصلے پر پہنچ پائے ہیں، ہمیں امید ہے کہ آنجناب اس فیصلہ کو قبول فرمائیں گے۔

(ا) ہم آپ کو بطور مذہبی معلم کی تقرری کی پیش کش کرتے ہیں اور اس کا تعلیمی پروگرام آپ کی آمد کے بعد تفصیلاً پیش کر دیا جائے گا۔ یہ تقرری آپ کی منظوری کے وقت سے لے کر کم از کم ایک سال کی مدت کے لیے ہوگی۔ اور یہ پیش کش مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ مشروط ہوئی:

۱۔ ماہانہ حق خدمت (مشاہرہ) ۶۰ پونڈز

۲۔ رہائش مفت فراہم کی جائے گی۔

۳۔ جمعیت آپ کی واپسی کا کرایہ بھی ادا کرے گی۔

لہٰذا جمعیت کی خواہش ہے کہ آپ عید الفطر ۱۹۶۵ء سے پہلے پہلے یہ تقرری قبول کر لیں، ہمیں آپ کے جوابی خط اور اس بات کی تصدیق کہ آپ اس تقرری کو قبول کرتے ہیں، سے بہت خوشی محسوس ہوگی۔

دستخط سیکرٹری جمعیت المسلمین برمنگھم

پہلی تعطیل پر پاکستان آمد اور جمعیت المسلمین کا دوسرا خط

قرائن سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علامہ صاحب ۱۹۶۶ء میں مذکورہ جمعیت المسلمین ہی کی دعوت پر انگلینڈ گئے تھے۔ ۱۹۶۴ء کے اواخر میں (یعنی نومبر) میں یہ خط ارسال کیا گیا تھا اور اس زمانہ کے حالات و ذرائع کے مطابق علامہ صاحب

تک یہ خط دسمبر کے اواخر میں پہنچا ہوگا۔ اس کے بعد ۱۹۶۵ء کا مکمل سال اور ۱۹۶۶ء کا نصف اس دعوت کے قبول کرنے یا نہ کرنے پر غور وفکر، جانے کی تیاریاں، پاسپورٹ، ویزا اور زادِ راہ کے انتظامات نیز ایم اے او کالج سے تعطیلات کے لیے بھاگ دوڑ، گھریلو انتظامات ونگرانی کا مسئلہ (کیونکہ اس وقت بچے کم سن تھے) اور دینی وتحریکی امور کو سمیٹنے وغیرہ وغیرہ کے ایسے مسائل تھے کہ ضرور بالضرور ان معاملات میں سال، ڈیڑھ سال کا عرصہ لگ گیا ہوگا، اور یہ بات بھی ثقہ شہادتوں کے ساتھ پیش ہو چکی ہے کہ دسمبر ۱۹۶۶ء میں علامہ صاحب نے حضرت مولانا محمد عبید اللہ انورؒ کو برمنگھم سے خط ارسال کیا تھا جس کا مکمل متن گزشتہ صفحات میں پیش کیا جاچکا ہے اور فروری ۱۹۶۶ء کو آپ جامعہ اشرفیہ لاہور میں منعقد ہونے والی محفل حسن قرأت میں شریک تھے گویا آپ ۱۹۶۶ء کے وسط میں برمنگھم تشریف لے گئے ہوں گے تو ان تمام تر تاریخی ادوار اور مراحل پر غور کیا جائے تو نتیجہ بہرحال یہی نکلتا ہے کہ ہم نے جو ''جمعیت المسلمین'' کا خط درج کیا ہے، اس کے مطابق ہی علامہ صاحب نے برمنگھم کا سفر اختیار کیا تھا، کم وبیش چھ ماہ کا عرصہ وہاں گزارنے کے بعد علامہ صاحب کا سفر حج مبارک طے ہوا جس کا شیڈول یہ تھا کہ پہلے پاکستان جائیں گے، وہاں سے سعودی عرب اور سعودی عرب سے فریضہ حج ادا کرنے کے بعد انگلینڈ واپسی ہوگی۔ اس موقع پر جب کہ آپ پاکستان آئے ہوئے تھے تو ''جمعیت المسلمین'' کی جانب سے آپ کو مندرجہ ذیل پیغام موصول ہوا:

۱۸/ سپیڈویل روڈ، ایچ باسٹن برمنگھم، ۵

فروری ۱۹۶۷ء

جناب علامہ خالد محمود، پارٹ ٹائم ریسرچ طالب علم برمنگھم یونیورسٹی

جناب محترم، جمعیت کے ممبران میں مکمل گفتگو اور غور وفکر کے بعد ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ واپسی پر ہفتہ وار مشاہرہ میں اضافے کے ساتھ اُنہیں شرائط پر دینی استاذ اور مسجد کے خطیب کی حیثیت سے اپنا کام بدستور جاری رکھیں۔ یہ جمعیت کی خواہش ہے کہ آپ حج ادا کرنے اور پاکستان کا دورہ مکمل کرنے کے بعد جلد از جلد واپس آجائیں۔ والسلام

چوہدری زمان علی (ستارۂ خدمت) (صدر دستخط) (سیکرٹری دستخط)

برمنگھم یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی اور پروفیسر جے ایچ ہائیک کا ایک نادر مکتوب

یہ پیش نظر رہے کہ علامہ صاحب کے انگلینڈ جانے کا مقصد ریسرچ اور مزید عصری علوم کے حصول کے ساتھ ساتھ وہاں کی تاریخی لائبریریوں کا مطالعہ کرنا تھا، چونکہ آپ کی علمی وتحقیقی شہرت پاکستان اور بیرون ملک ہو چکی تھی، جس میں ہفت روزہ ''دعوت'' کا بھی بھرپور کردار تھا۔ اس لیے جب آپ کا یہ پروگرام وہاں کی ''جمعیت المسلمین'' کے علم میں آیا تو انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا اور یوں علامہ صاحب کے لیے یورپ میں جہاں عصری علوم کے رستے پیدا ہوئے وہاں خدمتِ دینیہ کے مواقع کے ساتھ رہائش اور رزق بقدرِ کفایت کا بھی انتظام ہو گیا۔ برمنگھم یونیورسٹی میں آپ نے تقابل ادیان

پر پی ایچ ڈی کی تھی اور اپنا مقالہ ۱۹۷۱ء میں جمع کروانے کے لیے اپنے ایک استاذ کے سپرد کر کے پاکستان آ گئے اور یہاں سے واپسی کے لیے جب ناگزیر وجوہات کی بناء پر قدرے تاخیر ہوئی تو پروفیسر جے ایچ ہائیک کی جانب سے آپ کو ایک خط لاہور میں موصول ہوا، انگریزی سے اردو ترجمہ پیش قارئین کیا جاتا ہے۔

''یونیورسٹی آف برمنگھم

شعبہ دینیات (ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ پروفیسر جے ایچ ہائیک)

مسٹر خالد محمود!

پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے آپ کے موجودہ کام کی مدت اور ضروریات کی یاد دہانی کے لیے لکھ رہا ہوں کہ اگر آپ جنوری ۱۹۷۱ء میں طے شدہ معاہدے کے مطابق پاکستان سے برمنگھم واپس آ جاتے تو آپ کے لیے ستمبر ۱۹۷۱ء میں رہائش کی ضروریات کو پورا کرنا ممکن تھا۔ مگر اب فی الحقیقت آپ تقریباً دو ماہ تاخیر سے یہاں واپس پہنچے۔ نتیجتاً آپ اکتوبر کے آخر تک یہاں اپنا کام پورا نہیں کر سکتے، اور نومبر میں مقالہ پیش نہیں کر سکتے۔ نیک تمناؤں کے ساتھ

آپ کا مخلص، جے ایچ ہائیک، قائم مقام صدر شعبہ دینیات''

اس خط کی تفصیل یہ ہے کہ علامہ صاحب اپنا مقالہ جمع کروانے کے لیے یونیورسٹی برمنگھم کے جس کلاس فیلو یا پروفیسر کے ذمہ لگا کر پاکستان آئے تھے انہوں نے بروقت جب مقالہ داخل دفتر نہ کروایا تو پروفیسر جے ایچ ہائیک نے لاہور کے پتہ پر علامہ صاحب کو خط ارسال کر دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ مذکورہ مقالہ ۱۹۷۱ء کی بجائے ۱۹۷۲ء میں جمع کروایا گیا اور یوں اواخر ۱۹۷۲ء یعنی ماہ نومبر میں آپ کو برمنگھم یونیورسٹی کی جانب سے پی ایچ ڈی کی ڈگری جاری کی گئی تھی۔ یہاں تک کی جو انگلینڈ جانے کی کارگزاری ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۱۹۶۴ء میں علامہ صاحب نے وہاں جانے کا پروگرام بنایا۔ ۱۹۶۶ء میں روانگی ہوئی اور برمنگھم میں اپنے سلسلہ تعلیم کے ساتھ ساتھ ''جمعیت المسلمین'' کی دعوت پر بطور امام وخطیب اور مذہبی راہنما کے خدمات سرانجام دیں، چھ ماہ کے بعد وطن واپس لوٹے اور چند ماہ یہاں رہ کر پھر واپس برمنگھم چلے گئے۔ چند سال کے بعد ۱۹۷۰ء میں تعطیل پر آئے تو قومی انتخابات میں جمعیت علماء اسلام کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کی نشست پر حلقہ نمبر ۴ / لاہور سے حصہ لیا۔ اس دوران برمنگھم یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کا مقالہ جمع ہو چکا تھا اور یہاں پاکستان میں ایم اے او کالج کی ملازمت میں بوجہ توسیع تعطیل کی درخواست منظور نہ ہونے کے سبکدوشی ہوئی۔ اور پھر ۱۹۷۱ء کے وسط میں مع اہل وعیال مستقل طور پر انگلینڈ جا بسے۔ اس تلخیص کی تفصیل اور اجمال کی توضیح ماسبق کے اوراق میں مفصل اور تاریخی شہادتوں کے ساتھ پیش کر دی گئی ہے۔

مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا انگلینڈ کے دورہ سے واپسی پر ایک یادگار خط

پروفیسر جے ایچ ہائیک کا خط کھلی شہادت دے رہا ہے کہ علامہ صاحب مع اہل وعیال مارچ ۱۹۷۱ء میں برمنگھم مستقل طور پر منتقل ہو چکے تھے۔ کیونکہ مذکورہ پروفیسر صاحب کے بقول علامہ صاحب کو جنوری میں آ جانا چاہیے تھا مگر آپ دو ماہ تاخیر سے

پہنچے جس کی وجہ سے پی ایچ ڈی کا مقالہ پیش ہونے میں قدرے تاخیر ہوئی۔ اب ہم حضرت مولانا محمد اسعد مدنیؒ (ابن شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) کا وہ یادگار خط پیش کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے دورۂ انگلینڈ سے واپس انڈیا جانے پر علامہ صاحب اور آپ کے رفقاء کو ارسال کیا تھا۔ اور یہ خط ۲۶ ؍اگست ۱۹۷۱ء کو دہلی سے بھیجا گیا تھا۔ انگریزی ٹائپنگ میں ارسال کیا گیا یہ خط اس امر کی مزید شہادت دے رہا ہے کہ حضرت مولانا محمد اسعد مدنیؒ کے اس دورہ میں علامہ صاحب نے اپنے رفقاء و احباب کے ساتھ ان کی میزبانی کی تھی، خط کا متن پڑھیے۔ یاد رہے کہ یہ خط ''جمعیت علماء ہند'' کے لیٹر پیڈ پر درج ہے۔

جمعیت علماء ہند

ا۔ بہادر شاہ ظفر روڈ۔ نئی دہلی

۲۶ ؍اگست ۱۹۷۱ء

میرے عزیز دوستو!

میں برطانیہ سے بحفاظت ہندوستان پہنچ گیا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں پہلے آپ کو خط ارسال نہ کرسکا۔ یہ بات میرے لیے باعث فخر اور اطمینان ہے کہ آپ حضرات نے برطانیہ میں میرے قیام کے دوران مجھ سے گہری اور مخلصانہ محبت اور پیار کا مظاہرہ کیا۔ مجھے امید ہے کہ اس عرصہ میں قائم ہونے والے رشتۂ محبت کو مستقبل میں مزید مضبوط کیا جائے گا۔ مجھے مزید امید ہے کہ تنظیمی سرگرمیوں میں پیدا ہونے والی دلچسپی بھی بڑھے گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ قادر مطلق آپ سب احباب پر رحم فرمائے۔ میری دعا ہے کہ آپ اپنی نیک خواہشات میں ہر طرح سے کامیاب ٹھہریں، براہ کرم مجھے اپنی تمام دعاؤں میں یاد رکھیں۔

آپ مخلص! محمد اسعد مدنی، ایم پی اینڈ جنرل سیکرٹری جمعیت علماء ہند

[بنام علامہ خالد محمود / محررہ ۲۶، اگست ۱۹۷۱ء، نئی دھلی، بھارت]

انگلینڈ میں مولانا لعل حسین اخترؒ اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے ساتھ رفاقت کی سرگزشت:

حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ سے قبل ۱۹۶۷ء میں حضرت مولانا لعل حسین اخترؒ نے انگلینڈ کا دورہ کیا تھا جو راؤ شمشیر علی خان مرحوم کی کاوش سے ممکن ہوا تھا اور فرنگی سرزمین پر انگریز کے خود کاشتہ پودے مرزا غلام احمد قادیانی کی ذریت کا ناطقہ بند کروانے میں علماء حق کی اس جُہد مسلسل میں راؤ شمشیر علی خان مرحوم، مرحوم رفعت لودھی اور ان کی اہلیہ بیگم نسیم فاطمہ مرحومہ کا بھی پورا پورا حصہ شامل ہے۔ حضرت علامہ خالد محمودؒ نے ''انگلینڈ میں تحفظ ختم نبوت کی پچاس سالہ تاریخ'' کے نام سے اپنی شاندار یادداشتوں کو قلمبند کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور ان یادداشوں کے پچیس تیس صفحات کی کمپوزنگ بھی اپنی نگرانی میں کروالی تھی، علامہ صاحب کے مبارک ہاتھوں سے لکھا یہ نامکمل مسودہ بھی ہمارے پیش نظر ہے۔ کاش یہ کام مکمل نہ سہی، کسی قدر تفصیل سے ہی آجاتا تو علمی دنیا میں ایک زبردست معلوماتی لہر اٹھتی۔ اس خودنوشت (غیر مطبوعہ) میں علامہ صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''ووکنگ کی شاہ جہاں بیگم مسجد پر جب قادیانیوں کا قبضہ تھا تو اس وقت ووکنگ میں تحفظ ختم نبوت کے ایک مخلص کارکن راجہ

محمد شریف ہوا کرتے تھے جو مختلف ہالوں اور مقامات پر ختم نبوت کے بڑے بڑے اجتماعات کرواتے رہے۔ اور ووکنگ کے مسلمانوں کو اس موضوع پر بیدار کرتے رہے۔ ان کے ساتھیوں میں راجہ عبداللہ اور ان کے سب بھائی یہاں ختم نبوت کی خدمت کے رکن رہے۔ ایک دفعہ راجہ شریف صاحب کی دعوت پر راقم الحروف ووکنگ میں جلسہ ختم نبوت میں پہنچا ہوا تھا کہ مجھے بتایا گیا کہ آج ووکنگ مسجد کے قادیانی امام بھی ہمارے جلسہ میں آئیں گے۔ ہم نے یہ اطلاع ملتے ہی مرزا غلام احمد کی کتابوں کا بستہ وہاں منگوالیا کہ شاید مناظرہ ہو جائے۔ وہاں مناظرہ تو نہ ہوا البتہ امام صاحب مجھے ملنے آگئے کہ آپ یہ جلسے یہاں (ہال) میں کیوں کرتے ہیں؟ مسجد ووکنگ میں کرلیا کریں۔ آپ کو اس سے کوئی نہ روکے گا۔ یہ مسجد سب کے لیے کھلی ہے۔ امام صاحب کا پورا تعارف ہوا تو ہمیں بتایا گیا کہ یہ قادیانی امام مشرقی افریقہ میں کہیں اپنا کام کرتے تھے اور وہاں سے وہ یہاں ووکنگ کی مسجد میں بطور امام آئے۔ ان کا نام محمد بشیر مصری تھا۔ راقم الحروف اور مولانا لعل حسین اختر کی ان سے عام ملاقات رہی ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس کے بیان پر مرزا محمود پر ایک مقدمہ قائم ہوا تھا'' [یادداشتیں علامہ خالد محمودؒ (نامکمل و غیر مطبوعہ)]

اسی طرح حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے بھی انگلستان کا سب سے پہلا سفر ۱۹۷۴ء میں کیا تھا جس کی ابتداء سفر حرمین شریفین سے ہوئی تھی۔ اور اس سفر کی سرگذشت حضرت بنوریؒ نے ماہنامہ بیّنات بابت دسمبر ۱۹۷۴ء بمطابق ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ میں درج کی تھی۔

حضرت بنوریؒ کے ساتھ حادثہ

حضرت علامہ خالد محمودؒ نے اپنے خود نوشت (غیر مطبوعہ) مضمون میں لکھا ہے کہ:

''راؤ شمشیر علی خان نے اشاعت اسلام کی اس خدمت کے لیے کراچی میں مقیم حضرت مولانا (محمد یوسف) بنوریؒ کو بھی ہڈرسفیلڈ (پارک شاگر) آنے کی دعوت دی اور حضرت بنوریؒ ختم نبوت کی خدمت کا سرشار سینہ لیے ہڈرسفیلڈ تشریف لے آئے۔ راقم الحروف بھی انہیں وہاں راؤ صاحب کے مکان پر ملا جو اُن دنوں بہت خستہ حالت میں تھا لیکن حضرت بنوریؒ کی خدمت ختم نبوت کے سرشار سینہ میں کوئی خستگی نہ دیکھی گئی۔ وہاں حضرت بنوریؒ بیت الخلاء میں جاتے ہوئے گر بھی گئے تھے، مگر مجال ہے کہ کوئی حرفِ شکایت وہاں آپ کی زبان پر آیا ہو۔''

علامہ صاحب کی اس اجمالی یادداشت کی تفصیل یہ ہے کہ مؤرخہ ۲۲ر نومبر ۱۹۷۴ء کو جب علامہ بنوریؒ انگلینڈ پہنچے تو جاتے ہی ایک جانکاہ حادثے کا شکار ہو گئے تھے۔ لندن میں مقیم مفتی عبدالباقی کا کہنا ہے کہ:

''لندن میں ایک رات قیام کے بعد (حضرت بنوری) ہڈرسفیلڈ روانہ ہوئے۔ دفتر ختم نبوت پہنچے۔ دفتر میں قیام پذیر صاحب خانہ موجود نہیں تھے، بعد میں ملے۔ حضرتؒ کو رات کے وقت پیشاب کا عارضہ درپیش تھا۔ رات کو میں بھی ایک دو دفعہ ان کے ساتھ گیا، لیکن میری آنکھ لگ گئی اور حضرت الشیخ تن تنہا پیشاب کرنے کے لیے اٹھے۔ اندھیرا تھا اور بجلی کا سوئچ آٹومیٹک تھا جو آن کرنے کے تھوڑی دیر بعد خود بخود بجھ جاتا تھا۔ حضرت جب قضائے حاجت سے فارغ ہوئے تو بٹن دبا دیا، ابھی حضرت آگے نہیں بڑھے تھے کہ بٹن خود بخود بجھ گیا اور اندھیرا چھا گیا، بیت الخلاء کے قریب ایک تہہ خانہ تھا جس کا دروازہ نہیں تھا۔ دوسری

طرف ذرا آگے حضرت کی قیام گاہ (دفتر ختم نبوت) تھی۔ حضرت نے غلطی سے تہہ خانہ کی طرف ذرا آگے قدم بڑھایا اور نیچے سیڑھیوں پر لڑھکتے ہوئے دھڑام سے تہہ خانہ میں گر گئے۔ غالباً سولہ سترہ سیڑھیاں ہوں گی۔ معلوم نہ تھا کہ نیچے سوئچ کہاں ہے؟ اندھیرے میں سیڑھیاں تلاش کر کے اوپر چڑھ آئے۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر مجھے آواز دی کہ بھائی اٹھو میں گر گیا ہوں (پشتو میں یہ الفاظ کہے تھے) میں چونک کر اٹھا، حضرت کو دیکھا تو کیسے دیکھا؟ ایسے دیکھا کہ کسی نے بھی اس حال میں حضرت کو نہ دیکھا ہوگا۔ میں اس وقت کچی نیند سے اٹھا تھا، بجلی جلائی، دیکھا تو حضرت الشیخ لہولہان ہیں، سر سے خون فوارے کی طرح ابل رہا تھا، چہرہ انور نے خون کی چادر اوڑھ رکھی ہے۔ ڈاڑھی پر لہو کی تہہ چڑھی ہوئی ہے۔ کپڑے بھی خون سے رنگین ہیں نہ پاؤں میں سلیپر، نہ ہاتھ میں لاٹھی، پرایا مکان، اور ہم اجنبی۔ اس وقت آدھی رات ہے، لوگ محوخواب ہیں۔ صاحب خانہ بھی اپنے کمرے میں آرام کر رہا ہے۔ میں نے سب سے پہلے ٹشو پیپر سے سر کا زخم صاف کیا، پھر چہرہ صاف کیا، پھر ڈاڑھی صاف کی۔ ٹشو پیپر کے ذرات زخم اور ڈاڑھی میں پھنس جاتے تھے، صفائی میں مشکل آئی، روئی نہیں تھی، دفتر میں ہوتا کیا ہے؟ صرف چند کتابیں، چارپائی اور چند کرسیاں؟ پھر حضرت کے بنیان اور چادر تبدیل کرائے۔ اپنے مفلر سے ان کا سر باندھا، میں نے کہا کہ صاحب خانہ کو جگاؤں؟ فرمانے لگے نہیں، اس کے آرام میں خلل ہو جائے گا، رہنے دو، میں بار بار کہتا کہ ڈاکٹر کو فون کر دیا جائے، فرماتے کہ صبح دیکھا جائے گا۔ پھر میں اس تہہ خانہ میں گیا، دیکھا تو رستہ میں خون چھڑکا ہوا ہے۔ کہیں کہیں خون کی دبیز تہہ جمی پڑی ہے۔ ساری سیڑھیاں خون میں لت پت ہیں۔ نیچے حضرت الشیخؒ کے سلیپر، ایک یہاں، دوسرا وہاں۔ عصا بھی ایک کونہ میں پڑا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے بکرا ذبح کیا گیا ہو۔ اتنی خون کی بہتات تھی کہ کمزور دل کا آدمی دیکھ کر بے ہوش ہو جائے۔ لیکن کیا مجال ہے کہ شیخ نے اُف بھی کی ہو۔ آخری وقت رات میں صاحب خانہ کی بیوی اٹھی تو ہر طرف بکھرا خون دیکھ کر گھبرا گئی، واپس کمرے میں گئی اور شوہر کو جگایا وہ اٹھ کر بھاگے بھاگے آئے اور حیرانی سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اسے جب معلوم ہوا تو پھر دوستوں کو اطلاع دی، ڈاکٹر کو فون کیا، ایمبولینس منگوا کر حضرت کو ہسپتال لے گئے۔ غالباً سات ٹانکے لگے اور ڈاکٹر نے حضرت کو ہسپتال سے فارغ کیا، لیکن ساتھ ہی سفر پر پابندی لگا دی، مگر لوگ کب معاف کرنے والے تھے؟ چنانچہ پروگرام کے مطابق حضرت بنوری نے سفر جاری رکھا اور پھر واپس کراچی تشریف لے آئے۔"[مفتی عبدالباقی ماہنامہ"بینات" حضرت بنوری نمبر: ۴۴۹ مطبوعہ ۱۹۷۸ء]

علامہ بنوریؒ کے اس دورہ میں علامہ صاحب نے برطانیہ کے مختلف شہروں ہڈرسفیلڈ، شیفیلڈ، ڈیوزبری، پرسٹن، بریڈفورڈ، گلسٹر، والسال، برمنگھم، ولور، ہملٹن، کونٹری، لسٹر، نیٹی ٹن اور لندن کے دور دراز علاقوں میں جا جا کر تحفظ ختم نبوت کا فریضہ سرانجام دیا، یہ وہ دور تھا جب پاکستان میں تازہ تازہ (ستمبر ۱۹۷۴ء) قادیانیوں کو نیشنل اسمبلی میں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تھا۔ اس لیے دنیا بھر میں علماء اہل سنت کی جہد مسلسل کی وجہ سے اہل اسلام ان کی زیارت وخدمت کو بے تاب تھے۔ سوا سی دوران جب علامہ محمد یوسف بنوریؒ وہاں (برطانیہ) پہنچے تو علامہ خالد محمود صاحبؒ نے طویل وعریض اسفار میں علامہ بنوریؒ کے قدم بقدم تحفظ ختم نبوت کے مقدس فریضہ سے مسلمانوں کو آگاہ فرمایا اور قادیانیت کی بیخ کنی کرنے میں اپنی خداداد صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا۔

قادیانیت کے تعاقب میں بیرونی دورے

پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کو بنایا گیا تو انہوں نے اپنے اس منصب کو قادیانیت کی تشہیر ودفاع کے لیے

بھرپور استعمال کیا۔ سرظفر اللہ خان مؤرخہ ۶، فروری ۱۸۹۳ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے تھے۔ مختلف اداروں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد دسمبر ۱۹۱۴ء میں چیف کورٹ میں ایڈووکیٹ بھرتی ہوئے۔ اس دوران لاء کالج لاہور میں لیکچرر رہے، ۱۹۳۷ء میں بادشاہ جارج ششم کی تخت نشینی کی تقریبات میں برطانوی ہند کی نمائندگی بھی کی۔ ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۷ء فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج بھی رہے اور دسمبر ۱۹۴۷ء سے نومبر ۱۹۵۴ء تک پاکستان کے وزیر خارجہ رہے ان کے دور وزارت خارجہ میں قادیانیت کو کس قدر پنپنے کا موقع ملا؟ اس کا اندازہ ''سیاسی اتار چڑھاؤ'' نامی کتاب کو پڑھ کر لگایا جاسکتا ہے جس میں سرظفر اللہ خان کا مفصل انٹرویو ہے اور یہ کتاب منیر احمد منیر نے ''آتش فشاں پبلی کیشنز'' لاہور سے ستمبر ۱۹۸۵ء میں شائع کی تھی۔ اس میں ایک مقام پر سید مرید حسین ایڈووکیٹ کے انٹرویو میں علامہ خالد محمودؒ کے والد گرامی پر الزام لگایا گیا تھا جس پر مفصل بحث ہم پچھلے اوراق میں کر آئے ہیں اور مذکورہ الزام کے بے بنیاد ہونے پر ناقابل تردید شواہد بھی درج کیے ہیں۔ بہرکیف قادیانیوں نے سرظفر اللہ خان کے دور میں جب بیرونی ممالک میں اپنے پنجے گاڑے تو عرب ممالک اور کچھ افریقی ممالک کو بطور خاص اپنے ہدف پر رکھا۔ جنوبی افریقہ میں چونکہ زیادہ تر معاشی مسائل تھے تو قادیانیوں نے رفاہ عامہ کی آڑ میں وہاں اپنے مذہبی تبلیغ کے مراکز قائم کر دیئے۔ کتب اسلامی میں تحریف کر کے اشاعت کی گئی، ہسپتالوں، اسکولوں اور یتیم خانوں کا سلسلہ جاری کیا گیا، اور اس چکمہ میں وہاں کے سادہ لوح مسلمانوں کا پھنسنا تو یقینی تھا ہی، کفر سے اسلام کی طرف آنے والوں کے لیے اس سے بھی بڑا المیہ تھا کہ وہ کلمہ طیبہ کا اقرار کرتے ہوئے بھی کافر ہی رہتے۔ کیونکہ قادیانی انہیں مرزا غلام احمد قادیانی جیسے کاذب وخاسر مدعی نبوت کی امت میں لانے کی تبلیغ کرتے تھے پھر جب ۱۹۷۰ء کا زمانہ آیا تو مرزا ناصر نے افریقی ممالک کا دورہ کر کے ایک تفصیلی رپورٹ شائع کی جس سے علماء اسلام نے قادیانیت کے بڑھتے ہوئے فتنہ پر تشویش کا اظہار کیا اور اس کی روک تھام کے لیے مکۃ المکرّمۃ میں ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا۔ اس دوران ۷۴ء کی تحریک بھی اپنے مقاصد میں کامیاب ہو چکی تھی اور پاکستان میں قومی اسمبلی نے مرزائیوں کو کافر اقلیت قرار دے دیا تھا۔ افریقہ میں بڑھتی ہوئی قادیانیت کے مسئلہ پر حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی اور حضرت علامہ خالد محمود کو جنوبی افریقہ بھیجنے کا فیصلہ ہوا اور مکہ المکرّمۃ کے اصحاب ثروت نے ان حضرات کے وہاں آنے جانے اور قیام کے مکمل اخراجات برداشت کرنے کا اعلان کیا، سعودی حکومت کو رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل شیخ محمد صالح القزاز اور الشیخ عبدالعزیز بن باز نے بھی متوجہ کیا تو سعودی حکومت نے بھی اپنے بھرپور تعاون کا اظہار کیا۔ غیر سرکاری حضرات میں سے مولانا عبدالحفیظ مکی، محمد رفیق (ریاض) کے یوخان (الخبر) ملک عبدالغنی اور ڈاکٹر عبدالسبوح قاسمی وغیرہم شامل تھے۔ چنانچہ ان حضرات کے بے لوث تعاون اور دریا دلی کے باعث دین اسلام کے یہ دو مقتدر حضرات یعنی علامہ خالد محمودؒ اور مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ نے جنوبی افریقہ کا دورہ کیا اور قادیانیت دم دبا کر وہاں سے بھاگ نکلنے پر مجبور ہوگئی۔

دورۂ نیروبی

علامہ صاحب مولانا چنیوٹی کو لے کر مؤرخہ ۲۶؍ جولائی ۱۹۷۶ء کو اولاً کینیا کے دورے پر روانہ ہوئے تھے اور نیروبی

ائیر پورٹ پر علماء کرام و معززین علاقہ نے آپ کا استقبال کیا تھا۔ وہاں کی اسلامی تنظیموں کی وساطت سے تجار، صنعت کار، وکلاء اور ڈاکٹرز حضرات سے الگ الگ ملاقاتیں کی گئیں اور انہیں قادیانی فتنہ کی خطرناکیوں سے آگاہ کیا گیا۔ پھر حسب فیصلہ اس دور میں نیروبی کی دو بڑی مساجد میں خطباتِ جمعۃ المبارک کا اہتمام کیا گیا چنانچہ ایک مسجد میں علامہ خالد محمودؒ اور دوسری میں مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ نے خطابات کئے اور عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت پر زوردار دلائل سے روشنی لے کر لوگوں کو آگاہ کیا۔ اس موقع پر ممباسہ کے قاضی القضاۃ قاضی سعید احمد الشیخ سے بھی ملاقات کروائی گئی اور وہ علامہ صاحب کے تبحر علمی سے بہت متاثر ہوئے۔ اس کے بعد جامعہ اسلامیہ منگانو ریاضہ میں افریقی طلبہ سے انگلش اور عربی میں خطابات ہوئے۔ پھر پنگانی کے اندر بڑے بڑے اجتماع کا انعقاد کیا گیا۔ اور ان میں لوگوں نے سوالات کے ذریعے قادیانی فرقہ سے آگاہی لی۔ جن کے جوابات سن کر اہلیان نیروبی و ممباسہ ششدر رہ گئے۔ کیونکہ آج تک انہیں اس قدر تفصیلات کے ساتھ اس فرقہ کے کفریہ عقائد سے آگاہی نہ ہوئی تھی۔

۲۶ رجولائی تا ۳۱ رجولائی ۱۹۷۶ء تک آپ نے اس ایک ہفتہ کے دورہ میں کینیا، نیروبی اور ممباسہ کے صرف شہروں تک ہی نہیں، بلکہ دور دراز کے دیہی علاقوں تک کے بھی دورے کئے۔ اور جہاں کہیں قادیانیوں کے تبلیغی مرکز یا ان کے کفریہ عقائد کا پرچار کرنے والے مبلغین کی سرگرمیوں کا پتہ چلتا تو آپ وہاں پہنچ جاتے تھے۔ علامہ صاحب اُن دنوں کو اپنی زندگی کے سنہرے دنوں میں شمار کرتے تھے، فرماتے تھے کہ اس دورہ میں کئی کئی میل ہمیں پیدل چل کر بھی عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت کرنے کی سعادت حاصل رہی ہے۔ یاد رہے کہ نیروبی، کینیا کا دارالحکومت ہے۔ ۱۹۰۷ء میں یہ ممباسہ کی جگہ ملک کا دارالحکومت بنایا گیا تھا۔ اور ممباسہ، نیروبی کے بعد کینیا کا دوسرا بڑا شہر ہے۔

نائیجیریا کا تاریخی مناظرہ:

یکم اگست ۱۹۷۶ء کو آپ نائیجیریا جا پہنچے۔ یہ مغربی افریقہ میں واقع ایک اسلامی ملک ہے اور اس کا دارالحکومت ''ابوجا'' ہے۔ اور ''لاگوس'' ایک بڑا شہر ہے۔ یہ ملک تیل کی دولت سے مالا مال ہے مگر بدقسمتی سے حکمرانوں کی بدعنوانیوں، نظام عدل کی بے محابا خرابیوں اور استعماری قوتوں کی مداخلت و سینہ زوری کی بناء پر یہاں کے عوام مسلسل کسی نہ کسی کرب میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس نظام کی خرابی کی وجہ سے گاہے گاہے عسکریت پسندوں کی ٹولیاں وجود میں آتی رہتی ہیں جو خونریزی کے ذریعے عوام کو دباؤ میں رکھتی ہیں اور انہیں میں سے مشہور زمانہ تنظیم ''بوکو حرام'' بھی ہے۔ علامہ خالد محمودؒ فرماتے تھے کہ ہم نے نائیجیریا، ابوجہ اور ڈمباڈا کے علاقوں میں جا کر بھی قادیانیت کے خلاف بڑے بڑے اجتماعات منعقد کئے تھے۔ اور ریاست ''کڈونا'' نیز اجیبوڈی نامی شہروں میں تو مناظروں تک کی نوبت بھی آئی اور اللہ تعالیٰ نے علامہ صاحب کو ہر ہر قدم پر سرخرو فرمایا۔ علامہ صاحب کو اس دورہ میں بورنو، میڈوگوری، زبر ماری، سوکٹو، اور نائیجیریا کے پڑوسی ممالک چاڈ اور کیمرون میں بھی کئی ماہ رہنے کا موقع ملا تھا۔ نائیجیریا میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی آبادی کا تناسب تقریباً برابر ہے۔ قادیانیت جیسے غلیظ فتنہ نے جب وہاں پنجے گاڑے تو علامہ صاحب کو اُس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین متین کی سربلندی و حفاظت کے لیے قبول فرمایا اور آپ نے وہاں جا کر لاکھوں لوگوں کے

ایمان وعقیدہ کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا۔

مغربی افریقہ کے شہر ''اجی بوڈی'' میں بعنوان ''مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی'' ایک مناظرہ طے ہوگیا تھا جو بعد میں ''مناظرہ نائیجیریا'' کے نام سے انٹرنیشنل اسلامک اکیڈمی مانچسٹر (انگلینڈ) نے شائع کیا تھا اور اس کو مرتب کرنے کا فریضہ ادارہ دعوت وارشاد چنیوٹ کے ناظمِ نشر واشاعت مولانا محمد رفیق نے سرانجام دیا تھا۔ یہ جنوری ۱۹۸۱ء میں پہلی بار زیور طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آیا۔ زیرنظر اشاعتِ خاص میں اس کا مکمل تعارف ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔(دیکھیے :۲/۷۴۷......۱/۹۴)

نائیجیریا کے بعد ۱۵، اگست ۱۹۷۶ء سے اکرہ، کماسی، سیرالیون اوران کے مضافات کے دورے شروع ہوئے جو ۲۲/اگست ۱۹۷۶ء تک جاری رہے۔

دورۂ گیمبیا اور قادیانیوں کی ذلت کا ایک دلچسپ واقعہ

نائیجیریا کے مناظرہ میں شکست وذلت کا داغ ابھی باقی تھا کہ قادیانیوں کو گیمبیا میں مزید ایک خجالت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت علامہ صاحبؒ اور مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ اپنے دیگر احباب کے ہمراہ مؤرخہ ۲۲، اگست ۱۹۷۶ء کو گیمبیا کے بنجول ائیر پورٹ پر پہنچے۔ رائل وکٹوریہ ہسپتال کے ڈاکٹر سومیا نے وہاں آپ کا بے حد اکرام کیا اور وفد کے اراکین کو اٹلانک ہوٹل میں جا کر ٹھہرایا، مذکورہ ہوٹل بحر اوقیانوس کے کنارے پر واقع ہے اوراس سے پانچ سال قبل ۱۹۷۰ء میں جب مرزا ناصر یہاں آیا تھا تو وہ بھی یہیں ٹھہرا تھا۔ علامہ صاحب نے اپنے احباب سمیت محسوس کیا کہ اس ہوٹل کے اسٹاف کے بعض اعمال نہایت مشکوک تھے۔ چنانچہ آپ ایک ہی رات یہاں قیام کرکے اگلے دن ''سرکنڈا'' جا کر مقیم ہوگئے۔ یہاں کے مقامی حضرات نے علامہ صاحب اوراراکین وفد کو یہ تاریخی بات سنائی کہ جب گیمبیا ۱۹۶۵ء میں برطانیہ کے تسلط سے آزاد ہوا تو یہاں کا ایک قادیانی پہلا صدر مملکت منتخب ہوا جس کا نام فرمان سنگاٹ تھا۔ چنانچہ مرزا ناصر نے اسے خط لکھا کہ وہ ربوہ (چناب نگر، پاکستان) میں ایک عاجزانہ درخواست پر مشتمل خط ارسال کرے جس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے استعمال شدہ کپڑے بطور تبرک مانگے جائیں۔ اس کے پس منظر میں منصوبہ یہ تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے ایک خودساختہ الہام میں کہا تھا کہ ''بادشاہ تیرے کپڑوں میں برکت ڈھونڈیں گے'' چنانچہ فرمان سنگاٹ کے خط اور مرزا صاحب کے اس الہام کو اعلیٰ کاغذ پر پرنٹ کرکے پمفلٹ پوری دنیا میں مختلف زبانوں میں تقسیم کیا گیا۔ اور جگہ جگہ قادیانی مرزا صاحب کے اس الہام کو صداقت کی دلیل قرار دیتے ہوئے ڈینگیں ماررہے تھے۔ مگر تحفظ ختم نبوت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مرزائیوں کی رسوائی کی ایسی کالک مل دی کہ آج تک وہ واقعہ یاد کرتے ہوئے انہیں ندامت اٹھانا پڑتی ہے۔ ہوا یہ کہ فرمان سنگاٹ کے خط کے جواب میں مرزائیوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے کپڑے گیمبیا بھیجے تو جیسے ہی وہ کپڑے وہاں پہنچے، بادشاہ کے نائب صدر داؤد جواد نے فرمان سنگاٹ کو معزول کردیا اور خود اقتدار پر قابض و متمکن ہوگیا۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ مجھے ایک نیا موضوع ہاتھ لگ گیا۔ اور میں نے حضرت یوسفؑ کے کُرتہ مبارک سے لے کر آنحضرت ﷺ تک چند مشہور انبیاءؑ کے کپڑوں کی برکت ومعجزہ کے تقابل میں اس جعلی مدعی نبوت کے کُرتے کی نحوست کو جب جگہ

جگہ بیان کرنا شروع کیا تو قادیانیوں کے چہرے فق ہو جاتے تھے۔ ایک ہفتہ یہاں گیمبیا میں مباحثے اور عوامی خطابات کرنے کے بعد حضرت علامہ صاحب اپنے احباب و رفقاء کے ساتھ جب واپس مکۃ المکرّمۃ تشریف لائے تو مدینہ منورہ میں مقیم ایک بزرگ عالم دین نے اپنا خواب سنایا کہ مجھے آنحضرت ﷺ نے خواب میں حکم دیا ہے کہ حجاز مقدس میں میری تاج ختم نبوت کے دو خدام آئے ہوئے ہیں، انہیں جا کر میرا اسلام پیش کر دیجیے۔ مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ فرماتے تھے کہ علم ہونے کے باوجود بعض مصالح کی وجہ سے ہم ان بزرگوں کا نام ظاہر نہیں کر سکتے۔

نائیجیریا کا دوسرا دورہ

۱۹۷۶ء کے کامیاب دورہ کے بعد ۱۹۷۸ء میں دوبارہ نائیجیریا کے مسلمانوں نے علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کو دورہ کی دعوت دی اور اس سفر میں بھی سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی آپ کے ہمراہ تھے اور اس دورہ کے تمام تر قانونی و مالی اخراجات رابطہ عالم اسلامی مکۃ المکرّمۃ نے برداشت کیے، بلکہ مفتی سعودی عرب الشیخ ابن باز نے ذاتی طور پر بھی بہت تعاون کیا۔ مؤرخہ ۴ر اکتوبر ۱۹۷۸ء کو علامہ صاحب اپنے رفقاء کرام کے ساتھ لاگوس پہنچے، یہاں پر سعودی عرب کے سفیروں اور سفارت خانہ کے شعبہ اسلامی کے منتظم شیخ عبدالرحمٰن بن عوین نے قادیانیوں کی سرگرمیوں سے آگاہ کرتے ہوئے ''ابی کوٹر'' میں منعقد ہونے والی ان کی کانفرنس کی جانب متوجہ فرمایا اور اس کے جواب میں کانفرنس کرنے کا عندیہ دیا۔ چنانچہ علامہ خالد محمودؒ نے جمعۃ المبارک کے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت اور قادیانیت جیسے خطرناک فتنے سے سامعین کو آگاہ فرمایا، دوسری بڑی مسجد میں مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کا بیان تھا۔ اکثر مقامات پر دونوں حضرات کے عربی میں خطابات ہوتے تھے تاہم بعض جگہوں پر علامہ خالد محمود صاحب نے انگریزی میں مفصل خطابات کئے۔ اس کے علاوہ تعلیمی اداروں میں اساتذہ اور طلبہ کے ساتھ ساتھ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے ساتھ بھی علمی نشستوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ یہ دورہ بھی ہر اعتبار سے بہت کامیاب رہا اور اللہ تعالیٰ نے افریقہ کے مختلف شہروں اور دیہاتوں تک علامہ صاحب کے فیضان علمی کو عام و تام فرمایا۔

کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ میں لاہوری مرزائیوں کے ساتھ ایک عدالتی مقدمہ

پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی جا چکی تھی اور صدر جنرل محمد ضیاء الحق مسند صدارت پر متمکن ہو چکے تھے کہ رابطہ عالمی اسلامی مکۃ المکرّمۃ سے جنوبی افریقہ کے مسلمانوں نے رابطہ کر کے کہا کہ یہاں لاہوری فرقہ سے تعلق رکھنے والا ایک قادیانی فوت ہو گیا ہے جس کے ورثاء اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہتے تھے مگر مسلمانوں کی غیرت دینی نے اسے برداشت نہ کیا اور وہ سخت انداز میں مزاحم ہوئے، جس پر مرزائیوں نے عدالت کی طرف رجوع کر لیا اور مسلمانوں کے قبرستان میں اپنے اموات کے حقِ تدفین کا مطالبہ کر دیا۔ لہٰذا اب ہمیں عدالتی چارہ جوئی کے لیے ایسے ماہرین علماء امت کی ضرورت پڑ گئی ہے جو یہاں آ کر پوری حمیت اور جرأت کے ساتھ مقدمہ کا سامنا کر سکتے ہوں اور وعظ و تبلیغ، مناظرہ و مباحثہ اور عدالتی کٹہرے تک کامیابی کے ساتھ امت مسلمہ کی ترجمانی کر سکتے ہوں۔ اس پر رابطہ عالم اسلامی مکۃ المکرّمۃ نے صدر جنرل محمد ضیاء الحق سے رابطہ کر کے انہیں علماء

دین کا وفد جنوبی افریقہ بھیجنے کی استدعا کی۔ چنانچہ حکومت پاکستان اور رابطہ عالم اسلامی کے مشترکہ تعاون وفکر پر ایک وفد وہاں جانے کے لیے کمر بستہ ہوا جس میں سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود، حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی، حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہم اللہ اور ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم وغیرہم شامل تھے۔ یہ وفد جنوبی افریقہ پہنچا اور وہاں مسلمان وکلاء کو کیس کی تیاری میں بھرپور محنت کے ساتھ عدالت میں پہنچا دیا، اگرچہ اس مقدمہ نے کافی طوالت اختیار کر لی تھی جس کا حتمی فیصلہ مذکورہ عدالتی پیشی کے کم وبیش پندرہ سال بعد وہاں کی سپریم کورٹ نے صادر کیا۔ تاہم فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوا اور ایک بار پھر دنیا بھر میں قادیانیت کی چولیں ہل کر رہ گئیں اور انہیں اندازہ ہو گیا کہ تحفظ ختم نبوت کے محاذ کے مجاہدین علماء کرام خواب غفلت میں نہیں ہیں بلکہ وہ پورے جذبہ ایمانی اور جانفشانی کے ساتھ سرگرم عمل ہیں، جنوبی افریقہ سے واپسی پر حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر نے ہفت روزہ ''اخبارِ جہاں'' کو انٹرویو دیتے ہوئے اس عدالتی مقدمہ کی کارگذاری سنائی تھی جو مطبوعہ ہے، جبکہ سلطان العلماء علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ جب ۱۹۸۲ء میں پاکستان کے دورہ پر تشریف لائے تو ماہنامہ ''الرشید'' ساہیوال نے اس مقدمہ کی روداد بذریعہ انٹرویو علامہ صاحب سے قلم بند کر کے شائع کی تھی جو ہر لحاظ سے معلومات افزاء ہونے کے ساتھ ساتھ ایمان افروز بھی تھی اور بعض مسلمانوں کی بے حکمتی یا دانستہ غیر ذمہ داریوں کی بناء پر پیدا شدہ وقتی پریشانی کا اظہار بھی کر رہی تھی جس سے مقدمہ کمزور ہونے کے آثار دکھائی دینے لگے تھے، مگر اللہ تعالیٰ کی نصرت نے یاوری کی اور اہل حق سرخرو ہوئے۔ البتہ اس انٹرویو کی تشنگی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کی فقط ایک ہی قسط شائع ہوئی تھی۔ ماہنامہ الرشید ساہیوال کی فائلوں میں اس روداد کی بقیہ کارروائی ہمیں کہیں دستیاب نہ ہو سکی۔ سو اس ریکارڈ سے جتنا کچھ مل سکا، وہ یہاں پیش خدمت کیا جا رہا ہے اور اس سے متعلقہ دیگر معلومات بھی ان شاء اللہ آمدہ صفحات میں ملاحظہ کی جا سکیں گی۔

مرزائیوں کے مقدمہ جنوبی افریقہ کی رُوداد (بہ صورتِ انٹرویو)

''مرزائیوں کے مشہور مقدمہ کیپ ٹاؤن (جنوبی افریقہ) کی کچھ مختصر رُوداد ملک کے مختلف جرائد میں چھپی ہے مگر ان کی معلومات زیادہ تر ان ارکان وفد سے حاصل کردہ ہیں جو اس سلسلہ میں تاریخ مقدمہ سے ایک دن پہلے کیپ ٹاؤن پہنچے۔ ظاہر ہے کہ اس رواروی میں اس مقدمے کا پورا پس منظر ان کے سامنے نہ آ سکتا تھا۔ علامہ خالد محمود صاحب اس مقدمے سے دو ہفتے پہلے جنوبی افریقہ پہنچے تھے اور آپ نے پورے دس دن کیپ ٹاؤن میں قیام فرمایا تھا وہاں کے مشائخ اور علماء کرام جو اس مقدمہ میں معاونین تھے ان کے پاس مقیم رہے اور ان کے ساتھ وکلاء مقدمہ سے بھی ملتے رہے۔ مقدمے کی تیاری انہی کے زیر نگرانی رہی۔ ہمیں مکمل رُوداد کے لیے ان کی پاکستان میں آمد کا انتظار رہا۔ آپ کے پاکستان پہنچنے پر نمائندہ ''الرشید'' آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مقدمہ کے بارے میں مختلف سوالات کئے۔ اس انٹرویو سے اس مقدمے کا پورا پس منظر سامنے آ جاتا ہے۔ (طاہر الرشیدی رنمائندہ ''الرشید'')

سوال: مقدمہ کی ابتداء کس نے کی مسلمانوں نے یا مرزائیوں نے؟ اس میں مدعی اور مدعا علیہ کون کون تھے؟

جواب: اس کی ابتداء لاہوری فرقے کے مرزائیوں نے کی تھی، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی وہاں ایک برانچ ہے

اس نے کیپ ٹاؤن کے سپریم کورٹ میں درخواست دائر کی کہ انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے کا حق ہے، اس کے لیے انہوں نے تین ماہ کا عبوری امتناعی حکم حاصل کرلیا۔ یہ حکم امتناعی مسلم علماء کی تنظیم مسلم جوڈیشل کونسل کے خلاف تھا۔ مقدمے کا نمبر اور نام یہ ہے: (مقدمہ نمبر ۵۷۸۶/۸۲......احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) ر بنام مسلم جوڈیشل کونسل) حکم امتناعی کی یہ درخواست شعبان ۱۴۰۲ھ کے اواخر میں پانچ دینی رہنماؤں کے خلاف دائر کی گئی اور جوڈیشل کونسل کے سربراہ شیخ ابوبکر النجار تھے یہ درخواست ان کے بھی خلاف تھی، یہ سب حضرات اس دعوے میں مدعا علیہم تھے۔

سوال: یہ مقدمہ اپنی ابتدائی شکل میں ہی سپریم کورٹ میں کیسے آ گیا۔ سپریم کورٹ کی باری تو ہائی کورٹ کی سماعت کے بعد آتی ہے؟

جواب: وہاں ہائی کورٹ کے درجہ کی ہر عدالت سپریم کورٹ کہلاتی ہے۔ جنوبی افریقہ میں کئی سپریم کورٹ ہیں۔ جس طرح یہاں کوئی مقدمہ براہِ راست ہائی کورٹ میں جا سکتا ہے وہاں کوئی بھی مقدمہ براہ راست سپریم کورٹ میں دائر ہوسکتا ہے، اس کے اوپر پھر ایک مرکزی قسم کی سپریم عدالت ہے، جہاں نچلی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں جاتی ہیں۔ یہ اس درجہ کا سپریم کورٹ نہ تھا جس طرح ہمارے ملک میں سپریم کورٹ ہے۔

سوال: آپ وہاں اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر کی طرف سے خود پہنچے تھے یا آپ کو وہاں بلایا گیا تھا؟

جواب: رمضان شریف میں کیپ ٹاؤن کے مقتدر عالم مولانا یوسف کاران نے مجھے لندن فون کیا اور اس مقدمہ کی صورتحال کی اطلاع دی۔ مولانا کا خاندان ملایا سے آ کر کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ میں مقیم ہے۔ مولانا کاران اس علاقے کے پہلے فرد ہیں جنہوں نے دارالعلوم دیوبند جا کر مکمل دینی تعلیم حاصل کی۔ آپ شافعی المسلک ہیں، مگر دیوبند کی نسبت سے آپ دوسرے عرب علماء کی نسبت میں قادیانیت سے زیادہ واقف تھے۔ جوڈیشل کونسل نے مقدمہ کی تیاری کی زیادہ ذمہ داری انہی کو سونپی۔ مولانا کاران نے فون پر مجھے صورتحال بتائی اور کیپ ٹاؤن پہنچنے کی استدعا کی۔ میں نے پہنچنے کا وعدہ کرلیا۔ مولانا کاران نے مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ پاکستان سے ہم کن کن حضرات کو اس سلسلہ میں دعوت دیں جن کی تشریف آوری مقدمہ کی تیاری میں مفید رہ سکے؟ تو میں نے یہ تین نام تجویز کئے: (۱) مولانا عبدالرحیم صاحب اشعر (ملتان) (۲) مولانا منظور احمد صاحب (چنیوٹ) (۳) مولانا محمد تقی صاحب عثمانی (کراچی)

سوال: جنوبی افریقہ کے کن کن حضرات نے اس سلسلہ میں محنت کی ہے اور اس مقدمے میں دلچسپی لی؟

جواب: مولانا محمد یونس صاحب جنرل سیکرٹری جمعیت علماءِ نٹال، ڈاکٹر سید سلمان ندوی خلف الرشید حضرت علامہ سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر حبیب الحق صاحب پروفیسر ڈربن یونیورسٹی، مولانا عبدالحق عمر جی فاضل دیوبند (ڈربن) جناب مولانا ابراہیم میاں فاضل دیوبند، جناب مفتی ابراہیم صاحب سجا لوی مفتی جنوبی افریقہ، مولانا یوسف کاران فاضل دیوبند، جناب شیخ نظیم صاحب (کیپ ٹاؤن) اور دیگر کئی مقتدر حضرات اس جدوجہد میں شامل ہیں۔

سوال: آپ کیپ ٹاؤن کب پہنچے اور مقدمہ کے سلسلہ میں تیاری کرانے کا آغاز کیسے ہوا؟

جواب: مسلم جوڈیشل کونسل کیپ ٹاؤن کا تقاضا تو یہی تھا کہ میں ۶ راگست سے پہلے وہاں پہنچ جاؤں، اس تاریخ پر اس

عبوری حکم امتناعی کی توثیق زیر بحث آئی تھی، لیکن مجھے اس سے پہلے وی یونین جانا تھا وہاں کی جمعیۃ علماء سے میں وعدہ کر چکا تھا اور ان حضرات نے خاصے انتظامات کئے ہوئے تھے۔ میں نے مانچسٹر سے مولانا عبدالحق عمر جی کو فون کیا کہ مولانا یوسف کاران سے رابطہ قائم کر کے مجھے اطلاع دی جائے کہ کیا تاریخ مقدمہ کچھ مؤخر ہوسکتی ہے؟ انہوں نے اپنے وکلاء سے مشورہ کر کے ''ہاں'' میں جواب دیا اور میں نے اواخر اگست میں پہنچنے کی اطلاع دے دی۔ جنوبی افریقہ میں پہلے ڈربن پہنچا، وہیں جمعیت علماء صوبہ نٹال کا مرکزی دفتر ہے۔ یہاں دینی کتابیں کافی موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد کی کتابیں میں مانچسٹر سے ساتھ لے آیا تھا مولانا یونس صاحب نے فائل مقدمہ کی نقول کیپ ٹاؤن سے یہیں منگوالی تھیں، باہمی فیصلے سے قرار پایا کہ اس مقدمہ کے سلسلے میں پہلی میٹنگ ڈربن میں ہی ہو جائے اور اس ابتدائی مطالعہ کے بعد پھر کیپ ٹاؤن روانگی ہو۔

مولانا عبدالحق عمر جی کی قیام گاہ پر میٹنگ ہوئی جس میں بہت سے حضرات نے شرکت کی، جن میں سے پروفیسر حبیب الحق صاحب مولانا عبدالحق عمر جی، ڈاکٹر سید سلمان ندوی، مولانا یونس پٹیل اور مولانا انصاری کے اسماء گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مقدمہ کی فائل میں تین درجے کے حلفیہ بیانات تھے:

(۱) مرزائیوں کی طرف سے داخل کردہ حلفیہ بیان: یہ تیس صفحات سے زیادہ تھا اور اس میں اُن لوگوں نے ان پانچ امور پر زیادہ زور دیا تھا:

۱۔مسلمان کی رسمی تعریف۔ ۲۔اپنے مسلمان ہونے کے دلائل۔ ۳۔پاکستان میں بعض عدالتوں کے فیصلے کہ مرزائی مسلمان نہیں۔ ۴۔مرتد کی سزا قتل نہیں۔ ۵۔پاکستان پارلیمنٹ کی انہیں غیر مسلم قرار کہنے کی قرارداد ایک سیاسی عمل تھا دینی نہیں۔

(۲) اس کے جواب میں مسلمانوں کی طرف سے ماہرین فن کی حیثیت سے بھی حلفیہ بیان داخل کئے گئے اور مدعا علیہم نے بھی اپنے اپنے بیان حلفیہ داخل کئے:

۱۔ڈاکٹر حبیب الحق صاحب کا حلفیہ بیان۔ ۲۔مفتی ابراہیم صاحب سنجالوی کا حلفیہ بیان۔ ۳۔شیخ ابوبکر النجار کا اپنا اور بطور نمائندہ مسلم جوڈیشل کونسل حلفیہ بیان۔ ۴۔دیگر چار مدعا علیہم کے حلفیہ بیانات۔ ۵۔مرزائیوں کی طرف سے مسلمانوں کے حلفیہ بیانات پر جوابی حلفیہ بیان۔

ڈربن کی اس میٹنگ میں مسلمانوں کی طرف سے داخل کردہ بیانات لفظاً لفظاً پڑھے گئے اور احقر ان کے مندرجات پر ساتھ ساتھ تبصرہ کرتا رہا، کچھ حوالے بھی پیش کئے جنہیں مولانا یونس پٹیل قلمبند کرتے گئے، کام طویل تھا، اس لیے اس کے لیے ایک اور میٹنگ رکھی گئی، یہ دوسری میٹنگ بھی ڈربن میں رکھی گئی تھی۔ اس دوران مجھے اپنے طور پر مرزائیوں کے دونوں درجوں کے بیانات دیکھنے کا بھی موقع ملا اور ارادہ کیا کہ ان پر تبصرہ اور مؤاخذہ کیپ ٹاؤن کی مجالس میں کیا جائے، جس میں مولانا یوسف کاران اور عرب عالم شیخ نظیم بھی شریک ہوں۔

صورتحال کا تجزیہ

وہاں کے قانونی پیرایہ عمل میں اس مرحلہ پر تین طرح کے حلفیہ بیان عدالت کے سامنے آتے ہیں اور انہی کے مندرجات پر عدالت میں بحث ہوتی ہے۔ پہلا بیان مستغیث کا، دوسرا مدعا علیہم کا اور تیسرا مستغیث کا جوابی حلفیہ بیان۔ ان تین تدریجی بیانات

کے بعد اب کوئی چوتھا بیان داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ ہماری طرف سے جو حلفیہ بیان داخل کئے گئے تھے، ان میں بعض پہلو تشنہ تھے اور بعض ترمیم طلب۔ لیکن ضابطے کے مطابق اب ان میں کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ ڈاکٹر سلمان ندوی اور پروفیسر حبیب الحق کی رائے میرے موافق تھی کہ واقعی ان میں چند امور ترمیم طلب ہیں۔ اس مشکل پر قابو پانے کے لیے میں نے مشورہ دیا کہ اپنے وکیل کے سامنے ان پہلوؤں کی نشاندہی کر دی جائے تا کہ وہ بحث میں ان امور کو خود لپیٹ سکیں۔ اس دوسری میٹنگ کے بعد میں مولانا یونس پٹیل کی معیت میں کیپ ٹاؤن چلا گیا، ائیر پورٹ پر مولانا عبدالحق عمر جی ہمیں الوداع کرنے آئے۔ کیپ ٹاؤن ائیر پورٹ پر مولانا یوسف کاران اور ہمارے ایک وکیل بمع اپنے احباب وارکان کے چشم براہ تھے۔

کیپ ٹاؤن میں میٹنگ

وہاں کے ایک عرب دوست کی قیام گاہ پر بعد نمازِ عشاء مجلس مشاورت ہوئی جس میں اسلامی تنظیمات کے نمائندے اور وہاں کے علماء ومشائخ نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ بعض وکلاء بھی شریک تھے۔ طے پایا کہ مرزائیوں کے دونوں بیانات پر ترتیب وار نوٹ قلمبند کئے جائیں۔ وکلاء کا مشورہ تھا کہ اس تاریخ پر تو صرف اس پر بحث ہوگی کہ پہلے حکم امتناعی کی توثیق کی جائے یا نہ۔ اس میں قادیانیوں کے مسلمان یا غیر مسلم ہونے پر باقاعدہ بحث نہ ہوگی، ان مباحث کی ضرورت صرف اس صورت میں ہوگی جب مقدمہ مین ایکشن کے طور پر دائر کیا جائے اور اس کی باقاعدہ سماعت ہو...... تاہم مشورہ میں طے پایا کہ سارے مباحث ابھی سے قلمبند کر لیے جائیں۔ گو ان کی ضرورت اس تاریخ پر نہ پڑے اور ان کی ضرورت باقاعدہ سماعت کی صورت میں ہی ہو۔ یہ سب معلومات ابھی سے جمع کر لی جائیں اور انہیں اپنے وکلاء کے سامنے رکھ دیا جائے۔

دس دن کی تگ ودو اور تحقیق وتمحیص سے ان کے ایک ایک نکتے پر ہم نے نوٹ تیار کر لیے۔ احقر ہر بات کا جواب دیتا رہا اور مولانا یوسف کاران انہیں انگریزی میں لکھتے جاتے تھے۔ یہ علمی محنت اس مقدمے کا اہم ترین مرحلہ تھا۔ قادیانی کتابوں کے جن صفحات کی احقر نشاندہی کرتا ان کے فوٹوسٹیٹ لینے کا وہاں پورا انتظام تھا، اس طرح کا فائل علمی پہلو سے مکمل ہوتا گیا۔

لاہوری مرزائی بھی قادیانیوں کی طرح مسلمان نہیں

تقریباً دس سال پہلے انگلینڈ میں بھی ایک ایسا مرحلہ پیش آیا تھا جس میں لاہوری مرزائیوں کا غیر مسلم ہونا زیر بحث تھا، اس وقت متعلقہ لوگوں نے مختلف علماء کی طرف رجوع کیا تھا۔ اتفاق سے میرا ان دنوں کا ایک مفصل فتویٰ چھپا ہوا مل گیا، جس میں مرکزی بحث مرزائیوں کے لاہوری گروپ پر ہی تھی۔ مولانا یوسف کاران نے اس کا انگریزی ترجمہ کر کے اسے ٹائپ کرالیا، وہ بھی اس فائل میں لگا ہوا ہے۔

اپنے وکلاء سے میٹنگ

اس مقدمہ میں ہمارے تین سینئر وکیل تھے، ان میں سینئر جناب اسماعیل محمد تھے، دوسرے وہ انگریز تھے یا وہ افریقن ڈچ ہوں گے۔ مشائخ کیپ ٹاؤن نے میری اور ان کی ملاقات کرانے کا اہتمام کیا، میں نے ان کے سامنے مرزائیوں کے لاہوری فرقے کے چار کفری عقیدے پیش کئے اور ان پر بحث کی:

۱- لاہوری مرزائیوں کا ایک مدعی نبوت کو مجدد یا مسلمان ماننا

۲- مرزا غلام احمد کو مسیح موعود ماننا

بعض وکلاء سمجھتے تھے کہ لاہوری مرزائی مرزا غلام احمد کو صرف مجدد سمجھتے ہیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ مسیح موعود کا منصب مجدد سے کہیں زیادہ ہے، مرزا غلام احمد اگر مدعی نبوت نہ بھی ہوتا تو اس کا مسیح موعود ہونے کا دعویٰ اس کے کفر کو ثابت کرنے کے لیے کافی تھا کیونکہ اس دعویٰ میں قرآن وحدیث کی متعدد نصوص کا انکار اور ان کی نئی تشریح میں کفر والحاد لپٹا ہوا تھا۔

۳- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باپ سے پیدا ماننا

اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ حضرت مریم سے بلا مس بشر پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انہیں متعدد جگہ مسیح بن مریم کہہ کر ذکر کیا ہے۔ ماں کی طرف سے نسبت تبھی ہے کہ ان کا کوئی باپ نہ تھا، ورنہ عادتِ زمانہ اور قانون الٰہی یہی ہے کہ انسانوں کو ان کے باپوں کے نام سے پکارا جائے: **ادعوھم لآبائھم ھی اقسط عند اللّٰہ.** اسلام کے اس قطعی عقیدے کا انکار یقیناً کفر ہے۔

۴- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین

اسلام میں پیغمبر کی توہین کفر ہے۔ مرزا غلام احمد نے عیسائیوں کو چڑانے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت گالیاں دیں اور ان کی توہین کی ہے۔ یہ مرزائیوں کی ایک مستقل وجہ کفر ہے۔

جناب اسماعیل محمد ایڈووکیٹ سپریم کورٹ نے ان مباحث کے نوٹ لے لئے اور کہا کہ اس تاریخ پر تو ان مباحث کی ضرورت نہ پڑے گی۔ لیکن کہیں اگر باقاعدہ سماعت میں آ گیا تو پھر یہ مباحث بہت کام آئیں گے۔

ہمارے وکلاء صاحبان نے ہمیں پوری تسلی دی کہ ان کی فائل میں ہر سوال کا جواب اور ہر مشکل کا حل آ گیا ہے۔ انہوں نے قانونی پہلوؤں سے خود بھی اس کیس کی پوری تیاری کر رکھی ہے اور مرزائیوں کی درخواست میں کچھ قانونی کمزوریوں کی نشاندہی کر رکھی تھی۔ مثلاً یہ کہ ان کی درخواست ایک انجمن کی طرف سے ہے جس میں دفن کرنے کی درخواست کی اہلیت نہیں، کیونکہ دفن ہونے کا حق افراد کو مل سکتا ہے جماعت کو نہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان وکلاء صاحبان نے یقین دلایا کہ مدعا علیہم کو اس کیس کے بارے میں اب کسی فکر کی ضرورت نہیں۔ وکلاء سے میٹنگ کے بعد ہم پورے مطمئن ہو کر واپس لوٹے۔ اگلے دن میں اور مولانا یونس پٹیل ڈربن واپس آ گئے، وہاں ایران کی غیر متوازن مذہبی پالیسی پر ایک جلسہ عام تھا۔ حضرت مولانا عبدالحق عمرجی اور مولانا انصاری نے ایک ہال میں اس کا اہتمام کیا ہوا تھا جس میں شہر کی بھاری اکثریت کی شمولیت کی توقع تھی اس لیے ہم اسے چھوڑ نہ سکے۔

پاکستان سے وفد کی آمد

۷ر ستمبر کو حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب کا نیروبی سے مجھے فون ملا کہ پاکستان سے ایک وفد کیپ ٹاؤن کے اس مقدمہ کے لیے نیروبی آیا ہوا ہے اور انہیں جنوبی افریقہ کا ویزا نہیں مل رہا، حضرت مفتی صاحب کو بہت فکر تھی کہ تاریخ مقدمہ میں صرف دو دن باقی ہیں اب کیا ہوگا؟ میں نے انہیں بہت تسلی دی کہ کیس بحمد اللہ پوری طرح تیار ہو چکا ہے اور میں نے دس دن لگا کر اس کیس کی پوری تیاری کرا دی ہے، قانونی پہلوؤں سے بھی ہمارے وکلاء بہت مستعد اور تیار ہیں اس سے مفتی صاحب کو بہت اطمینان ہوا۔ مولانا محمد تقی عثمانی اور جناب سید ریاض الحسن گیلانی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان سے فون پر مقدمے کے

سلسلہ میں بات چیت ہوئی۔ ان سب حضرات کی رائے یہ تھی کہ کچھ بھی ہوانہیں ویزا ضرور ملنا چاہیے تاکہ مقدمے کی سماعت ہی ہو جائے۔ مفتی زین العابدین صاحب نے تجویز فرمائی کہ جنوبی افریقہ کے مقتدر مسلم اکابر اگر حکومت سے رجوع کریں تو ویزا مل سکتا ہے۔ میں نے مولانا عبدالحق عمرجی سے مشورہ کر کے جوہانسبرگ کے جناب موسیٰ بڈھیانی کو فون کیا۔ انہوں نے اس وقت متعلقہ حکام سے رابطہ قائم کیا۔ خدا کے فضل سے سب ارکانِ وفد کو ویزے مل گئے، تاریخ میں دو دن باقی تھے ایک دن ان حضرات نے جوہانسبرگ گزارا اور پھر یہ حضرات کیپ ٹاؤن تشریف لے آئے۔

احقر ان کے پہنچنے سے چند گھنٹے پہلے دوبارہ کیپ ٹاؤن پہنچ گیا تاکہ ان حضرات کے استقبال کا اہتمام کیا جاسکے، خدا کا شکر ہے کہ وہاں کے احباب اور وہاں کے مشائخ نے پورا تعاون فرمایا اور کافی تعداد میں لوگ ائیر پورٹ پر پہنچے اور پاکستانی وفد کا نہایت ہی خلوص ومحبت سے استقبال کیا، جوہانسبرگ کے جناب ابراہیم میاں اور حضرت مفتی احمد میاں بھی ان کے ساتھ تھے۔ یہ وفد جوہانسبرگ سے ہی کیپ ٹاؤن آیا تھا۔ چند گھنٹے بعد پروفیسر خورشید احمد صاحب بھی لندن سے کیپ ٹاؤن پہنچ گئے۔

پاکستانی وفد کا اعزاز

اگلی صبح ۹ ستمبر کا دن تھا، جس کا کافی دنوں سے انتظار تھا، یہ اس مقدمے کی تاریخ تھی جس میں اس عبوری حکم امتناعی کی توثیق یا تنسیخ کا فیصلہ ہوتا تھا۔ ہم لوگ مقامی علماء ومشائخ اور سربراہانِ مسلم تنظیمات کی معیت میں ۹ بجے ہی کمرۂ عدالت میں پہنچ گئے۔ مقدمہ سننے والوں کی بڑی تعداد کے باعث عدالت کو پھر کسی دوسرے کمرے میں منتقل کرنا پڑا۔ ہمارے پاکستانی وفد کو گو وہاں پیش ہونے کا موقع نہ ملا، لیکن سامعین میں انہیں ممتاز نشستوں میں بٹھایا گیا۔ جناب افضل چیمہ صاحب اور پروفیسر خورشید احمد صاحب کارروائی کے نوٹ بھی لیتے رہے۔ یہ سارا دن مرزائیوں کے وکیل نے لے لیا ہے۔ (۱)

سوال : کیا یہ صحیح ہے کہ ۹ ستمبر کو مقدمہ شروع ہونے سے پہلے مرزائیوں نے عدالت کے سامنے کوئی اور درخواست بھی پیش کی؟

جواب: ہاں یہ اس مقدمے کا ایک افسوسناک سانحہ ہے۔ رات ہمارے ہاں یہ بات چل نکلی کہ مرزائیوں کی درخواست میں یہ سقم ہے کہ یہ ان کی احمدیہ انجمن کی طرف سے دی گئی ہے اور مستغیث کے لیے فرد ہونا ضروری ہے اگر وہ اپنے کسی فرد یا چند افراد کی طرف سے استغاثہ دائر کرتے تو ان کی بات لائق سماعت ہوسکتی تھی، موجودہ صورت میں انہیں استغاثے کا حق نہیں ہے کوئی انجمن یہ حق نہیں مانگ سکتی کہ اسے کسی زمین میں دفن ہونے کا موقع ملنا چاہیے۔ یہ بات ارکانِ وفد میں نہایت رازدارانہ طور پر ہوئی تھی۔ ہماری حیرانی کی حد نہ رہی جب اگلے دن مقدمہ شروع ہونے سے پہلے ہی مرزائیوں کی طرف سے مسٹر پیک مرزائی کی ایک درخواست عدالت کے سامنے آگئی کہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے کا حق ملنا چاہیے۔ یہاں مرزائی مستغیث ایک اور غلطی کر گئے انہیں اپنی درخواست کے ساتھ حلفیہ بیان لگانا یاد نہ رہا، جو ضروری تھا۔

---

(۱) موصوف کا نام ینگ تھا، مگر وہ بہت بوڑھے تھے، یہ یہودی وکیل بار بار اس موضوع کو لیتے کہ احمدی مسلمان ہیں۔ اور عدالت بار ہا ان کو ٹوکتی کہ آج کی سماعت صرف اس حکم امتناعی کی تنسیخ یا توثیق پر ہے، اس موضوع پر نہیں کہ یہ مسلمان ہیں یا نہیں، مگر وہ وکیل پھر بھی اسی موضوع پر رہتے، ان کے اس اصرار اور بار بار کے تکرار نے سارا دن لے لیا۔ (علامہ خالد محمود)

سوال: مسلمانوں کے اس راز دارانہ مشورے کی اطلاع مرزائیوں کو کیسے ہوگئی؟ یہ درخواست دائر کرنے کا منصوبہ اگر ان کا پہلے ہوتا تو انہوں نے حلفیہ بیان ساتھ ضرور لگایا ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہنگامی عجلت میں ہی وہ اسے بھولے ہوں گے۔ تعجب ہے کہ ان کو راتوں رات اس بات کی اطلاع کیسے ہوگئی؟

جواب: ہاں یہ بات واقعی اس دورے کا سانحہ ہے، مجھے شبہ ہے کہ ان ارکان میں سے ہی کسی نے مرزائیوں کو یہ بات پہنچائی ہوگی۔ وہ کون ہوسکتا ہے؟ میں اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ ایسے وفود میں ارکان کا انتخاب نہایت حزم و احتیاط سے ہونا چاہیے۔

پاکستانی وفد کا مجموعی اثر

سوال: آپ کے خیال میں پاکستانی وفد کی آمد کس لحاظ سے مفید رہی۔ مقدمہ کی تیاری تو مسلمانوں کے وکلاء پہلے سے پوری کر چکے ہوں گے اور علمی پہلو سے آپ نے وہاں اتنے دن قیام کر کے انہیں پورا کیس تیار کرا ہی دیا تھا پھر اس وفد کا بنیادی کام کیا رہا؟

جواب: اس وفد کے پہنچنے سے ہماری بہت زیادہ حوصلہ افزائی ہوئی۔ یہ تاثر وہاں عام تھا کہ پاکستانی مسلمان اس سلسلے میں بہت بیدار ہیں۔ پاکستان نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت یونہی قرار نہیں دیا جگہ یہ پاکستان کے ہر حساس دل کی دھڑکن اور ہر مسلمان کے دل کی آواز تھی، جسے پاکستان پارلیمنٹ نے ایک قرارداد کی صورت میں پاس کیا پھر اس عظیم دینی خدمت کے ساتھ ساتھ ہمارے بہت سے دوستوں نے حج کی سعادت بھی حاصل کر لی۔

سوال: ارکان وفد وہاں پہنچ کر آپس میں سب متفق رہے یا ان میں کہیں اختلاف رائے بھی ہوا تھا؟ جب آپ نے لاہوری مرزائیوں کو کافر کہا تو پروفیسر خورشید احمد نے آپ کی مخالفت تو نہیں کی۔ وہ کالعدم جماعت اسلامی کے رکن ہیں اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ مودودی صاحب لاہوری مرزائیوں کو کافر نہیں کہتے تھے۔ ہمیں یہاں پاکستان میں اندیشہ تھا کہ مرزائی کہیں اس اختلاف سے فائدہ نہ اٹھائیں اور وہاں یہ بات زیر بحث نہ آجائے؟

جواب: پروفیسر خورشید احمد نے وہاں ہماری مخالفت نہیں کی جس کی ہمیں بڑی خوشی ہے اور پھر مودودی صاحب کی ذاتی رائے کی جماعت پابند نہیں۔ ۱۹۷۴ء میں جب مرزائیوں کے دونوں گروہوں (قادیانی اور لاہوری) کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا تو اس وقت بھی جماعت اسلامی نے مخالفت نہیں کی تھی۔ جج نے مرزائیوں کے وکیل کو بار بار کہا تھا کہ ان کے حلفیہ بیانات میں کسی ماہر اسلامیات کا کوئی بیان شامل نہیں جس میں انہیں مسلمان تسلیم کیا گیا ہو۔ جہاں تک میں ان کے حلفیہ بیانات کا مطالعہ کر سکا یہ صحیح ہے کہ مرزائی اپنی تائید میں کسی ماہر اسلامیات کو پیش نہیں کر سکے جو انہیں مسلمان سمجھتا ہو۔

سوال: جب مرزائیوں کے وکیل کو جج نے یہ بتایا کہ آج کی سماعت میں زیر بحث سوال یہ ہے کہ آپ حکم امتناعی کے حق دار ہیں یا نہیں یہ بحث نہیں کہ آپ مسلمان ہیں یا نہیں تو مرزائیوں کے وکیل نے اس کا کیا جواب دیا؟

جواب: مرزائی وکیل اس کا کوئی جواب نہ دے سکا تاہم اس نے صرف یہ بات کہی کہ ہم ہنگامی ضرورت کے پیش نظر اس حکم امتناعی کی توثیق مانگتے ہیں، اگر اس حکم امتناعی کی توسیع نہ کی گئی تو ہمیں ڈر ہے کہ ہماری گھریلو زندگیاں بھی برباد ہو جائیں گی۔ اور

ہمارے اور دوسرے مسلمانوں کے کئی رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ یہاں کے علماء کو منع کیا جائے کہ وہ ہمیں غیر مسلم اور کافر نہ کہیں۔ جج نے اس موقع پر برجستہ کہا کہ ریکارڈ میں تو ایسا کوئی ذکر نہیں کہ کیپ ٹاؤن میں کسی گھر میں کوئی احمدی اور غیر احمدی کسی رشتہ نکاح میں منسلک ہوں، جب ایسا کوئی واقعہ نہیں تو پھر آپ کو اندیشہ کس بات کا ہے کہ اس حکم امتناعی کی عدم توثیق کی صورت میں کئی گھر برباد ہو جائیں گے؟

مرزائی وکیل نے اس پر یہ نکتہ اٹھایا کہ ایسے واقعہ کا ریکارڈ پر ہونا ضروری نہیں ایسے مواقع پر عدالتوں کو جوڈیشل نوٹس لینے کا پورا حق حاصل ہوتا ہے، یہ بات تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ مسلمانوں کے آپس میں نکاح ہوتے ہیں تو جب احمدی بھی مسلمان ہیں تو ان کے نکاح بھی تو دوسرے مسلمانوں سے ہوتے ہی ہوں گے، آپ اس صورت کا جوڈیشل نوٹس لے کر اس حکم امتناعی کی توثیق کر سکتے ہیں؟

اس پر جج نے مسٹر ینگ کو پھر ٹوکا اور کہا کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے مسلمان ہونے کا فیصلہ اس مقدمے کو زیر بحث لائے بغیر ہی کر دوں؟ جب یہ مقدمہ ہی زیر بحث نہیں تو میں اس کا فیصلہ کیسے کر سکتا ہوں؟ جہاں تک حالات کے جوڈیشل مطالعے کا تعلق ہے وہ تو یہ ہے کہ مسلمان مسلمانوں سے نکاح کرتے ہیں اور احمدی احمدیوں سے اور مسلمانوں کے حلفی بیانات میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اس پر مسٹر ینگ بالکل خاموش ہو گئے۔ مرزائی وکلاء اس مرحلے پر بالکل تھکے دکھائی دیتے تھے۔ عدالت کا وقت ختم ہونے کے قریب تھا کہ وہ اپنے حق استغاثہ کی وجوہ پیش کرنے کے بعد بیٹھ گئے اب مسلمانوں کی باری تھی۔''

[ماہ نامہ ''الرشید'' ساہیوال رنومبر ۱۹۸۲ء رصفحہ نمبر ۱۳۲ انٹرویو نگار رشید جالندھری]

براعظم افریقہ کے کئی ممالک میں تحفظ ختم نبوت کا فریضہ سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ برطانیہ میں بھی ''ختم نبوت کانفرنس'' کا ایک مسلسل اور مضبوط نیٹ ورک قائم کیا گیا جس میں حضرت علامہ صاحب کا کلیدی کردار شامل ہے اور رہتی دنیا تک صدقہ جاریہ بھی ہے اسی طرح جب ملعون رُشدی نے بارگاہ رسالت مآبؐ میں ہرزہ سرائی کر کے اپنے چہرے پر کالک ملی تو علامہ صاحب نے ایڈنبرا، برمنگھم، لندن، مانچسٹر اور شکاگو تک جا جا کر سیرت النبیؐ کے جلسوں سے خطابات کئے۔

دورہ امریکہ و کینیڈا

ان ممالک میں بھی علامہ صاحب کا بارہا مرتبہ جانا ہوتا تھا۔ تاہم بندہ کی معلومات کے مطابق ۱۹۹۰ء میں پہلی بار امریکہ اور کینیڈا جانا ہوا۔ حکیم مولانا محمد رفیق اور ریاض حسین وڑائچ وغیرہ نے اپنے احباب کے تعاون سے یہ دورہ ترتیب دیا تھا، چنانچہ علامہ صاحب مؤرخہ ۱۳ راگست سے ۶ رستمبر ۱۹۹۰ء تک امریکہ و کینیڈا کی مختلف ریاستوں میں خطابات فرماتے رہے اور یہاں بھی زیادہ تر فتنہ قادیانیت کا تعاقب رہا، تاہم بعض مقامات پر انڈیا اور پاکستان سے گئے ہوئے شیعہ علماء سے بھی مذاکرے ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ صاحب کے ہاتھوں مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کو تقویت بخشی۔ تاہم حضرت علامہ صاحب اپنے مزاج اور کسر نفسی کے پیش نظر فرمایا کرتے تھے کہ مذہب اہل سنت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے عزت بخشی اور ان ممالک میں دین متین کی خدمت کرنے کی سعادت میسر آئی۔

ٹورنٹو میں علامہ صاحب کا تاریخی خطاب

رابطہ عالم اسلامی مکۃ المکرّمۃ نے اپنے اہتمام وانصرام سے مؤرخہ ۲۴ ؍اگست ۱۹۹۰ء کو ٹورنٹو میں ایک بھرپور جلسے کا انعقاد کیا تھا جس کا عنوان ’’شمالی امریکہ میں مسلمانوں کو درپیش مسائل‘‘ تھا۔اس جلسہ میں سعودی عرب، قطر، فلسطین اور لبنان سے بڑے بڑے مذہبی اسکالرز کو مدعو کیا گیا تھا۔ پاکستان سے حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ نے عقیدہ ختم نبوت کے حوالہ سے اپنا مختصر مقالہ پڑھا تھا، جس کا علامہ صاحب نے انگریزی میں ترجمہ کیا تھا اور یہ ترجمہ کے طور پر ہونے والا خطاب اس قدر طوالت اور اہمیت اختیار کر گیا کہ لوگوں نے سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا اور علامہ صاحب نے سامعین میں موجود ہر طبقہ و مذہب سے وابستہ لوگوں کے سوالات کے علمی جوابات پیش کئے جس سے عرب علماء حضرت علامہ صاحب کی فصاحت و بلاغت اور استحضارِ علمی سے بہت متاثر ہوئے تھے۔

مرزا طاہر کو مناظرہ ومباہلہ کا چیلنج

علامہ خالد محمودؒ کے ایماء پر حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ نے مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ اور مولانا عبدالحفیظ مکی مرحوم سے مل کر ’’انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ‘‘ کی بنیاد رکھی تھی۔ جس کے قیام کا مقصد یورپ میں ختم نبوت کے مشن کی نشر واشاعت تھی۔اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی موجودگی میں پاکستان کے اندر اس کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی تھی کہ عالمی مجلس غیر سیاسی جماعت ہے اور یہ سیاسی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے جمعیت علماء اسلام پر اعتماد وانحصار کرتی ہے۔ اگرچہ علامہ خالد محمود کا جمعیت علماء اسلام کے ساتھ بہت پہلے کا تعلق تھا اور اس کے ساتھ آپ تحریک تنظیم اہل سنت کے سرپرست بھی تھے۔ مگر جب جمعیت علماء اسلام حضرت درخواستی اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے درمیان تقسیم کا شکار ہوئی تو علامہ صاحب، مولانا چنیوٹی اور مولانا محمد ضیاء القاسمی کا رجحان حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی طرف تھا اس لیے جمعیت (ف) سے ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی بناء پر ان حضرات نے اولاً جمعیت علماء اسلام (س) کے ساتھ سیاسی روابط رکھے، مگر بعد ازاں انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے نام سے ہی الگ پلیٹ فارم سے اپنے کارہائے نمایاں سرانجام دیتے رہے۔

متذکرہ جماعت کے قیام کے کچھ عرصہ بعد کا واقعہ ہے کہ قادیانیوں کے سربراہ مرزا طاہر نے حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ اور علامہ خالد محمود پر اپنے پیٹ میں بھرا غصہ نکالتے ہوئے بالخصوص مولانا چنیوٹی کی عنقریب ذلت آمیز موت کی پیش گوئی کی۔ مولانا چنیوٹی کے نام کے اختصاص کی وجہ یہ تھی کہ علامہ خالد محمود تو رہتے ہی برطانیہ میں تھے، مرزا طاہر کا خیال تھا کہ علامہ صاحب پاکستان سے مولانا چنیوٹی کو یہاں بلا کر قادیانیت کے اصلی چہرہ سے نقاب کشائی کیوں کراتے ہیں؟ چنانچہ علامہ صاحب نے ان دنوں ایک تجویز دی کہ ہم سب مل کر لندن کے کسی اہم مقام پر جمع ہوتے ہیں اور وہاں مرزا طاہر کو مباہلہ کی دعوت دیتے ہیں، تا کہ لوگ دیکھ سکیں کہ ذلت کس کا مقدر ہے؟ یہ تجویز علماء کرام نے پسند کی، تو مؤرخہ ۴ ؍اگست ۱۹۹۵ء کو لندن کے ہائیڈ پارک میں علامہ خالد محمود، مولانا منظور احمد چنیوٹی، مولانا عبدالحفیظ مکی، مولانا اجمل قادری، مولانا عبدالحیٔ عابد اور خطیب عرب وعجم مولانا محمد ضیاء

القاسمی وہاں جا پہنچے مگر مرزائیوں کی طرف سے کوئی نمائندہ نہ آیا۔ اس پروگرام کو بطور خاص بی بی سی لندن سے کافی کوریج دی تھی۔ (دیکھیے: ۹۴/۱ [ادارہ])

دورۂ نائیجیریا کا ایک اہم واقعہ

گزشتہ سطور میں اس دورۂ کی کارگزاری گزری ہے۔ نائیجیریا میں علامہ صاحب کا متعدد بار جانا ہوا، کاتب السطور کو یہ تو علم نہیں کہ یہ واقعہ کس سن کے دورے کا ہے؟ تاہم علامہ صاحب سے کئی بار سنا، اور ہر بار سنتے ہوئے نیا ذائقہ محسوس ہوا۔ حضرت علامہ صاحب فرماتے تھے کہ اس دورہ میں قادیانیوں کے لاہوری فرقہ سے جب مباحثہ ہوا تو ان کے مناظر نے دعویٰ کیا کہ مرزا قادیانی اس صدی کا مجدد ہے۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ نہیں، اس صدی کے مجدد حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ ہیں اس پر قادیانی مناظر نے کہا کہ آپ اپنے اس دعوی پر کیا دلیل رکھتے ہیں؟ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ یہ سوال ابھی اس کے منہ میں ہی تھا کہ اچانک ایک حبشی النسل شخص جو کافی لحیم وشحیم تھا۔ ایک کتاب اٹھائے میرے پاس آیا اور کتاب میرے ہاتھ میں تھما کر چلا گیا۔ کتاب پر ''**المجددون**'' نام درج تھا اور اس کے پہلے ہی ورق پر مجددین زمانہ کی فہرست میں رواں صدی کے مجدد مولانا اشرف علی تھانویؒ کا نام درج تھا، میں نے حوالہ دکھایا تو ہال میں تالی بج گئی اور اللہ تعالیٰ نے اہل حق کو فتح عطا کردی، مگر اس کے بعد ہمارے تحیر واستعجاب کی انتہا نہ رہی کہ وہ کتاب دینے والا حبشی ہمیں کہیں نظر نہ آیا اور مقامی علماء کرام نے بھی کہا کہ ہم نے یہ شخص اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی بعد میں ان کا کوئی اتا پتہ معلوم ہوسکا۔ علامہ صاحب فرماتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت تھی جس کا ختم نبوت کے عقیدہ صدقہ میں ہم نے کھلی آنکھوں سے نظارہ کیا۔ (دیکھیے: ۵۹۶/۱ [ادارہ])

ناروے کے تبلیغی دورے

ناروے، اوسلو، موس، درامن، ساس برگ، ہستونگز، بیرگن اور تھروہن ہم میں بھی بار بار تبلیغی دوروں پر جانے کے مواقع ملے، ان دوروں میں سے اگست ۱۹۹۵ء کا دورہ معروف ہے جس میں آپ ۱۵/اگست تا ۲۵/اگست روزانہ بعد از نماز عصر تا نماز عشاء دروس ختم نبوت دیتے رہے اور جامع مسجد تنظیم المسلمین اوسلو، اسلامک کلچرل سینٹر اور ہرشلب اسکول کے مقامات پر بڑے اجتماعات بھی منعقد ہوتے رہے۔ علامہ خالد محمودؒ نے یہاں خصوصیت کے ساتھ یہ بحث اٹھائی کہ حضرت عیسیٰؑ دنیا بھر کے تین ارب سے زائد انسانوں کے محبوب ومقتداء ہیں جس میں مسلمان اور عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی پاکیزگی کردار میں قدر مشترک ہیں، مگر قادیانیوں کے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت عیسیٰؑ کی جناب میں توہین آمیز کتابیں لکھ کر یہودیت کو تقویت دی ہے۔ کیونکہ یہودی حضرت عیسیٰؑ کے پرانے گستاخ چلے آرہے ہیں، علامہ صاحب کی اس حکمت بھری پالیسی کا نہایت مثبت نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں کی عیسائی برادری کی قادیانیوں کو ہمدردی فراہم کرنے کے دروازے بند ہوگئے اور امت مسلمہ کو نقصان پہنچانے کے لیے مرزائیوں نے نصاریٰ کی چھتریوں تلے پناہ لینے کا جو منصوبہ بنایا تھا وہ ناکام ہوکر رہ گیا۔ ناروے کی ان دوروں میں ۱۹۹۵ء والے سفر کے اندر حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی بھی علامہ صاحب کے ساتھ تھے اور یہ مولانا چنیوٹی مرحوم کا ناروے کا پہلا دورہ تھا۔ اس

سفر اور مناظرہ کی روداد حضرت چنیوٹی مرحوم نے ''مناظرہ ناروے'' کے نام سے ایک کتابچہ میں شائع کر دی تھی۔ اس میں ایک مقام پر روداد بیان کرتے ہوئے قاری بشیر احمد صاحب رقم زن ہیں:

''۲۲ر ربیع الاول بروز اتوار مطابق ۲۰، اگست (۱۹۹۵ء) ۳ر بجے بعد از (نمازِ) ظہر اوسلو ہر شب اسکول کے وسیع ہال میں ناروے کے مسلمانوں نے مل کر حضور خاتم النبیینؐ کی یاد میں کانفرنس منعقد کی، حاضرین کی کثرت کے باعث ہال سے کرسیاں اٹھا دیں گئیں اور لوگ ہال میں قالینوں پر بیٹھ گئے۔ محسن انسانیت کی یاد میں یورپ کی جدید نسلوں کا اس ادب سے زمین پر بیٹھنا دبستان مشرق کا عجیب نقشہ دکھا رہا تھا۔ کانفرنس کی صدارت اوسلو کی مشہور سماجی شخصیت راجہ عبدالحمید نے کی اور سٹیج سیکرٹری کے فرائض جناب تنویر قریشی نے سرانجام دیئے۔ انگلینڈ سے مہمان خصوصی علامہ ڈاکٹر خالد محمود ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر تھے اور پاکستان سے انٹرنیشنل ختم نبوت مومنٹ کے جنرل سیکرٹری فاتح ربوہ مولانا منظور احمد چنیوٹی اور مولانا عبدالواسع عتیقی ملتانی تشریف لائے۔ مفکر اسلام علامہ خالد محمودؒ صاحب نے مفصل اور پُر مغز تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو ذمہ داریاں تفویض کیں ان میں ایک امت بتانا ایک بڑی ذمہ داری تھی۔ آپ نے جو امت بتائی قرآن کریم میں اسے ''خیر امت'' کہا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہ امت ایک تسلسل سے چلی اور آج یہ امت پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ بطور امت کے ہماری عمر چودہ سو سال سے زیادہ ہے۔ اور ہم پر فرض ہے کہ اس امت کو ہر صورت میں قائم رکھیں جو اس امت میں سے نہیں وہ اس امت میں داخل نہ سمجھا جائے اور جو ہیں ان میں سے کسی کو خارج نہ کیا جائے۔ ہمیں وحدتِ امت کی اساس پر قائم رہنا ہے اور ہم اس تسلسل امت کو کسی طرح چھوڑ نہیں سکتے۔ علامہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ہم یہ سمجھیں کہ حضور ﷺ کے بعد خلفائے راشدین حضور ﷺ کے رستہ کو چھوڑ کر خلافت پر آئے اور اس کے مدتوں بعد پھر سے آپ ﷺ کے صحیح وارث اٹھے تو یہ نظریہ تسلسل امت کے یکسر خلاف ہوگا۔ وہ امت کبھی خیر امت نہیں کہلائی جاسکتی جو اپنے آقا ﷺ کی وفات پر ہی اس کا طریقہ چھوڑ دے۔ صحابہ کرام اگر حق پر قائم نہ تسلیم کیے جائیں تو ان کے بعد آنے والے طبقے کو تابعین کس طرح کہا جاسکتا ہے؟ اور ہم تو تبع تابعین اور آئمہ مجتہدین و محدثین کرام کو بھی تسلسل امت میں جگہ دیتے ہیں اور ہم ان اسلاف میں سے کسی کی مخالفت نہیں کرتے۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ قرآنِ مجید ایک علمی خزانہ ہے جس کی حضور ختمی مرتبت ﷺ نے عملی تشکیل کی جس طرح قرآن کریم اس امت میں تسلسل سے چلا ہے اور اب تک یہ امت کے پاس پوری محفوظ شکل میں موجود ہے۔ اسی طرح اس کی عملی تشکیل جو حضور ﷺ نے فرمائی، سنت قائمہ کی شکل میں امت کے پاس محفوظ ہے، فہم قرآن کا کوئی طریقہ جو مسلسل سے قائم نہ ہو، وہ ہرگز اسلامی طریقہ نہیں سمجھا جاسکتا جس طرح یہ قرآن مسلسل ہے، فہم قرآن بھی اس امت کا ایک مسلسل سرمایہ ہے۔ یہ اہل علم کی دولت ہے، عمل کے لیے اہل علم کی پیروی سے چارہ نہیں جو لوگ دین کا پورا علم نہیں رکھتے وہ فقہاء و مجتہدین کی پیروی سے عمل کی وہ دولت پاسکتے ہیں جو ہر مسلمان کی ضرورت ہے آپ نے مسٹر پرویز کے نظریہ انکار حدیث پر بھی علمی تنقید فرمائی اور کہا کہ جس درس قرآن میں تسلسل قائم نہ ہو اسے کسی طرح بھی حضور ﷺ کی علمی میراث نہیں سمجھا جاسکتا۔ علامہ اقبال کی وراثت کا دعوی اور چیز ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام بخاریؒ کی علمی میراث علماء کے سوا آپ کو کہیں نہ ملے گی۔''

[مناظرہ ناروے ر صفحہ نمبر ۲۳ (منعقدہ ۱۹۹۵ء) ناشر! انٹرنیشنل ختم نبوت مومنٹ ناروے ر دسمبر ۱۹۹۵ء]

دورۂ افریقہ کی تاریخی سرگذشت

دورہ افریقہ ۱۹۷۶ء کی مفصل رُوداد مکتبہ ختم نبوت لاہور اور ادارۂ دعوت وارشاد چنیوٹ سے ۱۹۷۷ء شائع ہوا تھا اب اس دورہ کی دلچسپ و ایمان افروز داستان ملاحظہ کیجیے۔ اس کے شروع میں حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کا ابتدائیہ بوجہ طوالت شامل نہیں کیا جارہا۔ البتہ علامہ صاحب کا مقدمہ مع سرگذشت پیش خدمت ہے۔

"الحمد للّٰہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد!

یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ ہندوستان میں برطانوی اقتدار نے ہی قادیانیت کو جنم دیا تھا۔ مرزا غلام احمد نے تاج برطانیہ سے خود یہ درخواست کی تھی کہ وہ اپنے خود کاشتہ پودے کے بارے میں حزم و احتیاط سے کام لے، جس طرح اس وقت ہندوستان تاج برطانیہ کے ماتحت تھا۔ بہت سے افریقی ممالک بھی ان دنوں برطانوی قبضے میں تھے۔ برطانیہ کی نوآبادیات اس وقت دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلی تھیں اور انگریز فخریہ طور پر کہتے تھے کہ سلطنت برطانیہ پر سورج کبھی غروب نہیں ہوتا۔ آج معاملہ برعکس ہو چکا ہے۔ سلطنت برطانیہ سمٹ کر صرف انگلستان میں رہ گئی ہے۔ وہاں مطلع ہمیشہ ابر آلود رہتا ہے اور لوگ کہتے ہیں اب سلطنت برطانیہ میں سورج کبھی طلوع نہیں ہوتا۔ تقریباً سب مقبوضات ایک ایک کر کے آزاد ہو گئے ہیں اور تاریخ اپنے سب وقائع سے پردہ اٹھا رہی ہے۔ ماضی میں ہندوستان اور ان افریقی ممالک میں سلطنت برطانیہ قدر مشترک تھی۔ ہندوستان تعلیمی حیثیت سے برطانوی افریقی ممالک سے کچھ آگے تھا۔ سو بجائے اس کے کہ انگریز حکمران افریقہ سے ہندوستان میں اپنے سیاسی کارکن بھیجیں۔ انہوں نے ہندوستان سے اپنے سیاسی وفادار افریقی ممالک میں بھیجے۔ یہ سیاسی مصلحت تھی۔ جس کے تحت افریقہ میں قادیانی بسانے کے لیے حکومت بڑی فیاضی سے انہیں زرِ مبادلہ دیتی رہی اور ان لوگوں نے ان نوآبادیات میں اپنے سکول اور ہسپتال قائم کر کے اپنے مشنری اڈے پوری طرح مضبوط کر لیے۔

ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خاندان کی دینی مساعی سے شمع علم دین اس طرح روشن تھی کہ قادیانی الحاد کا تیز ترین جھونکا بھی اُسے نہ بجھا سکا۔ مگر افریقی ممالک کی حالت کچھ مختلف تھی۔ وہاں کوئی شاہ اسمٰعیل شہید اور محمد بن قاسم پیدا نہ ہوا تھا جو گرتی قوم کو کسی طرح کا کوئی سہارا دے سکے۔ قادیانی وہاں اسلام کے نام پر پھیلتے گئے اور ان تاریک آبادیوں میں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ قادیانی مسلمان نہیں، ان کا دین و مذہب کچھ اور ہے۔

گو قدیم سے اسلامی علم و تہذیب کا گہوارہ رہا ہے۔ مگر یہاں کے لوگ اپنے رنگ و نسل کے اعتبار سے اپنے آپ کو افریقہ کی کالی آبادیوں سے بہت دور رکھتے ہیں۔ پھر گو یہاں علم کی روشنی پوری تھی، مگر قادیانیت کا مسئلہ عرب دنیا کا نہیں، ہندوستان کی پیداوار تھا اور وہی لوگ قادیانیت کے مدوجزر سے پوری طرح آگاہ تھے۔ ان حالات میں یہ ذمہ داری پاک و ہند کے علماءِ اسلام پر آتی تھی کہ وہ ان ممالک میں پہنچ کر قادیانیت کو بے نقاب کریں۔

ایشیا کے لیے کینیا افریقہ کا دروازہ ہے۔ ہم نے وہیں سے اپنے دورہ افریقہ کا آغاز کیا۔ وہاں سے مغربی افریقی ممالک پہنچے۔ ہمیں انہی ممالک میں جانا ہوا، جہاں پہلے انگریزوں کی حکومت رہی تھی۔ کیونکہ قادیانی صرف وہیں وہیں پائے جاتے تھے۔ افریقہ کے فرانسیسی مقبوضات میں ہمیں کوئی قادیانی مشن نہیں ملا۔ وہاں کے لوگ جس طرح انگریزوں سے نفرت کرتے ہیں اسی

آنکھ سے وہ قادیانیوں کو دیکھتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ان افریقی ممالک کے آزاد ہونے سے وہاں کے لوگوں کو قادیانیت کے صحیح خدوخال دیکھنے کا موقعہ ملا اور وہ سمجھنے لگے کہ انہیں ماضی میں اسلام کے نام پر بہت بڑا دھوکہ دیا گیا ہے۔ اب حال یہ ہے کہ قادیانیت یہاں جس تیزی سے پھیلی تھی اسی تیزی سے اس کا دامن سمٹ رہا ہے اور قادیانی جوق در جوق توبہ کر کے داخل دائرہ اسلام ہو رہے ہیں۔ رب العزت ختم نبوت کے اس وفد کی کوششیں مشکور فرمائے۔ جس کے اس دورے سے بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے اور بہت سے لوگوں کو جاننے کا موقع ملا۔

وللّٰہ الحمد اولاً و آخراً وظاهراً وباطناً."

علامہ صاحب کا دورۂ کینیا

۲۶/جولائی ۱۹۷۶ء تا ۳۱/جولائی ۱۹۷۶ء

۲۶/جولائی رات کے دو بجے تھے، سوموار کا دن شروع ہو چکا تھا، سفیر ختم نبوت فاتح ربوہ حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی اور حضرت علامہ خالد محمود صاحب ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر، مکۃ المکرّمہ سے جدہ پہنچے مکہ مکرمہ کی حاضری عمرہ کے لیے تھی۔

سعودی عرب کے مشہور فاضل حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب خلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدرس حرمِ نبوی شریف قاری بشیر احمد و قاری محمد رمضان اور قاری عبدالحی مدرس مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ جدہ ائیر پورٹ تک تشریف لائے۔

ساڑھے آٹھ بجے یہ حضرات نیروبی ائیر پورٹ پر اُترے، جن دوستوں نے نیروبی ائیر پورٹ پر استقبال کیا ان میں مولانا محمد امین زاہد مچاکوز، حافظ محمد یونس مدرس مدرسہ اسلامیہ منگار نوریاضہ، مولانا محمد عثمان صاحب حیدر آبادی، اور مولانا مطیع الرسول کے بھائی نیک محمد صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں، پورا ائیر پورٹ ختم نبوت زندہ باد کی فضا سے معمور تھا۔ ائیر پورٹ سے سیدھے جامع مسجد نیروبی کے دفتر میں پہنچے، وہاں رئیس المبعوثین کینیا مولانا فتح الدین صاحب خریج ازہر یونیورسٹی تشریف فرما تھے، نیروبی کے بہت سے اور عمائدو اعیان بھی تشریف لاتے رہے، اور طے پایا کہ اسی دن شام کو انجمن حمایت اسلام کی لائبریری ہال میں ایک بڑی مشاورتی میٹنگ رکھی جائے پروگرام کے مطابق ساڑھے سات بجے شام لائبریری ہال میں ایک عظیم الشان مشاورتی میٹنگ کا انعقاد ہوا، اس میں متعدد عمائدین شہر اور علماء کرام نے شرکت فرمائی۔

اس میں ڈائریکٹر جنرل اسلامک سپریم کونسل اور ڈپٹی گورنر نیشنل بینک آف کینیا جناب احمد عبداللہ صاحب، مرکزی جامع مسجد نیروبی کے چیئرمین اور اسلامک سپریم کونسل کے فنانشل سیکرٹری جناب ولی محمد صاحب، وائس چیئرمین سپریم کونسل جناب عیسیٰ کریا، چیئرمین بینک مسلم ایسوسی ایشن جناب اکرم بھٹی سیکرٹری جامع مسجد شیخ محمد انور صاحب، الحاج محمد امین بٹ، مولانا مطیع الرسول کے بھائی نیک محمد صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جناب سید فتح الدین صاحب رئیس بعثۃ السعودیہ فی کینیا مولانا محمد یوسف کاظم، حافظ محمد یونس صاحب، مولانا محمد عثمان اور مولانا محمد امین زاہد مبعوثین دارالافتاء سعودی عربیہ اور حافظ محمد ادریس صاحب اس مشاورتی کونسل میں شامل ہوئے۔ دیگر کئی ایک افریقی حضرات نے بھی اس میں شرکت کی۔ شیخ فتح الدین نے پہلے وفد کا تعارف کرایا، اس کے بعد علامہ خالد محمود صاحب نے

عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت اور ختم نبوت وفد کے پروگرام اور مقاصد پر تقریر کی۔سفیر ختم نبوت، فاتح ربوہ حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی نے مرزائیوں کی ایمان سوز اور امن سوز سرگرمیوں پر ایک مدلل تقریر کی، جس کا شیخ انور صاحب ساتھ ساتھ انگریزی ترجمہ کرتے جاتے تھے۔اس میٹنگ میں طے ہوا:

۱- کہ ختم نبوت کا یہ وفد ممباسہ بھی جائے اور وہاں چیف قاضی صاحب معلم سعید احمد صاحب چیئرمین سپریم کونسل آف کینیا اور عمائدین مملکت سے بھی اس سلسلہ میں ملاقات کرے۔

۲- طے ہوا کہ منگل کے دن عشاء کی نماز کے بعد کسی جگہ خطاب عام ہو۔

۳- جمعہ کے دن نیروبی کی دو بڑی مسجدوں میں قادیانیوں کی سرگرمیوں اور مسلمانوں کی ذمہ داریوں پر دو مفصل تقریریں ہو جائیں اور اس پروگرام کی مناسب تشہیر کی جائے۔

اس مشاورتی کونسل نے پوری بحث وتمحیص کے بعد اس ضرورت کا احساس کیا کہ ختم نبوت جیسے اہم مرکزی موضوع پر ایک عالمی پرچہ ہونا چاہیے، جو ختم نبوت اور صحابہ کرام کی عظمت کے اساسی عقائد پر عالمی دعوت کا حامل ہو۔یہ بات کہ پرچہ کہاں سے شائع ہو، اس وقت طے نہ ہو سکی تھی بعد میں باہمی مشورے سے طے ہوا کہ یہ پرچہ لندن سے شائع کیا جائے۔اس ضرورت پر بھی زور دیا گیا کہ افریقی باشندوں میں عقائد اسلام کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ دور دراز آبادیوں کے افریقی باشندوں کی تالیف قلب بھی کریں، اور ان کی سماجی بہبود میں بھی محنت کریں وفد نے حاضرین کو یقین دلایا کہ حالات کے ان تقاضوں کی رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) دارالافتاء ریاض اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے عمائدوا کابر کو رپورٹ بھیج دی جائے گی۔

حاضرین نے اصرار کیا کہ وفد اپنے دورہ کینیا میں کچھ توسیع کرے، جناب احمد عبداللہ اور جناب ولی محمد صاحب نے تجویز پیش کی کہ مرزائیت پر انگریزی میں چھوٹے چھوٹے پمفلٹ تیار کیے جائیں، اور جناب ولی محمد نے فرمایا کہ ہم خرچ اور انتظام سے انہیں پورے افریقہ میں تقسیم کر سکتے ہیں۔عشاء کی نماز کے بعد میٹنگ پھر جاری ہوگئی۔رات کا کھانا جناب نیک محمد صاحب کے ہاں تھا، اور رات کا قیام جناب ولی محمد صاحب کے بنگلہ پر رہا۔

۲۷/جولائی، اگلے دن صبح ساڑھے دس بجے مدرسہ اسلامیہ منگانوریاضہ میں پہنچے، وہاں چالیس کے قریب افریقی طلبہ جمع تھے، شیخ یوسف کاظم صاحب نے طلبہ کے سامنے ارکانِ وفد کا تعارف کرایا، علامہ خالد محمود صاحب نے عقیدۂ ختم نبوت کے مفہوم اور اس کی اہمیت پر انگریزی میں تقریر کی اور آخر میں عربی زبان میں خلاصہ بیان فرمایا۔

تقریر کے آخر میں طلبہ اور بعض اساتذہ نے کئی سوالات کیے، جن کا مدلل جواب دیا گیا۔

بعض طلبہ نے تقریر کے نوٹ لیے اور کہا کہ وہ تعطیلات میں دور دراز کے دیہات میں جا کر مرزائیوں کے دعویٰ اسلام کا پردہ چاک کریں گے۔تقریریں انہوں نے ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کرلیں۔ظہر کی نماز وفد نے مرکزی جامع مسجد نیروبی میں ادا کی۔اس کے بعد حاجی ابراہیم صاحب صراف کی طرف سے ممباسہ کے نوجوان عبدالعزیز گاڑی لے کر آئے اور پھر یہ حضرات حاجی ابراہیم صاحب کے مکان پر چلے گئے۔پنگانی مسجد کے خطیب مولانا اظہار احمد صاحب فاضل دیوبند سے ملاقات کی اور ختم نبوت اور مرزائیوں کی سرگرمیوں کے متعلق ان سے تبادلۂ خیالات کیا۔

عصر کی نماز وفد نے مسجد پنگانی میں ادا کی۔رات کا کھانا خواجہ عبدالمجید صاحب کے ہاں تھا۔خواجہ صاحب پنگانی مسجد کے قریب یوسف روڈ پر رہتے ہیں۔اور بڑے فعال اور متحرک آدمی ہیں،انہوں نے رات کے کھانے کی مجلس میں کیرالہ کے مولانا حاجی کٹی حسن الشافعی اور مولانا سید عبدالغفار صاحب،مولانا اظہار احمد صاحب،مولانا زاہد امین صاحب اور رئیس بعثۃ السعو دیہ شیخ فتح الدین صاحب بھی شریک تھے،مرزائیت پر اس مجلس میں بہت باتیں ہوتی رہیں۔

۲۷/ جولائی بعد نمازِ عشاء مسجد پنگانی میں جلسہ عام ہوا،جس میں علامہ خالد محمود نے مرزا غلام احمد قادیانی کے کردار اور مرزائیوں کی ایمان سوز سرگرمیوں کا تنقیدی جائزہ لیا۔ ہر دو تقریریں اردو میں ہوئیں۔آخر میں سوالات کے جوابات بھی دیے گئے اور قادیانیوں کی کتب سے حوالہ جات بھی دکھلائے گئے۔سوالات کرنے والوں کو مکمل اطمینان ہو گیا۔بعض سوالات ہم یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ اور حضرات بھی ان سے مستفید ہو سکیں۔

سوال: ہندوستان میں جب انگریزوں کی حکومت تھی تو اس وقت انگریزی حکام کی اطاعت مسلمانوں پر فرض تھی یا نہ؟

جواب: آپ غالبًا یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ انگریز حکام قرآن کریم کے لفظ اولی الامر میں آتے ہیں یا نہیں؟

سو یاد رکھئے کہ انگریز حکمران اس لفظ کے تحت نہیں آتے یہ درست ہے کہ اولی الامر سے مراد حکام ہیں جنہیں **Men of Outhority** کہتے ہیں لیکن قرآن کریم میں اولی الامر کے ساتھ منکم کا لفظ بھی موجود ہے،یعنی وہ حکام جو تم میں سے ہوں، مطلب یہ ہے کہ مسلمان ہوں،ان کی اطاعت بھی اس شرط سے مشروط ہے کہ ان کا حکم خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کے فیصلے کے خلاف نہ ہو،قرآن کریم کی اس ہدایت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے بعد ان اولی الامر کی اطاعت تمہارے ذمے ہے جو تم میں سے ہوں،نصاریٰ کو اولی الامر میں داخل کرنا غلط ہے۔

سوال: مرزا صاحب نے سیاسی مصلحت اور ظاہر داری کے طور پر انگریزوں کو خوش کرنے کی کوشش کی ہوگی،اس لحاظ سے یہ بات صحیح بھی ہو سکتی ہے،ہم اسے کلیۃً تو غلط نہیں کہہ سکتے؟

جواب: مرزا غلام احمد مسیح موعود اور پیغمبر ہونے کا مدعی ہے،وہ کوئی سیاسی لیڈر نہیں کہ آپ اس کے بیانات کو ظاہر داری اور مصلحت وقت کہہ کر فارغ ہو جائیں۔مرزا صاحب نے انگریزوں کی جو تعریف کی وہ خدا کے نام پر کی ہے۔یہ ان کی اصل کتابیں ہیں،دیکھ لیجیے اور ان حوالوں کا ترجمہ لکھ لیجیے۔

یہ مرزا صاحب کی مختصر تحریر ہے۔

حضور گورنمنٹ عالیہ میں ایک عاجزانہ درخواست

اس میں مرزا صاحب لکھتے ہیں: اول درجہ کا خیر خواہ گورنمنٹ انگریز کا ہوں،کیونکہ مجھے تین باتوں نے خیر خواہی میں اول درجہ پر بنا دیا ہے:

اول: والد مرحوم کے اثر نے۔

دوم: اس گورنمنٹ عالیہ کے احسانوں نے۔

سوم: خدا تعالیٰ کے الہام نے۔[تریاق القلوب ضمیمہ:۳]

پھر اس جگہ دیکھئے:

مسلمانوں کا فرض ہے جس کے ترک سے وہ خدا تعالیٰ کے گناہگار ہوں گے کہ اس گورنمنٹ کے سچے خیر خواہ اور دلی جان نثار ہو جائیں ......ان کا فرض ہے کہ اس گورنمنٹ محسنہ کے ناشکر گزار نہ بنیں اور نمک حرامی سے خدا کے گنہگار نہ ٹھہریں۔ [عاجزانہ درخواست، ص ب]

اس قسم کی تحریریں کسی مجبوری یا مصلحت کے تحت نہیں ہوسکتیں۔ مرزا صاحب کی ساری نبوت انگریزوں کے حکم سے چلتی تھی۔

سوال: انگریزوں کی یہ اطاعت صرف دنیوی امور کے لیے ہوسکتی تھی دینی کاموں میں انگریزی حکومت کا کیا دخل ہوسکتا تھا؟

جواب: مذکورہ بالا عاجزانہ درخواست کی یہ عبارت بھی دیکھ لیجیے:

یہ عاجز گورنمنٹ کے حکم سے ایک سال کے اندر ایک ایسا آسمانی نشان دکھلا دے جس کا مقابلہ کوئی قوم اور کوئی فرقہ جو زمین پر رہتے ہیں نہ کر سکے۔ [ایضاً، ص و]

پیغمبروں کے معجزے بھی گورنمنٹ کے حکم سے ظاہر ہوں تو پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ انگریزوں کی اطاعت صرف دنیوی امور کے لیے تھی۔

سوال: کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ مرزا صاحب کا عقیدہ یہی ہو کہ حکومت وقت کی اطاعت فرض ہے، خواہ وہ غیر مسلم ہی ہو اور اسی لیے وہ انگریزوں کی حمایت کرتے ہوں، یہ نہیں کہ وہ انگریزوں کے پولیٹیکل ایجنٹ ہوں؟

جواب: اگر ایسا ہوتا جیسا کہ آپ کہتے ہیں تو مرزا صاحب کا انگریزوں کی حمایت کا دائرہ صرف ہندوستان یا افریقہ میں ہوتا۔ مگر امرِ واقع یہ ہے کہ مرزا صاحب نے اسلامی ممالک میں بھی انگریزوں کے حق میں زبردست پراپیگنڈہ کیا اور عالمی سطح پر انگریزوں کی حمایت کی تبلیغ کرتے رہے۔ انہوں نے اس تبلیغ کے مشن دوسرے ممالک میں بھی قائم کرر کھے تھے۔

لیجیے! مرزا غلام احمد نے خود لکھا ہے:

بیس برس کی مدت سے میں اپنے دلی جوش سے ایسی کتابیں زبان فارسی، عربی، اردو اور انگریزی میں شائع کر رہا ہوں۔ یہ کتابیں ہیں جو میں نے اس ملک اور عرب و شام اور فارس اور مصر وغیرہ ممالک میں شائع کی ہیں۔ (عاجزانہ درخواست)

ان تصریحات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ مرزا غلام احمد کی سرکار انگریزی کی خدمات صرف اس لیے نہ تھیں کہ وہ انگریزوں کو اپنا اولی الامر سمجھتے تھے اور حکومت وقت کی اطاعت فرض جانتے تھے، بلکہ انہیں انگریزوں کے ایک پولیٹیکل ایجنٹ کے طور پر تمام دنیا میں برطانوی مفادات کی حفاظت کرنا ہوتی تھی۔

سوال، جواب کے بعد اُردو، انگریزی کی بعض کتب بھی تقسیم کی گئیں۔

آخر میں جناب چودھری ابراہیم ٹھیکیدار نے وفد ختم نبوت سے تقاضا کیا کہ وہ اپنے قیام کینیا میں توسیع کریں۔ ریذیڈنٹ ہسپتال کے ڈاکٹر عبدالحق صاحب بھی اس اجلاس میں شریک تھے۔ انہوں نے چوہدری ظفر اللہ خان قادیانی سے اپنی ملاقات کا

ذکر کیا۔اورڈاکٹر صاحب نے ان دلائل کا بھی تذکرہ کیا جو چوہدری ظفر اللہ خان قادیانی نے پیش کئے تھے،ان کا تشفی بخش جواب دیا گیا،اورڈاکٹر صاحب نے ان دلائل اور جوابات پر مکمل اطمینان کا اظہار کیا۔جلسہ دعائے خیر پر ختم ہوا اور علماء جناب ولی محمد صاحب کے بنگلہ پر آ گئے۔

۲۸ر جولائی صبح ساڑھے نو بجے سے ساڑھے دس بجے تک سید عبداللہ شاہ میموریل لائبریری میں کتابوں کے دیکھنے کی سعادت ملی،اس لائبریری میں بڑے بڑے نایاب نسخے بھی دیکھنے میں آئے۔علامہ خالد محمود صاحب بعض کتابوں کے حوالے بھی نوٹ کرتے رہے۔گیارہ بجے ختم نبوت کا یہ وفد بذریعہ کار ممباسہ کے لیے روانہ ہوا۔اس میں شیخ فتح الدین، شیخ عثمان صاحب اور نیک محمد صاحب برادر مولانا مطیع الرسول بھی ساتھ تھے،عصر کی نماز پیر پادری کی مسجد میں ادا کی۔وہاں مسجد کے مولوی صاحب سے ملاقات کی اور مرزائیوں کی غلط کاریوں کے بارے میں کچھ اجمالی گفتگو کی۔مولوی صاحب نے چائے سے وفد کی تواضع کی۔ مغرب کے وقت وفد ممباسہ پہنچ گیا۔نمازِ مغرب ممباسہ کی مسجد نور میں ادا کی،اور وہاں سے جناب علی محمد صاحب کے مکان واقع جا موکنیا ٹاریونیو پر آئے۔

رات آٹھ بجے اسی مکان میں مشورہ کی میٹنگ ہوئی،جو چار گھنٹے جاری رہی۔طے ہوا کہ صبح ۱۰ر بجے یہاں کے خواص شہر اور افریقہ کے عمائدین کی ایک مشاورتی میٹنگ کی جائے جس میں کینیا گورنمنٹ کے قاضی اور چیف قاضی بھی شامل ہوں، یہ بھی طے ہوا کہ ممباسہ کی اہم مساجد میں ختم نبوت اور مرزائیوں کی سرگرمیوں پر خطابِ عام رکھے جائیں،اور آئندہ کام کو تنظیمی ڈھانچے میں لا کر کام کی راہیں طے کی جائیں وفد نے پھر اس مکان پر ہی عشاء کی نماز با جماعت ادا کی اور پھر رات کا قیام بھی یہیں ہوا۔

خلاصہ تجاویز

۱- ختم نبوت کے سلسلہ میں ایک وفد ہر سال کینیا آیا کرے۔کم از کم ایک ماہ یہیں رہے اور مختلف علاقوں میں کام کرے۔

۲- یہاں کینیا میں ہر سال طلبہ اور افریقی مسلم اساتذہ کے لیے ایک دو ماہ کا ریفریشر کورس رکھا جائے جو عیسائیت مرزائیت اور رفض کے سلسلہ میں انہیں تعلیم دے۔ایسے اساتذہ کا انتظام رابطہ عالم اسلامی اور دارالافتاء ریاض کی طرف سے ہونا چاہیے۔

۳- مختلف کتابیں اور پمفلٹ مختلف زبانوں خصوصاً سواحلی زبانوں اور انگریزی میں مرتب کر کے بھیجے جائیں تا کہ ان کو مختلف علاقوں میں پھیلا سکیں۔

جناب رمضان علی کمانی صاحب نے ظہرانہ کی دعوت کی،اور وفد کے سامنے اسماعیلی فرقہ کے کفریہ عقائد، امام کے متعلق عقیدۂ الوہیت اور اس فرقہ کی کارگزاریوں کے بارہ میں مفصل تذکرہ فرمایا، کمانی صاحب چونکہ پہلے اس فرقہ کے رکن تھے،اس لیے ان کی معلومات اس سلسلہ میں نہایت ثقہ اور قابل اعتماد تھیں۔انہوں نے یہ بھی تجویز پیش کی کہ کینیا میں اس بارے میں بھی کام ہونا چاہیے جس کی اشد ضرورت ہے۔جامع مسجد شیبو میں مغرب کی نماز کے بعد ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔مسجد کا وسیع ہال مسلمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

علامہ خالد محمود صاحب نے ختم نبوت کی اہمیت اور مرزائیت کی ریشہ دوانیوں پر انگریزی میں مفصل تقریر کی،جس کا ساتھ ساتھ سواحلی زبان میں ترجمہ ہوتا رہا۔ترجمہ کے فرائض جناب عبدالرحمٰن سید صاحب میونسپل ایجوکیشن افسر ممباسہ نے سرانجام

دیئے۔

تقریر کے آخر میں کچھ سوالات کا سلسلہ شروع ہوا۔ان میں سے بعض سوالات بہت اہم تھے اوران کے جوابات بھی کافی تسلی بخش رہے۔ہم چند سوالات یہاں بھی درج کئے دیتے ہیں۔

سوال: قرآن شریف میں مسلمانوں کو کہا گیا ہے کہ اے اولادِ آدم تم میں پیغمبر آتے رہیں گے،تم ان کی سننا اورانہیں ماننا۔

جواب: نہیں! ہم مسلمانوں کو کہیں نہیں بتلایا گیا کہ تم میں انبیاء آتے رہیں گے۔قرآن کریم میں ایک پچھلی بات نقل کی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم اور حوا کو زمین پر بھیجا تو ان کی اولاد کو بشارت دی گئی کہ تم میں انبیاء آتے رہیں گے، یہ اس وقت کی حکایت ہے۔قرآن کریم سورۃ البقرہ میں اسے نبوت کی بجائے ہدایت کہا ہے۔**اِمَّا یَأْتِیَنَّکُمْ مِنِّیْ ھُدَی**

اورسورۃ اعراف میں **یَأْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ** کے الفاظ ہیں۔سیاق وسباق بتلاتا ہے کہ یہ سب اس وقت کی حکایت ہے۔

سوال: تو پھر اسے قرآن شریف میں کیوں لایا گیا ہے، یہ تو پچھلی بات تھی؟

جواب: تو کیا قرآن شریف میں پچھلی باتیں نہیں ہیں؟ وہ کیوں لائی گئیں،فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا اور ابلیس نے انکار کیا، کیا یہ پچھلی بات نہ تھی، کیا یہ قرآن مجید میں موجود نہیں؟ اس طرح سینکڑوں پچھلے واقعات قرآن کریم میں منقول ہیں۔اللہ تعالیٰ جب اس امت کو کوئی حکم دیتے ہیں تو قرآن پاک کا اسلوب بیان **یا ایھا الذین اٰمنوا** ہوتا ہے۔سب لوگ مخاطب ہوں تو **یا ایھا الناس** سے خطاب ہوتا ہے۔اورابتدائی دور میں کوئی بات کہی گئی ہے تو **یبنی اٰدم** سے شروع ہوتی ہے اور یہ اس دور کی حکایت ہوتی ہے۔

سوال: حضورؐ پر نبوت ختم ہو چکی تو اب اس کی جگہ کونسا روحانی مقام ہے جو کسی انسان کو مل سکتا ہے؟

جواب: ختم نبوت کے بعد بھی خدا سے ہم کلامی کی کھڑکی کھلی ہے، یہ ولایت تامہ ہے جسے محدثیت کہتے ہیں۔حضرت عمرؓ محدثیت کا مقام پا کر ولایت تامہ پر فائز تھے،خدا ان سے کلام کرتا تھا۔مگر وہ نبی نہ تھے،محدث تھے۔نبوت اور محدثیت کے درمیان غیر تشریعی نبوت کوئی درجہ ہوتا تو حضوراسے ضرور بیان فرماتے۔آپؐ نے ختم نبوت کا اعلان فرمایا تو خلافت کو اس کے قائم مقام بتلایا،اوراس خلافت پر واقعی وہ لوگ آئے جو خدا سے ہم کلامی کا شرف پاتے تھے، وہ نبی اکرمؐ کے جانشین تھے۔یہ دیکھو مرزا غلام احمد قادیانی بھی لکھتا ہے: بعد آنحضرت کوئی نبی نہیں آسکتا اس لیے شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے ہیں۔

[شہادۃ القرآن:۲۸]

سوال : نبی اور محدث میں فرق کن کن باتوں میں ہے،محدث کو بھی نبی کہہ دیا جائے تو کیا حرج ہے،نام بدلنے سے کیا ہوتا ہے اگر کام وہی رہے؟

جواب: (۱) نبی اپنے منصب کا مدعی ہوتا ہے،لوگوں کو اپنے اس منصب کے تسلیم کرنے کی دعوت دیتا ہے۔محدث اپنے اس درجے کا دعویٰ نہیں کرتا، نہ لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس کا محدث ہونا تسلیم کریں۔

(۲) نبی کا ماننا فرض ہے،منکر اس کا کافر ہے۔محدث کو ماننا فرض نہیں اوراس کے محدث ہونے کا منکر کافر نہیں، ہاں پیغمبر کسی کو محدث کہہ دے تو اسے ماننا ضروری ہو جاتا ہے اور یہ بھی اس لیے کہ نبی نے بتلایا ہے اور نبی کی بات ماننی فرض ہے۔

(۳) قبر میں یا آخرت میں کسی سے نہ پوچھا جائے گا کہ تیرے وقت میں محدث کون کون تھا، ہاں یہ ضرور پوچھا جائے گا کہ تیرا نبی کون ہے؟

(۴) انبیاء سے امتوں اور جماعتوں کا سلسلہ قائم ہوتا ہے لیکن محدث باقی امت سے علیحدہ کوئی سلسلہ قائم نہیں کرتے، ان کو قانونی طور پر کوئی حقیقت حاصل نہیں ہوتی۔ مرزا غلام احمد کی یہ بات درست نہیں کہ شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے۔ ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ حکمت ایزدی یوں ہوئی کہ انبیاء کے بعد محدث خدا سے شرف ہم کلامی پائیں۔

(۵) نبی کی بات قانونی درجہ رکھتی ہے، اس پر اسلام کا عمل اور فقہ مرتب ہوتا ہے، محدث سے خدا کی بات کسی تشریع اور قانون سے متعلق نہیں ہوتی، اسرار و حکم پر مشتمل ہوتی ہے، اسے قانونی درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ پر نماز کی حالت میں جنگ کے نقشے کھولے جاتے تھے، تو یہ بات اسرار خداوندی میں سے تھی، اسے اسلام میں قانون کا درجہ حاصل نہیں ہوگا۔

ان جوابات سے لوگوں کی خوب تسلی ہوئی۔ جلسہ کے آخر میں حاضرین نے ہاتھ اٹھا کر وعدے کئے کہ وہ مرزائیوں کی ان سازشوں اور ان کے مکر و فریب سے دور دراز آبادیوں میں جا کر افریقہ کے عوام اور مسلمانوں کو باخبر کریں گے۔

۲۹/جولائی۔ بروز جمعرات عشاء کی نماز کے بعد سنی جامع مسجد ممباسہ میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں علامہ خالد محمود صاحب اور فاتح ربوہ حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی نے اُردو میں تقریر کی۔ ایشیائی حضرات بہت بڑی تعداد میں تشریف لائے ہوئے تھے۔

علامہ صاحب نے کفر و ایمان کے معیار اور مرزائیوں کے غیر مسلم ہونے پر تقریر کی عوام نے ہاتھ اٹھا کر وعدے کئے کہ وہ ہر گاؤں میں پہنچ کر مرزائیوں کو بے نقاب کریں گے۔

جلسہ کے آخر میں کچھ اُردو اور انگریزی کتابیں بھی تقسیم کی گئیں جلسہ عام دعائے خیر پر ختم ہوا۔ اس کے بعد وفد مبعوثین حضرات کے ہمراہ مولانا ابراہیم صاحب مبعوث ممباسہ کے مکان پر آیا۔

۳۰/جولائی۔ فجر کی نماز کے بعد میمن جامع مسجد ممباسہ میں علامہ خالد محمود صاحب نے عیسائیت اور مرزائیت کے عنوان پر درس دیا۔ کچھ وقت کے بعد ہم ممباسہ ائیر پورٹ پر پہنچے، ایسٹ افریقہ ائرلائنز کا طیارہ ۸ بج کر ۲۰ منٹ پر نیروبی کے لیے روانہ ہوا ...... ممباسہ ائیر پورٹ پر الوداع کرنے والوں میں رئیس بعثۃ السعودیہ شیخ فتح الدین صاحب، جناب حاجی علی محمد صاحب، مولانا ابراہیم صاحب بلتستانی اور مولانا محمد عثمان صاحب کے اسماء گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

نیروبی ائیر پورٹ پر ہم نو بجے پہنچے۔ ائیر پورٹ پر جناب یوسف کاظم صاحب پہنچے ہوئے تھے۔ جمعرات نیروبی ریڈیو نے اعلان کیا کہ ۳۰/جولائی کا خطبہ جمعہ علامہ خالد محمود صاحب، مرکزی جامع مسجد میں اور فاتح ربوہ مناظر اسلام مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی جامع مسجد ایسٹ نیروبی میں دیں گے۔

چنانچہ حسب اعلان پروگرام علامہ صاحب نے مرکزی جامع مسجد نیروبی میں انگریزی میں مفصل تقریر کی۔ اور مولانا چنیوٹی صاحب نے جامع مسجد ایسٹ ۷ نیروبی میں اردو اور عربی میں تقریر کی۔ لوگوں کے سوالات کے جوابات دیئے گئے۔ بعد نمازِ جمعہ مرکزی جامع مسجد میں یونیورسٹی کے ڈاکٹر یوسف صاحب، ڈاکٹر ایم اے ارشد اور دیگر کئی عمائد شہر سے خصوصی ملاقاتیں رہیں۔ بعد

نمازِ عشاء مرکزی جامع مسجد نیروبی میں اجلاس عام ہوا، اسلامک سپریم کونسل کی میٹنگ بھی اس اجلاس کے لیے ملتوی کر دی گئی تھی۔ اس اجتماع میں بعض افریقی حضرات نے حیاتِ مسیح، معجزاتِ مسیح، اور مہدی کے فرق اور مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں بہت اہم سوالات کئے۔ علامہ خالد محمود صاحب انہیں انگریزی میں ان سوالات کے جواب دیتے رہے۔

بعض سوالات بہت دلچسپ تھے، ان میں سے چند سوال ہم یہاں بھی نقل کئے دیتے ہیں:

سوال: حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ آنے کا عقیدہ کیا ایمان کا جزو ہے یا اسے محض ایک قیامت کی علامت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: یہ عقیدہ ایمانیات میں سے ہے۔ صحیح مسلم میں نزول عیسیٰ بن مریم کی روایت کتاب الایمان میں لکھی گئی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین اسے ایمان کا جزو سمجھتے تھے، یہ صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی علاماتِ قیامت میں سے ہے، لیکن اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

سوال: نزول عیسیٰ بن مریم کی روایت خبر واحد ہے یا خبر متواتر ہے، جس پر ایمان لانا ضروری ہے؟

جواب: نزول عیسیٰ بن مریم کی روایت خبر متواتر ہے۔ ہر دور میں اسے اتنے راویوں نے روایت کیا ہے کہ اس میں جھوٹ کا کوئی احتمال نہیں رہتا۔ دیوبند کے جلیل القدر محدث مولانا انور شاہ صاحب کاشمیریؒ نے نزول مسیح کی تقریباً تمام روایات۔ "**تصریح بما تواتر فی نزول المسیح علیه السلام**" میں جمع کر دی ہیں جن کا حاصل تواتر اور یقین ہے۔

سوال: ان آیات میں کہیں یہ ثابت ہے کہ وہی مسیح ناصری دوبارہ تشریف لائیں گے جو آنحضرتؐ سے پہلے ہو گزرے ہیں، اور جنہیں انجیل دی گئی تھی؟

جواب: ہاں وہی عیسیٰ بن مریم قرب قیامت میں تشریف لائیں گے جو حضورؐ سے پہلے بھی ہو گزرے ہیں، انہی کے نزول پر امت کا اجماع ہے۔ آنحضرتؐ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا: **لم یکن بینی و بینه نبی** یعنی میرے اور اس کے مابین اور کوئی نبی نہیں ہوا۔ اور پھر فرمایا: **و انه نازل** اسی نے نازل ہونا ہے۔ مثیل مسیحؑ کا عقیدہ غلط ہے۔ اور ایک علیحدہ بات ہے، اپنے لیے راہ بنانے کی ایک غلط کوشش ہے۔

سوال: حضرت عیسیٰؑ جب دوبارہ آئیں گے تو نبی ہوں گے یا اُمتی ہوں گے؟

جواب: حضرت عیسیٰؑ اللہ کے نبی تھے، اللہ تعالیٰ کسی کو نبوت دے کر اس سے چھینتے نہیں۔ حضرت عیسیٰؑ اپنی دوسری آمد میں بھی نبی ہوں گے، لیکن ان کی نبوت یہاں نافذ نہ ہوگی، نہ ان کی شریعت کا کوئی حکم یہاں چلے گا۔ یہ دور دورِ محمدی ہے پس حضرت عیسیٰؑ امتی ہو کر آئیں گے۔ دن کے وقت چراغ روشن ہو وہ چراغ تو ہوگا لیکن اس کی روشنی نافذ نہ ہوگی، ضیائے آفتاب کے سامنے اس کی روشنی کا نفوذ کیسے ہو سکے گا؟ حضرت عیسیٰؑ اپنی آمد ثانی میں نبی تو ہوں گے لیکن نہ نبی کی حیثیت سے پیش ہوں گے، نہ اُمتی نبی کی حیثیت سے بلکہ محض امتی ہو کر آئیں گے، کہیں نبی ہونے کا دعویٰ نہ کریں گے۔

سوال: اگر وہ امتی ہو کر آئیں گے، اور قرآن وحدیث کے مطابق عمل کریں گے تو قرآن وحدیث کی تعلیم کہاں سے پائیں گے؟

جواب: جہاں سے انہوں نے تورات وانجیل کی تعلیم پائی وہیں سے انہیں کتاب وسنت کی تعلیم ملے گی، ان کی والدہ حضرت مریم کو پہلے سے خبر دی گئی تھی کہ ان کے ہاں جو بچہ پیدا ہوگا اللہ تعالیٰ اسے کتاب وسنت اور تورات وانجیل چاروں کی تعلیم دیں گے۔

سوال: قرآن کریم میں یہ کہاں لکھا ہے؟

جواب: تیسرے پارے میں سورۃ آل عمران میں لکھا ہے:

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ (اور سکھائے گا اللہ اسے کتاب وسنت اور تورات اور انجیل اور وہ رسول ہوگا، صرف بنی اسرائیل کی طرف) قرآن کریم کے محاورے میں کتاب وحکمت سے مراد قرآن وحدیث ہوتے ہیں، قرآن کریم میں یہ الفاظ کئی جگہ انہی معنوں میں آئے ہیں۔ یہ سوالات لوگوں نے بہت دلچسپی سے سنے، بعض لوگوں نے نوٹ بھی کیے، ان پر پورے اطمینان کا اظہار کیا گیا اور جلسہ دعائے خیر پر ختم ہوا۔

یہ مجلس ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی اور اس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے اخلاق اور بدزبانی کا بھی نوٹس لیا گیا۔ اس اجتماع میں ایشیائی حضرات کی کثرت تھی حتیٰ کہ مستورات کافی تعداد میں شریک تھیں، جن کے لیے باقاعدہ پردہ کا انتظام تھا، اس لیے بعد کا پروگرام اردو میں ہوا۔

۳۱ر جولائی۔ صبح جناب بٹ صاحب تشریف لائے اور ان کی معیت میں ہم مرکزی جامع مسجد نیروبی آ گئے۔ یہاں دس بجے سے لے کر ایک بجے تک تین گھنٹے خاصی علمی مجلس رہی۔ جناب ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے مرزائیوں کے کچھ لندن کے خطوط دکھائے جن میں انہوں نے نبوت کے جاری ہونے کے متعلق بہت شبہات لکھے تھے۔ مجلس میں طویل خطوط حرف بحرف پڑھے گئے، اور علامہ خالد محمود صاحب ان تحریرات پر سطر بہ سطر تنقید کرتے رہے۔ اور شبہات کا جواب دیتے رہے۔ دو گھنٹے کے قریب یہ سلسلہ جاری رہا، اسی دوران حاجی ابراہیم صاحب ٹھیکیدار، جناب امین بٹ صاحب اور خواجہ عبدالمجید صاحب تشریف لے آئے تھے۔ پھر ایک افریقی تعلیم یافتہ نوجوان مسٹر الیاس سے کچھ تبادلۂ خیالات ہوتا رہا۔ اس کے بعد علماء چوہدری ابراہیم صاحب کے مکان پر گئے۔

مولانا امین زاہد نائیجیریا کی روانگی تک وفد کے ساتھ رہے۔ ویزے کی توسیع فلائٹس کی تنسیخ وتوثیق اور سفر کی ہر ضرورت کی تکمیل میں انہوں نے وفد کے لیے پوری دوڑ دھوپ کی۔

ظہر کی نماز ہم نے پنگانی جامع مسجد میں ادا کی۔ وہاں سے الوداع کہنے والے حضرات کاروں کے ذریعے ائیر پورٹ روانہ ہوئے۔ تین بج کر پندرہ منٹ پر ائیر پورٹ پہنچے۔ چار بجے پانام طیارے سے وفد نائیجیریا کے لیے روانہ ہوا۔ اور نو بجے ہم بخیریت لاگوس پہنچ گئے۔

دورۂ کینیا کے مجموعی تاثرات اور جائزہ

کینیا کے اس چھ روزہ دورے میں چار خصوصی مشاورتی مجلسیں ہوئیں جو الحمدللہ بہت کامیاب رہیں اور ان میں آئندہ کام کرنے کے بہت سے نئے پہلو سامنے آئے۔ اس میں جامع مسجد نیروبی کی منتظمہ، اسلامک سپریم کونسل، ینگ مسلم ایسوسی ایشن،

منتظمہ جامع مسجد پنگانی، ارکان بعثۃ السعودیہ، کینیا کے قاضی صاحبان، مقامی علماء کرام، جناب خواجہ عبدالمجید صاحب، چوہدری محمد ابراہیم ٹھیکیدار، اور جناب حاجی علی محمد صاحب آف ممباسہ جیسی سماجی شخصیتوں نے وفد کے ساتھ بھرپور تعاون کیا ہے۔

علامہ خالد محمود صاحب نے اس چھ روزہ دورے میں آٹھ تقریریں کیں، ان میں سے کچھ انگریزی، کچھ عربی اور کچھ اردو میں تھیں، فاتح ربوہ سفیر ختم نبوت حضرت العلامہ الحاج مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب نے کینیا میں سات تقریریں کیں، جن میں سے دو عربی میں ہوئیں اور باقی اردو میں تھیں۔

نیروبی اور ممباسہ کی خصوصی ملاقاتوں میں بعض ایسے حضرات بھی ملے جن کا تاثر یہ تھا کہ مرزائیت یہاں بالکل دب چکی ہے اور اس کی نئی مشقیں اب افریقہ کے مغربی ساحل پر ہو رہی ہیں، مگر ملاقاتوں اور تبادلۂ خیالات کے بعد ان کی رائے بدلی اور انہوں نے محسوس کیا کہ کینیا میں افریقی باشندوں کو اس فتنہ سے خبردار کرنے کی اب بھی اشد ضرورت ہے۔ اور پھر انہوں نے سکولوں اور کالجوں کے افریقی طلبہ میں ریفریشر کورسز کے طور پر عقیدۂ ختم نبوت اور مرزائیت کے بارے میں ضروری معلومات کی تجویز پیش کی۔

نیروبی اور ممباسہ کے بعض جلسوں کے آخر میں لوگوں کے سوالات سے پتہ چلتا تھا کہ یہاں مرزائی تعلیمات اپنے خاص انداز میں اندر ہی اندر اثرات پیدا کر رہی ہیں۔

کینیا کے اس دورہ سے ان کی بہت سی چھپی باتیں ظاہر ہو گئیں اور یہاں کے مسلمانوں کے تقریباً ہر طبقے نے محسوس کیا کہ کینیا میں بھی ختم نبوت اور صحابہ کرام کی عظمت و مقام کی اساس پر کام کرنے کی افریقی عوام اور افریقی طلبہ ہر دو دائروں میں اشد ضرورت ہے۔

ہمیں یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا کہ یہ شیعہ تنظیمات یہاں ذہنی طور پر علیحدگی کی پالیسی پر گامزن ہیں، ان کے مشن اثنا عشری اساس پر سنی مسلمانوں سے علیحدہ کام کر رہے ہیں اور اپنے علیحدہ نظامِ تعلیم پر سختی سے کاربند ہیں۔ ان کی اس پالیسی سے سنی حلقوں میں کافی تشویش پائی جاتی ہے۔ شیعہ اپنے علیحدہ کلمے، علیحدہ نصاب دینیات اور علیحدہ اذان پر بہت زور دیتے ہیں اور اہل سنت محسوس کرتے ہیں کہ یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اور مسلک اہل سنت کی حفاظت پر کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

اس اطلاع سے ہمیں اور زیادہ دکھ ہوا کہ افریقی ممالک میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے تناسب میں مسلمان تقلیل میں جا رہے ہیں۔ یہاں کئی ممالک ایسے ہیں جہاں مسلمان پہلے بڑی اکثریت میں تھے، اب وہاں بالکل رسمی اکثریت رہ گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی مشنری بہت زیادہ سرگرمی سے کام کر رہی ہے۔ ان حالات میں ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ یہاں عیسائیت اور مرزائیت و شیعیت کے پیش نظر اسلامی تعلیمات، تبلیغات اور تحریرات کا ایک مرکزی سنٹر قائم کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ خوشی کا پہلو ہے کہ ہمیں اس دورہ کینیا میں کئی ایسے حضرات ملے جنہوں نے بتایا کہ مرزائی یہاں عام لوگوں کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھا کر اسلام کے نام پر مرزائیت پیش کرتے رہے، لیکن جب لوگوں پر یہ بات کھلتی ہے تو وہ توبہ کر کے اسلام کا اصل رُخ اختیار کرتے ہیں۔ ایسے توبہ کرنے والے ان علاقوں میں بکثرت ملتے ہیں۔ اختصار وقت کے پیش نظر ہم کینیا کے دوسرے شہروں میں

نہ جا سکے۔اس کے لیے وقت نکالنے کی ہم نے بہت کوشش کی ،لیکن مجبوراً اس ضروری پروگرام کو عملی شکل نہ دے سکے۔

بہر حال مجموعی طور پر ہمارا دورۂ کینیا بہت کامیاب رہا۔ہم ان تمام دوستوں کے لیے جنہوں نے ہم سے تعاون کیا اور اپنی ذمہ داری ادا کرنے کے لیے وہ اس پروگرام میں آگے بڑھے۔بصمیم قلب شکر گزار ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس دورہ کی تجویز وتشکیل اور تائید وتکمیل میں حصہ لینے والے حضرات کی دنیا اور آخرت میں نصرت فرمائے اور ان پر اور ان کی اولاد پر اپنا فضل فرمائے،اور انہیں کینیا کی تمام غیر مسلم طاقتوں کے شرور وفتن سے محفوظ رکھے۔آمین

دورۂ نائیجیریا (یکم اگست ۱۹۷۶ء تا ۱۴/اگست ۱۹۷۶ء)

ختم نبوت کا یہ وفد ۳۱/جولائی ۱۹۷۶ء کو نائیجیریا کے لیے روانہ ہوا۔نیروبی (کینیا) ائیر پورٹ پر الوداع کہنے والوں میں مولانا زاہد امین،خواجہ عبدالمجید،مولانا اظہار احمد صاحب جناب محمد بشیر خان،حاجی ابراہیم ٹھیکیدار اور شیخ عبداللہ خان سرفہرست تھے۔تقریباً چار بجے شام پانام طیارے نے پرواز کی اور نو بجے رات ہم نائیجیریا کے دارالخلافہ لاگوس پہنچے۔

پہلی ملاقات پاکستانی سفارت خانہ کے محمد رفیق صاحب سے ہوئی،انہوں نے سنٹرل مسجد لاگوس کا پتہ دیا۔ساڑھے دس بجے کے قریب ہم لاگوس کے چیف امام کے پاس پہنچے اور انہیں اپنے پروگرام سے مطلع کیا۔وہاں ہماری ملاقات عبدالعزیز سوڈانی طالب علم سے ہوئی جو اس وقت افریقی ممالک کا معلوماتی دورہ کر رہا تھا۔اس سے رات ایک بجے تک مسئلہ ختم نبوت اور مرزائیوں کی سرگرمیوں کے متعلق بات چیت ہوتی رہی۔اور ہم نے سوڈان میں اس سلسلے میں کام کرنے اور عوام کو اس فتنہ سے خبردار کرنے کے لیے طلبہ کے تعاون کی استدعا کی۔بات چیت سے معلوم ہوا کہ سوڈان میں مرزائیوں کے کفریہ عقائد کی کچھ خبر نہیں اور طلبہ تک کو معلوم نہیں کہ یہ لوگ کون ہیں اور وہاں کس طریق سے کام کر رہے ہیں؟

یکم اگست ۱۹۷۶ء بروز اتوار صبح نو بجے لاگوس کی تبلیغی جماعت کے امیر سے ملاقات ہوئی اور اس بات سے بہت مسرت ہوئی کہ دعوت کا کام یہاں بھی پہنچا ہوا ہے۔معلوم ہوا کہ وہاں ایک دن قبل پاکستان کی تبلیغی جماعت آئی ہوئی تھی۔

اس کے بعد دس بجے ہم لاگوس کے چیف امام صاحب سے دوبارہ ملے،اور طے پایا کہ اس دن عشاء کی نماز کے بعد لاگوس کی سنٹرل مسجد میں خطابِ عام ہو،اور مرزائیوں کو مناظرہ کا کھلا چیلنج دیا جائے۔گیارہ بجے ہم سعودی سفارت خانے پہنچے۔دفتر بوجہ اتوار بند تھا۔معلوم ہوا کہ ملحق دینی جناب شیخ عبدالرحمٰن صاحب ابھی تک سعودی عرب سے واپس تشریف نہیں لائے۔وہاں جناب محمد علی الفور سے ملاقات ہوئی،آپ سعودی سفارتخانہ میں ترجمہ کے کام کی نگرانی کرتے ہیں۔آپ کی باہمت اور پرعزم اور جاذب شخصیت نے ہمارے عزم واستقلال اور ہمت میں اضافہ کر دیا۔آپ نے ہمارے کام کی تفصیل سن کر پورا عملی تعاون کرنے کا یقین دلایا۔دوپہر کا کھانا ہم نے آپ ہی کے ہاں کھایا اور اس دوران ایران کے مولوی جعفر جو سعودی عرب کی طرف سے مبعوث مقرر ہیں،ان سے ملاقات ہوئی۔ہم نے انہیں مرزائیوں کی ایمان سوز اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے مطلع کیا۔دو بجے کے قریب جناب محمد علی الفور ہمارے ساتھ چیف امام سے ملے اور رات کے جلسے کی توثیق کی،اور اس کے بعد ہم ان کی معیت میں ''جمعیت انصار الدین'' کے دفتر میں پہنچے۔وہاں معلوم ہوا کہ ان کے صدر لاگوس سے باہر گئے ہوئے ہیں،ہم ان کے نام رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری شیخ محمد صالح القزاز کا خط اور پیغام لائے تھے جو کہ ان کے حوالے کر دیا۔اس کے بعد جناب

عبدالرحمٰن عوینی صاحب ملحق دینی کے دفتر میں ٹھہرے اور وہیں ظہر کی نماز پڑھی، عصر تک وہیں قیام کیا، اس کے بعد جناب محمد علی الفور ہمیں سنٹرل مسجد لاگوس لے جانے کے لیے تشریف لے آئے اور شام کے وقت ہم مقام جلسہ پر پہنچ گئے۔ عشاء کی نماز کے بعد لاگوس کی مرکزی جامع مسجد میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ علامہ خالد محمود نے (اسلام اور مرزائیت) کے عنوان پر انگریزی میں تقریر کی۔ مترجم کے فرائض لاگوس کے مشہور تاجر جناب عبدالغنی صاحب اولانی سائے نے ادا کیے۔ آپ ۲۹ ر پرنسز سٹریٹ لاگوس میں رہتے ہیں۔

حضرت مسیحؑ کے بارے میں بہت سی باتیں لوگوں کے سامنے کھل کر آ چکی تھیں، بعد میں بھی کچھ اور دلچسپ سوالات ہوتے رہے۔ بعض سوالات یہاں بھی نقل کیے جاتے ہیں۔

سوال: آخر دور میں جس مسیح کے آنے کی خبر دی گئی ہے اس کی بڑی نشانی کیا ہوگی؟ تا کہ اس کے بارے میں کسی قسم کا کوئی تردد نہ رہے۔

جواب: اس کی بڑی علامت یہ ہوگی کہ اس کے آنے پر جنگوں کا خاتمہ ہو جائے گا، ظلم باقی نہ رہے گا۔ شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پئیں گے، کفر دنیا میں باقی نہ رہے گا، جب کفر ہی دنیا سے جاتا رہے تو جہاد کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ صحیح بخاری میں حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں لکھا ہے **ویضع الحرب** اور وہ جنگوں کا خاتمہ کرے گا۔ یہ دیکھئے مرزا صاحب کی کتاب ''تحفہ گولڑویہ'' ہمارے پاس موجود ہے۔ شاعرِ قادیان لکھتے ہیں:

کیوں بھولتے ہو تم **یضع الحرب** کی خبر
کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر
فرما چکا ہے سید الکونین مصطفیٰ
عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا
جب آئے گا تو صلح کو وہ ساتھ لائے گا
جنگوں کے سلسلہ کو وہ یکسر مٹائے گا

مرزا غلام احمد اپنے آپ کو مسیح موعود کہتا رہا، اس کی جماعت کے دونوں گروپ قادیانی اور لاہوری اسے مسیح موعود مانتے ہیں، کیا مرزا صاحب کے آنے پر لڑائیاں ختم ہو گئیں؟ کیا دنیا کے ایسے حالات ہو گئے کہ سب قومیں شیر و شکر ہو جائیں اور شیر و بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پئیں۔

ستم ظریفی دیکھئے کہ دنیا کی بڑی بڑی جنگیں اسی فرضی مسیح موعود کے آنے کے بعد ہی لڑی گئیں۔ مرزا صاحب کی وفات ۱۹۰۸ء میں ہوئی، ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی، اور ۱۹۲۹ء میں دوسری جنگ عظیم، پاکستان اور ہندوستان میں بھی دو دفعہ جنگ ہو چکی ہے۔ قادیان سے ربوہ کی طرف، اور ربوہ سے قادیان کی طرف بم جاتے رہے۔ مصر اور اسرائیل کے مابین بھی دو دفعہ جنگ ہوئی۔ مسیح موعود پر جنگوں کے خاتمے کا کیا عجب نشان ہے؟ کچھ تو سوچو۔

سوال: مسیح موعود کی اور کوئی نمایاں علامت کیا ہوگی، جس کے عالمی اثرات ہوں اور ہر کوئی انہیں دیکھ سکے۔

جواب: حضرت عیسیٰؑ کے نازل ہونے پر یہود و نصاریٰ کی شوکت جاتی رہے گی۔ مرزا غلام احمد کے آنے پر یہودیوں کی شوکت مزید قائم ہوئی، پہلے ان کی کہیں حکومت نہ تھی، اب ان کی باقاعدہ سلطنت قائم ہوئی، امریکہ جس کا سرکاری مذہب عیسائی ہے وہ ایک عالمی طاقت بن گیا اور سوائے برطانیہ کے جسے مرزا صاحب خدا کا سایہ رحمت کہتے رہے، ہر عیسائی قوت پہلے سے مضبوط ہوگئی یہود و نصاریٰ میں اتحاد ہوگیا۔ یہ حالات بتا رہے ہیں کہ ابھی مسیح بن مریم نہیں آئے، ان کے آنے پر دونوں قوموں کا خاتمہ ہوجائے گا اور دونوں قومیں حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لاکر مسلمان ہوجائیں گی۔

سوال: یہ کہاں لکھا ہے کہ دونوں قومیں حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لے آئیں گی؟

جواب: قرآن کریم میں لکھا ہے: **وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ** (سورۃ النساء) ''یعنی اہل کتاب میں سے کوئی نہ ہوگا مگر یہ کہ حضرت عیسیٰؑ پر ان کی موت سے پہلے ضرور ایمان لے آئے گا۔''

سوال: اس کے علاوہ مسیح موعود کے آنے کا نشان کیا ہوگا؟

جواب: مسیح موعود کے آنے پر دنیا میں مکمل امن و امان ہوجائے گا۔ کوئی کسی پر ظلم نہ کرسکے گا۔ عدالتوں میں کیس نہیں جائیں گے اور دنیا امن کا گہوارہ بن جائے گی۔ بچے سانپوں سے کھیلیں گے اور وہ انہیں نہ ڈسیں گے۔ مرزا غلام احمد خود بھی لکھتے ہیں، یہ ہے تحفہ گولڑویہ، دیکھئے:

پیویں گے ایک گھاٹ پر شیر اور گوسپند
کھیلیں گے بچے سانپوں سے بے خوف و بے گزند
یعنی وہ وقت امن کا ہوگا، نہ جنگ کا
بھولیں گے لوگ مشغلہ تیر و تفنگ کا

سوال: مسیح کی اور کھلی پہچان کیا ہوگی؟

جواب: حضرت عیسیٰؑ دوبارہ تشریف لائیں گے تو حج ضرور کریں گے، یہ نہیں ہوگا کہ وہ حرم شریف حاضر نہ ہوسکیں اور مکہ آنے پر اپنے آپ کو خطرے میں سمجھیں۔

حضور ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا کہ وہ فج روحاء کے مقام سے حج یا عمرہ کا احرام باندھیں گے، یا دونوں احرام باندھیں گے، یہ حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے۔

سوال: مرزا غلام احمد نے کتنے حج کئے تھے؟

جواب: مرزا غلام احمد نے ایک حج یا ایک عمرہ بھی نہ کیا، جب بھی کہا جاتا کہ تم حج کیوں نہیں کرتے، تم کیسے مسیح موعود ہو؟ تو مرزا صاحب کہتے کہ وہاں اسلامی حکومت ہے، وہ مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے، اس لیے میں حج کے لیے نہیں جاسکتا۔

اس کے بعد مرزائیوں کو مناظرے کا کھلا چیلنج دیا گیا، پروانہ ختم نبوت الحاج مولانا منظور احمد چنیوٹی نے دعا کرائی۔ نائیجیریا کا یہ پہلا جلسہ بہت کامیاب تھا۔ اس سے پورے علاقے میں مرزائیت کے خلاف عام بیداری پیدا ہوگئی۔

۲راگست ۱۹۷۶ء بروز سوموار، شیخ یونس کی معیت میں صبح دس بجے اباداں کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ نائیجیریا کا سب سے بڑا

اور مرکزی شہر ہے۔ نائیجیریا کی مشہور اور قدیم یونیورسٹی یہیں پر ہے، اور یہ لاگوس سے تقریباً ۸۳ رمیل کی مسافت پر ہے ایک بجے کے قریب ہم شیخ مرتضیٰ عبدالسلام مدیر المعہد العربی مبعوث رابطہ عالم اسلامی کے مکان پر پہنچے۔ رابطہ کے جنرل سیکرٹری کا خط انہیں پیش کیا۔

ظہر کی نماز ابوبوڈی میں ادا کی۔ یہ مسجد شیخ مرتضیٰ کے گھر کے متصل ہے، اور ان کے بھائی شیخ حمزہ صلاح الدین وہاں کے امام ہیں۔ مغرب کی نماز کے بعد نمازیوں کے اصرار پر علامہ خالد محمود صاحب نے عربی میں مختصر تقریر کی۔ مترجم کے فرائض شیخ مرتضیٰ نے ادا کیے۔

اس کے بعد ہم شیخ مرتضیٰ کی معیت میں شیخ امانت اللہ صاحب اصلاحی مبعوث دارالافتاء سعودی عرب کے مکان پر پہنچے اور وہیں قیام رہا۔ عصر کی نماز سے قبل ہم شیخ امانت اللہ اور حافظ ارشد مبعوثین کی معیت میں جناب آدم علوی صاحب اور یوسف صاحب (جو دارالافتاء کی طرف سے یونیورسٹی میں لیکچرار ہیں) کے مکان پر پہنچے اور کام کرنے کے سلسلے میں مشورہ کیا۔

۳ راگست بروز منگل پھر مسجد ابوبوڈی میں عصر کی نماز کے بعد ایک عظیم الشان اجتماع ہوا، حضرت علامہ خالد محمود نے ختم نبوت پر انگریزی میں تقریر کی۔ مترجم شیخ عبدالوہاب تھے، یہاں سے فارغ ہوتے ہی ہم پروگرام کے مطابق ابادان یونیورسٹی چلے گئے۔

ڈاکٹر اسماعیل بالاگون سے ملاقات

شام کے وقت ڈاکٹر اسمٰعیل بالاگون سے ملاقات تھی، غائبانہ تعارف پہلے سے تھا۔ آپ یونیورسٹی میں عربی اور اسلامی علوم کے لیکچرار ہیں۔ موصوف پہلے قادیانیت کے سرگرم رکن تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی توفیق عطا فرمائی، اور اب مرزائی نظریات کی تردید میں خدا کے فضل و کرم سے بہت کام کر رہے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ مجھے سب سے پہلے جس چیز نے مرزائیت سے دور کیا وہ ان کے غلط حوالے تھے جن پر وہ اپنے نظریات اور معتقدات کی تعمیر کرتے ہیں۔ یہ ان کی ایسی غلط بیانی تھی کہ جس نے مجھے ازسرنو اُن کے عقائد کی پڑتال کرنے پر مجبور کر دیا اور جوں جوں مطالعہ کرتا گیا، مرزائیت کے سیاہ بادل چھٹتے گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ مرزائیت اسلام کے بہروپ میں اسلام کے خلاف ایک بہت بڑی سازش ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت کی۔

اب ان کے مضامین مرزائیت کے خلاف شائع ہوتے رہتے ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر ایک کتاب انگلش میں تحریر کی ہے جس کا ایک نسخہ انہوں نے ہمیں پیش کیا۔ نائیجیریا میں قادیانیت کے خلاف کام کرنے میں ان کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

۴ راگست بروز بدھ شیخ امانت علی اور شیخ عبدالوہاب کی معیت میں ہم روزنامہ ٹریبون کے دفتر میں گئے۔ اس دن عشاء کی نماز کے بعد ابوبوڈی میں تقریریں ہوئیں۔ امام عبدالسلام نے تعارف کرایا۔ پہلے علامہ خالد محمود صاحب نے انگریزی میں تقریر کی، پھر حضرت العلامہ مولانا منظور احمد چنیوٹی نے عربی میں تقریر کی۔ ہر دو تقریروں کا مقامی زبان میں ترجمہ ہوتا رہا۔

۵ راگست بروز جمعرات صبح اجیبوڈی **Jebu Dee** کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ شہر ابادان سے تقریباً ۵۰ رمیل کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ شہر اس لحاظ سے بہت اہمیت رکھتا ہے کہ مرزائیوں کی سنٹرل مسجد (مرزاڑہ) اس شہر میں ہے۔ مرزا ناصر کی دورۂ

افریقہ کی رپورٹ افریقہ سپیکس میں اسی شہر کی فوٹو دی گئی ہے۔اس شہر کی اسلامی جامع مسجد میں گیارہ بجے صبح کا پروگرام تھا۔

پہلے علامہ خالد محمود صاحب نے تقریر کی۔نائیجیریا میں ختم نبوت کے نام سے ایک تنظیم اور جمعیت قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔آپ نے کہا کہ مرزائیوں کی تنظیم بہت اہم ہے۔اور تنظیم کا مقابلہ تنظیم کے بغیر نہیں ہوسکتا۔مسجد کے چیف امام اور نائب امام الحاج آری میاد پارا کوئی **Arimiy yusufu para kori** اور اس علاقہ کے مفسر قرآن الحاج الثانی کو کیو کبری **Sanni Kokeuk Obbre** اور شہر کے دیگر عمائد واعیان سب موجود تھے۔انہوں نے وعدہ کیا کہ ہم باہمی مشورہ کے بعد ختم نبوت کے نام سے تنظیم قائم کریں گے۔طے پایا کہ مدیر معہد شیخ مرتضٰی اور شیخ امانت اللہ اجیبوڈی کے ان عمائد سے رابطہ قائم رکھیں گے اور اس تنظیم کو قائم کر کے ارکان وفد رابطہ اور دارالافتاء کو اطلاع دیں گے۔اس کے بعد مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی نے مرزائیت اور ان کی خطرناک سرگرمیوں پر تقریر کی۔ترجمہ کے فرائض شیخ مرتضٰی نے ادا کئے۔پھر سوالات کے جوابات دیئے گئے۔

حاضرین میں سے بعض لوگوں نے بتایا کہ مرزائیوں نے یہاں ایک چھوٹا سا ہسپتال قائم کر رکھا ہے۔اور وہ ان رفاہی کاموں کی آڑ میں یہاں کفر پھیلا رہے ہیں۔عام لوگ انہی رفاہی کاموں کی خاطر انہیں ملتے ہیں،اور یہ لوگ ان کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھا کر ان میں اپنے عقائد پھیلاتے ہیں۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ ہم مسلمانوں کی طرف سے بھی ایسے رفاہی وسائل مہیا ہونے چاہئیں اور عوام کی ان ضروریات زندگی میں تالیف قلب ہونی چاہیے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ مرزائی لوگ حکومت کے تعلیمی اداروں میں اپنے عقائد کے آدمی کسی نہ کسی بہانے سے مقرر کرا لیتے ہیں اور پھر وہ لوگ عام نائیجیریوں میں اپنے عقائد پھیلانے کے لیے بطور مشن کام شروع کر دیتے ہیں۔ان اداروں میں جو مسلمان ٹیچر ہوتے ہیں،ان کی اس خاص موضوع پر ٹریننگ نہیں ہوتی،اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس دوڑ میں مرزائی آگے نکل جاتے ہیں۔ان اثرات کو ختم کرنے کے لیے تقریریں کافی نہیں۔اس کے لیے عملاً سماجی وسائل اور مسلم اساتذہ کے لیے تربیتی کورسز کی ضرورت ہے۔ہم نے وعدہ کیا کہ ہم آپ کے یہ اثرات اکابر تک پہنچا دیں گے،اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان مسائل کے حل کرنے کے لیے بہترین وسائل مہیا کر دیں۔

عصر کی نماز کے بعد ہم اجیبو اجبو **Ijebu Igbo** کی جامع مسجد میں پہنچے۔وہاں بھی اس علاقے کے ائمہ اکابر اور اعیان جمع تھے مرزائیت کے منصوبوں اور سرگرمیوں پر خصوصی مجلس رہی،اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہم نے طے کیا کہ اس شہر میں ایک عظیم تبلیغی جلسہ کیا جائے۔جلسہ کے لیے ہفتہ کا دن طے ہوا،اور قرار پایا کہ علماء کا وفد صبح دس بجے یہاں پہنچ جائے۔

ان حضرات نے مشروب بارد(ٹھنڈے شربت)سے مہمانوں کی تواضع کی۔چیف امام صاحب نے بطور ہدیہ ۲۰/نائرے وفد کے اخراجات کے لیے پیش کیے۔ہم نے قبول کر کے یہ رقم ان کے مسجد فنڈ میں بطور عطیہ دے دی۔

مغرب کے وقت ہم **Itali** کے قصبہ میں پہنچے،اور پھر ۲۷/چرچ روڈ پر علامہ خالد محمود صاحب نے اجتماع سے خطاب کیا،اور انہیں مرزائیوں کی سرگرمیوں سے خبردار کیا۔اور ان سے عہد کیا کہ وہ اس پیغام کو ایک ایک گاؤں میں عام کر دیں گے۔

۶/اگست کو جمعہ کا دن تھا، روز نامہ نائیجیرین ٹریبیون نے اس روز صفحہ نمبر۲/ پر ابادان کی سرخی سے یہ خبر شائع کی کہ پاکستان کے جلیل القدر علماء کا ایک وفد جس میں علامہ خالد محمود صاحب ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر انگلینڈ اور مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب پرنسپل جامعہ عربیہ و ناظم اعلیٰ ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد چنیوٹ پاکستان شامل ہیں۔ نائیجیریا کے مختلف مقامات پر ختم نبوت کے موضوع پر عوامی اجتماعات سے خطاب کر رہا ہے اور قادیانی نظریات کی پرزور تردید کر رہا ہے۔

اخبارات کی اس خبر سے ہمارے جمعہ کے پروگرام بہت ہی کامیاب رہے۔ علامہ خالد محمود صاحب نے جامع مسجد سیکر ٹریٹ ابادان میں نمازِ جمعہ سے قبل انگریزی میں تقریر کی اور ختم نبوت اور مرزائیت کے بہت سے پہلوؤں پر تبصرہ فرمایا۔ ترجمہ کے فرائض مسٹر صلاح الدین بوصیری نے ادا کیے۔ نمازِ جمعہ کے بعد نائب چیف امام نے ختم نبوت کے وفد کا شکریہ ادا کیا اور اس کی نائیجیریا میں آمد کو اسلام کی ایک بہت بڑی خدمت اور وقت کی ضرورت قرار دیا۔ نماز کے بعد سوال و جواب کی مجلس قائم ہوئی اور اس کا بحمہ اللہ بہت ہی فائدہ ہوا۔

بعض دل چسپ سوالات ہم یہاں بھی نقل کرتے ہیں:

سوال: نبوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے۔ آپ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم پر اپنی یہ نعمت ختم کیوں کر دی اولادِ آدم نے کیا غلطی کی کہ یہ سلسلہ بند ہو گیا، احمدی اس سلسلے کو جاری سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی نعمتیں بند نہیں ہوا کرتیں۔

جواب: آپ ان قادیانیوں سے پوچھیں کہ تشریعی نبوت (جس میں پیغمبر نبی شریعت لے کر آتے ہیں) وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت تھی یا نہ؟ اگر واقعی نعمت تھی تو اولادِ آدم نے کیا غلطی کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نعمت کو ان پر ختم کر دیا؟ قادیانی بھی تو تشریعی نبوت کو حضور ؐ پر ختم مانتے ہیں، جو جواب ان کا ہوگا، وہی جواب آپ ہماری طرف سے سمجھ لیں کہ نبوت اللہ کی نعمت ہے تو یہ سلسلہ بند کیوں ہو گیا؟

بات دراصل یہ ہے کہ نبوت کا ملنا اور بات ہے اور نبوت اور چیز ہے، جو نعمت ہے وہ نبوت ہے۔ نبوت کا ملنا ختم ہوا ہے، نبوت ختم نہیں ہوئی۔ حضور اکرم کی نبوت قیامت تک باقی ہے اور اللہ نے اولادِ آدم پر اپنی یہ نعمت ختم نہیں کی، جو چیز ختم ہوئی وہ نبوت کا ملنا ہے، نبوت نہیں حضور ؐ کے بعد کسی کو نبوت ملے گی نہیں **لا نبی بعدی** کے معنی محدثین یہی بیان کرتے ہیں۔ **لا یحدث نبی بعدی** یعنی میرے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔

سوال: پہلے پیغمبروں کے بعد جب نبی آتے رہے تو حضرت محمد ؐ کے بعد کیوں ان کی ضرورت نہیں؟

جواب: پہلے پیغمبروں کی شریعت ابدی نہ تھی یعنی ہمیشہ رہنے والی نہ تھی، اس کی حفاظت کوئی آسمانی وعدہ نہ تھا، تورات کی حفاظت کے ذمہ داران کے علماء تھے اور وہی تورات کے نگران تھے، خدا تعالیٰ نے پچھلی کتابوں کی حفاظت اپنے ذمہ نہ لی تھی۔ علماء بنی اسرائیل نے جب اپنی ذمہ داریوں کو ڈھیلا کر لیا تو آسمانی کتابیں تحریف کا شکار ہو گئیں، لوگ اپنے ہاتھوں باتیں لکھ کر کہہ دیتے تھے کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔

پس ضرورت تھی کہ تورات کے بعد ان انبیاء کی آمد باقی رہتی جو تحریفات دین کو رد کر کے صحیح تعلیمات سماویہ کی نصرت

کرتے۔لیکن قرآن کریم کی ابدی حفاظت خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔قرآن کریم اپنی عبارت اور اپنے مفہوم و معنی کے لحاظ سے ہمیشہ تک کے لیے محفوظ ہے۔پس آپ کے بعد کسی نئے نبی کی ضرورت نہ تھی، آپ ہی قیامت تک کے لیے پیغمبر قرار پائے۔آپ نے فرمایا کہ میں اور قیامت دو انگلیوں کی طرح ایک دوسرے سے متصل ہیں۔

سوال: جو پیغمبر نئی شریعت نہ لاتے تھے پہلی شریعتوں کے تابع ہوتے تھے، ان کا بڑا کام کیا ہوتا تھا؟

جواب: وہ اپنی قوم میں شریعت کے احکام بیان کرتے، جو ان میں ملاوٹ ہوتی اسے دور کرتے اور شریعت کے فیصلے نافذ کرتے، قوم کی سیاسی اور عملی رہنمائی ان کے ذمہ تھی۔

سوال: یہ تو درست ہے کہ وہ احکام شریعت بیان کرتے ہوں گے لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ ان احکام کو نافذ کرتے تھے، سیاست تو انبیاء کا کام نہیں؟

جواب: قرآن مجید میں ہے کہ: **اِنَّا اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ.** ''ہم نے تورات اتاری جس میں ہدایت اور نور تھا، نبی ﷺ اس کے مطابق فیصلے کرتے رہے۔''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ فیصلے دینے کے اختیارات رکھتے تھے اور اصحاب اقتدار تھے۔حضور پاک ﷺ نے ایک حدیث میں ان کے اس کام کو سیاست کے لفظ سے ذکر کیا ہے۔حضور ﷺ فرماتے ہیں: **کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء** ''یعنی بنی اسرائیل کا نظام انبیاء ہی چلاتے تھے۔''

یہاں نظام چلانے کو لفظ سیاست سے ذکر کیا ہے، یہ حدیث پختہ اور صحیح ہے۔

سوال: کیا کسی حدیث سے ثابت ہے کہ اس قسم کے ماتحت نبی بھی حضورؐ کے بعد نہ آئیں گے؟

جواب: ہاں یہ حدیث جو میں نے آپ کے سامنے بیان کی ہے کہ قوم اسرائیل کا نظام انبیاء ہی چلاتے رہے، اسی مضمون کے آگے حضور ﷺ نے فرمایا: **لٰکن لا نبی بعدی**، جس کا واضح معنی یہ ہے کہ میرے بعد اس قسم کے پیغمبر بھی نہیں آئیں گے، جو میری شریعت کے تابع ہو کر کام کریں، یہ استدراک اسی مضمون سے ہے، جو پہلے بیان ہو رہا ہے پس **لا نبی بعدی** کا یہی معنی نہیں کہ حضرت موسیٰؑ جیسے نبی میرے بعد نہ آئیں گے بلکہ یہ بھی ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام جیسے غیر تشریعی نبی بھی میرے بعد ہرگز نہ آئیں گے۔

سوال: کیا یہ درست ہے کہ سچے خواب آنا بھی نبوت کی ایک قسم ہے اور یہ قسم جاری ہے تو نبوت ہر طرح سے ختم نہ ہوئی، ایک قسم پھر بھی تو جاری رہی؟

جواب: سچے خواب آنا نبوت کی کوئی قسم نہیں اور حضورؐ کے بعد نبوت کی کوئی قسم جاری نہیں۔ہاں سچے بشارتی خواب نبوت کا ایک جزو ہیں، لیکن وہ نبوت کی کوئی قسم نہیں ہوتے۔حدیث اس صاف لفظوں میں مبشرات کو جزو کہا ہے۔پس یہ نبوت کی کوئی قسم نہیں۔سالن میں نمک اچار کی جزو ہے لیکن اچار کی کوئی قسم نہیں، سالن میں نمک کم ہو تو کوئی نہیں کہتا کہ اچار کم ہے، نہ کوئی یہ کہتا ہے کہ اچار پہاڑوں سے نکلتا ہے، حالانکہ نمک پہاڑوں سے نکلتا ہے۔

کچھ اور سوالات بھی ہوتے رہے اور ان کے تسلی بخش جوابات پوری مجلس میں بہت دل چسپی کا مرکز رہے۔

مناظرہ ابادان

۶ راگست بروز جمعہ ہمارے ابادان آتے ہی مرزائیوں کے ہاں چہ میگوئیاں اور پیغام رسانیاں شروع ہوگئیں۔ نتیجتاً جمعہ کے روز ساڑھے تین بجے مناظرہ طے پایا۔ مرزائی شہر کی کسی جامع مسجد یا کسی غیر جانبدار جگہ پر مناظرہ کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اور اصرار کیا کہ ہم ان کی عبادت گاہ ''مرزاڑہ'' ہی میں مناظرہ کے لیے آئیں۔

چنانچہ ہم نے مجبوراً اس بات کو تسلیم کیا اور کتابیں لے کر سوا تین بجے ان کے ''مرزاڑہ'' میں پہنچ گئے۔ مرزائیوں کی طرف سے درج ذیل چار آدمی مناظرہ کے لیے پیش ہوئے۔

الحاج اے بیلو صاحب، حاجی اے اے بیلو صاحب، برادر ایس او یوسف صاحب، اور ایچ ٹی دادہ صاحب ان کے صدر ایس ایس بہائی مو تھے۔

مسلمانوں کی طرف سے حضرت علامہ خالد محمود صاحب، مناظر اور حضرت العلامہ الحاج مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی ان کے معین تھے۔ اور صدر تھے جناب شیخ مرتضیٰ نائیجیری۔ ترجمہ کے فرائض شیخ عبدالوہاب اور شیخ عبدالغنی بدمانی نے ادا کئے۔ مناظرہ سوا چھ بجے تک جاری رہا۔

مرزائیوں کو عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے صدر نے آخر میں کہا کہ:

''ہمارے (یعنی مرزائیوں کے) مناظرین اپنا موقف ثابت نہیں کر سکے، یعنی ایسی حدیث جس میں چودھویں صدی کا ذکر ہو، جس کا مرزا غلام احمد نے دعویٰ کیا ہے کسی کتاب سے پیش نہیں کر سکے اور جو کتاب پیش کی ہے اس میں چودھویں صدی کا نام تک نہیں ہے۔''

۷ راگست بروز ہفتہ صبح آٹھ بجے ابادان سے اجلیبو ااجبو کے لیے بذریعہ کار روانہ ہوئے۔ اس سفر میں مدیر المعہد العربی شیخ مرتضیٰ شیخ عبدالغنی بدمانی، شیخ مصطفیٰ اویدی، شیخ عبدالوہاب مبعوث یوسف سوڈانی اور صلاح ابوصیری بھی ساتھ تھے۔ اس جگہ علاقے کے عمائد واکابر اور ائمہ بڑی تعداد میں جمع تھے۔ پہلے حضرت علامہ خالد محمود صاحب نے مسیح موعود، مہدی معہود اور مجدد دین اُمت کے موضوع پر بڑی مفصل تقریر کی۔ ان کے بعد حضرت مولانا منظور احمد صاحب نے عربی میں مرزا غلام احمد کی سیرت پر روشنی ڈالی اور اس پیغام کو قریہ قریہ پہنچانے کا عہد لیا۔ ترجمہ کے فرائض شیخ عبدالوہاب اور شیخ عبدالرحمٰن صومالی نے علی الترتیب ادا کئے۔ تقریر کے فوراً بعد ہم ابادان کے لیے روانہ ہوگئے، وہاں ہمیں پریس کانفرنس میں پہنچنا تھا۔

۷ راگست بروز ہفتہ نائیجیریا کی ینگ مین مسلم ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام پریس کانفرنس ہوئی۔

ساڑھے تین بجے ابادان کی سنٹرل جامع مسجد نائیجیریا ینگ مین ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام ختم نبوت کے مشن کے موضوع پر ایک پریس کانفرنس بلائی گئی تھی۔ روزنامہ ٹائمز نائیجیرین ٹریبون ابادان نائیجیریا ہیرالڈ نیوز نائیجیرین این بی سی ابادان این ٹی وی ابادان نائیجیرین آبزرور اور نائیجیرین ٹائیڈ ابادان کے ایڈیٹر صاحبان کو پانچ اگست کو تحریری دعوت نامے بھیج دیئے گئے تھے۔

تقریباً تمام اخبارات اور ٹیلی ویژن کے نمائندے تشریف لائے متعدد شہری زعما اور عوام بھی شریک مجلس تھے۔ حضرت علامہ خالد محمود صاحب نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مرزائیوں کی تاریخ پر روشنی ڈالی اور اپنے دورۂ افریقہ کی غرض و

غایت، رابطہ عالم اسلامی کی قراردادِ ختم نبوت اور پاکستان نیشنل اسمبلی کی ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی قرارداد کی وضاحت کی اور اس کی مکمل حمایت کی۔ سوالات کی باری میں صحافیوں نے متعدد سوالات کئے جو کہ انتہائی دل چسپ اور اہم تھے۔ حضرت علامہ خالد محمود صاحب نے ان کے مکمل جوابات دیے۔ کچھ سوالات مع جوابات درج ذیل ہیں، یہ گفتگو کافی دیر جاری رہی۔

سوال: اسلام میں وہ کونسا معیار ہے جس کے مطابق ہم کسی کے مسلمان یا کافر ہونے کا فیصلہ کر سکیں؟ کیا درست نہ ہوگا کہ جس کے ظاہری اعمال مسلمانوں جیسے ہوں اسے ہم مسلمان سمجھیں؟

جواب: کسی کے مسلمان ہونے کا فیصلہ اس کے اعمال سے نہیں بلکہ اس کے عقیدہ کی رُو سے کرنا چاہیے، اعمال عقائد کے تابع ہیں۔

اسلام کیا ہے؟

حضور اکرم ﷺ کو خدا کا رسولِ برحق مان کر آپ ﷺ کی تمام تعلیمات کو برحق تسلیم کرنا، اور ان میں سے کسی کا انکار نہ کرنا اسلام ہے۔ اور ان میں سے کسی ایک بات کا انکار بھی کفر ہے۔ اسلام کے لیے تو سب کا اقرار ضروری ہے، لیکن کفر کے لیے سب کا انکار ضروری نہیں ہے۔ اسلام کی کسی ایک یقینی بات کے انکار سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔

اسلام کا یہی معیار ہے جس پر کسی کے عقائد پرکھ کر اس کے مسلمان یا کافر ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ قادیانی اس اصول پر اسلام سے خارج ہیں کہ وہ حضور ﷺ کو رسولِ برحق مان کر آپ کی قطعی الثبوت تعلیم کا انکار کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کسی قسم کا کوئی سچا نبی پیدا نہ ہوگا۔ اس بات کا انکار اسلام کا انکار ہے۔ اور حضور ﷺ کے ہر بات میں سچا ہونے کا انکار ہے۔ اور غور کیا جائے تو یہ دراصل حضور ﷺ کی نبوت کا ہی انکار ہے۔ اسلام کے قطعی عقیدۂ ختم نبوت کے یہ لوگ (قادیانی) منکر ہیں۔

سوال: ''احمدی'' تو کہتے ہیں کہ ہم ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں، اور حضور ﷺ کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔

جواب: اسلام میں ختم نبوت کا عقیدہ جس طرح قطعی الثبوت ہے کہ اس کے ثبوت میں کوئی شک نہیں اسی طرح یہ قطعی الدلالت بھی ہے کہ اس کے معنی میں بھی کوئی شک نہیں۔ مسلمان اس کے معنی پر ایمان رکھتے ہیں جو امت چودہ سو سال سے یقینی طور پر معتبر مانتی چلی آئی ہے، اور قادیانی اس معنی کے منکر ہیں اور ایک نئے معنی تجویز کرتے ہیں۔ پس وہ ہرگز ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتے، کیونکہ وہ اس کے ان معنوں کو تسلیم نہیں کرتے جن کا اُمت نے آج تک یقینی درجے میں اعتبار کیا ہے۔

سوال: کیا آپ اس اصول پر مولانا محمد قاسم نانوتوی کو جو کہ مدرسہ عربی دیوبند کے بانی تھے، کافر مانتے ہیں، انہوں نے بھی تو ختم نبوت کے ایک نئے معنیٰ بیان کئے ہیں؟

جواب: انہوں نے ختم نبوت کا ایک معنی تو بیان کیا ہے لیکن پہلے مسلمہ معنی کا انکار نہیں کیا، پس جب تک ان معنی کا انکار نہ ہو کفر لازم نہ آئے گا۔ ختم نبوت کے نئے معنی اس طرح کرنا کہ پہلے معنی کا انکار ہو جائے بے شک کفر ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ختم نبوت مرتبی پر روشنی ڈالی ہے لیکن ختم نبوت زمانی کو بھی اسلامی عقیدہ کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔

ختم نبوت مرتبی کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ پر تمام مراتب رسالت اور کمالاتِ نبوت ختم ہیں، آپ ﷺ سے اس بات میں کوئی آگے نہیں اور ختم نبوت زمانی مع شئی زائد کا بیان ہے، ختم نبوت زمانی کا انکار نہیں، صرف ختم نبوت زمانی ان کے نزدیک

صرف عوام کا خیال ہے۔ لیکن عوام اپنے اس عقیدہ میں گمراہ ہرگز نہیں، کیونکہ وہ ختم نبوت کے مسلمہ معنوں کا بہر حال اقرار کر رہے ہیں۔ ہاں محققین اس کے ساتھ ختم نبوت مرتبی کو بھی لازم کرتے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ عوام کے عقائد غلط ہیں۔ البتہ یہ بات کہ صرف ختم نبوت زمانی ہی مانی جائے درست نہیں، اس کے ساتھ آپ پر کمالات نبوت کا ختم ہونا بھی تسلیم کرنا چاہیے، اور ختم نبوت مرتبی اور زمانی دونوں پر عقیدہ رکھنا چاہیے۔

قادیانی لوگ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی جو عبارت لیے پھرتے ہیں وہ ختم نبوت مرتبی کے بیان میں ہے اور ختم نبوت زمانی کے بیان میں نہیں ہے۔

سوال :مسلمان ہونے کے لیے حضور ﷺ کی تمام باتوں کا تسلیم کرنا شرط ہے، صرف آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار کافی نہیں، یہ کہاں لکھا ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے؟

جواب: لیجیے یہ قرآن کریم سورۃ النساء میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ **فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ** ﴾ ''تیرے رب کی قسم وہ کبھی مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک تجھے اپنے ہر اختلاف میں حکم نہ مان لیں۔''

اور آنحضرت ﷺ بھی فرماتے ہیں: **حَتّٰى يُؤْمِنُوْ بِيْ وَبِمَا جِئْتُ بِهٖ.** یعنی لوگ اس وقت تک واجب قتال ہیں جب تک وہ مجھ پر اور میری سب تعلیمات پر ایمان نہ لے آئیں۔

قرآن و حدیث کا یہ فیصلہ بہت واضح ہے۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے۔ جہاں تک فقہ کا تعلق ہے، امام محمد (۱۸۹ھ) کی عبارت بہت واضح ہے، فرماتے ہیں: **مَنْ اَنْكَرَ شَيْئًا مِنْ شَرَائِعِ الْاِسْلَامِ فَقَدْ اَبْطَلَ قَوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** یعنی جس نے اسلام کی بنیادی بات کا انکار کر دیا اس نے اپنے کلمہ پڑھنے کو ضائع کر دیا وہ اب حکماً کلمہ گو نہیں رہا اور مسلمان نہیں ہے گو زبان سے کلمہ اسلام کا دعویٰ کرے۔

سوال :مذہب کا معاملہ خدا اور بندے کے مابین ایک رابطہ ہے، وہی جانتا ہے کہ کون مانتا ہے اور کون نہیں، دوسروں کو کیسے حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی کے دل کی بات کریں اور اس کے کفر و اسلام کا فیصلہ کریں؟

جواب: یہ صحیح ہے کہ مذہب خدا اور بندے کے درمیان ایک تعلق کا نام ہے، لیکن جب کوئی شخص اپنے اندر کی بات زبان یا عمل سے کھول دے اور بار بار اپنے عقائد و نظریات بیان کرے اور دوسرا اس کی بات کا یقین کر لے، اسے ایسا ہی سمجھ لے تو اس میں اس کا کیا جرم۔ ہم کسی کو ہندو مانتے ہیں تو اس کے اسی اظہار پر، کسی کو عیسائی سمجھتے ہیں تو اس کے اسی اظہار پر اب اگر قادیانیوں کو ہم ان کے اسی اظہار پر کہ ان کا عقیدہ ختم نبوت پر کیا ہے، ان کو غیر مسلم قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے اندر ایمان نہیں، تو یہ کونسا جرم ہے؟ قادیانی آج کہہ دیں کہ ان کے دل میں ختم نبوت کا وہی مفہوم ہے جو عام علماء اسلام کا عقیدہ ہے اور مرزا غلام احمد کو وہ اس کے دعویٰ نبوت پر کذاب سمجھتے ہیں، تو وہ اس دلی ترجمانی پر پھر مسلمان سمجھے جا سکتے ہیں۔

دل کی بات جب زبان یا عمل سے ظاہر ہو جائے، تو اس پر اس کے عقیدے کا فیصلہ کرنا غلط نہیں ہوتا۔

سوال :یہ حق علماء کو پہنچتا ہے، وہ علم رکھتے ہیں اور کسی کے عقیدے کا فیصلہ کر سکتے ہیں لیکن اسمبلی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی کے عقیدے کا فیصلہ کرے اور کسی گروہ کو غیر مسلم قرار دے۔

جواب: اسمبلی عوام کی نمائندہ ہوتی ہے، عوام اپنے دینی اور اعتقادی امور میں اپنے علماء کی پیروی کرتے ہیں۔ اگر ان کی اسمبلی اپنے علماء کے اور فیصلے پر اعتماد کرتے ہوئے کسی گروہ کے غیر مسلم ہونے کا فیصلہ کر دے تو اس اسمبلی نے اپنے عوام کی صحیح نمائندگی کی، یہ فیصلہ علم پر مبنی سمجھا جائے گا، عوام کا فیصلہ نہ ہوگا، عوام صرف اپنے علماء کے فیصلہ کو اپنانے والے ہیں اور ان کے نمائندے اسے منوانے والے ہیں اور ملکی قانون میں اسے چلانے والے ہیں، فیصلہ خدا اور رسول کا ہی ہے کہ کون مومن ہے اور کون کافر۔ خدا نے اپنی کتاب میں حضور ﷺ نے اپنے ارشاد میں اور اسلام کے علماء قانون نے اسے بیان کر دیا ہے۔

(۲) ہر ملک کے دستور میں وہاں کے مذاہب اور اقلیتوں کا ذکر ہوتا ہے، ان کے حقوق اور تحفظات مذکور ہوتے ہیں، جب وہ ملک کا ایک حصہ ہیں تو ان کے امور کی تعیین اور ان کے عقیدے کی تفصیل کوئی بری بات نہیں۔ ہر راست باز اور صادق کو یہ حقیقت کھلے دل سے قبول کرنی چاہیے۔

اس کے بعد بھی سوالات و جوابات کا سلسلہ چلتا رہا۔ بعض لوگوں نے عیسائیت کے بارے میں بھی سوال پوچھے، جن کے انہیں تسلی بخش جواب دیے گئے۔

ایک صاحب نے پوچھا کہ موجود محرف بائبل میں حضور پاک ﷺ کی بشارت ہے یا نہیں۔ اس کا جواب اثبات میں دیا گیا کہ موجودہ بائبل میں کو حضور پاک ﷺ کا اسم گرامی مذکور نہیں، لیکن بہت صفات اور حالات ایسے مذکور ہیں جو صرف حضور پاک ﷺ کی ذاتِ گرامی پر ہی پورے اترتے ہیں۔ سوالات کے جوابات میں ڈاکٹر آدم علوی، مولانا منظور احمد چنیوٹی، شیخ امانت اللہ رئیس بعثۃ السعودیہ فی ابادان نے بھی حصہ لیا۔ اور یہ پریس کانفرنس ۵:۳۰ بجے ختم ہوگئی۔

موتمر صحافی کے دعوت نامے کی نقل، کانفرنس پروگرام اور علامہ خالد محمود صاحب کے ابتدائی خطاب کی نقول دورہ ہذا کی انگریزی رپورٹ میں درج ہیں۔

سنٹرل جامع مسجد میں جلسہ

پریس کانفرنس کے بعد وہیں سنٹرل جامع مسجد میں ایک جلسہ عام ہوا جس میں حاضرین مجلس کو ہر طرح کے سوال کرنے کا موقع دیا گیا، اس میں کچھ مرزائی بھی شامل تھے۔ ینگ مسلم ایسوسی ایشن کے ممبران نے اس مجلس کو بہت کامیاب بنایا۔ اس مجلس کا مرکزی عنوان یہ تھا کہ وہ کونسا اسلامی اصول ہے جس سے مسلمان اور کافر کے درمیان حد فاصل قائم ہوتی ہے؟

علامہ خالد محمود صاحب نے اس موضوع پر انگریزی میں مفصل بیان فرمایا۔ مغرب تک یہ مجلس رہی، عشاء کی نماز کے بعد شیخ مصطفیٰ کی مسجد میں مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی نے قادیانیوں کی وجوہاتِ کفر کے موضوع پر عربی میں تقریر کی۔ مترجم کے فرائض شیخ مرتضیٰ مدیر المعہد نے ادا کیے۔

۸/اگست بروز اتوار صبح ساڑھے سات بجے ہم ای ڈی کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ شہر ابادان سے تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس شہر میں ہمارے ساتھ دو گاڑیاں تھیں۔ مدیر معہد عربی شیخ مرتضیٰ البوصیری، بنیامین، عبدالرحمٰن سوڈانی، شیخ ارشد، شیخ کبیر احمد، شیخ امانت اللہ اور دوسرے کئی حضرات اس پروگرام میں شریک تھے۔ وفد پہلے اس شہر کے چیف امام کے پاس پہنچا۔ وہاں کے اجتماع میں علامہ خالد محمود صاحب نے عربی میں خطاب کیا اور اپنے دورہ کے مقصد اور نائیجیریا میں مسلمانوں کی ذمہ داریوں

کے موضوع پر تقریر کی اور مقامی زبان میں مترجم کے فرائض وہیں کے ایک عالم نے ادا کیے۔ وفد کو معلوم ہوا کہ شہر میں تین مقتدر افراد اور ذی اثر شخصیتیں ایسی ہیں جن کی پالیسی اور طرز عمل اس شہر کے قومی مسائل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ وفد نے ان تینوں شخصیتوں سے علیحدہ علیحدہ ان کے گھروں پر ملاقات کی اور مرزا غلام احمد کے عقائد اور مرزائیت کے فتنہ سے انہیں خبردار کیا۔ ان تینوں مقتدر شخصیتوں نے مسئلہ کی نوعیت اور اہمیت کو بہت غور سے سمجھا اور پختہ وعدہ کیا کہ وہ ٹاؤن میں مرزائیت کو اسلام کے نام سے پیش کرنے کا موقع نہ دیں گے۔

ان ملاقاتوں سے فارغ ہو کر مولانا منظور احمد چنیوٹی نے مسیح موعود اور مجدد دین ملت کے عنوان پر مفصل تقریر کی۔ اس کے بعد علامہ خالد محمود نے اسلام میں کفر و ایمان کی حد فاصل کے موضوع پر بڑی تفصیل سے بیان فرمایا اس کے بعد سوالات و جوابات کا وقفہ تھا۔

سوال: تو پھر الزامات کی بناء پر اختلاف کرنے والے ایک دوسرے کو کافر کیوں کہتے ہیں؟

جواب: وہ صرف الزاماً کافر کہتے ہیں تحقیقاً نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو حقیقۃً کافر ہیں ان کے مقابلہ میں یہ سب ایک ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ امر واقع نہیں؟

پاکستان کی پہلی تحریک ختم نبوت میں سب فرقوں نے مولانا ابوالحسنات بریلوی کو اور دوسری تحریک ختم نبوت میں سب نے محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری کو اپنا قائد بنایا ہوا تھا، حالانکہ بریلوی اور دیوبندی دونوں ایک دوسرے پر الزام لگاتے تھے کہ وہ ختم نبوت کے منکر ہیں مگر دونوں کو یہ بھی پتہ تھا کہ یہ ایک الزام ہے، اختلاف نہیں، کیونکہ علماء دیوبند ختم نبوت زمانی کے منکر کو برملا کافر کہتے تھے۔

سوال: کیا ہم ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ محض الزاماً دوسروں کو کافر کہتے ہیں، حقیقۃً انہیں کافر نہیں سمجھتے؟

جواب: پاکستان اور ہندوستان میں علماء دیوبند اور بریلویوں کے درمیان خوب معرکۃ الآرائی رہی، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ دیوبندی بریلوی کے مابین آج تک کوئی نکاح اختلافِ عقیدہ کی وجہ سے کسی عدالت میں فسخ نہیں ہوا، نمازِ جنازہ، تعزیت اور ایصالِ ثواب میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں، لیکن مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان نکاح نہ صرف پاکستان کی عدالتوں میں فسخ ہوئے بلکہ متحدہ ہندوستان میں بھی جب کہ وہاں انگریزوں کی حکومت تھی اور وہ قادیانیوں کے مربی اور سرپرست تھے، ایسے نکاح فسخ ہوتے رہے، کیونکہ یہاں حقیقی طور پر کفر و اسلام کا فاصلہ تھا۔ اس مختلف طرزِ عمل سے پتہ چلتا ہے کہ ایک تکفیر محض الزاماً ہے، جو کبھی بروئے کار نہ آسکی، نہ کسی عدالت میں اپنا آپ منوا سکی اور دوسری تکفیر تحقیقاً تھی، جس کا ہر اپنے پرائے کو اقرار کرنا پڑا۔

سوال: احمدیوں سے ہمارا اختلاف حقیقی ہے۔ یہ سمجھ میں آ گیا، لیکن ان کی لاہوری جماعت سے ہمارا اختلاف کیا ہے؟ کیا یہ محض الزامی اختلاف نہیں کہ ہم تو ان پر انکارِ ختم نبوت کا دعویٰ کریں اور وہ خود اس کا انکار کریں؟

جواب: مرزائیوں کی لاہوری جماعت سے ہمارا اختلاف گو ختم نبوت کے موضوع پر نہ ہو لیکن ہمارا ان سے مسیح موعود کے موضوع پر اختلاف یقیناً حقیقی ہے۔ ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ مرزا غلام احمد مسیح موعود نہیں اور لاہوری یقینی طور پر مرزا غلام احمد کو

مسیح موعود سمجھتے ہیں۔ یہ اختلاف حقیقی ہوگیا، محض الزامی نہ رہا۔ ہمارے اس یقین کی بنیاد قرآن کریم احادیث متواترہ اور چودہ سو سال کا فہم امت ہے۔ لاہوری مرزائی ہم سے اس مسئلے میں اختلاف کر کے آنحضرت ﷺ کی ان تعلیمات کا یقینی انکار کر رہے ہیں جو آپ نے نزولِ عیسیٰ بن مریم کے بارے میں امت کو دی ہیں۔ اب ان کے انکار کو محض خطا یا فروعی اختلاف نہیں کہا جا سکتا، بلکہ یہ تکذیب پیغمبر کو لازم ہے۔ پس جس طرح قادیانی دائرۂ اسلام سے خارج ہیں اس طرح ان کا لاہوری گروپ بھی یقیناً اسلام سے باہر ہے۔ اس موضوع پر ہمارا ایک مستقل فتویٰ چھپ چکا ہے جسے ووکنگ (لندن) کے مسلمانوں نے شائع کیا ہے، آپ اسے دیکھ سکتے ہیں۔ علامہ خالد محمود صاحب کے بعد شیخ امانت اللہ نے ان کی تائید میں پرزور تقریر فرمائی۔

تینوں تقاریر عربی میں تھیں اور مقامی زبان میں ترجمہ کے فرائض جناب بنیامین ادا کر رہے تھے۔ ہم نے ظہر کی نماز جلسہ کے بعد اسی مسجد میں ادا کی۔ عصر کے قریب ہم ابادان واپس پہنچے۔ ابادان کے اس پروگرام کے بعد عصر کے وقت وفد کے اراکین بذریعہ کار لاگوس پہنچے۔ رات کا قیام سعودی سفارت خانے کے ملحق دینی شیخ عبدالرحمٰن عوینی کے ہاں رہا۔

۹/اگست بروز سوموار گیارہ بجے وفد کے اراکین سعودی سفارتخانہ میں پہنچے اور سفیر محترم جناب منصور عارف صاحب سے ملاقات کی۔ وفد نے نائیجیریا کے دورے کے چند ضروری پہلو آپ کے سامنے پیش کیے۔ سفیر محترم دینی امور میں خاصی دلچسپی رکھتے ہیں۔ آپ کافی دیر نائیجیریا میں مسلمانوں کی حالت زار کا تذکرہ کرتے رہے۔

لاگوس کی سنٹرل جامع مسجد میں جلسہ عام

عشاء کی نماز کے بعد لاگوس کی سنٹرل جامع مسجد میں بڑا جلسہ ہوا فاتح ربوہ مجاہد ملت پروانۂ ختم نبوت حضرت العلامہ الحاج مولانا منظور احمد صاحب دنیوٹی نے مسیح موعود اور ختم نبوت کے موضوع پر عربی میں مفصل تقریر کی۔ ترجمہ جناب محمد یونس صاحب کرتے رہے۔ اس جلسہ کا بہت ہی اثر ہوا اور پورے شہر میں اس کے اثرات پھیلے۔ اس اجتماع میں شہر کے تقریباً ہر حصے سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ جلسہ کے بعد جب اراکین وفد واپس مکتب پہنچے تو معلوم ہوا کہ شیخ عطاء الرحمٰن بہاری مبعوث سعودی عرب جاس سے تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ان سے بذریعہ خط وکتابت امراء وفد کا پرانا تعارف تھا اور ان کو کئی سال قبل قادیانی کتب کا ایک سیٹ بھی دیا گیا تھا۔ ان کا وفد کو شدید انتظار تھا۔ ان سے ملاقات ہوئی اور رات ایک بجے تک ان سے ضروری مسائل پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔

۱۰/اگست بروز منگل سعودی سفارت خانہ کے جناب علی النور **Al-Noor** کے ہاں قیام تھا۔

جامع مسجد انوار الاسلام میں ۱۰/اگست کو اراکین وفد عصر کی نماز کے وقت لاگوس کے مشہور دینی مرکز جامع مسجد انوار الاسلام میں پہنچے۔ سعودی عرب کے سفیر محترم جناب منصور عارف صاحب نے ۲/اگست کو انہیں خط لکھ دیا تھا کہ علامہ خالد محمود صاحب اور حضرت مولانا الحاج منظور احمد صاحب چنیوٹی نائیجیریا میں آئے ہوئے ہیں۔ تاکہ ان کے خطابِ عام کا وہ اپنے مرکز میں پوری طرح اہتمام کریں۔ چنانچہ ان حضرات نے جلسہ کا پورا اہتمام کیا ہوا تھا۔ علامہ خالد محمود صاحب نے مسیح موعود مہدی اور مجدد کے موضوعات پر قادیانی نظریات کی تردید میں مفصل تقریر کی اور لوگوں کے سوالات کے جوابات دیئے۔ اس جماعت کا نام پہلے تحریک احمدیہ لاگوس تھا اور یہ مسیحی مرزائیوں کا مرکز تھی۔ یہ لوگ محض اس لیے مرزائی عقائد کے جال میں پھنسے ہوئے تھے کہ

مرزائیوں نے اسلام کے نام سے اپنا تعارف کرار کھا تھا۔ جونہی ان لوگوں پر یہ حقیقت کھلی کہ یہ لوگ خود مسلمان نہیں بلکہ ایک نئی نبوت سے وابستہ ہیں اور یہ پودا ہندوستان میں برطانوی استعمار نے لگایا تھا۔تو پھر یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور انہوں نے اب تحریک احمدیہ کی بجائے اپنا نام انوار الاسلام رکھ لیا ہے۔اس مرکزی مسجد کے باہر کے بورڈ پر مسجد انوار الاسلام سابقاً تحریک احمدیہ لاگوس کے الفاظ مرقوم ہیں، جو نائیجیریا میں مرزائیت کے برباد کھنڈرات کی خبر دے رہے ہیں۔ یہاں کے امام بھی پہلے مرزائی تھے۔ علامہ صاحب نے انہیں مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے مختلف حوالے دکھلائے اور انہوں نے اپنی شکریہ کی تقریر میں مرزائیت کو اسرائیل کی طرح مسلمانوں کے لیے ایک بڑا خطرہ قرار دیا۔سوال و جواب میں مجدد کا مسئلہ زیادہ طویل ہو گیا بعض سوالات یہاں بھی درج کیے جاتے ہیں۔

سوال: کیا یہ درست ہے کہ اس امت میں ہر سو سال کے بعد ایک مجدد پیدا ہوتا ہے؟

جواب: ہاں حدیث میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی کے سر پر ایسے لوگ بھیجتے ہیں جو دین کی تجدید کرتے ہیں اور غیر دین کی جو باتیں دین میں شامل کر لی گئی ہوں ان سے دین کو پاک کرتے ہیں۔لیکن یہ تصریح کہیں نہیں کہ ایک صدی میں صرف ایک ہی مجدد ہوتا ہے۔ایک صدی میں کئی مجدد بھی آسکتے ہیں۔

سوال: لوگوں کے لیے کیا یہ جاننا ضروری ہے کہ فلاں صدی کا مجدد فلاں تھا؟ آخرت میں کیا کسی سے یہ سوال ہو گا کہ فلاں صدی کا مجدد کون تھا؟ یا یہ کہ تم نے فلاں مجدد کو کیوں نہیں مانا؟

جواب: نہیں یہ جاننا ضروری نہیں۔مجدد دین خدا کے نظامِ حکومت کے تحت اپنا کام کرتے ہیں، پبلک میں کوئی ان کی قانونی حیثیت نہیں ہوتی۔نہ وہ اپنے ماننے کی کسی کو دعوت دیتے ہیں۔مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں بزرگ فلاں صدی کے مجدد ہیں، یہ بھی ٹھیک ہے اور کسی کو نہ بھی معلوم ہو تو کوئی حرج نہیں۔مجدد آ کر اپنا کام کرتے رہتے ہیں اور ان کے کام کا نفع کسی نہ کسی اعتبار سے ہر فرد امت کو پہنچتا ہے خواہ وہ انہیں جانتا بھی نہ ہو۔مجدد دین کا یہ طریق عمل نہیں کہ وہ دوسروں کو اپنے جاننے یا ماننے کی دعوت دیں۔جو ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں وہ بڑی سعادت پاتے ہیں اور جو دور رہتے ہیں وہ بھی اسلام سے نہیں نکلتے،ملت کے برابر کے جز و رہتے ہیں۔

سوال: گو ضروری نہ سہی لیکن کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ چودھویں صدی کا مجدد کون تھا؟ اور پندرھویں صدی جو شروع ہو رہی ہے اس کا مجدد کون ہے؟

جواب: دین کے کام کی مختلف جہات ہیں۔چودھویں صدی میں دین کی تجدید ہر جہت سے ہوئی ہے۔مسلمان کتنی جگہوں پر مقابر اولیاء کو سجدہ گاہ بنائے ہوئے ہیں اور خانقاہوں میں شرک و بدعت کس طرح سرایت کر جاتے ہیں۔یہ بات اہل حق سے مخفی نہیں ان حالات میں آپ حجاز مقدس کے بارے میں کیا کچھ سوچ سکتے ہیں؟ ملک عبدالعزیز بن سعود کا یہ اس صدی کا تجدیدی کارنامہ ہے کہ اس نے مرکز اسلام کو ہر طرح کے شرک و بدعت سے پاک رکھا۔اس دور میں حدودِ شریعت کا نفاذ اور پوری دنیا میں مبعوثین کی بعثت کیا ایسے تجدیدی کارنامے نہیں جنہوں نے قرنِ اول کی یاد تازہ کی۔حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا عمل اور روحانی فیض پورے عالم میں پھیلا ہوا ہے مولانا مرحوم کی تصنیفات اور مواعظ سے ایک جہان کا جہان شرک و بدعت کی ظلمات سے

محفوظ ہوا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک تبلیغ آج ایک عظیم عالمی تحریک بن چکی ہے جس سے لاکھوں انسانوں کی زندگیاں پھر اسلام کی طرف پلٹی ہیں۔ مجددین اپنے دعوؤں سے نہیں کاموں سے پہچانے جاتے ہیں۔

سوال : کیا ملک عبدالعزیزؒ بن سعود: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کو کسی مصنف نے مجددین میں شمار کیا ہے؟

جواب: ہاں بہت سے مسلمان ہیں جو ان ہستیوں کو چودھویں صدی کے مجددین سمجھتے ہیں۔ مولانا غلام محمد گھوٹوی جو پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ کے خلیفہ تھے، مولانا تھانویؒ کے متعلق یہ تاثرات ظاہر فرما چکے ہیں۔ اور ملک عبدالعزیز بن سعودؒ کے متعلق یہ تذکرہ بہت کتابوں میں ملتا ہے۔

سوال: مجدد کی حدیث خبر واحد ہے یا خبر متواترہ، جس پر ایمان لانا ضروری ہے؟

جواب: یہ خبر واحد ہے جو سنن ابی داؤد میں مروی ہے لیکن امت نے اسے بالاتفاق قبول کیا ہے اور دنیا نے اس کے شواہد دیکھے ہیں۔

اختصار وقت کے باعث سوالات کا سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ جلسہ کے آخر میں صدر انوار الاسلام نے بڑی حوصلہ افزا تقریر کی اور کہا کہ مرزائیوں نے مسیح موعود اور مہدی معہود اور مجدد کے موضوعات پر جو شبہات پیدا کر رکھے ہیں آج کے اس جلسہ سے ان سب کا ازالہ ہو گیا ہے۔ اسلام سے علیحدہ ایک نیا مذہب ہے جو اسلام کی آڑ میں مسلمانوں کو گمراہ کرتا ہے انوار الاسلام کے تمام ممبران نے اس وفد ختم نبوت کو اپنے پورے تعاون کا یقین دلایا اور کہا کہ جس طرح یہ جگہ پہلے مرزائیت کا مرکز تھی اور اب یہاں وفد ختم نبوت کے ارکانِ وفد تشریف فرما ہیں۔ اسی طرح ایک دن آئے گا کہ ان کے تمام دینی مراکز مسلمانوں کے قبضہ میں ہوں گے۔ لکڑی کی ہنڈیا کب تک چولہے پر رہے گی۔

اس کے بعد وفد ختم نبوت جمعیت انصار الدین کے پروگرام کے لیے روانہ ہو گیا۔ جمعیت انصار الدین بھی نائیجیریا کا ایک اہم ادارہ ہے۔ انہیں بھی سفیر سعودی عرب نے ہماری آمد کی اطلاع دے رکھی تھی اور انہوں نے ایک وسیع ہال میں نمازِ مغرب کے بعد جلسہ کا پروگرام ترتیب دے رکھا تھا۔ وفد نے مغرب کی نماز جمعیت انصار الدین کی مسجد میں ادا کی۔ امامت کے فرائض حضرت العلامہ الحاج مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی نے انجام دیے۔ اس کے بعد وفد اُن کے دفتر میں پہنچا۔ جناب محمد علی النور وفد کے ہمراہ تھے۔ پندرہ منٹ ممبرانِ انصار الدین کے تعارف اور ان کے سامنے وفد ختم نبوت کی غرض و غایت کے بیان میں گزرے۔ انہوں نے اپنی جمعیت کی طرف سے وفد کو پورے تعاون کا یقین دلایا اور کہا کہ ہم آئندہ اس سلسلہ میں ملک گیر مہم شروع کریں گے اور ختم نبوت کے نام سے دینی محنت جاری رکھی جائے گی۔

پھر وفد کے اراکین ہال میں پہنچے۔ پہلے علامہ خالد محمود صاحب نے اس موضوع پر کہ: ''قومیں کس طرح نبوت کے گرد گھومتی ہیں اور امتوں کی تشکیل اور تفریق کس طرح کے فاصلوں سے قائم ہوتی ہے؟'' بڑی بصیرت افروز تقریر کی۔ صلاح الدین البوصیری نے ترجمہ کے فرائض انجام دیے اس کے بعد مولانا منظور احمد چنیوٹی نے ختم نبوت کی اساسی حیثیت حضرت صدیق اکبر کے جہاد ختم نبوت کو بیان کیا اور پھر مرزا غلام احمد کے دعاوی باطلہ پر مفصل تقریر کی اور کتابیں کھول کھول کر ان کے حوالہ جات

دکھلائے، جس سے حاضرین بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ نیز مرزا قادیانی نے حضرت مسیح اور عام مسلمانوں کے خلاف جس طرح بد زبانی کی ہے اس کے چند نمونے بھی پیش کیے۔ تقریر عربی میں تھی۔ ترجمہ وہاں کے امام صاحب (جو کہ جید فاضل تھے) نے مقامی زبان میں کیا یہ رات پندرھویں شعبان کی تھی، مردوں، عورتوں سے پورا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ دعا کے بعد ہم پھر دفتر انصار الدین میں بیٹھے۔ کئی ایک اہم مشورے ہوئے اور ممبران جمعیت انصار الدین نے مشروب بارد (ٹھنڈا شربت) سے سب کی ضیافت فرمائی۔ اس کے بعد وفد واپس دفتر پہنچا تو معلوم ہوا کہ شیخ عبدالرحمٰن عوینی ملحق دینی سعودی عرب تشریف لا چکے ہیں۔ جونہی انہیں وفد ختم نبوت کے آنے کی اطلاع ہوئی وہ تشریف لائے۔ انہوں نے اس دورہ پر بڑے اطمینان کا اظہار فرمایا اور کہا کہ میرے خیال میں یہ کام نائیجیریا بلکہ تمام مغربی افریقہ کی سب سے اہم دینی ضرورت ہے۔ آپ نے اس پر اہم مشورے بھی دیے کہ اس کام کے لیے وفد ختم نبوت کو وسیع پروگرام بنانا چاہیے۔

۱۱ر اگست ۱۹۷۶ء کا دن گمبیا اور سیرالون کے ویزوں کے حصول میں صرف ہوا۔

جامع الجماعۃ الاسلامیہ میں خطابِ عام

مغرب کی نماز کے بعد لاگوس کے اہم دینی مرکز جامع الجماعۃ الاسلامیہ میں جلسہ عام تھا۔ اس اجتماع سے علامہ خالد محمود صاحب نے خطاب کیا۔ یہ جلسہ بھی بہت کامیاب رہا۔ یہ تنظیم بھی پہلے قادیانی اثرات کے ماتحت تھی۔ اس جماعت کا صدر جو ایک مشہور قانون دان ہے، انگلینڈ کے زمانہ تعلیم میں قادیانیت کی تنظیم سے متاثر ہو کر اس جماعت میں شامل ہو گیا تھا۔ اور وہی نائیجیریا میں مرزائیت پھیلانے کا سب سے بڑا داعی اور محرک رہا ہے۔ لیکن ۸ر۷ برس تحریک سے وابستہ رہنے کے بعد اس پر واضح ہو گیا کہ قادیانیت اسلام کے لبادہ میں سراسر دشمن اسلام تنظیم ہے اور اس کے عقائد ونظریات اسلام کے بنیادی عقائد سے متضاد ہیں۔ اس پر وہ اس جماعت سے علیحدہ ہو گیا۔ اور الجماعت الاسلامیہ کے نام سے ایک علیحدہ تنظیم قائم کر لی۔ اب ہزاروں لوگ اس سے وابستہ ہیں۔ بحمد اللہ یہ تنظیم خالص مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے کچھ مرزائی نواز ذہن بھی جلسہ میں موجود تھے۔ انہوں نے کچھ اعتراض بھی کیے۔ مگر بحمد اللہ مدلل جوابات دیے گئے اور وہ لوگ ایک ایک کر کے جلسہ سے چلتے گئے۔

بعض سوالات بہت دل چسپ تھے۔ ہم یہاں بھی انہیں درج کرتے ہیں۔

سوال: حضرت عیسیٰؑ اور مہدی ایک ہی شخص کا نام ہوگا یا ان ناموں اور اوصاف کے دو علیحدہ علیحدہ شخص ہوں گے؟

جواب: دو علیحدہ علیحدہ شخصیتیں ہوں گی۔ امام مہدی اس امت میں پیدا ہوں گے اور حضرت عیسیٰؑ آسمان سے نازل ہوں گے۔ یہ وہی ابن مریم ہوں گے جو حضور ﷺ سے پہلے کے نبی تھے۔ اور اب حضور ﷺ کے امتی ہو کر اتریں گے۔ اور حضور ﷺ کی شریعت کے مطابق عمل کریں گے۔

پہلی نماز میں حضرت مہدی امام ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی اقتداء کریں گے۔ یہ ان کا حضور ﷺ کے ماتحت ہونے کا نشان ہوگا۔

سوال: کیا کسی حدیث میں آتا ہے: **لا مهدی الا عیسیٰ** یعنی نہیں ہے مہدی مگر عیسیٰ؟

جواب: یہ حدیث صحیح نہیں، موضوع ہے صحیح حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا: **کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم**

واما مکم منکم. یعنی تمہارا کیا حال ہوگا جب مریم کا بیٹا تم میں اترے گا اور اس وقت تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔اس سے پتہ چلا کہ مہدی اور عیسیٰ دو علیحدہ علیحدہ فرد ہوں گے۔ یہ مرزا غلام احمد کا فتاویٰ احمدیہ میرے پاس ہے اس کے حصہ اول کے ص۸۲ر پر دیکھئے: حدیث میں آیا ہے کہ مسیح موعود جو آنے والا ہے وہ دوسروں کے پیچھے نماز پڑھے گا۔

افسوس ہے کہ مرزا صاحب نے ازالۂ اوہام میں اس حدیث میں ایک لفظ اپنی طرف سے بڑھا کر دونوں شخصیتوں کو ایک کرنے کی پھر کوشش کی ہے۔حالانکہ روایت **لا مھدی الا عیسیٰ** کو وہ خود بھی حاشیہ حمامتہ البشریٰ میں نا قابل اعتبار کہہ چکے تھے۔

سوال: امام مہدی کے ظہور کی بڑی نشانی کیا ہوگی؟

جواب: بڑی نشانی یہ ہوگی کہ وہ صاحب الامر ہوں گے حاکم وقت ہوں گے، سیاست پر ان کا قبضہ ہوگا۔ وہ دنیا کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دیں گے جس طرح پہلے یہ ظلم سے بھری ہوگی جو شخص خود انگریزوں کے ماتحت ہو اور جس کو زندگی بھر ایک لمحہ کے لیے آزادی کی ہوا نہ لگی ہو، وہ مہدی کیسے ہوسکتا ہے اور دنیا میں امن کیسے قائم کرسکتا ہے۔ کچھ تو سوچو۔

اس کے بعد امام مہدی کے لیے چاند گرہن اور سورج گرہن کی گفتگو چلی۔علامہ صاحب نے فرمایا کہ ایسا پہلے بھی کئی دفعہ ہو چکا ہے یہ غلط ہے کہ یہ دونوں گرہن اس طرح صرف مرزا صاحب کی زندگی میں ہی لگے تھے۔ پہلے بھی کئی دفعہ لگ چکے ہیں۔ یہ بھی بتایا کہ مہدی کے لیے اس طرح گرہن لگنا حضور ﷺ کی کسی حدیث میں وارد نہیں۔ نہ یہ کسی صحابیؓ کا قول ہے کہ مہدی کی علامت یہ دو گرہن ہوں گے۔قادیانی اسے غلط طور پر حضور ﷺ کی حدیث بتلاتے ہیں۔

سوالات یہیں ختم ہو گئے۔اور جلسہ دعاء کے ساتھ بخیر و خوبی ختم ہوا۔

اجیبوڈی کے لیے روانگی

۲۱ر اگست بروز جمعرات ہم لاگوس سے اجیبوڈی روانہ ہوگئے۔ یہ وفد کا یہاں دوسری دفعہ آنا تھا۔اجیبوڈی مسلم کالج کے ہال میں نائیجیریا کے تمام مسلم سینئر طلبہ کی سالانہ کانفرنس (مؤتمر سنوی) تھی۔اور وفد کے اراکین نے اس میں شریک ہونے کے لیے دورۂ نائیجیریا کو مزید وسعت دے دی تھی۔ ورنہ وقت میں گنجائش نہ تھی۔ وفد ساڑھے نو بجے اجیبوڈی پہنچ گیا۔ یہاں مرزائیوں کا اہم مرکز ہے اور مرزائیوں کا دورۂ افریقہ (افریقہ سپیکس) کی رپورٹ میں سنٹرل مرزاڑے کی تصویر دی گئی ہے، وہ اسی شہر میں واقع ہے۔ وفد پہلے مرزائیوں کے مرکز میں پہنچا، جو ان کی عبادت گاہ میں واقع ہے۔اور ان کے امام عبدالرحیم اولوا سے ملاقات کی اور اُن کو تبادلہ خیالات کی دعوت دی کہ وہ گیارہ بجے مسلمانوں کی مرکزی مسجد کے متصل ہال میں پہنچ جائیں۔اس کے بعد وفد وہاں کے بعض اساتذہ سے ملا، جو وہاں سکولوں اور کالج میں پڑھاتے ہیں۔ کچھ دوستوں کو اراکین وفد نے اپنے پروگرام کی اطلاع دی اور مختصر سا آرام کر کے گیارہ بجے مذکورہ ہال میں پہنچ گئے۔ قادیانی امام اولوا اپنے پانچ رفقاء کے ساتھ ساڑھے گیارہ بجے پہنچے۔ چند کتابیں ان کے ساتھ تھیں۔۲ر بجے تک مرزا غلام احمد کی سیرت کے عنوان پر مناظرہ ہوا۔قادیانی امام اور اس کے رفقاء جب بالکل لاجواب ہوگئے تو انہوں نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ کل ہم مجمع عام میں بحث کریں گے اور مناظرہ بند کر دیا۔ اگلے روز بروز جمعتہ المبارک ۵ر بجے کا وقت مقرر ہوا۔ ۵ تا ۷ر بجے شام ان سے مجمع عام میں مناظرہ ہوا۔ مرزائیوں کو عبرت ناک

شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ رئیس مجلس نے کھڑے ہو کر مسلمانوں کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ یہ مناظرہ بھی نائیجیریا کی تاریخ میں ایک یادگار کی حیثیت سے یاد رہے گا۔ شیخ عبدالرحمٰن ملحق دینی نے شیخ بن باز اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کو مبارکباد کے تار روانہ کیے۔ ۱۴؍اگست بروز جمعۃ المبارک یہ دن وفد کے لیے بہت اہم تھا۔ اس دن تین اہم پروگرام تھے۔

مسلم سٹوڈنٹس کی سالانہ ملکی کانفرنس

مسلم کالج اجیبوڈی کے وسیع ہال میں نائیجیریا مسلم سٹوڈنٹس کی سالانہ کانفرنس تھی۔ اس میں حضرت علامہ خالد محمود نے صبح ساڑھے دس بجے سے ایک بجے تک بڑی جامع اور مدلل تقریر کی اور آخر میں سوالوں کے جواب دیے۔ یہ پوری تقریر انگریزی رپورٹ کے شروع میں بطور مقدمہ پیش کردی گئی ہے۔ طلبہ نے اس تقریر سے بڑے گہرے اور دُوررَس اثرات لیے۔ خدا کے فضل وکرم سے وفد کے دورۂ نائیجیریا کا یہ پروگرام نہایت ہی مفید اور بہت کامیاب رہا۔ کیونکہ اس میں ملک کے مختلف حصوں سے نمائندہ طلبہ بڑی تعداد میں شریک تھے اور ان تمام نے عزم کیا کہ ہم قادیانیت کی یہ حقیقت حال پورے نائیجیریا میں پھیلا دیں گے۔ یہ مفصل تقریر اہم موضوعات پر حاوی تھی۔ جامع مسجد اجیبوڈی میں علامہ صاحب نے پہلے انگریزی میں تقریر فرمائی، اس کے بعد مولانا منظور احمد چنیوٹی نے ختم نبوت کے موضوع پر عربی میں مفصل تقریر کی۔ جس کا ساتھ ساتھ مقامی زبان میں ترجمہ ہوتا رہا۔ یاد رہے کہ یہاں جمعہ صرف ایک مرکزی مسجد میں ہوتا ہے اور تمام علاقہ کے مسلمان ایک ہی مسجد میں جمع ہوتے ہیں۔ مرکزی جامع مسجد کے متصل وسیع ہال میں مجمع عام کے سامنے کھلا مناظرہ بوقت ۵ ربجے تا ۷ ربجے تھا، مرزائیوں کی طرف سے شکیل احمد ڈاکٹر، اے آر بھٹہ، مرزائی امام الرحیم اولوا اور منیر احمد تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے علامہ خالد محمود صاحب، مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی، شیخ امانت اللہ اور شیخ عبدالوہاب تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے عملی طور پر مناظر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب ہی رہے۔ مرزائیوں کی طرف سے شکیل احمد، ڈاکٹر اے آر بھٹہ اور کئی دوسرے نمائندے باری باری جواب دیتے رہے اور بدل بدل کر پیش ہوتے رہے۔

اس دوروزہ مناظرہ کی مفصل روداد جناب صلاح الدین البوصیری نے مرتب کی ہے۔ رئیس مناظرہ الحاج مسعود نائیجیری نے آخر میں کھڑے ہو کر مسلمانوں کے حق میں فیصلہ دے دیا اور بتایا کہ مرزائی مناظرین نے تسلیم کرلیا ہے کہ مرزا غلام احمد نے واقعی ٹانک وائن (شراب) پی تھی۔ الفضل ۱۵ر جون ۱۹۳۵ء اس وقت اُن کے ہاتھ میں تھا۔ صدر نے یہ بھی اعلان کیا کہ واقعی مرزا غلام احمد نے قرآنی آیات غلط نقل کی ہیں۔ اس اعلان سے یہ بات اچھی طرح کھل گئی کہ مرزا غلام احمد نے واقعی قرآن کی آیات میں تبدیلی کی ہے۔ اس اعلان کے بعد مسلمانوں کے جوش وخروش کی عجیب حالت تھی اور اس عظیم کامیابی پر خوشی اور مسرت کا عجیب سماں تھا۔ ایک ٹولی تو خوشی سے جھوم رہی تھی اور وہ اپنی زبان میں خدا جانے کیا کہہ رہے تھے۔ ایک گروہ لا الہ الا اللہ کا بلند آواز سے ذکر کررہا تھا۔ قادیانیوں نے مناظرے سے قبل جو لٹریچر تقسیم کیا اس کے پُرزے پُرزے کرکے وہ وفد پر نچھاور کیا جارہا تھا۔ مصافحہ کرنے اور مبارکباد دینے والوں کا ایک ہجوم تھا جو ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔ طلبہ جو بڑی تعداد میں شریک تھے بسوں پر سوار ہو کر نعرے لگاتے ہوئے انہوں نے شہر کا رُخ کرلیا۔ نائیجیریا کی تاریخ میں یہ مناظرے ایک تاریخی یادگار کے طور پر یاد رکھے جائیں گے۔ مناظرہ سے فارغ ہو کر وفد نے جناب ڈاکٹر فصاحت کے ہاں مغرب کی نماز ادا کی۔ کھانا کھایا اور لاگوس روانہ

ہو گئے۔ شیخ ارشد اور احمد کبیر مبعوث سعودی عرب ساتھ تھے۔ گیارہ بجے وفد منزل پر پہنچ گیا۔ شیخ عبدالرحمٰن بن عوین اپنے دفتر میں منتظر تھے۔ دینی امور میں ان کی یہ دلچسپی لائق رشک تھی۔ مناظرہ کی فتح کی خبر سنتے ہی کہنے لگے کہ شیخ عبدالعزیز بن باز کو برقیہ تار بھیجنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دورے کو ان کی دعا کے مطابق پورا کامیاب فرمایا ہے، حق کا بول بالا ہوا۔ اور کفر کو ذلت و رسوائی نصیب ہوئی۔ آپ ایک بجے تک نہایت دلچسپی سے مناظرہ کی کارروائی سنتے رہے اور اس پر تبصرہ کرتے رہے۔ شیخ عبدالوہاب بھی وفد کے ساتھ تھے۔ جناب عبدالرحمٰن صاحب نے اصرار فرمایا کہ گمبیا سے واپسی پر پھر دو تین دن کے لیے نائیجیریا آئیں۔ دوسرے روز صبح سویرے وفد گھانا کے لیے روانہ ہوا۔ شیخ عبدالرحمٰن نے پُر خلوص دعا سے رخصت کیا۔ شیخ ارشد، شیخ کبیر بن یامین اور میکائیل نے الوداع کہا۔ اور وفد ۱۴ اگست بروز ہفتہ گھانا ائیرویز سے گھانا کے دارالخلافہ اکرہ بخیریت پہنچ گیا۔

دورۂ نائیجیریا کے مجموعی تاثرات

نائیجیریا کے مختلف مقامات کے دورہ میں وفد کو یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ ائمہ مساجد کا سلسلہ وراثت سے چلتا ہے اور کئی امام علم سے بالکل دور عمل بالسنہ سے محروم اور نماز صحیح طور پر پڑھانے تک سے معذور ہیں۔ عام مسلمانوں میں اتنی سمجھ نہیں کہ وہ مسجدوں کے حالات بہتر بنانے کی فکر کریں، ویسے مساجد کی عمارتیں بہت اچھی ہیں مناسب ہوگا کہ دارالافتاء کے مبعوثین یہاں کے نائیجیری بچوں کو صحیح قرآن پڑھانے پر محنت کریں۔ نماز پڑھانے اور صحیح اذان دینے کی تربیت دیں۔ نائیجیریا کے بچوں میں اگر چند بچے بھی قرأت سیکھ جائیں تو اس کا اثر پورے ملک پر پڑے گا۔ مبعوثین کے لیے یہ بھی ضروری ہونا چاہیے کہ انھیں یہاں کی مقامی مساجد کے تفصیلی حالات کا علم رہے۔ ان اچھے تعلقات سے ان مساجد کے حالات بہتر ہو سکتے ہیں اور مرزائیت کا کافی سد باب بھی ہو سکے گا۔ اراکین وفد کو یہ دیکھ کر بھی افسوس ہوا کہ ہمارے علماء کے پاس یہاں مرزا غلام احمد کی کتابیں موجود نہیں، نہ ہی انہیں ان کتابوں کا کوئی مطالعہ ہے۔ ظاہر ہے ان حالات میں وہ مرزائیت کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے؟ دارالافتاء سے گزارش ہے کہ افریقی مبعوثین کے لیے (خصوصاً مغربی افریقہ) عیسائیت اور مرزائیت کے متعلقہ مسائل میں تخصص کی شرط لگا دیں اور جب تک وہ علماء ان موضوعات کا کافی مطالعہ نہ کر لیں اور اس سلسلہ میں وہاں سعودی عرب میں ان کا امتحان نہ ہو جائے، ان کو ان علاقوں کی دینی خدمت سپرد نہ کی جائے۔ لاگوس میں ملحق دینی مکتب میں مرزا غلام احمد قادیانی کی اپنی کتابوں کا پورا سیٹ (Set) ہونا چاہیے۔ اسی طرح اباداں اور اجیبوڈی میں ان کتابوں کے سیٹ ضروری ہیں۔ مرزائیوں کی وہ کتابیں جو عربی زبان میں ہیں خصوصیت سے نائیجیریا کے ان مرکزی شہروں میں موجود ہونی چاہئیں۔ جاز کے علاقہ میں شیخ عطاء الرحمٰن بہاری کے پاس کچھ اصلی کتابیں موجود ہیں اور یہ غنیمت ہیں۔

کتنا ہی اچھا ہو کہ کینیا، نائیجیریا، گھانا اور سیرالون کے دس دس طلبہ کو جو دینی علوم بھی رکھتے ہیں اور انگریزی بھی سمجھتے ہیں، ان کو اچھے وظیفے دے کر اس دینی مہم کے لیے عیسائیت اور مرزائیت میں تخصیص کی تعلیم دی جائے تاکہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں اپنی اپنی زبانوں میں فرق باطلہ کی تردید اور دین کی صحیح خدمت کر سکیں۔ نائیجیریا کے اس دورہ میں اراکین وفد ختم نبوت نے اس چیز کی بھی ضرورت محسوس کی ہے کہ یہاں کے مبعوثین کو ان کی تنخواہ کے علاوہ دین کی ترویج اور اشاعت اور یہاں کے افریقی باشندوں کی تدریب و تالیف کے لیے بھی کچھ نہ کچھ رقم باقاعدگی سے ملنی چاہیے، جس کا حساب وہ ہر تین ماہ کے بعد مرکز کو بھیج دیا

کریں۔ مبعوثین کا ان افریقی باشندوں میں خالی ہاتھ کام کرنے کے لیے نکلنا عیسائی مشنریوں اور مرزائی مبلغین کے مقابلہ میں کچھ اچھا اثر انداز نہیں ہوتا۔

نائیجیریا میں مرزائیوں کے خصوصی حالات دیکھ کر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ردمرزائیت کا کام کسی اور دینی خدمت کے نتیجہ کے طور پر نہ کیا جائے بلکہ اسے ختم نبوت کے نام سے ایک مستقل حیثیت دی جائے اور کم از کم دو تین مبعوث جو اس فن کے ماہر ہوں خاص اس دینی خدمت کے لیے مقرر کیے جائیں۔ ان کے ذمہ تعلیمی نہیں تبلیغی خدمات ہوں۔ اور وہ اپنے اپنے علاقے کی مرزائی سرگرمیوں کا جائزہ لینے اور ان کا پورا پورا تعاقب کرنے کے ذمہ دار ہوں۔ علاوہ ازیں یہ حضرات نائیجیریا کی مسلم آبادی میں جہاں جہاں قادیانی تنظیم ہو، تحفظ ختم نبوت کے لیے تنظیمات بھی قائم کریں۔ اور اس علاقہ کے لوگوں کو اپنی اس ذمہ داری پر برابر متنبہ کرتے رہیں۔

۱۴؍اگست ۱۹۷۶ء تا ۱۸؍اگست ۱۹۷۶ء

۱۴؍اگست ۱۹۷۶ء بروز ہفتہ صبح ۸ بجے لاگوس ائیر پورٹ پر پہنچے، الوداع کہنے والوں میں شیخ کبیر، شیخ ارشد بنیامین اور جناب میکائیل صاحب تھے۔ طیارے نے ساڑھے نو بجے پرواز کی اور پچاس منٹ بعد اراکین وفد گھانا کے دارالحکومت اکرا (Accra) میں پہنچ چکے تھے۔ گھانا افریقہ کے مغربی ساحل کا وہ ملک ہے جہاں مسلمان قرونِ اولیٰ میں نہیں پہنچے، اسے پہلے ساحل الزہب کہتے تھے۔ پرانا گھانا اس سے شمال مغرب کی جانب سینیگال کے قریب آباد تھا۔ قرونِ اُولیٰ میں مسلمانوں کی آمد ان علاقوں میں ہوئی تو گھانا کے قبائل مغربی افریقہ کے جنوب کی طرف چلے گئے اور نیا گھانا آباد ہوا۔ جن دنوں مغرب میں مسلمانوں کا اقتدار تھا، جنگلی اور کافر قومیں مغربی افریقہ کے جنوب میں جمع ہوگئیں۔ مسلمان اوپر کے علاقوں کی اصلاح اور آبادی میں مصروف رہے، اسلام کا تعارف گو ان علاقوں میں مالی، مصر اور سوڈان سے آنے والے مسلمان تجارتی قافلوں سے ہو چکا تھا لیکن مسلمان یہاں آباد نہ ہونے پائے تھے اور یہ زمین صدیوں تک جاہلیت اور تاریکی کا مرکز رہی۔ مغربی افریقہ میں یورپین قومیں بحر اوقیانوس (بحر ظلمات) سے ان علاقوں میں داخل ہوئیں۔ گھانا برطانوی عملداری میں تھا اسے آزاد ہوئے تقریباً دس سال ہوئے ہیں برطانوی عملداری میں عیسائی مذہب یہاں پہلے منظّم ہوا اور بدوی اقوام انگریزوں کے تمدن سے متاثر ہو کر عیسائی مذہب قبول کرنے لگیں۔

مالی اور سوڈان کی راہ سے کچھ مسلمان پہنچے اور یہاں کے چند لوگ اسلام سے آشنا ہوئے۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ گھانا کے بدوی قبائل محض انگریزی تہذیب اور ان کے تمدن سے متاثر ہو کر عیسائی ہو رہے ہیں۔ انہوں نے چاہا کہ عرب سفید فام قومیں بھی اپنی جدید تہذیب یہاں لائیں تاکہ اس کے اثر سے سیاہ فام لوگ مسلمان بھی ہوسکیں۔ انہوں نے خفیہ طور پر عراق والوں کو یہاں آنے کی دعوت دی۔ عراق بھی ان دنوں برطانوی اثر کے ماتحت تھا۔ اس پروگرام کے انکشاف پر انگریزی حکومت نے اس دعوت دینے والے مسلمانوں اور خطوط لکھنے والے افریقی مسلمانوں کو جیل میں ڈال دیا۔

گھانا میں مرزائیوں کی آمد

حکومت نے ان جیل میں پڑے افریقیوں سے عراق کے لوگوں کو بلانے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ ہم جانتے تھے کہ

یہاں سفید فام مسلمان بھی ہوں تا کہ ان کے اثرات سے کچھ بدوی لوگ بھی مسلمان ہو سکیں۔ اس پر انگریزوں نے کہا کہ یہ کام تم نے ہمیں کیوں نہ بتایا، ہم خود تمہارے لیے سفید فام مسلمانوں کو یہاں لا کر آباد کر دیتے۔ وہ لوگ رہا کر دیے گئے اور انگریزوں نے اپنے لیے جو پودا ہندوستان میں لگایا تھا اُس کے پھل اتر کر مغربی افریقہ کی ان منڈیوں میں آنے لگے اور انگریزی علمداری میں انگریز کا خود کاشتہ پودا (مرزائیت) یہاں جڑ پکڑتا گیا۔ انگریزی حکومت کی تائید سے یہاں ان کے مشن بنتے گئے، سکول کھلتے گئے اور لوگ اسلام کے نام پر پھنستے گئے اور مسلمان انگریزی حکومت اور مرزائیوں کی سازباز کے تحت تعلیم سے پسماندہ رکھے گئے اور انہیں ہر طرح سے دبایا جاتا رہا۔ انہیں اپنا سکول کھولنے کی کہیں اجازت نہ ملتی تھی۔

برصغیر پاک و ہند کے علماء اسلام

یہ صحیح ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے بعض علماء اسلام بیسویں صدی میں مشرقی افریقہ اور جنوبی افریقہ کا دورہ کرتے رہے ہیں لیکن ختم نبوت پر کام کرنے والے علماء میں سے کوئی تبلیغی وفد اب تک مغربی افریقہ میں نہ آیا تھا، ہاں تبلیغی جماعت کے کچھ لوگ دو تین مرتبہ نائیجیریا میں آ کر کام کر گئے تھے۔ یہ علاقے ایک عرصہ تک انگریزی حکومت کے سائے میں عیسائیوں اور مرزائیوں کی ملی بھگت سے ان کی شکارگاہ بنے رہے۔ پاکستان بننے کے بعد قسمتی سے چوہدری ظفر اللہ خان وزارتِ خارجہ پر قابض ہوئے اور پاکستان کے نام سے یہاں مرزائیت کا پرچار ہی ہوتا رہا۔ خدا کا شکر ہے کہ ختم نبوت کے خدام کی حیثیت سے وفد ختم نبوت پہلی بار اس سرزمین پر اترا ہے۔ ائیرپورٹ سے اراکین وفد سیدھے سعودی عرب کے سفارت خانے میں پہنچے اور سفیر محترم سے ملاقات کی اور ساتھ ہی گھانا کے دینی حالات اور مرزائیوں کے سماجی تسلط پر کچھ بات چیت کی۔ سفیر صاحب وفد کی آمد اور پروگرام سن کر بہت خوش ہوئے اور ہر قسم کے تعاون کی پیشکش فرمائی۔ ایک بجے کے قریب اراکین وفد ناظم استقبال کی کار میں شیخ خالد کمال مبعوث دارالافتاء کے مکان پر پہنچے۔ وہاں ٹوگو کے شیخ جناب انعام الحق مبعوث سعودی سے بھی اراکین کی ملاقات ہوئی اور طے پایا کہ آج شام پاکستان کے سفیر صاحب سے بھی ملاقات ہو جائے۔ چنانچہ ۵ ربجے وفد نے پاکستانی سفیر سے ملاقات کی اور ان سے گزارش کی کہ یہاں گھانا میں اس قرارداد کی اشاعت نہیں ہوئی، جو پاکستان نیشنل اسمبلی نے ختم نبوت کے سلسلے میں پاس کی تھی اور یہاں کے عوامی حلقوں میں اب تک پاکستانی سے مراد قادیانی ہی لیے جاتے ہیں۔ سفیر صاحب نے وعدہ فرمایا کہ وہ ہمیں اس قرارداد کی نقول مہیا کریں گے اور فسٹ سیکرٹری جناب حسن صاحب کو فرمایا کہ قرارداد کی نقول سیکلوسٹائل کر دیں تا کہ یہاں گھانا میں اس کی زیادہ سے زیادہ تشہیر ہو سکے۔

۱۵ راگست بروز اتوار مدرسہ اسلامیہ کے ہال میں ایک اجتماع ہوا جس میں مختلف تنظیمات کے نمائندے جمع تھے۔ مستورات بھی کافی تعداد میں شریک تھیں۔ پہلے حضرت علامہ خالد محمود صاحب نے مہدی اور مسیح کے مسئلہ پر اسلامی نقطہ نگاہ سے تقریر کی پھر اس کے بعد مرزا غلام احمد کے تعارف کے سلسلہ میں فاتح ربوہ مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی نے تقریر کی اور مرزا محمود اور ناصر کو اپنی دعوتِ مباہلہ اور ان کے گریز و فرار کی تفصیل سنائی۔ اور گھانا کے قادیانیوں کو چیلنج دیا کہ اگر اُن کو اپنے جدید مذہب کی صداقت پر یقین ہے تو اپنے خلیفہ مرزا ناصر سے تحریری اجازت حاصل کریں اور میرے ساتھ مباہلہ کریں۔ انہوں نے یہ بھی کہا چونکہ انہیں اپنے جھوٹے ہونے کا یقین ہے اس لیے وہ قیامت تک مباہلہ کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ اور یہی اُن کے جھوٹے

ہونے کا بین ثبوت ہے۔ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ.

اگر سچے ہیں تو مباہلہ کے لیے تیار کیوں نہیں ہوتے؟ مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی نے ۱۹۶۵ء میں ان کے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود کو مباہلہ کا چیلنج دیا تھا۔ اب اکیسواں سال جا رہا ہے اور ان میں سے کسی کو بھی مباہلہ کرنے کی ہمت نہ ہوسکی۔ اس بیان کا سامعین پر بڑا گہرا اثر ہوا اور حاضرین سے عہد لیا گیا کہ ان میں سے ہر ایک اس دعوت کو کم از کم دس افراد تک پہنچائے گا۔

۱۵/ اگست کی شام کو مسجد الحاج ابراہیم میں علامہ صاحب نے ایک منتخب مجلس سے خطاب کیا۔ علامہ صاحب کا خطاب عشاء کی نماز تک جاری رہا۔ اس اجتماع میں مسلم مشن گھانا کے ممبران اور اسکولوں کے بعض ٹیچر بھی موجود تھے۔

۱۶/ اگست کو وفد ختم نبوت کے اراکین شیخ خالد کمال اور شیخ انعام الحق کی معیت میں گھانا کے مشہور شہر کماسی میں پہنچے۔ مبعوث صابر قاسمی اور استاد آدم نے ہمارا استقبال کیا۔ مغرب کو کماسی میں باہمی مشورے کی میٹنگ منعقد ہوئی۔ جس میں مسلم مشن کے ارکان بھی شامل ہوئے۔ ہمیں یہ معلوم کر کے انتہائی دکھ ہوا کہ شیخ صابر قاسمی مبعوث سعودی، استاد آدم مسلم مشن اور تیجانیوں کے مابین مخالفت اور مقابلہ آرائی قائم ہے اور ان کی محنتیں مرزائیوں کی بجائے آپس میں لگ رہی ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس باہمی گروہ بندی کا فائدہ مرزائی اُٹھا رہے ہیں۔ مسلمانوں کی بحثیں اور جھگڑے آپس میں ہو رہے ہیں اور مسلمان ارتداد کی گود میں جا رہے ہیں۔

وفد نے قاسمی صاحب سے پوچھا کہ جب کماسی میں مرزائیوں کی مضبوط اور وسیع تنظیم قائم ہے تو ان کی تردید کے لیے اور ان کے باطل عقائد سے عوام کو متنفر کرنے کے لیے کیا ان کے پاس مرزا غلام احمد کی کوئی اپنی کتاب موجود ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے مرزا غلام احمد کی صرف ایک کتاب دیکھی تھی جس کا نام انہیں یاد نہیں رہا۔ ان کی بے توجہی نہایت افسوسناک تھی۔ امیر وفد نے ان سے گزارش کی کہ گھانا کے ہر اہم مقام پر مرزا غلام احمد کی اپنی کتابوں کے سیٹ ہونے چاہئیں تا کہ ان اصل کتابوں کو دکھا دکھا کر لوگوں کے سامنے مرزائیت کو بے نقاب کیا جا سکے اور عامۃ الناس ان سے متنفر ہوسکیں۔ شیخ انعام الحق نے وفد کے اراکین سے وعدہ کیا کہ وہ مرزائی کتب کو جمع کرنے اور ان کا مطالعہ رکھنے کی کوشش کریں گے۔ اور جہاں کہیں انہیں سفر پر جانا ہوگا وہ وہاں مرزائیت پر محاضرات کی کوشش کیا کریں گے۔

استاد آدم نے کہا کہ کماسی میں مرکزی قسم کا اجتماع صرف اتوار کے دن ہوسکتا ہے باقی دنوں میں نہیں۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ گھانا میں ایک ہفتہ کا پروگرام بہت کم ہے۔ آپ کے یہاں کام کرنے کی اس قدر ضرورت ہے کہ کم از کم ایک مہینہ چاہیے۔ اور اس کی اطلاع مسلم مشن کو ایک مہینہ پہلے ہوتا کہ مسلم مشن اس کے لیے مختلف شہروں اور قصبات میں جہاں جہاں قادیانی کام کر رہے ہیں، پہلے سے پروگرام کی تشہیر کر سکے۔ اراکین وفد ختم نبوت کے علم میں یہ بات بھی آئی کہ اہل سنت کے نام سے یہاں مسلمانوں کی ایک اور تنظیم بھی ہے اور مالکی مسلمانوں کی بھی اپنی تنظیمات ہیں مگر ان تنظیمات سے وفد کو کسی نے نہ ملایا۔ شیخ قاسمی صاحب بھی مصروف تھے اس لیے وہ وقت نہ نکال سکے۔ پھر وفد نے ہی طے کیا کہ کماسی کے لیے پھر آئندہ مستقل دو ہفتے کا پروگرام رکھا جائے گا۔

۱۷/ اگست منگل کے روز وفد اکرا کے لیے روانہ ہوا۔ شیخ خالد کمال کو دار الافتاء کی طرف سے کسی شہر میں معائنہ کے لیے

جانا تھا، اس لیے وہ وفد کے ساتھ اکرا نہ آسکے، مجبوراً وفد کے اراکین اکیلے اکرا واپس ہوئے۔ یہاں الحاج ابراہیم ڈائریکٹر اسلامی تعلیمی کونسل نے وفد کا استقبال کیا۔ رات کا قیام اُن کے ہاں رہا۔ خدا انہیں خوش رکھے۔ انہوں نے اراکین وفد کی بہت خدمت کی۔

۱۸راگست کو صبح اراکین وفد ختم نبوت اکرا ائیر پورٹ پر پہنچا اور چار بجے سیرالون کے ائیر پورٹ ٹاؤن پر اترے۔

دورۂ گھانا کے مجموعی تاثرات

یہاں پاکستان کا پہلا تعارف مرزائیت کے روپ میں ہوا ہے لوگ جہاں کہیں پاکستانی کو دیکھ لیں تو اسے مرزائی سمجھتے ہیں۔ دوسرے مسلمان مالکی ہیں، جو ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ کئی پاکستان مسلمان بھی ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں، تا کہ لوگ انہیں مرزائی نہ سمجھیں۔ پاکستانی اور مرزائی یہاں مترادف الفاظ سمجھے جاتے ہیں۔ ہمیں بتلایا گیا کہ یہ فضا چوہدری ظفر اللہ خان کی وزارتِ خارجہ کے دور سے چلی آ رہی ہے۔ ہمیں یہ معلوم کر کے اور دکھ ہوا کہ مرزا ناصر کے دورہ گھانا کے وقت گھانا کا پاکستانی سفیر مسٹر علی ارشد مرزائی نواز تھا اور یہ حالات دراصل اسی نے پیدا کیے تھے کہ مرزا کا اس طریق سے یہاں دورہ ہوا اور اس طرح اس کا یہاں استقبال ہوا۔ پہلے یہ علی ارشد صاحب افغانستان میں تھے، جہاں جانا مرزائیوں کے عقیدے میں ایک بہت بڑا مقام رکھتا ہے۔ مرزا غلام احمد کی زندگی میں مرزائیوں پر ارتداد کی حد سب سے پہلے اسی ملک میں جاری کی گئی تھی۔

ہمیں اس بات سے بھی دُکھ ہوا کہ گھانا جیسے اہم مقام میں جسے مرزائی دوسرا ربوہ سمجھتے ہیں، پاکستان نیشنل اسمبلی کی ختم نبوت کی قرارداد کی مناسب تشہیر نہیں ہوئی ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ پاکستانی اور مرزائی کے مترادف ہونے کا تصور یہاں سے یکسر مٹ نہ جاتا اور سب سے بڑھ کر جس کام نے ہمیں افسردہ کیا وہ یہ کہ ہمارے مبعوث اس فتنہ کے مقابلے کے لیے تیار نہیں تردید مرزائیت اور اس سلسلہ میں اسلامی ممالک کے ردعمل سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں۔ ہاں شیخ خالد کمال کو ہم نے اس سلسلہ میں بہت فکر مند پایا۔ انہوں نے یہاں کے مقامی دینی ماہنامہ ''اطہر'' میں جو انگریزی زبان میں چھپتا ہے مرزائیت کے بارے میں کچھ چھیڑ چھاڑ بھی کر رکھی ہے۔ اسلامی ممالک یا مسلمانوں کے با اثر ادارے اگر یہاں پریس پر وپیگنڈے میں شیخ خالد کمال سے باقاعدہ تعاون کریں اور امداد مرزائیت کے استیصال پر خرچ کرنے اور بدوی افریقی مسلمانوں کی تالیف قلوب کے لیے دی جایا کرے تو یہ ایک نہایت موزوں اقدام ہوگا۔ سب سے بڑی چیز جس نے وفد کو متاثر کیا وہ یہ ہے کہ مرزائیت کا طریق تبلیغ وسیاست براہِ راست نہیں۔ وہ سکولوں اور ہسپتالوں کی آڑ میں مرزائیت پھیلاتے اور اپنی تنظیم مضبوط کرتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں اسی طرح کے مستقل اداروں اور مشنوں کی ضرورت ہے، جس میں ہمارے لیے وہ مبعوث کام کریں جنہیں اپنی فنی تعلیم کے ساتھ مرزائیت سے بھی پوری واقفیت ہو اور وہ پاکستان میں اُن کے حالات سے پوری طرح واقف ہوں۔ دوسرے مبعوثین کے لیے ضروری ہونا چاہیے کہ وہ تبلیغ کے لیے اتنا دردر رکھتے ہوں کہ سکولوں میں درس کے ساتھ ساتھ دینی اور تبلیغی خدمت بھی ان کے پیش نظر ہو۔ اس بات کا ذکر یہاں بے جانہ ہوگا کہ سعودی سفارت خانہ نائیجیریا میں جس طرح ایک ملحق دینی وہاں کی اسلامی ضرورت کو دارالافتاء کی طرف سے سرانجام دے رہے ہیں اس طرح ملحق دینی گھانا میں بھی ہونے چاہئیں جو تمام دینی امور کی سرپرستی تو کریں۔ ممکن ہے کہ حالات اس صورتِ حال سے بہت حد تک سنبھل جائیں۔

۱۸راگست ۱۹۷۶ء تا ۲۲راگست ۱۹۷۶ء

۱۸راگست بروز بدھ ساڑھے گیارہ بجے اکرا ائیر پورٹ سے فری ٹاؤن سیرالون کے لیے گھانا ائیرویز سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں ساحل العاج اور لائبیریا، دونوں جگہ اترے اور چار بجے ائیر پورٹ فری ٹاؤن پہنچے۔ ائیر پورٹ سے اراکین وفد ختم نبوت ائیرویز کار پر شہر کو روانہ ہوئے۔

کار نے فیری پر سمندر پار کیا۔ راستے میں سمندر کے کنارے وفد کے اراکین نے عصر کی نماز پڑھی اور ۶ بجے سے کچھ پہلے ہم فری ٹاؤن کی جامع مسجد میں تھے۔ مغرب کی نماز وہیں پڑھی اور امام صاحب سے ملاقات کی۔ اتنے میں وزارتِ تعلیم اور سماجی امور کے سیکرٹری الحاج محمد رشید یسمین سیکرٹری اسلامک سپریم کونسل کو وفد کے آنے کی اطلاع ہوگئی۔ اور انہوں نے اپنا ایک نمائندہ مسجد میں بھیجا اور وفد اُن کے ساتھ سانشنل سیکرٹری اسلامک سپریم کونسل کے مکان پر چلا گیا۔ اراکین وفد کا رات کا قیام بروک فیلڈ ہوٹل میں تھا۔ وہاں سپریم کونسل کے بعض ممبران بھی تشریف لائے۔ ان سے ہوٹل میں ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب سیرالون کے تعلیمی حالات اور مرزائیوں کی سرگرمیوں پر بات چیت ہوتی رہی۔ معلوم ہوا کہ شہر میں بڑی بڑی مسجدیں مسلمانوں کی ہیں، جن میں مالکی مسلک کے امام ہیں...... اور قادیانیوں کی عبادت گاہیں بالکل معمولی طرز کی ہیں اور مختصر رقبہ کے مکانات ہیں لیکن ان کا پروپیگنڈہ اتنا ہے کہ گویا سیرالون میں یہی لوگ ہیں اور کوئی رہتا ہی نہیں۔ تعلیمی سکولوں میں عیسائی مشنری ان سے بہت آگے ہے۔ اراکین وفد ختم نبوت کو ائیر پورٹ پر ہی احساس ہوگیا تھا کہ چوہدری ظفر اللہ خان کی وزارتِ خارجہ کے اثرات اب تک ان ممالک میں موجود ہیں۔ جونہی اراکین وفد ائیر پورٹ پر اترے تو افریقی کارکنوں نے ہم پاکستانیوں کو دیکھا تو پوچھا کیا آپ احمدیہ مشن کے ہیں؟ ہم ہر جگہ یہی بات سنتے رہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہاں بھی قادیانی اور پاکستانی مترادف الفاظ سمجھے جاتے ہیں۔ جہاں کوئی پاکستانی نظر آئے، لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ قادیانی فرقہ کے لوگ ہیں۔ پاکستان نیشنل اسمبلی کی ختم نبوت کی قرارداد کی اگر یہاں پوری طرح تشہیر اور اشاعت ہوجاتی تو یہ غلط تاثرات از خود ختم ہوجاتے۔ افسوس کہ اس قرارداد کی نشر واشاعت کے لیے اور اسے ہر ملک کی مقامی زبان میں ترجمہ کرکے عام کرنے کی کوئی بنیادی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ اب تک ان ممالک میں یہی تاثر ہے کہ پاکستان میں قادیانی ہی رہتے ہیں۔ رابطہ عالم اسلامی کی قرارداد کا یہاں کے بیشتر ائمہ اور علماء تک کو پتہ نہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس وفد کو یہ سعادت بخشی کہ اس سرزمین میں پاکستان کی اس تاریخی قرارداد کا خوب تعارف ہوا اور رابطہ عالم اسلامی اور دارالافتاء کی ہدایت کے مطابق اسی وفد نے رابطہ کی قرارداد کی بھی عام نشر واشاعت کی۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک

۱۹راگست ۱۹۷۶ء صبح دس بجے وفد نے بروک فیلڈ ہوٹل میں ایک مجلس مشاورت بلائی، جس میں الحاج ایم اے عبداللہ، الحاج محمد رشید یسمین جنرل سیکرٹری اسلامی سپریم کونسل اور ہارون عبداللہ جالو فاضل ازہر، **رئیس منظمہ الشان المسلمین الثقافیہ** اور کئی دوسرے حضرات شامل ہوئے اس مجلس کی تفصیلی گفتگو سے پتہ چلا کہ برطانوی عہد حکومت میں سیرالون کے مسلمان بڑے مظالم کا شکار ہوئے ہیں۔ حکومت اپنے پورے وسائل کے باوجود یہاں گورنمنٹ سکول بہت کم کھولتی تھی، اور عیسائی مشنریوں کو سکول کھولنے کی مکمل سہولتیں ملتی تھیں اور انہیں بھاری گرانٹیں دی جاتی تھیں گورنمنٹ سکولوں پر تو سب کا برابر کا حق ہوتا ہے مگر مشنری سکولوں میں مشن کی پالیسی چلتی ہے۔ اس طریق عمل سے حکومت چاہتی تھی کہ مسلمانوں

کو یہاں تعلیم کے میدان میں پیچھے رکھا جائے اور ایسے حالات پیدا کیے جائیں کہ اس ملک میں آزاد ہونے کے بعد بھی مسلمان تعلیم و تمدن کے اعتبار سے پسماندہ ہیں۔

جہاں تک مذہبی آزادی کا تعلق ہے یہ برائے نام تھی۔ مسلمان نماز تو پڑھ سکتے تھے مگر اذان پر پابندی ہوتی تھی۔ اگر کوئی اذان دے دیتا تو اسے کوڑوں کی سزا ملتی تھی۔ ان سخت پابندیوں کے باوجود یہ بات عوام کے لیے حیران کن رہی کہ ۱۹۲۸ء میں یہاں احمدیہ مشن قائم ہوا اور حکومت مسلمانوں کو مذہبی آزادی اور سماجی امور میں حق خود ارادی اسی مشن کے نام سے دیتی رہی احمدیہ مشن یہاں ۱۹۲۸ء میں مولوی محمد نذیر نے قائم کیا تھا۔ ۱۹۳۳ء میں ان لوگوں نے اپنے کام میں بہت وسعت پیدا کر لی۔ افریقہ کی آبادیوں میں سب سے بڑی کمزوری تعلیم کا فقدان ہے۔ قادیانیوں نے اسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر یہاں اسکول کھولے۔ تعلیم کی پیاس میں افریقی دھڑا دھڑ ان میں داخل ہوئے۔ یہ اسکول مشنری سکول تھے اور ان کے ذریعے یہاں کے بہت کم لوگوں پر ان کا اثر پڑا۔ لیکن انہوں نے اپنی تنظیمی پوزیشن بہت مضبوط کر لی۔ حکومت کے اپنے سکولوں میں بھی عیسائی مشنری کا کام کرتے تھے۔ ان حالات میں سیرالون کے تعلیمی حلقے قادیانیوں اور عیسائیوں کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ حکومت برطانیہ کی پوری کوشش تھی کہ زندگی کے تمام مسائل میں یہاں کے مالکیوں کو پیچھے رکھا جائے اور قادیانیوں کو مسلمانوں کے نمائندوں کے طور پر آگے لانے کی کوشش کی جائے۔ سیرالون کے پرانے اور تجربہ کار حضرات نے بتایا کہ یہاں سب کو معلوم ہے کہ احمدیہ مشن کا پودا انگریزوں کا لگایا ہوا ہے۔ آزادی حاصل ہونے سے پہلے یہ لوگ یہاں اتنے مضبوط ہو چکے تھے کہ اب آزاد مملکت میں بھی یہ لوگ قائم ہیں۔ ورنہ انگریز کے چلے جانے کے بعد ان کے ایجنٹوں کو بھی یہاں سے چلے جانا چاہیے تھا، یہاں کی آبادی ۷۰ رفیصد سے زیادہ مسلمان ہے مگر حکومت عیسائی افریقیوں کے ہاتھ میں ہے، اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ مسلمان تعلیم کے میدان میں بہت پیچھے ہیں اور ان کے تعلیمی تقاضوں اور سماجی امور میں قادیانی دخیل ہیں۔ جو عیسائیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو ہر طرح سے پیچھے دھکیل رہے ہیں ان کے پیچھے ابھی تک برطانیہ اور امریکہ کی پالیسی کارفرما ہے۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ یہاں ترقی یافتہ مسلم ممالک مسلمانوں کے زیادہ سے زیادہ مشنری سکول قائم کر دیں اور یہاں کے مسلمانوں کی اکثریت سے فائدہ اٹھا کر یہاں کے قادیانی سکولوں کو بالکل ناکام کر دیں۔ اگر اس قسم کے اقدامات نہ کیے جائیں گے تو لوگ تعلیم کی پیاس میں ان کے سکولوں میں جانے پر مجبور رہیں گے۔ یہ درست ہے کہ ان کے سکولوں میں بھی طلبہ کی زیادہ تعداد مسلمانوں کی ہے۔ قادیانی برائے نام ہیں لیکن چونکہ اقتدار اور انتظام سب قادیانی مشن کا ہوتا ہے اور اساتذہ سب ان کے ہوتے ہیں۔ وہ بڑے تربیت یافتہ اور مشنری ہوتے ہیں۔ اس لیے مسلمان بچوں پر ہر وقت ارتداد کی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔ وہاں کوئی مسلمان ٹیچر ہو، قادیانی نہ بھی ہو تو کم از کم اتنا ضرور ہوتا ہے کہ ایسے ملازمین اپنے اسلامی عقائد پر بھی مضبوط نہیں رہ سکتے، اسی طرح مشنری ہسپتال اپنے اپنے نظریات کے پرچار کا سماجی اڈہ ہیں اور ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ قادیانیت اور عیسائیت کا تنقیدی علم رکھنے والے چند ڈاکٹر بھی یہاں کی مسلم مشنری ڈسپنسریاں قائم کریں۔ تمام مسلمانوں کا دینی علم یہاں نہ ہونے کے برابر ہے۔ تہذیب وثقافت اور گھروں کا ماحول بالکل مغربی طرز کا ہے کئی مسلمان خاندانوں کے لڑکے تعلیم حاصل کرنے کے بعد عیسائی ہو چکے ہیں۔ یہاں کے مسلمان، عیسائیوں اور قادیانیوں کے مقابلے میں مجموعی طور پر غریب ہیں، اپنے وسائل کے تحت رہ کر یہ اتنے سکول نہیں بنا سکتے جو وقت کی ضرورت پوری کر سکیں، ان

حالات میں ان کا ہمیشہ تقاضا رہا ہے اور وہ ہر مجلس میں اپنی اس بے کسی کا رونا روتے ہیں کہ اس ضرورت میں ان کی مدد کی جائے اور وہ امید رکھتے ہیں کہ سعودی عرب اور دیگر مسلم ممالک یہاں عام مسلمانوں کے تعلیمی تقاضوں کو پورا کر دیں اور یہاں کے مسلمانوں کا تعلیمی معیار بلند کر کے اسے ایک مسلم ملک کے طور پر اُبھرنے کا موقع دیں۔ یہاں کے مسلم حلقوں میں اس بات کا برابر اعتراف ہے کہ سعودی عرب کی طرف سے مسلمانوں کو معقول امداد ملتی رہی ہے لیکن اس شکایت کا انہوں نے بار بار اظہار کیا کہ وہ امداد یہاں کسی مرکزی نظام کے تحت عمل میں نہیں آئی۔ مختلف ناموں اور مختلف کاموں کے عنوان سے کتنا روپیہ ہی صَرف کیوں نہ کیا جائے، مسلمانوں کی مرکزی قوت کبھی قائم نہیں ہوسکتی۔ ضرورت ہے کہ یہاں کسی مرکزی نظام کے تحت سکول اور ہسپتال قائم کیے جائیں اور اسی ایک نظام کے تحت مشن قائم ہو اور اسی ایک نظام کے تحت مسلمانوں کی قادیانی ارتداد سے حفاظت کی جائے۔

اراکین وفد کو یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا کہ یہاں قادیانی اور پاکستانی مترادف الفاظ سمجھے جاتے ہیں اور چوہدری ظفر اللہ کی قدیمی وزارتِ خارجہ کے ساجی اثرات اب بھی یہاں خطرناک حد تک اثر انداز ہیں۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ یہاں کے سعودی سفارت خانے اور پاکستانی سفارت خانے کے مابین مکۃ المکرّمۃ اور اسلام آباد کی ختم نبوت قراردادوں کی زیادہ سے زیادہ نشر و اشاعت اور تائید کے لیے باہمی رابطہ موجود ہو اور کبھی کبھی اس سلسلے میں ان کی باہمی میٹنگ بھی ہوتی رہے علاوہ ازیں یہ بھی مناسب ہوگا کہ سعودی دارالافتاء کی طرف سے یہاں سے زیادہ تر وہ مبعوث بھیجے جائیں جو پاکستانی الاصل ہوں اور مرزا غلام احمد کی کتابوں کا مطالعہ اور ردقادیانیت میں تخصص رکھتے ہوں بلکہ دو متخصص علماء محض اس تبلیغ کے لیے مبعوث ہوں جن کے ذمہ ہمہ وقتی تعلیمی کام کوئی نہ ہو۔

یہ ۱۹ راگست کی مجلس مشاورت کے تاثرات ہیں جن پر کئی پہلوؤں سے غور کیا جا سکتا ہے اور اس سے کئی مفید پہلو ابھر سکتے ہیں۔ اسی روز فری ٹاؤن براڈ کاسٹنگ سٹیشن کے نمائندے اپنے سامان کے ساتھ ہوٹل میں ہمارے پاس رہے اور انہوں نے علامہ خالد محمود صاحب کا پورا انٹرویو لیا۔ آپ نے وفد ختم نبوت کا پورا تعارف کرایا اور قادیانیت کے موضوع پر ایک تقریر ریکارڈ کرا دی۔ یہ تقریر ۱۹ راگست ۱۹۷۶ء کو رات ساڑھے نو بجے یہاں کے ریڈیو سے براڈ کاسٹ کی گئی اور اس کا یہاں کے عوامی حلقوں میں بہت اچھا اثر ہوا۔ تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے یہ تقریر بہت معلومات افزا تھی۔

۱۹ راگست کو بعد نمازِ مغرب جامع مسجد میں جلسہ عام تھا۔ مگر بارش اس زور کی تھی کہ جلسہ ملتوی کرنا پڑا۔

۲۰ راگست ۱۹۷۶ء بروز جمعۃ المبارک صبح دس بجے شیخ عباس مدرس مدرسہ الاخوۃ الاسلامیہ (مسلم برادر ہڈ) فری ٹاؤن مبعوث دارالافتاء شیخ الفرید ابراہیم کول اور ان کے احباب سے ہوٹل میں پھر وفد کی مجلس مشاورت ہوئی جس میں قرار پایا کہ اس دن مغرب کی نماز کے بعد لیمبا سنٹرل مسجد فری ٹاؤن اور ہوسا جامع مسجد میں دو جگہ قادیانیت کے موضوع پر دو جلسے رکھے جائیں۔ طے پایا کہ لیمبا مسجد میں علامہ خالد محمود صاحب اور جامع مسجد ہوسا میں مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی کا بیان ہو۔ علامہ صاحب کے لیے شیخ ابراہیم کول مقامی زبان پر ترجمہ کریں اور سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی کے لیے شیخ عباس مترجم کے فرائض انجام دیں۔

نمازِ جمعۃ المبارک کے لیے ہمیں حاجی الیاس منسری لینے آئے۔ جامع مسجد خلیل میں وفد ڈیڑھ بجے پہنچ گیا۔ اور دو بجے نمازِ جمعہ ادا کی۔ یہاں کے بشر فوفانہ مدینہ یونیورسٹی کے فاضل ہیں۔ اور مالکی مذہب رکھتے ہیں۔ یہ وسیع مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ نمازِ جمعہ کے بعد علامہ خالد محمود صاحب نے اور پھر مولانا منظور احمد چنیوٹی نے ختم نبوت اور قادیانیت پر تقریریں کیں۔

ہر دو تقریریں عربی میں ہوئیں۔ مقامی زبان میں ترجمہ کے فرائض شیخ محمد داؤد فاضل جامعہ ازہر نے ادا کیے۔ مجمع آخر دم تک جما رہا۔ لوگ باہر دروازوں اور کھڑکیوں میں بھی کھڑے تھے۔ جمعہ کا یہ اجتماع بہت ہی کامیاب رہا۔ آخر میں ہذا یکس لیلیٰ سلطان ڈیوڈ کمارا نے وفد ختم نبوت کا شکریہ ادا کیا اور اس شکریہ اور وفد کی ضرورت پر بیس منٹ تقریر فرمائی۔ آپ نے اس بات پر زور دیا کہ جب تک مسلمانوں کے مشن یہاں کی تمام تعلیمی سہولتوں کو پورا نہ کر سکیں۔ مسلمانوں کے بچوں کو قادیانی مشن کے اثرات سے بچانا بہت مشکل ہے۔ آخر میں لوگوں نے سوالات بھی کیے۔ بعض سوالات بہت اہم تھے علامہ خالد محمود صاحب نے اُن کے حسب ذیل جوابات دیے۔

سوال: خدا نے اگر نبوت کو ختم فرما دیا ہے تو حضرت محمد ﷺ کے بعد انبیاء کا بدل کیا ہے۔ انبیاء کی بجائے کون ہوں گے؟

جواب: حضور ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہے آپ کے بعد نبوت کی جگہ خلافت ہے۔ نبوت اور خلافت کے درمیان اگر غیر تشریعی نبوت کوئی درجہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ ختم نبوت کے اعلان کے ساتھ غیر تشریعی نبوت کو اس کے قائم مقام بتلاتے۔ مگر آپ ﷺ نے ختم نبوت کے اعلان کے ساتھ خلافت کو اس کے قائم مقام بتلایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں لیکن خلفاء ہوں گے۔ تم پہلے اور دوسرے خلیفہ کے وفادار رہنا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ختم نبوت کے بعد غیر تشریعی نبوت کا کوئی سلسلہ جاری نہیں۔ حضور ﷺ نے ان انبیاء کا ذکر کر کے جو تورات کے تابع تھے خود نئی شریعت نہ لائے تھے، اعلان فرمایا **لا نبی بعدی** یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ اب خلفاء ہوا کریں گے۔ اس سیاق وسباق سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ کے بعد غیر تشریعی انبیاء جو قرآن کے تابع ہو کر نبوت کریں، ہرگز نہ ہوں گے بلکہ ان کی بجائے خلفاء ہوں گے اور وہ راشدین ہوں گے۔ آخری دور میں بھی خلافت ہی ہوگی اور مہدی کی خلافت پر دنیا کا خاتمہ ہوگا۔

سوال: حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد اگر ہر طرح سے نبوت کا دروازہ بند ہے تو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کیوں کہتی ہیں ''یہ نہ کہو کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں''

جواب: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اگر ایسا کہا تو اس لیے کہا کہ حضور ﷺ کے بعد ایک پچھلے نبی (عیسیٰ بن مریم) کی آمد ثانی کا انکار نہ ہو کیونکہ یہ بات اسلام میں متواتر روایات سے ثابت ہے کہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے۔ وہ چونکہ حضور ﷺ سے پہلے کے نبی ہیں اس لیے ان کے آنے سے ختم نبوت کی مہر نہیں ٹوٹتی پچھلا نبی ایک کیا، سارے بھی آ جائیں تو ختم نبوت کا اصول اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ مسلمان عقیدہ رکھتے ہیں کہ معراج کی رات پچھلے سب انبیاء مسجد اقصیٰ میں آئے اور حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، اس کے باوجود سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔

سوال: بہر حال یہ حدیث تو آخر موجود ہے یا نہ؟

جواب: یہ بات حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی معتبر سند سے ثابت نہیں۔ بے سند روایات پر عقیدہ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

قادیانی اسے مجمع البحار کے حوالے سے پیش کرتے ہیں یہ متاخر تالیف ہے اور اس میں اس کی کوئی تخریج بھی نہیں کہ انہوں نے کہاں سے لی اور اس کے آگے یہ بھی لکھا ہے:

هذا ناظر الٰی نزول عیسیٰ بن مریم

افسوس کہ قادیانی مولوی اسے اس کتاب سے نقل کرتے ہیں اور اس کی اگلی عبارت کو وہیں چھوڑ دیتے ہیں اور خدا سے نہیں ڈرتے کہ مجمع البحار کا مصنف اس کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے؟

تو کیا حضور پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد کوئی ایسا روحانی درجہ نہیں جس میں انسان خدا سے ہم کلام ہو سکے۔ اس امت میں ولایت کا دروازہ کھلا ہے اور اولیاءِ کرام اس اُمت میں ہوتے آئے ہیں۔ اولیاء اللہ پر فرشتے بھی اترتے ہیں۔ اور خدا بھی اُن سے ہم کلام ہوتا ہے۔ لیکن یہ پیغمبر نہیں ہوتے۔ نزولِ جبریل بہ پیرایۂ وحی ہمیشہ کے لیے بند ہے۔ ولایت کے بلند ترین درجے کو محدثیت کہتے ہیں اور جو اولیاء اس درجے کو پہنچتے ہیں۔ انہیں محدث کہا جاتا ہے۔ ان سے اللہ تعالیٰ کلام فرماتے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کو ولایت تامہ کا یہ درجہ حاصل تھا۔ مرزا غلام احمد لکھتا ہے کہ آپ روحانیت میں اتنے اونچے گئے کہ نبوت کا دروازہ بند نہ ہوتا تو آپ نبی ہو جاتے۔ اس سے پتہ چلا کہ خلافت راشدہ نبوت کے قائم مقام ہے غیر تشریعی نبوت اس اُمت میں کوئی درجہ نہیں۔ یہ دیکھو شہادۃ القرآن ص ۲۸ / پر ہے، مرزا صاحب لکھتے ہیں:

''چونکہ ہمارے سید و رسول ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت ﷺ کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ اس لیے شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے ہیں۔''

اس کے بعد عصر کی نماز ہم نے جامع مسجد خلیل میں پڑھی۔ نمازِ عصر کے بعد شیخ داؤد کمارا کے ہاں عصر کی دعوت تھی۔ عصر کے بعد ہمیں ڈیوڈ کمارا اپنی کار پر شیخ داؤد کے ہاں لے گئے۔ مغرب کی نماز کے بعد لیمبا سنٹرل مسجد اور ہوسا جامع مسجد میں حسب پروگرام دو جلسے ہوئے یہ دونوں جلسے بہت کامیاب تھے۔

۲۱ / اگست ۱۹۷۶ء بروز ہفتہ ۹ / بجے صبح روزنامہ ڈیلی میل کے نمائندے ہماری قیام گاہ پر پہنچے اور انہوں نے علامہ خالد محمود صاحب کا بیان قلمبند کیا۔ اس کا مختصر تذکرہ ڈیلی میل کی ۲۳ / اگست ۱۹۷۶ء کی اشاعت میں موجود ہے اور یہاں کے پریس میں یہ پہلی آواز ہے جس میں اسلام اور احمدیہ مشن دو متوازی ناموں سے سامنے آئے ہیں۔ پورے سیرالون پر اچھا اثر ہوا۔ یہاں کے تعلیم یافتہ حلقوں میں قادیانیت پر یہ پہلی ضرب ہے اور اب سے لوگ ان کا تنقیدی جائزہ لینے لگے ہیں۔

دوپہر کے وقت ہم ہز ایکس لینسی سعادۃ الحاج شیخ جبریل سیسے کے ہاں گئے۔ موصوف سالہا سال مصر میں سفیر رہے اور اسلامی اور عربی لٹریچر پر گہری نظر رکھتے ہیں، ان سے قادیانیت پر بڑی تفصیل سے بات چیت ہوئی۔ اصل کتابیں مرزا غلام احمد قادیانی کی ہمارے پاس تھیں۔ جب ہم نے انہیں توحید و رسالت اور حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں قادیانی عقائد دکھلائے اور مرزا غلام احمد کا اخلاقی نقشہ پیش کیا تو وہ دنگ رہ گئے۔ آپ نے خواہش ظاہر کی کہ ان کے پاس قادیانیوں کی اصل کتب جو عربی ہیں، ہونی چاہئیں۔ ان کی فرمائش پر ہم نے مرزا کی چند کتابیں جو عربی میں ہیں، ان کے نام تحریر کر دیے اور وعدہ کیا کہ یہ کتابیں مہیا کرنے کے معاملے میں ہم ان سے پورا تعاون کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کتابوں میں مندرج عقائد فاسدہ کی تشہیر سے

پورے سیرالون میں ان کا ناطقہ بند ہوسکتا ہے۔

۲۱ر اگست فری ٹاؤن میں بعد نماز مغرب دو مسجدوں میں علیحدہ علیحدہ جلسے ہوئے۔ مسجد جامع بیت اللہ میں علامہ صاحب نے اور جامع مسجد فولا میں منظور احمد صاحب چنیوٹی نے تقریریں کیں۔ ہر دو جگہ جلسے بہت کامیاب رہے۔ مسجد جامع بیت اللہ میں الحاج محمد عبدالرحمٰن نے تقریر کی اور بتایا کہ اب تک ہم احمدیہ کو مسلمانوں کو ایک فرقہ سمجھتے رہے تھے۔ اب ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ ایک فرقہ نہیں بلکہ مسلمانوں سے علیحدہ ایک غیر مسلم اقلیت ہیں۔ یہاں کے مسلمانوں کے لیے وفد ختم نبوت کے اس دورے سے معلومات کا ایک نیا دروازہ کھلا ہے۔ جامع مسجد فولا کے امام صاحب نے کہا کہ مرزا قادیانی کے دعاوی اس جماعت کے کفریہ عقائد، مرتد اور کافر کے احکام میں فرق یہ ایسے انکشافات ہیں جو اس سے قبل ہمیں معلوم نہ تھے اور وعدہ کیا کہ رمضان المبارک میں ہم اس پیغام کی عام اشاعت کریں گے اور فیصلہ کیا گیا کہ مسجد فولا میں اگلے دن بروز اتوار بعد نماز مغرب ایک جلسہ عام کا انتظام کیا جائے۔

۲۲ر اگست ۱۹۷۶ء کو دس بجے صبح یونین ہال میں جلسہ تھا مگر کسی غیر معلوم شخص نے ہال کے منتظمین کو فون کر کے ہال کی بکنگ منسوخ کرادی اور ان لوگوں نے یہ ہال کسی سفارت خانہ کو ان کی کسی اپنی میٹنگ کے لیے دے دیا۔ فری ٹاؤن میں احمدیہ مشن کے لوگ اپنی پوری جماعتی قوت سے کسی اور ہال کے آگے جا کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ جلسہ یہاں ہے۔ ہمیں اسلامک سپریم کونسل کے سیکرٹری جنرل الحاج رشید دلمین کے ساتھ جلسہ میں جانا تھا۔ اتفاق سے ان کے کسی عزیز کی موت ہوگئی اور رات ہی سے وہ ادھر مصروف تھے۔ ہمیں جلسہ گاہ کا ایڈریس معلوم نہیں تھا۔ اتفاق سے ایک پاکستانی ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے کہا کہ وہ ہمیں جلسہ گاہ پہنچا دیتے ہیں۔ انہیں جگہ چونکہ معلوم نہ تھی اس لیے وہ ہمیں وہاں لے آئے۔ جہاں قادیانی مشن کے لوگ جمع تھے اور بتا رہے تھے کہ جلسہ یونین ہال میں نہیں ہے ان کے اندازِ عمل سے معلوم ہوتا تھا کہ یونین ہال کے منتظمین کو غلط اطلاعات دینے والے یہی لوگ ہیں۔ ہم کار سے جب اترے اور معلوم کرنا چاہا کہ کیا جلسہ یہاں ہے؟ تو ہمیں دیکھ کر فری ٹاؤن کے قادیانی سکینڈری سکول کے پرنسپل مسٹر کمارا نے ''احمدیہ زندہ باد'' کے نعرے لگائے، ایک تعلیم یافتہ آدمی سے اس قسم کی اوچھی حرکت عام لوگوں کو بہت بری محسوس ہوئی۔ یہ نوجوان مسٹر کمارا سیرالونی ہے۔ ان کی زبان اُردو نہیں ان کی زبانی زندہ باد کے نعرے بتلا رہے تھے کہ ان کے پاکستانی ساتھیوں نے انہیں اس بدتمیزی پر اکسایا تھا۔

جب ہمیں معلوم ہوا کہ جلسہ وہاں نہیں ہے تو ہم وہاں سے چل دیے لیکن قادیانی مشن کے لوگوں نے پھر بھی اپنی پانچ کاریں ہمارے پیچھے لگا دیں۔ اور نعرے لگانے شروع کر دیے۔ ان میں پیش پیش پاکستانی مرزائی تھے۔ ان میں ایک شخص عبدالعزیز نامی بہت چلّا رہا تھا اور مولوی ابوالعطاء اللہ دتہ جالندھری کا لڑکا عطاء الرحیم آوازے کس رہا تھا۔ آٹھ دس سیرالونی ان کے ساتھ تھے۔ ان میں اُن کے وہاں کے امام بھی شامل تھے ایسے میں وفد کے اراکین مصری اسلامی کلچر سٹیڈیمز کے پاس اترے اور سنٹر کے ڈائریکٹر لطفی صاحب سے ملے۔ صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر یہ قادیانی کثیر تعداد میں اندر گھس آئے۔ لطفی صاحب نے کہا کہ وہ پولیس کو فون کرتے ہیں، تو پھر یہ لوگ وہاں سے نکلے اور سڑک پر کھڑے ہوگئے۔ یہ ان کی اوچھی حرکات کا بدترین مظاہرہ تھا۔ ان حالات میں وفد کو جلسہ کے حال کا پتہ نہ چلا کہ اب متبادل انتظام کہاں کیا گیا ہے۔ ہمارے آدمی وفد کے اراکین کو ڈھونڈتے

رہے اور وفد جلسہ گاہ کی تلاش میں تھا۔ جب اس کی اطلاع اسلامک سپریم کونسل کے الحاج یوسف منسری نے احمدیہ مشن کے دفتر میں کی تو ان کے صدر نے کہا کہ انہیں تو کچھ معلوم نہیں، یہ کوئی غیر ذمہ دار لوگ ہوں گے۔ افسوس کہ انہی غیر ذمہ دار لوگوں میں ان کا امام بھی تھا اور ان کے سب ذمہ دار مشنری اس وقت غیر ذمہ دار بنے ہوئے تھے۔ ہم نے انہیں شام کے جلسہ کی اطلاع کرائی اور سپریم کونسل کے نائب صدر کو کہا کہ انہیں اطلاع کرا دیں تا کہ یہ لوگ ہماری تقریریں سنیں۔ ہم نے انہیں بتلایا کہ آج ہم فولا مسجد کے جلسہ میں پوری کتابوں کے ساتھ آئیں گے ان لوگوں نے اگر کوئی سوال جواب کرنے ہوں تو ان کو کھلی اجازت ہوگی اور وہیں ان کو پورا پورا جواب دیا جائے گا۔

سپریم کونسل کے ممبران نے ذمہ دارانہ طور پر قادیانی مشن فری ٹاؤن کے مرکز میں اس کی اطلاع دے دی۔ اس پر قادیانی مشن کے لوگوں نے ایک اور چال چلی کہ فولا قبیلے کے دو قادیانیوں کو فولا کے بڑے آدمیوں کے پاس بھیج دیا کہ آج فساد کا اندیشہ ہے اس لیے ہم اپنا جلسہ کسی اور دن رکھ لیں۔ لیکن پبلک نے اصرار کیا کہ جلسہ آج ہی ہوگا اور اسی مسجد میں ہوگا تو اس پر منتظمہ نے التماس کیا کہ مرزا غلام احمد کی سیرت نہ بیان کی جائے۔ اس کا عوام پر بہت اچھا اثر پڑا۔

بہت لوگوں نے خیال کیا کہ مرزا غلام احمد کی سیرت کے ایسے تاریک پہلو ضرور ہیں جنہیں سننے کی ان لوگوں میں تاب نہیں فولا قبیلے کے بڑے لوگوں نے ہمیں کہا کہ مرزا غلام احمد کے متعلق وہ قادیانی تحریریں کہ وہ شراب پیتا تھا، رنگین مزاج تھا، غیر محرم عورتیں ان کے بدن کو دباتی تھیں، وہ محمدی بیگم سے شادی کرنے کے لیے بڑی تگ و دو کرتا رہا اور اللہ کے رسول ﷺ پر اس نے جھوٹ باندھے ہیں۔ اس قسم کی باتیں آج بیان نہ کی جائیں۔ ایک دن پہلے بھی مسجد میں ان باتوں کا بیان ہو چکا تھا اور امام صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ اب وہ یہ باتیں رمضان شریف کے اجتماعات میں سنایا کریں گے۔ لیکن انہوں نے مطالبہ کیا کہ ختم نبوت مسیح موعود مہدی اور مجدد کے بارے میں اسلامی عقائد کی وضاحت ضرور کی جائے۔

مغرب کی نماز کے بعد جلسہ عام

مغرب کی نماز کے بعد جامع مسجد فولا میں جلسہ عام ہوا، لوگ بڑی تعداد میں جمع تھے۔ قادیانیوں میں سے ان کے فری ٹاؤن سکینڈری سکول کے پرنسپل مسٹر کمارا اور چند اور سیرالونی مرزائی آئے ہوئے تھے مگر پاکستانی مرزائیوں کو آنے کی جرأت نہ ہوئی نہ تو ان کے مشنری عبدالعزیز آئے اور نہ ابوالعطا کا لڑکا عطاء الرحیم جو آوازے کس رہا تھا۔ عبدالعزیز نے فون پر ہمیں دوسرے دن بتایا کہ اسے اس پروگرام کی اطلاع تو ہوگئی تھی مگر تحریری اطلاع نہ تھی۔ اس پر انہیں کہا گیا کہ صبح سارا دن جو کچھ آپ سڑکوں پر کرتے رہے، کیا یہ سارا تحریری پروگرام تھا؟

مسجد فولا میں مغرب کی نماز کے بعد جو باتیں مسٹر کمارا نذکور نے کہیں وہ اس پروگرام کا نہایت تاریک باب ہے۔ کمارا نے بتایا کہ وہ پچھلے سال ربوہ ہو کر آیا ہے اور وہاں اس نے دیکھا ہے کہ پاکستان میں اقلیتوں کو قتل کیا جاتا ہے۔ کسی مسجد میں اگر کوئی احمدی (مرزائی) چلا جائے تو اس کا زندہ آنا محال ہے اور یہ سب بدتمیزیاں حکومت پاکستان کرا رہی ہے اور اب حکومت پاکستان ہی نے انہیں، اس وفد ختم نبوت کو اس مشن کے لیے یہاں بھیجا ہے کہ یہاں بھی احمدیوں کو تنگ کیا جائے۔

اس طرح اس نے پاکستان کے خلاف بہت زہر اگلا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سب باتیں اس نے عبدالعزیز اور عطاء الرحیم کے

کہنے پر کہیں تھیں۔شیخ عباس مبعوث سعودی نے ان باتوں کی تردید کی،اور کہا کہ یہ پاکستان پر غلط الزام ہے۔شیخ عباس نے یہ بھی کہا کہ پاکستانی مرزائی ان سے ایسی باتیں کہلوا رہے ہیں اوراس لیے وہ خودان کے ساتھ نہیں آئے تا کہ حکومت پاکستان ان کے بارے میں کوئی کارروائی نہ کرسکے۔

خدا کا شکر ہے کہ ان تمام حالات کے باوجود اس دن ہمارا پروگرام بہت کامیاب رہا۔اور سب لوگوں کو پتہ چل گیا کہ قادیانیوں کے امام علماء ختم نبوت کے سامنے آنے کی قطعاً ہمت نہیں رکھتے۔ان کے محض اوچھے ہتھکنڈے تھے جن کا صبح یہ مظاہرہ کر رہے تھے پہلے سماحۃ الشیخ جبرئیل سیسے سابق سفیر مصر نے تقریر کی۔پھر سعودی دارالافتاء کے مبعوث شیخ عباس نے لوگوں کو بتایا کہ یہ مسجد مسلمانوں کی ہے اس لیے اسلام کی باتیں اس میں ضرور بیان ہوں ہوگی۔

پھر علامہ صاحب نے ختم نبوت، مسیح موعود، مہدی اور مجدد کے مسائل پر بڑی جامع تقریر کی اور قادیانیوں کے پیدا کردہ شبہات اس انداز سے حل فرمائے کہ بقول شیخ جبریل ''لوگوں کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔'' تقریر انگریزی میں تھی اور ترجمہ کے فرائض منسٹری آف ویلفیئر کے الحاج شیخ یوسف منسری جنزل سیکرٹری ایڈمنسٹریشن سپریم کونسل نے ادا کیے۔جلسہ کا بہت اچھا اثر ہوا۔اور قادیانیوں کے اپنے پرنسپل نے نماز ہمارے ساتھ ادا کی۔قادیانی عقیدے کے مطابق مرزا غلام احمد کے تمام مخالفین کافر ہیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا ان کے عقیدے میں حرام ہے۔ان قادیانیوں نے ہمارے ساتھ اس وقت دونوں نمازیں ادا کیں۔مغرب کی نماز پروانۂ ختم نبوت فاتح ربوہ حضرت مولانا احمد چنیوٹی مدظلہ تعالیٰ نے پڑھائی اور عشاء کی نماز شیخ ابراہیم سیسے سابق سفیر مصر نے اس صورت سے ہمیں معلوم ہوا کہ یہاں کے سیرالونی قادیانیوں کو قادیانیت کی اصل صورت حال سے کوئی واقفیت نہیں اور قادیانی مشن کے پاکستانی مرزائی ان کی ناواقفیت سے اسلام کے نام پر ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔لیکن قادیانی مشن کی اس پوری محنت اور سکولوں، ہسپتالوں کے باوجود الحمدللہ بہت کم ہی سیرالونی ان کے دام میں پھنستے ہیں۔طلبہ ان کے سکولوں میں بھی جاتے ہیں اور اپنے گھروں اور مسجدوں میں ان کو برملا غیر مسلم کہتے ہیں۔اس لحاظ سے ان کے مقابلہ میں عیسائیوں کے مشن زیادہ کامیاب ہیں۔عام بدوی افریقی عیسائیت کا شکار جلدی ہوتے ہیں،مگر مرزائیت کی چال میں نہ بدوی سیرالونی آتے ہیں، نہ مسلمان، نہ عیسائی۔ان کی سالہا سال کی کوششوں کا نتیجہ ہمیں سوائے ان کے سکولوں اور مشن کے بورڈوں کے اور کچھ نظر نہیں آیا۔مرزائیت کے فروغ میں یہ لوگ بری طرح ناکام ہیں۔پھر بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کئی لوگ ان کے عقائد کی تفصیل جانے بغیر ان کے ظاہری عنوان اسلام اور قوتِ تنظیم سے متاثر ہو کر ان کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں اور آئندہ نسلوں میں قادیانیت کے جراثیم مزید پھیلنے کا اندیشہ ہے۔اس خطرے کا اگر بروقت سدباب نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ ان علاقوں میں مرزائی بہت گمراہی پھیلائیں گے اور سیاسی طور پر بھی ملک کی آزادی کو مجروح کرنے میں کوئی دریغ نہ کریں گے۔اس دورے میں قادیانیوں کے حالات دیکھ کر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہاں محنت اور سلیقہ سے تھوڑا سا کام بھی کیا جائے اور مرزا غلام احمد کے دعاویٔ باطلہ اور اس کے کردار کو عام پھیلایا جائے تو بہت سے قادیانی قادیانیت چھوڑ دیں گے ہم نے دیکھا ہے کہ ان لوگوں کو جب یہ بتایا جائے کہ مرزا غلام احمد انگریزوں کا ایجنٹ تھا تو ان لوگوں کے چہروں کے خدوخال غصہ سے ابھرنے لگتے ہیں کیونکہ انگریز یہاں بھی سالہا سال تک ان غریبوں کو اپنے استعمار کا نشانہ بناتے رہے ہیں۔

جمعیۃ ختم نبوت کا قیام

جب ان حضرات کے سامنے مرزائیت کی تنظیم کے مقابلے میں ختم نبوت کی تنظیم قائم کرنے کی اہمیت وضرورت کو واضح کیا گیا تو انہوں نے جمعیت ختم نبوت کے نام سے تنظیم قائم کرنے پر لبیک کہی اور شیخ جبرائیل سابق سفیر مصر نے اسے منظّم کرنے اور اس کی سرپرستی قبول کرنے کا وعدہ فرمایا۔

پبلک میں بعض حضرات نے اصرار کیا کہ سیرالون اور دوسرے شہروں میں بھی اس طرح کے کام کی بہت ضرورت ہے۔اس لیے ہم اپنے پروگرام میں کچھ توسیع کریں مگر ہم نے اپنی معذوری پیش کی اور کہا کہ اگر حالات نے مساعدت کی تو ان شہروں میں کسی آئندہ دورے میں کام ہوسکے گا۔

دورۂ سیرالون کے مجموعی تاثرات

(۱) عام مسلمانوں کے ذہنوں پر ابھی تک نو آبادیاتی رعایا کے آثار مرعوبیت جزواً موجود ہیں۔بڑی عمر کے لوگ خاص طور پر اسی اندازِ عمل سے کام لیتے ہیں۔نوجوانوں میں کچھ جرأت موجود ہے۔مگر اسلامی نقطۂ نظر سے ان کی تربیت اور ذہنی نشو ونما کے لیے خاص محنت کی ضرورت ہے۔

(۲) مسلمانوں میں عام تعلیم کی بھی کمی ہے۔لیکن اسلامی تعلیم کا خاص طور پر فقدان ہے۔کسی امام ایسے ہیں جو علماء عملاً اسلامی تعلیمات سے بہت دور ہیں۔ان حالات میں جہالت بڑھ رہی ہے۔اور اس کے سدباب کے لیے مسلمانوں کے اپنے مشنری سکول بہت کم ہیں، نہ وہ زیادہ طلبہ کو داخلہ دے سکتے ہیں اور نہ ان کے سکولوں میں اس سے زیادہ طلبہ سما سکتے ہیں۔پھر مسلمان بچے مارے مارے دوسرے مشنوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسلامی ذہن وفکر کی ہر روش میں یہ صورتِ حال سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔

(۳) یہاں کے عام مسلمانوں میں قادیانیوں سے دوری محض اپنی ملکی روایات سے عقیدت اور اپنے ائمہ مساجد اور قبائلی زعماء سے وابستگی کی وجہ سے ہے، قادیانیوں کے عقائد کفریہ پر مطلع ہونے سے نہیں۔

(۴) سیرالون کے مسلمان اپنی جگہ باہمی اختلافات کا شکار ہیں متعدد جماعتیں ہیں اور تقریباً ہر جماعت اپنے طور پر مرکز بننا چاہتی ہے اور پھر ان کے بعض عمائد ایک دوسرے کی کاٹ کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہاں کے مسلمان ایک مضبوط مرکز سے محروم ہیں اور قادیانی نہایت ہی مختصر گنتی کے باوجود اپنی تنظیم کی بنا پر ایک مضبوط مشن سمجھے جاتے ہیں۔

(۵) یہاں کی سپریم کونسل مسلمانوں کا ایک مرکزی ادارہ سمجھی جاتی ہے اس کی منتظمہ میں اگر دیگر سب جماعتوں کی نمائندگی آجائے اور اس کونسل کا اپنا دستوری خاکہ مسلمانوں کی باضابطہ نمائندگی کا حامل ہو، اور اس جماعت میں نوجوانوں کے فکر وعمل کا بھی دخل ہو تو یہ کونسل واقعی سب مسلمانوں کی نمائندہ جماعت بن سکتی ہے۔

(۶) سعودی حکومت یا کسی اور اسلامی ملک کی طرف سے یہاں سیرالون کے طلبہ کو فنی، سائنسی تعلیم کے لیے جب کبھی کوئی وظائف دیے جائیں تو براہِ راست دینے یا یونیورسٹی کو دینے یا سیرالونی گورنمنٹ کی معرفت دینے کی بجائے یہاں کی کسی ایک مرکزی مسلم تنظیم کے توسط سے دیے جائیں تو وظائف خالص مسلمانوں کے کام آئیں گے ورنہ قوی اندیشہ ہے کہ یہ وظائف بعض

عیسائی یا قادیانی طلبہ کو بھی مل جائیں۔ یہاں معلوم ہوا کہ پچھلے دنوں سعودی حکومت کی طرف سے دس وظیفے سیرالونی طلبہ کو دیے گئے، جس کا یہاں کی دینی تنظیموں کو بعد میں پتہ چلا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ سب وظائف مسلمانوں کو ملے ہیں یا اس کا فائدہ کسی عیسائی یا مرزائی کو بھی جا پہنچا ہے۔

(۷) مسلمانوں کی آبادی دو ملیون کے قریب ہے مگر افسوس کہ مسلمانوں کی لڑکیوں کا اپنا یہاں ایک سکول بھی نہیں۔ عیسائیوں اور قادیانیوں کے سکول ہیں۔ مگر مسلمان تنگ دامانی اور وسائل کی کمی کے باعث ابھی تک اپنی اس ضرورت کو پورا نہیں کر سکے۔ اسی طرح مسلم ٹیچروں کا اپنا ٹریننگ کالج نہیں۔ اگر مسلم ٹیچروں کا اپنا مستقل سنٹر کسی مسلم مشن کے تحت قائم ہو تو اس سے بہت سا دینی کام لیا جا سکتا ہے کہ قادیانی مشن کے لوگ زیادہ تر اپنا فرقہ وارانہ کام اپنے ٹیچروں اور ڈاکٹروں سے ہی لیتے ہیں۔

(۸) اسلام کی تبلیغ اور عیسائیوں اور قادیانیوں کی تردید کے لیے اس ملک میں مقامی زبان میں چھوٹے چھوٹے پمفلٹ کسی ایک نظام کے تحت تقسیم ہونے چاہئیں۔ وہ نظام ذمہ دار ہو کہ یہاں کی ہر تنظیم، ہر شعبہ، ہر مسجد، ہر امام اور ہر سماجی کارکن کی معرفت پورے ملک میں یہ لٹریچر تقسیم ہو اور وہ مرکزی نظام اس کا بھی ذمہ دار ہو کہ اپنی رپورٹ میں ہر اس ادارے اور شخص کا نام لکھے جس کی معرفت وہ مرکزی نظام اس ملک میں یہ لٹریچر تقسیم کر رہا ہے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ قادیانیوں نے اپنا محرف ترجمۂ قرآن اسی ہزار کی تعداد میں یہاں تقسیم کیا ہے۔ اب ہر ہسپتال اور ہر ہوٹل کے ہر کمرے میں یہ قادیانی ترجمہ قرآن رکھا ہوا ملتا ہے، اور ناواقف لوگ اس پر پاکستان کا نام دیکھ کر اسے صحیح قرآن سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ اس میں کفریہ عقائد بھی سموئے ہوئے ملتے ہیں۔ اس سے دنیا میں اسلام کی پاکستان کے نام سے بہت غلط نمائندگی ہوتی ہے۔ اگر حکومت پاکستان قادیانیوں کو غیر مسلم ہونے کی وجہ سے قرآن شائع کرنے کی اجازت نہ دے، اور پاکستان سے قرآنِ مجید کا جو نسخہ بھی کہیں باہر جائے، وہ مسلمان کا شائع کردہ ہو تو اس سے پاکستان کی غلط نمائندگی کا فتنہ کسی حد تک رک سکتا ہے۔

(۹) ختم نبوت کا کام یہاں اتنا ضروری ہے کہ اس فن کو جاننے والے اور مرزا غلام احمد کی تحریرات پر پوری نظر رکھنے والے کم از کم دو مبعوث محض اسی کام کے لیے یہاں ہونے چاہئیں، ان کے ذمہ تدریسی ذمہ داری کوئی نہ ہو محض تبلیغ کی ذمہ داری ہو اور افریقہ کے سعودی دارالافتاء کے مبعوثین میں سے جو بھی اس فن کو کچھ سمجھنے لگے ہوں اور معاملہ فہم ہوں، انہیں ان کے قریبی افریقی ممالک میں ایک دو ہفتے تبلیغ کے لیے بھی کبھی کبھی بھیجا جایا کرے۔ مثال کے طور پر نائیجیریا کے شیخ امانت اللہ اور گھانا کے شیخ خالد کمال، اگر سیرالون میں ایک دو ہفتے کا پروگرام بنائیں تو یہ تحریک اور ہمت جو ہم نے بڑی محنت سے پیدا کی ہے، کسی نہ کسی وجہ میں جاری رہ سکے گی۔

(۱۰) یہاں کے مقامی لوگ کسی پاکستانی کو دیکھتے ہی اسے قادیانی سمجھنے لگتے ہیں یہاں اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ اس تاثر کو توڑنے کے لیے پاکستانی مسلمان ٹیچر، ڈاکٹروں اور مبعوثین کی ایک اچھی تعداد اس ملک میں قادیانیت کی روک تھام کا کام کرے۔

(۱۱) فری ٹاؤن کے قادیانیوں نے وفد ختم نبوت کے سلسلہ تبلیغ میں جو بدتمیزی پیدا کی اس کی وجہ سیرالون کے بعض باخبر حضرات نے یہ بتائی کہ پہلے یہاں علماء کے وفد جتنی دفعہ بھی مصر، شام، سعودی عرب اور دوسرے مسلم ممالک سے آتے رہے ہیں،

وہ اسلام کی عام باتیں کہہ کر چلے جاتے رہے ہیں، کسی نے آج تک مدلل پیرایہ میں یہ نہیں سمجھایا کہ اسلام اور قادیانیت میں کیا فرق ہے؟ یہ وفد ختم نبوت پہلے علماء ہیں جو خاص اس طرز کی وضاحت لے کر آئے ہیں اور پھر ان کے گھر کے بھیدی ہیں، اس لیے قادیانی لوگ بوکھلا گئے ہیں۔

(۱۲) سب سے افسوس ناک چیز جو ہمارے نوٹس میں آئی وہ یہ کہ یہاں کے قادیانی لوگ عرب اور پاکستان کے دشمنوں کی محض اس لیے دلداری کرتے ہیں کہ ان ممالک سے ان کی ختم نبوت کی قراردادوں کا بدلہ لیں۔ اسرائیل کا حلقہ اثر ان لوگوں کا حلقہ اعتماد ہے۔ یہاں ایک ذمہ دار تعلیم یافتہ سماجی کارکن ابراہیم کول سیرالونی ایڈیٹر اخبار صوت الاسلام نے ہمیں بتایا کہ وہ اس وقت ائیر پورٹ پر موجود تھا، جب قادیانیوں کا خلیفہ ناصر احمد سیرالون کے ائیر پورٹ پر اترا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اسرائیلی سفیر اور برٹش سفیر مرزا ناصر احمد سے ملے اور تینوں نے ایک طرف ہو کر کچھ باتیں کیں، پھر یہ بات بھی خاص اہم ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خان ستمبر ۱۹۷۳ء کو سیرالون گئے تو وہاں کے اخبار ڈیلی میل ظفر اللہ خان اور اسرائیلی سفیر کا اکٹھا فوٹو شائع ہوا تھا۔ چونکہ سیرالون میں قادیانی، پاکستان کے نام سے متعارف ہوتے ہیں، اس لیے اس فوٹو سے پاکستان کی پوزیشن عربوں کے ہاں خاص طور پر مخدوش ہوگئی تھی اور کئی دنوں تک عوام میں اس بات پر لے دے ہوتی رہی۔ ان واقعات سے یہاں یہ تاثر عام ہے کہ قادیانی اسرائیل اور انگریز دونوں کی سرپرستی میں کام کرتے ہیں۔

۲۲ر اگست ۱۹۷۶ء تا ۲۵ر اگست ۱۹۷۶ء

۲۲ر اگست بروز سوموار بروک فیلڈ ہوٹل فری ٹاؤن سے دو بجے روانہ ہو کر ائیر پورٹ پر ساڑھے تین بجے پہنچے۔ راستے میں فیری کے سمندری سفر کی وجہ سے بہت وقت لگ جاتا ہے۔ پانچ بجے معلوم ہوا کہ جہاز چار گھنٹے لیٹ ہے۔ دارالافتاء کے مبعوث شیخ عباس سیسے جہاز کی آمد تک ہمارے ساتھ رہے۔ مغرب اور عشاء کی نمازیں ہم نے ائیر پورٹ پر باجماعت ادا کیں۔ جہاز رات کے گیارہ بجے گیمبیا کی بنجول ائیر پورٹ پر اترا۔ رائل وکٹوریہ ہسپتال کے ڈاکٹر سومبا جہاز کے پاس استقبال کے لیے کھڑے تھے ان کے جہاز کے پاس آنے سے ہمیں بہت سہولت ہوئی...... ائیر پورٹ سے فارغ ہو کر ہم سیدھے اطلانتک ہوٹل پہنچے اور وہاں قیام کیا۔ یہ ہوٹل بحر اوقیانوس کے کنارے واقع ہے۔ وہاں کے ایک بیرے نے بتایا کہ مرزا ناصر احمد ۱۹۷۰ء میں اسی ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔ یہاں عام طور پر انگلینڈ کا امپورٹ کردہ گوشت استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے ہم نے ہوٹل کا کھانا کھانے سے احتراز کیا، ہمارے پاس کھانے کا اپنا انتظام تھا۔ ہمیں بتایا گیا کہ مرزا ناصر احمد کے اس ہوٹل کے قیام اور یہاں کے کھانے کے پیش نظر شہر میں بہت باتیں چلی تھیں، کیونکہ مرزا ناصر احمد کو یہاں مذہبی شخصیت سمجھا گیا تھا، مرزا ناصر کے سامنے یہ بات لائی گئی تو اس نے کہا کہ شریعت میں اتنی تنگی نہیں۔ حضور ﷺ تو اپنے زمانے میں وہ پنیر بھی کھا لیتے تھے جس کے متعلق مشہور تھا کہ اس میں سور کی چربی پڑتی ہے۔ **العیاذ باللہ من ھذا الافتراء .**

ہم نے اس روایت کی پرزور تردید کی اور کہا کہ یہ حضور ﷺ پر کھلا افتراء ہے اور یہ جھوٹ دراصل اس کے دادا مرزا غلام احمد قادیانی نے باندھا تھا۔ اسی کی یہ سب لوگ اشاعت کرتے چلے آئے ہیں۔ پیش نظر رہے کہ اس ہوٹل میں ٹانک وائن بھی پی جاتی ہے۔ ہمیں معتبر اطلاع نہیں مل سکی کہ مرزا ناصر احمد نے بھی پی ہو، لیکن یہ بات صحیح ہے کہ مرزا ناصر کا دادا مرزا غلام احمد قادیانی ٹانک

وائن پیتا تھا اور وہ ایک رنگین مزاج آدمی تھا۔ ہم نے ان اطلاعات کے بعد یہ ہوٹل چھوڑ دیا اور اگلی رات سر کنڈا جا کر رہے۔

۲۴ راگست کو بنجول سنٹرل جامع مسجد میں مغرب کے بعد پروگرام تھا۔

۲۵ رکو صبح ۱۱ ربجے ہوٹل میں بنجول کے احباب اور سعودی دارالافتاء کے مبعوثین کے ساتھ ایک خصوصی مجلس ہوئی۔ اس مشاورت میں کئی دبے ہوئے حقائق سامنے آئے اور حقیقت میں انہی حالات کی تحقیق ہمیں گیمبیا لے آئی تھی۔ گیمبیا ۱۹۶۵ء میں آزاد ہونے سے پہلے برطانوی قبضے میں تھا۔ گیمبیا کی اسلامی تاریخ بہت پرانی ہے۔ چھٹی صدی ہجری میں مسلمان یہاں آچکے تھے۔ اور عرب تاجر ماریطانیہ کی راہ سے عام آتے جاتے تھے۔ انگریزوں کی پوری کوشش تھی کہ اس علاقے میں جہاں ۸۷ فیصد مسلمان آبادی ہے۔ گھانا اور سیرالون کی طرح قادیانی مشن قائم کیے جائیں۔ ایک رپورٹ یہ ہے کہ یہاں نائیجیریا سے قادیانی لائے گئے تھے۔ مگر یہاں کے لوگوں نے ہمیں بتایا کہ برطانوی حکومت نے سیرالون سے پہلا قادیانی وفد یہاں بھیجا تھا۔ اس وفد کے آنے سے گیمبیا کے عوام میں آزادی کی تحریک میں کافی روک پیدا ہوگئی تھی۔ قادیانی مشنری اس بات کی بہت تبلیغ کرتے تھے کہ انگریزوں کی اطاعت فرض ہے۔ یہ مسلمانوں کے اولوالامر میں داخل ہیں۔ جو مسلمان ان کی نافرمانی کریں گے وہ گنہگار ہوں گے۔ اس سے آزادی کی تحریک پر تو اثر پڑا لیکن اعتقادی طور پر مسلمان ان کی تبلیغ سے قادیانی مذہب میں نہیں گئے اور یہ حقیقت ہے کہ پورے گیمبیا میں مسجد کی طرز پر ان کی کوئی عبادت گاہ موجود نہیں۔ یہاں ان لوگوں کا پروپیگنڈہ اس طرح چلتا ہے کہ کسی مکان کا کمرہ نماز کے لیے کرایہ پر لے لیتے ہیں اور اس پر مسجد کا اعلان کر دیتے ہیں۔ مغربی افریقہ میں ان کی مسجدوں کی گنتی بیشتر اسی انداز پر مبنی ہوتی ہے صرف چند جگہیں ہیں جو مسجد کی طرز پر ان کی عبادت گاہیں ہیں۔ مسلمان اب انہیں احمدی مسجد کی بجائے مرزاڑہ کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ انگریز حکومت نے سیرالون کے قادیانیوں سے گیمبیا کے فرمان سنگلاٹ کا تعارف کرا دیا تھا اور جب انگریز گیمبیا کو آزادی دینے پر مجبور ہوئے تو انہوں نے ۱۹۶۴ء میں فرمان سنگلاٹ کو پاکستان بھیجا تھا، اس نے ربوہ جا کر مرزا بشیر الدین محمود احمد کی بیعت کی، ۱۹۶۵ء میں برطانیہ نے گیمبیا کو آزادی دی اور فرمان سنگلاٹ کو اپنا قائم مقام بنا کر اسے پورے ملک کا قبضہ دے دیا تھا۔

ہمیں لوگوں نے بتایا کہ فرمان سنگلاٹ علمی اور سیاسی اعتبار سے کوئی شخصیت نہ تھا اور نہ اس کے پیچھے کوئی بڑی قوی پشت پناہی تھی، صرف انگریز کی سیاست تھی، جس نے اسے مسند اقتدار بخشی اور انگریز جانتے تھے کہ یہاں بھی اسلام کے چشمہ صافی کو قادیانیت سے گدلا کر دیا جائے۔

۱۹۶۵ء میں مرزا ناصر احمد اپنے باپ کا جانشین بنا تو اس نے فرمان سنگلاٹ کو گیمبیا کا بادشاہ قرار دے کر اسے آمادہ کیا کہ وہ ربوہ خط لکھے کہ اسے مرزا غلام احمد کے پرانے کپڑے بطور تبرک درکار ہیں۔ یہ مشورہ مرزا غلام احمد کے اس الہام کو پورا کرنے کے لیے دیا گیا تھا کہ:

''بادشاہ تیرے کپڑوں میں برکت ڈھونڈیں گے۔''

فرمان سنگلاٹ نے جب یہ خط لکھا تو قادیانیوں نے بڑے فخر سے یہ خبر شائع کی کہ دیکھو اب بادشاہ مرزا غلام احمد کے کپڑوں سے برکت ڈھونڈتے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ فرمان سنگلاٹ کس قسم کا اور کس حیثیت کا

بادشاہ ہے اور یہ کہ اسے انگریزوں نے اپنا قائم مقام کیا ہے۔ مگر افسوس کہ فرمان سنگلاٹ کو یہ برکت بہت مہنگی پڑی، اس کا اثر اتنا پڑا کہ ادھر ربوہ سے اسے کپڑے پہنچے، ادھر گیمبیا میں ایوانِ اقتدار میں انقلاب آیا اور فرمان سنگلاٹ کو اقتدار سے معزول کر دیا گیا، اس کی بجائے اب داؤد جوارا ملک گیمبیا کے سربراہ قرار پائے جو پہلے نائب گورنر تھے، مرزا غلام احمد کے کپڑوں کی پہلی برکت تھی جو فرمان سنگلاٹ کی بدنصیبی کا باعث بنی۔ کپڑوں کی برکت کا واقعہ یہاں گیمبیا میں بہت مشہور ہے اور اس بات سے عامۃ المسلمین خوب واقف ہو گئے ہیں کہ قادیانی اپنی پیشگوئیوں کو پورا کرنے کے لیے کس طرح اس کے لیے خود راہیں بناتے ہیں۔

۲۵ر اگست نماز عصر کے وقت ہم ایک دوسرے شہر سری کنڈا چلے گئے۔ وہاں مدیر المعہد شیخ عبدالودود کے مکتب میں چند زعماء شہر اور کچھ علماء مبعوثین کا اجتماع ہوا، شیخ موصوف نے ان سب کی دعوت کر رکھی تھی۔ علامہ خالد محمود نے ان کے سامنے مسئلہ ختم نبوت کے موضوع پر ایک جامع تقریر کی۔ شیخ امین سیسے نے قادیانیوں کے کچھ اعتراضات بھی پیش کیے اور علامہ خالد محمود صاحب نے ان کے مفصل جوابات دیے۔ بعض دلچسپ سوالات یہاں بھی درج کیے جاتے ہیں۔

سوال: آپ احمدیوں کے لیے ہمیشہ قادیانی یا مرزائی کا لفظ استعمال کرتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ آپ احمدی کے لفظ سے جان بوجھ کر گریز کرتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

جواب: ہاں! ہم انہیں احمدی کہنا ناجائز سمجھتے ہیں انہیں احمدی کہنا اس الحاد اور تحریف قرآن کی تائید کرنا ہے، جو مرزا غلام احمد نے اس لفظ کے بارے میں اختیار کی تھی۔ قرآنِ کریم کی رو سے احمد ہمارے نبی کریم ﷺ کا نام ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے سے پہلے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی اور آئندہ آنے والے نبی ''احمد'' کی بشارت دی، ہمارا اعتقاد ہے کہ وہ احمد ہمارے نبی کریم ﷺ ہیں۔ قرآن کریم پ ۲۸ر سورۃ الصّف میں ہے: ﴿**وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًام بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ**﴾ ''جب عیسیٰ، مریم کے بیٹے نے کہا اے بنی اسرائیل میں بھیجا ہوا ہوں اللہ کا تمہاری طرف، تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو مجھ سے آگے ہے اور خوشخبری دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہوگا، پھر جب آیا ان کے پاس نشانیاں لے کر تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: **انا محمد وانا احمد وانا العاقب (الحدیث)** ''میں محمد ہوں، میں احمد ہوں اور میں عاقب ہوں۔''

اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی آنے والا نہ ہو؟ یہ روایت تواتر کے درجے تک پہنچی ہے۔ پس قرآن وحدیث کی رو سے احمد ہمارے نبی کا نام ہے اور احمدی ہم ہیں جو حضور ﷺ کی امت ہیں۔

قادیانی متنبّی کا نام تھا ''غلام احمد''، ''احمد'' اس کا نام نہ تھا اس نے تحریف کر کے اپنا نام ''احمد'' رکھ لیا اور اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق قرار دے دیا۔ اور اس کے مطابق اپنے ماننے والوں کا نام اُس نے ''احمدی'' رکھا۔ آپ نے دیکھا کہ ان کے احمدی کہلانے میں کتنی تحریفات ہیں اور قرآن وحدیث کے مفہوم میں کتنا کھلا الحاد ہے۔ اب جو شخص انہیں احمدی کہتا ہے وہ گویا ان سب تحریفات کی تائید کرتا ہے اور اس کفر والحاد میں شریک ہو رہا ہے، کسی کو یہ بات معلوم نہ ہو اور وہ انہیں احمدی

کہہ دے تو اور بات ہے لیکن حقیقت معلوم ہونے کے بعد کسی مسلمان کے لیے انہیں احمدی کہنا حرام ہے۔ غلام احمد کی نسبت سے یہ غلمدی Ghulmadi ہوسکتے ہیں، مرکز قادیان کی وجہ سے انہیں قادیانی کہہ سکتے ہیں۔ مرزا کے پیرو ہونے کے لحاظ سے انہیں مرزائی کہا جاسکتا ہے لیکن انہیں احمدی کہنا کسی طرح جائز اور درست نہیں۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے۔ میں ''عطاء اللہ'' اگر لفظ ''عطاء'' ہٹا کر ''اللہ'' نہیں ہوسکتا تو ''غلام احمد'' لفظ ''غلام'' ہٹا کر احمد کیسے ہوسکتا ہے؟

سوال: تو ان کی مسجد کو ''احمدیوں کی مسجد'' کہنا بھی پھر جائز نہ ہوگا؟

جواب: ہاں یہ بھی بالکل جائز نہیں، ان کی عبادت گاہوں کو مسجد کہنا جائز نہیں، مسجد مسلمانوں کی عبادت گاہ کو کہتے ہیں۔ جب یہ غیر مسلم اقلیت ہیں تو ان کی عبادت گاہیں مسجدیں کیسے بن گئیں؟ عیسائیوں کی عبادت گاہ گرجا، یہودیوں کی صومعہ، ہندوؤں کی مندر اور سکھوں کا گردوارہ کہلاتی ہے مرزائیوں کی عبادت گاہ کو ''مرزاڑہ'' کہتے ہیں تو بجا کہتے ہیں، اسے مسجد کہنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

حاضرین پر ان باتوں کا بہت اچھا اثر ہوا۔ مغرب کی نماز کے بعد جامع مسجد سری کنڈا میں ایک عظیم اجتماع ہوا۔ پہلے دارالافتاء سعودی کے مبعوث نے تعارفی تقریر کی ان کے بعد مولانا منظور احمد چنیوٹی نے مرزا قادیانی کے کردار اور قادیانیوں کی وجوہات کفریہ پر مفصل ومدلل تقریر کی۔ مقامی زبان میں ترجمہ کے فرائض شیخ سیسے نے ادا کیے اور یہ اجتماع بہت ہی کامیاب رہا۔ شیخ امین سیسے جو اسلامک سپریم کونسل کے چیئرمین بھی ہیں اور گیمبیا کے امور میں مشیر ہیں، بہت متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ نے ہمیں قادیانیت کے خلاف بہت سے قنابل (بم) دیے ہیں۔ ہم ان کی اخبارات اور ریڈیو کے ذریعے بہت تشہیر کریں گے۔

جلسہ کے بعد نوجوان طلبہ اور بعض مقامی علماء مرزا غلام احمد کی کتابوں سے رات کے ایک بجے تک حوالے نوٹ کرتے رہے۔ یہ کتابیں ہمارے پاس موجود تھیں اور ان کتابوں کی وجہ سے پورے مغربی افریقہ میں معلومات کی ایک نئی راہ کھلی ہے۔ اثنا مذاکرات مرزا صاحب کی عمر پر بھی کچھ بات چل نکلی اور چند سوالات سامنے آئے۔ بعض سوالات یہاں بھی پیش خدمت ہیں:

سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ مرزا غلام احمد نے خود اپنے سالِ پیدائش کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے؟

جواب: ہاں اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف مرزا غلام احمد کی وفات کے بعد کا پیدا کردہ ہے، وجہ یہ تھی کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی اپنی عمر کی پیشگوئی جھوٹی ٹھہری تھی، اسے درست کرنے کے لیے صرف یہی صورت ہوسکتی تھی کہ اس کی پیدائش اس پیش گوئی کی روشنی میں نئے سرے سے تجویز کی جائے۔ سالِ وفات میں اختلاف قائم کرنا ممکن نہ تھا اس لیے انہوں نے سالِ پیدائش میں اختلاف پھیلانے شروع کیے اور اتنے پھیلائے کہ حقیقت بہت حد تک پردے کے پیچھے چلی گئی۔

مرزا غلام احمد کی پیشگوئی کے مطابق اس کی عمر کم از کم ۷۴ر سال اور زیادہ سے زیادہ ۸۶ر سال ہونی چاہیے تھی۔ مرزا غلام احمد نے اپنا سالِ پیدائش اپنی تصنیف ''کتاب البریہ'' میں ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء لکھا ہے۔ مرزا صاحب کی وفات ۱۹۰۸ء میں اور وہ ۶۸ یا ۶۹ سال عمر پا کر اپنی پیشگویوں کو جھوٹا کرتے ہوئے اپنے برے انجام کو پہنچ گئے۔ اس کے بعد ان کے وارث ان کے بیان کردہ سن پیدائش کو غلط ٹھہرانے کے درپے ہوئے یہ سب اختلافات مرزا صاحب کی وفات کے بعد پیدا ہوئے، اور ان کا درجہ ایک ضرورت مند کی حیلہ سازیوں سے زیادہ نہیں ہے۔

سوال: مرزا غلام احمد نے کتنے حج یا عمرے کیے تھے؟

جواب: ایک بھی نہیں۔ مرزا غلام احمد نے اتنے الحادی اور کفری دعوے کر رکھے تھے کہ سلطنت برطانیہ کے باہر کسی اسلامی ملک میں قدم رکھنا اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ اسی وجہ سے وہ حج بھی نہ کر سکا تھا۔

پیش نظر رہے کہ مرزا غلام احمد کا دعویٰ تھا کہ وہ مسیح موعود ہے اور آنحضرت ﷺ حدیث میں فرما چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نزول کے بعد حج یا عمرہ ضرور کریں گے اور فج روحا **Fajj of Rowha** کے مقام سے احرام باندھیں گے۔ مرزا غلام احمد مسیح موعود ہونے کی اس شرط کو پورا کیے بغیر ہی دنیا سے چل بسے۔

سوال: ہمارے نبی کریم ﷺ نے جب خبر دی کہ غارِ حرا میں فرشتہ ان کے پاس آیا تو اس کی تصدیق سب سے پہلے کس نے کی؟

جواب: آپ ﷺ کی بیوی ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے۔ کیونکہ بیوی اپنے خاوند کو دوسرے ہر آدمی سے بہتر پہچانتی ہے، اس کا صدق و کذب بیوی سے چھپا نہیں رہتا۔

سوال: مرزا غلام احمد نے جب مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کی بیوی نے اس کی تصدیق کی یا تکذیب کی؟

جواب: مرزا غلام احمد کی بیوی نے اس کی تکذیب کی، تصدیق نہیں کی۔ اس کے بیٹوں سلطان احمد اور فضل احمد نے بھی اس وقت اس کی تصدیق نہ کی، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ بیوی اپنے خاوند کو بہتر جانتی ہے اور اس کا صدق و کذب اس سے چھپا ہی نہیں ہوتا۔

اس کے بعد کچھ اور سوالات بھی چلتے رہے۔ یہاں سب کے نقل کرنے کی گنجائش نہیں۔

حاضرین پر ان کا بہت اچھا اثر ہوا۔ بیشتر لوگوں نے عہد کیا کہ وہ مرزا غلام احمد کی سیرت قادیانیوں کی اصل کتابوں کے حوالے سے ذکر کیا کریں گے تاکہ کوئی شخص ان کے فریب کا شکار نہ ہونے پائے۔ مرزائیت کے سدباب کی اصل راہ یہی ہے۔ علمی مسائل میں وہ عوام کو مغالطہ دے سکتے ہیں لیکن مرزا غلام احمد کی تحریرات سے جان چھڑانا ان کے بس کا روگ نہیں، لیکن اہم مسئلہ ان کی کتب یہاں مہیا کرنے کا ہے۔ ہم نے وعدہ کیا کہ اس سلسلے میں ہم ہر ممکن تعاون کریں گے۔

۲۶ راگست کو ہم لاگوس واپس آئے۔ شیخ عبدالرحمٰن بن عوف ملحق دینی سفارہ سعودی کا اصرار تھا کہ نائیجیریا کے مشرقی علاقہ بنین وغیرہ میں بھی قادیانیت کے صحیح تعارف میں کچھ محنت ہو جائے مگر لاگوس پہنچے تو رمضان شریف شروع ہو چکا تھا اور ان دنوں مالکی حضرات کے ہاں مساجد میں تفسیر قرآن کا سلسلہ چلتا ہے اور لوگ زیادہ دیر جلسہ کے لیے نہیں بیٹھتے۔

۲۸ راگست ہم خرطوم روانہ ہوئے۔ خرطوم کے ویزے ہم نے لاگوس سے حاصل کر لیے تھے۔

دورۂ گیمبیا کے مجموعی تاثرات

(۱) گیمبیا میں اسلامی تہذیب گو آٹھ سو سال پرانی ہے لیکن انگریزوں نے اپنے دورِ اقتدار میں مسلمانوں کو پسماندہ کرنے کی بہت کوشش کی، جس طرح برصغیر پاک و ہند میں علماء کرام نے انگریزی اقتدار میں مدارسِ عربیہ کے قیام، علومِ دینی کی نشر و اشاعت اور دعوت وارشاد کے کام میں بہت محنتیں کی تھیں۔ اس انداز میں یہاں انگریزی دورِ حکومت یں بہت کم کام ہوا ہے۔ کئی

مساجد کے ائمہ تو قرآن و حدیث سے بے خبر ہیں۔ یہاں کے تمام مسلمان مالکی مسلک کے ہیں لیکن ہم نے ایک مدرسہ بھی ایسا نہیں دیکھا جہاں مؤطا امام مالکؒ پڑھائی جا رہی ہو۔

(۲) شیخ عبدالودود مبعوث سعودی دارالافتاء کے دینی مدرسہ میں حالات امید افزا نظر آئے۔ سعودی مبعوثین، جہاں انگریزی سکول میں علم پڑھاتے ہیں، وہاں وہ ان سکولوں کی منتظمہ کے زیر اثر رہ کر محض ان کی مشنری کا پُرزہ بن کر رہ جاتے ہیں اور اپنی فکر و عمل سے انہیں دینی کام کو آگے بڑھانے کا کوئی خاص موقع نہیں ملتا۔ شیخ عبدالودود کا گیمبیا میں دینی مدرسہ خالص اپنے دینی ماحول میں ہے اور اس پر کسی انگریزی سکول کی چھاپ نہیں ہے۔ اس طرح کے مدارس اگر دوسرے علاقوں میں بھی ہوں تو اس ملک میں دینی تدریس بہت جلد ابھر سکتی ہے۔

(۳) سری کنڈا میں سکینڈری سکول صرف قادیانی مشن کا ہے، حکومت کی طرف سے یا عیسائی مشنری کی طرف سے یا مسلمانوں کے کسی اپنے نظم کے تحت یہاں کوئی سکینڈری سکول نہیں۔ مسلمان بچے مجبوراً قادیانیوں کے سکول میں جاتے ہیں۔ یہاں کے عام لوگ غریب ہیں انہیں ترغیب بھی دی جائے تو وہ اس بڑے کام کی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی اسلامی ملک یہاں ایک تعلیمی مشن قائم کرے جو یہاں سکینڈری سکول قائم کرے اور سری کنڈا کے زعماء اس سے فکری تعاون کریں تو ایک بڑی دینی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ لیکن اس میں یہ احتیاط ملحوظ نظر ہونی چاہیے کہ گیمبیا کے کسی اور شہر کے لوگ ان کے نظم و عمل میں زیادہ دخیل نہ ہوں۔

(۴) سری کنڈا میں قادیانیوں کا سکینڈری سکول ہے لیکن ان کا قادیانی مشن یہاں نہیں ہے۔ اس کا مرکز کسی دوسری جگہ ہے سکول اوقات سے فراغت کے بعد ان کے اساتذہ اس جگہ چلے جاتے ہیں۔ یہاں بھی ضرورت ہے کہ سال میں ایک دفعہ ختم نبوت پر کام کرنے والے علماء کا دورہ ہوتا کہ ان دونوں جگہوں پر قادیانیوں کے پھیلتے ہوئے اثرات کو روکا جائے۔ یہاں قادیانیوں کو بے اثر کرنے کے مواقع بہت زیادہ ہیں کیوں کہ مسلمان آبادی ۸۷ ر فیصد کے لگ بھگ ہے اور اتنے عیسائی اور اسرائیلی یہاں موجود نہیں جو قادیانیوں کی گھانا اور سیرالون کی طرح پشت پناہی کر سکیں۔

(۵) مغربی افریقہ کے ممالک میں قادیانی مشن کے کارکن اور مبلغ اور قادیانی اسکول کے اساتذہ بیشتر پاکستانی ہوتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے تبلیغی مشن میں پورے تربیت یافتہ ہوتے ہیں یہاں اگر مسلمانوں کا سکینڈری سکول قائم ہو جائے تو اس کے استادوں میں پاکستانی ضرور ہونے چاہئیں کیونکہ وہ لوگ قادیانیوں اور ان کی ریشہ دوانیوں کے متعلق براہِ راست علم رکھتے ہیں۔ اور اس سے قادیانیوں کا یہ پروپیگنڈہ بھی غلط ہو جاتا ہے کہ پاکستان میں بس قادیانی ہی ہیں اور اسلامی سلطنت کے بارے میں ایک بڑا مغالطہ خود بخود پارا پارا ہو جاتا ہے۔

مناظرہِ ابادان (نائیجیریا) افریقہ

میدان مناظرہ سے مرزائیت کا فرار، اہل اسلام کی شاندار کامیابی (دیکھیے: ۹۲/۱ [ادارہ])

پیش لفظ

الحمد لله وحدهٗ والصلوٰة والسلام علىٰ من لا نبى بعدهٗ وعلىٰ اله واصحابه الذين اوفوا بعهدهٖ۔

اما بعد! تاریخ میں پہلا موقعہ تھا کہ افریقہ کے مغربی ساحل پر ختم نبوت کا قافلہ اترا۔قادیانی برسوں پہلے یہاں آئے تھے اور یہاں کے عام لوگوں کی علمی بے بسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے جابجا ارتداد کے نشتر لگائے تھے۔مرزا ناصر احمد نے ۱۹۷۰ء میں یہاں کا دورہ کیا اور ''افریقہ بول رہا ہے'' (Africa Speaks) کے نام سے اُس نے اپنے اس دورے کی روئداد شائع کی اس سے بات کھلی اور افریقہ کے مسلم حلقوں کو پہلی بار پتہ چلا کہ یہ لوگ اسلام کے نام سے کتنے سادہ دلوں کو ارتداد کی گود میں کھینچ چکے ہیں۔

شاہ فیصل مرحوم کو ان حالات سے بہت قلق تھا۔رابطہ عالم اسلامی اور دارالافتاء سعودی کی نظر اس فتنے کا پوری طرح احاطہ کر رہی تھی۔شیخ عبدالعزیز بن باز کا دردمند دل ارتداد کی ان اٹھتی لہروں سے تڑپ رہا تھا پاکستان میں مغربی افریقہ کی یہ خبریں زخمی دلوں پر نمک کا کام کر رہی تھیں اور ختم نبوت پر کام کرنے والے علماء مغربی افریقہ میں ختم نبوت کا وفد بھیجنے کے لیے مضطرب تھے۔محدث جلیل شیخ محمد یوسف بنوری صدر مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے دل سے اخلاص سے بھرپور دعا نکلی اور ختم نبوت کا پہلا قافلہ علامہ خالد محمود صاحب اور مناظر اسلام مولانا منظور احمد چنیوٹی پر مشتمل ۳۱ر جولائی ۱۹۷۶ء کو نائیجیریا کی لاگوس ائیر پورٹ پر اُتر گیا۔

۲ر اگست کو ختم نبوت کا یہ وفد لاگوس سے اباداں پہنچا۔مدیر المعہد العربی شیخ مرتضیٰ مالکی نے مع اپنے عملہ کے وفد کا استقبال کیا اور یہ علماء رئیس البعثۃ السعودیہ فی اباداں شیخ امانۃ اللہ کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔اباداں کی مرزائی عبادت گاہ (مرزاڑہ) واقع ''اڈیکان'' کے ارکان مسلمانوں کو مدت سے مرزا غلام احمد کی طرف دعوت دے رہے تھے۔شیخ مرتضیٰ نے موقع غنیمت سمجھتے ہوئے اِباداں کے دو معتبر آدمیوں کو ان کے پاس بھیجا اور کہا کہ ہم حاضر ہیں، بات کر لیجیے، لیکن بات غیر جانبدار جگہ میں ہونی چاہیے۔

مرزائی امام نے کہا کہ ہم اس کے لیے تیار نہیں۔البتہ اگر تم ہماری مسجد میں آؤ تو ہم مناظرہ کے لیے تیار ہوں گے۔

۴ر اگست کو شیخ مرتضیٰ اور شیخ عبدالوہاب خود ان کے پاس گئے اور بہت کہا کہ مناظرے ہمیشہ غیر جانبدار جگہ پر ہوتے ہیں۔تم اپنی مسجد کے لیے اصرار کیوں کر رہے ہو، مگر انہوں نے ایک نہ مانی اور ہر طرح سے پہلوتہی کی۔اب اس لیے کہ ان پر حجت پوری کی جائے۔ہم نے ان کے مرزاڑے میں جانا منظور کر لیا اور اس کے لیے مرزائی امام نے تحریر دے دی۔تین موضوع قرار پائے۔(۱) ختم نبوت (۲) ظہور مہدی (۳) نزول مسیح۔طے پایا کہ ۶ر اگست کو ۳ر بجے ان کی عبادت گاہ میں مناظرہ ہوگا۔جو ۶ر بجے تک جاری رہے گا۔

مسلمان، علامہ خالد محمود صاحب اور مولانا منظور احمد صاحب کو لے کر دس منٹ پہلے ہی اڈیکان کے مرزاڑے میں جا پہنچے۔ان کے ساتھ سعودی عرب کے علماء مبعوثین نائیجیری علماء و مبلغین اور بہت سے مسلمان زعماء بھی تھے۔مرزاڑے کا ہال مرزائیوں سے بھرپور تھا۔اہل حق کتابوں کا صندوق لیے اپنے سٹیج پر جا بیٹھے۔علماء اسلام کی تشریف آوری مرزائیوں کے لیے مصیبت اور پریشان دلوں کے لیے ایک ایمانی سہارا تھی۔اس وقت مسلم نوجوانوں کے جذبات اس حقیقت کا پتہ دے رہے تھے۔

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحان ہمارا

نوٹ: مناظرہ کی یہ کارروائی چند نائیجیری طلبہ نے عین موقعہ پر ہی انگلش میں ریکارڈ کر لی تھی۔ جن میں جناب صلاح الدین بوصیری کا مسودہ زیادہ مضبوط تھا۔ ہم نے ان سب مسودات کو ملایا اور بعض مبہم مقامات سے مولانا منظور احمد صاحب کو پوچھ کر یہ روئداد مرتب کی ہے۔ اس میں اصلاً کوئی ایسی بات نہیں جو خارج کی ہو۔ اُس وقت افادہ عام کے لیے ہم نے اُسے اردو میں تحریر کیا ہے۔ حالات نے مساعدت کی تو اصل انگریزی مسودہ اور پھر اس کا نائیجیری یوروبہ میں ترجمہ بھی شائع کیا جا سکے گا۔ **ان شاء الله الرحمن وهو المستعان وعليه التكلان مادام القمران وكر الجريدان.**

مناظرے کے ہال کا نقشہ

مشترکہ صدارت کی میز پر:

(۱) مدیر المعہد العربی شیخ مرتضٰی حسن مالکی (مسلمانوں کی طرف سے) **(Murtada)**

(۲) الحاجی ایس ایس بریموہ (مرزائیوں کی طرف سے) **(S.S.Buraimoh)**

مسلمان مناظرین:

علامہ خالد محمود ڈائریکٹر اسلامک اکیڈیمی آف مانچسٹر (انگلستان)

مولانا منظور احمد چنیوٹی مدیر العام ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد (چنیوٹ)

مرزائی مناظرین:

الحاجی اے بیلو **(A. Bello)**

الحاجی اے اے بیلو **(A.A Bello)**

برادر ایل او یوسف **(L.O. Yusuf)**

الحاجی امام ایچ ٹی دادا **(H.T. Dada)**

مترجمین:

انگریزی سے مقامی زبان **(Yoruboo)** میں...... شیخ عبدالوہاب اور شیخ عبدالغنی بدماصی۔

عربی سے مقامی زبان میں ترجمہ شیخ مرتضٰی (الرئیس)

تعارفی تقاریر **(Introductary Speeches)**

علامہ خالد محمود صاحب: (انگریزی میں)

ہم بہت خوش ہیں کہ آپ لوگوں نے ہمیں موقعہ دیا کہ ہم آپ کے پاس آ کر دین اسلام کی کچھ باتیں کہیں اور جہاں تک ہو سکے غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش کریں۔ آج کی گفتگو ہم سب کو ایک امن وسکون کے ماحول میں کرنی ہے۔ ہم سب کو ایک دن خدا کے حضور میں پیش ہونا ہے اور اپنے ایمان واعمال کے لیے جوابدہ ہونا ہے۔ میں اس دن کا تصور دلا کر جب اللہ رب العزت کی بطش شدید اور سخت پکڑ سے کوئی مجرم رستگاری نہ پا سکے گا۔ آپ سب حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ ضد اور تعصب کو چھوڑ کر ہر بات کو ٹھنڈے دل سے سوچیں اور اسے اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں۔

امام ایچ ٹی دادا

میں آپ سب لوگوں کو خوش آمدید کہتا ہوں۔آپ ہماری مسجد میں تشریف لائے ہیں۔میری سب حاضرین سے درخواست ہے کہ نہایت امن اور خاموشی سے اپنی اپنی جگہ بیٹھیں۔صدر صاحبان، مناظرین اور مترجمین کے علاوہ کوئی صاحب بلا اجازت بات نہ کریں۔اسی طرح ہم سب مل کر اس مجلس کو کامیاب بنا سکتے ہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب (انگریزی میں)

ہم یہاں نو وارد ہیں۔آپ لوگوں کے بارے میں ہمیں تفصیلی حالات معلوم نہیں، ہم نہیں جانتے کہ آپ کا تعلق مرزا غلام احمد کے ساتھ کس جہت سے ہے؟ مناظرہ شروع ہونے سے پہلے ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ آپ مرزا غلام احمد کو کیا مانتے ہیں؟ براہِ کرم پہلے آپ اپنے عقیدے کی وضاحت کریں۔

امام ایچ ٹی دادا

(مقامی زبان میں) انگریزی میں ترجمہ شیخ الوہاب نے کیا۔

ہم مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتے۔وہ نبی یا رسول نہ تھا آخری رسول اور نبی محمد رسول اللہ ہیں۔ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہ آئے گا۔مرزا غلام احمد ایک ریفارمر تھا۔ہم اسے مجدد مانتے ہیں، نبی نہیں مانتے۔

علامہ خالد محمود صاحب (انگریزی میں)

آپ کے تحریر کردہ متن موضوعات مناظرہ میں سے پہلا موضوع ختم نبوت تھا۔آپ کے اس جواب سے یہ موضوع ختم ہو گیا ہے۔آپ نے تسلیم کر لیا ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی پیدا نہ ہو گا۔اب مناظرہ دوسرے موضوع پر ہو گا کہ مرزا غلام احمد کا مہدی ہونے کا دعویٰ درست تھا یا اس نے اللہ اور اس کے دین پر ایک افتراء کیا ہے؟

امام ایچ ٹی دادا

(مقامی زبان میں) ترجمہ شیخ عبدالوہاب

تحریر کا پہلا موضوع ختم نہیں ہوا، ہم صرف یہ نہیں کہہ رہے کہ ہم مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اس نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔آپ کہیں نہیں دکھا سکتے کہ مرزا غلام احمد نے کبھی نبوت کا دعویٰ کیا ہو اور کہا ہو کہ وہ نبی اور رسول ہے۔(اب یہاں سے مناظرہ شروع ہو جاتا ہے۔)

علامہ خالد محمود صاحب (انگریزی میں)

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی، اللہ خیر اما یشرکون، ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین.

حضرات یہ میرے ہاتھ میں مرزا غلام احمد کی کتاب حقیقۃ الوحی مع استفتاء موجود ہے۔یہ کتاب ۱۹۰۷ء کی تصنیف ہے۔اس کے ضمیمہ استفتاء کے ص ۸۷ پر مرزا غلام احمد نے اپنے اُوپر وحی کے نازل ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ خدا نے کہا: **انک لمن المرسلین.** (ص ۸۷) ''بیشک تو رسولوں میں سے ہے۔''

لیجیے! ہم نے مرزا غلام احمد کی کتاب سے اس کے دعویٰ رسالت کا حوالہ پیش کر دیا ہے۔ کتاب کا یہ اڈیشن مرزائیوں کی لاہوری جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا شائع کردہ ہے۔ اس کے صفحہ نمبر ۱۵۰ پر بھی ہے۔

خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی، اس نے مجھے اس عقیدہ پر نہ رہنے دیا اور صریح طور نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی۔

الحاجی اے بیلو (مرزائی مناظر)

لوگو! یہ کتاب ہماری نہیں ہے۔ کسی شخص نے جعلی بنا کر مرزا غلام احمد کے نام منسوب کر دی ہے۔ مرزا غلام احمد کا عقیدہ ان کی کتاب حمامۃ البشریٰ کے صفحہ ۲۷ پر صاف طور پر درج ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حدیث **" لا نبی بعدی "** صحیح اور قطعی ہے جو حضور خاتم النبیین کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ کذاب اور مفتری ہے۔ میں شیخ مرتضٰی سے کہتا ہوں کہ وہ حمامۃ البشریٰ کی اس عبارت کا عربی سے یوروبہ میں ترجمہ کر کے سنائیں۔

علامہ خالد محمود صاحب

مرزا غلام احمد نے اپنا عقیدہ تدریجاً تبدیل کیا تھا۔ ختم نبوت کے بارے میں اس کا عقیدہ پہلے مسلمانوں کا سا تھا۔ پھر اس نے اس میں تبدیلی کی ''حقیقۃ الوحی'' کے دوسرے الفاظ بھی تبدیلی عقیدہ کا پتہ دیتے ہیں۔ ''حمامۃ البشریٰ'' میں جو عقیدہ درج ہے وہ پہلے کا ہے۔ یہ کتاب ۱۸۹۳ء، ۱۳۱۱ھ میں چھپی تھی اور حقیقۃ الوحی مرزا غلام احمد کی وفات سے صرف ایک سال پہلے کی ہے اور مرزا غلام احمد کی آخری کتابوں میں سے ہے۔ پس دونوں کتابوں کے تعارض کی صورت میں حمامۃ البشریٰ کی عبارت منسوخ اور حقیقۃ الوحی کی بات ناسخ سمجھی جائے گی۔ مرزا غلام احمد نے عقیدہ ختم نبوت میں تبدیلی نہ کی ہوتی تو مرزائیوں میں دو گروہ کیوں بنتے؟ ایک اس کے پہلے عقیدہ کو اٹھائے پھرتا ہے اور دوسرا اس کے آخری عقیدہ کے مطابق اسے خدا کا نبی اور رسول مانتا ہے۔

امام ایچ ٹی دادا

مرزا غلام احمد نے حقیقۃ الوحی ہرگز نہیں لکھی۔ جب وہ نبی اور رسول ہی نہیں تو وہ وحی کے مدعی کیسے ہو سکتے تھے اور حقیقۃ الوحی کیسے لکھ سکتے تھے؟ اس نام کی مرزا صاحب کی کتاب نہیں۔ یہ کتاب جعلی ہے۔ کسی کذاب نے اُن کے نام سے لکھ کر ان کی طرف منسوب کر دی ہے۔ ایک مسلمان کیسے نبی ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے؟

مولانا منظور احمد چنیوٹی (عربی میں) ترجمہ شیخ مرتضٰی

آپ لکھ دیں کہ حقیقت الوحی کا مصنف دجال اور کذاب ہے۔ کافر ہے، بے ایمان ہے اور جعلساز ہے۔ آپ جو جواب دے رہے ہیں۔ اگر آپ کو یقین ہے کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں تو لکھ کر دیں۔ ہم اپنے صدر شیخ مرتضٰی سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ ان سے یہ بات لکھوا لیں، لکھوائے بغیر نہ چھوڑیں اور اس پر اُن کے یہ چاروں مناظر دستخط کریں۔ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حقیقۃ الوحی کا مصنف کذاب اور دجال ہے۔

امام ایچ ٹی دادا

جب ہم سب کے سامنے کہہ رہے ہیں کہ حقیقۃ الوحی لکھنے والا کذاب اور جعلی شخص ہے تو یہ کیا لکھنے سے کم ہے؟ اتنے لوگوں

کے سامنے کیا ہم جھوٹ بول رہے ہیں؟ ہم ہرگز لکھ کر نہ دیں گے۔ میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ بھی بیان کریں کہ آپ کا عقیدہ مرزا غلام احمد کے بارے میں کیا ہے؟ ہم تو اُسے مجدد مانتے ہیں۔ نبی نہیں مانتے۔

علامہ خالد محمود صاحب

آپ پہلی بات طے کئے بغیر دوسری بحث میں نہیں جاسکتے۔ آپ حقیقۃ الوحی کو مرزا غلام احمد کی کتاب نہیں مانتے تو یہ لیجیے میرے ہاتھ میں قادیان کا پرانا اخبار ''بدر'' موجود ہے۔ یہ پرچہ مرزا غلام احمد کی زندگی کا چھپا ہوا ہے اور اس پر ۲۵/ اکتوبر ۱۹۰۶ء کی تاریخ درج ہے۔ اس کے صفحہ ۴ پر لکھا ہے۔

غلام احمد رسول اللہ...... بدر ۲۵/ اکتوبر ۱۹۰۶ء

اس کے بارے میں لاہوری مرزائی نہ کہہ سکیں گے کہ یہ قادیانیوں نے چھپوا لیا ہوگا۔ یہ مرزا غلام احمد کی زندگی کا چھپا ہوا پرچہ ہے اور اس کے دو سال بعد مرزا صاحب کی وفات ہوئی تھی۔

الحاجی اے اے بیلو (بات کاٹتے ہوئے)

یہ اردو میں ہے یا عربی میں؟

علامہ خالد محمود صاحب:

یہ الفاظ غلام احمد رسول اللہ عربی اور اُردو میں ایک ہی طرح لکھے جاتے ہیں۔ دونوں زبانوں کے ابجد ایک سے ہیں۔ اسے اردو رسم الخط میں لکھیں یا عربی رسم الخط میں۔ اس کے حروف ایک سے ہیں جو عربی پڑھ سکتا ہے۔ وہ اسے اردو میں بھی پڑھ سکتا ہے۔ یہاں صاف لکھا ہے۔ غلام احمد رسول اللہ۔

برادر ایل اویوسف

مرزا غلام احمد کے دعویٰ نبوت کے بارے میں جو کتاب اور جو عبارت بھی آپ پیش کریں، سب جعلی ہیں۔ ہم حقیقۃ الوحی کے بارے میں صاف کہہ چکے ہیں کہ یہ جعلی کتاب ہے۔ کسی کذاب نے لکھی ہے۔ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ جو کہتے ہیں کہ خاتم النبیین کے بعد کسی کو خدا نے کہا ہے: **انک لمن المرسلین.** وہ دجال و کذاب ہے۔ جب ہمارا عقیدہ یہ ہے تو کیسے مان لیں کہ یہ کتاب مرزا صاحب کی ہے۔ آپ دوسرا موضوع شروع کریں۔

فضیلۃ الشیخ امانت اللہ

آپ ایک اس شخص کو مجدد مانتے ہیں جو نبوت کا مدعی ہے۔ اس کا ثبوت ہماری طرف سے پیش ہو چکا ہے۔ کتاب حقیقۃ الوحی ہم نے پیش کی ہے کہ یہ مرزا غلام احمد کی کتاب ہے اور اسے مرزائیوں کی لاہوری جماعت نے بھی شائع کیا ہوا ہے اور یہ وہی اڈیشن ہے۔ اگر یہ کتاب جعلی ہے تو اس کا جعلی ہونا ثابت کرنا یہ تمہارے ذمہ ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ اسے جعلی ثابت کرو اور دلائل پیش کرو کہ یہ جعلی کیسے ہے؟ آپ کا یہ کہنا کوئی وزن نہیں رکھتا کہ ہم اس کتاب کو نہیں مانتے۔

علامہ خالد محمود صاحب: یہ لیجیے مرزا غلام احمد کی کتاب خطبہ الہامیہ ہے یہ ۱۹۰۲ء کی تحریر ہے اس میں لکھا ہے: **و کیف یتحقق مفهوم لفظ منهم من غير ان يكون الرسول موجوداً فی الاخرين** ۔ خطبہ الہامیہ ص: ۱۸۱، طبع اول۔

''(قرآن کی آیت و آخرین منہم لما یلحقوا بھم میں) لفظ منہم کیسے درست ہوسکتا ہے۔ اگر آخری دور میں کوئی رسول موجود نہ ہو۔''

امام ایچ ٹی دادا: آپ اب دوسرا موضوع شروع کریں اور بتائیں کہ اس چودھویں صدی کا جو ختم ہو رہی ہے۔ مجدد کون تھا؟ الحاج اے بیلو، سنن ابی داؤد نکال کر امام دادا کو دیتا ہے یہ حدیث میں موجود ہے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آتا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے، آپ اس صدی کے مجدد کا نام بتائیں وہ کون تھا؟

علامہ خالد محمود صاحب: مجدد دین کے بارے میں دو اصولی باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں۔ پھر بات کا سمجھنا اور جواب آسان ہو جاتا ہے۔ پہلی بات یہ کہ مجدد کے لیے دعوٰی کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ مجدد دین اپنا کام کرتے ہیں اور ان کے عمل سے دین کی ان غلط باتوں سے تطہیر ہوتی رہتی ہے۔ جو لوگ رواجاً یا نفاقاً اس میں ملا دیتے ہیں...... یہ ضروری نہیں کہ مجدد پہلے بتلائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے۔ نہ لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسے بحیثیت مجدد پہچانیں۔ اگر وہ اسے مجدد جانے بغیر بھی اس سے علم و عمل کا فیض پالیں تو کافی ہے۔ ثانیاً ضروری نہیں کہ ایک صدی کا مجدد صرف ایک شخص ہی ہو، ایک صدی میں کئی مجدد بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ حدیث کے الفاظ۔ **من یجدد لھا دینھا**۔ واحد اور جمع دونوں کو شامل ہیں اور اس امت میں ایک ایک صدی میں کئی کئی مجدد ہوتے رہے ہیں۔

امام ایچ ٹی دادا: آپ نے ابھی تک نہیں بتایا کہ اس چودھویں صدی کا مجدد کون تھا؟ ہم تو مرزا غلام احمد کو مجدد مانتے ہیں۔ جو تیرھویں صدی کے آخر میں اس چودھویں صدی کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ آپ بتائیں کہ اس صدی کا مجدد کون ہے؟

علامہ خالد محمود صاحب: میں ابھی بتاؤں گا کہ اس چودھویں صدی کے مجدد دین کون کون تھے؟ لیکن آپ اس بات کو ضرور یاد رکھیں کہ مجدد کے لیے دعوٰی کرنا ضروری نہیں اور ہمیں اُسے بطورِ مجدد کے جاننا ضروری نہیں اور یہ کہ مجدد ایک صدی میں کئی بھی ہوسکتے ہیں۔ جہاں تک میرے علم کا تعلق ہے۔ اس چودھویں صدی کے مجدد دین میں جلالۃ الملک ملک عبدالعزیز والی سعودی عرب اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست ہیں۔

امام ایچ ٹی دادا: ان میں سے کسی نے مجدد ہونے کا دعوٰی نہیں کیا۔

علامہ خالد محمود صاحب: مجدد کے لیے دعوٰی کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ نہ شریعت میں اس کی ضرورت ہے۔ شریعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہو چکی ہے۔ اب اس کی تکمیل یا تطہیر میں کوئی شخص آئینی طور پر اس میں داخل نہیں ہوسکتا۔ مجدد اپنا کام کرتے ہیں اور دین کی خدمت ہوتی چلی جاتی ہے۔ اگر ہر صدی کے لوگوں کو یہ جاننا ضروری ہے کہ اس وقت کا مجدد کون ہے تو امام ایچ ٹی دادا بتائیں کہ اب تو چودھویں صدی انتہاء کو آپہنچی ہے۔ اس وقت پندرھویں صدی کا مجدد کون ہے؟

امام ایچ ٹی دادا: آپ بتائیں کہ مرزا غلام احمد صاحب کو کیا مانتے ہیں؟ آپ انہیں اگر مجدد نہیں مانتے، ہندوستان اور پاکستان کے رہنے والے سب لوگ انہیں کچھ نہ کچھ تو مانتے ہوں گے؟

علامہ خالد محمود صاحب: ہم مرزا غلام احمد کو اس کے سب آسمانی دعووں میں جھوٹا اور کذاب مانتے ہیں۔ مرزا صاحب نے تو خدائی صفات کا دعوٰی بھی کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بھی باندھے ہیں۔ یہ لیجیے! میرے ہاتھ میں مرزا غلام احمد کی ۱۹۰۲ء کی

تصنیف خطبہ الہامیہ ہے۔اس میں مرزا غلام احمد کا دعویٰ ہے۔

واعطیت صفة الافناء والاحیاء . (خطبه الهامیه ص ۲۳، طبع ۱۹۰۲ء قادیان) ’’اور میں موت دینے اور زندہ کرنے کی صفات دیا گیا ہوں۔‘‘

حضرت ابراہیم علیہ السلام تو خدا کی یہ صفت بتلائیں کہ وہ زندہ کرتا ہے۔اور مارتا ہے۔**ربی الذی یحیی ویمیت. پ ۳، البقرہ** (قرآن کریم)

اور مرزا غلام احمد یہ کہے کہ موت وحیات میرے قبضے میں ہے۔استغفر اللہ۔

امام ایچ ٹی دادا: ابھی پہلی بحث باقی ہے۔آپ بتائیں کہ چودھویں صدی کے مجدد ہونے کا دعویٰ مرزا صاحب کے سوا اور کس نے کیا ہے؟

لوگوں نے کہا کہ یہ بات پہلے ہو چکی ہے کہ مجدد کے لیے دعویٰ ضروری نہیں ہوتا۔

علامہ خالد محمود صاحب: آپ پھر خلط بحث کر رہے ہیں۔مرزا غلام احمد نے واقعی خدائی صفات کا دعویٰ کیا ہے۔قرآنِ پاک خدا کی شان بتلاتا ہے کہ **کن** کہہ کر وہ سب کچھ بنا دے۔**انما امرہ اذا اراد شیئًا ان یقول لہٗ کن فیکون پ ۲۳ یاسین .**

اور مرزا غلام احمد کہتا ہے کہ خدا نے مجھے وحی کی اور یہ مقام بخشا ہے۔

انما امرک اذا اردت شیئًا ان تقول لہٗ کن فیکون. (استفتاء ضمیمه حقیقة الوحی، ص ۸۷) ’’بیشک تو جس کام کا ارادہ کرے تو یہی کہ تو کن کہے اور سب کچھ ہو جائے۔‘‘

قرآن کی رو سے یہ **کن فیکون** خدا کی شان ہے۔کوئی بندہ خدا کی صفات کا مالک نہیں ہو سکتا کہ **کن** کہہ کر جہاں بنا ڈالے۔

مرزا غلام احمد نے اپنے لڑکے کے بارے میں بھی دعویٰ کیا تھا کہ گویا خدا آسمان سے اتر پڑا ہے۔مرزا اپنے لڑکے مبارک احمد کے بارے میں یہ خدائی الہام لکھتا ہے:

انا نبشرک بغلام مظھر الحق والعلاء کان اللّٰہ نزل من السماء۔[حقیقۃ الوحی:۹۵۔استفتاء:۸۵]’’ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔ جو حق اور بلندی کا مظہر ہوگا (یوں سمجھو) گویا خدا ہی آسمان سے اتر پڑا ہے۔‘‘[انجام آتھم:۶۲]

مرزا غلام احمد کہتا ہے کہ مجھے خدا نے کہا:

تو مجھ سے ہے، میں تجھ سے ہوں۔**انت منی وانا منک. [حقیقة الوحی: ۷۴]**

حالانکہ قرآن کریم میں ہے: **لم یلد ولم یولد.** نہ خدا نے کسی کو جنا، نہ وہ کسی سے جنا گیا۔پھر مرزا غلام احمد نے اس الہام کا بھی دعویٰ کیا ہے۔**انت منی بمنزلة ولدی. [حقیقة الوحی: ۸۶، استفتاء: ۸۲]**’’تو میرے لیے میرے لڑکے کے درجے میں ہے۔‘‘

جب خدا کا کوئی لڑکا نہیں تو کوئی اس کے درجے میں کیسے ہوسکتا ہے؟ جب کوئی اصل نہیں تو اس کا مثل کیسے ہوگا؟ یہ صریح کفر وشرک کا ارتکاب ہے۔

امام ایچ ٹی دادا: ہم پہلے کتنی دفعہ کہہ چکے ہیں کہ حقیقۃ الوحی کسی جعلساز اور کذاب کی کتاب ہے۔ یہ سب خدائی صفات کے دعوے اسی جعلی کتاب کے ہیں۔ آپ لوگوں میں ہمت ہے تو چودھویں صدی کا مجدد بتائیں۔

علامہ خالد محمود صاحب: میں نے پہلے بھی بتلایا ہے اور اب پھر کہتا ہوں کہ چودھویں صدی کے مجدد ملک عبدالعزیز والی سعودی عرب تھے اور ان کا حرمین شریفین کو شرک وبدعت سے پاک رکھنا واقعی تجدیدی کارنامہ ہے اور مورخین اسلام نے آپ کو مجدد دین قرن رابع عشر میں شمار کیا ہے۔

امام ایچ ٹی دادا: آپ نے یہ جو کہا ہے کہ مرزا صاحب نے حضور رسولِ پاک ﷺ پر جھوٹ باندھے۔ اس لیے وہ مجدد نہیں ہوسکتے۔ آپ نے اس کا کوئی ثبوت پیش کیا۔ پس اس صدی کے مجدد مرزا صاحب ہی ہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب: قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ قیامت کا علم (کہ کب واقع ہوگی)۔ اللہ رب العزت نے کسی کو نہیں دیا۔ صرف اسی کو علم ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ مگر مرزا غلام احمد اپنی کتاب ازالہ اوہام میں لکھتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت ایک سو کے بعد واقع ہوجائے گی۔ یہ لیجیے۔

[ازالہ اوہام:۱۰۶]

آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج کی تاریخ سے سو برس تک تمام بنی آدم پر قیامت آجائے گی۔

مرزا غلام احمد کا یہ حضور ﷺ پر کھلا افتراء ہے۔ حضور ﷺ تو یہ فرمائیں کہ قیامت کب آئے گی۔ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور یہ بھی فرمائیں: **ما المسئول عنها باعلم من السائل.** اور مرزا غلام احمد یہ کہے کہ حضور ﷺ نے مدت بھی بتلادی تھی کہ ایک سو برس تک قیامت آجائے گی۔ یہ میرے ہاتھ میں مشکوٰۃ ہے۔ اس کے صفحہ پر یہ حدیث موجود ہے۔ جس کا مرزا غلام احمد نے حوالہ دیا ہے اور اس میں تحریف کی ہے۔ حضور ﷺ نے کہا تھا: **تسئلونی عن الساعة وانما علمها عند الله.** ''تم مجھ سے قیامت کا پوچھتے ہو کہ کب آئے گی، اس کا علم تو بس اللہ کے پاس ہی ہے۔'' (مشکوٰۃ مع انگریزی ترجمہ)

الحاجی اے اے بیلو، امام ایچ ٹی دادا: یہ اور موضوع ہے۔ ہم اس میں بحث نہیں کرتے۔ آپ پہلے یہ بتائیں کہ چودھویں صدی کا مجدد کون ہے؟ چودھویں صدی کا مجدد مہدی بھی ہوگا۔ آپ نے جو مجدد دین بتائے ہیں۔ ان میں سے کسی نے مہدی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ یہ چودھویں صدی کے مجدد نہیں ہوسکتے۔ حدیث میں ہے کہ مہدی چودھویں صدی میں آئے گا اور وہی چودھویں صدی کا مجدد ہوگا۔

جب مترجم اس کا مقامی زبان اور عربی میں ترجمہ کر چکے تو مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی نے گرجتے ہوئے کہا۔

مولانا منظور احمد چنیوٹی: یہ حدیث دکھاؤ جس میں چودھویں صدی کا صریح ذکر ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہو کہ مہدی چودھویں صدی میں آئے گا۔ اگرچہ وہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو، ہمارا چیلنج ہے کہ آپ قیامت تک ایک ایسی حدیث نہیں دکھا سکتے جس

میں حضور ﷺ نے صریح طور پر فرمایا ہو کہ مہدی کا ظہور چودھویں صدی میں ہوگا۔

الحاجی اے اے بیلو: احادیث صریحہ میں آیا ہے کہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا، اور وہ چودھویں صدی کا مجدد ہوگا۔ کیا آپ ان احادیث صریحہ کے منکر ہیں؟

مولانا منظور احمد چنیوٹی: آپ حضور ﷺ پر پھر افتراء باندھ رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے کسی حدیث میں نہیں فرمایا کہ مسیح یا مہدی کا ظہور چودھویں صدی میں ہوگا۔ پہلے مرزا غلام احمد (۱) نے حضور ﷺ پر یہ افتراء باندھا تھا اور اب آپ اسی جھوٹ کو دہراتے جا رہے ہیں۔

الحاجی اے اے بیلو: چودھویں صدی کا ذکر حضور ﷺ کی حدیث میں موجود ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب نے حضور ﷺ پر جھوٹ ہرگز نہیں باندھا۔ یہ حدیث ''جواہر الاسرار'' میں موجود ہے۔

مولانا منظور احمد چنیوٹی: ''جواہر الاسرار'' پیش کرو۔ اس میں بھی یہ حدیث جس میں قرن رابع عشر کا ذکر ہو، ہرگز موجود نہیں، یہ بھی تمہارا جھوٹ ہے جو اس کتاب کے ذمے لگا رہے ہو۔

امام ایچ ٹی دادا: اس وقت یہ کتاب ہمارے پاس نہیں ہے، لیکن یہ صحیح ہے کہ اس میں یہ حدیث موجود ہے۔

مولانا منظور احمد چنیوٹی: یا کتاب پیش کرو، ورنہ اس کا حوالہ دینا بند کرو۔ حدیث کی کسی کتاب سے حضور ﷺ کے نام سے قرن رابع عشر کا لفظ دکھاؤ، نہیں تو تسلیم کرو کہ مرزا غلام احمد کذاب اور دجال ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: **من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار۔** جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے۔ وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنا لے یا تو مرزا غلام احمد کو جہنمی تسلیم کرو یا حدیث میں چودھویں صدی کا لفظ دکھاؤ۔

الحاجی اے اے بیلو: یہ دیکھو ہمیں کتاب جواہر الاسرار مل گئی ہے۔ اس میں یہ حدیث موجود ہے۔

علامہ خالد محمود صاحب اس کتاب کو ہاتھ میں لے کر اس حوالے کو دیکھتے ہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب: اس حوالے میں قرن رابع عشر کا لفظ کہیں نہیں ہے۔ (مرزائی مناظرین کی طرف رخ کر کے) چودھویں صدی کا ذکر اس میں کہاں ہے؟ دکھاؤ یہ تم نے سب کے سامنے کتنا بڑا جھوٹ بولا ہے۔

ع چہ دلاور است دُزدے کہ بکف چراغ دارد

اس وقت مرزائی مناظرین کی حالت دیکھنے کے لائق تھی۔ یہ جگہ ان کا اپنا مرزا ڑہ تھی۔ کہیں بھاگ کر بھی نہ جا سکتے تھے اور اتنے شرمندہ اور نادم تھے کہ سر بھی اُوپر نہ اُٹھا سکتے تھے۔

ع نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن

مولانا منظور احمد چنیوٹی: ہم ان مرزائیوں کے صدر سے پوچھتے ہیں کہ یا تو ان سے حدیث میں چودھویں صدی کا لفظ پوچھ کر ہمیں دکھائیں یا صاف اقرار کریں کہ ان کے مناظرین یہ اپنا پیش کردہ حوالہ کہیں دکھا نہیں سکے۔

---

(۱) مرزا غلام احمد نے اپنی کتاب ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۸۸ میں حضور پر یہ جھوٹ باندھا ہے۔ جس کا دل چاہے، اصل کتاب دیکھ لے۔

مرزائی صدر: ہمارے مناظرین چودھویں صدی کا لفظ واقعی کسی حدیث سے نہیں دکھا سکے۔

اس پر مناظرہ ختم ہوگیا۔ چھ بج چکے تھے اور یہی مناظرہ کا آخری وقت مقرر تھا۔

مرزائیوں کا اپنے گھر میں یہ حال تھا کہ ڈوب مرنے کو پانی نہ تھا، اور ان کی اس ذلت و رسوائی سے پورے علاقے میں مرزائیوں شوکت پامال ہوگئی۔ نائیجیریا میں مرزائیت کے خاتمہ کے لیے یہ مناظرہ ایک تاریخی یادگار رہے گا۔ اس مناظرے کے بعد سینکڑوں مرزائی مسلمان ہوئے۔ وللہ الحمد

[صلاح الدین بوصیری/رُوداد دورۂ افریقہ (علامہ خالد محمود و مولانا منظور احمد چنیوٹی) اشاعت اول ۱۹۷۷ء/مطبوعہ، لاہور]

حضرت حکیم الامتؒ پر قادیانیوں کا الزام اور علامہ خالد محمود کی جرأت علمی:

قادیانیوں کے مورخ دوست محمد شاہد نے روزنامہ ''الفضل'' ربوہ (حالاً چناب نگر) کی مؤرخہ ۵/مئی اور ۷/مئی ۱۹۸۳ء کی اشاعتوں میں حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کی معروف کتاب ''**المصالح العقلیه**'' کی چند عبارات کو نشانہ بنا کر یہ الزام عائد کیا کہ حضرت مولانا تھانویؒ نے یہ عبارتیں من وعن مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے بایں معنی سرقہ کی ہیں کہ مرزا صاحب کا نام اور ان کی کتابوں کے حوالے درج نہیں کیے اور مرزا غلام احمد قادیانی کی پانچ عدد مطبوعہ کتابوں میں یہ عبارتیں جوں کی توں پہلے سے موجود تھیں۔ مولوی دوست محمد شاہد کا یہ مضمون قادیانیوں کے ایک ہفت روزہ اخبار ''لاہور'' نے بھی کو بارِ دگر شائع کیا۔ اس مضمون نے عوام وخواص کے اندر ایک ہیجانی سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ علامہ خالد محمود اللہ کا شیر بن کر میدان عمل میں اترا اور آپ نے قادیانی کذابوں کا علمی تعاقب کر کے ان کی تمام ترنخوتوں کو اس قدر ریت کی ڈھیری میں تبدیل کر کے رکھ دیا کہ ماضی کے اس ریکارڈ کو پڑھ کر آج بھی قادیانی اپنے کلیجے تھام کے بیٹھ جاتے تھے۔ قادیانیوں کی یہ تذلیل اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا دفاع اللہ کریم نے علامہ صاحب کے مقدرِ علمی میں رکھا تھا۔ چنانچہ علامہ صاحب نے ماہنامہ ''الرشید'' ساہیوال کے اگست ۱۹۸۳ء کے شمارہ میں قادیانیوں کی اس خیانت کا پردہ اپنے ایک مقالہ میں چاک کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں آخذ و مصادر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میری اس کتاب میں حوالہ جات کہاں کہاں سے لئے گئے ہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ مرزا غلام احمد نے اپنی پانچ عدد کتابوں میں جو عبارتیں لکھی ہیں وہ اس کی اپنی نہیں ہیں بلکہ انہوں نے اپنے معاصر ایک مولانا، مولوی محمد فضل خان کی کتاب ''اسرارِ شریعت'' سے سرقہ کی ہیں۔ مولوی محمد فضل خان موضع چنگا بنگیال تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی کے رہنے والے تھے، انگریز حکومت میں ان کا کافی اثر ورسوخ تھا۔ اور طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں وہ علماء غیر مقلدین کے ''مقلد'' تھے، یعنی ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک شمار کرتے تھے۔ ان کی کتاب ''اسرارشریعت'' تین جلدوں میں ہے، جو اردو میں تالیف کی گئی تھی۔ اس کتاب میں مولف نے احکام شریعہ کو عقلی وفطری استناد مہیا کرنے کی کوشش کی تھی، ناپختگی کی بناء پر انہوں نے صفحہ بہ صفحہ ٹھوکریں بھی کھائی ہیں اور بے بنیاد باتوں سے اپنی کتاب کا پیٹ بھرا ہے۔ تاہم بقول علامہ صاحب کے اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی محمد فضل خاں صاحب کو یہ کتاب لکھنے کے لیے اچھی خاصی کتابوں کی

ورق گردانی کر کے یہ مہم جوئی مکمل کرنا پڑی تھی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے اپنی کتابوں مثلاً کشتی نوح، آریہ دھرم، برکات الدعاء نسیم دعوت اور ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' وغیرہم میں مولوی محمد فضل خاں کی ''اسرار شریعت'' سے عبارتیں چرائی ہیں۔

علامہ خالد محمود کے جوابی مضمون نے ماہ نامہ ''الرشید'' کے بعد ستمبر ۱۹۸۳ء میں ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور میں بھی شائع ہو کر دھوم مچادی تھی۔ علامہ صاحب کا موقف تھا کہ مرزا غلام احمد کی وفات ۱۳۲۶ھ میں ۶۸ رسال کی عمر میں ہوئی اور ''اسرار شریعت'' کتاب ۱۳۲۷ھ میں چھپی لازمی بات ہے کہ مذکورہ کتاب نے مرزا کی زندگانی میں ہی ترتیب پائی اور جونہی یہ کتاب چھپی تو مرزا قادیانی کے خلیفہ خاص اور پس مرگ جانشین بنائے جانے والے حکیم مولوی نورالدین بھیروی نے اس کتاب کے بیس عدد نسخوں کا آرڈر دے منگوائے اور پھر تقسیم کیے۔ اور ''اسرار شریعت'' جلد دوم کے آخری صفحہ پر یہ اعلان نشر کیا گیا کہ امام فرقہ احمدیہ علامہ حکیم نورالدین بھیروی نے از رہ ہمدردی بیس نسخے خرید کر کے منگوائے۔ ظاہری بات ہے کہ یہ کتابیں اسرار شریعت پہلی جلد کی اشاعت ہی منگوائی گئی تھی تبھی جلد دوم میں اعلان چھپا اور اس سارے سلسلہ کو کم از کم تین چار سال ضرور لگ گئے ہوں گے۔ اس قسم کے انکشافات پر مبنی پانچ بڑے انکشافات اور پھر مولوی محمد فضل خاں اور مرزا قادیانی کی کتابوں کی عبارات آمنے سامنے درج کر کے علامہ صاحب نے دعوی کر دیا کہ مرزا قادیانی خود بہت بڑا سارق اور خائن تھا اور سارقِ نبوت اگر کسی معاصر علمی شخصیت کی کتابوں کا سارق علمی بن جائے تو اس میں کیا بعید ہے؟ (دیکھیے: ۲/۳۲۷......۳۲۰/۲ [ادارہ])

علاوہ ازیں علامہ صاحب نے مرزا قادیانی کے مولوی چراغ علی کے نام چند ایسے خطوط بھی پیش کیے ہیں جن میں مرزا صاحب نے اُن سے اپنی غیر مطبوعہ کتابوں کے مسودات برائے استفادہ طلب کیے ہیں، اسی طرح اگر مرزا صاحب نے مولوی محمد فضل خاں سے بھی علمی مدد مانگ لی ہو یا ان کے قلمی مسودوں سے استفادہ کیا ہو تو یہ بالکل قرین قیاس ہے اور کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے زیر بحث عبارات کتاب ''اسرار شریعت'' سے لی ہیں نہ کہ مرزا قادیانی کی کتاب ''کشتی نوح'' سے یا کسی اور سے! اس طرح علامہ صاحب نے مولوی محمد فضل خان صاحب کا تعارف کرواتے ہوئے ان کے پوتے پروفیسر آصف خان کے انکشافات بھی حاصل کیے اور فرمایا کہ مولوی محمد فضل خان کے چونکہ معاصر اہل علم سے روابط رہتے تھے اور مرزا قادیانی کے ساتھ بھی ان کا تبادلہ خیالات رہتا تھا تو مولوی صاحب مرحوم ابتداء میں مرزا قادیانی کے مسیح موعود ہونے کے قائل ہو گئے تھے مگر جلد ہی انہیں ہدایت نصیب ہوئی اور آج ان کا پورا خاندان دین اسلام پر قائم ہے۔

قادیانیوں کے دو پہلوان جنہیں علامہ صاحب نے چت گرایا

علامہ خالد محمودؒ کے ان مفصل مضامین کی اشاعت نے جہاں اہل اسلام کو حوصلہ دیا اور علمی دنیا میں طمانیت قلب پیدا ہوئی وہاں قادیانیوں کے ہاں واویلا بپا ہونا بھی لازمی امر تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مزید دو پہلوان اکھاڑے میں اتارے پہلا پہلوان دوست محمد شاہد تو اب خائب وخاسر اور اچھے خاصے رسوا ہو چکے تھے، باقی دو میں سے ایک کا نام محمد شبیر ہرل اور دوسرے کا عبدالرحیم

بھٹہ تھا۔انہوں نے ہفت روزہ لاہور کی مؤرخہ ۲۹ر اکتوبر کی اشاعت میں جواب الجواب میں ایسے مضامین لکھے جن میں شکست و پسپائی سطر سطر سے عیاں تھی اور وہ اس قدر تضادات پر مبنی تھے کہ ان کی تردید کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی بلکہ ہر پڑھنے والا یہی فیصلہ دیتا نظر آیا کہ یہ علامہ خالد محمود کی تحقیقات علمی کا جواب تو کیا، ایک مہذبانہ اور سنجیدہ تحریر کہلائی جانے کا استحقاق بھی نہیں رکھتی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

عبداللہ ایمن زئی کی غیر علمی اور غیر ذمہ دارانہ حرکت

جب قادیانیوں نے حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ پر مذکورہ بہتان لگایا تو ہمارے اہل حدیث بھائی کیوں پیچھے رہتے؟ کیونکہ انہیں اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ الزام یا تہمت لگانے والوں کی شرعی حیثیت کیا ہے اور جس پر الزام لگ رہا ہے، بھلے ان کے ساتھ ہمارے فروعی اختلافات کیوں نہ ہوں، ان کا مقام روحانی یا علمی کیا ہے؟ انہیں تو احناف کے خلاف کہیں سے بھی کوئی گرم تندور نظر آجائے تو یہ اپنا آٹا لے کر پہنچ جاتے ہیں کہ گرمائش میں ہماری روٹی بھی لگ جائے۔ چنانچہ عبداللہ ایمن زئی نامی ایک صاحب نے ''کمالاتِ اشرفیہ'' نامی کتاب لکھ کر قادیانیوں کے اس دعوے کو تقویت دینے کی سعی لاحاصل کی، جس دعوے کو علامہ خالد محمود کے زورِ قلم اور بحرِ علم نے خس وخاشاک کی طرح بہا کر رکھ دیا تھا۔ علامہ صاحب نے اپنے اس مفصل مقالہ میں ایمن زئی صاحب کی حقیقت بھی پوری طرح عیاں کی کہ قادیانیوں کی ٹیڑھی خشتِ اول پر جو دیوار بنتی گئی وہ ''تاثریا می رود دیوار کج'' کا عین مصداق ٹھہری اور ان حضرات نے ''کمالاتِ اشرفیہ'' جیسا طنز آمیز نام رکھ کر جو اس کی اشاعت کی تھی اس کا بھی مذہبی دنیا میں وہی حشر ہوا جو مرزائیوں کا ہوا تھا۔ کاش ہمارے اہل حدیث بھائیوں کی علامہ صاحب کے اس کوڑے سے درگت نہ بنتی جو قادیانیوں کی کمر پر لگ کر ان کو تاریخ میں رسوا کر رہے تھے۔ ۱۹۸۳ء کے بعد ۱۹۸۷ء میں جب ماہ نامہ ''الحسن'' لاہور نے جامعہ اشرفیہ سے اپنی اشاعت خاص ''حکیم الامت نمبر'' کی اشاعت کی تو حضرت علامہ صاحب کا یہی مضمون شامل اشاعت کیا گیا جو اس سے قبل ''الرشید'' اور ''خدام الدین'' میں چھپ چکا تھا۔ یہ کم وبیش چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اب یہ مفصل مقالہ علامہ صاحب کی کتاب ''مرزا غلام احمد قادیانی'' (اپنی تحریرات اور پیش گوئیوں کے آئینہ میں) میں شامل کر دیا گیا ہے جس سے اہل علم کا استفادہ کرنا آسان ہو گیا ہے۔ کتاب میں شامل اس باب کو ''سنسنی خیز انکشافات اور برأۃ حضرت تھانویؒ'' کا نام دیا گیا ہے اور یہ کتاب مطالعہ قادیانیت کی جلد چہارم قرار پائی ہے۔ حسب موقع ومحل بقیہ مجلدات کا تعارف مندرجہ ذیل ہے:

(۱) عقیدۃ الامت فی معنی ختم النبوت (مطالعہ قادیانیت جلد اول)

(۲) عقیدہ خیر الامم فی مقامات عیسیٰ بن مریم (مطالعہ قادیانیت جلد دوم)

(۳) عقیدہ الاعلام فی الفرق بین الکفر والاسلام (مطالعہ قادیانیت جلد سوم)

(۴) مرزا غلام احمد قادیانی (اپنی تحریرات اور پیش گوئیوں کے آئینہ میں) (جلد چہارم)

یہ چاروں کتابیں عوام کے لیے بھی فائدہ مند ہیں مگر تحفظ ختم نبوت پر کام کرنے والے اور تردید قادیانیت کے محاذ پر سرگرم علماء

کرام کے لیے تو ''خالص سونا'' ہیں اور علامہ صاحب کی ان کتابوں سے صَرفِ نظر کر کے ان محاذوں پر گرمجوش کردار ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔ (دیکھیے :۱/۲۴۶......۱/۵۹۵......۱/۶۲۵......۱/۶۶۳......۱/۷۰۴ (مضمون)......۱/۳۵۷......۲/۴۷)

ردِّ مرزائیت اور تحفظ ختم نبوت کے محاذوں پر حضرت علامہ صاحب کے روابط اور تعلقات اگرچہ اپنے معاصر اُن تمام اہل علم کے ساتھ رہتے تھے جو اس میدان کے دھنی تھے مثلاً حضرت مولانا لعل حسین اختر، مولانا محمد حیات، مولانا محمد علی جالندھری، علامہ مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا محمد یوسف لدھیانوی اور مولانا اللہ وسایا وغیرہم سے مربوط مشاورت کا رشتہ تھا۔ تاہم علامہ صاحب کے زیادہ تر مراسم مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ اور مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ کے ساتھ تھے۔ یہ دونوں حضرات نہایت بے تکلف بھی تھے اور علامہ صاحب کے علم و فضل میں جلالی آمیزش کی تاب لانے کی ہمت بھی ان میں موجود تھی۔ چنانچہ اس موقع پر ہم دو خطوط پیش کر رہے ہیں جو اب تک غیر مطبوعہ تھے اور ہمارے ذخیرہ علمی میں موجود تھے۔ انہیں پڑھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ متذکرہ دو حضرات حضرت علامہ صاحب سے اظہارِ محبت و مودت میں کسی قسم کی کسل مندی روا نہیں رکھتے تھے۔ یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے علامہ صاحب کے ساتھ مراسم اس سے بھی، گہرے اور مضبوط تھے، وہ چونکہ اپنے ذائقہ و لذت میں بالکل متفرد ہیں، اس لیے اس کا تذکرہ ہم بالتفصیل آگے جا کر کریں گے۔ فی الوقت یہ دو عدد خطوط پیش کر کے ہم علامہ صاحب کے تردید مرزائیت والے باب کا اختتام کرتے ہوئے آگے بڑھیں گے۔ مولانا محمد طیب قصوری ہمدانی کا خط ملاحظہ ہو:

۱- اخی المکرّم علامہ خالد محمود صاحب! سلام مسنون!

حامل رقعہ اللہ دتہ مجاہد حاضر خدمت ہے۔ مرزائیت کے بارہ میں چند گزارشات اور احوال پیش کرے گا۔ اس سلسلہ میں ان سے پورا تعاون اور رہنمائی فرما کر مشکور فرماویں۔ ریاض الحسن گیلانی سے بھی بات کرنی ہوگی۔ اسمٰعیل قریشی صاحب اس میں پہلے ہی تعاون کر رہے ہیں۔ بہرحال ہر ممکن صورت پر کام ہو جانا مطلوب ہے۔ مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی سے بھی اگر رابطہ قائم ہو سکے تو بہتر ہوگا۔

والسلام: محمد طیب ہمدانی۔ از قصور
(نہ تاریخ، نہ سن؟ ترجیع)

۲- دوسرا خط حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی مرحوم کا ہے۔ باہم اعتماد اور بے تکلفی ملاحظہ فرمائیے:

محترم المقام حضرت العلامہ خالد محمود صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

میں دو مرتبہ صرف آپ کے لیے لاہور حاضر ہوا مگر نا معلوم آپ کہاں چلے جاتے ہیں؟ رمضان شریف میں پھر حاضر ہوا مگر آپ تشریف فرما نہیں تھے۔ خط بھی لکھا۔ اب پھر طالب علم کو بھیج رہا ہوں، آپ اپنی تشریف آوری سے مطلع فرمائیں کہ کب فیصل آباد تشریف آوری ہوگی؟ آئندہ جمعۃ (المبارک) کے بعد جو دن بھی آپ عنایت فرمائیں، آپ کی صواب دید پر ہوگا۔ امید ہے جوابِ باصواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

والسلام: محمد ضیاء القاسمی
اے بلاک غلام محمد آباد کالونی، فیصل آباد

اسے عجلت کہیے یا فطرتِ عجولی کہ دونوں خطوط پر سن یا تاریخ درج نہیں ہے، کاش اہل علم اس کا اہتمام فرمایا کریں، مکاتیب کی صنف میں یہ نہایت لازمی چیز ہے۔ اول الذکر خط میں جس ریاض الحسن گیلانی کا ذکر ہے، ان پر حسب ضرورت ہم ماقبل کی سطور میں تذکرہ کر آئے ہیں کہ یہ حضرت علامہ صاحب کے مرے کالج سیالکوٹ کے زمانہ کے اولین شاگردوں میں سے ہیں اور سپریم کورٹ کے سینئر وکیل ہیں۔ رد قادیانیت پر عدالتی معرکوں میں اندرون اور بیرون ممالک میں ان کے ناقابل فراموش کارنامے ہیں، ساؤتھ افریقہ والے عدالتی مباحثہ میں بھی یہ علامہ صاحب کے ساتھ تھے۔ اور یہ آج بھی حضرت علامہ صاحب کی شاگردی پر فخر یہ اظہار کرتے ہیں اور بطور سعادت وتحدیث بالنعمت دہراتے رہتے ہیں، مگر دوسری طرف علامہ صاحب کی تواضع و انکساری کا یہ عالم کہ اپنے اس شاگرد کے اسلامی کارناموں کو بیان کرتے ہوئے اپنے استاد ہونے کا کہیں بھی ذکر نہیں فرماتے۔ مثلاً علامہ صاحب لکھتے ہیں:

’’قادیانیت کے رد میں بریلویوں اور دیوبندیوں کا قومی سطح پر ایک ہونا ضروری تھا، اس کے لیے صاحبزادہ سید فیض الحسن اگر اس قومی اتحاد میں نہ نکلتے تو آج نصف پنجاب قادیانی ہوتا، **فجزاہ اللہ احسن الجزاء** ۔ آپ کے بھانجے ریاض الحسن گیلانی نے قادیانیوں کے خلاف جو کام کیا ہے، دنیا جانتی ہے۔‘‘

[علامہ خالد محمود/مطالعہ بریلویت صفحہ نمبر ۲۳۵/جلد چہارم، مطبوعہ ۱۹۹۵ء]

ان خطوط میں محض لفظی تبرکات نہیں ہیں اور نہ ہی تحریروں کی شگفتگی انسان کو اپنے جلو میں قید کر سکتی ہے جب تک کہ حقیقت اور عقیدت کا چھڑکاؤ نہ ہو۔

انگلینڈ میں علامہ صاحب کے ایک تاریخی مباحثہ کی رُوداد

اب ہم انگلینڈ میں ہونے والے علامہ صاحب کے ایک تاریخی مناظرہ کی سرگذشت پیش کرتے ہیں اور یہ بھی علامہ صاحب کی علمی زندگی کی ایک پُر بہار منزل ہے۔ جسے اگر نری فرقہ وارانہ اور محدود سوچ سے ہٹ کر دیکھا جائے تو اس میں صرف دلچسپی کا سامان ہی نہیں بلکہ ہدایت کا عرفان بھی ہے۔ ہاں! مگر اس سے پہلے لازم ہے کہ انگلینڈ کے شہر برمنگھم میں ہونے والی تاریخی تعارفی کانفرنس کی روداد پیش قارئین کر دی جائے کیونکہ یہ کانفرنس آمدہ تمام تر معرکوں کی خِشتِ اول تھی۔ حتیٰ کہ علامہ صاحب کی مطبوعہ کتاب ’’دھاکہ‘‘ اور ضخیم تصنیف ’’مطالعہ بریلویت‘‘ علاوہ ازیں دو یادگار مناظروں کا سبب متذکرہ کانفرنس بنی تھی، فلہٰذا اس کانفرنس کی کارگزاری اور سبب کانفرنس بھی یکجا قلمبند کیے جا رہے ہیں۔ اور اس طوالت پر امید ہے کہ ہمارے ناظرین تنگ دلی کی شکایت نہیں کریں گے کیونکہ ہر سبب کا بھی کوئی سبب اصلی ضرور ہوتا ہے، اس لیے مؤرخانہ حیثیت سے اگر جملہ اسباب بہ اختصار درج ہو جائیں تو اس میں تاریخ کے طلبہ فائدہ اٹھا سکیں گے۔

۶۰ رسال قبل انگلینڈ کی مذہبی راہنمائی کی دلدوز داستان

۱۹۶۶ء میں پہلی مرتبہ جب علامہ صاحب انگلینڈ پہنچے تو وہاں کی حالت زار دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مسلمانوں کی مذہبی و

دینی راہنمائی چند ایسے نام نہاد پیران عظام، خود ساختہ مشائخ اور بہروپیا نما علماء کر رہے تھے، جن میں سے زیادہ تر کا تعلق پاکستان اور انڈیا سے تھا۔ بدعات ورسومات اور اوٹ پٹانگ حرکات سے وہاں کے مسلمان جواز صبح تا رات گئے فکر معاش میں منہمک رہتے تھے، آزردہ دل تھے مگر ان کے لبوں پر جنبش تک نہ آسکتی تھی کہ وہ دین اسلام کی صاف ستھری راہوں کا پتہ پوچھیں تو کس سے پوچھیں؟ علامہ صاحبؒ اپنے خامہ عنبر شمامہ سے اس دور کی منظر کشی یوں کرتے ہیں:

''یہاں (انگلینڈ میں) جو مسلمان ہندوستان پاکستان اور بنگلہ دیش سے آئے ہیں ان میں زیادہ تر مزدور طبقہ کے لوگ ہیں جو فیکٹریوں میں کام کرتے ہیں اور جن لوگوں نے یہاں کاروبار اور تجارت کی راہیں اختیار کی ہیں ان میں بھی غالب اکثریت دین سے ناواقف لوگوں کی ہے بایں ناخواندگی اور درماندگی ان لوگوں کے پاس جو دولت ہے اس نے ان کو اپنے معاشرے میں بڑا بنا رکھا ہے ورنہ وہ جو ہیں یہ کسی سے مخفی نہیں۔ علم دین سے دلچسپی رکھنے والے لوگ یہاں بہت کم ہیں یہ لوگ اس لیے بڑے نہیں کہ وہ واقعی بڑے ہیں بلکہ صرف اس لیے کہ ان کے پاس دولت ہے گو انہوں نے آگ لگا کر بنائی ہو۔ ان لوگوں نے اپنی دینی ضرورت پوری کرنے کے لیے (جیسے امامت، نکاح خوانی، ختم خوانی اور جنازہ وغیرہ) زیادہ تر بریلوی علماء منگائے۔ ان کا مقصد یہی تھا کہ مذہب کے نام پہ ان کی یہ چند رسمیں باقی رہیں، دینی شعور نہ انہیں خود تھا اور نہ انہیں ایسے علماء کی ضرورت تھی جو انہیں یہ ذوقِ آگہی دے سکیں۔ تبلیغی جماعت نے یہاں الحمدللہ کچھ دینی شعور قائم کیا ہے اور آج مسجدوں میں جہاں نمازی ملیں گے وہاں اس محنت کا بنیادی دخل ہوگا تاہم یہاں بھی ایک دعوتِ عمل ہے۔ دین کو علمی راہ سے جاننے اور سنت وبدعت کے فرق کو پہچاننے میں ان حلقوں میں بھی علمی محنت کی ضرورت ہے یہاں جو دینی مدارس اور دارالعلوم کھلے ہیں ان میں بھی صرف نصابی کتابوں پر محنت کی جاتی ہے۔ ذہن سازی ان طلبہ کی بھی نہیں ہوئی مگر امتحان میں پاس ہونے پر انہیں سند دے دی جاتی ہے۔ ان حالات میں انگلینڈ، سکاٹ لینڈ، آئرلینڈ اور ویلز کی ایشیائی آبادیاں پاکستان سے آنے والے بدعتی پیروں اور پیشہ ور مولویوں کا لقمہ تر بنی ہوئی ہیں جن کی دولت پر شرعی غنڈے اس طرح پڑتے ہیں جس طرح گدھ مردار پر پڑتے ہیں۔ مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنا اور جہاں پہلے سے اختلاف ہے اسے بڑھانا، بے حیائی کے اس ماحول میں تعویذات کا کاروبار اور جنات نکالنے کے بہانے کمزور عقیدہ مریدوں کے گھروں پر واردات یہ وہ اسباب ہیں جنہوں نے ان مسلمانوں کو علم دین کے گرد جمع ہونے کے بہت کم مواقع دیتے ہیں۔ گجرات، ہند کے اہل سنت علماء دیوبند نے اپنے حلقوں میں بے شک کچھ دینی محنتیں کیں اور ان کے ہاں تبلیغی نصاب بے شک پڑھا جاتا رہا۔ لیکن پاکستان کے عام لوگ زیادہ تر بریلوی رسموں کا شکار رہے اور انہیں سنت اور بدعت میں فرق کرنے کے لیے مناسب وقت نہ مل سکا اور نہ ہی ان کے علماء کو ان پر کچھ رحم آیا۔ عقائد کا اختلاف بے شک اب بہت سرد پڑ چکا ہے یہاں کے سنجیدہ طبقوں کا اب عام تاثر یہ ہے کہ یہ مولانا احمد رضا خاں کے جھوٹے الزامات تھے جو انہوں نے علماء دیوبند پر لگائے تھے اور انہیں درود وسلام کا منکر اور بزرگوں کا بے ادب کہا گیا یہ شکوک وشبہات کے بادل بہت حد تک چھٹ چکے ہیں۔ اب یہ صرف چند عملی بدعات ہیں جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔'' [علامہ خالد محمود، مطالعہ بریلویت صفحہ نمبر ۱۵۱، جلد ششم، مطبوعہ، لاہور]

اسی طرح ''مطالعہ'' جلد دوم کے مقدمہ میں لکھا ہے:

''انگلینڈ میں مسلمانوں کی آمد اور مدارس ومساجد کا وجود قدرتِ الٰہی کا عجیب کرشمہ ہے ایک وقت تھا کہ انگریز یہاں سے

اپنی نو آبادیات کی طرف جاتے تھے وہاں سے رہنے کے لیے یہاں کوئی نہ آتا تھا اور ان ملکوں سے یہاں اونچے خاندانوں کے طالب علموں کے سوا کسی کا گزر نہ ہوسکتا تھا، یہ دنیا ''ولایت'' کہلاتی تھی صنعتی انقلاب آیا تو ان لوگوں کو مشرقی قوموں کی ضرورت پڑی، ایشیائی لوگ ان آبادیات سے یہاں آنے شروع ہوئے۔۱۹۶۰ء تک یہاں اتنے مسلمان آچکے تھے کہ مختلف علاقوں اور شہروں میں ان کے اپنے معاشرے قائم ہوگئے کچھ لوگوں نے اپنے بال بچے بھی بلوا لئے یہ لوگ اپنے علاقے میں کوئی بڑا مکان خریدتے اور اسے مسجد میں منتقل کرلیتے اسی طرح کی مسجدیں بننے لگیں بچے اوقاتِ سکول کے بعد ان میں پڑھنے لگے اور کہیں کہیں حلال گوشت کی دکانیں بھی کھلنے لگیں یہ انگلستان میں ایک نئے معاشرے کی تشکیل تھی۔ ۱۹۶۷ء تک یہ زمین مسلمانوں کے فرقہ وارانہ اختلافات سے نا آشنا تھی لوگ ہر شہر میں مل جل کر رہتے، سب کے بچے اکٹھے مسجدوں میں جمع ہوتے اور پڑھتے، نمازیں اکٹھی ہوتیں کبھی کبھی دینی اور ملی تقریبات بھی ہوتیں جلسے بھی ہوتے اور مسلمان غیر ممالک میں اتحاد ملی اور اخوت اسلامی کے جذبات سے سرشار رہتے اور ایک نئی قومی تعمیر کا یہ عجیب مظاہرہ ہوتا تھا۔

۱۹۶۸ء میں یہاں راولپنڈی (پاکستان) سے مولانا عارف اللہ صاحب قادری آئے انہوں نے یہاں قوم کو پہلی بار اختلاف سے آشنا کیا جو لوگ ان کے زیر دام آئے انہوں نے مسجدوں میں اپنے ہم خیال بنانے شروع کئے اور ایک دوسرے کو اختلافات بتانے کی مہم شروع کردی۔ مسجدوں میں اختلافات اٹھنے لگے لڑائیاں ہونے لگیں نئی نئی انتظامیہ بننے لگیں اور لوگوں کا امن اٹھ گیا وہ مسجدیں جو غریب الوطنی میں یہاں سکون کا مرکز تھیں، اختلافات کی آماجگاہ بن گئیں، قوال نما علماء نے برسر منبر گدا گری شروع کردی انہی میں سے کوئی قاری یا نعت خواں پیش قدمی کرتا اور لوگ پھر اس کی پیروی میں کچھ نہ کچھ دے کر ہی چھوٹتے۔ یہاں زیادہ تر مزدور طبقے کے لوگ ہیں جو مصروف ہیں اور انتہائی مصروف! ان کے پاس فرقہ بندی کے بندھنوں اور مذہب کے جھگڑوں کے لیے وقت نہ تھا نہ وہ چاہتے تھے کہ یہاں فرقہ بندی کی فضاء قائم ہو مگر افسوس کہ چند فرقہ پرستوں نے یہاں بھی وہی کاروبار کھول دیا جس سے لوگ اپنے ملکوں میں تنگ آئے ہوئے تھے۔ پیران عظام کی ایک قطار لگ گئی، سونا دگنا ہونے لگا۔ بریڈ فورڈ کے ایک پیر کی تجویز تھی کہ پاکستان اور ہندوستان سے ان بریلوی علماء کو یہاں آنے کی دعوت دی جائے کہ جن کی زندگیاں دیوبندی، بریلوی نزاعات اور مناظروں میں گزری ہوں۔ یہاں کے تبلیغی حلقے ان کا دفاع نہ کرسکیں گے، اس طرح بہت سی مسجدوں پر، جو تبلیغی محنت سے بنی تھیں ہمارا قبضہ ہوجائے گا اسی جذبہ اخلاص کے ساتھ وہ پاکستان سے مولانا محمد عمر اچھروی کو اور ہندوستان سے مولانا ارشد القادری کو یہاں آنے کی دعوت دے چکے تھے مگر مولانا محمد عمر صاحب فوت ہوگئے ان کی جگہ ان کا لڑکا آگیا، مولوی ارشد القادری صاحب بھی تشریف لے آئے اور بریڈ فورڈ کی ایک مسجد میں امامت کا عہدہ قبول کرلیا اسی اثنا میں مولانا احمد رضا خان صاحب کے پوتے مولوی ریحان رضا خاں اپنے دادا کی تکفیری دستاویز ''حسام الحرمین'' لے کر یہاں پہنچے اور پھر تکفیر (دوسروں کو کافر بنانے) کی گولہ باری یہاں تک ہوئی کہ شاید ہی کوئی اس کی زد سے بچا ہو۔''

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں''

[مطالعہ بریلویت صفحہ نمبر ۱۹/ جلد دوم ۱۹۸۶ء]

انجمن خدام الدین برمنگھم کی تعارفی کانفرنس

گزشتہ سطور میں جس مذہبی راہنمائی کا رونا رویا گیا ہے اس نے بسلسلہ ملازمت انگلینڈ جانے والے مسلمانوں کی جو درگت بنا رکھی تھی وہ تو اپنی جگہ ایک کڑی آزمائش تھی ہی، اس سے آگے کا منظر مزید کربناک ہے اور وہ یہ کہ بعض مذہبی لبادہ میں یہاں سے جانے والے رہنماؤں کے خوفناک حد تک سکینڈل وہاں کے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کا حصہ بنے جن سے مسلمانوں کے سر شرم سے جھک گئے۔اس کی تفصیلات علامہ صاحب کی ضخیم کتاب ''مطالعہ بریلویت'' کی جلد نمبر ۴ رمیں موجود ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ غیر اخلاقی اور حسن کردار سے عاری لوگوں کا اگر چہ کوئی مذہب نہیں ہوتا یا یوں کہیے کہ افراد کی خطاؤں کو مسلک یا فکر کی کوتاہی قرار نہیں دیا جا سکتا مگر بریلوی مسلک پر بہر حال یہ آزمائش ضرور تھی کہ برطانیہ میں جس قدر ہیبت ناک واقعات ظہور پذیر ہوئے، ان کے تمام تر کردار بریلویت سے ہی منتھی ہو رہے تھے اور افراد کا تعلق اسی مسلک کے ساتھ تھا۔ پھر جب ان ٹھگ رہنماؤں کے چہرے سے نقاب کشائی کی جانے لگی تو ان لوگوں نے انتقام میں آکر اکابرین اہل سنت دیوبند پر تکفیر بازی شروع کر دی اور حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بعض ان فتاوی کا سہارا لیا جو کسی دور میں بھی عوام و خواص کے ہاں لائق قبول نہ رہے تھے۔ان حالات سے مجبور ہو کر مخلص مسلمانوں نے علامہ خالد محمودؒ کی امارت و امامت میں ایک تنظیم ''انجمن خدام التوحید والسنۃ'' کے نام سے قائم کی اور برمنگھم اس کی سرگرمیوں کا نقطۂ آغاز ٹھہرا۔ پھر ان احباب کا تقاضہ ہوا کہ ایک جلسہ عام کے ذریعے مولانا احمد رضا خاں مرحوم کے عقائد و نظریات کی حقیقت، فتاوی کی اصلیت اور اسلاف اہل سنت دیوبند کے مقام و مرتبہ کا تعارف پیش کیا جائے۔ چنانچہ ۱۹۷۵ء میں ہونے والے اس جلسہ کی روداد انجمن خدام التوحید برمنگھم کے ناظم اعلیٰ ایم اے خاں نے مندرجہ ذیل عبارات میں پیش کی:

''انجمن خدام التوحید والسنۃ برمنگھم نے اعلان کر دیا کہ ۲۷، اپریل ۱۹۷۵ء کو مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تعارف پر ایک جلسہ عام ہوگا جس میں مولانا احمد رضا خاں کے عقائد و نظریات اور اہم وقائع حیات پچاس علماء کے ایک بنچ (Jury) کے سامنے ایک کیس کی صورت میں پیش کئے جائیں گے اور ان سے استفسار کیا جائے گا کہ ان عقائد و نظریات کے حامل لوگ کیا سنی کہلانے کے مستحق ہیں؟ اور جو انہیں سنی کہے وہ گناہگار ہے یا نہ؟ اشتہار نکلنا تھا کہ پورے ملک کے حلقے تھرا اُٹھے۔مختلف گوشوں سے سفارشیں آنے لگیں کہ یہ جلسہ روک دیا جائے، خود بریلویوں نے وفود بھیجنے شروع کیے کہ اعلیٰ حضرت کو جلسہ عام میں زیر بحث نہ لایا جائے۔انہیں کہا گیا کہ جب تمہارے مقررین کی زبانیں ہر جلسہ عام میں حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت مولانا تھانویؒ کے خلاف کفر والحاد کا لاوا اُگلتی ہیں تو اگر مولانا احمد رضا خاں صاحب کی روح کو بھی کچھ اس کا ثواب پہنچا دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ ان لوگوں نے بہت منت وسماجت کی لیکن افسوس کہ پانی سر سے اوپر جا چکا تھا۔ یہ جلسہ ۲۷، اپریل ۱۹۷۵ء بروز اتوار بڑے انتظام واہتمام سے ماؤنٹ پلیزنٹ سکول برمنگھم کے وسیع ہال میں منعقد ہوا۔ساٹھ ارکان جیوری کے طور پر سٹیج پر تشریف فرما تھے، میزوں پر کتابوں کے ڈھیر لگے تھے، جلسہ کی صدارت ماریشس کے مشہور عالم دین حضرت مولانا احمد پانڈورنے کی، سٹیج سیکرٹری کے فرائض پاکستان کے ممتاز عالم دین مولانا عبدالرشید ربانی نے ادا کئے، مرکزی تقریر علامہ خالد محمود صاحب کی رہی جس میں آپ نے مولانا

احمد رضا خاں صاحب کا کیس علماء جیوری کے سامنے بڑی تفصیل سے پیش کیا۔ حوالے پیش کرنے میں آپ کے معین مولانا منظور الحق صاحب تھے، سرزمین انگلستان میں پہلی مرتبہ (ان لوگوں) کے چہرے سے نقاب اٹھا اور ساٹھ علماء کرام نے بالاتفاق فیصلہ دیا کہ مولانا احمد رضا خان اور ان کے پیرو ہرگز اہل سنت نہیں۔ سنی مسلک وہ ہے جو کتاب وسنت کی روشنی میں ائمہ اربعہ فقہاء ومحدثین اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور امام ربانی مجدد الف ثانیؒ جیسے بزرگوں سے علماً اور عملاً منقول ہے۔ ساٹھ علماءِ جیوری کے اس متفقہ فیصلے سے پورے انگلستان کی فضا بدلی۔ تصویر کے دونوں رُخ لوگوں کے سامنے آئے اور (ان لوگوں) کا روز وشب کا مشغلہ کہ ہر جلسے میں علماء حق پر اعتراضات کرتے رہیں، یکا یک سرد پڑ گیا جہاں کہیں وہ بات کرتے، لوگ کہتے کہ عبارات کے الزامات تو دونوں طرف موجود ہیں، اب کس کی بات مانیں اور کس کی نہ مانیں ان ذاتیات اور الزامات کو چھوڑ کر سب لوگ سیدھے کتاب و سنت کی چوکھٹ پر کیوں نہیں آجاتے؟ اس کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ جلسہ کے دوران علماء کرام کا قیام جامع مسجد وڈسٹاک روڈ برمنگھم میں رہا۔ جلسہ عام سے ماقبل اور مابعد مسجد میں درس کی مجلسیں بھی رہیں جو بڑی کامیاب تھیں، لوگوں کو سوال وجواب کے مواقع بھی خوب ملے اور توحید وشرک اور سنت وبدعت کے فروق لوگوں کے سامنے بہت کھل کر آئے۔ ان درسوں اور جلسہ عام میں پیش کیے گئے حوالوں کو دیکھنے اور نوٹ کرنے کا ناظم ترتیب کو خوب موقع ملا ان معلومات افزاء درسوں کی روشنی کو عام کرنے اور اس جلسہ تعارف کے فیض کو ہر جگہ پھیلانے کے لیے (تعارف نامہ) بڑی احتیاط سے ترتیب دیا گیا ہے۔

احباب کو خواہش ہوئی کہ اس جلسہ تعارف کو بین الاقوامی بنانے کے لیے ان جمع شدہ معلومات اور حوالوں کو ایک کتابی صورت میں شائع کیا جائے، یہ جلسہ اور اکتشافات شرک وبدعت کے ایوانوں پر ایک ایسا دھماکہ ثابت ہوئے کہ اسی نام سے اس کتاب کو شہرت ہوئی۔ مطالعہ بریلویت کی یہ اہم تاریخی دستاویز ہے۔''

[ایم اے خان، تعارف جلسہ برمنگھم رمشمولہ ''مطالعہ بریلویت'' جلد ۲ مطبوعہ ۱۹۸۶ء]

اس تعارفی جلسہ پر علامہ صاحب نے ایک اور مقام پر یوں تبصرہ فرمایا:

''پھر نصف صدی کے بعد انگلستان میں یہ فتنہ اختلاف اپنے جوبن پر آیا جب مولانا ارشد القادری (بہاری) یہاں آئے، اُن کے آتے ہی یہ اختلافات بہت پھوٹ پڑے، یہاں تک کہ برمنگھم میں اس کے استیصال کے لیے انجمن اتحاد المسلمین بنی، جس میں علماء، وکلاء، دانشور اور بیرونِ ملک تعلیم کے لیے آنے والے ایم ایس سی پی ایچ ڈی اور قانون کے طلبہ بھی ایک بڑی تعداد میں شامل ہوئے، برمنگھم کے ماؤنٹ پلیزنٹ ہال میں ایک اجتماع کیا گیا۔ ساٹھ افراد کی ایک جیوری بٹھائی گئی جس میں چالیس علماء تھے اور یہ اجتماع چھ گھنٹے جاری رہا۔'' [مطالعہ بریلویت: ۱۳۸/۴، مطبوعہ ۱۹۹۵ء]

جلسہ برمنگھم جو ''مطالعہ بریلویت'' کی تصنیف کا سبب بنا

علامہ خالد محمودؒ نے ساٹھ علماء کرام کی جیوری میں علماء اہل سنت دیوبند اور علماء بریلی کے اختلافات کا جو تعارف اپنے مفصل خطاب میں پیش فرمایا تھا، وہ خطاب ''دھماکہ'' نامی ایک کتاب میں شائع کر دیا گیا تھا۔ اس کتاب پر بطور مصنف علامہ صاحب کا نام درج نہ تھا، تاہم اپنی تقریر کی نوک پلک سنوارنے کا فریضہ علامہ صاحب نے خود ہی سرانجام دیا تھا۔ یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ

ضروری ہے کہ اس دور میں صوبہ بہار انڈیا کے مولانا ارشد القادری نے علماء اہل سنت دیو بند کے خلاف ''زلزلہ'' نامی ایک کتاب لکھی تھی۔ یہی کتاب ان کے انگلینڈ دورہ کا ذریعہ بنی تھی۔ چنانچہ جب جلسہ برمنگھم کا تعارفی خطاب ''دھماکہ'' نامی کتاب میں شائع ہوا، تو بعض حلقوں نے اسے ''زلزلہ'' کا جواب قرار دیا۔ حالانکہ یہ ''زلزلہ'' کتاب کا جواب نہیں تھا اور نہ ہی ''زلزلہ'' کوئی ایسی علمی اہمیت کی حامل کتاب تھی کہ جس کے جواب کے لیے علامہ خالد محمود جیسی ذی مرتبت ہستی کو قلم اُٹھانا پڑتا۔

مولانا ارشد القادری جب انگلینڈ وارد ہوئے تو انہیں بریڈ فورڈ کی ایک مسجد میں امامت کا عہدہ دیا گیا۔ اس دور میں مولانا محمد عمر اچھروی مرحوم کو بھی انگلستان کی دعوت دی گئی تھی، مگر وہ وہاں جانے سے پہلے ہی فوت ہوگئے تو ان کے بیٹے مولانا عبدالوہاب صدیقی کو بلوالیا گیا تھا۔ مولانا ارشد القادری ویسے تو علماء اہل سنت دیو بند کی تکفیر کرتے تھے۔ مگر عندالملاقات وہ علامہ صاحب کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ علامہ صاحب نے لکھا ہے کہ میں جن دنوں جمعیت علماء برطانیہ کا صدر تھا تو ان دنوں رویت ہلال کے سلسلے میں کئی مرتبہ بریڈ فورڈ میں دونوں مکاتب فکر کے مشترکہ اجتماعات ہوتے رہے، ان میں بریلویوں کی طرف سے بہار (بھارت) کے مولانا ارشد القادری اور مولانا ابوالمحمود نشتر المعروف پیر نوشاہی وغیرہ شامل ہوتے تھے۔ انھی میں احقر کی مولانا ارشد القادری سے ملاقات ہوئی۔ احقر نے انہیں ملنسار پایا اور وہ بہت عقیدت وادب سے ملتے تھے۔ حضرت علامہ صاحب نے یہ بات ''مطالعہ'' جلد چہارم کے صفحہ نمبر ۲۵۰ پر لکھی ہے۔ یاد رہے کہ متذکرہ مولانا ارشد القادری بعد میں انگلینڈ سے واپس انڈیا چلے گئے تھے۔ جب اس جلسہ برمنگھم میں علامہ صاحب کا تعارفی خطاب مطبوعہ صورت میں انگلینڈ اور بیرونِ انگلینڈ پاکستان، انڈیا، بنگلہ دیش وغیرہ میں پہنچا تو اہل علم کا تقاضہ ہوا کہ بریلوی علماء کے علماء اہل سنت دیو بند کے ساتھ اختلافات کی ایک مفصل تاریخ قلمبند کی جائے جس کا کوئی گوشہ اور کوئی پہلو تشنۂ تحقیق نہ ہو چنانچہ علامہ خالد محمود صاحب کو اس شدید اور متواتر تقاضہ کے احترام میں قلم اٹھانا پڑا اور ''مطالعہ بریلویت'' کے نام سے اس کی آٹھ جلدیں علامہ صاحب کی زندگی میں بار ہا بار شائع ہوئیں۔ انڈیا اور پاکستان میں اس ضخیم اور علمی وتحقیقی نیز تاریخی کتاب نے تھرتھلی پیدا کی، جبکہ دو مزید جلدوں پر مشتمل مواد کی تادم سطور کمپوزنگ مکمل ہو چکی ہے۔ یعنی نویں اور دسویں جلدیں لکھنے کے بعد علامہ صاحب آخرت کو سدھار گئے، یوں اب اس کتاب کی دس جلدیں مکمل ہو چکی ہیں۔ بہ نظر غائر اس کتاب کے نام پر توجہ کرنے والا شاید اس کتاب کو فرقہ وارانہ جذبات پر مبنی ایک کتاب قرار دیتا ہو، مگر ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے ارباب بصیرت خوب جانتے ہیں کہ مذکورہ کتاب ہر دو مسالک کا بہترین اور منصفانہ تجزیہ ہے۔ اس کے بعض مندرجات، طرز استدلال یا نتیجہ عبارت میں بشری لغزش تو ہو سکتی ہے مگر علامہ صاحب کی حُسن نیت، تدبر وفہم، وسعت مطالعہ، تحقیق وتدقیق اور اندازِ تحریر میں بلاغت وسلاست کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ ایک ایک صفحہ پر علامہ صاحب کا بحر علم موجیں مارتا نظر آتا ہے۔ اس کتاب کا بڑا حسن اور مصنف کا کمال یہ ہے کہ کہیں بھی وصف اعتدال سے خالی نہ رہے۔ حریف کو نبوی انداز میں دعوت دیتے نظر آتے ہیں اور اپنی دیگر تصانیف کی طرح اس کتاب میں بھی علامہ صاحب نے ایک ایک بات پر کئی کئی حوالے پیش کر دیئے ہیں۔ اس کتاب کو فقہ حنفی کا اردو زبان میں ایک مضبوط ماخذ کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا جس میں فقہاء کی فقہی

باریکیوں اور پیچیدگیوں سے قاری کو اس آسانی کے ساتھ آشنا کروا دیا جاتا ہے کہ علامہ صاحب کی خداداد بصیرت، ذکاوت علمی اور ذہانت وندرت کا معترف ہوئے بنا چارہ نہیں رہتا۔ اس لیے علامہ صاحب فرماتے تھے کہ یہ تاریخ بریلویت اور تاریخ دیوبندیت ہے اور لفظ ''مطالعہ'' لفظ ''تردید'' کی تردید کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ اس میں الزامات، مغالطات، اعتراضات واشکالات، اور بعض غیر ذمہ دار لوگوں کی واہیات کی حقیقت کھولی گئی ہے اور دیوبندیوں، بریلویوں کو ان کے اصل سر چشمہ علم یعنی کتاب وسنت کی تفہیم وتعلیم دینے والے امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین جہابذہ روزگار حنفی علماء کے اصل مسلک ومشرب کی طرف آنے کی دعوت دی گئی ہے اس لیے اس کتاب کو کھلے ذہن کے ساتھ آزاد فضاء میں مطالعہ کیا جائے تو یہ اردو لٹریچر میں وسعت معلومات کا بے پناہ اضافہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحب کو اس عظیم کاوش پر اجر عظیم فرمائے۔ آمین

یادرہے کہ انگلینڈ منتقل ہونے سے پہلے حضرت علامہ صاحب عیسائیت، قادیانیت اور شیعیت کے جارحانہ حملوں کی مدافعت میں ہی مصروف رہے۔ یہاں آپؒ نے کبھی بریلوی عوام یا علماء کرام کو موضوع تقریر وتحریر نہیں بنایا تھا۔ بلکہ مشترکات کی حد تک آپ کے بریلوی علماء سے روابط اور اعتماد کا رشتہ بھی قائم رہا، اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ ملاحظہ کیجیے!

ابوالبرکات مولانا محمد احمد کا علامہ صاحب کے علم وفضل پر اظہار اعتماد

یہ واقعہ کاتب السطور کو جناب سید عبدالماجد شاہ صاحب نے اس وقت سنایا جب بندہ ڈیفنس (لاہور) میں ان کی رہائش گاہ پر بغرض ملاقات وتبادلہ خیالات موجود تھا۔ شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ ایک دن علامہ خالد محمود صاحب میرے ہاں تشریف لائے، میرے برادر نسبتی میجر نجیب بھی موجود تھے جو بانی ''قرآن آسان تحریک'' سید شبیر احمد کے فرزند ہیں۔ (یہ شبیر احمد صاحب وہی ہیں جنہوں نے مختلف رنگوں کی مدد سے قرآن مجید کا ترجمہ شائع کروایا اور وہ عوام کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہوا) سید شبیر احمد حضرت مولانا سید دیدار احمد الوری ربانی جامعہ حزب الاحناف لاہور کے نواسہ تھے۔ یعنی ابوالبرکات، مولانا سید محمد احمد قادری اور ابوالحسنات مولانا سید احمد قادری کے بھانجے تھے۔ یوں مولانا سید محمود احمد رضوی اور سید خلیل احمد قادری شبیر احمد صاحب مرحوم کے ماموں زاد بھائی ہوئے۔ بہرکیف جب علامہ صاحب سے عبدالماجد شاہ صاحب کے برادر نسبتی نے اپنا یوں تعارف کروایا تو علامہ صاحب نے ایک دلچسپ انکشاف کرتے ہوئے فرمایا کہ ۱۹۶۰ء کی ابتداء میں میرا مولانا ابوالبرکات کے ہاں آنا جانا تھا اور میں اپنا گھر سمجھ کر ان کے ہاں جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ دارالعلوم حزب الاحناف بیرون بھاٹی گیٹ پر اہل تشیع نے شرارتاً حملہ کر دیا اور مسجد کا ایک مینار بھی شہید کر دیا، شرپسند عناصر قریبی شیعہ مرکز کربلا گامے شاہ میں روپوش ہوئے اور اگلی صبح شہر کی فضا بھی فرقہ وارانہ آلودگی سے مکدر ہوگئی۔ جگہ جگہ ہنگامے پھوٹ پڑے۔ اہل تشیع باوجود واضح تخریب کاری کرنے کے اپنا جرم چھپانے کی سعی کر رہے تھے۔ ادھر انتظامیہ کی پریشانی بھی یقینی تھی۔ چنانچہ جیسے تیسے کر کے معاملہ سپرد عدالت کر دیا گیا، اب بریلوی علماء کرام کو فکر لاحق ہوئی کہ اگر عدالت میں مذہبی وعلمی بحث ومباحثہ کی نوبت آ گئی تو ہماری جانب سے ایک علمی ٹیم کا انتظام قبل از وقت ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں مولانا عبدالستار خان نیازی مرحوم کی وساطت سے تین ان علماء کرام کا انتظام کیا گیا تھا جو مسلکاً دیوبندی مکتب فکر

سے متعلق تھے۔علامہ صاحب نے فرمایا کہ میں تحدیث بالنعمت کے طور پر یہ کہتا ہوں کہ ان تین علماء کی فہرست میں ایک نام میرا تھا۔البتہ عدالتی مباحثہ کی ضرورت اس لیے پیش نہ آئی تھی کہ علماء اہل تشیع نے عدالت میں صلح کی سفارش کروادی اور یوں معاملہ رفع دفع ہوگیا۔

بریلوی علماء کے خلاف علامہ صاحب کی طبیعت انگلینڈ منتقل ہونے کے بعد مائل ہوئی جہاں بعض تجارتی پیروں، عاملوں اور نام نہاد مشائخ نے دین برحق کا اصل چہرہ اپنی بداعمالیوں کی دبیز تہہ میں دبا رکھا تھا۔آج کے انگلینڈ کے مسلمان اعتراف کریں یا دنیا کی چکا چوند کردینے والے ماحول سے مرعوب ومرغوب ہوکر اس احسان کو فراموش کردیں، تاہم اللہ تعالیٰ کے ہاں ان شاء اللہ علامہ صاحب کی ان خدمات کا بدلہ دگنا چوگنا شکل میں موجود ہے۔اور یہ حقیقت ناقابل تردید وتاویل ہے کہ علامہ خالد محمودؒ نے اپنی علمی وعملی جہد مسلسل سے وہاں کے مسلمانوں کی بروقت اور استقامت واستقلال کے ساتھ مخلصانہ رہنمائی کا ایسا حق ادا کیا کہ جس کی مشعلیں صبح قیامت تک روشن رہیں گی۔اور ۱۹۶۰ء کے بعد کی انگلینڈ میں اسلامی روایات وتحریکات کی جب کبھی تاریخ مرتب ہوگی تو اس میں علامہ خالد محمود کا نام جلی حروف میں درج ہوگا۔خدا کرے کہ ایسی تاریخ مرتب کرنے والا منصف مزاج اور معتدل و متوازن مورخ ہو۔وگرنہ گروہی تعصب اور حاسدانہ روشِ بڑے بڑوں کو سطحی اقدام اٹھانے پر مجبور کردیتی ہے۔اعاذنا اللہ منہ

پیر علاؤالدین صدیقی کا علامہ صاحب پر اظہارِ اعتماد

حضرت علامہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''پیر علاؤالدین صدیقی برمنگھم کے معروف پیر ہیں اور بریلوی حلقوں میں ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں جب راقم الحروف برمنگھم ۱۸۔سپیڈول روڈ کی مسجد میں جمعۃ (المبارک) کا خطبہ دیتا تھا تو موصوف مسلسل وہاں حاضر ہوتے اور مسلسل ایک سال تک احقر کی اقتداء میں نماز ادا کرتے رہے ان دنوں ان کے ہاں دیوبندی بریلوی کوئی مسئلہ نہ تھا اور ان کے نزدیک دیوبندی امام کے پیچھے نماز پڑھنا بالکل جائز تھا انہوں نے راقم الحروف کے ساتھ ایک مرتبہ حج بھی ادا کیا۔لیکن کچھ عرصہ کے بعد برمنگھم میں پیروں کی مسلسل آمد اور جاہل مریدوں کی تعداد بڑھانے کی جدوجہد شروع ہوئی۔ ہر پیر دوسرے پیر پر کثرت کا دعوی کرتا اور یوں مریدوں کی تعداد اور ان کے نذرانہ عقیدت میں اضافہ ہوتا رہا لیکن اندرون خانہ کیا کچھ ہوتا رہا؟ اس پر ہم کچھ کہنے کے بجائے پیر صدیقی کے ہی ایک سابق مرید کا بیان نقل کرتے ہیں۔ یہ مرید لیسٹر کے جناب جہانگیر اختر نعیمی ہیں جنہوں نے روزنامہ جنگ لندن کی ۲رمارچ ۱۹۹۴ء کی اشاعت میں یوں لکھا۔(اس کے بعد علامہ صاحب نے پیر صاحب کے ''تارک الدنیا'' ہونے کے ناقابل تردید اور حیران کُن شواہدات درج فرمائے ہیں جو ''مطالعہ بریلویت'' کے صفحات پر ہی پڑھنے سے لطف لیا جاسکتا ہے۔)

[مطالعہ بریلویت:۱۹۶/۴]

پیر عبدالقادر جیلانی کا شوقِ مناظرہ جو چند منٹوں میں پورا ہوگیا (مارچ ۱۹۸۰ء)

پیر عبدالقادر جیلانی ٹینچ بھاٹہ راولپنڈی کے رہنے والے ہیں اور ایک مدت مدید سے انگلینڈ کے مختلف شہروں میں اپنے مریدوں کی مذہبی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ وہاں شروع شروع میں انہوں نے خود کو ''فاضل مدینہ یونیورسٹی''

مشہور کیا ہوا تھا جو بعد از تحقیق بایں نتیجہ ثابت ہوا کہ آں موصوف کو وہاں سے بے دخل کر دیا گیا تھا۔لندن میں والتھم اسٹو آپ کی مذہبی فرقہ واریت کا مرکز ہے۔ان کی بعض رنگیلی زندگی سے متعلق روزنامہ ''جنگ'' لندن کے کالم نگار حبیب الرحمٰن نے قدرے نقاب کشائی کی تھی جس کی کارگزاری لندن کی اشاعت جنگ بابت ۵، مئی ۱۹۹۳ء کو شائع ہوئی تھی۔ پھر اس کے بعد وہ ایک ذاتی تنازعہ میں الجھے رہے جس نے کافی حد تک ان کی ساکھ کو متاثر کیا جب ان کی صاحبزادی نے لندن میں ایک نوجوان سے شادی کر لی تھی اور پیر صاحب نے خفا ہو کر بیٹی کو گھر میں قید کر دیا تھا، چونکہ نکاح ہو چکا تھا، اس لیے وہ اپنے شوہر کے ہمراہ جانے میں کامیاب ہوگئی، تب پیر صاحب نے اپنے داماد ضیاء محمود کو دھمکیوں کے ذریعے اپنی بیٹی واپس لانے کا کہا اور ضیاء محمود کو قتل کی دھمکیاں بھی دی گئیں، یہاں تک کہ پاکستان میں پیر صاحب کے موجود عقیدتمندوں نے ضیاء محمود کے چھوٹے بھائی ۱۹ر سالہ عمر فاروق کو اغواء کر کے قتل بھی کر دیا تھا۔ بہرحال یہ ایک لمبی داستان ہے جو ''مطالعہ بریلویت جلد نمبر ۴ر میں بالتفصیل ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔۱۹۸۰ء کے دور میں انہیں پیر صاحب نے شہرت کے حصول کے لیے ایک مسئلہ ایجاد کر کے نشر فرمایا وہ یہ کہ درود ابراہیمی میں چونکہ صرف صلوٰۃ ہے، سلام نہیں ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ وسلام کے پڑھنے کا حکم فرمایا ہے فلہٰذا درودِ ابراہیمی فقط نماز میں جائز ہے۔ بیرونِ نماز اس کا پڑھنا مکروہ ہے۔ پیر صاحب کو متعدد مرتبہ کہا گیا کہ آپ علماء کرام کے ساتھ مباحثہ فرمالیں تاکہ مسئلہ کی حقیقت کھل سکے کیونکہ آج تک تو یہ مسئلہ امت میں کسی نے نہ سنا، تو پیر صاحب ٹال جاتے تھے۔مگر ایک دن یہ پیر صاحب علامہ صاحب کے ہاتھ چڑھ ہی گئے۔علامہ صاحب کے پاس ان کی آمد تو کسی اور مباحثہ یا نزاع سے متعلق تھی، مگر علامہ صاحب نے انہیں متذکرہ مسئلہ صلوٰۃ وسلام میں پھنسا لیا اور پھر یہ صاحب کیسے پھنسے؟ یہ داستان علامہ صاحب کے عقیدتمند ایک عینی شاہد سے ملاحظہ کیجیے!

> ''یہی مولوی (عبدالقادر جیلانی) صاحب ایک مرتبہ ۴، مارچ ۱۹۸۰ء کو مولوی عنایت اللہ سانگلوی اور مولوی گل رحمٰن کو اپنے ہمراہ لے کر بولٹن کے کسی قصہ کو طے کرنے کے لیے گیارہ بجے شب حضرت علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ العالی کے پاس اسلامک اکیڈمی مانچسٹر پہنچے۔گفتگو شروع کی تو مولوی صاحب نے خطبہ یوں پڑھا: **''نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم''** علامہ صاحب نے فوراً کہا کہ آپ نے درود بغیر سلام کے پڑھ کر خود ہی اپنے مسئلہ کو ختم کر دیا ہے۔اس پر ان کے سب ساتھی دم بخود رہ گئے اور کہنے لگے کہ ''غلطی ہو ہی جاتی ہے۔'' یہ ایک اتفاقی بات نہ تھی کہ انہیں اس وقت درود کے ساتھ سلام پڑھنا یاد نہ رہا ہو۔ بلکہ اس سے پہلے بھی وہ ایک تحریر میں یہی درود بغیر سلام کے لکھ چکے تھے۔مولوی عبدالقادر صاحب کی یہ اپنے ہاتھوں مذہبی خودکشی انہیں آخری وقت تک رلاتی رہے گی۔'' [''مذہبی خودکشی'' مشمولہ مطالعہ بریلویت: ۳۹۳/۴]

مناظرہ شیفیلڈ (برطانیہ) ۲۰ر جولائی ۱۹۸۰ء

۱۹۸۰ء میں پاکستان کے چند مشہور بریلوی مکتب فکر کے علماء کرام نے جب انگلینڈ کا دورہ کیا تو ان کے پیش نظر وہاں جا کر پوری ہمت کے ساتھ فرقہ وارانہ فضاء پیدا کر کے مسلمانوں کو تشویش میں ڈالنا تھا چنانچہ علماء کرام کی اس کیمپ میں مولانا محمد عنایت

اللہ سانگلوی، مولانا سید حامد علی شاہ صاحب (سرگودھا) مولانا پیر عبدالقادر جیلانی (مقیم لندن) اور دیگر کم وبیش سترہ علماء شریک تھے۔ مارچ ۱۹۸۰ء کو جب پیر عبدالقادر صاحب جیلانی کو علامہ صاحب نے مسئلہ صلوٰۃ وسلام کی بحث میں جکڑا تھا تو تب ان کے ساتھ مولانا عنایت اللہ سانگلوی بھی تھے۔ مولانا سانگلوی اور جیلانی صاحب میں بہت گاڑی چھنتی تھی۔ اس مباحثہ سے ان حضرات کو اپنی اصلاح کر لینی چاہیے تھی، مگر اصلاح تو ان حضرات کا مقصد ہی نہ تھا اور نہ ہی علمی تبادلہ خیال کا جذبہ تھا۔ چنانچہ انگلینڈ کے ایک شہر شیفیلڈ میں انہوں نے کچھ ایسا محاذ گرم کیا کہ نوبت باقاعدہ مناظرے تک جا پہنچی تھی حضرت علامہ صاحب رقمطراز ہیں:

’’۲۰؍جولائی ۱۹۸۰ء اتوار کے دن شیفلیڈ میں علم غیب کے عنوان پر علماء اہل سنت اور بریلویوں کے مابین مناظرہ ہوا، بریلویوں کے مناظر مولوی عنایت اللہ سانگلوی (شاگرد خاص مولوی سردار احمد لائل پوری) تھے ان کے ساتھ سترہ علماء اور تھے ان علماء کا متفقہ اصرار تھا کہ موضوعات مناظرہ وہی ہوں جو بولٹن کی ایک پرانی تحریر میں ہیں، بریلوی علماء سمجھتے ہیں کہ بولٹن کی اس تحریر میں گویا انہوں نے ایک بڑا میدان مارا ہوا ہے اور اس پر علماء دیوبند مناظرہ کر سکیں گے، ان موضوعات میں پہلا موضوع علم غیب تھا۔ اس میں ’’علم غیب نبوی‘‘ کی تخصیص نہ تھی۔ مطلق علم غیب کا عنوان تھا جبکہ آخری موضوع بشریت تھا اور اس کے ساتھ ’’بشریت النبی‘‘ کی تصریح تھی، اہل سنت کے مناظر راقم خالد محمود نے کہا کہ علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے، اس لیے آج حسب تحریر مناظرہ علم غیب ہوگا۔ مولوی عنایت اللہ نے کہا نہیں مناظرہ علم نبوی پر ہوگا، راقم الحروف نے کہا کہ اگر آپ لکھ دیں کہ آپ علم غیب پر مناظرہ نہیں کر سکتے تو ہم علم نبوی کے موضوع پر بھی مناظرہ کے لیے حاضر ہیں، لیکن بدوں اس کے ہم موضوع بدلنے نہ دیں گے، اس وقت بریلوی علماء کو احساس ہوا کہ بولٹن کی مذکورہ پرانی تحریر میں موضوعاتِ مناظرہ واقعی واضح طور پر معین نہ تھے اور یہ کہ ان عنوانات پر انکار اصرار فضول اور غلط تھا۔ راقم الحروف نے کہا کہ علم کا لفظ جب غیب کی طرف مضاف ہو تو یہ علم ذاتی کے لیے آتا ہے، علم عطائی کے لیے نہیں اور علم غیب کی کوئی قسم عطائی نہیں ہے جب اللہ تعالیٰ کسی کو کسی غیب کی خبر کر دے تو اسے خبر غیب، اطلاع علی الغیب، اظہار غیب، علم وحی یا علم الہام کہتے ہیں، علم غیب نہیں کہتے، سو آج بحث حسب موضوع صرف علم غیب پر ہوگی علم نبوی پر نہ ہوگی۔ آپ اگر علم مخلوق کے لیے قرآن وحدیث میں کہیں علم غیب کا لفظ دکھا دیں تو آپ کو ایک سو پونڈ انعام دیا جائے گا۔ علم غیب ذاتی علم کو ہی کہتے ہیں اور علم غیب اس طرح ذرہ بھر کسی مخلوق کو حاصل نہیں۔ وہ ہے ہی اس ذات کے لیے جس کا علم اپنا ہے کسی کی عطا نہیں!

(مولوی عنایت اللہ سانگلوی کی مذہبی خودکشی) کہ وہ کچھ ایسے مرعوب ہوئے کہ کہنے لگے ہم بھی حضورؐ کے لیے ذاتی علم نہیں مانتے (علم غیب نہیں مانتے) آپ کے لیے اظہارِ غیب اور غیب کی خبریں مانتے ہیں اور اس پر **فلا یظھر علی غیبہ** والی آیت پڑھی۔ اس آیت میں اظہار غیب کے الفاظ تھے، علم غیب کے نہ تھے، اس پر انگلینڈ کے سترہ بریلوی علماء نے مولوی عنایت اللہ سانگلوی کو بہت گھور کر دیکھا کہ اس نے اتنی جلدی ہتھیار کیوں ڈال دیئے؟ اور حضورؐ کے لیے ذاتی علم کا انکار کر دیا۔ مولوی عنایت اللہ کی اس مذہبی خودکشی پر صف ماتم بچھ گئی کیونکہ اس بات کے تو علماء (اہل سنت) دیوبند بھی قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو کروڑوں غیب کی خبریں دی ہیں، وہ صرف علمی غیب کی نفی کرتے تھے اور وہ مولوی عنایت اللہ نے مان لی تھی۔‘‘ [مطالعہ

بریلویت:۳۹۰/۴]

اب اس مناظرہ کی مکمل سرگذشت ملاحظہ کیجیے جو اسی دور میں شائع کروا کر تقسیم کی گئی تھی، مگر علامہ صاحبؒ کے سوانح اور علمی خدمات کے تسلسل میں زیرِ نظر اشاعتِ خاص کے قارئین جب یہ سرگذشت پڑھیں گے تو اس کا اپنا ہی لطف لیں گے۔

''مرتب: سرزمین برطانیہ میں بسنے والے مسلمان مختلف ممالک کے سفر کر کے یہاں آباد ہوئے ہیں۔ اپنی محنت مزدوری کرنے کے بعد جو وقت ملتا ہے اور وہ اسلام اور دینی تعلیمات کے حصول پر صرف کرتے ہیں۔ علمائے دیوبند جو مختلف مقامات سے یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ان کی رات دن کی محنت اور تبلیغی جماعت کی جدوجہد سے برطانیہ میں اسلام کی روشنی اور نور پھیل رہا ہے۔ الحمد للہ مسجدیں آباد ہو رہی ہیں۔ بچوں اور بڑوں میں دینی شعور بڑھ رہا ہے لیکن کچھ عرصہ سے یہاں پر پاکستان سے بریلوی علماء کی کھیپ شاہ احمد نورانی اور مسٹر عبدالستار خاں نیازی کی قیادت میں آوارد ہوئی ہے۔ جس نے گھر گھر قریہ قریہ فرقہ پرستی اور کافر سازی کی تشویشناک اور افسوسناک مہم چلا کر مسلمانان برطانیہ کو ایک دوسرے سے لڑا کر گھر گھر فساد پھیلا دیا ہے۔ کوئی مسلمان انہیں اچھا نہیں لگتا۔ بلکہ ہر ایک کو تکفیر کا نشانہ بنا کر دائرہ اسلام سے خارج اور کرنا ان کی تحریکوں کو جس طرح سبوتاژ کرتے رہتے ہیں یہ بات بھی کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے مگر برطانیہ میں تو انھوں نے شرافت کی تمام حدود کو پھاند کر شرافت و اخلاق سے عاری ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے۔ ان کی مشق ستم علمائے دیوبند اور تبلیغی جماعت کے وہ کارکن ہیں جو شبانہ روز کی محنت سے عوام و خواص میں دینی شعور بیدار کر رہے ہیں۔ اس جہاد کو تیز کرنے کے لیے نورانی صاحب پاکستان سے چند بدزبان کافر ساز مولوی بھی لاتے رہتے ہیں۔ جو پورا سال علمائے دیوبند اور تبلیغی جماعت کو کافر بنانے میں صرف کرتے رہتے ہیں۔ ان مولویوں میں مولوی عبدالقادر آف راولپنڈی اور مولوی عنایت اللہ سانگلہ ہل اور مولوی عبدالوہاب اچھروی سرفہرست ہیں۔ یہ مولوی صاحبان میلاد کے نام پر مجالس برپا کر کے تکفیر اور سب وشتم کا وہ بازار گرم کرتے ہیں کہ شرافت اپنا منہ پیٹ کر رہ جاتی ہے۔

گزشتہ دو برسوں سے نورانی میاں اور عبدالستار نیازی کی قیادت میں عنایت اللہ سانگلہ ہل کے مولانا عنایت اللہ نے علمائے دیوبند کو مناظرہ کی چیلنج بازی شروع کر رکھی تھی جس کا جب سنجیدگی سے نوٹس لیا جاتا تو آئیں بائیں شائیں کر جاتے مگر پھر جہاں اپنی اکثریت اور حواریوں کا ہجوم دیکھتے تو پھر گیدڑ بھبکی لگا دیتے۔ چنانچہ اس مرتبہ انھوں نے رادھرم میں ایک عرس میں تقریر کرتے ہوئے پھر علمائے دیوبند کو مناظرہ کا چیلنج کیا۔ جسے انجمن خدام توحید وسنت شیفیلڈ نے فوراً منظور کر لیا اور بریلوی جماعت کو باقاعدہ اطلاع کر دی کہ ہم مناظرہ کے لیے تیار ہیں۔ ہمارے ساتھ مناظرہ کی شرائط اور مقام مناظرہ اور وقت مناظرہ طے کر لیا جائے، چنانچہ فریقین نے مندرجہ ذیل امور طے کیے!

۱- مناظرہ شیفیلڈ میں ہوگا۔

۲- موضوع مناظرہ: علم غیب، حاضر ناظر، نور بشر اور مسئلہ مختار کل ہوگا۔

۳- اور یہ بھی طے پایا کہ ۲۰/ جولائی ۱۹۸۰ء (اتوار) ۲ بجے تک جو مقام مناظرہ پر نہ پہنچا۔ اس کی شکست کا اعلان کر دیا جائے گا۔

انجمن خدام توحید وسنت کے ارکان نے شرائط مناظرہ اور مقام مناظرہ طے کرنے کے بعد حضرت مولانا علامہ خالد محمود

صاحب سے رابطہ کیا اوران سے درخواست کی کہ انجمن کے اراکین نے جو تاریخ اور موضوع مناظرہ متعین کرلیا ہے اس کے مطابق آپ ہماری درخواست کو قبول فرما کر ہماری سرپرستی فرمائیں اور فرقہ پرور لوگوں کو سرزمین برطانیہ میں وہ عبرتناک سزا دی جائے جوان کی تاریخ کا عبرتناک المیہ بن جائے۔ چنانچہ حضرت علامہ صاحب مدظلۂ نے انجمن کی درخواست کو قبول فرمالیا اور انہیں مناظرے کی تیاری کی ہدایت فرمادی۔ خوش قسمتی سے انہی دنوں پاکستان سے حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب بھی برطانیہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ جن کی نا قابل تردید تقریروں سے شرک و بدعت کے ایوان لرز اٹھے تھے۔ اور بریلوی جماعت پرخوف و ہراس طاری تھا۔ نورانی، نیازی ان کی آمد کے ایک ہفتہ بعد ہی دم دبا کر بھاگ گئے۔ اوران کی بقیہ ذیلی کھیپ میں ہلچل مچ گئی تھی۔

مولانا محمد ضیاء القاسمی سے انجمن کے اراکین نے درخواست پیش کی تو انھوں نے بھی خندہ پیشانی سے انجمن کے اراکین کی درخواست قبول فرما کر انہیں خصوصی ہدایات دیں۔ اور کچھ اس انداز سے اہل حق کی حوصلہ افزائی فرمائی کہ پورے علاقے کے دوستوں کے حوصلے بڑھ گئے اور دن رات اس مناظرہ کی تاریخ کے دن گنے جانے لگے۔ جوں جوں مناظرہ کی تاریخ کا وقت قریب ہوتا گیا۔ بریلویوں کے حوصلے پست ہونے لگے۔ اور کوششیں شروع ہوگئیں کہ کسی طرح حیل و حجت کر کے اس مناظرہ سے راہ فرار اختیار کرلی جائے۔ بریلوی حضرات کی کمیٹی کے ذمہ دار افراد نے بتایا کہ ہم نے اپنے علمائے کرام سے رابطہ قائم کیا ہے مگر وہ ان شرائط اور عنوانات پر مناظرہ کرنے سے گھبرا رہے ہیں۔ اور وہ اس بات پر ہمیں سخت لعن طعن کررہے ہیں کہ آپ نے ہمارے مشورے کے بغیر ان موضوعات پر مناظرہ کرنا کیوں منظور کیا ہے؟ اس سے بریلوی حضرات کی کمیٹی کے اراکین بہت گھبرا گئے کہ اب اگر ہمارے علمائے کرام مناظرہ کے لیے وقت مقررہ پر نہ پہنچے۔ تو پورے برطانیہ میں ہماری جڑیں اکھڑ جائیں گی۔ اور ہماری ذلت و رسوائی کے ڈنکے چار دانگ عالم میں بج جائیں گے چنانچہ فریقِ مخالف کی منتظمہ کمیٹی کا اجلاس زیر صدارت مولوی منیر الزماں صاحب منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل حضرات نے شرکت کی۔

۱- چوہدری محمد سردار صاحب شیفیلڈ۔

۲- ماسٹر نذیر احمد صاحب شیفیلڈ۔

۳- راجہ شبیر حسین صاحب شیفیلڈ۔

۴- راجہ سجاول خاں صاحب شیفیلڈ۔

ان حضرات نے اپنی ذلت اور رسوائی کو مقدر کا ستارہ سمجھتے ہوئے پھر مولوی عبدالقادر اور مولوی عنایت اللہ سے رابطہ قائم کیا کہ ہمارا شیفلیڈ میں دیوبندیوں سے مناظرہ کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اب اگر آپ حضرات نہ آئے تو **ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةَ** کا عالمگیر منظر پوری دنیا دیکھے گی۔ اور ہم نہ گھر کے رہیں گے اور نہ گھاٹ کے۔ چنانچہ ان علماء کرام نے مولوی منیر الزماں صاحب کو سخت ڈانٹ پلانے کے بعد یہ تجویز دی کہ آپ حضرات اسی دن اسی تاریخ پر طے شدہ ہال کے مقابلہ میں دوسرا ہال بک کرالو۔ اور وہاں پر عرس پاک کا اعلان کر کے خفت مٹانے کے لیے پورے برطانیہ کے ہم خیال لوگوں کو جمع کرو۔ جس میں یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کی جائے کہ ہم دیوبندی حضرات سے نئے سرے سے مناظرہ کی شرائط طے کریں گے اس طرح

شور وغوغا کر کے شام کو واپس فیسیں لے کر اپنے گھروں کو چلے جائیں گے۔ بھرم بھی رہ جائے گا اور مناظرہ سے جان بھی چھوٹ جائے گی۔ چنانچہ مولوی منیر الزماں اور ان ساتھیوں نے اہل حق اہل سنت والجماعت شیفلیڈ کی منتظمہ کمیٹی سے رابطہ قائم کر کے اپنے پہلے معاہدہ سے انحراف اور مناظرہ سے صاف انکار کر کے اپنی شکست اور ذلت ورسوائی کا نہ مٹنے والا داغ ہمیشہ سے اپنی تعصب زدہ جبینوں پر لگالیا۔ اس نئی صورت حال سے نمٹنے کے لیے انجمن خدام توحید وسنت شیفلیڈ کی منتظمہ کمیٹی کا اجلاس حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں کمیٹی کے مندرجہ ذیل حضرات نے شرکت فرمائی۔

۱- حاجی بوستان خاں صاحب شیفیلڈ۔ امیر تبلیغی جماعت۔

۲- سید حسن شاہ صاحب شیفیلڈ۔

۳- حاجی محمد صدیق خان صاحب۔

۴- حاجی محبت خاں صاحب چوہدری۔

۵- محمد یوسف صاحب۔

ان حضرات میں پورے غور وخوض کے بعد طے پایا کہ مخالف حضرات کو ہر ممکن طریقہ سے مناظرہ پر آمادہ کیا جائے تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کی ابلیسانہ چال میں پھنسنے والے عوام کو ان کے مکروفریب سے بچایا جاسکے، چنانچہ چند ممبروں پر مشتمل ایک وفد تشکیل دیا گیا جنہوں نے مخالف جماعت کے سربراہ مولوی منیر الزماں صاحب سے رابطہ کر کے انہیں مناظرہ پر آمادہ کرنے کی کوشش تیز کر دیں چنانچہ مولوی منیر الزماں کو جب راہ فرار کا کوئی جواز نظر نہ آیا تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ہم بے بس ہیں۔ ہمارے مولوی حضرات علامہ خالد محمود صاحب اور مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب کے نام سے گھبراتے ہیں۔ اور وہ کسی قیمت پر مناظرہ کے لیے تیار نہیں ہوتے، حالانکہ ہم نے انہیں منہ مانگے دام بھی ادا کرنے کا وعدہ کرلیا ہے۔ اب اگر دیوبندی حضرات نے مناظرہ کرنا ہی ہے تو ان سے بات چیت کی جائے۔ ہماری پوزیشن تو بالکل ہی زیرہو کر رہ گئی۔ اور مولوی منیر الزماں نے آبدیدہ ہو کر کہا ہمارے مولویوں نے تو ہماری ساکھ ہی ختم کر دی ہے۔ یہ صرف اسٹیج پر ہی بڑھکیں مارتے ہیں۔ پرلے درجے کے دنیا پرست، دین فروش اور بے حیا ثابت ہوئے ہیں۔ یہ کہہ کر مولوی منیر الزماں صاحب پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی طرح رونے لگے۔ اہل حق نے انہیں دلاسہ دلاتے ہوئے کہا کہ مولوی صاحب روئیے نہیں صبر کریں۔ آپ ان بزدلوں سے اپنا دامن چھڑا کر نجات حاصل کرلیں، اللہ تعالیٰ آپ کو دین کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے گا۔ مولوی منیر الزماں نے کہا:

میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میرا ان رسموں، ریتوں کی کمائی کے بغیر گزارہ نہیں ہوگا۔ مولوی عنایت اللہ سانگلوی اور مولوی عبدالقادر چند ماہ ہوئے یہاں آئے ہیں، انہوں نے ہماری چمڑیاں ادھیڑ کر لاکھوں روپیہ کمایا ہے۔ ہم کیوں دیوبندیوں کی وجہ سے بنی بنائی کھیل بگاڑیں؟ چنانچہ وہ منہ بسورتے ہوئے سرد آہیں بھرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ ان سابقہ شرائط پر مناظرہ کرانے سے ہم لاچار ہیں اور اگر کسی نے مناظرہ ضرور کرنا ہی ہے تو وہ ان مولوی صاحبان سے براہ راست رابطہ پیدا کریں۔

خدام التوحید والسنۃ کے اراکین مولوی منیر الزمان کی اس بے بسی اور راہ فرار سے بہت پریشان ہوئے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس نئی صورت حال سے حضرت علامہ مولانا خالد محمود صاحب اور خطیب پاکستان مولانا محمد ضیاء القاسمی کو باخبر کیا جائے اور

آئندہ کا لائحہ عمل تیار کر کے نئی صورت حال کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت مولانا عبید الرحمان صاحب کی قیادت میں اراکین کمیٹی کا ایک وفد مانچسٹر روانہ ہوا۔ جس نے حضرت علامہ صاحب اور قاسمی صاحب سے ملاقات کی۔ اور اپنے اکابر کو نئی صورت حال سے آگاہ کیا۔ دونوں حضرات نے فرمایا کہ ہمیں پہلے ہی معلوم تھا کہ بریلوی حضرات زہر کا گھونٹ تو پی سکتے ہیں مگر علمائے دیوبند کا سامنا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مولوی احمد رضا خاں اور مولوی حشمت علی سے لے کر مولوی سردار احمد تک ان کا ہمیشہ یہ وطیرہ رہا کہ یہ علم غیب، حاظر وناظر، مختار کل اور نور بشر کے مسائل پر مناظرہ نہیں کر سکتے۔ ان کو صرف اپنی جہالت اور رٹی رٹائی باتوں پر ہی شور وغوغا آرائی آتی ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے دلائل و براہین کے سامنے ان تہی دستوں کی کوئی بات نہیں بنتی۔ اس لیے انہوں نے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق یہ تدبیر اختیار کی ہے لیکن اب انہیں بھاگنے نہ دیا جائے۔ اور ان کو ہر صورت میں مجبور کر کے میدان میں لایا جائے تا کہ اہل برطانیہ کے سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نکھر کر آجائے۔ ہماری طرف سے کوئی شرائط نہیں ہیں۔ اگر وہ کسی صورت بھی نہ مانیں تو پھر بلا شرائط ہی مناظرہ منظور کر لیا جائے۔ مگر نفسِ امارہ کے پجاریوں کو مناظرہ سے فرار کا موقعہ نہ دیا جائے۔ اب ان کو بتا دیا جائے کہ نور توحید وسنت کے سامنے تمہارے الزامات واشکالات کے اندھیرے کافور ہو کر رہیں گے۔ اور ان شاء اللہ تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عاجز و بے بس کر دیا جائے گا۔ دین خداوندی غالب ہو کر رہے گا۔ سنت رسول اللہ کا آفتاب چمکتا رہے گا اور کوئی بدعت پرست دم نہیں مار سکے گا۔ انجمن خدام توحید وسنت شیفلیڈ کے اراکین نے پھر مولوی منیر الزماں اور بریلوی منتظمہ کمیٹی سے رابطہ پیدا کر کے انہیں اس بات کی اطلاع کر دی کہ مناظرہ کرانے کا معاہدہ فریقین نے کیا تھا اس کو منسوخ کرنے کا کسی ایک فریق کو حق نہیں ہے۔ اس لیے ہم تمہیں اطلاع دیتے ہیں کہ سٹی ہال میں مناظرہ ہوگا۔ اگر بریلوی فریق کے علماء مناظرہ اور منتظمہ کمیٹی کے ممبران مقررہ وقت پر ہال میں شیفلیڈ نہ پہنچے تو طے شدہ قرارداد کے مطابق ان کی شکست کا اعلان کر دیا جائے گا۔ اس وارننگ کے بعد اراکین انجمن توحید وسنت مناظرے کے اہتمام میں منہمک ہو گئے۔ اور پورے برطانیہ میں اس مناظرہ کی وجہ سے شیفلیڈ پر نظریں جم گئیں۔ اور ہر شہر میں، ٹاؤن میں عوام وخواص مناظرے میں پہنچنے کے لیے تیاری کرنے لگے۔ کیونکہ شاہ احمد نورانی صاحب اور مولانا عبدالستار نیازی صاحب اور ان کی تقریروں نے جو گھر گھر فساد پھیلا رکھا تھا۔ لوگ اس سے اکتا کر حق وباطل، سچ اور جھوٹ، توحید وشرک اور سنت وبدعت کے درمیان نمایاں فرق دیکھنا چاہتے تھے کہ کتاب وسنت کے دلائل کس فریق کے ساتھ ہیں اور لاف زنی اور اباؤ واجداد کی رسموں اور ریتوں کے سہارے کون چل رہا ہے؟

انتظار شدید اور مدتوں کی خواہش کے بعد ۲۰ جولائی ۱۹۸۰ء کو ہر شہر سے شیفلیڈ کی جانب قافلے رواں دواں تھے اور سٹی ہال شیفلیڈ کی جانب پہنچ رہے تھے۔ شیفلیڈ پہنچ کر جب سٹی ہال قافلے پہنچے تو انہیں یہ دیکھ کر اور جان کر بہت ہوشی ہوئی کہ حضرت علامہ مولانا خالد محمود صاحب اور خطیب پاکستان مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب، حضرت مولانا منظور الحق صاحب برمنگھم۔ حضرت مولانا عبدالرشید صاحب ربانی ڈیوزبری۔ حضرت مولانا فتح محمد صاحب لہر بریڈفورڈ۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب مانچسٹر۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب ڈیسائی بریڈفورڈ۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب منوری اور دیگر دیوبندی سنی مکتب فکر کے علماء کرام کا انتظار کر رہے ہیں۔ تا کہ ان کے آنے پر مناظرہ کا آغاز ہو سکے۔ لیکن یہ جان کر بہت دکھ اور صدمہ ہوا کہ بریلوی جماعت اور ان کے اراکین اور مناظر مولوی عنایت اللہ سانگلوی اور مولوی عبدالقادر پہلے مرحلہ میں ہی شکست فاش کھا چکے ہیں اور انہوں نے

صاف لفظوں میں سٹی ہال میں آنے سے اور مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا۔ فریق مخالف کے مناظر حضرت علامہ خالد محمود صاحب اور حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب کے ساتھ مناظرہ کرنے سے اتنے گھبرا گئے کہ انہوں نے سامنے آنے کی بجائے اپنی رسوائی اور شکست کی ذلت کو تو گوارا کیا مگر آمنا سامنا کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

انجمن توحید وسنت کے ارکان حضرت مولانا عبید الرحمان صاحب حاجی بوستان خاں صاحب اور حسن شاہ صاحب نے پھر منیر الزماں اور ان کی کمیٹی کے اراکین کو سمجھایا بجھایا اور آمادہ کرنے کی کوششیں کیں کہ ہمارے علمائے کرام سٹی ہال میں وعدہ کے مطابق تشریف لا چکے ہیں۔ آپ حضرات بریلوی مناظرین کو لائیے تاکہ بروقت مناظرہ شروع ہو سکے! مگر ان حضرات کو نہ آنا تھا۔ اور نہ ہی آئے۔ پورے تین بجے تک سٹی ہال شیفلیڈ میں مولوی عبدالقادر اور مولوی عنایت اللہ سانگلوی جب نہ پہنچے تو حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی نے اعلان کیا کہ!

حضرات چونکہ مخالف حضرات تین بجے تک وعدہ کے مطابق سٹی ہال میں نہیں آئے اس لیے میں ان کی مقامی جماعت کے اراکین کمیٹی اور مولوی عبدالقادر اور مولوی عنایت اللہ سانگلوی کی شکست فاش کا اعلان کرتا ہوں۔

حضرت مولانا ضیاء القاسمی کے باطل شکن اعلان کے بعد خطیب پاکستان زندہ باد اور حضرت قائد اہل سنت علامہ خالد محمود زندہ باد، علمائے دیوبند زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے ہال گونج اٹھا۔ اور اہل حق کے چہرے مسرت سے چمک اٹھے۔ ایک خاص طمانیت اور سکون ان کے چہروں سے نمایاں ہو رہا تھا۔ اہل حق ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے اور مبارکباد اور تحسین و آفرین کی صدائیں پورے ہال میں گونج رہی تھیں۔ حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب اور مولانا منظور الحق صاحب نے اپنی مختصر تقریروں میں اہل حق کو اپنے عقیدہ توحید وسنت پر جمے رہنے اور زیادہ سے زیادہ دین کے لیے محنت کرنے کی تلقین فرمائی اور ساتھ ہی خطیب پاکستان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے آج کے قافلہ علماء اور اہل حق کا امیر منتخب فرما لیا۔ اور اعلان کر دیا کہ مستقبل کے لیے حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی جو فیصلے فرمائیں گے ہم سب انہیں دل وجان سے قبول کریں گے۔

مولانا محمد ضیاء القاسمی کا نعرہ حق

خطیب پاکستان مولانا محمد ضیاء القاسمی نے اپنی تقریر میں اہل حق کو مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا کہ گروہ اہل حق کے سامنے آنے کی سکت نہیں رکھتا۔ یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے بلکہ ان کے بڑوں نے ہمیشہ بھاگنے کا رویہ ہی اختیار کیے رکھا تھا۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری نے مولانا احمد رضا خان کو بریلی میں جا کر بھگایا حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے مولانا عبدالسمیع رام پوری کو بھگایا۔ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے ان کے صدر المناظرین حشمت علی اور مولوی سردار احمد بریلوی کو بریلی جا کر بھگایا۔ اور اسی طرح آج حضرت علامہ صاحب اور اس عاجز و دیگر علمائے دیوبند کے تشریف لانے سے مولوی عبدالقادر اور مولوی عنایت اللہ بھاگ چکے ہیں اور رسوائی و ذلت کا داغ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کے دامن پر نمایاں رہے گا۔ لیکن میں ان کو بھاگنے نہیں دوں گا۔ میں پورے انگلینڈ میں ان کا تعاقب کروں گا۔ اور جب تک ان کی گستاخ زبانوں کو گنگ نہیں کر دیتا میں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ اب بھی میں نے سنا ہے کہ وہ آج شیفلیڈ کے ایک ہال میں ایک عرس میں خطاب کر رہے ہیں۔ میں امیر قافلہ اہل حق کی حیثیت سے اعلان کرتا ہوں کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی اعانت ونصرت سے ان کے ہال میں

جائیں گے اور ان علماء کو ان کے معتقدین کے ساتھ موقع پر پکڑ کر ان سے مناظرہ کریں گے۔ ان کو بھاگنے نہیں دیا جائے گا۔ میں آپ سے اور تمام علمائے کرام سے عرض کروں گا کہ آپ میرے ہمراہ چلیں اور ان کے ہال میں جا کر توحید و سنت کی حقانیت قائم کریں اور باطل کے پرخچے اڑائیں جسے پوری دنیا دیکھے گی کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر؟ مولانا محمد ضیا القاسمی کی اس مجاہدانہ اور بے باکانہ للکار نے پورے شیفلیڈ کو ہلا کر رکھ دیا۔ مخالف سامعین کے چہرے لٹک چکے تھے۔ رنگ فق ہو چکے اور خون منجمد ہو چکا تھا اور وہ بھاگ کر اپنے مولویوں کے پاس پہنچے اور ان کو علمائے دیوبند کی للکار سے آگاہ کیا کہ علمائے دیوبند آ رہے ہیں اور تمہارا یوم حساب قریب آ چکا ہے۔ اس لیے تیاری کرلو۔ لوگوں میں کھلے الفاظ میں اعتراف ہونے لگا۔ کہ علمائے دیوبند بہادر بھی ہیں اور حق وصداقت کا دامن بھی انہی کے ہاتھ میں ہے کس طرح دشمن کی صفوں میں بلا خطر جا رہے ہیں اور کس طرح آتش نمرود میں کودنے کی تیاری میں ہیں۔ مولانا ضیا القاسمی نے تبلیغی جماعت کے احباب سے درخواست کی کہ آپ میرے قریب آ جائیں اور اجتماعی طور پر خلوص نیت سے اہل حق کی فتح و کامرانی اور اہل باطل کی رسوائی اور شکست فاش کے لیے دعا کی جائے۔ حضرت خطیب پاکستان اور تبلیغی جماعت کے دوستوں اور اہل حق نے اس سوز و گداز، عاجزی اور انکساری سے رب العزت کی بارگاہ میں دعا کی کہ تمام مجمع سے آہ و بکا کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اور رب کریم سے فتح و نصرت مانگی جا رہی تھی۔ اپنی عاجزی، بے بسی کا اعتراف تھا۔ اس مالک الملک پر بھروسے اور اعتماد کا یقین تھا۔

علمائے اہل سنت دیوبند بریلویوں کے ہال میں داخل ہو گئے!

فریقِ مخالف کو اس بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ علمائے دیوبند ہمارے ہال میں ہمارے عرس میں اور ہماری ہی منعقدہ مجلس میں اس بے باکی اور جرأت سے آسکتے ہیں۔ مگر اللہ کے یہ شیر بلا خوف و خطر اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر ان کے اجتماع میں جا داخل ہوئے۔ خطیب پاکستان مولانا محمد ضیا القاسمی اور قائد اہل سنت علامہ خالد محمود صاحب کو یوں آتے دیکھ کر وہ حضرات اس طرح بوکھلائے کہ ان کو جان کے لالے پڑ گئے اور ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ چہروں پر مردنی چھا گئی۔ کیمبل پور کے ایک نوجوان افسر خان نے زوردار اور گرجدار آواز میں ہال میں داخل ہوتے ہی جب ''علامہ خالد محمود زندہ باد'' کا نعرہ بلند کیا تو در و دیوار ہل گئے۔

یہ حق و صداقت کی آواز کچھ اس خلوص سے گونجی کہ ان کے ہاں افراتفری پیدا ہو گئی۔ مولویوں اور ان کے حواریوں میں خوف و ہراس پیدا ہو گیا۔ ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے۔ مولوی عبدالقادر اور مولوی عنایت اللہ کو برا بھلا کہنے لگے کہ تم نے ہمیں رسوا کر دیا۔ تم نے ہمارا منہ کالا کرا دیا۔ اگر سٹی ہال میں چلے جاتے تو ہمیں رسوائی اور ذلت کی گھڑی دیکھنا نصیب نہ ہوتی اب ہم پورے برطانیہ میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ لوگ ہمیں طعن و تشنیع کریں گے کہ تم وعدہ کر کے وہاں نہ گئے۔ دیوبندی سچے نہ ہوتے تو وہ تمہارے ہال میں کس طرح داخل ہو سکتے تھے۔ مولوی عبدالقادر کا بہت ہی برا حال تھا۔ ہر مرید اسے گھور گھور کر دیکھتا اور اس کو کہتا کہ اہل سنت دیوبندیوں کا ہمارے ہال میں چلے آنا فتح مبین ہے۔ حامد علی شاہ اور مولوی عبدالوہاب اچھروی کا بہت ہی برا حال ہو رہا تھا۔ وہ مولوی عنایت اللہ کو کہتے سنے گئے کہ اس حریص اور مریض بوڑھے نے ہمیں ذلیل کر دیا ہم نے اس کو بہت سمجھایا کہ مناظرہ تو کرنا ہی نہیں تھا، صرف وقار قائم رکھنے کے لیے ہمیں سٹی ہال میں چلے جانا چاہیے تھا اور وہاں ہنگامہ کرا کے واپس

چلے آتے۔اس طرح عوام میں ہمارا بھرم بھی رہ جاتا اور کچھ لاج بھی رہ جاتی، مگر اس ضدی بوڑھے نے ہماری ایک نہ مانی۔اب دیوبندیت فاتح کی حیثیت سے ہمارے عرس پاک میں داخل ہو چکی ہے۔اس لیے اب ہمیں عبرت ناک رسوائی سے دوچار ہونا پڑے گا۔مولوی نثار بیگ نے حامد علی شاہ اور مولوی عبدالوہاب سے سرگوشی کے انداز میں کہا کہ اب مرتا کیا نہ کرتا، کے مصدق پروگرام یہ بنایا جائے کہ پورے ہال میں آدمی مقرر کر دیئے جائیں۔جب ہم اشارہ کریں تو وہ عوام کو اشارہ کر دیں اور عوام کو کہہ دیا جائے کہ وہ ہمارا اشارہ دیکھتے ہی شور مچانا اور ہاؤ ہو تالی پیٹنا اور سیٹیاں بجانا شروع کر دیں علامہ خالد محمود صاحب جب بولنا چاہیں تو ان کی آواز کو شور وغوغا میں دبا دیا جائے۔اور مولانا محمد ضیا القاسمی کی آواز کو دبانے کے لیے ایک حشر بپا کر دیا جائے تاکہ کان پڑی آواز نہ سنائی دے۔چنانچہ پروگرام طے کرنے کے بعد مولوی نثار بیگ اور مولوی منیر الزماں دونوں ہال کے چاروں کونوں میں گھوم کر عوام کو سمجھانے لگے اور ہر چار پانچ قدم پر ایک آدمی کی ڈیوٹی لگا دی کہ اسٹیج کی طرف سے جب مولوی نثار بیگ اور حامد شاہ اشارہ کریں تو فوراً شور شروع کر دیا جائے۔اس منصوبہ بندی کے بعد سٹیج سے اعلان کیا گیا کہ حضرات! سنی بریلوی اہل سنت و جماعت نے کسی کو مناظرہ کی دعوت نہیں دی۔دیوبندی علماء بالجبر ہمارے عرس میں آ داخل ہوئے ہیں اس لیے اب ہم نے مجبوراً ان سے بات چیت کرنا ہے۔ہماری طرف سے اس مجلس مناظرہ میں مولانا عبدالقادر گیلانی کو صدر مقرر کیا جاتا ہے۔

صدر مناظر: مولوی عنایت اللہ صاحب سانگلہ ہل

معین مناظر: مولانا حامد علی شاہ صاحب

مولانا عبدالوہاب اچھروی

اور مفتی گل رحمٰن صاحب ہوں گے!

علمائے اہل سنت دیوبند کا اعلان

علمائے دیوبند کے چہرے بشاشت اور خوشی سے کھل اٹھے کہ اللہ تعالیٰ نے آج ہمیں باطل پر حق ظاہر کرنے کا موقع مرحمت فرمایا ہے۔تبلیغی جماعت اور تمام احباب نے دعاؤں کا سلسلہ اور تیز کر دیا۔خدا کے حضور گردنیں جھک گئیں اور فتح و نصرت کی دعاؤں کے ساتھ علمائے دیوبند کی طرف سے جمعیۃ علمائے برطانیہ کے جنرل سیکرٹری حضرت مولانا محمد موسیٰ صاحب کی آواز گونجی کہ علمائے حق علمائے دیوبند کی طرف سے خطیب پاکستان حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب صدر مناظرہ ہوں گے!

قائد اہل سنت حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب مناظر ہوں گے۔

جبکہ......حضرت مولانا منظور الحق صاحب برمنگھم

حضرت مولانا عبدالرشید صاحب ربانی

اور حضرت مولانا محمد اقبال صاحب رنگونی معین مناظر ہوں گے!

اس اعلان کے فوراً بعد دیوبندی اور بریلوی ارکان کی وہی کمیٹیاں منتظم کی حیثیت سے سٹیج پر آ گئیں۔اور فریقین کو وقت کا پابند بنانے اور مناظرہ کی کارروائی آگے بڑھانے کے لیے انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔چنانچہ باہمی افہام و تفہیم سے طے ہوا کہ پہلی دفعہ پندرہ منٹ ہر مناظر کو دیئے جائیں گے۔اور اس کے بعد فریقین پورے مناظرہ میں دس دس منٹ تقریر کیا کریں

گے، اس طرح چھ بجے تک گفتگو ہوگی۔ اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو اس وقت کو بڑھا لیا جائے گا اور جب تک کسی فیصلہ پر بات نہیں پہنچتی بات چیت جاری رکھی جائے گی! ان طے شدہ امور سے فراغت کے بعد اب کمیٹی کے ارکان نے مناظرہ کا آغاز کرنا تھا کہ اوپر سے مولوی عنایت اللہ سانگلہ ہل نے کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا۔

''او خالد محمود! اپنا عقیدہ لکھ کر بھیج!''

مولانا محمد ضیاء القاسمی

مولوی عنایت اللہ سانگلہ ہل کی اس بے ضابطگی اور بد تمیزی پر حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی صدر مناظرہ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ:

''حضرات! ابھی مناظرہ شروع بھی نہیں ہوا اور مولوی عنایت اللہ صاحب نے کھڑے ہو کر بے ضابطگی شروع کر دی۔ انہوں نے مناظرہ کیا کرنا ہے جنہیں ابھی تک یہی معلوم نہیں ہے کہ مناظرہ کا آغاز کس طرح کیا جاتا ہے، بالفرض اگر انہیں خود معلوم نہیں ہے تو یہ اپنے صدر مولوی عبدالقادر صاحب سے دریافت کر لیتے کہ مناظرہ کس طرح شروع ہوتا ہے؟ وہ شاید انہیں بتا سکتے اور آداب مناظرہ انہیں سکھا سکتے، مگر انہوں نے بغیر سوچے سمجھے بولنا شروع کر دیا ہے اور ساتھ ہی زبان بھی شریفانہ نہیں ہے بلکہ بازاری زبان استعمال کر رہے ہیں۔''

او خالد محمود...... یہ انداز خطاب نہ صرف ایک بازاری اور بھٹیارے پن کا ثبوت ہے۔ بلکہ برطانیہ کے باشندوں کو علماء سے متنفر کرنے کا بھی ذریعہ ہے۔ اگر میں اسی انداز سے کہوں کہ او عنایتیا...... اپنی زبان بند رکھ اور سلیقے اور شائستگی سے بات کر تو اس انداز گفتگو کو بھی پسند نہیں کیا جائے گا۔ اس پر مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب نے گرجدار آواز میں فرمایا کہ مولوی عنایت اللہ صاحب سوچ سمجھ کر شریفوں کی طرح یہاں بولنا ہوگا۔ خبردار! اگر آئندہ اس غیر شریفانہ انداز میں گفتگو کی تو آپ کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دوں گا۔

''یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں۔''

مولوی عنایت اللہ صاحب! آپ کو ابھی کس نے بولنے کی اجازت دی ہے۔ خبردار! آئندہ کوئی بے ضابطگی نہیں کرنے دی جائے گی۔ اور آپ کو کہتا ہوں کہ فوراً بیٹھ جاؤ۔ آپ کو ابھی بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بیٹھو! بیٹھو فوراً بیٹھو۔

حضرت خطیب پاکستان نے کچھ اس طرح گرجدار آواز میں مولوی عنایت اللہ کو ڈانٹ پلائی کہ وہ فوراً شرمندہ ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر کیا تھا پورا ہال نعرہ ہائے تکبیر اور خطیب پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا۔ مولوی عنایت اللہ کے پہلی بار ہی اس طرح بیٹھ جانے سے ان کے معتقدین کے ہاں صف ماتم بچھ گئی اور انہوں نے ایک دوسرے کو کہنا شروع کر دیا کہ اس بوڑھے مولوی کو مولانا ضیاء القاسمی کے ڈانٹنے سے بیٹھنا نہیں چاہیے تھا۔ یہ تو ہمیں لے ڈوبے گا اور ہمارا منہ کالا کرا دے گا۔ یہ کہاں کا مناظر ہے جسے انسانوں کی نفسیات کا ہی علم نہیں ہے؟ مفتی گل رحمٰن نے مولوی عبدالقادر کے قریب ہو کر کہا کہ ہم نہ کہتے تھے کہ مولوی عنایت اللہ کو مناظر نہ بنایا جائے۔ اس نے تو ہماری ابتدا میں ہی لٹیا ڈبو دی۔ اگر اس کو مناظرے کا ڈھب نہیں آتا تھا اور بزدلی میں اس طرح چیمپئن تھا تو پہلے کیوں اس طرح لاف زنی کرتا تھا؟ ہائے اس نے (گالی دے کر) تو ہمیں برباد کر دیا۔ ہال میں سامعین کا

حال دیکھنے والا تھا۔عنایت اللہ کی پہلی شکست پر پورا ہال خوشی میں ڈوب گیا اور مولانا ضیاء القاسمی صاحب کو دعائیں دینے لگا۔

مولانا ضیاء القاسمی صاحب نے مولوی عبدالقادر گیلانی صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اپنے مناظر پر کنٹرول کیجیے۔ اور انہیں آداب سکھایئے اور باقاعدہ کارروائی کا آغاز کیجیے!

مولوی عبدالقادر گیلانی صدر مناظر

فریقِ مخالف کے صدر مناظر مولوی عبدالقادر گیلانی صاحب نے اٹھ کر کہا کہ مولانا ضیاء القاسمی کی اس بات کی تائید کرتا ہوں کہ فریقین کی طرف سے زبان شائستہ استعمال کرنی چاہیے اور میں آئندہ کے لیے مولانا ضیاء القاسمی اور ان کی جماعت کو یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ ہماری طرف سے کسی بے ہودگی اور غیر شائستگی کا مظاہرہ نہیں ہوگا۔ اس گزارش کے بعد میں اپنے فاضل مخاطب مولانا ضیاء القاسمی صاحب سے عرض کروں گا کہ وہ اپنے مناظر سے فرمائیں کہ وہ اپنا عقیدہ علم غیب کے متعلق لکھ کر بھیج دیں۔ تاکہ باقاعدہ گفتگو شروع ہو سکے!

مولانا محمد ضیاء القاسمی

مولوی عبدالقادر صاحب کی خواہش پر مولانا محمد ضیاء القاسمی نے فرمایا کہ عقیدہ لکھ کر بھیجنے کا جواز تو تب تھا جب مناظرہ تحریری ہو۔ مگر چونکہ مناظرہ تحریری نہیں بلکہ تقریری ہے۔ اس لیے عقیدہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہمارے فاضل مناظر حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب عقیدہ تقریری طور پر بیان فرمائیں گے۔ چنانچہ میں حضرت العلامہ مولانا خالد محمود صاحب سے گزارش کروں گا کہ وہ اپنا عقیدہ اور دعویٰ بیان فرمائیں تاکہ مسئلہ کے پورے پہلو کھل کر عوام کے سامنے آسکیں۔ مولانا ضیاء القاسمی کے ارشاد پر حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب کھڑے ہوئے اور اپنا عقیدہ بیان فرمانے لگے!

علامہ خالد محمود صاحب کی پہلی تقریر

حضرت علامہ مولانا خالد محمود صاحب نے گرجدار آواز میں خطبہ مسنونہ پڑھنے کے بعد فرمایا کہ حضرات چونکہ مدعی ہم ہیں اس لیے ہمارا دعویٰ ہے کہ علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے!

حضرت علامہ صاحب ابھی اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ مولوی نثار بیگ اور حامد علی شاہ نے منصوبے کے مطابق ہال میں اپنے سامعین کی طرف اشارہ کر دیا...... پورے ہال میں ان کے اشارے سے شور شروع ہو گیا۔ نعرے، گالیاں، سیٹیاں جو اہل شر کے اباؤ اجداد کا ہمیشہ سے دستور اور اہل حق کے مقابلہ میں رویہ رہا ہے۔ اس کو دہرانا شروع کر دیا۔ اور پورا ہال شور اور ہنگامے کی نذر ہو گیا۔

مولوی عنایت اللہ

مولوی عنایت اللہ نے کھڑے ہو کر کہا: جب تک مولوی خالد محمود صاحب عقیدہ لکھ کر نہیں دیتے، اس وقت تک ہم بات نہیں سنیں گے!

حضرت علامہ صاحب

حضرت علامہ صاحب نے فرمایا کہ حضرات لکھ کر دیں کہ مناظرہ تقریری نہیں بلکہ تحریری ہوگا تو پھر میں بھی عقیدہ لکھ کر دے

دوں گا۔لیکن اگر مناظرہ تحریری نہیں تقریری ہے تو پھر اس طرح وقت ضائع نہ کیا جائے۔میرا دعویٰ اور اس کے دلائل سنے جائیں تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو سکے۔مجھے معلوم ہے ان باتوں سے آپ کا مقصد صرف اپنی جان چھڑانا ہے۔یہ مناظرہ نہیں کر سکتے یہ زہر کا پیالہ تو پی سکتے ہیں مگر خالد محمود کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔آج الحمدللہ یہ مرے قابو آ گئے ہیں۔آج ان کے باطل عقائد اور فاسد خیالات کی فضائے آسمانی میں دھجیاں بکھیر کر رکھ دی جائیں گی۔میں ان کے کسی مکر و فریب اور کسی چال کو کامیاب نہیں ہونے دوں گا میں ان کے تمام ہتھکنڈے بیکار کر دوں گا۔میں ان کی کسی تقریر کو بھی چلنے نہیں دوں گا۔اس لیے اگر انہوں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ اس طرح کی بے کار باتوں میں وقت ضائع کیا جائے تو میں ان کی دجل و تلبیس پر مبنی کارروائی پر بھی پانی پھیرتے ہوئے اپنا عقیدہ لکھ کر بھیجتا ہوں تا کہ یہ اسی بات کو بہانہ بنا کر ہال کو چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں۔اور اگر تم چاہتے ہو کہ میں اپنا عقیدہ لکھ کر دوں تو میں حجت اور برہان قائم کرنے کے لیے تمہاری یہ خواہش پوری کیے دیتا ہوں۔اس پر حضرت علامہ صاحب نے قلم نکالا اور برجستہ لکھ دیا۔

''ہمارا دعویٰ ہے کہ علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے۔''

فریقِ مخالف کی منتظمہ کمیٹی شیفیلڈ کے ایک رکن نے حضرت العلامہ خالد محمود صاحب مناظر اہل سنت کی یہ تحریر لے کر مولوی عنایت اللہ کے ہاتھ میں دے دی۔جسے پڑھ کر نہ صرف مولوی عنایت اللہ بوکھلا گیا۔بلکہ ان کی پوری جماعت کے مولویوں پر اوس پڑ گئی اور وہ ایک دوسرے کو اڑے ہوئے اور اترے ہوئے چہروں سے دیکھنے لگے۔اور ساتھ ہی چہ میگوئیاں اور سرگوشیاں شروع کر دیں۔کافی سوچ و بچار کے بعد ایک تحریر لکھنے کے لیے مولوی عنایت اللہ نے قلم مانگا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے لکھنے لگا۔مفتی گل رحمٰن اور دوسرے مددگاران کی مشکل کشائی کرنے لگے!

مولانا محمد ضیاء القاسمی

کافی دیر تک علامہ صاحب کے تحریر بھیجنے کے بعد ان کے علماء میں جب سناٹا طاری رہا تو مولانا محمد ضیاء القاسمی نے اس جمود کو توڑتے ہوئے فرمایا کہ مولوی عبدالقادر صاحب آپ بھی اپنا عقیدہ لکھ کر ہمیں بھیج دیں جس پر مولوی عنایت اللہ نے ایک تحریر لکھ کر مولوی عبدالقادر کے ہاتھ میں تھما دی جسے مولوی عبدالقادر نے دیکھتے ہی غصے میں آہستہ سے کہا۔''جاہل کہیں کا۔''

حامد علی شاہ نے کہا کہ مولانا عبدالقادر صاحب آپ کے سامنے مائیک کھلا ہے ذرا احتیاط سے کام لیں۔اس کھسر پھسر کے بعد مولوی عبدالقادر صاحب نے اپنے قلم سے اس عبارت میں ترمیم و اضافہ کر کے وہ تحریر کمیٹی کے ارکان کے سپرد کر دی۔جنہوں نے مولانا ضیاء القاسمی کے پاس وہ تحریر بھیج دی۔مولانا ضیاء القاسمی نے مسکراتے ہوئے تحریر کا جائزہ لیا اور پھر حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب کے حوالے کر دی!

مولوی عبدالقادر گیلانی صاحب

مولوی عبدالقادر صاحب گیلانی نے حضرت علامہ کی تحریر کو ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی اور کہا کہ!

حضرات! دیوبندیوں کے فاضل مناظر نے جو تحریر لکھی ہے اس میں نہ تو بسم اللہ لکھی گئی ہے اور نہ ہی سلام لکھا گیا ہے۔حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ جو کام بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جائے وہ ابتر ہوتا ہے۔

مولانا محمد ضیاء القاسمی

مولانا محمد ضیاء القاسمی نے مولوی عبد القادر گیلانی کو ٹوکتے ہوئے فرمایا کہ گیلانی صاحب میرا خیال تھا کہ آپ کچھ پڑھے لکھے ہوں گے کیونکہ آپ اپنے آپ کو مدینہ یونیورسٹی کا پڑھا ہوا بتاتے ہیں مگر مجھے افسوس ہوا کہ آپ اپنے مناظر سے بھی زیادہ جاہل ثابت ہوئے! حضرت العلامہ مولانا خالد محمود صاحب کی تحریر پر جرح و قدح کا حق آپ کے مناظر کو تو ہوسکتا ہے مگر آپ کو نہیں! کیا مناظر آپ ہیں یا مولوی عنایت اللہ؟

اگر مناظر مولوی عنایت اللہ صاحب ہیں تو مناظرہ انہیں کرنے دیں اور ان کی ڈیوٹی اپنے ذمہ نہ لیں۔ اور اگر آپ کی نظروں میں مولوی عنایت اللہ صاحب مناظرہ کرنے کے قابل نہیں رہے۔ (جیسا کہ ظاہر ہے) تو ہمیں لکھ کر دیں کہ مولوی عنایت اللہ صاحب ہوش حواس کھو چکے ہیں۔ اور وہ مناظرہ نہیں کریں گے تو چشم ما روشن دل ماشاد! پھر آپ بھی تماشا دیکھیں گے کہ آپ کو کس عبرتناک ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان شاء اللہ آپ کو اس رسوائی سے پاکستان بلٹی کیا جائے گا کہ آپ کی نسلیں یاد رکھیں گی۔ آپ کی یہ تمام شوخیاں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ آپ کے عقیدت مندوں میں آپ کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ جائے گا۔ یہ آپ کی پری وشوں کا حلقہ ارادت نہیں ہے کہ ہر طرف سے صدائے مرحبا بلند ہوگی! یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں۔ آپ تو علم مناظرہ کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ مناظرہ کے فرائض کچھ اور ہوتے ہیں۔ اور صدر کے فرائض بالکل ہی اس سے مختلف ہوتے ہیں۔ آپ کو اگر تقریر کا شوق ہے تو وہ بعد میں پورا ہوسکتا ہے۔ مگر مناظرہ میں کسی بے ضابطگی کو نہیں چلنے دیا جائے گا۔ اس لیے میں آپ سے کہوں گا کہ فوراً بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ جاؤ۔

مولانا ضیاء القاسمی کی گرجدار آواز سے وہ اس قدر مرعوب ہوا کہ فوراً معذرت خواہانہ انداز میں بیٹھ گیا۔ اس پر پورے ہال میں نعرہ ہائے تکبیر اور خطیب پاکستان کے نعروں سے فضا میں ارتعاش پیدا ہوگیا۔ حضرت مولانا ضیاء القاسمی نے فرمایا کہ باقی رہا آپ کا یہ فرمانا کہ بسم اللہ کے بغیر جو کام کیا جائے وہ ابتر ہوتا ہے تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حدیث میں نفس بسم اللہ مراد ہے نہ کہ بسم اللہ لکھنا۔ ورنہ بتایا جائے کہ قرآن مجید میں سورۃ برأۃ بغیر بسم اللہ کے ہے کیا آپ کا فتویٰ وہاں کے لیے بھی یہی ہے؟

اللہ تعالیٰ کے قرآن کے بارے میں فرمایئے کیا ارشاد ہے؟

مولانا ضیاء القاسمی صاحب نے بریلوی حضرات کی انجمن کے اراکین کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا کہ اپنے مناظر اور اعوان و انصار سے کہا جائے کہ وہ ادھر ادھر وقت ضائع نہ کریں بلکہ اس قیمتی وقت میں زیادہ سے زیادہ مسائل پر بات ہو جائے۔ اس طرح برطانیہ کے مسلمانوں کو صحیح رہنمائی مل سکے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر؟ اس لیے مناظرہ کی کارروائی شروع کرائی جائے اور متعلقہ افراد کے بغیر کوئی صاحب وقت ضائع نہ کریں۔ اس پر انجمن کے اراکین نے اپنے مولویوں کو سمجھایا کہ اس طرح کی بے ضابطگی سے ہمارے ماحول پر برا اثر پڑے گا۔ برائے کرم نہایت شائستگی اور حوصلہ سے بات کی جائے۔ اور مولوی عنایت اللہ صاحب درمیان میں کوئی غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار نہ کریں۔ اراکین کے اس دباؤ کے بعد پھر سکون ہوا اور مناظرہ کا آغاز ہوا۔

مولانا عنایت اللہ سانگلوی

مولوی عنایت اللہ صاحب نے بغیر خطبہ مسنونہ اور بغیر حمد و صلوٰۃ و سلام کے تقریر شروع کرتے ہوئے کہا کہ علامہ خالد محمود

صاحب نے جو عقیدہ لکھ کر بھیجا ہے وہ خدا کے علم غیب کے بارے میں ہے۔ مناظرہ خدا کے علم کے بارے میں نہیں ہے۔ بلکہ مناظرہ تو رسول کریم رؤف الرحیم علیہ السلام کے علم کے بارے میں ہے۔ اس لیے میں علامہ صاحب سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنا عقیدہ حضور ﷺ کے علم بارے میں لکھ کر دیں۔ میں تب بات کروں گا۔ ورنہ علم غیب کے بارے میں بات نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ موضوع ہمارا نہیں ہے۔

حضرت علامہ مولانا خالد محمود

حضرت العلامہ مولانا خالد محمود صاحب نے نہایت گرجدار آواز میں خطبہ مسنونہ پڑھنے کے بعد فرمایا کہ حضرات یہ میرے پاس مناظرے کے چیلنج والا بریلویوں کا اشتہار موجود ہے، اس پر موضوع مناظرہ علم غیب لکھا ہوا ہے اگر موضوع علم نبوی لکھا ہوا ہوتا تو آج مناظرہ اسی موضوع پر ہوتا۔ لیکن بریلویوں نے اپنے اشتہار میں خود موضوع علم غیب ہی لکھا ہے، علم نبوی نہیں۔ اس لیے آج مناظرہ علم غیب پر ہی ہوگا اور میں نے لکھ دیا ہے کہ علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا علم غیب کسی کو نہیں ہے، مگر بریلوی علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ شیطان علم غیب رکھتا ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ان کے اس فاسد عقیدہ کو طشت از بام کر دیا جائے اور برطانیہ کے مسلمانوں کو یہ بتایا جائے کہ بریلوی جماعت تو شیطان کو بھی عالم الغیب جانتی ہے۔ یہ میرے ہاتھ میں کتاب ہے بریلویوں کے مولوی عبدالسمیع رام پوری کی!

حضرت علامہ صاحب نے جونہی کتاب اٹھائی بریلویوں کے رنگ فق ہو گئے اور چہرے زرد پڑ گئے۔ ایسے معلوم ہوا ابھی ان پر بجلی کر گئی ہے۔ اس پر حامد علی شاہ نے غصے سے کانپتے ہوئے مولوی منیر الزماں سے کہا کہ دیکھتے کیا ہو اپنا کام کرو۔ چنانچہ مولوی منیر الزماں نے فوراً ان ڈیوٹی پر مقررہ ابنائے شرک و بدعت کو اشارہ کیا اور انہوں نے کشتی ڈوبتے دیکھ کر پورے ہال میں شور برپا کر دیا۔ کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ بریلوی حضرات سمجھ گئے کہ اگر حضرت علامہ مولانا خالد محمود صاحب کو سکون سے بولنے دیا گیا تو اس سے ان کے شرک و بدعت کے قلعے مسمار ہو جائیں گے! اور برطانیہ ان کے مسلک کے لیے بنجر زمین بن جائے گا۔

اس لیے انہوں نے پوری قوت اس بات پر صرف کر دی کہ **وَالْغَوْا فِیْهِ** شور مچاؤ ہنگامہ کرو۔ اپنے آباؤ اجداد کی طرح تالیاں پیٹو۔ سیٹیاں بجاؤ۔ اور کتاب و سنت کے ترجمان علمائے حق کو بات نہ کرنے دو۔ تا کہ ہمارے جاہل سامعین، مریدین کوئی بات سمجھ نہ جائیں۔ اور اس طرح ہمارا تمام کاروبار فیل ہو کر رہ جائے گا۔ حامد علی شاہ اور جتنے واعظ مولوی سٹیج پر تھے، انہوں نے صرف شور مچانے کی فیس لے رکھی تھی۔ علم و تقریر کے ملکہ سے تو محروم تھے ہی۔ اس لیے طبلچی ورواعظوں کا خیال تھا کہ اس طرح شور و ہنگامہ سے ہم مناظرہ کے نظام کو درہم برہم کر دیں گے، مگر دیوبندی نوجوانوں نے ان کے اس پروگرام کو بھی پورا نہیں ہونے دیا۔ اس لیے ان کو بادل نخواستہ یہ ڈرامہ بھی روکنا پڑا۔ بریلوی منتظمہ نے بڑی لجاجت اور معذرت خواہانہ انداز میں مولانا ضیاء القاسمی صاحب سے کہا کہ ہمارے علماء نے علم غیب کی وضاحت نہیں کی، انہیں واقعی علم نبوی لکھنا چاہیے تھا لیکن اب وہ یہ غلطی کر چکے ہیں ،اس لیے آپ درگزر فرمائیں اور اپنے فاضل مناظر مولانا خالد محمود صاحب سے فرمائیں کہ وہ ہماری خواہش پر علم غیب نبوی پر ہی بات کو آگے بڑھائیں تا کہ ہمارے سامنے مسئلہ کی صحیح پوزیشن آجائے اور ہم بھی حقیقت حال سے آگاہ ہوسکیں، اس پر مولانا ضیاء

القاسمی صاحب اور حضرت علامہ صاحب نے بریلوی منتظمین کی استدعا کو قبول کر لیا اور علم غیب کی شرعی اصطلاح کی روشنی میں علم غیب نبوی کے عنوان پر بات کرنا منظور کر لیا اور عوام کو بتا دیا گیا کہ چونکہ بریلوی حضرات اپنے لکھے ہوئے پر پچھتا رہے ہیں اور نہیں چاہتے کہ ان کے فاسد خیالات اور غلط عقائد کا عوام کے سامنے پردا چاک ہو۔ ہم بات کو آگے بڑھانے کے لیے، جس طرح ان کی خواہش ہے اسی پر بات کرنے کو تیار ہیں۔

شور وغوغا بند ہوا اور پھر سے حضرت العلامہ خالد محمود صاحب اپنا موقف بیان کرنے کے لیے تیار ہو رہے تھے کہ اچانک مولوی عنایت اللہ صاحب کھڑے ہو گئے اور عوام سے مخاطب ہو کر کہا۔

مولانا عنایت اللہ صاحب سانگلوی

حضرات! سنو! سنو! رولا بند کرو!

مولانا ضیاء القاسمی صاحب: مولوی عنایت اللہ صاحب آپ اردو تو صحیح بولیں۔ یہ ''رولا بند کرو'' اردو کی کون سی ڈکشنری کے الفاظ ہیں؟ آپ کو اردو صحیح نہیں بولنا آتی تو آپ مناظرہ خاک کریں گے! اس پر پورا ہال ہی ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گیا۔ اور بریلوی حضرات کی طرف سے بھی آوازیں سنی گئیں کہ ان کو جب اردو بولنا ہی نہیں آتی تھی تو مناظرے کے لیے انہیں کیوں لائے؟ یہ مروائے گا۔ ایک صاحب نے کہا کہ یہ آج ہمیں ذلیل کرائے گا۔

مولوی عنایت اللہ صاحب:

مولوی عنایت اللہ صاحب نے اپنی خفت مٹانے کے لیے پھر کھڑے ہو کر کہا۔ علامہ خالد محمود صاحب اپنا عقیدہ کھل دیو!

مولانا ضیاء القاسمی: مولوی عنایت اللہ صاحب! آپ کے ہوش وحواس کیوں اُڑ گئے ہیں؟ عقیدہ کوئی حلوہ تھوڑا ہی ہے کہ کھل دیو۔ کھل دیو کی رٹ لگا دی ہے عقیدہ لکھ کر دینے کی چیز تو ہو سکتا ہے، مگر پلیٹ میں ڈال کر بھیجنے کی چیز نہیں۔ یہ کھل دیو۔ کھل دیو! کیا ہے؟ پہلے آپ نے رولا بند کرو کہہ کر اپنے اردو سے ناواقف ہونے کا ثبوت دیا۔ اب کھل دیو۔ یہ بھی آپ کی اردو زبان سے نابلد ہونے کی دلیل ہے۔ کوئی بات نہیں اب اگر آپ مخبوط الحواس ہو چکے ہیں تو اپنے کسی اور معین سے مدد لے لیا کریں۔ اس پر دیوبندی نوجوانوں نے خوب خوب نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے اور بریلوی حضرات کے مناظر کے لیے سوائے شرم وندامت کے کچھ نظر نہ آیا تو انہوں نے بلند آواز میں کہا کہ پولیس! پولیس! پولیس!

مولانا ضیاء القاسمی: مولوی عنایت اللہ صاحب! آپ نے ابھی غیر اللہ سے مدد مانگنا شروع کر دی ہے، ابھی تو ہمارے فاضل مناظر نے اپنا موقف اور دلائل بھی بیان نہیں کیے کہ آپ کو فرنگی پولیس سے مدد لینے کے لیے شور مچانا پڑا۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ اسی نوک جھوک میں فریقِ مخالف کے ہاں صف ماتم بچھ گئی۔ ان کے رنگ فق ہو گئے۔ چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور پریشانی کے عالم میں مولوی حامد علی شاہ نے کہا۔

مولوی حامد علی شاہ: قاسمی صاحب خدارا بات آگے چلائیں اور ساتھ ہی ہاتھ جوڑ دیئے اور کہا کہ ہمارے مناظر کی چھوٹی چھوٹی...... جہالتوں اور غلطیوں کا مواخذہ نہ کریں۔

مولوی عنایت اللہ صاحب نے پھر کہا کہ حضرات میں اپنے وقت میں اپنے عقیدے اور موقف کو بیان کروں گا۔ آپ

برائے کرم توجہ سے میری بات کو سنیں!

حضرت علامہ خالد محمود صاحب: حضرات ابھی تک مولوی عنایت اللہ صاحب نے اپنا عقیدہ لکھ کر ہمیں نہیں دیا، اس لیے میں ان سے کہوں گا کہ جس طرح ہم نے آپ کے مطالبہ پر اپنا عقیدہ لکھ کر بھیج دیا ہے، اسی طرح مولوی عنایت اللہ صاحب بھی اپنا اور اپنی جماعت کا عقیدہ لکھ کر ہمیں دیں تا کہ اس کی روشنی میں مناظرہ کیا جا سکے!

مولوی عنایت اللہ نے حضرت علامہ صاحب کی تقریر میں بولنے کی کوشش کی مگر مولانا ضیاء القاسمی نے اسے ڈانٹ کر بٹھلا دیا اور ساتھ ہی بریلوی جماعت کے صدر مولوی عبدالقادر گیلانی سے کہا کہ آپ حضرت علامہ صاحب کے مطالبہ کے مطابق اپنا عقیدہ لکھ بھیجیں۔ اس پر مولوی عبدالقادر گیلانی صاحب اور ان کے تمام حواریوں نے پوری سوچ بچار کے بعد ایک تحریر لکھ کر بھیجی جس پر آدھی تحریر مولوی عبدالقادر کے قلم سے تھی اور آدھی تحریر مولوی عنایت اللہ کی طرف سے لکھی گئی تھی جو کچھ اس طرح سے تھی۔

علم غیب نبوی پر تحریری عقیدہ:

الحمد لله رب العٰلمين والصلٰوة والسلام على سيد المرسلين محمد المصطفٰى وعلى آله واصحابه.

مولا کریم نے اپنے فضل و کرم سے اپنے محبوب نبی کریم رؤف رحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کو ساری مخلوق میں سے کل شئے کا علم عطا فرمایا ہے۔ اس کا ثبوت فقیر قرآن کریم اور حدیث پاک اور کتب مذاہب اربعہ اہل سنت سے دے گا۔

فقیر محمد عنایت اللہ ۸۰ء۔۷۔۲۰

سید عبدالقادر جیلانی

مولانا علامہ خالد محمود صاحب

حضرات یہ میری تحریر کی نقل اور مولوی عنایت اللہ صاحب کی تحریر کی نقل آپ کے سامنے موجود ہے۔ میں نے اپنی تحریر کے ابتداء میں لکھا ہے کہ:

ہمارا دعویٰ...... مگر مولوی عنایت اللہ صاحب نے اپنی تحریر پر لفظ دعویٰ نہیں لکھا، اس لیے اس مسئلہ علم غیب میں ہم مدعی ہیں اور بریلوی جماعت مدعا علیہ۔ اصول مناظرہ پڑھیے کہ پہلی تقریر مدعی کی ہوتی ہے، مدعیٰ علیہ کی نہیں۔ اگر مولوی عنایت اللہ صاحب اپنی تحریر میں اپنا مدعی ہونا ثابت کر دیں، تو یہ پہلے تقریر کر لیں ورنہ پہلے تقریر میں کروں گا اور اصول مناظرہ سے انحراف کرنے کی اس جماعت کو ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس پر ہال میں ہر طرف سے آوازیں آئیں۔ ''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔'' علامہ صاحب صحیح فرماتے ہیں کہ پہلی تقریر مدعی کی ہی ہوتی ہے۔ اس پر پھر فریق مخالف نے ہال میں شور مچانا شروع کر دیا اور اس بات پر زور لگایا کہ حضرت علامہ صاحب کو بات کرنے کا موقع نہ دیا جائے کیونکہ اس طرح تو چند منٹوں میں ان کا بوریا بستر لپیٹ دیا جائے گا۔ اس لیے انہوں نے مسلسل اسی شور ہنگامہ پر وقت صرف کر دیا کہ پہلی تقریر مولوی عنایت اللہ صاحب کریں گے!

مولانا ضیا القاسمی: اگر تم چاہتے ہو کہ اس طرح شور مچانے سے تمہاری جان چھوٹ جائے گی تو یہ تمہاری بھول ہے، ہم ان شاء اللہ تمہارے اس مسلسل شور کو بھی ختم کر کے رہیں گے۔ اور شور کے مناظرہ میں بھی تمہاری شکست ہوگی، مولانا کے اس ارشاد

کے بعد اہل حق نے کچھ اس انداز سے نعرہ ہائے تکبیر کی آوازیں بلند کیں کہ متحارب جماعت کا ہجوم کثیر دم بخود رہ گیا۔ گلے خشک ہوگئے اور قوی مضحل ہوگئے اور ان کی آوازیں خداوند قدوس کے نام کے مقدس نعروں میں دب کر رہ گئیں۔ آخر ان کی منتظمہ نے مجبور ہوکر مولانا محمد ضیاء القاسمی اور حضرت علامہ خالد محمود صاحب سے عرض کیا کہ ہماری درخواست کو منظور فرمالیں۔ متحارب جماعت نے مدعی کا لفظ نہ لکھ کر اپنی پہلی تقریر کا حق کھو دیا ہے، مگر جہاں آپ نے پہلے فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے ہماری گذارشات کو قبول فرمایا ہے اسی طرح اب ہماری درخواست ہے کہ مولوی عنایت اللہ صاحب کو پہلی تقریر کر لینے دیں۔ ان سے غلطی ہوگئی ہے ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ آپ براہِ کرم ہماری استدعا اور گزارش قبول فرما کر درگزر فرمائیں۔ اس پر انجمن توحید وسنت کے اراکین جو منتظمہ کے ممبر تھے ان سے رائے لے کر ہمارے حضرات نے مولوی عنایت اللہ کو پہلی تقریر کرنے کی اجازت دے دی اور طے پایا کہ وقت چونکہ بہت ضائع ہو چکا ہے اب بغیر کسی تاخیر کے مناظرہ شروع کرایا جائے۔ اور ہر مقرر پانچ پانچ منٹ عقیدہ کی وضاحت کریں اور اس کے بعد دس منٹ کی ہر تقریر ہوگی۔ فریقین کے صدر اور انتظامی کمیٹیوں کے ممبران اپنی جماعتوں کو مناظرہ کے قواعد وضوابط اور حدود کی پابندی کرائیں گے۔

مولانا عنایت اللہ سانگلوی

حضرات سنو!

حضرات ہمارا عقیدہ ہے کہ مولیٰ کریم نے اپنے محبوب کریم کو ساری مخلوق کا کل شے کا علم عطا فرمایا ہے۔ آپ **ما کان وما یکون** کے ذرے ذرے کا علم رکھتے ہیں۔ میں اس عقیدہ کو قرآن وحدیث اور تمام مذاہب کی کتابوں سے ثابت کروں گا۔ ہمارا یہی عقیدہ ہے یہی مذہب ہے اور اسی کو ہم بیان کرنا سنیت کی عظمت سمجھتے ہیں۔ اس لیے منکرین علم غیب کو ہمارے دلائل سن کر تسلیم کرنا پڑے گا۔ یہی عقیدہ علم غیب درست اور صحیح ہے۔

حضرت العلامہ خالد محمود صاحب: حضرات! میں نے اپنی تحریر میں اپنا دعویٰ جو لکھ کر دیا ہے اس میں تحریر کیا کہ علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے۔ اہل علم کو معلوم ہے کہ خاصہ اس صفت کو کہتے ہیں جو اسی ایک میں پائی جائے کسی دوسرے میں نہ پائی جائے! چونکہ علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے اس لیے ضروری ہے کہ یہ صفت اسی ذات باری تعالیٰ کے لیے خاص ہو کسی اور میں اس کا پایا جانا ممکن نہ ہو! یہ ہمارا عقیدہ ہے اور پوری امت کا عقیدہ ہے۔ ہمارے اکابر میں حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے تفسیر قرآن پر تحریر فرمایا ہے۔ جو میرے دعوے کی تائید کرتا ہے اس کو پڑھ کر سناتا ہوں۔ اس پر غور کیا جائے۔ مزید لکھنے لکھانے کی ضرورت نہیں ہے تسلی کے لیے یہی کافی ہے۔ اس وضاحت کے بعد میں فریق مخالف سے گزارش کروں گا کہ اب مزید وقت ضائع نہ کیا جائے بلکہ بات کو شروع کیا جائے تاکہ دور دراز سے آئے ہوئے حضرات آپ کے فاسد خیالات سے واقف ہوسکیں۔ اور حق وصداقت واضح ہوکر سامعین کے سامنے آسکے۔

مولانا عنایت اللہ سانگلوی

سنو! یہ میرے ہاتھ میں کتاب ہے میں آپ کے سامنے اپنے دعویٰ کی دلیل پیش کرتا ہوں سنو سنو۔ شور مت ڈالو۔ مولا کریم قرآن میں فرماتا ہے: **ذالک الکتاب لا ریب فیه هدی للمتقین الذین یومنون بالغیب** ...... اس آیت میں مولا کریم

فرماتے ہیں کہ متقی پرہیزگار وہ لوگ ہیں جو نبی کریم کے علم غیب پر عقیدہ رکھتے ہیں۔

دوسری آیت **فلا یظھر علی غیبه احدا.** ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو ذرے ذرے اور کل شے کا علم تھا۔ یہ دونوں آیتیں میرے دعویٰ کی دلیل ہیں۔

سنیو! اگر میں عالم الغیب کا لفظ حضور نبی کریم ﷺ پر نہ دکھا سکا تو میں اپنے باپ کا نہیں ہوں۔ مولوی عنایت اللہ کے اس جملہ پر لوگوں نے کہا۔ بے شک۔ بے شک۔ ماشاء اللہ۔ (۱)

حضرت العلامہ مولانا خالد محمود صاحب نے فرمایا: حضرات میں نے اپنے دعویٰ میں تحریر کیا ہے کہ علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے۔ اب میں اس دعویٰ کے دلائل پیش کرتا ہوں، قرآن مجید کی ایک آیت کریمہ آپ حضرات کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ﴿**قل لا یعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللہ**﴾ ''اے پیغمبر فرما دیجیے کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی علم غیب نہیں رکھتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔''

حضرات! جب علم کا لفظ غیب کی طرف مضاف ہو تو یہ علم ذاتی کے لیے ہوتا ہے اس لیے قرآن مجید کا لفظ کسی مخلوق کے لیے بولا گیا ہو تو دکھایئے آپ کی اس محنت پر اور علم غیب کا اطلاق کسی مخلوق کے لیے دکھانے پر میں آپ کو سو پونڈ پاکستانی ۲۳۰۰/روپے انعام دوں گا۔

(......نعرہ ہائے تکبیر سے ہال گونج اٹھا......)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ذرہ بھر کسی کے لیے بھی علم غیب ثابت نہیں ہے نہ کوئی فرشتہ علم غیب رکھتا ہے اور نہ کوئی پیغمبر پیغمبروں کا علم، علم وحی ہے۔ خداوند قدوس نے انہیں بذریعہ وحی کروڑوں علوم عطائے فرمائے ہیں ہمارا مسلک ہے اور علمائے دیوبند نے اپنی کتابوں میں ہزاروں مقامات پر تحریر فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ہزاروں اور کروڑوں علوم عطا فرمائے گئے ہیں۔ اس وقت اس پر بحث نہیں ہے بحث صرف اس بات پر ہے کہ حضور ﷺ عالم الغیب تھے یا کہ نہیں؟ اس لیے اب میں اپنے مخاطب علماء کو بھاگنے نہیں دوں گا۔ وہ پہلی دفعہ اس طرح میرے سامنے پھنسے ہیں۔ ان کو اب بتانا ہوگا کہ علم الغیب ذاتی اور عطائی میں کیا فرق ہے؟ اور وہ کس طرح عالم الغیب کا اطلاق غیر خدا پر کرتے ہیں۔ لایئے تا کہ آپ کو حسرت نہ رہے۔ آج آپ اپنا شوق پورا کیجیے۔ اور اپنے دلائل پٹاری سے نکالیے تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی عوام کے سامنے آسکے۔ حضرت علامہ صاحب نے اس فاضلانہ انداز میں اپنی دلیل پیش فرمائی کہ مخالف مناظر کا ایک رنگ آتا تھا اور دوسرا جاتا تھا۔ سامنے بیٹھے ہوئے ان کے لوگ یا تو شور مچاتے نہیں تھکتے تھے یا پھر اب ایک دم سناٹا چھا گیا اور اپنے مولویوں کے چہروں کو ٹک ٹک دیکھنے لگے!

مولانا علامہ خالد محمود صاحب نے فرمایا کہ اس موقف میں مولانا مولوی احمد رضا خاں وہ بھی میری تائید میں ہیں انہوں نے

---

(۱) اسی موقع پر علامہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب مولانا عنایت اللہ نے یہ الفاظ کہے تو ان کے منہ سے مصنوعی دانتوں کی بتیسی باہر نکل کر گئی۔ تو میں نے عوام سے مخاطب ہو کر کہا کہ دیکھو لوگو! جو اپنے والد کی توہین کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سزا کے طور پر اس کے دانت نکال دیتا ہے۔ اگر مولوی صاحب کو دلیل نہیں آتی تو اس سے ان کے والد کا کوئی قصور نہیں وہ تو بہر حال ان کے والد ہی رہیں گے سو مولوی صاحب کو اپنے والد کی توہین کی سزا ملی اور ہم سب کے لیے منظر دیکھ لیا ہے۔ سلفی

بھی لکھا ہے کہ جب علم کا لفظ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے عطائی نہیں۔(حوالہ ۳۷، ملفوظات، ج ۳)

عنایت اللہ سانگلوی

حضرات میں نے جو دو آیتیں پڑھی ہیں ان میں میرا دعویٰ ثابت ہوتا ہے، اس لیے علامہ صاحب کو چاہیے پہلے میری پیش کردہ آیتوں کا جواب دیں۔ پھر کوئی بات کریں۔ اگر یہ میری آیتوں کا (حالانکہ یہ قرآن کی آیتیں تھیں) جواب دیں۔ تو میں ان کو ایک ہزار پونڈ کا انعام دوں گا۔

مولانا علامہ خالد محمود صاحب

حضرات! میں نے اپنی گزشتہ تقریر میں کہا تھا کہ مولانا عنایت اللہ صاحب اگر علم کا لفظ جو غیب کی طرف مضاف ہو اور یہ کسی پیغمبر یا ولی کے لیے اس کا اطلاق قرآن میں دکھا دیں تو میں ان کو سو پونڈ انعام دوں گا، مگر انہوں نے میری اس دلیل کی طرف توجہ ہی نہیں کی اور پھر پچھلی بات دہرانے پر ہی اکتفا کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عنایت اللہ صاحب ہی نہیں بلکہ پوری دنیا ان کی جماعت بھی میری پیش کردہ دلیل کا جواب نہیں دے سکتی! ان کے محلات کی بنیادیں ریت کے تودوں پر ہیں۔ ان بے چاروں کے دامن قرآن و حدیث سے خالی ہیں۔

قرآن و حدیث نہ انہوں نے پڑھا ہے اور نہ ہی قرآن و حدیث سے انہیں کوئی سروکار ہے، اس لیے علماء کے سامنے آنے سے گھبراتے تھے اور طرح طرح سے انہوں نے مناظرہ سے فرار ہونے کے منصوبے بنائے، مگر ہم نے ان کے تمام کئے کرائے پر پانی پھیر دیا اور علمائے حق کا یہ قافلہ خود بخود ان کے ہال میں چلا آیا۔ اب یہ کہاں جاسکتے ہیں۔ انہیں بھاگنے نہیں دیا جائے گا۔ ان کی ایک ایک بات کا جواب دیا جائے گا۔ مولوی عنایت اللہ صاحب نے کہا ہے کہ میری پیش کردہ آیتوں کا جواب نہیں دیا، اس لیے میں آگے نہیں چلوں گا۔ جب تک میرا جواب نہ دیا جائے۔ اگرچہ آپ نے میری دلیل کا جواب نہیں دیا مگر وہ آپ کے ذمہ قرض ہے۔ ادھار ہے۔

لیجیے! میں آپ کی خواہش پوری کرتا ہوں اور آپ کی پیش کردہ پہلی آیت کا جواب حاضر ہے۔

مولوی صاحب! اس آیت پاک **یـومـنـون** کے مفہوم اور مطلب میں آپ نے جمہور امت کو شرما کے رکھ دیا ہے۔ پوری امت کے مفسرین اور علماء نے اس کا کبھی یہ مفہوم نہیں لیا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ حضور ﷺ عالم الغیب ہیں۔ اگر آپ کسی مفسر کا حوالہ بھی دکھا دیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ علم غیب کا اطلاق آپ کی ذات گرامی پر ہے اور آپ کو عالم الغیب کہنا درست تو آپ کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ یہ ترجمہ خود بانی مذہب مولانا احمد رضا خاں نے بھی نہیں کیا۔

دوسری آیت **فـلا یظهر علٰی غیبه احدا الامن ارتضٰی من رسول** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس رسول کو پسند فرماتے ہیں اس کو غیب کی خبریں بتا دیتے ہیں۔ اس پر غیب کی خبروں کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ اظہار غیب اور خبر غیب دینا یہ تو ہمارے عقیدے سے تعلق رکھنے والی بات ہے۔ ان کو تو میں پیش کروں گا۔ آپ تو یہ بتائیں کہ عالم الغیب حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے اور اس کے لیے قرآن کی کسی آیت کا حوالہ دیں۔ میں انہی دلائل پر توجہ دوں گا جو آپ کے موقف کی تائید میں ہوں۔ ادھر ادھر کی باتیں آپ کو نہیں کرنے دوں گا۔

علاوہ ازیں یہاں بھی غیب سے مراد بقول مولانا احمد رضا خاں بریلوی قیامت کا علم ہے اور یہ بلاشبہ اللہ رب العزت ہی کو معلوم ہے کسی دوسرے کو معلوم نہیں لہٰذا اس سے بھی استدلال درست نہیں۔[ملفوظات:۱/۱۰۰]

اب میرے سوالات کی فہرست آپ کے ذمہ ہے اور آپ ان کا ترتیب وار جواب دیں:

۱- علم غیب کا اطلاق مخلوق پر دکھائیں۔

۲- عالم الغیب کا لفظ حضور ﷺ پر پورے قرآن میں بولا گیا ہو۔

۳- علم غیب خاصہ خداوندی ہے اس کا اثبات غیر کے لیے کرنا شرک ہے یا نہیں؟

۴- اظہار غیب۔ اطلاق غیب۔ خبر غیب دینا۔

یہ سب ایسے عنوان ہیں جن کا آپ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ تو صرف اور صرف علم غیب کا اطلاق حضور سرور کائنات ﷺ کے لیے دکھائیں۔

علامہ صاحب کے اس بیان پر مخالف علماء اور سامعین میں سراسیمگی پھیل گئی۔ ان کے چہرے زرد پڑ گئے اور رنگ فق ہو گئے۔ اور آپس میں کھسر پھسر شروع ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ مولانا حامد علی شاہ نے کہا کہ مناظر مولوی عنایت اللہ کی بجائے مجھے مقرر کر دیا جائے اور صدر مولوی عبدالقادر کی بجائے مولوی عبدالوہاب اچھروی کو مقرر کیا جائے کیونکہ ہمارا مناظر اور صدر دونوں ناتجربہ کار اور ناپختہ اور علم مناظرہ سے عاری ہیں، ان کی وجہ سے ہمیں ذلت آمیز شکست ہو رہی ہے۔ ہماری دیواریں گر رہی ہیں اور ہماری جڑیں اکھڑ رہی ہیں۔ ہم پوری دنیا میں رسوا ہو جائیں گے، لیکن چند بوڑھے اور پرانے لوگوں نے انہیں سمجھایا کہ اس مرحلہ پر اگر صدر اور مناظر کو بدلا گیا تو یہ تو کھلی اور چٹی ننگی شکست ہو گی جس کی نہ کوئی تاویل ہو سکے گی۔ اور نہ ہی کوئی وجہ جواز بیان ہو سکے گی۔

مولانا عنایت اللہ سانگلوی

حضرات! مولوی خالد محمود صاحب بار بار عالم الغیب کا لفظ حضور ﷺ کے لیے قرآن سے دکھانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ لیجیے میرے ہاتھ میں کتاب ہے اور میں آپ کو دکھاتا ہوں۔

پورے ہال سے آوازیں آئیں دکھایئے دکھایئے! مگر وہ کیا دکھاتے اور دکھاتے بھی کہاں سے؟ آخر انہوں نے عاجز ہو کر کہا!

کہ او دیوبندیو۔ سن لو! ہم بھی حضور ﷺ کے پاس ذرہ برابر علم الغیب ذاتی نہیں مانتے۔

مولانا محمد ضیا القاسمی فوراً کھڑے ہو گئے اور گرج دار آواز میں فرمایا کہ فیصلہ ہو گیا کیونکہ یہ تو علماء دیوبند اہل سنت کا عقیدہ ہے......مولوی عنایت اللہ صاحب یہ عقیدہ لکھ کر دو۔

بس پھر کیا تھا پورے ہال میں دیوبندی اہل سنت نوجوانوں نے نعرہ ہائے تکبیر سے مخالفین پر بجلی گرا دی۔

مولانا محمد ضیاء القاسمی زندہ باد۔ علامہ خالد محمود زندہ باد کے نعروں سے ہال گونج اٹھا۔

نوجوانوں نے بیک زبان یہ نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ لکھ کر دو۔ لکھ کر دو۔ لکھ کر دو!

ان کا حال اس وقت دیکھنے کے قابل تھا۔ مولوی حامد علی اپنی کرسی سے اٹھ کر مولوی عنایت اللہ کی طرف لپکا کہ تم نے ہمیں ذلیل کر دیا۔ تو نے ایسا جملہ کیوں بولا ہے جس سے ہمیں شکست ہو جائے؟ اب ان کو سنبھالو۔ دو چار نوجوانوں نے مولوی عنایت اللہ کو کھینچا۔ مولوی مفتی گل رحمٰن نے چھڑایا۔ اس طرح وہیں مولوی عنایت اللہ کے مصنوعی دانت افراتفری میں گر گئے (۱)۔ اور مولوی گل رحمٰن نے اٹھا کر دیئے۔

اب پورے ہال سے ایک ہی آواز ہے۔ مولانا عنایت اللہ یہ بات لکھ کر دیں۔ رضا خانیو لکھ کر دو۔ لکھ کر دو، لکھ کر دو سے پورا ہال گونج رہا تھا۔ مولوی عبدالوہاب نے بلند آواز میں مولانا ضیاء القاسمی صاحب سے کہا کہ ڈرامہ خوب کرا لیتے ہو! مولانا نے فرمایا کہ بیٹا جی تم بھی خیر سے بولے ہو۔ بیٹا تم ابھی بچے ہو تم ابھی خاموش رہو۔ میں نے آپ کے والد کو چار دفعہ مناظرے سے بھگایا ہے۔ اس لیے تمہیں چپ بھلی ہے، ورنہ تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو اپنے بڑوں کا دیکھ رہے ہو!

مولانا محمد ضیاء القاسمی پر مرچیں پھینکی گئیں

مولانا محمد ضیاء القاسمی جو اس مناظرہ میں اپنے کردار اور بہادری کی وجہ سے پورے ہال پر چھائے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھوں میں ہال میں سے سرخ مرچوں کا لفافہ پھینکا گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کی نصرت فرما رہے تھے اس لیے وہ لفافہ ان کے پاؤں میں آ کر گرا۔ اس طرح مولانا محمد ضیاء القاسمی ان کے اس بزدلانہ وار سے بال بال بچ گئے۔ اسی طرح کسی نے ان کی عینک پر سکے پھینکے جو ایک پتھر کا کام کر سکتے تھے مگر وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ناکام ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا یہ شیر اسی طرح اپنی گرجدار آواز سے مخالفین کو للکارتا رہا۔

مولانا عنایت اللہ صاحب نے جب برملا اس بات کا اعلان کر دیا کہ ہم بھی حضور ﷺ کا علم غیب ذاتی نہیں مانتے۔ اس اعلان سے پورے ہال میں اہل حق کے ہاں مسرت اور خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اور ان کے رفقاء بھی اس اعلان پر حیران اور ششدر ہو گئے کہ ابھی تو ہمارے مناظر نے لکھ کر دیا ہے کہ حضور ﷺ کو کل شے کا علم ہے۔ اور اب اعلان کر رہے ہیں کہ حضور ﷺ کو ذاتی طور پر علم نہیں تھا۔ اس سے بڑا تضاد کیا ہو سکتا ہے؟ اس اعلان کے بعد مولانا عنایت اللہ۔ مولانا عبدالقادر مولوی حامد علی شاہ۔ مولانا عبدالوہاب اور مفتی گل رحمٰن کی حالت قابل دید تھی چہرے زرد تھے۔ پسینے چھوٹ رہے تھے۔ اور باطل کا رنگ ان کے چہروں پر غالب آ گیا تھا۔ اور وہ آپس میں الجھ رہے تھے اور جان چھڑانے کا راستہ تلاش کر رہے تھے مگر سب تدبیریں ناکام ہو رہی تھیں۔ کیونکہ سامعین نے انہیں زچ کر دیا تھا کہ اپنا یہی عقیدہ لکھ کر دو تا کہ تمہاری داستان تک نہ رہے داستانوں میں۔ اظہار غیب۔ اطلاع غیب۔ انباء غیب کے الفاظ تو قرآن و حدیث میں آئے ہیں۔ جن سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے علوم پر روشنی پڑتی ہے اور انہی الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم ﷺ کو کروڑوں علوم عطا فرمائے ہیں مگر عالم الغیب کا لفظ قرآن میں کسی مقام پر بھی حضور سرور کائنات ﷺ کی ذات گرامی کے لیے نہیں بولا گیا۔ اس لیے مخالف مناظر یہ لفظ نہ دکھا سکتا تھا۔ اور نہ ہی دکھا سکا اور نہ قیامت تک دکھا سکے گا۔ **جَاءَ الحقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ.**

---

(۱) دانتوں کے گرنے کا محل اور تفصیل ماسبق کے صفحات میں گزری ہے وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔ سلفی (دیکھیے: ۴۳۴/۱)

مولانا حامد علی شاہ کی ہرزہ سرائی

جب مخالف جماعت کے حضرات نے دیکھا کہ علمائے حق کی فتح آشکار ہو چکی ہے اور پورے ہال میں اس کے آثار نمایاں ہوتے جا رہے ہیں تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ مولانا حامد علی شاہ کے ذمہ سب وشتم اور ہرزہ سرائی کا کام لگا دیا جائے کیونکہ وہ گالی گلوچ اور بے ہودگی کے چیمپئن ہیں اور انہیں خاندانی طور پر یہ ورثہ ملا ہے، اس لیے ان سے بہتر کوئی اور ہرزہ سرا نہیں ہو سکتا چنانچہ مولوی حامد علی شاہ اپنے منصب کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اٹھے اور اٹھتے ہی گالی گلوچ اور سب وشتم کرنا شروع کر دیا۔ حضرت العلامہ مولانا خالد محمود صاحب کو کہا کہ تم پر لعنت ہو۔ تم نے ہمارا جینا دوبھر کر دیا ہے! اس پر پورے ہال میں حامد علی شاہ کی اس بیہودگی پر احتجاج کیا جانے لگا اور پورے ہال سے آوازیں زور پکڑ گئیں کہ حامد علی شاہ کو اپنے الفاظ واپس لینے چاہئیں۔ ہم ایک عالم دین کی توہین برداشت نہیں کر سکتے۔ علمائے دیوبند کے قابل فخر صدرِ مناظرہ مولانا محمد ضیاء القاسمی نے بریلوی جماعت کے صدر مولوی عبدالقادر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ علمی مناظرہ ہے، اس میں ہمیں توقع تھی کہ آپ اپنے رفقاء کو سنجیدہ اور باوقار زبان استعمال کرنے کی تلقین کریں گے اور ان کی بے ہودگیوں کا نوٹس لیں گے مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے رفقاء آپ سے بھی زیادہ فاضل ہیں اور آپ بے کار اور بے اختیار صدر ہیں۔ اس لیے میں آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ آپ حامد علی شاہ کو کہیں کہ وہ اپنے الفاظ واپس لیں ورنہ میں انہیں وہ مزہ چکھاؤں گا کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ یہ میدان مناظرہ ہے اور ہمارا خطاب ان لوگوں سے ہے جو بولتے ہیں بھونکتے نہیں۔ اگر بھونکنا ہی تھا تو اس کے لیے آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بہتیرے جانور اور تھے آپ ان کو بھی ساتھ لے آتے تو سٹیج پر حامد علی شاہ کی نیابت کا کام وہ بخوبی انجام دے سکتے تھے، اس لیے اس میں اس وقت تک آپ کو نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ یہ الفاظ واپس نہیں لیتے۔

پورے ہال نے بیک زبان ہو کر کہا کہ درست ہے کہ مولانا حامد علی شاہ کو اپنے الفاظ واپس لینے چاہئیں۔ ان کے پاس اگر دلائل نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب گالی گلوچ پر اتر آئیں۔

یہ غیر شریفانہ غنڈوں کی زبان استعمال کرنے والے کسی طرح بھی عالم نہیں ہو سکتے۔

مولانا حامد علی شاہ: قاسمی صاحب آپ اس قدر غصے میں کیوں آ گئے ہیں؟ میں نے تو قرآن کی آیت پڑھی ہے۔

مولانا محمد ضیاء القاسمی: اب آپ نے دوسرا جھوٹ بولنا شروع کر دیا ہے؟ آپ نے آیت نہیں پڑھی بلکہ آپ نے حضرت العلامہ کا نام لے کر گالی دی ہے۔ اس لیے آپ کو وہ الفاظ واپس لینا ہوں گے اگر ہم نے اصل حقائق بیان کرنا شروع کر دیئے تو آپ کے مقتدی آپ کے پیچھے نمازیں پڑھنا چھوڑ دیں گے۔

حامد علی شاہ: قاسمی صاحب آپ ذرا میرے بارے میں کچھ بیان تو کریں اگر میرے مقتدی آپ کو کچا نہ چبا گئے تو میں حرامی ہوں گا۔

اسی دوران مخالفین نے پولیس کو مدد کے لیے پکارا۔ اور پولیس آ گئی اور پولیس کے ایک اعلیٰ افسر نے اعلان کر دیا۔ چونکہ ہال جتنے وقت کے لیے بک کرایا گیا تھا وہ ٹائم ختم ہو چکا ہے۔ اس لیے اب ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہال اب خالی کر دیا جائے۔ چونکہ یہ ہال مخالف جماعت نے بک کرایا تھا اور دیوبندی اہل سنت جماعت اپنے بہادر خطیب مولانا محمد ضیاء القاسمی کی قیادت میں اس ہال

میں داخل ہوئی تھی، اس لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ اَب مناظرہ نہیں ہو سکے گا۔ دوسری جماعت تو پہلے ہی اس بات کے لیے تیار بیٹھی تھی کہ اعلان سنتے ہی تتر بتر ہونے لگےاوران کے مولانا حضرات **ثم نکسو علی روسهم** کی مکمل تصویر بنے کھڑے تھے۔

حضرت علامہ خالد محمود کی آخری للکار

حضرت علامہ خالد محمود صاحب نے آخری بار بریلوی علماء کوللکارتے ہوئے فرمایا کہ اگر چہ ہال کا وقت ختم ہو چکا ہے مگر ہم نے جو ہال طے شدہ فیصلہ کے مطابق بک کرایا تھااس کی بکنگ کا وقت ابھی باقی ہے میں آپ کو چیلنج کرتا ہوں کہ آپ میں اگر رتی بھر بھی صداقت موجود ہےتو آپ فوراً ہمارے ہال میں پہنچ جائیں اور وہاں پر مناظرہ جاری رہے گا اور تم بتا کر جاؤ کہ حضور ﷺ پر علم غیب کا اطلاق قرآن میں کہیں کیا گیا ہے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دیوبندیت ان شاءاللہ زندہ رہے گی کیونکہ دیوبندیت قرآن وحدیث کی حسین تعبیر کا نام ہے۔

آیئے؟ ہم سٹی ہال شیفیلڈ میں پھر تمہارا انتظار کرتے ہیں مگر توحید وسنت کی فتح ہو چکی تھی۔ اہل فتح کا ڈنکا بج چکا تھا۔ اہل حق کی رورو کر کی گئی دعائیں منظور ہو چکی تھیں۔ حق کا بول بالا ہو چکا تھا اور باطل کا منہ کالا ہو چکا تھا اس لیے مولوی عنایت اللہ اور ان کی پوری جماعت شیفیلڈ میں دفن کر کے جا رہی تھی **ضربت علیهم الذلة والمسكنة.**

آخری منظر: پولیس نے سٹیج کو اور پورے ہال کو گھیرے میں لے لیا اور فریقین سے کہا کہ چونکہ ہال کا وقت ختم ہو گیا ہے اس لیے آپ سب حضرات تشریف لے جائیں۔ مولوی قمر الزمان جو اس جماعت کے منتظم اعلیٰ تھے۔ انہوں نے پولیس افسر سے درخواست کی کہ ہمارے علمائے کرام کو اپنی حفاظت میں ان کی سواریوں تک پہنچا دیں۔ تا کہ یہ آپ کی حفاظت میں اپنی قیام گاہ تک پہنچ سکیں چنانچہ پولیس نے علماء کو اپنی حفاظت میں ان کی قیام گاہ تک پہنچایا۔ حالانکہ ان حضرات کی تعداد چار پانچ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اور علمائے اہل سنت کی تعداد سنت بدر کے مطابق تقریباً تین سو تیرہ تھی اس لیے پورے شیفلیڈ میں اس روز اللہ تعالیٰ کی نصرت اور رحمت کے بے پایاں نظارے دیکھنے میں آئے۔ مناظر اہل سنت حضرت علامہ خالد محمود صاحب اور خطیب پاکستان مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب تقریباً گھنٹہ بھر سٹی ہال شیفلیڈ کے سامنے مخالفین اور عوام کا انتظار کرتے رہے کہ یہ حضرات شاید یہاں پہنچ کر مناظرے کو جاری رکھیں۔ مگر مولوی عنایت اللہ اور اس کی جماعت شیفلیڈ سے اس طرح بھاگے کہ پھر واپس مڑ کر نہ دیکھا۔ دیوبندی علمائے کرام صحیح معنی میں اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔ انہوں نے پوری دنیا میں توحید وسنت اور عشق رسالت کا علم بلند کیا ہے ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات ﷺ کو کروڑوں علوم سے بہرہ ور فرمایا ہے وہ تمام علوم سرور کائنات ﷺ کے سینہ معرفت خزینہ میں جمع فرما دیئے تھے جو منصب نبوت اور شان نبوت کے شایانِ شان اور ضروری تھے۔ علم غیب جو خاصہ باری تعالیٰ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے!

علمائے حق کی جماعت انتظار شدید کے بعد حضرت مولانا عبیدالرحمان صاحب جناب حاجی بوستان صاحب۔ جناب حسن شاہ صاحب۔ جناب محبت خاں صاحب اور افسر خاں کی رفاقت میں انجمن توحید وسنت کے مرکز شیفلیڈ کی طرف نہایت احترام و اعزاز کے ساتھ روانہ ہوئے!

پورے برطانیہ میں اس مناظرہ کی دھوم مچ گئی۔ اہل بدعت کے لیے یہ مناظرہ پیغام موت ثابت ہوا۔ اور پورے برطانیہ میں اس بات کو شدت سے محسوس کیا گیا کہ اگر یہ مذہبی رہنما اوران کے عوام مسلسل شور برپا نہ کرتے اور اپنے وڈیروں کے طرز عمل کو اپناتے ہوئے قرآن وسنت کے دلائل کے سامنے مظاہرہ نہ کرتے تو اس مناظرہ سے دنیائے بدعت انگلینڈ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن ہو جاتی۔

ان کے امام مولوی عنایت اللہ سانگلوی کا یہ اعلان کہ ہم حضور ﷺ کے ذاتی علم کو نہیں مانتے۔ پورے برطانیہ کے مسلمانوں میں موضوع سخن بنا ہوا ہے اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ مولوی عنایت اللہ نے جس عقیدہ کا مناظرے میں اعلان کیا ہے یہ سٹیج پر کیوں نہیں بیان کیا جاتا؟ یہ صحیح ہے کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہیں۔

نہ تم صدے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

[مولانا محمد ضیاء القاسمی/مناظرہ شیفلیڈ/انگلینڈ ۱۹۸۰ء/مطبوعہ جامعہ قاسمیہ غلام محمد آباد فیصل آباد]

مولانا عبدالقادر جیلانی تفضیلیت کا شکار، اور اُن کے مکتب فکر میں تھکم تھکا

یاد رہے کہ مناظرہ شیفلیڈ میں علامہ خالد محمودؒ کے مقابل آنے والے متذکرہ بزرگ مولانا عبدالقادر جیلانی اب ایک طویل عرصہ سے اپنے مکتب فکر میں متنازعہ بنے ہوئے ہیں۔ ذاتی احوال کی بناء پر تو پہلے بھی کافی متنازع تھے تاہم اب فکری و اعتقادی حوالہ سے وہ ایک مستقل فرقہ کے بانی کے روپ میں سامنے آئے ہیں اور یہ ہے تفضیلی سوچ! یعنی اہل السنۃ والجماعۃ کے اجماعی نظریہ کے مطابق خلافت بلافصل کے تاجدار سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ افضل البشر بعد الانبیاء ہیں، جبکہ جیلانی صاحب نے شیعہ تصور کے مطابق سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کو افضل قرار دیا اور پھر اس پر ایک نہ ختم ہونے والی جدوجہد بھی شروع کر دی۔ چنانچہ جولائی ۲۰۱۰ء میں ان کی جانب سے ایک کتاب ''زبدۃ التحقیق'' کے نام سے چھپی جو چارسو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے ردعمل میں بریلوی علماء کرام نے آناً فاناً کئی ایک کتابیں شائع کر دیں جن میں سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مقامِ افضلیت کو خوب خوب اجاگر کیا گیا۔ چنانچہ اس کتاب کے جواب میں دو جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ''عمدۃ التحقیق بجواب زبدۃ التحقیق'' بمقام کھوئی رٹہ آزاد کشمیر سے شائع ہوئی جس کے مصنف مولانا قاضی محمد عظیم نقشبندی ہیں، دوسری کتاب ''افضلیت شیخین'' کے نام سے چھ سو صفحات پر مشتمل مولانا محمد اشرف سیالوی مرحوم کی اپریل ۲۰۱۴ء میں شائع ہوئی۔ تیسری کتاب ''جواہر التحقیق'' کے نام سے راولپنڈی سے چھپی، پونے پانچ سوصفحات پر مشتمل اس کتاب کے مصنف مولانا قاضی عبدالرزاق بھترالوی ہیں اس سلسلہ کی چوتھی کتاب ''نہایۃ الدلیل'' ہے جس کے مصنف میں مولانا محمد فیصل خان ہیں اور اس کتاب میں بھی مسئلہ افضلیت کو اکابرین کے اقوال کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔ مولانا عبدالقادر جیلانی نے اپنے ساتھ درجن بھر افراد کی ایک ٹیم بنا رکھی ہے جسے ''تفضیلی جتھہ'' کہا جا سکتا ہے۔ ان لوگوں نے گمراہی کے جس سفر کا آغاز انگلینڈ سے اسلاف امت سے بدظنی پیدا کرنے کے عمل قبیح سے شروع کیا تھا، وہ درودِ ابراہیمی کے خارجِ صلوٰۃ پڑھنے کے عامیانہ کراہتی فتوے سے ہوتا ہوا اب شیعیت پر جا پہنچا ہے اور متشددین

کی یہی منزل اصلی ہے۔

مولانا عنایت اللہ کی بتیسی کا مناظرہ شیفلیڈ میں گر جانا اور علامہ صاحب کا برمحل تبصرہ

اس مناظرہ میں دلچسپ صورتحال اس وقت پیدا ہوئی تھی جب مولانا عنایت اللہ سانگلوی نے ایک موقع پر علامہ صاحب کے دلائل سے عاجز آ کر غصے میں کہا ''اب اگر میں جواب نہ دوں تو اپنے باپ کا نہیں۔'' ساتھ ہی ان کی بتیسی منہ سے نکل کر نیچے گر گئی (یعنی مصنوعی دانتوں کا گچھا) تو علامہ صاحب نے عوام سے مخاطب ہو کر کہا دیکھئے والدین کی گستاخی کتنا بڑا گناہ ہے۔ سانگلوی صاحب کو ہمارے سوال کا جواب نہ بھی آئے تو تب بھی یہ رہیں گے تو اپنے والد کے ہی، مگر انہوں نے جب ایسا غلط لفظ منہ سے نکالا کہ قدرت نے فوری طور پر ان کے منہ سے دانت نکال کر سزا دے دی گویا باپ کا گستاخ اپنے دانت نکلوا بیٹھتا ہے۔ یہ سن کر مجمع ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گیا اور مولانا سانگلوی صاحب کو اپنے ادا کئے ہوئے کلمات پر بڑی ندامت ہوئی۔ اب ہم مولانا سانگلوی مرحوم کی بسیار خوری کا ایک واقعہ پیش کر کے مناظرہ شیفلیڈ والی بحث کا اختتام کرتے ہیں۔ اس واقعہ کی راوی مولانا سانگلوی کے ہم مسلک ایک معتبر عالم دین ہیں، دوسرے کیمپ سے یہ بات کہی جاتی تو شاید خلافِ واقعہ ہونے کا گمان ہوتا۔ مگر یہ گھر کی گواہی ہے۔ یہاں ہم بتاتے چلیں کہ کاتب السطور (عبدالجبار سلفی) کا کم و بیش بیس سال قبل سانگلہ ہل (اس وقت ضلع شیخوپورہ میں تھا مگر فیصل آباد کے قریب پڑتا ہے، اب شاید ضلع ننکانہ میں آ گیا ہے) جانا ہوا جہاں ہم چند دن ایک مہربان کے ہاں ٹھہرے تھے۔ اس دوران مولانا عنایت اللہ سانگلوی کی جامع مسجد جو ایک بارونق بازار میں واقع ہے، میں بھی جانا ہوا تو خریداری کے دوران ایک دوکان پر موجود بزرگ بیٹھے تھے جو کسی اعلیٰ سرکاری عہدہ سے ریٹائرڈ تھے، انہوں نے مولانا سانگلوی مرحوم کی خوراک کے متعلق انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے یہ مولوی صاحب پیپسی اور فانٹا کی دس دس بوتلیں ایک ہی نشست میں یکے بعد دیگرے پی جاتے تھے اور کھانے میں تو ان کا کوئی حساب کتاب ہی نہ تھا، یہ سن کر ہم نے اسے علاقائی مخاصمت اور قربی بے تکلفی پر محمول کرتے ہوئے مبالغہ قرار دیا۔ مگر کچھ ہی دنوں کے بعد جامعہ حزب الاحناف لاہور کے مدرس و مفتی مولانا غلام حسن قادری کے مندرجہ ذیل انکشاف نے ہمیں چونکا دیا کہ ایک جلسہ میں داعی جلسہ شیخ ظہور احمد نے جب مولانا عنایت اللہ سانگلوی کو مشروب پیش کیا تو انہوں نے فرمایا:

> ''اوئے شیخا، پورا ڈالا اٹھا کے لے آ، وہ ڈالا لے آیا تو آپ چھ چھ بوتلوں میں چھ چھ پائپ لگاتے جاتے اور غٹر غٹر پیتے جاتے، جب پورا ڈالا ختم ہو گیا تو فرمایا کیا پکایا ہے؟ شیخ صاحب چھوٹے پائے بہت لذیذ پکاتے تھے چنانچہ اس دن بھی انہوں نے پورا پتیلہ بلکہ بہت بڑا پتیل بھر کر پائے پکائے اور ایک ڈونگے میں لے کر حاضر ہو گئے۔ حضرت صاحب نے فرمایا ''پورا پتیلہ لے کے آ'' وہ لے آیا تو فرمایا ہڈیاں علیحدہ کرو، شوربا علیحدہ اور گوشت علیحدہ کرو۔ اس نے آدھ گھنٹہ ساتھ ملازم لگا کر تعمیل ارشاد کی تو حضرت نے گوشت کھا لیا اور شوربا پی لیا اور فرمایا شیخ جی کھانا تقریر کے بعد کھائیں گے ان شاء اللہ۔''

[غلام حسن قادری، مولانا ر تقریری نکات صفحہ نمبر ۵۷۹ مطبوعہ کرمانوالہ بک شاپ، لاہور]

یہ تو بھلا ہو ہمارے علامہ صاحب کا کہ انہوں نے علمی دنیا میں سانگلوی صاحب سے مناظرہ کیا اور سانگلوی صاحب کو دن میں تارے دکھا دیئے اگر دسترخوان پہ یہ معرکہ لگتا تو ہمارے علامہ صاحب تو ان کے مقابلہ میں کسی شمار میں ہی نہ ہوتے کیونکہ علامہ صاحبؒ کی عام زندگی جہاں سادگی و عاجزی سے مزین تھی وہاں آپ کی خوراک بھی نہایت سادہ تھی اور اس قدر مسکینی کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے، اکثر اوقات پلیٹ سے سالن نکال کر روٹی کے اوپر رکھ دیتے اور ایک آدھ چپاتی کھا لیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے اپنے اللہ کریم کا دیا ہوا رزق غلامانہ انداز میں کھانا چاہیے۔ علاوہ ازیں مولانا عنایت اللہ سانگلوی مرحوم کی زبان اور لب ولہجہ بھی شائستہ نہیں تھا ان کے انداز گفتگو کی ایک جھلک ہم نے اپنی کتاب سوانح حیات ''ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ'' کے صفحہ نمبر ۹۸ پر دکھائی ہے، شائقین وہیں پر ملاحظہ فرمالیں۔ دوسری جانب علامہ خالد محمودؒ کے اخلاقیات کی حالت ساری زندگی یہ رہی کہ شدید جلال میں بھی اپنے منہ سے کوئی نازیبا یا ادب واخلاق سے گرا ہوا لفظ نہیں نکالتے تھے۔ بلکہ ہمیں تو بارہا مرتبہ یہ تجربہ ہوا کہ علامہ صاحب حالت غصہ میں بہت پیارے لگتے تھے۔ کیونکہ ان کے ہاں دوسرے کی تحقیر وتنفیر یا حق تلفی کا کوئی تصور تک نہ تھا۔ آپ کی طبیعت پر صرف اور صرف علم وفضل کا غلبہ رہتا تھا، اور سانس سانس سے علم وادب کی مہک ہی آیا کرتی تھی۔ اس لیے سندھ خیر پور کے معروف عالم دین حضرت مولانا علی شیر حیدری شہیدؒ نے ایک بار کسی مجلس میں کہا تھا کہ علامہ صاحب کے خراٹوں میں بھی علم محسوس ہوتا ہے۔

مناظرہ ساؤتھ افریقہ
(۱۷، جولائی ۱۹۹۵ء)

علامہ صاحب کا ایک کتابچہ جو تاریخی مباحثے کا سبب بن گیا

یہ ۱۹۹۰ء کے آخری مہینوں کی بات ہے کہ چالیس صفحات پر مشتمل دو رنگوں کے ٹائٹل والا ایک پمفلٹ لاکھوں کی تعداد میں تقسیم ہوا تھا جس کا نام ''عقائد الشیعہ'' (بلا تبصرہ وتردید) تھا اور اس پر بطور مصنف یا مرتب کوئی نام درج نہیں کیا گیا تھا، یہ کتابچہ دراصل علامہ خالد محمودؒ کے خامہ عنبر شامہ کا نتیجہ تھا اور اب یہ علامہ صاحب کی کتاب ''تجلیات آفتاب'' جلد دوم میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اس کتابچہ کے محرک اصلی قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ تھے جنہوں نے علامہ صاحب کو مشورہ دیا تھا کہ ایک مختصر کتابچہ تیار کیا جائے جس میں اہل تشیع کی بنیادی کتابوں سے ان کے معروف زمانہ عقائد جمع کئے جائیں اور ان پر کسی قسم کا کوئی تبصرہ، تجزیہ، تردید یا ابطال درج نہ ہو، تاکہ عوام وخواص کی تمام تر شاخوں اور شیعوں میں جب اسے پڑھا جائے تو لوگوں کے سامنے ایک ہی نشست میں ان کے عقائد کی تفصیل آجائے۔ چنانچہ حضرت علامہ صاحبؒ نے اس مشورہ پر عمل کیا، یہ بات کاتب السطور کو خود حضرت علامہ صاحب نے فرمائی تھی کہ حضرت قاضی صاحبؒ نے بذاتِ خود یہ کتابچہ ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا تھا اور ہم نے بھی متعدد مرتبہ اس کی اشاعت کی اور پاکستان سمیت بیرون ممالک میں موجود

اپنے رفقاء واحباء کو اس کی اشاعت پر آمادہ کیا۔ خلاصہ یہ کہ چار پانچ سال کے مختصر عرصہ میں مذکورہ کتابچہ پاکستان کے چاروں صوبوں اور بھارت، بنگلہ دیش، انگلینڈ، عرب امارات، سعودی عرب اور کویت میں مقیم اردو دان طبقوں سے ہوتا ہوا ساؤتھ افریقہ جا پہنچا۔ (دیکھیے: ۱/۷۴۴......۱/۶۲۵......۲/۳۷۵[ادارہ])

افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں واقع ایران کے سفارت خانہ نے علامہ صاحب کے اس کتابچہ کو اچھا خاصہ دل پہ لے لیا اور انہوں نے صوبہ نٹال کے شہر ڈربن میں اہل سنت مسلمانوں سے شکوہ کیا کہ متذکرہ کتابچہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے اور ہماری طرف عقائد منسوب کیے گئے ہیں، وہ ناانصافی پر مبنی ہیں اور ہم اس عنوان پر مباحثہ کروانے کے لیے بھی تیار ہیں۔ چنانچہ جنوبی افریقہ کے ذمہ دار علماء کرام نے یہ صائب رائے دی کہ چونکہ اس کے مصنف علامہ خالد محمود ہیںؒ اور مناظرے کا سبب بھی اس کتابچہ میں درج کیے گئے شیعی خیالات ہیں تو اس عنوان پر علامہ صاحب سے بہتر گفتگو کوئی نہیں کرسکتا۔ چنانچہ فریقین نے باہم تاریخ مناظرہ اور جائے مناظرہ طے کیں اور پھر اہل تشیع نے جناب خمینی صاحب کے شاگرد آیت اللہ الحسینی سے وقت لے لیا جو ڈربن میں بطور ایرانی سفیر تازہ تازہ تعینات ہوئے تھے۔ اِدھر اہل سنت والجماعۃ نے حضرت علامہ صاحب کو مدعو کرلیا، اور پھر حسب اعلان مقررہ تاریخ کو جنوبی افریقہ کی سرزمین پر ''تقیہ'' کے عنوان پر معرکہ آراء مباحثہ ہوا جس کی روداد انہی دنوں ''تقیہ نہ کیجیے'' کے نام سے شائع ہوئی تھی اور اب سبب مباحثہ بننے والا علامہ صاحب کا وہ کتابچہ (عقائد الشیعہ، بلا تبصرہ و تردید) اور اس مناظرہ کا پس منظر علامہ صاحب نے اپنی کتاب ''تجلیاتِ آفتاب'' جلد دوم قلمبند کردیا ہے۔ اس وقت مناظرہ کی کارروائی یہاں شامل کتاب کی جارہی ہے تاکہ تسلسل کے ساتھ علامہ صاحب کے احوال زندگی پڑھنے والوں کو کسی دوسری طرف مراجعت کی زحمت کرنے کی بجائے یہیں پہ اسی تاریخی مناظرہ کی سرگذشت بھی پڑھنے کو مل جائے، سو ملاحظہ کیجیے:

ساؤتھ افریقہ میں نائب سفیر ایران آیت اللہ الحسینی سے تقیہ پر مناظرہ

افریقہ میں ایران کا مرکزی سفارت خانہ جوہانسبرگ میں ہے اور اس کا ایک نائب سفارت خانہ جنوبی افریقہ میں ڈربن صوبہ نٹال میں ہے۔ ۱۹۹۵ء کی بات ہے کہ ڈربن میں ایران کے نائب سفیر آیت اللہ الحسینی، جو علامہ خمینی کے شاگرد اور اہل تشیع کے ایک عالم دین تھے۔ وہ ڈربن میں ان کے سفارت کار بن کر آئے یہاں انہوں نے جمعیۃ العلماء نٹال (جنوبی افریقہ) کو پیغام بھیجا کہ ہم آپس میں خیر سگالی کا ایک حلقہ پیدا کریں جس میں ایک دوسرے سے بہتر تعارف کی راہیں نکلیں۔ رئیس جمعیۃ العلمائے نٹال (جنوبی افریقہ) نے فون پر راقم الحروف سے مشورہ کیا کہ انہیں کیا جواب دیا جائے؟ راقم نے انہیں بتایا کہ خیر سگالی کی یہ مجالس علمی مناظرات کی ہی مجلسیں ہونگی۔ حضرت مولانا محمد یونس پٹیل خلیفہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر و ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلمائے نٹال کو چاہیے کہ وہ علامہ آیت اللہ الحسینی کو اس پیغام کا مثبت جواب دیں اور راقم الحروف کی طرف سے مولانا محمد یونس پٹیل اس کا آغاز کریں۔ آگے راقم الحروف اس مجلس مناظرہ کو سنبھال لے گا، مولانا عمر جی رئیس جمعیت علمائے نٹال اور مولانا قاسم سیما شیخ الحدیث نیوکیسل نے اس رائے سے اتفاق کیا اور مولانا یونس پٹیل ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء پٹیل صوبہ

نٹال سے اس مجلس کے اہتمام کے لیے کہا۔ راقم الحروف بھی ڈربن پہنچ گیا اور ڈربن کے اوریئنٹ ہال میں یہ مناظرہ ۱۷ر جولائی ۱۹۹۵ء میں ہوا۔ جناب آیت اللہ الحسینی نے پاکستانی آیت اللہ انعام حیدر مقیم کیپ ٹاؤن (جنوبی افریقہ) کو بھی وہاں بلا لیا تھا اور وہ اُردو جانتے تھے اور مناظرہ انگریزی میں تھا موضوع مناظرہ ''تقیہ'' تھا۔ اس مناظرہ میں افریقہ کے اہل سنت علماء ساٹھ ستر کے قریب موجود تھے۔ اس مناظرہ میں کیا ہوا؟ اور آخر میں کس حوالہ پر منتظمین ہال نے وہ مناظرہ بند کرا دیا؟ اسے آپ اس مناظرہ کی اُردو روئیداد میں آگے مطالعہ فرمائیں۔ یہ روئیداد حافظ محمد عرفان عالم نے انہی دنوں مرتب کر لی تھی اور وہ شائع بھی ہوگئی تھی اور اب وہ تقریباً بیس سال بعد پھر آپ کے سامنے آرہی ہے۔

اہل سنت کس طرح اس مناظرہ میں کامیاب رہے؟ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جمعیت علماء نٹال نے اسی شام اس خوشی میں جلسہ عام کیا، جس میں عیسائیت پر عالمی سطح کے مشہور مناظر شیخ احمد دیدات ؒ بھی موجود تھے اور انہوں نے بھی اس جلسہ میں شیعیت کے بارے میں راقم الحروف سے کئی سوالات کیے اور راقم الحروف کے جوابات پر پورے اطمینان کا اظہار فرمایا۔

علامہ خمینی آنجہانی کی اس عبارت پر یہ مناظرہ بند کر دیا گیا

''دنیا میں جو نبی بھی آئے وہ انصاف کے نفاذ کے لیے آئے لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے یہاں تک کہ ختم المرسلین ﷺ جو انسان کی اصلاح اور انصاف کا نفاذ کرنے کے لیے آئے وہ بھی اپنے زمانے میں کامیاب نہ ہوئے، عدل وانصاف کے نفاذ میں کامیابی امام مہدی کے نام لکھی گئی۔'' [اتحاد و یکجہتی: ۱۵]

راقم الحروف کا خیال تھا کہ علامہ خمینی کے تفضیل ائمہ کے اس عقیدہ پر آیۃ اللہ الحسینی اس میں کوئی تاویل کی راہ نکالیں گے، لیکن انہوں نے اپنے استاذ کی اس عبارت کی کھلم کھلا تائید کرنی شروع کی۔ جس سے حاضرین کا سارا مجمع بھڑک اُٹھا۔ حاضرین میں جو پاکستانی اور ہندوستانی شیعہ بیٹھے تھے وہ بھی علامہ خمینی کی اس بات سے بہت ناراض ہوئے، کیونکہ کسی کو حضور ﷺ کے بارے میں کامیاب نہ ہونے کی بات سننا گوارا نہ تھی۔

راقم الحروف نے جب اس کے جواب میں کہا کہ آپ جو حضرت مہدی کو اس میں کامیاب کہہ رہے ہیں یہ بھی صحیح نہیں اس کا سدباب اللہ تعالیٰ نے صدیوں سے کر رکھا تھا کہ اس کے لیے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو آسمان میں بٹھا رکھا ہے کہ وہ ظلم وجور کے اس دور میں نزول فرما کر حضرت مہدی کی مدد کریں۔ دجال کو قتل کریں، صلیب ٹوٹے اور اہل کتاب میں سے کوئی باقی نہ رہے مگر یہ کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے صحیح طور پر ایمان لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام پہلے سے اس لیے کر رکھا تھا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یہ کامیابی صرف امام مہدی کی ہے اور امامت کا درجہ نبوت سے اونچا ہے۔ گو اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام عملاً نبی نہ ہوں گے حضور ﷺ کے امتی ہوں گے۔ دنیا کے اس آخری معرکہ میں بنو اسمٰعیل اور بنو اسرائیل دونوں کا اجتماع ہوگا۔ بنو اسمٰعیل کی طرف سے حضرت مہدی اور بنو اسرائیل کی طرف سے حضرت عیسیٰ

علیہ السلام اس میں شریک ہوں گے اور بڑے بڑے کام جیسے قتل دجال، قتل خنازیر اور جزیہ کی صورت عمل کا آئندہ واقع نہ ہونا یہ سب حالات اس دور میں واقع ہوں گے۔ اب آپ اس مناظرے کی پوری روداد ملاحظہ کریں۔

افتتاح از چیئرمین ڈاکٹر سلمان ڈینگر (ڈربن سٹی)

جناب علامہ خالد محمود صاحب، حجۃ الاسلام عبداللہ الحسینی اور دوسرے مہمان دوستو السلام علیکم!

آج کے اس جلسہ میں ان موضوعات پر گفتگو ہے جن میں اہل سنت اور شیعہ میں اختلاف پایا جاتا ہے، مجھے بتایا گیا ہے کہ جناب عبداللہ الحسینی نے جمعیت علماء نٹال کو خط بھیجا تھا کہ ان موضوعات پر ہم مناظرہ کریں۔ پہلے دس منٹ تعارفی تقاریر ہوں گی پھر آپس میں کچھ ضوابط طے ہوں گے اور پھر مناظرے کا آغاز ہوگا۔

عبداللہ الحسینی (ترجمان اہل تشیع)

میرے لیے یہ بڑی خوشی کا موقع ہے کہ میں جنوبی افریقہ نٹال کے اورینٹ ہال میں اپنے سنی بھائیوں کے ساتھ بیٹھا ہوں اور میں جمعیت علماء نٹال کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری دعوت قبول کی جو میری ایک دیرینہ خواہش تھی۔ اس اجلاس کے انعقاد کا مقصد جیسا کہ میں نے اپنے خط میں لکھ بھی دیا تھا یہ ہے کہ مجھے کئی رسالے اور پمفلٹ موصول ہوئے جن میں شیعہ مذہب کے بارے میں کچھ ایسی باتیں تحریر تھیں، جو اصل کتابوں میں جن کا ان میں حوالہ دیا گیا تھا، نہیں ملیں۔ اور اگر ان میں کچھ حوالے صحیح پائے گئے تو اس قسم کی روایات میں نے سنی لٹریچر میں بھی دیکھیں، الجمعیۃ پبلی کیشنز میں بھی ایسے کئی حوالے موجود ہیں۔

اس پمفلٹ میں، جو مجھے بھیجا گیا پہلے اور دوسرے صفحہ پر کچھ حوالے ہیں، جو شیعہ کتابوں سے قرآن کے بارے میں دیئے گئے ہیں، جناب صدر آپ گو فیصلہ نہ فرمائیں لیکن ذرا پڑھ تو لیں اور پھر اس کو اصل کتابوں میں دیکھیں جن کے یہ حوالے ہیں۔ ہماری طرف بہت غلط باتیں منسوب کی گئی ہیں۔ جناب صدر اگر میں واقعی یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن بھی ہے، یا میرا کسی ایسے قرآن پر ایمان ہے جس کی آیات سترہ ہزار ہیں، تو میں واقعی مسلمان نہیں ہوں، میں یہاں آپ کو لکھ کر دیتا ہوں پھر آپ مجھے اس ہال سے جانے نہ دیں اور اگر آپ کو اس پمفلٹ کے یہ حوالے ان کتابوں میں نہ ملیں تو پھر قرآن کے موضوع پر ایک دوسرا پمفلٹ شائع کیا جائے جس پر ہم دونوں شیعہ اور اہل سنت بھائی بھائی ہو کر رہ سکیں۔

یہ میرے ہاتھ میں ایک پمفلٹ ہے جس کا نام ''ایرانی انقلاب اور شیعہ'' ہے اور یہ جمعیت علماء نٹال کی طرف سے تقسیم کیا گیا ہے۔ ہم ثابت کر سکتے ہیں کہ ہمارا کوئی اور قرآن نہیں ہے۔ میں اپنے دل میں اپنے سنی بھائیوں کے خلاف کوئی جذبہ نہیں رکھتا۔ ایرانی انقلاب کے بعد استعماری طاقتیں اب پھر سے ایران پر قبضہ کرنے کی فکر میں ہیں، ان کے ذہن میں ایران کی باری بوسنیا کے ختم ہونے کے بعد آئے گی، امریکہ نہیں چاہتا کہ کسی طرح کشمیر کی مدد ہو۔ کسی طرح فلسطین کی مدد ہو۔ الجیریا کی مدد ہو۔ دنیا میں جہاں جہاں سنی پھیلے ہوئے ہیں، امریکہ انہیں ہر جگہ دبانا چاہتا ہے ایران اس میں استعماری طاقتوں کے خلاف کھڑا ہے، اور ہر جگہ اپنے سنی بھائیوں کی مدد کر رہا ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم مسلمان نہ ہوں۔ ہم مسلمان ہیں اور جب ہم

اپنے سنی بھائیوں سے سنتے ہیں کہ تم کافر ہو، تو ہمارا دل بہت دکھتا ہے، اگر میں واقعی کافر ہوتا تو پھر تمہیں ایسا کہنے کا حق تھا، لیکن یہ صورت حال نہیں ہے، تمہارے پاس کون سی شہادت ہے کہ میں کافر ہوں؟ اگر میں واقعی کافر ہوا تو میں اپنی اصلاح کرلوں گا۔

میں نے مولانا یونس پٹیل کو فون پر کہا تھا کہ اگر میں غلط ہوں تو تمہارا بطور عالم ہونے کے فرض ہے کہ مجھے راستے پر لاؤ اور اگر میں راستے پر ہوں اور میرے پاس اس کے وجوہ ہیں تو آؤ مجھے سنو، میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے یہ موقعہ دیا۔ یہ ہے اس مناظرے کا پس منظر۔

چیئر مین:

میں سمجھتا ہوں کہ مناظرے کی وجہ کھل کر سامنے آ گئی ہے، ہم آج اسی لیے اس ہال میں جمع ہیں، اب ہمیں ٹائم طے کرنا چاہیے، اب پونے گیارہ بجے ہیں، آج کا مناظرہ ڈیڑھ بجے تک جاری رہنا چاہیے، صرف مناظر بولیں گے، سامعین کو اس میں دخل نہ دینا چاہیے۔ ایک طرف سے حجۃ الاسلام عبداللہ الحسینی مناظر ہوں گے اور دوسری طرف سے علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب جو مانچسٹر سے آئے ہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب......(بعد از خطبہ مسنونہ)

جناب چیئر مین اور سامعین کرام!

ہم یہاں اس لیے جمع ہوئے ہیں کہ جو مسائل ہم میں اور شیعہ میں اختلافی سمجھے جاتے ہیں ان پر گفتگو کریں، ہم اس لیے یہاں نہیں آئے کہ اس پر بحث کریں کہ اس وقت بوسنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ کشمیر میں کیا ہو رہا ہے اور فلسطین کن حالات سے دو چار ہے؟ یہ وہ مسائل ہیں جن میں دو آراء نہیں۔ سنی شیعہ دونوں جانتے ہیں کہ بوسنیا مظلوم ہے، کشمیری عوام مظلوم ہیں، فلسطینی عوام مظلوم ہیں۔ زیر بحث وہ مسائل آتے ہیں جن میں ہم دونوں مختلف آراء ہوں۔ حسینی صاحب نے اپنا وقت ان باتوں میں لگایا ہے، ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے وقت ضائع کیا ہے اور اگر وہ رو رو کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ میں مسلمان ہوں کافر نہیں ہوں، تو اتنی بات تو وہ بھی جانتے ہوں گے کہ رونے سے عقائد ثابت نہیں کیے جاتے، ہاں یہ بات درست ہے کہ محرم میں رونے سے کچھ نہ کچھ عقائد کا پتہ چل جاتا ہے۔ آپ نے یہ جو کہا کہ اس پمفلٹ میں کچھ حوالے ہیں جو اصل کتابوں میں نہیں ملتے۔ کتابوں کی مختلف اشاعتوں کی وجہ سے صفحہ نمبر میں اختلاف ہو جاتا ہے، اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاتا کہ حوالہ غلط ہے۔

آپ نے جو پمفلٹ پیش کیا، میں نے نہیں دیکھا، لیکن میرا تجربہ بتلاتا ہے کہ یہ صفحات اختلافِ ایڈیشن سے بدلے ہوں گے۔ یہ نہیں کہ اصل حوالے غلط ہوں۔ میں حسینی صاحب سے گزارش کروں گا کہ وہ ان حوالوں پر نشان لگا دیں، جنہیں وہ سرے سے غلط سمجھتے ہیں اور وہ اصل کتابوں میں نہیں ملتے۔ ان حوالوں کو لکھ کر اور ان پر انکار کر کے وہ ان پر دستخط کر دیں، پھر وہ تحریر انہیں بھیج دیں جنہوں نے وہ پمفلٹ شائع کیا ہے، پھر حسینی صاحب کو پتہ چل جائے گا کہ وہ حوالے ان کتابوں میں کہاں

کہاں ہیں؟

میرا کتابچہ ’’عقائد الشیعہ‘‘

یہ میرا ایک پمفلٹ ہے جو میں نے لکھا ہے ’’عقائد الشیعہ یہ بلا تردید و تبصرہ‘‘ یہ شیعہ کتابوں کے حوالہ جات ہیں، اس میں بتایا گیا ہے کہ شیعہ کے عقیدے قرآن کے بارے میں کیا ہیں اور پیغمبروں کے بارے میں کیا ہیں؟ صحابہ کے بارے میں کیا ہے؟ اور اہل بیت کے بارے میں کیا ہیں؟ بلا تبصرہ کا مطلب یہ ہے کہ اس میں مولف یا مرتب کی کوئی بات نہیں۔ میں اپنا یہ پمفلٹ حسینی صاحب کو دیتا ہوں، وہ کسی حوالے پر انگلی رکھیں کہ یہ غلط ہے اصل کتابوں میں موجود نہیں ہے۔

(اس دوران حسینی صاحب علامہ خالد محمود صاحب کا وہ پمفلٹ ہاتھ میں لے کر کہتے ہیں کہ یہ پمفلٹ میرے پاس موجود ہے۔ لیکن حسینی صاحب نے اس کے کسی حوالہ کے بارے میں یہ نہ کہا کہ یہ غلط ہے اور نہ اس میں کسی پر اعتراض کیا۔ کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ یہ حوالے ان کی اصل کتابوں میں موجود ہیں)۔

(علامہ خالد محمود نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ) میری تجویز یہ ہے کہ پہلی دونوں کی تقریریں پانچ پانچ منٹ کی ہوں اور اس کے بعد ہم دونوں دو دو منٹ لیں۔ دو دو منٹ کی بات جم کر سامعین کے سامنے آ جاتی ہے اور بہت جلدی پتہ چل جاتا ہے کہ کس کی بات ثابت ہو رہی ہے اور کس کی بات ثابت نہیں؟ پھر اس میں خلط مبحث کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔ تقیہ پر شیعہ کی پوزیشن واضح ہو جائے تو پھر باقی موضوعات پر بات زیادہ اچھے ماحول میں سامنے آ سکے گی۔

چیئر مین کی حیثیت مجلس کو کنٹرول کرنے، اسے پُر امن رکھنے اور وقت کی پابندی کرانے کی ہوگی اس بات کے بھی وہ ذمہ دار ہوں گے کہ مناظرین کے سوا کوئی اور نہ بولے۔ تصحیح حوالہ کے لیے کتاب کو ادھر سے ادھر یا سے ادھر لایا جا سکے گا۔ چیئر مین موضوع زیر بحث پر فیصلہ دینے کے مجاز نہ ہوں گے۔ مسئلہ کے بارے میں فیصلہ دینا صرف علماء کا کام ہے۔ سامعین خود اندازہ کر لیں گے کہ کس کی کشتی منجدھار میں ہے اور کون کنارے لگ رہا ہے۔

چیئر مین صاحب:

جناب عبداللہ الحسینی کیا آپ ان امور سے اتفاق کرتے ہیں؟ اگر آپ مانتے ہیں تو تقیہ پر پانچ منٹ میں اپنا موقف پیش کیجیے پھر علامہ صاحب پانچ منٹ میں اس کا جواب دیں گے۔

جناب عبداللہ الحسینی:

میں تیار ہوں مگر اس شرط کے ساتھ کہ تقیہ کے بعد قرآن پر بھی بحث ہوگی کہ ہم اس قرآن کو مانتے ہیں یا کسی اور قرآن کو؟

علامہ خالد محمود:

جب ایک موضوع کا فیصلہ ہو جائے تو ہمارا دوسرا موضوع بیشک شیعوں کا ایمان بالقرآن ہوگا ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں۔

جناب حسینی:

مگر میں پہلی دفعہ پانچ منٹ زیادہ لوں گا کیونکہ علامہ صاحب نے اپنی تقریر میں پانچ منٹ زیادہ لیے ہیں۔

اب مناظرہ شروع ہوتا ہے

جناب حسینی صاحب:

(خطبہ کے بعد) جناب چیئر مین حضرت علامہ صاحب، علماء کرام اور سامعین!

اسلام میں تقیہ جائز ہے یا نہ؟ یہ پہلا سوال ہے اور ان دنوں ہم عملاً تقیہ کر رہے ہیں یا نہیں؟ یہ دوسرا سوال ہے۔ اس کے سوا اس وقت کوئی تیسرا سوال نہیں۔

قرآن، حدیث اور شیعہ کتب حدیث سب بتاتی ہیں کہ تقیہ بعض اوقات واجب ہے، بعض اوقات حرام، کبھی یہ مباح ہوتا ہے اور کبھی مکروہ، اور میں ان سب پر دلائل دینے کو تیار ہوں، لیکن وقت بڑا مختصر ہے۔ قرآن میں ہمیں تین آیتیں اس کے لیے ملتی ہیں۔

تقیہ اسلام میں صرف خطرے کے وقت ہے جب تمہاری جان کو کوئی خطرہ ہو۔ اسلام تمہیں بے وقوف بننے کی تعلیم نہیں دیتا، یعنی تم کفر کا کلمہ کہہ کر جان بچا سکتے ہو۔

آپ اگر بوسنیا میں ہوں اور پیچھے سے سرب آ رہے ہوں اور وہ تمہیں پکڑ کر پوچھیں کہ کیا تم مسلمان ہو؟ آپ ہاں کہیں تو بے وقوفی ہوگی، قتل کر دیئے جاؤ گے، اسلام تمہیں ایسا کرنے کا حکم نہیں دیتا، تم کہہ سکتے ہو کہ میں مسلمان نہیں ہوں، تم اس طرح اپنی جان بچا لو۔ میں نے بھی ایک دفعہ جبکہ میں افغانستان میں تھا، اس طرح تقیہ کیا تھا، میں روسیوں کے مقابلے میں ایک گروہ کا کمانڈر تھا، چالیس آدمی میرے ماتحت تھے میں نے ایک تقیہ کر کے چالیس آدمیوں کی جان بچالی۔

اب قرآن سے اس کی شہادت لیجیے: ﴿**لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا**﴾ (آل عمران:۲۸) ''نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اس کو اللہ سے کوئی تعلق مگر اس حالت میں کہ کرنا چاہو تم ان سے بچاؤ۔''

تمام سنی مفسرین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ آیت تقیہ کے بارے میں ہے۔ قرآن میں یہ دوسری آیت بھی ملاحظہ کیجیے: ﴿**مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ**﴾ (النحل:۱۰۶) ''جو کوئی منکر ہوا اللہ سے یقین لانے کے بعد مگر وہ نہیں جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل برقرار رہے ایمان پر، لیکن جو کوئی دل کھول کر منکر ہوا سو ان پر غضب ہے اللہ کا۔''

اگر آپ صحیح بخاری کو اس آیت کے ذیل میں دیکھیں تو آپ کو عمار بن یاسر کا قصہ ملے گا جنہیں کافروں نے پکڑ لیا تھا، کچھ لوگوں کو انہوں نے مار بھی ڈالا، حضرت عمارؓ نے ان کے خداؤں کی تعریف کر دی، اس پر انہوں نے چھوڑ دیا، پھر عمار روتے

ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے آنحضرت ﷺ نے اس کا سبب پوچھا، انہوں نے جو کچھ ہوا تھا عرض کر دیا، آپ نے انہیں حوصلہ دیا اور کہا کہ آئندہ بھی کبھی یہ صورت پیش آئے تو اس طرح کہہ دینا۔ پھر قرآن میں مومن آل فرعون کا قصہ بھی مذکور ہے جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا طاقت فرعون کے پاس تھی اور یہ جان کے خوف سے اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا۔

﴿ **وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ** ﴾ (المومن: ۲۸) ''اور بولا ایک مرد ایمان دار فرعون کے لوگوں میں جو چھپاتا تھا اپنا ایمان۔'' فرعون کو پتہ نہ تھا کہ وہ حضرت موسیٰ پر ایمان لایا ہوا ہے یہاں ایمان کیا ہے جسے وہ فرعون سے چھپا رہا تھا، وہ مومن تقیہ کیے ہوئے تھا۔ سو اسلام میں قرآن کی رو سے تقیہ کرنا جائز ہے، ان تین آیتوں میں تقیہ کرنے کا حکم ہے۔ عمار بن یاسر نے تقیہ کیا اور آنحضرت ﷺ نے اسے منظور فرمایا صحیح بخاری میں حدیث ہے: **التقية الى يوم القيامة.** [۱۰۲۷/۲]

مجھے ایک منٹ اور دیجیے! دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا ان دنوں ہم تقیہ کر رہے ہیں؟ میں پوچھتا ہوں کہ اگر میں کسی اور قرآن پر ایمان رکھتا ہوں تو تم کیا مجھے مار ڈالو گے؟ نہیں ایسا نہیں، یہاں حکومت جنوبی افریقہ کی اپنی ہے، ہماری تمہاری نہیں تو جب تم مجھے مجبور نہیں کر سکتے تو میں تقیہ کیونکر کروں گا؟ یہاں اگر میں کوئی دوسرا قرآن لے بھی آؤں اور آپ کو دکھا دوں تو بھی آپ مجھے مار نہ سکیں گے، تو ایسی صورت میں ہم تقیہ نہیں کرتے اور نہ ان حالات میں تقیہ جائز ہے، اَب میں جو کہتا ہوں کہ میرا اسی قرآن پر ایمان ہے تو تقیہ سے نہیں کہہ رہا ہوں، میرا ایمان ہے کہ یہ قرآن ہی صحیح ہے اور کوئی دوسرا قرآن نہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ...... رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اس وقت وہ تقیہ زیر بحث نہیں جو ایک عام آدمی حالات سے دب کر کرتا ہے۔ سوال زیر بحث یہ ہے کہ وہ لوگ جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر آتے ہیں وہ رسول ہوں یا بقول شیعہ امام معصوم۔ کیا ان کے لیے بھی تقیہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے قول و فعل اور زبان و عمل سے حق کا چہرہ کھلتا ہے۔ سچائی کا پتہ چلتا ہے، اگر یہ لوگ ڈر کر حق بات نہ کہہ سکیں اور تقیہ کرنے لگیں تو آخر حق کیسے ظاہر ہوگا؟ اگر یہ لوگ دل میں کچھ رکھیں اور زبان سے کچھ کہیں تو سچائی کیسے کھلے گی اور اس کا پتہ کیسے چلے گا؟ اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

قرآن میں ایسی کوئی آیت ہو جو انبیاء و مرسلین یا ائمہ معصومین کے لیے جو ان کے نزدیک مامور بھی، اس لیے ہیں کہ حق بات کہیں تقیہ جائز کرے تو آپ اسے پیش کریں۔ عام آدمی مجبوری کی حالت میں تقیہ کر سکتا ہے کیونکہ اس کا کفر و ایمان اس کی ذات تک محدود ہے۔ پیغمبر کا ایمان اور اس کی تعلیم اور امام کی بات صرف اس کی اپنی ذات تک محدود نہیں ہوتی، ہزاروں کے ایمان اس کے سچ کہنے سے بنتے ہیں اور ہزاروں کے ایمان اس کے غلط بات کرنے سے (تقیہ کرنے سے) بگڑتے ہیں سو ان

کے لیے تقیہ کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ آپ نے جو آیات پیش کی ہیں عامی لوگوں سے متعلق ہیں مامور من اللہ درجے کے لوگوں کے لیے نہیں ہیں۔

شیعہ نے تقیہ کا یہ مسئلہ حضرت علیؓ کے لیے وضع کیا ہے جب ان سے کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اگر خلیفہ برحق نہ تھے تو حضرت علیؓ نے انہیں کیسے مانا؟ حضرت عمرؓ اگر خلیفہ برحق نہ تھے تو حضرت علیؓ نے انہیں کیسے تسلیم کیا۔ حضرت عثمانؓ اگر جائز خلیفہ نہ تھے تو حضرت علیؓ نے انہیں کیوں قبول کیا؟ حضرت زید بن ثابتؓ نے اگر قرآن ترتیب نزولی کے مطابق جمع نہ کیا اور اسے کوئی اور ترتیب دی تو حضرت علیؓ نے اس قرآن کو کیوں کلام الٰہی مانا؟ تو بس ان کا ایک جواب ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے تقیہ کر کے ان سب کو مانا دل سے انہیں نہ مانا تھا۔

سو تقیہ کا مسئلہ کھل گیا، اسے شیعہ ان حضرات کے لیے ثابت کرتے ہیں جو ان کے عقیدے کے مطابق مامور من اللہ تھے اور دلیل میں وہ آیات لاتے ہیں جو عام درجہ کے لوگوں کے لیے مجبوراً کلمہ کفر کہنے کی اجازت دیتی ہیں۔ اس وقت مسئلہ زیر بحث عامی درجے کے لوگوں کا تقیہ کرنا نہیں۔ انبیاء کرام اور ائمہ عظام کے تقیہ کرنے یا نہ کرنے کا ہے۔ پھر حسینی صاحب نے تقیہ کی کوئی تعریف نہیں بتلائی اور نہ اس کا حکم بتلایا ہے کہ یہ عزیمت ہے یا رخصت ہے؟ بڑے لوگوں کے لیے ہے یا رخصت تلاش کرنے والوں کے لیے؟ ان کا یہ کہنا کہ میں نے افغانستان میں تقیہ کیا تھا اس کا حکم تو بیان نہیں کرتا کہ یہ رخصت ہے یا عزیمت؟ اگر عزیمت ہے تو اس کے مطابق دلیل پیش کی جائے۔ آپ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کا واقعہ تو بیان کیا لیکن ان کے والدین کا تقیہ نہ کرنا اور حق بات پر ڈٹے رہنا اور اس کے لیے جان تک دینا اور اسلام کے پہلے دو شہید کہلانا اسے آپ یکسر بھول گئے۔ ان کا عمل عزیمت پر تھا اور حضرت عمار کا رخصت پر۔ تو تقیہ کرنا دوسرے درجے کا عمل ہے آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس دوسرے درجے پر لاتے ہیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اول درجے پر رکھتے ہیں جنہوں نے تقیہ نہ کیا تھا۔ کچھ تو سوچیے؟

حسینی صاحب اگر تقیہ کا حکم بیان کر دیتے کہ یہ رخصت ہے اور دوسرے درجے کا عمل ہے تو پھر وہ اسے انبیاء و مرسلین اور ائمہ معصومین خصوصاً حضرت علیؓ جیسے اہل عزیمت کے لیے ثابت نہ کر پاتے۔ رخصت اور عزیمت کی اس تفصیل کے بعد اب ان آیات کے لیے کسی مخصص کی ضرورت نہ رہی کہ تقیہ کی یہ اجازت انبیاء و مرسلین اور ائمہ معصومین کے لیے نہیں، صرف دوسرے درجے کے لوگوں کے لیے ہے جو اہل رخصت کہلاتے ہیں اور بڑے درجے کے لوگ تو ہمیشہ اہل عزیمت رہے ہیں۔

حسینی صاحب! اہل عزیمت صرف خدا سے ڈرتے ہیں انہیں اس کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوتا اور تقیہ ظاہر ہے کہ اس کی بنا ہی خوف پر ہوتی ہے۔ سو اہل عزیمت کیسے تقیہ کر سکتے ہیں؟ قرآن کریم میں ہے: ﴿ **الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنَهٗ وَ لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ** ﴾ (الاحزاب: ۳۹) ’’وہ لوگ جو پہنچاتے ہیں پیغام اللہ کے اور ڈرتے ہیں اس سے اور نہیں ڈرتے کسی سے سوائے اللہ کے۔‘‘

جو لوگ رسالت الٰہیہ کے امین ہوتے ہیں اور اسے آگے پہنچانے کی ذمہ داری انہیں دی جاتی ہے تو جن کو وہ یہ رسالت پہنچاتے ہیں انہیں امتیں کہا جاتا ہے۔ روح البیان میں اس کا فارسی ترجمہ ان الفاظ میں دیا گیا ہے: آنانکہ مے رسانند پیغام ہائے خدارا بامتاں خود۔ (جلد: ۷/۱۸۲) اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ **الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ** میں مراد انبیاء اور ائمہ درجے کے لوگ ہیں وہ خدا کی باتیں اپنی امتوں تک پہنچاتے ہیں اور وہ کسی سے نہیں ڈرتے اور کبھی تقیہ اختیار نہیں کرتے۔ سو وہ آیات جو حسینی صاحب نے پیش کی ہیں ان میں اجازت تقیہ صرف عامی درجے کے لوگوں کے لیے ہے اونچے حضرات کے لیے نہیں۔

☆......☆......☆......☆

حسینی صاحب: میں نے اگر تقیہ کی تعریف نہ کی تو اس لیے کہ ہم تقیہ کا ایک تصور رکھتے ہیں جو ہر کسی کو معلوم ہے، اب اس کی تعریف کی کوئی ضرورت نہ تھی، آپ اگر چاہیں تو لیجیے شیعہ کے بڑے عالم شیخ انصاری نے تقیہ کی تعریف یہ کی ہے۔

پھر میں نے قرآن سے ثابت کیا ہے کہ مومن آل فرعون اور عمار بن یاسر نے تقیہ کیا تھا اور صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کافر پھر ایسا کریں تو تم بھی اس طرح کہنا۔

پھر میں نے تقیہ کے لیے جو آیات پیش کی ہیں ان میں بڑے لوگوں کا اور چھوٹے لوگوں کا فرق نہیں ہے، مثال لیجیے! قرآن میں نماز کا حکم ہے تو جس طرح یہ حکم عامی لوگوں کے لیے ہے خاص لوگوں کے لیے بھی ہے۔ روزے کا حکم ہے تو دونوں کے لیے اسی طرح تقیہ کا حکم بھی دونوں کے لیے ہے۔

علامہ صاحب: آپ کا ٹائم ختم ہو گیا ہے ٹائم کی پابندی کریں۔

حسینی صاحب: آپ بھی جتنا ٹائم چاہیں لے لینا۔

علامہ صاحب: یہ ہمارے طے کردہ ضابطے کے خلاف ہے۔

چیئرمین: ہر فریق کو اتنا ہی وقت ملے گا۔ اگر یہ کچھ زیادہ وقت لیں تو آپ کو بھی اتنا ہی وقت زیادہ ملے گا۔

حسینی صاحب: میں اپنے دو منٹوں کے بعد گزارش کرتا ہوں کہ یہ وقت مجھے کافی نہیں۔

علامہ صاحب: جناب چیئرمین! اگر حسینی صاحب اس وقت میں اپنی بات نہیں کہہ سکتے تو ہم اجازت دیتے ہیں کہ وہ اپنے مناظر آفتاب حیدر کو کھڑا کر لیں شاید وہ اتنے وقت میں اپنی بات کہہ سکیں۔

حسینی صاحب: نہیں میں مناظرہ کروں گا۔

علامہ صاحب: لیجیے تقیہ کی تعریف میں یہ خوف کے الفاظ آ گئے ہیں، اس سے یہ واضح ہے کہ تقیہ وہیں ہوگا جہاں ڈر یا خوف ہوگا۔ حسینی صاحب مومن آل فرعون اور حضرت عمار بن یاسرؓ عام لوگوں میں سے تھے مامور من اللہ لوگوں میں سے نہ تھے۔ مامور من اللہ حضرات کے لیے تقیہ کا ثبوت پیش کریں۔ آپ ﷺ کا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو یہ کہنا کہ آئندہ بھی ایسا کرنا،

یہ بطور حکم نہ تھا بطور اجازت تھا اور یہ اس لیے کہ حضرت عمارؓ روتے ہوئے آپ کے پاس آئے تھے آپ ان کی دلجوئی کے لیے ایسا فرما رہے تھے کہ تو نے جو کیا ایسے حالات میں اس کی اجازت ہے، آپ اگر یہ کہنا چاہتے کہ یہ میرا حکم ہے تو آپ یہ فرما دیتے کہ تیرے والدین نے جو تقیہ نہیں کیا، جان دے دی انہوں نے غلط کیا ہے۔ آپ بتلایئے کہ کیا آپ نے ایسا کہا تھا؟ نہیں تو اب حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کہنا کہ آئندہ بھی ایسا کر لینا یہ فقط اجازت کے درجے میں ہے حکم کے درجے میں نہیں۔ پھر ہمارا موضوع عام لوگوں کے لیے تقیہ کا نہیں ان لوگوں کے لیے ہے جو رسالت الٰہیہ کے حاملین ہوتے ہیں ان کے لیے تقیہ کرنے کا ثبوت دیجیے۔

☆......☆......☆......☆

حسینی صاحب: قرآن کی آیات مطلق ہیں وہ یہ نہیں کہتیں کہ یہ حکم لوگوں کے لیے ہے اور یہ خاص لوگوں کے لیے، ان آیات تقیہ میں کوئی تخصیص نہیں، آپ اس بات کے مدعی ہیں کہ بڑے لوگوں کے لیے تقیہ جائز نہیں سو اس کا ثبوت آپ کے ذمہ ہے قرآن کی ان تین آیتوں میں تقیہ کا حکم ہے اور یہ آگے کسی کی تخصیص نہیں کرتیں۔

علامہ صاحب: قرآن میں تقیہ کرنے کا کوئی حکم نہیں ایک اجازت ہے اور یہ محض اباحت ہے اور اباحت کو امر نہیں کہتے۔ آل عمران کی آیت ﴿ **اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً** ﴾ میں کافروں سے ظاہرداری رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ حکم نہیں دیا گیا کہ ایسا کرو۔ اسی طرح سورہ النحل کی آیت ﴿ **اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ** ﴾ میں بھی صرف اجازت دی گئی ہے حکم وہاں بھی نہیں۔ آپ بار بار یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ قرآن میں تقیہ کرنے کا حکم ہے اور پھر اسی طرح کا حکم ہے جس طرح نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ یہ صرف اجازت ہے اور اجازت بھی بطور رخصت ہے نہ کہ بطور عزیمت۔ اس کے شان نزول میں حضرت عمارؓ کے والدین کی عزیمت اور شہادت کو سامنے رکھتے ہوئے تقیہ کو صرف رخصت کہا جا سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اہل عزیمت کا کام نہیں۔

حسینی صاحب: یہ ٹھیک ہے کہ یہ صرف اباحت ہے تو اباحت بھی ان دونوں کے لیے ہے، بڑے لوگوں کے لیے بھی اور عوام کے لیے بھی۔

علامہ صاحب: یہ تب ہوتا کہ حضرت عمارؓ کے والدین کا عمل اس کے خلاف نہ ہوتا، جب انہوں نے تقیہ نہیں کیا اور حضرت عمارؓ نے کیا، تو یہ بات دو درجوں میں منقسم ہوگئی، ایک اہل رخصت کا عمل اور دوسرا اہل عزیمت کا۔ سو ہمیں کوئی اور مخصص پیش کرنے کی ضرورت نہیں، یہ آیت خود ہی بتلا رہی ہے کہ یہ صرف اہل رخصت کا عمل ہے۔

حسینی صاحب: آپ ان آیات سے اہل عزیمت کے لیے استدلال نہ کریں، یہ آیتیں تو میں نے پیش کی ہیں آپ اپنی طرف سے بھی تو کوئی آیت پیش کریں جو بتائے کہ مامور من اللہ درجے کے لوگ تقیہ نہیں کرتے۔

علامہ صاحب: میں قرآن پاک کی یہ آیت پیش کر چکا ہوں: ﴿ **الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا**

يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ﴾ (الاحزاب:۳۹) تقیہ خوف کی حالت میں ہوتا ہے اور رسالت الٰہیہ کے حاملین ایک خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے سو وہ تقیہ کیونکر کریں گے؟ اس سے تو ان کی ہر خبر مشکوک ہو جائے گی آپ لوگوں کی تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ان حضرات کے لیے تقیہ جائز نہیں۔

حسینی صاحب: یہ آیت بھی عام ہے تمام مبلغین کے لیے۔ یہ نبیوں اور اماموں کے لیے خاص نہیں میں بھی مبلغ ہوں۔ علامہ خالد محمود بھی مبلغ ہیں یہ (آفتاب حیدر) بھی مبلغ ہیں، یہ آیت ہم سب کو شامل ہے اور یہ صحیح ہے کہ مبلغین کو خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرنا چاہیے۔ تقیہ کبھی حرام ہوتا ہے اور یہ موقع جو اس آیت میں مذکور ہے، ان مواقع میں سے ہو سکتا ہے، لیکن آیت عام ہے، کسی مفسر نے اس سے انبیاء وائمہ مراد نہیں لیے۔

علامہ صاحب: یہ آیت جو میں نے پیش کی ہے انبیاء اور مامور من اللہ لوگوں سے متعلق ہے وہ ہی رسالات الٰہیہ کے حاملین ہیں، حسینی صاحب کا یہ کہنا درست نہیں کہ کسی مفسر نے اس سے انبیاء اور مامورین مراد نہیں لیے، اس آیت سے ماقبل آیت بھی نبیوں سے متعلق ہے اور بعد کی آیت میں ختم نبوت کا بیان ہے، تو درمیانی آیت میں بھی نبوت کے حاملین کا ذکر ہے آیتیں اس ترتیب سے ہیں۔

۱- **مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ**

۲- **الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ**

۳- **مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ**

جب یہ آیت ان دونوں کے درمیان ہے تو یہ اس تبلیغ رسالت کا بیان ہے جو انبیاء و مامورین کرتے ہیں وہ تقیہ نہیں کرتے کیونکہ انہیں کسی کا ڈر نہیں ہوتا۔

حسینی صاحب: یہ آیتیں سب ایک دوسرے سے جدا ہیں اور علیحدہ علیحدہ وقتوں میں اتری ہیں اور تمہارے عقیدے میں بھی یہ ترتیب نزول کے مطابق نہیں، تم بھی اسے ترتیب رسولی کہتے ہو، کچھ آیتیں دور نبوت کے آخر میں اتریں مگر وہ قرآن میں پہلے ہیں، سو یہ تینوں آیتیں مختلف موقعوں کی ہیں جو ایک سورت میں جمع کر دی گئی ہیں ان تینوں آیتوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں اور اس آیت کو کسی مفسر نے مامور من اللہ لوگوں سے خاص نہیں کیا۔

علامہ صاحب: آپ نے قرآن پاک کی ترتیب کے متعلق اپنا جو عقیدہ بتلایا ہے، اس پر افسوس ہے، لیکن میں موضوع سے نکلنا نہیں چاہتا، آپ کسی درجے میں بھی آیات کے ربط کے قائل ہیں یا نہیں؟ آپ نے اب تک کوئی ایسی آیت پیش نہیں کی جو رسالۃ الٰہیہ کے پاک حاملین کے لیے تقیہ کا دروازہ کھولے تاہم آپ نے سورۃ النحل کی جس آیت کو تقیہ کرنے کا حکم قرار دیا ہے اس کا پہلی آیت سے کیا ربط ہے؟ آیت **اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ** سے پہلے یہ آیت موجود ہے:

﴿ **اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ** ﴾ ''جھوٹ تو وہ لوگ

بناتے ہیں جن کو یقین نہیں اللہ کی باتوں پر اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔'' (النحل: ۱۰۵) اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اگلی آیت میں جس تقیہ کی اجازت دی گئی ہے وہ کذب کی ایک فرع (جھوٹ کی ہی ایک قسم) ہے لیکن بحالت مجبوری عمل کرنے والے پر اس کا مواخذہ نہیں ہوگا۔

حسینی صاحب آپ مانتے ہیں یا نہیں کہ تقیہ جھوٹ کی ہی ایک قسم ہے؟ آپ بتلائیں کہ کذب اور تقیہ میں کون سی نسبت ہے، عموم خصوص مطلق یا عموم خصوص من وجہ؟ اور پھر ان افتراق اور اجتماع کے مادے بھی کھول کر بیان کریں۔

حسینی صاحب: آپ سوالات پھر دہرا دیں۔

علامہ صاحب: کیا آپ کو سمجھ نہیں آ رہی؟

حسینی صاحب: ہاں! نہیں آ رہی۔

علامہ صاحب: پھر آپ اپنے ساتھ کسی دوسرے عالم کو کھڑا کر لیں جو آپ کو سمجھاتا جائے میں نے صرف یہ پوچھا ہے کہ جھوٹ اور تقیہ میں کون سی نسبت ہے اور پھر تقیہ اور کتمان میں کیا نسبت ہے؟

حسینی صاحب: تقیہ اور کذب میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے، عموم خصوص مطلق کی نہیں ہم **کل تقیة کذب** کہہ سکتے ہیں لیکن **کل کذب تقیة** نہیں کہہ سکتے۔ تقیہ ایک لحاظ سے کذب بھی ہوتا ہے لیکن آپ **کل تقیة کذب** نہیں کہہ سکتے کیونکہ تقیہ میں آپ اصل بات ظاہر نہیں کر رہے بوجہ اجبار جھوٹ کہہ رہے ہیں مگر چونکہ دل یہ نہیں کہہ رہا تو یہ جھوٹ نہ ہوا تقیہ ہوا۔

علامہ صاحب: اس کا مطلب یہ ہوا کہ تقیہ کسی صورت میں جھوٹ نہ ہوا، تو پھر آپ کہیں کہ جھوٹ اور تقیہ میں تباین کی نسبت ہے۔ آپ یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ ان میں عموم خصوص من وجہ ہے؟ پھر آپ کا یہ کہنا کہ ہم **کل تقیة کذب** کہہ سکتے ہیں لیکن **کل کذب تقیة** نہیں کہہ سکتے تو اس صورت میں یہ عموم خصوص مطلق ہوا من وجہ نہیں۔ اگر من وجہ ہے تو آپ اس میں دو مادے افتراق کے علیحدہ علیحدہ بتا دیں اور ایک وہ جو کذب بھی ہو اور تقیہ بھی ہو۔ قرآن کریم سے آپ نے جو آیت تقیہ کے لیے پیش کی ہے، اس سے پہلے کذب کا لفظ صریح طور پر موجود ہے۔ جس سے واضح ہے کہ تقیہ ہے تو جھوٹ کی ایک قسم ہی مگر بوجہ جبر اس پر مواخذہ نہ ہوگا۔

حسینی صاحب: تقیہ اور کذب میں عموم خصوص من وجہ ہے ہم **کل تقیة کذب** کہہ سکتے ہیں لیکن **کل کذب تقیة** نہیں کہہ سکتے۔

علامہ صاحب: پھر تو یہ عموم خصوص مطلق ہوا جیسے **کل انسان حیوان** کہہ سکتے ہیں لیکن **کل حیوان انسان** نہیں کہہ سکتے بعض حیوانات ہیں جو انسان نہیں تو حیوان عام ہوا اور انسان خاص یہ عموم خصوص مطلق ہے۔ کیا آپ اسے یوں نہیں کہہ سکتے **کل تقیة کذب من غیر ان یواخذ علیه** اور **کل کذب یواخذ علیه الا اذا کان من اجبار** تو ان دونوں

صورتوں میں تقیہ ہوگی جھوٹ ہی کی ایک قسم، اس میں آیتوں کا ربط بھی قائم رہے گا اور آپ کا عقیدہ بھی سامنے آ گیا۔

حسینی صاحب: آپ پھر آیتوں کی ترتیب زیر بحث لے آئے ہیں آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ترتیب نزولی نہیں ہے کوئی آیت کہیں کی ہے اور کوئی کہیں کی مگر ان کو ایک جگہ کر دیا گیا ہے۔

علامہ صاحب: جناب من یہ ترتیب کی بحث تو آپ نے شروع کی تھی، آپ مت گھبرائیے۔ آپ کا موجودہ قرآن کے بارے میں عقیدہ جو بھی ہو آپ کو چاہیے تھا کہ آیت **اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ** کو اس سے پہلی آیت کے ساتھ ملا کر پڑھتے تو یہ بات پہلے ہی کھل جاتی ہے کہ تقیہ جھوٹ کی ایک قسم ہے گو اس پر معافی ہو جائے مواخذہ نہ ہو۔

حسینی صاحب: آپ نے ان دو آیتوں **اِلَّاۤ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً** اور **اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ** میں تو رخصت اور عزیمت کی بحث شروع کر دی ہے، لیکن کسی مفسر نے یہاں نہیں لکھا کہ یہ صرف اجازت ہے۔ یہ حکم ہے اور مومن آل فرعون کے تقیہ کرنے میں تو رخصت اور عزیمت کی بحث نہیں چلتی قرآن میں ہے: **وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤۡمِنٌ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ يَكۡتُمُ اِيۡمَانَهٗۤ** (المومن: ۲۸)

علامہ صاحب:

(۱) مومن آل فرعون مامور من اللہ لوگوں میں سے نہ تھا۔ (۲) جونہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کی تجویز ہونے لگی تو اس نے اپنا تقیہ توڑ دیا۔ (۳) قرآن کریم نے اس کی اس دور میں تعریف نہیں کی جب وہ تقیہ کر رہا تھا اس کی تعریف اس وقت کی گئی جب وہ تقیہ سے باہر آ گیا۔ (۴) یہ واقعہ نزول قرآن سے پہلے کا ہے ہم اس وقت کی شریعت کے پابند نہیں نہ اس وقت کی شریعت سے اپنے مسائل کا فیصلہ کریں گے۔ (۵) یہاں تقیہ کے بجائے **یکتم ایمانه** کے الفاظ آئے ہیں۔

شیعہ مناظر نے اس آیت کو تقیہ کے موضوع پر پیش کر کے یہ بتلا دیا ہے کہ ان کے ہاں تقیہ کتمان کا نام ہے، اب جہاں بھی کتمان کا لفظ آئے حسینی صاحب یہ نہ کہہ سکیں گے کہ یہ تقیہ کی بحث نہیں۔ (۶) وہ مومن آل فرعون امتدادی تقیہ کا پابند نہ تھا، ورنہ وہ تقیہ سے باہر نہ آتا۔ حسینی صاحب بتائیں کہ وہ آنی تقیہ کے قائل ہیں یا امتدادی تقیہ کے؟ حسینی صاحب! میں نے ان آیات میں رخصت اور عزیمت کا فرق نہیں کیا، ہمارے سب مفسرین اسے رخصت کہتے ہیں۔

حسینی صاحب: میں نے قرآن کی تین آیتوں سے تقیہ کا حکم ثابت کیا ہے جس طرح **اقیموا الصلوٰۃ** میں نماز کا حکم ہے اور وہ سب کے لیے ہے خدا نے تقیہ کرنے کا حکم بھی سب کو دیا ہے یہ نہیں کہ بڑے لوگ تو تقیہ نہ کریں اور چھوٹے کریں، ہر شخص کو تقیہ کرنے کا حق ہے۔ اب اس کا جواب سنئے کہ تقیہ کب تک کیا جا سکتا ہے؟ بخاری میں ہے **التقية الی یوم القیامة** پوری زندگی بھی انسان تقیہ میں رہے تو اس کی اجازت ہے بڑے لوگ بھی تقیہ کر سکتے ہیں تقیہ کا حکم عام ہے کوئی مخصص پیش کریں جو کہے کہ بڑے لوگ تقیہ نہیں کر سکتے اور یہ ان کی شان کے خلاف ہے۔

علامہ خالد محمود صاحب:

تقیہ کے مقابلے کا لفظ کیا ہے؟ صبر اور جہاد۔ یہاں تک کہ جان و مال سب خطرے میں پڑ جائے اور انسان ڈٹا رہے،

اگر تقیہ بڑے لوگوں کے لیے جائز ہوتا تو پھر قرآن صبر اور استقامت کو اہل عزیمت کا کردار نہ بتلاتا۔ انبیاء و مرسلین سے بڑھ کر اور کون صاحب کردار ہو سکتے ہیں؟ قرآن کریم کہتا ہے:

﴿ **لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ** ﴾ (آل عمران: ۱۸۶) ''البتہ تمہاری آزمائش ہوگی مالوں میں اور جانوں میں اور تم سنو گے اہل کتاب سے اور مشرکین سے بہت اذیت کی باتیں اور اگر تم نے صبر کیا اور استقامت دکھائی تو یہ بڑا اعزیمت کا کام ہے۔''

قرآن کریم میں یہاں صاف بتایا گیا کہ اہل عزیمت کا کام ان مواقع میں صبر کرنا اور مصائب کو برداشت کرنا ہے، تقیہ کرنا نہیں۔ اہل سنت کے ہاں اہل عزیمت کا کام صبر اور استقامت ہے اور شیعہ کے ہاں تقیہ صرف ایک اباحت ہی نہیں بلکہ وہ اسے عزیمت کہتے ہیں (یعنی تقیہ کرنا اہل عزیمت کا کام ہے) قرآن میں انہیں کوئی دلیل نہیں ملتی جو تقیہ کو عزیمت ثابت کرے، انہوں نے اس کے لیے ایک حدیث وضع کر رکھی ہے **لا ایمان لمن لا تقیة له** کہ بغیر تقیہ کے کوئی ایماندار نہیں ہو سکتا۔

حسینی صاحب: تقیہ کے بارے میں ابن جریر اور ابن ابی شیبہ جیسے لوگ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں اور ابن جریر ابن ابی حاتم اور بیہقی سے بھی نقل کرتے ہیں کہ تقیہ ایک عام لفظ ہے اور یہ آج بھی جائز ہے جس طرح اسلام کے دوسرے کام ہیں جیسے نماز نماز روزہ وغیرہ تقیہ کا حکم بھی اسی طرح ہے جیسے جہاد کا حکم ہے اور یہ سب کے لیے ہے بڑے لوگ ہوں یا چھوٹے۔

علامہ صاحب: حسینی صاحب! میں نے اصول کافی سے حدیث پیش کی تھی **لا ایمان لمن لا تقیة له** اس کی رو سے تقیہ کرنا آپ کے ہاں عزیمت ہے اور دلیل میں آپ پیش کر رہے ہیں **الا من اکرہ** اور **الا ان تتقوا منهم تقاة**۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ ایک رخصت ہے آپ کا دعویٰ تو عزیمت کا ہے اور دلیل آپ کی رخصت کی ہے۔ آپ کے دعویٰ اور دلیل میں کوئی مطابقت بھی ہے؟ آپ اتنی بات بھی سمجھ نہیں پا رہے۔

حسینی صاحب: پھر اتنی بات تو ہم اور آپ میں متفق علیہ ہوئی کہ تقیہ جائز ہے، گو آپ اسے چھوٹے لوگوں کے لیے جائز سمجھیں اور ہم اسے نماز، روزہ کی طرح سب کے لیے حکم الٰہی کہیں تاہم اس کے جائز ہونے میں تو کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔

علامہ صاحب: نہیں! چھوٹے لوگوں کے لیے بھی تقیہ ایک متفق علیہ عمل نہیں ہے، کئی محققین کی رائے ہے کہ اوائل میں جب ابھی اسلام کا غلبہ نہ ہوا تھا، عام لوگوں کے لیے ڈر کر اور دب کر تقیہ کرنا جائز تھا، لیکن جب اسلام ایک بڑی طاقت بن گیا، اب ڈر کر اور دب کر کلمہ کفر زبان پر لانا جائز نہ رہا، ان کے نزدیک وہ دونوں آیتیں جو شیعہ تقیہ کے لیے پیش کرتے ہیں منسوخ العمل ٹھہریں۔

اب **اِلا ان تتقوا** اور **اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا (پ ۱۷، الحج: ۳۹)** نہ پہلی شریعت کی بات ہے نہ ہماری اس شریعت کی۔ اور اس نے تو تقیہ توڑ بھی دیا تھا۔

حسینی صاحب: اب تک تو آپ عام لوگوں کے لیے تقیہ مان رہے تھے، اب آپ نے ان کے لیے بھی تقیہ کا انکار کر دیا ہے آپ اسے منسوخ بتلاتے ہیں مگر حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ تقیہ قیامت تک کیا جا سکتا ہے کبھی منسوخ نہ ہوگا۔

علامہ صاحب: میں نے یہ نہیں کہا کہ تقیہ چھوٹے لوگوں کے لیے ناجائز ہے، میں نے یہ کہا تھا کہ کئی محققین اسے عامی لوگوں کے لیے بھی جائز نہیں سمجھتے اور اس اباحت کو اب وہ منسوخ کہتے ہیں، تو جب ایک طبقہ ہم سے یہ اختلاف رکھتا ہے، تو اسے متفق علیہ کیسے کہا جا سکتا ہے؟ آپ کا یہ کہنا کہ ہم صرف اجبار کی صورت میں تقیہ کرتے ہیں تو بتا دیں کہ آپ کے عقیدے میں باب الکتمان کیا ہے؟ کیا یہ بھی کسی اکراہ اور مجبوری میں سامنے آتا ہے حالات اور مسائل کو چھپانا بھی آپ کے مذہب کا کوئی عام باب ہے؟

حسینی صاحب: ہم کتمان اور تقیہ دونوں کے قائل ہیں، تقیہ صرف مجبوری کی صورت میں کیا جا سکتا ہے اور کتمان عام صورت حال میں بھی ہو سکتا ہے ہم بلاضرورت اپنے دین کو عام نہیں کرتے۔

علامہ صاحب: اب آپ بتائیں کہ مومن آل فرعون پہلے تقیہ کیے ہوئے تھا یا کتمان کر رہا تھا اگر وہ کتمان میں تھا تو آپ اس سے تقیہ پر استدلال کیوں کرتے رہے؟ اب آپ کہہ رہے ہیں کہ تقیہ اور کتمان میں فرق ہے۔

حسینی صاحب: میں نے تقیہ پر دو آیتیں پیش کیں آپ ان کا کوئی مخصص بیان کریں جس سے معلوم ہو کہ یہ آیات ماموں من اللہ اور انبیاء کے بارے میں نہیں ہیں آپ نے اب تک اس پر کوئی آیت پیش نہیں کی۔

علامہ صاحب: امام بخاری نے آپ کی پیش کردہ دونوں آیتوں **الا من اکرہ** اور **الا ان تتقوا منھم تقاۃ** کے بعد امتدادی تقیہ (کہ تقیہ عرصہ دراز تک چلے) کا بطلان اس آیت سے پیش کیا ہے۔

﴿ **اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَالُوْا فِیْمَ کُنْتُمْ قَالُوْا کُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُھَاجِرُوْا فِیْھَا فَاُولٰٓئِکَ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا** ﴾ **(النساء: ۹۷)** ''وہ لوگ کہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ برا کر رہے ہیں اپنا، کہتے ہیں ان سے فرشتے تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں ہم تھے بے بس اس ملک میں، کہتے ہیں فرشتے کیا نہ تھی زمین اللہ کی کشادہ جو چلے جاتے وطن چھوڑ کر وہاں؟ سو ایسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ اور وہ بہت بری جگہ ہے۔''

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ پہلی دونوں آیتوں میں بوجہ اجبار کلمہ کفر کہنے کی جو رخصت ہے اس تقیہ پر عمر گزار دینا قرآن کے نزدیک بڑا جرم ہے اور قرآن کی یہ آیت اس کی پُر زور تردید کرتی ہے۔ سو اس رخصت کا اگر کسی درجے میں اعتبار بھی کیا جائے تو یہ تبھی ہو سکے گا کہ وہ وہاں سے ہجرت کا ارادہ رکھے یا موقع پا کر اپنے میں لڑنے کی قوت پیدا کر لے اور اگر وہ اس کے

بغیر تقیہ کر رہا ہے تو قرآن کی یہ آیت اسے ختم کر رہی ہے۔ اسلام میں امتدادی تقیہ کسی صورت میں جائز نہیں کوئی آیت اسے مطلقاً جائز نہیں کرتی، ہم اہل سنت حضرت علیؓ جیسے بڑے لوگوں کا چوبیس سال بلکہ تیس سال تک امتدادی تقیہ پر جمے رہنا کسی طرح تسلیم نہیں کرتے۔

حسینی صاحب: تقیہ خوف اور ڈر کا نام نہیں، تقیہ سے مراد تحفظ نفس ہے، آپ کسی مقصد کے در پئے ہوں اور اس کے لیے کچھ لوگ تمہاری جان کے در پئے ہوں اور اسلام کو آپ کی زندگی کی ضرورت ہو تو آپ کو تقیہ کر کے اسلام کے لیے اپنے آپ کو بچانا ہوگا، تقیہ اس کے لیے کیا جاتا ہے اگر اپنی زندگی بچانے سے اسلام کی خدمت مقصود نہیں تو ایسی صورت میں جان دینی ہوگی اور تقیہ حرام ہوگا۔

ثانیاً آپ نے حدیث کا حوالہ دیا ہے **لا ایمان لمن لا تقیة له** تو ہم اہل سنت کی طرح اپنی حدیث کی کتابوں کو صحاح اربعہ نہیں کہتے کہ یہ سب کی سب صحیح سمجھی جائیں سو فیصد یا پچانوے فیصد۔ ہم اپنی کتابوں کو کتب اربعہ کہتے ہیں، ہمارے علماء کہتے ہیں کہ فروع کافی اور اصول کافی میں بارہ ہزار حدیثیں ہیں جن میں تین ہزار قوی اور نو ہزار ضعیف ہیں۔

میں اس کے شواہد پیش کر سکتا ہوں، پچھلے سال ایران میں ایک حدیث کی کتاب شائع ہوئی اور پبلشر نے اس کا نام ''صحیح الکافی'' لکھ دیا اور اس نے اصول کافی کی چار ہزار حدیثیں لکھی تھیں، اس پر ہمارے سب علمی حلقوں نے اس کی مخالفت کی۔ پھر ہمارے ہاں ایک اور معیار بھی ہے کہ ہم انہی حدیثوں کو معتبر سمجھتے ہیں جو قرآن کے مطابق ہوں، ہمارے ہاں حدیث قبول کرنے کا ہمیشہ ایک معیار رہا ہے، آپ کے ہاں کوئی معیار نہیں، ساری بخاری صحیح ہے۔ تقیہ ڈر کا نام نہیں، اسی وجہ سے پیغمبروں کے بارے میں ہے کہ وہ ڈرتے نہیں، حق کی محنت ایک جدوجہد ہے، اس میں آپ کبھی وہ بات بھی کہیں جو نا درست ہو تو آپ وہ بھی کہہ سکتے ہیں اس کے باوجود آپ مومن رہیں گے، جیسے ایک مومن آل فرعون تھا۔

علامہ خالد محمود صاحب:

یہ وقت نہیں کہ ہم فن حدیث پر اصولی بحث کریں، اس وقت موضوع تقیہ ہے، میں نے اصولِ کافی کی ایک حدیث پیش کی تھی شیعہ مناظر کو بتانا چاہیے تھا کہ یہ قوی ہے یا ضعیف۔ اور قرآن کے مخالف ہے یا موافق اور وہ اسے قبول کرتا ہے یا نہ؟ ان میں سے تو اس نے کوئی بات نہیں کی اور اصول حدیث پر اتنا وقت لیا ہے۔ اگر یہ حدیث معتبر نہیں تو یہاں لکھ دے تاکہ آپ کے دوسرے علماء بھی آپ کی کارگزاری دیکھ سکیں۔ آپ کا یہ کہنا کہ تقیہ میں ڈر اور خوف نہیں ہوتا یہ غلط ہے اپنی ہی کتابوں سے یہ الفاظ دکھا دیں۔ نہیں تو اپنی کتاب اصول کافی کتاب الحجہ سے امام جعفر صادق کے نام پر وضع کی گئی یہ روایت پڑھیں۔

وتخوفكم من عدو فی دولة الباطل وحال الهدنه افضل ممن يعبد الله عزوجل ذكره فی ظهور الحق مع الامام الحق الظاهر فی دولة الحق.

پھر حضرت علیؓ کے نام سے وضع کی گئی یہ حدیث بھی دیکھیں:

دانوا بالتقية عن دينهم والخوف من الباطل فارواحهم متعلقة بالمحل الاعلى.

کیا یہاں **تخوفكم من عدوكم** اور **الخوف من الباطل** کے الفاظ آپ کو نظر نہیں آتے؟ پھر آپ کا یہ کہنا کہ تقیہ ڈر اور خوف کا نام نہیں کس طرح درست ہوسکتا ہے؟ یہ آپ اپنے مذہب کے ہی خلاف کہہ رہے ہیں۔

حسینی صاحب: میں نے قرآن سے تین آیتیں پیش کیں جن میں تقیہ کرنے کا حکم ہے، ان کا آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عمار بن یاسر کا اور مومن آل فرعون کا عمل تقیہ پیش کیا۔ صحیح بخاری کا حوالہ دیا آپ بتائیں حضرت عمار کا عمل درست تھا یا نادرست؟ مومن آل فرعون ایمان چھپانے کے باوجود مومن تھا یا نہ؟ کیا بخاری میں **التقية الى يوم القيامة** کی روایت نہیں ہے؟ آپ ایک ہی بات بار بار کہہ رہے ہیں کہ انبیاء اور ائمہ اور وہ لوگ جو مامور من اللہ ہوں تقیہ ان کے لیے نہیں ہے۔ اس پر آپ نے کوئی دلیل پیش نہیں کی، آپ نے جو آیت پیش کی وہ پیغمبروں سے خاص نہیں میں اور آپ بھی مبلغ ہیں اور ہم اس آیت میں داخل ہیں سو آپ میری پیش کردہ آیتوں کے مقابل کوئی مخصص پیش نہیں کر سکے۔

علامہ صاحب: آپ نے جو دو آیتیں پیش کی ہیں **الا ان تتقوا** اور **الا من اكره** ان میں تقیہ کا حکم کہیں نہیں ہے نہ قرآن میں **اقيموا الصلوٰة** کی طرح تقیہ کا کوئی حکم ہے؟ اگر کہیں ہے تو آپ دکھادیں سو کسی پیرائے میں قرآن میں تقیہ کا حکم نہ ملے گا ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کافروں سے دوستی اور کلمہ کفر کہنے سے نہی فرمائی اور پھر اس میں یہ دو استثناء فرمائے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ نہی سے استثناء مفید اباحت ہوتا ہے یہ کوئی امر نہیں ہوتا کہ ایسا کرو۔ بیوہ عورتوں کو دوران عدت نکاح کا پیغام دینے سے نہی فرمائی۔ **وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا** اور اس کے بعد استثناء فرمایا: **اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا**. اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ بیوہ عورتوں کو دوران عدت پیغام نکاح دینے کا حکم آگیا ہے۔ (معاذ اللہ)۔ پس جب قرآن میں کہیں تقیہ کا حکم ہی نہیں تو آپ بار بار مخصص کی تلاش کس لیے کر رہے ہیں کیا آپ کو اتنا فرق بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ان دونوں آیتوں میں جو اباحت ہے اس کا اپنا درجہ کیا ہے۔ یہ حضرت عمارؓ اور ان کے والدین کے عمل سے واضح ہے عمار کی طرح مجبوری کی صورت میں کلمہ کفر کہنا رخصت ہے اور ان کے والدین کا جان دینا اور کلمہ کفر نہ کہنا یہ عزیمت ہے اس کا حاصل اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اہل رخصت تقیہ کرلیں اور اہل عزیمت نہ کریں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ تقیہ کے بغیر کوئی ایمان دار ہی نہیں ہوسکتا۔ جب یہ اباحت اور اجازت ہے ہی رخصت تو اہل عزیمت کے لیے اس آیت کا مخصص تلاش کرنا وقت ضائع کرنا ہے اور یہ بات کہ رسالۃ الٰہیہ کے حاملین خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ایک مستقل خبر ہے جو اہل عزیمت سے تقیہ کی نفی کر رہی ہے۔

حضرت عمارؓ نے تقیہ کر کے جان بچانے کو اگر عزیمت سمجھا ہوتا تو وہ جنگ صفین میں تقیہ کر کے مخالفوں سے جا ملتے اور جان نہ دیتے، آپ بتائیں کہ وہ تقیہ کو رخصت سمجھتے ہیں یا عزیمت؟ جب آپ اسے رخصت مانتے ہیں تو کیا اس سے خود ہی عزیمت کی تخصیص نہ ہوگئی؟ اب مخصص کی تلاش کس لیے؟ کچھ تو سوچیے۔

امام جعفر صادقؒ نے خود اسے رخصت فرمایا ہے۔ کسی شخص نے آپ سے پوچھا **مد الرقاب احب الیک** جان دینا آپ کو زیادہ پسند ہے یا علیؓ سے لاتعلق ہونا۔ آپ نے فرمایا:

الرخصة احب الی اما سمعت قول الله فی عمار الا من اکره وقلبه مطمئن بالایمان.

[تفسیر نور الثقلین:۸۸/۳]

''مجھے تو رخصت زیادہ پسند ہے یہ اللہ کی وہ بات ہے جو اس نے عمار کے لیے کہی۔''

آپ نے اسے رخصت فرمایا، معلوم ہوا عزیمت ان کے ہاں بھی جان دینا ہی ہے، یہ علیحدہ بات ہے کہ شیعہ علماء نے ائمہ اہل بیت کو اونچے لوگوں کی بجائے اہل رخصت میں جگہ دے دی ہے اور ان کے لیے تقیہ جائز قرار دے دیا اور اسے ایمان کا ایک اہم رکن تک بتلا دیا۔ رخصت کا یہ قول آپ اپنی تفسیر مجمع البیان میں بھی دیکھیں جو اس طرح ہے **فعلی ھذا تکون التقیة رخصة والافصاح بالھق فضیلة. [۴۳۰/۲]**

کیا اس میں صاف طور پر رخصت کا لفظ نہیں اور اس کے مقابل کھل کر بات کہنے اور بات نہ چھپانے کو افضل نہیں کہا گیا؟

حسینی صاحب: آپ کو ان آیتوں کا مخصص بتلانا ہی ہوگا کہ انبیاء اور ائمہ معصومین کے لیے تقیہ کرنا جائز نہیں۔ میں رخصت اور عزیمت کے فاصلے نہیں جانتا، مجھے قرآن سے وہ مخصص دکھایئے جو کہے کہ مامور من اللہ درجے کے لوگوں کے لیے مجبوری میں کلمہ کفر کہنا جائز نہیں، جب تک آپ نہ بتائیں گے میں بار بار یہ بات دہراتا رہوں گا آپ یا تو تقیہ مان لیں یا ان سے بڑے لوگوں کی تخصیص ثابت کریں۔ یہ میرے دلائل ہیں، حاضرین فیصلہ کریں گے کہ میں نے قرآن سے اور حدیث سے تقیہ ثابت کر دیا ہے، مومن آل فرعون کا تقیہ ہمارے لیے مثال ہے۔

علامہ خالد محمود صاحب: حسینی صاحب! سامعین کو دخل دینے پر کیوں اکسا رہے ہیں؟ اس کی وجہ سب سمجھتے ہوں گے۔ بحث مجھ میں اور آپ میں ہو رہی ہے، سامعین کو درمیان میں لانا آپ کو کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ تقیہ آپ کے ہاں عزیمت ہے، بڑا اونچا عمل ہے اور جو دلیل آپ نے اس کے لیے پیش کی ہے، وہ صرف جواز اور اباحت کی ہے یہ دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہیں قرآن میں کہیں تقیہ کا حکم نہیں دیا گیا اور رخصت کو اہل عزیمت کا عمل نہیں کہتے۔ شیعہ کتب حدیث میں تقیہ کا عزیمت کے درجے میں ہونا اس طرح لکھا ہے جسے امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے پیش کیا جاتا ہے۔

> **التقية من دینی و دین آبائی ولا ایمان لمن لا تقية له** (کتاب الشافی:۱۴۴/۴) ''تقیہ میرا دین ہے اور میرے باپ دادا کا دین ہے (یہ غلط ہے امام باقر کے دادا حضرت حسینؓ نے تقیہ نہ کیا تھا) اور جو تقیہ نہ کرے وہ مومن نہیں ہوسکتا۔''

> **یا ابا عمرو ان تسعة اعشار الدین فی التقية ولا دین لمن لا تقية له** (ایضاً:۱۴۰) ''اے ابوعمرو دین کے دس حصوں میں سے نو تقیہ میں ہیں اور جو تقیہ نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں۔''

واللہ ما علی وجہ الارض شیئ احب الی من التقیۃ یا حبیب انہ من کانت لہ تقیۃ رفعہ اللہ یا حبیب من لم تکن لہ تقیۃ وضعہ اللہ (ص ۱۴۱)

''خدا کی قسم زمین پر کوئی چیز مجھے تقیہ سے زیادہ پیاری نہیں اے حبیب جو تقیہ کرے گا اللہ اسے عزت دیں گے اور جو تقیہ نہ کرے گا اللہ اسے کمینہ صفت لوگوں میں رکھیں گے۔'' (استغفر اللہ)

مومن آل فرعون کا تقیہ امتدادی نہ تھا، جب ضرورت پڑی اس نے تقیہ توڑ دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں بیان دیا، اس سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ اس کے نزدیک عزیمت یہی تھی کہ حق بات کہہ دی جائے گو اپنی جان خطرے میں ہو۔

حسینی صاحب: مومن آل فرعون نے تقیہ کب توڑا؟ یہ غلط ہے، جب اس نے حضرت موسیٰ کے بارے میں دونوں باتیں کیں: **وَاِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْہِ کَذِبُہٗ وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا یُصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ** (اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس پر پڑے گا اس کا جھوٹ اور اگر وہ سچا ہوگا تو تم پر پڑے گا کوئی نہ کوئی وعدہ جو تم سے کرتا ہے) تو اس نے اپنے ایمان کا اظہار نہ کیا۔

علامہ خالد محمود صاحب: آپ اس آیت کے پہلے الفاظ بھی پڑھیں: **وَقَدْ جَآءَکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّکُمْ** اس میں اس نے اپنے ایمان کی بات کہی اپنے رب کا اقرار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا اقرار کیا اور اگلی جو بات کہی وہ بنا بر شک نہیں مخالفین کی ذہنی تقریب کے لیے تھی۔

حسینی صاحب: آپ یہ تو مانیں کہ وہ پہلے تقیہ کیے ہوئے تھا اس نے تقیہ کیا اور عمار بن یاسرؓ نے بھی تقیہ کیا۔

علامہ صاحب: مگر حضرت عمار کے والدین بھی تو اسی سانحہ میں تھے انہوں نے تقیہ نہ کیا اور اسلام کے پہلے دو شہید کہلائے، آپ ان کے عمل کو کیوں بیان نہیں کرتے، کیا آپ ﷺ نے حضرت عمار کو کہا تھا کہ تمہارے والدین نے غلطی کا کام کیا؟ کہیں کہا ہو تو دکھا دیں۔

حسینی صاحب: لیکن آپ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو تو یہ کہا کہ آئندہ بھی ایسی صورت پیش آئے تو اسی طرح کرنا۔

علامہ صاحب: آپ نے انہیں ایسا ان کی دلجوئی کے لیے کہا تھا وہ روتے ہوئے آپ کے پاس آئے تھے اور آپ کا انہیں ایسا کہنا بھی صرف اجازت کے طور پر تھا اس لیے نہ تھا کہ آپ (معاذ اللہ) حضرت عمارؓ کے والدین کو غلط سمجھتے تھے، حضرت عمار نے آپ ﷺ کے ان الفاظ کو اگر عزیمت سمجھا ہوتا تو وہ جنگ صفین میں اس پر ضرور عمل کرتے اور تقیہ اختیار کرتے۔

حسینی صاحب: ظلم واستبداد کی تاریخ پرانی ہے، بنو امیہ نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟ ہم صرف تقیہ کی بدولت یہاں تک پہنچے ہیں کہ ہمارا دین اور عقیدہ قائم ہے، اگر تقیہ نہ ہوتا ہم مومن کیسے رہ سکتے تھے؟

علامہ صاحب: پھر آپ کا عقیدہ و مذہب ظاہر دین تو نہ ہوا، قرآن پاک میں تو دین اسلام کے سب دینوں پر ظاہر اور غالب آنے کی خبر دی گئی ہے، یہ چھپا دین وہ ظاہر دین کیسے ہوسکتا ہے جس کی خبر **لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ** میں دی گئی ہے۔

حسینی صاحب: آج ہم تقیہ میں نہیں ہیں ایران آ کر دیکھئے خدا نے ہمیں کتنی عزت دے رکھی ہے اور وہاں ہمارے ہی عقیدے کا غلبہ ہے۔

علامہ صاحب: اگر یہ بات واقعی اس طرح ہے تو اس کی اطلاع امام جعفر کو دیں جنہوں نے آپ کے بقول دین کا نقشہ ان الفاظ میں دیا تھا اور شاید انہیں ایران میں آنے والے انقلاب کا پتہ نہ تھا **انکم علی دین من کتمه اعزه الله ومن أذاعه أذله الله.** [اصول کافی: ۲۲۶ باب الکتمان]

حسینی صاحب: جب قرآن کہہ رہا ہے کہ حالت اجبار میں تقیہ کیا جا سکتا ہے اور اس طرح تم ظالموں کے ظلم سے بچ سکتے ہو تو اگر شیعہ پوری تاریخ میں مظلوم رہے ہیں تو پھر تقیہ اور کتمان ہی ہماری آخری امید گاہ ہے کہ ہم زندہ رہ سکیں، بخاری میں ہے کہ تقیہ قیامت تک رہے گا۔

علامہ صاحب: اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ شیعہ کبھی بھی اپنے عقائد میں نہ کھل سکیں گے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایران میں بھی پوری طرح نہ کھل سکے، آپ کا بار بار یہ کہنا کہ بخاری میں ہے کہ تقیہ قیامت تک کے لیے ہے، آپ اسے حضور ﷺ کی حدیث تو نہ کہیں۔ یہ بات نہ تو آپ ﷺ کی ہے نہ کسی صحابی کی۔ یہ حضرت حسن بصریؒ کی اپنی فقہی رائے ہے کہ مجبوری کی صورت میں تقیہ کی جو اجازت تھی وہ غلبہ اسلام کے بعد منسوخ نہیں ہوئی۔ ان کی یہ رائے قطعی تو نہیں کہ ہمارے لیے حجت ہو، اگر یہ بات کسی درجے میں بھی حجت ہوتی تو بعد کے محدثین اور مفسرین اس کی نفی نہ کرتے۔ کسی فقیہ کی فقہی رائے کو حضور ﷺ کی حدیث کے نام سے پیش کرنا دیانت کے خلاف ہے۔

حسینی صاحب: سو آپ اور ہم اس پر متفق ہوئے کہ تقیہ ہمیشہ کے لیے بھی ہو سکتا ہے، قیامت تک رہ سکتا ہے۔

علامہ صاحب: نہیں۔ آپ میری بات ہی نہیں سمجھ پا رہے ہیں، کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ اپنے ساتھ اپنے کسی اور ساتھی کو بھی ملائیں تا کہ وہ آپ کو بات سمجھا تا جائے، میں ایک بات واضح کرتا جاتا ہوں اور آپ بار بار یہ کہتے ہیں میں اور آپ متفق ہیں۔ میں آپ کی بات کے جواب میں کہہ رہا ہوں کہ نہیں۔ یہ امتدادی تقیہ کا بیان نہیں کہ کوئی شخص زندگی بھر تقیہ میں رہے۔ یہ صرف تقیہ کی اباحت کا بیان ہے کہ قیامت تک جب بھی اس کی ضرورت پڑے یہ کیا جا سکتا ہے، منسوخ نہیں ہوا۔ حسن بصری یہ بات کہہ رہے ہیں۔ پوری زندگی تقیہ میں گزار دینے کی اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

حسینی صاحب: وہ آیت تو کم از کم پیش کریں جو عمر بھر تقیہ کیے رہنے کو روکتی ہو۔ کوئی شخص تقیہ قیامت تک کیے رہے اس سے کوئی آیت نہیں روکتی۔

علامہ صاحب: یہ آیت میں پہلے بیان کر چکا ہوں، ایسے تقیہ باز کی نزع کی حالت قرآن حکیم میں اس طرح دی گئی ہے۔ فرشتے جب ان کی روح کو قبض کرتے ہیں تو انہیں پوچھتے ہیں کہ تم نے کن حالات میں زندگی گزاری؟ وہ کہیں گے ہم زمین میں کمزور تھے۔ **کنا مستضعفین فی الارض** اس پر فرشتے کہیں گے: ﴿**اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً**

﴿فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا﴾[النساء:۹۷] ''کیا نہ تھی زمین اللہ کی کشادہ جو چلے جاتے وطن چھوڑ کر وہاں۔''

اب اس پر حکم الٰہی بھی سن لو: ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ [النساء:۹۷] ''وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔''

ان آیات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اسلام میں دوامی تقیہ کی اجازت رخصت کے درجے میں بھی نہیں ہے، ہم آپ (شیعوں) کے اس عقیدے کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ حضور ﷺ کی وفات کے بعد پورے تیس سال تقیہ میں ہی رہے اور اسی حالت میں آپ نے اس دنیا کو چھوڑا۔ پہلے ۲۴ سال اس لیے کہ خلفائے ثلاثہ نے آپ کو خلافت کا موقع نہ دیا اور آئندہ پانچ سال میں اس لیے کہ آپ کی خلافت پہلی تین خلافتوں پر قائم تھی اور آپ اپنے دور خلافت میں اپنی حدود میں بھی کوئی ایسا کام نہ کر سکتے تھے جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی پالیسی کے خلاف ہو۔ آپ کا احساس تھا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اَب تک لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں اور اسی سبب سے آپ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو باغ فدک تک نہ دے سکے، حالانکہ یہ باغ اَب آپ کی عملداری میں تھا، وہ بدستور بیت المال کا ہی حصہ رہا اور حضرات حسنین اس کی آمدنی لیتے رہے، سو آپ کی یہ تیس سالہ زندگی تقیہ میں گزری۔ یہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۹۷ کے خلاف ہے۔ حضرت علی ﷺ کا اپنا عقیدہ ہرگز تقیہ کا نہ تھا اور نہ انہوں نے تقیہ کیا۔ آپ پوری زندگی تقیہ کرتے رہے یہ آپ پر شیعہ کا بہتان ہے۔

حسینی صاحب: آپ نے کہا کہ حضرت علیؓ نے تقیہ نہیں کیا تو کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ حضرت علی کا تقیہ کے بارے میں کیا عقیدہ تھا؟

علامہ صاحب: یہ لیجیے آپ فرماتے ہیں:

الایمان ان تؤثر الصدق حیث یضرک علی الکذب حیث ینفعک و ان لا یکون فی حدیثک فضل عن عملک و ان تتقی اللہ فی حدیث غیرک.[نہج البلاغہ:۱۰۵/۴]

''ایمان یہ ہی ہے کہ تو سچ کو وہاں بھی جب وہ تجھے ضرر پہنچائے جھوٹ پر ترجیح دے جب کہ جھوٹ تجھے نفع دے رہا ہو اور چاہیے کہ قول وعمل میں تضاد نہ ہو اور تو دوسروں کی بات نقل کرنے میں اللہ سے ڈرتا رہے۔''

حسینی صاحب: یہ مسئلہ تو صرف ترجیح کا ہے، آپ نے اس میں سچ کو ترجیح دینے کا مشورہ دیا ہے۔ ضرورت کے موقع پر جھوٹ کو ناجائز نہیں کہا، جب قرآن مجبوری کی حالت میں تقیہ کی اجازت دیتا ہے تو ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ ہمارے سامنے جو حدیث آئے ہم دیکھیں گے کہ قرآن کی خلاف تو نہیں، میں نے تین آیتیں قرآن سے تقیہ کے لیے پیش کی ہیں، ان میں صاف طور پر تقیہ کا حکم موجود ہے۔

رہا آپ کا یہ اصرار کہ یہ اجازت بڑے لوگوں کے لیے نہیں تو بتایا جائے کہ بڑے لوگ اس موقع پر کیا کریں؟ چھوٹے

لوگوں کے لیے تو آپ کے پاس قرآن کا حکم موجود ہو اور بڑے لوگوں کے لیے آپ اپنے پاس سے کہیں کہ ان کے لیے یہ اجازت اور رخصت نہیں ہے۔

تقیہ کرنے کا حکم قرآن نے دیا ہے آپ اس حکم سے انبیاء اور مرسلین اور ائمہ معصومین کو نکالنا چاہتے ہیں، تو لائیے کوئی مخصص جو کہے کہ بڑے لوگ تقیہ نہ کریں وہ بلاوجہ اپنی جانیں دیتے جائیں۔

علامہ خالد محمود صاحب: آپ نے حضرت علیؓ کے ارشاد پر جو یہ کہا کہ یہ صرف سچ کو ترجیح دینے کی بات ہے، آپ کی یہ بات صحیح نہیں، یہ ایمان کا تقاضا ہے۔ حسینی صاحب! آپ اب تک کوئی ایسی آیت پیش نہیں کر سکے جس میں خدا نے ہمیں تقیہ کا حکم دیا ہو، قرآن میں تقیہ کا حکم کسی کے لیے نہیں ہے۔ نہ کسی پیغمبر کے لیے اور نہ کسی عامی کے لیے۔ ہاں عامی کے لیے اس کی اباحت بوقت شدت ضرور ہے، مگر اسے حکم نہیں کہا جا سکتا، کوئی اس پر عمل نہ کرے اور راہ عزیمت اختیار کرے اور اس میں اس کی جان بھی چلی جائے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے قرآن کا حکم مانا، بلکہ اس کا یہ عمل افضل ہوگا جیسا کہ حضرت عمار کے والدین نے کر کے دکھایا تھا اور وہ اسلام کے پہلے دو شہید کے نام سے پکارے گئے ان پر ہرگز کوئی ملامت نہیں کہ انہوں نے تقیہ کیوں نہیں کیا۔ تقیہ کرنا کوئی عزیمت نہیں، نہ یہ دین کا کوئی ایسا اہم رکن ہے کہ اس کے بغیر ایمان ہی صحیح نہ ہو۔ اسلام میں اگر رخصت پر عمل کرنا ضروری ہوتا تو انبیاء و مرسلین کی تاریخ صبر و عزم سے خالی ہوتی دیکھئے اللہ نے حضور ﷺ کو فرمایا:

﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ﴾ (الاحقاف: ۳۵)

"پس آپ صبر کیجیے جیسے صبر کرتے رہے ہمت والے پہلے رسول۔"

اور حضور ﷺ کی اپنی امت کو بھی یہ تعلیم رہی کہ جہاں تک ہو سکے عزیمت پر رہنا رخصت پر فوراً نہ آ جانا گو اس کی مجبوری کی حالت میں اباحت رہی۔

﴿ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ (آل عمران: ۱۸۶)

"اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو یہ ہمت کے کام ہیں۔"

حسینی صاحب: آپ کا یہ مطالبہ کہ اہل عزیمت کے لیے تقیہ کا حکم دکھاؤ، میں کہتا ہوں کہ خاص انبیاء و مرسلین کے لیے کہیں نماز کا حکم دکھاؤ، سب لوگوں کو کہا گیا: **اقیموا الصلٰوۃ** ان میں وہ بھی آ گئے، اسی طرح سب مسلمانوں کو تقیہ کا حکم دیا گیا، اس میں بڑے بھی آ گئے اور چھوٹے بھی۔ آپ کا یہ کہنا کہ خاص ان اہل عزیمت کے لیے تقیہ کا حکم دکھاؤ، اصولاً درست نہیں۔ پھر کیا اسلام کے ایک ایک حکم کے لیے یہ دو طرح کی آیتیں جمع کی جائیں گی؟

علامہ صاحب: نماز کا حکم تو قرآن میں ہے لیکن تقیہ کا تو سرے سے کوئی حکم ہے ہی نہیں، مجبوری کی صورت میں صرف ایک استثناء ہے اور اباحت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ استثناء سے حکم ثابت نہیں ہوتا، اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ کوئی مسلمان مجبوری کی حالت میں کلمہ کفر کہہ دے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ یہ حکم کیسے بن گیا؟ اگر قرآن میں کہیں تقیہ کا حکم دیا گیا ہے تو

دکھایئے کہاں ہے؟ رہا آپ کا یہ مطالبہ کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کا حکم دیا تو لیجیے ہم اسے پورا کرتے ہیں سنئے:

﴿ يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ o قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (المزمل: ۱، ۲)

''اے کپڑے میں لپٹنے والے رات کو کھڑا رہ مگر رات کے کسی حصہ میں۔''

﴿ وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ﴾ (بنی اسرائیل: ۷۹)

''اور کچھ رات جاگتا رہ قرآن کے ساتھ یہ بڑھوتری ہے تیرے لیے۔''

﴿ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ ﴾ (طه: ۱۳۰)

''اور پڑھتا رہ خوبیاں اپنے رب کی سورج نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اور کچھ رات کی گھڑیوں میں اور دن کے وسط میں۔''

﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ ﴾ (اسرائیل: ۷۸)

''قائم رکھ نماز کو سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک۔''

کیا ان تمام آیتوں میں خاص حضور ﷺ کو نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا؟

اور پھر خبر کی صورت میں دیکھنا ہو تو اسے اس آیت میں دیکھئے:

﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ ﴾

''بے شک تیرا رب جانتا ہے تو کھڑا رہتا ہے نزدیک دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور تہائی رات کے۔''

حسینی صاحب! کیا ان آیات میں حضور ﷺ کے لیے نماز کا حکم نہیں ہے؟ ہم نے تو آپ کا مطالبہ پورا کر دیا، اب ہمارا مطالبہ آپ پورا کریں قرآن میں ایک ہی ایسی آیت بتا دیں جس میں رسالۃ الٰہیہ کے حاملین کو تقیہ کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ حکم تو کسی عامی کے لیے بھی نہیں۔ ہے تو دکھا دیں۔ یہ صرف استثناء اور اباحت ہے، جسے آپ حکم کہہ رہے ہیں۔ کچھ تو خدا کا خوف کریں۔ نہی سے استثناء مفید اباحت ہوتا ہے نہ کہ مفید وجوب۔

حسینی صاحب: آپ یہ بتا دیں کہ جب قرآن کہتا ہے کہ **صلوا** یا **اقیموا الصلٰوۃ** تو کیا حضور ﷺ اس حکم میں شامل نہیں ہوں گے؟ اگر آپ اس حکم میں شامل ہیں تو تقیہ کے حکم میں کیوں شامل نہیں؟

علامہ صاحب: آپ ذرا لفظ **صلوا** کے مقامات تو گنا دیں۔ **اقیموا الصلٰوۃ** تو مختلف پیرایوں میں ستر سے زائد مقامات پر ملے گا۔ **صلوا** کہاں کہاں ملے گا؟ پھر ہم بتائیں گے کہ اس میں حضور ﷺ شامل ہیں یا نہیں؟ جب خاص آپ ﷺ کے لیے نماز کا حکم قرآن میں موجود ہے **فصل لربک** تو اب عموم کے سہارے آپ کے لیے نماز کا حکم ثابت کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اس میں آپ کی کیا حکمت ہے؟

ایک عمل صالح کو عموم سے ثابت کرنا انبیاء و مرسلین کے لیے اور ایک کمزوری کی معافی کو عموم سے پیغمبروں پر لانا کیا ان دو صورتوں میں کھلا فرق نہیں؟ معلوم ہوتا ہے آپ لوگوں کی سمجھ کو کچھ ہو گیا ہے کہ بڑے درجے کے لوگوں کے لیے تقیہ ثابت کرنے کے درپے ہو رہے ہیں اور پھر ان کے لیے وہ بات ثابت کر رہے ہیں جو مجبوری کی صورت میں صرف چھوٹے لوگوں کے لیے ایک رخصت تھی۔ خدارا ان بڑے آدمیوں کے لیے کہیں قرآن میں تقیہ کا حکم تو دکھائیں عموم کا سہارا کب تک لیتے رہیں گے؟

حسینی صاحب: آپ عربی کا کوئی واحد کا صیغہ لیں جس میں حکم صرف پیغمبر کو دیا گیا ہو جیسے **اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ** اور پھر اس میں دوسرے لوگ مراد نہ ہوں، یہ ایک واحد کا صیغہ ہے مگر سب کو شامل ہے اسی طرح کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ سب کو تقیہ کرنے کو کہا جائے اور اس عام حکم میں انبیاء و مرسلین اور ائمہ معصومین سبھی شامل ہوں اور اس کو سب کے لیے تقیہ کا حکم کہا جا سکے۔

علامہ صاحب: شیعہ مناظر کی حالت پر رحم آ رہا ہے کہ وہ کس بیچارگی میں عموم کے سہارے چل رہے ہیں اور تقیہ جیسا عمل جس پر ان کے پورے مذہب کی بناء ہے اور آپ کے ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری تیس سال اسی میں گزرے، اسے اس قسم کے کمزور دلائل اور کمزوروں اور بے چاروں کو دی گئی رخصت اور اباحت سے ثابت کیا جا رہا ہے۔ حسینی صاحب! آپ اسے بار بار نماز کی طرح کا حکم کہہ رہے ہیں، آپ کو چاہیے کہ صاف اقرار کریں کہ میرے پاس ان خواص کے لیے تقیہ ثابت کرنے کی خاص درجے کی کوئی شہادت نہیں ہے اس لیے میں انہیں عوام میں دلیل عموم سے لا رہا ہوں۔ کمزور زندگی بسر کرنے کی جو خدا نے اجازت دی ہے وہ مستضعفین کی زندگی ہے۔ کیا ہمارے یہ ائمہ اعلام اسی کمزور زندگی میں جیتے رہے ہیں؟ (معاذ اللہ)۔ اگر آپ اس بات کا اقرار کریں تو پھر میں ثابت کروں گا کہ **اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ** ان لوگوں کے لیے سرے سے ہے ہی نہیں جو پیشوا درجے کے ہوں۔ سو اس وضاحت کے بعد اب کسی مخصص کی ضرورت نہیں رہتی۔

حسینی صاحب: آپ نے میری پیش کردہ تینوں آیتوں میں کوئی مخصص پیش نہیں کیا، لیکن آپ نے مانا کہ عامی لوگوں کے لیے تقیہ کی اجازت ہے، اب آپ نے یہ کہہ دیا کہ یہ آیت سرے سے جماعتی قیادت کے لوگوں کو شامل نہیں۔ یہ تخصیص کہاں ہے؟

علامہ صاحب: ان آیات میں جو آپ نے پیش کی ہیں، کلمہ کفر کہنے کی اجازت اس شرط سے مشروط ہے کہ اس کا اپنا دل ایمان پر قائم ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس کی ذمہ داری صرف اپنے دل کے مطمئن بالایمان ہونے والوں پر ہے، جبکہ پیغمبر کی ذمہ داری صرف اپنے دل کو مطمئن بالایمان رکھنے کی نہیں، اس کی امت کے دلوں کی دھڑکنیں اس کی لب جنبش سے چلتی ہیں، اگر وہ تقیہ کر کے دین کی کوئی غلط بات کہہ دے تو اس کے ماننے والوں کے دل اپنی جگہ سے ہل جائیں گے۔ سو

ان کے لیے تقیہ کی اجازت تب ہوتی اگر ان امتیوں کے دلوں کے بارے میں مطمئن بالایمان کی ضمانت دی گئی ہوتی۔ قرآن یہاں **قلبہ مطمئن بالایمان** کہہ کر صرف ایک قلب واحد کا ذکر کرتا ہے قلوب کا نہیں۔ یہ آیت صرف ایک فرد کے ایمان کو زیر غور لاتی ہے ہزاروں کے ایمان کو نہیں۔ سو یہ سرے سے پیغمبروں اور ائمہ مامورین کے متعلق نہیں جن کی ایک جنبش لب اور حرکت عمل سے ہزاروں کے ایمان کا تعلق ہوتا ہے۔ اگر آپ کے پاس انبیاء اور ائمہ کے تقیہ کے لیے کوئی خاص آیت نہیں ہے تو آپ لکھ دیں کہ میں اس موضوع پر دلیل پیش کرنے سے قاصر رہا ہوں۔

حسینی صاحب: میں کیوں لکھوں؟ یہ بات پہلے طے نہیں ہوئی تھی، آپ کا یہ مطالبہ خلاف موضوع ہے۔ میں نے اپنے موضوع پر دلائل دینے میں کوئی کمی نہیں کی میں نے اپنے تائید میں قرآن کی آیتیں پیش کی ہیں۔

علامہ صاحب: آپ یہ لکھ دیں کہ میں مامور من اللہ درجے کے لوگوں کے تقیہ کے لیے کوئی خاص دلیل نہیں دے سکا۔ تقیہ کی اجازت عام لوگوں کے لیے ہے۔ انبیاء و مرسلین اور ائمہ معصومین کے لیے بھی تقیہ کا جواز اسی سے ملتا ہے، آپ کی یہ تحریر آپ کے ہم عقیدہ دوسرے علماء کو بھیج دی جائے گی پھر وہ بھی تلاش کریں گے کہ اہل عزیمت کے لیے تقیہ کے دلائل کہاں سے لائیں۔

حسینی صاحب: میں کیوں لکھوں؟ آپ خود لکھ دیں، میں لکھوں گا تو یہ لکھوں گا کہ میں نے تقیہ کے لیے تین آیتیں پیش کی ہیں، علامہ خالد محمود کہہ رہے ہیں کہ مجبوری کی حالت میں کلمہ کفر کہنا رخصت ہے، عزیمت نہیں۔ میں کہہ رہا ہوں اجازت انبیاء اور ائمہ معصومین دونوں کے لیے ہے، نبی اور امام بھی تقیہ کر سکتے ہیں۔

علامہ صاحب: انبیاء اور ائمہ آپ کے عقیدہ میں اہل رخصت ہیں یا اہل عزیمت؟ آنحضرت ﷺ کو آپ اولوالعزم رسولوں میں سے مانتے ہیں یا نہیں۔ اب آپ بتائیں کہ اہل عزیمت، عزیمت پر عمل کریں یا محض اباحت اور رخصت پر؟ اگر آپ جواب نہیں دے سکتے تو جناب آفتاب حیدر کو کھڑا کریں شاید وہ اہل عزیمت کے لیے رخصت پر عمل کرنے کی کوئی آیت پیش کر سکیں آپ کو تو لوگوں نے سن لیا۔

حسینی صاحب: آپ نے قرآن پاک کے ایک حکم کو یوں ہی عام لوگوں کے لیے خاص کر دیا اور مخصص آپ پیش نہیں کرتے اور ہمیں کہہ رہے ہیں کہ ہم مناظر بدل لیں، کیا میں عالم نہیں ہوں اور کیا میں مناظرہ نہیں کر رہا ہوں؟

میری پیش کردہ عبارت میں وہ استغراق کے لیے ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی تقیہ سے باہر نہیں، میں نے جو آیتیں تقیہ کے حق میں پیش کی ہیں، وہ سب کے لیے ہیں انبیاء اور ائمہ معصومین سب اس میں شامل ہیں اور چھوٹے درجے کے مجبوروں اور کمزوروں کے لیے بھی قرآن میں تقیہ کا حکم ہے، اس کے لیے کسی کی تخصیص نہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب:

آپ کو اپنی پیش کردہ تین آیتیں تو یاد ہیں، میری پیش کردہ تین آیتوں کو بھی تو یاد رکھیں۔

۱. ﴿ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنَهٗ وَ لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴾

(الاحزاب: ۳۹)

۲. ﴿ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ ﴾

(آل عمران: ۱۸۷)

۳. ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴾ (البقرہ: ۱۵۹)

پہلی آیت بتاتی ہے کہ جولوگ رسالۃ الٰہیہ کے حاملین ہیں وہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، سو انہیں تقیہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ دوسری آیت بتاتی ہے کہ اہل میثاق کو ہر حال میں حق بات کہنے کا حکم ہے اور حکم بھی موکد بنون ثقیلہ ہے، وہ کتمان سے کام نہ لیں۔ تیسری آیت بتاتی ہے کہ جولوگ الٰہی آیات کو چھپاتے ہیں ان پر اللہ اور مومنین لعنت کرتے ہیں، اس کی انہیں اجازت نہیں، یعنی تقیہ وہ نہیں کرسکتے۔ اب ظاہر ہے کہ اہل عزیمت لوگ انبیاء کرام اور ائمہ عظام کبھی ملعون نہیں ہوسکتے، سو وہ دین میں تقیہ کبھی نہ کریں گے۔ یہ تین کے بدلے تین لیجیے اور آپ کی تینوں آیات میں سے کسی میں بھی تقیہ کا حکم نہیں ہے۔ صرف معذورین کے لیے ایک استثناء ہے اور وہ صرف رخصت کا ایک درجہ ہے اور تیسری آیت پہلی شریعت سے تعلق رکھتی ہے مومن آل فرعون نے پھر تقیہ توڑ بھی دیا تھا اور حق بات کہہ دی تھی۔

حسینی صاحب: **الذین یبلغون** میں تبلیغ رسالت کا حکم عام ہے انبیاء اور ائمہ بھی تبلیغ رسالت کرتے ہیں اور ہم اور آپ بھی۔ سو اس میں سب شامل ہیں، یہ آیت برے لوگوں سے خاص نہیں، سو اس آیت سے آیات تقیہ کی تخصیص نہیں کی جاسکتی۔

علامہ صاحب: آپ نے غلط کہا ہے کہ آیت **الذین یبلغون** میں حکم عام ہے، جناب من عام ہونا یا خاص ہونا یہ حکم کی صفات میں سے ہے اور یہاں تو سرے سے کوئی حکم نہیں، یہ جملہ خبریہ ہے، امر اور نہی جملہ انشائیہ میں ہوتے ہیں، جب یہاں انشاء ہی نہیں تو حکم کہاں سے آگیا؟

اب جب یہ آیت خبر ہے تو آپ بتائیں کہ کیا اس میں علماء سوء کی بھی خبر دی گئی ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ انہی لوگوں کی خبر ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں۔ ان کے بارے میں کہا ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، سو ان مبلغین **رسالات اللہ** کے لیے جو خدا سے ڈرتے ہیں ہرگز کوئی تقیہ کی راہ نہیں نکلتی۔ اگر آپ کہیں کہ اس آیت میں علماء سو بھی داخل ہیں تو یہ قرآن کی تحریف ہوگی اور اگر یہ آیت علماء سو کی خبر نہیں دے رہی تو پھر یہ عام کیسے ہوگئی؟

حسینی صاحب: آپ بتائیں کہ جو علماء حق ہیں اور وہ پیغمبروں اور معصوموں میں سے نہیں، انہیں مجبوری کے وقت تقیہ کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ اور وہ اس آیت میں آتے ہیں یا نہیں وہ نہ پیغمبر ہیں نہ معصوم۔ اگر ان کے لیے تقیہ جائز ہو تو پھر یہ آیت عام رہی اس سے ان آیات تقیہ کی تخصیص نہ ہوسکے گی۔

علامہ صاحب: آپ کا یہ سوال کہ علماء حق ڈر کے وقت تقیہ کر سکیں گے یا نہیں؟ ایک عجیب سوال ہے اور آپ کے پریشان ذہن کی خبر دے رہا ہے۔ جناب من اس آیت میں ان کے نہ ڈرنے کی واضح خبر دے دی گئی ہے (**وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ**) تو پھر یہ پوچھنا کہ وہ ڈر کے وقت اور مجبوری کی صورت میں تقیہ کر سکیں گے یا نہیں؟ ایک مجموعہ اضداد کے سوا اور کچھ نہیں ہے آپ اس سوال کو اس طرح پیش کرتے تو آپ کے علم کی آخری سطح فوراً سامنے آجاتی۔

وہ نیک لوگ جو مجبوری کی حالت میں کسی ظالم کے ڈر سے تقیہ کرتے ہیں ان کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، اگر یہ قضیہ صادقہ ہو تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ کہنے والا معاذ اللہ خدا کو ہی ظالم کہہ رہا ہے، کیونکہ نیک لوگ تو صرف خدا سے ہی ڈرتے ہیں اور کسی سے نہیں۔ پھر علماء حق اصلاً اس آیت میں شامل نہیں حکماً ان کو یہاں لایا جا سکتا ہے، اصلاً یہ آیت انبیاء اور مرسلین کے لیے ہی ہے جو الٰہی رسالتوں کے براہ راست حاملین ہیں، علماء حق رسالۃ الٰہیہ کے حاملین نہیں وہ رسالت نبوت کے علمبردار ہیں حدیث میں **العلماء ورثۃ الانبیاء** موجود ہے جس کا معنی یہ وہ نبیوں کے وارث اور نمائندے ہیں خدا کے براہِ راست نمائندے صرف انبیاء و مرسلین ہیں اور آپ کے عقیدے میں ائمہ معصومین بھی خدا کے نمائندے ہیں۔ یہ حضرات ہیں جو **الذین یبلغون رسالات اللہ** کے اصلاً امین ہیں علماء حق ہرگز رسل اللہ نہیں۔ وہ رسل رسول اللہ ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا اور ان سے پوچھا کہ آپ وہاں مقدمات کے فیصلے کس طرح کریں گے؟ تو آپ نے وہ جواب دیا جسے حضور ﷺ نے پسند فرمایا اور آپ ﷺ نے فرمایا:

الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ - (رواہ الترمذی ج ۱، ص ۱۵۹)

''سب تعریف اس ذات کے لیے جس نے اپنے رسول کے رسول کو اس چیز کی توفیق دی جس سے اللہ اور اس کے رسول راضی ہوں۔''

اس سے پتہ چلا کہ رسالۃ الٰہیہ کے حاملین صرف انبیاء اور ائمہ معصومین ہیں اور ان کی یہ شان ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، علماء حق حکماً ان کے ساتھ ہو سکتے ہیں، اصلاً یہ آیت ان کو شامل نہیں نہ یہ عام ہے۔ اس نے بتایا کہ اللہ کے سوا کسی کا ڈر اور تقیہ ان اہل عزیمت کے لیے نہیں۔ عامی لوگوں کے اہل باطل سے ڈرنے کی جو گنجائش ہے وہ بھی ایک رخصت کے درجہ میں ہے یہ کوئی قرآن کا حکم نہیں ہے۔

حسینی صاحب: میں نے قرآن سے ثابت کیا ہے کہ اسلام بصورت اجبار تقیہ کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس میں بڑے حضرات کے لیے کوئی تخصیص نہیں ہے، تقیہ کا حکم سب کے لیے برابر ہے۔

(شیعہ مناظر پھر ان تین آیتوں کو پڑھتے ہیں اور ان سے تقیہ کا استدلال کرتے ہیں اور وہی بات کہتے ہیں جو وہ پہلے کئی دفعہ کہہ چکے ہیں)

چیئر مین: مجھے پتہ نہیں چل رہا کہ بار بار ایک ہی بات کیوں کہی جا رہی ہے، بات کھل کر سب کے سامنے آچکی ہے، میں

سمجھتا ہوں کہ اب آگے جانے کا کوئی فائدہ نہیں، جب تک ہم کسی ایک بات پر متفق نہ ہوں، آگے جانا بے سود ہے۔

حسینی صاحب: کیا میں کوئی تجویز دے سکتا ہوں؟ اَب اس موضوع کو چھوڑیں اور کوئی دوسرا موضوع شروع کریں۔

علامہ صاحب: مگر تب جب آپ لکھ دیں کہ اب آپ آگے اس موضوع میں نہیں چل سکتے۔

حسینی صاحب: اہل سنت کی تفسیروں میں یہی لکھا ہے جو میں کہہ رہا ہوں کہ بڑے طبقے کے لوگ بھی بحالت مجبوری تقیہ کر سکتے ہیں۔

علامہ صاحب: آپ کوئی تفسیر پیش کریں جس میں یہ بات لکھی ہو کہ تقیہ صرف رخصت نہیں اہل عزیمت لوگ بھی تقیہ کر سکتے ہیں، قرآن تو کسی کو بھی مستضعفین کی زندگی گزارنے کی اجازت نہیں دیتا، اسلام میں امتدادی تقیہ کا کوئی تصور کسی عامی کے لیے بھی نہیں ہے۔

حسینی صاحب: یہ حقیقت ہے کہ ہمارے کچھ امام خطرناک حالات میں تقیہ کرتے رہے، بعض امام زہر دے کر مارے گئے اور بعض قتل ہوئے، بنو امیہ کے دور میں کتنے شیعہ بے گناہ مارے گئے، بنو عباس کے دور میں بھی ہمارے ساتھ ظلم ہوتا رہا اور ہمارے ائمہ ان حالات میں صرف تقیہ سے زندہ رہے اور ظالم حکمران انہیں حق کی بات نہ کہنے دیتے تھے ابن جریر طبری اور مروج الذہب للمسعودی سے اس کی شہادتیں لی جاسکتی ہیں۔

علامہ صاحب: اور آپ کا حضور ﷺ کے بارے میں کیا عقیدہ ہے کیا آپ بھی دین حق نہ بتا سکے، آپ حق بیان کرتے رہے اور کوئی انہیں روکنے والا نہ تھا، کیا آپ بھی تقیہ میں زندگی بسر کرتے رہے؟ اگر تقیہ کرتے رہے تو آپ بتا دیں کہ کس سے تقیہ کرتے رہے؟ تقیہ کا موضوع دوسرے تمام پہلوؤں سے زیر بحث آچکا ہے اب اس پہلو پر آپ کا عقیدہ واضح ہو جائے۔

حسینی صاحب: آپ کا سوال کیا ہے؟

چیئرمین: آپ سے پوچھا جا رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسے حال میں رہے کہ حق کی بات نہ کہہ سکتے تھے، آپ بھی تقیہ کرتے تھے اور اپنے اصل دین کو پیش نہ کر سکے تھے؟

حسینی صاحب: نہیں ایسا نہیں ہوا، آپ ہمیشہ حق بیان کرتے رہے۔

علامہ صاحب: لیکن آپ بتائیں کہ کبھی آپ ﷺ نے بھی تقیہ کیا تھا اور آپ کسی پہلو سے اپنے مشن میں ناکام رہے۔

حسینی صاحب: اس میں دو سوال لپٹے ہوئے ہیں ایک یہ کہ کیا آپ تقیہ پر یقین رکھتے تھے اور اسے جائز سمجھتے تھے یا نہیں؟ اس کا جواب ہاں میں ہے۔ دوسرا سوال کہ کیا آپ نے بھی کبھی تقیہ کیا؟ یہ سوال تاریخی ہے، اس کے لیے ہمیں تاریخ کی طرف رجوع کرنا ہوگا، مجھے یاد نہیں کہ حضور ﷺ نے کبھی اپنی زندگی میں تقیہ کیا ہو، تاہم آپ تقیہ کرنے کے مجاز تھے۔ آپ نے خود کیا یا نہیں اس کی ہمیں کتب تاریخ میں تلاش کرنی ہوگی۔

علامہ صاحب: پھر آپ کے ذمہ رہے گا کہ آپ ہمیں اطلاع فرمائیں۔ فرمایئے کب تک اطلاع دیں گے؟ میں آپ

کو ابھی اطلاع کرتا ہوں کہ آپ کی کتاب ''تہذیب الاحکام'' میں ہے کہ حضور ﷺ نے تقیہ کیا تھا، اس سے آپ کا عقیدہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے عقیدے میں (معاذ اللہ) حضور ﷺ بھی اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوسکے اور آپ کو بھی کسی سے ڈر تھا تبھی تو تقیہ کرتے رہے۔

پھر آپ ﷺ عدل وانصاف کے نفاذ میں کہاں تک کامیاب رہے؟ اس پر علامہ خمینی اپنا عقیدہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں یہ میرے ہاتھ میں ان کا پمفلٹ ہے۔ اتحاد و یک جہتی۔ اور اسے سفارت خانہ ایران پاکستان نے شائع کیا ہے۔ علامہ خمینی لکھتا ہے:

''جو نبی بھی آئے وہ انصاف کے نفاذ کے لیے آئے......لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے یہاں تک کہ ختم المرسلین جو انسانوں کی اصلاح کے لیے آئے تھے انصاف کا نفاذ کرنے کے لیے آئے تھے۔ وہ بھی اپنے زمانے میں کامیاب نہ ہوئے۔'' (ص ۱۵)

میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ نے اپنے ان بے بسی کے حالات میں تقیہ کیا؟ اگر کیا تو اس کا مطلب اس کے سوا کیا سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ امت کے سامنے اسلام کو کسی اور طرح پیش کرتے رہے اور اپنے گھر کے اندر کسی اور پیرائے میں اسلام بتاتے تھے، سو جب اصل دین آپ نے امت کے سامنے پیش کیا نہیں تو پھر اس پر کامیابی اور ناکامی کا لیبل کیسے لگ سکتا ہے؟ یہ صورت حال نہ ہوتی تو علامہ خمینی کبھی جرأت نہ کرتا کہ حضور ﷺ کو ناکام بتلائے۔

یہ آنحضرت ﷺ کی دورخی تصویر کہ آپ صحابہ کے سامنے وضو میں پاؤں دھوتے تھے اور گھر میں پاؤں پر مسح کرتے تھے، ہمارے لیے ہرگز لائق تسلیم نہیں، انبیاء اور ائمہ جو خدا کے مقرر کردہ ہوں وہ کبھی تقیہ کے مرتکب نہیں ہوسکتے۔ قرآن کریم میں حضور ﷺ کے مشن کو اس طرح کامیاب بتلایا گیا ہے۔

﴿ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ۝ وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۝ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ ﴾ (النصر)

''جب اللہ کی مدد آئے اور مکہ فتح ہوا اور آپ لوگوں کو فوج درفوج اسلام میں آتے دیکھیں تو اپنے پروردگار کی حمد وتسبیح میں لگ جائیں اور اس سے مغفرت چاہیں وہ بے شک توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

کیا اس سورت میں آنحضرت ﷺ کے مشن کو کامیاب نہیں بتلایا جارہا ہے؟

حسینی صاحب: تہذیب الاحکام جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے کہ اس میں یہ بات ہے کہ حضور ﷺ بھی تقیہ کرتے رہے یہ ہماری کتاب نہیں ہے ہماری چار معتبر کتابیں ہیں اور ان میں نو ہزار حدیثیں ضعیف ہیں۔

علامہ صاحب: تہذیب الاحکام آپ کی اپنی چار کتابوں میں سے ہے، جنہیں آپ اُصول اربعہ کہتے ہیں۔

حسینی صاحب: نہیں۔ یہ ان چار میں سے نہیں آپ کو معلوم ہی نہیں ہے۔

علامہ صاحب: آپ یہ بات لکھ دیں کہ ''تہذیب الاحکام'' آپ کی کتب اربعہ میں سے نہیں ہے، میرا یہ دعویٰ ہے کہ یہ انہی چار میں سے ہے۔

حسینی صاحب: لائیے میں لکھ دیتا ہوں (اتنے میں ان کے معین مناظر ملا انعام حیدر انہیں بتا دیتے ہیں کہ یہ واقعی ان چار میں سے ہے اور وہ لکھنے سے رک جاتے ہیں) اب لکھنے کی ضرورت نہیں۔

علامہ صاحب: خدا کا شکر ہے کہ آپ مان گئے کہ یہ واقعی آپ کی معتبر کتاب ہے۔

حسینی صاحب: تو آپ نے جو اس کا حوالہ دیا ہے کہ حضور ﷺ صحابہ کی سامنے تقیہ کرتے تھے یہ بات اس میں کہاں لکھی ہے؟ دکھایئے تو سہی۔

علامہ صاحب: یہ بات وضو کی بحث میں ہے کہ آپ ﷺ نے وضو کیا اور تقیہ کرتے ہوئے پاؤں دھوئے۔

(اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا عام عمل وضو میں پاؤں کا دھونا ہی تھا اور صحابہ بھی پاؤں دھوتے تھے، وضو میں پاؤں پر مسح کرنا یہ صرف حضور ﷺ نے اہل بیت کو بتا رکھا تھا۔ مرتب)

حسینی صاحب: میں بہادری سے اپنی غلطی کا اقرار کرتا ہوں، جو میں نے تہذیب الاحکام کا انکار کیا، یہ بے شک ہماری معتبر کتاب ہے، لیکن ہماری معتبر کتابوں میں ضعیف حدیثیں بہت ہیں اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ یہ روایت بھی ان ضعاف میں سے ہے۔

علامہ خالد محمود صاحب: پھر اس روایت کے ضعیف ثابت کرنے کا قرض آپ کے ذمہ رہے گا، آپ کے کس محدث نے اسے ضعیف لکھا ہے؟ یہ آپ بتائیں گے۔

حسینی صاحب: بے شک یہ میرے ذمہ ہے ہاں آپ نے جو امام انقلاب روح اللہ خمینی کا حوالہ دیا ہے، اس کا تقیہ کی بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ رہی پیغمبروں کی کامیابی سو ہم کھلے طور پر اعلان کرتے ہیں کہ کوئی پیغمبر واقعی کامیاب نہ ہوئے، جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کس حال میں دنیا سے گئے کیا آپ کامیاب ہو کر گئے؟

مفتی صاحب: نعوذ باللہ۔ نعوذ باللہ!!

حسینی صاحب: ذرا ٹھہریں۔ ٹھہریں (پھر کچھ دیر ٹھہر کر کہا) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس لحاظ سے تو کامیاب ہیں کہ انہوں نے خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچایا مگر وہ اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوئے ایسا ہوتا تو ان کی ساری قوم کیوں نہ انہیں مان گئی ہوتی۔

علامہ صاحب: جناب صدر مجلس ان کے دو منٹ کتنے لمبے ہوں گے۔

حسینی صاحب: جناب انتظار کریں یہاں حضور ﷺ کی کامیابی کے بارے میں سوال کے دو پہلو ہیں: (۱) آپ نے خدا کا پیغام پورا پہنچا دیا۔ (۲) آپ عملاً پوری دنیا میں عدل و انصاف نافذ نہ کر سکے۔

علامہ صاحب: جن باتوں میں آپ عوام میں تقیہ کرتے رہے ان میں آپ نے خدا کا پیغام انہیں کیسے پہنچایا؟ آپ کا تو عقیدہ ہے کہ صحیح پیغام آپ نے صرف اہل بیت کو پہنچایا، تو یہ دین سب کو پہنچانا کیسے ہوا؟ آپ کھل کر کہیں کہ نہیں پہنچا سکے۔

حسینی صاحب: حضور ﷺ نے ہمیں قرآن پہنچایا اور قرآن اپنی جگہ مکمل ہے اگر آپ کا مشن ساری دنیا کو مسلمان بنانا تھا تو ظاہر ہے کہ آپ نہ بنا سکے۔

مفتی صاحب: علامہ خمینی کے عقیدہ میں آپ کا مشن کیا تھا؟ اگر صرف پہنچانا تھا تو انہوں نے پھر حضور ﷺ کو ناکام کیوں کہا؟ معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک آپ کا مشن یہ تھا کہ ساری دنیا میں عدل وانصاف قائم ہو جائے۔

حسینی صاحب: آپ کے مشن کے دو حصے تھے، یہ جو دوسرا تھا اس میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آپ اس میں کامیاب ہوئے، کیا آپ کے زمانے میں ساری دنیا میں اسلام پھیل گیا تھا؟ امام خمینی نے صحیح کہا ہے کہ امام العصر پوری دنیا میں اسلام نافذ کرے گا اور آنحضرت ﷺ واقعی ایسا نہ کر پائے۔

علامہ صاحب:

صدر محترم! حسینی صاحب نے نہایت نامناسب لفظوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ناکامی کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں آپ کا اس طرح ذکر نہ ہونا چاہیے تھا، آپ چونکہ زندگی کے پہلے حصے میں کامیاب نہ ہو سکے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا موت نہ دی تا کہ کوئی نہ کہہ سکے کہ ایک جلیل القدر پیغمبر دنیا سے ناکام ہو گئے ہیں۔ آپ قیامت کی ایک نشانی ہیں، آپ یہاں دوبارہ تشریف لائیں گے پوری کامیابی سے ہم کنار ہوں گے، ساری مخالف طاقتیں ان کے سامنے زیر ہو جائیں اور پھر آپ کی وفات ہوگی۔

آنحضرت ﷺ بھی دنیا سے تب گئے جب مکۃ المکرّمۃ پر آپ کا قبضہ ہو گیا، مکہ مشرکوں کا ہیڈ کوارٹر تھا، کفر کی طاقتیں سرنگوں ہوئیں اور آپ اپنے مشن میں کامیاب رہے اور یہ بات قرآن میں پہلے سے بتا دی گئی کہ آپ کامیاب ہوں گے۔ مکۃ المکرّمۃ میں حق کا پرچم لہرایا اور باطل شکست فاش سے دوچار ہوا۔

﴿وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ (بنی اسرائیل:۸۱)

''حق آیا اور باطل نے پاؤں چھوڑ دیئے اور باطل ہے ہی جڑ سے کٹنے کے لیے۔''

اور قرآن کی یہ سورت ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ سن چکے ہیں۔

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ٥ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ (نصر: ۱، ۲)

قرآن نے تو یہاں تک بتلا دیا کہ اب آپ کا قدم کامیابی ہی کی طرف بڑھتا رہے گا آپ کا مشن کامیاب ہوگا اور ہر بعد کی آنے والی گھڑی آپ کے لیے پہلے سے بہتر ہوتی جائے گی۔

﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ٥ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ (الضحیٰ)

''اور ہر بعد کی گھڑی آپ کے لیے پہلی سے بہتر ہوگی اور آپ کو آپ کا رب وہ کچھ دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔''

ہم خمینی کی اس عقیدہ سے قطعاً متفق نہیں کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی تشریف آوری کا مقصد پوری دنیا میں عدل و انصاف کا اپنی زندگی میں نفاذ تھا، آپ کا مقصد رسالت اللہ کی بات لوگوں کو پہنچانا تھا، ان پر مسلط ہونا نہیں۔ ﴿لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ﴾ (الغاشیہ) ہاں آپ کا مقصد بعثت اس دین حق کو دوسرے سب مذاہب پر علماء اور اشاعۃً غالب کرنا تھا اور تاریخ گواہ ہے کہ آپ ان تمام مقاصد میں کامیاب ہوکر گئے۔ قرآن کریم میں آپ کے مقاصد بعثت مذکور ہیں۔ تلاوت قرآن۔ تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ۔ اب آپ ہی بتلائیے کہ کیا آپ اپنے ان بعثت کے مقاصد میں ناکام ہو گئے ہیں؟ کیا آپ نے قرآن نہیں سنایا۔ کیا آپ نے کتاب وسنت کی تعلیم سے لوگوں کی زندگی نہیں بدلی؟ کیا آپ نے لوگوں کی قلبی تطہیر نہیں کی؟ علامہ خمینی کا یہ کہنا کہ آپ کا مشن ناکام ہوا ہے قرآن کی روشنی میں سو فیصد غلط ہے۔ قرآن نے آپ کا جو مشن بتلایا جب تک آپ اس میں کامیاب نہ ہوئے اللہ نے آپ کو اپنے پاس نہیں بلایا۔ بلایا اسی وقت جب آپ اپنے اس مشن میں کامیاب ہو گئے اور اس دین حق کا غلبہ سب نے دیکھ لیا۔ قرآن کی ان آیات پر بھی ایک نظر کریں شاید آپ کچھ سمجھ پائیں۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ وَ اللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدہ : ٦٧)

''اے رسول آپ آگے پہنچائیں جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا اگر آپ نے اسے نہ پہنچایا تو آپ نے اللہ کی رسالت کی ذمہ داری ادا نہ کی اور اللہ آپ کو ان لوگوں سے بچائے گا یعنی آپ کو کہیں تقیہ کی ضرورت نہ پڑے گی۔''

﴿لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ ۝ اِلَّا مَنۡ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ۝ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الۡعَذَابَ الۡاَكۡبَرَ﴾ (الغاشیہ: ۲۲ تا ۲۴)

''آپ ان پر داروغہ مقرر نہیں کیے گئے کہ وہ ضرور ایمان لائیں مگر یہ کہ جو کوئی روگردانی کرے اور کفر کرے تو اللہ تعالیٰ اسے بڑے عذاب میں مبتلا کرے گا۔''

﴿هُوَ الَّذِىۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ﴾

''اسی نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر تا کہ اس کو غلبہ دے ہر دین پر۔'' (الفتح:۲۸)

دوسرے مذاہب کے بارے میں آپ کے اعلان بھی سن لیں۔

۱۔ یہودیوں کے بارے میں: ﴿ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡكَنَةُ﴾ (آل عمران:۱۱۲)

۲۔ عیسائیوں کے بارے میں: ﴿ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ﴾ (آل عمران: ٦٣)

۳۔ ایران کے بارے میں **قدمات کسری فلا کسری بعده** (صحیح مسلم ج۲، ص ۳۹٦)

۴۔ رومیوں کے بارے میں **واذا هلک قیصر فلا قیصر بعده** (صحیح مسلم ج ۲، ص ۳۹۶)

۵۔ ہندوستان کے بارے میں **عصابة من امتی تغز والهند** (سنن نسائی ج ۲، ص ۶۳)

پھر آپ کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ ساری دنیا آپ کے قدموں تلے آئے گی۔

ان الله زوی لی الارض فرایت مشارقها و مغاربها وان امتی سیبلغ ملکها ما زوی لی منها.

(صحیح مسلم ج ۲، ص ۳۹۰)

کیا اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ناکامی اور بے بسی میں دنیا سے رخصت ہوئے تھے؟ اور آپ اپنے مشن میں معاذ اللہ ناکام رہے تھے؟ آپ تو پوری دنیا میں اپنا کلمہ پہنچنے اور اسلام پھیلنے کی بشارت دے کر گئے اور خود سفر آخرت پر روانہ ہونے کے لیے اپنی رضا دی اگر آپ کا مشن ابھی رہتا تھا تو آپ سفر آخرت کے لیے تیار کیوں ہوئے اور اپنی رضا کیوں دی؟

حسینی صاحب: کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے دنیا کے تمام غیر مسلموں کو مسلمان کر لیا تھا؟ یہ ایک میرا معین سوال ہے، جواب ہاں یا نہ میں دیں۔ اور آپ امام خمینی کی عبارت پھر سے پڑھیں کئی لوگ اسے پورا نہیں سن سکے۔

(خمینی کی عبارت پھر سے پڑھی جاتی ہے۔ صدر مجلس نے اسے بلند آواز سے پڑھا، پھر اس کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا اور پھر حسینی صاحب سے پوچھا کہ کیا یہ ٹھیک ہے؟ وہ عبارت یہ ہے)

> جو نبی بھی آئے وہ انصاف کے نفاذ کے لیے آئے ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ تمام دنیا میں انصاف کا نفاذ کریں لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے یہاں تک کہ ختم المرسلین جو انسان کی اصلاح کے لیے آئے تھے اور انصاف کا نفاذ کرنے کے لیے آئے تھے انسان کی تربیت کے لیے آئے تھے لیکن وہ اپنے زمانے میں کامیاب نہ ہوئے۔ [اتحاد و یک جہتی: ۱۵]

خمینی صاحب کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ پہلے پیغمبر بھی تمام دنیا میں انصاف نافذ کرنے کے مکلّف تھے، یہ صرف حضرت خاتم النبیین ﷺ ہیں جو دنیا کے سب انسانوں کے لیے مبعوث ہوئے سوائے حضرت آدم اور نوح علیہما السلام کے اور کوئی پوری دنیا کے لیے مبعوث نہ تھا۔

صدر مجلس: (حسینی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے)

کیا آپ تسلیم کرتے ہیں کہ حضور ﷺ اس میں کامیاب نہیں ہوئے؟

حسینی صاحب: میرے سوال کا جواب ابھی تک نہیں دیا گیا۔

علامہ صاحب: آپ یہ تو بتا دیں کہ خمینی نے یہ صحیح کہا ہے یا غلط؟

حسینی صاحب: میں اس طرف آؤں گا، لیکن میرا سوال یہ ہے کہ اگر حضور ﷺ کی تشریف آوری کا مقصد تمام دنیا کے لوگوں کو مسلمان کرنا تھا تو کیا آپ ایسا کر پائے؟ مجھے جواب ہاں یا نہ میں دیں۔ آپ آخری پیغمبر تھے آپ کی حیثیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی سی نہ تھی کہ ان سے کام رہ جائے تو اسے اگلا پیغمبر پورا کر دے حضرت نوح علیہ

السلام بھی اپنی قوم میں کامیاب نہ ہوئے تھے۔ حضرت عیسیٰ بھی اپنی پوری قوم کو مسلمان نہ کر سکے۔ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کا مشن بھی اگر یہ تھا کہ اسلام تمام دنیا میں پھیلے تو کیا ایسا ہوا؟ مجھے اس کا ہاں یا نہ میں جواب دیں۔ کیا آپ اپنی زندگی میں کامیاب ہوئے؟

علامہ صاحب: جناب صدر۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ حسینی صاحب وقت کی پابندی نہیں کر رہے ہیں۔

حسینی صاحب: انتظار کریں امام خمینی کی عبارت پر میں آپ کے جواب کے بعد آؤں گا۔ آپ اپنی باری میں زیادہ وقت لے لیں۔

صدر مجلس: (علامہ خالد محمود صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے) اچھا انہیں چلنے دیں آپ بھی وقت لے لیں۔

حسینی صاحب: تاریخ اس سے انکار نہیں کر سکتی کہ آنحضرت ﷺ اپنی زندگی میں اپنے مشن میں کامیاب نہ ہو سکے تھے اس کے لیے خدا نے صاحب العصر والزمان (بارہویں امام المہدی) کو محفوظ رکھا ہے وہ آکر دنیا کو انصاف سے بھر دیں گے۔

علامہ صاحب: مجھے آپ کی اس بات پر حد درجہ افسوس ہے تاہم میں اس پر خوش ہوں کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی کامیابی کے بارے میں شیعہ عقیدہ کھل کر سب کے سامنے آ چکا ہے۔ یہ صحیح ہے یا غلط؟ یہ دوسری بات ہے، لیکن اس میں شیعوں کا عقیدہ کیا ہے اسے سب حاضرین جان گئے ہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کو اپنے وقت میں اپنے مشن میں ناکام مانتے ہیں، یہی بات خمینی نے لکھی ہے (استغفر اللہ) اور یہ لوگ اس کا سہرا حضرت امام مہدی کے سر پر باندھتے ہیں۔ لشکر کی فتح بادشاہ کی فتح شمار ہوتی ہے، بادشاہ خود نہیں لڑتا، اس کی فوج لڑتی ہے حضور ﷺ کے صحابہ مکۃ المکرّمۃ میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اسے خاتم النبیین کی فتح قرار دیا ہے۔ **اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا.**

اسی طرح حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے ہاتھوں جو ممالک فتح ہوئے وہ سب حضرت خاتم النبیین ﷺ کی کامیابی شمار ہوں گے۔ یہ روم اور ایران مصر اور شام اور بلاد افریقہ میں جو صحابہ نے اسلام کے جھنڈے گاڑے یہ سب فتوحات حضور ﷺ کی ہی شمار ہوں گی، اس لیے حضور ﷺ کو اپنے مشن میں ناکام نہ کہا جائے۔ حضور ﷺ ان تمام فتوحات کی خبر دے چکے تھے اور صحابہ اسی یقین کے ساتھ بر و بحر میں پھیلتے جا رہے تھے۔ قیامت کے قریب حضرت مہدی کے ہاتھوں جو عدل و انصاف پھیلے گا وہ حضور ﷺ کی ہی فتح ہوگی اور حضرت مہدی حضرت خاتم النبیین کے خادم بن کر یہ ساری مہمات سرانجام دیں گے۔ یہ نہیں کہا جا سکے گا کہ حضور ﷺ تو اس میں ناکام ہوئے (معاذ اللہ) اور امام مہدی کامیاب۔ آپ کوئی حضور ﷺ کے مقابل ہو کر تو نہیں آئیں گے۔

حسینی صاحب: پھر تو آپ تسلیم کیجیے کہ حضرت صاحب العصر والزمان ہی دنیا کو عدل و انصاف سے بھریں گے جیسا کہ یہ اس وقت ظلم و جور سے بھرپور ہے۔

علامہ صاحب: صاحب العصر والزمان یہ کام نہ کر سکیں گے جب تک کہ حضرت مولانا مطیع الرسول نہ آئیں گے۔ آپ

دجال کو قتل کریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے۔ خنزیر کا خاتمہ کریں گے۔ پوری دنیا کے عیسائیوں کو کلمہ اسلام پڑھائیں گے آپ اپنے آپ کو مستقل بالذات کی حیثیت سے پیش نہ کریں گے بلکہ حضور ﷺ کے خادم اور تابع بن کر یہ خدمات سرانجام دیں گے اور یہ ان کی حضرت خاتم النبیین ﷺ سے عقیدت کی انتہا ہے کہ ان تمام کامیابیوں کا سہرا وہ آنحضرت ﷺ کے فرزند حضرت امام مہدی کے سر پر رکھیں گے تو یہ کامیابی حقیقت میں حضور ﷺ کے مشن کی ہی کامیابی ہے۔ سو کسی طرح حضور ﷺ کو اپنے مشن میں ناکام نہیں کہا جاسکتا یہ مولانا مطیع الرسول کی آمد آنحضرت ﷺ کی ہی فتح مبین ہے، ہم اس میں خمینی کے عقیدہ پر نہیں ہیں کہ حضور ﷺ ناکام ہوئے ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ اپنے مشن میں پورے کامیاب ہو کر گئے۔ مولانا مطیع الرسول سے اس وقت میری مراد حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں۔

حسینی صاحب: اچھا تو یہ تسلیم کیجیے کہ آپ ﷺ اپنے زمانے میں تو پوری دنیا میں عدل وانصاف نہ پھیلا سکے، اس کا جواب آپ کو ہاں یا نہ میں دینا ہوگا کہ کیا آپ اپنے وقت میں پوری دنیا میں اسلام پھیلا سکے؟

علامہ صاحب: آپ اپنا سوال ایک ایک فقرہ میں پورا کریں، میں ایک فقرہ میں اس کا جواب دوں گا، بات لمبی نہ کریں۔ دیکھئے! شیعہ مناظر کتنی کوشش کر رہا ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے۔ آنحضرت ﷺ کو اپنے مشن میں ناکام ثابت کیا جائے اور خمینی کے بیان کو سچا ثابت کیا جائے۔ (استغفر اللہ العظیم)

حسینی صاحب: میں امام خمینی کے بیان کو سچ مانتا ہوں آپ ایک جملے میں جواب دیجیے کہ کیا حضور ﷺ اپنے مشن میں اپنے وقت میں کامیاب ہوئے۔

علامہ صاحب: اپنا سوال ایک جملے میں واضح کریں۔

حسینی صاحب: کیا حضور ﷺ اپنے وقت میں دنیا کے لوگوں کو مسلمان بنانے میں کامیاب ہوئے؟ آپ کے آنے کا اگر یہی مقصد تھا تو کیا وہ اس وقت پورا ہوا؟

علامہ صاحب: صدر محترم! کیا یہ ایک جملہ ہے یا دو جو حسینی صاحب نے ابھی کہا ہے۔

حسینی صاحب: آپ میرے سوال کا جواب دینا نہیں چاہتے۔

علامہ صاحب: لیجیے آپ کا جواب حاضر ہے۔ بتلائیے ہم میں کیا کوئی اس بات کا مدعی ہے کہ حضور ﷺ کا مشن تھا کہ اپنے وقت کے تمام لوگوں کو مسلمان بنائیں؟ اگر آپ کا یہ مشن ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ کو یہ کیوں بتلاتا۔

﴿ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ (یٰسین: ۱۰)

''اور برابر ہے تو ڈرائے ان کو یا نہ ڈرائے وہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔''

یہ ایک طبقے کے ایمان نہ لانے کا آپ کو پتہ دے دیا گیا ہے تو یہ آپ کا مشن کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ اپنی زندگی میں ہر کسی کو مسلمان کریں سو آپ کا مشن ہرگز یہ نہ تھا کہ دنیا کے ہر حصے میں آپ کا اپنے وقت میں غلبہ ہو جائے۔ خمینی نے آپ کا مشن یہ

اس لیے بتایا کہ آگے وہ آپ پر مشن کی ناکامی کا الزام لگا سکے اور امام مہدی کو آپ پر فوقیت دے۔ خمینی نے اپنی عبارت میں یہ قید کیوں لگائی کہ آپ اپنے وقت میں کامیاب نہیں ہوئے؟ کیا قیامت تک کا دور آپ کا دور نہیں؟ جب آپ کے بعد کسی نبی کی بعثت نہیں تو قیامت تک آپ کا ہی دور ہے۔ اسی لیے اس دور کو دورِ محمدی کہتے ہیں یہ کوئی الگ دور نہیں ہے اور اس دور میں مسلمانوں کی جتنی کامیابیاں ہوئیں وہ سب کی سب حضور ﷺ ہی کی کامیابیاں ہیں۔ ایک جملے میں اگر آپ جواب سننا چاہتے ہیں تو سن لیجیے۔

''حضور ﷺ اپنے دور میں پورے طور پر کامیاب ہیں۔'' ایک اور جملہ بھی سنتے جائیے۔

حضور ﷺ کے اس دور میں اسلام کو پوری دنیا پر غلبہ حاصل ہو کر رہے گا اور یہود و نصاریٰ دونوں قومیں حضرت عیسیٰ بن مریم پر ان کی وفات سے پہلے ایمان لے آئیں گی۔ میرے ان دونوں جملوں میں سے جس کو چاہیں قبول کریں میں نے ایک جملے میں جواب آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔

حسینی صاحب: سو آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ حضور ﷺ کی آمد کا مقصد دنیا کو بدلنا نہ تھا نہ دنیا کے ایک ایک شخص کو مسلمان بنانا تھا، لیکن اگر یہ ہو تو پھر آپ واقعی اپنے وقت میں اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور یہ بات میں بھی کہہ سکتا ہوں میرا سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ساری دنیا کو مسلمان بنانا تھا؟ اگر نہیں تو پھر امام خمینی نے بھی تو یہی کہا ہے۔

علامہ صاحب: میں پہلے اس بات کا جواب دے چکا ہوں کہ اس امت کی تمام کامیابیاں اور مہمات اصل میں آنحضرت ﷺ کی ہی کامیابی ہے اس کے لیے میں آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث صحیح مسلم سے پیش کر چکا ہوں **ان اللّٰـه زوىٰ لی الارض ورأيت مشارقها و مغاربها. (الحديث)**

سو آنحضرت ﷺ کی اس بشارت کا مطلب ہی یہ ہے کہ آپ نے اس میں اپنی کامیابی کو بیان کیا ہے، یعنی یہ میری کامیابی ہے، اس حدیث میں لفظ **لـی** (ایسا میرے لیے کیا گیا) پر غور فرمائیں۔ اگر یہ آپ کی کامیابی نہ ہوتی تو آپ اسے **لـی** سے کیوں ذکر فرماتے اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو زمین کے مشارق و مغارب کیوں دکھائے؟ اسی لیے کہ آپ کی امت کی وہاں تک سلطنت ہوگی، حضور ﷺ کے بعد جو حکمران آئے انہوں نے اپنے نام سے یہ کام نہیں کیے، آپ کے جانشین ہونے کے طور پر تھے، تو یہ کامیابی آنحضرت ﷺ کی ہی کامیابی کہلائی۔ شیعہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو اس لیے صحیح نہیں مانتے کہ ان کے ادوار کی فتوحات اور کامیابیاں حضور ﷺ کی فتوحات نہ کہی جاسکیں اور آپ پر پوری دنیا میں اپنا مشن نہ پھیلانے کا الزام صحیح طور پر لگایا جا سکے اور آپ کو اپنے مشن میں کامیاب نہ کہا جا سکے۔ آپ کے بعد آپ کی خلافت اسی لیے تھی کہ آپ کی تشریف آوری کا مقصد **لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ** آپ کے خلفاء کے ہاتھوں سے پورا ہونا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے لیے پوری زمین سجدہ گاہ بنائی گئی ہے تو کیا آپ ﷺ نے افریقہ اور امریکہ کی زمینوں پر سجدے کیے تھے؟ ہاں آپ کی امت ان ملکوں میں بھی گئی اور ان کی زمینوں پر سجدہ ریز ہوئی اور آپ نے امت کے ان سجدوں کو اپنے سجدے فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی

امت کی یہ کامیابیاں آپ کی ہی کامیابی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

جعلت لی الارض مسجدا وطھورا.[صحیح بخاری:۱/۴۸]

کیا آنحضرت ﷺ نے انگریزوں کو اللہ کی رسالت پہنچائی؟ افریقہ کے سیاہ فام لوگوں کو کلمہ اسلام پڑھایا؟ تو کیا آپ ان کی طرف مبعوث نہ تھے۔ یقیناً تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

بعثت الی کل احمر و اسود (صحیح مسلم:۱/۱۹۹] بعثت الی الناس کافة. [صحیح بخاری:۱/۶۲] ارسلت الی الخلق کافة (رواہ مسلم) اعطیت مفاتیح خزائن الارض.

[صحیح مسلم: ۲/۲۵۰]

سو یہ کام آپ کی امت کے ہاتھوں سے پورے ہوئے تو کیا آپ نے ان احادیث میں انہیں اپنا کام نہیں بتلایا؟ اور کیا امت کی یہ کامیابی نہیں؟ **ارسلت الی الناس** میں لفظ ''الناس'' ہے، کیا ہم الناس میں داخل نہیں؟ یقیناً ہیں تو کیا ہمیں حضور ﷺ نے کلمہ پڑھایا ہے۔ ہم تک آپ کی رسالت صدیوں کے فاصلے سے پہنچی ہے، پھر بھی ہم آپ کی جماعت ہیں آپ کی امت میں ہیں۔ ہم ان ملکوں میں تبلیغ کے کام میں آپ کا مشن ہی ادا کررہے ہیں، اسی طرح امام مہدی کی ہر کامیابی حضور (ﷺ) کی ہی کامیابی شمار ہوگی کیونکہ امام آپ کے خادم کی حیثیت میں خلافت کریں گے۔

حسینی صاحب: امام خمینی کی عبارت کا مطلب صاف ہے کہ حضور ﷺ اس پہلو سے اس دنیا سے ناکام گئے کہ آپ ساری دنیا کو مسلمان نہ بنا سکے اور جو قانون الٰہی آپ لائے اسے پوری دنیا میں نافذ نہ کرسکے، ہاں محدود پیمانے پر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کو جنگ بدر میں فتح ملی، ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ آپ کو مکہ پر فتح حاصل ہوئی، لیکن یہی تو آپ کا مشن نہ تھا، آپ پوری دنیا میں تو اسلام کو غالب نہ کرسکے تھے۔ یہ حضور ﷺ کی کامیابی محدود تھی، عرب کا بھی صرف ایک حصہ مسلمان ہوا تھا، سارا عرب نہیں، تو یہ بات حقیقت ہے کہ آپ اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوسکے، آپ مجھے یہ بتائیں کہ کیا حضور ﷺ دنیا سے کامیاب ہوکر گئے؟

علامہ صاحب: ہاں حضور ﷺ اس دنیا سے اپنے مشن میں کامیاب ہوکر گئے۔

حسینی صاحب: مگر تاریخ اس کا انکار کرتی ہے۔

علامہ صاحب: مجھے اپنی بات پوری کرنے دیں، تاریخ اس کا انکار کرتی ہے تو قرآن اس کی تائید کرتا ہے، اصالۃً آپ کو فتح مکہ کی کامیابی اور خلافۃً آپ کو روم اور ایران مصر اور شام اور ہندوسندھ کی کامیابی ہوئی اور پھر بذریعہ امت آپ کی رسالت برطانیہ اور یورپ اور امریکہ اور چین وجاپان میں پہنچی اور آپ ﷺ یہ خود فرما گئے تھے کہ روئے زمین پر کوئی کچا اور پکا گھر ایسا نہ رہے گا مگر کلمہ اسلام وہاں ضرور پہنچے گا، سو یہ سب آنحضرت ﷺ کی ہی کامیابی ہے۔

حسینی صاحب: مگر حضور ﷺ خود تو فتح مکہ کے بعد آگے کہیں نہ جاسکے کیا آپ کا اپنا مشن یہیں تک تھا؟

علامہ صاحب: ہاں! اسی لیے تو قرآن میں آپ کو اب تسبیح وتحمید پر لگا دیا گیا کہ اب اگلا کام آپ کی طرف سے آپ کے خلفاء کریں گے۔

﴿ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ o وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا o فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا o ﴾ (سورۃ النصر)

اگر اصالۃً آپ کو ان سب دوسرے ملکوں میں بھیجنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ایسا نہ فرماتے۔ معلوم ہوا کہ آگے آپ کے خلفاء آپ کے مشن کو لے کر جائیں گے اور ان کی کامیابی آپ کی ہی کامیابی ہوگی۔

نوٹ: حسینی صاحب بار بار درمیان میں مداخلت کرتے رہے اور علامہ صاحب آپ کو بار بار کہتے ہیں کہ آداب مجلس کا پاس کریں، مگر حسینی صاحب اتنے گھبرائے ہوئے ہیں کہ کچھ سمجھتے نہیں، بالآخر حسینی صاحب یہ کہہ کر کہ میں اس پر سوری Sorry کہتا ہوں پھر چپ ہو گئے اور علامہ صاحب نے **اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ** پڑھی۔

حسینی صاحب: امام خمینی کے کہنے کا مطلب صرف یہی تھا کہ حضور ﷺ خود پوری دنیا میں عدل وانصاف نافذ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

علامہ صاحب: اس بات کو خمینی یوں بھی کہہ سکتا تھا کہ آنحضرت ﷺ اپنے اس دور میں پوری دنیا میں فتوحات نہ پا سکے، لیکن یہ کہنا یقیناً غلط ہے کہ آپ اپنے مشن میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اصالتاً تو یہ آپ کا مشن ہی نہ تھا، آپ کے مشن کی یہ بات خلافۃً پوری ہونی تھی اور پوری ہوئی، اب آپ پر اپنے مشن کی ناکامی کا الزام لگانا آپ کی زبردست بے ادبی اور توہین ہے۔ خمینی نے تو ایسا اس لیے کہا کہ آپ کی جو کامیابیاں خلافۃً ہوئیں، وہ انہیں تسلیم نہیں کرتا اور نہ آپ کے خلفاء کی خلافت کو وہ صحیح مانتا ہے، پھر ہم خمینی کی بات کو کیسے درست کہہ سکتے ہیں؟

حسینی صاحب: امام خمینی نے صرف حضور ﷺ کو ہی ناکام نہیں کہا ایسا ہوتا تو آپ کہہ سکتے تھے کہ ایسا کہنا انکار خلافت کے لیے تھا، امام نے تو تمام پیغمبروں کو اپنے مشن میں ناکام بتلایا ہے، کیا ہر پیغمبر کی خلافت متنازعہ فیہ رہی ہے؟ کیا حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو اپنا ہم نوا بنا سکے؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کامیاب ہوئے؟ کیا کئی پیغمبر قتل نہیں ہوئے؟ آپ اس بات کو کیوں تسلیم نہیں کرتے کہ کوئی پیغمبر پوری دنیا میں عدل وانصاف کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا، یہ کام ہوگا تو صاحب العصر والزمان کے ہاتھوں پورا ہوگا۔

علامہ صاحب: مجھے حسینی صاحب کی اس حالت پر افسوس آ رہا ہے کہ جب ان سے کوئی بات نہیں ہو پاتی وہ یکے بعد دیگرے پیغمبروں کا نام لے رہے ہیں کہ دیکھو نوح کیسے ناکام ہوئے۔ عیسیٰ بن مریم کیسے ناکام ہوئے، فلاں پیغمبر کیسے ناکام ہوئے اور حضور ﷺ بھی ناکام ہوئے۔ حسینی صاحب تمام پیغمبروں پر حملے کرتے جا رہے ہیں کہ کس طرح وہ ناکام ہوئے تھے۔

حسینی صاحب! ہم مسلمان ہیں اور ہمارے عقیدے میں یہ بات داخل ہے کہ ہر پیغمبر کا احترام کیا جائے قرآن کریم میں یہ ضرور فرمایا گیا ہے کہ بعض انبیاء قتل کیے گئے، یہاں بھی رسول کا لفظ نہیں ہے، لیکن یہ وہاں بھی نہیں کہا گیا کہ یہ تمام ناکام ہوئے تھے یا فلاں رسول اور فلاں نبی ناکام ہو کر گیا ہے، مگر خمینی نے جو کہا ہے وہ غور طلب ہے۔ اس نے صرف ایک پیغمبر پر انگلی نہیں اٹھائی، اس نے بیک قلم تمام پیغمبروں کو تختہ مشق بنایا ہے، یعنی جو نبی بھی آئے وہ ناکام ہوئے۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ کے سوا اور کوئی پیغمبر پوری دنیا کے لیے مبعوث نہ ہوا تھا، خمینی نے غلط کہا کہ ان کے ذمہ تھا پوری دنیا میں عدل وانصاف کا نفاذ کریں، یہ ان پیغمبروں پر جھوٹ باندھنا ہے۔

(علامہ خالد محمود صاحب نے خمینی کی عبارت پھر پڑھی تو حسینی صاحب نے کہا کہ میں یہ نہیں سمجھ پا رہا ہوں) صدر مجلس نے علامہ صاحب سے کہا کہ اس کا انگریزی ترجمہ کر دیں، چنانچہ مفتی صاحب نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا پھر کہا کہ) جب خمینی یہ کہتا ہے کہ کوئی نبی بھی انصاف کو نافذ نہ کر سکا تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ واقعی تمام دنیا میں عدل وانصاف نافذ کرنے کے لیے آئے تھے، حالانکہ کئی نبی ایسے ہوئے جنہیں صرف پیغام پہنچانے کے لیے بھیجا گیا۔

نوٹ: حسینی صاحب بات سننے کے لیے تیار نہیں تھے اور بار بار درمیان میں بولتے تھے۔

حسینی صاحب: پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ لوگ جذبات کی رو سے نہیں، انصاف کے پہلو سے سوچیں تو معلوم ہوگا کہ امام خمینی نے اس عبارت میں کیا کہا؟ رکاوٹوں کی وجہ سے آپ ایسا نہ کر سکے، اس کا معنی یہ ہے کہ کچھ رکاوٹیں پیش آ گئیں، آپ کو ۲۳ رسال ملے مگر اس میں کتنی لڑائیاں ہوئیں۔ سو امام خمینی کی عبارت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی زندگی میں دنیا کے تمام لوگوں کو مسلمان نہ بنا سکے، مجھے یقین ہے کہ آپ میری اس بات کی تائید کریں گے، کیونکہ یہ حقیقت ہے۔ تاریخ کہتی ہے میں اور آپ فیصلہ نہ کریں اور جذبات کی رو سے آپ اس کا انکار نہ کریں، تاریخ کہتی ہے کہ عرب کا ایک حصہ کو آپ مسلمان نہ بنا سکے، افریقہ کے ایک حصہ کو آپ مسلمان نہ بنا سکے، ایران حضرت عمرؓ (یہ حسینی کے الفاظ ہیں) کے دور میں فتح ہوا، اس کے علاوہ دنیا کے اور حصوں کے لوگ دوسرے اوقات میں اسلام لائے۔ امام خمینی نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا، میں نہیں سمجھتا کہ اس نے کوئی غلط بات کہی ہے، حضور ﷺ کا کامیاب ہونا محدود تھا، لیکن مکمل طور پر آپ کا کامیاب بتلانا تاریخ کو جھٹلانا ہے۔

علامہ صاحب: حسینی صاحب نے یہاں دو باتیں کہی ہیں: (۱) ایران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں فتح ہوا۔ (۲) دوسرا یہ کہ حضور ﷺ اپنی زندگی میں ناکام رہے۔

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ اپنی زندگی میں ایران نہیں گئے اور دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایران فتح کیا ہے تو دونوں کی بات میں کوئی ٹکراؤ نہیں، دونوں کی باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں، لیکن اگر کوئی اس کا معنی یہ بتلائے کہ

چونکہ حضور ﷺ ایران نہیں گئے اس لیے آپ نا کام رہے تو یہ سراسر آپ کی توہین ہے۔ ہم خمینی کے اس عقیدہ پر بحث کر رہے ہیں کہ اس نے حضور ﷺ کی توہین کی ہے کہ حضور ﷺ (معاذ اللہ) نا کام ہوئے۔ خمینی یہ کہہ سکتا تھا کہ حضور ﷺ کا پیغام ساری دنیا کو نہیں پہنچا اس لیے وہاں انصاف نہ ہوسکا، لیکن یہ کہنا کہ حضور ﷺ اپنی زندگی میں اور اپنے مشن میں نا کام ہوئے یہ بہت گستاخانہ اور بے ہودہ بیان ہے، کوئی مسلمان اس بات کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہوگا۔

افسوس کہ حسینی صاحب بار بار حضور ﷺ کی نا کامی کو ثابت کرنے پر مصر ہیں۔ بات کہنے کے طریقے ہوتے ہیں، اگر خمینی کا مفہوم یہی تھا تو وہ نا کام کا لفظ استعمال کیے بغیر بھی کہہ سکتا تھا، لیکن اس نے جن کھلے لفظوں میں ختم المرسلین ﷺ کو اپنے مشن میں نا کام بتلایا ہے وہ انتہائی توہین آمیز ہے۔ حضور ﷺ کا کوئی ماننے والا یہ بات ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ حضور ﷺ اس دنیا سے نا کام ہو گئے ہیں۔ کوئی مسلمان اس گستاخانہ عقیدہ کو برداشت نہیں کرسکتا ہے۔

اسی لیے جب شیعہ کہتے ہیں کہ ہم مسلم ہیں اور عام لوگ کہتے ہیں کہ یہ مسلمان نہیں تو اس کا باعث اس طرح کا بنیادی اختلاف ہے، جس نے مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کیا ہے کہ ہم میں اور شیعوں میں بنیادی اختلاف کیا ہے؟ اور خمینی نے کھلے لفظوں میں حضور ﷺ کی توہین والا بیان دیا ہے تو مسلمان اگر یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا ان سے بنیادی اختلاف ہے اور عقائد کے اختلاف کی وجہ سے یہ فاصلے اصولی درجے کے ہیں، تو ان کا یہ سمجھنا اپنی جگہ بالکل حق بجانب ہوگا۔ ہم کبھی اس بات پر اتفاق نہیں کرسکتے کہ آنحضرت ﷺ نا کام ہوئے ہیں اور امام مہدی کامیاب ہوں گے۔ امام مہدی کے وقت کی تمام کامیابیاں آنحضرت ﷺ کی کامیابیاں ہی سمجھی جانی چاہئیں۔

حسینی صاحب: پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ امام خمینی نے بات صحیح لکھی ہے اور اس میں حضور ﷺ کی توہین کا کوئی پہلو نہیں۔ برائے مہربانی میری بات پر توجہ دیں۔ یہ کہنا کہ امام خمینی نے توہین کی ہے نا قابل یقین ہے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو بھی حضور ﷺ کی توہین کرے گا وہ کافر و مرتد ہوگا اور واجب القتل ہوگا۔ مگر امام خمینی کا یہ بیان توہین آمیز نہیں ہے۔ یہاں جو کہا گیا کہ حضور ﷺ ساری دنیا میں انصاف نافذ کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ آپ ہی بتائیں کہ کیا حضور ﷺ اس میں کامیاب ہوئے؟ آپ ہی بتائیں کہ کیا حضور اس میں کامیاب ہوئے؟ آپ میری بات کا جواب ہاں یا نہ میں دیں کیا حضور ﷺ نے ساری دنیا کو مسلمان بنایا تھا۔ آپ جذبات سے نہیں تاریخ سے بتلائیں کہ حضور ﷺ نے ایران کو مسلمان کیا تھا کیا آپ نے روم کو مسلمان بنایا تھا؟ کیا آپ نے افریقہ کو مسلمان بنایا تھا؟ خمینی نے یہ کہا تو یہ حضور ﷺ کی توہین نہیں ہے میں آپ سے کہتا ہوں کہ میں اس بیان میں تقیہ نہیں کر رہا ہوں۔

علامہ صاحب: میں پہلے یہ عرض کر چکا ہوں کہ قرآن کریم کی رو سے یہ بات کہ آپ ساری دنیا کو مسلمان بنائیں یا آپ ایک ایک جگہ جا کر انصاف نافذ کریں آپ کے مشن میں نہ تھی، گو آپ کی خواہش تھی کہ سب مسلمان ہو جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے

آپ کو تسلی دی کہ یہ بات آپ کے ذمہ نہیں نہ ہی آپ کا یہ مشن ہے۔

﴿لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ﴾ (الشعراء : ۳)

''شاید تو گھونٹ مارے اپنی جان اس بات پر کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔''

اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذمہ لگایا ہوتا کہ آپ سب کو مسلمان بنائیں تو پھر کیا اللہ تعالیٰ آپ سے یہ بات کہتے؟ اس سے معلوم ہوا کہ سب لوگوں کو مسلمان کرنا آپ کے اس وقت کے مشن میں سے نہ تھا۔

صدر مجلس کا بیان

(صدر مجلس کے بیان کے دوران حسینی صاحب بار بار بول پڑتے تھے چنانچہ اب بھی اب انہوں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا)

حسینی صاحب: میں نے یہ نہیں کہا تھا، میں تو ہر جملہ میں لفظ اگر **IF** استعمال کرتا رہا ہوں کہ اگر اس کا معنی یہ ہے **IF** **This is the Meaning**۔ صدر صاحب آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ سلمان رشدی کے بارے میں فتویٰ جس نے دیا وہ امام خمینی تھے، اگر آپ خود توہین کرنے والے ہوتے تو اس کے خلاف فتویٰ کیوں دیتے؟

صدر مجلس: حسینی صاحب آپ کا وقت نہ تھا بولنے کے لیے، آپ نے کہا ہے تو میں دوسرے مقرر کو بھی ایک منٹ کا وقت دیتا ہوں۔

علامہ صاحب: شکریہ! میں ایک منٹ لیتا ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو حسینی صاحب کو دو منٹ اور دے دیں، کیونکہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ ایک ہی بات بار بار رَٹ رہے ہیں اور موضوع سے غیر متعلق بات کر رہے ہیں، اس وقت حضور ﷺ کے مشن میں یہ بات نہ تھی کہ آپ سب کائنات کے لوگوں کو مسلمان بنائیں، خمینی نے حضور ﷺ کے ذمہ یہ مشن اس لیے لگایا کہ تو آپ کے خلفاء کی خلافت اور ان کی فتوحات کا انکار کر سکے۔ آئندہ آپ کو ناکام کہہ سکے اور امام مہدی کو کامیاب بتلا سکے۔

صدر مجلس: اب میں دونوں مقرروں سے گزارش کرتا ہوں کہ آخر میں اختتامی بات کہہ دیں تاکہ مجلس برخاست کریں۔ حسینی صاحب آپ پہلے فرمائیں اس کے بعد علامہ صاحب اپنی بات کہیں گے۔

حسینی صاحب: خلاصہ کلام یہ کہ جو کچھ میں نے کہا جس کے سب یہاں گواہ ہیں اور ٹیپ میں بھی ہے وہ یہ کہ میں نے قرآن سے تین آیتیں پیش کیں ہیں، مجھے جواب دیا گیا کہ ان آیات کا تعلق غیر انبیاء سے ہے اور آیت **اَلَّذِیۡنَ یُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ** وغیرہ یہ خاص انبیاء سے متعلق ہیں، لیکن اس پر انہوں نے کوئی ثبوت نہیں دیا میں ان سے اس کا ثبوت چاہتا ہوں۔

رہی بات امام خمینی کی۔ میں نے کہا تھا کہ اگر کامیابی کا معنی یہ ہے کہ حضور ﷺ ساری دنیا کو مسلمان کریں تو یہ بات تاریخ

سے ثابت ہے کہ آپ اس میں ناکام رہے۔

علامہ صاحب: پہلی بات یہ ہے کہ میں نے اپنی بات کا آغاز اس کتاب (عقائد الشیعہ) سے کیا تھا کہ حسینی صاحب کو اس میں دیئے گئے حوالوں پر کوئی کلام ہو تو وہ بتلائیں مگر جواب میں خاموشی رہی یہ سب نے دیکھا ہے، آپ کی خاموشی نے ثابت کر دیا کہ میرے تمام حوالے صحیح ہیں اور آپ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔

پھر تقیہ کا موضوع زیر بحث آیا، حسینی صاحب تقیہ کو بطور ایک حکم کے قرآن سے نہیں دکھا سکے، جو آیتیں انہوں نے پیش کیں وہ صرف رخصت کے درجہ میں اجازت دیتی ہیں، اہل عزیمت لوگ خدا کے سوا کسی سے خوف نہیں کھاتے اور تقیہ نہیں کرتے اور آپ سب نے تقیہ کے بارے میں سن لیا ہے کہ یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جس کے تلے شیعہ کے جملہ عقائد کام کرتے ہیں قرآن، پیغمبر اور دیگر عقائد کے بارے میں خمینی سے پہلے جنہوں نے یہ عقیدہ لکھا تو اس میں احتمال تھا کہ انہوں نے شاید تقیہ کیا ہو اور اس کا اقرار کیا ہو کہ ہم تقیہ کے طور پر ایسا کہتے ہیں۔ جب خمینی کی باری آئی تو ان کے پاس اقتدار تھا، اس نے کھل کر وہی بات کہہ دی۔ بات ایک ہی تھی وہ پہلے نہ کہہ سکے تقیہ کر لیا اور اس نے کہہ دیا کیونکہ اقتدار پاس تھا اس سے آپ کو تقیہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

نوٹ: اس دوران حسینی صاحب پھر بول پڑے کہ اب مجھے وقت دیجیے۔ صدر مجلس نے کہا کہ معاف کیجیے اب وقت ختم ہے اور میں اسی وقت مجلس کے اختتام کا اعلان کرتا ہوں، مگر پھر حسینی صاحب بول اٹھے کہ مجھے پچاس سکینڈ دیئے جائیں صدر مجلس نے جواباً کہا کہ آپ پھر کوئی نیا سوال اور مسئلہ شروع کر دیں گے۔ پھر جواب الجواب ہوگا اس لیے اب ناممکن ہے۔

اس لیے یہ مجلس ختم ہوتی ہے میں سب مہمانوں کا شکر گزار ہوں اور امید کرتا ہوں کہ سامعین نے اس بحث سے کچھ نہ کچھ نتیجہ ضرور اخذ کیا ہوگا۔ **جزاکم اللہ أحسن الجزاء.**

(مناظرہ ساؤتھ افریقہ، بر موضوع ''تقیہ کی شرعی حیثیت'' ۱۹۹۶ء، مطبوعہ اسلامک اکیڈمی مانچسٹر)

مقالہ نگار (عبدالجبار سلفی) کے مقالہ کے بقیہ حصے کا اجمالی خاکہ

زیر نظر مقالہ یہاں تک لکھا جا چکا تھا کہ مجلّہ ''صفدر'' کی طباعت کا وقت آن پہنچا۔ چنانچہ اب اس مقالے کا بقیہ حصہ ان شاء اللہ مضمون نگار کی کتاب میں شامل ہوگا۔ البتہ ہم قارئین کے ذوق علمی کی خاطر بقیہ مواد کا اجمالی خاکہ یہاں پیش کر دیتے ہیں:

۱۔ ۱۹۵۶ء میں نارووال میں شیعہ مبلغ مولوی محمد بشیر صاحب انصاری ٹیکسلوی کے ساتھ علامہ صاحب کے تاریخی مباحثہ کی روداد، جس میں انصاری صاحب حواس باختگی کے عالم میں اپنا رومال چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے۔ وہ رومال علامہ صاحب نے پوری زندگی اپنی تحویل میں رکھا۔ اور اب بھی محفوظ ہے۔ رومال اور مباحثہ کی دلچسپ داستان!!

۲۔ ۱۹۵۷ء میں مناظرہ سنکھترہ (نارووال) کی کارگزاری، جس میں شیعہ مولوی محمد اسماعیل صاحب گوجروی نے فرار ہونے

میں ہی اپنی عافیت سمجھی تھی۔

۳- کتاب ''تجلیاتِ آفتاب'' کی تصنیف کا تاریخی پس منظر

۴- مناظرہ بُرج مہالم (پتوکی) کی تاریخی سرگزشت

۵- مناظرہ ڈیرہ اسمٰعیل خان کی کارگزاری

۶- مناظرہ چٹیانہ (ٹوبہ ٹیک سنگھ) کی داستان

۷- خمینی کا اقتدار، پاکستان میں شیعی اثرات اور علامہ صاحب کا مجاہدانہ کردار

۸- صدر ضیاء الحق کے دور حکومت میں نفاذِ اسلام کے حوالہ سے علامہ صاحب کی قصر صدارت میں تقریر اور ایک اہم مشورہ

۹- پاکستان شریعت کورٹ میں علامہ صاحب کا بطور جسٹس تقرر اور اس کی تفصیلات

۱۰- علامہ صاحب کی کتابوں میں طرز تصنیف اور منفرد شانِ علم

۱۱- زندگی کے آخری سانسوں میں کاز اور موقف کی فکر اور اہم وصیت

۱۲- علامہ صاحب کی تحریروں اور تقریروں میں سے وہبی نوعیت کے علمی استدلالات اور حیرت انگیز جوابات کا انتخاب!

علاوہ ازیں دسیوں عنوانات پر دلکش تبصروں تجزیوں اور نادر حوالوں کی مدد سے سطر بہ سطر علمی و تحقیقی انکشافات سے بھرپور سلسلے کتاب میں شامل ہوں گے۔ (عبدالجبار سلفی)

☆......☆......☆......☆

محترم جناب ہمایوں صادق صاحب، نگران شعبہ نشر و اشاعت محمود ٹرسٹ، لاہور

حضرت علامہ صاحبؒ کی یاد میں

جان کر من جملہ خاصانِ میخانہ تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

پہلی زیارت:

۹۳-۱۹۹۲ء میں بندہ کا تعلق اتحاد کالونی لاہور کے ایک بزرگ حضرت حافظ محمد سعید نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ [المتوفی: جولائی ۲۰۲۰ء] سے قائم ہوا، اُن کی مجالس اور بیانات میں بکثرت حاضری ہوتی رہی۔ ۹۸-۱۹۹۷ء میں حضرت حافظ محمد ناصر الدین خاکوانی دامت برکاتہم سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ ان اکابر کی صحبت کی برکت سے میرے دل میں درس نظامی کی تعلیم حاصل کرنے کا داعیہ پیدا ہوا، چنانچہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں داخلہ لے کر پڑھائی شروع کر دی۔ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی زیارت جامعہ اشرفیہ میں ہی ہوئی، لیکن اس وقت مجھے تعارف نہیں تھا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ ایک دن میرے صرف ونحو کے استاذ مولانا برکت اللہ صاحب نے ایک جملہ فرمایا کہ: ''حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب جیسی ہستیاں اللہ تعالیٰ غیر مسلموں کو عطا نہیں فرماتے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہوتے ہیں۔'' ہماری زندگی چونکہ سکول، کالج اور یونیورسٹی کے ماحول میں گزری تھی، اِس لیے ہمارے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ایسے لوگ آج بھی موجود ہیں جو اللہ کی برھان اور نشانی ہیں۔

چونکہ ہم سکول کالج کے ماحول میں پلے بڑھے تھے، اور زندگی کا ایک حصہ سیکولر، ملحد اور بے دین قسم کے لوگوں کے ساتھ گزرا تھا، نیز اگر کہیں مذہبی لوگوں سے واسطہ پڑا بھی تو شیعہ، مودودی یا بریلوی ذہنیت کے لوگ تھے۔ جب اکابر اہل سنت دیوبند سے تعلق قائم ہوا تو جی چاہتا تھا کہ ہم اپنے سکول کالج کے میدان میں نظریاتی محنت کریں۔ لیکن اس کے لیے کوئی راہ نمائی اور لائحہ عمل سامنے نہیں تھا۔

وہ شخصیت مل گئی، جس کی تلاش تھی:

۹۲-۱۹۹۱ء سے میں نے پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ اور ۲۰۰۰ء میں ''جیلانی اکیڈمی'' کے نام سے اپنا ادارہ بھی بنا چکا تھا۔ اکیڈمی کے طلبہ کے ساتھ حضرت حافظ سعید نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات اور مجالس میں شرکت ہوتی تھی، ایک روز حضرت حافظ سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فون کیا اور فرمایا کہ: آج علامہ خالد محمود صاحب انگلینڈ والے تشریف لا رہے ہیں، تم اپنی اکیڈمی کے طلبہ سمیت آ جاؤ، ہم حاضر خدمت ہوئے، جب حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب سنا تو مجھے یوں محسوس ہوا

کہ یہ وہ ہستی ہیں جن کی ہمیں تلاش تھی۔ سکول و کالج کے طلبہ کا مزاج ذرا مختلف ہوتا ہے، جسے حضرت علامہ صاحبؒ خوب سمجھتے تھے، حضرت کی گفتگو کا ایک ایک جملہ دل و دماغ میں اپنی جگہ بنا کر پیوست ہوتا جا رہا تھا۔ ہم لوگ بچپن سے علامہ اقبال مرحوم کو پڑھتے سنتے چلے آئے تھے، اور یہ بھی معلوم تھا کہ علامہ اقبال مرحوم نے ''مرے کالج سیالکوٹ'' میں پڑھا، اور بعد میں پڑھایا بھی۔ جب علامہ صاحبؒ نے بیان کے آغاز میں ہی یہ بتایا کہ: وہ بھی مرے کالج میں پڑھاتے رہے ہیں۔ تو ہماری دلچسپی بڑھ گئی۔ اس طرح حضرت سے تعلق قائم ہوا جو دن بدن بڑھتا رہا۔

بندہ کی لاپرواہی اور حضرت کی ناراضگی:

۲۰۰۰ء کے لگ بھگ ہی بندہ نے حضرت کے بیانات سننا شروع کر دیئے تھے، اور حضرت کی خدمت میں آنا جانا بھی رہتا تھا۔ سال میں ایک دو مرتبہ حضرت ہماری اکیڈمی میں تشریف لاتے اور بیان فرمایا کرتے تھے۔ پھر غالباً ۲۰۰۲ء میں اچانک پتہ چلا کہ حضرت جسٹس بن گئے ہیں۔ تو میں نے سوچا کہ اَب حضرت کے ہاں سرکاری سیکیورٹی ہوگی، لہٰذا ملاقات نہ ہو سکے گی، چنانچہ ۵، ۶/ ماہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ پھر ایک مرتبہ مجھے معلوم ہوا کہ حضرتؒ نے حضرت حافظ سعید نقشبندی رحمہ اللہ کی مسجد میں جمعہ پڑھانا ہے، چنانچہ میں بھی پہنچ گیا، حضرت سے ملاقات ہوئی، کھانے کے موقع پر خصوصی ملاقات ہوئی، میں نے اکیڈمی میں بیان کے لیے گزارش کی تو حضرتؒ نے سختی سے انکار فرما دیا اور بہت ناراضگی کا اظہار کیا، فرمایا: ''کوئی وقت نہیں ہے تمہارے لیے۔'' کسی اللہ والے بزرگ کی طرف سے میرے ساتھ ایسا معاملہ پہلی مرتبہ پیش آیا تھا، تو مجھے بہت ہی پریشانی ہوئی۔ میں نے معافی مانگی اور عرض کیا کہ: مجھے تو یہ خیال تھا کہ آپ جسٹس بن گئے ہیں، لہٰذا آپ کے محافظ (گارڈ) ہوں گے، مجھے اندر نہیں جانے دیں گے۔ تو حضرت نے فرمایا: تم نے خود ہی سوچ لیا، اور عمل شروع کر دیا، نہ تم آئے، نہ خود دیکھا، بلکہ ایک سوچ کی وجہ سے تم نے آنا ہی چھوڑ دیا؟ میری پریشانی بڑھ گئی، چنانچہ شام کو حضرت کے ہاں حاضری دی، حضرت نے معافی قبول کی، مجھے اکیڈمی کے لیے وقت بھی عنایت فرمایا اور میں پھر سے پہلے کی طرح حاضر خدمت ہونے لگا۔

شرفِ تلمذ حاصل ہوگیا:

میری والدہ ٹیچر تھیں، ۲۰۰۳ء میں ان کی پوسٹنگ دیو سماج روڈ پر واقع ہائیر سیکنڈری سکول میں ہوگئی، پہلے دن جب میں انھیں لینے گیا تو ایک گھنٹہ پہلے پہنچ گیا، وہاں اچانک حضرت کی زیارت ہوئی، آپ ایک لڑکے کو 'الم'' شروع کرا رہے تھے۔ اُن دنوں میں جامعہ محمدیہ میں درس نظامی کی کتب پڑھ رہا تھا، کہ اچانک استاذ جی مولانا مفتی محمد حسن صاحب دامت برکاتہم جامعہ مدنیہ جدید تشریف لے گئے، میں وہاں نہ جا سکا، تو تعلیم کا سلسلہ موقوف ہوگیا، مجھے فکر لاحق ہوئی، کیونکہ درس نظامی کا مکمل کورس پڑھنے کا عزم کر رکھا تھا، ادھر میں اپنی اکیڈمی بھی بنا چکا تھا، صبح کے وقت مجھے سکول بھی جانا ہوتا تھا، اِدھر ۴، ۵/ سال مدرسہ میں بھی پڑھ چکا تھا، اِس لیے فکرمند تھا کہ اب اپنی پڑھائی جاری رکھنے کے لیے کس کے پاس جاؤں؟ جب میں نے دیکھا کہ حضرت کسی کو الـــم پڑھا رہے ہیں، پڑھنے والے ہمارے دوست محمد مکی صاحب تھے، جو اَب شاید اُردو بازار میں ہوتے ہیں۔ اور حضرت ان اکیلے کو پڑھا رہے تھے، (کیونکہ وہ حضرت کے کسی خاص دوست کے بھتیجے تھے۔) اور ابھی بسم اللہ کر رہے تھے تو میں نے حضرت سے

درخواست کی کہ مجھے بھی اس جماعت میں شامل کر لیں۔

مجھے اس وقت ناظرہ قرآن پاک بھی اچھے طریقے سے نہیں آتا تھا، حضرت نے میرا ناظرہ ٹھیک کرایا، سورۃ البقرہ کا مکمل ترجمہ بھی پڑھایا۔ پھر حضرت نے ایک پوری جماعت کو سورۂ بقرہ کا ترجمہ پڑھایا۔ پھر یہ سلسلہ آگے بڑھتا چلا گیا، حضرت کی کتاب لغات القرآن اور بست بابی فہرست اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ اسی طرح ترجمہ قرآن کی کلاسیں۔ اب ضرورت اِس بات کی ہے کہ علمائے کرام حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اس فکر کو سمجھیں، سکول کالج والوں کو قرآن سے جوڑنے کے لیے ہر ہر مسجد میں اس طرح کی کلاسیں شروع کریں، تاکہ انھیں عربی سے کم از کم اتنی شدبد ہو جائے کہ علماء کی بات سمجھنے کے قابل ہو جائیں اور پھر علماء کی صحبت سے اُن کی نظر و فکر کا زاویہ بھی علماء جیسا ہو جائے۔ حضرت کی اس کاوش کی بدولت ہمارے اردگرد کے ڈاکٹر اور پروفیسر حضرات جو اِس سلسلے میں جڑے، وہ بہت زیادہ عربی دان نہ سہی، لیکن ان کا ذوق علماء والا ہو گیا۔ الحمد للہ

اِس عاجز کو بھی کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں اللہ والوں کی زیارت وصحبت کا موقع ملتا رہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے وقت کی بہت بڑی شخصیت کے ساتھ بلکہ میں تو یوں کہوں گا کہ وقت کے مجدد کے ساتھ وابستہ فرما دیا۔ حضرت کی ذاتی خدمت کی توفیق نصیب ہوئی۔ قریبی اسفار کے لیے حضرت اِس عاجز کو ہمراہ رکھتے تھے۔ اور یہ اسفار موٹر سائیکل پر ہی ہوتے تھے۔ نماز پڑھنے جاتے، کتابوں کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ وغیرہ کے حوالے سے حضرت نے کہیں جانا ہوتا تو بندہ ناچیز کو ہمراہ لے جاتے تھے۔ یہ سارا موقع تب ملا جب بندہ اپنی والدہ کو لینے وہاں جاتا تھا۔ روزانہ ہی جانا ہوتا تھا۔ اور اُس وقت حضرت جسٹس تھے، اِس لیے زیادہ تر وقت پاکستان میں گزارتے تھے۔ اور سادگی کا یہ عالم تھا کہ جسٹس ہونے کے باوجود اپنے گھر کے صحن میں پرانی چٹائی پر تشریف فرما ہو کر اپنے علمی کاموں میں مصروف نظر آتے تھے۔ اور خدمت کے لیے بھی ایک ہی ساتھی بھائی عزیز الرحمٰن ہوتے تھے، ان کے علاوہ کوئی محافظ نہیں تھا۔ میل ملاقات میں پہلے کی طرح سہولت تھی، ہر ایک بہ آسانی ملاقات کر سکتا تھا۔

فنِ مناظرہ میں حضرت کی مہارت تامہ کا ایک واقعہ:

حضرت فرمایا کرتے تھے: ''گل در کلا، زَر دَر پلا''۔ یعنی بات وہ ہے جو زبان پر ہو، اور پیسہ وہ ہے جو جیب میں ہو۔ میں فنِ مناظرہ سے واقف نہیں ہوں، لیکن مناظرے میں حضرت کی جو بڑی مہارت میں نے محسوس کی، اس کے بارے میں حضرت خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ: کسی کے حملہ کرنے سے پہلے تم خود حملہ کرو۔ یعنی تم سوال کرنے والے بنو، جواب دینے والے نہ بنو۔ ایسا نہ ہو مخالف سوال کرے اور ہم بس اس کے سوالوں کے جواب دیتے رہیں، بلکہ ہم سوال کریں اور اسے جواب دینے پر مجبور کریں۔

اِس پر ایک واقعہ یاد آیا، ہماری اکیڈمی میں بلال نامی بچہ تھا، ان کے مکان کے اوپر والی منزل میں قادیانی کرایہ دار آ گئے، انھوں نے اس بچے کو گھیرنا شروع کیا، یہ تقریباً ۲۰۰۳ء ۲۰۰۴ء کا واقعہ ہے۔ وہ بچہ ہمارے ہاں پڑھتا تھا تو اس نے مجھے بتا دیا بلکہ اچانک قادیانی مربیوں سمیت وہ میرے پاس آ گیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کی بحث اس نے شروع کی، میں ان کے سوالوں سے حیران ہوا، پھر میں نے کہا کہ: میں تو عالم نہیں ہوں، میرے استاذ ہیں، ان سے میں آپ کی بات کرا دیتا ہوں۔ اُن کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ میں کس کی بات کر رہا ہوں، انھوں نے حامی بھر لی، میں نے سارا قصہ حضرت

کے گوش گزار کیا۔ ہماری اکیڈمی میں حضرت کے بیانات کی تربیتی اور اصلاحی نشستیں ہوا کرتی تھیں، جن میں اکیڈمی کے تمام اساتذہ وطلبہ شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت کے مشورے سے ہم نے ایک دو دن بعد اکیڈمی میں تربیتی نشست رکھی، انھیں بھی اطلاع کردی، مقررہ دن حضرت کا بیان ہوا، بیان کے بعد انھیں ایک کمرے میں بٹھایا، حضرت حافظ محمد سعید نقشبندی رحمہ اللہ بھی موجود تھے۔

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے پہلی بات ہی یہ فرمائی کہ: دیکھو! سوال صرف ایک ہوگا، حتمی (فائنل) ہوگا اور سوال کا جواب ہاں یا نہیں میں ہوگا۔ اگر، مگر، چونکہ، چنانچہ اور لیکن ویکن میں نہیں۔ اِس کے بعد حضرت نے فوراً کہا: میں کہتا ہوں مرزا شراب پیتا تھا، اس پر وہ بوکھلا گئے، اور اگر مگر کرنے لگے، حضرت نے فرمایا: دیکھو! پہلے سے بات طے ہے کہ جواب ہاں یا نہ میں ہوگا۔ انھوں نے دائیں بائیں جانے کی بہت کوشش کی، لیکن حضرت نے انھیں ہلنے نہیں دیا، اور وہ جان چھڑا کے بھاگ گئے۔ حضرت نے فرمایا: یہ سوال ذہن میں رکھیں، جب وہ اس کا جواب دیں گے، پھر آگے چلیں گے۔ الحمدللہ اس لڑکے کا ایمان محفوظ رہا۔ آج تک محفوظ ہے، دینی فکر کا لڑکا ہے اور ماشاءاللہ کافی کام کر رہا ہے۔ بہرحال مناظرے میں حضرت کا یہ گُر بہت کامیاب تھا۔ حضرت کے سنائے ہوئے بہت سے مناظرے یاد آرہے ہیں، لیکن امید ہے دوسرے احباب ان کا تذکرہ کریں گے۔

ہماری اکیڈمی میں پڑھانے والے ایک استاد سے یونیورسٹی میں پڑھنے والی ایک قادیانی لڑکی کی قادیانیت کے حوالے سے بات چیت ہوتی تھی، وہ لڑکی ان استاذ کی ہم جماعت (کلاس فیلو) تھی، وہ ہمارے ساتھی کو کہتی تھی کہ مجھے کسی ایسے مولوی کے پاس لے جاؤ جو میرے سوالات کے جوابات دے لیکن ایک شرط ہے کہ مرزا کو گالیاں نہ دیتا ہو۔ قصہ مختصر ہم نے اُس کی ملاقات علامہ صاحب سے کروائی، حضرت نے اُس سے صرف ایک سوال پوچھا کہ مرزا قادیانی کی ضرورت کیا تھی؟ وہ جو بھی جواب دیتی حضرت دلائل سے اسے رد فرمادیتے، بالآخر وہ یہ کہنے پر مجبور ہوئی کہ ہمارے مربی ہمیں دھوکہ دیتے ہیں۔ اور بعد میں وہ لڑکی خود بھی مسلمان ہوئی اور اس نے اپنے پورے گھرانے کو بھی مسلمان کیا۔

میں عالم نہیں ہوں کہ حضرت کی تحریرات پر کوئی تبصرہ کرسکوں، لیکن میں نے یہ بات بہت واضح محسوس کی کہ حضرت کی تحریر ایسی جامع اور ہر پہلو پر محیط ہوتی تھی کہ کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی تھی، فرق باطلہ کے رد میں حضرت کی تحریرات ایسی لاجواب ہیں کہ علمی بنیاد پر ان کا جواب دینا کسی کے بس میں نہیں۔

اسفار میں معیت، اور حضرت کی شفقت:

اِس عاجز کو الحمدللہ حضرت کے ساتھ کئی اسفار کا موقع ملا، سال میں ایک مرتبہ حضرت ؒمسکین پور تشریف لے جاتے تھے، تین چار مرتبہ مسکین پور کے سفر میں بندہ حضرت کے ہمراہ تھا۔ چار پانچ مرتبہ ''سنی کانفرنس'' بھیں ضلع چکوال بھی جانا ہوا۔ حضرت حافظ محمد ناصر الدین خاکوانی مدظلہ کی خانقاہ دارالسلام میں تقریباً پندرہ سال حضرت کے ہمراہ جاتا رہا۔ اسی طرح حضرت سید محمد علاء الدین شاہ صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ ''دارالامان'' میں بھی جاتے رہے۔ منچن آباد کی طرف بھی حضرت کے ہمراہ سفر ہوا۔ سفر کے دوران حضرت ساتھیوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ کبھی اپنے آپ کو الگ یا امتیازی مقام پر نہ رکھتے۔ بور نہیں ہونے

دیتے تھے، اکتاہٹ سے بچانے کی خاطر راستے میں علمی لطائف بھی سناتے، مختلف موضوعات پر گفتگو فرمایا کرتے تھے، جس سے بہت فائدہ ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے موقع دیا تو ان شاء اللہ تفصیلات قلمبند کروں گا۔

اور حضرت کی جو سوچ تھی کہ: ''کردار مشکلوں میں بنتے ہیں۔'' اس کے پیش نظر حضرت جانتے بوجھتے انسان کو تھوڑی مشقت میں مبتلا کر کے اصلاح فرمایا کرتے تھے، تاکہ مشکل حالات میں جینے کا ڈھنگ بھی آجائے ع ''جس دور میں جینا مشکل ہو، اُس دور میں جینا لازم ہے۔'' اور جو لوگ حضرت کا جلال برداشت نہیں کرتے تھے، وہ حضرت کے قرب وصحبت سے محروم ہو جاتے تھے، اور جو قریب ہوتے تھے، اُن پر حضرت شفیق والد کی مثل شفقت فرماتے تھے۔ ہمارے بھائی پروفیسر عمران یونس صاحب نے ایک نہایت عمدہ بات کہی کہ: لوگ بزرگوں کے ساتھ تعلقات بنانے کی فکر کرتے ہیں، اور ہمارے حضرت ایسے تھے، جنھوں نے خود ہمارے ساتھ تعلقات نبھائے، ہماری انگلی پکڑے رکھی، چھوڑی نہیں، ہمیں دُور ہونے ہی نہیں دیا۔ آہ! اُن کی شفقتوں، محبتوں اور خیر خواہیوں کو بھلا کیسے بھلایا جا سکتا ہے؟

معمولات میں استقامت نوجوانوں کو حیرت زدہ کر دیتی:

حضرت کے اپنے گھر میں جو چوبیس گھنٹے کے معمولات ہوتے تھے، اس کے بارے میں مولانا عبدالغفور صاحب، بھائی صہیب احمد صاحب، مفتی عزیر الحسن صاحب اور مولانا حماد صاحب زیادہ بہتر بتائیں گے۔ کیونکہ یہ لوگ حضرت کے پاس ہی رہتے تھے۔ کچھ عرصہ دن کو پانچ چھ گھنٹے میں حضرت کے ہاں گزارتا تھا، ملاقات کے لیے جو حضرات آتے تھے، اگر خدام میں سے کسی نے کہیں جانا ہوتا اور آنے والے مہمانوں کے پاس سواری اور گنجائش ہوتی اور انھوں نے بھی اُسی سمت جانا ہوتا تو حضرت مہمانوں سے فرماتے کہ: انھیں فلاں جگہ تک پہنچا دیں۔ اِسی طرح اگر کسی مہمان نے کہیں جانا ہوتا اور خادم یا دوسرے مہمان کے پاس اُنھیں ساتھ لے جانے کی گنجائش ہوتی تو اُنھیں ساتھ لے جانے کا کہتے۔ الغرض سب کی راحت کا بہت خیال رکھتے تھے۔

اِس بڑھاپے میں بھی حضرت ماشاءاللہ اتنے باہمت تھے کہ: بعض اوقات سفر سے واپس پہنچتے تاخیر ہو جاتی، لیکن حضرت فجر کے بعد اپنے معمول کے مطابق کام میں لگ جاتے تھے۔ عموماً فجر کے بعد تلاوت وغیرہ سے فارغ ہو کر تصنیف وتالیف کا کام شروع کر دیتے جو ظہر تک جاری رہتا تھا۔ اور اس قدر انہماک ہوتا تھا کہ ہم حیران رہ جاتے۔ حضرت کا گویا اوڑھنا بچھونا کتابیں ہی تھیں۔ آنے والے مہمانوں سے بھی مفید علمی گفتگو فرماتے اور کسی کو خالی ہاتھ نہ بھیجتے بلکہ زادِ راہ کے طور پر نصائح ضرور فرماتے تھے۔

کردار مشکلات میں بنتے ہیں:

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''کردار ہمیشہ مشکلوں میں بنتے ہیں، آسانیوں میں نہیں۔'' اور اِس پر تفصیلی گفتگو فرماتے تھے، فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کو دیکھیں کہ آپؐ اس دنیا میں بھی نہیں آئے تھے کہ آپؐ کے والد ماجد دنیا سے چلے گئے تھے۔ ۶ رسال کی عمر میں والدہ محترمہ بھی چلی گئیں، پھر دادا بھی چلے گئے، یعنی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے سہارا رکھ کر پالا۔ اور آپ کو مشقتوں میں پروان چڑھایا۔ اس سے ایک آفاقی اصول سامنے آیا کہ کردار ہمیشہ مشکلوں میں بنا کرتے ہیں آسانیوں میں نہیں۔ کائنات کے والی اور خالق و مالک کے محبوب کے ساتھ یہ معاملات پیش آئے۔ بچپن سے ہی

مسلسل مشکلات ومصائب کا سامنا رہا۔ حضرتؒ اپنے خدام وقریبی متعلقین کی بھی اسی انداز میں تربیت فرماتے تھے

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست
زندگی تیرے لیے اور بھی دشوار کرے
دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

اسی اصول کے پیش نظر حضرتؒ نے اپنے تمام خدام کی بہت ہی عمدہ اور نفیس تربیت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو جزاء خیر عطاء فرمائے۔ آمین

اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک اعتدال سے محبت:

اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک اعتدال کی جو محبت ہم نے حضرت کے سینے میں دیکھی وہ بہت کم کہیں اور دیکھنے کو ملے گی، جس دور میں حضرت جسٹس تھے، اس دوران ایک مرتبہ محرم کے دنوں میں حضرت کے ساتھ میں حضرت کے ادارے جامعہ ملیہ اسلامیہ کی طرف جا رہا تھا، راستے میں ایک عبادت خانہ کے پاس سے گزر ہوا تو بڑے اسپیکروں پر زوردار تقریر ہو رہی تھی، جس کی آواز دُور دُور تک جا رہی تھی، حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ یہ جو تقریر کر رہا ہے تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ کون ہے؟ محرم کے دنوں کی وجہ سے میں نے کہہ دیا کہ کوئی رافضی ہوگا۔ حضرت نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ یہ شخص ڈر کے تقریر کر رہا ہے یا چڑھ کر تقریر کر رہا ہے؟ (یعنی ڈر ڈر کے کر رہا ہے یا بہادری سے۔) میں نے عرض کیا کہ: بہادری سے۔ تو فرمایا: پھر ہم اپنا حق مسلک بیان کرتے ہوئے کیوں ڈرتے ہیں؟ عقائد پر گفتگو کرتے ہوئے ہمیں کیوں جھجک ہوتی ہے؟ حضرت کا طریقہ یہ تھا کہ اشتعال دلائے بغیر، مثبت انداز میں اپنے عقائد کی اشاعت وحفاظت کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے، اور حضرت کی کوشش یہ رہی کہ تمام اہل سنت اس حوالے سے فکرمند ہوں اور عقائد کی محنت کریں۔ حضرت کا مقولہ تھا: ''گل کر وگل دے نال، تے نک وڈ ونک دے نال.'' یعنی مسلک اہل سنت پر کوئی حملہ ہو تو فوراً جواب دینا چاہیے، فرماتے تھے کہ: علمی میدان میں ہم ادھار نہیں رکھتے۔

کالج یونیورسٹی کے طلبہ پر خصوصی توجہ اور مزاج شناسی:

میرا تعلق کالج، یونیوسٹی کے ساتھ تھا، تو اس سلسلہ کے جو طلبہ حضرت کے قریب آتے، حضرت ان کی خوب ذہن سازی فرماتے تھے، چھوٹے چھوٹے ٹپس انھیں بتاتے، جو عقلی طور پر نہایت متاثر کن اور عجیب ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ یونیورسٹی کے طلبہ نے حضرت سے عرض کیا کہ ہمارے ساتھ کچھ رافضی بھی رہتے ہیں، وہ ہم سے عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں، حضرت نے فرمایا: بھائی! بات ایسی کرنی چاہیے جس کا جواب اُن کے پاس نہ ہو، بلکہ انھیں اس کے جواب کے لیے اپنے بڑوں کی طرف بھاگنا پڑے۔ پھر فرمایا: میں ایک بات آپ کو بتاتا ہوں۔ شیعہ کہتے ہیں کہ خلافت حضرت علیؓ کا حق تھا، اللہ تعالیٰ کی چاہت بھی یہی تھی،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ بھی یہی تھا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بن گئے۔ اب یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ اکیلے ابوبکر کیسے اللہ، نبی اور علی تینوں پر حاوی ہو گئے اور خلافت سنبھال لی؟ جب اللہ بھی حضرت علی کو خلافت دینا چاہتا تھا، اللہ کے نبی بھی حضرت علی کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے، کیا حضرت ابوبکر اتنے تگڑے تھے کہ خدا، رسول اور علی تینوں کے ہاتھ سے خلافت نکال کر لے گئے؟ یہ بات ہماری عقل میں تو نہیں آتی۔

حضرت کی راہ نمائی اور اس طرح کی مختصر اور دوٹوک چیزوں سے الحمدللہ وہ طلبہ نہ صرف یہ کہ اپنے مسلک پر پختہ و دلیر ہو گئے بلکہ انھوں نے مخالفین کے دانت کھٹے کر دیئے، وہ طلبہ جو پہلے شیعوں کے ایک آدھ سوال پر بغلیں جھانکنے لگتے تھے، حضرت کی برکت سے سینہ تان کر بات کرنے لگے تھے۔ الحمدللہ

اہل السنۃ والجماعۃ کا عنوان اختیار کرنے کی تلقین وتحریک

جب حضرت جسٹس بنے تو مسلکی اعتبار سے اہل السنۃ والجماعۃ پر جو پریشانیاں آئیں، قارئین ان سے بخوبی واقف ہوں گے۔ اُس کڑے وقت میں حضرت رحمہ اللہ ہی تھے جنھوں نے انتہائی حکمت وجرأت سے کام لیتے ہوئے مسلک اعتدال کے سلسلہ میں علماء وعوام کی راہ نمائی کے لیے اسلام پورہ لاہور سے ایک سلسلہ شروع کیا جو دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک میں پھیل گیا، اور ایک فضا بن گئی، حضرت نے علماء کی مختلف مجالس قائم کیں، جن میں اس بات پر بہت زور دیا کہ ہم اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، اس کارگزاری کی کیسٹیں بھی موجود ہیں جن میں مکمل تفصیل ہے کہ کس طرح حضرت نے عنوانات طے فرمائے اور علماء کو اس محنت پر آمادہ کیا، اس وقت ایسے حالات تھے کہ اپنے آپ کو ''دیوبندی'' کہلوانا بڑی پریشانی کا باعث بن جاتا تھا، حضرت کی محنت تو شروع سے ہی ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کے عنوان سے تھی، اُن حالات میں حضرت نے اِس پر زیادہ زور دیا کہ: ہم اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، دیوبند تو ہماری بہت بعد کی نسبت ہے، ہم صحابہ والے ہیں، چودہ سو سالہ امت کا تسلسل ہیں، ہمارا عقیدہ وہی ہے جو صحابہ سے چلا آ رہا ہے، اگرچہ عملاً ہم کمزور ہیں، لیکن عقیدہ میں الحمدللہ کوئی کمی بیشی ہم روا نہیں رکھتے، ہم دین کو صحابہ کی عینک سے دیکھتے ہیں، ہمارا مسلک اعتدال ہے، جو خیر القرون سے اَب تک پوری امت کا چلا آ رہا ہے، لہٰذا ہم اپنے اصل عنوان اہل السنۃ والجماعۃ کو عام کریں، اور اسی کی طرف نسبت رکھیں۔ حضرت کی ان باتوں سے بہت تسلی ہوئی، اور اصل عنوان اختیار کرنے پر علماء کا شرح صدر ہوا، بعض علماء نے خود بندہ سے اِس بات کا اظہار کیا کہ: ہمایوں بھائی! ہمیں پتہ ہی اب چلا کہ ہم اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، ہم نے اس عنوان کو چھوڑے رکھا، یہ ہماری غلطی تھی، اب ان شاء اللہ ہم یہی عنوان اختیار کریں گے۔ الغرض حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تڑپ، جہد مسلسل اور محنت کی بدولت ہمارے حضرات اِس طرف متوجہ ہوئے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی اشاعت و حفاظت کی ایسی تڑپ کہیں اور نظر نہیں آئی۔

مزاح کی سنت بھی پوری فرماتے:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ مزاح کی سنت بھی پوری فرماتے تھے، بعض اوقات طلبہ حضرات ملاقات کے لیے حاضر خدمت ہوتے، حضرت کے پاس بیٹھتے، حضرت اپنے کام میں منہمک ہوتے تھے، جب کام سے فارغ ہو کر ان کی طرف توجہ ہوتی تو پوچھتے:

کیسے آنا ہوا؟ وہ عرض کرتے: زیارت کے لیے، تو حضرت مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے ارشاد فرماتے: آپ تشریف لے جاسکتے ہیں، کیونکہ زیارت تو آپ نے کر لی ہے۔ حضرت کے اس خوبصورت مزاح سے سب حاضرین کے چہروں پر مسکراہٹ بکھر جاتی۔ اکثر احباب حضرت کی خدمت میں علمی پیاس بجھانے کے لیے آیا کرتے تھے، حضرت انھیں ان کا علمی توشہ بھی ضرور عطا فرماتے تھے۔ لیکن خوش طبعی کے لیے مزاح بھی فرماتے اور مزاح کا انداز بہت ہی زبردست اور عمدہ تھا، نہایت لطیف پیرائے میں مزاح فرمایا کرتے تھے۔ وقار اور اخلاق کے منافی کوئی بات مزاح میں بھی نہیں فرماتے تھے۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ کے ارشاد پر علامہ صاحب نے لبیک کہا:

حضرت ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ جب تنظیم اہل سنت کا آغاز ہوا تو شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ بنفس نفیس تشریف لائے اور اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی اشاعت وحفاظت اور رد رفض وبدعت کے لیے احباب کو ترغیب دی، اور ایک روایت بیان فرمائی کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاحب کا جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھنے لگے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی نے، غالباً حضرت عمرؓ نے کوئی وجہ عرض کر کے ان کا جنازہ نہ پڑھانے کی درخواست کی، حضور ﷺ نے لوگوں سے پوچھا کہ: کیا تم میں سے کسی نے ان صاحب کو مسلمانوں کی قومی خدمت بجالاتے دیکھا ہے؟ تو مجمع میں سے ایک صحابی نے اٹھ کر بتایا کہ ایک غزوہ سے واپسی کے موقع پر رات کو جب سب سو گئے تو ان صاحب کو تلوار لے کر سب کے گرد پہرہ دیتے میں نے دیکھا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ شخص جنتی ہے۔ اور ان کا جنازہ پڑھایا۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے یہ واقعہ سنا کر امت کے عقیدہ اور ایمان کے تحفظ کی فکر کو قومی خدمت قرار دیتے ہوئے تنظیم اہل سنت کے ساتھ اس محنت کی ترغیب دی، اور پوچھا کہ کون کون تیار ہے؟ علامہ صاحب فرماتے ہیں: اس وقت جن لوگوں نے اپنے آپ کو اس کے لیے پیش کیا، اُن میں مَیں بھی شامل تھا۔ یعنی حضرت مدنی کا یہ ارشاد بلکہ تشکیل حضرت علامہ صاحب کی پوری زندگی کا رخ متعین کر گئی اور اُس وقت سے علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عقائد کے میدان میں اپنی صلاحتیں صرف کرنی شروع کیں اور خصوصاً دفاع ختم نبوت اور دفاع ناموس صحابہ کے میدان میں ایسی گراں قدر خدمات انجام دیں جو رہتی دنیا تک اہل سنت کی راہ نمائی اور راہبری کرتی رہیں گی۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: ہمارے کام کی پوری ترتیب، رخ، طریقہ، انداز وغیرہ سب تنظیم اہل سنت کی طرف سے طے ہوتا تھا، اشتعال دلانے اور مرنے مارنے کا راستہ کبھی ہم نے اختیار نہیں کیا۔ ہم رافضیوں کے مقابلے میں سنجیدہ علمی اجتماعات کا انعقاد کرتے تھے، میری ڈیوٹی جھنگ میں ہوتی، ہر سال دس محرم کو جھنگ میں بڑا جلسہ ہوتا، مرکزی بیان میرا ہوتا تھا، الحمد للہ ہمارا مجمع رافضیوں کے مجمع سے زیادہ ہوتا تھا۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے جس کام کے لیے ہماری تشکیل فرمائی تھی، الحمد للہ ہم نے مثبت اور مفید انداز میں اُسے جاری رکھا۔

حضرت علامہ صاحب کو اہل سنت کے عقائد خصوصاً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان کے حوالے سے کہیں ہلکی سی بھی کوتاہی برداشت نہیں ہوتی تھی، آج ہی میرے پرانے ساتھی اور علامہ صاحب کے شاگرد پروفیسر احتشام الحسن صاحب

تشریف لائے تو انہوں نے ایک بات یاد دلائی کہ بندہ ہمایوں صادق، پروفیسر احتشام اور حافظ عاطف ہم تین ایک مجلس میں بیٹھے تھے تو حضرت علامہ صاحبؒ نے بتایا کہ مودودی صاحب سے بھی علامہ صاحب کا ملنا جلنا رہتا تھا، لیکن جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مودودی صاحب نے بے ادبی (اور الزام تراشی) کا راستہ اختیار کیا تو حضرت علامہ صاحب نے مودودی صاحب سے اِس بارے میں گفتگو کی، لیکن مودودی صاحب اپنے موقف سے ہٹنے کے لیے تیار نہ ہوئے تو علامہ صاحبؒ نے یہ شعر پڑھا

وفا کیسی کہاں کا عشق جب پھوڑنا ہی ٹھہرا
تو اے سنگ دِل تیرا سنگ آستاں کیوں ہو

اِس موضوع پر حضرت علامہ صاحبؒ نے موچی گیٹ پارک میں ایک تاریخی جلسہ بھی منعقد کیا۔ اور بعد میں میاں طفیل کے مقابلے میں الیکشن بھی لڑا۔

حضرت علامہ صاحبؒ اپنے تمام بڑوں کے ہر دل عزیز تھے، امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور اُن کے تمام رفقاء کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ صاحب آبدیدہ ہوجاتے تھے اور تادم آخر اس خاندان سے اپنی محبت کا اظہار کرتے رہے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ ثالث کی پاکستان میں بخاری شریف کے آخری سبق میں دستار بندی بھی فرمائی۔ حضرت امیر شریعتؒ کے تمام بیٹوں سے علامہ صاحبؒ محبت فرماتے تھے، لیکن سید عطاء المؤمن شاہ بخاریؒ سے خاص تعلق تھا، جب شاہ صاحبؒ لاہور میں تھے تو علامہ صاحب اکثر اُن سے ملنے جاتے تھے۔ عطاء المؤمن شاہ صاحبؒ ہر سال ہمدرد ہال لاہور میں حضرت امیر شریعت کی یاد میں ایک جلسہ منعقد فرماتے تھے، ایک سال اس جلسہ میں حضرت علامہ صاحبؒ مہمان خصوصی تھے، حضرت علامہ صاحب نے بیان فرمایا تو عطاء المؤمن شاہ صاحبؒ سارے بیان کے دوران علامہ صاحب کو والہانہ انداز میں داد دیتے رہے۔ اور جب بیان ختم ہوا تو علامہ صاحب کی پیشانی چوم لی۔ اُس وقت عطاء المؤمن شاہ صاحب کو فارج کا عارضہ نہیں تھا۔

اس جلسہ میں حضرت علامہ صاحبؒ نے اعلان فرمایا تھا کہ ان شاء اللہ میں امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح لکھوں گا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت عطاء المؤمن شاہ صاحب کو فالج ہوگیا، حضرت علامہ صاحبؒ اُن کی عیادت کے لیے گئے، بندہ ناچیز بھی ساتھ تھا، شاہ صاحب نے علامہ صاحب کو ان کا وعدہ یاد کرواتے ہوئے بستر علالت پر ہی فرمایا: میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ ہمارے ابا جی کے بجائے اپنی سوانح لکھ دیں، اس میں ابا جی کے ذکر کے ساتھ ساتھ بہت سے گمنام علماء کرام کا بھی تذکرہ ہوجائے گا۔ امت پر آپ کا یہ احسان ہوگا۔ حضرت عطاء المؤمن شاہ صاحبؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: علامہ صاحب کی جیسی قدر کرنی چاہیے تھی ہم نے نہیں کی۔

حضرت علامہ صاحب کے ساتھ بندہ کا جو وقت گزرا اُس میں علامہ صاحب کی مرشد العلماء حضرت سید نفیس الحسینی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی والہانہ عقیدت دیکھی، اور حضرت نفیس شاہ صاحبؒ بھی علامہ صاحبؒ سے بے انتہاء محبت فرماتے تھے۔ حضرت علامہ صاحبؒ نے جب تصوف کے عنوان پر اپنی کتاب ''آثار الاحسان'' حریر فرمائی تو حضرت نفیس شاہ رحمہ اللہ نے اپنی

خانقاہ میں نماز عصر کے بعد کی مجلس میں لفظ بہ لفظ پڑھوائی۔ اور پھر جب علامہ صاحب حضرت نفیس شاہ صاحبؒ سے ملنے گئے تو انہوں نے علامہ صاحب کو پانچ سو (۵۰۰) روپے ہدیہ بھی عنایت فرمایا۔

ایک اور مجلس میں بندہ حضرت علامہ صاحبؒ کے ساتھ حضرت نفیس شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر تھا، علامہ صاحبؒ نے اپنے اور شاہ صاحب کے مشترکہ دیرینہ ساتھی مولانا عبدالرشید ارشد تکیہ جہانی شاہ والوں کا تذکرہ کیا تو حضرت شاہ صاحب نے آہ بھر کر ایک شعر پڑھا

حُسن کی جنس خریدار لیے پھرتی ہے
ساتھ اپنے بازار کا بازار لیے پھرتی ہے

علامہ صاحبؒ نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر اپنے دست مبارک سے یہ شعر تحریر فرما کر مجھے تھمایا جو میں نے یاد کرلیا۔

شیخ التفسیر حضرت لاہوریؒ کی خانقاہ سے بھی علامہ صاحبؒ نہایت عقیدت رکھتے تھے، پاکستان تشریف آوری پر ضرور وہاں تشریف لے جاتے تھے اور تادم آخر مولانا اجمل قادری صاحب سے بے انتہاء محبت کا اظہار فرماتے اور انھیں اپنے سالانہ جلسہ ولایت میں ہر سال مدعو فرماتے اور وہ بھی شرکت کرتے تھے۔

حضرت علامہ صاحبؒ پاکستان میں ہوتے تو قائد اہل سنت، وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کی جاری کردہ "سنی کانفرنس" بھیں ضلع چکوال میں ضرور تشریف لے جاتے تھے۔ اور وہاں جا کر بہت فرحت محسوس کرتے تھے۔ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر صاحب بھی والہانہ جذبات سے خیر مقدم کرتے تھے۔

پہلے بھی تذکرہ کر چکا ہوں کہ دارالسلام کے سالانہ جلسہ میں بھی علامہ صاحب بہت عقیدت کے ساتھ ہر سال تشریف لے جاتے اور شرکت فرماتے تھے۔ حضرت علامہ صاحب اور حضرت علاؤالدین شاہ جیلانی محلّہ دار بھی تھے۔ اِس لیے اُن کی خانقاہ میں بہت خوشی سے جاتے تھے۔ وہاں حضرت مولانا حافظ محمد ناصر الدین خاکوانی صاحب حضرت علامہ صاحب سے بے انتہاء محبت کا اظہار فرماتے اور بہت شوق سے حضرت کا خطاب کرواتے تھے۔ حضرت علامہ صاحب خاکوانی صاحب کے بارے میں فرماتے تھے کہ: نہایت متواضع اور منکسر المزاج شخصیت ہیں۔

جامعہ اشرفیہ کے ساتھ حضرت علامہ صاحب کی وابستگی بہت گہری تھی۔ حضرت مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ بھی امرتسری تھے اور حضرت علامہ صاحب بھی۔ حضرت مفتی حسن صاحبؒ حضرت علامہ صاحب کو اپنا چوتھا بیٹا کہتے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے تمام بیٹوں کے ساتھ علامہ صاحب کی محبت والہانہ تھی۔ اور مولانا عبدالرحمٰن اشرفی صاحبؒ کے ساتھ زیادہ ہم آہنگی اور دوستانہ تھا۔

جدھر بھی رُخ کرلیا جائے، حضرت علامہ صاحب ہر طرف ہر دل عزیز ہی نظر آتے ہیں

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی فیض الرحمٰن، مانچسٹر

اکابر کے منظورِ نظر، اسم بامسمیٰ محمود الامہ حضرت علامہ خالد محمودؒ خلد بریں ہو گئے

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

مفکرِ اسلام، مبلغ اسلام، محافظِ دین وایمان، علامۂ زماں، فقیہ دوراں، قاضی القضاۃ، ابوحنیفہؒ وقت کی رحلت کیا ہوئی بقول کسے جیسے تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ گیا ہو اور دانے مسلسل گرنے لگیں۔ اہلِ علم کی کثیر تعداد خالق حقیقی کی جوارِ رحمت میں پہنچ چکی ہے معلوم نہیں کتنے اور ہم سے جدا ہونے والے ہیں یا ہماری ہی باری آنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے موت کو ہر وقت یاد رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی فکر کرنے کی طرف متوجہ کرتے رہتے ہیں۔

کرونا وائرس کی وباء کا ابھی تک کوئی نام ونشان تک بھی نہیں تھا چند ہفتے پہلے حضرت علامہ صاحبؒ نے اپنے جمعہ کے خطاب میں فرمایا، قیامت آنے والی ہے، یوں سمجھیں کہ قیامت سر پر کھڑی ہے اور اس کی بڑی بڑی علامات کا ظہور ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرو، اپنے معاملات کو درست کرو، پھر نہ کہنا ہمیں کسی بتانے والے نے بتایا نہیں۔ اور یہ مضمون حضرت نے اتنی تاکید سے فرمایا اور شدت سے فرمایا کہ بعض ساتھیوں کو تبصرہ کرتے ہوئے سنا گیا کہ حضرت علامہ صاحب نے قیامت کو زیادہ ہی ہائی لائٹ کر دیا ہے حالانکہ اتنے خراب حالات تو نہیں ہیں۔ لیکن ان بے چاروں کو کیا معلوم تھا کہ ع قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

پھر زمانے نے دیکھا کہ زیادہ لمبا عرصہ نہیں بلکہ ایک دو ہفتوں کے بعد ہی خبریں آنا شروع ہو گئیں کہ چائنا کے اندر کرونا وائرس کے نام سے ایک نئی بیماری تیزی سے پھیل رہی ہے چند ہفتوں میں وہ چائنا سے اٹلی اور سپین اور امریکہ اور پھر پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے اور قیامت صغریٰ کا منظر پیش کر رہی ہے۔

اپنے اساتذہ کرام سے یہ بارہا سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو جب اپنے پاس بلانا ہوتا ہے تو پہلے سے انہیں کچھ اشارات سے خبر ہو جاتی ہے۔ غالباً حضرت علامہ صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ اشارات مل گئے تھے، چند واقعات اس پر شاہد ہیں۔ اس آخری دفعہ اکتوبر ۲۰۱۹ء میں جب پاکستان تشریف لے گئے تو وہاں سالانہ پروگرام جو کہ ہر سال جلسۂ ولایت کے نام سے ہوتا ہے اور پورے ملک سے اکابرین اور علماء کرام کی کثیر تعداد وہاں تشریف لاتی ہے۔ حضرت پیر ناصر الدین خاکوانی صاحب بھی اس جلسہ کے مہمان خصوصی ہوتے ہیں۔ مفتی عزیز الحسن جو کہ اس جلسہ کے منتظم اور داعی ہوتے ہیں ان کو فرمایا کہ حضرت خاکوانی صاحب کو دعوت دے دو۔ مفتی عزیز الحسن نے حضرت خاکوانی صاحب کو دعوت دی تو پروگرام چونکہ اچانک رکھا

گیا تھا بہت تھوڑا وقت تھا حضرت خاکوانی صاحب نے فرمایا میری طرف سے معذرت قبول فرمائیں میرا پہنچنا مشکل ہے۔ دوسرے روز مفتی عزیز الحسن سے پوچھا کہ خاکوانی صاحب کو دعوت دے دی؟ اور انہوں نے تشریف آوری کا یقین دلایا ہے؟ تو مفتی عزیز الحسن نے عرض کی کہ حضرت خاکوانی صاحب عذر پیش فرما رہے ہیں تو حضرت علامہ صاحب نے فرمایا کہ ان کو کہیں کہ ضرور تشریف لانا ہے۔شاید یہ آخری ملاقات ہو چنانچہ بعد میں حضرت کی یہ بات صحیح ثابت ہوئی۔

اس سال جلسۂ ولایت کے دوران حضرت علامہ صاحب نے مفتی عزیز الحسن کی دستار بندی فرمائی اور فرمایا کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ شاہدرہ لاہور میں ان کو مہتمم مقرر کرتا ہوں میرے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ کی ذمہ داری ان پر ہوگی اور سارے ساتھی ان کی مدد کریں۔

اسی طرح جب انگلینڈ تشریف لائے تو فرمایا میرے کام بہت رہتے ہیں اور میرے پاس وقت بہت تھوڑا ہے چنانچہ یہاں پر بھی ایک سال پہلے تحفظ عقائد علماء دیو بند کے نام سے ایک سالانہ جلسہ شروع فرمایا تھا جس کا ذمہ دار مجھے (احقر فیض الرحمٰن کو) بنایا تھا اور پچھلے سال حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے نام سے جلسہ ہو چکا تھا اس سال آتے ہی اعلان فرمادیا کہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے نام سے جلسہ ہوگا، دن بہت تھوڑے تھے میں نے عرض کی حضرت وقت بہت تھوڑا ہے تیاری مشکل ہے، تھوڑا لیٹ کر لیتے ہیں، فرمایا میرے پاس بھی وقت تھوڑا ہے میں نے بھی سفر پر جانا ہے، ہمت کریں اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔کیا معلوم تھا کہ حضرت نے ایسے سفر پر جانا ہے کہ جہاں جانے والے مسافر کبھی واپس نہیں لوٹتے۔

رمضان المبارک سے چند روز پہلے مجھے فرمایا کہ میں فوری پاکستان جانا چاہتا ہوں ایک تو جامعہ اشرفیہ لاہور کی ختم بخاری شریف کی تقریب ہے حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب کا تقاضا ہے کہ میں اس میں شرکت کروں۔مولانا فضل الرحیم صاحب کے صاحبزادے مولانا زبیر حسن سے اپنے بیٹوں جیسی محبت فرماتے تھے، کوئی بھی جامعہ کے متعلق کام ہو تو براہِ راست مولانا زبیر حسن صاحب کو فرما دیتے تھے۔

فرمایا بیٹے زبیر حسن کو فون کرو کہ حافظ محمد عرفان عالم فاضل جامعہ اشرفیہ جو کہ حضرت مولانا فضل رحیم، مولانا زبیر حسن اور حضرت علامہ صاحبؒ اور احقر کے ساتھ ایک فیملی ممبر کی حیثیت رکھتے ہیں اور حضرت علامہ صاحب کے جامعہ اشرفیہ میں قیام کے وہی محرک تھے، اس سے پہلے کرنل سلیم صاحب کے ہاں قیام ہوتا تھا اور حضرت علامہ صاحب کے ساتھ انہوں نے یورپ میں، ناروے، ڈنمارک، سویڈن اور ساؤتھ افریقہ کے بہت تبلیغی اسفار کئے ہیں، اس لئے کہ وہ برٹش پاسپورٹ ہولڈر بھی ہیں پہلے یوکے میں اور اب لاہور پاکستان میں ایئر ٹکٹ کے بڑے بزنس مین ہیں۔ مجھے تو اپنے بھائیوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔حضرت علامہ صاحبؒ کے ساتھ میرے اتنے گہرے تعلقات کا وہ واحد سبب ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو صحت وتندرستی والی لمبی عمر عطا فرمائے اور ان کی تمام مشکلات کو دور فرمائے۔

ہوائی ٹکٹ کے انتظامات انہی کے ذمہ ہوتے تھے اکثر اوقات فرسٹ کلاس کے ٹکٹ کا خرچہ اپنے ذمہ لیتے تھے، فرمایا زبیر سے کہیں کہ وہ حافظ عرفان سے ٹکٹ کی بکنگ کروالیں ہم تینوں نے جب مشورہ کیا کہ رمضان المبارک تو دو ہفتہ کے بعد آرہا

ہے حضرت اگر اب آئیں تو رمضان المبارک میں بہت گرمی ہوگی، روزے رکھنے مشکل ہو جائیں گے اور اگر رمضان المبارک میں واپس انگلینڈ بھیج دیں تو جلدی نہیں آئیں گے، پھر خیال یہ تھا کہ رمضان المبارک کے بعد جلدی آ جائیں اور جامعہ اشرفیہ میں دورہ کے طلبہ کو بخاری شریف کا افتتاح کرائیں اور اسباق بھی پڑھائیں یہ زیادہ مناسب ہے۔

رمضان المبارک سے ایک ہفتہ قبل مجھے حکم فرمایا کہ مجھے گھر لے چلو میں نے بیٹی کو کچھ وصیت کرنی ہے۔ گھر پہنچ کر مجھے حکم فرمایا چند منٹ کار میں بیٹھو میں نے جلدی واپس آنا ہے پندرہ بیس منٹ کے بعد حضرت واپس تشریف لے آئے، مجھے تو ہمت نہیں تھی کہ کچھ پوچھوں، جب جامعہ اسلامیہ میں اپنی آرام گاہ پر پہنچے تو کمرہ کے دروازہ میں داخل ہوتے ہی فرمایا میں نے اپنا انتظام کرلیا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد گھر سے باجی کا فون آ گیا کہ ابا جی نے تو ہمیں پریشان کر دیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ جلدی میرا ٹکٹ بنوا دیں، میرا وقت قریب آ گیا ہے اور میں یہاں کی بجائے پاکستان میں فوت ہونا چاہتا ہوں، اور میرے فوت ہونے پر سارے بہن بھائی پاکستان نہ آئیں، صرف ایک سب کا نمائندہ بن کر آ جائے، وہاں کے ساتھی سارے انتظامات کرلیں گے، حالانکہ اس وقت حضرت کی صحت بالکل ٹھیک تھی، کسی قسم کی کوئی بیماری یا کمزوری کے آثار دُور تک نہیں تھے، اس وقت لاک ڈاؤن شروع ہو چکا تھا، باجی نے کہا شاید ابا جی لاک ڈاؤن کی وجہ سے گھبرائے ہوئے ہیں، ابا جی کے حالات کو آپ بہتر سمجھتے ہیں، پاکستان جانا ہے یا یہاں ہی قیام فرمانا ہے؟

رمضان المبارک آنے سے تین دن پہلے ہی فرمایا کہ میں نے رمضان المبارک کے معمولات شروع کر دیئے ہیں رمضان المبارک میں حضرت لکھنے کا کام بند فرما کر ذکر واذکار، نوافل کی کثرت، پانچ اور کبھی سات سپارے روزانہ تلاوت فرماتے تھے۔ اس سال تقریباً آٹھ پاروں کا معمول رہا۔ اکثر یہی ہوتا کہ جب میں ظہر کی نماز کیلئے حاضر ہوتا تو فرماتے میں نے اپنی منزل پوری کرلی ہے۔ ظہر کے بعد آرام کرنے کا معمول تھا۔ عصر سے مغرب تک تلاوت کا معمول تھا۔ عام دنوں میں ہر ہفتہ کی شام کو درس قرآن تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے کا ہوتا تھا جس میں دوسرے شہروں سے بھی ساتھی جوق در جوق تشریف لاتے تھے اس میں علماء کرام کی بھی کثیر تعداد ہوتی تھی لیکن رمضان المبارک میں ہر رات تراویح کے بعد معمول تو یہی تیس منٹ کا تھا کبھی جو پارہ تراویح میں پڑھا گیا اس کا خلاصہ بھی بیان فرماتے یا حالات حاضرہ کے مطابق کوئی اہم مسئلہ ہوتا تو اس پر گفتگو فرماتے، کبھی بیس تراویح کا مسئلہ زیر بحث آ جاتا تو عقلی نقلی دلائل سے بیس تراویح کا ایسا مسئلہ ثابت فرماتے کہ سامعین قائل ہوئے بغیر نہ رہتے۔ یہاں انگلینڈ میں مکس کمیونٹی ہے عرب بھی اکثر ہماری مساجد میں نماز اور تراویح پڑھتے ہیں جو کہ آٹھ تراویح کے قائل ہیں حضرت کے بیان کی وجہ سے ان میں سے کئی ایک بیس تراویح پڑھتے دیکھے گئے۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

حضرت علامہ صاحبؒ اس شعر کے حقیقی مصداق تھے اس دور کے اصاغر تو کیا اکابر کو بھی میں نے اپنی ان گناہ گار آنکھوں سے دیکھا ہے جو حضرت کے برابر بیٹھنے کو بے ادبی سمجھتے تھے اور حضرت کے قدموں میں بیٹھنے کو سعادت سمجھتے تھے۔ اس موضوع کو

بیان کرنے کے لئے اتنے واقعات ہیں کہ پورا دفتر چاہئے۔

اگر ہم ساٹھ ستر سال پہلے کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو اس وقت کے اکابرین نے جو جملے حضرت کی شان میں اور احترام میں فرمائے ہیں وہ سنہری حروف سے لکھنے والے ہیں۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب بزرگ اکابرین میں سے ہیں وہ حضرت علامہ صاحبؒ کی جوانی میں ہی جامعہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں ہر سال ان کو دعوت بھی دیتے اور مرکزی بیان کرواتے تھے۔ مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کا تحریر کردہ خط ابھی بھی تاریخی ریکارڈ کا حصہ ہے کہ حضرت نے فرمایا میں ختم نبوت کا ہر کام آپ کے مشورہ سے کرتا ہوں اور جو آپ کی رائے ہو اس کو ترجیح دیتا ہوں۔

حضرت مولانا عبداللطیف جہلمیؒ فرماتے ہیں میں نے اپنے بیٹے قاری خبیبؒ کو وصیت کردی ہے کہ میرے بعد اگر خدا نہ کرے دیوبندیوں میں دو گروہ ہو جائیں تو جس گروہ کی طرف علامہ خالد محمودؒ ہوں آپ اس گروہ میں شامل ہو جانا، کیونکہ وہی حق پر ہوگا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم کہنے پر مجبور ہیں:

تمہارے بعد اندھیرا ہی رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلائیں گے روشنی کے لئے

چوٹ لگنے سے تین دن قبل مجھے اپنے پاس بلایا اور ایک کاغذ کا ٹکڑا مجھے دیا، اس پر حضرت کے جو موجودہ کام مفتی صہیب اور بھائی محمد ارشد اقراء کمپیوٹرز فیصل آباد والوں کے پاس کمپوزنگ کے مراحل سے گزر رہے تھے ان کا ذکر تھا۔ حضرت نے نمبر ا لکھ کر تحفظ عقیدۂ ختم نبوت، نمبر ۲ رلکھ کر ایک اور کتاب کا نام، نمبر ۳ رڈال کر مقام حیات...... فرمانے لگے آگے آپ خود لکھو، نمبر ۴، فلاں مضمون، نمبر ۵ رفلاں اوراق، نمبر ۶ رفلاں تحریر، دس نمبر تک مجھے لکھانے کے بعد فرمایا یہ سارے کام میں تیرے سپرد کرتا ہوں ان کو اب آپ نے ہی کروانا ہے، باقیوں کو تم بھول جاؤ، ان شاء اللہ مدد آپ کی سب کریں گے۔

اس کے علاوہ ایک اور کاغذ دیا جس پر یہاں انگلینڈ کے ادارے کے متعلق انتظامات کی ہدایات تھیں، فرمایا اس کو کمپوز کروا کے اپنے پاس رکھ لینا اور اس پر عمل کرنا۔

اکابر کے ساتھ حضرت علامہ صاحب کی عقیدت ومحبت کا نقشہ:

اکابرین شخصیات پر جو سالانہ پروگرام شروع فرمایا تھا پہلے سال حضرت شیخ الہند محمود حسنؒ کی شخصیت پر جلسہ کیا، دوسرے سال حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ پر اور اس کے بعد تیرہ سال تک کی لسٹ ہر سال کی شخصیت کے نام تحریر فرما کر میرے سپرد کیا۔ فرمایا یہ کام بھی میں آپ کے ذمہ دیتا ہوں۔ اس وقت تک مجھے کوئی تصور تک بھی نہ تھا کہ حضرت اپنے ہمیشہ کے گھر جانے کے انتظامات فرما رہے ہیں، بیماری کی کوئی علامت کسی قسم کی دُور دُور تک نہیں تھی۔

عقیدہ ختم نبوت پر محنت:

تحفظ عقیدۂ ختم نبوت کو آپ نے اپنی زندگی بھر کا مشن بنایا اور تحریک ختم نبوت پاکستان میں بھرپور کردار ادا کیا اور جب

اسمبلی میں قادیانیوں کو کافر قرار دینے کی جدوجہد شروع ہوئی تو علمی مواد فراہم کرنے اور مسودہ تیار کرنے میں اٹارنی جنرل افتخار حسین گیلانی ودیگر وکلاء کے شانہ بشانہ راتوں کی نیندیں قربان کر کے کام کیا۔

یہاں انگلینڈ میں تشریف لاتے ہی حضرت نے اپنے ذوق کے مطابق علماء کرام کو متوجہ کیا اور جمعیت علماء برطانیہ کا پلیٹ فارم مہیا کیا اور ہر کسی کی صلاحیت کے مطابق اس سے کام لیا۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالرشید ربانی صاحب، حضرت مولانا منظور الحق صاحب، حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب آپ کے دست و بازو بنے۔

میں اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ اس نے اس ناکارہ کو حضرت کی زندگی کے آخری تیس سال تسلسل کے ساتھ سفر و حضر میں خدمت کے مواقع عطا کئے اور تعلیمی، تصنیفی، تعمیری اور تحریکی خدمت خلق جیسے شعبوں میں حضرت کی سرپرستی میں کام کرنیکی سعادت حاصل ہوئی۔ جس دن سے حضرت سے تعلق ہوا الحمدللہ روز بروز اس تعلق اور اعتماد میں اضافہ ہی ہوا۔

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کے بعد سٹی جامع مسجد جو اس وقت مانچسٹر کی سب سے بڑی جامع مسجد ہے، کا قیام جامعہ اسلامیہ مانچسٹر بچوں اور بچیوں کا مدرسہ، ختم نبوت فارم یورپ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ لاہور، محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ اردو بازار لاہور اور کئی مدارس، مساجد اور تنظیموں، تحریکیوں کی سرپرستی، کئی ایک ضرورت مندوں کی خفیہ اور ظاہراً اعانت، طلبہ کے لئے مفت کتب کی تقسیم اور ایک سو کے لگ بھگ ضخیم کتب، رسائل، پمفلٹ، چارٹ اور مختلف رسائل، اخبارات میں مضامین، جلسے، کانفرنسیں، یورپ، امریکہ، ساؤتھ افریقہ کے تبلیغی، تعلیمی، تدریسی دورے، مناظرے، مکالمے، مباحثے عقائد کی اصلاح پر مبنی کلاسز آپ کے لئے صدقہ جاریہ رہیں گی (ان شاء اللہ) تفصیلات اسی اشاعت خاص میں مل جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے جس عظیم مقصد کے لئے حضرت علامہ صاحب کو منتخب فرمایا تھا اس کے مطابق ہمت بھی عطا فرمائی تھی عمر کے اس حصے میں بھی نوجوانوں سے زیادہ کام کرتے تھے جتنے بھی لمبے سفر سے واپس تشریف لاتے خواہ بیرون ملک سے ہو کبھی معمولات میں فرق نہیں آتا تھا۔ کبھی زبان پر یہ الفاظ سننے میں نہیں آئے کہ میں تھکا ہوا ہوں۔ بہت کم آرام فرماتے تھے۔ ہفتہ کا درس قرآن جو کہ ڈیڑھ دو گھنٹے کا ہوتا تھا جس میں دوسرے شہروں سے علماء کرام بھی تشریف لاتے تھے، درس کے بعد کھانا ہوتا اور پھر مجلس ہوتی جس میں مہمانوں کیلئے چائے کا اہتمام ہوتا وہ مجلس کبھی کبھی رات کے دو بجے تک جاری رہتی، بیٹھنے والوں پر تھکاوٹ کے آثار نظر آتے مگر حضرت علامہ صاحب پر تھکاوٹ کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ اس کو حضرت کی کرامت نہیں تو اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اور اس کو روحانی قوت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، مجھ سمیت بیک وقت کئی ساتھیوں سے باری باری کام لیتے تھے، وہ ساتھی تھک جاتے مگر حضرت اسی طرح تازہ دم ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحب کے تمام کارِ خیر کو قبول فرمائے، آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ اور امت کو حضرت کے علوم و مصارف سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وسعت دل تو بہت ہے وسعت صحرا کم ہے　　اسی لئے مجھے تڑپنے کی تمنا کم ہے

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی عزیز الحسن [مدیر: جامعہ ملیہ اسلامیہ، لاہور]

کچھ یادیں کچھ باتیں

حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ ارتحال جہاں امت مسلمہ اور بالخصوص علمائے امت علمائے اہل سنت کے لئے ایک بڑا خلا ہے وہیں میرے لیے بطورِ خاص حضرت کا وصال اور دنیا سے ارتحال انتہائی صدمہ کا باعث ہے اور حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کے اس دنیا سے جانے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک سائبان ہمارے سروں سے اٹھ گیا ہے۔

حضرت کی عجیب شفقتیں، عنایتیں اور محبتیں میرے شامل حال رہیں۔ ان شاء اللہ کوشش کروں گا کہ حضرت کی خدمت میں جو وقت گزرا اور حضرت نے ہماری جو اصلاح فرمائی اور حضرت رحمہ اللہ نے اس عرصہ میں زندگی کے ہر ہر قدم اور ہر ہر موڑ پر جس طرح رہنمائی فرمائی اس کے کچھ گوشے آپ حضرات کے سامنے لاسکوں۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پہلی ملاقات

زمانہ طالب علمی میں حضرت علامہ صاحب جامعہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر تشریف لائے حضرت کا قیام استاذِ محترم حضرت مولانا محمد عابد صاحب دامت برکاتہم کے گھر پر تھا۔ مجھے میرے شیخ میرے مربی نانا جان حضرت مولانا محمد صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان نے فرمایا کہ علامہ صاحب سے ملنے جانا ہے۔ تو میں ناچیز اپنے شیخ نانا جان رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں حضرت مولانا محمد عابد صاحب کی قیام گاہ پر جا پہنچا اور حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی زیارت سے مشرف ہوا یہ علامہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں میری پہلی حاضری تھی اس مختصر نشست میں حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے جو نکات اور علوم ومعارف بیان کئے وہ میرے لئے حیرانگی اور خوشی کا باعث تھے میں اس ملاقات سے بہت متاثر تھا کہ واپسی پر حضرت نانا جان رحمت اللہ علیہ نے حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کے علوم ومعارف کے جو فضائل ومناقب بیان کئے اور حضرت کے کچھ مزید واقعات اور گوشے میرے گوش گزار کیے تو میں بہت ہی زیادہ متاثر ہو گیا پھر اس کے بعد نانا جان رحمت اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر زندگی میں کبھی موقع ملے تو علامہ صاحب رحمہ اللہ سے استفادہ ضرور کرنا یہ علامہ صاحب رحمہ اللہ سے میری پہلی ملاقات اور علامہ صاحب رحمہ اللہ سے استفادہ کے متعلق میرے شیخ میرے مربی حضرت مولانا م محمد صدیق صاحب رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان کا پہلا حکم تھا۔

حضرت علامہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضری

ویسے تو عقیدت ومحبت اور تلمذ کا تعلق حضرت رحمہ اللہ سے تھا ہی، لیکن باقاعدہ طور پر حضرت کی خدمت کے لیے جامعہ خیر المدارس سے فراغت کے بعد میرے نانا، میرے مربی نے مجھے حکم فرمایا کہ حضرت علامہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو

جاؤ۔ میں نے رابطہ کیا تو خدام نے مجھے بتایا کہ حضرت علامہ صاحب جلسہ میں بیان کے لیے لاہور سے خانگڑھ تشریف لا رہے ہیں ۔تو آپ وہیں تشریف لے آئیں وہاں حضرت سے ملاقات ہو جائے گی۔ میں اپنے گاؤں سے خان گڑھ پہنچا۔ جب میں پہنچا تو نمازِ جمعہ کا وقت تھا۔ حضرت علامہ صاحبؒ جمعہ کی تیاری میں مشغول تھے اور حضرت رحمہ اللہ کے خدام باہر کھڑے تھے دیکھتے ہی دیکھتے خطبہ ختم ہوا تو حضرت رحمہ اللہ کے ایک خادم جمعہ کی نماز کے لیے تشریف لے گئے اور اسی طرح جب جمعہ کی نماز شروع ہوئی تو دوسرے خدام بھی ایک ایک کر کے چلے گئے میں بھی جمعہ کی نماز میں شریک ہو گیا اور یہ خیال کیا کہ حضرت رحمہ اللہ اسی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا فرمائیں گے اور جمعہ کی نماز کے بعد حضرت رحمہ اللہ سے ملاقات ہو جائے گی۔ حضرت رحمہ اللہ جب غسل کر کے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ نماز جمعہ کی ادائیگی ہو چکی اور خدام بھی جمعہ کی نماز پڑھ چکے تھے تو حضرتؒ نے ان کی خوب اصلاح فرمائی اور فرمایا کہ جہاں میں جمعہ ادا کرتا تو آپ حضرات بھی وہیں جمعہ ادا کر لیتے آپ میرے ساتھ آئے تھے آپ کو میرے ساتھ ہی رہنا چاہیے تھا۔

قصہ مختصر!...... منتظمین حضرت کو گاڑی پر قریب ہی دوسری مسجد میں لے گئے، وہاں خطیب صاحب بیان کر رہے تھے جب حضرت رحمہ اللہ وہاں پہنچے تو خطیب صاحب نے بیان چھوڑ دیا اور عرض کیا کہ ہماری خوش بختی ہے کہ حضرت علامہ صاحب تشریف لائے ہیں تو اب حضرت بیان فرمائیں گے تو حضرت نے تقریباً بیس پچیس منٹ وہاں بیان بھی فرمایا اور اس کے بعد نماز جمعہ کی ادائیگی کی۔ اس کے بعد حضرت رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آج یہ واقعہ ہوا ہے اور ساتھ ہی حال احوال دریافت کیا اور کچھ ضروری باتیں پوچھیں اس کے بعد کھانا کھایا وہ ملاقات تقریباً گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی اور حضرت رحمہ اللہ نے اس کے بعد فرمایا کہ آپ لاہور آجائیں۔ یہ میری حضرت رحمہ اللہ سے دوسری ملاقات تھی۔

لاہور حاضری

کچھ دنوں کے بعد میں نے ترتیب بنائی اور لاہور حاضر ہونے کے ارادہ سے حضرت رحمہ اللہ کے خادم کو فون کیا انہوں نے مجھے جامعہ ملیہ اسلامیہ (جہاں پر آج کل میری ذمہ داری ہے) آنے کا حکم فرمایا اور مجھے جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ایڈریس سمجھایا جب وہ مجھے ایڈریس سمجھا رہے تھے تو حسن اتفاق سے حضرت رحمہ اللہ ساتھ ہی تشریف فرما تھے تو حضرت نے پوچھا کہ آپ کسے ایڈریس سمجھا رہے ہیں؟ تو انہوں نے بندہ کا نام لیا تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ انہیں کہیں وہ سیدھے میرے گھر آئیں۔

شرفِ تلمذ اور کمالِ تقویٰ

میں نے رات کا سفر کیا اور صبح نماز فجر سے قبل حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کے گھر پہنچ گیا۔ حضرتؒ مجھے نماز فجر کے لئے اپنے ساتھ جامع مسجد رحمت اللعالمین میں جو کہ ان کے گھر کے قریب تھی لے گئے وہاں نماز فجر ادا کی اور نماز فجر پڑھ کر حضرت نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ساتھ لے کر گھر واپس تشریف لائے اور گھر آتے ہی حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ آپ با قاعدہ اور باضابطہ طور پر مجھ سے کچھ پڑھ لیں۔ چنانچہ حضرتؒ نے باقاعدہ شفقت فرماتے ہوئے خود قرآن کریم دیا

اور قرآن کریم کھول کر اپنے سامنے مجھے بٹھایا اور سورہ بقرۃ کا پہلا رکوع تفسیر اور ترجمہ کے ساتھ مجھے پڑھایا پھر فرمایا کہ اب مجھے بھی پتہ چل گیا ہے کہ آپ میرے شاگرد ہیں میں اگر کسی کو بتاؤں گا یا کہوں گا کہ یہ میرے شاگرد ہیں تو یہ غلط نہیں ہوگا۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ میں تقرری کا اعلان

یہاں سے دس بجے حضرت کے جامعہ میں افتتاحی اجلاس تھا حضرت مجھے اپنے ساتھ جامعہ ملیہ اسلامیہ لے گئے اور حضرت اس وقت سپریم کورٹ میں شریعت بینچ کے جسٹس بھی تھے وہاں ایک اجتماع تھا بہت سارے لوگ وہاں جمع تھے حضرت نے وہاں بیان فرمایا اور مجھے بھی حکم فرمایا کہ آپ بھی کچھ کہو تو میں نے بھی چند باتیں عرض کیں۔اس کے بعد حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے بیان فرمایا اور بیان کے بعد حضرت رحمہ اللہ نے بندہ کا تعارف کروایا اور فرمایا یہ مفتی عزیز الحسن میرے شاگرد اور میرے ساتھی ہیں اور آج سے جامعہ ملیہ اسلامیہ کا نظم یہ سنبھالیں گے اور تعلیم کا نظم بھی یہی دیکھا کریں گے اس طرح حضرت رحمہ اللہ نے میری تقرری فرمادی اور گھر واپس تشریف لے آئے۔

حضرت علامہ صاحبؒ کا اعتماد اور جمعہ کی ذمہ داری

اس کے بعد حضرت رحمہ اللہ نے اگلے جمعہ کو مجھے فرمایا کہ اس جمعہ کا بیان آپ کرو، تو میں نے جمعہ کا بیان کیا اور حضرت رحمہ اللہ نے باہر بیٹھ کر سارا بیان سنا، پھر مجھے فرمایا کہ آئندہ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں جمعہ بھی آپ ہی پڑھائیں گے۔اس وقت سے حضرت نے جمعہ کی خطابت اور تعلیم کی ذمہ داری اس ناچیز کے سپرد کی۔اور بندہ نے بھی دامے، درمے، سخنے اپنی پوری ہمت اور طاقت اور استطاعت ان ذمہ داریوں کو پوری کرنے میں خرچ کی۔

حضرت علامہ صاحبؒ کا اخلاص

اسی پہلے اجلاس میں جب حضرت نے بیان فرمایا تو بیان کرنے کے بعد وہاں مقامی ایک بزرگ بابا جی نے کہیں سے معلوم کیا کہ حضرت یہاں اکیلے ہیں اور حضرت کے سارے بچے باہر کے ملک میں رہتے ہیں، تو حضرت رحمہ اللہ سے انہوں نے بڑی سادگی سے کہا کہ حضرت آپ کے سارے بچے ملک سے باہر ہیں اور آپ نے اتنی بڑی مسجد اور اتنا بڑا مدرسہ یہاں بنادیا ہے تو حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے میرا ہاتھ پکڑے ہوئے مسکرا کر فرمایا کہ یہ مساجد اور مدارس اولاد کے لئے نہیں بنائے جاتے بلکہ یہ اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں اور میں نے اللہ کے لئے بنایا ہے اپنی اولاد کے لیے نہیں بنایا۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا سالانہ جلسۂ ولایت

اس کے بعد میں نے وہاں حفظ کی درسگاہ شروع کی اور دھیرے دھیرے نظام چلتا رہا۔جب حفظ اور سکول کی تعلیم کا آغاز ہوا تو اہل علاقہ میں سے کچھ لوگوں نے بہت مخالفت کی۔اس وقت دو طبقے ہو گئے، پہلے ایک طبقے نے مخالفت کی، پھر دوسرے طبقے نے بھی مخالفت شروع کردی کہ یہ گستاخوں کا مدرسہ ہے، یہ گستاخ رسول ہیں، اولیاء کو نہیں مانتے، ولیوں کو نہیں مانتے ۔اس کی باقاعدہ طور پر ایک مہم زور پکڑنے لگی تو علامہ صاحب رحمہ اللہ نے وقت کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اور اس پروپیگنڈا کو ختم

کرنے کے لیے فرمایا کہ ایک سالانہ جلسہ کا انعقاد کیا جائے جس میں اولیاء اللہ کے مقام ولایت کو بیان کیا جائے اور علماء وفضلاء تشریف لائیں اور ان کے سامنے اس موضوع کو بیان کیا جائے۔

چنانچہ سن ۲۰۱۰ء میں اس جلسے کا آغاز کیا گیا۔ اس وقت سے سالانہ بہت سارے علماء وفضلا اس جلسے میں شریک ہوتے ہیں اور اکابرین امت اس جلسہ میں بیان فرماتے ہیں۔ بہت سے بزرگ ان جلسوں میں تشریف لائے جن میں حضرت مولانا پیر ناصر الدین خاکوانی صاحب دامت فیوضھم اور مولانا فضل الرحیم اشرفی صاحب دامت برکاتہم اسی طرح حضرت مولانا الیاس چنیوٹی صاحب دامت برکاتہم، مولانا میاں محمد اجمل قادری صاحب، مولانا محمد یوسف خان صاحب وغیرہ علماء اس جلسہ ولایۃ میں تشریف لاتے رہے۔

سن ۲۰۱۰ء میں جب سب سے پہلے یہ جلسہ منعقد کیا گیا تو اس وقت پہلا عنوان جو اختیار کیا گیا وہ تھا حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ۔

گزشتہ دس سالوں سے الحمد للہ یہ سلسلہ بغیر کسی تعطل کے جاری وساری ہے۔ اور ان جلسوں میں مختلف علماء اور اولیاء امت کے فضائل ومناقب کو بیان کیا گیا ہے جن میں

۱۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ

۲۔ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ

۳۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

۴۔ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمہ اللہ

۵۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ

۶۔ حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ

۷۔ حضرت سید اویس قرنی رحمہ اللہ

۸۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ

۹۔ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ

۱۰۔ حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ

۱۱۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ

ان تمام حضرات کے عنوانات پر سالانہ جلسے منعقد ہو چکے ہیں اور الحمد للہ ان تمام سالانہ جلسوں میں حضرت رحمہ اللہ کا دو نشستوں میں مفصل خطاب ہوتا تھا اور یہ تمام بیانات یوٹیوب پر بھی موجود ہیں اور ہم کوشش کریں گے کہ ان تمام بیانات کو کتابی شکل میں بھی پیش کیا جا سکے تاکہ اس سے امت مسلمہ فائدہ اٹھائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس سلسلے کو آئندہ بھی جاری وساری رکھے اور حضرت علامہ صاحب کا یہ فیض تاقیامت باقی رہے۔

سفر حرمین شریفین

بندہ ناچیز ۲۰۱۳ء میں اپنے شیخ اور مربی نانا جان حضرت مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ (شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان) کی معیت میں بطور خادم کے پاکستان سے عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے روانہ ہوا اور حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ برطانیہ سے مفتی فیض الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ سفر حرمین پر تشریف لائے۔ اس وقت الحمدللہ پورا ایک ہفتہ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں رہنے کی توفیق بھی حاصل ہوئی اس وقت عجیب روحانیت اور عجیب انوارات سے اللہ رب العزت نے ہمیں فیضیاب ہونے کا شرف عطا فرمایا اور حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی برکت سے ان دنوں میں بہت سے اکابر علماء سے ملاقاتیں بھی ہوئیں۔

ایک واقعہ

جامعہ صولتیہ (مکہ مکرمہ) کے ایک بڑے شیخ استاذ الحدیث تشریف لائے اور حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ سے سندِ حدیث کی اجازت طلب کی تو حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں انہیں فرمایا کہ بہت سی سندیں اکٹھی کر لینا اور بہت سارے علماء سے اجازت حدیث لے لینا یہ کوئی کمال نہیں ہے بلکہ کمال یہ ہے کہ عملی طور پر کام کیا جائے پھر قرآن وحدیث سے اس پر چند دلیلیں بھی پیش کیں اور اس کے بعد فرمایا کہ اب میں اس پر چند عقلی دلیلیں بھی بیان کرتا ہوں اور اس کے بعد ۵ریا ۶ر دلیلیں جب عقلی طور پر بھی بیان کیں تو انہوں نے حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کے گھٹنوں کو ہاتھ لگایا اور فرمایا **ھٰذا مثل ابی حنیفۃ** اور پھر عرض کی کہ اب ہم عملی طور پر کام کرنے کی کوشش کریں گے اور پہلے سے بھی زیادہ حدیث کے علوم کو آگے پہنچائیں گے۔

پابندئ وقت اور ایفاء عہد

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ میں دین کا جذبہ اور حکمت وبصیرت اس عجیب انداز سے اللہ رب العزت نے رکھا تھا کہ کبھی بھی، کسی بھی دینی مرکز اور جلسے اور پروگرام میں ایسا نہیں ہوتا تھا کہ حضرت رحمہ اللہ وقت دیں اور نہ پہنچ پائیں یا بروقت نہ پہنچ پائیں بلکہ حضرت نے اپنے آپ کو اشاعت دین کے لئے وقف کر رکھا تھا میں نے حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ جتنا بھی وقت گزارا ہے حضرت رحمہ اللہ نے جہاں بھی وقت دیا پابندی وقت کو اپنا شعار بنایا اور وقت سے پہلے ہی ہمیشہ پہنچے اور اپنے آپ کو دینی کاموں کے لئے ہمہ تن تیار رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ہمارے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ایک پروگرام تھا اس میں حضرت رحمہ اللہ کا بیان تھا تو ادھر یوں ہوا کہ وکلاء کا اس دن احتجاج بھی تھا اور راستے سارے بند ہو گئے۔ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کو سنت نگر والے گھر سے جامعہ ملیہ اسلامیہ لانا تھا تو مجھے تمام احباب نے مشورہ دیا کہ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کو تکلیف نہ دی جائے تو

میں نے حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ سے گزارش کی کہ حضرت راستے بند ہیں اور تمام احباب کا مشورہ بھی یہی ہے کہ حضرت کو تکلیف نہ دی جائے تو مجھے حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ کس چیز پر آئے ہیں؟ تو میں نے کہا کہ میں تو موٹر سائیکل پر آیا ہوں تو حضرت علامہ صاحب نے فرمایا کہ موٹر سائیکل لاؤ موٹر سائیکل پر ہی چلتے ہیں تو راستے میں رکاوٹ کے لیے تین چار جگہوں پر کنٹینر اور ٹرالر وغیرہ لگے ہوئے تھے تو میں نے ان کے نیچے سے موٹر سائیکل گزارا تو حضرت اتر جاتے، میں موٹر سائیکل گزارتا پھر حضرت چل کر تشریف لاتے پھر موٹر سائیکل پر بیٹھتے تو اس طرح مشقت کے ساتھ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ جامعہ ملیہ پہنچے اور پروگرام کیا اور موٹر سائیکل پر ہی واپس گھر تشریف لے گئے لیکن ہمارے اس پروگرام کو اپنی تکلیف کی وجہ سے حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے نہیں چھوڑا بلکہ خود تو مشقت برداشت کی اور دینی پروگرام کو پورا کیا۔

ایک دلچسپ بات

جب میں حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کو موٹر سائیکل پر لے کر آرہا تھا تو میرے موٹر سائیکل کی پچھلی جانب ایک طرف میں ایک بیگ لٹکا ہوا تھا جس میں کچھ ضروری سامان وغیرہ رکھا جاتا ہے تاکہ محفوظ رہے تو اس کی وجہ سے حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کو پائیدان پر پاؤں رکھنا مشکل ہو رہا تھا حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ سارے سفر میں مشقت سے بیٹھے رہے لیکن مجھے کچھ نہیں کہا بعد میں مجھے فرمایا کہ یہ بیگ کیوں لگایا ہوا ہے تو میں نے گزارش کی کہ کچھ ضروری چیزیں اور کچھ ضروری سامان وغیرہ رکھ لیتا ہوں تاکہ محفوظ رہے تو حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے بطور اصلاح کے فرمایا کہ اگر یہ یہاں اتنا فائدہ مند ہوتا تو کمپنی اس کو ساتھ ہی لگا دیتی۔ آپ کو اندازہ نہیں میں سارے راستے مشقت کے ساتھ بیٹھا رہا تو جو بھی آپ کے ساتھ بیٹھتا ہوگا وہ اسی مشقت کو برداشت کرتا ہوگا تو حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ اس لطیف انداز سے اور مزاح کے ساتھ ہماری اصلاح فرمایا کرتے تھے۔

اصلاحِ عقائد و نظریات

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کے ہاں اصلاح کا بہت زیادہ اہتمام تھا خصوصاً عقائد اور نظریات کے موضوع پر حضرت رحمہ اللہ بالکل بھی کوتاہی برداشت نہیں کرتے تھے۔

حضرت علامہ عبدالستار صاحب تونسوی رحمہ اللہ کی یاد میں منعقد جلسہ کے موقع پر ایک بہت بڑی سیاسی اور مذہبی جماعت کے سربراہ کے منہ سے نکلا کہ ہم تقویٰ کی زبان کے قائل ہیں، فتویٰ کی زبان کے قائل نہیں۔ واللہ اعلم ان کے اس جملے کا مقصد کیا تھا؟ لیکن جب کھانے کی نشست میں اکٹھے ہوئے تو حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے انہیں فرمایا کہ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ جن حضرات نے پہلے فتوے دیئے ہیں وہ متقی نہیں تھے یا آپ ان کے تقوی کے قائل نہیں؟

اہل علم کے ہاں حضرت کے علوم و معارف کی قدردانی

ایک مرتبہ حضرت علامہ علی شیر حیدری صاحب رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے تو حضرت کی مجلس میں دو زانو ہو کر بیٹھے باوجودیکہ بھاری بھرکم جسم تھا اور حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا بھی کہ آپ سیدھے ہو کر بیٹھ جائیں لیکن وہ اپنی اسی حالت

پر بیٹھے رہے تو اسی نشست کے دوران حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کو اونگھ آ گئی اور خراٹے کی آواز بھی آئی۔ تو اس موقع پر حضرت علامہ علی شیر حیدری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مولوی عزیر! اگر کوئی علم کا طالب ہو تو اسے علامہ صاحب کے خراٹوں سے بھی علم مل سکتا ہے۔

حضرت علامہ صاحبؒ کی عند اللہ مقبولیت

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ بڑے مستجاب الدعوات تھے حضرت کی دعائیں بہت جلد قبول ہوتی تھی اور میں خود اس کا عینی شاہد ہوں بلکہ علامہ صاحب رحمہ اللہ خود فرمایا کرتے تھے کہ اللہ رب العزت کا فضل ہے کہ جو کچھ زبان سے نکل جاتا ہے اللہ پاک اس کو پورا کر دیتے ہیں۔ اور آپ کا یہ فرمانا عموماً اس وقت ہوتا تھا جب کہ کوئی بہت زیادہ تنگ کرتا یا کسی سے کسی شرعی مسئلہ میں ناراض ہو جاتے تو اس وقت ایسی بات فرمایا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک کرایہ دار تھا اسے مکان خالی کرنے کے لئے فرمایا تو اس نے بہت زیادہ تاخیر کر دی اور لیت ولعل سے کام لیا ایک موقع پر حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ اسے فرما رہے تھے کہ مکان خالی کر دو ہمیں اس کی ضرورت ہے اور وہ عذر پیش کر رہا تھا اور قدرتاً اس موقع پر مفتی زرولی خان صاحب دامت برکاتہم بھی موجود تھے تو حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں اسے سمجھا رہا ہوں لیکن یہ سمجھ نہیں رہا اور اس کے بعد فرمایا کہ اللہ کا فضل ہے جو کچھ میں کہہ دیتا ہوں اللہ پاک اسے پورا کر دیتے ہیں۔ آپ اسے سمجھائیں تو اس موقع پر مفتی زرولی خان صاحب دامت برکاتہم نے اسے سمجھایا کہ بھائی! جو حضرت فرما رہے ہیں آپ اسے پورا کر دیں، ورنہ آپ اپنی دنیا بھی خراب کریں گے اور آخرت بھی خراب کر بیٹھیں گے، آپ نہیں جانتے کہ آپ وقت کے ولی اللہ کو تکلیف دے رہے ہیں۔ خیر اس نے بات مان لی اور یوں معاملہ حل ہو گیا۔

اس کے بعد بھی میں نے بہت سارے مواقع پر میں نے حضرت سے دعا کے لئے درخواست کی تو اللہ رب العزت نے ان کو فوراً ہی حل کرا دیا ایک دو موقع تو ایسے آئے کہ بظاہر دنیاوی اسباب سے ناممکن نظر آنے والے معاملات کو اللہ رب العزت نے حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی دعا کی برکت سے اسی دن حل کرا دیا۔

اللہ رب العزت ہمیں حضرت علامہ صاحبؒ کے علوم و معارف سے فیض یاب ہونے اور حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے ہمارے حق میں جو دعائیں مانگیں اللہ رب العزت انہیں قبولیت سے نوازے۔ آمین ثم آمین

☆......☆......☆......☆

مولانا ثقلین حیدری، مانچسٹر [یکے از خدام حضرت علامہ صاحبؒ]

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

تیرھویں صدی کے دور ابتلاء سے گزرنے کے بعد امت مسلمہ پر چودھویں صدی کا سورج ایک نئے دور فتن کی صورت میں طلوع ہوا۔ قوموں اور ملکوں کو آزادی اور خود مختاری کے نئے اسلوب اور جدید فلسفہ سے متعارف کروایا گیا جس کے نتیجہ میں جہاں مذہب اور سیاست کا آپس میں اختلاط ناپسندیدہ ٹھہرایا گیا وہاں جدید علوم خصوصاً سائنس و معاشیات کو عروج اور قدیم علوم خصوصاً مذہبی تعلیم زوال پذیر ہوئی۔ اگر چہ علمائے کرام نے کئی مشکلات جھیلنے کے باوجود اپنے محدود وسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف شعبوں میں اپنی تعلیمی محنت جاری رکھی اور قابل فخر خدمات سرانجام دیں۔

امت مسلمہ میں کم افراد حضرات علمائے کرام ایسے جامع کمالات کے مالک اور ایسی جامع صفات سے آراستہ ہوئے ہیں جنہوں نے دین اسلام کے تقریباً ہر شعبے میں بھر پور خدمات سرانجام دی ہوں یا دین کے ہر میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہوں، ان ہمہ گیر عبقری شخصیات کی انہی تمام مجددانہ خدمات اور جملہ صفات کی وجہ سے انہیں وہ مقام حاصل ہوا جس پر بلاشبہ اور بجا طور پر یہ امت قیامت تک ان پر فخر کرتی رہے گی۔

انہی قابل رشک اور عبقری شخصیات میں سے ایک شخصیت سیدی وسندی استاذنا المکرّم **رئیس المحققین، امام المتکلمین**، مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی ہے۔ جس مؤقر جریدہ کے خصوصی نمبر میں مشاہیر قلم کار اپنے اپنے منفرد انداز و اسلوب میں اپنے تاثرات رقم کررہے ہیں، وہاں مجھ ناچیز کا حضرت علامہ صاحب جیسی نابغہ روزگار ہستی پر قلم فرسائی کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ مگر ساتھیوں کے اصرار اور رسم زمانہ کے پیش نظر کچھ تھوڑا بہت لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں اور قارئین سے پیشگی معذرت خواہ بھی ہوں، جس کا مجھے بھی ادراک ہے کہ یہ تحریر حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسی قد آور علمی و تحقیقی شخصیت کے شایان شان نہیں۔

انسان کی عظمت اور بڑائی کا انحصار اسکے اچھے کردار اسکے اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ سیرت پر ہوتا ہے۔ مگر ان سب کے ساتھ ساتھ سیرت و کردار کا انحصار انسان کی جدوجہد، کامیابیوں اور کارناموں پر بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح جب ایک مومن مسلمان اچھے کردار، اعلیٰ اخلاق، پاکیزہ زندگی کے ساتھ ساتھ جہد مسلسل اور غیر متزلزل اعتماد کے ساتھ دین حق کی عظمت و سربلندی کیلئے اپنی خدمات سرانجام دیتا ہے تو وہ اپنے رب کے حضور قبولیت پا کر ہمیشہ کے لیے امر ہو جاتا ہے۔ اور بلاشبہ حضرت علامہ صاحب ان

تمام جلی اوصاف اور محاسن کا عملی جامہ و نمونہ تھے۔

حضرت علامہ صاحب ایک ہمہ گیر بین الاقوامی شخصیت تھے۔آپ ملت بیضا کی شمع تھے۔آپ ایک واقعہ نہیں ایک تاریخ تھے۔آپ صرف ایک شخصیت نہیں بلکہ اپنی ذات میں ایک مکمل ادارہ تھے۔آپ گردو پیش کا اثر لیتے نہیں اپنا اثر دیتے تھے، ہرحال میں مؤثر تھے زمانے سے متاثر نہ تھے۔آپ وہبی علوم سے آراستہ اور علمی محاسن کا مجموعہ تھے۔آپ صرف ایک عالم ہی نہیں بلکہ بیک وقت ایک مفسر، ایک محدث، ایک فقیہ، ایک صوفی، ایک مؤرخ، ایک موحد، ایک داعی، ایک متکلم، ایک مناظر، ایک قاضی، ایک مجاہد، ایک معلم، ایک ادیب، ایک مقرر، ایک مصنف، ایک مبصر، ایک ناقد، ایک سیاسی مصلح اور نکتہ رس یگانہ بھی تھے۔

احقر ان سب اوصاف کا حضرت علامہ صاحب کی ذات گرامی میں مجتمع ہونے کے متعلق محض کسی مبالغہ آرائی سے کام نہیں لے رہا اور نہ ہی قریبی خادم یا شاگرد ہونے کی بناء پر غلو سے کام لے رہا ہے بلکہ حضرت علامہ صاحب کے قلمی شہ پارے ان سب کی بین شہادت ہیں۔حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی درجنوں کتابیں اور رسائل حضرت کی قابلیت ولیاقت اور ان تمام جلی اوصاف ومحاسن کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ دین کا ایسا کوئی شعبہ نہیں یا دین کا ایسا کوئی میدان نہیں جس میں اس مرد مجاہد نے مجددانہ خدمات سرانجام نہ دی ہوں۔اس لیے حضرت علامہ صاحب جیسی قابل، ذی استعداد اور ہرفن مولا شخصیت (Master class Personality)صدیوں میں پیدا ہوا کرتی ہے،شاعر ان جیسی شخصیات کے لیے ہی یہ کہتا ہے:

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

اور اقبال مرحوم اسے یوں فرماتے ہیں:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

درحقیقت حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر اور اہل حق علماء کی رحلت ہی امارات ساعت (علامات قیامت) میں سے ہے اور ان جیسے علماء پر ہی یہ ضرب المثل ''موت العالم موت العالم'' صادق ٹھہرتی ہے۔

خاندانی و تعلیمی پس منظر:

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود نوراللہ مرقدہ خلیفہ بلافصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے آپ نجیب الطرفین صدیقی النسل (قریشی) تھے۔آپ کے آباء واجداد نے اوائل صدیوں میں اہل بیت سادات گھرانوں کے ساتھ ہندوستان نقل مکانی کی۔ہندوستان میں حضرت علامہ صاحب کے خاندان کا مسکن جموں وکشمیر بنا۔حضرت علامہ صاحب کے والد محترم کا نام حضرت پیر (پیر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ کے آباء واجداد میں سلسلہ قادریہ کے ایک بزرگ گزرے ہیں، ان کا مزار قصور کے نواحی علاقہ میں واقع ہے، ان کی وجہ سے ہی حضرت علامہ صاحب کا خاندان بطور پیر کے مشہور ہے۔اس لیے لفظ ''پیر'' بطور

سابقہ کے پیر محمد غنی صاحب کے نام کا جز ہے۔) محمد غنی رحمۃ اللہ علیہ تھا، آپ ایک نیک سیرت اور دیندار انسان تھے، آپ علمائے کرام کے بڑے معتقد اور قدر دان تھے (حضرت پیر صاحب کی یہ عادت تھی کہ جب بھی علاقے میں کوئی بڑے عالم دین تشریف لاتے تو انکے بیان یا مجلس میں شرکت کیلئے اپنے بیٹوں کو بھی ساتھ لے کر جاتے۔ اس سے مجھے یاد آیا کہ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "میری عمر اس وقت تقریباً دس گیارہ سال تھی جب حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے علاقہ میں تشریف لائے اور میرے والد محترم مجھے ساتھ لے کر حضرت تھانوی کی مجلس میں پہنچے جہاں میں نے حضرت تھانوی کو دیکھا بھی اور سنا بھی اور آج بھی مجھے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ یاد پڑتا ہے۔" تاہم حضرت پیر صاحب کو علمائے کرام سے والہانہ عقیدت و محبت تھی جس کا سب سے بڑا ثبوت حضرت علامہ صاحب کو دینی تعلیم دلوانا اور عالم بنانا ہے۔) آپ محکمہ تعلیم میں ملازم تھے۔ ملازمت کی وجہ سے انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل (Transfer) ہونا پڑتا تھا۔ حضرت پیر محمد غنی صاحب کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی تھی جن میں حضرت علامہ صاحب دو بڑے بھائیوں کے بعد تیسرے نمبر پر ہیں۔ حضرت علامہ صاحب اکتوبر 1925ء میں پیدا ہوئے اور آپکی جائے پیدائش قصور ہے۔ آپ نے قصور (کوٹ اعظم خان) میں ہی ہوش سنبھالا اور یہیں سے آپکی دینی و عصری تعلیم کا آغاز ہوا۔ بعدازاں آپ کا گھرانہ امرتسر (موجودہ مشرقی پنجاب، انڈیا) منتقل ہو گیا جہاں آپ کوچہ عماد الدین میں سکونت پذیر ہوئے۔

حضرت علامہ صاحب کا بچپن، لڑکپن اور جوانی کا ابتدائی حصہ امرتسر میں ہی گزرا۔ یہاں سے ہی حضرت علامہ صاحب کی دینی و عصری تعلیم کا بھرپور آغاز ہوا۔ آپ بچپن ہی سے ذہین و فطین اور دینی علوم کی طرف راغب تھے، یہاں ہی حضرت علامہ صاحب نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، حضرت مفتی محمد حسن صاحب اور مولانا ثناء اللہ امرتسری (حضرت علامہ صاحب جس دور میں امرتسر تشریف لائے اس وقت اس علاقہ میں عقیدہ تحفظ ختم نبوت اور رد قادیانیت کی تحریک زور و شور سے جاری تھی اس لیے حضرت علامہ صاحب نے اسی ماحول میں پرورش پائی اور حضرت علامہ صاحب خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دعوت الی الحق کا آغاز عقیدہ تحفظ ختم نبوت کے ایک کارکن کی حیثیت سے کیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اس دور میں ان علاقوں میں عیسائی مبلغین (Missionaries) بھی کافی فعال تھے۔

سیالکوٹ ہجرت کرنے سے پہلے حضرت علامہ صاحب دینی علوم کی تحصیل کی خاطر ازہر الہند دارالعلوم دیوبند اور جامعہ ڈابھیل تشریف لے گئے۔ مگر ملکی حالات (تقسیم ہند) کے پیش نظر اور دیگر چند وجوہات کی بنا پر آپ کا مدارس میں قیام جز وقتی رہا۔ 14/اگست 1947ء کے بعد آپ کا خاندان امرتسر سے براستہ جموں، سیالکوٹ منتقل ہو گیا۔ (یہاں ایک بات واضح کرتا چلوں کہ جہاں حضرت علامہ صاحب کے گھرانے کی نقل مکانی کی وجہ آپ کے والد محترم کی ملازمت تھی وہاں اس کے ساتھ دوسری بڑی وجہ اس وقت کے ملکی حالات بھی تھے کیونکہ حضرت علامہ صاحب کے والد محترم اور دیگر خاندان تحریک پاکستان کی حمایت میں تھے اس لیے اس گھرانے کے امرتسر منتقل ہونے کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ اس وقت یہ بات چل رہی تھی کہ امرتسر بھی پاکستان کا حصہ بنے گا مگر جب یہ بات پوری ہوتی نظر نہ آئی تب یہ گھرانہ امرتسر سے سیالکوٹ منتقل ہوا۔) بعدازاں جب شیخ الحدیث والتفسیر

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے تب حضرت علامہ صاحب نے دورہ حدیث مولانا کاندھلوی کے پاس براہ راست کیا۔(حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دورہ حدیث ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ کیا ہے۔)

دنیاوی تعلیم:

حضرت علامہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے خاندان میں دنیوی تعلیم (Secular Education) کا ماحول تھا اور اسکی تحصیل کو ضروری سمجھا جاتا تھا اس لیے آپ کے والد محترم نے آپ کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم سے بھی خوب آراستہ کیا۔حضرت علامہ صاحب دینی و مذہبی روایات کے ساتھ ساتھ جدید فکر و فلسفہ سے بھی پوری طرح واقف تھے۔آپ ان قدیم و جدید راہوں سے اچھی طرح آگاہ تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت علامہ صاحب کی تحریرات، بیانات اور لیکچرز جہاں اہل مدارس یا ان سے وابستہ افراد کے لیے سودمند اور ایک نایاب علمی خزانہ کی مانند ہیں وہاں سیکولر ایجوکیشن سے وابستہ طبقے کے لیے بھی دین کی سمجھ پیدا کرنے اور مذہب کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔اس لیے حضرت علامہ صاحب کی تحریرات اور لیکچرز جدید اذہان اور پروفیشنل حضرات کی عقل و سمجھ کو اپروچ Approach کرتے ہیں، مطمئن کرتے ہیں۔اور جا بجا موجودہ دور میں اس طرز تحریر و بیان کی ضرورت بھی ہے جیسا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **أَنْـزِلُـوا النَّـاسَ مَنَازِلَهُمْ "رواه أبو داود"**

تاہم حضرت علامہ صاحب کی دنیاوی تعلیم یہ ہے:-

;(PERSIAN)M.O.L.;(ARABIC)M.O.L.;(PERSIAN)M.A.;(ARABIC)M.A.
From Birmingham (THEOLOGY)M.A.;(STUDIESISLAMIC)M.A.
Ph.D. in Comparative Religion From Birmingham University;
University.

مزید برآں حضرت علامہ صاحب کو جہاں بیک وقت عربی، اردو، فارسی اور انگلش زبان پر مکمل عبور اور ملکہ حاصل تھا وہاں فرانسیسی زبان، فرنچ (French) پر بھی دسترس حاصل تھی کیونکہ مستشرقین کی اصل کتب اور ماخذ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ فرنچ زبان میں ہے اس لیے ان اصل کتب اور ان اصل ماخذ کو تراجم کی بجائے ان ہی کی اصل زبان میں پڑھنے کیلئے اور تحقیق کی غرض سے آپ نے فرنچ زبان سیکھی۔

اساتذہ کرام:

حضرت علامہ صاحب نے جن کہنہ مشق اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ان تمام حضرات کا شمار اپنے دور کے جبال العلم علماء میں ہوتا ہے۔آپ کے اساتذہ کرام میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا سید بدر عالم مہاجر مدنی،

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی، حضرت مفتی محمد حسن صاحب، حضرت مولانا رسول خان صاحب، حضرت مولانا شمس الحق افغانی، حضرت مولانا یوسف بنوری، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا، حضرت مولانا احمد علی لاہوری، حضرت مولانا سید فردوس شاہ صاحب رحمہم اللہ شامل ہیں۔ اور یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں کہ یہ تمام حضرات اپنے دور کے اپنی اپنی جگہ علم وفضل کے آفتاب و ماہتاب تھے۔

جن علمائے کرام سے استفادے کا تعلق رہا:

وہ اکابر علمائے کرام جن کے حضرت علامہ صاحب پروردہ تھے اور جن سے آپ نے رد باطلہ و دیگر مختلف موضوعات پر استفادہ کیا۔ ان کے نام یہ ہیں: امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی، فاتح قادیان حضرت مولانا عبدالقادر حیات، حضرت مولانا محمد علی جالندھری، حضرت مولانا لال حسین اختر رحمہم اللہ۔ بلاشبہ یہ تمام مذکورہ بالا حضرات اپنے اپنے میدان میں ید طولی رکھتے تھے۔

بیعت وخلافت اور مشائخ سے تعلق:

حضرت علامہ صاحب تصوف کے چاروں مشہور سلاسل کو برحق اور چاروں سلاسل سے والہانہ عقیدت ومحبت رکھتے تھے جس کا ثبوت کتاب ''آثار الاحسان فی سیر السلوک والعرفان'' کی شکل میں دیکھا جاسکتا ہے۔ تاہم اکابرین علمائے دیوبند حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے سلسلہ چشتیہ صابریہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے حضرت علامہ صاحب کے بیشتر اساتذہ بھی اسی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے، گو حضرت علامہ صاحب خاندانی طور پر سلسلہ قادریہ سے نسبت رکھتے تھے جس کا اظہار حضرت علامہ صاحب بارہا اپنی مجالس میں فرمایا کرتے تھے اور آگے چل کر اسی سلسلہ کے مشہور بزرگ امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس اللہ سرہ سے بیعت بھی ہوئے اور دس سال سے زیادہ عرصہ حضرت لاہوری کے ساتھ سفر وحضر میں ساتھ رہے اور حضرت کے فیض سے خوب مستفیض ہوئے۔ مگر جس جگہ اور دور میں آپ نے علمی تربیت پائی ان دنوں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہر میدان میں کافی چرچا تھا۔ حضرت علامہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ شروع سے ہی میں حضرت تھانوی کی ہر کتاب کو پڑھا کرتا تھا اور صرف ایک ہی دفعہ نہیں بلکہ کئی کئی دفعہ پڑھا کرتا تھا چنانچہ حضرت علامہ صاحب مجدد دین وملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے سچے عاشق زار تھے۔ آپ حضرت تھانوی کے علم وفضل کے ساتھ ساتھ انکی تصوف پر خدمات کے بڑے ہی قدر دان تھے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ آپ کو شروع ہی سے حضرت تھانوی کے اجل خلیفہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کی تربیت وصحبت میسر رہی اور حضرت مفتی صاحب کے ساتھ حضرت تھانویؒ کے دوسرے بڑے خلیفہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ سے بھی خوب مستفیض ہوئے۔ ان کے علاوہ حضرت علامہ صاحب کا حضرت تھانوی کے چند اجلہ خلفاء سے بیعت کا تعلق بھی رہا اور ان سے اجازت بھی پائی۔ جو درج ذیل ہیں:-

ا: حضرت علامہ صاحب مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت بھی رہے اور خلافت

واجازت بھی پائی۔

۲: آپ کا حضرت مولانا ابرار الحق ہر دوئی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بیعت کا تعلق رہا۔

۳: آپ کو مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی کے خلیفہ حضرت مولانا قمر الزماں الہ آبادی دامت برکاتہم سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی۔ متذکرہ بالا مشائخ کے علاوہ حضرت علامہ صاحب، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔

الغرض حضرت علامہ صاحب نے علم وعمل اور اخلاص ومقام احسان کی منازل طے کرنے میں جس جس عالم وبزرگ کے سامنے زانوئے تلمذتہہ کیا، چاہے وہ مولانا ادریس کاندھلوی ہوں یا مولانا احمد علی لاہوری، سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہوں یا مفتی محمد حسن صاحب، مولانا شمس الحق افغانی ہوں یا مولانا مسیح اللہ خان صاحب، مولانا رسول خان صاحب ہوں یا مولانا خیر محمد جالندھری، گویا کہ ہر ہر جوہری نے اس قیمتی ہیرے کی خوب پہچان کی اس لیے ہر اک بزرگ نے اس ہیرے کو خوب نکھارا اور خوب اسکی علمی تربیت کی اور خوب اسے علمی وروحانی فیض سے مالا مال کیا۔ اس لیے اگر کسی کو ان تمام حضرات کی علمی وروحانی تربیت کا ثبوت دیکھنا ہو تو اس کے لیے سب سے بڑی شہادت خود حضرت علامہ صاحب کی عبقری شخصیت اور انکی بے مثال دینی خدمات ہیں ؎

دل و دیں، سر چشمۂ ہر قوت است
دیں ہمہ از معجزات صحبت است
دیں مجو اندر کتب اے بے خبر
علم و حکمت از کتب، دیں از نظر

معاصر مشائخ سے تعلق:

حضرت اقدس علامہ صاحب کے اپنے معاصر مشائخ سے بڑے اچھے تعلقات رہے۔ جب بھی کوئی بزرگ حضرت علامہ صاحب کو ملتے تو دونوں بزرگوں کا آپس میں عقیدت واحترام اور تواضع کا معاملہ قابل دید ہوتا۔ اور واقع ہی عقیدت ومحبت اور تواضع کا معاملہ دیکھنا ہو تو مشائخ کو آپس میں ملتے دیکھنا چاہیے۔

نقشبندی سلسلہ کے مشہور بزرگ حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ صاحب کا آپس میں بڑا عقیدت کا تعلق تھا۔ اکثر حضرت علامہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ صاحب اور میرے نام کے درمیان ایک نسبت اور مماثلت ہے کہ جس طرح انکے نام کا پہلا جز "خ" سے اور دوسرا جز "م" سے شروع ہوتا ہے اسی طرح میرے نام کا پہلا جز بھی "خ" سے اور دوسرا "م" سے شروع ہوتا ہے۔ (دیکھیے: ۸۳/۱ [ادارہ])

اسی طرح حضرت علامہ صاحب کے حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بڑے گہرے تعلقات

تھے، یہاں حضرت شاہ صاحب کا ایک ملفوظ حضرت علامہ صاحب کے بارے میں بیان کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: ''حضرت علامہ صاحب اس وقت کے امام ابو حنیفہ ہیں۔'' [1]

دور حاضر میں پاکستان میں سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور و معروف بزرگ سیدی و مرشدی حضرت اقدس مولانا حافظ محمد ناصر الدین خاکوانی اطال اللہ حیاتہ سے حضرت علامہ صاحب کے بڑے شفیقانہ مراسم تھے۔ حضرت خاکوانی صاحب حضرت علامہ صاحب کے ہر لحاظ سے بڑے قدر دان ہیں اور دورہ طالبعلمی ہی سے آپ حضرت علامہ صاحب کی مجالس میں تشریف لایا کرتے تھے۔ خانقاہ دارلسلام کے سالانہ جلسے میں حضرت علامہ صاحب کا خصوصی بیان ہوا کرتا تھا۔ حضرت علامہ صاحب کا حضرت خاکوانی صاحب سے محبت و شفقت کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگائیں کہ ایک دفعہ ایک صاحب تشریف لائے اور انہوں نے حضرت علامہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت آپ مجھے بیعت کرلیں۔ آپ نے فرمایا کہ میری لائن علمی ہے، پھر انھوں نے عرض کیا کہ حضرت پاکستان میں میں کس سے بیعت ہوں؟ تو آپ نے فرمایا حضرت خاکوانی صاحب سے یا ان کے ایک خلیفہ پروفیسر یونس صاحب سے۔

برطانیہ میں حضرت علامہ صاحب کے حضرت مولانا اسماعیل ودی رحمۃ اللہ علیہ (حضرت مولانا اسماعیل ودی صاحب سے حضرت علامہ صاحب کے دور طالبعلمی جامعہ ڈابھیل سے تعلقات تھے جس کا ذکر اکثر حضرت علامہ صاحب اور حضرت مولانا اسماعیل صاحب کیا کرتے تھے۔) (بلیک برن) اور حضرت مولانا یوسف متالا رحمۃ اللہ علیہ (حضرت علامہ صاحب اور حضرت مولانا یوسف متالا صاحب کا ایک عرصہ ساتھ گزرا ہے جسے یہاں طوالت کے ڈر سے بیان کرنے سے قاصر ہوں مگر ان شاء اللہ حضرت علامہ صاحب کی برطانیہ و یورپ کی خدمات میں اسکا مفصل ذکر آئے گا۔) سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔

جید اکابر و معاصرین کے اعتماد اور تاثرات:

شروع ہی سے حضرت علامہ صاحب کا شمار صف اول کے علمائے کرام اور اکابر سے وفا کرنے والے جاں نثاروں میں ہوا ہے۔ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے اساتذہ سمیت جید اکابر و مشائخ کا مکمل اعتماد حاصل تھا۔ اور بلاشبہ یہ بڑے اعزاز کا مقام بھی ہے کہ چھوٹوں کی بجائے بڑے کسی پر مکمل اعتماد کا اظہار کریں۔ حضرت علامہ صاحب پر اعتماد و بھروسہ کا کھلے لفظوں میں اظہار کرنے والے آپ کے چند اساتذہ، معاصرین اور دیگر مشائخ کے نام یہ ہیں:

۱- آپ کے استاذ مکرم شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

۲- امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

(حضرت شاہ صاحب حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بڑا شفقت والا معاملہ فرمایا کرتے تھے، حضرت علامہ صاحب کئی اسفار اور کئی مواقع پر حضرت شاہ صاحب کے ساتھ رہے۔ حضرت علامہ صاحب اکثر اپنی مجالس میں حضرت شاہ

---

[1] دیکھیے میاں رضوان نفیس صاحب کا مضمون: حضرت علامہ صاحب اور حضرت سید نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ ۱:۱۱۴۰ [ادارہ]

صاحب کی معیت میں گزرے وقت کے ایمان افرز واقعات سنایا کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کا حضرت علامہ صاحب پر علمی اعتماد اور شفقت کی انتہا کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ پچاس کی دہائی میں ایک دفعہ حضرت علامہ صاحب ملتان کے کسی نواحی گاؤں میں ایک جلسہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں بیان کے بعد جب آپ واپس ہونے لگے تو پتہ چلا کہ اہل حدیث (با اصطلاح جدید) باہر کچھ جگہوں پر جتھوں کی صورت میں ناکہ بندی کیے بیٹھے ہیں تا کہ حضرت علامہ صاحب کو جانی نقصان پہنچا سکیں۔ حالات کے پیش نظر مقامی ساتھیوں نے حضرت علامہ صاحب کو باہر جانے سے روک دیا اور چند ساتھیوں کو حفاظتی پہرے پر مقرر کر دیا۔ جب دو روز گزرنے کے بعد بھی حالات ساز گار نہ ہوئے تو حضرت علامہ صاحب نے کسی کے ہاتھ ملتان دفتر میں حضرت شاہ صاحب کو اس صورتحال کی خبر بھیج دی۔ حضرت شاہ صاحب رقعہ پڑھتے ہی غصہ میں آ گئے اور فوراً ملتان کے اہل حدیث علماء کے بڑوں کو بلایا اور فرمایا اس مسئلہ کو فوراً حل کرو اور مولوی خالد محمود کو فوراً بحفاظت یہاں پہنچانے کا انتظام کرو اور اگر ایسا نہ ہوا اور انہیں کوئی نقصان پہنچا تو یاد رکھنا کہ میں انگریز کے پیچھے لگا تو اسے نکال کر دکھایا، قادیانیوں کے پیچھے لگا تو انہیں ان کے کفریہ عقائد و نظریات کی وجہ سے کافر قرار دلوایا، اور اب اگر مولوی خالد محمود کو کچھ ہوا تو (حضرت شاہ صاحب نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا) جو میری بقیہ زندگی رہ گئی ہے وہ تم لوگوں کے تعاقب میں لگا دوں گا۔ المختصر ایک دو اہل حدیث عالم اور مولانا شجاع آبادی اس گاؤں میں پہنچے اور وہاں کے اہل حدیثوں سے بات کی اور اس طرح متعدد تانگوں پر مشتمل حفاظتی پہرے کے ساتھ حضرت علامہ صاحب کو ملتان دفتر پہنچا دیا گیا۔)

۳- بانی جامعہ اشرفیہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ [خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ]

(حضرت مفتی حسن صاحبؒ بھی آپ کے ساتھ بڑی محبت اور شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، اپنے بیٹوں جیسا سلوک کرتے۔ حضرت علامہ صاحب بھی حضرت مفتی صاحب سے بڑی عقیدت، محبت اور احترام کا معاملہ فرماتے یہاں تک کہ جامعہ اشرفیہ کو آخر تک اپنی یا میری جامعہ کہہ کر ذکر فرمایا کرتے۔ اسی طرح حضرت مفتی صاحب کے تمام بیٹوں اور حضرت علامہ صاحب کے درمیان ساری زندگی آپس میں محبت و مودت کا رشتہ قائم رہا۔)

۴- امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہُ العزیز

۵- حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۶- دار العلوم دیو بند نمبر اور بیس بڑے مسلمان کے مرتب مولانا عبد الرشید ارشد رحمۃ اللہ علیہ

۷- مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

۸- شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

(حضرت کاندھلویؒ جب دار العلوم بری انگلینڈ تشریف لائے تو حضرت علامہ صاحب نے اپنا ایک کتابچہ بعنوان علم جنات و ملائکہ (جو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع میں ہے) حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حرف بہ حرف پڑھ کر

سنایا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کا دفاع سن کر بہت خوش ہوئے۔ آپ نے اپنے خدام کو فرمایا کہ علامہ صاحب جس وقت بھی مجھے ملنا چاہیں وہ مل سکتے ہیں، چاہے میں آرام ہی کیوں نہ کر رہا ہوں، علامہ صاحب کو کوئی نہ روکے۔ نیز ایک اور مجلس میں جہاں ایک مولوی صاحب بھی حضرت علامہ صاحب کے ساتھ تھے، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ صاحب کو فرمایا کہ علامہ صاحب حدیث پڑھیے، علامہ صاحب نے حدیث پڑھی اور حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے آپ کو سند حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی۔)

۹- ضیغم اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

۱۰- سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ ۱

(حضرت چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل علامہ صاحب کے نام لکھے ہوئے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''آپکا ایک مدت دراز ساتھ رہا سفر وحضر میں ہم ساتھی رہے۔ انسانی احتیاط کے باوجود کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ آپ پر معترضین کے ساتھ میں ہمیشہ آپ کا دفاع ہی کرتا رہا۔ لیکن پھر انسان ہے کہیں آپ کے حقوق میں کوتاہی ہو گئی ہو، آپ کا کہیں غیبت گلہ کیا ہو تو خدا کے لیے مجھے معاف کر دیں تاکہ قیامت کے دن مجھ سے مواخذہ نہ ہو۔ میں نے اپنے حقوق ہر ایک کو معاف کر دیئے ہیں، آپ سے بھی توقع ہے۔ شائد اب زندگی میں آپ سے دوبارہ ملاقات نہ ہو سکے اور آپ کو جنازہ کی اطلاع ملے۔''

۱۱- قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۲

۱۲- مناظر اسلام وکیل صحابہ واہل بیت حضرت مولانا عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ ۳

(حضرت تونسویؒ فرمایا کرتے تھے کہ مناظرے میں اگر علامہ صاحب ساتھ ہوں اور کتابیں پاس نہ ہوں تو کوئی پریشانی والی بات نہیں کیونکہ علامہ صاحب ایک چلتا پھرتا کتب خانہ ہیں۔ ایک مرتبہ چناب نگر سے کچھ فاصلے پر کسی گاؤں میں مسلمانوں کا قادیانیوں کے ساتھ مناظرہ طے پا گیا۔ علامہ صاحب بھی ان دنوں کہیں قریب ہی موجود تھے۔ گاؤں والوں نے آ کر علامہ صاحب کو ساری صورتحال سے آگاہ کیا کہ قادیانیوں کے مربیوں پر مشتمل ایک گروپ مناظرے کے لیے آ رہا ہے۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ مناظرہ کرنے میں تو کوئی مسئلہ نہیں مگر اس وقت ہمارے پاس کوئی بھی کتاب موجود نہیں۔ علامہ صاحب نے کچھ دیر سوچ کر فرمایا کہ ٹھیک ہے ایک راہ سوجھ گئی۔ فرمایا قریب کے کسی تبلیغی مرکز سے تیس چالیس جماعتی ساتھیوں کو یہاں لے آؤ۔ تبلیغی ساتھی پہنچے تو علامہ صاحب نے ان کو سب کچھ سمجھا دیا اور فرمایا کہ آپ نے ڈرنا نہیں کیونکہ ان شاءاللہ مناظرہ تو میں کروں گا اور میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔ بس آپ سب نے اسی طرح کرنا ہے جیسا کہ آپ لوگوں کو سمجھایا گیا ہے۔

آپ کو وہاں گاؤں سے کچھ اردو کتابیں ملیں، جنہیں آپ نے ان ساتھیوں کو تھما دیا اور کہا کہ ان کتابوں کی جلد کو رومال یا تولیے سے ڈھانپ لو۔ اور ان ساتھیوں میں سے جن کے حصے کتاب نہ آئی انہیں قرآن کریم دے دیا۔ پھر علامہ صاحب نے تمام

۱، ۲، ۳ تفصیلات کے لیے ''باہمی تعلقات'' نامی باب میں مذکورہ اکابر کے نام سے موسوم مضامین دیکھئے۔ [ادارہ]

ساتھیوں میں سے کسی کو ایک یا کسی کو دو یا تین حوالے زبانی یاد کروا دیئے۔اب یہ حضرات اگلی صبح فجر کے بعد ہی مناظرے کے مقام پر پہنچ گئے۔ان کے وہاں پہنچتے ہی پورے علاقے میں شور مچ گیا کہ مسلمانوں کی طرف سے اتنے زیادہ مولوی مناظرے کے لیے آئے ہیں۔علامہ صاحب نے تمام ساتھیوں کو کہا کہ تمام ساتھی بیٹھ کر اپنی کتابیں پکڑ کر مطالعہ کرتے نظر آئیں۔اور جن کو قرآن کریم ملے تھے انہیں کہا کہ آپ ایک طرف بیٹھ کر تلاوت کریں اور اللہ سے مدد مانگیں۔علامہ صاحب ان ساتھیوں کے پاس فرداً فرداً جاتے اور پوچھتے کہ یہ باب دیکھ لیا؟ یہ حوالہ دیکھ لیا؟ فلاں جگہ نشانی لگالی؟

دوسری طرف قادیانی جاسوسوں نے جب یہ سارا منظر دیکھا تو انہوں نے مربیوں کو اطلاع دی کہ یہاں تو تیس چالیس مولوی کتابیں لیے بیٹھے ہیں اور ان کے مناظر سمیت ہر کوئی خوب تیاری کر کے آیا ہے۔یہ سارا ماجرا سن کر قادیانیوں پر ایک ایسا رعب طاری ہوا کہ قادیانی مربی مناظرے کے لیے ہی نہ آئے اور بالکل آنے سے صاف انکار کر دیا۔بہر حال بعد ازاں حضرت علامہ صاحب نے عقیدہ تحفظ ختم نبوت کی اہمیت پر ایک مفصل بیان فرمایا اور وہاں سے رخصت ہوئے۔)

۱۳-محقق اہل سنت وکیل صحابہ واہل بیت حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ [1]

۱۴-امین ملت مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ [2]

برطانیہ نقل مکانی:

حضرت علامہ صاحب پہلے ۱۹۶۶ء میں ماسٹرز (Masters) اور پی۔ایچ۔ڈی (P.H.D) کے لیے برمنگھم (انگلینڈ) تشریف لائے اور پڑھائی مکمل کرنے کرنے کے بعد دوبارہ پاکستان لوٹ گئے۔آپ کے واپس لوٹنے کے کچھ ہی وقت بعد، جلد ہی پاکستانی ایمبیسی کی طرف سے انگلینڈ میں ایسے عالم دین کی ضرورت پیش آئی جو دینی علوم پر مکمل دسترس کے ساتھ ساتھ عصری علوم اور بالخصوص انگریزی زبان تاثر اکمل مہارت رکھتا ہو۔سو حضرت علامہ صاحب میں یہ تمام مطلوبہ خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔لہٰذا ۱۹۶۹ء میں آپ برطانیہ کے وسطی شہر برمنگھم کی مرکزی مسجد جو کہ سپیڈ ویل روڈ پر واقع تھی، میں امام اور مِنسٹر مذہبی امور minister of religion متعین ہوئے، یہاں پاکستانی تارکین وطن کی بہت بڑی تعداد مقیم تھی اور اِسی مسجد کے متبادل یورپ کی سب سے بڑی مسجد BCM کے قیام کا منصوبہ تجویز کیا گیا جسکی تکمیل چھ سال بعد اواخر ۱۹۷۵ء میں ہوئی۔

تدریسی خدمات:

تدریسی خدمات کے حوالہ سے حضرت علامہ صاحب کی زندگی کے دو نمایاں پہلو ہیں:-

1: دینی مدارس میں تدریسی خدمات

2: عصری اداروں میں تدریسی خدمات

---

[1] [2] تفصیلات کے لیے ''باہمی تعلقات'' نامی باب میں مذکورہ اکابر کے نام سے موسوم مضامین دیکھیے۔[ادارہ]

دینی مدارس میں تدریسی خدمات: حضرت اقدس علامہ صاحب کئی سال سے جزوقتی طور پر جامعہ اشرفیہ لاہور میں حدیث کی مایہ ناز کتاب مؤطا امام مالک کا درس اور دیگر تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اسکے علاوہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر آپ ایک عرصہ تک جامعہ بنوریہ کراچی میں دورہ کے آخری سال کے طلبہ کو مذاہبِ باطلہ کے عقائد ونظریات کا تعارف اور ردِ باطلہ پر نصابی تدریس سرانجام دیتے رہے۔ نیز آپ کا اسی طرح کا تعلق خیر المدارس ملتان سے بھی رہا اور جامعہ رشیدیہ ساہیوال بھی آپ کے علوم سے مستفید ہوتا رہا۔ برطانیہ آنے کے بعد بھی ہر سال کچھ ماہ پاکستان رہنے کا معمول رہا جس کا دورانیہ حسب ضرورت دو سے چھ ماہ تک ہوتا تھا، البتہ ۲۰۲۰ء میں صرف ایک ماہ کی مہلت ہی میسر آئی۔ نیز آخری سالوں میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں بخاری شریف بھی پڑھاتے رہے۔

اس کے علاوہ آپ نے وقتاً فوقتاً دیگر دینی اداروں مثلاً دارالعلوم زکریا ساؤتھ افریقہ، دارالعلوم آزادویل ساؤتھ افریقہ سمیت دیگر کئی ممالک میں مختصر اوقات کیلئے تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

نیز آپ گزشتہ کئی سالوں سے مانچسٹر میں اپنے قائم کردہ مدرسہ جامعہ اسلامیہ میں حدیث کی بڑی کتب صحیح البخاری، صحیح المسلم، ابوداؤد شریف اور مشکوٰۃ شریف سمیت دیگر کتب پڑھاتے رہے ہیں۔

عصری اداروں میں تدریسی خدمات:

پاکستان بننے کے فوراً بعد ان ابتدائی اور نامساعد حالات میں جہاں مختلف دینی مدارس کا قیام معرضِ وجود میں آیا وہاں عصری اداروں میں اسلامی تعلیم کی بھی اشد ضرورت سامنے آئی۔ ان حالات میں اس فریضے کی ادائیگی کیلئے جن حضرات کے نام قرعہ فال نکلا ان میں مولانا رسول خان صاحب، پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی، مولانا نور الحسن اور حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب سمیت چند دیگر علماء شامل ہیں۔

حضرت اقدس علامہ صاحب ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۶ء تک مرے کالج سیالکوٹ میں بحیثیت پروفیسر مصروفِ کار رہے۔ البتہ لاہور کی مرکزی حیثیت، دینی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں اور مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر ومشائخ سے قریبی تعلق کی بناپر کثرت سے یہاں آنا جانا لگا رہتا۔ پھر جب جامعہ اشرفیہ لاہور کی بڑے پیمانے پر وسعت اور تنظیمِ نو کا فیصلہ ہوا تو آپ نے مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک پر لاہور رہائش کا ارادہ کرلیا، وہاں کے کالجوں کی سرگرمیوں میں بھی شرکت کرنے لگے اور کالج کے ساتھ جزوقتی مصروفیت کا آغاز ہوا۔ پھر اتفاق سے خانیوال میں جو ملتان سے کچھ فاصلے پر واقع ہے، کے کالج سے وائس پرنسپل کے عہدے کی پیشکش ہوئی جسے آپ نے قبول فرمایا اور وہاں منتقل ہوگئے مگر قلبی جھکاؤ لاہور ہی کی طرف رہا۔ جب تقریباً دو سال بعد لاہور میں پروفیسر کی ایک مستقل اسامی نکلی تو اسے قبول فرما کر اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل فرمائی۔ لاہور نقل مکانی پر آپکی رہائش جامعہ اشرفیہ کے مسلم ٹاؤن کیمپس میں رہی اور کالج کی ذمہ داریوں کے بعد آپکا سارا وقت جامعہ میں تعلیمی اور تدریسی سرگرمیوں میں گزرتا تھا۔

کچھ عرصہ بعد آپ کو کالج کی طرف سے رہائشی سہولت بھی مل گئی۔ تاہم آپ نے ۱۹۶۹ء تک M.A.O. کالج لاہور میں تدریس کی خدمت کی۔

انگلینڈ نقل مکانی کے بعد آپ مانچسٹر کے قریب ایک ٹاؤن راچڈل (Rochdale) کالج میں بھی بحیثیت لیکچرر رہے اور کچھ سال یہاں بھی تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

مسلک اعتدال اور اتحاد امت کے داعی:

اکثر انسان جب کسی ایک خاص موضوع یا عنوان پر کام کرتا ہے تو کبھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے نکل جاتا ہے مگر حضرت علامہ صاحب میں یہ ایک اہم اور بڑی نمایاں خوبی پائی جاتی ہے کہ آپ نے کسی بھی فرقہ، گروہ یا مذہب سے اختلاف رکھنے کے باوجود سلف صالحین اور اکابرین علمائے دیوبند کے نقش پا پر چلتے ہوئے مسلک اعتدال کے دامن کو ہرگز نہیں چھوڑا۔

کسی بزرگ کی صحبت ہے تم کو کیا معلوم
مرے مزاج میں یہ اعتدال کیوں آیا

جیسا کہ آپ نے عیسائیت پر کام کرنے کے باوجود چند دیگر مفکرین کی طرح اسلام اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مسلمہ نظریات سے انکار نہیں کیا۔ روافض کے مقابل صحابہ کرام کا دفاع کرتے ہوئے کبھی اہل بیت کی شان اور مقام و مرتبہ کو گھٹنے نہیں دیا، اسی طرح نواصب کے مقابل اہل بیت کا دفاع کرتے ہوئے صحابہ کرام کی شان اور مقام و مرتبہ کو گھٹنے نہیں دیا بلکہ ہمیشہ صحابہ و اہل بیت میں مودت و محبت کا نقشہ ہی کھینچا ہے۔ (دیکھیئے حضرت کا چارٹ یا رسالہ شجرہ مودت) آپ اثناء عشری گروہ سے اصولی اختلاف کے قائل تھے۔ آپ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور صحابی رسول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اختلاف میں حضرت علی کو برحق سمجھتے تھے، مگر اس کے ساتھ ساتھ ناقدین صحابہ و امیر معاویہؓ کے مقابل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی پوری طرح دفاع فرماتے تھے۔ مزید برآں آپ نے اہل تشیع کا رد کرتے ہوئے کبھی یزید کا دفاع نہیں کیا بلکہ اپنے بڑوں کی طرح اسکے فاسق و فاجر ہونے کا ہی نظریہ رکھا ہے اور پیش کیا ہے۔

(تقریباً دو سال پہلے کا واقعہ ہے کہ سردیوں کا موسم تھا اور ہمارے ہاں برطانیہ میں سردیوں کا دن بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے۔ ظہر، عصر اور مغرب میں تقریباً ایک یا سوا گھنٹے کا فرق ہوتا ہے، آپ اس سے اندازہ لگائیں کہ مغرب کی نماز چار بجے سے چند منٹ پہلے ہی ہو جاتی ہے۔ گویا کہ چار گھنٹوں میں تینوں نمازیں ادا ہو جاتی ہیں۔ سوان دنوں ہمارے ہاں مسجد میں سات بجے عشاء کی جماعت ہوا کرتی ہے۔ حضرت علامہ صاحب ان دنوں مغرب کے بعد کچھ آرام فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن احقر نے حضرت علامہ صاحب کو لٹایا ہی تھا کہ باہر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو ایک صاحب اندر آئے جن کی عمر تقریباً پینتیس سال ہوگی۔ اندر آ کر انھوں نے اپنا تعارف کروایا کہ میں پاکستان کے صوبہ پنجاب کے فلاں شہر سے ہوں اور مجھے پتہ چلا ہے کہ یہاں کوئی بڑے بزرگ رہتے ہیں جن سے میں ملنا چاہتا ہوں۔ میں نے ان سے ان کا نام پوچھا کیوں کہ مجھے پتہ تھا کہ

حضرت علامہ صاحب پہلے نام ضرور پوچھیں گے۔ان صاحب نے اپنا نام ''یزید'' بتایا۔ یہ نام سننا ہی تھا کہ میں نے حیرت کے مارے ان صاحب سے دوبارہ ان کا نام پوچھا تو پھر انہوں نے اپنا وہی نام دوہرا دیا۔اب میں بڑا حیران و پریشان ہوا اور یہ ڈر بھی پیدا ہوا کہ حضرت علامہ صاحب کو کیسے بتاؤں گا؟ خیر ان صاحب کو میں نے حضرت علامہ صاحب کے کمرے کے باہر انتظار کرنے کو کہا اور خود اندر حضرت علامہ صاحب کے پاس پہنچا۔حضرت نے میرے کچھ کہنے سے پہلے خود ہی پوچھ لیا کہ کون آیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ فلاں علاقے کے ایک صاحب ہیں جو آپ سے ملنا چاہتے ہیں،حضرت نے پوچھا کہ ان کا نام کیا ہے؟ میں نے ڈرتے ہوئے عرض کیا کہ ان کا نام یزید ہے،حضرت علامہ صاحب کو سماعت کا بھی مسئلہ تھا،اس لیے دوبارہ پوچھا کہ کیا نام ہے؟ میں نے عرض کیا ان کا نام یزید ہے۔تو حضرت علامہ صاحب کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی سخت بات سنتے تو اپنی زبان کو دانتوں میں دبا لیا کرتے۔آپ نے نام سنتے ہی زبان کو دانتوں میں دبایا اور بڑی حیرت اور غصہ سے مجھے فرمایا کہ کیا کوئی یزید بھی نام رکھتا ہے؟ آپ نے غصہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے نام صحیح سے سنا نہ ہوگا۔آپ اسے اندر بلائیں۔میں نے اسے اندر بلایا۔وہ کمرے سے باہر کھڑا ہماری ساری گفتگو سن رہا تھا۔بہرحال وہ اندر آیا اور حضرت علامہ صاحبؒ سے ملا۔حضرت علامہ صاحبؒ نے سب سے پہلا سوال اس سے یہی پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ تو اس نے فوراً کہا ''بایزید''۔ یہ سن کر میں بڑا حیران ہوا کہ مجھے تو اس نے یزید نام بتایا اور اندر آ کر کیسے نام بدل لیا!؟ حضرت علامہ صاحب مجھے مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو نہیں کہا تھا کہ بھلا یزید نام بھی کوئی رکھتا ہے؟ میں نے اس شخص کو ذرا گھور کر دیکھا۔وہ پانچ منٹ بیٹھا اور علامہ صاحب سے یہ کہہ کر اجازت لی کہ آپ آرام کریں میں پھر کبھی آؤں گا۔وہ جب باہر نکلا تو میں بھی پیچھے پیچھے ہو لیا اور باہر نکلتے ہی میں نے پوچھا کہ آپ نے تو اپنا نام یزید بتایا تھا مگر اندر جا کر آپ نے بایزید کیوں کہا؟ تو وہ کہنے لگا: بزرگ کافی غصہ کر رہے تھے،اس لیے میں نے اپنا نام بایزید بتا دیا کیونکہ میرے والد کہتے ہیں کہ اگر کوئی یزید نام پر بحث کرے تو تم اپنا نام بایزید بتا دینا۔خیر میری اس سے چند منٹ ذرا بات ہوئی اور پھر وہ چلتا بنا۔)

آپ برملا سید الشہداء کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے عقیدت و محبت کا اظہار فرماتے رہے اور آخر تک انہی کا دم بھرتے رہے (اللہ اللہ! حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اہل بیت کرام سے کس کمال درجے کا عشق و عقیدت کا تعلق تھا کہ آخری دنوں میں گرنے سے پہلے آپ جس موضوع پر تحریری کام فرما رہے تھے وہ رسالہ اہل بیت کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اضافہ جات کا کام تھا۔اور پھر دوسرا یہ کہ جس دن آپکی تجہیز و تکفین ہوئی وہ اکیس رمضان المبارک کا دن تھا سو آپ یہاں بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اپنی نسبت ملا گئے اور اس طرح گویا کہ آپکی ساری زندگی اس شعر کا حقیقی مصداق ٹھہر گئی:

اسلام ما اطاعت خلفائے راشدین
ایمان ما محبت آل محمد است)

آپ ناصبیت کو ایک اعتقادی بدعت کہتے تھے جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

"اہل السنۃ والجماعۃ تقریباً تمام کتب حدیث میں حضرت عباس، حضرت علی المرتضٰی اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب کے باب بندھے ہیں۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر دم تک مقرب ومحبوب رہے۔

بعد کے ہونے والے سیاسی واقعات اور امت کے اختلافات میں واقعات کا جو رخ بھی ہو انہیں حلقہ رسالت کے اعتماد اور قرب رسالت کے امتیاز سے جدا نہیں کیا جاسکتا اور اسی پر اب تک اہل السنۃ والجماعۃ کا اعتقاد و اعتماد رہا ہے۔

اب ان مذکورہ اختلافات کی اس طرح شرح کرنا جس سے ان حضرات کے دامن تقدس پر دھبے نظر آنے لگیں یقیناً فہم سلف سے ایک بغاوت ہوگی اور تاریخ امت میں یہ بھی ایک بدعت سمجھی جائے گی۔

ناصبیت کے اس جال میں زیادہ تر وہی لوگ آتے ہیں جو نئی راہ اختیار کرنے میں کوئی باک نہیں سمجھتے تھے۔ یہ لوگ برملا کہتے ہیں کہ پہلے علماء اس تحقیق کو نہیں چھو سکے جو یہ نئے خلف کر پائے ہیں (معاذ اللہ)

سو یہ ایک اعتقادی بدعت ہے جو ان دنوں خاندان رسالت کے خلاف اٹھ رہی ہے۔" [مقدمہ بدعت اہل بدعت: ۷۵]

المختصر آپ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد ونظریات پر پوری طرح کاربند تھے۔

آپ اتحاد امت کے زبردست داعی تھے اس لیے بریلوی مکتبہ فکر اور مسلک اہل حدیث سے علمی اختلاف رکھنے کے باوجود آپ انہیں امت مسلمہ کا حصہ سمجھتے تھے اور قومی سطح پر انکے ساتھ مشترک عنوانات (عقیدہ تحفظ ختم نبوت، دفاع صحابہ واہل بیت، فقہ، چاند کا مسئلہ اور دیگر قومی عنوانات) پر اکٹھے مل کر کام کرنے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتے تھے۔ اور یہ صرف کہنے کی حد تک ہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی آپ نے ایسا کر کے دکھایا۔ جیسا کہ آپ کو عقیدہ تحفظ ختم نبوت کے دفاع کے لیے مناظروں میں بریلوی اور اہل حدیث حضرات نے بلایا اور آپ بلا تامل اور خوش دلی سے ان میں شریک ہوئے۔ اسی طرح دفاع صحابہ واہل بیت کے میدان میں بھی آپ مل کر کام کرنے کے داعی رہے جیسا کہ ایک جگہ آپ ان تینوں جماعتوں کو اس طرح نصیحت فرماتے نظر آتے ہیں:۔

"راقم الحروف اپنے طویل تجربہ کی روشنی میں اس دور میں ان سب سے زیادہ اہم مقام صحابہ کا بیان سمجھتا ہے اس وقت تین دینی جماعتیں ہیں جن کا علم حدیث ایک ہے اور وہ اہل حدیث، دیوبندی اور بریلوی ہیں۔ اگر وہ اپنے ہاں اپنے مدارس میں، اپنی مساجد میں اور اپنے گھروں میں مقام صحابہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں نکھار کر سامنے لے آئیں اور اسے عام بیان کرتے رہیں تو شیعہ کی چوتھی صدی ہجری سے پندرھویں صدی ہجری تک عوامی حلقوں میں لگائی ہوئی فتنہ وفساد کی آگ یکسر بجھ جائے گی۔

آسمان ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی"

[عظمت الاصحاب: ۲۶]

آپ موجودہ دور میں جدید الحادی تحریکوں کا سن کر بڑے فکر مند ہو جایا کرتے تھے اور کئی کئی گھنٹوں اور کئی کئی دن پریشان رہا کرتے تھے اور انہی حالات میں دین اسلام کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے متعلق سوچا کرتے تھے، علماء سے مشورہ کیا کرتے تھے

چنانچہ اتحاد امت کو مضبوط کرنے اور الحادی تحریکوں سے اپنی نسل کو بچانے کیلئے حضرت علامہ صاحب کی مفکرانہ سوچ کا ایک نمونہ یہاں پیش خدمت ہے جو آپ نے گزشتہ سال کئی علماء کی مجالس میں پیش کیا جس پر علمائے کرام نے خوشی اور تائید کا اظہار کیا۔ آپ فرماتے ہیں:

''اب جب کہ پرویزی اور قادیانی و غامدی وغیرہ سب حدیث کے خلاف جمع ہو چکے ہیں، اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی اور نقشبندیوں کو بھی آپس میں تعاون کر کے ایک جگہ جمع ہو جانا چاہیے۔ اس دور میں جدید الحادی تحریکوں کی روک تھام کے لیے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے زیر سایہ کام کرنے کی ضرورت ہے، امام ابو حنیفہ اور امام طحاوی نے جس قوت کے ساتھ عقائد کے گرد پہرہ دیا ہے اس کو بھی سامنے رکھا جائے تو اعتقادی فتنوں سے بچا جا سکتا ہے کیونکہ ان کتابوں میں جلی طور پر ان تمام اعتقادی فتنوں اور الحادی تحریکوں کے خلاف بڑا قوی علمی مواد اور جواب موجود ہے جس کو سامنے رکھ کر ان جدید الحادی اور اعتقادی تحریکوں کی نقاب کشائی کی جا سکتی ہے۔ اور مزید یہ کہ اسی کی روشنی میں ہم اپنے پڑھے لکھے نوجوانوں کی تربیت کریں اور علماء امت نے اس باب میں جو محنتیں کی ہیں اسکو ساتھ لے کر چلیں تو امید کی جا سکتی ہے کہ قادیانیت، پرویزیت، غامدیت اور دیگر الہادی گروہ جو چودہ سو سالہ روشن تاریخ کو مٹانے میں لگے ہیں انکا سد باب ہو سکتا ہے یاد رکھیے جس دن ہم اپنے اسلاف سے کٹ جائیں گے یہ الحادی فتنے آپ کو نگل لیں گے اور آپکی نسلوں کے ایمان کو تباہ کر دیں گے ۔

زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی''

(تقریباً تین سال پہلے کی بات ہے کہ راقم الحروف نے جاوید احمد غامدی صاحب کی کتاب ''میزان'' حضرت علامہ صاحب کے سامنے پیش کی۔ آپ نے اسے اپنے پاس رکھ لیا اور دو دن وہ کتاب آپ کے زیر مطالعہ رہی۔ تیسرے دن حضرت علامہ صاحب مجھے فرماتے ہیں کہ غامدی صاحب نے اختلافات کو ایک جگہ جمع کر کے بڑی ہوشیاری سے پیش کیا ہے جس کو نیا قاری پڑھتے ہوئے سمجھ نہیں سکتا بلکہ وہ اس کی لفاظی میں ہی کھو جاتا ہے۔ حضرت علامہ صاحب نے کتاب کے کئی صفحات پر نشاندہی کی جس میں کئی مقامات حضرت علامہ صاحب دو سے تین دن تک سمجھاتے رہے۔ تاہم حضرت علامہ صاحب نے مزید فرمایا کہ: میں اب عمر کے آخری حصہ میں پہنچ چکا ہوں جس وجہ سے میں اس پر مستقل طور پر لکھنے سے قاصر ہوں، ہاں اس پر اگر کوئی مضبوط مدرس لکھنا چاہے تو لکھ سکتا ہے۔ اور دوسرا اسکا ایک حل یہ ہے کہ مفتی تقی عثمانی صاحب مدرس بھی ہیں، اور ایک بڑا ادارہ بھی چلا رہے ہیں اور ان کے پاس افراد بھی ہیں، سو وہ اگر اس کتاب کا ایک ایک باب مختلف مدرسین میں تقسیم کر دیں اور پھر اس میں جو مواد انہیں ملے اس کو سامنے رکھ کر مفتی صاحب خود اس پر کچھ مستقل طور پر لکھیں تو یہ ایک بہت بڑا کام ہو جائے جس کی اِس دور میں ضرورت ہے۔

مختلف جگہوں پر قیام:

حضرت علامہ صاحب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی مختلف جگہوں پر گزری آپ پیدا قصور میں ہوئے، پھر امرتسر تشریف

لائے، پھر تقسیم ہند کے موقع پر سیالکوٹ ہجرت فرمائی، پھر لاہور قیام پذیر رہے، پھر مستقل بمعہ اہل وعیال برطانیہ منتقل ہو گئے جہاں تقریباً پانچ سے چھ سال برمنگھم (Birmingham) میں قیام پذیر رہے اور پھر مستقل طور پر مانچسٹر (Manchester) میں ڈیرے لگا لیے۔مگر یہاں مستقل سکونت اختیار کرنے کے باوجود پاکستان کے مختلف تعلیمی اداروں اور دیگر ممالک میں درس وتدریس اور پندونصائح کی غرض سے آپ سال میں چند ماہ سفر پر ہی رہا کرتے تھے۔

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

عالمی اسفار:

آپ دعوت وتبلیغ اور دیگر دینی اغراض ومقاصد کی غرض سے ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، ایران، ترکی، مصر، شام ہانگ کونگ، یوکے، کینیڈا سمیت ریاست ہائے متحدہ امریکہ، یورپ اور افریقہ کے کن کن ممالک میں نہیں پہنچے؟ کہاں کہاں آپ غیر مسلم ممالک میں اللہ رب العزت کے دین کی سربلندی کے لیے نہیں پہنچے؟ کس کس مذکورہ بالا ملک میں آپ نے دین اسلام کے دیوانے اور متوالے بنا کر نہیں چھوڑے؟ تاہم ان تمام ممالک میں حضرت علامہ صاحب کے کئی تبلیغی اسفار ہوئے اور آپ اخیر عمر تک بڑھاپے اور بیماری کو تبلیغی اسفار کے درمیان حائل نہ ہونے دیتے تھے، اس لیے حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت پر یہ شعر بالکل جچتا ہے ۔

سرِ بام بھی پکارا، لبِ دار بھی صدا دی
میں کہاں کہاں نہ پہنچا، تیری دید کی لگن میں

مختلف صفات:

انسان اشرف المخلوقات ہے۔اسے تمام دیگر مخلوقات پر برتری حاصل ہونے کی بنیادی وجہ اللہ رب العزت کا اسے زمین پر اپنا خلیفہ بنانا ہے اور اس واسطے اسے بے شمار ارفع صفات سے نوازا گیا ہے، یہاں ہم بڑے اختصار سے حضرت علامہ صاحب کی چند جلی شخصی اور ایمانی صفات وخوبیوں کا ذکر کرتے ہیں کہ جن سے رب العزت نے انہیں خصوصی نوازا تھا۔

علم وذہانت اور حافظہ:

اللہ رب العزت کی طرف سے انسان کو عنایت کردہ صفات میں سے صفت علم ہی تو ہے جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔حضرت اقدس علامہ صاحب فناء فی العلم تھے، آپکی ذات گرامی ظاہری و باطنی علوم، قوی حافظہ اور ذہانت و فطانت سے مالا مال تھی، یہ اوصاف اللہ رب العزت کی طرف سے آپ پر خصوصی عنایت تھی، اور وہبی عطاء تھی (God Gifted)۔اور انہی خصوصیات کی بناء پر آپ اپنے معاصر علماء سے ممتاز اور منفرد نظر آتے ہیں۔آپ کو کئی کئی صفحات پر محیط اردو، عربی، فارسی عبارات، حوالہ جات اور اشعار و نظمیں زبانی ازبر تھیں۔حالانکہ آخر عمر میں علمی طور پر وہ پختگی نہیں رہتی جو جوانی میں ہوا کرتی ہے مگر حضرت

علامہ صاحب کی بیشتر آخری عمر کی کتب کو دیکھا جائے تو کئی جگہ پہلے سے بڑھ کر علمی نکات اور قوت استنباط وقوت استدلال نظر آتا ہے کیونکہ علم ہے وہ چمن جس میں خزاں آتی نہیں

آخر عمر تک آپکا حافظہ قوی رہا۔ آخر تک پرانے دور کے واقعات اور لوگوں کے نام یاد تھے اور برسوں بعد ملاقات پر بھی لوگوں کو پہچان لیا کرتے تھے۔ آن موصوف کا علمی مقام تو ہر خاص وعام، موافق ومخالف کے ہاں مسلّم ومصمم تھا۔

آپ کا علمی مقام:

آپ کے نام کے سابقہ'علامہ' کے ساتھ ایسا مشہور ہوا کہ مفکر پاکستان علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے بعد آپکا نام مفکر اسلام علامہ ڈاکٹر خالد محمود کے ساتھ ہر خاص وعام، اپنے پرائے سب کے ہاں مقبول ہوا۔ (جس طرح تحریک عقیدہ تحفظ ختم نبوت کے متعدد معروف قائدین؛ مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، ڈاکٹر اقبال رحمہم اللہ کا تعلق کشمیر سے تھا اس طرح اس مرد قلندر حضرت علامہ خالد محمود صاحب کا تعلق بھی کشمیر سے تھا۔ اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ کی ذات مبارکہ کی عصمت کے تحفظ کیلئے سرزمین کشمیر نے ایک سے بڑھ کر ایک نایاب قیمتی ہیرا پیش کیا۔ **فجزاھم اللہ و احسن الجزاء**)۔ باقوال حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور جانشین امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی دامت برکاتہم کہ آج بھی دیوبند یا لکھنؤ یا کسی بھی جگہ لفظ علامہ آتا ہے تو سب سے پہلے ہمارا دھیان حضرت علامہ صاحب خالد محمود صاحب ہی کی طرف مبذول ومنتقل ہوتا ہے۔ (ایک دفعہ حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ برطانیہ کے دورہ پر تشریف لائے ہوئے تھے کہ ایک جگہ ایک کانفرنس میں دیگر علمائے کرام کے ساتھ ساتھ خصوصی طور پر حضرت مولانا مدنی اور حضرت علامہ صاحب بھی مدعو تھے۔ حضرت مدنی وہاں پہلے پہنچ چکے تھے اور حضرت علامہ صاحب بعد میں تشریف لائے۔ حضرت مدنی جہاں تشریف فرما تھے وہاں کافی تعداد میں علمائے کرام بھی ساتھ موجود تھے کہ ایک دم ایک ساتھی اندر آیا اور کہا کہ علامہ خالد محمود صاحب پہنچ گئے ہیں اور اندر تشریف لا رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت مدنی اور دیگر علماء استقبال کیلئے منتظر کھڑے تھے کہ مولانا خالد محمود سومرو رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ وہ سب کو ملے اور بیٹھ گئے۔ یہ سب منظر دیکھ کر حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی جب اس ساتھی نے اندر آکر اطلاع دی تھی کہ علامہ خالد محمود صاحب تشریف لا رہے ہیں تو میں نے سمجھا تھا کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحب مانچسٹر والے تشریف لا رہے ہیں کیونکہ ہمارے ہاں اس دور میں لفظ ''علامہ'' سے دھیان فوراً حضرت علامہ خالد محمود صاحب (مانچسٹر) کی طرف مبذول ہوتا ہے۔)

حضرت علامہ صاحب کا ذخیرہ علم وتصنیفی سرمایہ بہ یک وقت علم وتحقیق کے اوج کمال اور اعتماد علی السلف کی خوشبو سے معطر ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ نے اپنے زور قلم اور کمال تحقیق سے اسلاف اہل السنۃ والجماعۃ کے منہج اور بیانات کو نہایت مدلل اور مضبوط بنیاد فراہم کر دی ہے جو اسلام کی سچی تصویر اور نقطہ اعتدال پہ قائم رہ کر پیغام قرآن وسنت بطرز اسلاف اگلی نسلوں میں منتقل کرنے کی خوشبوؤں سے معطر ہے۔

بارہا علماء کو حضرت علامہ صاحب کی مجلس سے اٹھتے ہوئے یہ کہتے سنا ہے کہ ہم دور حاضر کے بڑے بڑے علمائے کرام کی مجالس میں گئے مگر حضرت علامہ صاحب کی علمی مجالس سے پتہ چلتا ہے کہ علم کہتے کسے ہیں۔علم حقیقت میں ہے کیا۔

علم اور قوت حافظہ کے ساتھ ساتھ تیسرا وصف حاضر جوابی ہے جو آپ کو دیگر معاصر علماء سے ممتاز اور منفرد کرتا ہے جس میں آپ اپنی مثال آپ تھے۔آپ بڑے بڑے مسائل کو منٹوں میں حل فرما کر امام رازی و ابن تیمیہ اور دیگر اسلاف کی یاد تازہ فرما دیتے تھے۔آپ کی حاضر جوابی کے حوالے سے تو پوری ایک کتاب مرتب کی جاسکتی ہے مگر یہاں ہم چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت علامہ صاحب امریکہ کے تبلیغی دورہ پر تھے کہ وہاں جنوبی امریکہ میں ہندوؤں کے ساتھ آپکے سوال و جواب کی نشست طے پائی۔جس کی مختصر روداد یہاں نقل کی جاتی ہے۔

علامہ صاحبؒ نے فرمایا: ہندوؤں نے بات یہاں سے شروع کی کہ وضو میں پاؤں دھونے چاہیں یا مسح کرنا چاہیے؟ میں نے کہا کہ آپکو یہ سوال پوچھنے کا کیا حق ہے کیونکہ تمہارا ہندوؤں کا ہم مسلمانوں کے ساتھ بنیادی اختلاف ہے، جب آپ اسلام ہی قبول نہیں کرتے تو ہمارا آپ سے بنیادی اختلاف ہے، سو پاؤں وضو میں دھونے ہیں یا مسح کرنا ہے اس پر تمہیں بحث کرنے کا کیا حق ہے؟ کیونکہ جہاں بنیادی اختلاف ہوں وہاں فروعی مسائل پر بحث نہیں ہوتی۔

تاہم پھر مردوں کے جلانے یا دفن کرنے پر مناظرہ ہوا۔ ہندوٗ کہنے لگے کہ مردہ جب دفن کیا جائے تو قبر کے اندر پھٹتا ہے اور جب پھٹتا ہے تو گند نکلتا ہے اور لاش کا بڑا برا حال ہوتا ہے، اس لیے ہم ہندوٗ تو اس کو جلا دیتے ہیں تا کہ یہ جو برا حال ہے قبر کے اندر یہ ہو ہی نہ۔(علامہ صاحب نے جواب دیا کہ) مردے کو دفن کر کے یہ جو گند نکلا ہے، آپکے خیال میں ہے، وگرنہ اہل اللہ کی میت کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔مگر خیر اگر آپ ہندوؤں کی مانیں کہ دفن کرنے سے گند نکلتا ہے تو وہ گند کتنی زمین پر پھیلا؟ ہندوؤں کہنے لگے کہ ڈیڑھ گز جگہ پر، (علامہ صاحب نے فرمایا) کہ آپ نے جب مردہ جلایا، جب گوشت جلتا ہے، اس پر تیل پڑتا ہے تو گوشت کے جلنے کی بو پھیلتی ہے تو اس نے کتنی زمین کو گھیرا؟ کتنی فضا کو گھیرا؟ کتنی ہوا پر اسکی بد بو پھیلے گی اور گوشت کے سڑنے کے لیے تو وہ بڑا امیدان ہے، سو پنڈت جی بتائیے کہ ہمارا ڈیڑھ گز تو آپ کو برا لگتا ہے اور اپنا چالیس گز برا نہیں لگتا؟ چالیس گز میں تعفن پھیل رہا ہے اور چمڑے کے جلنے کی بو آرہی ہے، وہ آپکو برا نہیں لگتا؟ (خیر مناظرہ کی روئداد تو آگے اور بھی ہے مگر ہم طوالت کے ڈر سے اسی پر اکتفاء کرتے ہیں)

ایک جگہ اور انگلینڈ میں مشترکہ مجمع میں ایک پنڈت صاحب کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی اس بات کی سمجھ نہ آئی کہ مسلمان مرغی کو ذبح کرتے ہیں اور مرغی کو اگر کوئی مسلمان ذبح کرے تو اس کا گوشت کھالیتے ہیں اور اگر کوئی مرغی مرجائے تو اس کا گوشت نہیں کھاتے تو بھلا یہ بھی کوئی مذہب ہوا کہ خدا کی ماری حرام ہوئی اور اپنی ماری حلال ہوئی؟ علامہ صاحب نے اس پنڈت سے کہا کہ پنڈت جی آپ اس بات کو چھوڑیں اور یہ بتائیں کہ کیا آپکی شادی ہوئی ہے؟ وہ کہنے لگا ہاں ہوئی ہے، علامہ صاحب نے پوچھا کہاں؟ وہ کہنے لگا وہاں، (وہاں سے مراد یہ تھی کہ بہت دور، رشتہ داروں سے باہر۔) پنڈت کہنے لگا کہ آپ مسلمانوں کے ہاں خالہ

کی بیٹی، پھوپھی کی بیٹی، ماموں کی بیٹی، چچا کی بیٹی، فرسٹ کزن سے شادی کر لیتے ہیں لیکن ہمارے دھرم میں ایسا نہیں کرتے۔ بلکہ ہم انہیں بہنیں کہتے ہیں۔ ہمارے دھرم میں ہمارے شاستر میں سارے رشتے چھوڑ کر پھر شادی کرتے ہیں، لہٰذا ہمارے ہاں کوئی قریبی رشتہ نہیں ہوتا۔ سو حضرت علامہ صاحب نے پوچھا کہ آپکی شادی ہوئی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں ہوئی ہے تو پوچھا کہاں ہوئی ہے تو اس نے بتایا وہاں، مطلب رشتہ داروں سے باہر۔ پھر علامہ صاحب نے پوچھا آپ کی کوئی بہن ہے؟ اسنے کہا جی ہاں ہے۔ اسکی شادی ہوئی ہے؟ جی ہوئی ہے۔ شادی کہاں ہوئی؟ پنڈت نے جواب دیا رشتہ داروں سے باہر دور کے لوگوں میں۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ پنڈت جی اب ایک جواب دیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب آپکو جنم دیا، آپکو وجود ملا تو اسی گھر میں آپکے ماں باپ کے ہاں آپکے ماتا اور پِتہ کے ہاں خدا نے ایک لڑکی بھی بھیجی جو آپکی بہن ہے۔ اب ہمارے سوال کا جواب دیں کہ جو لڑکی خدا نے خود آپ کے گھر بھیجی وہ تو آپ کے لیے حرام اور جن کو آپ لاؤ وہ حلال!؟ آپ اسکا جواب دیں۔ کیونکہ آپ کا سوال ہمارے ذمہ تھا کہ جو مرغی خود ماری وہ حلال اور خدا کی ماری حرام، جو لڑکی خدا نے بھیجی وہ حرام اور جسے خود لائے وہ حلال۔ سو آپ اسکا جواب دیں پھر ہم اس کا جواب دیں گے۔ اب پنڈت جی کو ہوش نہ رہا۔ کیونکہ انہوں نے تو ایک مغالطہ پیش کیا جسکی کوئی حقیقت نہ تھی۔

آپ صحیح بات کو صحیح وقت پر اور احسن انداز میں بیان کرنے کی رمز اور حق کی مؤثر تر جمانی کرنے کے گُر سے بخوبی واقف تھے۔ ایک دفعہ راقم الحروف سے فرمایا کہ یہ علمی باتیں جو میں کہتا ہوں، جو کچھ بیان کرتا ہوں، میں یہ علم کہیں سے نیا لے کر تو نہیں آیا بلکہ یہ وُہی علم ہے جو چودہ سو سال سے چلتا آرہا ہے۔ مگر ہاں، الحمد للہ یہ ایک اللہ کی مجھ پر خاص عطاء ہے کہ مجھے پتہ ہے کہ کونسی بات کہاں اور کیسے منطبق (apply) ہوتی ہے، اسکو کس مقام پر ذِکر یا فِٹ (fit) کرنا ہے۔

آپ کو نہ صرف دینی علوم میں ہر قسم کی جزئیات پر مکمل دسترس حاصل تھی بلکہ عصری علوم میں بھی آپکو اچھی خاصی مہارت حاصل تھی۔ کبھی فزکس و کیمسٹری وغیرہ کے موضوع پر گفتگو فرماتے تو ہم حیران رہ جاتے کہ علامہ صاحب کو ان موضوعات پر بھی دسترس حاصل ہے۔!

مزاج، تواضع وانکساری:

برطانیہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں طویل عرصہ سکونت، اچھی ملازمتوں اور پروفیسر و جسٹس جیسے عظیم مناصب وعُہدوں پر فائز رہنے کے باوجود جو سادگی حضرت علامہ صاحب میں دیکھی گئی، اس کی نظیر آج کی دنیا میں کہیں اور نہ ملے گی۔ کوئی چھوٹا آرہا ہے یا بڑا آپ کا دروازہ ہر اِک کے لیے یکساں کھُلا رہتا (جو آج کے دور میں کہیں اور نہیں دیکھا) (حضرت علامہ صاحب کے ہاں سادگی کی تو انتہا تھی، اس دفعہ جنوری میں جب آپ کی پاکستان سے برطانیہ واپسی ہوئی تو حضرت علامہ صاحب کے تلمیذ بھائی انیق صاحب لندن سے آپ کو ملنے کے لیے تشریف لائے۔ بھائی انیق صاحب نے پوچھا کہ حضرت جی آپ کا پاکستان کا سفر کیسا رہا اور جامعہ اشرفیہ میں وقت کیسا گزرا؟ حضرت علامہ صاحب نے فرمایا کہ "الحمد للہ بہت اچھا وقت گزرا، اتنے لوگ پورے پاکستان سے ملنے کیلیئے تشریف لاتے رہے کہ جیسے کوئی بڑا پیر آیا ہے۔" خیر حضرت علامہ صاحب تو اتنی بات فرما کر اپنے تحریری کام میں

مصروف ہو گئے مگر ہم دونوں حضرت علامہ صاحب کے اس جملے پر حیران رہ گئے کہ "جیسے کوئی بڑا پیر آیا ہے"۔ ہم دونوں آپس میں یہی بات کرتے رہ گئے کہ حضرت علامہ صاحب نے "میں" کو کیسے مٹا دیا ہے، اسے کیسے ختم کر دیا ہے کہ آپ اتنے بڑے محقق عالم دین ہو کر بھی خود کو بڑا نہیں سمجھتے۔ آپ کبھی بھی خود اپنے نام کے ساتھ لفظ "علامہ" نہ لکھتے بلکہ کہیں کسی تحریر میں راقم الحروف یا کاتب آپ کے نام سے پہلے لفظ علامہ لکھتا ہے

میری ذات کو جلا کر میری خاک بھی اڑا دو
کہ جو تجھ پہ مر گیا ہو اسے کیا غرض نشاں سے

آپکی سادگی کا یہ عالم تھا کہ گزشتہ کئی سالوں سے بس دو ہی کپڑوں کے جوڑے اور دو ہی تہ بند تھے، اور وہ بھی پیوند لگے ہوئے۔ اگر کہیں بیرونِ ملک سفر کے لیے تشریف لے جاتے تو آج کل کے رواج کے مطابق ہوٹلوں میں نہیں ٹھہرتے تھے، بلکہ مسجد و مدرسہ میں قیام پر راضی رہتے۔ آپ فرماتے تھے کہ اول تو میزبان پر اتنا مالی بوجھ کیوں ڈالا جائے؟ دوم ہوٹلوں میں جہاں طرح طرح کے غیر شرعی کام ہوتے ہوں اس جگہ جانے سے ڈر کیوں نہ لگے؟ سوم آج کے دور میں، جب مادیت ہر طرف چھائی ہوئی ہے، ہم علماء جن کے ہر ہر عمل کو عوام دیکھتی ہے اور اگر ہم ہی اپنے عمل سے مادیت کی ترغیب دیں گے تو لوگوں کو روحانیت کی وراثت کہاں سے ملے گی، ان (عوام الناس) کو اِس طرف کون لائے گا؟ آپ علماء کو نصیحت فرماتے کہ اپنی زندگی کو سادہ اور آسان بنائیں۔

چھوٹوں پر شفقت:

آپ کا یہ خاص وصف تھا کہ آپ چھوٹوں کو اہمیت دیتے، انہیں 'بڑا' بناتے، چھوٹوں پر انتہائی درجے کی شفقت فرماتے تھے۔ ہمارے ہاں ہفتے کے دن حضرت علامہ صاحب کا درس قرآن ہوا کرتا تھا، اس کے بعد دور دراز سے آئے علمائے کرام کے ساتھ ایک مفصل علمی مجلس ہوتی۔ اس مجلس کے بعد حضرت علامہ صاحب کے پوتے اور نواسے سمیت ہم چند نوجوان ساتھی کچھ دیر کے لیے بیٹھ جایا کرتے۔ تو حضرت علامہ صاحب بھی کبھی ہمارے پاس تشریف لے آتے اور کئی سبق آموز واقعات اور لطائف سناتے، گویا کہ آپ چھوٹوں کے ساتھ گھل مل جایا کرتے، اور اسے بالکل معیوب نہ سمجھتے تھے۔

دعوت الی الحق اور دینی حمیت و شجاعت:

ادیان عالم پر نظر دوڑائی جائے تو دو طرح کے مذاہب سامنے آتے ہیں: ۱۔ الہامی مذاہب، ۲۔ غیر الہامی مذاہب، پھر اہل اسلام کے ہاں بھی ایک وہ لائن ہے جو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی صحابہ و اہل بیت سے لے کر صدی بہ صدی ایک سنہری زنجیر کی مانند چلتی ہوئی آ رہی ہے، جسے اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں اور باقی وہ رستے ہیں جو اس شاہراہِ مستقیم سے ٹوٹ کر اپنی راہیں الگ بناتے گئے ہیں۔

حضرت علامہ صاحب کی ساری زندگی اپنے دور میں موجود الہامی و غیر الہامی مذاہب سے لے کر اسلام کے نام پر موجود

باطل عقائد ونظریات پر مبنی گروہوں کے حملوں اور واردات سے دین حقہ اسلام کی شاہراہِ مستقیم کو محفوظ رکھنے میں گزری ہے۔ چاہے وہ تحریر کا میدان ہو، تقریر کا میدان ہو یا مناظرے کا میدان، جب آپ خرمن باطل پہ دلائل و براہین کی بجلیاں گراتے تو پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی کی برکت و نسبت آپ کے گل علم کی پتیاں تیغ وتفنگ کا کام بھی دیتیں جس کی تیز دھاریں باطل کے اوہام وتوہمات کے تمام پرپُرزے اڑا کر رکھ دیتی تھی۔

آپ آخر وقت تک دینی حمیت وشجاعت سے سرشار رہے۔ (عمر کے آخری سالوں میں ضعف اور بیماری کی وجہ سے آپ کسی ساتھی کے سہارا سے اپنے حجرے سے مسجد یا کہیں باہر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مگر اسی طرح اگر کوئی ساتھی دوسری طرف سے بھی سہارا دینے کی کوشش کرتا تو آپ منع فرما دیا کرتے۔ راقم الحروف اکثر یہ سوچا کرتا کہ حضرت علامہ صاحب بیک وقت دو لوگوں کا سہارا کیوں نہیں لیتے!؟ خیر ایک دن ہمت کر کے میں نے پوچھ ہی لیا کہ حضرت جی آپ دو لوگوں کا سہارا کیوں نہیں لیتے؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا دور اندیشی پر مبنی جواب عنایت فرمایا کہ اصل میں میری ساری زندگی اہل باطل کے رد میں ہی گزری ہے اس لیے وہ سارے میرے سخت مخالف ہیں اور ہوسکتا ہے کہ یہاں کہیں باہر جاتے ہوئے اہل باطل بھی مجھے دیکھتے ہوں تو وہ دیکھ کر یہ نہ سمجھیں کہ بس یہ تو اب دو لوگوں کے سہارے پر آ گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اب یہ کچھ نہیں کرسکتا، یہ رہ گیا ہے، کمزور ہو گیا ہے تو لہٰذا میں انکو یہ تاثر نہیں دینا چاہتا بلکہ انہیں مجھے دیکھ کر یہ تاثر ملے اور ان پر یہ رعب قائم رہے کہ یہ تو اب تک ٹھیک ہے اور چلتا پھرتا بھی ٹھیک ہے، ابھی قائم ہے) موجودہ دور میں جب کہیں دین اسلام پر کسی بھی گوشے سے کسی فتنے کی آواز اٹھتی، چاہے وہ آواز توحید ورسالت کے خلاف ہو یا صحابہ واہل بیت کے خلاف، ائمہ فقہاء کے خلاف ہو یا ائمہ تصوف کے خلاف، آپ نے تحریر کے ذریعہ، مناظرے کے ذریعہ، بیانات کے ذریعہ، کانفرنسوں کے ذریعہ، گویا کہ ہر میدان میں بڑی شجاعت و بہادری کے ساتھ مدافعتِ حق کے لیئے خود کو پیش کیا، اور ایسا کر کے آپ نے دفاع کرنے کا حق ادا کر دیا۔

برصغیر پاک وہند کی تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو خال خال گنتی کی چند ایسی شخصیات ملتی ہیں جو اپنے اپنے دور کے ہر فتنے کے خلاف ہر میدان میں نبرد آزما ہوئے ہوں۔ مدیر اعلیٰ ماہنامہ الخیر حضرت مولانا ازہر صاحب حفظہ اللہ نے حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو قوت استخراج وقوت استنباط میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہم اللہ کے بعد چوتھے نمبر پر اس بڑی صف میں شمار کیا ہے جس سے اہل علم ودانش کو انکار نہ ہوگا۔ اور بقول حضرت مولانا محمد اقبال رنگونی صاحب مدظلہ العالی حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا رجال میں، سند میں، راویوں کی تعدیل وتوثیق اور نقد وجرح اور روایات حدیث پر گہری نظر میں انکا دور دور تک کوئی ثانی دکھائی نہیں دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے جو شان اور جو فہم درایت حدیث میں حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرمائی تھی اسکی نظیر دُور دُور تک دکھائی نہیں دیتی اس پر اگر کوئی شخص علامہ صاحب کی کتابوں میں حدیث کی وہ شرح پڑھے جو آپکے قلم سے نکلی ہے اور اسکا دوسرے محدثین کی شروحات حدیث سے موازنہ کرے تو یقیناً آپ ہماری اس بات کی تائید کریں گے۔ (حضرت علامہ صاحب کی

شروحات حدیث جو آپ کی مختلف کتابوں میں مختلف مقامات پر آئی ہے، بعض حضرات اس پر کام کر رہے ہیں جو عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھوں میں ہوگی)

اسی طرح اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو راقم الحروف یہ کہنے کی جسارت کر رہا ہے کہ باقی اکابر علماء کرام نے اپنے جس جس علمی میدان میں خدمات سرانجام دیں وہ اپنی جگہ مسلم و مصمم ہیں، مگر جس طرح حجت الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور کے ہر الہامی و غیر الہامی مذہب اور اسلام کے نام پر باطل عقائد و نظریات پر مبنی گروہوں کے خلاف چاہے وہ مناظرہ کا میدان ہو یا تحریر کا میدان ہر محاذ پر نبرد آزما ہوئے ہیں اس طرح حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اسکا عکس حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علمی حیات میں دیکھا گیا ہے، کیونکہ حضرت علامہ صاحب کی تحریری، تقریری اور میدان مناظرہ کی تمام تر خدمات یہ شہادت پیش کرتی ہیں کہ منکرین خدا اور الہامی و غیر الہامی مذاہب سے لے کر اسلام کے نام پر باطل و گمراہ کن نظریات کے حامل گروہوں تک وہ کونسا فتنہ و گروہ ہے جس پر حضرت علامہ صاحب نے کسی نہ کسی لحاظ سے اپنی مجددانہ خدمات پیش نہ کی ہوں!؟ (ویسے تو حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت علامہ صاحب کے ساتھ پاکستان سے تعلقات قائم تھے مگر جب قاری صاحب پہلی دفعہ غالباً ۱۹۷۴ء میں انگلینڈ کے دورہ پر تشریف لائے تو حضرت علامہ صاحب کی تمام دینی کاوشوں کو دیکھ کر آپ نے مجمع عام میں فرمایا کہ میں علامہ صاحب کو اپنے دادا حجت الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہُ العزیز کے علمی سلسلہ کا اس سرزمین انگلینڈ و یورپ میں امین بناتا ہوں اور اجازت دیتا ہوں۔ اکثر پرانے لوگوں میں سے کوئی حضرت علامہ صاحب کو ملنے کے لیے آتا اور اس واقعہ کا ذکر کرتا تو آپ آبدیدہ ہو جایا کرتے اور فرماتے تھے کہ قاری صاحب بہت بڑی شخصیت تھے، یہ تو بس انکا میرے متعلق حسن ظن ہے، اللہ رب العزت انکے اس اعتماد پر پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے۔)

شب و روز اور عبادات:

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ انتہائی علمی مصروفیات کے باوجود دیگر دینی و دنیاوی امور میں توازن قائم رکھتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ آپ تہجد کی نماز کے لیے اٹھتے، پھر تلاوت اور تسبیحات مکمل فرماتے۔ نماز فجر کی باجماعت ادائیگی کے بعد آپ اپنا علمی کام شروع فرما دیتے جو نو سے دس بجے تک جاری رہتا تھا۔ اسی کے دوران آپ اشراق کی ادائیگی اور ناشتہ فرماتے۔ اکثر دس بجے سے لے کر ساڑھے بارہ تک آرام فرماتے اور اگر حدیث کا درس بعد از ظہر کی بجائے پہلے ہوتا تو آپ صرف گیارہ بجے تک آرام فرماتے۔ ظہر کے بعد عموماً دور دراز سے آئے علمائے کرام اور دیگر مہمانوں کے آنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا، اس لیے کبھی تو آپ قیلولہ فرماتے اور کبھی اسی طرح ملاقاتوں اور دیگر امور کا سلسلہ جاری رہتا۔ عصر، مغرب اور عشاء کے درمیان وقتاً فوقتاً آپ اپنے علمی کاموں میں مصروف رہتے۔ اس کے علاوہ کمیونٹی میں شادی بیاہ، خوشی غمی اور دیگر مواقع پر آپ برابر شرکت فرماتے۔

فناء فی العلم ہونے کے باوجود حضرت علامہ صاحب کو عبادات سے بڑی محبت اور ان کی بجا آوری کی بڑی فکر رہتی تھی

کیونکہ ایمان کے بعد عمل کے ذریعہ ہی اپنی زندگی کو مزین کرنا اور سنوارنا ایک مومن کا شیوہ ہے۔

آپ ہر نماز کو بڑے اہتمام سے ادا فرماتے تھے۔ راقم الحروف کئی سال سے حضرت کے سفر و حضر کا خادم رہا ہے مگر حضرت علامہ صاحب کو آج تک عمر کے اس حصے میں بڑھاپے اور ضعف کے باوجود کبھی نماز میں سستی کرتے نہیں دیکھا گیا۔ بلکہ کئی کئی گھنٹوں کے طویل سفر کے بعد جب کہیں منزل پر پہنچتے اور نماز میں ایک دو گھنٹہ باقی ہوتے اور حضرت علامہ صاحب اگر کچھ دیر آرام کی غرض سے گہری نیند سو جایا کرتے تو نماز سے قبل ادائیگی کے لیے جب بھی اٹھایا جاتا سخت تھکان کے باوجود فوراً بیدار ہو جاتے۔ جس پر میری حیرت گم ہو جایا کرتی کہ اتنے طویل سفر اور سخت تھکان کے باوجود بھی حضرت علامہ صاحب نوجوانوں کی بنسبت کس طرح تیزی سے فوراً اٹھ جاتے ہیں۔ نماز چھوڑنا تو دور کی بات ہے اگر کہیں کسی عذر کی وجہ سے باجماعت نماز رہ جاتی تو آپ بڑے افسوس اور غصے کا اظہار فرماتے۔ آپ پابندی سے تمام نمازیں باجماعت ادا فرماتے۔ کبھی ضعف اور طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے کہا جاتا کہ حضرت نماز یہاں حجرے میں ہی پڑھ لیں تو فرماتے کہ نہیں وہاں بڑی مسجد میں ہی باجماعت نماز ادا کرنی ہے اور پھر اگر کہا جاتا کہ یہاں ہی تین چار ساتھی جماعت کرا لیتے ہیں تو فرماتے کہ مسجد میں بڑی جماعت ہوتی ہے اور وہ ہی اصل جماعت ہے، لہٰذا نماز وہیں ادا کی جائے گی۔

آپ نماز کے تمام ارکان کو بڑے آرام و سکون سے اور خشوع و خضوع سے ادا فرماتے۔ اتنی عمر، بڑھاپے اور ضعف کے باوجود آپ بڑی مشکل سے سجدہ زمین پر ہی کرتے۔ آپ بڑے اطمینان سے اور طویل سجدہ کرتے۔ اکثر علمائے کرام تشریف لاتے اور آپ کو اس طرح کھڑے ہو کر اور سجدہ زمین پر کرتے ہوئے دیکھ کر حضرت علامہ صاحب سے فرماتے کہ حضرت آپ تو معذور ہیں، آپکو زمین پر سجدہ کرتے کافی مشکل پیش آتی ہے تو آپ بیٹھ کر ہی نماز ادا کر لیا کریں۔ حضرت علامہ صاحب فرمایا کرتے کہ سجدہ کے بغیر نماز ہی کیا!؟ وہ نماز ہی کیا جو سجدہ کے بغیر ہو، مجھے زمین پر سجدہ کرنے کے بغیر نماز ادا کرنے کا مزہ ہی نہیں آتا

سجدہ عشق ہو تو عبادت میں مزہ آتا ہے
خالی سجدوں میں تو دنیا ہی بسا کرتی ہے

حضرت علامہ صاحب کا وضو اور سجدہ سے عشق و محبت کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگائیں کہ پچھلے سال حضرت علامہ صاحب کی آنکھوں کا آپریشن ہوا۔ ڈاکٹر کی ہدایات کے مطابق آپ چند دن تک پانی استعمال نہ کر سکتے تھے اور نہ ہی سجدہ کر سکتے تھے۔ پانچ دن گزرنے کے بعد حضرت علامہ صاحب نے راقم الحروف کو فرمایا کہ مجھے تیمّم کی بجائے وضو کرواؤ۔ میں نے عرض کیا کہ ڈاکٹر نے پانچ سے سات دن تک احتیاط کا کہا ہے اس لیے اگر دو دن اور احتیاط کر لی جائے تو مناسب رہے گا۔ تو حضرت علامہ صاحب نے جواب دیا کہ "پانچ دن ہو گئے ہیں جو کافی ہیں"۔ اور پھر ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ "اصل میں بات یہ ہے کہ آج سے تقریباً بیس سال پہلے میرے ناک سے خون بہنا شروع ہوا تھا جس کی وجہ سے میں وضو اور سجدہ نہ کر سکتا تھا۔ سو اس وقت میں نے اللہ رب العزت سے دعا کی کہ یا اللہ جب تک میں زندہ رہوں تب تک تو وضو اور سجدہ کی نعمت مجھے محروم نہ کرنا۔ اس لیے جب تک

وضو اور سجدہ نہ ہو مجھے سکون نہیں آتا، میری طبیعت بے چین رہتی ہے۔“

عشق کا اعجاز سجدوں میں نہاں رکھتا ہوں میں
نقش پا ہوتی ہے پیشانی جہاں رکھتا ہوں میں

فرض نماز تو اپنی جگہ رہی حضرت علامہ صاحب نوافل کا بھی خوب اہتمام فرماتے تھے اور تہجد کی نماز باقاعدگی سے ادا فرمایا کرتے۔ حضرت اقدس علامہ صاحب کبھی مجمع عام میں دعا کرتے ہوئے روتے نہ تھے، مگر جب تہجد کے وقت دعا فرمایا کرتے تو اپنے رب کے روبرو بچوں کی طرح روتے اور گڑگڑاتے۔ اکثر امت مسلمہ پر رحم اور اہل باطل کی ہدایت کے واسطے دعائیں کرتے ہوئے آپ کی بے ساختہ چیخیں نکل جایا کرتیں تھیں اور آپ بار بار اپنے ان جملوں کو دہراتے رہتے۔

حضرت علامہ صاحب رمضان المبارک شروع ہونے سے پہلے اس ماہ مبارک کا پورا اہتمام اور استقبال فرماتے تھے۔ اس ماہ مبارک میں حضرت علامہ صاحب میں معمول سے ہٹ کر ایک جوش اور قوت وتوانائی دیکھی جاتی تھی۔ آپ رمضان المبارک میں اپنے اعمال کو بڑھا دیا کرتے تھے۔ چند سال سے ضعف اور بڑھاپے کی وجہ سے جب عرض کیا جاتا کہ حضرت روزے نہ رکھیں، فدیہ ادا کر دیتے ہیں تو آپ انکار کر دیتے تھے اور فرماتے کہ شروع سے نماز، روزہ اور بیس رکعات تراویح نہیں چھوڑی۔ چنانچہ آپ آخر تک بیس رکعات تراویح کھڑے ہو کر اور سجدہ زمین پر کرتے تھے۔ ہر سال آپ آخری عشرہ معتکف ہوتے اور اس دفعہ ماہ رمضان المبارک شروع ہونے سے دو ماہ پہلے ہی سے فرماتے رہے کہ اس سال پورا مہینہ معتکف ہونے کا ارادہ ہے۔ تاہم اس ماہ مبارک کے فرض روزے تو اپنی جگہ پر رہے آپ تو آخر تک نفلی روزے بھی نہ چھوڑا کرتے تھے۔

حضرت علامہ صاحب نے کئی حج ادا کیے۔ ذوالحج کا مہینہ شروع ہوتے ہی ایک عجیب سی کیفیت آپ پر طاری ہو جایا کرتی تھی اور بالخصوص یوم العرفہ کے دن تو گریہ کی سی کیفیت رہتی اور خوب دعائیں فرماتے تھے۔

حضرت علامہ صاحب انفاق سبیل اللہ کے موقع پر ہمیشہ پہل فرماتے۔ آپ کسی دینی کام کیلئے جب مالی ترغیب دیا کرتے تو پہل اپنی ذات سے فرمایا کرتے۔ آپ عرصہ دراز سے اپنے ادارے میں تمام تر دینی خدمات بغیر کسی معاوضے کے سر انجام دیتے رہے۔ آپکی یہ خاصیت تھی کہ آپ فضول خرچ نہ تھے، یہاں تک کہ جب آپ سپریم کورٹ آف پاکستان میں جسٹس کے عہدہ پر فائز تھے تو آپ جس جگہ حکومت کی طرف سے رہائش پذیر تھے، وہاں ساتھ ہی ایک دوسرے صاحب بھی آپکے ساتھ سپریم کورٹ میں ہی کسی عہدہ پر فائز تھے۔ آپ کو حکومت کی طرف سے روزانہ ایک گاڑی بمع دیگر حفاظتی اہلکاروں کے ساتھ گھر سے لینے اور چھوڑنے آتی تھی۔ اور ساتھ والے ان صاحب کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ آپ نے ایک دن ان صاحب سے مشورہ کیا کہ ہم دونوں جب ایک جگہ ہی جاتے ہیں تو ہم دونوں ایک ہی گاڑی میں کیوں نہ چلے جایا کریں کیونکہ اس سے حکومت کا خرچہ بھی بچے گا اور یہ فضول خرچی کے زمرہ میں بھی نہ آئے گا۔ خیر وہ صاحب بھی آپ کی اس بات پر متفق ہو گئے۔ آپ حکومتی گاڑی اور دیگر سہولیات کبھی بھی اپنی ذاتی اغراض ومقاصد کے لیے استعمال نہ کرتے بلکہ اتنے بڑے عہدہ پر فائز ہونے کے باوجود آپ عام

لوکل بسوں اور گاڑیوں پر سفر کرتے تھے۔

تصانیف:

آپ بلند پایہ اور کثیر تصانیف مصنف تھے۔ آپ نے درجنوں کتابیں، رسائل اور چارٹ تالیف فرمائے ہیں جنکے نام درج ذیل ہیں:-

کتب ورسائل:

آثار التنزیل (دوجلدیں)، آثار الحدیث (دوجلدیں)، آثار التشریع (دوجلدیں)، آثار الاحسان (دوجلدیں)، خلفائے راشدین (دو جلدیں)، مقام حیات (دو جلدیں)، تجلیاتِ آفتاب (دو جلدیں)، عبقات (دو جلدیں)، بست بابی (دو جز)، مطالعہ بریلویت (دس جلدیں)، مطالعہ قادیانیت (چار جلدیں: عقیدہ الامت فی معنی ختم نبوت، عقیدہ خیر الامم فی مقامات عیسیٰ ابن مریم، عقیدہ الاعلام فی الفرق بین الکفر والاسلام، مرزا غلام احمد قادیانی)، مطالعہ عیسائیت، معیار صحابیت، عظمت الاصحاب فی بیان ام الکتاب، اہل بیت کرام، دوازدہ احادیث، محرم کی دس راتیں، علم حدیث پر عصر حاضر کی جدید مشقیں، شاہ اسماعیل شہید، نماز کا مقام توحید، علم ملائکہ وعلم جنات، تقدیس الحرمین، چمکتے عقائد، فضائل ایمان، آسان راستہ، عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے، الہام الباری فی تفہیم صحیح البخاری، قدوری (کتاب الصلوۃ کا ترجمہ وشرح) الشرح الضروری من فقہ القدوری، مصباح الظلام، رسالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کیسے قائم ہوئی، نجات کا راستہ، تقیہ نہ کیجئے، عقائد الشیعہ، خطبات خالد (تین جلدیں)، سیرت نبوی اور وحدت امت، تربیتی درس بر موضوع امامت، مظلوم علمائے حق کی داستان، انوار الفجر فی تفسیر سورۃ العصر، مناظرے ومباحثے۔

(مزید دیکھیے باب تصنیفات: ۱/۶۱۹[ادارہ])

انگریزی کتب ورسائل:

Comparison of the attitudes of The Authenticity of Hadith, A Kulayni regarding the basic doctrines of -Bukhari and al-al Convenient Way of Understanding Qadiyanisim, Islam,A Beliefs, Basic Differences Of Sunni and Shia, The Shi'ite Lesson on the Final Hadeeth of Saheeh Tree Of Love, A Bukhari,The Belief of the Ummah regarding the Finality of Ummat fi Ma'naa Khatm -Aqeedat al)Prophethood The Concept of Nubuwwat and Risalat, The ،(Nubuwwat-al Rank of the Sahabah

اردو چارٹ:

شجرہ مودت، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تین اسفار، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا علمی شجرہ، دہلی کے روشن ستارے، برصغیر کی عظیم یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند، دین میں لائے گئے پچاس نئے اعمال۔

انگریزی چارٹ:

Three Jihad Expedition,The Tree of ,Hadhrat Hussain's R.A knowledge of Imam Abu Hanifah Regarding Hadith and Fiqh,Islam at a Glance

نوٹ: یہ تمام اردو انگریزی چارٹ کتابی سائز میں تقریباً تیس تیس صفحات سے کم نہیں۔

غیر مطبوعہ:

متذکرہ بالا مطبوعہ کتب کے علاوہ چند غیر مطبوعہ کتب اور رسائل بھی ہیں جن میں مطالعہ دیو بندیت، برطانیہ میں پچاس سالہ عقیدہ تحفظ ختم نبوت کی خدمات، رسالہ بارہ آیات سمیت کئی دیگر مسودات شامل ہیں۔ نیز اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر میں گزشتہ پچاس سال سے دیئے گئے درس قرآن، خطبات جمعہ وعیدین اور دیگر غیر مسلم اجتماعات (Inter Faith) میں حقانیت اسلام پر بکھیرے گئے نایاب علمی جواہرات کو تحریری شکل میں ایک جگہ اکٹھا کرنے پر کام ہو رہا ہے جسے حضرت مولانا محمد اقبال رنگونی صاحب مدظلہ العالی، حضرت مفتی فیض الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی اور حضرت مفتی عزیز الحسن صاحب مدظلہ العالی سرانجام دے رہے ہیں۔

احقر حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تمام مقدمات، تقاریظ اور مختلف جرائد (دارالعلوم دیوبند، الجمعیۃ، الخیر، خدام الدین، الرشید، الہلال، لولاک، بینات اور الاسلام) میں چھپنے والے تمام مقالات اور استفسارات کو یکجا کتابی شکل میں ترتیب دے رہا ہے اور اس پر حضرت کی زندگی میں ہی کام شروع کر دیا گیا تھا۔ نیز اس کے علاوہ حضرت علامہ صاحب کے کئی سال تک جامعہ اشرفیہ لاہور میں مؤطا امام مالک پر دیئے گئے دروس پر بھی حضرت علامہ صاحب کی حیات سے کام جاری ہے۔ اس لیے قارئین سے ان تمام علمی کاموں کی تکمیل کے لئے دعاؤں کی درخواست کی جاتی ہے۔

مختلف دینی جماعتوں سے وابستگی:

حضرت علامہ صاحب کا اہل حق کی تمام دینی جماعتوں سے یکساں شفقت والا معاملہ تھا۔ آپ بلا کسی تفریق کے ہر جماعت کے ساتھ پوری علمی معاونت فرمایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے کہ یہ تمام دینی جماعتیں ہماری اپنی ہیں، جو فرد جس جس جماعت میں کام کر رہا ہے وہ دل جمعی کے ساتھ لگا رہے، مگر اپنی جماعت کے علاوہ دوسری جماعتوں کی محنت کو بیکار یا غلط نہ کہے، تفرقہ وجدال کی فضاء اور گروہ بندی سے اجتناب رہے۔ تاہم یہاں چندان دینی جماعتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے ساتھ کسی بھی

درجے میں آپ کے تعلقات رہے۔

۱- تنظیم اہل سنت: آپ ۱۹۴۰ء کی دہائی میں تنظیم کے ساتھ وابستہ ہوئے اور پھر جو قوت و توانائی اور عروج و کامرانی تنظیم اہل سنت کے حصہ میں آئی، اہل علم اِن حقائق سے بخوبی واقف ہیں۔ [۱]

۲- تحریک خدام اہل سنت: حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کی بنائی گئی اس جماعت کے زیر اہتمام سالانہ جلسوں اور دیگر پروگراموں میں آپ ضرور شرکت فرمایا کرتے تھے۔

۳- جمعیۃ علمائے اسلام: آپ جمعیت علمائے اسلام کے ساتھ ایک مدت تک وابستہ رہے۔ آپ نے لاہور سے جمعیت کے پلیٹ فارم سے 1970ء کے انتخابات میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ نے ہی برطانیہ میں علماء کو محرک فرما کر جمعیت علمائے برطانیہ کی بنیاد رکھی۔

۴- عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت: آپ پاکستان و برطانیہ میں عالمی مجلس کے تحت منعقدہ کانفرنسوں میں باقاعدگی سے شرکت فرماتے رہے۔

۵- مجلس احرار پاکستان: آپ اس پلیٹ فارم سے حضرت شاہ صاحب کی انتھک جہدِ مسلسل میں محرک رہے۔ آپ اکثر احرار کے منعقدہ پروگراموں میں مدعو ہوتے۔

۶- انٹرنیشنل تحفظ ختم نبوت موومنٹ: اس جماعت کا قیام سرزمین انگلینڈ میں عمل میں آیا۔ اس جماعت کے بانی حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ تھے جو حضرت علامہ صاحب کے قریبی دوست اور ساتھی تھے۔ آپ اس جماعت کی سرگرمیوں میں شرکت فرماتے اور اپنا پورا علمی تعاون پیش فرماتے۔

۷- اہل السنۃ والجماعۃ (سپاہِ صحابہ): جماعت اہل سنت ہمیشہ حضرت علامہ صاحب کو اپنے بڑے اکابر میں شمار کرتی رہی ہے۔ حضرت مولانا حق نواز رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت مولانا احمد لدھیانوی دامت برکاتہم تک اس جماعت کے ہر قائد و امیر نے حضرت علامہ صاحب کے ساتھ عقیدت و محبت کا تعلق رکھا۔ مولانا حق نواز شہید حضرت علامہ صاحب کے علم کے گرویدہ تھے۔ اس کا اندازہ آپ اس ایک واقعہ سے لگائیں کہ مولانا حق نواز شہید جھنگ سے چل کر لاہور صرف حضرت علامہ صاحب کی کتاب ''عبقات'' لینے کے لیے آئے۔ گھر پر دستک دی تو صاحبزادہ شاہد محمود باہر آئے، حضرت علامہ صاحب کا پوچھا تو بتایا گیا وہ گھر پر نہیں۔ مولانا نے کتاب عبقات لینے کی خواہش ظاہر کی۔ صاحبزادہ صاحب کتاب لے آئے تو مولانا حق نواز شہید نے اپنی جیب سے تمام رقم نکال کر صاحبزادہ صاحب کو دے دی۔ صاحبزادہ صاحب نے رقم زیادہ دیکھ کر کہا کہ یہ تو کتاب کی قیمت سے بہت زیادہ ہے تو جواب میں مولانا نے فرمایا کہ اس کتاب کے مقابلے میں تو یہ رقم کچھ بھی نہیں، اگر میرے پاس اس سے کئی گناہ زیادہ مال ہوتا تو بھی میں سارا آپ کو پیش کر دیتا۔ اسی طرح حضرت مولانا علی شیر حیدری رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے مدرسہ کے طلبہ کو یہ نصیحت

---

[۱] تفصیلات کے لیے دیکھئے مولانا محمد عمر قریشی کا مضمون: حضرت علامہ صاحب اور تنظیم اہل سنت: ۱/۷۰۷ [ادارہ]

فرمایا کرتے تھے کہ میں تمہیں ان دو کتابوں کو لازمی اول تا آخر پڑھنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ایک ''آفتاب ہدایت'' (مصنفہ: حضرت مولانا ابوالفضل قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ) اور دوسری ''عبقات'' ۔

۸-تبلیغی جماعت: حضرت علامہ صاحب ان چند آخری افراد میں سے تھے یا غالباً آخری فرد ہی رہ گئے تھے کہ جنہوں نے حضرت مولانا الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تھا۔حضرت علامہ صاحب فرمایا کرتے کہ میں اس وقت دس بارہ سال کا تھا جب حضرت مولانا الیاس صاحب ہمارے علاقہ میں جماعت لے کر تشریف لائے،اور ہم بچوں نے انہیں گشت کروایا جیسا کہ آج تبلیغی حضرات اپنا عمومی گشت کرتے ہیں۔اسی طرح حضرت علامہ صاحب فرمایا کرتے کہ جب حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ آخری دفعہ لاہور تشریف لائے تو میں اور مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ دونوں حضرت جی کو مسجد بلال میں ملے۔جہاں ہمارے ایک استفسار پر حضرت جی نے فرمایا کہ یہ جماعت کا کام تب تک چلے گا جب تک اس کی باگ ڈور علماء کے ہاتھ میں رہے گی۔حضرت علامہ صاحب کے حضرت حاجی عبدالوہاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بڑے اچھے تعلقات تھے۔وہ جب بھی انگلینڈ تشریف لاتے تو حضرت علامہ صاحب کو ضرور ملتے اور علامہ صاحب پاکستان ہوتے تو وہاں بھی آپس میں ملاقات رہتی۔علامہ صاحب فرماتے تھے کہ میں اور حاجی صاحب اس وقت کے دوست ہیں جب یہ حضرت لاہوری قدس سرہ کے پاس دورۂ تفسیر کے لیے آیا کرتے تھے اور حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی اکثر مجالس میں ہم اکٹھے ہوتے تھے۔

حضرت علامہ صاحب کے جماعت کی اہمیت پر ایک بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت چلی اور پھر ختم ہوئی خلافت عثمانیہ پر۔جب خلافت ٹوٹ گئی اور اُمّت پوری طرح ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی،اجتماعیت ختم ہوگئی،تو پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا الیاس صاحب کے ذریعے اس تحریک کو دنیا بھر میں متعارف فرمایا کہ مسلمان اپنی زندگی میں پورے کے پورے دین کو لائیں،اللہ سے اپنے تعلق کو مضبوط کریں،آنحضرت ﷺ کی سیرت کو اپنائیں،صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے نقشِ پا پر چلیں اور اجتماعیت پیدا کریں جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ نے اُمّت کو ایک بنایا اور پھر وصالِ رسولِ خدا کے بعد سلسلۂ خلافتِ اسلامی کے تحت مسلمان ایک قوم رہے۔تاہم آج بھی وحدتِ اُمّت کی محنت میں اخلاص ہوا،تو جلد ان شاء اللہ خلافت دوبارہ قائم ہوگی۔

رفقاء و معاصر علماء:

حضرت علامہ صاحب کے رفقاء اور معاصر علماء سے بڑے مخلصانہ اور محبت بھرے تعلقات رہے۔اِن علماء کرام میں کچھ تو وہ حضرات ہیں جو اگرچہ عمر میں بڑے تھے مگر آپ کی خداداد ذہانت اور قابلیت کی بنا پر آپ کی معاونت کی قدر کرتے تھے اور مختلف موقعوں اور محاذوں پر آپ نے ان حضرات کے ساتھ مل کر کام کیا اور دوسرے وہ ہیں جو آپ کے قریب العمر یا آپ کے اصاغر میں سے تھے۔چنانچہ یہاں ہم دونوں طبقوں میں سے چند مشہور علمائے کرام کے نام ذکر کیے دیتے ہیں:

۱: مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا محمد عبداللہ درخواستی، مولانا مفتی محمود، مولانا غلام اللہ خان رحمہم اللہ وغیرہم۔

۲: مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا اسعد مدنی، مولانا دوست محمد قریشی، مولانا منظور احمد چنیوٹی، مولانا عبد الرحمٰن اشرفی و برادران، مولانا سید ابوذر بخاری، مولانا عبدالستار تونسوی، مولانا محمد سرفراز خان صفدر، مولانا قاضی مظہر حسین، مولانا اللہ یار خان، مولانا احمد شاہ چوکیروی، مولانا صوفی عبدالحمید سواتی، مولانا عبد اللطیف جہلمی، مولانا عبد الرشید ارشد، مولانا محمد نافع، مولانا سمیع الحق، مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی، مولانا سلیم اللہ خان، حضرت حاجی عبدالوہاب، مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا احمد الرحمٰن، مولانا محمد صدیق (خیر المدارس ملتان)، مولانا محمد ضیاء القاسمی، مفتی عبدالباقی صاحبان رحمہم اللہ وغیرہم۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گاہے بگاہے ان تمام علماء کرام اور دیگر معاصرین سے اپنے تعلقات اور واقعات کا ذکرِ خیر فرمایا کرتے تھے اور کبھی احقر خود بھی کئی علماء کے متعلق پوچھ لیا کرتا تھا۔ آخری سالوں میں جب کہیں ان بزرگوں میں سے کسی قریبی دوست کا ذکر آتا (مثلاً، حضرت چنیوٹی، حضرت تونسوی، مولانا محمد نافع اور مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمہم اللہ وغیرہم) تو اکثر حضرت علامہ صاحب آبدیدہ ہو جایا کرتے اور فرمایا کرتے کہ اب کس سے مِلوں؟ کس سے دل کی بات کروں؟ کون ہے جس سے مشورہ ہو سکے؟ سب ہی ایک ایک کر کے چلے گئے۔ اور کبھی فرماتے کہ اپنے تمام ساتھیوں میں سے، میں نے سب سے زیادہ عمر پائی ہے (الحمد للہ)۔

ان بزرگوں کے متعلق یادداشتیں تو اور بھی بہت ہیں مگر اختصار کے پیش نظر فی الحال اِسی تفصیل پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ ان شاء اللہ زندگی رہی تو آئندہ کبھی اس پہلو پر بھی کام کیا جائے گا۔

ع وسعت دل ہے بہت وسعت صحرا کم ہے

وفات اور تجہیز و تکفین:

حضرت علامہ صاحب معمول کے مطابق جامعہ اشرفیہ لاہور بخاری شریف پڑھانے کے لیے دسمبر ۲۰۱۹ء میں پاکستان تشریف لے گئے۔ انگلینڈ میں چند ضروری امور کی وجہ سے یہ دورہ مختصر کرنا پڑا اور آپ اس دفعہ تقریباً چھ ہفتے پاکستان میں قیام کرنے کے بعد جنوری میں واپس انگلینڈ تشریف لے آئے۔ اس دفعہ پاکستان کے اس سفر میں حضرت علامہ صاحب نے معمول سے ہٹ کر کئی ضروری کام نمٹائے جن سے ایسے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علامہ صاحب محسوس کرتے تھے کہ اب میرا سفر آخرت قریب ہے۔

اسی طرح جب آپ واپس انگلینڈ تشریف لائے تو علامہ صاحب کی طبیعت پہلے سے مختلف نظر آئی۔ ہر کام کو جلد از جلد حتمی شکل دینے کی کوشش رہی۔ حضرتؒ کے نواسہ ڈاکٹر حافظ زین صاحب اور راقم الحروف چند سال سے ترجمہ و تفسیر اور حدیث کی بڑی کتابیں حضرتؒ کے پاس پڑھنے کی سعادت حاصل کر رہے تھے۔ حضرت علامہ صاحب کی انگلینڈ واپسی پر آپ نے بخاری

شریف کی تدریس کے لیے (جو اختتامی مراحل میں تھی) وقت کا دورانیہ بڑھایا اور ساتھ ہی عقیدہ طحاویہ بھی پڑھانا شروع کیا۔
۱۵ فروری بروز ہفتہ بعد از نماز ظہر تکمیل بخاری شریف اور بعد از نماز عشاء درس کی مجلس میں عقیدہ طحاویہ کی تکمیل پر سند و اجازت عطا فرمائی اور اجازت کے بعد فرمایا کہ ان دو کی جو ذمہ داری اٹھائی تھی الحمدللہ وہ پوری ہوئی۔ حضرت علامہ صاحب کے حسب معمول انداز سے ہٹ کر ایسا کہنے سے راقم الحروف کو بڑا ڈر سا محسوس ہوا۔

تیرے بچھڑنے کے خیال سے ڈر جاتا ہوں
نہ جانے کتنا اس ڈر سے بکھر جاتا ہوں

اسی طرح اپنی کتابوں کے حوالے سے بھی معمول سے ہٹ کر گاہے بگاہے کئی نصیحتیں فرمائیں اور کئی چیزیں بتلائیں جس سے میرے ڈر میں مزید اضافہ ہی ہوتا چلا گیا کہ ایک دن حضرت علامہ صاحب نے مفتی فیض الرحمٰن صاحب اور راقم الحروف کو اپنے کمرے میں بلایا اور اصرار فرمایا کہ مجھے پاکستان بھیج دیا جائے، اسی اثنا میں آپ گھر اپنی بیٹی ام زین سے ملنے تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھے لگتا ہے کہ میرے پاس وقت زیادہ نہیں اور میں یہاں کی بجائے پاکستان میں آخری وقت گزارنا چاہتا ہوں۔ مگر گھر والوں نے بھی یہی رائے دی کہ آج کل اس وبا کرونا وائرس کا چرچا شروع ہے تو آپ کچھ انتظار فرمالیں۔ دوسری طرف حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہ جملے جہاں مجھے اندر ہی اندر سے کھائے جا رہے تھے وہاں حضرت علامہ صاحب کی پہلے سے بھی بہتر اور تندرست صحت کو دیکھا جاتا تو کچھ اطمینان اور تسلی سی رہتی۔

یوں تو خیال کدھر کدھر نہیں جاتا
مگر ان سے بچھڑنے کا ڈر نہیں جاتا

تاہم انگلینڈ میں مارچ کے پہلے ہفتے میں لاک ڈاؤن شروع ہوا جس میں سب کچھ بند کر دیا گیا۔ اپریل کے آخر میں رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہوا۔ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ماہ رمضان شروع ہونے سے دو ماہ پہلے ہی بار بار یہ ارشاد فرماتے رہے کہ پہلے تو میں آخری عشرہ معتکف ہوتا ہوں، مگر اس دفعہ میرا ارادہ ہے کہ میں پورا مہینہ معتکف رہوں۔ مگر لاک ڈاؤن کی وجہ سے مساجد بند تھیں۔ اس لیے آپ اپنے حجرہ میں ہی مقیم تھے۔

ہر سال رمضان المبارک شروع ہونے سے پہلے حضرت علامہ صاحب اس مبارک ماہ کا بڑا اہتمام و استقبال فرماتے تھے۔ عمر کے اس حصے میں بڑھاپے اور ضعف کے باوجود آپ کے اندر معمول سے ہٹ کر اس ماہ میں ایک اسپرٹ، طاقت و توانائی دیکھی جاتی۔ پچھلے چار، پانچ سال سے ہر سال ہم حضرت علامہ صاحب سے عرض کرتے کہ حضرت فدیہ ادا کر دیتے ہیں، آپ روزے نہ رکھیے مگر حضرت کسی کی نہ سنتے پھر ہم کہتے کہ حضرت آپ تراویح کی نماز بیٹھ کر پڑھ لیجئے مگر آپ اس پر بھی انکار کر دیتے اور فرماتے کہ میں نے شروع سے نماز، روزہ اور بیس رکعات تراویح کبھی نہیں چھوڑی۔

اسی طرح معمول کے مطابق اپنے اس آخری رمضان المبارک سے پہلے بھی اس ماہ کا خوب اہتمام فرمایا اور اس دفعہ

معمول سے ہٹ کر یومیہ پانچ ، پانچ سیپارے تلاوت فرمائے اور پوری بیس رکعات تراویح کھڑے ہو کر ادا کی۔

آپ کی صحت بالکل ٹھیک تھی کہ نو رمضان المبارک سے آپ کو کھانسی و بلغم کی شکایت شروع ہوئی۔ گیارہ رمضان المبارک بروز منگل بمطابق ۵رمئی ۲۰۲۰ء مغرب پڑھ کر آپ تقریباً ایک گھنٹہ آرام کے لیے لیٹ گئے تاکہ نماز عشاء اور تراویح کے لیے تازہ دم ہوسکیں۔ نماز عشاء کی جماعت سے تقریباً آدھ گھنٹہ پہلے آپ اٹھے اور نہ جانے کیسے اٹھتے ہوئے توازن برقرار نہ رکھ سکے اور وہیں اپنے کمرے میں گر گئے جس سے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی اور آپ کو فوراً ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔

دوسری طرف کرونا وائرس کے پیش نظر ہسپتال میں حضرت علامہ صاحب کے ساتھ کوئی دوسرا نہ جا سکتا تھا حتیٰ کہ اولاد میں سے بھی ساتھ کوئی نہ جا سکتا تھا، ہسپتال والے لواحقین میں سے صرف آپ کی بیٹی ام زین سے رابطہ کر سکتے تھے۔ تاہم اپنے مسلمان ڈاکٹر زجن کی ڈیوٹی وہاں ہسپتال میں تھی ان سب کو متحرک کر دیا گیا جو وقتاً فوقتاً حضرت علامہ صاحب کی خبر گیری کرتے رہتے۔ ایک صاحب نے یہاں تک بتایا کہ جب میں آپریشن سے پہلے حضرت علامہ صاحب کو ملنے کے لیے گیا تو حضرت علامہ صاحب نے فرمایا کہ مجھے نماز ادا کرنی ہے اس لیے آپ میری نماز ادا کروا دیجیے۔ ان ساتھی نے حضرت علامہ صاحب سے کہا کہ حضرت اب دن کا وقت ہے، لہٰذا ابھی نماز کا وقت نہیں ہوا۔

بہرحال دوسرے دن رات کو آپریشن کر دیا گیا جو کامیاب رہا مگر ہوش نہ آنے کی وجہ سے I.C.U ایمرجنسی میں ریکوری کے لیے چوبیس گھنٹوں کے لیے رکھا گیا۔ اگلے دن آپ کو ہوش آیا مگر بڑھاپے اور پھر اس عمر میں آپریشن کی وجہ سے کمزوری بہت زیادہ بڑھ چکی تھی۔ دوسری طرف ہم سب کے لیے سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ہم حضرت کو نہ دیکھ سکتے اور نہ مل سکتے تھے جس وجہ سے ہمارے اذہان میں طرح طرح کے خدشات اور طرح طرح کے خیالات ابھرتے رہتے تھے۔ کبھی آپ کی حالت کچھ بہتر ہو جاتی اور کبھی حالت پہلے کی طرح خراب ہو جاتی۔ ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ اگر ریکوری ہو بھی گئی تو آپ پہلے کی طرح چل پھر نہ سکیں گے، جس سے راقم الحروف کو کبھی یہ خیال بھی گزرتا کہ اس مرد قلندر، اس شیر نے ساری زندگی محتاجی کا سامنا نہیں کیا، عمر کے اس حصے تک اپنے چھوٹے بڑے کام خود ہی کیا کرتے یہاں تک کہ روزانہ اپنے بستر کو بھی خود ہی سمیٹا کرتے اور اگر کوئی آگے بڑھ کر سمیٹنے کی کوشش کرتا تو منع فرما دیتے۔ سو یہ خیال گزرتا کہ کیا پتہ اللہ رب العزت انہیں کسی کے ہاتھوں پر ڈالیں ہی نہ۔ اور اسی طرح آپ کو اپنے پاس بلا لیں۔

تاہم اسی طرح دن گزرتے گئے کہ انیس رمضان المبارک بروز بدھ شام کے وقت ہسپتال سے گھر فون کال کی گئی کہ حضرت علامہ صاحب کو جن مشینوں پر لگایا گیا ہے انہیں ہم بند کر رہے ہیں کیونکہ مریض تندرست (Improve) نہیں ہو پا رہا جس سے انہیں مزید تکلیف دینے کی ضرورت نہیں، اس لیے آپ آ کر آخری دفعہ مل سکتے ہیں جس پر گھر والوں نے کہا کہ آپ مشینیں بند نہ کیجئے اور جتنی دیر تک معاملہ چلتا ہے آپ چلنے دیں اور ہم آ رہے ہیں۔ اسی دوران گھر سے مفتی فیض الرحمٰن صاحب اور احقر کو فون کیا گیا کہ آپ حضرات بھی ہسپتال پہنچ جائیں۔ حضرت مفتی صاحب ہسپتال کے قریب تھے اس لیے آپ فوراً پہلے پہنچ

گئے۔مفتی صاحب نے پہنچ کر دیکھا کہ حضرت کی طبیعت پہلے سے کافی بہتر محسوس ہو رہی تھی اور آپ ہوش میں بھی تھے۔اور کبھی بالکل تھوڑی سی بات بھی ہلکی آواز میں کرتے جو مکمل سمجھ نہ آتی۔حضرت علامہ صاحب نے پانی مانگا وہ پلایا گیا۔اور کچھ بات ارشاد فرماتے جس کو پوری طرح سمجھا نہ جاسکا مگر ایک دو الفاظ ''ختم نبوت اور صحابہ کرام'' سمجھ میں آتے۔دوسری طرف جب دوسرے تمام حضرات پیچھے ہسپتال کے دروازے پر پہنچے تو ہسپتال والوں نے اندر آنے سے منع کر دیا اور کہا کہ آپ کے مریض پہلے سے اب بہتر ہیں اور ان کے پاس پہلے سے ایک صاحب موجود ہیں، اس لیے آپ اندر نہیں جاسکتے، لہٰذا آپ سب واپس چلے جائیں۔سوان حالات میں مفتی صاحب نے حضرت علامہ صاحب کی تمام گھر والوں کو اور راقم الحروف کو واٹس ایپ ویڈیو کال پر باری باری کال کر کے زیارت کروائی۔حضرت علامہ صاحب اس وقت آنکھیں کھولے ہوئے تھے، آپ کا چہرہ نورانی اور سرخی مائل تھا اور آپکی طبیعت میں پورا اطمینان وسکون نظر آ رہا تھا۔تاہم کچھ دیر کے بعد ہسپتال والوں نے مفتی صاحب کو بھی گھر جانے کے لیے کہہ دیا اور آپ واپس تشریف لے آئے۔حضرت علامہ صاحب کے گرنے سے لے کر اس دن تک پوری دنیا میں حضرت علامہ صاحب کے محبین اور چاہنے والوں کی طرف سے دعاؤں کا سلسلہ جاری تھا اور ہر طرف سے فون کالز اور ٹیکسٹ میسجز کا تانتا بندھا ہوا تھا۔

تاہم اس رات ہم سب میں سے کوئی سو نہ سکا طرح طرح کے خیالات نے گھیرے رکھا۔جمعرات بیس رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ ہجری بمطابق ۱۴ رمئی ۲۰۲۰ء صبح کے وقت راقم الحروف ایک گھنٹہ سویا ہی تھا کہ نو بجے حافظ زین صاحب کی کال آئی اور انھوں نے غم کا پہاڑ توڑتے ہوئے یہ خبر دی کہ ہسپتال سے اطلاع آئی ہے کہ آفتاب علم وعمل صبح ۸ ربجکر ۳۲ رمنٹ پر غروب ہو کر اپنے خالق حقیقی سے جاملا ہے **إنا لله وإنا إليه راجعون**۔یہ سنتے ہی ایسا محسوس ہوا کہ اتنے مصائب ٹوٹ پڑے ہیں جنہیں اگر دنوں پر ڈالا جائے تو وہ بھی راتیں ہو جائیں۔

دنیا کے لیے تو یہ صبح کا وقت تھا مگر علم کی دنیا میں وہ ایک تاریک وسیاہ رات تھی جس قافلۂ حق کا میر کارواں اور اسلاف کو اخلاف سے جوڑنے والی زنجیر کی سب سے نادر کڑی ٹوٹ چکی تھی۔مجدد وقت کا سفر تجدید پورا ہوا، ہسپتال کی کاغذی کارروائی کی وجہ سے جمعرات کے دن میت تاخیر سے ملی اس لیے غسل وتدفین اسی دن نہ ہوسکی۔جمعہ کے روز دن گیارہ بجے حضرت علامہ صاحب کے نواسے حافظ زین صاحب، مفتی فیض الرحمٰن صاحب، بھائی بلال صاحب اور راقم الحروف نے حضرت علامہ صاحب کے جسد اطہر کو غسل دینے کی سعادت حاصل کی۔ایک دن گزرنے کے باوجود آپکا جسد خاکی بالکل نرم وملائم تھا۔اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے آپ بڑے سکون واطمینان سے آرام فرما رہے ہیں۔دوران غسل جب آپکے دائیں ہاتھ کو دیکھا گیا تو تمام ساتھی حیران رہ گئے کہ آپکی شہادت کی انگشت کھڑی ہوئی تھی جیسا کہ آپ شہادت دیتے ہوئے ہی اپنے خالق حقیقی سے جاملے ہیں کیونکہ جب تک آپکو ہوش رہا آپ کو نماز ادا کرنے کی بڑی فکر تھی اور دوسرا آپ جب بھی اپنے بیانات میں اللہ رب العزت کی وحدانیت کا ذکر فرماتے تو اپنی شہادت کی انگلی اٹھا لیا کرتے اور جیسا کہ کہا جاتا ہے: **العبـرة بالخواتيم.** انسان جس حال میں زندگی گزارتا ہے

پھر خاتمہ بھی اسی کے مطابق ہوتا ہے۔

اور حضرت علامہ صاحب کی ساری زندگی اور آخری وقت کو دیکھا جائے تو مومن مسلمان ایسی موت کی ہی خواہش کرے گا کہ آخری سال میں رسالت مآب ﷺ کی سیرت مبارکہ پر کتاب مقام حیات جلد دوم کی تکمیل، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان اور عظمت پر چالیس آیات قرآنی بعنوان ''عظمت الاصحاب فی بیان ام الکتاب'' تحریر کی اور گرنے سے پہلے جو تحریری کام چل رہا تھا وہ رسالہ ''اہل بیت کرام'' میں اضافہ جات کا سلسلہ جاری تھا، آخری دن جو الفاظ سمجھ میں آرہے تھے وہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ''ختم نبوت'' اور آپ کے ''صحابہ کرام'' کے الفاظ تھے، اور پھر جس ماہ میں وصال ہوا وہ بھی رمضان المبارک کا رحمتوں اور برکتوں والا مہینہ، پھر بیس رمضان المبارک کو وصال سے آپ ہمیشہ کیلئے معتکف ہو گئے اور اکیس رمضان المبارک کے دن تدفین ہو کر آپ اہل اسلام کے چوتھے خلیفہ راشد اور چشتیہ صابریہ سلسلہ کے روحانی فرزند ہونے کی حیثیت سے اپنی نسبت مولائے مؤمنین، **امام المتقین** سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے قائم و دائم کر کے بعد والوں کو یہ پیغام دے گئے کہ تو حید ربانی کے مبلغ، حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و عصمت کے محافظ، عظمت صحابہ و اہل بیت کے جانثار کا وقت آخر ایسا ہی ہوتا ہے۔

حضرت علامہ صاحب کی وفات کی خبر پھیلتے ہی ایک کہرام سا مچ گیا یو۔کے سمیت دیگر تمام ممالک سے فون کالز کا تانتا بندھ گیا۔کرونا وائرس وبا کی وجہ سے یہی اعلان کیا گیا کہ کوئی بھی شخص نماز جنازہ کے لیے تشریف نہ لائے اور اپنے اپنے مقام سے ہی ایصال ثواب کیا جائے، مگر اس کے باوجود اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر پورے یو۔کے سے آپکے محبین، مخلصین اور شاگردوں کی ایک بڑی تعداد جنازے کی ادائیگی کے لیے پہنچ گئی۔لوگوں کی تعداد کی وجہ سے دو جگہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔پہلی نماز جنازہ حضرت کی قائم کردہ سٹی جامع مسجد مانچسٹر کے باہر پارکنگ کے احاطہ میں حضرت علامہ صاحب کے نواسے حافظ زین صاحب نے پڑھائی اور دوسری نماز جنازہ قبرستان میں مفتی فیض الرحمٰن صاحب نے پڑھائی۔نماز جنازہ کے بعد صاحبزادہ طارق محمود صاحب، حضرت مولانا محمد اقبال رنگونی صاحب، حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب، حضرت مولانا محمد حنیف صاحب، حضرت مولانا قاری محمد صاحب اور حضرت مولانا ابرار صاحب سمیت دیگر علماء و عوام الناس نے اشک بار آنکھوں اور لرزتے ہاتھوں اس گنجینہ علوم کو سپرد خاک کر دیا۔

مٹی میں کیا سمجھ کر دباتے ہو دوستو!
گنجینہ علوم ہے یہ گنج زر نہیں

اولاد: حضرت علامہ صاحبؒ کے تین بیٹے [۱] صاحبزادہ طارق محمود، [۲] صاحبزادہ شاہد محمود، [۳] صاحبزادہ ناصر محمود اور [۴] ایک بیٹی ام زین ہیں۔

☆......☆......☆......☆

مولانا عبدالغفور [یکے از خدام حضرت علامہ صاحبؒ......محمود پبلیکیشنز، اردو بازار لاہور]

خدمت میں گزرے اوقات کی یادیں

الحمد کالونی (تین نمبر اسٹاپ) لاہور میں استاذِ محترم قاری دوست محمد صاحب کے پاس بندہ قرآن پاک کی دوہرائی کے سلسلہ میں زیرِ تعلیم تھا، انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ لگے ہاتھوں میٹرک بھی کرلو، ۴، ۵ ربجے تک قرآن پاک یاد کرلیا کرو اور اُس کے بعد ہمایوں صاحب کے پاس میٹرک کی تیاری کے لیے چلے جایا کرو۔ چنانچہ حسبِ ارشاد بندہ نے میٹرک کی تیاری کے لیے تین نمبر اسٹاپ خیبر بلاک اقبال ٹاؤن لاہور میں واقع سر ہمایوں صادق صاحب کی جیلانی اکیڈمی میں داخلہ لے لیا۔ اکیڈمی میں تعلیمی سلسلہ شروع ہونے میں ابھی دو تین ماہ باقی تھے کہ ہمایوں صاحب نے مجھے فرمایا کہ یہ دو تین ماہ چھٹی، ساتویں اور آٹھویں کا نصاب پڑھ لو۔ چنانچہ وہ پڑھا اور دو تین ماہ بعد دسویں کی پڑھائی شروع کردی۔

اکیڈمی کے بانی و چیئرمین سر ہمایوں صادق صاحب کا حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ سے بہت گہرا اور قریبی تعلق تھا، حضرتؒ اُن کے ہاں تشریف لاتے رہتے تھے، چنانچہ ۲۰۰۷ء میں بندہ کو حضرت علامہ صاحبؒ سے پہلی ملاقات کا شرف اسی جیلانی اکیڈمی میں حاصل ہوا، حضرت کو اُس وقت نکسیر کا مرض تھا، جھکنے سے نکسیر پھوٹ پڑتی تھی، لہٰذا نماز کے لیے بادِلِ نخواستہ حضرت کو کرسی پر بیٹھنا پڑتا۔ اکیڈمی میں نماز کی امامت میرے سپرد تھی۔ اُس وقت حضرت علامہ صاحب جسٹس تھے اور اُن کے تحقیقی کاموں میں ''تجلیات آفتاب'' کا کام چل رہا تھا۔ سردیوں میں حضرتؒ کے لیے چھت پر صف بچھائی جاتی تھی، ہم اُس وقت ناسمجھ تھے، اِس لیے استفادہ وغیرہ کا خیال نہیں آیا۔ دو چار ملاقاتیں اکیڈمی میں ہی ہوئیں۔ ۲۰۰۸ء میں بندہ نے میٹرک کا امتحان دیا اور پھر درس نظامی کے لیے جامعہ محمدیہ چوبرجی چوک لاہور میں درجہ اولیٰ میں داخلہ لے لیا۔ آئندہ سال جب بندہ درجہ ثانیہ میں تھا، تب کی بات ہے کہ ہمارے استاذ سر ہمایوں صادق صاحب نے ہمارے ساتھی مولانا عمران انور صاحب [ہری پوری، مقیم بینک اسٹاپ لاہور] کو حضرت علامہ صاحب کی خدمت پر مامور کیا، اُس وقت میرے استاذ مولانا عبدالصبور ہزاروی صاحبؒ کافی بیمار رہتے تھے، اور مولانا عمران انور صاحب اُن کی خدمت بھی کیا کرتے تھے، جس وجہ سے انہوں نے مجھے کہا کہ تم علامہ صاحب کی خدمت میں آجایا کرو۔ ہمایوں صاحب نے بھی تائید فرمادی، چنانچہ بندہ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر سنت نگر حاضر ہونے لگا، اسباق سے فراغت کے بعد ۱۲ ربجے مدرسہ سے علامہ صاحب کے گھر حاضر ہوجاتا اور صبح وہاں سے واپس مدرسہ آتا تھا۔ یہ غالباً ۲۰۰۹ء تھا۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہلا جمعہ جو گزار مجھے ابھی تک یاد ہے کہ حضرتؒ نے صبح فجر کے بعد سورہ کہف، سورہ یاسین اور سورہ مزمل کی بہ آوازِ بلند تلاوت فرمائی، حضرتؒ چارپائی پر تشریف فرما تھے، میں پاس ہی نیچے بیٹھ گیا اور

تلاوت شروع کردی، کچھ دیر بعد دروازہ پر دستک ہوئی، میں باہر نکلا تو ایک صاحب تشریف لائے جو رنگ روغن کا کام کرتے تھے اور علامہ صاحب نے انھیں صبح کے وقت بلوایا ہوا تھا، مجھے اِس کا علم نہیں تھا، لہٰذا میں نے جا کر حضرت کو اُن صاحب کی آمد کی اطلاع دی، حضرت تلاوت فرما رہے تھے، لہٰذا ہاتھ سے اشارہ فرمایا، جسے میں سمجھ نہیں سکا، اور اُن صاحب سے کہہ دیا کہ حضرت ابھی مصروف ہیں۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے۔ تلاوت سے فراغت کے بعد حضرتؒ نے فرمایا: اُن صاحب کو بلاؤ، تو میں نے عرض کیا کہ آپ نے اشارہ فرمایا تھا تو میں نے انھیں واپس بھیج دیا ہے۔ اِس پر مجھے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ علماء کی عقل روشن ہونی چاہیے، علم دین حاصل کرنے والوں کو اپنی عقل روشن رکھنی چاہیے۔ تاکہ موقع و محل کے مطابق بات اور معاملہ سمجھ بھی سکیں اور بات کر بھی سکیں، اُنھیں معلوم ہو کہ کس موقع پر کیا کرنا ہے اور کیا کہنا ہے۔ آج علماء کو اسی لیے مشکلات کا سامنا ہے کہ اُن کی عقلیں روشن نہیں۔ اور مجھے فرمایا کہ: تم نے قرآن پاک کی بے ادبی کی، میں چارپائی پر بیٹھا تھا، تم قرآن پاک لے کر نیچے بیٹھ گئے، اِس بے ادبی کی وجہ سے تم سے یہ غلطی ہوئی، لہٰذا توبہ استغفار کرو اور آئندہ بے ادبی سے بچو۔ دو تین دن اِس بات پر تنبیہ فرماتے رہے۔

اُس دن تو وہ صاحب چلے گئے، پھر علامہ صاحب نے دوبارہ اُنھیں بلوایا، اور انھیں سارا کام سمجھایا، خود علامہ صاحب کرنل سلیم لالی صاحب یا چوہدری احسن صاحب [نزد جناح ہسپتال لاہور] کے گھر چلے گئے، دو تین روز وہیں رہے اور مجھے رنگ روغن کی نگرانی کے لیے سنّت نگر والے گھر رہنے کا فرمایا۔ چنانچہ پہلے پلستر اور مرمت کا کام ہوا پھر رنگ روغن کا۔

ڈیفنس لاہور کے رہائشی کرنل سلیم لالی صاحب جو قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں، اُن کا علامہ صاحب سے بہت گہرا اور قریبی تعلق تھا۔ جب حضرت قاضی صاحبؒ نے حضرت علامہ صاحب کو ''تجلیات صداقت'' کا جواب لکھنے کے لیے فرمایا تھا، اُس وقت کرنل سلیم صاحب بھی علامہ صاحب کے ہمراہ تھے۔ چنانچہ علامہ صاحب ''تجلیاتِ آفتاب'' میں لکھتے ہیں:

> ''پھر انہوں (مولانا قاضی مظہرؒ) نے اپنے مرض الوفات میں اپنے ایک معتقد ریٹائرڈ فوجی کرنل کو راقم الحروف کی طرف بھیجا کہ میں انھیں چکوال میں ملوں۔ میں انھیں ملا اور انہوں نے مجھے ڈھکو صاحب کی کتاب تجلیات صداقت دی اور اس کا جواب الجواب لکھنے کے لیے کہا۔'' [۲/۳۱] (مزید دیکھیے: ۱/۹۹۔ ۱/۱۲۴۔ ۱/۶۳۲۔ ۱/۶۶۱۔ ۲/۱۸۷۔ ۲/۴۷۰۔ ۲/۴۹۹ [ادارہ])

۲۰۱۰ء میں جب ''تجلیات آفتاب'' کی پہلی جلد کا کام مکمل ہوا، طباعت کے مراحل بھی طے ہو چکے تو موضع مسکین پور (ضلع مظفر گڑھ) کا سالانہ نقشبندی اجتماع قریب تھا، حضرت علامہ صاحب کا وہاں بیان ہوتا تھا، چنانچہ علامہ صاحب کے ساتھ مجھے وہاں حاضری کا موقع ملا، ''تجلیات آفتاب'' کے ڈیڑھ دو سو نسخے ہم ساتھ لے گئے، جلد اول کی قیمت تقریباً ۲۳۰/روپے تھی، ملتان میں شیخ الحدیث مولانا فیض اللہ آزاد صاحب کے بھائی ملک عطاء اللہ صاحب کے گھر دوپہر کا کھانا کھایا، پھر مسکین پور پہنچے، حضرت کا بیان ہوا، پھر حضرت واپس لاہور تشریف لے گئے اور مجھے فرمایا کہ: تم یہیں رہو، اجتماع کے ختم تک یہ کتب فروخت کرو، پھر اپنے گھر چلے جانا، (وہاں سے میرا گھر قریب ہے۔) چنانچہ اجتماع کے اختتام پر میں اپنے گھر علی پور چلا گیا۔ ''تجلیات آفتاب''

جلد اول کا دوسرا ایڈیشن تقریباً ۲۰۱۹ء میں شائع ہوا۔ جب میں گھر سے واپس آیا تو آثار الحدیث، آثار التشریع، آثار التنزیل اور مطالعہ بریلویت کا کام چل رہا تھا، حضرتؒ نے مجھے پروف ریڈنگ کا طریقہ سکھایا، چنانچہ پروف ریڈنگ کے بہانے مجھے پہلی بار ان کتب کے مطالعہ کا موقع ملا۔

میں چونکہ مدرسہ میں زیرِ تعلیم تھا، اور روز ہی بارہ بجے وہاں سے نکل آتا، میرے ساتھ مولانا عمران انور صاحب بھی ہوتے تھے، صبح میں مدرسہ واپس پہنچتا تھا تو طلبہ ساتھی مجھ سے پوچھتے تھے کہ تم کہاں جاتے ہو؟ میں انھیں بتاتا کہ حضرت علامہ صاحب کی خدمت میں ہوتا ہوں، بعض ساتھیوں کو اشتیاق ہوا کہ وہ بھی حضرتؒ کی خدمت کی سعادت حاصل کریں، چنانچہ بھائی صہیب ظفر نے اپنی اِس خواہش کا اظہار کیا، بندہ حضرت علامہ صاحب سے اجازت کے بعد انھیں اپنے ساتھ علامہ صاحب کی خدمت میں لے گیا، پھر کچھ عرصہ بعد ان کے خلوص، عقیدت، اور روشن دماغی کی بدولت اُن کی درخواست پر علامہ صاحبؒ نے انھیں بھی خدمت میں رہنے کی اجازت مرحمت فرمادی، بھائی صہیب ظفر ثالثہ والے سال اکثر میرے ساتھ چلے جاتے تھے، اس طرح وقتاً فوقتاً صہیب بھائی کی حضرت سے کافی جان پہچان ہوگئی تھی، پھر درجہ رابعہ والے سال صہیب بھائی نے کہا کہ اگر مجھے بھی جمعرات کی خدمت مل جائے تو بہت اچھا ہوگا، لہٰذا میں نے حضرت سے خدمت کی بات کی تو حضرتؒ نے انکار فرمادیا۔ پھر کافی عرصہ گزر گیا، میں نے پھر حضرتؒ سے دوبارہ بات کی، اُس وقت حضرت نے اُن کو کافی حد تک پرکھ لیا تھا، پھر حضرت علامہ صاحب نے انھیں صرف جمعرات تا جمعہ کی شام تک اجازت دی۔ اور مجھے کہا کہ تم جمعہ کی شام تک لازمی آجایا کرنا۔ اس طرح مجھے ہفتہ میں ایک دن والدین کی خدمت کا موقع بھی مل جایا کرتا تھا۔

پھر جب ہم درجہ سادسہ میں پہنچے تو میری شادی ہوگئی، اس کے بعد بھائی صہیب نے حضرتؒ کی خدمت کی مستقل ذمہ داری سنبھال لی۔ اور پھر انھوں نے ماشاءاللہ جی جان سے بے تحاشا خدمت کی۔ **فجزاہ الله احسن الجزاء**

حضرت کی خدمت میں جو وقت گزرا اُس کی ایک ایک بات تا زیست لوحِ دِل پر نقش رہے گی، حضرت کی شفقتیں، عنایتیں اور تربیت کا مخصوص انداز بھلائے نہیں بھولنے والے۔ حضرت کو ہمارے کھانے کی بڑی فکر رہتی تھی، کیونکہ مدرسہ جانے کے بعد دوپہر تک کچھ کھانے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ حضرت کا کھانا حضرت کے مکان کے بالائی حصہ میں رہائش پذیر حضرت کے متعلقین کی طرف سے آتا تھا جو حضرت کے کرایہ دار بھی تھے۔ حضرت اپنے ساتھ ہی کھانا کھلاتے تھے، ایک ہی کٹوری میں ہم حضرت کے ساتھ کھانا کھاتے۔ کبھی ناشتہ لیٹ ہوجاتا تو رَس، جام یا رات والے سالن میں سے جو چیز دستیاب ہوتی اس کا ناشتہ کرا کے پھر مجھے مدرسہ جانے کی اجازت دیتے تھے۔ خالی پیٹ نہیں جانے دیتے تھے۔

درجہ رابعہ والے سال شرح جامی کا سبق صبح جلدی ہوجاتا تھا، میں نے حضرتؒ سے اُس کے لیے جلدی مدرسہ جانے کی اجازت لی تو فرمایا تم شرح جامی میرے پاس پڑھ لو، پھر پوچھا: آج کہاں سے سبق پڑھا؟ میں نے عرض کیا: منصوبات شروع کیے ہیں، تو فوراً ہی منصوبات سے شرح جامی کی عبارت پڑھنی شروع کردی۔

مدرسہ [جامعہ محمدیہ، چوبرجی لاہور] کے اساتذہ کرام کی شفقتیں بھی کچھ کم نہیں، اُنھوں نے مجھے اور بھائی صہیب کو حضرت علامہ صاحب کی خدمت کے لیے بہت رعایت دے رکھی تھی، حتی کہ استاذِ مکرم مولانا کاشف صاحب نے فرمایا کہ: خدمت مقدم ہے، پڑھائی مؤخر۔ لہٰذا جب تک حضرت علامہ صاحب پاکستان میں ہیں اِن دونوں ساتھیوں کی حاضری ہی لگے گی، چاہے یہ درسگاہ میں موجود ہوں یا نہ ہوں۔

حضرت علامہ صاحب جمعۃ المبارک کے دن غسل لازمی فرماتے تھے، ایک مرتبہ جمعہ کے روز مجھے پانی گرم کرنے کا کہا، میں نے پانی کی دیگچی چولہے پر چڑھا دی، کچھ دیر بعد حضرتؒ نے پوچھا: پانی گرم ہوگیا؟ میں نے عرض کیا: دیکھ کر بتاتا ہوں، میں چولہے کے پاس گیا، حضرت بھی وہاں تشریف لائے اور بیٹھ گئے اور دیکھنے لگے کہ میں کیا کرتا ہوں، میں نے پانی میں انگلی ڈال کر پانی چیک کیا تو حضرت نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور پھر طریقہ سکھایا اور انگلی ڈال کر پانی چیک کرنے کے نقصانات بتائے۔ جو بھائی صہیب کے مضمون میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ حضرتؒ نے ہی ہمیں چولہا جلانے کا طریقہ سکھایا تھا۔

حضرتؒ طہارت کا بہت اہتمام فرماتے تھے اور ناپاکی کے شبہ سے بھی بچتے تھے۔ غسل کی خاطر حضرت نے ایک بالٹی رکھی ہوئی تھی، جو اونچی جگہ رکھی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ میں نے غسل کرنا تھا، میں نے بلا اجازت حضرت کی بالٹی استعمال کرلی۔ حضرت نے مجھے بالٹی لے جاتے دیکھ لیا۔ جب میں غسل کرکے آیا تو حضرت تشریف لے آئے اور دیکھا کہ اس نے بالٹی کہاں رکھی تھی، جب دیکھا تو بہت ڈانٹا کہ تم نے بالٹی نیچے فرش پر رکھ دی، غسل کے دوران جو پانی نیچے گرتا رہا اس کے چھینٹے اُڑ اُڑ کر اِس بالٹی میں جاتے رہے، بالٹی کا پانی بھی ناپاک ہوگیا، اور اُسی ناپاک پانی سے تم نے غسل کرلیا۔ اِس بات پر خوب تنبیہ فرمائی کہ بلا اجازت تم نے بالٹی کیوں استعمال کی؟ پھر طریقہ سکھایا۔ حضرت کی عادت یہ تھی کہ بالٹی کرسی پر یا اینٹوں پر رکھتے تھے یا پھر وہاں موجود کھڑکی کے آلہ میں رکھتے تھے تاکہ ناپاکی سے حفاظت رہے۔ اُس دِن کے بعد میں اپنے لیے الگ بالٹی لے آیا اور حضرتؒ کے سکھائے ہوئے طریقہ کو اپنایا۔

حضرت کے ہاں رزق کی بہت قدر دانی تھی، رزق ضائع نہیں ہونے دیتے تھے، رات کو سالن بچ جاتا تو صبح اُسی میں نمک اور پانی ڈال کر ابالنے کا کہتے۔ اور پھر وہی سالن سب کھاتے تھے۔ حضرتؒ کے لیے جو سالن آتا تھا، وہ پھیکا ہوتا تھا۔ مرچ مصالحہ دار نہیں ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ میں نے کھانا کھانا تھا، سالن کم تھا، شاید ایک دو لقمے ہوں گے، حضرتؒ نے مجھے روٹی کے ساتھ جام عنایت فرمایا اور کہا کہ پہلے اِس کے ساتھ روٹی کھالو، آخر میں منہ کے ذائقے کے لیے ایک لقمہ سالن سے لگالینا، میں روٹی کھانے بیٹھا تو بے دھیانی میں پہلے سالن کھالیا، بعد میں جام کے ساتھ روٹی کھانے لگا تو حضرتؒ نے دیکھ لیا، اور خوب تنبیہ فرمائی۔

مجھے حضرتؒ کے سر میں اور پنڈلیوں پر تیل لگانے کی خدمت کا موقع بھی خوب ملا، کیونکہ حضرتؒ آخر وقت تک مجھ سے ہی سر پر تیل لگواتے تھے۔ اور اِس کا طریقہ بھی حضرتؒ نے ہی سکھایا تھا کہ: ہتھیلی پر تیل ڈال کر پہلے بوتل اپنے سے ذرا دُور محفوظ

مقام پر رکھوتا کہ بے دھیانی میں ہاتھ لگنے سے بوتل گر نہ جائے، پھر دو انگلیوں سے تیل لگاؤ، پھر مالش کرو۔اسی طرح حضرت کی کمر پر خشکی کی دوا بھی بندہ ہی لگاتا تھا۔

میں اکثر حضرت کے پاس اپنی داڑھی اور سر کو تیل لگایا کرتا تھا، بالخصوص غسل کے بعد تیل لگاتا تھا۔ایک مرتبہ برتنوں والی الماری میں ایک بڑی بوتل میں تیل رکھا ہوا تھا، میں نے بلا اجازت وہ استعمال کرلیا،حضرت نے تیل منگوایا تو حضرت کو بھی وہی لگادیا۔کئی ماہ وہی تیل استعمال ہوتا رہا، ایک دِن حضرت نے پوچھا کہ: تیل تو ختم ہوگیا تھا، یہ کہاں سے آیا؟ میں نے بتایا کہ برتنوں والی الماری میں رکھا تھا، وہاں سے لیا ہے،تو حضرت نے بتایا کہ وہ تو کوکنگ آئل تھا، جو بندہ سرسوں کا تیل سمجھ کر خود بھی استعمال کرتا رہا اور حضرت کو بھی لگاتا رہا۔میری اِس حرکت پر حضرت بہت ہنسے۔ظاہر ہے کہ یہ بلا اجازت چیز استعمال کرنے کی وجہ سے ہوا تھا۔

انارکلی کے قریب واقع لاء کالج کے ہاسٹل میں مقیم مولانا قاری محمد اشرف صاحب کا حضرت علامہ صاحب سے بہت قدیمی تعلق تھا۔ جو خیر المدارس کے فاضل اور پرانے حضرات میں سے ہیں۔اُن کے پاس حضرتؒ کے واقعات کے علاوہ علمی افادات ونکات کا بھی ایک بڑا ذخیرہ محفوظ ہے۔قاری اشرف صاحب بلا ناغہ روزانہ عشاء کے بعد علامہ صاحبؒ کے پاس جاتے تھے۔اور اپنے ساتھ تھرماس میں گرم دودھ بھی لاتے تھے جس سے حضرت کی تواضع کرتے،جس میں الائچی اور دار چینی بھی ہوتی تھی۔حضرت دودھ میں رَس ڈال کر چمچ سے دودھ نوش فرماتے پھر مجھے بھی عنایت فرماتے۔ پھر حضرت علامہ صاحب قاری صاحب سے ملکی حالات پوچھتے اور اس کے علاوہ اور باتیں بھی کرتے،کبھی کبھی تو کافی وقت ہوجاتا،اور کبھی حضرتؒ جلدی بستر پر لیٹ جاتے۔میں اور قاری اشرف صاحب حضرت کو دباتے رہتے، یہاں تک کہ حضرت کو نیند آنا شروع ہوجاتی۔اور غنودگی کے عالم میں،ہی دعاؤں کے ساتھ ہمیں اجازت دیتے اور اکثر یہی فرماتے تھے:''جزاک اللہ،اللہ خوش رکھے۔''

حضرتؒ کے گھر سنت نگر میں شدید سردی اور بارش کے باوجود ضرور آتے تھے۔عشاء کے بعد حضرتؒ کچھ دیر بیٹھتے،مجلس لگتی،دودھ نوش فرماتے،ایک پیالی تھی،اُس میں ایک رس ڈالتے،پھر دودھ ڈالتے،رس نرم ہوجاتا پھر چمچ سے نوش فرماتے تھے۔ پھر اسی طرح ایک رس اور دودھ مجھے بھی عنایت فرماتے تھے۔ [۱]

ایک مرتبہ حضرت علامہ صاحبؒ نے مجھ سے کسی کتاب کے بارے میں دریافت فرمایا کہ وہ کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ فلاں جگہ پڑی ہے تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ:وہ کوئی لاوارث چیز ہے جو''پڑی''ہے؟یوں کہو کہ فلاں جگہ''رکھی''ہے۔

حضرت کے ہاں ہر چیز کی ایک جگہ مقرر تھی،اُسی جگہ سے وہ چیز لیتے اور استعمال کے بعد وہیں رکھ دیتے تھے۔اور اِس معاملے میں کوتاہی برداشت نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ بے جگہ رکھی ہوئی چیز بوقت ضرورت ڈھونڈنی مشکل ہوتی ہے، وقت الگ ضائع ہوتا ہے۔اور حضرت پر سب سے گراں یہ بات تھی کہ بلا وجہ وقت ضائع ہوجائے۔

---

[۱] قاری اشرف صاحب وعلامہ صاحب کے باہمی تعلقات کی ایک جھلک کے لیے دیکھئے: حافظ محمد صفدر کا مضمون:۲/۱۴۴[ادارہ]

حضرت کی چارپائی کے پاس فرش پر چٹائی بچھی رہتی تھی، جس پر ہم دن میں بیٹھتے اور رات کو اُسی پر سوتے تھے۔ وہاں قدموں کی جانب ایک مصلی رکھا رہتا تھا۔ جس پر حضرت تہجد پڑھتے۔ اور تہجد کے وقت دعا میں بارہا حضرت کو ایسے روتے اور گڑگڑاتے ہوئے دیکھا گیا جیسے بچے بے تاب ہو کر روتے ہیں۔ بہت زیادہ روتے تھے۔ تہجد کے بعد فجر کی سنتیں پڑھتے اور پھر وہیں کمرے میں چہل قدمی کرتے اور تسبیحات پڑھتے رہتے تھے۔ زیادہ ٹھنڈ ہوتی تو رضائی میں ہی بیٹھ کر تسبیحات پڑھتے تھے۔ تہجد کے وقت جو بیدار ہوتے تو پھر رات کو ہی آرام فرماتے تھے، سارا دن مسلسل مصروف گزارتے تھے۔ دن بھر نہ آرام فرماتے نہ فارغ رہتے تھے۔ بلکہ کبھی کام زیادہ ہوتو رات کو بھی تصنیفی کام میں لگے رہتے تھے۔ فجر کی جماعت سے آٹھ دس منٹ قبل مسجد تشریف لے جاتے، جانے سے قبل ہمیں جگا دیتے تھے۔ جگانے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ تین مرتبہ بلند آواز سے ''السلام علیکم'' کہتے تھے۔ اگر کبھی اٹھنے میں سستی ہو جاتی تو حضرت اکیلے ہی روانہ ہو جاتے، پھر ہمیں دوڑ کر ساتھ پہنچنا پڑتا تھا۔

ایک مرتبہ فجر کی نماز پڑھ کر واپس آرہے تھے، تو راستے میں ہی مجھے فرمایا کہ تم ابھی نئے نئے تعلیمی میدان میں آئے ہو، کتابی کیڑے بن جاؤ! جیسے مجھے دیکھتے ہو کہ بال کی کھال اور مسئلہ کی تحقیق میں پوری کوشش لگا دیتا ہوں ایسا مزاج تم بھی بناؤ۔ پھر پوچھا کہ کون کون سی کتب پڑھ رہے ہو؟ میں نے شرح تہذیب کا نام لیا تو اس کی عبارت زبانی پڑھنی شروع کردی۔ پھر تشریح بھی فرمادی۔ نامعلوم حضرت کو کتنی کتب زبانی یاد تھیں۔ بیسیوں کتابوں کی عبارات زبانی پڑھتے حضرت کو دیکھا، سنا گیا۔ درسی بھی اور غیر درسی بھی۔ اہل سنت کی بھی اور شیعوں اور مرزائیوں وغیرہ کی بھی۔

حضرت کی پاکستان آمد عموماً سردیوں میں ہی ہوتی تھی، شدید سردی کے باعث ہماری کوشش ہوتی کہ صبح بعد فجر بستر میں گھس کر آرام کریں۔ لیکن حضرت اپنے معمولات پر بڑی پابندی سے کاربند رہتے تھے، چنانچہ باہر صحن میں کھجور کی چٹائی پر بیٹھ کر اپنا کام شروع کردیتے، (قدرتی روشنی کو پسند فرماتے تھے، اِس لیے صحن میں تشریف فرما ہوتے تھے۔) سر پر لال رومال باندھ لیتے، کندھوں پر کمبل ڈال لیتے اور کام میں مگن ہو جاتے تھے۔ بعض اوقات سردی کی شدت کی وجہ سے ناک سے پانی جاری ہوتا، لیکن کام نہیں چھوڑتے تھے۔ ناشتے تک مسلسل مصروف عمل رہتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت سے مماتیوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: میں مفتی نہیں ہوں، نہ ہی یہ میرا فتویٰ ہے، لیکن میرا دِل انھیں مسلمان تسلیم نہیں کرتا۔ فرمایا: جب میں نے مقام حیات لکھی اور (بانی جامعہ اشرفیہ) مولانا مفتی حسن امرتسری صاحب کو دکھائی تو انہوں نے فرمایا: مولوی خالد، قیامت تک اِس کتاب کا (صحیح معنوں) میں جواب کوئی نہیں لکھ سکے گا۔

ایک مولانا صاحب تبلیغی جماعت کے ساتھ تشکیل میں چل رہے تھے، وہ حضرتؒ سے ملنے آئے اور بتایا کہ ابھی فارغ التحصیل ہوا ہوں اور ایک سال کے لیے اللہ کے راستے میں نکل کھڑا ہوا ہوں، حضرت نے فرمایا: آٹھ دس سال آپ نے محنت کر کے جو استعداد بنائی، اُس کی حفاظت بھی ضروری ہے، ایک سال آپ جماعت کے ساتھ لگائیں گے، ایک سال جگہ ڈھونڈنے میں لگ جائے گا، اتنی دیر میں استعداد ختم۔

مجھے اپنے والد صاحب کی خدمت میں پاؤں دابنے کی بھی عادت تھی، لیکن حضرت علامہ صاحب پاؤں نہیں دابنے دیتے تھے۔ ناراض ہوتے تھے۔

بہت سے معاملات میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار تھے، خصوصا انتظامی اُمور اور آداب میں۔ ایک مرتبہ حضرت کو دباتے ہوئے میں نے بریلویوں کے عقیدہ الحضور والنظور سے متعلق سوال کرلیا، حضرت نے پوچھا کہ صرف یہی سوال ہے یا اور بھی کچھ پوچھنا ہے؟ عرض کیا جی! بس یہی پوچھنا ہے۔ فرمایا پوچھو، سوال عرض کیا، حضرت نے جواب دینا شروع کیا، ابھی حضرت کی بات جاری تھی کہ درمیان میں دوسرا سوال داغ دیا، حضرتؒ نے تنبیہ فرمائی کہ آپ نے تو صرف ایک سوال کا کہا تھا، پھر پوچھا کہ اب بتاؤ پہلے دوسرے سوال کا جواب دوں یا پہلے سوال کا؟ پھر دونوں سوالوں کا تسلی بخش جواب عنایت فرمایا۔ لیکن یہ سلیقہ سمجھا دیا کہ پہلے سوال کا جواب مکمل ہونے کے بعد ہی دوسرا سوال کرنا چاہیے۔ دوران گفتگو سوال نہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ صاحب کو سراپا علم بنایا تھا، اوڑھنا بچھونا علم ہی تھا، صرف علمی اور مفید گفتگو ہی پسند فرماتے تھے، بے فائدہ بات برداشت نہیں کرتے تھے۔ نیند میں بھی علمی گفتگو ہی کیا کرتے تھے، بارہا نیند میں بیان کرتے ہوئے ہم نے سنا۔ ۲۰۱۶ء کے آخر میں شدید بیماری اور کمزوری کی حالت میں نیشنل ہسپتال میں داخل تھے جب نیند میں ایک پوری تقریر آپ نے فرمائی جو مفتی عزیر صاحب کے پاس محفوظ بھی ہے۔ جب بیدار ہوئے تو مسکرا رہے تھے۔ ایک مرتبہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں نیند کی حالت میں فیض الباری کی عبارت پڑھ رہے تھے۔

ابدالی چوک کے ایک مکان میں حضرت نے ترجمہ قرآن کی کلاس شروع کرائی۔ اور خود بھی بہت سے حضرات کو ترجمہ وتفسیر پڑھاتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بھی بندہ کو عطا فرمائی کہ رات کو جس پہر بھی حضرت کی آنکھ کھلتی، میری آنکھ بھی خود بخود کھل جاتی، حضرت کو مجھے جگانے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ شاید اِسی وجہ سے حضرت اِس ناچیز کی خدمت سے الحمدللہ مطمئن تھے اور بندہ کی تسلی کی خاطر بارہا ساتھیوں کے سامنے بھی فرمایا کہ: جب عبدالغفور میرے پاس ہوتا ہے، مجھے بہت راحت ہوتی ہے۔ اِس لیے زیادہ تر میں ہی رات کو آپ کے پاس ٹھہرتا تھا۔ خدمت سے خوش ہوکر دعاؤں سے نوازتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت نے میرے لیے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے غیر متوقع طور پر فوراً عمرے کا انتظام فرما دیا۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قابل تقلید عادت شریفہ یہ تھی کہ اپنے خدام و متعلقین کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتے تھے، مشکل سے مشکل حالات میں بھی اُن کی پوری پشت پناہی اور معاونت فرماتے، کبھی کسی کی کمر نہیں لگنے دیتے تھے۔ اور ہم جو حضرت کے شاگردوں کے شاگردوں کے برابر بھی نہیں، ہمارا اتنا خیال رکھتے تھے کہ آج بھی جب ہم تصور کرتے ہیں آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ ایک مرتبہ منچن آباد میں کسی جگہ جلسہ تھا، حضرت کا بیان تھا، مجھے بھی ساتھ لے گئے، کتب کی فروخت کا نظام میرے حوالے ہوتا تھا، چنانچہ میں نے وہاں اسٹال لگایا، کھانے کا انتظام کسی گھر میں تھا۔ منتظمین جب حضرت کو کھانا کھلانے کے لیے لے

کر گئے تو حضرت نے فرمایا: عبدالغفور کو بلاؤ، اور اس کی جگہ اتنی دیر اسٹال پر کسی ذمہ دار ساتھی کو بٹھا دیں۔ منتظمین نے بات آگے پیچھے کر دی، حضرت کو اللہ پاک نے ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ ایمانی بصیرت کے ذریعہ سچ جھوٹ کی پہچان فرما لیتے تھے۔ چنانچہ انتہائی ناراضگی کے عالم میں اُن سے فرمایا: عبدالغفور آئے گا تو میں کھانا کھاؤں گا، ورنہ نہیں کھاؤں گا۔ چنانچہ انہوں نے اسٹال کے لیے کسی ساتھی کو بھیجا، اُنھیں ترتیب سمجھا کر میں حاضر خدمت ہوا تب حضرت نے کھانا تناول فرمایا۔

دینی اجتماعات وتقریبات میں مجھے حضرت کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوتا رہتا تھا، لیکن میرے سپرد کتابوں کی فروخت کا سلسلہ تھا۔ جس کا مکمل حساب کتاب بعد میں حضرت کو دینا ہوتا تھا۔ اور میری طرف سے یہ خدمت بغیر کسی معاوضہ کے ہوتی تھی۔ کبھی توقع اور معمول سے زیادہ کتب فروخت ہو جاتیں تو حضرت دِل لگی کے طور پر فرماتے: آج عبدالغفور بہت خوش ہے، آج اِس کی دیہاڑی اچھی لگ گئی ہے۔ پیار سے مجھے غلام رسول بھی فرمایا کرتے تھے۔

۲۰۱۸ء میں موضع بہبودی (تحصیل حضرو ضلع اٹک) میں مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کے قریبی رشتے دار کے غالباً بیٹے کا نکاح تھا، اُنہوں نے بہت اصرار کیا کہ نکاح علامہ صاحب ہی پڑھائیں، چنانچہ حضرت تشریف لے گئے، میں بھی ساتھ تھا، اُس وقت حضرت اپنی کتاب ''علم حدیث پر عصر حاضر کی جدید مشقیں'' پر کام کر رہے تھے۔ اس کے متعلق بھی گفتگو ہوتی رہی۔ حضرت نے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی کتاب بھی ساتھ رکھی، جسے اپنے چہرے والے رومال میں لپیٹ کر بڑی حفاظت سے رکھا، مطالعہ فرمانا ہوتا تو رومال سے نکالتے اور پھر اُسی میں لپیٹ دیتے۔ مجھے بھی وہ کتاب سنبھالنے کی تلقین فرمائی، اس سفر کے دوران تقریباً چار پانچ مرتبہ مجھ سے پوچھا کہ کتاب سنبھال لی ہے؟ حضرت کے ایک ایک عمل سے اپنے استاذ کے ساتھ گہری عقیدت اور محبت چھلک رہی تھی۔ ویسے بھی ترجمہ حضرت شیخ الہند اور تفسیر عثمانی کا بکثرت مطالعہ فرمایا کرتے تھے۔

نکاح کے موقع حضرت نے بیان فرمایا جس میں فرمایا کہ: نکاح میں چار چیزیں ہوتی ہیں: [۱] خطبہ، یہ سنت ہے۔ [۲/۳] (گواہوں کی موجودگی میں) ایجاب وقبول۔ یہ لازمی ارکان ہیں۔ [۴] چھوہارے، جو مستحب ہیں۔ پہلے خطبہ پڑھا جاتا ہے، پھر لڑکی کی طرف سے ایجاب ہوتا ہے اور لڑکا کہتا ہے: مجھے قبول ہے، مجھے قبول ہے، مجھے قبول ہے۔ حضرت یہ فرما رہے تھے تو دولہا میاں کھڑے ہو کر زور زور سے کہنے لگے: ''مجھے قبول ہے، مجھے قبول ہے، مجھے قبول ہے۔'' اِس پر سب ہنسنے لگے۔ حضرت نے اُن سے فرمایا: تمہیں اتنی جلدی ہے؟ انھیں بٹھا کر پھر گفتگو شروع کی، اور فرمایا: نکاح خوشی کا موقع ہے، اِس موقع پر جو آیت پڑھی جاتی ہے، اس میں موت کا تذکرہ اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ عقد موت تک باقی رہنا چاہیے۔ پھر اِس سے متعہ کی تردید پر استدلال فرمایا۔ اور یہ جملہ فرمایا کہ: رفیقہ ''حیات'' ہونی چاہیے، رفیقہ ''چندرات'' نہیں۔ فرمایا: اگلی آیت کا خلاصہ ایک ہی بات ہے: تم سب ایک ہی باپ دادا کی اولاد ہو، جب سب ایک ہی گھرانے کے ہیں تو پھر آپس کے جھگڑے کیسے؟ تیسری آیت کے متعلق فرمایا کہ: اس میں سچ بولنے کی تلقین ہے، جب میاں بیوی ایک دوسرے سے ہمیشہ سچ بولیں گے تو باہمی تعلق بھی اچھا رہے گا اور غلط فہمیاں اور بدگمانیاں بھی نہیں ہوں گی۔ اور چھوہارے کے متعلق فرمایا کہ: نکاح کے موقع پر چھوہارے کے نام سے

اِس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ اَب چھونے کا حق مل گیا ہے۔(دیکھیے :۱/۷ ۵۶......۱۹۸/۲۔[ادارہ])

ایک مرتبہ حضرو میں ہی ایک اجتماع سے علامہ صاحب نے بیان فرمانا تھا، حضرت وہاں انتظار میں تھے، انتظامیہ نے ایک معروف نعت خوان کو نعت کے لیے بٹھا دیا، اور خاصی دیر لگ گئی۔ حضرت نے اس پر تنبیہ فرمائی اور آداب کی طرف متوجہ فرمایا۔

میرا پہلا نکاح بھی حضرت نے ہی پڑھانا تھا۔ مجھے ہدایات دیتے ہوئے مزاحاً فرمایا کہ نکاح کے وقت جب ایجاب و قبول ہونے لگے تو ہوشیار ہو کر بیٹھنا، جلدی جلدی قبول کرنا، ایسا نہ ہو کہ تم سوچتے رہ جاؤ اور تیسرا بندہ قبول کر لے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ: علمی میدان میں امام اہل سنتؒ مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے غیر مقلدیت کے خلاف سب سے زیادہ کام کیا۔ اَب اُن کے کام کو عوامی انداز میں ڈھال کر عوام تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔ نیز فرمایا جس نہج پر انہوں نے کام کیا اور جو محنت کی، اُن کے بعد اَب اُس نہج کا کام نہیں ہے۔(دیکھیے :۲۵/۲......۱۸۶/۲[ادارہ])

حضرت مولانا علامہ عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ زار و قطار رو پڑے، فرمایا کرتے تھے کہ: ہم پانچ افراد تھے، جنھوں نے تنظیم اہل سنت کے تحت باہم مل کر شیعیت کے خلاف خوب کام کیا، خصوصاً جنوبی پنجاب میں، اور ہماری تشکیل حضرت مدنیؒ نے فرمائی تھی۔ حضرت تونسوی، مولانا دوست محمد قریشی، مولانا قائم دین عباسی، مولانا سید نور الحسن بخاری اور میں۔ اَب میں اکیلا رہ گیا ہوں۔

قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کا بکثرت تذکرہ فرماتے تھے۔ فرماتے تھے کہ قاضی مظہر حسین صاحب نے جتنی محنت اپنے علاقہ چکوال، جہلم وغیرہ میں کی ہے، شاید ہی کسی نے ایسی محنت کی ہو۔ فرماتے تھے کہ ہم اُس وقت سفر کرتے تھے کہ جب چکوال کے لیے ایک ہی بس جاتی تھی، اس میں بعض اوقات جگہ نہ ہوتی تو لٹک کر جاتے تھے۔ تحریک خدام اہل سنت کی خدمات کے بھی معترف تھے۔(دیکھیے :۱/۱۰۱[ادارہ])

حضرت قاضی صاحب کے والد گرامی مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''آفتاب ہدایت'' کے جواب میں محمد حسین ڈھکو رافضی نے ''تجلیات صداقت'' لکھی، قاضی صاحبؒ نے مختصر جواب خود لکھا اور تفصیلی جواب کے لیے آخری عمر میں حضرت علامہ صاحب کے حوالے کر دی۔ ہم علامہ صاحب کے پاس ہوتے تھے، محمد حسین ڈھکو کی کتاب پر جادو کا کوئی ایسا حصار تھا کہ اُس کے جواب میں مسلسل کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیش آتی رہی، لیکن حضرت قاضی صاحب اور علامہ صاحب کا اخلاص، روحانیت اور مسلک حق کے لیے مخلصانہ خدمات کے باعث بے پناہ مشکلات، رکاوٹوں اور بندشوں کے باوجود محمد حسین ڈھکو کی کتاب کا جواب الجواب پوری آب و تاب سے شائع ہو گیا۔ الحمد للہ

جب علامہ صاحب حضرت قاضی صاحبؒ سے وہ کتاب لا رہے تھے تو راستے میں گاڑی کو حادثہ پیش آ گیا۔ کتاب کے حوالے سے جادوئی حصار کے پیش نظر جواب لکھتے وقت علامہ صاحب سر پر ایک مخصوص تعویذ باندھتے تھے۔ اس کتاب کے کام کے دوران اکثر نکسیر پھوٹ پڑتی تھی۔ آپ نے ڈھکو کی کتاب ایک مخصوص جگہ رکھی ہوئی تھی، اور ساتھیوں کو منع کر رکھا تھا کہ یہ

کتاب کوئی نہ اٹھائے۔ ایک ساتھی نے وہ کتاب اٹھائی اور کچھ صفحات مطالعہ بھی کر لیے۔ بس اُس کتاب کا مطالعہ کرنا تھا کہ اُس ساتھی کی طبیعت ایسی خراب ہوئی کہ ہسپتال لے جانا پڑا، لیکن کسی طرح آرام نہ آیا۔ جب علامہ صاحب کو یہ علم ہوا کہ اُس نے وہ کتاب دیکھی ہے تو فرمایا: اُسے ہسپتال سے واپس لے آؤ، اسے واپس لایا گیا۔ حضرت نے اسے کافی دیر دم وغیرہ کیا، تب اس کی طبیعت بحال ہوئی۔ (دیکھیے: ۲/۲۰۹[ادارہ])

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: تکمیل دین کی آیت ''**الیوم اکملت لکم دینکم، واتممت علیکم نعمتی، ورضیت لکم الاسلام دینا**'' میں چار مرتبہ ''کُمْ'' آیا ہے، جس میں چاروں خلفائے راشدین کی طرف اشارہ ہے۔ لہٰذا اگر کوئی ہماری نہیں مانتا تو (قرآن کے بیان کردہ) اِن چار ''کُمْ'' کی مان لے۔

ایک مرتبہ مفتی زرولی خان صاحب حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے حضرت کے سُنّت نگر والے گھر میں تشریف لائے، وہیں بیٹھ کر مفتی صاحب نے علامہ صاحب سے کہا کہ ایک آدمی نے مجھ سے پوچھا کہ یہ علامہ کون ہے؟ تو میں نے اسے کہا: او جاہل! تجھے نہیں پتہ کہ یہ وہ علامہ جس کا علم دنیا پر تقسیم کر دیا جائے تو آدھی دنیا سے جہالت ختم ہو جائے۔

مفتی صاحب جب واپس تشریف جانے لگے تو مفتی عزیر صاحب، بھائی صہیب اور بندہ عبدالغفور گاڑی تک اُن کے ساتھ تھے، راستے میں مفتی زرولی صاحب نے ہم سے کہا کہ علامہ صاحب پر بشریت کا پردہ ہے۔ ظاہراً یہ عام انسانوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ (روحانیت کے) بہت بلند مقام پر فائز ہیں۔ پھر گاڑی میں بیٹھ کر مفتی صاحب نے پوچھا کہ رات کو حضرت علامہ صاحب کے پاس کون ہوتا ہے؟ تو مفتی عزیر صاحب نے میرا نام لیا۔ اس پر مفتی زرولی صاحب نے مجھے تھپکی دی، شاباش دی اور سب ساتھیوں سے کہا کہ خدمت کرتے رہیں۔

حضرت علامہ صاحب کی زندگی، عزیمت، استقامت، مجاہدہ اور اتباع سنت سے بھرپور تھی، جس کے ہوتے ہوئے کوئی کرامت تلاش کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں، لیکن حضرت کی بعض کرامات کا ظہور بھی ہم نے خود دیکھا، جنھیں بیان کرنے میں حرج بھی کوئی نہیں۔ کیونکہ کرامت انسان کی اختیاری چیز نہیں، اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، اللہ نے حضرت علامہ صاحب کے ہاتھ پر ظاہر فرما دیا تو ہمیں اُس کے اظہار میں بھی کوئی باک نہیں۔ ایک مرتبہ حضرت کی کتاب ''آثار الاحسان'' طباعت کے لیے تیار تھی، رات کو اس کے ٹریسنگ نکالنے تھے۔ (طباعتی امور سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ طباعت کے لیے پہلے کتاب کے مسودہ کو ایک مخصوص کاغذ پر اتارا جاتا ہے، پھر وہ کاغذ مخصوص ترتیب کے ساتھ جوڑ کر چھاپہ خانہ کے حوالے کیا جاتا ہے۔) ساتھیوں نے ٹریسنگ نکالنے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ نہ نکل سکے۔ صبح ہوئی تو علامہ صاحب نے معمولات سے فارغ ہو کر فرمایا، آثار الاحسان کا فلاں صفحہ مجھے دکھاؤ، وہ دکھایا تو معلوم ہوا کہ حضرت نے اس مقام پر ایک مضمون شامل کرنے کا فرمایا تھا، جو غلطی سے چھوٹ گیا تھا۔ ہم نے تو اسے حضرت کی کرامت ہی سمجھا کہ بہت کوشش کے باوجود رات کو اس کے ٹریسنگ نہ نکل سکے، پرنٹر وغیرہ بھی ٹھیک تھا، بلکہ اسی کتاب کی ٹریسنگ کی خاطر نیا پرنٹر خریدا گیا تھا اور ہر لحاظ سے تسلی کی گئی تھی۔ بظاہر کوئی وجہ بھی سمجھ میں نہیں آئی۔

خطباء وعلماء کو نصیحت کرتے ہوئے حضرت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: اگر نجات و اصلاح چاہتے ہو، خوش وخرم زندگی گزارنا چاہتے ہو تو اپنی تقریر و بیان میں صحابہ کے تذکرے اور دفاع کو لازم پکڑو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے چہرہ ڈھانپ کر روضہ مبارک پہ حاضری کی روایت کا تذکرہ آیا تو فرمایا: قبر مبارک میں حیات ہے تو حضرت عائشہ پردہ کرتی تھیں۔ مماتیوں کو ضد اور ہٹ دھرمی نے تسلیم کرنے سے منع کر رکھا ہے۔ (چونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر ہیں، اس لیے اُن سے پردہ کی ضرورت نہیں تھی۔ جبکہ تیسری ہستی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے پردہ تھا، اِس لیے اُن کی قبر شریف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مذکورہ ارشاد فرمایا تھا۔)

ایک مرتبہ ایک صاحب نے حضرت سے درخواست کی کہ آپ ہماری سر پرستی فرمائیں۔ تو حضرت نے سر پرستی سے معذرت فرمالی اور فرمایا کہ آج کل بات ماننے کا جذبہ نہیں ہے۔ (بلکہ کسی کو سر پرست ظاہر کرنا بھی عموماً اپنے مفاد کے لیے ہوتا ہے۔)

آخری دنوں میں حضرت علامہ صاحب نے اپنے خدام سے باقاعدہ معذرت فرمائی کہ آپ میرے بیٹے ہیں، میری ڈانٹ اور تنبیہ اصلاح کے لیے ہوتی ہے۔ پھر بھی اگر کوئی زیادتی ہوگئی ہو تو معاف کر دینا۔

حضرت کے ہاتھوں سے سب سے پہلے مجھے حضرت کی کتاب ''خلفائے راشدین'' ملی۔ اُس وقت ابھی مجھے باقاعدہ خدمت کا موقع نہیں ملا تھا، بلکہ کبھی کبھار ہی زیارت وملاقات کا موقع ملتا تھا۔

فرماتے تھے: عالم کو اپنے اردگرد کے احوال، ملنے ملانے والوں کے حالات اور فتنوں سے باخبر رہنا چاہیے۔ تبھی وہ اپنے فرائض اچھے طریقہ سے ادا کر سکتا ہے۔ اِس بات پر حضرت بہت کڑھتے تھے کہ عموماً ہمارے سنی دیوبندی ائمہ اپنے نمازیوں اور محلّہ داروں سے ذرا فاصلہ پر رہتے ہیں، گھل مل کر نہیں رہتے، اُن کو اپنے قریب نہیں کرتے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اِن کے مشن اور دعوت کا دائرہ بھی محدود ہو جاتا ہے اور اثر بھی جیسا ہونا چاہیے، نہیں ہوتا۔ جب کہ اس کے مقابلے بریلوی ائمہ اپنے محلے اور مسجد کے لوگوں سے میل ملاپ رکھتے ہیں، اگرچہ اُس کے لیے غلط طریقے بھی اختیار کرتے ہیں جو کسی بھی طرح بھی جائز نہیں، لیکن لوگوں کے ساتھ اُن کے تعلقات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب کبھی وہ کسی جلسہ جلوس کے لیے بلاتے ہیں تو سب اُن کے کندھے کے ساتھ کندھا ملا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کا پورا پورا ساتھ دیتے ہیں۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے آنے والے حضرات کی جو بات علامہ صاحب کو سب سے زیادہ گراں گزرتی تھی وہ اجازتِ حدیث کا مطالبہ تھا۔ فرماتے تھے کہ: کام کرو! خالی اجازتیں جمع کرنے کا کیا فائدہ؟ اگرچہ اجازتِ حدیث دیتے بھی تھے، ہم سب خدام کو بھی اجازت دی تھی، (۲۰۱۹ء میں ہماری دستار بندی بھی فرمائی تھی۔) لیکن جو لوگ محض اجازتِ حدیث پر اکتفا کرتے ہیں اور کسی دینی کام میں اپنے آپ کو نہیں کھپاتے اُن پر علامہ صاحب کو بہت غصہ آتا تھا۔

اسی طرح بے موقع کام پر حضرت خوب تنبیہ فرماتے تھے، مثلاً کھانے کا وقت ہو اور کوئی چائے کا پوچھ لے تو سمجھاتے تھے کہ یہ ڈھنگ اور سلیقے کے خلاف ہے، کھانے کے وقت کھانے کا ہی پوچھنا چاہیے۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کھانے میں شوربہ والی سبزی، مچھلی کا شوربے والا سالن، مولی کے پراٹھے اور روٹی کے اوپر رکھ کر پکوڑے کھانا مرغوب تھا۔

حضرت علامہ صاحب اللہ کے ساتھ بندہ کو موضع بھیں ضلع چکوال، میر پور آزاد کشمیر، موضع مسکین پور ضلع مظفر گڑھ، موضع بہبودی ضلع اٹک، جہلم، گوجرانوالہ، منچن آباد، چشتیاں، ملتان، سرگودھا اور لالہ موسیٰ وغیرہ کے کئی اسفار میں ہمراہ رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

ایک مرتبہ ایک سفر سے واپسی پر سرگودہا سے گزرتے ہوئے جامعہ مفتاح العلوم سرگودہا میں ٹھہرے، حضرت کو ایک حوالہ کی تلاش تھی، فرمایا: معروف مدرسہ ہے، بڑی لائبریری ہوگی۔ چنانچہ وہاں کے کتب خانہ میں کافی کتب کی ورق گردانی کی، مطلوبہ حوالہ تو نہ مل سکا، البتہ ایک ایسی عبارت دستیاب ہوگئی جس میں اسی مفہوم کا کچھ اشارہ موجود تھا، حضرت نے فرمایا: یہ نقل کر کے محفوظ کرلو۔ چنانچہ وہ محفوظ کیا۔ پھر کھانا وغیرہ کھا کر واپسی کے لیے روانہ ہوگئے۔

بندہ کی درس نظامی کی رسمی تعلیم کے زمانہ میں ایک مرتبہ حضرت علامہ صاحبؒ نے فرمایا: (دورۂ حدیث سے) فراغت کے بعد عبدالغفور اپنے مدرسہ [جامعہ ملیہ اسلامیہ] میں پڑھائے گا اور ظہر کے بعد اردو بازار میں مکتبہ سنبھالے گا۔ میرا خیال تھا کہ حضرت نے بندہ کی دِل جوئی کے لیے اپنی اِس تمنا کا اظہار فرمایا ہے۔ لیکن مجھے ذرہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ حضرت کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوگی۔ چنانچہ ۲۰۱۶ء میں بندہ کی تقرری حضرت کے ادارہ جامعہ ملیہ میں ہوگئی۔ اور گردان کے طلبہ کو صبح ۷/تا ۱۰/(تین گھنٹے) صَرف کا سبق پڑھانے کی ذمہ داری سپرد ہوئی۔ بڑی عید تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ بڑی عید کے بعد طلبہ کے نہ آنے کے باعث یہ سلسلہ موقوف ہوگیا۔

اسی طرح اردو بازار میں حضرت علامہ صاحب کی کتب کے لیے ایک ادارہ کی شدید ضرورت محسوس کی جارہی تھی، لیکن بظاہر اس کے کوئی آثار نہیں تھے۔ اِس لیے میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ مستقبل قریب میں یہاں حضرت کا کوئی ادارہ بن سکے گا۔ لیکن آناً فاناً اردو بازار میں جگہ کا انتظام ہوگیا، دیکھتے ہی دیکھتے الماریاں لگ گئیں اور مکتبہ تیار ہوگیا۔ اور اس کی ذمہ داری مجھے سونپ دی گئی۔ یوں حضرت کی دونوں باتیں حرف بحرف پوری ہوگئیں۔ الحمدللہ۔

حضرتؒ اکثر باوضو رہتے تھے۔ اور بکثرت یہ دعا فرماتے تھے کہ یا اللہ مجھے زمینی سجدہ سے محروم نہ فرما۔ اور دوسری دُعا یہ مانگتے تھے کہ میری موت پاکستان میں آئے۔ پہلی دعا اللہ پاک نے بعینہ دنیا میں قبول فرمالی، دوسری قبول فرما کر ذخیرۂ آخرت فرمادی۔ تمام نمازیں مسجد میں اور کھڑے ہوکر پڑھتے تھے، فرائض، واجبات اور سنتیں بھی۔ ایک مرتبہ سنتیں پڑھ رہے تھے، میں دھیان سے دیکھ رہا تھا، حضرتؒ نے تین رکعات پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ میں نے عرض کیا تو فرمایا: اچھا! پھر کھڑے ہوئے اور دوبارہ

چار سنتیں کھڑے ہوکر پڑھیں۔ فرماتے تھے کہ: نماز کا مزہ مسجد میں ہے۔ حتی الامکان مسجد میں ہی جا کر نماز پڑھتے تھے۔

ہر ایک سے کھانے پینے کی چیز قبول نہیں فرماتے تھے۔ نہ ہی بازار کی چیزوں کو پسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک ساتھی نے مچھلی پیش خدمت کی۔ حضرت کسی کتاب کے سلسلہ میں مصروف تھے، اُن ساتھی کو یہ فکر تھی کہ حضرت کو مچھلی مرغوب ہے، ٹھنڈی ہوگئی تو لطف جاتا رہے گا، اِسی شوق میں انھوں نے دو مرتبہ حضرتؒ سے عرض کیا کہ مچھلی لے آیا ہوں، پیش خدمت کروں؟ حضرت کو جلال آگیا اور انھیں ڈانٹ دیا۔ فرمایا وہاں رکھ دو۔ ظہر کے وقت جو مچھلی آئی، وہ حضرت نے عشاء کے وقت تناول فرمائی۔

اکابر پر اعتماد کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے تھے کہ جو شخص اپنا تعلق سلف صالحین اور اکابر اہل سنت سے نہیں جوڑے گا، اُس کا کوئی فائدہ نہیں۔ یعنی اپنے اکابر کا تذکرہ لازمی ہے۔ چاہے اُن کی ایک سطر پیش کرو، آدھی سطر پیش کرو، لیکن اُن کا حوالہ ضرور دو، اُن کا تذکرہ لازمی کرو۔ خود بھی اکابر کے تذکرے زندہ رکھتے تھے۔ غایتِ ادب سے اکابر کا نام لیتے۔ زیادہ تر حضرت تھانوی، حضرت مدنی، حضرت کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت امیر شریعت اور مولانا قاری طیب رحمہم اللہ کا تذکرہ آپ سے سننے کو ملتا تھا۔

متعلقین پر شفقت کا یہ عالم تھا کہ برطانیہ سے پاکستان آمد کے موقع پر اپنے متعلقین سے ایک مرتبہ ملاقات ضرور فرماتے تھے۔ اور ملاقات نہ ہو سکے تو حال احوال ضرور معلوم کرتے تھے۔

ایک عالم جو پہلے حضرت علامہ صاحب کی کتب کا کام کرتے تھے، فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ میں حضرت علامہ صاحب کو موٹر سائیکل پر کہیں لے جا رہا تھا، میں نے کوئی بات شروع کر دی، حضرت نے فرمایا: روکو روکو موٹر سائیکل روکو۔ میں نے روک دی۔ حضرت موٹر سائیکل سے نیچے اترے اور فرمایا: جی اب بتایئے آپ کیا کہہ رہے تھے؟ وہ بات سنی اور فرمایا جتنی باتیں کرنی ہیں، ابھی کرلو، موٹر سائیکل چلاتے ہوئے باتیں نہیں کرنی۔

محبین و معتقدین میں جو حضرات آپ کی خدمت میں آتے جاتے رہتے تھے، اُن میں سے اگر کسی کے بارے میں علم ہوتا کہ وہ بیمار ہیں تو حضرت اُن کا حال چال ضرور دریافت فرماتے تھے۔

کھانا تناول فرمانے کے لیے دسترخوان ضرور بچھواتے تھے۔ عموماً دسترخوان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ کھانے کے دوران پانی نہیں پیتے تھے۔ یا تو پہلے ہی نوش فرمالیتے، یا پھر کھانے سے فراغت کے کافی دیر بعد نوش فرماتے تھے۔ فجر کے وقت مسواک ضرور فرماتے تھے۔

وسعت علم اور قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ اکابر اہل سنت کی کتب کی عبارات کے علاوہ مرزائیوں اور شیعوں کی کتب کی عبارات بھی زبانی یاد تھیں۔ اپنے اکابر کی کتب میں سے فیض الباری اور فتح الملہم کی عبارات زبانی پڑھتے بارہا ہم نے دیکھا۔

ایک ساتھی نے بتایا کہ حضرت کے پاس ایک لڑکا ملنے کے لیے آیا، حضرت کی عادت تھی کہ آنے والوں سے پوچھتے تھے کہ کہاں سے آئے ہیں؟ پھر اُس علاقہ کے اپنے حضرات کی خیر خبر لیتے تھے۔ چنانچہ اُس لڑکے سے بھی پوچھا کہ کہاں سے آئے

ہیں؟ اُس نے بتایا تو علامہ صاحبؒ نے فرمایا: وہاں فلاں نام کے صاحب رہتے ہیں، اُن کا میڈیکل سٹور ہے، تو وہ لڑکا کہنے لگا کہ وہ میرے والد صاحب ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا: تقریباً ۲۵ ؍سال قبل آپ کے والد صاحب سے فقط ایک مرتبہ میری ملاقات ہوئی تھی۔ وہ لڑکا حیران رہ گیا اور اُس نے جا کر اپنے والد کو اطلاع دی تو وہ بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

آپ کا ذہن ماشاء اللہ ہر پہلو سے نہایت باریک بینی سے سوچتا تھا۔ اور آپ کے بیشتر اندازے بالکل درست نکلتے تھے۔ اِس میں کشف وکرامات وغیرہ کا امکان بھی رد نہیں کیا جاسکتا۔ ایک مرتبہ کرنل سلیم صاحب نے حضرت کو فون کر کے اطلاع دی کہ میں حاضر خدمت ہو رہا ہوں۔ ہم کمرے میں بیٹھے تھے۔ کچھ دیر بعد حضرت نے مجھے فرمایا جاؤ دروازہ کھولو، میں نے دروازہ کھولا تو کرنل صاحب ابھی گاڑی سے اُتر رہے تھے۔

حضرت کے مدرسہ و مسجد وغیرہ کے تعمیراتی کام میں خدمات انجام دینے والے رائے تنویر صاحب کا کہنا ہے کہ ایک جگہ میرا رشتہ طے تھا، منگنی ہو چکی تھی، لیکن انھوں نے رشتہ توڑ دیا، میں علامہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فلاں جگہ تین سال میرا رشتہ رہا، اَب انھوں نے رشتہ توڑ دیا ہے۔ جبکہ میں وہیں رشتہ چاہتا ہوں۔ آپ دعا فرمادیں۔ حضرت نے دعا فرمائی۔ رائے تنویر صاحب کہتے ہیں کہ حضرت کی دعا کی ایسی برکت ظاہر ہوئی کہ رشتہ توڑنے والے خود ہی دوبارہ رشتے کے لیے آگئے۔ اور پھر وہیں میرا نکاح ہوا۔

جب میں پہلی مرتبہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے بعد علامہ صاحب واپس مانچسٹر تشریف لے گئے تو میں نے فون پر حضرت سے رابطہ کیا اور عرض کیا کہ اپنے گاؤں کے بریلوی مولوی صاحب سے گفتگو کرنی ہے، میری کچھ راہ نمائی فرمادیں۔ حضرت نے فرمایا: تم نے اُن سے کوئی لمبی چوڑی بات نہیں کرنی، بلکہ اُن مولوی صاحب سے تو بات کرو ہی نہیں۔ بلکہ عوام کے سامنے اُن مولوی صاحب کو بٹھا کر عوام کو مخاطب کر کے پوچھو کہ پوری دنیا میں مسلمانوں کا مرکز کون سا ہے؟ انھیں نہ سمجھ آئے تو پوچھ لینا کہ مسلمانوں کا قبلہ کون سا ہے؟ وہ کہیں کہ بیت اللہ۔ تو پھر تم کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ قیامت تک خانہ کعبہ میں دجال داخل نہیں ہوسکتا۔ پھر اُن سے پوچھنا کہ دجال مسلمان ہے یا کافر؟ سب کہیں گے کافر۔ تو پھر تم کہنا کہ بریلویوں کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان اور ان کے پیروکاروں کا فتویٰ ہے کہ حرمین کے تمام ائمہ کافر ہیں۔ اب آپ لوگ خود فیصلہ کرلیں کہ حضور کی حدیث تو کہہ رہی ہے کہ بیت اللہ میں دجال کافر نہیں جاسکتا۔ اور یہ کہہ رہے ہیں کہ وہاں کے سارے ائمہ ہی کافر ہیں۔ اَب یا حدیث کو مان لو یا اِن کی بات مان لو۔ اور تاکید فرمائی کہ تم نے بس یہی ایک بات کرنی ہے۔ اور کسی بات کی طرف نہیں جانا۔ لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ بریلوی مولوی صاحب گفتگو کے لیے تیار ہی نہیں ہوئے۔ میں نے پیغام بھجوائے۔ ہمارے جو رشتے دار اُن کے طرف دار تھے، اُن کے ذریعہ بھی کہلوایا، لیکن وہ نہیں آئے۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ بھی ہمیں سنایا کہ جب بطور جسٹس آپ تقرری کی تجویز زیر غور آئی تو شیعوں اور بریلویوں کی جانب سے یہ شور اٹھا کہ یہ تو فرقہ واریت پھیلانے والے ہیں۔ ان کی کتاب ''مطالعہ بریلویت'' اس کی

دلیل ہے۔ جب اِس بارے میں آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ: میں تو تاریخی اور تحقیقی آدمی ہوں، میرا کام ہے مطالعہ کرنا اور مطالعہ پیش کرنا۔ جیسے مطالعہ پاکستان میں پاکستان کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح مطالعہ بریلویت میں بریلویت کا مطالعہ تاریخی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ میں نے تو مطالعہ دیوبندیت بھی لکھی ہے۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر سال ''جلسہ ولایت'' کے نام سے ایک جلسہ کراتے تھے۔ ایک مرتبہ سالانہ جلسہ کے موقع پر استاذِ مکرم مولانا محمد حسن مدظلہ کو فون کر کے فرمایا کہ: آپ کے دو شاگرد عبدالغفور اور مفتی صہیب ظفر صاحب آپ کے فیض سے ہماری خدمت کر رہے ہیں۔ تو استاذِ مکرم نے عرض کیا کہ حضرت! یہ سب آپ کا ہی فیض ہے۔

ایک مرتبہ حضرت علامہ صاحبؒ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور میں مولانا نعیم الدین صاحب کے پاس تشریف فرما تھے، مولانا عبدالوحید اشرفی بھی وہاں پہنچے۔ دورانِ گفتگو اُنھوں نے حضرت علامہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت آپ ہماری سرپرستی کریں، ہمارے سر پر ہاتھ رکھیں، حضرت نے فوراً اپنا دایاں ہاتھ اُن کے سر پر رکھ دیا۔ وہ کہنے لگے: نہیں حضرت، دوسرا ہاتھ مراد ہے، حضرت نے فوراً بایاں ہاتھ اُن کے سر پر رکھ کر فرمایا: لو! دوسرا ہاتھ بھی رکھ دیا۔ اِس پر سب حاضرین خوب مسکرائے۔

مولانا عبدالرؤف چشتی نے اپنے خطبات حضرت علامہ صاحب کو دِکھا کر اُن کی رائے لی تو علامہ صاحب نے فرمایا: یہ ان شاء اللہ خوب چلیں گے، لیکن ایک شرط ہے، انھوں نے پوچھا کہ وہ کیا؟ تو فرمایا کہ عبدالرؤف چشتی کے بجائے ''خطبات معین الدین چشتی'' کا عنوان دے دو!

آپ کی کمرے میں تشریف آوری پر کمرے میں پہلے سے موجود لوگ اگر اُٹھ کھڑے ہوتے تو آپ بہت ناراض ہوتے تھے۔

میرا تعلق نقشبندی سلسلہ سے ہے۔ میں اکثر پگڑی باندھے رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ مجھے فرمایا کہ آپ میری خدمت کے لیے آتے ہیں، آپ کے سر پر اتنا بڑا عمامہ ہوتا ہے تو مجھے خدمت لیتے ہوئے حجاب ہوتا ہے۔ جب خدمت میں آئیں تو بغیر پگڑی کے آیا کریں۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت کی مجلس میں بغیر پگڑی کے ہی حاضر ہوتا تھا۔

کوئی عالم اگر آپؒ سے عرض کرتے کہ کوئی نصیحت فرما دیں تو اکثر آپ کی نصیحت یہ ہوتی تھی کہ: اپنے آپ کو ختم نبوت اور دفاعِ صحابہ کی خدمت کے لیے وقف کر دو۔ آج مرزائی جس انداز میں مسلسل محنت کر رہے ہیں اور لوگوں کو قادیانی بنانے کی محنت میں مصروف ہیں، اُن سے کہیں بڑھ کر ہمیں عوام کے ایمان کی حفاظت کے لیے اِس عنوان پر حالات کے مطابق محنت کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اپنے ۲۴ گھنٹے اسی محنت کے لیے صرف کر دو۔

جب میں عمرے کے لیے گیا تو مدینہ منورہ سے حضرت علامہ صاحب کو فون کیا، تو فرمایا کہ مجھ فقیر کا نام لے کر بھی سلام پیش کر دینا کہ ادنیٰ سا خادم سلام پیش کر رہا ہے۔

حضرت کے شوقِ علم کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ میں حرمین شریفین گیا ہوا تھا، وہاں مجھے ایک کتاب نظر آئی،

جو میں لینا چاہتا تھا، لیکن اس وقت میرے پاس رقم نہیں تھی، چنانچہ میں نے اپنی گھڑی رکھوا کر کتاب حاصل کی۔ اور بعد میں رقم ادا کر کے گھڑی واپس لی۔

فرماتے تھے کہ شیعیت پر اپنے دور میں جو کام امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے، اُس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔

حضرت کے ایک پرانے خادم نے بتایا کہ حضرت کی گردن پر نشان تھا، تقسیم ہند کے موقع پر حضرت کو سکھوں کا مارا ہوا برچھا لگا تھا۔ [۱]

بندہ ناچیز کو حضرتؒ کے عنایت فرمودہ ہدایا میں نقد رقم کے علاوہ کتب بھی شامل ہیں اور جبہ بھی۔

زمانہ طالب علمی میں ہمیں درسی کتب میں خوب محنت کے ساتھ ساتھ خارجی مطالعہ کے لیے اپنی کتب پڑھنے کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عمر سو سال کے لگ بھگ تھی، مگر اس کے باوجود آپ کی وفات حسرتِ آیات کا سانحہ ہمارے لیے ''اچانک'' ہی تھا۔ کیونکہ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس طرح اچانک ہی آپ رخصت ہو جائیں گے۔ کچھ عرصہ قبل میرے والد صاحب کی وفات ہوئی، حقیقت یہ ہے کہ والد صاحب مرحوم و مغفور کی وفات کا صدمہ اس قدر نہیں ہوا جتنا حضرت علامہ صاحب کی وفات پر ہوا۔ حضرت کی زندگی میں روحانیت اور حضرت کی دعاؤں کی پشت پناہی کا احساس مسلسل رہتا تھا۔ جو اَب نہیں رہا۔

اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ ہم سب کو اُن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ختم نبوت اور دفاعِ صحابہ کے میدان میں اخلاص و استقامت کے ساتھ خدمات سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور روزِ قیامت اُن کے قدموں میں ہمیں بھی جنت میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

☆......☆......☆......☆

---

[۱] حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی گردن پر دائیں شانے کے ذرا اوپر نشان تھا، فرماتے تھے کہ جب ہم امرتسر سے براستہ جموں و کشمیر سیالکوٹ آ رہے تھے تو ایک سکھ نے ہمارے قافلے کے افراد پر حملہ کرنا چاہا، اور اس کی پہلی ضرب میری گردن پر لگی، جس سے زخم آ گیا، مگر جونہی میں نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تو خدا جانے اُس پر کیسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ واپس چلا گیا، یوں سارا قافلہ اُس کے شر سے محفوظ ہو گیا۔ اس وقت حضرت علامہ صاحب کی عمر بائیس (۲۲) سال تھی۔ عبدالجبار سلفی

مولانا صہیب ظفر [یکے از خدام حضرت علامہ صاحبؒ]

میرے حضرت علامہ صاحبؒ

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ کا خاندانی پسِ منظر کیا تھا اس کے بارے میں بندہ کے علم میں زیادہ معلومات نہیں ہیں، دوسرے حضرات نے جو مضامین لکھے ہیں ان میں بہتر انداز میں حضرت کے پیدائش سے وفات تک کے حالات کو بیان کیا گیا ہے۔ بندہ نہ لکھاری ہے اور نہ مضمون وغیرہ لکھنے کی اب تک نوبت آئی ہے اس لئے جو باتیں ذہن میں گردش کررہی ہیں اس نیت سے لکھے دیتا ہوں کہ شاید ان میں سے کوئی بات کسی کے لیے نفع کا سبب بن جائے۔ وگرنہ ع من کجا نغمہ کجا سازِ سخن بہانہ است

پہلی زیارت:

حضرت کی خدمت میں، میں پہلی دفعہ ۲۰۰۹ء کے آخر میں زیارت کے لئے حاضر ہوا تھا۔ اس وقت میں جامعہ محمدیہ چوبرجی لاہور میں، درجہ ثانیہ میں پڑھتا تھا۔ میرے ایک ہم جماعت ساتھی روزانہ اسباق وغیرہ سے فارغ ہوکر بڑی جلدی سے اپنی سائیکل نکال کر جاتے دکھائی دیتے تھے، میں ان کو اس جلدی سے جاتے دیکھتا تو سوچتا کہ پتہ نہیں کس ضروری کام جاتے ہیں، ایک دفعہ اسباق کے تکرار کے بعد ان کے ساتھ بیٹھا تھا تو انہوں نے ایک بزرگ ہستی کی باتیں سنانیں شروع کردیں، میں انتہائی غور سے سن رہا تھا اور اس حیرت میں گم تھا کہ ہمارے اتنے قریب ایسی بزرگ ہستی موجود ہے جو حضرت علامہ شبیر احمد عثانی، حضرت سید حسین احمد مدنی[1] علامہ شمس الحق افغانی اور دیگر اکابرین کے شاگرد ہیں اور ہم ابھی تک ان کی زیارت سے محروم ہیں۔ باتوں باتوں میں میرے ہم جماعت نے بتایا کہ میں اسباق وغیرہ سے فارغ ہوکر انہیں کے پاس جاتا ہوں۔ بڑے استاذ جی مفتی محمد حسن صاحب کی صحبت سے بزرگ ہستیوں کی زیارت کا شوق غیر شعوری طور پر پیدا ہوگیا تھا، چنانچہ میں نے اپنے ہم جماعت سے درخواست کی کہ آپ مجھے بھی کسی دن ساتھ لے جائیں، انہوں نے ہامی بھرلی۔

غالباً جمعرات کا دن تھا، میرے ہم جماعت نے کہا کہ آج میں آپ کو حضرت علامہ صاحبؒ کی خدمت میں زیارت کے لئے لے چلوں گا۔ چنانچہ اسباق پڑھ کر ظہر کے بعد ہم جامعہ محمدیہ سے روانہ ہوئے، راستے میں میرے دوست نے چند ایک باتیں بتائیں کہ ان باتوں کا آپ نے حضرت علامہ صاحبؒ کی خدمت میں خیال کرنا ہے۔ ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ جب آپ علامہ صاحب کے سامنے بیٹھے ہوں اور علامہ صاحب کسی کام کے لئے اٹھیں تو آپ نے کھڑے نہیں ہونا، کچھ ساتھی ادباً کھڑے ہوجاتے ہیں جس سے حضرت علامہ صاحب کو بہت ناگواری ہوتی ہے اور پھر حضرت ایسا کرنے والوں کی اصلاح بھی بھرپور انداز

[1] دیکھیے اداریہ: ۱/۳۵

میں فرماتے ہیں۔ یہ باتیں بتاتے ہوئے میرے دوست سائیکل دوڑائی جارہے تھے اور میں سائیکل کی پیچھے والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔تقریبا ۱۰ ارمنٹ میں ہم جامعہ محمدیہ سے سنّت نگر میں میاں اظہر کی کوٹھی کے پاس علامہ صاحب کے گھر پہنچ گئے۔ جب گھر سے سامنے رکے تو میرے دوست نے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ علامہ صاحب کا گھر ہے، میں نے دیکھا تو حیران ہی رہ گیا۔

اس سے پہلے میں بتا تا چلوں کہ جب میں نے اپنے دوست سے حضرت علامہ صاحب کا تعارف سنا تھا کہ پی،ایچ،ڈی ڈاکٹر ہیں اور پی،ایچ،ڈی بھی لندن سے کی ہے،مرے کالج کے پروفیسر، لاہور میں ایم،اے،او کالج کے پروفیسر،اور پھر جسٹس بھی رہ چکے ہیں تو ان باتوں سے ایک ذہن بن گیا تھا کہ حضرت علامہ صاحب کا گھر بہت زیادہ پر تعیش نہ سہی کم از کم ایسا ہوگا کہ اس میں ضروریاتِ زندگی کی اشیاء اعلیٰ معیار کی ہوں گی، کارپٹ صوفے وغیرہ تو ہوں گے۔لیکن جب میں گھر داخل ہوا تو سارا نقشہ ہی الٹا نظر آیا۔لکڑی کے پرانے زمانے کے موٹے دروازے سے اندر داخل ہوئے تو سامنے کھجور کی بنی ہوئی بوسیدہ چٹائی پر کتب وکاغذات کے درمیان ایک سفید داڑھی،نورانی چہرہ والے بابا جی پرانی لنگی پہنے تشریف فرما تھے، جن کی داڑھی میں قریب سے دیکھنے پر کچھ سیاہ بال بھی دکھائی دیتے تھے۔میں نے گھر میں چاروں طرف نظر دوڑائی تو نہ کارپٹ، نہ صوفہ،صوفہ تو کیا ہوتا کوئی نرم گدی والی کرسی تک نہ تھی۔ دیواروں پر پلستر بھی نہ تھا، رنگ روغن تو بعد کی بات ہے۔گھر کے صحن کا فرش اینٹوں پر ہلکا سا سیمنٹ پھیر کر بنایا گیا تھا، علامہ صاحب کے کمرے میں نظر پڑی تو صحن سے ایک فٹ گہرا کمرا جس میں ایک پرانی چارپائی جو قابلِ مرمت تھی، نیچے فرش کے کچھ حصہ پر پلاسٹک والی مالٹا رنگ کی چٹائی بچھی ہوئی تھی جس کے درمیان میں دیوار کے ساتھ حضرت علامہ صاحب کے بیٹھنے کی جگہ، دائیں طرف ایک مصلیٰ جس پر حضرت تہجد پڑھتے تھے اور بائیں طرف پانچ یا چھ انچ اونچی ایک تپائی تھی جس پر پرانے کاغذات کچھ شاپر میں اور کچھ ویسے رکھے ہوئے تھے، میں چند قدم چل کر حضرت علامہ صاحب کے قریب پہنچا، حضرت کے سامنے چٹائی پر جیلانی اکیڈمی کے پرنسپل سرہمایوں صادق اور شیخ الحدیث خیر المدارس حضرت مولانا صدیق صاحب رحمہ اللہ کے نواسے مفتی عزیر الحسن صاحب تشریف فرما تھے اور چٹائی پر مزید افراد کے بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی، میرے ہم جماعت دوست نے مصلے بچھا دیئے جس پر ہم بیٹھ گئے، حضرت علامہ صاحب اپنے کام میں منہمک تھے اور اپنی کتبِ آثار میں سے کسی کتاب کی پروف ریڈنگ کر رہے تھے، حضرت نے ایک نظر اٹھا کر دیکھا پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے، اتنے میں عصر کا وقت ہو گیا، حضرت کو کسی خادم نے نماز کا بتایا تو حضرت نے اپنا کام سمیٹا تو میں نے آگے ہو کر حضرت سے مصافحہ کیا، حضرت نماز کی تیاری کے لئے تشریف لے گئے، بیت الخلاء سے فراغت کے بعد وضو کرنے لگے تو میرے دوست نے دو تولئے اپنے دونوں کندھوں پر رکھ لئے، میں نے پوچھا کہ دو تولئے کس لئے ہیں؟ اس نے کہا کہ خود دیکھ لینا ابھی اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا، جب حضرت نے وضو کیا تو ایک تولئے سے ہاتھ اور منہ صاف کیے اور دوسرے تولئے سے میرے دوست نے حضرت کے پاؤں صاف اور خشک کیئے، حضرت علامہ صاحب کی پاؤں کی انگلیاں آپس میں ملی رہتی تھیں جس کی وجہ سے اگر انگلیاں گیلی رہ جاتیں تو

جلد خراب ہو جاتی تھی اس لیے حضرت وضو کے فوراً بعد پاؤں خشک کروا لیتے تھے۔ اور یہ خدمت بھی ہر کسی سے نہ کرواتے تھے۔

ایک وکیل صاحب حضرت کے پاؤں پونچھنے لگے:

مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا، جب میں مستقل خدمت کے لئے علامہ صاحب کے ساتھ ہوتا تھا تو اس وقت ایک دفعہ ایک نوجوان وکیل علامہ صاحب سے ملنے آئے اور مجھے کہنے لگے کہ میں چند دن حضرت کے ساتھ رہوں گا اور حضرت کی خدمت کروں گا، میں نے ان سے عرض کیا کہ اگر آپ نے اپنے فن میں حضرت سے رہنمائی لینی ہے تو آپ حضرت کے پاس آتے جاتے رہیں، اس طرح ساتھ رہنا مشکل ہوگا، لیکن وہ نہیں مانے، عصر کا وقت ہونے والا تھا، جب حضرت عصر کی نماز کے لئے وضو کرنے لگے تو ان وکیل صاحب نے جلدی سے میری کندھے سے حضرت کے پاؤں خشک کرنے والا تولیا اتار لیا اور کہا کہ میں پاؤں صاف کروں گا، میں نے بہت کہا کہ یہ تولیا مجھے دے دیں، لیکن وہ نہیں مانے، جب حضرت نے وضو کر لیا اور پاؤں خشک کرنے کے لئے آگے کیے تو مجھے سامنے کھڑا دیکھ کر فرمایا کہ پاؤں کون صاف کر رہا ہے؟ میں عرض کیا کہ وہی وکیل صاحب جو کچھ دیر پہلے ملنے آئے تھے، تو حضرت نے جب نیچے دیکھا، پاؤں صاف کرتے ہوئے تولئے کا ایک کنارہ نیچے زمین پر لگ رہا تھا، حضرت نے غصے سے فوراً پاؤں کو جھٹکے سے پیچھے کر لیا اور فرمایا کہ یہ کون بے وقوف بیٹھا ہے؟ میں نے تو پاؤں صاف کروانے تھے اور اس نے نیچے سے مٹی لگا اور بھی گندے کر دیئے، حضرت کا غصہ دیکھ کر وہ ڈر گیا اور تولیا مجھے تھما کر پیچھے ہو گیا، میں نے پاؤں صاف کیے۔ کپڑے وغیرہ پہننے کے بعد حضرت نے کہا وہ وکیل کہاں ہے؟ وکیل صاحب کمرے سے باہر صحن میں بیٹھے تھے، حضرت کی آواز سن کر ان کا ایک رنگ آئے اور ایک جائے، حضرت نے بلا کر ان کی خوب اصلاح کی اور فرمایا کہ تمہیں ایک تولیا سمیٹ کر پکڑنا نہیں آتا لوگوں کے مسائل کو کیسے سمیٹو گے؟ پھر ہم نماز کے لئے چلے تو راستے میں وکیل صاحب مجھے کہنے لگے کہ یار تولیے کا تھوڑا سا کنارہ ہی تو نیچے لگا تھا؟ میں نے کہا کہ حضرت اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں سے آدمی کو پرکھ لیتے ہیں۔

پاؤں خشک کروانے کے بعد حضرت نے وضو والی جوتی دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی کہ یہ جلدی خشک ہو جائے اور کسی کو بیت الخلاء جانے کے لئے جوتی کی ضرورت ہو تو گیلی جوتی سے اس کی جرابیں گیلی نہ ہوں۔ پھر حضرت نے دوسری جوتی پہن لی۔ حضرت کے ہر کام میں عجیب عجیب حکمتیں نظر آ رہی تھیں۔

وضو کر لینے کے بعد حضرت نماز پڑھنے ''رحمۃ للعالمین مسجد'' چلے گئے، میرے دوست کمرے کو تالہ لگا کر مجھے ساتھ لیے پیدل مسجد کو چل دیئے، میں یہ سوچ رہا تھا حضرت علامہ صاحب اتنے ضعیف ہو گئے ہیں اس لئے نماز زمین پر یا کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھیں گے، لیکن مسجد پہنچ کر دیکھا کہ حضرت کھڑے ہو کر بغیر کسی سہارہ کے نماز ادا کر رہے ہیں اور انتہائی اطمینان کے ساتھ رکوع اور زمین پر سجدہ فرما رہے ہیں۔ میں نے بے ساختہ سبحان اللہ کہا۔ نماز پڑھنے کے بعد جب حضرت واپس تشریف لے آئے تو ہم پھر دوبارہ حضرت کے سامنے بیٹھے، حضرت نے دوبارہ پروف ریڈنگ شروع کر دی۔

خدمت کرنے کی اجازت مل گئی

پھر شام تک میں حضرت کی خدمت میں رہا اور شام کو واپس جامعہ محمدیہ آ گیا اور بہت سی باتیں ذہن میں گردش کر رہی تھیں، خاص طور پر حضرت کی سادہ وضع قطع اور شخصیت میں عجیب کشش تھی کہ دل و دماغ حضرت کی طرف کھنچا جاتا تھا۔ اس ایک ملاقات کے بعد میں نے پختہ عزم کیا کہ جیسے ہی وقت ملا کرے گا حضرت کی خدمت میں جایا کروں گا۔ اس طرح اپنے دوست کے ذریعے میں حضرت کے پاس آنا جانا شروع ہو گیا۔ پھر ایک دو سال بعد میں نے اپنے دوست سے (جو مجھے حضرت کی خدمت میں لے گئے تھے) کہا کہ آپ پورا ہفتہ حضرت کی خدمت کرتے ہو، مجھے بھی اس سعادت میں شریک کرلو اور ہفتہ میں ایک جمعہ کا دن مجھے چھٹی ہوتی ہے تو اس دن میں خدمت کرلیا کروں گا۔ میرے دوست نے کہا کہ میں حضرت سے اجازت لے کر آپ کو بتاؤں گا۔ چند دن بعد انہوں نے کہا کہ حضرت نے اجازت دے دی ہے، لہٰذا آپ جمعرات دو پہر کو چھٹی کے بعد حضرت کی خدمت چلے جایا کرو اور جمعہ شام تک خدمت کرکے واپس آ جایا کرو۔ میں بہت ہی خوش ہوا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ شروع شروع میں جب میں حضرت کے پاس جانا جمعرات، جمعہ خدمت کے لئے جاتا تو کئی دفعہ حضرت کی طبیعت کے خلاف کام ہونے پر اصلاح بھی فرماتے اور خوب فرماتے تھے۔

وقت کی قیمتی دولت کیوں ضائع کر رہے ہو؟

کسی آدمی کو فارغ بیٹھا دیکھ کر حضرت کو بہت کوفت ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک صاحب حضرت سے ملاقات کے لئے آئے تو حضرت سے بات چیت کے بعد جب وہ کافی دیر تک خاموش بیٹھے رہے تو فرمایا کہ اگر آپ کو مجھ سے کچھ اور کام ہے تو فرمائیں، نہیں تو آپ جاسکتے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت بس آپ کی زیارت کر رہا ہوں، تو حضرت نے جلالی انداز میں فرمایا کہ ابھی تک زیارت نہیں ہوئی؟ اور میری زیارت سے تمہیں کیا ملے گا؟ وقت کی قیمتی دولت کو کیوں ضائع کر رہے ہو؟

ایک واقعہ جو قربِ مزید کا ذریعہ بن گیا:

ایک دفعہ میں حضرت کی خدمت میں بیٹھا تھا، حضرت کسی کتاب کی پروف ریڈنگ کر رہے تھے، جو صفحہ مکمل کر لیتے اس کو اپنے دائیں طرف رکھ دیتے، اتفاق سے اس دن میں بھی اسی طرف بیٹھا تھا، اور کوئی کام تو کر نہیں رہا تھا اس لئے سوچا کہ کوئی کتاب ہی پڑھنا شروع کردوں کہیں حضرت دیکھ کر ناراض نہ ہوں، تو جو صفحات حضرت نے یہاں رکھے تھے میں نے ان کو پڑھنا شروع کردیا، حضرت ایک صفحہ پڑھ کر رکھتے تو میں بھی اس کو پڑھ لیتا، چند صفحات کے بعد ایک صفحہ میں عربی کی عبارت میں کوئی غلطی تھی، میں نے وہ صفحہ اٹھایا اور حضرت سے عرض کی کہ حضرت یہاں یہ لفظ نہیں ہونا چاہیے، حضرت نے توجہ نہ فرمائی، میں نے وہ صفحہ ہاتھ میں پکڑ لیا، خدام میں سے کسی نے کہا کہ بھئی یہ صفحہ رکھ دو نہیں تو حضرت ناراض ہو جائیں گے، میں نے کہا کہ اس میں یہ غلطی ہے۔ لہٰذا حضرت کو مطلع کرنا ضروری ہے۔ جب حضرت اگلا صفحہ پڑھ کر دائیں طرف رکھنے لگے تو فرمایا کہ: یہ صفحہ آپ نے ہاتھ میں کیوں پکڑ رکھا ہے؟ حضرت کی ناراضگی کے خوف سے میرا دل کانپ رہا تھا، لیکن ہمت کرکے میں نے عرض کیا کہ حضرت!

اس میں یہ غلطی ہے، حضرت نے فرمایا: دکھاؤ! میں نے دکھایا، حضرت نے جب پوری عبارت پڑھی تو فرمایا، تم نے ٹھیک کہا، یہ واقعی غلطی ہے۔ اس مجلس کے بعد جب حضرت اٹھے تو فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: صہیب ظفر۔ حضرت نے فرمایا کہ "صہیب کا تلفظ عزیر، زبیر کی طرح بولا کرو"۔ شاید یہی واقعہ حضرت کے قرب کے ذریعہ بن گیا، اگلی مرتبہ جب میں حاضرِ خدمت ہوا تو حضرت نے پاس بلا کر ایک صفحہ مجھے دیا کہ اس کی پروف ریڈنگ کرو، میں نے پروف ریڈنگ کر کے حضرت کو دیا، حضرت نے سارا صفحہ دوبارہ دیکھ کر فرمایا: ٹھیک ہے اور چند صفحات اور مجھے دے دیئے۔ اور پھر یہ سلسلہ ایسا چلا کہ حضرت جب بھی پروف ریڈنگ کرتے تو فرماتے: صہیب کتھے؟ (صہیب کہاں ہے) پھر اپنے ساتھ بٹھا کر گھنٹوں پروف ریڈنگ کراتے۔

ہاتھ دھوئے بغیر انگلی پانی میں ڈالنے پر حضرت کی ناراضگی:

حضرت علامہ صاحب کسی کی کوئی غلطی دیکھتے تو فوراً تنبیہ فرما دیتے تھے، الا ماشاء اللہ۔ خاص طور پر خدام کی اصلاح اور ڈانٹ ڈپٹ اکثر ہوتی رہتی تھی۔ پہلی دفعہ مجھے جس بے احتیاطی پر ڈانٹ پڑی، اس کا قصہ عرض کرتا چلوں۔

حضرت علامہ صاحب جمعہ کا غسل بڑے اہتمام اور انتہائی پابندی سے فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ: میں وجوب کا فتویٰ تو نہیں دیتا لیکن میں جمعہ کا غسل واجب سمجھ کر کرتا ہوں۔ حضرت نے غسل کے لیے پانی گرم کرنے کا فرمایا اور ساری ترتیب بھی سمجھا دی کہ باورچی خانہ سے دیگچی لے کر اس میں پانی بھر کر چولہے پر رکھ دو، میں حیران بھی ہوا اور پریشان بھی کہ یہاں تو کہیں باورچی خانہ نہیں، جب حضرت نے اپنی بات مکمل کر لی تو حضرت نے میرے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھ کر خود ہی پوچھ لیا کہ کیا کوئی سمجھ نہیں آئی؟ میں نے عرض کی کہ حضرت! باورچی خانہ کہاں ہے؟ پھر حضرت مسکرائے اور ایک طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ ہے باورچی خانہ! میری حیرانگی کی انتہاء نہ رہی کیونکہ وہ باورچی خانہ کیا تھا، حضرت کے کمرے کے داخلی دروازے کی دائیں جانب دیوار میں 2×2 مربع فٹ کا سوراخ تھا جو پتہ نہیں کس مقصد کے لیے رکھا گیا ہوگا، اسی میں ایک چھوٹا سا چولہا رکھ کر گیس کا کنکشن دے کر "باورچی خانہ" بنا لیا تھا اور اسی کے اوپر ایک دیگچی رکھی رہتی تھی، جس میں پانی ڈال کر گرم کر لیا جاتا تھا یا کسی مہمان کے لیے چائے بنالی جاتی تھی۔ میں نے وہاں سے پتیلی اٹھائی جس میں دو یا تین کلو پانی آتا ہوگا، اس میں پانی بھر کر گرم کرنے کے لیے چولہے پر رکھ دیا۔ جب پانی کچھ گرم ہو گیا تو حضرت نے فرمایا کہ پانی گرم ہو گیا؟ میں نے کہا کہ دیکھتا ہوں، حضرت بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور میرے پاس آ گئے، میں نے پتیلی کا ڈھکن اٹھایا اور پانی دیکھنے کرنے کے لئے اس میں انگلی ڈال دی، حضرت نے جب یہ دیکھا تو حضرت کو بہت غصہ آیا، حضرت نے فرمایا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ تمہاری انگلی جھاڑو دیتے اور صفائی وغیرہ کرتے نہ جانے کہاں کہاں لگتی رہی، تم نے ایسے ہی اس میں ڈال دی، تم نے سارا پانی خراب کر دیا۔ حضرت کا جلال دیکھ کر میں اِس قدر گھبرا گیا کہ مجھے حضرت کی باتیں بھی سمجھ نہیں آ رہی تھیں، میرے ایک ہاتھ میں پتیلی کا ڈھکن تھا، میں نے اسے پڑچھتی پر سیدھا الٹا دیا، جس سے وہ گندا ہو گیا، حضرت نے پھر ڈانٹا کہ یہ کیا حماقت ہے؟ اب یہ ڈھکن پتیلی کے اوپر رکھو گے تو ساری مٹی پتیلی میں گر جائے گی۔ یوں پہلی بار مجھے اپنی غلطی کی بنا پر حضرت کے غصہ کا سامنا کرنا پڑا۔

ٹوپی گم ہونے پر تنبیہ

لالہ موسیٰ میں مولانا عبدالقیوم صاحب ایک مسجد میں امام خطیب تھے۔ وہ مسجد بریلویوں کی تھی لیکن مولانا عبدالقیوم دیوبندی تھے اور بڑی حکمتِ عملی سے وہاں کام کر رہے تھے اور ربیع الاول کے مہینے میں ذکرِ میلاد النبی کے نام سے جلسہ کرواتے اور حضرت علامہ صاحب کا ہی بیان رکھ لیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت علامہ صاحب وہاں بیان کرنے کے لئے گئے تو میں بھی ساتھ تھا اور حضرت کا ذاتی استعمال کا سامان جیسے ٹوپی (قائد کیپ) لنگی دوائیاں اور دوسری چیزیں میرے پاس ہی تھا۔ حضرت علامہ صاحب جب بیان فرماتے تھے، قائد کیپ پہن کر بیان فرماتے تھے اور نماز وغیرہ عام حالت میں چھوٹی ٹوپی پہن لیتے تھے۔ تو لالہ موسیٰ میں بیان کے بعد ایک گھر میں کھانے کا انتظام تھا تو وہاں حضرت پہلے بیت الخلاء گئے پھر فراغت کے بعد کھانا کھایا تو اسی دوران مجھ سے حضرت کی چھوٹی ٹوپی گم ہوگئی اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ کہاں گئی، جب ہم واپسی کے لئے گاڑی میں بیٹھے تو حضرت نے ہمیشہ کی طرح پوچھا کہ صہیب! سامان پورا ہے؟ میں جب سامان پورا کرنے لگا تو ٹوپی نہیں تھی، مولانا عبدالغفور صاحب (جن کو حضرتؒ نے کتابوں کی ذمہ داری سونپ رکھی تھی، اسفار میں وہ حضرت کے ساتھ ہی ہوتے اور کتابوں کا اسٹال لگایا کرتے تھے۔ اور ماشاءاللہ بڑی ذمہ داری سے اور بے لوث یہ خدمت سرانجام دیتے تھے، اور حضرت کے پوچھنے پر ایک ایک کتاب کا حساب بتا دیتے تھے۔) سے میں نے پوچھا کہ آپ نے تو کہیں ٹوپی نہیں دیکھی؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، میرے تو ہوش ہی اُڑ گئے کہ اَب حضرت سے ڈانٹ پڑے گی، اور یہ سامان سنبھالنے کی خدمت بھی ہاتھ سے جائے گی۔ حضرت نے پھر پوچھا کہ سامان پورا ہے؟ میں خاموش رہا، اتنے میں گاڑی چل پڑی، حضرت نے گاڑی رکوائی اور ٹوپی کا ہی پوچھ لیا، میں نے کہہ دیا کہ میرے پاس نہیں ہے، حضرت نے فرمایا: تو پھر کس کے پاس ہے؟ میں نے کہا کہ پتہ نہیں، تو حضرت نے فرمایا کہ اگر تمہیں نہیں پتہ تو کسے پتہ ہے؟ اور ذمہ داری پوری نہ کرنے پر میری اصلاح بھی خوب فرمائی اور فرمایا کہ اگرچہ اس ٹوپی کی قیمت ۳۰ رتیس یا ۴۰ رچالیس روپے ہوگی، اصل بات یہ ہے کہ ذمہ داری میں کوتاہی کیوں ہوئی، میرے بہت سے قیمتی کاغذات بھی تمہارے پاس ہوتے ہیں، اگر وہ اس طرح کہیں آگے پیچھے ہوگئے تو پھر؟ سفر سے واپسی پر جب حضرت رات کو سونے لگے اور میں پاؤں دبانے کے لیے بیٹھا تو میں نے حضرت سے اپنی کوتاہی پر معافی مانگی، حضرت نے فوراً معاف فرمادیا اور فرمایا کہ آئندہ خیال رکھنا۔

خدام پر حضرت کی شفقتیں

حضرت کی خدمت میں جتنا زمانہ بڑھتا گیا حضرت سے محبت بھی بڑھتی گئی، حضرت کے واپس انگلینڈ جانے کے بعد حضرت کی شفقتیں بہت یاد آیا کرتی تھیں۔ اگرچہ حضرت کی ڈانٹ ڈپٹ مشہور تھی لیکن حضرت اپنے قریب رہنے والوں پر شفقت بھی بہت فرماتے تھے۔ حضرت جب بھی واپس انگلینڈ جاتے تھے سب خادمین کو ایک ایک ہزار روپے ہدیۃً دے کر جاتے تھے اور تقریباً ہر دفعہ پاکستان سے واپسی کے وقت بندہ اور (میرے دوست جو مجھے حضرت کی خدمت میں لے کر گئے تھے) کو فرماتے کہ ''تم دونوں نے اپنی زندگیاں سنٹر (جامعہ ملیہ اسلامیہ، شاہدرہ) پر لگانی ہیں، اور وہاں ڈیرہ لگانا ہے'' حضرت کے یہ جملے آج بھی

کانوں میں گونجتے ہیں، اللہ پاک ہمیں استقامت عطا فرمائیں اور حضرت کی امیدوں پر پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

مولانا عبدالغفور صاحب کا اخلاص وایثار اور حضرت کی ان سے محبت

یہاں ایک بات یہ قابلِ ذکر ہے کہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بزرگوں کے خدام دوسروں کو قریب نہیں آنے دیتے چہ جائے کہ اپنی جگہ کسی دوسرے کو دے دیں۔ میرے یہ دوست جن کا میں نے اوپر تذکرہ کیا کہ جو مجھے حضرت علامہ صاحب کی خدمت میں لے گئے ان پر حضرت علامہ صاحب کی صحبت کا ہی یہ اثر تھا کہ انہوں نے سوچا ہی نہ تھا کہ میں کسی اور کو اپنی جگہ کیوں آنے دوں، مجھے اپنی جگہ پر رکھنے کے لئے حضرت کی خدمت میں بار بار عرض کرنا اور حضرت کو آمادہ کرنا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت مخلص تھے، ان کا نام مولانا عبدالغفور صاحب ہے اور حضرت علامہ صاحب محبت میں انہیں ''غلام رسول'' پکارتے تھے۔ حضرت علامہ صاحب ان سے فرماتے تھے کہ: ''جب آپ میرے پاس ہوتے ہیں تو مجھے بہت راحت ہوتی ہے''۔ ہم پڑھائی کے زمانے میں اولیٰ سے اکٹھے تھے اور میری فراغت بھی انہی کے ساتھ جامعہ محمد یہ چوبرجی لاہور سے ہے۔

تہجد اور جماعت کی پابندی میں حضرت کی جفاکشی اور مجاہدہ

حضرت علامہ صاحب تہجد اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی بہت ہی زیادہ پابندی فرماتے تھے۔ تہجد کے بارے میں پابندی کی گواہی ہر وہ خادم دیتا ہے جس نے حضرت کے خدمت میں وقت گزارہ ہے۔ علامہ صاحب چونکہ سردیوں میں پاکستان تشریف لایا کرتے تھے، اس لئے رات کو سخت سردی ہوتی تھی اور سنّت نگر والے گھر میں کوئی سہولت کی چیز نہ تھی، کمرہ بہت ٹھنڈا ہوتا تھا، اس میں ایک چھوٹا سا گیس ہیٹر تھا، جس پر حضرت کبھی کبھی ہاتھ سینک لیتے تھے، لیکن وہ بھی اکثر گیس کم آنے کی وجہ سے بہت آہستہ چلتا تھا۔ اسی گیس ہیٹر پر حضرت علامہ صاحب سالن وغیرہ گرم کروا لیتے تھے اور اکثر مچھلی کی ٹکڑے چھری کی نوک پر لگوا کر گرم کروا لیتے تھے۔

حضرت علامہ صاحب کے گھر میں پانی گرم کرنے والا ہیٹر بھی نہ تھا۔ حضرت کے گھر سرکاری واٹر سپلائی کا پانی آتا تھا اور اکثر رات کو پانی بند ہو جاتا تھا، اس لئے حضرت علامہ صاحب رات کو سونے سے پہلے لوٹا بھروا کر رکھ لیا کرتے کہ صبح وضو کیا جا سکے اور پانی کی بوتلیں بھروا کر رکھیں ہوئی تھیں کہ زیادہ پانی کی ضرورت ہو تو ان بوتلوں سے کام چلا سکیں۔

حضرت علامہ صاحب تہجد کی اس طرح پابندی فرماتے تھے جیسے فرض نماز کی، اور عجیب لطف کے انداز میں تہجد کی نماز پڑھتے تھے۔ اور اسفار میں کہیں بھی قیام فرمانا ہوتا تو خدام کو پابند کیا ہوا تھا کہ میزبان سے پوچھ کر مصلیٰ قبلہ رخ بچھا دیں اور بیت الخلاء اور جائے وضو وغیرہ بھی معلوم کرلیں تاکہ تہجد کے لیے وضو وغیرہ کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

ایک دفعہ کا واقعہ مجھے جب بھی یاد آتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسلام آباد کی طرف حضرت نے سفر کے لیے جانا تھا اور حضرو تک مختلف جگہوں پر حضرت نے بیان فرمانا تھا۔ حضرت علامہ صاحب کے ساتھ مفتی عزیز الحسن صاحب تھے، جن کی گاڑی میں ہم سفر کر رہے تھے، مفتی صاحب ہی گاڑی چلا رہے تھے اور حضرت کے تمام اسفار کی ترتیب مفتی صاحب کے ذمہ ہی

ہوتی تھی۔ اور مولانا عبدالغفور صاحب اور راقم الحروف بھی گاڑی میں تھے۔ ہمیں اس سفر میں کئی دن لگ گئے، رات دیر تک بیانات اور پھر اگلے دن سفر کرنے کی وجہ سے دن بدن تھکاوٹ بڑھتی جارہی تھی، اس سارے سفر میں ایک رات بھی تہجد کا ناغہ نہ ہوا۔ تقریباً ایک ہفتہ سفر کے بعد ہماری واپسی ہوئی اور رات ایک بجے ہم علامہ صاحب کے گھر سنت نگر لاہور پہنچے، سردیوں کی رات تھی اور اس وقت تھکاوٹ کی وجہ سے یوں لگ رہا تھا کہ جسم میں جان ہی نہیں، بس کہیں لیٹنے کو جگہ ملے اور سو جائیں۔ ہم جب سوتے تھے تو حضرت کو دبا کر سوتے تھے، لیکن اس دن بالکل ہمت نہیں تھی، مفتی عزیز صاحب ہمیں سنت نگر چھوڑ کر علامہ صاحب سے اجازت لے کر سنٹر (جامعہ ملیہ اسلامیہ، شاہدرہ) تشریف لے گئے، مولانا عبدالغفور صاحب کو حضرت نے فرمایا کہ آپ چھوٹے کمرے میں لیٹ جائیں، حضرت علامہ صاحب اپنی چارپائی پر لیٹ گئے اور میں ہمت کر کے حضرت کو دبانے لگ گیا، حضرت جب کسی سے دبواتے تھے تو فرماتے تھے کہ ہڈی والی جگہ جیسے گھٹنے، ٹخنے وغیرہ کو نہیں دبانا، کیونکہ ہڈی کو دبانے کا فائدہ نہیں، صرف گوشت والی جگہ جیسے پنڈلی یا پاؤں کے نیچے والے حصے کو دبانا ہے۔ تو دباتے ہوئے مجھے ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو کہ نیند کے غلبے کی وجہ سے کہیں ٹخنوں پر ہاتھ نہ لگ جائے اور حضرت کو پریشانی ہو، اس لیے اپنے آپ کو بیدار رکھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ نیند کی وجہ سے میری آنکھیں بند ہونے لگیں اور ہاتھ دباتے دباتے رکنے لگا، حضرت نے جب دیکھا تو فرمایا کہ بس کرو اور جا کر سو جاؤ، حضرت کے کمرے میں خادم کے سونے کی جگہ وہیں تھی جہاں حضرت بیٹھتے تھے، اور وہ جگہ اتنی تھی کہ وہاں لیٹنے والے کے پاؤں حضرت کے مصلے پر چلے جاتے تھے جس پر حضرت تہجد وغیرہ پڑھتے تھے۔ میں وہاں لیٹ گیا اور سو گیا۔

تھوڑی دیر بعد کچھ آواز آئی تو میں اس خیال سے اچانک اٹھ گیا کہ کوئی چیز یہاں پھر رہی ہے، حضرتؒ کے بیرون ملک ہونے کی وجہ سے حضرت کا کمرہ گرمیوں کے دنوں میں بند رہتا تھا، اس لئے زیادہ دیر تک بند رہنے کی وجہ سے اس کمرے میں چوہے اور چھچھوندر بھی آجاتے تھے، اور رات کو کبھی کبھار ہاتھ یا پاؤں پر کاٹ بھی جاتے تھے، اس لیے مولانا عبدالغفور صاحب یا بندہ جب وہاں لیٹتے تھے تو یہ خدشہ ہم دونوں کو ہی ہوتا تھا۔ حضرت رات کو سوتے وقت کسی حکمت کی وجہ سے لائٹ بالکل بند کروا دیتے تھے، جس کی وجہ سے کچھ بھی نظر نہ آتا تھا، میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور غور کرنے لگا کہ آواز کہاں سے آرہی ہے، لیکن جب میں نے غور کیا تو وہ آواز کسی اور چیز کی نہیں بلکہ حضرت علامہ صاحب کے رونے کی تھی، میں گھبرا گیا، میں نے چھوٹی لائٹ جلا کر دیکھا تو حضرت علامہ صاحب مصلیٰ پر تہجد کے لئے کھڑے ہیں اور بڑے لطف سے سورہ مزمل کی تلاوت کر رہے ہیں اور روئے جا رہے ہیں۔ میری اس وقت کیا کیفیت تھی، میں بیان نہیں کر سکتا، میں دل ہی دل میں شرمسار بھی ہو رہا تھا کہ حضرت بھی تو اتنے دن سے سفر میں تھے، پھر ہم لوگ جوان بھی ہیں، لیکن وہ کیا چیز ہے جس نے ان بوڑھے بابا جی کو مصلیٰ پر لا کھڑا کیا ہے؟ حضرت نے دو رکعات پوری کرنے کے بعد سلام پھیرا اور دعا شروع کر دی، حضرت نے دعا کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے اور اس طرح رو رہے تھے جیسے کوئی بچہ رو رہا ہوتا ہے اور چیخوں کی آواز اس طرح آرہی تھی جیسے کسی کا کوئی قریبی فوت ہو جائے اور حضرت انتہائی رقت کے انداز میں بار بار یہ شعر پڑھ رہے تھے:

تو غنئ مطلقی اے ذو الجلال من فقیرِ مطلقم بے قیل وقال
تو عزیزی من ذلیلِ مطلقم تو کریمی من فقیرِ مطلقم
ذاتِ پاکت منبعِ جود ونوال من شدم سرتا پا نقشِ سوال

ان سفید ریش بابا جی کو اس طرح تڑپتے دیکھ کر میں بھی ضبط نہ کر سکا اور زار وقطار آنسو میری آنکھوں سے بہنے لگے اور میں اللہ سے دعا کرنے لگا کہ یا اللہ ہمیں بھی اپنی محبت کا ایسا مزہ عطا فرما کہ جس کے سامنے سارے مزے ہیچ ہیں۔حضرت علامہ صاحب اکثر تہجد میں جب بہت زیادہ روتے تو یہی اشعار پڑھتے تھے۔(دیکھیے:۲۱۸/۲[ادارہ])

اس طرح حضرت علامہ صاحب جماعت کی نماز کی بہت ہی زیادہ پابندی فرمایا کرتے تھے۔حضرت نے خدام کو پابند کیا ہوا تھا کہ میں اپنے کام میں مشغول ہوں تو مجھے نماز سے اتنا وقت پہلے بتا دیا کرو کہ نماز کی تیاری کر کے مسجد کی جماعت کے ساتھ شرکت کر سکوں۔

میں جتنا عرصہ خدمت میں رہا میں نے حضرت کا یہ معمول دیکھا کہ حضرت تہجد کے وقت جب اٹھتے تھے تو پھر سوتے نہیں تھے، تہجد پڑھنے کے بعد جب اذان ہو جاتی تو سنتیں پڑھ کر اگر جمعہ کا دن ہوتا تو ضرور سورہ کہف پڑھتے تھے، اس کے علاوہ دنوں میں قرآن مجید کی تلاوت یا تسبیح یا کچھ پڑھنا لکھنا شروع کر دیتے تھے، اور اکثر اوقات اسی وقت میں چہل قدمی بھی کرتے رہتے اور ساتھ تسبیحات بھی پڑھتے رہتے۔پھر فجر کے بعد اپنا لکھنے کا کام شروع کر دیتے تھے، اسی دوران حضرت چائے، رس یا کوئی دلیا وغیرہ کھا لیتے، اِس چائے کو حضرت نے ''بیڈ ٹی'' (Bed tey) کا نام دے رکھا تھا۔اشراق تک یہی مصروفیت ہوتی پھر اشراق پڑھ کر کچھ دیر بعد ناشتہ کرتے تھے۔

نماز کا مزہ جماعت میں، سجدے کا مزہ زمین پر اور مطالعہ کا مزہ دن کی روشنی میں

فرمایا کرتے تھے: ''نماز کا مزہ تو جماعت کے ساتھ آتا ہے، کوئی کتاب وغیرہ پڑھنے کا مزہ (Day light) دن کی روشنی میں آتا ہے اور سجدہ کا مزہ زمین پر آتا ہے، اشارہ سے سجدہ کرنے میں وہ مزہ نہیں''۔کئی دفعہ ایسا ہوا کہ سفر سے واپسی پر تھکاوٹ اور نیند کے باوجود فرماتے کہ نماز مسجد میں جماعت سے پڑھیں گے۔

حضرت کتاب وغیرہ کا مطالعہ بھی سوائے اپنی زندگی کے آخری چند سالوں کے ہمیشہ دن کی روشنی میں ہی کیا کرتے تھے، سخت سردی اور جاڑے کے موسم میں بھی فجر کے فوراً بعد سَنت نگر والے گھر کے صحن میں چٹائی بچھا کر تشریف فرما ہو جاتے اور نظر کمزور ہونے کے باوجود عینک بہت کم لگاتے تھے۔جب حضرت سے کوئی پوچھتا کہ حضرت! آپ عینک کیوں نہیں لگاتے اور ثقلِ سماعت کے باوجود آلۂ سماعت کیوں نہیں لگاتے تو حضرت (مزاحاً) فرماتے کہ ''شرک وبدعت کے خلاف ساری عمر کام کر کر کے مزاج ایسا بن گیا ہے کہ ان چیزوں میں بھی شرک لگتا ہے اس لئے عینک یا آلۂ سماعت لگانے کو دل نہیں کرتا''۔

کھانا چھوڑا کیوں؟......کھالیا تھا تو پھر کھایا کیوں؟

جب علامہ صاحب سنت نگر والے گھر میں ٹھہرتے تھے تو کھانا اوپر والی منزل میں رہنے والے کرایہ دار کے گھر سے آتا تھا۔ایک دفعہ سنت نگر گھر میں مغرب کے بعد علامہ صاحب کھانا کھا رہے تھے میں بھی ساتھ کھا رہا تھا۔ایک صاحب تشریف لائے اور بالکل سامنے بیٹھ گئے، حضرت نے فرمایا کہ آپ بھی کچھ کھالیں، انھوں نے کہا کہ نہیں بس آپ ہی کھائیں، کچھ دیر گزری تو علامہ صاحب نے پھر فرمایا کہ کچھ تو کھالیں، انھوں نے پھر وہی جواب دیا، حضرت کو ان کے سامنے بیٹھنے سے ناگواری ہو رہی تھی کہ یا تو کھائیں یا کہیں اور بیٹھ جائیں، بالآخر حضرت نے آدھی روٹی توڑ کر ان کو دی کہ یہ کھالو، انھوں نے اس میں سے ایک یا دو لقمے لگا کر روٹی رکھ دی۔حضرت نے فرمایا کہ ''چھوڑا کیوں؟'' انھوں نے جواب دیا کہ ''حضرت میں کھا کر آیا تھا'' حضرت نے فرمایا ''پھر کھایا کیوں؟ اگر یہی جواب آپ پہلے دے دیتے تو مجھے پریشانی نہ ہوتی'' حضرت نے اس انداز میں فرمایا کہ ان کا ایک رنگ آتا اور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

''علامہ کی تقریر میں کوئی نہ کوئی فوت ہو جاتا ہے'' کا پس منظر

ایک دفعہ حضرت نے فرمایا کہ: میرے بارے میں مشہور ہو گیا تھا کہ میری تقریر میں کوئی نہ کوئی بندہ مر جاتا ہے۔اس مشہوری کا سبب یہ ہوا کہ ایک تقریر کے دوران ایک بانس جس پر شامیانے لگے ہوئے تھے وہ گر پڑا اور اس کے نیچے ایک بندہ آ کر مر گیا۔اسی طرح دوسری جگہ ایک تقریر میں سامعین میں سے کسی نے جوش میں آ کر نعرہ لگانا چاہا تو اس کو دورہ پڑا اور وہ وہیں گر کر مر گیا۔پھر ایک دفعہ کسی جگہ پر تقریر کے بعد پتہ چلا کہ جہاں تقریر ہو رہی تھی وہاں پاس ہی کسی کمرے میں گیس وغیرہ کی وجہ سے دم گھٹنے کی وجہ سے ایک آدمی فوت ہو گیا۔میرے متعلق یہ بات اتنی پھیل گئی تھی کہ میری تقریر میں سامعین آتے ہوئے ڈرنے لگے اور تعداد کم ہونے لگی، لیکن الحمدللہ پھر آہستہ آہستہ یہ بات ختم ہو گئی۔

یک جہتی قبلہ اور چار جہتی قبلہ، ایک شیعہ ذاکر کے ڈھکوسلے کا جواب

ایک دفعہ کہیں جلسہ تھا، غالباً وہاں شیعہ سنی دونوں طرح کا مجمع تھا۔ایک شیعہ ذاکر جان بوجھ کر تاخیر سے آیا، جب وہ تقریر کرنے لگا تو کہنے لگا کہ حضرات میں نے ابھی نماز نہیں پڑھی، اگر آپ کی اجازت ہو تو میں نماز پڑھ لوں؟ لوگوں نے کہا کہ پڑھ لیں، وہ ذاکر جہاں کھڑا تھا اس کا چہرہ سامعین کی طرف تھا اور پشت قبلہ کی جانب تھی تو اس نے وہیں کھڑے کھڑے نماز کی نیت باندھ لی، لوگوں نے کہاں کہ ادھر قبلہ نہیں ہے، اس نے جنوب کی جانب چہرہ کر کے نماز شروع کر دی، پھر لوگوں نے کہا کہ ادھر قبلہ نہیں ہے، اس نے شمال کی طرف چہرہ کر کے نماز شروع کر دی، لوگوں نے پھر کہا کہ اس طرف بھی قبلہ نہیں ہے تو چوتھی مرتبہ اس نے مغرب کی طرف صحیح سمت میں چہرہ کر کے نماز پڑھی، نماز کے بعد اس ذاکر نے کہا کہ: ''حضرات آپ کا بہت بہت شکریہ، آج آپ نے مجھے ایک بات سمجھا دی کہ چاروں میں قبلہ ایک ہی ہے۔'' اس جملے میں اس نے اشارۃً خلفائے اربعہ میں سے حضرت علیؓ کو قبلہ کہہ کر باقی خلفاء کی تردید کرنا چاہی تھی۔جب اس نے اپنا جملہ مکمل کیا تو سامعین میں جتنا شیعہ مجمع تھا خوشی سے

اچھل پڑا جبکہ سنی لوگوں پر پریشانی چھا گئی۔حضرت علامہ صاحب نے فرمایا کہ پھر ہم نے وہاں جلسہ کیا اور اس میں، میں نے اس شیعہ ذاکر کا اس طرح جواب دیا:

''معزز سامعین! بعض لوگ کہتے ہیں کہ چاروں سمتوں میں قبلہ ایک ہی طرف ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی سوچ بہت محدود ہے،لیکن جن لوگوں کی نظر پورے عالم پر دوڑتی ہے ان کی اس وسیع نظر میں قبلہ چاروں سمتوں میں ہے، کیونکہ جو لوگ مشرق میں رہتے ہیں ان کی سمتِ قبلہ مغرب کی طرف ہے اور جو لوگ مغرب میں رہتے ہیں ان کی سمتِ قبلہ مشرق کی طرف ہے، جو لوگ شمال میں رہتے ہیں ان کی سمتِ قبلہ جنوب کی جانب ہے، اور جو لوگ جنوب میں بستے ہیں ان کا قبلہ شمال کی جانب ہے، اس کی مثال آپ حضرات میں سے جن لوگوں نے حج یا عمرہ کی سعادت حاصل کی ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ جب مسجد حرام میں کعبہ کے چاروں اطراف میں لوگ کعبہ کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں ان چہرہ صرف ایک سمت مشرق یا مغرب کی طرف نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک دائرے کی شکل میں چاروں طرف کھڑے ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا ایک جہتی قبلہ والا گروہ محدود سوچ والا ہے اور کنویں کے مینڈک کی سوچ لیے بیٹھا ہے۔اور چہار جہتی قبلہ والی جماعت ایک عالمی سوچ رکھنے والی جماعت ہے اور ہمارا دین اسلام کسی ایک گروہ یا کسی ایک خطہ زمین کے لئے نہیں بلکہ پوری دنیا میں بسنے والے انسانوں کے لئے ہے لہٰذا ایک جہتی قبلہ والے گروہ کی سوچ کسی طرح اسلامی سوچ نہیں جانی اور مانی جاسکتی۔'' حضرت کا یہ جواب دینا تھا سارا مجمع اَش اَش کر اٹھا۔

ایک صاحب بیوی کو ''والدۂ ماجدہ'' کہتے ہیں:

ایک دفعہ کسی نے حضرت کو بتایا کہ حضرت فلاں صاحب اپنی بیوی کو والدۂ ماجدہ کہتے ہیں، حضرت ان صاحب کو جانتے تھے، اس لیے حضرت نے فرمایا کہ میں حیران ہو گیا کہ وہ باشرع، نیک، نمازی، پرہیزگار آدمی ہیں، وہ اپنی بیوی کو والدہ ماجدہ کیوں کہیں گے؟ خیر حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ کیا آپ اپنی بیوی کو والدہ ماجدہ کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا جی بالکل! حضرت پھر حیران ہوئے، پھر حضرت نے پوچھا کہ کیا آپ کی کوئی بیٹی ہے؟ اگر ہے تو اس کا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں میری بیٹی ہے اور اس کا نام ماجدہ ہے۔ پھر حضرت سمجھ گئے کہ یہ اپنی بیوی کو بیٹی کی طرف نسبت کر کے والدۂ ماجدہ (ماجدہ کی والدہ) کہتے ہیں۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد حضرت فرماتے تھے کہ کسی کی کوئی بات آپ کو کتنی ہی عجیب کیوں نہ لگے جب اس کی تحقیق نہ کرلو اس پر فتویٰ نہ لگاؤ۔

نکاح کے موقع پر چھوہارے کیوں تقسیم ہوتے ہیں؟

میرے نکاح کے موقع پر حضرت نے فرمایا کہ چھوارے کہاں ہیں؟ سنٹر (جامعہ ملیہ اسلامیہ شاہدرہ) کے قاری فیصل صاحب ایک بڑی ٹرے میں چھوارے لائے اور سامنے رکھ دیئے۔ حضرت نے فرمایا کہ نکاح کے موقع پر چھوارے کیوں بانٹے جاتے ہیں؟ پھر خود ہی فرمایا اس لئے کہ چھوارے کا لفظ ''چھوا'' سے شروع ہوتا ہے، نکاح سے پہلے لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو چھو نہیں سکتے، لیکن نکاح کے بعد چھو سکتے ہیں اس لیے نکاح کے موقع پر چھوارے تقسیم کیے جاتے ہیں کہ اب چھونا جائز ہو گیا۔ اس بات پر

سب سامعین کے چہروں پر مسکراہٹ کی لہر دوڑ پڑی۔ (دیکھیے: ۵۴۸/۱۔ [ادارہ])

موت کے تذکرے والی آیت خطبہ نکاح میں کیوں؟

اور مزید حضرت نے فرمایا کہ خطبہ نکاح میں یہ آیت "**یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ حق تقٰتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون** "پڑھنے کی کیا حکمت ہے؟ حکمت یہ ہے کہ یہ رشتہ نکاح موت تک قائم رکھنے کی نیت سے کیا جاتا ہے، چند دن کی نیت سے کیا گیا نکاح، نکاح نہیں ہوتا۔ اسی لئے بیوی کو "رفیقۂ حیات" کہتے ہیں، نا کہ "رفیقہ چند رات"۔ (اس نکتے میں حضرت نے متعہ کی نفی فرمادی۔)

مولانا زرولی خان اور علامہ شیر حیدری کے ارشادات:

ایک دفعہ مفتی زرولی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، کراچی سے حضرت علامہ صاحب سے ملاقات کے لیے سنت نگر، لاہور تشریف لائے۔ ملاقات کے بعد جب واپس جانے لگے تو ہم خدام کو فرمایا کہ آپ حضرت علامہ صاحب کی خوب قدر کرو، اللہ پاک نے حضرت پر بشریت کا پردہ ڈالا ہوا ہے، حقیقت میں حضرت کچھ اور ہی ہیں۔ (یعنی بشر ہونے کے باوجود علمی اور روحانی مرتبہ اتنا بلند ہے کہ عام انسانوں سے ممتاز ہیں۔)

علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ "حضرت علامہ صاحب کے خراٹوں میں بھی علم ہے۔" مجھے علامہ حیدریؒ کی یہ بات اس وقت سمجھ میں آئی جب بندہ کو رات کے وقت بھی مستقل خدمت کی اجازت ملی، حضرت علامہ صاحب نیند میں بھی بولتے تھے اور وہ نیند کی باتیں واہی تباہی نہیں ہوتیں تھیں بلکہ خالصتاً علمی ہوتی تھیں اور کئی کئی منٹ تک حضرت گفتگو فرماتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی اور حضرت نیشنل ہاسپٹل ڈیفنس میں کئی دن داخل رہے اور مولانا عبد الغفور صاحب، مفتی عزیر صاحب اور راقم الحروف باری باری خدمت میں ہوتے تھے، تو ایک دفعہ حضرت نے بے ہوشی کے عالم میں باقاعدہ بیان کرنا شروع کر دیا، پہلے مختصر خطبہ پڑھا اور اس وقت جو سیاسی اور نظریاتی حالات تھے اس پر کافی دیر گفتگو فرمائی، کہیں ایسا نہیں تھا بے بات کی بات ہو یا کلام میں تسلسل نہ ہو۔ مفتی عزیر صاحب نے وہ بیان اپنے موبائل میں ریکارڈ بھی کیا تھا۔

حضرت تھانوی و مدنی رحمہما اللہ سے حضرت علامہ صاحب کی عقیدت

حضرت علامہ صاحب اکابر اہل سنت دیوبند کا تذکرہ فرماتے تو بہت دفعہ حضرت کی آنکھیں پرنم ہو جاتیں، لیکن صرف حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ پر باقاعدہ آنسو بہتے میں نے دیکھے۔ ایک دفعہ حضرت مدنی رحمہ اللہ تذکرہ کرتے ہوئے فرمانے لگے: "حضرت مدنی مجسمۂ اخلاص تھے۔" حضرتؒ یہ جملہ فرماتے جاتے اور حضرت کی آنکھوں سے آنسو موتیوں کی طرح ٹپکتے جاتے۔

ایک دفعہ مجھ سے کوئی غلطی ہوئی تو میری اصلاح فرمائی اور ارشاد فرمایا: میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی لائن کا آدمی ہوں، میں یہ تو نہیں کہتا کہ میں صالح ہوں، لیکن مصلح ضرور ہوں۔

حضرت علامہ صاحب اور حضرت مفتی عبدالواحد رحمہما اللہ

ایک دفعہ حضرت علامہ صاحب، حضرت مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ (جو اس وقت حیات تھے) سے ملاقات کے لئے دارالافتاء والتحقیق (جامعہ دارالتقویٰ چوبرجی پارک لاہور) تشریف لے گئے، راقم الحروف کے انتہائی سعادت کی بات ہے کہ اِس کے توسط سے دونوں بزرگوں کی ملاقات کی ترتیب بنی تھی، وہاں حضرت نے بیان بھی فرمایا، مفتی عبدالواحد صاحبؒ کے کچھ پوچھنے پر فرمایا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں چار محاذوں پر کام کرنا چاہئے، سب سے پہلے قرآن کو خوب سمجھنا ہوگا، دوسرے نمبر پر علم حدیث کو بھی خوب سمجھنا ہوگا، تیسری نمبر پر فقہ پر ہماری گرفت مضبوط ہونی چاہئے اور چوتھے نمبر پر تصوف میں لگ کر اپنی اصلاح کرنی ہوگی۔ اس بیان کے دوران بندہ کے دل میں خیال آیا کہ اب حضرت علامہ صاحب اپنی چاروں کتبِ آثار (آثار التنزیل، آثار الحدیث، آثار التشریع اور آثار الاحسان فی سیر السلوک والعرفان) کا بھی تعارف کروائیں گے جو بالترتیب انہیں چار محاذوں پر لکھی گئی ہیں، لیکن حضرت علامہ صاحب نے اپنی کتابوں کا نام نہ لیا۔ جب دارالافتاء سے ہماری واپسی ہوئی تو راستے میں، میں نے حضرت سے پوچھا کہ حضرت اگر آپ اپنی چہار کتبِ آثار کا بھی ذکر فرما دیتے تو اچھا ہو جاتا؟ حضرت نے فرمایا کہ ''اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی تھی، لیکن مفتی عبدالواحد صاحب کی علمی عظمت کی وجہ سے میں نے مناسب نہ سمجھا کہ اپنی کتابوں کا نام لوں''۔ (مزید دیکھیے: ۳۴۷/۲ [ادارہ])

حضرت نے ایک دفعہ فرمایا کہ ''میری یہ کتبِ آثار ہی اگر قبول ہوگئیں تو میں امید کرتا ہوں کہ میری نجات کے لئے کافی ہوں گی۔''

مفتی عبدالواحد صاحبؒ بھی حضرت علامہ صاحب کا بے حد احترام کرتے تھے۔ جب حضرت مفتی صاحب آخری عمر میں بیمار ہوئے تو بندہ کو بھی مفتی صاحب کی خدمت کا موقع ملا، جب تک مفتی صاحب بات کو سنتے سمجھتے تھے تو میں کبھی کوئی بات حضرت علامہ صاحب کی سناتا تو فرماتے کہ ''وہ تو بہت بڑی شخصیت ہیں'' اور کبھی فرماتے کہ ''وہ تو بڑے لوگ ہیں''۔

تین دعائیں، دو دنیا میں قبول، ایک ذخیرۂ آخرت:

حضرت علامہ صاحب تین دعائیں اکثر کیا کرتے تھے۔ ۱۔ اے اللہ! مجھے موت تک کسی کا محتاج نہ فرما ۲۔ اے اللہ! مجھے موت تک زمین کے سجدے سے محروم نہ فرما، ۳۔ اے اللہ مجھے موت پاکستان میں نصیب فرما۔

اللہ پاک نے حضرت کی پہلی اور دوسری دعا پوری فرمائی۔ حضرت علامہ صاحب موت تک کسی کے محتاج نہ ہوئے، اور کسی خادم کے نہ ہونے کی صورت میں اپنا لکھنے پڑھنے کا سارا کام اور وضو نماز وغیرہ خود اکیلے کر لیتے تھے، اور اگر کوئی خادم پاس ہوتا بھی تو بعض دفعہ خود ہی سب کچھ کر لیتے تھے اور خادم کو منع کر دیتے تھے اور فرماتے تھے جب تک میں اپنے کام خود کرتا رہوں گا، ورزش ہوتی رہے گی، اور صحت مند اور چست رہوں گا۔

حضرت علامہ صاحب سے اگر کوئی پوچھتا کہ کیا حال ہے؟ تو بعض دفعہ حضرت فرماتے کہ ''اگر تندرست لوگ بیٹھے ہوں

توان میں، میں بیمار ہوں لیکن اگر بیمار لوگ بیٹھے ہوں تو ان میں، میں تندرست ہوں''۔

تیسری دعا کو اللہ پاک نے حضرت کے لئے ذخیرۂ آخرت بنادیا۔اس پر مجھے حضرت کی ہی بات یاد آئی کہ حضرت کے متعلقین میں جناب ظہیرالدین بابر (جو جمعیۃ علماء اسلام،س، میں شامل تھے اور حضرت علامہ صاحب سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے) وفات سے پہلے جب انڈیا کے ہسپتال میں زیرِ علاج تھے تو ظہیرالدین صاحب کی اہلیہ کا حضرت علامہ صاحب کو فون آیا کہ حضرت! دعا فرمائیں اللہ پاک ان کو شفا عطا فرمائیں، تو حضرت نے فرمایا کہ میں ان کی شفا کے لئے دعا تو کروں گا، لیکن اللہ نے کچھ اپنی بھی تو کرنی ہوتی ہے، لہٰذا جو صورت بھی ہو اس میں اللہ کی رضا پر راضی رہیں۔اور یہ پڑھتی رہیں: **رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا ورسولا۔**

حضرت کا پاکستان آنے کا معمول صرف سردیوں کے موسم کا تھا، لیکن حضرت نے وفات سے پہلے گرمیوں میں ہی یہ فرمانا شروع کردیا کہ مجھے پاکستان لے چلو۔خادمین نے حضرت کی صحت کے پیشِ نظر یہی مناسب سمجھا کہ ابھی پاکستان میں گرمی زیادہ ہے، کیونکہ زیادہ گرمی حضرت کی صحت کے لئے مضر تھی، اس لئے چند مہینوں کے بعد پاکستان آنے کی ترتیب بنالی جائے۔ لیکن حضرت کے اصرار کو دیکھ کر پروگرام بنالیا گیا تھا کہ حضرت کو پاکستان لے جایا جائے اگرچہ تھوڑے وقت کے لئے ہی ہو، لیکن کورونا وائرس کی وجہ سے حالات کا نقشہ ایسا بدلا کہ سب فلائٹیں ہی بند ہوگئیں اور حضرت پاکستان تشریف نہ لاسکے۔۵؍مئی، بروز منگل بعد از نمازِ مغرب مانچسٹر میں حضرت علامہ صاحب اپنی قیام گاہ میں بستر سے اٹھتے ہوئے گر گئے، جس کی وجہ سے ران کی ہڈی ٹوٹ گئی اور حضرت علامہ صاحب ہسپتال میں داخل ہوگئے اور کچھ دنوں کے بعد ۲۰؍رمضان المبارک کو وہیں حضرت کا انتقال ہوگیا۔ان وباء کے حالات میں حضرت کا مانچسٹر میں انتقال کرنا جانا اس میں اللہ کی بہت سی حکمتیں تھیں، ہمارے ہاں پاکستان میں حالات ایسے تھے کہ ہر مرنے والے کے بارے میں یہی سننے میں آتا تھا کہ کورونا وائرس سے انتقال ہوگیا، اور پھر نہ اسے غسل دینے کی کوئی صورت ہوتی تھی اور نہ ہاتھ لگانے کی، شکل تک نہ دیکھی جاسکتی تھی۔انگلینڈ میں بھی اگرچہ حضرت کی وفات ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق کورونا کی وجہ سے ہوئی تھی، لیکن وہاں ایسی صورت ہوئی کہ مفتی فیض الرحمٰن صاحب، مولانا ثقلین حیدری صاحب اور حضرت علامہ صاحب کے نواسہ زین، ان سب حضرات نے مل کر حضرت کو اپنے ہاتھوں غسلِ مسنون دیا اور کفن، دفن کیا۔مولانا ثقلین حیدری صاحب جو حضرت کے غسل میں شریک تھے انہوں نے بتایا کہ وفات کے بعد کئی گھنٹے تک حضرت کا جسد سرد خانے میں رہا، لیکن جب ہم نے غسل دیا تو حضرت کے جسم میں بالکل اکڑاؤ نہیں تھا، بلکہ تر و تازہ تھا اور حضرت کی آنکھیں ایسے چمک رہی تھیں جیسے زندہ آدمی کی آنکھوں میں چمک ہوتی ہے۔

فضائل اعمال کی طرح فضائل ایمان بھی ہونی چاہیے

حضرت علامہ صاحب کو امت کے عقائد کی بڑی فکر رہتی تھی اور حضرت کی ہر تصنیف میں اس کا رنگ واضح نظر آتا ہے۔ فرمایا کرتے کہ عقیدہ خشتِ اول کی طرح ہوتا ہے اور اعمال اس پر عمارت کی طرح ہوتے ہیں، اگر عقیدے میں کجی آگئی تو پوری

عمارت میں کجی آجائے گی ؎ خشتِ اول چوں نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

حضرت فرماتے تھے کہ: جس طرح اعمال کے بارے میں ''فضائلِ اعمال'' کتاب ہے، اسی طرح عقائد کے بارے میں ایک کتاب ''فضائل ایمان'' ہونی چاہئے۔ حضرت نے اس پر چند صفحات کا ایک مقالہ لکھا بھی تھا۔

(دیکھیے: ۲/۲۳۴۔۲/۲۱۴۔۲/۴۱۵ [ادارہ])

پاکستان میں سنت نگر لاہور میں اپنے گھر کے علاوہ حضرت نے زیادہ قیام کرنل سلیم لالی صاحب کے ہاں فرمایا تھا، بلکہ آخری سالوں میں جامعہ اشرفیہ میں رہائش کرنے سے پہلے چار پانچ سال حضرت علامہ صاحب کرنل صاحب کے ہاں ہی مقیم ہوتے تھے اور کرنل صاحب بڑی فراخ دلی سے حضرت کی اور آنے والے مہمانوں کی خدمت کرتے تھے۔ **فجزاہ اللہ احسن الجزاء** ۔اور بعض دفعہ کسی بات پر حضرت علامہ صاحب کرنل صاحب کو کچھ کہہ بھی دیتے تھے تو کرنل صاحب کی پیشانی پر بل بھی نہ آتا تھا اور خاموشی سے حضرت کی بات سن لیا کرتے تھے۔

حضرت اپنے خدام کا اسفار میں بہت خیال فرمایا کرتے تھے۔ایک دفعہ مسکین پور شریف میں نقشبندی حضرات کا اجتماع تھا اور حضرت کا وہاں بیان تھا، بندہ بھی حضرت کے ساتھ اس سفر میں تھا، وہاں جب حضرت کو بیان کے لئے سٹیج پر بلایا گیا تو حضرت نے سٹیج پر جانے سے پہلے ہی مجھے فرمادیا کہ جب میں بیان کروں تو آپ نے میری دائیں طرف کرسی کے ساتھ بیٹھ جانا اور جب بیان کا وقت ختم ہو جائے تو مجھے اشارہ کر دینا، جب حضرت سٹیج پر جانے لگے تو پہرے داروں نے مجھے روک لیا کہ آپ سٹیج پر نہیں جاسکتے، میں نے ان کو صورتحال بتائی کہ حضرت نے مجھے یہ فرمایا ہے، لیکن وہ نہ مانے، میں وہاں سے واپس آگیا اور مجمع کی طرف چل دیا کہ وہاں بیٹھ کر بیان سنتا ہوں، حضرت بیان کرنے کے لیے کرسی پر بیٹھے، چند منٹ گزر گئے لیکن حضرت علامہ صاحب نے بیان شروع نہیں کیا اور دائیں بائیں دیکھنا شروع کر دیا جیسے کسی کو تلاش کر رہے ہوں، کسی نے قریب ہو کر پوچھا کہ حضرت! کسے دیکھ رہے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ میرے ساتھ ایک مولوی صاحب بھی تھے، وہ کہاں ہیں؟ یہ سن کر سب پہرہ داروں کی دوڑیں لگ گئیں اور بندہ کو تلاش کرنے لگے، بندہ خود ہی سٹیج کی طرف چل دیا اور جب تک میں وہاں بیٹھ نہیں گیا، حضرت نے بیان شروع نہیں فرمایا۔

نبوت ختم مگر اثر باقی، صحابیت ختم مگر صحبت باقی

وہاں حضرت نے بیان میں اس نکتہ پر ساری گفتگو فرمائی:

''نبوت ختم ہو چکی لیکن نبوت کا اثر باقی ہے، فقہاءِ مجتہدین کی صورت میں، اور صحابیت ختم ہو چکی لیکن صحبت باقی ہے ان سالکینِ طریقت فقراء کی صورت میں۔ نبوت کا اثر اس طرح باقی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا دامن گناہوں سے پاک اور صاف ہوتا ہے اور فقہاءِ مجتہدین کو بھی اپنے اجتہاد میں خطا کے باوجود گناہ نہیں ملتا بلکہ ان کے لئے ایک اجر کی بشارت ہے۔ اور شیخ سے اکتسابِ فیض کا قوی ذریعہ صحبت ہے۔''

بعض ''بے تکلفانہ'' خدمات:

ایک دفعہ حضرت نے بندہ سے فرمایا کہ جب میں پانی پیتا ہوں تو خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں گلے میں اٹک نہ جائے، اس لئے جب میں پانی پیئوں تو اس وقت میری طرف متوجہ رہا کرو اور جب میں اشارہ کروں تو کھڑے ہو کر میری کمر پر اوپر کی طرف کندھوں کے درمیان آہستہ آہستہ ہاتھ مارنا تاکہ پانی حلق سے نیچے اتر جائے۔ ایک دفعہ جب یہ موقعہ آیا، حضرت نے اشارہ کیا اور میں نے کمر پر ہاتھ مارا تو ایک مولوی صاحب حیران ہو کر دیکھ رہے تھے اور بعد میں کہنے لگے کہ حضرت علامہ صاحب نے آپ لوگوں کو بڑا بے تکلف رکھا ہوا ہے، ہم تو بات کرنے سے بھی ڈرتے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت علامہ صاحب کو ڈاکٹر نے کہا کہ آپ کھانا ایک وقت میں تھوڑا کھالیا کریں، مثلاً: ایک روٹی کھالیا کریں اور چاہے دن میں کئی مرتبہ کھالیا کریں، اس سے معدے پر بوجھ نہیں آئے گا۔ اس وقت حضرت کرنل سلیم لالی صاحب کے ہاں مقیم تھے۔ حضرت نے بندہ سے فرمایا کہ اگر کھانے کے دوران باتوں میں مجھے پتہ نہ چلے اور میں دوسری روٹی شروع کردوں تو میرے پاس آ کر کان میں کہہ دینا کہ ''اک ہوگئی اے'' (یعنی ایک روٹی ہوگئی ہے) لیکن مجھے اتنی ہمت نہ ہوئی کہ حضرت کو یہ کہہ سکوں۔ چند دن بعد حضرت کی طبیعت خراب ہوگئی اور دست کی سی شکایت ہوگئی اور رات کئی مرتبہ بیت الخلاء کا تقاضا ہوا، تو اس وقت حضرت نے پھر مجھے ''ایک ہوگئی ہے'' والی بات سمجھائی اور کہا کہ خدمت میں تکلفات نہیں کرتے، جس بات میں مخدوم کو راحت ہو اسی طرح کیا کرو۔

اگلے ہی دن ایک بزرگ حضرت سے ملنے آئے، کھانے کا وقت بھی ہوگیا جب کھانا شروع ہوا تو میرے ذہن میں وہی بات تھی، اس لئے میری توجہ حضرت کی روٹی کی طرف ہی تھی، جب حضرت نے دوسری روٹی توڑنا چاہی تو میں نے قریب جا کر حضرت سے کہہ دیا کہ ''اِک ہوگئی اے'' حضرت نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔ پاس بیٹھے بزرگ نے جب یہ ماجرا دیکھا تو ان کا چہرہ غصے سے لال ہوگیا اور مجھے فرمایا کہ یہ تم نے کیسے کہہ دیا؟ میں نے عرض کیا کہ یہ حضرت کا ہی حکم تھا تو وہ بزرگ فرمانے لگے کہ تجھے حضرت علامہ صاحب کان پکڑا کر جوتے بھی ماریں تو پھر بھی ایسی بات آئندہ کہنے کی جرأت نہ کرنا۔ وہ بزرگ علامہ صاحب سے جذبات کی حد تک محبت رکھتے تھے اور جب حضرت علامہ صاحب ان کو بلاتے وہ فوراً حاضرِ خدمت ہو جاتے۔

ایک دفعہ ایک معروف مولوی صاحب حضرت سے ملنے کے لیے آئے، جب وہ چلے گئے تو حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ: ان مولوی صاحب کی کوئی بات آپ نے نوٹ کی ہے؟ میں پہلے تو کچھ دیر خاموش رہا، پھر میں نے عرض کیا کہ: ''مجھے لگتا ہے کہ انھوں نے داڑھی پر سیاہ خضاب لگایا ہوا تھا۔'' یہ سنتے ہی حضرت نے مجھے مصنوعی غصہ کے انداز میں فرمایا کہ آپ نے غلط بات کی ہے، ''لگتا ہے'' کا لفظ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں کوئی شک وشبہ ہو، یہاں تو ان کا سیاہ خضاب لگانا یقینی ہے تو پھر آپ نے یہ لفظ کیوں استعمال کیا؟ ایک دفعہ جامعہ اشرفیہ میں قیام کے دوران حضرت سے جامعہ اشرفیہ کے کچھ حضرات ملاقات کے لیے تشریف لائے تو حضرت نے اپنے مزاج کے مطابق گفتگو فرمانا شروع کی، تصوف کا موضوع شروع ہوگیا، حضرت فرمانے لگے

کہ: ’’ہم درویشی لائن کے لوگ ہیں، اگر کوئی فقیر یا درویش یہاں بیٹھا ہو تو میں بات کروں، بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

فقیرا فقیری بڑی دور اے اے اوچی تے لمی کھجور اے
جے چڑھ گیا تے بیڑا پار اے جے ڈِگ گیا تے چکنا چور اے

ایک دفعہ ہمارے ہم جماعت مولوی حسن معاویہ صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت سے درخواست کی کہ آپ میرا نکاح پڑھا دیں، حضرت نے فرمایا ’’توانوں بوتی کالی اے‘‘ (یعنی آپ کو زیادہ جلدی ہے) تو مولوی حسن معاویہ نے کہا کہ نہیں! تو حضرت نے برجستہ فرمایا کہ ’’تے فیرا و کالی اے‘‘ (تو پھر وہ کالی ہے) یعنی اگر تجھے نکاح کی جلدی نہیں ہے تو پھر تیری بیوی کالی ہوگی۔ دونوں جملوں میں حضرت نے ’’کالی‘‘ کا لفظ استعمال کیا پہلی جگہ جلدی کے معنی میں اور دوسری جگہ سیاہ کے معنی میں۔

اذا مات المفتی مات فتواہ:

حضرت مولانا علامہ عبدالستار تونسوی صاحب رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد ایک جلسہ میں حضرت نے بیان فرمایا جس میں ایک انتہائی قیمتی بات یہ بھی فرمائی کہ:

ہم نے اپنی زندگی میں ہر فتنے سے پنجہ آزمائی کی ہے، میری نصیحت یاد رکھو کہ اپنے پہلوں کے ساتھ جڑے رہو، انہی کے نقشِ قدم پر چلتے رہو اور مناظروں، مباحثوں میں اپنا انداز نرم اور دلائل گرم رکھو۔ (پھر حضرت نے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ) میرا ایک دفعہ ایک شیعہ سے مناظرہ تھا (غالباً متعہ کے موضوع پر۔ از ناقل) میں نے دیگر کتب کے علاوہ بہت سی شیعہ کتب سے بھی دلائل دیئے، لیکن مدِ مقابل پر کوئی پریشانی کے آثار وغیرہ نہیں تھے بلکہ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا، جب میری گفتگو پوری ہوئی تو اس نے ایک ہی بات کی اور میرے سارے دلائل کو ڈھیر کر دیا، اس نے کہا کہ حضرات انہوں نے جو دلائل دیئے ہیں وہ سارے ان کتابوں میں سے ہیں جن کے مصنفین فوت ہو چکے ہیں اور ہمارا یہ اصول ہے کہ ’’**اذا مات المفتی مات فتواہ**‘‘ کہ جب مفتی فوت ہو جائے تو اس کا فتویٰ بھی فوت ہو جاتا ہے، لہٰذا خالد محمود صاحب نے جتنے دلائل دیئے وہ سب مردہ ہیں۔ اور اس شیعہ مناظر نے یہ اصول اپنی ایک پرانی کتاب سے بھی پڑھ کر سنا دیا۔ اس کی بات سن کر ایک دفعہ تو سب سنیوں پر سناٹا چھا گیا، لیکن میں نے بڑے آرام سے اس شیعہ مناظر سے کہا کہ آپ نے جس کتاب سے یہ اُصول پڑھ کر سنایا ہے، اس کتاب کا مصنف زندہ ہے یا مردہ؟ اس نے جواب دیا کہ مردہ۔ میں نے کہا کہ جب اس کتاب کا مصنف فوت ہو گیا تو کیا اس کا ذکر کردہ اصول بھی فوت ہو گیا یا نہیں؟ شیعہ مناظر کی بولتی بند ہو گئی، حضرت نے فرمایا جس فتویٰ اور اصول کی وجہ سے تم نے میرے تمام دلائل کو مردہ کہا تھا وہ اصول تو خود مردہ ہو گیا، لہٰذا میرے سارے دلائل پھر زندہ ہو گئے، اَب جواب دو ان کا! **فبهت الذی کفر**.

اس کے بعد حضرت نے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ کا یہ ارشاد ذکر فرمایا: **من کان مستنا فلیستن بمن قد مات، فان الحی لا تؤمن علیه الفتنة، اولئک اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم کانوا افضل هذه الامة ابرها**

قلوبا واعمقها علما واقلها تكلفا اختارهم الله لصحبة نبيه ولاقامة دينه، فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم علی آثارهم وتمسكوا بما استطعتم من اخلاقهم وسيرهم فانهم كانوا علی الهدی المستقيم. (مشكوٰة المصابيح)

سموسہ کی وجہ تسمیہ:

ایک دفعہ چائے کے ساتھ سموسے رکھے گئے تو حضرت نے فرمایا کہ سموسہ کی وجہ تسمیہ بتاؤ! میں خاموش رہا، حضرت نے پھر پوچھا تو میں نے کہا کہ پتہ نہیں، تو حضرت نے فرمایا کہ سموسہ کے لفظ کو توڑ کر پڑھو، پہلے ہے ''سہ'' جس کا مطلب ہے تین، پھر ہے ''مو'' یعنی منہ اور ''سا'' تشبیہ کے لئے ہے، چونکہ سموسہ کے تین کونے تین منہ کی طرح ہوتے ہیں اس لیے اسے سموسہ کہتے ہیں۔ اس بات پر حاضرینِ مجلس تعجب بھرے انداز میں ہنسنے لگے۔ (دیکھیے: ۲/۲۰۵[ادارہ])

حضرت علامہ صاحب کو سردیوں کی سبزیوں میں شلجم اور اس کے علاوہ مچھلی بہت پسند تھی اور وہ بھی سالن کی شکل میں شوربے والی۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ مچھلی پکانا تو کوئی مجھ سے سیکھے، پھر حضرت مچھلی پکانے کا پورا طریقہ بھی بتاتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں اور مولانا عبدالرحمٰن اشرفی صاحب جب اکٹھے ہوتے تو میں مچھلی بناتا تھا تو عبدالرحمٰن صاحب کہتے کہ ایسی مزیدار مچھلی کبھی نہیں کھائی۔

ایک دفعہ حضرت کے سامنے چائے کے ساتھ بہت سی دوسری چیزوں کے ساتھ رس بھی پیش کئے گئے، حضرت نے فرمایا کہ یہاں ہمارے سامنے جتنی بھی کھانے کی چیزیں رکھی ہیں ان سب میں کچھ نہ کچھ رس (نمی) ہے لیکن ایک چیز میں بالکل رس نہیں، اور وہ ہے ''رس'' پھر حضرت نے فرمایا کہ دنیا میں بہت سی چیزوں کے نام ان کی ذات کے بالکل الٹ ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک پھل کا نام ہے ''نارنگی'' یعنی بغیر رنگ والا، حالانکہ اس کا خوبصورت رنگ ہوتا ہے، اسی طرح جب دودھ خوب کڑ جاتا ہے اور اس کی اصل باقی رہ جاتی ہے تو اسے کہہ دیتے ہیں کہ ''کھویا'' حالانکہ ابھی تو اس دودھ کی اصل چیز ملی تھی، اسی طرح کوئی چیز زمین میں گاڑ دی جائے تو وہ رکی رہتی ہے لیکن تم نے اس چیز کو ''گاڑی'' کہہ دیا جو ایک جگہ ٹکتی ہی نہیں، اس پر حضرت نے ایک شاعر کا شعر سنایا جس کا تخلص ''کبیرا'' تھا:

رنگی کو نارنگی کہیں، دودھ بنے کو کھویا
چلتی کا نام گاڑی، دیکھ کبیرا رویا

حضرت علامہ صاحب کو عمر کے آخری چند سالوں میں ثقلِ سماعت کا عارضہ پیش آ گیا تھا کہ بات کان کے بالکل قریب ہو کر کرنا پڑتی تھی تو حضرت کو صحیح سمجھ آتی تھی۔ اس لئے جہاں بھی کسی سے بات چیت ہوتی تو مولانا عبدالغفور صاحب یا مفتی عزیر صاحب یا مولانا ظہیر احمد ظہیر یا راقم الحروف یا کوئی اور خادم جو حضرت کے مزاج کو سمجھنے والا ہوتا وہ حضرت کے پاس بیٹھ جاتا اور مخاطب کی بات کو حضرت کے کان کے قریب ہو کر دہراتا تھا۔ اسی عارضہ کی وجہ سے اکثر حضرت فون نہیں سنتے تھے۔ میرے لیے

خدمت میں رہتے ہوئے سب سے مشکل کام کسی کا فون سن کر اس کی بات حضرت کو بتانا اور پھر حضرت کی بات فون کرنے والے کو بتانا تھا کیونکہ ایک لفظ بھی اگر آگے پیچھے ہوجاتا تھا تو حضرت کو بہت ناگواری ہوتی تھی اور پھر اس پر اصلاح بھی ہوتی تھی۔ جب فون کی گھنٹی بجتی تھی تو ساتھ ہی میرے دل کی دھڑکن بھی تیز ہوجاتی تھی۔

موت کے قریب ہر چیز دور ہوجاتی ہے

حضرت جب آخری سفر میں پاکستان تشریف لائے تو میں نے ہمیشہ کی طرح حضرت سے پوچھا کہ حضرت دوائیاں کہاں ہیں اور ان کی کیا ترتیب ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ اس دفعہ دوائیاں نہیں لایا، ڈاکٹر نے کہا ہے کہ آپ کو کچھ نہیں ہے، آپ بالکل ٹھیک ہیں، یہ کہہ کر ڈاکٹر نے ساری دوائیاں بند کردی ہیں، میں نے ماشاء اللہ کہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد حضرت فرمانے لگے کہ جب انسان کی موت کا وقت قریب آتا ہے، آہستہ آہستہ ہر چیز اس سے دور ہوجاتی ہے، میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ دوائیاں ہمیشہ میرا ساتھی رہیں گی، لیکن انہوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا ہے، لگتا ہے کہ جانے کا وقت قریب ہے۔

جب بھی حضرت کی محفلیں، شفقتیں یاد آتی ہیں تو دل غم سے بھر جاتا ہے، ساری دنیا اجنبی لگتی ہے، آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں ۔

دل ہی تو ہے نہ کہ سنگ وخشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں
قیدِ حیات و بند غم، اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی، غم سے نجات پائے کیوں

لیکن یہ سوچ کر دل کو تسلی ہوتی ہے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون، ہم سب اللہ کی ملکیت ہیں اور ہم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور اللہ پاک آخرت میں سب کو اکٹھا کردیں گے۔ بندہ اپنے اعمال کے اعتبار سے تو کورا ہے، لیکن اللہ سے دعا کرتا ہے کہ اس کا فضل شامل حال ہو تو جس طرح اس نے دنیا میں ان نیک ہستیوں کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی، آخرت میں بھی ان کے ساتھ جنت میں جمع فرمادیں۔ ☆☆☆☆

مولانا حق نواز جھنگوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں حضرت علامہ صاحب فرماتے تھے کہ انھوں نے بہت جلدی کی، اور ''کافر کافر شیعہ کافر'' کا نعرہ عام کردیا۔ اِس سے جہاں فائدہ ہوا وہیں ڈھیروں نقصانات بھی ہوئے۔ فرمایا کہ دیکھو ہم پانچ افراد بھی مسلسل شیعیت کی تردید میں رہے، کتنے مناظرے کیے، کئی شیعوں کو مسلمان کیا۔ الغرض تحریری وتقریری ہر میدان میں کام کیا۔ لیکن علمی، سنجیدہ اور غیر متشددادنہ انداز اختیار کرنے کی وجہ سے ہمیں اس صورت حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا جیسی صورتِ حال مولانا حق نواز اور اُن کے رفقاء کو پیش آ گئی۔ اپنے قریبی رفقاء کو سمجھاتے رہتے تھے کہ اپنے اکابر کے طریق پر کام کرنے میں ہی خیر وبرکت ہے۔ سپاہِ صحابہ کے نوجوانوں کے حوالے سے یہ بھی فرماتے تھے کہ انھیں چاہیے کہ حکومت سے ٹکر نہ لیں۔ علمی ذوق رکھنے والے علماء، خطباء اور واعظین کے حوالے سے بھی علامہ صاحب کی کوشش رہتی تھی کہ وہ ہماری طرح سنجیدہ اور علمی انداز اختیار کریں۔

سید عبدالماجد شاہ، لاہور

گلستانِ علم و عرفان کا مہکتا گلاب

ہاں دکھا دے اے تصور! پھر وہ صبح شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو
آنکھ وقف دید تھی لب مائل گفتار تھا
دل نہ تھا میرا سراپا ذوق استفسار تھا
(اقبال)

مملکت خداداد پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے متصل بعد، رائے پور جالندھر کے مشہور دینی ادارہ جامعہ رشیدیہ کا بھی ساہیوال شہر میں دوبارہ اجرا ہو گیا تھا۔ جو وقت کے ساتھ ساتھ ارتقائی منازل طے کرتا رہا اور جلد ہی اپنے اعلیٰ تعلیمی معیار، بہترین اخلاقی تربیت اور زبردست نظم ونسق کی بنا پر شہرت کی بلندیوں کو چھونے لگا اور اس کا شمار پاکستان کی چند عظیم اور بہترین دینی درس گاہوں میں ہونے لگا تھا۔ اس مدرسہ کے بانیوں میں سے ایک اہم شخصیت مفتی فقیر اللہؒ کی تھی جو قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد تلامذہ اور خلفاء میں سے تھے۔ ان کے بڑے فرزند ارجمند مولانا محمد عبداللہؒ مدرسہ مذکور ہی میں شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز تھے اور حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ کے خلیفۂ مجاز بھی تھے۔ مفتی صاحب کے منجھلے صاحبزادے مولانا حبیب اللہ جو فاضل رشیدی کے نام سے پاکستان بھر میں معروف تھے، وہی مدرسہ کے روح رواں اور ناظم اعلیٰ تھے۔ تیسرے بیٹے قاری لطف اللہؒ تھے جو مشہور مبلغ و مقرر اور تنظیم اہل سنت پاکستان سے وابستہ تھے۔ (اور ایک بس حادثہ میں شہید ہو گئے تھے۔)

شروع شروع میں ہر سال اوائل سرما میں جامعہ رشیدیہ میں سہ روزہ تبلیغی واصلاحی اجتماع ہوا کرتا تھا۔ جس میں پاکستان بھر سے نامور علماء کرام ومشائخ عظام شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ان واعظین ومقررین کی فہرست میں ایک اہم نام علامہ خالد محمود صاحب کا ہوا کرتا تھا، جو اپنی عالمانہ، مناظرانہ اور عابدانہ زندگی کے آغاز ہی سے اسم علامہ سے ملقب ومتصف ہو گئے تھے۔ پھر ان کی شناخت ہمیشہ اسی سابقہ سے رہی، یوں لفظ علامہ عمر بھر ان کے اسم گرامی کا جزو لاینفک بنا رہا، ساٹھ کی دہائی میں بندہ راقم الحروف ابھی لڑکپن کی زندگی گزار رہا تھا۔ لیکن چیدہ چیدہ علماء کے بارے میں اچھا خاصا شعور رکھتا تھا۔ جامعہ رشیدیہ کے سالانہ اجتماعات سے بھی مستفید ہونے کے مواقع ملتے رہے، یوں علماء کرام کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی رہتی تھیں۔

علامہ صاحب کے شجر علمی، شعلہ بیانی اور گوہر افشانی کی دھوم سیالکوٹ کے در و بام کو پھلانگتی ہوئی ملک کے گوشے گوشے میں مچ چکی

تھی۔ساہیوال کے گردونواح کے عوام وخواص کو جب بھی علامہ صاحب کے وُرود مسعود کا پتہ چلتا تو وہ حالتِ اضطراب وعالمِ شوق کا مظاہرہ کرتے ہوئے جوق در جوق علامہ صاحب کو دیکھنے و سننے کے لیے جامعہ رشیدیہ اُمڈ آتے۔ بندہ بھی خود کو ان مضطربین و محبین کی صف میں شمار کیا کرتا، چونکہ میرا تعلق ایک ممتاز مذہبی گھرانے سے تھا۔ میرے نانا محترم حضرت مولانا عبدالعزیز جالندھری خلیفہ مجاز شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، بانی جامع مسجد نور و مدرسہ جامعہ انوریہ ساہیوال علماء کرام ومشائخ عظام میں ایک اہم مقام رکھتے تھے۔ بایں وجہ دین سے رغبت اور علماء سے محبت بچپن ہی سے میرے تحت الشعور میں تھی۔ ان اجلاس عام کے بعد پھر کئی کئی ماہ تک مقامی علماء کی محفلوں میں علماء کی تقاریر پر تبصرے ہوتے رہتے تھے۔ خاص طور پر علامہ صاحب کا تذکرہ بڑے ہی خوبصورت انداز اور دلکش پیرائے میں کیا جاتا تھا۔ ان کے جوشِ خطابت پر ان کو بھرپور داد دی جاتی اور ان کے تبحر علمی، قادر الکلامی اور نکتہ دانی کی بھی خوب تحسین کی جاتی تھی، چونکہ بندہ بھی ان مجالس میں گاہے گاہے شرکت کر لیتا تھا، اس طرح علماء کے ان جاندار اور مدلل تبصروں سے بندہ بھی بہت متاثر ہوتا تھا۔ یوں علامہ صاحب کی قدر ومنزلت میرے دل ودماغ میں راسخ ہوتی چلی گئی۔

۱۹۶۶ء میں علامہ صاحب اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے عازم برطانیہ ہوگئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد وطن واپس چلے آئے۔ لیکن ۱۹۶۹ء میں علامہ صاحب دوبارہ برطانیہ منتقل ہوگئے، بعدازاں ۱۹۷۱ء میں خاندان کے بقیہ افراد بھی پاکستان چھوڑ کر برطانیہ چلے گئے۔ اور وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یوں کچھ عرصے کے لیے علامہ صاحب عوام الناس کی نظروں سے اوجھل رہے۔ ان کا ذکر بھی کم کم ہونے لگا۔ نئی نسل جو پروان چڑھ رہی تھی وہ علامہ صاحب کی شناخت والتفات سے قدرے محروم ہوگئی۔ علامہ صاحب کا پہلے پہل قیام برمنگھم شہر میں تھا۔ کافی عرصہ یہاں مقیم رہے، بعدازاں ۱۹۷۴ء میں مانچسٹر منتقل ہوگئے اور برمنگھم جا کر پہلے ایم اے کیا، بعدازاں آپ نے یہیں سے فلاسفی میں ڈاکٹریٹ (Ph.D) کی ڈگری بھی حاصل کی، تقابل ادیان میں ان کا تخصص تھا۔

اواخر ۱۹۷۱ء میں میرے نانا محترم جناب مولانا عبدالعزیز جالندھریؒ کا ایک بار پھر برطانیہ جانا ہوا۔ اس سے قبل بھی وہ ایک بار قیام پاکستان کے کچھ ہی عرصہ بعد تبلیغی مشن پر برطانیہ جا چکے تھے۔ برطانیہ میں ان دنوں جالندھر سے وابستہ ان کے کافی احباب موجود تھے۔ نانا جان کے یہ اسفار ان حضرات ہی کی خواہش اور اصرار پر ہوئے تھے۔ نانا جان بہت ہی کم گو اور کم آمیز شخصیت کے مالک تھے، وہیں برمنگھم میں علامہ صاحب کی میرے نانا محترم سے متعدد ملاقاتیں رہیں۔ علامہ صاحب بڑی گرم جوشی اور محبت وعقیدت سے پیش آتے رہے۔ میرے نانا صاحب عمر میں علامہ صاحب سے تقریباً ۲۵ر سال بڑے تھے۔ علامہ صاحب اگرچہ سلسلہ چشتیہ صابریہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ایک اجل خلیفہ حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ کے بیعت تھے، لیکن شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے بڑے مداح، گرویدہ اور نہایت عقیدت مند تھے۔ ان کے بارے میں اکثر وہ اپنے خیالات پاکیزہ اور اپنی اس روحانی حیثیت کو کبھی دانستہ ظاہر نہیں کرتے تھے۔ مگر زندگی کے آخری سالوں

میں اس کا برملا اظہار کرتے رہے۔اس سلسلے میں زندگی بھر یوں لب کشائی کرتے رہے کہ میں تو حضرت لاہوریؒ کے خادموں کا بھی خادم ہوں۔ان کا حکم میرے سر آنکھوں پر۔ یہ حضرت لاہوریؒ سے لگاؤ اور محبت ہی تھی کہ علامہ صاحب میرے نانا کے ساتھ اس قدر عزت واحترام سے پیش آئے،اس عزت افزائی کی ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ میرے نانا محترم شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور علامہ صاحب کو بھی ان سے کافی عرصہ تک پڑھنے کا شرف حاصل رہا۔علامہ صاحب حضرت لاہوریؒ کے مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ لاہور میں کچھ عرصہ معلم کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے، اُن ہی دنوں عالمِ ربانی حضرت مولانا شمس الحق افغانی بھی یہاں بطور شیخ الحدیث تعینات تھے۔ یہ بھی حسنِ اتفاق ہے کہ مولانا شمس الحق افغانی بھی علامہ کے لقب سے موسوم تھے۔اس طرح ایک عظیم استاذ اور ایک ہونہار شاگرد دونوں رفیق تدریس رہے۔ برطانیہ سے پاکستان مراجعت کے بعد نانا محترم اپنی مجالس میں اکثر علامہ صاحب کی عقیدت بھری ملاقاتوں کے سلسلے میں رطب اللسان ہوا کرتے تھے۔علامہ صاحب کی اعلیٰ علمی خدمات جو وہ برطانیہ میں رہ کر سرانجام دے رہے تھے، کی بھی تعریف کرتے۔ یوں نانا صاحب کے علامہ صاحب کے بارے میں تذکرہ نے ان کی دھندلائی ہوئی یاد ایک بار پھر تازہ کردی۔لیکن دل کے آئینے میں ابھرنے والے یادوں کے اس نقش کو وقت نے ایک بار پھر سے مٹانا شروع کردیا۔ جو آہستہ آہستہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔ پہلی مرتبہ تو علامہ صاحب عرصہ دراز بعد وطن لوٹے لیکن پھر اکثر پاکستان آمدورفت ہوتی رہتی تھی لیکن ہم اس سے باخبر نہ تھے۔

غالباً نومبر ۱۹۸۲ء کی بات ہے کہ ہم نے اچانک یہ مژدہ سنا کہ علامہ صاحب جامعہ رشیدیہ ساہیوال تشریف لا رہے ہیں۔ بروز اتوار بعد نماز ظہران کا خطاب ہوگا۔شہر اور گردونواح میں مذہبی حلقوں میں یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی، پھر کیا تھا اِک ولولہ تھا جو ہر دل میں موجزن تھا، ہر سو شوق کا عالم تھا، انتظار کی کٹھن گھڑیاں تھیں۔ اللہ اللہ کر کے وہ ساعت بھی آن پہنچی۔ پروانے قبل از وقت ہی جلسہ گاہ میں چھا چکے تھے۔ مداحوں کا ہجوم تھا، منتظرین کے لیے کوئی جگہ نہ بچی تھی۔ شائقین بھی جگہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ بندہ راقم السطور جب جائے مقصود پہ پہنچا تو منظر دیکھ کر ششدر رہ گیا، غضب کا ہجوم تھا، تِل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ جلسہ کا آغاز ہوا ہی چاہتا تھا۔ بندہ کو بالآخر مسجد صحن کے بالمقابل مشرقی برآمدے میں بمشکل کھڑے ہونے کو جگہ مل گئی۔ اسی کو غنیمت جان کر دیوار کا سہارا لے کر عصر حاضر کے عظیم دیدہ ور کی طرف ہمہ تن گوش ہوگیا۔ خطاب کا دورانیہ کافی طویل تھا، موضوع تو **جاء الحق و زهق الباطل، ان الباطل كان زهوقا** تھا، لیکن نفسِ مضمون یاد نہیں بس یہ معلوم ہے کہ مجمع میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ علامہ صاحب کی تقریر دلپذیر سامعین کے قلوب کو گرما رہی تھی۔ شائقین خاموشی مگر بڑی دلجمعی سے سماعت کررہے تھے۔

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ المعروف زراعتی فارم والے خلیفہ مجاز قطب وقت حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کے منجھلے صاحبزادے مولانا حافظ مقبول احمدؒ، جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے نائب ناظم اعلیٰ تھے۔ مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدیؒ سے

اختلافات کی شدت نے بالآخران کو وہاں سے مجبوراً رخصت ہو کر برطانیہ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ گلاسگو میں ان کے چھوٹے بھائی حافظ شفیق احمد اور خاندان کے دیگر افراد پہلے ہی سے موجود تھے۔ مولانا مقبول احمد صاحب نے گلاسگو پہنچ کر اپنی شناخت مفتی مقبول احمد کے نام سے کروائی، اس سے قبل علامہ صاحب برمنگھم سے مانچسٹر منتقل ہو چکے تھے۔ اور وہاں اپنا علمی، تحقیقی، تصنیفی اور اشاعتی کام جاری وساری رکھے ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں وہ ''اسلامک اکیڈمی'' کا قیام عمل میں لا چکے تھے۔ اگر چہ مانچسٹر اور گلاسگو کے درمیان کافی فاصلہ تھا، لیکن مفتی صاحب کے ساتھ پھر بھی ایسی شاندار مفاہمت اور مثالی یگانگت رہی کہ جس نے دلوں کی قربت کو قابل رشک بنا دیا تھا۔

علامہ صاحب پُرعزم، بلند حوصلہ اور حق گو انسان تھے۔ ہمیشہ اپنے متعین کردہ راہ راست پر رواں دواں رہے اور یہ علامہ صاحب کی بصیرت، حکمت، استقامت اور خلوص تھا کہ ان کا کاروان حالات سے بے نیاز ہو کر اپنی منزل کی جانب جاری رہا۔ مفتی صاحب نے برطانیہ جانے کے بعد بھی اپنا تعلق ساہیوال سے قائم ودائم رکھا بلکہ اس کو مزید جلا یوں بخشی کہ جی ٹی روڈ غلہ منڈی ساہیوال میں جامعہ رشیدیہ کے بالمقابل برلب نہر زمین کا ایک وسیع وعریض قطعہ خرید کر اس میں ایک عظیم الشان مدرسہ جامعہ علوم شرعیہ اور ایک جامع مسجد تعمیر کروائی۔ یہ مدرسہ آج ہر سو علم کی روشنی پھیلا رہا ہے۔ علامہ صاحب متعدد بار اس مدرسہ میں تشریف لا چکے ہیں اور کئی مرتبہ مسجد مذکور میں خطاب بھی فرما چکے ہیں۔

میرے ماموں حافظ سید سعید احمد شاہ اواخر ۱۹۷۴ء میں مستقل طور پر کینیڈا چلے گئے۔ ٹورنٹو شہر ان کا مسکن تھا۔ وہاں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی امارت ان کے سپرد کر دی گئی۔ حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ سے ان کا خاص تعلق تھا بلکہ وہ ان کے ارشد تلامذہ میں سے بھی تھے۔ علامہ صاحب مولانا چنیوٹی کی معیت میں جب بھی عالمی تبلیغی سفر پر نکلتے تو کینیڈا میں ان کی میزبانی کا شرف میرے ماموں کو حاصل ہوتا۔ وہی وہاں ان کے معاون ہوا کرتے تھے، بایں وجہ ماموں کے علامہ صاحب سے گہرے مراسم قائم ہو گئے تھے۔ یوں ان کے درمیاں خلوص ومحبت کا یہ باہمی رابطہ زندگی بھر استوار رہا۔ ماموں جان کا کینیڈا سے جب دل اُکتا گیا تو ۱۹۹۰ء میں پاکستان واپس چلے آئے، اور لاہور شہر ہی میں سکونت اختیار کر لی۔ کینیڈا سے واپسی پر ماموں جان چند دنوں کے لیے علامہ صاحب سے ملاقات کی خاطر برطانیہ بھی رکے تھے۔ علامہ صاحب کا تقریباً یہ معمول رہا کہ وہ ہر سال موسم سرما کے آغاز میں کم وبیش چار ماہ کے لیے پاکستان چلے آتے تھے۔ اور جاڑے کا موسم گزار کر آمدِ گرما کے ساتھ ہی واپس برطانیہ چلے جاتے، اشد ضرورت کے تحت بعض اوقات اپنے قیام کو طوالت بھی دے لیتے تھے، یوں بھی ہوتا رہا کہ اہم مقاصد کے لیے موسم کی پرواہ کئے بغیر پاکستان چلے آتے تھے۔ لاہور میں علامہ صاحب کے قیام کے ایام میں ماموں اور علامہ صاحب کے شب وروز تقریباً اکٹھے ہی گزرتے رہے۔ پاکستان میں ادھر اُدھر آمد ورفت بھی ماموں جان کے ہمراہ ہوا کرتی تھی۔ غالباً فروری ۲۰۰۱ء کی بات ہے کہ ایک دن بروز اتوار ماموں جان اچانک بغیر کسی پیشگی اطلاع کے، علامہ صاحب کو ساتھ لئے دن کے تقریباً ۱۱ بجے میرے

مکان واقع آفیسر کالونی فرید ٹاؤن ساہیوال میں تشریف لائے۔ علامہ صاحب کو یوں اپنے سامنے پا کر میں خوشگوار حیرت میں ڈوب گیا۔ اللہ اللہ کیا شان ہے تیری، کہاں بندہ ناچیز اور کہاں آسمان علم کا ایک درخشندہ ستارہ جو دفعۃً میرے گھر اُتر آیا۔ مجھے اپنی اس خوش نصیبی پر رہ رہ کر ناز آرہا تھا، یہ میری زندگی کا ایک حسین اور یادگار واقعہ تھا کہ علامہ صاحب کا یوں دورہ میرے ہاں ہوا، میں علامہ صاحب کی اس قدر قریب سے زیارت کررہا تھا، اگرچہ اس سے قبل علامہ صاحب سے معمول کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ زیارت بزرگاں کفارہ گناہ۔ (فارسی مثل)

اس دن مجھے تین چار گھنٹے تک علامہ صاحب کی صحبت اُٹھانے کا موقع ملا۔ دوران گفتگو علامہ صاحب نے اپنی تصانیف آثار التنزیل، آثار الحدیث، آثار التشریح اور آثار الاحسان کا ذکر کیا۔ اس سے قبل میں ان کی مذکورہ تصانیف سے لاعلم تھا۔ میں نے علامہ صاحب سے ان کتب کے تین سیٹ حاصل کرلئے۔ یہ کتب علامہ صاحب کے پاس اس وقت موجود تھیں جو وہ لاہور سے اپنے ساتھ ہی لائے تھے۔ بعدازاں میں نے ان میں سے ایک سیٹ اپنے ایک دیرینہ اور مخلص رفیق عبدالستار راجپوت کو کینیڈا بھجوا دیا۔ وہ کینیڈا کے شہر وینکوور میں اپنے خاندان کے ساتھ ۱۹۷۳ء سے مقیم ہیں۔ عبدالستار نے وہ کتب وینکوور کی جامع مسجد کی لائبریری میں رکھوا دیں تاکہ وہاں کے مقیم پاکستانی و ہندوستانی مسلمان علامہ صاحب کے چشمہ علم سے نکلنے والی نہر جاریہ سے مستفید و مستفیض ہوتے رہیں، موصوف عبدالستار بھی علامہ صاحب کا قدردان تھا، شیدائی اور نیک انسان ہے۔ دوسرا سیٹ میں نے ساہیوال کے نواحی گاؤں چک نمبر 88-A/6-R کے رہائشی زمیندار و دیندار حافظ عبدالرؤف ارشد رانا کو ہدیہ کردیا۔

۳ر جنوری ۲۰۰۳ء کی صبح کو میرے ماموں کا لاہور سے فون آیا کہ وہ علامہ صاحب کی معیت میں آپ کے ہاں آنے کے لیے روانہ ہوچکے ہیں لیکن ابھی حدود لاہور ہی میں ہیں۔ یہ خبر سن کر خوشی کی لہر سارے جسم میں سرایت کرگئی۔ لیکن اگلے ہی لمحے سخت مضطرب بھی ہوگیا کہ نجانے وہ کب تشریف لاتے ہیں؟ کیونکہ وقت آمد کا حتمی علم نہیں ہوسکا تھا۔ اور یہ کہ مجھے ایک اہم جنازے میں ضروری شرکت کرنا تھی۔ نماز جنازے کا وقت ۱۱ر بجے دن مقرر تھا۔ جنازہ میرے ایک عزیز دوست جناب سراج دین انصاری کے برادر اکبر جناب معراج دین انصاری مرحوم کا تھا۔ اس خاندان سے ہمارے دیرینہ و مخلصانہ تعلقات تھے۔ ماموں جان کے بھی ان سے بہت قریبی مراسم تھے، متوفی کی وصیت تھی کہ اس کا جنازہ سنی دیوبندی امام سے پڑھوایا جائے۔ اس لئے وارثین نے مولانا عبدالعزیزؒ زراعتی فارم والے کے پوتے اور مفتی مقبول احمد صاحب کے بھتیجے اور داماد ڈاکٹر حافظ خالد محمود سے جنازہ پڑھوانے کا انتظام کررکھا تھا۔ جوں جوں نماز جنازہ کا وقت قریب آرہا تھا۔ دل کی دھڑکن تیز تر ہوتی جارہی تھی۔ ابھی تک ماموں جان کی آمد کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ شدت انتظار بے قراری میں مسلسل اضافہ کئے جارہی تھی۔ جنازے میں شریک اپنے شناساؤں کو میں بار بار فون کرکے تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہی حاصل کررہا تھا۔ عجب اتفاق تھا کہ جنازے کے شرکاء بھی ڈاکٹر حافظ خالد محمود صاحب کے انتظار میں پریشان تھے جو ابھی تک پہنچ نہیں پائے تھے۔ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے ماموں جان

علامہ صاحب کے ساتھ گھر پہنچ گئے۔ وہ گھر کے اندر داخل ہوئے میں نے تمام تر صورت حال سے انہیں باخبر کیا۔اور جنازے میں شرکت کے لیے فوراً چلنے کا کہا۔اس سے قبل میں نے جناب سراج دین انصاری کو مطلع کر دیا تھا کہ آپ پندرہ منٹ انتظار کی مزید زحمت گوارا کریں۔علامہ خالد محمود صاحب تشریف لا رہے ہیں۔آپ نماز جنازہ ان سے پڑھوالیں، وہ اس خبر سے بہت ہی متاثر ہوئے۔حالت پریشانی میں یہ ان کے لیے ایک خوش کن خبر تھی۔انہوں نے اس پیش کش کو دل و جان سے قبول کیا اور ہمارا انتظار کرنے لگے، بہر حال ہم پندرہ منٹ میں جنازہ گاہ پہنچ گئے، یوں علامہ صاحب نے جناب مرحوم معراج دین صاحب کی نماز جنازہ پڑھائی، سراج دین صاحب اور سبھی حاضرینِ جنازہ بہت خوش تھے، ان کا کہنا تھا کہ متوفی کتنا خوش نصیب ہے کہ قدرت نے کس طرح ان کے نماز جنازہ کی امامت کے لیے علامہ صاحب کو بھجوادیا۔اور یہ متوفی کے مغفرت کی ایک غیبی بشارت ہے، یہ بھی ایک حسین اتفاق تھا کہ جنازے کے لئے متوقع امام کا نام بھی خالد محمود تھا اور حاضر (شریکِ) امام کا نام بھی خالد محمود، جنازہ کے شرکاء کثیر تعداد میں تھے، وہ سبھی جنازے کے بعد علامہ صاحب کو دیکھنے اور ملنے کے لیے ان کے گرد امڈ آئے تھے۔ان کا جوش دیدنی تھا، جنازے میں شرکت اور شرکاء جنازہ کے پرتپاک استقبال پر علامہ صاحب بھی کافی خوش تھے اور ان کا چہرہ انور بھی ہشاش بشاش نظر آرہا تھا۔میں بھی طمانیت محسوس کررہا تھا کہ میں جنازے میں شرکت سے محروم نہ رہا۔جنازے کے بعد تقریباً پون گھنٹے تک شرکاء کے حصار کے باعث ہمیں جنازگاہ ہی میں رکنا پڑا۔تقریباً چار گھنٹے قیام کے بعد نماز عصر سے فارغ ہو کر علامہ صاحب اور ماموں جان لاہور واپس ہولئے۔اس کے بعد ماموں جان کے ہمراہ علامہ صاحب کا میرے ہاں کبھی آنا نہیں ہوا۔

۲۰۰۴ء میں ماموں نے اچانک کینیڈا جانے کی ٹھان لی، ہم بھی ان کے اس یکا یک فیصلے پر بڑے حیران تھے ان کا اس بارے میں کہنا تھا کہ کینیڈا میں میرے چند ایک حل طلب مسائل ہیں جس کے لیے میری وہاں موجودگی ضروری ہے۔ بہر حال پاکستان سے روانگی کے روز میں ان کو الوداع کہنے ان کی قیام گاہ گلشن راوی لاہور پہنچ گیا۔انہوں نے رختِ سفر باندھ رکھا تھا اور بالکل تیار بیٹھے کسی کے انتظار میں تھے۔ کچھ ہی دیر بعد علامہ صاحب ایک پک اَپ گاڑی لئے آپہنچے، علامہ صاحب کی آمد سے معلوم ہوا کہ ماموں جان علامہ صاحب ہی کے منتظر تھے۔ پھر ہم سب ائر پورٹ کی طرف رواں دواں ہوگئے۔ ماموں جان کو رخصت کرنے کے بعد میں علامہ صاحب کے ساتھ ہی ان کے گھر چلا آیا تھا اور چند ساعتیں وہاں علامہ صاحب کے ساتھ گزار کر واپس ساہیوال چلا آیا۔اس کے بعد میرا علامہ صاحب سے براہ راست رابطہ اور بے تکلف آنا جانا ہو گیا تھا۔آتے وقت میں نے علامہ صاحب کا موبائل نمبر اور برطانیہ کا لینڈ لائن نمبر بھی حاصل کر لیا تھا تا کہ علامہ صاحب سے بوقت ضرورت گفت وشنید ہوتی رہے۔ان دنوں علامہ صاحب موبائل کال بنفس نفیس سنا کرتے تھے۔ان کی قوت سماعت بالکل ٹھیک تھی۔اور خود کو انہوں نے کافی متحرک رکھا ہوا تھا۔ بعد ازاں میں علامہ صاحب سے ہمیشہ رابطے میں رہا، ہفتے میں دو مرتبہ تو ضرور فون کر لیا کرتا تھا۔ پھر ان سے الفت کے دریچے اس طرح کھلتے گئے کہ درمیان میں اجنبیت کا کوئی پردہ حائل نہ رہا۔بس شفقت اور بے انتہا شفقت، گرچہ اس

سے قبل بھی کئی بار ماموں جان کی وساطت سے میرا علامہ صاحب سے برطانیہ میں رابطہ رہا تھا۔ ماموں جان نے ہی میرا ان سے تعارف کروایا تھا وہ کینیڈا سے کانفرنس کال کے ذریعے علامہ صاحب سے بات کروایا کرتے تھے۔ غالباً وسط ۱۹۹۱ء کی بات ہے کہ ماموں جان کی وساطت سے لاہور ہی سے ایک روز جب ٹیلیفون پر علامہ صاحب سے گفتگو ہو رہی تھی تو علامہ صاحب نے اس وقت مجھ پر یہ انکشاف کیا تھا کہ وہ عنقریب لاہور کے نواح میں ایک مسجد اور ایک دینی مدرسے کا قیام عمل میں لا رہے ہیں۔ اس مقصد کے لیے دو الگ الگ قطعہ اراضی مگر بالمقابل خرید لئے گئے ہیں، ایک تنظیم تحریک احیاء القرآن اسلامی بھی تشکیل دے دی ہے۔ جس کے تحت تمام امور طے پائیں گے۔ آپ کو بھی تنظیم میں سرگرمی دکھانا ہوگی۔ آپ کو اس تنظیم کے لیے منتخب کرلیا گیا ہے۔

مجھے بتایا گیا کہ ۱۸ر جولائی ۱۹۹۱ء کو کامران خاں نامی شخص سے خریدی گئی جگہ پر ۱۹۹۲ء میں ایک مختصر سی مسجد عارضی طور پر تعمیر کر دی گئی ہے۔ مذکورہ جگہ شاہدرہ ٹاؤن سے آگے امامیہ کالونی کے تقریباً اختتام پر واقع ہے اور اس کے عقب میں بجانب شمال جی ٹی روڈ تقریباً دو کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے اور اس علاقے کو محمود کالونی کا نام دیا گیا ہے۔ اُس وقت آبادی نہ ہونے کے برابر تھی۔ مگر اب یہ کالونی کافی آباد ہوگئی ہے۔ جگہ برائے مجوزہ جامع مسجد ختم نبوت کلاں بر رقبہ ساڑھے تین کنال مشرقی جانب ہے اور مدرسہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے لیے جگہ، جس کا رقبہ سولہ کنال ہے مغربی جانب ہے۔ یہ جگہ ایک دوسرے کے بالمقابل ہے۔ ان کے درمیان تیس فٹ چوڑی گلی ہے۔ اس عارضی تعمیر کردہ مسجد میں ناظرہ قرآن پاک کی باقاعدہ تعلیم کے لیے ۱۹۹۸ء میں قاری محمد اکبر کی تقرری عمل میں لائی گئی تھی، اس کے ساتھ ہی وہاں مولانا عبدالرشید نے شعبہ ترجمہ قرآن عزیز کا اجرا کر دیا تھا۔

۱۳ر مئی ۲۰۰۰ء کو اس عظیم الہامی مسجد کا سنگ بنیاد بدست خاص حضرت شمس العلماء فقیہ الزماں علامہ خالد محمود صاحب، شیخ وقت حضرت مولانا سید انور حسین شاہ نفیس صاحب اور پروفیسر ڈاکٹر محمد سلیم صاحب، ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ شعبہ الیکٹریکل انجینئرنگ یونیورسٹی آف انجینئرنگ ٹیکنالوجی مغلپورہ لاہور رکھا گیا۔ جبکہ دیگر شرکاء میں حافظ سید سعید احمد شاہ، رانا خالد محمود اور ان کے والد گرامی رانا محمد اکبر عاجز اور علاقے کے روح رواں مولانا قاری محمد اسلم عثمانی بھی تھے جو اس کارِ خیر میں سرگرم تھے۔ اس وقت بنیادوں کا کام تو مکمل کرلیا گیا۔ مگر مسجد کی بقیہ تعمیر کا باقاعدہ آغاز ۲۰۰۴ء میں شروع ہوا۔ اسی سال یہاں نماز جمعہ اور نماز تراویح کا اہتمام کرلیا گیا۔ خطبہ جمعہ کی ذمہ داری شاہدرہ کے قاری محمد عثمان نے جو مولانا محمد اسلم عثمانی کے صاحبزادے ہیں نے اپنے ذمے لے لی تھی۔ اور رمضان میں نمازِ تراویح میں قرآن پاک سنانے کی سعادت قاری الطاف حسین اور مولانا ظہیر احمد نے حاصل کی۔ ۲۰۰۷ء میں عصری تعلیم کا بھی بندوبست ہوگیا۔ اس کے لیے جناب پروفیسر ہمایوں صادق کی سربراہی میں پانچ افراد پر مشتمل تدریسی عملے کا انتخاب کرلیا گیا۔ اشاعت تعلیم اور ترویج دین کا معاون عظیم کارواں تاحال اور بتدریج اکابرین کی اعلیٰ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے اگلی منازل کی طرف رواں دواں ہے۔

۲۰۰۵ء میں میرے ماموں حافظ سعید احمد شاہ ٹورنٹو (کینیڈا) میں اچانک ایک جان گزار حادثے میں رحلت فرما گئے۔

بڑا ہی روح فرسا واقعہ تھا۔ سبھی اعزا و اقارب غم سے نڈھال تھے۔ مانچسٹر میں علامہ صاحب کو بھی اس المناک حادثے کی اطلاع ہوگئی تھی۔ علامہ صاحب نے اظہارِ تعزیت کے لیے فوراً ہی مجھے فون کیا بڑے ہی غمگین تھے، آواز بھرائی ہوئی تھی لیکن مجھے تسلی دے رہے تھے۔ علامہ صاحب اکثر فون پر میری دلجوئی کرتے رہتے تھے۔ اس واقعہ کے بعد جب علامہ صاحب کا پاکستان آنا ہوا تو فوراً ہی ساہیوال تعزیت کے لیے میرے ہاں چلے آئے۔ چند گھنٹے قیام فرما کر واپس ہوگئے۔ علامہ صاحب ان دنوں سپریم کورٹ آف پاکستان میں جج کے عہدے پر فائز تھے۔ اس منصب جلیلہ پر وہ ۲۹ رمئی ۲۰۰۲ء کو مامور ہوئے تھے۔ یوں ان دنوں ان کو ہمہ وقتی سیکیورٹی گارڈ کی سہولت حاصل تھی۔ اس سلسلے میں بورے والا کے رہائشی پنجاب پولیس کے ملازم جناب عزیز الرحمٰن کو علامہ صاحب نے اپنے ہاں تعینات کروا رکھا تھا۔ موصوف مانچسٹر میں علامہ صاحب کے نائب جناب مفتی فیض الرحمان صاحب کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے اور مفتی صاحب کی پُر زور فرمائش پر ہی علامہ صاحب نے ان کی ڈیوٹی اپنے ساتھ بطور سیکیورٹی گارڈ لگوائی تھی وہ ان دنوں علامہ صاحب کے ساتھ بطور پرسنل اسسٹنٹ ہمہ وقت ڈیوٹی انجام دے رہے تھے۔ اگرچہ علامہ صاحب کے پرسنل سیکرٹری رانا محمد زبیر تھے ان کو بھی ان کے برادر نسبتی رانا خالد محمود صاحب (پیپلز کالونی فیروز والا والے) کی ذاتی درخواست پر علامہ صاحب نے تعینات کروایا تھا۔ علامہ صاحب نے بعد میں رانا محمد زبیر ہی کو اپنا پرائیویٹ سیکرٹری بنوا دیا تھا۔ ساہیوال کے اس سفر میں جناب عزیز الرحمٰن بھی علامہ صاحب کے ہمراہ تھے، سفر و حضر میں وہ علامہ صاحب کی بہترین خدمت سرانجام دیتے رہے، جب تک وہ علامہ صاحب کے پاس رہے، علامہ صاحب کی صحبت اور علم سے خوب فیض یاب ہوتے رہے۔

یاد رہے کہ مفتی فیض الرحمٰن، مفتی عزیز الحسن کے حقیقی خالو ہیں اور مفتی عزیز الحسن خیر المدارس ملتان کے شیخ الحدیث جناب مولانا محمد صدیق صاحبؒ کے حقیقی نواسے اور وہ خود عظیم المرتبت خطیب پاکستان جناب مولانا محمد علی جالندھری صاحبؒ کے داماد تھے۔ شیخ الحدیث جناب مولانا محمد صدیق صاحبؒ کی خواہش کے پیش نظر ہی علامہ صاحب نے مفتی عزیز الحسن کے سر پر دستِ شفقت رکھا تھا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ و جامع مسجد ختم نبوت کلاں کی تمام تر ذمہ داری ان کو سونپ دی تھی۔ نظامت اور خطابت کے عہدے بھی تفویض کر دیئے۔

ماموں جان کے اس دارِ فنا سے دارِ بقاء کو کوچ کر جانے کے چند ماہ بعد ان کے چھوٹے صاحبزادے سید احمد عباس اپنی والدہ کے ہمراہ براستہ سعودی عرب ادائیگی عمرہ کی سعادت حاصل کرتے ہوئے اپنے اعزا و اقارب کی خواہش پر تقریباً ایک ماہ کے لیے پاکستان چلے آئے تھے۔ ان کا ہفتہ بھر ہمارے ہاں بھی قیام رہا۔ اِن کے اپنے ہاں آنے کی خبر جب میں نے علامہ صاحب کو دی تو علامہ صاحب نے فوراً ہی مجھے احمد عباس سے بات کروانے کا کہا۔ علامہ صاحب نے احمد عباس سے ماموں کے انتقال پُر ملال پر اظہارِ تعزیت کیا اور کہا کہ میں خود ساہیوال آکر آپ حضرات سے ملوں گا۔ علامہ صاحب کا ساہیوال میرے ہاں اور میرا ان کے ہاں لاہور آمد و رفت کا لامتناہی سلسلہ ۲۰۰۰ء کے اواخر تک جاری و ساری رہا۔ بعد ازاں یہ ایک نئے اور خوبصورت دور میں

داخل ہو گیا۔ علامہ صاحب کا میرے پاس تشریف لانا ان کی طرف سے اظہار شفقت کا ایک نفیس طریقہ تھا۔ اور میرا ان کی خدمت میں حاضر ہونا میری انسیت وعقیدت کا بہترین طریق اظہار ہے۔

۲۰۰۶ء کے اواخر میں غالباً اتوار کے روز علامہ صاحب عزیز الرحمٰن کے ہمراہ تشریف لائے، کچھ دیر آرام کیا۔ نماز ظہر جامع مسجد صدیق اکبرؓ سکیم نمبر 2 فرید ٹاؤن میں باجماعت ادا کی۔ بعد از نماز خطیب مسجد ہذا جناب مفتی ذکاء اللہ صاحب بڑی محبت وعقیدت سے علامہ صاحب کو ملے اور سب کو اپنے حجرے میں لے گئے اور علامہ صاحب سے بڑی ہی عجز وانکساری کے ساتھ اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کرتے رہے۔ علامہ صاحب حافظ محمد عرفان عالم جو اُن دنوں لندن میں تھے کے والد گرامی جناب چوہدری محمد عالم صاحب کے ساتھ جو مسجد مذکور کے قریب ہی رہائش رکھتے تھے۔ اور اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ انگلینڈ ہی میں گزار کر یہاں آباد ہوئے تھے۔ ان کے گھر تشریف لے گئے وہ بھی مسجد میں ہمارے ساتھ شریک نماز تھے۔ علامہ صاحب کے حافظ عرفان اور ان کے خاندان کے دیگر تمام افراد کے ساتھ نہایت ہی گہرے اور قریبی مراسم تھے۔ حافظ عرفان صاحب دو تین مرتبہ علامہ صاحب کے عالمی اسفار میں ان کی معاونت اور رفاقت دیکھ چکے ہیں، ایک مرتبہ انہوں نے علامہ صاحب کی معیت میں فریضہ حج بھی ادا کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ حافظ صاحب کے زمانہ طالب علمی سے میری ان سے شناسائی ہے۔ حافظ صاحب نے حفظ قرآن جامعہ علوم شرعیہ ساہیوال سے کیا تھا۔ ان دنوں اُن کے والدین برطانیہ میں تھے۔ دوپہر کا کھانا سبھی نے چوہدری محمد عالم صاحب کے گھر تناول فرمایا۔ جناب عزیز الرحمٰن نے مجھے بتایا کہ ان کی چوہدری عالم صاحب سے قرابت داری ہے۔ بعد ازاں علامہ صاحب مجھے میرے گھر چھوڑ کر لاہور روانہ ہو گئے۔ دو سال کے توقف کے بعد ایک مرتبہ پھر علامہ صاحب جب کہ وہ میرے ہاں ساہیوال آئے ہوئے تھے۔ مجھے ساتھ لے کر چوہدری محمد عالم صاحب سے ملاقات کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے تھے۔

۲۰۱۶ء میں علامہ صاحب قاری محمد شفیع قاسمی کے شدید اصرار پر ساہیوال تشریف لے گئے تھے۔ قاری صاحب نے میری عدم موجودگی بوجہ علالت میں علامہ صاحب کے شایان شان استقبال کیا۔ معززین وعمائدین شہر کے علاوہ علماء کرام کی کثیر تعداد بھی استقبالیہ میں شریک تھی۔ قاری صاحب نے اپنی جامعہ مسجد امیر معاویہ میں ایک عظیم الشان جلسے کا بھی اہتمام کر رکھا تھا۔ جہاں صرف علامہ صاحب نے خطاب فرمایا تھا۔ بعد ازاں کچھ دیر کے لیے وہ چوہدری عالم صاحب کے ہاں سے ہو کر واپس لاہور چلے آئے۔ حافظ عرفان صاحب آج کل پاکستان میں رہ کر اپنا کاروبار کر رہے ہیں۔ شنید ہے کہ برطانیہ میں وہ کچھ مسائل لا ینحل میں گھر گئے تھے۔ طویل عرصہ بعد ۲۰۱۹ء میں جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور میں علامہ صاحب کی جائے رہائش پر اِن کے برطانیہ میں مسائل لا ینحل میں سے تبادلۂ خیالات کے طور پر میری ملاقات ہوئی تھی۔ وہ بھی علامہ صاحب سے اپنی عقیدت کا اظہار کرنے گاہے گاہے چلے آیا کرتے تھے۔ جنوری ۲۰۲۰ء میں ان کے والد چوہدری محمد عالم صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اتفاق سے علامہ

صاحب ان دنوں لاہور میں تھے یہ ان کی زندگی کا آخری دورہ لاہور (پاکستان) تھا۔ نماز جنازہ میں شرکت کے لیے وہ فوراً ساہیوال تشریف لے گئے۔ چند گھنٹے بعد ہی واپس لاہور چلے آئے۔

کبھی کبھار مولانا خالد محمود صاحب خطیب جامع مسجد لکڑ منڈی اوکاڑہ کی دعوت پر علامہ صاحب ان کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے ایسے ہی ایک مرتبہ آپ نے ان کے ہاں خطاب فرمایا۔ بعدازاں لاہور واپس جانے کی بجائے اپنا رخ ساہیوال کرلیا اور سیدھے میرے ہاں چلے آئے۔ آپ ڈرائیور کے ساتھ اکیلے ہی تھے۔ یوں ان کی اچانک آمد پر میں بہت خوش ہوا۔ کہنے لگے تمہیں ملنے کو دل بہت چاہ رہا تھا اس لئے چلا آیا۔ تین چار گھڑی قیام فرما کر واپس لاہور چلے گئے، ایسے ہی ایک مرتبہ علامہ صاحب کو چیچہ وطنی آنا تھا جناب پیر جی عبداللطیف خلیفہ مجاز قطب الاقطاب حضرت مولانا عبدالقادر رائپوریؒ نے مدعو کیا تھا۔ انہوں نے علامہ صاحب کے ورودِ مسعود کا اشتہارات کے ذریعے باقاعدہ اعلان کر رکھا تھا۔ علامہ صاحب نے اپنے اس پروگرام سے مجھے بھی آگاہ کر رکھا تھا۔ اور مجھے تاکید فرمادی تھی کہ میں ان کو وقت مقررہ پر بمقام چوک عارفوالہ ملتان روڈ ساہیوال آملوں، قلت وقت کے پیش نظر وہ گھر نہیں آسکیں گے، چنانچہ علامہ صاحب کی ہدایت کے مطابق میں بروقت مذکورہ جگہ پر پہنچ گیا۔ علامہ صاحب مجھے لے کر چیچہ وطنی چل دیئے۔ دوران سفر علامہ صاحب مجھ سے محو گفتگو رہے اور مجھ پر ایسے ایسے انکشافات کئے جو میرے لئے عظیم سرمایہ تھے۔ لیکن میں انہیں صفحہ قرطاس پر منتقل نہیں کرسکتا۔ پیر جیؒ کے مدرسہ تجوید القرآن پہنچنے پر خود پیر جیؒ نے اور اُن کے رفقاء نے علامہ صاحب کا بڑی گرم جوشی اور خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ کچھ ہی توقف کے بعد حاضرین جلسہ سے علامہ صاحب نے اپنے خطاب کا آغاز کردیا۔ اور علم کے موتی بکھیرنے شروع کردیئے۔ دورِ حاضر کے دو اہم مسائل ان کی تقریر کا موضوع تھا۔ علامہ صاحب کا ارشاد تھا کہ پاکستان کے عوام الناس کو اس وقت دو خطرناک مصائب کا سامنا ہے۔ ایک بھوک، دوسرا خوف، اس کی وضاحت کے لیے آپ نے سورۃ قریش کی آخری دو آیات کا حوالہ دیا۔ اختتام جلسہ کے بعد علامہ صاحب نے وہاں سے رخصت چاہی۔

پیر جی عبداللطیف صاحب سے میری یہ پہلی اور آخری ملاقات تھی۔ پیر جی بڑے ہی درویش صفت اور سادہ مزاج بزرگ تھے۔ ان کے ایک صاحبزادہ پیر جی عبدالعلیم صاحب سے میری کافی سلام دعا تھی، مولانا حبیب اللہ رشیدی کی وفات کے بعد کچھ عرصہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال کی نظامت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے تھے۔ واپسی پر سفر میں علامہ صاحب سے زیادہ گفتگو نہ ہوسکی وہ حسب عادت نیند کے مزے لیتے رہے۔ ساہیوال مجھے گھر پر اُتار کر بغیر آرام کیئے لاہور کے لیے رواں دواں ہوگئے۔

ایک دفعہ علامہ صاحب کا ملتان جانا ہوا۔ واپسی پر اظہار شفقت کے لیے میرے پاس چند گھنٹوں کے لیے رک گئے۔ سردی کا موسم اور عشاء کا وقت تھا۔ مختلف موضوعات پر لطیف سی گفتگو ہوتی رہی۔ میرے ذہن میں ایک مسئلہ ''فرض نماز کے متصل بعد حنفی امام کا باآواز بلند اجتماعی دعا کروانا'' گھوم رہا تھا۔ اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے میں نے یہ مسئلہ ان کے سامنے پیش کردیا

تا کہ میرا اشکال رفع ہو جائے اور صحیح صورتحال واضح ہو جائے۔ لیکن میں اپنا سوال صحیح طور پر بیان نہ کر سکا خود ہی اپنے سوال میں الجھ گیا۔ علامہ صاحب کے اس استفسار پر کہ میں نے یہ کہاں سے اخذ کیا ہے؟ جواباً میں نے مولانا محمد رفیق دلاوری کی مشہور زمانہ تصنیف ''عماد الدین'' کا حوالہ دیا۔ علامہ صاحب نے پوچھا کہ آپ کے پاس مذکورہ کتاب ہے؟ اگر ہے تو لاؤ اور تحریر مجھے دکھا دیں، کتاب تو فوراً ہی لے آیا لیکن بسیار تلاش وہ حوالہ نہ پیش کر سکا۔ اور شرمندہ سا ہو کر رہ گیا۔ علامہ صاحب نے مسئلے کی وضاحت فرمائی اور انکشاف کیا کہ عماد الدین تو مجھے تقریباً حفظ ہے میں نے زمانہ طالب علمی میں یہ کتاب تین بار لفظ بلفظ پڑھی تھی۔ بعد ازاں علامہ صاحب رات گئے واپس لاہور چلے گئے۔

ایک روز علامہ صاحب میری ہاں تشریف فرما تھے حُسن اتفاق سے اُسی روز میرے برادر نسبتی جناب میجر نجیب صاحب بھی لاہور سے اچانک آ گئے۔ میں نے علامہ صاحب سے میجر صاحب کا تعارف کروایا۔ طویل نشست رہی، دوران گفتگو میجر سید نجیب احمد صاحب نے علامہ صاحب کو بتایا کہ ان کے والد محترم جناب سید شبیر احمد صاحب بانی قرآن آسان تحریک لاہور (جنہوں نے قرآن پاک کا آسان الفاظ میں ترجمہ کیا ہے۔ اس ترجمے میں قرآنی الفاظ کے معانی کی نشاندہی نیلے اور سرخ رنگ سے کی گئی ہے۔) مولانا سید دیدار علی شاہ الوری خطیب مسجد وزیر خاں کے نواسے تھے، مولانا ابوالبرکات محمد احمد قادری اور مولانا ابوالحسنات سید احمد قادری والد صاحب کے حقیقی ماموں تھے۔ یوں مولانا محمود احمد رضوی اور مولانا خلیل احمد قادری ان کے ماموں زاد بھائی، اس سے بات آگے چل نکلی۔ علامہ صاحب نے بہت بڑا انکشاف کیا کہ وہ بچپن میں مولانا ابوالبرکات قادری صاحب کے ہاں کچھ عرصہ مقیم رہے۔ ان کے گھر بلا جھجک آیا جایا کرتے تھے۔ علامہ صاحب نے مزید بتایا کہ ساٹھ کی دہائی کے اوائل میں سردیوں کی ایک رات نامعلوم شرپسندوں نے بڑی ہی تباہی کی، دارالعلوم حزب الاحناف بھاٹی گیٹ لاہور کا ایک مینار توڑ ڈالا۔ صبح کو جب تخریب کاری کا منظر آشکار ہوا تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، جلسے جلوسوں کی بھرمار، فضا مکدر اور صورتِ حال انتہائی کشیدہ ہو گئی۔ الزام شیعہ حضرات پہ تھا، اس کی ایک وجہ کربلا گامے شاہ کا دارالعلوم حزب الاحناف سے ملحق ہونا تھا۔ شیعہ حضرات اس شرارت کو تسلیم کرنے سے صریحاً انکاری تھے، چونکہ معاملہ بہت حساس تھا، اس لئے حکومت بہت پریشان تھی۔ بالآخر انتظامیہ کسی نہ کسی طریقے سے معاملے کو قدرے ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہو گئی اور معاملہ عدالت میں چلا گیا۔ اب بریلوی علماء پریشان تھے کہ عدالت میں بحث مباحثہ کی صورت میں شیعہ مسلک کے خلاف دلائل دینے کے لیے ان کے ہاں ایسا کوئی مناظر نہیں جو صورت حال کا کماحقہ مقابلہ کر سکے۔ وہ جانتے تھے کہ دیوبندی علماء میں ایسے مناظر موجود ہیں جو شیعہ مذہب کے خلاف میدان کارزار میں اترنے کے لیے دلائل و براہین کے ہتھیاروں کے ساتھ ہمہ وقت لیس رہتے ہیں۔ چونکہ وہاں کے بریلوی علماء کا دیوبندی علماء سے براہ راست ایسا کوئی رابطہ نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے مولانا عبدالستار نیازی کی وساطت سے اپنی مجبوری بتائی اور علماء اہل سنت دیوبند سے رابطہ کر کے اِس سلسلہ معاونت حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا، چنانچہ بریلوی علماء کی خواہش پر علمائے اہل سنت دیوبند نے تین

مناظرین پر مشتمل ایک پینل تشکیل دے دیا اور فہرست ان کے حوالے کر دی۔ اس فہرست میں ایک نام بندہ خاکسار (علامہ صاحبؒ) کا تھا۔لیکن خوش قسمتی سے اس میدان میں اترنے کی نوبت نہ آئی۔شیعہ اکابرین نے عدالت میں صلح وآشتی کے لیے یہ پیش کش کر دی کہ وہ حزب الاحناف کے نقصان کا ازالہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ چنانچہ امن وامان کی خاطر (مدعی) فریق اول بھی اس پر رضامند ہو گیا، یوں یہ معاملہ خوش اسلوبی سے طے پا گیا۔

اس گفتگو کے بعد میجر نجیب صاحب نے علامہ صاحب سے یہ سوال کر ڈالا کہ پاکستان میں اسلامی نظام حکومت کا عملی نفاذ کیونکر نہیں ہو پا رہا؟ اس پر علامہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ تم ہی مجھے بتاؤ کہ کون سا اسلامی نظام؟ کیا آپ کے سامنے موجودہ دور میں اسلامی نظام حکومت کی کوئی شکل ہے؟ کیا آپ کے پاس ایسی کوئی دستاویز موجود ہے (میجر صاحب سے جب کوئی جواب نہ بن پایا تو انہوں نے خاموش رہنے کو ہی بہتر جانا۔) آپ نے کہا ہاں! البتہ شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اسلامی دستور مرتب کیا ہوا ہے، جو ان کے پاس تحریری شکل میں موجود ہے۔ یوں یہ نشست برخاست ہوئی۔علامہ صاحب ایک رات قیام کے بعد اگلے روز عازم لاہور ہو گئے۔

علامہ صاحب جن دنوں سپریم کورٹ میں بطور جج تعینات تھے، سماعت کے شیڈول کے مطابق برطانیہ سے پاکستان چلے آتے تھے، ہاں اگر کیس کی فوری ہیئرنگ مقصود ہوتی تو ضرورت کے تحت ان کو برطانیہ سے بلوالیا جاتا۔ اسلام آباد میں ان کا قیام ہمیشہ ججز کالونی کے اس کاٹیج میں ہوتا جو ان کے لیے مختص تھا۔اسی سلسلے میں علامہ صاحب کی پاکستان آمد تھی۔امورِکورٹ سے فراغت کے بعد علامہ صاحب لاہور چلے آتے۔ایک دن فون پر مجھے بتلایا کہ اس اتوار کے روز آپ کو ملنے ساہیوال آرہا ہوں۔ میں یہ نوید سن کر بہت خوش تھا۔علامہ صاحب کے آمد کی اطلاع میں نے اپنے احباب اور مقامی علماء کو کر دی، یوں یہ خبر شہر کے متعلقہ حلقوں میں پھیل گئی۔ وقت مقررہ پر ہم لوگ چوک پاکپتن ساہیوال علامہ صاحب کے خیر مقدم کے لیے پہنچ گئے۔ جناب عزیز الرحمٰن صاحب نے آج اس پولیس سیکیورٹی کا انتظام کر رکھا تھا جو علامہ صاحب کو سرکاری طور پر مہیا کی جاتی ہے۔ ویسے علامہ صاحب عام طور پر ایسی سہولت حاصل نہیں کرتے تھے۔ پولیس سیکیورٹی وین اور موٹر گاڑی کے سائے میں عین وقت پر علامہ صاحب جلوہ افروز ہوئے۔ کافی ہجوم ہو گیا تھا۔فقید المثال استقبال ہوا۔ استقبالیہ میں ساہیوال شہر سے قومی اسمبلی کے سابقہ ممبر قومی اسمبلی جناب میاں انوار الحق رائے، کونسلر بلدیہ ساہیوال میاں احسان الحق اور دیگر معززین وعمائدین شہر شریک تھے۔طلبہ وعلما کی بھی کثیر تعداد موجود تھی۔جلوس کی شکل میں علامہ صاحب کو سکیم نمبر 3 رفرید ٹاؤن لایا گیا۔یہاں علامہ صاحب کے بدست قاری افتخار حسین کے مدرسہ حسینیہ کا افتتاح کروانا تھا۔مدرسہ کے بانی قاری صاحب ہمارے ہمراہ تھے۔لیکن تقریب کا انتظام انہوں نے کر رکھا تھا، کافی بڑا اجتماع تھا۔جگہ کی دقت اور ہجوم کی وجہ سے میں سٹیج تک نہ پہنچ سکا اور نہ ہی علامہ صاحب کے خطاب سے مستفید ہو سکا، تقریباً ایک گھنٹہ وہاں صَرف ہو گیا۔ بعد ازاں علامہ صاحب کو مجمع کے ہمراہ گھر لے آیا۔ پولیس کی گاڑیاں اور ہجوم دیکھ کر

ہمارے محلے دار قدرے پریشان ہوگئے، وہ متفکر اور متجسس تھے کہ معاملہ ہے کیا۔ خیریت تو ہے نا؟ علامہ صاحب گھر آئے ہوئے حاضرین و عمائدین سے محو گفتگو ہوگئے۔ حاضرین کی خاطر مدارت کے سلسلے میں میں بھی مشغول ہو گیا تھا، یوں علامہ صاحب کے ارشادات سننے سے محروم رہا بہت ہی مصروف دن گزرا، شام کو علامہ صاحب لاہور واپس روانہ ہوگئے۔

مولانا عبدالعزیز زراعتی فارم والے کے بڑے صاحبزادے حافظ عبدالحمید صاحب کی نواسی کی تقریب نکاح جنوری ۲۰۰۸ء میں جامعہ علوم شرعیہ ساہیوال میں منعقد ہونا تھی۔ دلہن کے ایک بھائی عبدالماجد گلاسگو برطانیہ میں ہوتے ہیں، اس نے وہیں علامہ صاحب سے تقریب نکاح میں شرکت کا وعدہ لے لیا تھا۔ بعد ازاں علامہ صاحب پاکستان چلے آئے، پھر جناب عبدالماجد صاحب بھی پاکستان آ گئے۔ شادی سے چند روز قبل عبدالماجد صاحب نے یاد دہانی کے لیے علامہ صاحب کو فون کیا، صاحب مذکور سے میری بھی اچھی علیک سلیک تھی۔ دورانِ گفتگو علامہ صاحب نے میرا بھی تذکرہ کر دیا اور پوچھ لیا کہ کیا آپ نے ماجد شاہ (راقم السطور) کو بھی مدعو کیا ہے۔ اس نے لاعلمی کا اظہار کیا اور یہ کہا کہ معلوم کر کے آپ کو مطلع کر دوں گا۔ بہر کیف اس نے اسی روز کسی کے ہاتھ خصوصی طور پر مجھے دعوتی کارڈ بھجوا دیا۔ اور علامہ صاحب کو بھی اس ترسیل سے آگاہ کر دیا۔ اگلے روز علامہ صاحب نے مجھے فون پر شادی میں شرکت کرنے کی تلقین کی اور کہا وہاں ان شاء اللہ آپ سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ اس طرح مجھے تقریب میں شرکت کرنا پڑی۔ علامہ صاحب میرے آنے پر بہت مسرور تھے۔ اس نکاح کی تقریب میں جو کہ مسجد جامعہ علوم شرعیہ میں ہوئی تھی۔ جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث مولانا فضل الرحیم صاحب نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ خطبہ نکاح سے قبل علامہ صاحب نے نکاح کے موضوع پر شرکاء سے خطاب بھی فرمایا۔ نکاح کے بعد قبل از طعام حاضرین نے علامہ صاحب کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ ان حاضرین میں ایک اہم شخصیت عوامی شاعر جناب سید سلمان گیلانی کی تھی۔ یاد رہے کہ گیلانی صاحب کے آباؤ اجداد کے بھی علامہ صاحب کے خاندان سے پرانے مراسم تھے۔ دونوں خاندانوں کا تعلق امرتسر شہر سے تھا۔ حاضرین کی طرف سے علامہ صاحب سے دلچسپ قسم کے عوامی سوالات ہونا شروع ہوگئے۔ یہ سبھی باتیں محض تفریح طبع کے لیے کی جا رہی تھیں، محسوس ہو رہا تھا کہ گیلانی صاحب کی علامہ صاحب سے کچھ زیادہ ہی بے تکلفی ہے، ان کی خوبصورت فقرہ بازی پر ان کو خوب داد مل رہی تھی۔ اور حاضرین بھی خوب لطف اندوز ہو رہے تھے، پھر کسی صاحب نے اچانک یہ سوال کر ڈالا کہ حضرت آپ کی عمر کیا ہوگی؟ یہ سوال سننا ہی تھا کہ ساری محفل کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ گیلانی صاحب فوراً ہی بڑے دلچسپ انداز میں بول اٹھے کہ اب تو تم نے یہ سوال کر لیا ہے، آئندہ ایسی جرأت مت کرنا، ہماری وجہ سے آج تو بچ گیا ہے، آئندہ تمہیں کوئی نہیں بچا سکے گا۔ اس مکالمے پر بھی علامہ صاحب خاموش مگر مسکراتے رہے۔ علامہ صاحب اپنی عمر، اپنی ذاتی زندگی اور اپنے خاندان کے بارے میں کئے جانے والے سوالات پر جواب دینے سے ہمیشہ گریزاں رہے۔ اس بارے میں بہت حساس واقع ہوئے تھے، اس بارے میں اُن کا عام طور پر کہنا تھا کہ آپ لوگوں کو کھانے سے غرض ہونی چاہیے نا کہ گٹھلیوں کے گننے سے۔ آپ کو علم چاہیے وہ آپ کو مل رہا ہے اور مزید

پہنچانے کی سعی جاری ہے۔ آپ لوگوں کو اسی حد تک رہنا چاہیے، کسی کی ذاتی زندگی سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ ان معلومات سے آپ لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس کے باوجود علامہ صاحب کے کچھ احباب اپنی اس خواہش کا اظہار دبے لفظوں میں وقتاً فوقتاً کرتے رہتے تھے کہ علامہ صاحب کو اپنی یادداشتیں خود سے مجتمع کر لینی چاہییے یا کسی کو اِملا کروا دیں تا کہ آپ کے اوراق زندگی کو کتابی شکل میں مربوط کیا جا سکے، لیکن آپ ہمیشہ کی طرح ان کو بھی مسکرا کر ٹال دیتے تھے، بعض اوقات کوئی خوبصورت سا فقرہ چست کر دیتے تھے۔

دورِ طالب علمی کے میرے ایک ساتھی جناب طاہر خوشنود احمد جواُن دنوں لندن میں رہائش پذیر ہیں، علمائے اہل سنت دیوبند کو دل و جان سے چاہنے والوں میں سے ہیں، یہی کیفیت ان کے والد بزرگوار کی تھی، بقول خوشنود صاحب ان کے ننھیال امرتسر کے باسی تھے۔ ان کے نانا محترم جناب حکیم محمد علی امرتسری دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل، بلند پایہ عالم دین اور طیبہ کالج دہلی سے محصول مرام ماہر طب تھے۔ علم حدیث میں محدث کبیر جناب علامہ سید انور شاہ کشمیری اور علمِ طب میں جناب حکیم اجمل خان سے انہوں نے فیض حاصل کیا تھا، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے دستِ حق پر بیعت تھے۔ حسنِ اتفاق سے علامہ صاحب کے والد ماجد جناب پیر محمد غنی صاحب اور حکیم محمد علی صاحب امرتسر کے ایک ہی محلے کے کٹرا مانگ سنگھ کے رہنے والے تھے اور ان کا ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا بھی تھا۔ جناب خوشنود کا علامہ صاحب سے بھی بڑا عمیق ربط اور محبت واخلاص کا رشتہ تھا۔ علامہ صاحب کا لندن جب بھی جانا ہوتا تو خوشنود کے گھر ضرور تشریف لے جاتے بلکہ خوشنود کی طرف سے دی گئی دعوت طعام میں بھی ضرور شرکت فرماتے تھے۔ خوشنود کا اس سلسلے میں مزید یہ کہنا تھا کہ اس تعلق کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ شروعات کی بات ہے کہ میں نے علامہ صاحب کے سامنے جب اپنے نانا صاحب اور علامہ صاحب کے والد گرامی کے تعلقات اور امرتسر میں ہمسائیگی کا ذکر کیا تو وہ میرا یہ بیان سن کر حیران رہ گئے۔ میرے دعویٰ کی تصدیق کے لیے مجھ سے میرے ننھیال کے بارے میں متعدد سوالات کیے۔ میری والدہ، میری خالاؤں اور ماموں کا نام بھی دریافت کیا، میرے جوابات سن کر علامہ صاحب مطمئن ہو گئے اور ان کے چہرے سے خوشی کا اظہار بھی نمایاں طور پر ہونے لگا۔

قیام پاکستان کے بعد حکیم محمد علی صاحب گوجرانوالہ شہر منتقل ہو گئے تھے۔ وہاں ان کے امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ سے گہرے مراسم پیدا ہو گئے۔ اسی خوبصورت تعلق کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے اپنی کمرشل پراپرٹی کا کثیر حصہ مولانا سرفراز خان صفدرؒ کے مدرسے کے نام وقف کر دیا۔ خوشنود نے بتایا کہ ان کے ماموں پروفیسر منظور احمد عملدار حسین کالج ملتان میں مدرس رہے۔ علامہ صاحب کے برادر اکبر جناب احسان الحق قریشی سے ان کے دہرے محبانہ ورفیقانہ مراسم تھے۔ دونوں امرتسر میں ہم درس بھی رہے۔ علامہ صاحب کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ دینی تعلقات کے علاوہ وہ اپنے سماجی تعلقات کو بھی خوب نبھایا کرتے تھے۔ علامہ صاحب اور خوشنود صاحب کے مابین یہ وابستگی اسی خوبصورت صفت کی غمازی کرتی ہے۔ خوشنود صاحب کی والدہ شفیقہ

۱۴؍فروری ۲۰۰۹ء کو ساہیوال میں انتقال کر گئیں۔ خوشنود صاحب ابھی لندن میں تھے، وہیں سے خوشنود نے مجھے فون کر کے کہا کہ آپ علامہ صاحب سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کریں۔ میں نے فوری طور پر علامہ صاحب کو فون کر کے صورتحال سے آگاہ کیا۔ علامہ صاحب ساہیوال آنے اور نماز جنازہ پڑھانے کے لیے بصد خوشی راضی ہوگئے۔ نماز جنازہ چونکہ اگلے روز تھی، خوشنود بھی صبح تک جنازے سے قبل لندن سے ساہیوال پہنچ گیا۔ اور علامہ صاحب بھی قبل از وقت میرے ہاں پہنچ گئے۔ خوشنود کی خواہش کے مطابق علامہ صاحب نے خوشنود کی والدہ مرحومہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ بعدازاں علامہ صاحب میرے ہاں تشریف لے آئے، رات کو میرے ہاں قیام کیا، اگلے روز پھر خوشنود کے جائے قیام پر تعزیت کے لیے تشریف لے گئے۔ تقریباً دو گھنٹے اس کے ہاں رہے۔ بعدازاں میرے ہاں چلے آئے اور نماز ظہر کے بعد لاہور واپس ہوئے۔

مانچسٹر میں مقیم علامہ صاحب کے مخلصین و محبین میں سے ایک شخصیت چوہدری محمد شفیق کی تھی جن کا تعلق ساہیوال کے نواحی گاؤں 88/9-L سے ہے۔ یہ گاؤں پاک پتن روڈ پر واقع ہے اور اب ساہیوال میونسپل کارپوریشن کی حدود میں شامل ہو چکا ہے۔ چوہدری محمد شفیق صاحب کے گھرانے کا شمار ساہیوال کے معروف اور متمول زمینداروں میں ہوتا ہے۔ ان کے دو بھائی ہیں، ایک ان سے بڑا جس کا نام محمد ادریس ہے اور ایک ان سے چھوٹا جس کا نام محمد اسلم ہے۔ جو گورنمنٹ ہائی سکول ساہیوال میں میرے کلاس فیلو بھی رہے تھے۔ چوہدری محمد ادریس صاحب ۲۰۰۹ء میں اپنے خاندان کے ہمراہ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ ۲۳؍ستمبر ۲۰۰۹ء کو میدان عرفات میں ہی عرفہ کے روز اچانک اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اور وہیں عرفات کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔ ان کے انتقال کی خبر مانچسٹر سے ہوتی ہوئی لاہور میں علامہ صاحب تک پہنچ گئی۔ چوہدری محمد سلیم صاحب سے تعزیت کے لیے علامہ صاحب فوری طور پر ساہیوال چلے آئے۔ علامہ صاحب کی سلیم صاحب سے بھی شناسائی تھی۔ سلیم صاحب ایک مرتبہ اپنے بڑے بھائی شفیق صاحب کے ہمراہ لاہور میں سنت نگر والے مکان پر علامہ صاحب سے ملاقات کر چکے تھے۔ اتفاق سے اس روز میں ساہیوال میں موجود نہیں تھا۔ اس لئے علامہ صاحب چوہدری سلیم صاحب سے اظہار افسوس کر کے بغیر کسی اور سے ملے لاہور واپس چلے گئے۔ علامہ صاحب ایک بار پھر تعزیت کے لیے ان کے ہاں ساہیوال تشریف لائے۔ جب چوہدری شفیق صاحب خود مانچسٹر سے ساہیوال آئے تھے، اس مرتبہ مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ کچھ عرصہ بعد علامہ صاحب نے مجھے ٹیلیفون کے ذریعے تلقین کی کہ میں اپنی تصانیف کا سیٹ تمہیں بھجوا رہا ہوں آپ نے یہ کتب چوہدری سلیم صاحب کو پہنچانی ہے۔ جونہی مجھے یہ کتب ملی میں تعمیل حکم کرتے ہوئے چوہدری سلیم صاحب کے گھر چلا گیا۔ کافی دیر تک ان کیساتھ نشست رہی۔ زمانہ طالب علمی کی پرانی باتیں لڑکپن کی حسین یادیں دہرائی جاتی رہیں ؎

وہ دن وہ محفلیں وہ شگفتہ مزاج لوگ
موج زمانہ لے گئی جانے کہاں کہاں

سلیم صاحب کا بیٹا منیب سلیم بھی میرے بیٹے سید نبیل حسن کا ہم جماعت رہا تھا، ان دونوں میں اب بھی دوستی ہے اور تا حال ایک دوسرے سے رابطے میں ہیں۔ اس نشست میں ان دونوں کا ذکر بھی ہوتا رہا۔ علامہ صاحب کی ہدایت پر ایک بار پھر مجھے سلیم صاحب کے ہاں جانا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ بعد طے شدہ پروگرام کے تحت علامہ صاحب کا میرے ہاں آنا ہوا تھا۔ اس پروگرام میں چوہدری محمد شفیق صاحب (جو پاکستان ہی میں تھے) کا میرے گھر پر علامہ صاحب سے ملاقات کرنا شامل تھا۔ اس دفعہ علامہ صاحب نے میرے ہاں دو روز قیام فرمایا تھا۔ کہیں اور جانا نہیں ہوا۔ جس روز علامہ صاحب تشریف لائے اسی رات بوقت عشاء جناب محمد شفیق صاحب حاضر خدمت ہوئے ان کے ساتھ چند اور اصحاب بھی تھے۔ آنے والے حضرات میں ایک شخصیت جناب ڈاکٹر محمد یسین پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ساہیوال کی تھی۔ میری ان سے شناسائی تھی وہ کالج میں دوران طالب علمی میرے ساتھ رہے۔ فرائض منصبی کی ادائیگی کے دوران ہی کالج میں حرکت قلب بند ہونے سے چل بسے۔ ان حضرات کے ساتھ علامہ صاحب کی تقریباً تین گھنٹے نشست رہی، یوں وہ علامہ صاحب کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے اور علم کے انمول موتی سمیٹتے رہے۔ سوال و جواب نے محفل کو گرمائے رکھا۔ علامہ صاحب کے جواب ہمیشہ دلیل و حجت سے مزین ہوتے تھے۔ سامعین بڑی دلجمعی سے علامہ صاحب کے ارشادات سماعت فرما رہے تھے اسی دوران ایک صاحب نے یہ سوال کر دیا کہ قرآن پاک میں تو وضو میں پاؤں کو مسح کرنے کا حکم ہے۔ لیکن ہم لوگ پاؤں کو دھوتے کیوں ہیں؟ علامہ صاحب نے مجھے قرآن مجید لانے کو کہا اور یہ بھی کہا کہ قرآن پاک ترجمے والا ہو، میں قرآن پاک لے آیا۔ علامہ صاحب نے سورۃ المائدہ میں مذکور وضو والی آیات نکال کر اس کا عربی قواعد کے مطابق ترجمہ کیا اور تشریح فرمائی، صراحت کے ساتھ مسئلہ سمجھا کر ان حضرات کی تسلی و تشفی کروا دی۔

علامہ صاحب کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی، عقیدہ ختم نبوت سے محبت دل میں اس طرح گھر کر گئی تھی کہ نہ دن کو چین، اور نہ رات کو سکون۔ دنیا کے کونے کونے میں جا کر منکرین ختم نبوت کو ببانگ دہل للکارتے رہے اور معاندین اسلام و اہل بدعت سے بھی ہمیشہ نبرد آزما رہے۔ کارزار بحث و تمحیص میں آپ کے علمی ہتھیار آپ کے براہین قاطع تھے۔ فریق مخالف کے مناظر آپ کا سامنا کرنے سے ہمیشہ گریزاں رہے آپ کا تو نام سنتے ہی وہ لرزاں براندام ہو جاتے تھے۔ ایسے بہت سے واقعات ہیں جو اوراق تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ آپ بلا شک وشبہ اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ اور محقق تھے۔ اور انہی القابات کے ساتھ آپ ہمیشہ پکارے جاتے تھے۔ گویا یہ القابات آپ ہی کو زیبا دیتے تھے۔ بعض ہم عصر علماء آپ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ علامہ صاحب تو چلتی پھرتی لائبریری ہیں۔ مولانا محمد مکی صاحب جن کا مسجد الحرام میں درس قرآن کا سلسلہ تا حال جاری و ساری ہے۔ علامہ صاحب کی حیات ہی میں علامہ صاحب کی مدحت میں اکثر رطب اللسان رہتے تھے۔ علامہ صاحب مفسر بھی تھے۔ محدث بھی، مورخ بھی تھے ادیب بھی، مدبر بھی تھے، مقرر بھی، نقاد بھی تھے جارح بھی، مدیر بھی تھے اور مناظر بھی، علم دین کا ایسا کوئی شعبہ نہیں جس پر وہ حاوی نہ تھے۔ علامہ صاحب کے یہی وہ صفات و کمالات تھے کہ جن کی بناء پر اس شمع علم کے گرد علماء و

فقہا کا پروانوں کی مانند ہجوم رہتا تھا۔ پھر ان کی ہمہ صفت شخصیت خود اپنے اندر ایک مقناطیسی قوت رکھتی تھی جس کی کشش سے علمی و دینی طبقہ کی بھی ایک کثیر تعداد ان کی طرف کھنچی چلی آئی۔ علامہ صاحب اپنے تبحر علمی سے ان حضرات کی بھی ان کے ظرف کے مطابق پیاس بجھاتے رہے، یوں تشنگان علم علامہ صاحب کی زندگی کے آخری لمحات تک ان سے فیض یاب ہوتے رہے۔ جس نے بھی علامہ صاحب کی صحبت پائی اس نے کچھ نہ کچھ ضرور اپنے دامن میں پا لیا۔

علامہ صاحب سوال کا جواب مختصر، مدلل جامع اور پوچھنے والے کی علمی و ذہنی استعداد کے مطابق دینے میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ خاموش رہنے کے سوا سائل کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ رہ جاتا۔ ایک دفعہ دریافت کیا گیا کہ وضو کرنے کے بعد صلوٰۃ تحیۃ الوضو کب تک ادا کی جاسکتی ہے؟ جواب میں آپ نے فرمایا کہ جب تک ادا نہ ہو جائے۔ نماز اشراق اور نماز چاشت کے بارے میں علامہ صاحب کا کہنا تھا کہ یہ ایک ہی ہے۔ ایک ملاقی نے پوچھا۔ حضرت آپ کے والد کیسے پیر تھے؟ آپ کا جواب تھا جیسے پیر ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے علامہ صاحب سے پوچھا کہ مجھے اپنے والد بزرگوار سے ملنے اکثر ساہیوال جانا ہوتا ہے۔ اس لیے مجھے وہاں جا کر قصر نماز پڑھنی ہے یا مکمل نماز؟ علامہ صاحب نے مجھ سے پوچھ لیا کہ کیا تمہارے والد صاحب کی ساہیوال میں کوئی جائیداد ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ علامہ نے فوراً جواب دیا کہ آپ کو قصر نماز پڑھنی ہوگی۔[1]

۲۰۰۵ء سے میں نے علامہ صاحب کے ہاں سنت نگر با قاعدہ آنے کا سلسلہ شروع کیا۔ جب بھی علامہ صاحب برطانیہ سے پاکستان تشریف لاتے ان کے یہاں میں کم از کم دو مرتبہ ضرور ساہیوال سے ان کی زیارت کے لیے آتا۔ اس زمانے میں علامہ صاحب اپنے گھر کے صحن میں مصلیٰ بچھا کر اس پر بیٹھ جاتے اور تصنیف و تالیف کا اپنا کام جاری رکھتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ ملاقاتیوں کی میز بانی بھی کرتے رہتے۔ ایسا عموماً موسم سرما ہی میں ہوتا تھا۔ پھر دھوپ سینکنے کے لیے علامہ صاحب اپنے مصلے کو آگے پیچھے کر لیا کرتے تھے۔ بعد از عصر علامہ صاحب اپنے حجرے میں تشریف لے جاتے، بوقت صلوٰۃ گھر آئے ہوئے مہمانوں میں سے جس کسی کے پاس کوئی گاڑی ہوتی اس کے ساتھ گاڑی میں مسجد رحمۃ للعالمین تشریف لے جاتے جو ان کے گھر کے قریب ہی ہے۔ علامہ صاحب اس مسجد کی انجمن کے سرپرست اعلیٰ بھی تھے۔ باقی ساتھیوں کو جن کے پاس سواری کا بندوبست نہ ہوتا، پیادہ پا مسجد پہنچنے کی تلقین کر دیتے۔ علامہ صاحب کے کمرے میں ان کے آرام کے لیے ایک چارپائی شمالاً جنوباً بچھی ہوتی تھی اور نیچے فرش پر ایک بڑی چٹائی جس پر ایک دری بھی بچھی ہوتی تھی، دری پر جنوبی دیوار کے ساتھ گاؤ تکیہ رکھا ہوا تھا تا کہ علامہ صاحب یہاں بیٹھ کر آرام سے اپنا تصنیفی کام کر سکیں۔ محمود کالونی شاہدرہ میں مسجد کی تعمیر کا کافی کام مکمل ہو چکا تھا۔ تعمیر کا جائزہ لینے کے لیے علامہ صاحب اکثر وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ جب میرا علامہ صاحب کے پاس آنا ہوتا تو مجھے ضرور اپنے ساتھ لے کر جایا

---

[1] یہ غالباً اِس لیے فرمایا کہ: عموماً اپنی یا والدین کی جائیداد والی جگہ کو ''وطن اصلی'' سمجھا جاتا ہے۔ اور جہاں جائیداد نہ ہو اسے وطن اصلی نہیں سمجھا جاتا۔ [حمزہ]

کرتے تھے۔اس قدر دور دراز پس ماندہ اور دور افتادہ علاقے میں اس تعمیر کے بارے میں عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ اس جگہ کا انتخاب پھر اس مقام پر مسجد کی بنیاد ایک الہامی اشارے پر رکھی گئی تھی۔اس امر کا اظہار ایک مرتبہ علامہ صاحب نے اپنی ایک نجی نشست میں خود بھی کیا تھا۔

شروع شروع کی بات ہے کہ میں نے علامہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت میں کسی شیخ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ ابھی میں اس سے اگلا فقرہ کہنا ہی چاہ رہا تھا کہ کس بزرگ کی بیعت کروں؟ میری بات کا مقاطع کرتے ہوئے حضرت نے فوراً ہی کہہ دیا کہ آپ کو بیعت کی ضرورت نہیں، میں خاموش ہو گیا۔کچھ توقف کے بعد حضرت یوں گویا ہوئے کہ اکثر لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم کس کی بیعت کریں میں ان کو کہہ دیتا ہوں کہ جو آپ کو اچھا لگے، میں کبھی کسی کو کسی کی طرف رجوع کرنے کا نہیں کہتا۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اگر میں نے ان حضرات کو کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہونے کا اشارہ کر دیا تو یہی حضرات بعد ازاں مجھ سے اسی شیخ سے سفارش کرنے کا کہیں گے جس کا کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہوگا۔ان حضرات کا مقصد بیعت صرف حصول خلافت ہوتا ہے ان کا نقطہ نظر معرفت الٰہی کی بجائے صرف اور صرف خلافت کی دستار فضیلت سے خود کو مزین کرنا ہے۔اس لئے میں ان امور سے ہمیشہ اجتناب کرتا ہوں۔

علامہ صاحب مزید کہنے لگے کہ مشائخ عظام اور بزرگانِ اسلام کے باب میں ہمارے اکابرین کے نظریات بالکل واضح ہیں، ان حضرات کی عظمت کو تو ہم ہمیشہ سے سلام پیش کرتے آرہے ہیں۔اولیاء کرام کی تعظیم وتکریم ہمارے لئے واجب ہے۔ تمہارے علم میں یہ بات لانا چاہتا ہوں کہ اولیاء اللہ کی تعلیمات کے فروغ کے سلسلے میں ہم عنقریب اپنے مدرسے میں سالانہ جلسہ ولایت کے نام سے ہر سال ایک عظیم اجتماع کا انعقاد کرنیوالے ہیں۔چند سال کی تعویق کے بعد علامہ صاحب کا یہ عزم بالآخر منظر مشہود پر آ گیا۔پھر یہ علامہ صاحب کی زندگی کے آخری سال تک جاری رہا۔میں ان منعقد ہونے والے تمام تر اجلاس میں اپنے بیٹوں اور دوستوں کو ساتھ لیکر شرکت کرتا رہا۔پہلا جلسہ ولایت شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور آخری حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کی حیات مبارکہ پر تھا۔کل گیارہ اجلاس ہوئے تھے، بقیہ اجلاس شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، سید احمد شہیدؒ، میاں شیر محمد شرقپوریؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن، سید علی ہجویریؒ، شیخ احمد سرہندیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت اویس قرنیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے نام پر جاری کئے گئے۔ان حضرات کی تعلیمات، نظریات، افکار اور اجتہادات پر خوب روشنی ڈالی گئی۔ان کے راہ عمل و رشد وہدایت کا احاطہ کرتے ہوئے ان ہی پر گامزن رہنے کی تلقین کی گئی۔اس سلسلے میں علامہ صاحب ہر سال مجھ سے ضرور مشورہ کیا کرتے تھے۔نام کے بارے میں علامہ صاحب احباب سے بھی مشاورت کر لیا کرتے تھے۔میرے تجویز کردہ دو ناموں سید احمد شہید بریلویؒ اور میاں شیر محمد شرقپوریؒ کو علامہ صاحب نے بہت پسند فرمایا، پھر باری باری ان ناموں کی منظوری دے دی۔میں نے اپنے نانا محترم مولانا سید عبدالعزیز جالندھریؒ سے حضرت مولانا میاں شیر محمد شرقپوریؒ کے بہت سے ملفوظات اور واقعات سن رکھے

تھے۔ وہ میں اکثر علامہ صاحب کے گوش گزار کیا کرتا تھا۔ میرے نانا محترم میاں صاحبؒ کے بھی خلیفہ مجاز تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی محررہ سیرت سید احمد شہید جو ضخیم جلدوں میں ہے اور میرے ذخیرہ کتب میں موجود ہے میں نے لفظ بلفظ پڑھی ہوئی تھیں۔ ان کتب کے چیدہ چیدہ اقتباسات بھی میں علامہ صاحب کو سنایا کرتا تھا۔ علامہ صاحب میری یہ باتیں سن کر بہت ہی فرحت محسوس کیا کرتے تھے۔ یوں ان کی تشنگی بڑھتی گئی۔ برطانیہ واپس جاتے وقت علامہ صاحب سیرت سید احمد شہید جلد اول مجھ سے لیکر اپنے ساتھ مطالعہ کیلئے لے گئے، اگلے سال واپسی پر مذکورہ کتاب مجھے واپس کر دی۔ کیونکہ اسی سال اسی موضوع پر سالانہ جلسہ ولایت کا انعقاد ہونا تھا۔ سالانہ جلسہ ولایت کے سلسلہ میں چھپنے والے اشتہارات کے سلسلے میں علامہ صاحب، مفتی عزیز الحسن کو ہر سال یہ ہدایت دیا کرتے تھے کہ اشتہار کا مسودہ کمپوزنگ کے بعد اور پرنٹنگ سے قبل شاہ صاحب (راقم السطور) کو دکھایا کرو۔ تاکہ اس میں اگر کسی ترمیم یا اصلاح کی ضرورت ہو تو وہ کی جا سکے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ خاندان سادات سے تعلق رکھنے والے علماء اپنی نسبی نسبت پر بڑے فخر کا اظہار کیا کرتے ہیں، اس سلسلے میں علامہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے حضرات میں سے صرف دو شخصیات ایسی دیکھی ہیں جنہوں نے کبھی بھی اپنی نسب پر فخر و شرف اور تکبر و تعلّی کا اظہار نہ ہی اپنے قول سے اور نہ ہی اپنے کسی فعل سے کیا تھا۔ وہ عظیم ہستیاں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھیں۔ ایک دفعہ میں علامہ صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ اس وقت صرف ہم ہی دو فرد تھے۔ خوب باتیں ہوتی رہیں۔ باتوں ہی باتوں میں کئی باتیں نکلتی گئیں۔ جب بات جناب ذوالفقار احمد نقشبندی صاحب پر آئی تو علامہ صاحب فرمانے لگے کہ یہ بھی میرے شاگرد ہیں۔ وہ میرے پاس اسی مکان کے اس (اشارہ کرتے ہوئے) سامنے والے کمرے میں آیا کرتے تھے۔ وہ فن تقریر سیکھنا چاہتے تھے۔ اس کے رموز و اسرار کے بارے میں اصلاح لیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ علامہ صاحب اپنے گھر میں بیٹھے علم کے موتی بکھیر رہے تھے اور سامعین مجلس چنتے جا رہے تھے۔ ایک اہم انکشاف انہوں نے یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے چار چیزوں کی تخلیق خود فرمائی ہے۔ سب سے پہلے قلم بنایا۔ پھر عرش معلیٰ کو سجایا بعد ازاں لوح محفوظ اور آخر میں انسان (آدم) کو وجود بخشا۔ غالباً نومبر ۲۰۰۷ء کی بات ہے میں ساہیوال سے علامہ صاحب کو ملنے ان کے گھر آیا ہوا تھا۔ مجھے ان سے ایک ذاتی کام بھی تھا۔ اس روز بھی صرف میں اور علامہ صاحب ہی گھر پر تھے۔ علامہ صاحب نے مولانا فضل الرحمٰن امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کو اپنے ایک مقرب خاص کا کوئی کام کہہ رکھا تھا، لیکن مولانا کی اس کام پر کوئی خاطر خواہ توجہ نہ تھی۔ علامہ صاحب مولانا کی اس کوتاہی اور عدم توجہ پر بہت پریشان اور نالاں دکھائی دیتے تھے۔ علامہ صاحب کہنے لگے کہ مولانا سمیع الحق نے جب اپنا گروپ الگ بنا لیا تھا تو مجھے انہوں نے اپنی جماعت میں پنجاب کی امارت دی، میں نے اس وقت قبول تو کر لی مگر کچھ ہی عرصہ بعد میں نے یہ عہدہ چھوڑ دیا بلکہ سمیع الحق گروپ کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ یہ صرف اور صرف میں نے

مفتی محمود صاحب کی شخصیت اور تعلقات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کیا۔ ایک وہ وقت تھا جب مفتی محمود صاحب اور مفتی محمد شفیع صاحب مدرسہ قاسم العلوم ملتان سے دونوں اکٹھے میرے ہاں اس والے کمرے میں آیا کرتے تھے اور مجھ سے اپنے جلسوں کے لیے وقت حاصل کرنے پر مصر ہوا کرتے تھے۔ ایک یہ وقت ہے کہ مفتی محمود صاحب کے بیٹے کو کوئی احساس ہی نہیں ہے۔

پھر کہنے لگے کہ ممکن ہے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی کوئی مجبوری ہو، انھیں کوئی دشواری ہو، میرے ساتھ ان کے مراسم تو بہت اچھے ہیں، چند ماہ قبل ہی ان کا برطانیہ آنا ہوا تھا، بڑی محبت سے مجھے ملے تھے، پھر ایک ہفتہ پہلے ہی ان کا فون آیا تھا، حال احوال پوچھ رہے تھے، اور سپریم کورٹ سے میرے مستعفی ہونے کی وجوہ بھی معلوم کر رہے تھے۔

علامہ صاحب پہلے پہل اپنے مکان کے شمال مشرقی کمرے میں رہا کرتے تھے، میں خود کئی بار اسی کمرے میں علامہ صاحب سے مل چکا ہوں۔ بعد ازاں علامہ صاحب نے اپنا رہائشی کمرہ تبدیل کر لیا اور جنوب مشرقی کمرے میں سکونت اختیار کر لی۔ پہلے والا رہائشی کمرہ علامہ صاحب کا کتب خانہ بن چکا تھا۔ جب علامہ صاحب کے اپنے مدرسے جامعہ ملیہ اسلامیہ کی لائبریری کی تعمیر مکمل ہو گئی تو علامہ صاحب نے اپنی تمام تر کتب مدرسہ ہذا کو اس کی لائبریری کے لیے ہبہ کر دیں۔

ایک نشست میں علامہ صاحب سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو اپنی کتاب ''عقیدۃ الامت فی معنی ختم النبوت'' لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ جب کہ اس سے قبل مفتی اعظم پاکستان جناب مفتی محمد شفیع صاحب اردو میں ختم نبوت کامل کے نام سے اپنی کتاب مرتب کر چکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ درست ہے کہ مفتی صاحب کی کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت ہی جامع، نفع بخش اور عوام و خواص میں بے حد مقبول ہے، لیکن میں نے اپنی کتاب امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے شدید تقاضے پر ان کی ہدایات کی روشنی میں فتنہ قادیانیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عصری حالات کے تابع مناظرانہ اسلوب میں تسوید کی ہے جو پہلے مؤلفین کی مسطور کتب سے یکسر مختلف ہے، اس بات کا تذکرہ اپنی مذکورہ کتاب کے دیباچے میں بالتصریح کیا ہے، یاد رہے کہ علامہ صاحب نے صرف اٹھائیس سال کی عمر میں یہ معرکۃ الآرا کتاب ۱۹۵۳ء میں تسطیر کی تھی۔ یہ اپنے موضوع اور اندازِ فکر و بیان پر بے نظیر اور شاہکار کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب نے بھی قبولیت عام کا درجہ حاصل کیا تھا۔ اسی دور کی بات ہے کہ قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ نے بھی مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو لکھنو سے لاہور بلوا کر ہدایات دی تھیں کہ اہل عرب کو قادیانیت سے آگاہی کے لیے بزبانِ عربی ایک مفصل و مدلل کتاب لکھ کر فوری طور پر عرب ممالک بھجوائی جائے۔ کتاب کی تیاری کے لیے مولانا لال حسین اختر، مولانا محمد حیات اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی کو مولانا صاحب ندوی کی معاونت اور مواد مہیا کرنے کو کہا گیا۔ یوں عربی زبان میں کتاب مستطاب ''القادیانی والقادیانیہ'' معرض وجود میں آئی۔ یہ کتاب بڑی ضخیم بلند پایہ اور علمی خصوصیات کی حامل تھی۔ بعد ازاں یہ دمشق سے بھی شائع ہوئی۔ اسی کتاب کو خود مولانا ندوی صاحب نے اردو میں منتقل کیا۔ اس سے قبل مفتی محمد شفیعؒ صاحب نے بھی ختم نبوت کے موضوع پر ''ہدیۃ المہدتین'' کے نام سے عربی زبان میں

کتاب قلمبند کی تھی۔(دیکھیے :۱/۲۴۶.....۱/۴۰۸.....۱/۶۲۵.....۱/۶۶۳.....۱/۷۰۴(مضمون).....۱/۷۳۵.....۲/۱۷۴[ادارہ])

تحریک احیاءِ اقدار اسلامی کی تشکیل تو بہت عرصہ قبل ہو چکی تھی۔ بندہ ناچیز کو بھی خصوصی طور پر اس تنظیم کا رکن بنایا گیا تھا۔ اس کا پہلا تاسیسی اجلاس مورخہ ۱۷/۱ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو بمقام دیو سماج روڈ سنت نگر لاہور علامہ صاحب کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا۔ اس کے قواعد وضوابط اور اغراض ومقاصد کا بھی تعین ہو چکا تھا۔ بعدازاں بھی اس تنظیم کے کئی اجلاس علامہ صاحب کی صدارت میں ہو چکے تھے۔لیکن تنظیم کے فارم ممبر شپ میں ناگزیر وجوہات کی بناء پر کافی عرصہ بعد چھپے۔ یہ فارم پرنٹنگ پریس سے اس وقت ملے جب علامہ صاحب برطانیہ روانہ ہونے کو تھے۔ بہر حال علامہ صاحب جاتے وقت کچھ فارم اپنے ساتھ لے گئے۔ تاکہ برطانیہ میں موجود ممبران سے بھی فارم پُر کرواسکیں۔لیکن پاکستان میں موجود ممبران سے فارم پُر کروانے کی ذمہ داری جناب عزیز الرحمٰن کے سپرد کردی گئی کہ وہ علامہ صاحب کی عدم موجودگی میں اس کام کو مکمل کریں گے۔ اسی سلسلے میں ایک دن عزیز الرحمٰن صاحب نے مجھے ساہیوال سے اپنے ہاں دیو سماج روڈ لاہور بلوالیا۔ اس کام میں سرعت رفتاری کی وجہ غالباً تنظیم کی رجسٹریشن کروانا مقصود تھی۔

ایک دفعہ میں نے علامہ صاحب سے سلسلہ کلام کو جاری رکھنے کے لیے دریافت کیا کہ کیا مناظرہ کرتے وقت یا دورانِ بحث وتمحیص آپ کو کبھی کسی پریشانی ودشواری کا بھی سامنا کرنا ہوا؟ علامہ صاحب فوراً بولے ہاں! ایک مرتبہ جنوبی افریقہ میں جب میں مرزائیوں کے ساتھ برسرِ پیکار تھا۔ مناظرہ اپنے شباب پہ تھا پھر ایک لمحہ ایسا آیا کہ میں سخت مضطرب ہوگیا، میرے دل نے فوراً اللہ کی طرف رجوع کیا۔ اس مشکل کشا نے یوں میری غیبی مدد فرمائی کہ میں خود کو توانا محسوس کرنے لگا۔ اپنے معرکے میں کامران رہا۔ یہ منظم اور نا قابلِ فراموش واقعہ میرے دل میں گھر کر چکا ہے۔ اس نعمت عظمٰی کے واقعتاً نزول پر میں اللہ کا شکر گزار ہوں، علامہ صاحب پھر کہنے لگے کہ ہوا یوں تھا کہ مرزائی مناظر نے اچانک وغیر متوقع سوال کردیا کہ چودہویں صدی ہجری میں آپ حضرات کس شخصیت کو مجدد دین وملت تسلیم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے القا ہوتا رہا اور میری غیبی مدد جاری رہی۔ مرزائی مناظر نے پھر سوال کیا کہ آپ کے اس مجدد کی کوئی تصنیف بھی ہے؟ میں نے کہا ہاں! اس نے پھر پوچھا کہ اس کی تصنیف کا نام کیا ہے اور کیا وہ کتاب آپ کے پاس موجود ہے؟ اس سوال پر میں بہت پریشان ہوگیا۔لیکن میں نے دیکھا کہ مجمع میں سے ایک شخص کھڑا ہو کر اونچی آواز میں بولا یہ لو حضرت! وہ کتاب، میں نے اس سے کتاب لے کر مرزائی مناظر کو دکھائی۔ یوں خوشی کی لہر میرے جسم میں سرائیت کرگئی اور میری جان میں جان آئی۔ یہ اللہ کا عظیم کرشمہ تھا اور میرے لئے اس کی فوری مدد، حالانکہ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ شخص پہلے سے موجود نہ تھا۔ میرا خیال اغلب ہے جو حقیقت کے قریب تر بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو انسانی شکل میں کتاب دیکر مدد کے لیے بھیجا تھا۔(دیکھیے :۱/۳۴۴[ادارہ])

علامہ صاحب کو روحانیت میں بھی اعلیٰ مقام حاصل تھا جس کا ماسوائے چند خصوصی احباب کے کسی کو علم نہیں تھا، علامہ

صاحب نے تصوف کی تمام ارتقائی منازل طے کر رکھی تھیں، وہ اس وقت مقام شہود کے ارفع مرتبے پر فائز تھے جسے آپ نے ہر کسی سے مخفی رکھا ہوا تھا۔

علامہ صاحب کے ساتھ ایک نشست میں بزرگانِ دین اور اولیاء کرام کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ بات چلتے چلتے مزارات پر حاضری اور عروس میں شرکت کی ہونے لگی، علامہ صاحب نے اس سلسلے میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ایک دلچسپ اور محیر العقول واقعہ بیان کیا۔ کہنے لگے کہ حضرت گنگوہی کا ایک لاڈلا مرید بزرگوں کے مزارات پر حاضر ہونے اور ان کے عرس میں شرکت کرنے کا بڑا شوقین تھا۔ حضرت بڑی محبت اور پیار سے اسے عدم شرکت کا کہتے رہتے لیکن وہ بھی اپنی دھن کا بڑا پکا تھا۔ شیخ المشائخ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا عرس قریب آ رہا تھا اور وہ اس میں شرکت کا خواہاں تھا۔ اس بار بھی حضرت اس کو بہت سمجھاتے رہے لیکن وہ بضد تھا کہ اسے ہر صورت عرس میں شرکت کے لیے پاکپتن جانا ہے۔ بالآخر حضرت نے اس کے آگے ہتھیار پھینک دیئے۔ مزید موصوف کا حضرت سے تعلق بھی تو بڑا عاشقانہ تھا۔ پاک پتن جاتے وقت مرید صاحب حضرت سے ملنے کے لیے آئے۔ حضرت صاحب نے اسے کہا اچھا! اگر تم نے جانا ہی ہے تو پھر میرا بھی ایک کام کر دینا۔ اس نے کہا ٹھیک ہے میں حاضر ہوں۔ حضرت نے اسے ایک ٹھیکری لانے کو کہا وہ ٹھیکری لے آیا تو حضرت نے اپنی انگلی سے اس پر کچھ لکھ دیا۔ اور ٹھیکری اسے تھما دی اور کہا کہ جب تم پاک پتن پہنچ جاؤ تو مزار کے باہر فلاں گلی کی نکڑ پر آپ کو ایک سفید ریش والے بزرگ بابا جی ملیں گے یہ ٹھیکری ان کو دے دینا۔ اس مرید باصفا نے حضرت کی ہدایت پر پورا پورا عمل کیا۔ پاک پتن پہنچ کر سب سے پہلے یہی کام کیا۔ اور بابا جی کو تلاش کر کے ٹھیکری ان کے حوالے کر دی۔ بابا جی بھی اس صاحب کی انتظار میں مذکورہ جگہ پر کھڑے تھے۔ بابا جی ٹھیکری کی تحریر پڑھ کر مسکرا دیئے (یہ تحریر بظاہر نظر نہیں آ رہی تھی) اور اسی ٹھیکری کی پشت پر انہوں نے بھی اپنی انگلی سے کچھ لکھ کر وہ اس صاحب کے حوالے کر دی اور کہا یہ واپس جا کر مولانا کو دے دینا۔ مرید صاحب پاک پتن سے واپس گنگوہ پہنچے تو حضرت گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ ٹھیکری حضرت کے حوالے کر دی۔ حضرت گنگوہی بھی ٹھیکری کی تحریر پڑھ کر مسکرا دیئے۔ مرید صاحب بہت متعجب ہوئے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا، آخر وہ حضرت گنگوہیؒ سے درخواست گزار ہوا کہ حضرت میرے پلڑے میں بھی کچھ ڈالیے۔ کہ آپ حضرات کے مسکرانے کی وجہ کیا ہے آپ دونوں نے ٹھیکری پر کیا تحریر کیا تھا اور وہ پاک پتن والے بابا جی کون تھے؟ حضرت گنگوہیؒ نے مسکراتے ہوئے بتایا کہ یہ بابا جی وہی بزرگ ہیں جن کے مزار پر تم گئے تھے وہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ خود ہی تو تھے، اب رہی یہ بات کہ میں نے ٹھیکری پر کیا لکھا تھا اور انہوں نے جواباً کیا تحریر کیا تھا۔ میں نے انہیں درخواست کی تھی کہ آپ ان صاحب کو سمجھائیں اس نے میری بات نہیں مانی۔ یہ آپ کے عرس میں شرکت کے لیے بضد تھا۔ میں نے تو اسے بہت مرتبہ سمجھانے کی کوشش کی ہے، حضرت میری اس لاچارگی پر مسکرائے، جواب میں لکھا کہ تم سے ایک شخص نہیں سنبھالا جا سکا اور پریشان ہو گئے۔ ادھر میرا حوصلہ تو دیکھو کہ لاکھوں لوگوں کو برداشت کر رہا ہوں۔ میں بابا جی کی وسعت قلبی پر بطور

تحسین مسکرایا تھا۔(آ)

باوجودیکہ علامہ صاحب کی عمر اور صحت اس امر کی متقاضی تھی کہ دنیا کے تمام دھندے چھوڑ کر اب آرام وسکون کی زندگی بسر کی جائے، لیکن ان کے باطن میں خدمت دین کی جو لگن تھی اور دل میں الحاد کے خلاف جو جذبہ تھا وہ ہمیشہ اس تقاضے کے آڑے آیا۔ علامہ صاحب کی لامتناہی جدوجہد کا عمومی محور نوجوان طبقہ اور بے پایاں توجہ کا خصوصی مرکز یونیورسٹی کے طلبہ تھے، علامہ صاحب کا یقین تھا کہ یہی افراد دین متین کی پنیری ہیں، اگر ان کی صحیح آبیاری اور عمدہ دیکھ بھال کی جائے تو تن آوری میں یہ اپنا مجاہدانہ و قلندرانہ کردار ادا کرسکیں گے۔ علامہ صاحب کی اسی سعی مسلسل کے ثمر کی ایک جھلک ان کے گرد منڈلاتے ہوئے پروانے ہیں آپ سمجھتے تھے کہ عشق ختم نبوت کی تپش ان پروانوں کے اندر کی حرارت میں ابال پیدا کرے گی جوان کو میدان کارزار میں متحرک کرے گی، اس طرح وہ صحیح مجاہدانہ کردار ادا کرسکیں گے۔ علامہ صاحب کی محنت شاقہ کا ایک عمدہ نمونہ واعلیٰ ثمرہ پنجاب یونیورسٹی کے وہ دو طالب علم تھے جن کا تعلق ساہیوال سے تھا اور ان کو علامہ صاحب نے میرے پاس بھیجا تھا تا کہ ان کی پیروی میں بھی میدانِ عمل میں اُتر کر اپنے حصے کا کام کروں اور ان طلبہ کے جوش و ولولہ کو سلام پیش کروں۔ جب تک میں ساہیوال میں رہا یہ نوجوان میرے پاس آتے رہے۔ خود بھی متحرک رہے اور مجھے بھی متحرک رکھنے میں لگے رہے۔

اکیسویں صدی عیسوی کی پہلی دہائی کے آخری سالوں کی بات ہے کہ سنت نگر علامہ کی خدمت میں ایک نوجوان حماد صدیقی اکثر آتے دیکھا گیا تھا یہ اسی علاقے کا رہائشی تھا، بعد ازاں یہ دن کا بیشتر علامہ صاحب کی خدمت میں گزارنے لگا، اس کو علامہ صاحب سے دلی لگاؤ تھا اور خدمت کا جذبہ بھی رکھتا تھا۔ علامہ صاحب سے اس کا انسیت کا رشتہ پھر عمر بھر قائم رہا۔ مجھے یاد ہے کہ دسمبر ۲۰۰۷ء میں علامہ صاحب نے حماد صدیقی کو میری رہنمائی کے لیے میرے ساتھ جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ مولانا رشید میاں کی خدمت میں بھیجا تھا۔ مجھے مولانا سے ایک ذاتی کام تھا۔ ۲۰۰۹ء میں حماد کی شادی میں علامہ صاحب کے ہمراہ میں نے بھی شرکت کی۔ نکاح علامہ صاحب نے ہی پڑھایا تھا۔ شادی کے بعد جب حماد کا علامہ صاحب کی خدمت گزاری کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ تو یہ سعادت جناب ہمایوں صادق صاحب کی وساطت سے حافظ عبدالغفور صاحب کو منتقل ہوگئی۔ حافظ عبدالغفور صاحب، پروفیسر ہمایوں صادق کے شاگرد تھے۔ ۲۰۰۸ء میں جیلانی اکیڈمی سے انہوں نے میٹرک کیا۔ ساتھ ہی ساتھ جامعہ محمدیہ چوبرجی میں مفتی محمد حسن صاحب کے زیر تربیت بھی رہے۔ وہیں آٹھ سال رہ کر اپنی دینی تعلیم مکمل کی۔ ان کی شادی 2013ء میں ہوئی تھی۔ دعوت ولیمہ میں بھی میں نے علامہ صاحب کی معیت میں شرکت کی تھی۔ حافظ صاحب علامہ صاحب کی تصانیف کی اشاعت وفروخت کے سلسلے میں جناب ہمایوں صادق صاحب کے دستِ بازو رہے۔ بعد ازاں ۲۰۱۶ء میں حافظ صاحب کو علیحدہ سے ہادیہ حلیمہ سینٹر اُردو بازار سرکلر روڈ لاہور میں کتب ہی کا کاروبار شروع کروادیا گیا۔ حافظ عبدالغفور صاحب نے اپنی دینی تعلیم

(آ) مقصد یہ تھا غیر شرعی کاموں سے منع کرتے اور سمجھاتے رہنا چاہیے، لیکن تنگ دِلی قریب نہ آنے پائے۔ [ادارہ]

کے دوران ہی علامہ صاحب کی خدمت کے لیے ایک معاون خدمت گار بھی تیار کر لیا تھا۔ اور وہ شخصیت جناب مفتی صہیب ظفر صاحب کی تھی۔ صہیب صاحب حافظ صاحب کے ہم سبق تھے۔ ذہین وفطین ہیں اور علمی استعداد بھی ماشاء اللہ کافی ہے۔ اردو کمپوزنگ کے بھی خوب ماہر ہیں۔ منڈی بہاؤ الدین سے تعلق ہے، مگر فی الحال اپنی خدمات جامعہ ملیہ اسلامیہ کو سونپ رکھی ہیں۔ علامہ کی زندگی میں یہ علامہ صاحب کی دعاؤں سے خوب فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔

علامہ صاحب کی کتاب حیات کے باب میں علامہ کے محبین ومخلصین میں ایک نام پروفیسر ہمایوں صادق نمایاں طور پر لکھا ہوا نظر آئے گا۔ جناب ہمایوں صاحب کا کہنا ہے کہ ۲۰۰۰ء میں علامہ صاحب، حافظ محمد سعید نقشبندی خلیفہ مجاز شیخ وقت سید علاؤ الدین جیلانیؒ کی دعوت خطاب پر جامع مسجد اتحاد کالونی اہل علاقہ کے قلوب علم کی روشنی سے منور کرنے آئے تھے۔ ایک سامع کی حیثیت سے میں بھی اس پر رونق جلسے میں شریک تھا۔ علامہ کا اندازِ گفتگو، طرز تخاطب، پیرایہ بیان، دلکش اظہار خیال میرے دل کو بہت بھایا۔ خطاب کیا تھا گویا علم وعرفان کے موتیوں کی پھوار تھی، یوں علامہ صاحب نے مجھے اپنا گرویدہ بنالیا۔ میرے دل نے مجھے کہا کہ تمہارا مطلوب ومقصود مل گیا ہے اب کسی اور کی طرف نظر نہ اُٹھانا۔ ان کا دامن مضبوطی سے تھام لو کہ پھر چھوٹنے نہ پائے۔ دل کا حکم بھی تھا اور چاہت بھی یہ سر تسلیم خم کرتے ہوئے میں نے فوراً دسمبر ۲۰۰۰ء میں اپنی قائم کردہ درس گاہ جیلانی اکیڈمی کا افتتاح علامہ صاحب کے بدست کروایا۔ تقریب نقاب کشائی میں علامہ صاحب کے خوبصورت، دل نشیں خطاب کے بعد کار تدریس شروع کر دیا گیا۔ اس وقت سے لے کر علامہ صاحب کی زندگی کے اختتام تک میں نے ان کا دامان انس وشفقت تھامے رکھا۔ پھر اس دوران مجھ سے کبھی کوئی لغزش کوتاہی اور حکم عدولی نہ ہونے پائی۔ علامہ صاحب نے اپنی تصنیف وتالیف سے متعلق تمام امور جناب ہمایوں کے سپرد کر رکھے تھے، ان کو جامعہ ملیہ اسلامیہ میں عصری تعلیم کا نگران صدر مدرس بھی مقرر کیا تھا۔ یہ اپنی ذمہ داری کماحقہ نبھاتے رہے۔ علامہ صاحب بھی جناب ہمایوں صاحب سے بہت شفقت فرمایا کرتے تھے، ۲۰۱۱ء میں ہمایوں کے نانا کا انتقال ہو گیا تو علامہ صاحب کافی عرصہ تک افسوس کا اظہار کرتے رہے۔ مجھے بھی اس افسوس ناک خبر کی اطلاع علامہ صاحب نے دی تھی۔ ان کا جنازہ علامہ صاحب ہی نے پڑھایا تھا۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ جب ہمایوں صاحب کی نانی اماں کا ۲۰۱۷ء میں اور زوجہ محترمہ کا ۲۰۱۹ء میں انتقال ہوا۔ تو دونوں موقع پر علامہ صاحب پاکستان ہی میں تھے۔ یوں ان کی نانی اماں کا جنازہ بھی علامہ صاحب نے پڑھایا مگر زوجہ کے جنازے میں صرف شرکت فرمائی تھی۔ ۲۰۱۸ء میں ہمایوں صاحب کے بڑے صاحبزادے عبدالروٴف نے جب حفظ قرآن کیا تو اس سلسلے میں کی گئی تقریب میں علامہ صاحب بھی خصوصی طور پر شریک ہوئے تھے۔

علامہ صاحب کی قربت حاصل کرنے والوں میں ایک اور اہم شخصیت جناب چوہدری حسن بشیر صاحب کی تھی۔ چوہدری صاحب محکمہ مواصلات حکومت پنجاب میں آرکیٹیکچر سے ارتقائی منازل طے کرتے کرتے ڈائریکٹر کے عہدے پر پہنچے، آخر میں ممبر وزیر اعلیٰ انسپیکشن ٹیم کے عہدے پر فائز رہے۔ تقریباً دو سال قبل امریکہ چلے گئے تھے، ان کے پاس امریکہ کی شہریت تھی، اس سے

قبل بھی وہ امریکہ میں کئی سال گزار چکے تھے۔ ۲۰۰۳ء میں ان کی علامہ صاحب سے پہلی ملاقات جناب رانا خالد محمود صاحب کے توسل سے اور ان ہی کی ایما پر اس وقت ہوئی تھی جب علامہ صاحب سپریم کورٹ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے راولپنڈی بذریعہ ٹرین جانے کے لیے لاہور ریلوے اسٹیشن کے انتظار گاہ میں تشریف فرما تھے۔ ان دنوں رانا صاحب ہی علامہ صاحب کو ریلوے اسٹیشن لانے لیجانے کے لیے اپنی خدمات بہم پہنچایا کرتے تھے۔ رانا صاحب کی ۱۹۸۱ء سے چوہدری صاحب سے دوستی چلی آرہی تھی۔ اس وقت چوہدری صاحب ٹیگور پارک میکلوڈ روڈ اپنے والدین کے ہمراہ رہا کرتے تھے۔ اور ان کے والد جناب پروفیسر بشیر احمد صاحب جامعہ پنجاب کے شعبہ سوشل ورکس میں تعینات تھے۔ چوہدری صاحب کے پھر علامہ صاحب کے ہاں مسلسل آنے جانے سے تعلقات تیزی سے پروان چڑھنے لگے۔ علامہ صاحب بھی دو تین مرتبہ چوہدری صاحب کے گھر میکلوڈ روڈ گئے تھے۔ ایک دفعہ ان کے ہاں قرآن خوانی کی تقریب میں علامہ صاحب مدعو تھے۔

جامع مسجد ختم نبوت مکمل اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تعمیر و تزئین کے سلسلے میں بھی وہ اپنی ماہرانہ رائے پیش کرتے رہتے تھے۔ ۲۰۰۷ء میں ایک بار جب میں ساہیوال سے علامہ صاحب سے ملاقات کے لیے دیو سماج روڈ آیا تو علامہ صاحب کمپوزنگ کے سلسلے میں مجھے اپنے ساتھ چوہدری صاحب کے دفتر واقع پرانی انارکلی لے گئے۔ جب میں نے چوہدری صاحب کو وہاں دفتر میں پایا تو حیران رہ گیا، کیونکہ میری تو ۱۹۸۸ء سے چوہدری صاحب سے یاد اللہ تھی، میں نے ساہیوال میں مکان کی ڈرائنگ اور ڈیزائننگ انہی سے کروائی تھی۔ فرید ٹاؤن ساہیوال میں مقیم چوہدری صاحب کے حقیقی تایا جناب چوہدری نذیر احمد صاحب اور ان کے اکلوتے بیٹے ڈاکٹر شاہد نذیر کی وساطت سے میں چوہدری صاحب تک پہنچا تھا۔ میرا اِن حضرات سے گہرا تعلق تھا۔ چوہدری صاحب ان دنوں پرائیویٹ طور پر بلڈنگ کنسٹرکشن کا بھی کام کر رہے تھے۔

۱۹۹۱ء میں وہ ماڈل ٹاؤن ایکسٹینشن میں ایک کوٹھی تعمیر کروا رہے تھے جو مجھے بھی دکھانے لے گئے۔ غالباً ۲۰۰۷ء میں چوہدری صاحب کو فیصل ٹاؤن میں واقع محکمہ تعمیرات (سی اینڈ ڈبلیو) کی سٹاف کالونی جو کہ جامعہ پنجاب نیو کیمپس کے ساتھ ہی برلبِ نہر ہے میں سرکاری رہائش مل گئی۔ چوہدری صاحب کی شدید خواہش اور پُر زور اصرار پر علامہ صاحب ان کی اس گھر میں تین مرتبہ مختلف اوقات میں قیام کر چکے ہیں، یہاں دورانِ قیام میں بھی ہر بار علامہ صاحب کی ملاقات کے لیے آیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی علامہ صاحب کی ہدایت پر ان ہی کے کام کے سلسلے میں میرا وہاں دو تین بار آنا ہوا تھا۔ غالباً ۲۰۱۳ء میں علامہ صاحب جب برطانیہ سے پاکستان تشریف لائے تو لاہور ائیر پورٹ پر علامہ صاحب کو لینے کے لیے میرے سوا کوئی بھی نہ آسکا۔ میں ان دنوں لاہور میں مقیم تھا اور میں علامہ صاحب کو ائر پورٹ سے سیدھا اپنے گھر ڈی ایچ اے فیز 8 لے آیا۔ علامہ صاحب نے اپنی آمد کے چند گھنٹے بعد مجھے چوہدری صاحب سے رابطہ قائم کرنے کا کہا۔ میں نے چوہدری صاحب کو صورتحال سے بالتفصیل آگاہ کر دیا۔ چوہدری صاحب ایک گھنٹے بعد میرے گھر پہنچ گئے اور علامہ صاحب کو اپنے ساتھ لے کر چل دیئے جس کا مجھے کافی ملال

رہا۔ میں سمجھتا تھا کہ علامہ صاحب کو میرے ہاں سے لے جانے میں چوہدری صاحب کی آشیر باد حاصل تھی۔ اس کاروائی میں علامہ صاحب کی یقیناً کوئی مصلحت ہوگی۔

چوہدری صاحب ملازمت کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ طور پر مختلف اوقات میں مختلف کاروبار بھی کرتے رہے، لیکن ان کو ان کاروبار میں کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ ۲۰۰۰ء میں بھی ایک مرتبہ پھر انہوں نے مین بلیووارڈ گلبرگ میں انفارمیشن ٹیکنالوجی سے متعلقہ سیکیورٹی انسٹرومنٹس کا بزنس کیا تھا۔ جس میں ان کو کافی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ بہرحال علامہ صاحب ان کی رائے کا احترام کرتے تھے اور انہوں نے بھی علامہ صاحب سے بہت کچھ حاصل کیا۔ جب یہ علامہ صاحب کے پاس آئے تھے بڑے پریشانِ حال تھے۔ جب گئے خوش حال تھے۔ چوہدری صاحب کی اس کامیابی کا سارا کریڈٹ رانا خالد محمود صاحب کو جاتا ہے۔

میں دسمبر ۲۰۰۸ء میں علامہ صاحب سے ملاقات کے لیے جب ساہیوال سے دیوسماج روڈ پہنچا تو وہاں ایک خوش اندام نوجوان کو علامہ صاحب کی خدمت میں مصروف پایا، میرے لئے نیا چہرہ تھا۔ پہلے سے کوئی شناسائی نہ تھی، بعدازاں آہستہ آہستہ اس نوجوان خوش باش کے بارے میں آگاہی ہوتی رہی اور جلد ہی میں اس خوش اطوار نوجوان سے مانوس ہوگیا۔ معلومات کے مطابق اس خوش خیال نوجوان کا نام عزیر الحسن ہے، ملتان کے مشہور مدرسہ خیر المدارس سے فارغ التحصیل ہے، ہارون آباد ضلع بہاولنگر کا رہائشی ہے۔ مگر ابھی ملتان سے وارد ہوا ہے، پھر نماز بالجہر اس خوش طبع نوجوان کی امامت میں پڑھنے کا موقع ملا، اسے خوش الحان اور خوش قرات پایا، ایسے ہی ایک مرتبہ نماز جمعہ میں اسے خطاب کرتے ہوئے سنا تو اسے خوش بیان بھی پایا، رفتہ رفتہ مسجد و مدرسہ کے تمام انتظامی امور اس کے سپرد کردیئے گئے۔ حسن اتفاق سے علامہ صاحب کے چار مخلص کارکنان مفتی عزیر الحسن، پروفیسر ہمایوں صادق، حافظ عبدالغفور، حافظ صہیب ظفر کے اتحاد اربعہ کے آثار بھی منظر پر نمایاں ہونے لگے یوں یہ کارواں عزیمت علامہ صاحب کی قیادت و امارت میں اپنی منزل کی طرف جادہ پیما رہا۔

علامہ صاحب کے ساتھ عہد الفت و وفا نبھانے والی ایک نمایاں شخصیت جن کا نام رانا خالد محمود ہے۔ یہ فیروز والہ جی ٹی روڈ لاہور کے رہائشی ہیں۔ ان کی علامہ صاحب کے ساتھ ربط وانس کی داستانیں بہت طویل ہیں۔ ان کا شمار علامہ صاحب کے بہترین معاونین میں سے ہوتا تھا۔ اور انہوں نے علامہ صاحب کے ہمراہ میرے ہاں بھی دومرتبہ ساہیوال آئے تھے۔ رانا صاحب کا ذکر کیئے اور ان کے کردار و عمل کا حوالہ دیئے بغیر علامہ صاحب کی آخری تیس سالہ زندگی کی کامل تاریخ صحیح انداز میں مرتب نہیں کی جاسکتی۔ پہلے پندرہ سال تو رانا صاحب بڑی سرعت رفتاری سے علامہ صاحب کے قدم بقدم چلتے رہے۔ پھر دھیرے دھیرے رفتار کم ہوتی گئی۔ مسجد و مدرسہ کے قیام کے سلسلے میں علامہ صاحب پہلے پہل رانا صاحب ہی کے گھر پر مجلس مشاورت کیا کرتے تھے۔ پرجوش سیاسی کارکن بھی رہے، رانا تنویر الحسن ایم این اے سے ان کی عزیز داری بھی ہے۔ علامہ صاحب کی وجہ سے انہوں نے

میرے ماموں مرحوم حافظ سعید احمد شاہ سے بھی خوشگوار تعلقات استوار کر رکھے تھے۔ رانا صاحب کے سینے میں علامہ صاحب کی بہت سی روحانی امانتیں محفوظ ہیں۔

علامہ صاحب کی زندگی کے آخری چوتھائی کے ماہ و سال پر نظر دوڑائیں تو ہمیں ان کے قافلہ عزیمت میں سب سے بھاری بھرکم شخصیت جو نمایاں طور پر اپنے وجود ذی شان کا اظہار کرتے ہوئے ملے گی۔ وہ کرنل محمد سلیم لالی کے نام نامی سے پہچانی جاتی ہے۔ کرنل صاحب کا سفر رفاقت تقریباً پچیس سال پر محیط ہے، کرنل صاحب ہر اہم موڑ پر مشکل کی گھڑی میں ہر نازک وقت میں علامہ صاحب کے شانہ بشانہ نظر آئے۔ تعمیر کا مسئلہ ہو کوئی تنازع کھڑا ہو گیا ہے، سرمایہ کا حصول ہو سب کے تدارک اور دفاع میں کرنل صاحب ہی پیش پیش رہے صرف یہی نہیں بلکہ خدمت گزاری میں بھی سرِ فہرست تھے۔ کرنل صاحب کو ان کے ہر ملنے والے نے ملنسار اور غمگسار پایا۔ یہ پہلے ڈی ایچ اے فیز II میں رہا کرتے تھے۔ بعد ازاں فیز 6 میں اپنی نئی تعمیر کردہ کوٹھی میں منتقل ہو گئے۔ ایک دفعہ علامہ صاحب نے ان کے فیز II والے مکان میں بھی چند روز کے لیے تبرک کے طور پر قیام کیا تھا۔ مجھے علم ہوا تو میں وہاں ان کی مزاج پرسی کے لیے گیا تھا۔ کرنل صاحب جب اپنی نئی کوٹھی میں آ گئے تو علامہ صاحب اپنے معاون کے ہمراہ تین چار سال پاکستان میں قیام کے دنوں میں یہاں مقیم رہے۔ ان کے قیام کے لیے بیسمنٹ مخصوص کر دی گئی تھی۔ وہاں بیڈ روم کے علاوہ ایک وسیع لاؤنج تھا۔ جو علامہ صاحب سے ملاقات کے لیے آنے والے اصحاب کے لیے بہترین نشست گاہ تھی۔ آخری دو سال علامہ صاحب اپنی علالت و نقاہت کے باعث یہاں قیام نہ کر سکے، جامعہ اشرفیہ کے مہتمم و شیخ الحدیث مولانا فضل الرحیم صاحب نے علامہ صاحب کی پاکستان آمد سے پہلے ہی ان کی رہائش کا بندوبست کر رکھا تھا۔ علامہ صاحب ہر سال پاکستان آمد پر جامعہ اشرفیہ میں باقاعدہ درس مؤطا اور آخری سالوں میں درس بخاری بھی دیا کرتے تھے۔ یوں ان کو یہاں درس دینے میں بھی آسانی ہو گئی۔ کرنل صاحب ہمیشہ ائر پورٹ پر علامہ صاحب کا استقبال کرنے اور الوداع کہنے جایا کرتے تھے۔ لیکن ۲۰۱۳ء میں چند ناگزیر وجوہ کی بناء پر وہ ائر پورٹ خیر مقدم کے لیے نہ سا سکے۔ جس کا انہیں شدید رنج تھا۔ آخری مرتبہ پاکستان سے برطانیہ جانے کے لیے علامہ صاحب جامعہ اشرفیہ سے ائر پورٹ کے لیے روانہ ہوئے تو پہلے کرنل صاحب کے گھر تشریف لے گئے، تقریباً ایک گھنٹہ وہاں ٹھہرے رہے، میں بھی اطلاع کے مطابق کرنل صاحب کے گھر پہنچ گیا تھا، ائر پورٹ روانگی کے لیے علامہ صاحب کرنل صاحب کے گھر سے نکلے تو فوراً ہی دوبارہ اندر چلے گئے، اس کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ علامہ صاحب کو رخصت کرنے کے لیے آنے والے احباب گیٹ کے باہر کھڑے انتظار کر رہے تھے، لیکن مجھے بیٹھنے کے لیے خصوصی طور پر کرسی مہیا کر دی گئی، جب تقریباً دس منٹ بیت گئے تو میں صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے گیٹ کے اندر داخل ہوا، لیکن اسی لمحے علامہ صاحب بھی کرنل صاحب کے ساتھ باہر آ گئے، مجھے گیٹ کے قریب کھڑا دیکھ کر علامہ صاحب پریشان ہو گئے اور گھبرائی ہوئی آواز میں مجھ سے مخاطب ہوئے کہ کیا تم اس وقت سے ادھر ہی کھڑے ہو؟ میں نے کہا نہیں حضرت میں باہر بیٹھا ہوا تھا۔ ابھی اندر آیا ہوں، علامہ صاحب میرا

جواب سن کر قدرے مطمئن ہوگئے، علامہ صاحب کے سوال اور کیفیت سے میری طبیعت بھی بھر آئی، آنسو چھلکتے چھلکتے رہ گئے، بڑی مشکل سے میں نے اپنے آپ کو قابو کیا۔ بعدازاں میں وہیں علامہ صاحب سے بغل گیر ہوا اور اللہ حافظ کہتے ہوئے گھر چلا آیا اور علامہ صاحب اپنے احباب کے ہمراہ ائرپورٹ کو چل دیئے، یہ میری ان سے آخری ملاقات تھی۔

۱۰ر جنوری ۲۰۱۱ء کو راقم الحروف اپنے خاندان کے ہمراہ مستقل طور پر ساہیوال سے لاہور چلا آیا اور یہاں ڈی ایچ اے فیز ۸ر میں مستقر ہوگیا۔ کچھ عرصہ قبل میں نے علامہ صاحب سے اپنے لاہور منتقل ہونے کے ارادے کا اشارتاً ذکر کیا لیکن میری بات کو درخور اعتناء نہ سمجھا گیا۔ علامہ صاحب کے پاس حاضر ہو کر جب میں نے اپنی آمد سے انہیں آگاہ کیا تو وہ اتنا خوش ہوئے کہ ان کی خوشی دیکھی نہیں جارہی تھی۔ وہ بار بار اپنی مسرت کا اظہار کرتے رہے۔ اگلے روز ہی مجھے نئے مکان کی مبارکباد دینے وہ میرے گھر تشریف لے آئے، خلاف معمول وہ اپنے ہمراہ مٹھائی بھی لیتے آئے، ان کا چہرہ اب بھی بشاشت سے دمک رہا تھا، میں اور میرے دونوں بیٹوں سید نبیل حسین اور سید علی حسن نے علامہ صاحب کا پُرجوش استقبال کیا، آتے ہی سب سے پہلے علامہ صاحب نے اپنی نیک خواہشات سے ہمیں نوازا اور ہاتھ اُٹھا کر ہمارے لئے دعا مانگی اور کہا میرا یہاں فوری طور پر آنا تبرکاً و تیمناً تھا اور آپ لوگوں کے لیے خصوصی دعا کرنا مقصود تھا تا کہ آپ لوگ نئے گھر میں شیطان کے شر سے محفوظ اور اللہ کے حصار میں رہتے ہوئے زندگی بسر کریں۔

علامہ صاحب تقریباً تین چار گھنٹے ہمارے ہاں ٹھہرنے کے بعد واپس چلے گئے۔ علامہ صاحب میرے بیٹوں سے بھی بہت مانوس تھے اور ہمیشہ ان پر خصوصی توجہ اور شفقت فرمایا کرتے تھے وہ بھی علامہ صاحب کی صحبت میں رہ کر بڑی راحت محسوس کیا کرتے تھے، بعدازاں علامہ صاحب کا یہاں بھی میرے ہاں آمدورفت کا لامتناہی سلسلہ چل پڑا جو زندگی بھر پھر جاری وساری رہا۔ جناب ظہیرالدین بابر ایڈووکیٹ کا شمار علامہ صاحب کے مخلص اور دیرینہ مصاحبین میں سے ہوتا تھا۔ وہ زمانہ طالب علمی میں جمعیت طلبہ اسلام کے سرگرم کارکن اور بڑے رہنماؤں میں سے تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد وکالت شروع کردی اور ساتھ ہی ساتھ سیاست میں بھی اپنا کردار ادا کرتے رہے، بعدازاں رئیل اسٹیٹ کے کاروبار سے منسلک ہوگئے، علامہ صاحب کے پاس ان کا آنا جانا رہتا تھا۔ دومرتبہ میں بھی علامہ صاحب کے ہمراہ ان کے جائے قرار پر گیا تھا۔ انہوں نے ہماری خوب آؤ بھگت کی تھی تقریباً چار سال قبل جب انہوں نے سٹار ایشیائی وی چینل خریدا تو علامہ صاحب کو اپنے دفتر آنے کی دعوت دی جہاں انہوں نے دعائیہ تقریب کا اہتمام کررکھا تھا ان کا مقصد صرف علامہ صاحب کی ذات بابرکت سے فیوض وبرکات حاصل کرنا تھا۔ تقریباً تین سال قبل بھارت میں ایک نازک سرجیکل آپریشن کے بعد وہیں انتقال کرگئے۔

علامہ صاحب سے قربت رکھنے والی ایک شخصیت ڈاکٹر فرحان سبحانی کی تھی۔ علامہ صاحب کبھی کبھار چھوٹی موٹی بیماری کے علاج کے سلسلے میں انہیں سے رجوع کیا کرتے تھے۔ یہ بھی گاہے بگاہے علامہ صاحب سے ملاقات کے لیے آجایا کرتے تھے،

دو ایک بار انہوں نے سالانہ جلسہ میں بھی شرکت کی تھی۔ڈاکٹر صاحب کے والد محترم جناب شیخ طریقت سید انور حسین شاہ زیدیؒ نفیس رقم سے نہایت قریبی مراسم تھے اور ان ہی کی وساطت سے علامہ صاحب تک پہنچے تھے۔ایک دفعہ علامہ صاحب ان کے ساتھ ان کی گاڑی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ سے میرے گھر تک آئے۔میں بھی ہمراہ تھا،مغرب کی نماز باجماعت میرے گھر میں ادا کرنے کے بعد علامہ صاحب کچھ دیر کے رہے ان ہی کی خواہش پر میرے ہاں چھوڑ کر پھر رخصت ہو گئے۔

نوے کی دہائی میں ہونے والے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے جناب رانا خالد محمود صاحب کا کہنا تھا کہ علامہ صاحب ان دنوں آسٹریلیا مسجد بھی اکثر جایا کرتے تھے،وہاں اطہر نامی شخصیت سے علامہ صاحب بہت ملا کرتے تھے،درپیش مسائل حل کرنے میں وہ خصوصی معاون رہے،غالباً اب انتقال کر چکے ہیں،رانا صاحب کا یہ بھی کہنا تھا کہ علامہ صاحب جب بھی پاکستان آتے تو کم از کم ایک بار تو ضرور شیرانوالہ گیٹ تشریف لے جاتے،اپنے قیام کے دوران ایک جمعہ بھی وہاں لازمی پڑھا کرتے تھے۔

ایک سال جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سالانہ جلسہ ولایت کے روز باہر سے آنے والے مہمانوں کے لیے خورد ونوش کا یوں بندوبست کیا گیا تھا کہ مسجد کے ہال کے عقبی جانب ایک دکان ملحق تھی جس کا ایک راستہ اندر کی طرف بھی کھلتا تھا،اس میں باری باری چار پانچ مہمانوں کو ٹولیوں کی شکل میں لے جا کر دورانِ جلسہ ہی تواضع کی جاتی رہی۔اِسی جلسہ میں اپنے خطاب کے دوران یا بعد از خطاب یہ انکشاف کیا تھا کہ مجھے القا ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اپنی آمد کے بعد ساری دنیا میں گھومیں گے،جب لاہور کے علاقے میں اپنا ورود مسعود فرمائیں گے تو اس کمرے میں بھی جہاں اب مہمانوں کو کھانا کھلایا گیا ہے،قیام فرمائیں گے۔

علامہ صاحب اپنے مصاحبین کو اکثر یہ ہدایت دیا کرتے تھے کہ انہیں اگر کبھی کوئی علمی مسئلہ سمجھنے کی ضرورت درپیش آئے تو اس کے لیے ہمیشہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری حاشیے کا مطالعہ کرنے کی کوشش کیا کرنا۔اگر کسی مسئلے میں علامہ صاحب کو بھی اشکال ہوتا تو وہ بھی اس کی تصدیق کے لیے اسی تفسیر سے رجوع فرماتے اور اسی کا حوالہ دیا کرتے۔

بعض اوقات علامہ صاحب کی نکسیر پھوٹ پڑتی تو علامہ صاحب خود بھی بہت پریشان ہو جاتے اور ان کے گرد موجود احباب بھی علامہ صاحب کی یہ کیفیت دیکھ کر مضطرب ہو جاتے تھے۔اس کا علاج تو کروایا جاتا،مگر یہ سلسلہ پھر بھی کئی روز تک جاری رہتا،کافی عرصہ بعد معلوم ہوا کہ یہ عارضہ تو علامہ صاحب کو بچپن ہی سے لاحق تھا اور موروثی طور پر ودیعت کرتا چلا آرہا ہے،اب ان کے بڑے صاحبزادے طارق محمود بھی اس تکلیف کا شکار ہیں۔

۲۰۱۳ء کی بات ہے کہ علامہ صاحب میرے ہاں تشریف فرما تھے۔علامہ صاحب اکثر میرے ہاں چلے آیا کرتے تھے، ان کا پھر سارا دن میرے ہاں گزرتا تھا،گھر کے باہر لان میں کرسی پر بیٹھ کر دھوپ سینکا کرتے تھے۔ان دنوں فیز 8 میں صرف ایک ہی مسجد تھی جو ڈی بلاک میں واقع تھی اور مولانا سعید عالم ربانی خطیب امام تھے۔اب تو دو مسجدیں اور بھی تعمیر ہو گئی ہیں۔ایک دن

عصر کی نماز پڑھنے کے لیے میں اور علامہ صاحب مذکورہ مسجد میں چلے گئے ۔ علامہ صاحب اپنی علالت کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ لیکن قیام ہر حال میں کھڑے ہو کر کرتے ،صورتِ حال کے مطابق سجدہ کبھی کرسی پر بیٹھ کر اور کبھی زمینی فرش پر کرلیا کرتے تھے۔ نماز با جماعت پڑھنے کے لیے کرسی علامہ صاحب کے پاؤں کے پیچھے رکھ دی گئی۔ علامہ صاحب صف بندی ہونے کے بعد قیام کے لیے کھڑے ہو گئے ،نماز شروع ہو گئی ، ایک اجنبی نمازی آیا۔ اور اس نے علامہ صاحب کی کرسی آہستہ سے اٹھا کر پچھلی صف میں رکھ دی۔ کسی کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ علامہ صاحب رکوع کے لیے جب کرسی پر بیٹھنے لگے تو نیچے مصلے پر گر پڑے۔ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا اور اپنی نماز مکمل کی۔

امام سمیت سب نمازیوں کو علامہ صاحب کے گرنے کا علم ہو چکا تھا، سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہو کر علامہ صاحب نمازیوں سے گویا ہوئے کہ وہ تو جاہل تھا، اس کو مسئلے کا علم نہیں تھا۔ آپ حضرات کو تو معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص کھڑے ہو کر قیام کرنے پر قادر ہو۔ اس کو قیام کھڑے ہو کر ہی کرنا ہے اور جو شخص زمینی فرش پر سجدہ کرنے پر قادر ہو اس کو زمین پر ہی سجدہ ریز ہونا ہے۔ وگرنہ اسکی نماز باطل ہو گئی۔ وہ شخص جس نے کرسی اٹھانے کی حرکت کی تھی شکل سے پٹھان معلوم ہوتا تھا اور مسجد میں نو وارد تھا۔ جب اس کو حقیقت کا علم ہوا تو معذرت کرتے ہوئے فوراً ہی وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔ اسی طرح کا واقعہ اگلے سال پھر پیش آ گیا۔ اس واقعہ میں بھی علامہ صاحب میرے ہمراہ اسی مسجد میں ظہر کی نماز کے لیے آئے تھے۔ صف بندی کے بعد نماز شروع ہو گئی۔ علامہ صاحب کے بیٹھنے کے لیے کرسی ان کے عقب میں تھی۔ لیکن میں نے قدرے توقف کیا کہ صورت حال سے جب میں پوری طرح مطمئن ہو جاؤں گا۔ تو پھر شریکِ نماز ہوں گا۔ اسی اثناء میں ایک صاحب جو اتفاق سے میرے ہمسائے تھے۔ نہایت شریف النفس انسان ہیں۔ آتے ہی انہوں نے وہاں سے کرسی اٹھانے کی کوشش کی ۔ میں نے فوری طور پر انہیں اشارے سے منع کیا اور اشارے ہی سے سمجھایا کہ یہ ان کے بیٹھنے کے لیے ہے۔ میری بات ان کی سمجھ میں آ گئی ، جب میری تسلی ہو گئی تو شریکِ نماز ہو گیا نماز کے بعد ان صاحب نے اپنی غلطی پر متعدد بار معذرت کی۔

مولانا عالم سعید صاحب کو جب علم ہوا کہ علامہ صاحب میرے ہاں تشریف فرما ہیں۔ تو دو مرتبہ مختلف ایام میں علامہ صاحب کی ملاقات کو آتے رہے ، پہلی بار میں نے علامہ صاحب سے انکا تعارف کروایا ، کہ انہیں علم نحو میں خوب دسترس حاصل ہے۔ بڑے بڑے علماء بھی مشکل میں ان سے رجوع کرتے ہیں ، علامہ صاحب کافی دیر تک ان سے محو گفتگو رہے ، ایک بار علامہ صاحب نے مولوی عالم سعید صاحب کے بارے میں پوچھا اور کہا انہیں بلاؤ میں نے کہا حضرت ، ان کا اس مسجد سے تبادلہ ہو گیا ہے۔ اس وقت وہ یہاں سے دور ایک مسجد میں تعینات ہیں وہ اتنی جلدی نہیں آ سکتے۔ علامہ صاحب اس پر خاموش ہو گئے ، مولانا عالم سعید صاحب بڑے محنتی انسان تھے ، انہوں نے ایم اے عربی کرنے کے بعد ایم فل ڈگری بھی حاصل کر لی اور ساتھ ہی ساتھ بی ایڈ بھی کرلیا۔ ڈی ایچ اے سے فراغت کے بعد آج کل اپنے علاقے سوات میں محکمہ تعلیم میں بطور عربی مدرس فرائض انجام

دے رہے ہیں۔علامہ صاحب کے بڑے مداح اور گرویدہ ہیں۔میں نے علامہ صاحب کی بہت سی کتب بھی ان کو فراہم کی تھیں۔

ایک دفعہ میں نے مولانا محمد امین صفدر اوکاڑی کی تصانیف کا پورا سیٹ جناب حافظ عبد الغفور صاحب کی وساطت سے خریدا۔ علامہ صاحب کو علم ہوا تو وہ بہت خوش ہوئے اور کہا بڑی اچھی بات ہے۔مولانا اوکاڑوی صاحب میرے ساتھی رہے ہیں، پھر آہستہ سے بولے کہ میرا یہ یقین کامل ہے کہ آپ کو اور صرف آپ کو علم کا فیض صرف میری کتب ہی سے حاصل ہوگا۔ میں نے کہا بہت اچھا حضرت! آپ کی نصف سے زائد کتب کا مطالعہ کر چکا ہوں اور باقی آہستہ آہستہ پڑھ رہا ہوں۔ میں تو آپ کی خدمت میں حاضر ہی اسی لئے ہوں کہ آپ کا دستِ شفقت میرے سر پر سدا یونہی رہے اور میں بھی آپ کے دامن علم وعرفان سے کچھ پالوں۔

ایک مرتبہ علامہ صاحب نے اپنے قریبی احباب کو نماز جمعہ جامع مسجد ختم نبوت کلاں میں ادا کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ میں بھی علامہ صاحب کو اپنے ہمراہ لیکر وہاں پہنچ گیا۔علامہ صاحب کی تقریر دلپذیر سورۃ والضحیٰ پہ تھی۔ بیان قدرے دھیمی آواز میں تھا مگر انداز بڑا دلکش تھا، خطاب بڑا ہی معلوماتی اور فکر انگیز تھا جس کا لب لباب اور ماحصل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے محبوب سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرالی شان کا اپنے کلام پاک میں اس سے بہتر کہیں تذکرہ نہیں کیا اس سورۃ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ عظمیٰ کا اظہار بدرجہ اتم ہے۔

ایک دن میں علامہ صاحب کے ہاں ان کے گھر سنت نگر گیا دیکھا کہ حضرت بڑے ہی مضطرب بیٹھے ہیں۔ میں ان کی کیفیت دیکھ کر خاموش رہا۔ کچھ توقف کے بعد حضرت خود ہی گویا ہوئے کہ مسلمانوں کے باہمی افتراق نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ دنیا میں ہم خوار ہو رہے ہیں، پستی ہمارا مقدر بن چکی ہے۔کوئی ہمارا پرسان حال نہیں کوئی ہمیں سمجھانے والا نہیں کوئی کسی کی بات سننے کو تیار نہیں، سمجھ نہیں آتا کہ کیا کیا جائے؟ علامہ صاحب یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔تھوڑی دیر بعد پھر بولے کہ مسلمانوں میں سب سے پہلا تفرقہ شیعہ حضرات نے ڈالا ہے۔کوئی جا کر ان سے پوچھے کہ بھلا ہم دونوں فرقوں کے موجودہ پیروکاروں کا کیا قصور ہے کہ ہم باہم دست وگریبان ہیں۔ جھگڑا جو تھا وہ تو چودہ سو سال پہلے تھا جو ان حضرات کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا۔آج ہم کیوں ایک دوسرے کو لہولہان کر رہے ہیں۔ آج کیوں ایک دوسرے پر اسلحہ تانے کھڑے ہیں؟ وہ جرم ہم نے تو نہیں کئے وہ فسادات ہمارے ایماء پر تو نہیں ہوئے تھے۔ پھر ہمارے مابین جھگڑا کس بات کا۔ آؤ آج ہم صلح وآتشی کا جھنڈا بلند کرتے ہیں اور باہم شیر وشکر ہو کر رہنے کا اعلان کرتے ہیں۔ محبت ویگانگت کا سفر پھر سے شروع کرتے ہیں۔ہم میں سے جو ایسی جرأت کرے ہم میں سے جو ایسا قدم اٹھائے، یہ کہنے کے بعد علامہ صاحب نے پھر خاموشی اختیار کر لی کچھ توقف کے بعد علامہ صاحب نے اپنی توجہ پھر دیگر امور پر مرکوز کر دی۔

ایک دن علامہ صاحب فرمانے لگے کہ میں نے اپنے اس مکان دیو سماج روڈ سنت نگر کا بالائی حصہ اور ایک فرشی کمرہ محض

اس لئے کرایہ پر دے رکھا ہے کہ مکان کی حفاظت رہے۔ مکان آباد اور کھلا رہنے سے ہی محفوظ رہتا ہے۔ میں تو سال کا دو تہائی عرصہ برطانیہ میں گزارتا ہوں۔ اگر مکان کرایہ پر نہ دوں تو مقفل ہونے کی صورت میں یہ ٹوٹ پھوٹ اور دیمک کا شکار ہو جائے گا۔ دیکھیں! ٹوبہ ٹیک سنگھ کا یہ رہائشی محمد سرور پچھلے پچاس برس سے میرے مکان کے جنوب مغربی کمرہ میں مجردانہ زندگی گزار رہا ہے۔ میں نے کبھی اسے پوچھا تک نہیں کبھی اس کو ناجائز تکلیف نہیں دی بلکہ میں تو اس کی معاونت بھی کرتا رہتا ہوں۔ یہ تھی علامہ صاحب کے وسعت قلبی کی اعلیٰ مثال اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا ایک ادنی سا نمونہ۔

علامہ صاحب نے اپنی زندگی کے آخری سالوں میں ڈی ایچ اے فیز 6 میں ایک کنال قطعہ اراضی پر جناب چوہدری احسن بشیر صاحب اور جناب کرنل محمد سلیم کی معاونت اور نگرانی میں مکان تعمیر کروایا تھا۔ اس وقت یہ مکان کرائے پر اور کرنل صاحب کی نگرانی میں ہے۔ ایک دن فقیہہ العصر محدث کبیر علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کا ذکر خیر ہو رہا تھا۔ میں نے کہا کہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور شیخ وقت حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ کے مابین گہرے تعلقات تھے۔ علامہ صاحب مجھ سے پوچھنے لگے ان کے درمیان رابطہ کیسے ہوا تھا؟ میں نے جواباً عرض کیا کہ میرے نانا محترم مولانا سید عبد العزیز جالندھریؒ بتایا کرتے تھے کہ میاں شرقپوریؒ کی عادت شریفہ تھی کہ مہینے میں ایک رات لاہور گزارا کرتے تھے اور نماز فجر با جماعت ہر مرتبہ مختلف مسجد میں ادا کیا کرتے تھے۔ ایک دن ایسے ہی شیرانوالہ گیٹ چلے آئے۔ حضرت لاہوری یہاں نماز فجر کے بعد ہمیشہ درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔ میاں صاحب نے بھی درس میں شرکت فرمائی۔ وہ درس سن کر بہت متاثر اور خوش ہوئے، درس کے بعد میاں صاحب حضرت لاہوریؒ سے ملنے ان کے پاس چلے آئے۔ میاں صاحب بھی آسمان تصوف کا ایک چمکتا ستارہ تھے اور اس وقت وہ شہرت کے بام عروج پہ تھے۔ ایک دوسرے سے تعارف کیا ہوا ان کے دل ہی مل گئے۔ یوں ان کا ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا ہو گیا۔ میاں صاحب کے اصرار پر حضرت لاہوریؒ نے شرقپور شریف میاں صاحب کی مسجد میں دو مرتبہ جمعہ بھی پڑھایا تھا۔ میاں شیر محمد شرقپوری صاحبؒ کی شدید خواہش تھی کہ ان کی زندگی میں کسی طریقے علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ سے ان کی ملاقات ہو جائے۔ حضرت لاہوری میاں صاحبؒ سے معہد ہوئے کہ علامہ کشمیری جب بھی لاہور تشریف لائے میں ضرور آپ کی ان سے ملاقات کروانے کی کوشش کروں گا۔ جب علامہ کشمیری کا لاہور میں ورود مسعود ہوا تو حضرت لاہوریؒ علامہ کشمیری کو شرقپور میاں صاحب سے ملوانے لے گئے تھے، لاہور کے اس سفر میں علامہ انور شاہ کشمیری کی علامہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب سے بھی ان کی شدید خواہش پر ملاقات ہوئی تھی، اگر چہ علامہ کشمیری بھی ڈاکٹر اقبال سے ملنے کے متمنی تھے، گفتگو کی اس نشست میں حضرت لاہوری بھی موجود تھے۔ اس ملاقات کے بہت چرچے ہوئے جو شہ سرخیوں کے ساتھ اخبارات کی زینت بھی بنے۔ بات طویل ہوتی گئی۔ میں نے ڈاکٹر علامہ اقبال کے علمائے اہل سنت دیوبند کے ساتھ روابط وابستگی اور عقیدت کا ذکر کرتے ہوئے بات کو آگے بڑھایا اور کہا علامہ اقبال کا حضرت لاہوری سے کافی میل ملاپ رہا۔ علامہ اقبال انجمن حمایت اسلام لاہور کے صدر اور حضرت لاہوری نائب صدر رہے۔

انجمن کی مجالس میں ان کی اکثر بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ میں نے بتایا کہ علامہ اقبال مولانا سید سلیمان ندویؒ کے بڑے مداح اور قدر دان تھے۔ علامہ اقبال کے خطوط جو منظر عام پر آئے ہیں وہ ''مکاتیب اقبال'' کے نام سے کتابی شکل میں چھپ چکے ہیں ان میں ستر خطوط صرف سید سلیمان ندوی کے نام ہیں۔ علامہ اقبال سید سلیمان ندوی کو اپنے ایک مکتوب محررہ 28 اپریل 1918ء میں مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ استاذ الکل ہیں'' 4 ستمبر 1933ء کو لکھے گئے ایک خط میں علامہ اقبال یوں رقمطراز ہیں ''علوم اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی کے اور کون ہے'' ایک مرتبہ اپنے ایک اور مکتوب میں سید سلیمان ندوی سے یوں مخاطب ہیں '' آپ قلندر ہیں مگر قلندر جس کے متعلق اقبال یہ کہتا ہے'' آگے علامہ اقبال اپنی نظم قلندر تسوید کرتے ہیں۔ میری یہ گفتگو علامہ صاحب بڑی خاموشی، دلچسپی اور توجہ سے سن رہے تھے۔ جونہی میں نے ندوی صاحب کے بارے میں اقبال کے قیمتی آراء کا ذکر کیا۔ علامہ صاحب کے کان کھڑے ہو گئے مجھے کہنے لگے یہ باتیں جو میں نے ندوی صاحب کے بارے میں بتائی ہیں پھر سے دہراؤ۔ میں نے دوبارہ بیان کر دیں۔ علامہ صاحب کہنے لگے کہ آپ کے پاس مکاتیب اقبال ہے میں نے کہا میرے پاس تو نہیں لیکن میں مہیا کر سکتا ہوں۔ علامہ صاحب کہنے لگے مجھے جلدی یہ کتاب دکھاؤ حیرت ہو رہی ہے کہ مجھے آج تک ڈاکٹر اقبال کے ندوی صاحب کے بارے میں ایسے خوبصورت، قیمتی اور بے مثل ریمارکس کا علم نہ ہو سکا۔ اگر مجھے اقبال کے موتیوں جیسے نادر خیالات کا علم ہوتا تو میں یقیناً اپنی تصانیف میں اس کی تشہیر کرتا۔ میں نے اگلے روز ہی مذکورہ کتاب حاصل کر لی اور اسے لیکر علامہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ علامہ صاحب وہ خطوط غور سے دیکھتے رہے، جن کا میں نے حوالہ دیا تھا۔ علامہ صاحب نے اسی وقت مذکورہ خطوط کی فوٹو کاپی کروا کر اپنے پاس رکھ لیں اور کتاب مجھے واپس کر دی۔ علامہ صاحب کئی دنوں تک اسی سوچ میں رہے کہ کس طرح ان خطوط کی تشہیر کی جائے کہ ڈاکٹر اقبال کے یہ غیر معمولی اور زریں اقوال عوام وخواص تک پہنچ جائیں۔ علامہ صاحب کے خیال کے مطابق ان خطوط کا پورے کا پورا متن شائع کروانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو علامہ صاحب برطانیہ واپس جاتے وقت ان مکتوبات کی فوٹو کاپی اپنے ہمراہ لے گئے۔ غالباً انہوں نے اپنی کسی تصنیف کی دوبارہ اشاعت میں ان مکتوب کا ذکر کر دیا تھا۔

مرزائیت، رافضیت اور ناصبیت علامہ صاحب کے خاص موضوعات تھے۔ ان مذاہب کی حقیقت کو آشکار کرنا اور ان کی اسلام دشمنی کا پردہ چاک کرنا ان کے عقائد باطلہ کا رد کرنا ان مذاہب کے مکروہ چہروں سے نقاب اتارنا ہی علامہ صاحب کا مشن تھا۔ اسی طرح الحاد وزندقہ کی یلغار کو روکنے کے لیے میدان جہاد میں علم وبرہان کی شمشیر سُنان کے ساتھ برسرِ پیکار رہنا ہی ان کا مقصدِ حیات تھا۔ دفاع ناموس صحابہ، مقام اہلِ بیت اور عصمت ازواج مطہرات کے لیے بھی وہ ہمیشہ سربکف رہے۔ اپنے مقاصد کو پانے کے لیے علامہ صاحب نے دن رات ایک کر رکھا تھا۔ اس سلسلے میں جدھر سے بھی کوئی دعوت آئی ان کو وہاں شرکت کے لیے مستعد پایا۔ ان کی زبان سے یہ الفاظ کبھی نہیں نکلے کہ: ''نہیں میں نہیں جا سکتا۔'' یا ''اس وقت نہیں، پھر کبھی سہی۔'' ان کو اپنے مد

مقابل سے کبھی کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا بلکہ علامہ صاحب کے دلائل کے وار کو روکنے اور برداشت کرنے کے لیے کسی مدِ مقابل میں اتنا دم خم نہیں ہوتا تھا۔علامہ صاحب کے فدائین علامہ صاحب کی علالت، نقاہت اور پیرانہ سالی کے پیش نظر ان کو ہمیشہ سفر نہ کرنے کی درخواست کیا کرتے تھے۔لیکن اپنے سفر کو ہر حال میں جاری رکھنے میں وہ اس قدر پختہ عزم تھے کہ کہا کرتے تھے میرے جو قدم اُٹھ چکے ہیں اب وہ رک نہیں سکتے ان کا اس سلسلے میں یوں بھی کہنا تھا۔

کام اپنا ہے صبح و شام چلنا
چلنا چلنا دوام چلنا
اس راہ میں مقام بے محل ہے
پوشیدہ قرار میں اجل ہے

مشاہدہ ہے کہ علامہ صاحب کے زندگی میں کبھی ٹھہراؤ نہیں تھا۔علامہ صاحب کا سفر حیات مسلسل اور محنت شاقہ کے بل بوتے پر جاری وساری رہا۔ 2017ء میں علامہ صاحب کا ہانگ کانگ کا سفر ان کی لگن اور جہد کی ایک عمدہ مثال ہے۔مولانا الیاس صاحب کی دعوت پر چیکے سے پاکستان سے جانا ہوا تھا اور تین روز کے اندر اندر وہاں سے واپسی بھی ہوگئی تھی۔ غالباً اسی سفر سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد علامہ صاحب سخت علیل ہوگئے تھے۔نیشنل ہسپتال ڈیفنس میں معالجے کے لیے فوری طور پر ان کو داخل ہونا پڑا تھا۔ تیمارداری اور بیمار پرسی کے لیے میرا بھی وہاں مسلسل جانا ہوتا رہا۔تقریباً چار دن زیرِ علاج رہے۔وہاں علامہ صاحب کے داماد ڈاکٹر عبدالقیوم صاحب سے پہلی بار ملاقات ہوئی تھی وہ آتے رہے مگر خاموش بیٹھے رہتے،ایک دن کرنل سلیم لالی صاحب نے ان کی خاموشی کو ختم کرنے کے لیے ان سے پوچھا کہ آپ کہاں ہوتے ہیں؟ انہوں نے کہا میو ہسپتال میں، پھر کرنل صاحب نے علامہ صاحب کی مرض کے بارے میں ان کی رائے معلوم کی تو کہنے لگے مجھے اس بارے میں زیادہ علم نہیں ہے کیونکہ یہ میرا شعبہ نہیں ہے، میں انستھیز سٹ ہوں، کرنل صاحب نے کہا ٹھیک، اس کے بعد ڈاکٹر کی طرف سے پھر خاموشی چھا گئی۔ڈاکٹر موصوف اب اپنی سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو چکے ہیں، ان دنوں انہوں نے اپنی خدمات کسی پرائیویٹ ہسپتال کو سونپ رکھی ہیں ان کا قیام اعوان ٹاؤن میں اپنے کسی عزیز کے ہاں ہے ان ہی کے صاحبزادے ڈاکٹر حافظ زین محمود احمد مانچسٹر میں اپنی ذہانت اور لیاقت کا لوہا منوا چکے ہیں، طب کی تعلیم کے دوران ہی انہوں نے قرآن پاک حفظ کیا تھا۔درسِ نظامی کی تکمیل علامہ صاحب سے کی۔تعلیم کے سلسلے میں علامہ صاحب نے ان پر خصوصی توجہ فرمائی تھی اور اپنی تربیت اور سرپرستی میں رکھا تھا۔علامہ صاحب کی زندگی کے آخری رمضان المبارک میں علامہ صاحب کے بدست حافظ زین صاحب کو دستار فضیلت عطا ہوئی تھی، حفظ قرآن ان کا بہت پختہ ہے، تراویح میں قرآن پاک سنانے کی سعادت مسلسل حاصل کررہے ہیں۔علامہ صاحب کے حقیقی جانشین کے طور پر ابھر کر جلوہ افروز ہونے کی کوشش میں ہیں۔

علامہ صاحب نے ۲۰۱۶ء کے رمضان المبارک میں عمرہ ادا کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ برطانیہ سے سیدھے سعودی عرب پہنچے تھے۔حسن اتفاق سے مفتی عزیز الحسن نے بھی اسی سال اپنے نانا شیخ الحدیث مولانا محمد صدیقؒ کے ہمراہ ان کے معاون کی حیثیت سے رمضان المبارک حرمین شریفین میں گزارا تھا۔ وہاں ان حضرات کو علامہ صاحب کی رفاقت بھی میسر آ گئی۔ وہیں مشرق و مغرب سے آنے والے اور وہاں کے مقیم علمائے ربانیین کا بھی علامہ صاحب سے ملاقاتوں کا سلسلہ رہا۔ وہ سبھی حضرات علامہ صاحب کی ذات بابرکات سے استفادہ کرتے رہے اور علامہ صاحب کے شجر علمی سے اپنی پیاس بجھاتے رہے، علامہ صاحب نے ایک بار پھر عمرہ ادا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، لیکن حالات سازگار نہ رہے یوں وہ عمرہ علامہ صاحب کی زندگی کا آخری عمرہ ٹھہرا۔

علامہ صاحب ہمیشہ سادہ لباس پہنا کرتے تھے۔ وہ صحیح معنوں میں ایک درویش صفت عالم تھے ان کو کبھی فاخرانہ لباس زیب تن کئے نہیں دیکھا گیا۔ ان کا کھانا بھی معمولی نوعیت کا ہوتا تھا وہ دنیاوی جاہ وجلال کے کبھی طلب گار نہ ہوئے۔ نہ اپنے آؤ بھگت کی آرزو کی، اعلی مقام کا حصول بھی کبھی ان کا مطمع نظر نہ رہا۔ خاص ہونے کے باوجود عام آدمی کی طرح زندگی گزار کر چلے گئے۔

کبھی کبھار علامہ صاحب شہر لاہور سے یوں مخاطب ہوتے تھے ؎

ذرے ذرے میں تیرے خوابیدہ ہیں شمس و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گہر
وطن تجھ میں کوئی فخر روزگار ایسا بھی ہے!
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے؟

علامہ صاحب کا لاہور سے دلی لگاؤ تھا، اس شہر سے بڑی چاہت تھی، یہاں بڑا سکون اور اطمینان محسوس کیا کرتے تھے، خود کہا کرتے تھے یہاں رہنے سے مجھے راحت ملتی ہے لیکن کیا کروں برطانیہ میں رہنا اب میری مجبوری ہے۔ قیام پاکستان کے بعد علامہ صاحب نے اپنے خاندان کے ہمراہ سیالکوٹ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ لیکن دل وہاں نہیں لگتا تھا، لاہور میں رہنے کا ارمان تھا۔ لاہور کی کشش پھر مفتی محمد حسن صاحب کی شفقت والفت ان کو اکثر اپنے پاس کھینچ لاتی تھی۔ یہاں آ کر کالجوں کی ادبی، ثقافتی اور مذہبی سرگرمیوں میں شرکت کیا کرتے تھے۔ شہر کی دیگر ثقافتی محفلوں اور مذہبی تنظیموں میں بھی آنا جانا شروع کر دیا تھا۔ مزید برآں قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ اور ایم اے او کالج میں جز وقتی مصروفیات کا آغاز بھی کر دیا تھا ہفت روزہ ''دعوت'' کی ادارت بھی سنبھال لی تھی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے علامہ صاحب کی اس خواہش کی تکمیل فرما دی اور وہ ۱۹۵۹ء میں لاہور اپنے خاندان کے ہمراہ چلے آئے۔ علامہ صاحب ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۶ء تک مرے کالج سیالکوٹ میں بحیثیت پروفیسر اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے،

دوران تدریس یہاں شمس العلماء مولوی میر حسن کو ملنے والی اعزازی چیئر آپ کے اعزاز کر دی گئی تھی۔ یہی عرصہ تھا جس کے دوران علامہ صاحب کو اپنے جوہر دکھانے کا خوب موقع ملا۔ آپ میدان خطابت کے ایک ایسے شہسوار بن کر نکلے جس نے نکلتے ہی ایسی ہلچل مچا دی کہ دیکھنے والے دیکھتے اور سننے والے سنتے رہ گئے۔ آپ کے پیراہن ودلائل کی خوشبو سیالکوٹ کی فضاء کو چیرتی ہوئی پاکستان کے کونے کونے تک پھیل گئی۔ ملک بھر میں آپ کے علم وفضل کا ڈنکا بجنے لگا، کم عمری میں ہی آپ کا شمار اکابر علماء وفضلاء کی صف میں ہونے لگا۔ خانیوال کالج میں علامہ صاحب کو وائس پرنسپل کے عہدے کی پیش کش ہوئی تو مفتی محمد حسن امرتسری کے مشورے سے ۱۹۶۲ء میں اپنے خاندان کے ہمراہ وہاں چلے گئے۔ ۱۹۶۴ء میں علامہ صاحب کو دوبارہ ایم اے او کالج میں پروفیسر کی آسامی پر منتخب کر لیا گیا تو لاہور کو اپنا مستقر بنا لیا۔ لاہور آنے کے بعد پہلا ایک سال جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور کے سٹاف کوارٹرز میں گزارا۔ وہیں استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ اور محدث العصر مولانا محمد ادریس کاندھلوی سے شرف تلمذ رہا۔ آپ مولانا کاندھلوی کے محبوب ہمسایہ بھی تھے اور مایہ ناز شاگرد بھی۔ اسی زمانے میں بعد نماز مغرب وعشاء آپ حضرت کاندھلوی صاحب سے باقاعدہ علم حدیث پڑھا کرتے تھے۔ وہاں رہ کر آپ نے تین بار بخاری کی کتب کی تکمیل فرمائی اور دستارِ فضیلت حاصل کی۔ آپ کو ایم اے او کالج کے عقب میں واقع سٹاف کالج کالونی میں ایک سال کے لیے مکان الاٹ ہو گیا تو وہاں منتقل ہو گئے۔ پھر ایک سال اسی علاقے میں کرائے کے ایک مکان میں بھی رہے۔ اسی دوران آپ کو مکان الاٹ ہو گیا۔ تو وہاں سے دیو سماج روڈ سنت نگر چلے آئے۔

ایم اے او کالج میں تدریس کے زمانے میں آپ سیکرٹریٹ کی جامع مسجد میں باقاعدگی کے ساتھ جمعہ بھی پڑھاتے رہے۔ علامہ صاحب نے بتایا کہ اسی مسجد میں شیخ وقت حضرت سید علاؤ الدین جیلانی سے میری ملاقات اور سلام دعا ہوتی رہتی تھی۔ وہ میرے پیچھے جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ 1966ء میں آپ ایم۔اے۔او کالج سے طویل رخصت بلا تنخواہ لے کر عازم برطانیہ ہو گئے۔ حصول علم کے علاوہ برطانیہ جانے کی اہم وجہ یہ بھی تھی کہ ان دنوں آپ کی طبیعت میں بہت ملال تھا۔ آپ کا دل اچاٹ رہنے لگا تھا۔ جب آپ اپنے اردگرد نظر دوڑاتے تو اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا تھا۔ آپ کی محبوب ترین شخصیات آپ کے والد محترم پیر محمد غنی استاذ مکرم مفتی محمد حسن، جان آرزو سید عطاء اللہ شاہ بخاری جان دل احمد علی لاہوری وغیرہم ایک ایک کر کے اللہ کو پیاری ہو گئی تھیں۔ آپ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے لگے تھے۔

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

(اقبال)

فراغت تعلیم کے بعد لاہور آ کر دوبارہ اپنے کار سابقہ پر چل پڑے لیکن ۱۹۶۹ء میں پھر اپنی جائے تدریس

ایم۔اے۔او کالج اور اپنے مادرِ وطن پاکستان کو خیر باد کہتے ہوئے برطانیہ جا آباد ہوئے۔

غالباً ۲۰۱۶ء میں جامعہ اشرفیہ لاہور کا سالانہ جلسہ عطائے دستارِ فضیلت تھا ان دنوں حضرت مولانا محمد عبید اللہ مہتمم جامعہ بقیدِ حیات تھے۔ یہ اجلاس ان ہی کی زیرِ صدارت منعقد ہونا تھا۔ علامہ صاحب اس اجلاس کے روحِ رواں اور مہمانِ خصوصی تھے۔ پاکستان کے نامور علماء کرام، فضلا عظام اور شیوخ الحدیث شریک جلسہ تھے۔ جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث مولانا صوفی محمد سرور صاحب بھی حیات تھے۔ لیکن سخت علیل تھے اس لئے جلوہ افروز نہ ہوسکے۔ مسجد جس کا وسیع وعریض آنگن جلسہ گاہ تھا۔ شرکاء کا ہجوم اس قدر تھا کہ صحن مسجد بھر چکا تھا اور مسجد کے ہال میں بھی تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ لوگ مسجد کے برآمدوں میں کھڑے نظارہ کررہے تھے۔ علامہ صاحب اس تقریب سعید میں میری شرکت کے خواہاں تھے، اس لئے انہوں نے مجھے پہلے ہی سے آگاہ کر دیا تھا کہ مجھے فلاں وقت کرنل لالی صاحب کے گھر سے نکلنا ہے، پھر آپ کو آپ کے گھر سے لیتے ہوئے جامعہ اشرفیہ پہنچنا ہے، بہرکیف ہم قبل از وقت جامعہ اشرفیہ پہنچ گئے۔ جلسہ کی کاروائی کا آغاز ہوگیا۔ سب سے آخر میں علامہ صاحب کو دعوت دی گئی۔ اسٹیج سیکرٹری (نقیب جلسہ) نے علامہ صاحب کے خطاب سے پہلے علامہ صاحب کی شان عالی کا ایسا سماں باندھا، ایسی منظر کشی کی، الفاظ کا وہ جادو جگایا جو واقعی سر چڑھ کر بولنے لگا۔ کہتے تھے ؎

میں اس کا نام نہ لوں پھر بھی لوگ پہچانیں
کہ آپ اپنا تعارف، ہَوا بہار کی ہے

وہ صاحب علامہ صاحب کو ان القابات سے پکارتا رہا۔ ان خطابات سے نوازتا رہا۔ جن کے واقعی وہ مستحق تھے جن سے وہ باصفا تھے، اور صحیح معنوں میں اسم بامسمیٰ تھے۔ اس کو سن کر مزا آ گیا، دل باغ باغ ہوگیا۔ علامہ صاحب کا خطاب بھی اپنے جوبن پہ تھا۔ لوگ عش عش کررہے تھے، خوب داد دی جا رہی تھی۔ مجمع ہمہ تن گوش تھا۔ امام ابو یوسفؒ اور امام مالکؒ کا تعلق حدیث وفقہ میں ان کا مقام اور خدمات، امام ابو یوسف کا اپنے استاذ امام مالک کا ادب واحترام اور ساتھ ہی ساتھ علمی تنقید کا جائزہ علامہ صاحب کی تقریر دلپذیر کا موضوع تھا۔ اپنے موضوع خطاب پر علامہ صاحب نے سیر حاصل روشنی ڈالی۔ سن کر جلسہ میں حاضر علماء کرام بھی واہ واہ کر اٹھے اور علامہ صاحب کی وسعت اور رفعت علمی پر تحسین کی آوازیں آنے لگیں۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے صاحبزادے جامعہ پنجاب کے پروفیسر جناب ڈاکٹر سعد صدیقی کہنے لگے کہ علامہ صاحب نے آج ہمیں ایک موضوع دے دیا ہے۔ اب اس پر تحقیقات شروع ہوں گی۔ مقالے لکھے جائیں گے، پی ایچ ڈی کے لیے نئے عنوانات بنیں گے۔ علامہ صاحب کے خطاب کے لیے کرسی کا انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن علامہ صاحب نے وہ کرسی وہاں سے اٹھوا دی۔ علالت، نقاہت اور پیرانہ سالی کے باوجود کھڑے ہو کر بغیر کسی سہارے کے انہوں نے خطاب فرمایا۔ یہ تھا ان کا جذبہ ایمانی یہ تھی ان کی علم سے محبت۔

خیال اغلب ہے کہ یہ ۲۰۱۵ء کی بات ہے کہ علامہ صاحب کی زیرِ صدارت ایک مجلس میں باہمی مشاورت سے یہ طے پایا

کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی عمارت سے ملحق مکان خرید کر مدرسہ کی مکانیت کو وسعت دی جائے تا کہ طلبہ کے لیے مزید آسانی پیدا ہوجائے۔ یہ ذمہ داری مفتی عزیزالحسن کو سونپ دی گئی کہ وہ متعلقہ مالک مکان سے مدبرانہ اور حکیمانہ انداز میں مکالمہ کرے اگر وہ مکان بیچنے پر راضی ہوجائے تو مارکیٹ ریٹ پر خرید لیا جائے۔ صاحب مکان شیعہ مسلک سے تعلق رکھتا تھا۔ ابھی اس سے اشارتاً ہی بات ہوئی تھی کہ وہ سیخ پا ہوگیا۔ اس نے آناً فاناً ساری فضا مکدر کردی اور شیعہ سنی تنازع کا شوشہ کھڑا کردیا۔ بات بڑھتے بڑھتے ضلعی انتظامیہ اور پولیس حکام تک پہنچ گئی۔ شیعہ حضرات اور ان کے اکابرین معاملے کو غلط رنگ دینے کی کوشش کررہے تھے۔ فسادات کے پھیلاؤ کا خدشہ بڑھ رہا تھا۔ بالآخر پولیس حکام حالات کو قابو میں لانے میں کامیاب ہوگئے۔ مکمل تفتیش کے بعد جامعہ کی انتظامیہ کو بے قصور اور صاحب مکان کو مجرم اور شرپسند ٹھہرایا گیا۔ شیعہ حضرات کی سرزنش کی گئی، یوں معاملہ رفع دفع ہوگیا اور امن وامان کی فضا دوبارہ بحال ہوگئی، صاحب مکان اپنے فعل پر بہت نادم تھا بعدازاں وہ خود ہی چپکے سے اپنا مکان جامعہ کی انتظامیہ کے ہاتھ فروخت کرکے اس آبادی سے رفوچکر ہوگیا۔

علامہ صاحب ان دنوں برطانیہ میں تھے، لیکن پاکستان میں اپنے متعلقین سے برابر رابطے میں تھے، میری بھی ان کے ساتھ اِس معاملے میں گفتگو ہوتی رہی، پہلے پہل آپ قدرے پریشان تھے، لیکن ایک دِن فرمانے لگے کہ اب میرا دِل مطمئن ہے، اور مجھے یقین کامل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا فضل وکرم فرمائیں گے، اور شرپسندوں کے مذموم عزائم جلد ہی خاک میں ملائیں گے۔

علامہ صاحب نے اپنی ایک تصنیف غالباً کتاب الاستفسار میں اپنے نسب کا ہلکا سا تذکرہ کیا ہے کہ ہم قریشی صدیقی ہیں۔ (دیکھیے :۲۱۹/۱ [ادارہ]) اور جناب منصور احمد صدیقی کی کتاب ''انساب صدیقی'' جو ۱۹۵۵ء میں طبع ہوکر منظر عام پر آئی تھی کہ صفحہ نمبر ۴۹ پر ہمارے خاندان کا شجرہ نسب موجود ہے۔ یہ شجرہ ظاہر کرتا ہے کہ علامہ صاحب کے خاندان کے ایک بزرگ ابو قاسم نے فاتح سندھ محمد بن قاسم کے ہمراہ سرزمین عرب سے ہندوستان ہجرت کی تھی، سندھ سے ہوتے ہوئے امرتسر کی تحصیل اجنالہ میں آکر ٹھہر گئے۔ پھر خانقاہ (موضع ڈھوڈہ) تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ چلے گئے، وہاں ان کی پانچ پشتیں آباد ہیں، پھر جناب بھولے شاہ کے بیٹے نبی بخش دوبارہ جنڈیالہ امرتسر چلے آئے، یہی صاحب علامہ صاحب کے دادا تھے۔ یوں یہ خاندان عرب سے آنے کے بعد کبھی امرتسر کبھی سیالکوٹ گھومتا رہا۔ موضع ڈھوڈہ امرتسر سے تقریباً تیس میل کے فاصلے پر ہے، اور تحصیل پسرور کا آخری گاؤں ہے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ خاندان پھر اپنے آبائی شہر سیالکوٹ جا پہنچا۔ علامہ صاحب کا سلسلہ نسب بیس واسطوں سے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچ جاتا ہے۔ جس کی ترتیب یوں ہے۔ خالد محمود بن محمد غنی بن نبی بخش بن بھولے شاہ بن غلام رسول بن غلام مصطفےٰ بن غلام غوث بن محمد یونس بن شیر محمد بن شاہ رحمان دیوان ثانی بن شاہ قطب دین بن عاشق شاہ بن سلطان شاہ بن محمد علی بن رحمت علی شاہ بن غلام رسول بن ابو قاسم بن عبد النبی بن ابا سلیمان بن محمد ابو النعمان بن عبد الرحمٰنؒ بن ابوبکر صدیقؓ۔ علامہ صاحب کے والد پیر محمد غنی کی جائے پیدائش امرتسر شہر ہی ہے، ان کا سن ولایت ۱۸۹۴ء بتایا جاتا ہے۔ پیر محمد غنی

کا ابتدائی نام غنی بخش تھا، جوان کے والد نبی بخش نے اپنے نام کے وزن پر رکھا تھا۔ پیر نبی بخش کی پیدائش موضع ڈھوڈہ کی ہے، لیکن وہ جوانی میں امرتسر چلے آئے تھے، پیر محمد غنی تعلیم یافتہ تھے اور محکمہ تعلیم پنجاب میں بطور مدرس خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ اسی سلسلے میں وہ قصور شہر (ضلع فیروز پور) میں بھی تعینات رہے۔ قصور ہی میں بمقام کوٹ اعظم خاں علامہ صاحب اور ان کے بڑے بھائی قاضی احسان الحق قریشی کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔

قیام پاکستان کے وقت یہ سارا خاندان سیالکوٹ ہجرت کر گیا، کیونکہ اس شہر سے پہلے ہی ان کا نسبی و روحانی تعلق تھا۔ قاضی احسان الحق کے برادر نسبتی ریلوے میں گارڈ تھے، ان دنوں وہ امرتسر جموں سیکشن پر ڈیوٹی دیا کرتے تھے وہ سارے خاندان کو بحفاظت سیالکوٹ لے آئے، پھر پیر محمد غنی ایک دن اچانک اپنے گھر کی سیڑھیوں سے گر گئے، ان کی کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی، علامہ صاحب ان دنوں لاہور میں تھے ان کو اس حادثے کا علم ہوا تو فوراً ہی لاہور سے گاڑی لیکر اپنے والد صاحب کو علاج کے لیے لاہور میو ہسپتال لے آئے، زہے قسمت وہ جانبر نہ ہوسکے بعد ازاں انہیں لاہور ہی میں قبرستان میانی شریف شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے قرب میں دفنا دیا گیا۔ وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً 68 سال تھی۔ ریاض احمد قریشی صابری کے مطابق پیر محمد غنی کے سات بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ دو بیٹے تو قیام پاکستان سے قبل امرتسر ہی میں فوت ہوگئے تھے۔ سب سے بڑا بیٹا ابھی شیر خوار ہی تھا کہ چل بسا اس کا نام علم نہیں دوسرا بڑا بیٹا حفیظ محمود بھی جوانی میں اللہ کو پیارا ہوگیا، بیٹی بھی نوعمری میں پاکستان آکر دنیا سے رخصت ہوگئی۔ تیسرا نمبر قاضی احسان الحق قریشی کا تھا، چوتھے نمبر پر علامہ خالد محمود تھے۔ پانچویں نمبر پر سعید محمود تھے یہ بھی ۱۹۵۲ء میں دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ چھٹا نمبر نسیم محمود کا تھا یہ سیالکوٹ میں شعبہ تعلیم سے وابستہ رہے۔ ۱۹۶۸ء میں پچپن برس کی عمر میں انتقال کر گئے، انہوں نے مجردانہ زندگی گزاری، آخری بیٹے شفیق محمود تھے بیمار تھے، علامہ صاحب علاج کے لیے انہیں برطانیہ بھی لے گئے تھے مگر صحت یاب نہ ہوسکے۔ بالآخر سیالکوٹ ہی میں اپریل ۱۹۷۹ء میں چالیس سال کی عمر میں رحلت فرما گئے۔ قاضی احسان الحق ۱۳ر نومبر ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوئے، تعلیم ایم اے تھی، ڈی کام بھی کیا ہوا تھا۔ قیام پاکستان سے قبل ۱۹۴۲ء میں سنٹرل ماڈل سکول لاہور میں بطور مدرس تعیناتی ہوئی، روزانہ امرتسر سے بذریعہ ٹرین لاہور آیا جایا کرتے تھے، لاہور میں آمد و رفت کے لیے اپنا سائیکل ریلوے اسٹیشن کے سائیکل اسٹینڈ پر کھڑا رہتا تھا۔ پھر ان کا جھنگ تبادلہ ہوگیا۔ کافی عرصہ وہیں رہے، پاکستان آنے کے بعد گورنمنٹ کمرشل کالج سیالکوٹ میں ملازمت اختیار کرلی۔ بعد ازاں اسی کالج جس کا نام گورنمنٹ کالج آف کامرس رکھ دیا گیا تھا کے پرنسپل بن گئے۔ پھر یہیں سے ریٹائرڈ ہوئے، یکم مئی ۱۹۹۵ء کو پچھتر سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال کے وقت علامہ صاحب حرم شریف / مطاف شریف میں اپنے بڑے صاحبزادے طارق محمود کے ہمراہ حالت طواف میں تھے۔

جناب طارق صاحب کا بیان ہے کہ جب مجھے تایا جان کے انتقال کی خبر ملی، میں نے دانستہ اس افسوسناک خبر سے اسی وقت ابا جان کو آگاہ نہ کیا کہ کہیں وہ زیادہ پریشان نہ ہوجائیں۔ جب طواف مکمل ہوگیا تو پھر میں نے ابا جان سے یوں کہا کہ چلو

ایک طواف اور کر لیتے ہیں علامہ صاحب کہنے لگے وہ کیوں؟ انھوں نے کہا کہ تایا جان کی روح کے ایصالِ ثواب کے لیے، وہ اس المناک خبر کو سن کر شدید افسردہ ہو گئے، جو ایک فطرتی ردعمل تھا، میں نے تو صرف علامہ صاحب کو زیادہ مضطرب ہونے سے بچانے کی سعی نا تمام کی تھی۔ جناب احسان الحق قریشی صاحب اپنے نام کے ساتھ اپنے خاندانی لقب قاضی بطور سابقہ اور روحانی نسبت صابری بطور لاحقہ استعمال کرتے تھے۔

علامہ خالد محمود صاحب کی تاریخ پیدائش سرکاری دستاویزات کے مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۲۵ء ہے، دینی و عصری تعلیم تقریباً امرتسر ہی میں رہ کر حاصل کی۔ کافی عرصہ مفتی محمد حسن امرتسری کی سرپرستی میں بھی رہے، وہ ہمیشہ ان کو اپنا چوتھا بیٹا کہا کرتے تھے۔ آپ کی شادی سیالکوٹ میں ہوئی آپ کی زوجہ محترمہ کا تعلق تحصیل نارووال سے تھا۔ تقریباً اٹھاون سال کی طویل اور بے مثل رفاقت کے بعد ۲۰۰۸ء میں داغِ مفارقت دے گئیں۔ سیالکوٹ میں علامہ صاحب کا اپنا ذاتی مکان تھا، جو جی ٹی ایس اڈے کے قریب محلّہ رامتلائی (موجودہ رحمت علی) میں واقع تھا۔ یہ مکان آپ نے ۲۰۰۱ء میں فروخت کر دیا تھا۔

علامہ صاحب کی اولاد صالحہ میں تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ بڑے بیٹے طارق محمود کی پیدائش اپنے ننھیال کے ہاں ہوئی تھی، انہوں نے میٹرک سنٹرل ماڈل سکول لوئر مال لاہور سے کیا تھا۔ بعدازاں سول انجینئرنگ میں گریجویشن کی، ٹرانسپورٹیشن میں تخصص تھا۔ برمنگھم میونسپل کارپوریشن میں ملازم تھے اب فراغت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ میرا تا حال ان سے ملنا نہیں ہوا۔ البتہ موبائیل پر متعدد بار گفتگو ہو چکی ہے۔ علامہ صاحب کی وفات حسرت آیات میں میں نے ان سے تعزیت بھی کی تھی۔ منجھلے صاحبزادے شاہد محمود علامہ صاحب کے ہمراہ ہوا کرتے تھے۔ فنانس سے تعلق ہے پاکستان غالباً دو مرتبہ چکر لگا چکے ہیں۔ ابھی تک لاولد ہیں۔ میری ان سے کافی ملاقاتیں رہیں میں نے ان سے بھی علامہ صاحب کے انتقال پُر ملال پر اظہار افسوس کیا تھا۔ چھوٹے بیٹے ناصر محمود بھی مانچسٹر میں ہیں اور شعبہ تدریس سے وابستہ ہیں ان سے بھی کرنل سلیم لالی کے ہاں ایک عشائیہ پر ملاقات ہوئی تھی۔

علامہ صاحب سے موبائل پر میرا مسلسل رابطہ رہتا تھا۔ علامہ صاحب میرا فون بڑی محبت اور چاہت سے سنا کرتے تھے۔ شدید بیماری کے عالم میں بھی وہ مجھ سے ہم کلام ہونے سے گریزاں نہ ہوتے، پہلے پہل تو میرا فون خود ہی اٹھا لیا کرتے تھے، لیکن آخری سالوں میں رابطہ بالواسطہ قائم کرنا پڑتا تھا، سامعہ کا مسئلہ درپیش تھا، کچھ عرصہ انہوں نے آلہ سماعت بھی استعمال کیا، لیکن وہ بھی کارگر ثابت نہ ہوا۔ آپ خود بھی اس کے مسلسل استعمال سے اُکتا گئے تھے، اس لئے اس کا استعمال ترک کر دیا، بائیں کان میں خرابی زیادہ تھی، دوسرے کان سے سماعت کر لیا کرتے تھے، متکلم کو یا تو بہت اونچا بولنا پڑتا تھا یا کان کے قریب منہ کر کے اپنا مدعیٰ بیان کرنا پڑتا، بعض اوقات پھر بھی علامہ صاحب بات سمجھنے میں دشواری محسوس کرتے تھے۔ دریں حالت شرکاء مجلس ادب و احترام کے پیش نظر زیادہ بات سے پرہیز کرنے لگے۔ پھر مجلس میں سے کوئی ایک شخص رابطہ کار اور ترجمان بن جاتا تھا یہی طریقہ

بہتر اور آسان سمجھا گیا۔ جس پر تقریباً آخری وقت تک عمل جاری رہا۔ ان حالات میں علامہ صاحب فون سننے سے قاصر تھے، کوئی موجود شخص فون سن کر پیغام رسانی کر دیا کرتا تھا۔ بعد ازاں اس سلسلے کے اختتام کے لیے موبائل فون ہی غائب کر دیا گیا۔ لیکن مانچسٹر میں لینڈ لائن فون سننے کیلئے ایک شخص مامور تھا، اگر مفتی فیض الرحمٰن صاحب وہاں موجود ہوتے تو یہ کام وہ خود سرانجام دیا کرتے تھے، ان کی علامہ صاحب سے ملنے والوں سے شناسائی زیادہ تھی۔ ان حالات میں بھی علامہ صاحب میرا فون آنے پر خوشی کا اظہار کیا کرتے تھے، مفتی صاحب سے میرے برادرانہ اور دیرینہ تعلقات ہیں۔ آج سے تقریباً بیس سال قبل وہ مسجد مدینہ ای بلاک فرید ٹاؤن ساہیوال میں امام وخطیب رہے۔ یہ مسجد میری اس وقت کی قیام گاہ سے قریب ہی تھی۔ مفتی صاحب جب بھی پاکستان آتے ان سے اکثر بالمشافہ ملاقات ہو جاتی تھی۔ دوبارہ وہ میرے گھر لاہور بھی تشریف لا چکے ہیں۔ جانبین کی طرف سے ہمیشہ چاہت اور خلوص کا اظہار ہوتا رہا۔ میں اب بھی ان کے ساتھ رابطے میں ہوں، علامہ صاحب کی مرض الموت میں میرے پوچھنے پر وہ مجھے ان کی پل پل کی صورت سے لحظہ بہ لحظہ آگاہ کرتے رہے۔ علامہ صاحب کی جانشینی انہی کا مقدر ٹھہری، علامہ صاحب کے جنازے سے قبل علماء وشرکاء جنازہ کو اس فیصلے سے آگاہ کر دیا گیا۔ پھر اسی وقت دستارِ فضیلت ان کے سر پر باندھ دی گئی۔ وفات کے اگلے روز ہی میں نے مفتی صاحب سے تعزیت بھی کی اور جانشینی کی تہنیت بھی پیش کی۔

علامہ صاحب کا زندگی کے آخری ایام تک یہ معمول رہا کہ حالت نماز میں وہ ہر ممکن حد تک یہ کوشش کیا کرتے تھے کہ ان کا سجدہ نیچے زمین / فرش پر ہی ہو۔ اپنے گھٹنوں کے نیچے رکھنے کے لیے انہوں نے چھوٹے سے نرم تکیے کا بھی اہتمام کر رکھا تھا۔ عدم صورت مذکورہ میں موٹا کپڑا یا دو تین رومال نیچے رکھ کر گزارا کر لیا کرتے تھے۔

۲۰۰۸ء میں جب علامہ صاحب پاکستان تشریف لائے، میں ساہیوال سے لاہور ان سے تعزیت کے لیے آیا۔ علامہ صاحب کی رفیقہِ حیات کچھ ماہ پہلے ہی اس دارِ فانی سے کوچ کر گئی تھیں۔ ویسے تو میں نے انہی دنوں علامہ صاحب سے ٹیلیفون پر اظہار افسوس کر لیا تھا۔ لیکن ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے غم میں شریک ہونا۔ متوفیہ کے لیے مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کرنا بھی اشد ضروری تھا۔ ایسا کرنا سنت بھی ہے اور اخلاقی ومعاشرتی ذمہ داری بھی علامہ صاحب سے تعزیت کے سلسلے میں گفتگو ہو رہی تھی کہ میں نے پوچھا کہ حضرت! اب آپ کا گھر وہ بولے کونسا گھر! علامہ صاحب کے اس فقرے سے میں چونکا، یہ الفاظ ان کے پژمردہ دل کی آواز تھی۔ ان کے جذبات غم کی ترجمان، یہ ایک حقیقت تھی جس کا انہوں نے اظہار کیا۔

علامہ صاحب کا قیام جب کرنل سلیم لالی صاحب کے گھر ہوتا تھا، عصر کے بعد سے رات گئے تک تو خوب رونق رہتی، علامہ صاحب سے ملنے والوں کا تانتا بندھا رہتا۔ لیکن صبح کو سوائے حافظ صہیب کے کوئی اور نہ ہوتا۔ وہ ابھی اکثر اپنے اسباق کے لیے اپنے مدرسے چلے جایا کرتا تھا۔ علامہ صاحب کے یہاں قیام کے پہلے سال کی بات ہے میں روزانہ صبح تقریباً دس بجے علامہ صاحب کے پاس پہنچ جایا کرتا تھا، میرے آنے سے علامہ صاحب کے چہرے پر رونق آ جاتی تھی وہ بہت مسرور ہوا کرتے تھے، گھر

کے باہر دھوپ میں ہم دونوں کرسیوں پر براجمان ہو جاتے اور علامہ صاحب مجھے خوب باتیں سنایا کرتے۔ کبھی علم کی، کبھی دل کی، کبھی اپنوں کی، کبھی غیروں کی، کبھی اخلاقی، کبھی سماجی ہر موضع موضوعِ سخن ہوتا، یہ سلسلہ گھنٹوں جاری رکھتا۔ جب علامہ صاحب تھکاوٹ محسوس کرتے تو آرام کے لیے اندر اپنے کمرے میں چلے جاتے۔ اس دوران کوئی نہ کوئی صاحب علامہ صاحب کی خدمت کے لیے حاضر ہو جاتا تو میں اپنے گھر لوٹ آتا۔

بعض اوقات وہ ذات دافع البلیات، مسبب الاسباب اپنے خاص اور پیارے بندوں کی حفاظت اس طرح کرتی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اُس بندے کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا کہ وہ ذات رحیم کریم اس کی یوں غیبی مدد فرمائیں گے۔ ایسا ہی ایک واقعہ جو علامہ صاحب کو پیش آیا، جس کے بارے میں جناب ریاض احمد قریشی صابری صاحب یوں لب کشائی کرتے ہیں کہ اکتوبر ۱۹۵۸ء کی بات ہے کہ علامہ صاحب لاہور سے بذریعہ ٹرین خانیوال کے لیے روانہ ہوئے، کچھ احباب نے اس روز آپ کو نہ جانے کا مشورہ دیا۔ لیکن آپ جانے کے اصرار پر ان اصحاب نے آپ کو بادل نخواستہ خیر باد کر دیا۔ روانگی کے فوراً بعد ہی اس بارے میں سوچ بچار کرنے پر آپ کی طبیعت بوجھل اور متزلزل ہوگئی، جب رائے ونڈ سٹیشن پر گاڑی رکی تو علامہ صاحب نے دیکھا کہ چند احباب ان کو تلاش کر رہے ہیں، علامہ صاحب نے انہیں آواز دی، وہ علامہ صاحب سے آکر ملے اور نہ جانے کی درخواست کی۔ علامہ صاحب کی طبیعت میں پہلے ہی اضطراب تھا اور آگے سفر جاری رکھنے کے بارے میں متذبذب تھے، چنانچہ آپ گاڑی سے اُتر آئے اور آگے خانیوال جانے کا سفر منسوخ کر دیا۔ گاڑی اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہوگئی۔ اب قدرتِ خداوندی کا کرشمہ دیکھیے کہ وہ گاڑی گیمبر (اب اوکاڑہ کینٹ) سٹیشن پر کھڑی مال گاڑی سے جا ٹکرائی اس حادثے میں سینکڑوں مسافر جان سے گئے۔ سینکڑوں معذور ہوئے اور سینکڑوں مضروب۔ آپ ٹرین کے اسی کوچ (ڈبے) میں سوار تھے جو سب سے زیادہ متاثر ہوئی۔ یہ تھا خدائے ذوالجلال والاکرام کی قدرت کاملہ کا اعجاز۔ (دیکھیے: ۲۵۹/۱[ادارہ])

علامہ صاحب کے پاکستان سے برطانیہ آمد کے متصل بعد ہی کووڈ 19 نے ساری دنیا میں تباہی پھیلا دی۔ ہر طرف خوفناک منظر تھا۔ ہر سُو سناٹا ہی سناٹا تھا، عوام وخواص سبھی سہمے اپنے اپنے گھروں میں محصور ہو کر رہ گئے۔ اور اتنا خوف زدہ تھے کہ اپنے گھر کیا افراد سے بھی ملنے میں احتیاط برتنے لگے۔ تھی تو یہ قیامت صغٰری مگر تھی قیامت کبرٰی کی ایک معمولی سی جھلک، دوسرے لوگوں کی طرح علامہ صاحب بھی ان خوفناک حالات سے نبرد آزما تھے۔ اپنے حجرے میں تنہائی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ عمر رسیدہ افراد پر اس بیماری کے جرثومے جلد حملہ آور ہوتے ہیں، چنانچہ ایسے ضعیف افراد کو اس بیماری کے اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے بہت تگ ودو کرنا پڑی۔ دریں حالات علامہ صاحب کے شب وروز اور بھی تکلیف دہ تھے بوجہ ایں علامہ صاحب کی طبیعت میں بہت زیادہ اکتاہٹ اور گھبراہٹ پیدا ہوگئی تھی۔ اسی بے چینی کے عالم میں گرنے سے چند روز قبل رمضان کریم کی ایک رات بڑے ہی دلبر داشتہ تھے اور یوں کہنے لگے۔ (بروایت صاحبزادہ طارق محمود) کہ اس تنہائی سے تو بہتر ہے کہ موت آجائے۔ وہ

ذات مجیب الدعوات سمیع الدعاء اپنے محبوب بندوں کے منہ سے نکلے الفاظ کو اکثر جلد ہی عملہ جامہ پہنا دیتی ہے۔حکماء کا قول ہے کہ قبولیت کی گھڑی کا کوئی علم نہیں ہوتا۔انسان جب بھی کوئی کلمہ بولے اسے الفاظ کے چناؤ کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔پھر ایسا ہی ہوا کہ علامہ صاحب دو چار روز بعد بوقتِ سحری چار پائی سے اترتے ہوئے نیچے گر گئے۔ان کے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ایسا ہونا ہی تھا۔یہ اٹل تھا،تقدیر کے اوراق میں یہ لکھا جا چکا تھا جس کا انکشاف اللہ تعالیٰ نے علامہ صاحب کو تقریباً دو سال قبل ہی کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں جناب ہمایوں صادق کا کہنا ہے کہ ایک روز میں نورانی مسجد (انکم ٹیکس کالونی ستلج بلاک علامہ اقبال ٹاؤن) کے جائے وضو میں علامہ صاحب کو وضو کروا رہا تھا کہ علامہ صاحب نے فرمایا کہ: اَب میرا زیادہ خیال کیا کرو، کیونکہ مجھے القا ہوا ہے کہ میری موت گرنے سے ہوگی۔پھر یہ بات علامہ صاحب کے متوسلین میں پھیل گئی اور علامہ صاحب کے بارے میں زیادہ محتاط ہو گئے۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ علامہ صاحب کے والد محترم جناب پیر محمد غنی صاحب کی موت بھی گرنے اور کولہے کی ہڈی ٹوٹنے کے باعث ہوئی تھی۔علامہ صاحب نے بھی اپنے والد ماجد کی طرح ہسپتال میں اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کی۔

شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کے درج ذیل اشعار کی تطبیق علامہ ڈاکٹر خالد محمود کی ذات مثل یہ نصاب پر کی جاتی ہے۔

مہر روشن چھپ گیا اٹھی نقاب لئے شام
شانہ ہستی یہ ہے بکھرا ہوا گیسوئے شام
یہ سیاہ پوشی کی تیاری کس کے غم میں ہے
محفل قدرت مگر خورشید کے غم میں ہے

دہرا رہا ہوں پھر وہی ہوا جو قدرت کو منظور تھا اور یہ ایک دن تو ہونا ہی تھا۔اِک آفتاب تھا وہ جب تک روشن رہا، اپنے علم کی روشنی ہر سو پھیلاتا رہا یوں وہ پچانوے برس علم کی ضیا پاشی کرتے کرتے بالآخر ۱۴ر مئی ۲۰۲۰ء کو بمطابق ۲۰ر رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بروز جمعرات غروب ہو گیا۔

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں
مرنے والوں کی جبین روشن ہے اس ظلمات میں
جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں
(اقبال)

☆......☆......☆......☆

باب نمبر ٦

تصنیفات

مجلّہ صفدر ''علامہ ڈاکٹر خالد محمود نمبر'' میں علامہ صاحب کی کتب کا تذکرہ (فہرست)

کتاب	حوالہ جات
آثار التنزیل	۱۹۰/۱......۲۳۵/۱......۶۲۲/۱......۶۵۱/۱......۷۲۷/۱......۵۸۰/۲
آثار الحدیث	۲۴۸/۱......۶۲۲/۱......۶۵۲/۱......۷۲۸/۱......۵۱۵/۲......۵۶۵/۲
آثار التشریع	۶۲۳/۱......۶۵۲/۱......۷۲۹/۱......۴۳۱/۲(اقتباسات)......۵۷۹/۲
آثار الاحسان	۱۷/۱......۲۰۰/۱......۶۲۳/۱......۶۵۵/۱......۷۳۰/۱
عقیدۃ الامت	جلد۱/۲۴۶_۴۰۸_۶۲۵_۶۶۳_۷۰۴(مضمون)_۷۳۵_۵۹۵......جلد۲/۲۴_۲۶۲_۴۷۱
مقام حیات	۱۹۸/۱......۲۰۳/۱......۲۷۹/۱......۶۲۹/۱......۶۶۵/۱......۷۰۷/۱(مضمون)......۷۳۱/۱
کتاب الاستفسار	۲۱۲/۱......۶۷۸/۱(مضمون)
براءۃ تھانویؒ	۴۰۵/۱......۶۲۴/۱......۷۸۶/۱......۷۳/۲......۳۲۰/۲......۳۷۷/۲
مطالعہ بریلویت	۴۱۳/۱، ۵۵۴، ۶۲۷/تا۶۲۹......۲۴/۲، ۵۳۶(اقتباسات)۵۹۱(اقتباسات)۵۹۹، ۶۳۸، ۶۰۲
عقائد الشیعہ	۴۴۷/۱......۶۲۵/۱......۳۷۵/۲
معیارِ صحابیت	۶۳۰/۱......۶۷۱/۱(مضمون)......۷۳۸/۱......۳۹۰/۲......۴۹۹/۲......۵۶۲/۲
مرزا قادیانی	۶۲۶/۱......۷۰۶/۱(مضمون)
علم حدیث پر مشقیں	۶۳۱/۱......۷۱۶/۱(مضمون)
تجلیات آفتاب	۹۹/۱......۱۲۴/۱......۵۴۲/۱......۶۳۲/۱......۶۶۱/۱......۱۸۷/۲......۴۷۰/۲......۴۹۹/۲
مختصر دورۂ تفسیر	۶۲۷/۱......۶۵۲/۱......۱۶۹/۲......۳۱۷/۲
دوازدہ احادیث	۶۵۲/۱......۶۶۲/۱......۷۳۹/۱......۵۱۷/۲
خلفائے راشدین	۶۲۴/۱......۶۶۱/۱......۷۳۳/۱......۵۰۳/۲(اقتباسات)
عبقات	۶۲۵/۱......۶۶۱/۱......۷۳۳/۱......۵۳۷/۲(اقتباسات)
محرم کی دس راتیں	۶۲۷/۱......۶۶۲/۱......۷۴۰/۱
خطباتِ خالد	۶۴۶/۱......۴۵۵/۲(اقتباسات)
تقیہ نہ کیجیے!	۶۲۴/۱......۷۴۰/۱......................شاہ اسماعیل شہید:۶۲۵/۱
مناظرے ومباحثے	۶۳۱/۱......۷۴۲/۱......................قادیانیوں کی قانونی حیثیت:۶۲۶/۱......۲۴/۲
آسان راستہ	۶۲۶/۱......۷۳۸/۱....................درس بخاری:۷۴۳/۱

پروفیسر حافظ بشیر حسین حامد مرحوم (آ) رحمزہ احسانی

علامہ خالد محمودؒ......علمی مآثر

علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ ۲۰ر رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ/۱۴ر مئی ۲۰۲۰ء کو زندگی کی ۹۵ر بہاریں گزار کر نہ صرف اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب بلکہ پوری امت مسلمہ کو داغ مفارقت دے کر آخرت کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ بلا شبہ آپ ایک صاحب لسان و بیان اور صاحب قرطاس و قلم شخصیت کے مالک تھے۔ جہاں ایک طرف وہ میدان مناظرہ کے شاہسوار تھے وہاں علمی و تصنیفی میدان میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ لکھنے والے اس دور میں بہت ہیں مگر ایسے لکھنے والے بہت کم ہوں گے کہ جس موضوع پر قلم اٹھائیں، کسی پہلو کو تشنہ نہ چھوڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمہ جہت صفات سے نوازا تھا۔ علم کے ساتھ تواضع بھی ہو تو پھر ''سونے پہ سہاگہ'' والا محاورہ صادق آتا ہے۔ جب تک پاکستان میں رہے، ''عظمت صحابہ'' کا ڈنکا بجاتے رہے۔ جب دیار غیر میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے عالمی سطح پر فرق باطلہ کے رد کا کام لیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے اور آخرت میں ان حضرات صحابہ کرامؓ کے ساتھ حشر فرمائے جن کے دفاع میں ساری عمر گزار دی۔

مجلّہ ''صفدر'' والوں کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ کی شخصیت اور خدمات پر خصوصی اشاعت کا اہتمام کر کے پوری امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا۔ جب مجلّہ ''صفدر'' کے احباب کی طرف سے مجھے ''خصوصی نمبر'' نکالنے اور کچھ لکھنے کا پیغام ملا، تو سوچا کہ بڑے بڑے اہل قلم میدان میں آئیں گے۔ میں کیا لکھوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہی دل میں ڈالا کہ آپ کی علمی اور تصنیفی خدمات پر قلم اٹھایا جائے اور آپ کی تصنیفات و تالیفات، مقالات و مضامین، مقدمات و تقاریظ، خطبات و تقاریر اور مکتوبات کا اشاریہ قارئین مجلّہ ''صفدر'' کی خدمت میں پیش کر دیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ شروع میں یہ کام مشکل نظر آ رہا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آسان فرما دیا۔ یقیناً یہ اہل علم و تحقیق کیلئے ایک سوغات اور قلب و نظر کی فرحت کا سامان ہوگا۔ میسر کتب کے عنوانات کی فہرست اسی لئے شامل کی گئی ہے تا کہ قارئین کو یہ اندازہ ہو کہ حضرت علامہ صاحبؒ نے کس عرق ریزی سے متعلقہ موضوع کا احاطہ کیا ہے اور تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔

بلا شبہ یہ فہرست حتمی نہیں ہے۔ اہل تحقیق اس میں اضافہ فرماتے رہیں گے۔ مگر آئندہ کام کرنے والوں کو اس کاوش سے ضرور رہنمائی ملے گی۔ ''تذکرہ کتب و رسائل میں'' کے عنوان سے ایک باحوالہ مختصر فہرست بھی شامل کر دی گئی ہے، جہاں جہاں علامہ صاحبؒ کا تذکرہ آیا ہے، وہ اِس فہرست میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور آخرت کا ذخیرہ بنائے۔ آمین

(آ) مؤرخہ ۲۵ر دسمبر ۲۰۲۰ء بروز جمعۃ المبارک مضمون نگار مختصر علالت کے بعد ایبٹ آباد میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بہت ہنس مکھ، بااخلاق، علم دوست، اصاغر پرور اور اکابر اہل سنت دیوبند پر سوجان سے فدا رہنے والوں میں سے تھے۔ درجن بھر کتب کے مصنف و مرتب تھے اور تقویٰ وطہارت کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائیں، آمین [محمد عبدالجبار سلفی]

تصنیفات و تالیفات :

(**۱**)- آثارالتنزیل (جلداول): دارالمعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور: صفحات ۴۹۰

عنوانات: ضرورۃ القرآن ،خصوصیات القرآن، صداقت القرآن ،فضائل القرآن، نزول القرآن، جمع القرآن، کتابت القرآن، ترتیب القرآن، احرف القرآن، حفاظت القرآن، حفظ القرآن، لسان القرآن، ترجمۃ القرآن، تجوید القرآن، قراءت القرآن، اسلوب القرآن، سور القرآن، ایمان بالقرآن، مقام القرآن، علوم القرآن، حقائق القرآن، تلاوت القرآن، اعجاز القرآن، نسخ فی القرآن، تاثیر القرآن

(جلددوم): دارالمعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور: صفحات ۴۵۷

عنوانات: ایک قرآن ،آداب القرآن، ارض القرآن، امثال القرآن، اصطلاحات القرآن، اصحاب القرآن ،قصص القرآن ،تراجم القرآن ،تفسیر القرآن، ربط القرآن، علاج القرآن، علوم القرآن، لغات القرآن، فہرست بست بابی مضامین القرآن، آراء المستشرقین فی بیان القرآن

(**۲**)- آثارالحدیث:

(جلداول) دارالمعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور: ۱۹۸۲ء: صفحات ۴۶۶

عنوانات: معرفت لفظ حدیث ،تاریخ حدیث، موضوع حدیث، ضرورت حدیث، مقام حدیث، اخبار حدیث، قرآن فی الحدیث، حجیت حدیث، نسخ فی الحدیث، روایت حدیث، اکثار الحدیث، قلیل الحدیث، عمل بالحدیث، حفاظت حدیث، تدوین حدیث، رجال الحدیث، شیعہ اور علم حدیث، اسلوب الحدیث، امثال الحدیث، غریب الحدیث۔

(جلددوم) دارالمعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور:: صفحات ۴۷۲

عنوانات: آداب الحدیث، قواعد الحدیث، اقسام الحدیث، متون الحدیث، شروح الحدیث، تراجم حدیث، ائمہ حدیث، فقہائے حدیث، ائمہ جرح و تعدیل، ائمہ تالیف، ائمہ تخریج، لطائف الحدیث، اسلوب حدیث، امثال الحدیث، غریب الحدیث، اہل حدیث، منکرین حدیث، مدارس حدیث۔

تبصرہ: i) ماہنامہ ''بینات'' کراچی: ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

(ا) اِس وقت دارالمعارف کا مرکزی دفتر ''**محمود پبلیکیشنز** (اسلامک ٹرسٹ)'' کے نام سے حضرت علامہ صاحبؒ کے قائم کردہ ادارہ جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی، شاہدرہ لاہور میں قائم ہے۔ اور **محمود پبلیکیشنز** کا ایک دفتر ہادیہ حلیمہ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور میں بھی قائم ہے، جس کی بنیاد بھی حضرت علامہ صاحبؒ نے خود ہی رکھی تھی اور خود بنفس نفیس وہاں تشریف لے جا کر اپنی دعا سے ابتدا بھی فرمائی تھی۔ یہ ادارہ حضرت علامہ صاحبؒ کی جملہ کتب کی نشر و اشاعت کی خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ [ادارہ]

تبصرہ: ii) ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک: اپریل ۱۹۸۹ء: صفحہ ۶۱

تبصرہ: iii) ماہنامہ الخیر۔ شائع شدہ ماہنامہ الہلال اپریل ۱۹۹۰ء، صفحہ: ۲۶

(۳)- آثار التشریع (المسمّٰی به "آثار الفقه الاسلامی")

(جلد اول): دار المعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور صفحات ۴۷۹

عنوانات: ضرورتِ فقہ، مقام فقہ، الموافقۃ بین الحدیث والفقہ، حقیقت فقہ، اساس فقہ، درجہ فقہ، دائرۂ فقہ، تدوین فقہ، موضوع فقہ، اتباع فقہ، تاریخ اتباع فقہ، حقیقت تلفیق، تاریخ تقلید، تاریخ ترک تقلید، سلفی کی اصطلاح۔

(جلد دوم): دار المعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور صفحات ۴۵۵

عنوانات: کتب فقہ، اصطلاحاتِ فقہ، ائمہ فقہ، صحابہ میں فقہ کے بارہ امام، تابعین میں فقہ کے بارہ امام، تابعین کے اگلے طبقہ کے امام، ائمہ مجتہدین، ائمہ محدثین، دقائق فقہ، مختلف انواع فقہ۔

(۴)- آثار الاحسان فی سیر السلوک والعرفان:

(جلد اول) دار المعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور: صفحات ۵۲۰

عنوانات: تصوف کا علمی تعارف، تصوف کا عملی تعارف، دلوں کی جملہ بیماریوں کا علاج، جب دل برکتوں کا مورد بنتے ہیں، انسانی علم کے مختلف دائرے، آثار الاحسان فی سیر السلوک والعرفان، مقام احسان قرآن کی روشنی میں، مقام احسان احادیث کی روشنی میں، سلوک واحسان تاریخ کے آئینے میں، صوفیہ کرام محدثین کی نظر میں، فقہاء میں صوفیہ کرام، فقہاء احناف میں دس اہل طریقت، فقہاء شافعیہ میں اہل طریقت، فقہاء حنابلہ میں اہل طریقت، مالکی فقہاء میں دس اہل تصوف، فقہاء ہند میں اہل طریقت، صوفیہ کرام قومی زندگی کی تعمیر میں، ہندوستان میں صوفیہ کرام کی آمد، ہندوستان میں اہل طریقت کس طرح پھیلے؟ برصغیر پاک و ہند کے ائمہ تصوف، نقشبندی سلسلہ کے بزرگ، بارہویں صدی میں ائمہ ولایت کی کوششیں، اہل سلوک کی وادیوں کے اہل خدمت، احساسات سے بالا روح کے دلآویز نقشے، مادی کائنات میں لطیف روحانی اثرات، تصوف پر لکھی گئی پہلے دور کی کتابیں، حضرت تھانویؒ کا فیضان طریقت، صفاتِ صوفیہ کرام، اسباق اہل ولایت، اعمال احسان، خدا کو دیکھنے کی راہیں، سلوک کے مسافروں پر آسمانی توجہات، خواب میں اشیاء کا مختلف صورتوں میں ظہور، مکاشفات (کشف وشہود)، کرامات، تصرفات، تصوف میں اختیار کی گئی بدعات، التعرف بمجالس التصوف.

(جلد دوم): دار المعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور: صفحات ۴۳۲

عنوانات: مسائل تصوف، آدابِ تصوف، قرآن میں قلب کی واردات، ظلمات الذنوب، ظلمات المجالس، کفارات الذنوب، آداب المشائخ، اولیاء کرام کی حیاتِ برزخی، قرآن کریم میں علم لدنی کی خبر، اصطلاحاتِ تصوف،

رجال تصوف، اقوالِ تصوف۔

(۵) -براءۃ حضرت تھانویؒ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان، سن اشاعت ۱۹۸۴ء، صفحات: ۵۴

(مرزائیوں نے ''کمالات اشرفیہ'' نامی ایک کتابچہ تحریر کیا اور ثابت کیا کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مرزا قادیانی کی کتابوں سے مضامین چوری کیے ہیں۔اس پر علمی دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا۔اللہ رب العزت نے علامہ خالد محمود کو توفیق دی کہ انہوں نے ثابت کیا کہ حضرت تھانویؒ نے ''اسرار شریعت'' نامی کتاب سے حوالہ جات لئے ہیں اوران کو اپنی کتاب ''احکام اسلام عقل کی روشنی میں'' درج کر کے وضاحت کر دی ہے۔مرزا نے بھی اسی کتاب سے مضامین لئے ہیں مگر ان کو اپنا مضمون ثابت کیا ہے۔اس لیے حضرت تھانویؒ نہیں بلکہ مرزا قادیانی چور تھا۔)

تبصرہ: بقلم مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ: مشمولہ ''نقد ونظر'' (جلد دوم) مکتبہ ختم نبوت، دفتر ختم نبوت، پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی: اشاعت اول اگست ۲۰۱۸ء: صفحہ ۲۲۷ تا ۲۳۷

(۶) -تقیہ نہ کیجیے: (مناظرہ ''اورینٹ ہال'' ڈربن (ساؤتھ افریقہ) کی مکمل کاروائی

مابین آیت اللہ الحسینی (ایران) اور علامہ ڈاکٹر خالد محمود:

(انگریزی سے اردو ترجمہ): تحریر: حافظ محمد عرفان عالم

ناشر: حق چار یار میڈیا سروسز: www.KrhcyGlobal......صفحات: ۸۱

(۷) -حضرت ابوبکرؓ کا دور خلافت، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی (انڈیا)

(۸) -حضرت عمرؓ کا دور خلافت، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی (انڈیا)

(۹) -حضرت عثمانؓ کا عہد تاریخ (سیرت عثمانؓ بن عفان)، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی (انڈیا)

(۱۰) -خلفاء راشدین: دار المعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور، اشاعت سوم

(جلد اول): مقدمہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ: صفحات ۶۸۷

(جلد دوم): دار المعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور صفحات ۵۴۳

(مسئلہ خلافت اور وقائع خلافت پر سیر حاصل بحث)

تبصرہ: ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک: نومبر ۱۹۹۲ء: صفحہ ۶۲ (بقلم: مولانا عبد القیوم حقانی)

(۱۱) -دوازدہ احادیث نبویہ کی قرآن مجید کی روشنی میں تعلیم و تفہیم، محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور

(۱۲) -دورۂ افریقہ: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان: تیسرا ایڈیشن ۱۹۷۶ء: صفحات ۲۳۲

(علامہ خالد محمود صاحبؒ کی روداد سفر افریقہ پر مشتمل ہے۔اس میں مرزائیوں سے سوالات و جوابات پر مشتمل حصہ قابل مطالعہ ہے۔)

(۱۳)-دورۂ یورپ وافریقہ: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان ۱۹۷۶ء: صفحات ۴۰

(اس کتابچہ میں علامہ خالد محمود صاحبؒ نے یورپ اور افریقہ میں اپنے تبلیغی دورہ کے تاثرات قلمبند کئے ہیں۔)

(۱۴)-رضا خانی فرقہ: (بریلویوں کی سیاسی اور علمی تاریخ)

(۱۵)-شاہ اسمٰعیل شہیدؒ: دار المعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور: اشاعت اول ۱۹۷۵ء، اشاعت دوم ۱۹۷۸ء

اشاعت سوم ۱۹۸۰ء، اشاعت چہارم ۱۹۸۶ء، اشاعت پنجم: ۲۰۱۶ء: صفحات ۲۰۸

(شاہ شہیدؒ کے عقائد ومعرکہ بالاکوٹ، اور شاہ شہیدؒ کی ایک عبارت پر اعتراض کا جواب)

عنوانات: پیش لفظ، مولانا شہید کے اعتقادی نظریات، توحید کے بارے میں، پیغمبروں کے بارے میں، مقربان بارگاہ ایزدی کے بیان میں، مولانا اسماعیل شہید کا فقہی مؤقف، ختم اور ایصال ثواب، چند الزامات کی وضاحت، نماز کا مقام توحید

(۱۶)-شیعہ عقائد (بلاتبصرہ وتردید): دفتر تنظیم اہل السنۃ والجماعۃ پاکستان ابدالی روڈ نواں شہر ملتان: صفحات ۲۴

(۱۷)-شیعیت کا علمی جائزہ: (فقہ حنفی اور فقہ جعفری کے تنازعہ میں تیسری تجویز)

(۱۸)-عبقات (سوالاً جواباً):

(اس کتاب میں اثنا عشری اور دیگر فرق باطلہ کے شبہات اور سوالات کے جوابات اس انداز میں دیئے گئے ہیں کہ عصر حاضر کی اداس نسلیں اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں اور مسلمان نوجوانوں کی ذہنی تربیت کے لیے یہ جوابات اکسیر کا درجہ رکھتے ہیں۔)

(جلد اول): دار المعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور: صفحات ۴۸۸۔

تعارف: حافظ محمد اسلم رشیدی، پیش لفظ: حافظ عبد الرشید ارشد، مقدمہ: علامہ خالد محمود صاحب

(جلد دوم): دار المعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور: صفحات ۴۰۰

(۱۹)-**عظمۃ الاصحاب فی بیان ام الکتاب**: محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور

(چالیس آیات قرآنیہ کی روشنی میں صحابہ کی عظمت کا بیان)

(۲۰)-**عقیدۃ الامت فی معنی ختم نبوت** (مطالعہ قادیانیت: جلد اول)

i) دار المعارف اردو بازار لاہور: اشاعت پنجم: صفحات ۳۱۹

ii) محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی، شاہدرہ لاہور: ۲۰۱۲ء: صفحات ۴۰۰

(اس کتاب میں مستند دلائل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے خاتم النبیین کے یہی معنی سمجھائے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی تابع شریعت محمدیہ غیر تشریعی نبی بھی ہرگز پیدا نہ ہوگا اور امت نے اسی عقیدہ کو ختم

نبوت قرار دیا ہے جو اس میں تاویل کر کے کسی امتی نبی کے پیدا ہونے کا قائل ہو وہ مسلمان نہیں ہے)

کتاب کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

پیش لفظ، تعارف، مقدمہ، مرزا غلام احمد کا تعارف، عقیدۃ الامت، احادیث اور ختم نبوت، معنیٰ ختم نبوت پر صحابہؓ کی نو شہادتیں، عقیدہ ختم نبوت کی حقیقت، عقیدہ ختم نبوت میں نئی راہ، چند بزرگان دین پر افتراء، شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی کا عقیدۂ ختم نبوت، ملا علی قاریؒ کا عقیدہ ختم نبوت، حضرت مجدد الف ثانیؒ کا عقیدہ ختم نبوت، حضرت مولانا رومؒ کا عقیدہ ختم نبوت، الشیخ الاکبر ابن عربیؒ کا عقیدہ ختم نبوت، امام عبدالوہاب شعرانیؒ کا عقیدہ ختم نبوت، بزرگان دین پر افتراء کیوں بندھے ہیں؟ ضمیمہ اولیٰ اور ضمیمہ ثانیہ

(**۲۱**)-**عقیدہ خیر الامم فی مقامات عیسی ابن مریم** (مطالعہ قادیانیت: جلد دوم)

محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی، شاہدرہ لاہور: ۲۰۱۶ء: صفحات ۵۲۰

(**۲۲**)-**عقیدۃ الاعلام فی الفرق بین الکفر والاسلام** (مطالعہ قادیانیت: جلد سوم)

محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور جامعہ ملیہ محمود کالونی لاہور: ۲۰۱۷ء/ ۱۴۳۹ھ: صفحات ۳۶۸

(**۲۳**)-مرزا غلام احمد قادیانی، اپنے کردار، حالات اور پیشگویوں کے آئینہ میں (مطالعہ قادیانیت، جلد چہارم)

محمود پبلی کیشنز لاہور، ۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء، صفحات: ۴۴۸

عنوانات: مقدمہ: مرزا غلام احمد کا معیار صدق وکذب، آغاز کتاب، پیغمبروں کا اپنی عبدیت پر غیر متزلزل یقین، سیرت نبوی کے بنیادی نقوش، فرشتوں پر کوئی دماغی محنت نہیں ڈالی جاتی، مرزا غلام احمد کی ترمیم شریعت، عقائد میں ترمیمات، مرزا غلام احمد کی تاریخ میں ترمیمات، اقامۃ البرہان علیٰ ان القادیان لیس بدار الامان، پاکستان میں ربوہ کا قیام، مرزا غلام احمد کی تاریخ پیدائش پر کچھ عصری شہادتیں، سنسنی خیز انکشافات اور براءۃ حضرت تھانویؒ، مرزا غلام احمد کی اپنی لکھی تاریخ پیدائش، کتاب اسرار شریعت کا تعارف، مرزا کے منکرین پر کیا آسمان سے کوئی وبال اترا ہے؟ چودھویں صدی کا ایک ناکام مصلح، بیسویں صدی کا آغاز واختتام، مجددین امت اس امت کو باقی رکھنے کیلئے آتے ہیں، ایک رمضان میں سورج اور چاند گرہن۔

(**۲۴**)-علم جنات وملائکہ: (حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی عبارت کی روشنی میں)

اسلامی اکیڈمی، ۱۹۔ چارٹن ٹیرس، آف اپر بروک، مانچسٹر (برطانیہ) صفحات: ۳۹

(**۲۵**)-قادیانیت پر غور کرنے کا آسان راستہ: علامہ خالد محمود: صفحات ۷۸

(**۲۶**)-قادیانیوں کی قانونی حیثیت: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان: ۱۹۸۴ء: صفحات ۶۳

(۲۶/اپریل ۱۹۸۴ء کو ’’آرڈیننس امتناع قادیانیت‘‘ کے خلاف مرزائیوں نے وفاقی شرعی عدالت میں

کیس دائر کر دیا۔ عالمی تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام ملک کے بڑے بڑے علماء کرام کے عدالت میں بیان ہوئے۔ اس موقع پر علامہ خالد محمودؒ نے جو بیان تیار کیا وہ عدالت میں پیش تو نہ ہو سکا، مگر جج صاحبان کو دے دیا گیا تاکہ ان کی رہنمائی ہو سکے۔ بعد میں یہ بیان پہلے ماہنامہ ''الرشید'' ساہیوال میں اور پھر الگ کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا۔ علامہ خالد محمود صاحبؒ کا یہ مقالہ علم و فضل، دشمن پر گرفت کا ڈھب اور حاضر جوابی کا آئینہ دار ہے۔)

(۲۷)-محرم کی دس راتیں: محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور

(دس اہم تقاریر کی املاء جو حضرت علامہ صاحبؒ نے محرم الحرام کے عشرہ میں فرمائی تھیں۔)

(۲۸)-**مصباح الظلام فی مسئلہ ترک فاتحہ خلف الامام**

(مولانا ابراہیم سیالکوٹی کے ساتھ تحریری مباحثہ کی روداد): مطبوعہ

(۲۹)-بست بابی فہرست مضامین قرآن، مختصر دورۂ تفسیر قرآن مع لغات القرآن (۲ حصے)

(۳۰)-مطالعہ بریلویت: دار المعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور: اپریل ۲۰۱۷ء، صفحات: ۴۴۰

(جلد اول) تقریظ: مولانا محمد سالم قاسمیؒ بن مولانا قاری محمد طیبؒ رحمہ اللہ

عنوانات: مقدمہ، بریلوی مسلک کی ایک جھلک، ختم اور ایصال ثواب، قبور اور مزارات، پیروں کی ذہنی غلامی، اہل السنۃ والجماعۃ پر تیشۂ تفریق، اب آستانۂ بریلوی کو لوٹئے، تکفیر کی سیاہ رات، تکفیری مہم کا فکری جائزہ، بزرگان طریقت کا مجموعی ردعمل، غیر جانبدار علمی شخصیات، مقتدر قومی شخصیتیں، بریلویوں کی تحریک تکفیر کا سیاسی جائزہ، قادیانیوں اور رضاخانیوں کی مشترکات، ہندوستان کی سیاست ایک نئے رخ پر، قومی توہمات میں بریلویوں کا کردار، اختلافات پیدا کرنے میں بریلوی زینہ، تہمت بر مولانا اسمٰعیل شہیدؒ، تہمت بر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، تہمت بر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، تہمت بر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، تہمت بر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت میاں شرقپوریؒ کی اصلاح۔

(جلد دوم) دار المعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور، صفحات: ۴۴۸

عنوات: تفریق امت کی سمندر پار کوششیں، مقدمہ، بریلوی تصویر کا دوسرا رخ، دیباچہ طبع سوم، مولانا احمد رضا خان: علم و فضل کے آئینہ میں، مولانا احمد رضا خان کا ترجمہ قرآن، غلط ترجمہ قرآن پر عالمی احتجاج، کنز الایمان ترجمہ قرآن نہیں، کنز الایمان کے قابل دید نمونے، کنز الایمان کے تفسیری حاشیوں کی ایک جھلک، مولانا احمد رضا خان کی عملی زندگی کے نمونے، سیرت میں صوفیہ کا رنگ نہ تھا، اخلاقی زندگی کی ایک جھلک، عقیدہ توحید کی ایک جھلک، تکوین کی حقیقت، اللہ تعالیٰ کو منشی کہنے کی گستاخی، مولانا احمد رضا خان اور ان کے پیروؤں کا عقیدہ توحید، عقائد: رسالت کے باب میں، انبیاء کی دخل شیطانی سے حفاظت، مولانا احمد رضا خان کا انکار ختم نبوت، انبیاء اور عام افراد انسانی میں فرق،

مقام صحابہؓ بریلوی نقطہ نظر میں، اولیائے کرام کے بارے میں، مقدمہ، کلمہ شریف، قرآن شریف، درود شریف، درود شریف بریلویت کی زد میں

(جلد سوم) : دارالمعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور:، صفحات ۴۶۴

عنوانات: مقدمہ، مطالعہ بریلویت، ہندومت کی نشأۃ جدید، مسیحیت کا طور جدید، جاہلی مسلمانوں کا تاریک ماضی، تحریک خلافت اور مولانا احمد رضا خان، انگریز اور دارالعلوم دیوبند: غیر جانبدار شہادتوں کی روشنی میں۔

(جلد چہارم) : دارالمعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور:، صفحات ۴۲۸

عنوانات: مقدمہ، شہر بریلی، بریلی کے دینی مدارس، روح اعلیٰ حضرت کی فریاد، تکفیر امت کی واردات میں علماء ہند نے مولانا احمد رضا کا ساتھ نہیں دیا، نچلی کلاس کے لوگوں پر پیروں کی واردات، بریلوی مریضوں پر وہمات کے جھٹکے، بریلویوں کا طریق واردات، قومی سطح پر ضرورت اتحاد اور بریلی کی قیامت خیز گرمی: استفتاء کے نمبروار جوابات، مسئلہ اکثیر، بریلویت اور مسلم لیگ، اعلیٰ حضرت کے باغی، بریلویوں کی مذہبی خودکشی

(جلد پنجم): دارالمعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور، صفحات: ۵۴۸

عنوانات: مقدمہ، تاریخ زوال امت، بریلویت: علماء دیوبند کی نظر میں، علماء دیوبند: حاجی امداد اللہؒ کی نظر میں، بریلویوں کے عقائد خمسہ، پکار فوق الاسباب، اسلام کا عقیدۂ توحید، عقیدۂ نور و بشر، عقیدہ الحظور والنظور، علم غیب، عقیدۂ مختار کل۔

(جلد ششم): دارالمعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور، صفحات: ۴۴۳

عنوانات: پیش لفظ، مقدمہ، افتتاحیہ۔ بحر الظلمات من امواج البدعات، کلمہ کے گرد بچھائے گئے کانٹے، اذان و اقامت میں لائی گئی بدعات، نماز میں لائی گئی بدعات، درود شریف کے گرد لائی گئی بدعات، قبروں پر کی جانے والی بدعات، ایصال ثواب میں پیدا کی گئی بدعات، گیارہویں شریف، عید میلاد النبی، مساجد میں محافل نعت کا انعقاد

(جلد ہفتم) : دارالمعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور:، صفحات ۴۰۴

عنوانات: مقدمہ، مولانا احمد رضا خان۔ خیرآبادی علماء کی نظر میں، فرقہ رضا خانیہ کا مناظرہ سے فرار، **القول الاظہر فیما یتعلق بالاذان عندالمنبر**، تجلیات انوار المعین (فاضل بریلوی کی خصوصیات)، علمائے دیوبند اور بریلی کی خدمات کا تقابلی جائزہ: (مقدمہ از حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ) مولانا احمد رضا خان بدایونی، اہل ادب کی نظر میں، تبصرہ بقلم جناب ماہر القادری، تبصرہ بدایونی قادری بر ترجمہ احمد رضا قادری، کنز الایمان میں زبان و ترجمہ کی غلطیاں، تبصرہ بر ضیائے کنز الایمان۔

(جلد ہشتم): دار المعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور، صفحات: ۳۹۸

عنوانات: بریلویت دم توڑ گئی، خیر آبادی علماء بریلوی عقائد کے نہ تھے، مولانا احمد رضا سرزمین حجاز میں، مولانا احمد رضا خان کا حرمین سفر، بریلویوں کے نئے ترجمہ قرآن کا تعارف، بریلویت پر گزری تاریخی منزلیں، شرک و بدعت کے پودے کہاں پھوٹتے ہیں؟ پاکستان میں دیوبندی بریلوی اتحاد کی نئی کوششیں، المہند علی المفند (چھبیس سوالات اوران کے جوابات)، ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض بریلوی حضرات کی طرف سے علامہ صاحب کی مطالعہ بریلویت پر لکھی گئی ان آٹھ جلدوں کا جواب بھی دینے کی کوشش کی گئی، لیکن اس جوابی کارروائی میں عقل و نقل کے بجائے جھوٹ و بدزبانی کام لیا گیا ہے۔ زیر نظر اشاعتِ خاص میں ''افادات'' کے باب میں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ حضرت علامہ صاحبؒ نے ان کی اس کارروائی کا بڑی خوش اسلوبی سے جائزہ لیا اور مزید ضروری اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ بریلویت کی دو مزید جلدیں مرتب فرمادیں۔ الحمدللہ اب دس جلدوں کا سیٹ مکمل ہو چکا ہے۔

(**۳۱**)- مقام حیات (**مدارک الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء**): مکین گنبد خضراء کی حیات برزخی کا بیان:

جلد اول: دار المعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور: ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء: صفحات ۷۵۲

عنوانات: اسلام کا عقیدۂ معاد، انکار حیات کا تاریخی پس منظر، مقدمہ، موت کی حقیقت، تمہید، اسلام کا عقیدۂ برزخ، عذاب قبر: محدثین کی نظر میں، عذاب قبر: احادیث کی روشنی میں، قبر کی واردات، ساتویں صدی کی شہادت، آٹھویں صدی کی شہادت، نویں صدی کی شہادت، دسویں صدی کی شہادت، گیارہویں صدی کی شہادت، بارہویں اور تیرہویں صدی، چودہویں صدی کی شہادت، دنیاوی زندگی نہیں، دنیا کی سی زندگی ہے، آیت ''**اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا**'' پر بحث، قبر کی حقیقت، عالم مثال، تنقیح المبحث، حیات جسمانی، حیات برزخی، حیات شہداء، حیات شہداء کے شواہد، **حیات بعد الوفات لسید الکائنات**، الفصل الاول وفيه ستة من المباحث، الفصل الثانی وفيه ستة من المباحث، الفصل الثالث وفيه ستة من المباحث، الفصل الرابع وفيه ستة من المباحث، الفصل الخامس وفيه ستة من المباحث، الفصل الاول۔ مسلك خلفائے راشدين، الفصل الثانی فی بيان المذاهب الاربعه، الفصل الثالث، الفصل الرابع فی مؤقف المتكلمين، الفصل الخامس، الفصل السادس، الفصل السابع، الفصل الثامن، الباب الرابع وفيه فصلان، دس موجودہ اکابر دیوبند کا عقیدہ حیات النبی، پاکستان کے دس اکابر مسلک دیوبند کا متفقہ اعلان، ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد دار العلوم دیوبند کا تاریخی فیصلہ۔

جلد دوم: محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ، ہادیہ حلیمہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور ۲۰۲۰ء، صفحات: ۳۳۶

عنوانات: مقدمہ، دردانگیز حالات میں ایمان بچانے کی ایک قومی صدا، اسلام میں حق اور باطل کا معرکہ شروع سے چلتا آرہا ہے، مقام حیات جلد دوم کا آغاز، **شهادة القرآن باعلى النداء باعتقاد حيات نبينا في الروضة الخضراء**، روضہ خضراء میں حضور کی حیات برزخی پر پوری امت کا اجماع ہے، امت مسلمہ کا یہ اجماعی عقیدہ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر اشارہ دیا گیا ہے، اسلام میں اِس جہان کا اگلے جہان سے رشتہ، پنجاب میں حیات النبی میں اختلاف [پہلے پروبال کس نے نکالے]، **التحقيق التام في استحباب زيارة سيد الانام**، دیگر بڑے مدارس کے فتوے بھی علمائے (اہل سنت) دیوبند کے ساتھ، مسلکِ ارجمند ازاکابر دیوبند المعروف بہ **اجماع العلماء الاعلام علىٰ حيات الانبياء الكرام**، دس مرحومین اکابر دیوبند کے عقائد، دس موجودین اکابر دیوبند کا عقیدہ حیات النبی، پاکستان کے دس اکابر مسلکِ دیوبند کا متفقہ اعلان، پنجاب کی ربع صدی کی محاذ آرائی دیکھنے کے بعد دارالعلوم دیوبند کا تاریخی فیصلہ، مسئلہ حیات النبی اور علمائے اسلام

(**۳۲**)-معیار صحابیت

i) مرکز تحقیقات اسلامیہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ امامیہ کالونی لاہور: ۱۹۹۳ء: صفحات ۸۹

ii) دارالمعارف: اردو بازار لاہور: ربیع الاول ۱۴۳۸ھ/مئی ۲۰۱۷ء: صفحات ۲۰۰

iii) محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ، ہادیہ حلیمہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

۱۹۹۰ء کی دہائی میں روافض کی طرف سے لکھی گئی کتاب کا جواب جو اراکین اسمبلی کی خدمت میں پیش کی گئی، ایک علمی و تحقیقی دستاویز ہے جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ "صحابیت ایک وہبی شے ہے کسبی نہیں اور وہبی چیز کیلئے کوئی اپنا معیار نہیں بنایا جاتا۔"

عنوانات: مقدمہ، معیار صحابیت، بیعت رضوان، نجات اخروی کی سند

(**۳۳**)-مناظرہ شیفیلڈ (بریلویوں کی شکست کا عبرت ناک منظر)

انجمن اشاعۃ التوحید والسنۃ شیفیلڈ (برطانیہ): ۱۹۸۰ء، صفحات: ۵۶

مناظرہ مابین:

فریق اول: مناظر اہل سنت علامہ خالد محمود و خطیب اسلام مولانا محمد ضیاء القاسمی

فریق ثانی: مولوی عنایت اللہ سانگلوی و مولوی عبدالقادر گیلانی

بمقام سٹی ہال شیفیلڈ (برطانیہ) بتاریخ ۲۰/جولائی ۱۹۸۰ء

موضوع مناظرہ: علم غیب، حاضر و ناظر، نور و بشر، مسئلہ مختار کل

(**۳۴**)-مناظرہ کیسے کریں؟ افادات: علامہ خالد محمود صاحبؒ

ترتیب: مولانا حافظ محمد ندیم قاسمی صاحب

(۳۵)-مناظرہ نائیجیریا: مرتبہ: مولانا محمد رفیق (امریکہ): عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان، ۱۹۸۱ء، صفحات: ۴۸

(مغربی افریقہ کے مشہور شہر ''اجی بوڈی'' میں علامہ خالد محمود کا مرزائیوں سے ''مرزا قادیانی کی زندگی'' پر مناظرہ ہوا۔ اس کتاب میں اس کی روئیداد ہے۔)

(۳۶)-مناظرے اور مباحثے: مرتب مولانا محمد ندیم قاسمی ایم اے، مکتبہ عشرہ مبشرہ غزنی سٹریٹ اردو بازار

اشاعت اول: اگست ۲۰۰۹ء/ اشاعت دوم: جون ۲۰۱۰ء/ اشاعت سوم: مارچ ۲۰۱۱ء، صفحات: ۴۰۰

(یہ علامہ صاحبؒ کے ان اسباق کا مجموعہ ہے جو آپ نے ملتان میں ۴ رفرقہ ہائے باطلہ (رضاخانیت، شیعیت، قادیانیت اور عیسائیت) کے بارے میں علمائے کرام کو پڑھائے)

(۳۷)-نصرت الاسلام، مرتبہ: مولانا محمد الیاس خطیب مسجد پٹولیاں لاہور

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان، ۱۹۶۲ء، صفحات: ۸۰

روئیداد مناظرہ مابین علامہ خالد محمودؒ اور قاضی نذیر وجلال الدین شمس

بمقام مال روڈ لاہور، بتاریخ: ۱۸ رستمبر ۱۹۶۲ء

(۳۸)-نماز کا مقام توحید: اسلامک اکیڈمی، ۶۳۔ اپر بروک مانچسٹر (برطانیہ): صفحات ۶۳

(۳۹)-مودودی جماعت: مکتبہ تعمیر حیات، ۲۳، حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

(۴۰)-علم حدیث پر عصر حاضر کی جدید مشقیں اور حدیث کے قدیم علمی نظریات

محمود پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور، ۲۰۲۰ء، صفحات: ۳۱۸

عنوانات: مقدمہ، پہلے دور کی ظالمانہ مشقوں کی ایک جھلک، علم حدیث میں امام ابوحنیفہ اور امام بخاری کا تقابلی مطالعہ، علم حدیث ہمیشہ سے اصلاح امت کا علمبردار رہا ہے، حدیث کے قدیمی نظریات، اسلام کی علمی تاریخ میں خبر ونظر ساتھ ساتھ چلے ہیں، اہل الرائے اور اہل حدیث میں کیا فرق رہا ہے؟، سرسید احمد خان کا نظریہ حدیث، مرزا غلام احمد کا نظریہ حدیث، مولانا احمد رضا خان کا نظریہ حدیث، فہم قرآن میں غلطی نہ کیجیے، حافظ محمد اسلم جیراج پوری کا نظریہ حدیث، علامہ عنایت اللہ خان مشرقی، مرزا عبدالحسین لکھنوی شیعی کی صحیح بخاری کے رجال سند پر ظالمانہ مشقیں، بیسویں اور اکیسویں صدی عیسوی کے جدید مولویوں کی پرانے اسلام پر کھلی یلغار، مولانا مودودی کا نظریہ حدیث، غامدی صاحب کس طرح یورپ کی چمک تلے اپنے آپ کو کھو گئے، حدیث کا وسیع تابناک چہرہ، حضور ﷺ نے کیا کیا اور کیا نہ کیا یہ صرف حدیث سے ہی معلوم ہوسکتا ہے، پرانے اسلام اور نئے اسلام میں فاصلہ، جاوید احمد غامدی کے پرانے اسلام کے بارے میں نظریات، نوزائیدہ فرقوں کی انگریزی دور میں مسلمانوں میں باہمی معرکہ آرائی، اہلحدیث

(باصطلاح قدیم) اور اہلحدیث (باصطلاح جدید) میں فرق، فروعی مسائل میں ملکی سطح پر چیلنج دارالعلوم دیوبند بھی پہنچ گیا، ائمہ اربعہ اور غیر مقلدین کے اختلاف میں مابین احساس، شیخ محمد ناصر الدین البانی کی حدیث میں لائی گئی بدعات اور حدیث کی کتابوں کی وضع قطع بدلنے کی نازیبا جسارت، مرکزی اشاعۃ التوحید والسنۃ کا ملحدانہ نظریہ

مقدمات:

(۱)-**المهند علی المفند**: (عقائد علماء اہل سنت دیوبند)

فخر المحدثین مولانا خلیل احمد سہارنپوری: (مع اضافہ مقدمہ ''المہند'' وتصدیقات قدیمہ وجدیدہ):

ادارۃ الرشید دکان نمبر ۱، معراج منزل علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی: اشاعت دوم: اپریل ۲۰۱۲ء

عقائد اہل السنۃ والجماعۃ: حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ

مقدمہ: علامہ خالد محمود صاحبؒ: صفحہ ۱۰/تا ۶۰

(۲)-**بدعت اور اہل بدعت۔ اسلام کی نظر میں**: مولانا محمد اقبال رنگونی (فاضل مظاہر علوم سہارنپور)

دار المعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

مقدمہ: علامہ خالد محمود صاحبؒ: صفحہ ۱۳/تا ۶۸

(۳)-**بیس بڑے مسلمان**: عبدالرشید ارشد: مکتبہ رشیدیہ، ۲۵۔ لوئر مال لاہور: ایڈیشن گیارہواں: رجب ۱۴۲۷ھ/ جولائی ۲۰۰۶ء

پیش لفظ: علامہ خالد محمود (۳۲/صفحات)

(۴)-**تجلیات آفتاب** (مقدمہ ''آفتاب ہدایت'' مؤلفہ: مناظر اہل سنت مولانا کرم الدین دبیر آف بھیں ضلع چکوال)

محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ، ہادیہ حلیمہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، (یہ اگرچہ دو ضخیم جلدوں کی مستقل کتاب ہے، لیکن حضرت علامہ صاحب فرماتے تھے کہ ہم نے یہ آفتاب ہدایت کے مقدمہ کے طور پر لکھی ہے۔)

(جلد اول) طبع اول: ۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء: صفحات ۵۹۹۔ طبع دوم: ۲۰۱۹ء، صفحات: ۶۱۶

عنوانات: مقدمۃ الکتاب، مقدمۃ العلم، شیعہ سنی اختلاف کو بڑھانے کی منحوس راہیں، مسلم معاشرے میں منافقین کس پوزیشن میں ہیں، تحقیق عقائد کے چند بنیادی اصول، وہ چند اصول جن سے عوام کسی نتیجہ تک پہنچ سکیں، عقائد اہل سنت کی غلط تصویر اور اس کا تحقیقی جائزہ۔

باب اول: تجلیات آفتاب، حضرت ابوبکرؓ کے ایمان کی نفی کے لیے ڈھگو کا بے مایہ سرمایہ، حضرت عمرؓ کے ایمان پر رافضی کے پانچ حملے، حضرت عثمان کے ایمان پر تین حملے، ایمان وعمل کے متعلق چند ضروری امور۔

باب دوم: ''آفتاب ہدایت'' کی پیش کردہ دیگر آیات اور رافضی کی ان میں رکیک تاویلات۔

باب سوم: شیعہ لٹریچر میں روایات مدح صحابہؓ، اصحاب ثلثہ کی مشترکہ تعریف

باب چہارم: خلافت اور امامت کا معرکۃ الآراء مسئلہ، مسئلہ خلافت پر ایک تحقیقی نظر، کیا حضرت علیؓ حضورؐ کے خلیفہ بلافصل تھے؟

باب پنجم: خلفاء ثلٰثہ کی جہاد سے کنارہ کشی کی وضعی داستانیں روافض کی پیش کردہ روایات کا ایک مختصر تحقیقی جائزہ

باب ششم: جنگ احد کی آڑ میں صحابہ سے شرمناک بغض

(جلد دوم) ۲۰۱۸ء: صفحات: ۵۱۲

عنوانات: مقدمۃ الکتاب، **علم الهدیٰ بان البدا لیس من شان الاله**، حدیث کساء، شرعی نکاح اور چھپے نکاح میں حلال وحرام کا فاصلہ، **غضب الرحمن علی متخذات اخدان**، گرل فرینڈ کلچر کے متبادل کی تلاش، حضرت عمرؓ سے عناد کا تاریخی پس منظر، جزع وفزع درویشاں باقرار جرم خویشاں یہ اجتماعی ماتم صرف ایک دفعہ ہوا، سالانہ ماتمی جلوس اور ان کی ظاہری ہائے ہائے، صدمہ پہنچنے پر غم اور سوگ کی فطری اجازت، سالانہ رسمی ماتم پر ڈھکوکے دیئے گئے دلائل، انبیاء اور ائمہ کا صبر وتحمل اور حق گوئی، **الجواهر المضیه فی مباحث التقیه**

ساؤتھ افریقہ میں نائب سفیر ایران سے تقیہ پر مناظرہ، مقدمہ روئیداد، مناظرہ ڈربن کے چیئر مین ڈاکٹر سلمان ڈینگر، اب مناظرہ شروع ہوتا ہے، عقائد الشیعہ اثنا عشریہ، عقیدہ تفضیل ائمہ

دوازدہ احادیث: مقدمہ: اہل باطل کے خفیہ حربے، [۱] حدیث الحوض [۲] حدیث ثقلین [۳] حدیث ولایت **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** [۴] حدیث دوازدہ امیر [۵] حدیث اغضاب فاطمہ [۶] حدیث عالمی غلبہ رسالت، رسالت محمدی کی آسمانی نصرت کا بار بار اظہار، رسالت محمدی کی ۲۳ سالہ کامیاب تبلیغ [۷] حدیث فدک [۸] حدیث قرطاس [۹] حدیث فضل معاویہؓ وظہور مسرتِ راضیہ [۱۰] حدیث وحدتِ امت [۱۱] حدیث مباہلہ [۱۲] حدیث خروج مہدی، نبوت اور المہدویت

(۵)-**تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباسؓ** (افادات: مولانا قاسم نانوتویؒ):

ادارہ العزیز نزد جامع مسجد صدیقیہ، گلہ برف خانہ، سیالکوٹ روڈ، کھوکھر کی، گوجرانوالہ: بار سوم ۲۰۰۱ء: صفحات ۱۲۸

مقدمہ: علامہ ڈاکٹر خالد محمود (ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر (یوکے)

(۶)-تحقیق متعہ: مصنفہ: مولانا مفتی بشیر احمد پسروریؒ (خلیفہ مجاز حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ)

مقدمہ: علامہ خالد محمود صاحبؒ (حوالہ: تذکرہ اسلاف [جلد۴]؛ ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن، صفحہ: ۴۴)

(۷)-تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہؓ، مرتبہ: مولانا قاری قیام الدین الحسینی

ادارہ نشر واشاعت اسلامیات پنڈ دادن خان (ضلع جہلم): محرم ۱۴۱۲ھ/ جولائی ۱۹۹۱ء، صفحات: ۲۴۳

تقریظ: علامہ خالد محمود صاحبؒ، صفحہ: ۲۴

(۸)- حدیث ثقلین: مولانا محمد نافع صاحبؒ

i) مکہ بکس، ۵- بخشی سٹریٹ بیرون موری گیٹ، سرکلر روڈ لاہور: طبع ثانی جنوری ۱۹۸۴ء

مقدمہ: علامہ خالد محمود صاحبؒ، صفحہ: ۱۱ تا ۲۹

ii) دارالکتاب 6A یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور: فروری ۲۰۱۹ء

مقدمہ: علامہ خالد محمود صاحبؒ، صفحہ: ۶ تا ۲۴

(۹)- ردقادیانیت کے زریں اصول (۱۹۹۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں دیئے گئے علمی اسباق)،

افادات: مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ: مرتبہ: مولانا سلمان منصور پوری (مفتی مدرسہ شاہی مراد آباد)

ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد چنیوٹ: اشاعت اول جنوری ۲۰۰۱ء

مقدمہ: علامہ خالد محمود صاحبؒ، صفحہ: ۶۸

(۱۰)- سیرت سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ (۲/مجلدات)، مولانا ثناء اللہ سعد، مکتبہ عشرہ مبشرہ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

تقریظ: علامہ خالد محمود صاحبؒ

(۱۱)- کتاب الاستفسار (عیسائیت کے بارے میں): تالیف: مناظر اسلام مولانا سید آل حسن مہانی

دارالمعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

مقدمہ: علامہ خالد محمود صاحبؒ، ۳۵ تا ۱۱۰

(۱۲)- ماہنامہ "الرشید" لاہور (دارالعلوم دیوبند نمبر)، عبدالرشید ارشد، صفر، ربیع الاول ۱۳۹۶ھ/ فروری، مارچ ۱۹۷۶ء

پیش لفظ: علامہ خالد محمود صاحبؒ، صفحہ: ۹۷ تا ۱۳۱

(۱۳)- متعہ: شرف انسانیت پہ ضرب کاری، حافظ عبدالجبار سلفی

الطبقة المثقفة شارع الهجرة، بطحاء قريش مكه مكرمه (سعودی عرب): مارچ ۲۰۱۴ء: صفحات: ۱۳۵

مقدمہ: علامہ خالد محمود (لندن)، صفحہ: ۱۳ تا ۲۱ (یہ وہی مقدمہ ہے جو علامہ صاحبؒ نے "تحقیق متعہ" پر لکھا تھا، پھر بارِ دگر اِس کتاب میں شامل اشاعت کیا گیا۔)

(۱۴)- متعہ نہ کیجئے: مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی (مدیر مجلّہ "الہلال" مانچسٹر)

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر (یوکے) ۱۹۹۲ء، صفحات: ۱۱۲

مقدمہ: علامہ خالد محمود صاحب، صفحہ: ۱۳ تا ۳۰

(۱۵)- مناظرۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مرتب: حافظ عبدالجبار سلفی، ۲۰۰۲ء،

تقریظ: علامہ خالد محمود رحمہ اللہ

(۱۶)-عقائد اہل السنۃ والجماعۃ مدلل، مولانا مفتی طاہر مسعود، مکتبہ سراجیہ، سرگودہا

پیش لفظ: استاذ المحدثین مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ

مقدمہ: مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ

(۱۷)-حج وعمرہ، گھر سے گھر تک، سید عبدالماجد،

تقریظ: مولانا علامہ خالد محمودؒ، صفحہ:

(۱۸)-اکابر دیوبند اتباع شریعت کی روشنی میں [۱۹۸۰ء]

تالیف: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

مقدمہ: حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹)-سیرتِ زہرا رضی اللہ عنہا، [۱۹۷۱ء]

مؤلف: محمد صدیق کھوکھر

مقدمہ: مولانا علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

(۲۰)-انوارِ سخن [۱۹۷۹ء]

مجموعۂ کلام: حافظ نور محمد صاحب انورؔ

مقدمہ: مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

(۲۱)-سیرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

تالیف: مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی

مقدمہ: حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

(۲۲)-غنچۂ توحید، [۱۹۸۲ء]

شعری مجموعہ: عطا محمد صاحب عنبرؔ

مقدمہ: حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

(۲۳)-گلدستہ تفاسیر

ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان

مقالات ومضامین:

۱-ایک بین الاقوامی شخصیت: (علامہ محمد یوسف بنوریؒ):

ماہنامہ ''بینات'' کراچی: (بیاد محدث عصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ)

محرم الحرام تا ربیع الاول ۱۳۹۸ھ/ جنوری، فروری ۱۹۷۸ء، جامعۃ العلوم الاسلامی نیوٹاؤن کراچی: صفحہ ۴۷ تا ۴۸۸

۲-ایک خاموش مجاہد (مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی، (مفتی اعظم نمبر)

مرتبہ: مفتی محمد تقی عثمانی، جمادی الثانیہ تا شعبان ۱۳۹۹ھ، صفحہ: ۸۳۴ تا ۸۴۰

۳-حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ پر اہل بدعت کی تہمتیں اوران کا جواب: نگارشات اکابر (بتذکرہ جواہر معارف)

ترتیب: محمد نعمان ارشدی: حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیو بند، طبع اول ۱۴۳۹ھ/ ۲۰۱۸ء، صفحہ: ۵۹۳ تا ۶۱۱

۴-خوش قسمت جماعت (حضرات صحابہ کرامؓ): مشمولہ ''مناقب صحابہ کرام''، حافظ محمد اقبال رنگونی

ادارہ الہلال مانچسٹر اسلامی اکیڈمی آف مانچسٹر یوکے، بار اول ربیع الاول ۱۴۱۲ھ، صفحہ: ۵ تا ۱۴

۵-دو عیدیں کیوں؟ (برطانیہ میں رؤیت ہلال کے مسئلہ پر سیر حاصل بحث)

۶-سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ: مشمولہ ''بیس بڑے مسلمان'': عبدالرشید ارشد:

مکتبہ رشیدیہ، ۲۵ لوئر مال لاہور، گیارہواں ایڈیشن رجب ۱۴۲۷ھ/ جولائی ۲۰۰۶ء، صفحہ: ۸۶۳ تا ۸۶۷

۷-عصر حاضر کے زعیم اسلام، مشمولہ: ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور (امام الاولیاء حضرت لاہوریؒ نمبر)

۱۹۷۹ء، صفحہ: ۲۰۱ تا ۲۱۰

۸-محدث کبیر (مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھیؒ): مشمولہ ''بیس مردان حق'' (جلد دوم)، عبدالرشید ارشد

مکتبہ رشیدیہ، ۲۵ لوئر مال لاہور، اکتوبر ۱۹۹۶ء/ جمادی الثانی ۱۴۱۷ء، صفحہ: ۸۸۷ تا ۸۹۰

۹-مولانا شبیر احمد عثمانیؒ: مولانا احمد علی لاہوریؒ کی نظر میں

مشمولہ: بیس علمائے حق: حافظ محمد اکبر شاہ بخاری، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور، صفحہ: ۸۲ تا ۸۴

۱۰-مولانا عبیداللہ سندھی آخری دم تک شاہ ولی اللہ اور دیو بند کی عقیدت میں

سالنامہ یادگار اکابر، امام انقلاب حضرت سندھی نمبر، صفحہ: ۶۰۴ تا ۶۱۱

۱۱-ماہنامہ الحسن میں شائع شدہ مضامین

۱	حکیم الامت اور قادیانی اتہامات کا تحقیقی جائزہ (خاص نمبر، حصہ اول)	اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۷ء	۶۳۶ تا ۶۷۶
۲	**عقیدہ تسلسل امت**	اپریل ۲۰۱۲ء	صفحہ: ۴۰ تا ۴۹
۳	''**عقیدہ تضلیل امت**'' ایک کھلا کفر ہے	جون ۲۰۱۲ء	صفحہ: ۴۲ تا ۵۰
۴	مولانا شبیر احمد عثمانیؒ: مولانا احمد علی لاہوریؒ کی نظر میں	جنوری ۱۹۸۷ء	
۵	وقت کی مؤثر آواز (پیغام بنام ادارہ ''الحسن'' لاہور برائے اشاعت خاص)	اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۷ء	صفحہ: ۱۷ تا ۱۸

۱۲- ہفت روزہ ''دعوت'' میں شائع شدہ مضامین

	دعوت : دور اول (مدیر مسئول: مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ)
۱	جلد ۹، شمارہ ۱، ۲: اگست ۱۹۵۶ء، فاروق اعظم نمبر...... حضرت فاروق اعظم کی مخالفت کے اسباب
۲	جلد ۹، شمارہ ۴: ۲۱ ر محرم ۷۶ھ: ۲۸ ر اگست ۱۹۵۶ء...... حضرت فاروق اعظم کی مخالفت کے اسباب [۲]
۳	جلد ۹، شمارہ ۴۲: ۴ ر ذیقعدہ ۱۳۷۶ھ، ۳ ر جون ۱۹۵۷...... مناظرہ سنکھترہ میں مولوی اسماعیل گوجروی کی شکست [۱]
۴	جلد ۹، شمارہ ۴۳: ۱۰ ر ذیقعدہ ۷۶ھ، ۱۰ ر جون ۵۷ء...... مناظرہ سنکھترہ میں مولوی اسماعیل گوجروی کی شکست [۲]
۵	جلد ۹، شمارہ ۴۵: ۲۴ ر ذیقعدہ ۷۶ھ، ۲۴ ر جون ۵۷ء...... مناظرہ سنکھترہ میں مولوی اسماعیل گوجروی کی شکست [۳]
۶	جلد ۹، شمارہ ۴۶: ۲ ر ذوالحجہ ۷۶ھ، یکم ر جولائی ۵۷ء...... خطاب: سیدنا علی رضی اللہ، بمقام کرشن نگر لاہور
۷	جلد ۹، شمارہ ۵۰: ۳۰ ر ذوالحجہ ۷۶ھ، ۱۹ ر جولائی ۵۷ء...... مناظرہ سنکھترہ میں مولوی اسماعیل گوجروی کی شکست [۴]
۸	جلد ۱۰، شمارہ ۱۱: ۲۶ ر ربیع الاول ۷۷ھ، ۲۱ ر اکتوبر ۵۷ء...... دورۂ آزاد کشمیر (باغ، پونچھ، مظفر آباد وغیرہ)
۹	جلد ۱۰، شمارہ ۲۶: ۱۴ ر رجب ۷۷ھ، ۳ ر فروری ۵۸ء...... صدیق اکبر کے عنوان پر عظیم الشان جلسہ وجلوس سے خطاب
	دعوت : دور ثانی (سرپرست: علامہ خالد محمود وعلامہ دوست محمد قریشی رحمہما اللہ، مدیر: ارشد رشیدی، نذیر بخاری)
۱	جلد ۱، شمارہ ۱: ۱۴ ر ربیع الثانی ۸۲ھ، ۱۴ ر ستمبر ۶۲ء...... عصمت نبوت [۱]
۲	جلد ۱، شمارہ ۲: ۲۱ ر ربیع الثانی ۸۲ھ، ۲۱ ر ستمبر ۶۲ء...... عصمت نبوت [۲]
۳	جلد ۱، شمارہ ۳: ۲۸ ر ربیع الثانی ۸۲ھ، ۲۸ ر ستمبر ۶۲ء...... ختم نبوت پر کامیاب مناظرہ مال روڈ [۱]...... عصمتِ نبوت [۳]
۴	جلد ۱، شمارہ ۴: ۵ ر جمادی الاولیٰ ۸۲ھ، ۵ ر اکتوبر ۶۲ء...... باب الاستفسارات، عصمتِ نبوت [۴] ختم نبوت پر مناظرہ [۲]
۵	جلد ۱، شمارہ ۵: ۱۲ ر جمادی الاولیٰ ۸۲ھ، ۱۲ ر اکتوبر ۶۲ء...... باب الاستفسارات، عصمتِ نبوت [۵]، ختم نبوت مناظرہ [۳]
۶	جلد ۱، شمارہ ۶: ۱۹ ر جمادی الاولیٰ ۸۲ھ، ۱۹ ر اکتوبر ۶۲ء...... باب الاستفسارات...... ختم نبوت پر کامیاب مناظرہ [۴]
۷	جلد ۱، شمارہ ۷: ۲۶ ر جمادی الاولیٰ ۸۲ھ، ۲۶ ر اکتوبر ۶۲ء...... باب الاستفسارات...... ختم نبوت پر کامیاب مناظرہ [۵]
۸	جلد ۱، شمارہ ۸: ۳ ر جمادی الثانیہ ۸۲ھ، ۲ ر نومبر ۶۲ء...... باب الاستفسارات، کامیاب مناظرہ [۶]، آداب القرآن
۹	جلد ۱، شمارہ ۹: ۱۰ ر جمادی الثانیہ ۸۲ھ، ۹ ر نومبر ۶۲ء، الاستفسارات، کامیاب مناظرہ [۷]، لسان القرآن، آداب القرآن
۱۰	جلد ۱، شمارہ ۱۰: ۱۵ ر جمادی الثانیہ ۸۲ھ، ۱۶ ر نومبر ۶۲ء...... الاستفسارات، شاہ اسماعیلؒ پر ایک الزام، لسان القرآن [۲]
۱۱	جلد ۱، شمارہ ۱۱: ۲۲ ر جمادی الثانیہ ۸۲ھ، ۲۳ ر نومبر ۶۲ء...... باب الاستفسارات

۱۲	جلد۱،شمارہ۱۲: ۲۹/جمادی الثانیہ ۱۳۸۲ھ، ۳۰/نومبر ۱۹۶۲ء......حضرت نانوتوی کا عقیدہ ختم نبوت
۱۳	جلد۱،شمارہ۱۳: ۹/رجب ۱۳۸۲ھ، ۷/دسمبر ۱۹۶۲ء......باب الاستفسارات
۱۴	جلد۱،شمارہ۱۷، ۱۸: ۷، ۱۴/شعبان ۱۳۸۲ھ، ۴، ۱۱/جنوری ۱۹۶۳ء......باب الاستفسارات
۱۵	جلد۱،شمارہ۱۹: ۲۱/شعبان ۸۲ھ، ۱۸/جنوری ۶۳ء......باب الاستفسارات، صدیقؓ کے نزدیک کفر وایمان کی حقیقت: ۱
۱۶	جلد۱،شمارہ۲۰: ۲۸/شعبان ۸۲ھ، ۲۵/جنوری ۶۳ء......باب الاستفسارات صدیقؓ کے نزدیک کفر وایمان کی حقیقت: ۲
۱۷	جلد۱،شمارہ۲۱: ۶/رمضان ۸۲ھ، یکم/فروری ۶۳ء......باب الاستفسارات، صدیقؓ کے نزدیک کفر وایمان کی حقیقت: ۳
۱۸	جلد۱،شمارہ۲۲: ۱۳/رمضان ۱۳۸۲ھ، ۸/فروری ۱۹۶۳ء......باب الاستفسارات......عصمتِ نبوت
۱۹	جلد۱،شمارہ۲۳: ۲۰/رمضان ۱۳۸۲ھ، ۱۵/فروری ۱۹۶۳ء......باب الاستفسارات
۲۰	جلد۱،شمارہ۲۴، ۲۵: ۲۷/رمضان ۱۳۸۲ھ، یکم مارچ ۱۹۶۳ء......باب الاستفسارات
۲۱	جلد۱،شمارہ۲۶: ۵/شوال ۸۲ھ، ۸ مارچ ۶۳ء......باب الاستفسارات، (مفتی اعظم مصر کا فتویٰ) بیان: موچی دروازہ
۲۲	جلد۱،شمارہ۲۷: ۱۱/شوال ۱۳۸۲ھ، ۱۵/مارچ ۶۳ء......باب الاستفسارات
۲۳	جلد۱،شمارہ۲۸: ۲۵/شوال ۱۳۸۲ھ، ۲۲/مارچ ۶۳ء......باب الاستفسارات
۲۴	جلد۱،شمارہ۲۹: ۳/ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ، ۲۹/مارچ ۱۹۶۳ء......باب الاستفسارات
۲۵	جلد۱،شمارہ۳۰: ۱۰/ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ، ۵/اپریل ۱۹۶۳ء......سیدنا فاروق اعظمؓ ہی دامادِ علیؓ تھے
۲۶	جلد۱،شمارہ۳۱: ۱۷/ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ، ۱۲/اپریل ۱۹۶۳ء......باب الاستفسارات
۲۷	جلد۱،شمارہ۳۲: ۲۴/ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ......۱۹/اپریل ۱۹۶۳ء......باب الاستفسار تین زعماء کی ضلع بدری پر بیان
۲۸	جلد۱،شمارہ۳۴، ۳۵: ۸/ذوالحجہ ۸۲ھ، ۳/مئی ۶۳ء......باب الاستفسارات، اسلام اور قربانی، مناظرہ چک ذخیرہ[۱]
۲۹	جلد۱،شمارہ۳۶: ۱۸/ذوالحجہ ۸۲ھ، ۱۷/مئی ۶۳ء، عثمان غنی نمبر......باب الاستفسارات، تذکار شہادت عظمیٰ سیدنا عثمانؓ
۳۰	جلد۱،شمارہ۳۷: ۲۹/ذی الحجہ ۸۲ھ، ۱۴/مئی ۶۳ء......باب الاستفسارات، تذکارِ شہادت عظمیٰ (سیدنا عثمانؓ)[۲]
۳۱	جلد۱،شمارہ۳۸، ۳۹: ۷، ۱۴/محرم ۱۳۸۳ھ، ۳۱/مئی، ۷/جون ۱۹۶۳ء، شہادت نمبر......کفر انکار اور کفر الحاد[۱]
۳۲	جلد۱،شمارہ۴۰: ۲۲/محرم ۸۳ھ، ۱۴/جون ۶۳ء......باب الاستفسارات، کفرِ انکار اور کفرِ الحاد[۲]، مناظرہ چک ذخیرہ[۴]
۳۳	جلد۱،شمارہ۴۱: ۲۹/محرم ۸۳ھ، ۲۱/جون ۶۳ء......باب الاستفسارات، کفر انکار اور کفر الحاد[۳]، مناظرہ چک ذخیرہ[۵]
۳۴	جلد۱،شمارہ۴۲: ۶/صفر ۸۳ھ، ۲۸/جون ۶۳ء......باب الاستفسارات، کفر انکار اور کفر الحاد[۴]، مناظرہ چک ذخیرہ[۶]

۳۵	جلد۱،شمارہ۴۳:۱۳/صفر۸۳ھ،۵/جولائی ۶۳ء......کفرانکار اور اکفرالحاد[۵]،مناظرہ چک ذخیرہ گوجرانوالہ[۷]
۳۶	جلد۱،شمارہ۴۴:۲۲۰/صفر۱۳۸۳ھ،۱۲/جولائی۱۹۶۳ء......باب الاستفسارات......کفرِانکار اور کفرِالحاد[۶]
۳۷	جلد۱،شمارہ۴۵:۲۷/صفر۱۳۸۳ھ،۱۹/جولائی۱۹۶۳ء......باب الاستفسارات
۳۸	جلد۱،شمارہ۵۱:۱۰/ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ،۳۰/اگست۱۹۶۳ء......باب الاستفسارات
۳۹	جلد۱،شمارہ۵۲:۱۷/ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ،۶/ستمبر۱۹۶۳ء......باب الاستفسارات
۴۰	جلد۲،شمارہ۱،۲:۱۳،۲۰/ستمبر۱۹۶۳ء،فاروق اعظم نمبر(۱۰۴)......باب الاستفسار، حضرت فاروق اعظم کی مخالفت کے اسباب......حضرت عمر فاروق اور نکاحِ ام کلثوم
۴۱	جلد۲،شمارہ۳:۸/جمادی الاولیٰ۱۳۸۳ھ،۲۷/ستمبر۱۹۶۳ء......باب الاستفسار
۴۲	جلد۲،شمارہ۶:۲۹/جمادی الاولیٰ۱۳۸۳ھ،۱۸/اکتوبر۱۹۶۳ء......باب الاستفسارات
۴۳	جلد۲،شمارہ۷:۶/جمادی الثانیہ۱۳۸۳ھ،۲۵/اکتوبر۱۹۶۳ء......باب الاستفسارات
۴۴	جلد۲،شمارہ۸:۱۳/جمادی الثانیہ۱۳۸۳ھ،یکم/نومبر۱۹۶۳ء......باب الاستفسارات،خطاب:سالانہ جامعہ حنفیہ جہلم
۴۵	جلد۲،شمارہ۱۰،۱۱:۲۷/جمادی الثانیہ،۵/رجب۱۳۸۳ھ،۱۵،۲۲/نومبر۱۹۶۳ء......باب الاستفسارات
۴۶	جلد۲،شمارہ۱۲:۱۲/رجب۱۳۸۳ھ،۲۹/نومبر۱۹۶۳ء......باب الاستفسارات
۴۷	جلد۲،شمارہ۱۴:۱۳/دسمبر۱۹۶۳ء......ضرورت القرآن
۴۸	جلد۲،شمارہ۱۵:۲۰/دسمبر۱۹۶۳ء......باب الاستفسارات
۴۹	جلد۲،شمارہ۱۶:۱۱/شعبان۱۳۸۳ھ،۲۷/دسمبر۱۹۶۳ء......باب الاستفسارات......ضرورت القرآن
۵۰	جلد۲،شمارہ۲۱:۱۵/رمضان۸۳ھ،۳۱/جنوری ۶۴ء،علی المرتضیٰ نمبر......باب الاستفسارات،شہر علم کا دروازہ
۵۱	جلد۲،شمارہ۲۳:۲۹/رمضان المبارک۱۳۸۳ھ،۱۴/فروری۱۹۶۴ء،عیدایڈیشن......باب الاستفسارات
۵۲	جلد۲،شمارہ۲۴:۷/شوال۱۳۸۳ھ،۲۱/فروری۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۵۳	جلد۲،شمارہ۲۵......۱۴/شوال۱۳۸۳ھ......۲۸/فروری۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۵۴	جلد۲،شمارہ۲۶......۲۱/شوال۱۳۸۳ھ......۶/مارچ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۵۵	جلد۲،شمارہ۲۸......۵/ذیقعدہ۱۳۸۳ھ......۲۰/مارچ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۵۶	جلد۲،شمارہ۲۹......۱۲/ذیقعدہ۱۳۸۳ھ......۲۷/مارچ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۵۷	جلد۲،شمارہ۳۰......۱۹/ذیقعدہ۱۳۸۳ھ......۳/اپریل۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات

۵۸	جلد ۲، شمارہ ۳۲......۴؍ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ......۱۷؍اپریل ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۵۹	جلد ۲، شمارہ ۳۶......۲؍محرم ۱۳۸۴ھ......۱۵؍مئی ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات......ارض القرآن
۶۰	جلد ۲، شمارہ ۳۷......۹؍محرم ۱۳۸۴ھ......۲۲؍مئی ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۶۱	جلد ۲، شمارہ ۴۱......۷؍صفر ۱۳۸۴ھ......۱۹؍جون ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۶۲	جلد ۲، شمارہ ۴۱......۷؍صفر ۱۳۸۴ھ......۱۹؍جون ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۶۳	جلد ۲، شمارہ ۴۲......۱۴؍صفر ۱۳۸۴ھ......۲۶؍جون ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۶۴	جلد ۲، شمارہ ۴۳......۲۲؍صفر ۱۳۸۴ھ......۳؍جولائی ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۶۵	جلد ۲، شمارہ ۴۴، ۴۵......۷؍ربیع الاول ۱۳۸۴ھ......۱۷؍جولائی ۱۹۶۴ء......رسول کریم نمبر باب الاستفسارات......نسخہ شفاء بہ ثبوت رسالت خاتم الانبیاء......''تنویرات'' علامہ خالد محمود کی نظر میں
۶۶	جلد ۲، شمارہ ۴۶......۱۴؍ربیع الاول ۱۳۸۴ھ......۲۴؍جولائی ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۶۷	جلد ۲، شمارہ ۴۷......۲۱؍ربیع الاول ۱۳۸۴ھ......۳۱؍جولائی ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۶۸	جلد ۲، شمارہ ۴۸، ۴۹......۲۸؍ربیع الاول ۱۳۸۴ھ......۷؍اگست ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۶۹	جلد ۲، شمارہ ۵۱......۲۰؍ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ......۲۸؍اگست ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۷۰	جلد ۳، شمارہ ۱؍۲......۱۱؍جمادی الاولیٰ ۱۳۸۴ھ......۱۸؍ستمبر ۱۹۶۴ء......خاتم النبیین نمبر......باب الاستفسارات حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مسئلہ ختم نبوت......مسئلہ ختم نبوت اور اس کے انکار کی ضرورت
۷۱	جلد ۳، شمارہ ۳......۱۸؍جمادی الاولیٰ ۱۳۸۴ھ......۲۵؍ستمبر ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۷۲	جلد ۳، شمارہ ۴......۲۵؍جمادی الاولیٰ ۱۳۸۴ھ......۲؍اکتوبر ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۷۳	جلد ۳، شمارہ ۵......۲؍جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ......۹؍اکتوبر ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۷۴	جلد ۳، شمارہ ۶، ۷......۱۶؍جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ......۲۳؍اکتوبر ۱۹۶۴ء......کامونکی ضلع گوجرانوالہ میں خطاب
۷۵	جلد ۳، شمارہ ۸......۲۳؍جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ......۳۰؍اکتوبر ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۷۶	جلد ۳، شمارہ ۹......یکم؍رجب ۱۳۸۴ھ......۹؍نومبر ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۷۷	جلد ۳، شمارہ ۱۰......۸؍جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ......۱۳؍نومبر ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات
۷۸	جلد ۳، شمارہ ۱۱؍۱۲......۲۲؍رجب ۱۳۸۴ھ......۲۷؍نومبر ۱۹۶۴ء......باب الاستفسارات

۱۳-ماہنامہ الخیر ملتان میں شائع شدہ مضامین

نمبر	عنوان	تاریخ	جلد
۱	حدیث پر قرآن کے سائے (۱)	صفرالمظفر ۱۴۰۴ھ	جلدنمبر۱
	حدیث پر قرآن کے سائے (۲)	ربیع الاول ۱۴۰۴ھ	جلدنمبر۱
	حدیث پر قرآن کے سائے (۳)	ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ	جلدنمبر۱
	حدیث پر قرآن کے سائے (۴)	جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ	جلدنمبر۱
	حدیث پر قرآن کے سائے (۵)	جمادی الثانیہ ۱۴۰۴ھ	جلدنمبر۱
	حدیث پر قرآن کے سائے (۶)	رجب المرجب ۰۴ھ	جلدنمبر۱
۲	اخبار الحدیث (۱)	شعبان المعظم ۱۴۰۴ھ	جلدنمبر۱
	اخبار الحدیث (۲)	رمضان ۱۴۰۴ھ	جلدنمبر۱
	اخبار الحدیث (۳)	شوال المکرم ۱۴۰۴ھ	جلدنمبر۱
	اخبار الحدیث (۴)	ذیقعدہ ۱۴۰۴ھ	جلدنمبر۱
۳	براءت حضرت تھانوی رحمہ اللہ	ذوالحجہ ۱۴۰۴ھ	جلدنمبر۱
۴	کفر واسلام کے قطعی فاصلے (۱)	رمضان ۱۴۰۵ھ	جلدنمبر۲
	کفر واسلام کے قطعی فاصلے (۲)	شوال المکرّم ۱۴۰۵ھ	جلدنمبر۲
	کفر واسلام کے قطعی فاصلے (۳)	محرم الحرام ۱۴۰۶ھ	جلدنمبر۳
۵	تحریک نفاذ فقہ جعفریہ	ذیقعدہ ۱۴۰۵ھ	جلدنمبر۲
۶	علمائے حق کی مظلومیت کی داستان (۱)	صفرالمظفر ۱۴۰۷ھ	جلدنمبر۴
	علمائے حق کی مظلومیت کی داستان (۲)	ربیع الاول ۱۴۰۷ھ	جلدنمبر۴
	علمائے حق کی مظلومیت کی داستان (۳)	ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ	جلدنمبر۴
	علمائے حق کی مظلومیت کی داستان (۴)	جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ	جلدنمبر۴
	علمائے حق کی مظلومیت کی داستان (۵)	جمادی الثانیہ ۱۴۰۷ھ	جلدنمبر۴
	علمائے حق کی مظلومیت کی داستان (۶)	رجب ۱۴۰۷ھ	جلدنمبر۴
۷	مسئلہ قربانی	ذوالحج ۱۴۰۸ھ	جلدنمبر۵
۸	علامہ خمینی اسلامی انقلاب لانے میں ناکام کیوں ہوا؟	ذوالحج ۱۴۰۹ھ	جلدنمبر۶

۹	شیعہ لیڈر	صفر المظفر ۱۴۱۰ھ	جلد نمبر ۷
۱۰	امام ابوحنیفہ اور حضرت شاہ ولی اللہ	جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ	جلد نمبر ۷
۱۱	حضور ﷺ سے جدائیگی کے باوجود ان میں آثار حیات	محرم الحرام ۱۴۱۳ھ	جلد نمبر ۱۰
۱۲	اُصولی اختلافات کے فاصلے (۱)	جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ	جلد نمبر ۱۰
	اُصولی اختلافات کے فاصلے (۲)	جمادی الثانیہ ۱۴۱۳ھ	جلد نمبر ۱۰
۱۳	تفہیم دین	رجب المرجب ۱۴۱۳ھ	جلد نمبر ۱۰
۱۴	کتب فقہ اور ان کا ائمہ سے انتساب	صفر المظفر ۱۴۱۴ھ	جلد نمبر ۱۱
۱۵	سلفی کی اصطلاح	جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ	جلد نمبر ۱۲
۱۶	دنیا کے مذاہب میں سب سے بڑے اسلام کے کتب خانے کیوں؟	محرم الحرام ۱۴۱۶ھ	جلد نمبر ۱۳
۱۷	خلافت اور اسلام	شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ	جلد نمبر ۱۳
۱۸	مسئلہ قربانی پر اعتراضات کا علمی جائزہ	ذوالحج ۱۴۱۶ھ	جلد نمبر ۱۳
۱۹	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ (قسط ۱)	ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ	جلد نمبر ۱۸
	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ (قسط ۲)	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ	جلد نمبر ۱۸
۲۰	اختلاط القرآن بابدان الاعیان	شوال المکرّم ۱۴۲۶ھ	جلد نمبر ۲۳
۲۱	مولانا عبیداللہ سندھی آخری دم تک شاہ ولی اللہ اور دیوبند کی عقیدت میں	مارچ ۲۰۰۷ء	
۲۲	عقیدہ تسخ ملت	شوال المکرّم ۱۴۳۲ھ	جلد نمبر ۲۸
۲۳	عقیدہ تسلسل امت (قسط ۱)	ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ	جلد نمبر ۲۹
	عقیدہ تسلسل امت (قسط ۲)	ذوالحج ۱۴۳۲ھ	جلد نمبر ۲۹
	عقیدہ تسلسل امت (قسط ۳)	محرم الحرام ۱۴۳۳ھ	جلد نمبر ۳۰
	عقیدہ تسلسل امت (قسط ۴)	صفر المظفر ۱۴۳۳ھ	جلد نمبر ۳۰
	عقیدہ تسلسل امت (قسط ۵)	ربیع الاول ۱۴۳۳ھ	جلد نمبر ۳۰
۲۴	عقیدہ تضلیل امت کھلا کفر ہے	جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ	جلد نمبر ۳۰
۲۵	سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ	جمادی الثانیہ ۱۴۳۸ھ	جلد نمبر ۳۵

۱۴-ماہنامہ حق چاریار میں شائع شدہ مضامین

۱	چودہ صدیوں کی شہادت: (خلفاء راشدین چار ہیں پانچ نہیں) (۱) چودہ صدیوں کی شہادت: (خلفاء راشدین چار ہیں پانچ نہیں) (۲)	مارچ ۱۹۹۳ء جون ۱۹۹۳ء	
۲	نعرۂ خلافت راشدہ ''حق چاریار'' کو بدعت کہنا ہرگز درست نہیں	جنوری ۱۹۹۸ء	صفحہ: ۲۰ ر تا ۲۱
۳	مولانا عبداللطیف جہلمی، حیات وخدمات	مئی ۱۹۹۸ء	صفحہ: ۸۳ ر تا ۹۷
۴	مولانا عبدالحلیمؒ کی وفات	مارچ ۲۰۰۰ء	صفحہ: ۴۱
۵	اصحاب رسول کی عظمت شان	اپریل ۲۰۰۳ء	صفحہ: ۳۷ ر تا ۴۴
۶	دنیا کے مذاہب میں بڑے کتب خانے اسلام کے کیوں؟	دسمبر ۲۰۰۴ء	صفحہ: ۲۷ ر تا ۳۹
۷	سیدنا عمرؓ، احادیث کی روشنی میں	فروری ۲۰۰۷ء	صفحہ: ۲۳ ر تا ۳۰
۸	شجرۂ طیبہ	جولائی ۲۰۰۷ء	صفحہ: ۵۷ ر تا ۵۸
۹	حضور ﷺ کے بدن سے جدائی کے باوجود ان میں آثار حیات	اگست ۲۰۰۹ء	صفحہ: ۲۸ ر تا ۳۴
۱۰	حضرت ام کلثومؓ۔ فاروق اعظمؓ کے حبالہ عقد میں	فروری ۲۰۱۱ء	صفحہ: ۳۸ ر تا ۵۳
۱۱	**عقیدہ تسلسل امت** **عقیدہ تسلسل امت**	مئی ۲۰۱۲ء نومبر ۲۰۱۳ء	صفحہ: ۱۷ ر تا ۲۶ صفحہ: ۲۷ ر تا ۳۶
۱۲	شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ	مئی ۲۰۱۴ء	صفحہ: ۴۰ ر تا ۴۳
۱۳	سیدنا علیؓ، اپنے دور میں احق بالخلافۃ تھے	ستمبر ۲۰۱۴ء	صفحہ: ۴۸ ر تا ۴۹
۱۴	حضرت عثمان غنیؓ: احادیث کی روشنی میں	اکتوبر ۲۰۱۴ء	صفحہ: ۳۷ ر تا ۴۱
۱۵	سیدنا عمرؓ، احادیث کی روشنی میں	نومبر ۲۰۱۴ء	صفحہ: ۳۷ ر تا ۴۴
۱۶	تحفظ ناموس صحابہؓ کے لیے الٰہی اور نبوی تجاویز	دسمبر ۲۰۱۴ء	صفحہ: ۳۴ ر تا ۳۸
۱۷	عازمین حج یاد رکھیں	اگست ۲۰۱۶ء	صفحہ: ۵۰
۱۸	ہم نشینان رسالت (یعنی صحابہ کرامؓ) (۱) ہم نشینان رسالت (یعنی صحابہ کرامؓ) (۲)	جنوری ۲۰۱۹ء فروری ۲۰۱۹ء	صفحہ: ۲۵ ر تا ۴۳ صفحہ: ۳۳ ر تا ۳۵
۱۹	اسلام میں صحابہ کا مقام (۱) اسلام میں صحابہ کا مقام (۲)	مئی ۲۰۱۹ء جون ۲۰۱۹ء	صفحہ: ۳۵ ر تا ۳۷ صفحہ: ۳۳ ر تا ۴۰

۱۵- ماہنامہ الہلال میں شائع شدہ مضامین

۱	سینتیس (۳۷) سوالات کے سینتیس (۳۷) جوابات (قسط: ۴)	اپریل ۱۹۹۰ء	صفحہ: ۸/ تا ۱۰
۲	قربانی اور اسلام (قسط: ۱)	جون ۱۹۹۰ء	صفحہ: ۹/ تا ۱۴
۳	معرکہ صفین (باب الاستفسارات) (۱) معرکہ صفین (باب الاستفسارات) (۲)	اکتوبر ۱۹۹۰ نومبر ۱۹۹۰ء	 صفحہ: ۲۳/ تا ۲۴
۴	اسلام میں مہر کی حیثیت (۱) اسلام میں مہر کی حیثیت (۲)	نومبر ۱۹۹۰ء دسمبر ۱۹۹۰ء	ص: ۵/ تا ۷ صفحہ: ۹
۵	باب الاستفسارات، (تراویح کی اجرت، اذان فجر کے بعد سحری کھانا)	مارچ ۱۹۹۱ء	صفحہ: ۲۰/ تا ۲۴
۶	کیا فقہی مسالک انتشار کا باعث ہیں؟	مئی ۱۹۹۱ء	صفحہ: ۱۶/ ۱۷
۷	مقدمہ ''اکابر دیوبند اتباع شریعت کی روشنی میں''	جولائی ۱۹۹۱ء	صفحہ: ۵/ تا ۸
۸	نغمہ توحید مقدمہ ''غنچۂ توحید''	ستمبر ۱۹۹۱ء	صفحہ: ۵/ تا ۸
۹	مقدمہ ''سیرتِ زہرا رضی اللہ عنہا''	اکتوبر ۱۹۹۱ء	صفحہ: ۲۳/ تا ۲۴
۱۰	مقدمہ ''انوارِ سخن''	نومبر ۱۹۹۱ء	صفحہ: ۱۴/ ۱۵
۱۱	**انما انا قاسم و الله يعطى**	نومبر ۱۹۹۱ء	صفحہ: ۲۷/ ۲۸
۱۲	حضرت فاروق اعظمؓ کی مخالفت کے اسباب (۲) حضرت فاروق اعظمؓ کی مخالفت کے اسباب ( )	جنوری ۱۹۹۲ء اپریل ۱۹۹۲ء	صفحہ: ۷/ تا ۱۰ صفحہ: ۷/ تا ۱۱
۱۳	حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ	مئی ۱۹۹۲ء	۲۰/ تا ۲۳
۱۴	روایت حدیث	ستمبر ۱۹۹۲ء	صفحہ: ۹/ تا ۲۷
۱۵	یورپ اور امریکہ کے جدید مشینی ذبح خانے کی سیر اور اس سے اسلامی ذبیحہ حاصل کرنے کی صورت	اکتوبر، نومبر ۱۹۹۲ء	صفحہ: ۲۱/ ۲۵
۱۶	مذہب کی ضرورت	جنوری تا مارچ ۱۹۹۵ء	صفحہ ۱۸/ تا ۲۷
۱۷	اسلام میں صحابہ کا مقام	اگست ۱۹۹۶ء	صفحہ: ۱۰/ تا ۲۰
۱۸	قادیانیوں کی مباہلہ میں الحاد کی نئی راہ	اگست ۱۹۹۶ء	صفحہ: ۳۱/ تا ۳۵
۱۹	پیغمبرانہ پناہ گاہ ربوہ؟	جون ۱۹۹۷ء	صفحہ: ۱۱/ تا ۱۵

۲۰	اہل حق کی پانچویں محاذ پر صف بندی	جون ۱۹۹۷ء	صفحہ: ۲۵ / تا ۲۷
۲۱	قادیانیت: ملت اسلامیہ کے لیے خطرہ کیوں ہے؟	اگست ۱۹۹۷ء	صفحہ: ۱۳ / تا ۱۸
۲۲	انسان کے عمل کے مختلف دائرے	ستمبر ۱۹۹۷ء	صفحہ ۱۲ / تا ۲۲
۲۳	مسئلہ رفع الیدین عندالرکوع	ستمبر ۱۹۹۸ء	صفحہ: ۹ / تا ۱۶
۲۴	حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی (قسط ۲)	مئی، جون ۱۹۹۹ء	صفحہ: ۱۶ / تا ۲۱

۱۶- ماہنامہ الرشید ساہیوال میں شائع شدہ مضامین

۱	آداب الحدیث (۱) آداب الحدیث (۲) آداب الحدیث (۳) آداب الحدیث (۴) آداب الحدیث (۵)	جمادی الاول ۱۴۰۲ھ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ شعبان ۱۴۰۲ھ رمضان ۱۴۰۲ھ شوال ۱۴۰۲ھ	صفحہ: ۸ / تا ۱۵ صفحہ: ۸ / تا.... صفحہ: ۱۰ / تا ۱۷ صفحہ: ۸ / تا ۱۰ صفحہ ۴ / تا ۱۴
۲	علم حدیث پر عصر حاضر کی جدید مشقیں (۱) علم حدیث پر عصر حاضر کی جدید مشقیں (۲) علم حدیث پر عصر حاضر کی جدید مشقیں (۳)	رجب ۱۴۰۲ھ رمضان ۱۴۰۲ھ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ	صفحہ: ۴ / تا ۶ صفحہ: ۱۱ / تا ۱۹ صفحہ: ۱۴ / تا ۲۴
۳	دجل (مرزائیوں کے روزنامہ ''الفضل'' ربوہ اور ہفت روزہ ''لاہور'' کی حیرت انگیز خیانت)	شوال ۱۴۰۳ھ / اگست ۱۹۸۳ء	۲۵ / تا ۲۸ ۴۰،
۴	درود وسلام (کیا درود وسلام کا یکجا پڑھنا ضروری ہے؟)	محرم ۱۴۰۳ھ	۸ / تا ۲۲
۵	مسئلہ تکفیر اور اکابر دار العلوم دیوبند [فروری، مارچ ۱۹۷۶ء]	صفر، ربیع الاول ۱۳۹۶ھ،	۴۴۵ / تا ۴۵۷

۱۷- ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک میں شائع شدہ مضامین

۱	قربانی اور چند شبہات کا ازالہ	فروری ۱۹۷۰ء	صفحہ: ۱۹ / تا ۲۱
۲	محدث اکوڑوی (شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ) کا مسلک اعتدال	رمضان ۱۴۱۳ھ	۱۰۷۰ / تا ۱۰۷۱
۳	حدیث ماننے کے آداب	جون ۱۹۹۴ء	صفحہ: ۱۹ / تا ۲۸
۴	آداب الحدیث	جولائی ۱۹۹۶ء	صفحہ: ۱۲ / تا ۲۰
۵	تبصرہ وتعارف بر کتاب ''ساعتے بہ اولیاء'' (از: مولانا عبدالقیوم حقانی)	اکتوبر ۱۹۹۲	صفحہ: ۶۱، ۶۲

چارٹ/پوسٹر:

۱- شجرۂ علمی امام ابوحنیفہؒ (محدثین وفقہاء کی نسبت سے)

۲- شجرۂ مودّت (صحابہ کرام واہل بیت)

۳- شجرہ محدثین دہلی (قدیم دینی درس گاہ کے روشن ستارے)

۴- شجرہ علمائے اہل سنت دیوبند

۵- دین میں لائے گئے نئے اعمال

۶- حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تین سفر جہاد

مکتوبات گرامی:

۱- مکتوبات (۲ عدد) بنام شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ

مشمولہ: مشاہیر بنام شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ (جلد اول)، ترتیب وتالیف: مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ

مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، بار اول مئی ۲۰۱۱ء، صفحہ: ۱۸۶

۲- مکتوبات (۲ عدد) بنام مولانا سمیع الحق رحمہ اللہ

مشمولہ: مشاہیر بنام شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق رحمہ اللہ (جلد دوم)، ترتیب وتالیف: مولانا سمیع الحق رحمہ اللہ

مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، بار اول مئی ۲۰۱۱ء، صفحہ: ۳۹-۷

خطبات و تقاریر:

۱- خطاب بمقام لاہور: صوبائی کنونشن جمعیۃ علماء اسلام)

مشمولہ: مشاہیر بنام شیخ الحدیث مولانا سمیع الحقؒ (جلد دوم)

ترتیب وتالیف: مولانا سمیع الحقؒ، **مؤتمر المصنفین** دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، بار اول مئی ۲۰۱۱ء، صفحہ: ۴۰-۷

۲- خطاب بعنوان: ''حیات ونزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام''

بموقع انٹرنیشنل ختم نبوت مشن برطانیہ کے زیر اہتمام ۴/اگست ۱۹۸۵ء کو ویمبلے ہال لندن میں منعقد ہونے والی ایک روزہ کانفرنس میں خطاب۔

ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور، ۳۰/اگست ۱۹۸۵ء، صفحہ: ۱۸

۳- خطبات خالد: علامہ خالد محمود، ترتیب: حافظ محمد ندیم قاسمی، ادارہ تعلیم القرآن ٹرسٹ ایڈنبرا، اسکاٹ لینڈ، یو کے

جلد اول: انتخاب: حافظ عبدالحمید (یو کے)، مارچ ۲۰۰۳ء، صفحات: ۵۷۶

اس جلد میں درج ذیل خطبات شامل ہیں: (۱) توحید اور قربانی، (۲) دعوت حق، (۳) مقصد رسالت،

(۴) معراج النبی ﷺ، (۵) حیات النبی ﷺ، (۶) اصول خلافت، (۷) عظمت صحابہؓ، (۸) خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیقؓ، (۹) خلیفہ ثانی سیدنا فاروق اعظمؓ، (۱۰) خلیفہ ثالث سیدنا عثمان غنیؓ، (۱۱) خلیفہ رابع سیدنا علی المرتضیٰؓ، (۱۲) سیدنا امیر معاویہؓ

جلد دوم: انتخاب: عبدالرحیم چار یاری، نومبر ۲۰۰۵ء، صفحات: ۴۴۸

اس جلد میں درج ذیل خطبات شامل ہیں: (۱) حق و باطل، (۲) سیرت النبی ﷺ، (۳) عظمت نزول وحی، (۴) نبوت دل پر اترتی ہے، (۵) حیات عیسیٰ علیہ السلام، (۶) دین صحابہ کا، (۷) سیرت معاویہؓ و حسینؓ، (۸) فاتحہ خلف الامام، (۹) سنت اور بدعت میں فرق، (۱۰) سود کی لعنت، (۱۱) تحریک آزادی اور علمائے دیوبند، (۱۲) ہم کون ہیں؟

تبصرہ (جلد دوم): ماہنامہ ''القاسم'' نوشہرہ، جنوری ۲۰۰۷ء، صفحہ: ۱۹۵/تا ۱۹۶ (بقلم: مولانا عبدالقیوم حقانی)

۴- خطاب بعنوان ''حیات الانبیاء'' مشمولہ ''یادگار خطبات''

مرتبہ: محمد عمر فاروق صدیقی: مکتبہ اسلامیہ حنفیہ بن حافظ جی ضلع میانوالی

اشاعت اول، ستمبر ۲۰۰۳ء/ اشاعت دوم: ستمبر ۲۰۰۴ء، صفحہ: ۳۲۵/تا ۳۶۰

۵- خطاب علامہ صاحبؒ بعنوان: ''صحابہ کرام معیار حق ہیں''

ماہنامہ ''حق چار یار'' لاہور، جنوری ۲۰۰۳ء، صفحہ: ۳۳/تا ۴۸

۶- خطاب ۲۰۰۰ء (بیاد: مولانا امین صفدر اوکاڑویؒ) مفکر اسلام علامہ خالد محمود صاحبؒ

مشمولہ: ''ماہنامہ ''الخیر'' ملتان (مولانا امین صفدر اوکاڑوی نمبر)، اگست تا نومبر ۲۰۰۱ء، صفحہ: ۹۰/تا ۹۵

۷- خطاب بعنوان ''عقیدہ تحفظ ختم نبوت کے لیے پاک و ہند کے علماء و مشائخ کی قربانیاں''

(۱۱/ستمبر ۲۰۱۶ء: بمقام اسلامک اکیڈمی مانچسٹر، برطانیہ)

۸- درس قرآن: (حضور ﷺ کے بعد حکومت کیسے قائم ہوئی؟) علامہ خالد محمودؒ

i) اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی

ii) محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور

(منعقدہ: زیر اہتمام اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر یوکے، بتاریخ: ۳/اگست ۱۹۹۶ء، آئیڈیل پرنٹنگ سروس، ڈارکلین آف چانسلر لین ایڈوک ایم 126 ایف اے مانچسٹر یوکے) صفحات: ۲۶

۹- صحیح بخاری کی آخری حدیث کا درس: (۱۳/اگست ۲۰۰۹ء)، محمود پبلیکیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور، صفحات: ۶۷

۱۰- تذکرہ شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ، بعنوان: شیخ الاسلام نسبت حسینی کا کامل نمونہ تھے،

خطاب بموقع: شیخ الاسلام سیمینار جامعہ سیدنا اسعد بن زرارہ، بہاول پور، منعقدہ: ۲۴ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ بمطابق ۶ مارچ ۲۰۰۵ء بروز اتوار۔ مشمولہ: خطبات ومقالات شیخ الاسلام سیمینار، شیخ الاسلام اکیڈمی، جامعہ سیدنا اسعد بن زرارہ، گلشن اقبال، حاصل پور روڈ، بہاول پور، صفحہ: ۸۳ تا ۸۹

۱۱-خطاب بعنوان: ''سیرت نبوی اور وحدت امت'' (ربیع الاول ۱۴۲۸ھ، جامع مسجد طوبیٰ، ۸ بلاک سرگودہا)

تذکرہ کتب و رسائل میں:

۱-تسکین الصدور: امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ......صفحہ: ۷۷

۲-کشف خارجیت: قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ، ادارہ مظہر التحقیق......صفحہ ۱۸۲، ۲۰۹

۳-تریاق اکبر بزبان صفدر: امین ملت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ، ......صفحہ: ۱۵۹، ۱۷۳

۴-روزنامہ ''اسلام'' ۱۶ مئی ۲۰۲۰ء، بعنوان: علامہ ''خالد محمود: ایک عبقری علمی شخصیت''، بقلم: مولانا زاہد الراشدی

۵-اکابر علماء دیوبند: حافظ محمد اکبر شاہ بخاری: ادارہ اسلامیات لاہور
رمضان ۱۴۱۹ھ/ جنوری ۱۹۹۹ء: صفحہ ۵۳۵ تا ۵۳۶

۶-ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی: ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ/ جولائی ۲۰۲۰ء،
''حضرت علامہ خالد محمودؒ اور ان کی علمی و دینی خدمات، بقلم: محمد حنیف خالد، صفحہ: ۴۵ تا ۵۰

۷-ماہنامہ ''الخیر'' ملتان، جولائی ۲۰۲۰ء/ ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ

i) بقلم مولانا محمد ازہر: بعنوان ''قافلہ حق کے چراغ'': صفحہ: ۳ تا ۷

ii) بقلم مولانا اللہ وسایا صاحب، بعنوان: ''آہ! حضرت علامہ خالد محمود صاحب''، صفحہ: ۲۵ تا ۲۷

iii) بقلم: حافظ محمد اکبر شاہ بخاری، بعنوان: ''مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ''، صفحہ: ۴۱ تا ۴۵

۵-ماہنامہ ''الرشید'' ساہیوال: ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ
''کراچی میں علامہ خالد محمودؒ کی تشریف آوری اور تیس درسوں میں دورہ تفسیر ختم''، محمد طیب ہزاروی، صفحہ: ۲۸ تا ۳۳

۶-ماہنامہ ''**الصیانۃ**'' لاہور: ربیع الاول ۱۴۴۱ھ/ نومبر ۲۰۱۹ء، صفحہ: ۴۸ تا ۵۲
تذکرہ علامہ خالد محمود صاحبؒ، بقلم: مولانا افضال خان اشرفی

۷-ماہنامہ ''القاسم'' نوشہرہ: شوال المکرّم ۱۴۴۱ھ/ جون ۲۰۲۰ء

i) محقق العصر مولانا علامہ خالد محمودؒ کی رحلت، بقلم: مولانا عبدالقیوم حقانی، صفحہ: ۵ تا ۷

ii) خطاب: حافظ محمد اقبال رنگونی (بروز جمعہ، ۱۵ مئی ۲۰۲۰ء بموقع: مجلس درس قرآن مانچسٹر) صفحہ: ۳۷ تا ۹۴

۸-روزنامہ ''اوصاف'' ۱۶ مئی ۲۰۲۰ء، بعنوان: علامہ ''خالد محمود، ایک عبقری علمی شخصیت''، بقلم: مولانا زاہد الراشدی

۹-حضرت علامہ خالد محمود سے مرزائیوں کے مقدمہ جنوبی افریقہ کی روئیداد: ماہنامہ ''الرشید'' ساہیوال، صفر ۱۴۰۳، صفحہ: ۲۰/تا ۲۷

۱۰-ماہنامہ ''حق چار یار'' لاہور

''سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ (احوال و آثار)، بقلم: مولانا حافظ عبدالجبار سلفی

قسط نمبر ا: مئی، جون، جولائی ۲۰۲۰ء، صفحہ: ۲۳/تا ۳۵......تا حال جاری (ستمبر ۲۰۲۱ء)

۱۱-مجلّہ ''الحقانیہ'' ساہیوال (سرگودھا): شعبان تا ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ/ اپریل تا اگست ۲۰۲۰ء

مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی

حافظ اکبر شاہ بخاری، صفحہ: ۱۴۳/تا ۱۴۸

۱۲-علامہ خالد محمودؒ: مرغوب احمد لاجپوری: جامعۃ القراءات کفلیۃ (انڈیا)، صفحات: ۲۱

۱۲-ماہنامہ ''غزالی'' پشاور، شعبان، رمضان ۱۴۴۱ھ/ اپریل، مئی ۲۰۲۰ء، صفحہ: ۲۹/تا ۳۰، ۲۸

۱۳-قادیانیت کے خلاف قلمی جہاد کی سرگذشت: اللہ وسایا۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان، اکتوبر ۱۹۹۰ء، صفحہ: ۵، ۱۴۴، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۳۰، ۳۴۷، ۳۴۹

۱۴-کاروان جمعیۃ (جلد اول): تحقیق و تالیف: قاری شمس الدین شمسی، مدرسہ اسلامیہ تعلیم القرآن پڑھنہ مانسہرہ،

طبع اول، جمادی الاول ۱۴۳۸ھ/ فروری ۲۰۱۷ء، صفحہ: ۲۵۸

۱۵-ماہنامہ ''لولاک'' ملتان، جولائی ۲۰۲۰ء/ ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ

بقلم: مولانا اللہ وسایا صاحب، بعنوان: ''آہ! حضرت علامہ خالد محمود صاحب!'' صفحہ: ۲۱/تا ۲۶

۱۶-ماہنامہ ''وفاق المدارس'' ملتان، جولائی ۲۰۲۰ء/ ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ

بقلم: مولانا اللہ وسایا صاحب، بعنوان: ''آہ! حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ، صفحہ: ۴۴/تا ۴۶

۱۷-ماہنامہ ''بینات'' کراچی، شوال ۱۴۴۱ھ/ جون ۲۰۲۰ء

بقلم: مولانا اعجاز مصطفیٰ صاحب، بعنوان: ''حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود کا سانحہ ارتحال''، صفحہ: ۳/تا ۸

۱۸-ماہنامہ ''سلوک و احسان'' کراچی، شوال ۱۴۴۱ھ/ جون ۲۰۲۰ء

بقلم: مولانا محمد الیاس مدنی صاحب، بعنوان: ''علامہ ڈاکٹر خالد محمود کا انتقال پر ملال''، صفحہ: ۸

۱۹-ماہنامہ ''ملیہ'' فیصل آباد، بقلم: مولانا ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی، بعنوان: ''مشاہدات و تاثرات''

قسط: ۱، ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ/ جولائی ۲۰۲۰ء، صفحہ: ۲/تا ۱۲

قسط: ۲، ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ/ اگست ۲۰۲۰ء، صفحہ: ۲/تا ۹

۲۰-مجلّہ ''صفدر'' لاہور، جولائی، اگست ۲۰۲۰ء/ ذوالقعدہ ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ

تذکرہ علامہ خالد محمود صاحبؒ، بقلم: حمزہ احسانی، بعنوان: ''مجلّہ صفدر کی اشاعت خاص''، صفحہ: ۱۳

۲۱- ماہنامہ ''الخیر'' ملتان، ۱۴۴۲ھ/ ۲۰۲۰ء

بقلم: مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب، بعنوان: ''علامہ شمس الحق افغانی کے بعد علامہ کے حقیقی مصداق''

۲۲- ماہنامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد، انڈیا، جولائی ۲۰۲۰ء

بقلم: مولانا مفتی سلمان منصور پوری، بعنوان: ''حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب (مانچسٹر، برطانیہ)''، صفحہ: ۱۶، ۶۲

۲۳- ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان، سید کفیل شاہ بخاری

قسط: ۱، شوال ۱۴۴۱ھ/ جون ۲۰۲۰ء

قسط: ۲، ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ/ جولائی ۲۰۲۰ء

قسط: ۳، ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ/ اگست ۲۰۲۰ء، صفحہ: ۳۷ / تا ۴۰

۲۳- ماہنامہ ''تجلیات حبیب'' [ذوالقعدہ/ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ- جولائی ۲۰۲۰ء]

آسمان علم و فضل کے کئی ستارے غروب ہو گئے۔ اداریہ

۲۳- ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' لاہور، جون ۲۰۲۰ء

وفیات: ''محقق و مدقق حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ مانچسٹر انگلینڈ میں انتقال فرما گئے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

-روزنامہ ''اکثریت'' پشاور، ۱۶/ مئی ۲۰۲۰ء، بعنوان: ''آہ! ڈاکٹر علامہ خالد محمود''، بقلم: عمیر حنفی

-روزنامہ ''مسلم ورلڈ'' لاہور، ۱۶/ مئی ۲۰۲۰ء، بعنوان: ''آہ! ڈاکٹر علامہ خالد محمود''، بقلم: عمیر حنفی

-روزنامہ ''منزل مراد'' حافظ آباد، ۱۶/ مئی ۲۰۲۰ء، بعنوان: ''آہ! ڈاکٹر علامہ خالد محمود''، بقلم: عمیر حنفی

-روزنامہ ''بولتا پاکستان'' اسلام آباد، ۱۶/ مئی ۲۰۲۰ء، بعنوان: ''آہ! ڈاکٹر علامہ خالد محمود''، بقلم: عمیر حنفی

-روزنامہ ''امت'' کراچی، ۱۶/ مئی ۲۰۲۰ء، بعنوان: ''پندرہ برس کی عمر میں علامہ کا خطاب ملا''، بقلم: مرزا عبدالقدوس

-روزنامہ ''اسلام'' لاہور، / مئی ۲۰۲۰ء، بعنوان: ''سلطان العلماء کی رحلت''، بقلم: مولانا اسماعیل ریحان

-روزنامہ ''اسلام'' لاہور، ۱۸/ مئی ۲۰۲۰ء، بعنوان: ''محقق دوراں، مناظر اسلام علامہ خالد محمود''، بقلم: نور اللہ فارانی

-روزنامہ ''۔۔۔۔۔۔''، / مئی ۲۰۲۰ء، بعنوان: ''علامہ خالد محمود کی شخصیت دنیا بھر کے اصحاب علم و فضل کے درمیان بے حد ممتاز ترین اور نمایاں ہستی کی مالک تھی''، بقلم: مولانا سفیان قاسمی

-روزنامہ ''اسلام'' لاہور، ۲۱/ جنوری ۲۰۲۱ء، بعنوان: ''بحر العلوم علامہ ڈاکٹر خالد محمود''، بقلم: مولانا اکبر رحمٰن حقانی

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
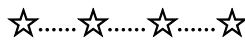
خوانِ خالد سے خوشہ چینی

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ کا نام بچپن سے سنتے چلے آئے ہیں، آپ کی عالمانہ شان کا انفرادی کمال یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ سے مختلف دینی محاذوں پر اور متعدد علمی میدانوں میں بے مثال کام لیے، آپ کی دینی خدمات اور علمی کارناموں کا احاطہ کرنے یا کما حقہ بیان کرنے کے لیے بے پناہ لیاقت اور طویل فرصت درکار ہے۔ اہل علم اس کے درپے ہیں اور رہیں گے، ہم آپ کے علمی مآثر سے طالب علمانہ استفادے کی سرسری روداد خدمت گزار کرتے ہیں۔

ہمیں جب تک حضرت علامہؒ کے علمی مآثر سے براہ راست استفادے کا موقع نہیں ملا تھا، تو آپ کی شخصیت کا ہمارے ہاں صرف اتنا تعارف تھا کہ حضرت علامہ بہت بڑے مناظر ہیں، ہر مسلم اور غیر مسلم فرقے کے بارے میں مناظرہ کی باکمال دسترس کے حامل ہیں۔ مناظرہ کرنا آپ کے لیے چٹکیاں بجانے کے مترادف ہے، آپ اگر چاہیں تو طویل سے طویل تر مباحث پر مناظرانہ بحث کو پندرہ سے بیس منٹ میں نمٹا دینے کا ہنر جانتے ہیں، اور مناظروں میں کسی مناظر کا کمال بھی یہی سمجھا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسے مناظرے، مناظرے ہی ہوتے ہیں، ان میں احقاق حق اور ابطال باطل سے زیادہ خصم کو راہ فرار دکھانا ہی ہو سکتا ہے۔ مگر ؎ دیدہ کے بود مانند شنیدہ

لیکن جب آپ کے علمی مآثر کے گہرے اور صاف چشموں سے طالب علمانہ استفادی نسبت قائم ہوئی تو معلوم ہوا کہ حضرت علامہؒ صرف مناظر ہی نہیں تھے بلکہ آپ ایک ایسے محقق عالم (research scholar) تھے، جن کے زورِ علم کے سامنے کوئی خصم ٹھہر ہی نہیں سکتا تھا۔

آپ نے جس جس موضوع پر قدم و قلم اٹھایا اس موضوع کی جملہ جہات سے بھرپور آگاہی کے بعد ہی اسے پیش کیا، اور اتنے رسوخ، اتنی گہرائی و گیرائی سے گفتگو فرمائی کہ کسی ماہر سے ماہر یا شاطر سے شاطر خصم کے لیے بحث و مباحثہ کا موقع ہی نہیں چھوڑا۔

علامہ خالد محمودؒ کے علمی مآثر

آثار التنزیل:

جب قرآنی مباحث کو موضوع سخن بنانے لگے تو ''ضرورت القرآن''، ''خصوصیات القرآن''، ''اعجاز القرآن''، ''ترجمۃ القرآن'' سے لے کر مستشرقین کی آراء تک جملہ موضوعات کو تحلیل و تجزیہ سے نوازتے چلے گئے، اور تقریباً اس طرح چالیس مضامین کا عظیم ذخیرہ ''آثار التنزیل'' کے نام سے دو جلدوں میں مرتب فرما گئے۔ یہ مجموعہ سینکڑوں کتابوں کے ہزاروں حوالہ جات کا

بہترین مرقع ہے اور قدیم مفسرین کی تفاسیر میں منتشر انداز میں موجود افادات کو حسین پیرائے اور مرتب انداز میں اہل علم کے لیے یکجا فرمایا، یہ کاوش جہاں حضرت علامہؒ کے تفسیری شغف کی آئینہ دار ہے، وہاں اپنے موضوع، انداز اور حسن ترتیب کی نادر علمی پیش کش بھی ہے، جو صاحب علم قرآن کریم سے متعلق کسی بھی موضوع پر یکجا مواد کا خواستگار ہو اسے محقق مواد، یکجا طور پر ''آثار التنزیل'' میں میسر آجائے گا۔(دیکھیے :۱/۱۹۰......۱/۲۳۵......۱/۶۲۲......۱/۲۷۔۷......۲/۵۸۰[ادارہ])

مختصر دورہ تفسیر قرآن:

اسی طرح مضامین قرآن کا جب تجزیہ کرنے لگے تو بشری رسائی کی حد تک جتنا ممکن تھا قرآن کریم کو موضوعاتی ترتیب پر بیس ابواب میں منضبط فرمایا، جو درحقیقت قرآنی مضامین کی ایک جامع فہرست ہے، قرآن کریم نے جن جن موضوعات سے تعرض فرمایا ہے، ان موضوعات کا احاطہ کرنے کی کوشش فرمائی گئی ہے، اور یہ مضامین ''مختصر دورہ تفسیر قرآن'' یا ''بست بابی فہرست مضامین قرآن'' کے نام سے دو اجزاء پر مشتمل ہے، پہلا جزء موضوعات اور دوسرا اجزء عربی گرائمر کی لغات کی تفہیم پر مشتمل ہے، ''مختصر دورہ تفسیر قرآن'' درس نظامی کے فضلاء اور کالج و سرکاری جامعات کے منتہی طلباء اور فضلاء کے لیے بڑی مفید ہے، اس تحریر میں ''قدیم صالح اور جدید نافع'' کے تعبیری و تفہیمی اسلوب کو اختیار فرمایا گیا ہے۔(دیکھیے :۱/۶۲۷......۲/۱۶۹......۲/۳۱۷[ادارہ])

آثار الحدیث:

حضرت علامہ خالد محمودؒ کا علمی سیل رواں جب حدیث اور علوم حدیث کی طرف متوجہ ہوا تو ''آثار الحدیث'' جیسا علمی شاہکار، دنیائے علم میں انمول اضافہ ثابت ہوا، اس علمی ذخیرے میں لفظ حدیث سے لے کر مدارس حدیث تک، حدیث کے جتنے متعلقات و مباحث، متداول اور متعارف تھے انہیں مالہا و ماعلیہا کے ساتھ یکجا فرما کر علوم حدیث کے باب میں ایسا گراں قدر اضافہ فرمایا کہ حدیث کا طالب علم علوم حدیث کے قصر سامی کے جس رُخ سے جس زاویئے تک پہنچنا چاہے بآسانی پہنچ سکتا ہے۔ اس مجموعے میں حدیث کے لفظ، تاریخ، موضوع، ضرورت، مقام، اخبار، اکثار، اقلال، تدوین، رجال، آداب، قواعد، اقسام، متون، ائمہ، جارحین و معدلین سے لے کر طبقات حدیث تک سارے مباحث یکجا طور پر ''آثار الحدیث'' کے عنوان سے زریں تشتری میں سجے ہوئے ملیں گے۔(دیکھیے :۱/۲۴۸......۱/۶۲۲......۱/۲۸۔۷......۲/۵۱۵......۲/۵۶۵[ادارہ])

دوازدہ حدیث:

حدیث کے موضوع پر ایک اور حسین گلدستہ ''دوازدہ حدیث'' کے نام سے آپ کے تحقیقی قلم سے قلم بند ہوا، جس میں ان ۱۲/روایات کا تحقیقی جائزہ، متعلقہ مباحث کے ساتھ پیش فرمایا گیا ہے، جن روایات کی بنیاد پر روافض حضرات، اہل سنت کے خلاف غلط فہمیاں پھیلانے کی گھناؤنی کوشش کرتے چلے آرہے ہیں۔(دیکھیے :۱/۶۶۲......۱/۳۹۔۷......۲/۵۱۷[ادارہ])

آثار التشریع:

قرآن و حدیث کے الفاظ کی اہمیت ناقابل انکار حقیقت ہے، قرآن و حدیث کے الفاظ سے تعلق نہ صرف یہ کہ اہم ہے بلکہ مستقل عبادت بھی ہے، مگر ان دونوں کے مقصود کی حقیقت و اہمیت، ان کے مقصودی پہلو سے اہم ترین ہے، نصوص کے

مقاصد، معانی اور مطالب کی تعبیر و تفہیم کا نام فقہ اسلامی ہے، قرآن وسنت کی موجودگی میں فقہ اسلامی کی حیثیت ایسی ہے جیسے زمین کی تہہ میں پہلے سے موجود پانی کو سطح زمین پر لاکر سہل التناول بنانا، اور ہر کس وناکس کو بآسانی سیرابی کی نعمت مہیا کرنا ہے، یا اس کی مثال ایسی ہے جیسے دودھ میں موجود دہی، مکھن اور گھی کو اپنے اپنے مراحل سے گزار کر سہل التناول بنانا، اسے استنباط واستخراج بھی کہتے ہیں، اور فقہ اسلامی بھی کہا جاتا ہے۔

مگر کچھ، کج فہم لوگ اس حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے اور وہ فقہ اسلامی کو قرآن وسنت کے متوازی شریعت کہنے کی گمراہانہ غلطی کے مرتکب ہو جاتے ہیں، اس لیے ضرورت اس امر کی رہتی ہے کہ فقہ کی حقیقت، اس کی اہمیت اور اس سے متعلق، پیش آمدہ عقلی ونقلی اشکالات سے امت مسلمہ کو بچایا جائے، اور کج فہم احباب کی فہمائش کی جائے، حضرت علامہ خالد محمودؒ نے امت کی اس ضرورت کو انتہائی احسن انداز، علمی پیرائے اور تحقیقی اسلوب میں سمجھانے کے لیے ''آثار التشریع'' جیسی وقیع علمی کاوش چھوڑی ہے، جس میں فقہ کی ضرورت، مقام، حقیقت، اساس، تدوین، تاریخ تقلید، ترک تقلید، کتب فقہ، اصطلاحات فقہ سے لے کر دقائق فقہ اور انواع فقہ تک متعدد موضوعات پر مقالات کی صورت میں بحث فرمائی ہے، ان ابحاث کے مطالعے سے نہ صرف یہ کہ فقہ کی حقیقت سے حقیقت پسندانہ شناسائی کا فائدہ نصیب ہوگا، بلکہ فقہ کی حقیقت سے ناواقف لوگوں کی اصلاح وہدایت کا سامان بھی ملے گا۔

''آثار التشریع'' المسمی بہ ''آثار الفقہ الاسلامی''، دو جلدوں پر مشتمل یہ مجموعہ عظیم خزینہ ہے، مگر اس کے آخری دو ابواب بڑی ہی ندرت ونفاست کے حامل ہیں، ایک ''دقائق فقہ'' ہے جس میں ان فقہی مسائل کو یکجا فرمایا گیا ہے جن کی فقہی تخریج، واقعاتی تحلیل اور متعلقہ پس منظر سے صرف نظر کرتے ہوئے بعض عنادی احباب ان دقائق فقہ کو ''مطاعن فقہ'' باور کراتے ہیں، حضرت علامہؒ نے ان دقائق فقہ کی حقیقت سمجھانے کے لیے تمہیدی گفتگو میں ارشاد فرمایا کہ: اسلام دین فطرت ہے، بعض امور حیاء کے بظاہر خلاف ہوتے ہیں مگر فطری حقیقت کے طور پر ان کا بیان ضروری بھی ہوتا ہے۔ ایسے مسائل جب احادیث مبارکہ میں آجائیں تو جدت پسند اور عقل پرست طبقے احادیث کا تمسخر یا انکار کرنے لگ جاتے ہیں، اور ایسے ہی مسائل جب فقہ اسلامی میں مذکور ہوں تو اسی ڈگر کے کچھ لوگ، فقہ اسلامی پر زبان طعن دراز کرنے لگ جاتے ہیں، یہ روش حدیث یا فقہ کے انکار کی نہیں بلکہ امور فطرت اور حقائق امور سے بیگانگی کی دلیل ہے، یہ روش اس عنادی طبقے کی بے عقلی کی دلیل بھی ہے، ایسے لوگوں کو شریعت کے بعض فطری امور اور مسائل کی باریکیاں سمجھانے کے لیے ''دقائق فقہ'' کا عنوان قائم کیا گیا ہے۔ کوئی بھی عقل مند انسان اس بحث کو پڑھنے کے بعد ان دقائق فقہ کو مطاعن فقہ قرار دینے کی بجائے ''محاسن فقہ'' قرار دینے کو اپنا شرعی واخلاقی فرض سمجھنے پر مجبور ہوگا، ان شاء اللہ۔

اس بحث کا آخری باب ''مختلف انواع فقہ'' اپنے موضوع کا منفرد اور البیلا باب ہے، یہاں آپ نے اہل سنت کے ہاں متوارث مذاہب اربعہ کے علاوہ پانچویں، چھٹی اور ساتویں فقہ کا تعارف بھی کرایا ہے، پانچویں فقہ میں ''فقہ جعفری'' کو شمار فرمایا ہے، گوکہ شیعی فقہ کی نسبت حضرت امام جعفر صادقؒ کی طرف محل نظر ہے، ان کی فقہی آراء کو شیعی فقہ کی بنیاد قرار دینے سے زیادہ سنی فقہ کا حصہ قرار دینا، موزوں معلوم ہوتا ہے۔ تاہم یہ ایک حقیقت معروفہ بن چکی ہے، آپ نے اس فقہ کا تعارف بھی دیگر مذاہب کی طرح بھرپور انداز میں پیش فرمایا ہے، اگر کوئی شیعی طالب علم اپنے مسلک کے اہم فقہاء، بنیادی کتب اور اساسی مسائل سے آگاہی

چاہے تو اسے خاطر خواہ معلومات، عمدہ پیرائے میں یہاں دستیاب ہوں گی، بالخصوص عصری تعلیم گاہوں کے طلبہ کو مسلکی اختلاط یا اختصاص کے ساتھ معروف فقہی ذخیروں کا تعارف کرانے کے لیے حضرت علامہ کی یہ بحث کافی ووافی رہے گی۔ان شاءاللہ۔

چھٹی فقہ کے طور پر حضرت علامہؒ نے بیسویں صدی میں اہل حدیث کے لقب سے ملقب ہونے والے اس فقہی گروہ کا تذکرہ وتعارف پیش فرمایا ہے جو سلف بیزاری کے مشغلہ کے باوجود، خود کو ''سلفی'' کہلاتا ہے، اور اسلاف کے فہم نصوص کے نتائج اور فقہ النصوص کو قرآن وسنت کے متوازی شریعت کہتا پھرتا ہے، پھر اسی عمل سے گزرتے ہوئے خود فقہاء سابقین کے طرز پر فقہ وفتاوی کے باب میں اضافہ بھی کرتا چلا جاتا ہے، فتاوی نذیریہ، از مولانا نذیر حسین دہلوی، نزل الابرار من فقہ النبی المختار، از وحید الزمان حیدر آبادی (عربی)، ہدیۃ السائل الی ادلۃ المسائل، نواب صدیق حسن خان، فتاوی اہل حدیث اور فقہ محمدیہ جیسے گراں قدر فتاوی، اہل علم کے استفادے کے لیے موجود متداول ہیں، اس تعارفی سلسلہ کے تتمہ کے طور پر حضرت علامہؒ نے اس مسلک کے ان دقیق و نادر مسائل کی باحوالہ فہرست بھی ذکر فرمائی ہے، جو بظاہر حیاباختہ یا ادراک وعقل سے بالاتر ہیں، مگر شرعی دائرے میں کوئی نہ کوئی بنیاد رکھتے ہیں، مثلاً: کتے کا پیشاب نجس نہیں، شراب پاک ہے، کتے اور خنزیر کا جوٹھا پاک ہے، کھڑے ہو کر پیشاب کرنا، جانور سے وطی پر غسل نہیں، منی لگے ہوئے کپڑے اور بدن کا پاک ہونا وغیرہ وغیرہ۔

بہر کیف! علمی صلاحیت اور خداداد فطری اہلیت کی بناپر نصوص سے براہ راست مسائل کے استنباط واستخراج میں کوئی مضائقہ نہیں، ائمہ مجتہدین کا یہی طریقہ تھا، اجتہاد کا دروازہ بھی بند نہیں۔مگر اہلیت ولیاقت کا سوال تو شرعاً واخلاقاً ضروری ہے، اس سلسلے میں مولانا محمد حسین بٹالوی کا یہ بیان تارکین تقلید کے لیے سخت تنبیہ کا درجہ رکھتا ہے:

''جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق، اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ بالآخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں''۔

مرزا غلام احمد قادیانی، حکیم نور دین بھیروی اور عبدالکریم سیالکوٹی جیسے لوگ اس خطرناک روش کے بدترین نتائج شمار کئے جاتے ہیں۔

ساتویں فقہ ''فقہ تلفیق'' گنوائی ہے، حضرت علامہؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ ایسی فقہ ہے جس نے پچھلی ساری فقہوں پر پانی پھیر دیا ہے، آج کل ایک ایسا دینی طبقہ دیکھنے میں آرہا ہے جس نے ہر بابِ عمل میں رخصتوں کو تلاش کر رکھا ہے، کچھ تعلیم یافتہ لوگ بھی ان سے آملے ہیں، یہ سہولت پسند لوگ اس ساتویں فقہ کے پیرو ہیں کہ ہر مسلک، ہر فقہ کی سہولتوں کو حسب ضرورت اپنالیا جایا کرے، یہ ائمہ کی پیروی، اس جہت سے نہیں کرتے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول برحق کے ترجمان ہیں، بلکہ وہ انہیں غیر مشروط طور پر لائق اتباع سمجھتے ہیں اور جب چاہتے ہیں کسی کی پیروی کر لیتے ہیں، مختلف مسالک کی رخصتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان پر اپنی دینی زندگی کی تعمیر کرنا بذات خود فسق ہے اور یہ جذبہ لائق مذمت ہے، لیکن عمل تلفیق اس سے بھی ایک جدا اور بری راہِ عمل ہے، یہ دوسرے مذاہب کو حسب موقع اپنانا ہے، اختیار وانکار کے اس جمع کرنے کو تلفیق کہتے ہیں، تلفیق کا عمل ظاہری طور پر سہولت اور راحت کوشی پر مبنی نظر آتا ہے، مگر حقیقت میں ایک ایسے اعتقادی مفسدے کا نتیجہ ہے، جس کی حقیقت خدا پرستی کے بجائے نفس پرستی ہے۔''

مگر فی زمانہ ہمارے بعض دینی حلقے تلفیقی عمل کو بلاعنوان بڑی وسعت کے ساتھ اختیار کئے ہوئے ہیں، حسب ضرورت

رخصتیں ڈھونڈنا اور اپنے مطلوبہ حکم اور غرض کو اسلام کے نام پر حلال قرار دینے کے لیے جو چاہیں، جیسا چاہیں اور جہاں سے چاہیں کی بنیاد پر اس راہِ عمل کے راہ رو بنے ہوئے ہیں اور دعوی یہ ہے کہ وہ امت مسلمہ کے نئے مسائل اور زمانی چیلنجز سے نبرد آزما ہیں۔

دینی احکام کے حوالے سے اس طرز عمل کو فقہ کہنے سے زیادہ آسان ہے کہ اسے اتباع ہوی (خواہشات کی پیروی) کہا جائے اور فقہاء کرام نے اسے یہی عنوان دیا ہے، تاہم اب یہ طرز عمل، مستقل مسلک بنتا جا رہا ہے اس لیے علامہؒ نے اسے فقہ کی نئی شکل کے طور پر متعارف کروایا ہے۔ (دیکھیے: ۱/۶۲۳......۱/۲۹۷......۲/۴۳۱ (اقتباسات)......۲/۵۷۹ [ادارہ])

آثار الاحسان:

احسان وسلوک اور تصوف وطریقت، بنیادی طور پر کوئی مستقل موضوع اور فن نہیں ہے بلکہ عمل بالشریعہ کے محرک یا ثمر کا نام ہے، ہمارے مشائخ کے ہاں تصوف وطریقت کا جو مفہوم ہے، اس کی بنیاد حضرت شیخ علی ہجویریؒ کے بقول یہی ہے کہ احسان کا انحصار تعلق خداوندی پر ہے، جس انسان کا اللہ کے ساتھ تعلق جتنا مضبوط ہوگا اتنا ہی اس کے لیے عمل بالشریعہ آسان ہوگا، جس کا تعلق جتنا کمزور اور سطحی ہوگا اتنا ہی اس کے لیے عمل بالشریعہ مشکل ہوگا، اسی بات کو حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ سے یوں نقل کیا گیا ہے کہ:

"تصوف پر چلنے سے مقصود یہ ہے کہ فقہی احکام کے ادا کرنے میں آسانی میسر ہو"۔

اس آسانی کے حصول کے لیے جس محنت، مجاہدہ اور ریاضت سے گزرنا پڑتا ہے اس کے لیے اخلاق باطنہ کو موضوع سخن اور محور مشق بنایا جاتا ہے، بالفاظ دیگر اخلاق حمیدہ کا حصول اور اخلاق رذیلہ سے اجتناب کی محنت کا نام تصوف اور سلوک ہے۔

مگر ایک نادان طبقہ اس محنت کو اس حقیقت کے آئینے میں دیکھنے کے بجائے باطنیت اور بت پرستانہ توہمات کے پراگندہ چشمے سے دیکھنے کی غلطی کرتا ہے اور ایمان وعمل کے چشمہ صافی کو پراگندہ کرنے کا ارتکاب کرنے آ جاتا ہے، حضرت علامہؒ نے "آثار الاحسان" میں تصوف واحسان کی اصل حقیقت کو واضح کرنے، اس چشمہ صافی کے فیضان عام کو جاری وساری رکھنے کے لوازم اور تصوف کے بارے میں پیدا شدہ غلط فہمیوں کے ازالے اور تصوف کے نام پر ہونے والی خرافات کی نشاندہی اور اصلاح کی کوشش بھی فرمائی ہے۔

حضرت علامہؒ کی اس محنت میں اس موضوع سے متعلق مثبت اور منفی تقریباً تمام رویوں کا احسن انداز میں تعارف وبیان موجود ہے۔ اس کتاب کے استفادے کے بعد کوئی بھی حقیقت پسند مسلمان تصوف واحسان کی حقیقت وضرورت کا انکار کر سکتا ہے نہ ہی اس حقیقت کی نفی کا شرعی واخلاقی جواز پا سکتا ہے۔ (دیکھیے: ۱/۱۷......۱/۲۰۰......۱/۶۲۳......۱/۳۰۷ [ادارہ])

ہندوستان کے دینی فتنوں کا پسِ منظر اور اکابر کی اصلاحی کاوشیں حضرت علامہؒ کی تحقیقات کی روشنی میں:

علاوہ ازیں حضرت علامہ کی دینی اصلاحی اور تبلیغی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے برصغیر میں پیدا شدہ علمی ودینی فتنوں میں سے شاید ہی کوئی ایسا فتنہ ہو جس کا علمی وقلمی تعاقب آپ سے رہ گیا ہو۔

برصغیر کی قدیم تہذیب ھندوازم یا بدھ مت شمار ہوتے ہیں، مگر ان تہذیبوں میں اسلام کی مقاومت اور معارضے میں

خاص دلچسپی یا سکت نہ تھی ،انیسویں صدی میں جب ہندوستان سے اسلامی اقتدار کا سورج غروب ہونے جارہا تھا اور انگلستانی منصوبہ بند گروہ ، یہاں اپنے پنجے گاڑھ رہا تھا تو یہ کوشش صرف سیاسی وعسکری نوعیت کی کارروائی نہیں تھی ، بلکہ اس کا بنیادی ہدف مغربی فکر وتہذیب کی تبلیغ کرنا تھا،عیسائی مشنری اس نئی سلطنت کے سائے میں مصروف تبلیغ وتضلیل ہونے لگی۔

اس کافرانہ تہذیب کے سامنے پہلا فکری بند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م:۱۲۳۹ھ) کا وہ فتوی ہے جس نے انگریز قبضے کی پاداش میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا۔

یہ فتوی درحقیقت ،انگریزی اقتدار کے سائے میں رواج پانے والی مغربی تہذیب کی راہ میں فکری رکاوٹ کا ذریعہ بن رہا تھا،اس لیے انگریز سرکار نے اس فتوی کو محض مولویانہ فتوی قرار دے کر نظر انداز کرنے کی بجائے اس کے اثر کو ختم کرنے یا کم کرنے کے لیے مختلف محاذ ، دینی عنوانات سے گرم کیے،اوراس فتوے کی تنفیذ اور تعمیل کے سارے محاذوں کے خلاف ، دینی عناوین سے جو جو مورچے قائم کیے،خانوادہ ولی اللہی کی دینی وروحانی ذریت ،ان محاذوں اور مورچوں کے خلاف میدان عمل میں رہی ، جو جو لوگ جن جن عناوین سے اس میدان عمل کا حصہ رہے،حضرت علامہ خالد محمودؒ نے ان لوگوں کی علمی وقلمی خدمات کا نہ صرف یہ کہ احسن تعارف کرایا بلکہ ان کی خدمات کی تقدیم وتکمیل کا سہرا بھی اپنے سر سجالیا،اور امت مسلمہ پر عظیم ،احسان فرما گئے،آپ کے ان احسانات کا تفصیلی تذکرہ وتعارف تو طویل وقت اور اعلیٰ لیاقت واستعداد کا متقاضی ہے،ہم اختصار کے ساتھ طلباء علم کے ذوق طبع کو متوجہ کرنے کے کی غرض سے کچھ عرض کیے دیتے ہیں!

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ہندوستان میں انگریزوں کی آمد صرف فاتح قوم کی حیثیت تک محدود نہ تھی بلکہ سیاست وعسکریت کے سائے میں ایک نئی تہذیب کی آمد بھی تھی ،اس لیے اسلامی اور عیسائی تہذیبوں کا باہمی تصادم فطری امر تھا،عیسائیت ایک منسوخ شدہ دین اور تحریف شدہ مذہب ہونے کی وجہ سے اسلام کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا ، یہاں کی اسلام پسندی کے مقابلہ میں عیسائیت کو پنپنے کے زیادہ مواقع میسر نہ آسکے،اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف سیاسی میدان میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے فتوی کی تنفیذ وتعمیل شروع کی گئی تھی ،جس کے لیے آپ کے خلیفہ ارشد حضرت سید احمد شہیدؒ کو اس میدان میں اتارا گیا،جن کا کام مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی اور خلافت اسلامیہ کا قیام تھا،آپ کے عسکری معاون کے طور پر حضرت شاہ صاحبؒ ہی کے بھتیجے حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی تشکیل عمل میں آئی۔

دوسری طرف علمی میدان میں مولانا عبدالحیؒ ،مولانا صدرالدین اور مولانا جعفر علی رحمہم اللہ جیسے لوگوں کو ذمہ داریاں سونپی گئیں،مولانا جعفر علیؒ کے شاگردوں میں سے مولانا آل حسن مہائیؒ تھے جنہوں نے مسیحی مشنریوں کا زبردست علمی محاسبہ کیا،اور ہندوستان میں عیسائیت کے رد میں پہلی گراں قدر علمی کتاب لکھی ،حضرت علامہؒ کے بقول ہمارے ہاں عیسائیت کے موضوع پر جتنا کام ہوا ہے اس میں علامہ مہائیؒ کی ''الاستفسار'' اور ''الاستبشار'' متن کا درجہ رکھتی ہیں۔ان کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اس محاذ کے مرد میدان ٹھہرے،آپ نے ''اظہار الحق''،''ازالۃ الشکوک''،''ازالہ اوھام'' اور ''اعجاز عیسوی'' جیسے علمی آثار چھوڑے،اگلے مرحلے میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ،مولانا سید ناصر الدین ،اور مولانا عنایت رسول چڑیا کوٹی رحمہم اللہ

جیسے جبال العلم نے شاہ عبدالعزیزؒ کے فتوی کی تعمیل میں نمایاں کردار ادا کیا، اور حضرت نانوتویؒ کا ان تمام اہل علم سے خصوصی ربط رہتا تھا، جو ردعیسائیت کے میدان میں مصروف عمل رہتے تھے۔

شاہ عبدالعزیزؒ کے فتوے کا اثر ونفوذ روکنے کے حربے:

الغرض حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا ''فتوی دارالحرب'' صرف ایک فتوی نہیں تھا بلکہ وہ انگریزوں کے خلاف سیاسی تحریک، عملی جدوجہد اور انگریزی اقتدار سے بغاوت کا درس تھا، ہندوستان پر قابض انگریز بہادر کو اس کا بخوبی اندازہ تھا اور اس فتوی کے اثرات بھی وہ واضح طور پر محسوس کررہے تھے، اس لیے انگریز نے ہردم اور ہر دام اس فتوی کے اثر ونفوذ کو ختم یا محدود کرنے کی کوشش کی اور اس فتوی کی تنفیذ وتعمیل کے سلسلہ کی اول وآخر جتنی کڑیاں جڑتی رہیں ان پر کاری ضرب کا بندوبست زیر عمل رہا۔

سب سے پہلے قافلہ سید احمد شہیدؒ کے خلاف اپنے سیاسی حلیف ''سکھ رجمنٹ'' اور مذہب نما اپنے کاسہ لیسوں کی خدمات حاصل کی گئیں، مذہبی لبادے میں لپٹے ہوئے انگریزی کاسہ لیسوں نے اس صوفی حنفی جہادی قافلے کو نجد کے بعض انگریزی کارندوں کا پیروکار اور ہم نوا قرار دے کر ان پر کفر کے فتوے صادر کردیئے، گویا انگریز کی بغاوت کو کفر قرار دیا گیا، پہلے پہل یہ خدمت آسان بھی نہ تھی کیونکہ اس قافلے کے رکن رکین حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بھتیجے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے پوتے شاہ اسماعیل شہیدؒ تھے اور دنیائے اسلام میں خانوادہ شاہ ولی اللہ کا مقام ومرتبہ مسلم اور روشن تھا، اس خانوادے کے خلاف فتوی بازی یا زبان درازی سورج پر تھوکنے کے مترادف تھی، اہل اسلام میں سے کوئی بھی صاحب علم، اس کم ظرفی کا مورد بننے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا، بڑی مشکل سے انگریز بہادر نے اپنے ایک ملازم مولوی فیض رسول بدایونی مرحوم کو اس جسارت پر آمادہ کیا اور اس نے انگریز مخالف اس قافلہ ولی اللہی بالخصوص شاہ اسماعیل شہیدؒ پر کفر کا فتوی صادر کیا، مگر انہیں، ہم نوائی کی بجائے ملامت کا سامنا ہی رہا۔

مولانا بدایونی کی تکفیری مہم اور مولانا احمد رضا خان کی احتیاطی پہلوتہی:

آگے چل کر بدایونی صاحب کے کچھ اثرات مولانا احمد رضا خان مرحوم پر بھی پڑے مگر انہوں نے اس حد تک احتیاط سے کام لیا کہ قافلہ سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید وغیرہم کو تو ہدف تکفیر بنانے میں احتیاط کی کوشش کی مگر دو پہلوؤں سے آپ کا کردار بدایونی صاحب کے کردار کا تسلسل ثابت ہوا، بلکہ ایک گونہ زیادہ مؤثر ثابت ہوا، ایک تو انہوں نے شاہ عبدالعزیزؒ کے فتوی دارالحرب سے علمی انداز میں معارضہ کیا اور ہندوستان پر انگریزی قبضے کے باوجود ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بجائے دارالاسلام ہونے کا فتوی دے دیا، اور ''**اعلام الأعلام بان هندوستان دار الاسلام**'' کے نام سے علمی رنگ میں شاہ عبدالعزیزؒ کے فتوی کے اثر ونفوذ کو کم کرنے یا بے اثر کرنے میں شعوری یا لاشعوری کردار ادا کیا۔

دیوبند اور بریلی کا شناختی تنوع:

اس فتوی کو حضرت خان صاحب مرحوم کی علمی تحقیق کے حسن ظن پر محمول کرنے کے باوجود انگریز سرکار کو اس سے

زبردست فائدہ پہنچا اور ایک بہت بڑا طبقہ، اس فتویٰ کو سیاسی مضمرات سے قطع نظر محض علمی تحقیق کے طور پر قبول کرنے لگ گیا اور شاہ عبدالعزیزؒ کے فتویٰ کی وجہ سے مسلمانوں کے ہاں انگریزی بغاوت کے لیے پیدا شدہ اثرات میں یوں کمی آئی کہ سنی، حنفی، صوفی مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے، ایک حصہ شاہ عبدالعزیزؒ کے فتویٰ پر کاربند رہا، اور دوسرا طبقہ اس کی مخالف سمت چل نکلا اور سنی حنفی صوفی دو شاخوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک شاخ کی شناخت بریلوی مسلک کے نام سے معروف ہوئی، اور دوسری شاخ دیوبندی مسلک کے عنوان سے پہچانی جانے لگی، بریلوی اور دیوبندی بنیادی طور پر اس سیاسی اختلاف کے آغاز کے موقع پر ان اکابر علماء کی جائے قیام کی طرف منسوب ہے، جو اس وقت بریلی اور دیوبند میں موجود تھے، اس سیاسی اختلاف کو مذہب و مسلک کا رنگ دینے میں حضرت مولانا احمد رضا خان کے اس رویے نے بنیادی کردار ادا کیا جو رویہ مولانا بدایونی کے طرز فکر و عمل سے آپ کی چھاپ بنا تھا، اور حضرت خان صاحب نے علمائے دیوبند کے بارے میں وہ کچھ یا اس سے کچھ زیادہ کہنے کی کوشش کی جو مولانا بدایونی نے شاہ اسماعیل شہید اور ان کے ہم نواؤں کے بارے میں کہا تھا، بلکہ حضرت خان صاحب نے مولانا بدایونی کا تکفیری توپ خانہ ہی مستعار لے لیا، البتہ اتنی احتیاط ضرور برتی کہ اس توپ خانہ کا رُخ دہلی کی بجائے دیوبند اور دوسرے خطوں کی طرف موڑ دیا۔

مگر یہ سب کچھ غلط فہمی اور لاعلمی کی بناء پر کہا گیا ہے، جس کی صراحت بریلوی مسلک کے سنجیدہ علماء کی تحریرات میں موجود ہے، اور یہ صراحتیں اور وضاحتیں انہوں نے حضرت خان صاحب کی کتابوں ''تمہید الایمان'' اور ''سبحان السبوح'' وغیرہ کے حوالے کے ساتھ بیان کی ہیں، اور یہی مضمون مولانا احمد سعید کاظمی مرحوم نے واضح انداز میں اپنی تالیف ''الحق المبین'' میں ذکر فرمایا ہے۔

علماء اہل سنت دیوبند کا قابل تقلید رویہ:

مگر علمائے دیوبند کے علم و حلم اور دور اندیشی کو سلام ہو کہ انہوں نے غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں پر مشتمل آپس کے اس خلفشار کو اہمیت دینے کی بجائے وہ اپنے اس کاز سے وابستہ رہے جو، شاہ عبدالعزیزؒ سے انہیں منتقل ہوا تھا، یعنی دین اسلام کی تعلیم و تبلیغ اور میدان عمل میں کفار سے نبرد آزمائی، وہ یکسوئی کے ساتھ اپنے مشن سے جڑے رہے، انہوں نے حضرت خان صاحب یا دیگر علماء کے کسی بھی تکفیری فتویٰ کا جواب تکفیری انداز میں ہرگز نہیں دیا، بلکہ اپنے ایسے مخالفین کو معذور قرار دیتے رہے یا پھر سنجیدہ علمی انداز میں ان کی غلط فہمی کے ازالے کے لیے علم و دیانت کا سبق دہرانے پر اکتفاء کیا اور بس!

آپس کے اختلاف سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے کاز اور بڑے اہداف کے درپے رہنے کا نقد صلہ علماء دیوبند کو یہ ملا کہ ایک تو دنیائے علم میں دارالعلوم دیوبند کو جو علمی مقام ملا وہ کسی اور مقام و مسلک کے حصے میں نہیں آیا، دوسرا یہ کہ ان کی سیاسی جہد مسلسل کے نتیجے میں انگریز بہادر کو ہندوستان سے جانا پڑا، اور ہندوستانیوں پر اپنا قبضہ ختم کرنا پڑا۔

علمائے دیوبند کے اسی دور اندیشانہ اسوۂ حسنہ کی برکت ہے کہ آج وطن عزیز میں تمام مسالک کے علماء اپنے مشترکات اور بڑے اہداف کے لیے باہمی اختلافات کو پس پشت ڈالنے کے فلسفے پر عمل پیرا ہیں، اور اس دور اندیشی کی برکات سے مستفید ہو رہے ہیں۔ حضرت علامہ خالد محمودؒ نے اس حقیقت واقعہ کا علمی، تحقیقی اور تاریخی جائزہ آٹھ جلدوں میں ''مطالعہ بریلویت'' کے

نام سے پیش فرمایا، اور اپنے اکابر کی طرح علمی انداز، سنجیدہ گفتگو اور علمی معارضے، دیانتی اصولوں کا بھرپور لحاظ رکھا ہے، یہ کتاب علمائے بریلی کی طرف سے علمائے دیوبند پر لگائے گئے الزامات بے بنیاد واتہامات اور بے سروپا مغالطات کا زبردست علمی وتحقیقی جواب ہے، کوئی بھی منصف مزاج، سنجیدہ صاحب علم اس کتاب کے مطالعے کے بعد نہ صرف یہ کہ علماء دیوبند کے بارے میں پیدا کردہ مغالطات کی بے ثباتی پر مجبور ہوگا بلکہ شدید مخالفت ومخاصمت کی کشاکشی کے باوجود اعلیٰ اخلاقی اقدار کی پاسداری اور لحاظ کی گواہی بھی دے گا۔ کیوں کہ کسی بھی علمی معارضے میں اپنے خصم کے ساتھ علم دیانت کی پاسداری اور خصم کے ذاتی احترام کی خیال داری کی اس سے اچھی مثال شاید ہی ملے۔

تقلید اور ترک تقلید کا تنازع:

خانوادۂ ولی اللہی کی سیاسی بغاوت کی سزا کے طور پر بدیسی حکومت نے ایک اور کوشش یہ کی کہ اہل ہند پر اس خانوادے کے علمی اثر ورسوخ کو کم کرنے کے لیے ایک اور محاذ گرم کیا جائے، چنانچہ شاہ ولی اللہ کی علمی سلطنت کے خاتمے کی غرض سے اول وہلہ میں مسلمان نما دو انگریزی وفادار اس خدمت کے لیے استعمال ہوئے، ایک سر سید احمد خان اور دوسرے جناب محی الدین، جنہوں نے ہندوستان میں حنفی وتقلیدی وحدت کو گزند پہنچانے کے لیے ''**الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین**'' لکھی جو ہندوستان میں ترک تقلید کی تحریک کے لیے اساسی دستور ثابت ہوئی، اس کتاب کا رد مولانا منصور علی بن محمد حسن امروہوی نے ''**فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین**'' کے نام سے لکھا۔ اور اس کتاب میں مولانا امروہویؒ نے یہ انکشاف بھی کیا کہ جناب محی الدین صاحب کا تقلید یا ترک تقلید کے اسلامی نقطہ ہائے نظر سے کوئی تعلق نہیں تھا، وہ بنیادی طور پر انگریز کے آلہ کار تھے، ان کا ہدف اہل ہند کی مذہبی وحدت کو دولخت کرنا تھا، ان کا اصل مذہب ہندو دھرم تھا، اور ان کا نام پتہ، ہری چند بن دیوان چند قوم کھتری، سکنہ علی پور چٹھہ ضلع گوجرانوالہ تھا، یہی خدمت عبدالحق بنارسی کے نام سے ایک اور ہندو نے بھی انجام دی، چنانچہ اس گھناؤنی سازش کا بدترین نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ہندوستان میں غیر مقلدین کی تعداد گو کہ خاطر خواہ نہ سہی مگر ترک تقلید کی آڑ میں بڑے بڑے خود سر فتنے پیدا ہوگئے، جن میں مرزا غلام احمد قادیانی جیسے لوگ بھی پیدا ہوئے۔

بلاشبہ تقلید اور ترک تقلید کئی صدیوں سے اہل علم کے درمیان زیر بحث رہنے والا موضوع چلا آرہا ہے، مگر اس علمی موضوع کی آڑ میں کسی خطے کی مذہبی وحدت کو پاش پاش کرنے کے لیے استعمال کرنا یہ محض انگریز کی سازش تھی، بلکہ خود ترک تقلید کے نظریئے کا غلط استعمال بھی تھا، اس لیے اس حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے انگریز کے آلہ کار ایسے ہندوؤں اور نیم مسلمانوں کی اس سازش کو بے نقاب کرنے کے لیے اول صف کے علماء میں مولانا نذیر حسین دہلوی مرحوم کا نام بھی آتا ہے، مولانا دہلوی ہمارے موجودہ غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل کہلاتے ہیں، اور حقیقت میں یہ بھی خانوادہ ولی اللہی کے علمی خوشہ چینوں میں سے تھے، اس لیے انہوں نے غیر مقلدیت کو ہندوستانی مسلمانوں کے خلاف اور خانوادہ ولی اللہی کے سیاسی اقدامات کے خلاف سازشی ہتھکنڈے کے طور پر استعمال کرنے کے تاثر کے ازالے کی بھرپور کوشش کی اور ترک تقلید کے نظریئے کو عمل بالحدیث کا نتیجہ باور کرنے کے لیے برطانوی سرکار سے اپنے لیے ''اھل الحدیث'' کا نام بھی الاٹ کروایا اور اپنے آپ کو حنفی اہل الحدیث کہتے اور

لکھتے تھے۔اس طبقے کے ساتھ علمی معارضے کی منصفانہ روداد حضرت علامہؒ نے آثار التشریع کے اوائل واواخر میں ہی تحقیقی اور الزامی جوابات کے ساتھ درج فرمائی ہے۔

تسنّن پر تشیّع کی نقب زنی کا علمی دفاع:

سرزمین ہند کو جن علمی فتنوں نے زوردار انداز میں جھنجھوڑا ان میں سے ایک فتنہ رفض وتشیع کا ہے،جس نے ہندوستان کے سنی، حنفی اور صوفی دولت کدے میں نقب زنی کی کوشش کی ، یہ گروہ پہلے ہمایوں پھر جہانگیر کی بادشاہت کے سائے میں نور جہاں کے جہیز میں ایران سے ہندوستان منتقل ہوا اور دھلی ولکھنو کو اپنا مرکز بنایا ، یہ تقریباً سترویں صدی عیسوی (۱۶۰۷ء) کی بات ہے۔

اس علمی وسیاسی فتنہ کے سامنے پہلا بند حضرت مجدد الف ثانی اوران کے خلفاء رحمہم اللہ نے باندھا، ناموس صحابہؓ کے تحفظ پر اہل ہند کی پہلی تحریر''ردروافض'' کے نام سے حضرت مجددؒ نے تحریر فرمائی،اس تحریر کی ضرورت یوں پیش آئی کہ اکبر کے تقیہ باز درباری قاضی نوراللہ شوستری (۱۰۱۹ھ)اوراس کے پیروکاروں کی طرف سے تفریق بین المسلمین کے لیے خلفائے راشدین کے خلاف ہذیان گوئی پر مشتمل ایک رسالہ لکھا گیا،حضرت مجددؒ نے اس رسالہ کا جواب لکھا، جسے ہندوستان بلکہ برصغیر میں ردروافض پر پہلی تحریر کا درجہ دیا جاتا ہے۔

اس کے بعد یہی فاروقی خون حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ اوران کے خانوادے میں جوش مارتا رہا اور آپ نے اپنی علمی خدمات میں ناموس صحابہ کے تحفظ کو اولین درجہ دیا اور''**ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفا**''جیسی شہرۂ آفاق کتاب لکھی،اسی طرح''**قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین**''بھی تحریر فرمائی۔اس کے بعد آپ ہی کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ''تحفۂ اثنا عشریہ'' لکھ کر ملت رافضیہ کو ایسالا جواب کیا کہ اس کا جواب تاحال ان کے ذمہ قرض ہے، پھر یہ کام آپ کے شاگردوں نے سنبھالا،مولانا رشیدالدین خان نے''**عزۃ الراشدین**''اور''**ایضاح لطافۃ المقال**''لکھیں اور مولانا حیدر علی نے''**منتھی الکلام**''اور''**ازالۃ الغین عن بصارۃ العین**''تالیف کیں۔

سنیت وشیعیت کی اسی علمی کشاکش میں انگریزی اقتدار کا مشئوم سورج ہندوستانی افق پر نمودار ہوا اور یہ علمی مباحثے باہمی مخاصمات بن کر انگریزی اقتدار کے مفاد میں جاسکتے تھے مگر خانوادہ ولی اللہی کے علمی وسیاسی جانشینوں (علمائے دیوبند) نے ان مباحثوں کو علمی میدانوں تک محدود رکھنے کی روش قائم رکھی۔حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے''**ھدیۃ الشیعۃ**''اور ''**الاجوبۃ الکاملۃ فی الاسئلۃ الخاملۃ**''لکھیں۔حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے''**ھدایۃ الشیعۃ**''لکھی، پھر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے''**ھدایات الرشید الی افحام العنید**''اور''**مطرقۃ الکرامۃ علی مرأۃ الامامیۃ**''لکھیں۔

جب رفض کا زور دھلی کے بعد لکھنو میں بڑھنے لگا تو اللہ تعالی نے یہی کام،علمائے فرنگی محل سے بھی خوب خوب لیا

،مولانا شاہ اسحاقؒ کے شاگرد مولانا عین القضاۃ تھے،ان کے تلامذہ میں حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کو اللہ تعالی نے تمام اکابر کے کارناموں کا جامع بنایا اور ماہنامہ ''النجم'' کے ذریعہ نصف صدی تک سیاہ دلوں کو جلا بخشتے رہے اور آپ کے بعد ناموس صحابہؓ کے میدان میں کام کرنے والے حضرات آپ ہی کے خوشہ چیں رہے۔

حضرت لکھنویؒ ناموس صحابہ کے لیے جہاں شاہ ولی اللہؒ کی روایات و امانات کے جامع اور عکسِ نو ثابت ہوئے ،وہاں آپ کو علمائے دیوبند میں سے شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی تائید و معاونت بھی حاصل رہی۔آگے حضرت شاہ صاحبؒ کے اس دفاعِ علم کو آپ دونوں بزرگوں کے تلامذہ نے تھاما،حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری،سید احمد شاہ بخاری،قاضی مظہر حسین چکوال،علامہ عبدالستار تونسوی،مولانا محمد نافع جھنگوی رحمہم اللہ جیسے صاحبان علم وحلم اور اربابِ حکمت و دانائی نے اپنی قوت علم اور طاقت قلم سے ناموس صحابہ کا تحفظ کیا اور اس خدمت کے لیے گراں قدر علمی تحقیقات اور ہزاروں مبلغین و مصلحین اپنے وارث بنائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے لے کر حضرت مولانا محمد نافع اور علامہ تونسوی تک اس موضوع کی ساری تحریرات و تحقیقات کی تفصیل و تحلیل اور تجزیہ و تحشیہ کی جملہ ضرورتیں حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کی درج ذیل تحریرات کے اندر عمدہ ترین پیرائے میں دیکھی،سمجھی اور پڑھی جاسکتی ہیں:

ا:......خلفائے راشدین (۲ جلد)

جو ہفت روزہ ''دعوت لاہور'' کی خاص اشاعتوں کے مضامین پر مشتمل ہے،جن میں حضرات خلفائے راشدین کی حیات طیبہ کے مختلف پہلوؤں اور متعلقہ مسائل و مباحث پر تفصیلی اور تحقیقی روشنی ڈالی گئی ہے۔یہ خاص اشاعتیں جہاں حضرت علامہؒ کی تحقیق و تعلیق سے گزریں،وہاں آپ کا ایک وقیع مقدمہ بھی اس کا حصہ ہے اور شروع میں مقام صحابہ سے متعلق حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کا ایک مقدمہ بھی فکری اساس کے طور پر زینت افزا ہے۔(۱/۶۲۴۔۔۱/۳۳۷۔۔۲/۵۰۳[ادارہ])

۲:......عبقات

یہ اسی ہفت روزہ ''دعوت لاہور'' کا ایک مقبول عام کالم تھا،جو خلفائے راشدین یا اس موضوع سے متعلق دیگر سوالات و جوابات پر مشتمل ہے،یہ کالم خلفائے راشدین کی اشاعت خاص کے اس مجموعے کی دوسری جلد میں یکجا طور پر بھی شائع کیا گیا۔جب کہ یہ استفسارات ''عبقات'' کے نام سے دو جلدوں میں حضرت علامہؒ نے مرتب بھی فرمارکھے ہیں۔جن میں سینکڑوں عنوانات پر مشتمل منفرد نوعیت کی علمی،تاریخی اور تحقیقی خدمت انجام دی گئی ہے۔(۱/۶۲۵،۱/۳۳۷،۲/۵۲۷)

۳:......تجلیات آفتاب (۲ جلد)

یہ درحقیقت ایک مقدمہ ہے جو حضرت مولانا کرم الدین دبیرؒ کی کتاب ''آفتاب ہدایت'' کی توضیح و تکمیل کے لیے لکھا گیا تھا۔آفتاب ہدایت (۱۹۲۵ء) میں پہلی مرتبہ چکوال سے طبع ہوئی تھی،نصف صدی بیت جانے کے باوجود اہل تشیع کی

طرف سے اس کتاب مستطاب کا کوئی جواب نہ بن پایا، بالآخر (۱۹۷۳ء) میں سرگودھا کے ایک شیعہ مجتہد، علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب نے ''تجلیات صداقت'' کے نام سے ملت شیعیت کے ذمہ واجب اس علمی قرض کو اتارنے کی ناتمام کوشش کی، حضرت علامہؒ نے حضرت دبیر کے صاحبزادے حضرت قاضی مظہر حسینؒ کی فرمائش پر علامہ ڈھکو کی ''تجلیات صداقت'' کی ناتمامیت کو ڈھ گوئی (گری ہوئی باتیں) ثابت کرنے کے لیے دو جلدوں میں ''تجلیات آفتاب'' تحریر فرمائی۔ اگر کوئی طالب علم شیعہ سنی اختلافات کی علمی بنیاد اور اس کے تقاضاہائے دیانت سے خاطر خواہ واقفیت چاہے تو اس کے لیے آفتاب ہدایت اور تجلیات آفتاب بھی کافی وافی ہیں۔ (دیکھیے: ۱/۹۹......۱/۱۲۴......۱/۵۴۲......۱/۶۳۲......۲/۱۸۷......۲/۴۷۰......۲/۴۹۹[ادارہ])

۴:......دوازدہ احادیث

اس میں ان بارہ احادیث مبارکہ کی تفہیم و توضیح فرمائی گئی ہے، جن کے سہارے اہل تشیع، اہل سنت کے درمیان علمی مغالطات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جن میں حدیث الحوض، حدیث ثقلین، حدیث ولایت، حدیث امامت اثنا عشریہ، حدیث اغضاب فاطمہ، حدیث فدک اور حدیث قرطاس وغیرہا شامل ہیں۔ (دیکھیے: ۱/۶۵۲......۱/۷۳۹......۲/۵۱۷[ادارہ])

۵:......محرم کی دس راتیں

یہ حقیقت کسی بھی مسلمان سے پوشیدہ نہیں کہ نہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص خاندان، کنبے اور علاقے کے نبی ہیں اور نہ ہی آپ کے اہل بیت اطہار پر کسی مخصوص گروہ کی اجارہ داری ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم، عالمگیر نبی ہیں اور اہل بیت اطہار کا ایمان اور فضل و کمال اہل سنت کے ہاں ایمان و حق پرستی کا معیار ہے۔ محرم کی دس راتوں میں یا مجالس عزا وغیرھا کے عنوان سے دیگر راتوں میں اہل بیت اطہار کی محبت و تعلق کے پاکیزہ لبادے میں جو کچھ ہو رہا ہوتا ہے اس کا اہل بیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، بلکہ ان مجالس کے بیانات میں روافض کی سیاسی ابتری اور بدباطنی کا زہر بمقدار وافر پایا جاتا ہے، جسے ان مقدس راتوں میں اہل بیت کی محبت کی آڑ میں اگلا جاتا ہے۔

حضرت علامہؒ نے اس کتاب میں ان راتوں کی حقیقت، اہل بیت کی عظمت کے تقاضوں اور اہل سنت کے نظریہ اعتدال کو واضح فرمانے کی کوشش کی ہے اور بلاشبہ وہ اس کوشش میں کامیاب رہے ہیں۔ (دیکھیے: ۱/۶۲۷، ۱/۷۴۰[ادارہ])

علاوہ ازیں ''اہل بیت کرام'' اور ''معیار صحابیت'' وغیرہ جیسی گراں قدر کتابیں بھی ہیں جو فی الوقت ہمارے سامنے نہیں ہیں۔

الغرض! تحفظ ناموس صحابہ اور اصلاح روافض کیلئے حضرت علامہؒ کی تحریرات، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (۱۰۳۴ھ) کی رد روافض سے لے کر حضرت علامہ محمد عبدالستار تونسویؒ کی تحریر و تبلیغی خدمات کا کامل نچوڑ ہیں بلکہ ان تمام تحریرات کا خلاصہ اور تعارف حضرت علامہ خالد محمودؒ کی تحریرات میں انتہائی احسن انداز عمدہ پیرائے شاندار الفاظ اور شائستہ زبان میں پایا جاتا ہے۔

سرزمین ہند پر مذہبی انتہاء پسندی کے اصل محرکات

بہر کیف! شیعہ سنی اختلاف جو سیاسی اختلاف سے شروع ہو کر مذہبی اختلاف کے روپ میں چلا، پھر ہندوستان میں آکر اس اختلاف نے وہ شدت اختیار کی جو کہیں بھی اور کسی بھی سیاسی یا مذہبی اختلاف کو حاصل نہیں رہی، اس کے خارجی عوامل میں وہی اغراض واسباب شامل وشمار کیے جاتے ہیں جو تقلید وترک تقلید اور دیو بندی وبریلوی اختلاف کے پیچھے کارفرما تھے۔

اگر بنظر غائر اور بہ نگاہ انصاف دیکھا جائے تو یہ اختلافات دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی موجود ہیں مگر سرزمین ہند کو آتش کدۂ شقاق، بنانے کے پیچھے وہی مسیحی تبلیغی مشن کارفرما تھا، جو پہلے تجارتی روپ، پھر سیاسی انداز میں لیلائے اقتدار ہند سے ہم آغوش ہوا اور مسیحیت کے فروغ کے لیے بڑے بڑے پادریوں کو ارتداد والحاد کا تبلیغی مشن سونپا گیا، چنانچہ وہ لوگ اپنے مشن کی تکمیل کیلئے اسلامی وحدت کو مختلف محاذوں پر مصروف رکھنا چاہتے تھے جس کے نتیجے میں اہل ہند غیر ضروری حد تک آپس میں الجھنے لگے اور مغربی چالباز ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے فارمولے کی کامیابیاں سمیٹتے رہے اور ساتھ ساتھ مسخ شدہ مسیحیت کی تبلیغ کی جانے لگی مگر منسوخ شدہ بلکہ محرف شدہ مسیحیت اہل اسلام کے ہاں کیسے قابل قبول ہو سکتی ہے؟ اس کوئی ظاہری جواز تو تھا نہیں۔

عقیدہ ختم نبوت کی حساسیت واہمیت پر ضرب کاری

ادھر مسیحیت کو قبول کرنے میں مسلمانوں کا عقیدہ ختم نبوت سب سے بڑی رکاوٹ تھا، اس لیے کہ مسیحیت کو عقیدۃً قبول کرنے کے لیے دو چیزوں کو تسلیم کرنا ضروری ٹھہرتا ہے، ایک یہ کہ حضرت عیسی علیہ السلام کی نبوت پر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور خاتمیت سے کوئی اثر نہیں پڑا، دوسرا یہ کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجرائے نبوت ممنوع ومحال نہیں ہے، اہل اسلام کے سامنے ان دونوں باتوں کو علمی بحث کے طور پر پیش کرنا اور وہ بھی عیسائی مبلغین کے ذریعہ کوئی آسان کام نہ تھا، چنانچہ انگریز نے اس کار بد کے لیے ہندی مسلمانوں کے اندر سے دو طرح کے لوگ پیدا کیے، ایک وہ طبقہ جو جدت وتجدید کے نام پر دین اسلام کی چودہ سو سالہ روایات، اصطلاحات، تعبیرات اور مشاعر وشعائر میں ردوبدل کی خدمت انجام دے، جس کے نتیجے میں دین اسلام کو تبدیلی وتجدید کا متحمل ظاہر کیا جائے، اس خدمت کے لیے سرسید احمد خان، ڈپٹی نذیر احمد، اسلم جیراج پوری، عنایت اللہ مشرقی، وغیرہم کام آئے۔ جنہوں نے اسلامی روایات، مصطلحات بلکہ معتقدات تک بدلنے کا کارنامہ انجام دیا، اور دین اسلام کے روایتی وارثوں کی اجارہ داری کے خاتمے کے درس اور بھاشن دینے لگ گئے، مگر روایت پسند علماء نے اس گروہ کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا اور دین اسلام کا حفاظتی پشتہ ثابت ہوئے، اور دین اسلام کو بحمد اللہ تروتازہ حالت میں باقی رکھنے میں کامیاب رہے۔

مگر انگریزوں کا خود کاشتہ دوسرا گروہ زیادہ منظّم اور مخرب ثابت ہوا جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ گروہ، مسیحی تبلیغ کے لیے اصل آلہ ووسیلہ تھا، اس لیے انگریز نے اس گروہ کی ہر طرح سے سرپرستی کی اس کی پناہ گاہ بنا رہا، اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے، یہ گروہ مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی اور اس کی شیطانی ذریت کے نام سے معروف ہے، جو پہلے مناظر پھر مجدد پھر مہدی پھر مسیح موعود اور آخر میں متنبّی بن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت پر حملہ آور ہوا، اور اپنی افترائی نبوت کا پہلا حکم اپنے ظل سلطانی یعنی انگریز کے

خلاف، ترک جہاد کی صورت میں صادر کیا، اور قصر نبوت پر ظلی و بروزی کے چھینٹے اڑانے لگا، اور منسوخ شدہ دین مسیحی کے امکان وصحت کو ثابت کرنے کی خدمت کرنے لگا۔

مگر قربان جایئے شاہ ولی اللّٰہی کی روحانی ذریت پر کہ اس نے انگریز کے خلاف علم جہاد سرنگوں ہونے دیا اور نہ ہی انگریزی پیداوار کی سرکوبی سے غافل رہے۔

گوکہ عقیدہ ختم نبوت امت مسلمہ کا متفقہ اور متواتر عقیدہ چلا آرہا تھا، اس عقیدہ کو متزلزل کرنا پہاڑوں سے ٹکرانے کے مترادف تھا، یہی وجہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے دعوی نبوت کے لیے مختلف قلابازیاں بھی کھائیں، کبھی مسیح موعود کا مصداق بننے کے لیے حیات سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا انکار کیا، اور دوبارہ ان کی آمد کی نفی کی، پھر آگے چل کر ختم نبوت کے معنی و مصداق کے اندر ایسی تبدیلی اور ردوبدل کی کوشش کی کہ جس میں اپنی جھوٹی نبوت کو جگہ دے سکے۔ اس نبوت کی حسرت میں کبھی پیش قدمی اور کبھی پسپائی کرتے کرتے بالآخر ختم نبوت کے مزعومہ معانی کے بارے میں مرنے سے قبل یہ وضاحت کر گیا کہ وہ کس قسم کی ''نبوت'' کا قائل اور وعویدار ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود نے مرزا صاحب کی (۱۹۰۰ء) تک کی ساری تحریرات اور وقتی وضاحتوں کو منسوخ کر کے (۱۹۰۱ء) میں مرزا قادیانی کو آسمانی نبوت کا منصب نشین قرار دیا اور ''**حقیقة النبوة**'' کے نام سے کتاب لکھی اور اپنے پدر نا گوار کی قلابازیوں کے پردوں میں لپٹی ہوئی کافرانہ حسرت کو طشت از بام کر دیا اور ختم نبوت کے چودہ سو سالہ معنی و مصداق میں تبدیلی کا برملا اعتراف وارتکاب کرتے ہوئے ختم نبوت کا یکسر انکار کر دیا اور امت مسلمہ کے ساتھ ختم نبوت کے معنی میں تنازع والجھاؤ کھڑا کر دیا، قادیانیت کے اس کافرانہ دجل کو یوں تو تقریباً تمام مسالک کے اکثر اکابر نے احسن انداز میں آشکارا فرمایا ہے، مگر اس موضوع پر پہلی جامع کتاب بلکہ متن متین حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری کی ''**خاتم النبیین**'' بزبان فارسی ہے اس کے بعد آپ ہی کے شاگرد رشید حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی نور اللہ مرقدہ کی ''**ھدیة المھدیین** ''(بزبان عربی) ہے پھر اسی کا ترجمہ ''ختم نبوت کامل'' کے نام سے معروف ہوا۔ یہ کتابیں اس موضوع پر متن کا درجہ رکھتی ہیں اور ان کی مفصل ومکمل اور مستعیب شرح حضرت علامہ خالد محمود کی کتاب ''**عقیدة الامة فی معنی ختم النبوة** '' ہے جو ''ختم نبوت'' کے معانی، مطالب اور متواتر مصداق کی کامل وضاحت پر مستزاد، مناظرانہ انداز کی لاجواب کتاب ہے۔ (دیکھیے: ۱/۲۴۶......۱/۴۰۸......۱/۶۲۵......۱/۷۰۴ (مضمون)......۱/۳۵۷......۱/۵۹۵......۲/۱۷۴[ادارہ])

''**عقیدة الامة**'' مطالعہ قادیانیت کا پہلا حصہ ہے، مطالعہ قادیانیت کے تین حصے اور بھی ہیں۔ دوسرا حصہ ''عقیدہ خیر الامم فی مقامات عیسی بن مریم'' کے نام سے ہے، اس حصہ میں حضرت عیسی ابن مریم علیہما السلام سے متعلق تقریباً تمام ممکنہ مباحث سے تعرض کیا گیا ہے، تیسرا حصہ ''**عقیدة الاعلام فی الفرق بین الکفر و الاسلام** '' کے نام سے موسوم ہے چوتھا حصہ ''مرزا قادیانی اپنی تحریرات اور پیش گوئیوں کے آئینے میں'' کے عنوان سے معنون ہے۔

مطالعہ قادیانیت کا تیسرا حصہ قادیانیت سے متعلق کفر واسلام کے تقریباً جملہ مباحث اور شبہات کے جوابات پر مشتمل

ہونے کے علاوہ کفر اور اسلام کے چودہ سو سالہ متواتر و متوارث فاصلوں کے بیان پر بھی مشتمل ہے۔اس حصہ کو حضرت کشمیریؒ کی ''**اکفار الملحدین فی انکار شیء من ضروریات الدین** ''،علامہ غلام مصطفیٰ امرتسری کی ''**احسن التقریر فی احکام التکفیر** ''،مولانا مرتضی حسن چاند پوری کی ''**تحقیق الکفر والایمان** ''اور حضرت مفتی محمد شفیع دیو بندیؒ کی ''**الافکار الیٰ اصول الاکفار** '' کی جامع تلخیص اور حسین تعبیر کہا جاسکتا ہے، بلکہ اکابر کی ان تحریرات کا وقیع خلاصہ بھی ہے اور بہترین شرح بھی ہے۔

فتنہ قادیانیت سے متعلق آج تک جتنا علمی یا عملی کام ہوا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور ختم نبوت کے اعجاز کی بدولت وہ یکجا مدون ہو چکا ہے، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ذمہ داران نے ساٹھ جلدوں میں ''احتساب قادیانیت'' کے عنوان سے اس موضوع کا سارا مواد مرتب کر دیا ہے،اسی طرح ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی کی مکمل کارروائی پانچ جلدوں میں اور تحریک ختم نبوت کے عنوان سے ایک سوسالہ جدوجہد کو دس جلدوں میں مدون کر دیا ہے۔اور ہر جلد ۶۰۰ /سے ۷۰۰ /صفحات پر مشتمل ہے،اس سے یوں لگتا ہے کہ شاید ہی کوئی گوشہ ایسا بچتا ہو جو اس جمع وترتیب میں شامل نہ ہوا ہو۔فتنہ قادیانیت اس لحاظ سے دنیا کا منفرد ترین موضوع بن چکا ہے کہ اس موضوع پر تحقیق کرنے والے کو ایک ہی مقام پر مرتب انداز میں سارا مواد دستیاب ہوسکتا ہے۔

اگر کوئی مختصر، جامع اور مستعیب انداز میں اس فتنہ کو آغاز تا انجام سمجھنا چاہے تو اس کے لیے علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کاوش کافی وافی رہے گی،ان شاءاللہ۔

مقام حیات

ہندوستان میں جن جن فتن وفرق نے جنم لیا، علماء حق کے طائفہ منصورہ نے ان فتن سے دین اسلام کو بچانے کے لئے بروقت قدم اٹھایا اور امت مسلمہ کے عقیدہ وعمل کو ایسے فتن کی یلغار سے تحفظ دینے کا فریضہ نبھایا۔اور اسلامی وحدت کو برقرار رکھنے کی بھر پور کوشش کرتے رہے اور اب بھی کر رہے ہیں۔

مگر ساٹھ کے اواخر اور ستر کی دھائی کے اوائل سے اس طائفہ منصورہ کو بیرونی فتنوں کی طرح ایک اندرونی فتنے کا سامنا بھی کرنا پڑ گیا، یہ فتنہ ایک مذہبی انتہاء پسندی کے نتیجے میں پیدا ہوا اور اس انتہاء پسند فتنے کے تعاقب میں خود دوسری انتہاء پر جا کھڑا ہوا، وہ یوں کہ ہندوستان کا قدیم سماج، بت پرستی اور توھمات سے عبارت تھا ادھر حقائق ظاہرہ کے باوصف، باطنیت وروحانیت کے آمیزے کے ساتھ اسلامی لبادے میں تصوف جب یہاں پہنچا تو دونوں سماجوں کے بعض اقدار باہمی تاثر لینے اور دینے لگ گئے، جس کے نتیجے میں اسلامی سماج کا ایک غالی یا جاہل طبقہ قبر پرستی اور استفادہ ارواح میں اسلامی اصول واحکام سے ہٹ کر اسی نہج پر چل پڑا جس نہج پر بت پرستی رواں تھی اور طرح طرح کی خرافات وبدعات کو اسلام کا حصہ باور کرنے لگ گیا۔اسلامی لبادے میں بت پرستی کا یہ نمو، یقیناً اسلامی تشخص کے مسخ کا ذریعہ تھا اور خرافات وبدعات کا رواج، سنت سے انحراف اور دوری بلکہ خلاف ورزی کا ذریعہ بن رہا تھا۔

چنانچہ اس بدترین اعتقادی و عملی مفسدے کے انسداد اور اس کے مقابلے میں توحید و سنت کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ایک فعال اور منظّم پلیٹ فارم تشکیل دیا گیا، اکابر علماء دیوبند، ایک مضبوط چٹان بن کر اس محاذ پر سرگرم عمل رہے، اور شرک وبدعت کی ترویج کے مقابلے میں توحید و سنت کی تبلیغ و اشاعت کو اپنا مشن بنائے رکھا۔ اور یہ طائفہ منصورہ شرک و بدعت کے بے ہنگم سیلاب کے سامنے مضبوط بند باندھنے میں سرخرو رہا اور بحمد اللہ مسلمانوں کے عقیدہ توحید اور وطیرہ سنت کی حفاظت میں کامیاب رہا۔

مگر بدقسمتی سے ۱۹۵۸ء میں یہ منظّم پلیٹ فارم چند شدت پسند عناصر کی انانیت اور بے راہ روی کے نتیجے میں اپنے اصل اہداف سے ہٹ کر کسی اور ہی رخ پر چل نکلا جس سے یہ منظّم پلیٹ فارم کچھ انتشار و خلفشار کا شکار ہو گیا۔ یہ شدت پسند ''شرذمہ'' قبر پرستی جیسے شرکیہ عمل کی نفی کرتے کرتے روافض، کرامیہ اور معتزلہ کے اس چھپر میں پہنچ گیا، جہاں سے وہ روح وجسم کے باہمی تعلق، عذاب قبر اور احوال برزخ کی نفی کیا کرتے تھے، چنانچہ یہ شدت پسند طبقہ کرامیہ و معتزلہ کے استدلالی اسلحہ سے لیس ہو کر میدان میں آ گیا اور مزید بارود کے طور پر علماء نجد کے بعض افکار و انظار بھی ہمراہ لے آیا، اگر اس شدت کو یہ گروہ اپنے وضعی اہداف تک محدود رکھتا تو شاید ان کی طرف سے کوئی عذر پیش کیا جاتا، مگر اس طبقے نے قبر پرستی کے شرکیہ نظریات کی نفی یا اصلاح کی بجائے برزخ کی زندگی اور اس کے احوال کو عمومی و خصوصی مجالس کا معرکۃ الآراء موضوع بنا ڈالا اور اہل السنۃ والجماعۃ بالخصوص علماء دیوبند کے اعتقادی مسلمات اور نظریاتی تعبیرات سے تصادم شروع کر دیا اور قبر کی زندگی نیز برزخ کے احوال میں بغیر نام کے کرّامی واعتزالی نظریات کے پرچارک بن گئے، اور معاملہ یہاں تک جا پہنچا کہ خود صاحب روضۂ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کو بھی اپنی بحث سے مستثنیٰ نہ سمجھا، بلکہ انتہائی بے باکی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں حیات فاضلہ کو نوعیت کی موشگافیوں میں الجھا دیا، یوں شرک کی نفی کے نام پر شروع ہونے والے عمل محمود کو روضۃ اطہر کے سامنے فکر مذموم بنا کر کھڑا کر دیا۔ اس کرّامی واعتزالی فکر کے سامنے پہلی اصلاحی کوشش اس طائفہ منصورہ کے بزرگ ارکان حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب اور شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یوں پیش فرمائی:

قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''آپ اپنی قبر میں آج بھی ایسے ہیں جیسے پہلے دن رکھے گئے تھے اور پہلے دن جب رکھے گئے تھے تو کیا کیفیت تھی۔ روح مبارک حسب کلام آخری'' **اللھم الرفیق الاعلیٰ** '' رفیق اعلیٰ میں پہنچ چکی تھی اور جسم مبارک صحیح سالم گلاب کے پھول کی طرح تروتازہ تھا آج بھی یہی کیفیت ہے اور قیامت تک یہی رہے گی۔'' [مسالک العلماء، بحوالہ مقام حیات: ۴۹]

> ''**بل احیاء ولکن لا تشعرون** سے بطور دلالۃ النص سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفات زندہ ہیں۔ عزیزانِ من حیات الانبیاء میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے۔'' [مسالک العلماء

:۲۹،بحوالہ مقام حیات:۴۱]

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے احباب کو دو باتیں سمجھانے کی کوشش فرماتے رہے، ایک یہ کہ حیات انبیاء کا مسئلہ اتفاقی ہے، اس سے بحث کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے، مگر کچھ لوگوں نے حیات انبیاء کی نفی کو ایسا موضوع بنا ڈالا کہ اس کے لیے انہیں ممات انبیاء پر زور دینا پڑا اور خوامخواہ اپنے لیے ''مماتی گروہ'' کی مستقل جداگانہ شناخت کے ذمہ دار جا ٹھہرے۔

حضرت کے ارشادات سے دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اجساد انبیاء بالخصوص حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر اپنے روز تدفین کی طرح اب بھی تروتازہ حالت میں موجود ہے۔

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان ارشادات کا مدعا یہ معلوم ہوا کہ وہ اپنے مخاطبین کو یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ حیات انبیاء کے اتفاقی امر کا انکار اور پھر ان کے اجساد طیبہ کے حجر و مدر کی مانند ہونے کا اعتقاد واجب الاحتراز ہے، یہ نظریہ درحقیقت روافض کے اس عقیدے کی پرچھائی بن رہا ہے، جو انبیاء کی دنیا سے رحلت کے بعد افتراضی نظریہ امامت کو اسلام میں جگہ دلانے کے لیے انبیاء کی نبوت کے خاتمے کے نظریئے پر قائم ہے یا معتزلہ کے اس عقیدے کا اعادہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی روح اور قبر میں مدفون بدن کے درمیان کوئی واسطہ اور علاقہ نہیں رہتا، برزخ کے سارے معاملات کا تعلق محض روح انسانی سے ہوتا ہے نہ کہ جسم انسانی سے، یا پھر کرامیہ کی اس فکر کی پیروی ہے کہ انسان کا جسم مرنے کے بعد جمادات کی مانند ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام امور برزخی قبر کی جزاء وسزا کی نفی کے نظریے پر منتج ہوتے ہیں اور یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ نہیں ہے، یہ عقیدہ علماء دیوبند کی چھتری تلے اختیار و بیان نہیں کیا جا سکتا، اسی لیے سن ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم، بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ کے پوتے حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ تشریف لائے اور اس فکر کے قائلین پر اثر انداز شخصیت کے ذریعے ان کی فہمائش کی کوشش کی اور وہ اس کوشش میں کافی حد تک کامیاب بھی رہے، اس کوشش کی کامیابی میں سب سے بڑا کردار شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا بتایا جاتا ہے، جنہوں نے اپنے ادارے کے ترجمان رسالے ''ماہ نامہ تعلیم القرآن راولپنڈی'' میں یہ پوری اصلاحی روداد چھاپی اور اکابر کے بعد آپ کے دارالعلوم کے دارالافتاء سے اس عقیدے کا اظہار ہوتا رہا اور اس سنی دیوبندی عقیدے سے انحراف و معارضہ کرنے والے رفقاء سے لاتعلقی و دوری کا عمل بھی اختیار فرمایا جاتا رہا، جس کی تفصیلات باقاعدہ طبع شدہ ہیں۔

حیات انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر میں آپ کی حیات طیبہ کا انکار رافضی و کرامی تعبیرات کے واسطے سے ختم نبوت کے انکار پر منتج ہوتا ہے، اس عقیدے کی اسی حساسیت کی بناء پر ۶۸ء میں مسلک دیوبند کے تمام اکابر مشائخ نے اس موضوع پر ایک اجماعی دستاویز تیار کروائی جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز

خان صفدر رحمۃ اللہ کے قلم حق رقم سے مرتب ہوئی اور محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح و تقدیم اور دیگر اکابر کی تصدیق و توثیق کے ساتھ علم و فکر کی دنیا میں اپنی ثقاہت کا لوہا منوا چکی ہے اور اس موضوع پر اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کے نقطہ نظر کی تفہیم و توضیح کے لیے یہ کتاب بھی کافی ہے، اسی علم و تحقیق کا حسین، پر کیف اور دل کش رخ حضرت علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ کی تحقیق انیق ہے، جس کا اصل نام ''مدارک الاذکیاء فی حیات الانبیاء'' ہے اور عرفی نام ''مقام حیات'' ہے، یہ کتاب اس موضوع کی محقق، مرتب اور مفصل کتاب ہے، اپنے موضوع سے متعلق شاید ہی کوئی ایسا پہلو اور مقام ہو جس سے حضرت علامہ نے تعرض نہ فرمایا ہو۔ اس کتاب میں مسئلہ حیات انبیاء کی نظریاتی اہمیت و ضرورت، انکار کا پس منظر و اصل حقائق سے لے کر اس کے دوررس خطرناک عواقب و نتائج تک سارے پہلوؤں کو احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کوشش میں تحقیقی اسلوب، علمی انداز، استدلالی اعتدال اور سنجیدگی و وقار کا تسلسل اول تا آخر یکساں نظر آئے گا۔

اگر کوئی صاحب علم مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام کے بارے میں عدل و انصاف کے ساتھ علم و تحقیق کی بنیاد پر علماء اہل سنت دیوبند کے نظریے سے واقفیت چاہے تو اس کے لیے ''تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور'' مؤلفہ شیخ صفدرؒ اور ''مدارک الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء'' مؤلفہ علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ ہی کافی ہیں، حضرت شیخ صفدر رحمہ اللہ کی کتاب پر اس وقت کے جملہ اکابر کی تصدیقات ثبت ہیں، جو اس کتاب کے دیوبندی نظریئے کی ترجمانی کی سند ہیں، جب کہ حضرت علامہ کی کتاب پر حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیق و توصیف ہی کافی و وافی سمجھی جاتی ہے، میں بھی اپنے تبصرے کے لیے اسی توصیف پر اکتفاء کرتا ہوں:

> ''اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب، اب تک میری نظر سے نہیں گزری، مسئلہ کا تجزیہ نہایت ہی فاضلانہ اور محققانہ انداز سے کیا گیا ہے۔ طرزِ بیان انتہائی بلیغ، مؤثر اور دلنشین ہے۔ مسئلہ کے ہر پہلو کا حکم نہایت ہی بالغ نظری کے ساتھ اس کی صحیح کیفیت و حقیقت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی ایک ایک سطر سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور بڑھتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ آپ کی اس مبارک سعی کو قبول فرمائے اور جس طرح آپ نے اپنے اسلاف کے مسلک کی نصرت و اعانت کر کے اسے نمایاں فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی نصرت، دارین میں فرما کر آپ کو سر بلند اور رفیع المرتبت بنائے، آمین۔ اور اس خدمت کو قبول فرمائے۔ مستدعی دعا ہوں اور احباب کے لیے ہر وقت دعا گو ہوں۔'' (مقام حیات، ص:۳۱)

(دیکھیے: ۱/۱۹۸......۱/۲۰۳......۱/۲۷۹......۱/۶۲۹......۱/۷۰۷ (مضمون)......۱/۷۳۱ [ادارہ])

....

علمی مخاصمت میں اکابر اہل سنت دیوبند اور حضرت علامہ کے امتیازی خصائص

ہندوستان میں اتباع اور رفض کی مقابلہ آرائی تقریباً گیارہویں صدی ہجری سے شروع ہوئی، تقلید اور ترک تقلید کی معرکہ آرائی بارہویں صدی سے چلی، ختم نبوت اور اور انکار ختم نبوت کا مجادلہ بھی اسی صدی کی آزمائش ہے، جب کہ دیوبند اور بریلی کا آمنا سامنا تیرہویں صدی سے زور آزما ہوا۔ ہر دور میں سنت و سلف کے پیروکار اکابر نے احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے پوری

امانت و دیانت اور وقار و متانت کے ساتھ علمی انداز اور استدلالی کمال کا راستہ اپنایا۔

حضرت امام شاہ ولی اللہؒ سے لے کر حضرت حجۃ الاسلام نانوتویؒ و حضرت گنگوہیؒ تک اور ان سے لے کر حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ اور حضرت علامہ تونسویؒ تک تمام اکابر کی خدمات علمائے امت کے سامنے ہیں، ان خدمات کی چار بڑی امتیازی خصوصیات ہیں:

۱:...... ہمارے اکابر دیوبند نے خصم سے فکری و نظری اختلاف کو کبھی ذاتی و عنادی اختلاف نہیں بنایا، اور خصم کی عداوت میں عدل و اعتدال کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔

۲:...... خصم کی مخاصمت میں شرعی و اخلاقی حدود کو کبھی بھی پار نہیں کیا۔ گالم گلوچ، دشنام طرازی اور بہتان طرازی سے ہمیشہ مجتنب رہے۔

۳:...... خصم کی رائے اور اس کے موقف کو قطع و برید کر کے اسے نیچا اور خود کو اونچا کرنے کی بھونڈی کوشش نہیں فرمائی، بلکہ خصم کا موقف پوری امانت و دیانت کے ساتھ سامنے رکھتے ہوئے اس کی اصلاح و تردید کا فریضہ شرعیہ نبھانا اکابر دیوبند کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

۴:...... خصم کی ہر بات کو بہر صورت غلط اور اپنی ہر بات کو بہر طریق صحیح ثابت کرنے کی ضد اور ہٹ دھرمی سے ہمیشہ بچتے رہے۔

الحمدللہ اکابر امت کا دیانت دارانہ منصفانہ اور ناصحانہ انداز، ہمارے سنجیدہ علمی حلقوں میں چیلنج کے طور پر اب بھی زندہ تابندہ ہے، اس کی قابل فخر مثال حضرت علامہ خالد محمودؒ کے علمی آثار ہیں، جو اپنے اکابر و معاصر کی علمی و تحقیقی خدمات کا بے مثال نمونہ ہیں۔ اس ''خوان خالد'' سے خوشہ چینی کے دوران آپ کے آثار کا جو امتیاز بالبداھۃ محسوس ہوا وہ یہ ہے:

(الف) حضرت علامہؒ کے علمی آثار کی یہ پہلی امتیازی خصوصیت ہے کہ ان میں علم، تحقیق اور تدقیق کا رنگ اتنا نمایاں ہے کہ آپ کی تحریرات کو کوئی بھی منصف مزاج صاحب علم، فرقہ وارانہ لٹریچر قرار نہیں دے سکتا، بلکہ انہیں علمی تحقیقات کی سند دینی پڑتی ہے، آپ کا یہ سنجیدہ، علمی اور تحقیقی انداز ہر مکتب فکر کے مفکرین و محققین کے لیے بہترین نمونہ ہے، آپ کی ظاہری مناظرانہ شہرت کے برعکس آپ کی تحریرات چونکہ تحقیقات ہیں اس لیے ۲۰۱۶ء میں جب وفاقی شرعی عدالت کے لیے آپ کی خدمات کی نوبت آئی تو آپ کی تحریرات کو فرقہ وارانہ تحریرات کی بجائے علمی تحقیقات تسلیم کیا گیا اور آپ کو ایک مناظر کے بجائے ایک محقق تسلیم کرتے ہوئے وفاقی شرعی عدالت کے لیے آپ کی خدمات لی گئیں، مگر ہماری شومئی قسمت کہیں یا نظام کی ابتری، کہ آپ کو وفاقی شرعی عدالت کا جج تو بنا دیا گیا مگر آپ کو اس منصب کے لحاظ سے کسی قابل قدر شرعی خدمت کے لیے حسب روایت سرکاری خول سے باہر نکلنے نہیں دیا گیا۔

(ب) حضرت علامہؒ کی تحریرات میں دوسری بڑی خصوصیت یہ پائی جاتی ہے کہ آپ ہر بحث کو خوب گہرائی اور گیرائی سے

احاطہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ہر بحث کے ممکنہ تمام پہلوؤں تک رسائی کی کوشش کرتے ہیں، مگر اس حسن وخوبی کے ساتھ کہ گفتگو کا تسلسل متاثر ہوتا ہے نہ طوالت وتعب کی شکایت محسوس ہوتی ہے۔

(ج) تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی تحریرات، کلامی واعتقادی مباحث پر مشتمل ہونے کے باوجود تحریر وتدریس کے جدید وقدیم طرق کی جامع ہیں۔

آپ کی تحریرات میں مناظرانہ افادیت کا وافر حصہ ہے، مگر یہ افادات، منقح دروس اور محاضرات کے انداز میں ہیں، اس وجہ سے ہر طبقہ کا معمولی لکھا پڑھا انسان بھی آپ کی تحریرات سے بآسانی استفادہ کرسکتا ہے۔

آپ کی تحریرات، موضوع کی دقت کے باوجود، گرانی، تعقید اور گنجلک پن سے پاک اور ادبیت جامعیت اور سلاست کا مرقع ہیں۔

(د) چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ آپ جدت وقدامت کے سارے مواقع وموارد کے شناور ہونے کے باوجود اتباع اور اسناد پر زور دیتے ہیں، اسی پر انحصار کرتے ہیں، اور اس طریق سے انحراف کو زیغ وضلال کا پیش خیمہ قرار دیتے ہیں۔

(ہ) پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ حسن تعبیر، جامع تلخیص اور مفید تفصیل آپ کے علمی مآثر کا امتیازی نشان ہے، شستہ بیانی، شائستہ گفتاری اور سنجیدہ گوئی کا عالم یہ ہے کہ سخت ترین مخالف، بدگو خصم، اور بدزبان حریف کا نام اور تذکرہ ایسے ادب واحترام سے ذکر کرتے ہیں کہ اگلا اخلاقی موت اور شرمساری سے دوچار ہوجائے۔

حضرت علامہ کی تحریرات کا اہم سبق!

بہر کیف! حضرت علامہؒ کی تحریرات میں اپنے پیروکاروں اور متوسلین کے لیے یہ عظیم سبق ہے کہ خصم کے ساتھ مجادلہ کی نوبت آئے تو علمی مجادلہ ہونا چاہیے، اور خصم کو زور علم سے زیر کرنے کی کوشش کی جائے، شدت ونخوت، علمی مباحث کی پراگندگی کا ذریعہ اور برے نتائج کا باعث ہے۔

دوسرا یہ کہ ہماری ہر نوع تحریر میں تحقیق وتدقیق، رسوخ ووثوق، تصلب وتثبت، اتباع واسناد، امانت ودیانت، اور وقار ومتانت ہونی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ حضرت علامہؒ کے محاسن کی اقتداء اور اجراء کی توفیق بخشے، جو احباب اس کوشش میں مصروف ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو بارآور فرمائے۔ ان کی صلاحیتوں میں برکت نصیب فرمائے، اور حضرت علامہ کو اعلیٰ علیین میں مقام بلند عطا فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ وسلم علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ و صحبہ اجمعین

کتبہ رفیق احمد بالاکوٹی، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، ۱۶ ذوالقعدۃ ۱۴۴۱ھ/۸ مئی ۲۰۲۰ء

☆......☆......☆......☆

مولانا عمر فرید، ایبٹ آباد

علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''معیار صحابیت'' کا تذکرہ (۱)

اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں دین اور مذہب کی بنیاد قرآن کریم کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل پر ہے، اسی لیے وہ اہل السنۃ والجماعۃ کہلاتے ہیں۔ اور دین کے ابتدائی دو ماخذ یعنی قرآن وسنت امت تک پہنچانے والے بھی صحابہ کرام ہیں۔ اس لیے حضرات صحابہ کرامؓ کے ناموس وحرمت کا تحفظ اور دفاع کرنا اہل سنت کے فرائض کا حصہ ہے۔ کیونکہ اگر صحابہ کرامؓ کے ایمان یا کردار پر کوئی حرف آئے گا تو اس کی وجہ سے دین کی بنیاد یعنی قرآن وسنت کا صحیح سلامت بعد کی امت تک پہنچنا مشکوک ہو جائے گا، ظاہر ہے کہ کسی دین ومذہب کو ماننے والا یہ کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کے دین کی بنیاد پر انگلی اٹھائی جائے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام طبقات مثلاً مہاجرینؓ، انصارؓ، اہل بیتؓ، ازواج مطہراتؓ اور فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے صحابہؓ کے ساتھ محبت وعقیدت رکھنا اور ان کے درمیان مراتب اور درجات وفضیلت کا لحاظ رکھنا بھی اہل سنت کے جذبات وایمان کا حصہ ہے۔ اس سلسلہ میں کسی بھی افراط وتفریط سے گریز کو وہ اپنے ایمان کا تقاضا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ قرآن وسنت کی صحیح تعبیر وتشریح کا معیار ہیں اس لئے ان کی حرمت وعدالت کو مجروح ہونے سے بچانا اور ان کی ثقاہت وصداقت کو شک وشبہ سے بالاتر سمجھنا بھی وہ اپنے ایمان کا ناگزیر تقاضا سمجھتے ہیں۔

اسی وجہ سے اہل سنت نے دفاع صحابہ کو ہمیشہ اپنی ذمہ داریوں میں شمار کیا ہے، جس کے لئے مختلف حوالوں سے جدوجہد کا سلسلہ جاری ہے۔ صحابہ کرامؓ کے تحفظ اور دفاع کا یہی مشن ہے جس کے لیے علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ نے علمی وتحقیقی میدان میں اپنی بے پناہ صلاحیتیں صرف کیں۔ اس سلسلے میں ان کے مکمل علمی کام اور تمام تصانیف کے متعلق آپ اس خاص نمبر کے مختلف مضامین میں آگاہی حاصل کریں گے۔ اس مضمون میں ان کی ایک اہم تصنیف "معیار صحابیت" کا تذکرہ کرنا مقصود ہے۔

کتاب کا پس منظر:

ملک پاکستان میں اہل سنت اور شیعہ دونوں طبقے بستے ہیں، ان کے عقائد ونظریات میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اس لیے شروع سے ہی وقتاً فوقتاً ان میں فرقہ واریت کو فروغ دے کر اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے شیعہ کو ابھارا جاتا رہا۔ خصوصا ایران میں خمینی انقلاب کے بعد اس کے گماشتے پاکستان میں سنی اکثریتی طبقہ کی قوت کمزور کر کے انقلاب کی راہ ہموار کرنے میں سرگرم ہو گئے۔ اس کے لیے صحابہ کرامؓ پر اعتراضات اور سب وشتم پر مشتمل لٹریچر ملک بھر میں پھیلایا گیا اور اہل سنت کے عقائد کا

(۱) مزید دیکھیے: ۱/۶۳۰......۱/۷۳۸......۲/۳۹۰......۲/۴۹۹......۲/۵۶۲ [ادارہ]

استیصال کرنے کی کوشش کی گئی۔ اب اس بات کی ضرورت تھی کہ فرقہ وارانہ انتشار ختم کرنے کے لیے آئین وقانون کے ذریعے سنی اکثریتی طبقہ کے عقائد کا تحفظ کیا جائے۔ پاکستان کی قومی اسمبلی کے سامنے یہ مسئلہ رکھا جائے کہ ایک ملک جس میں سنی اور شیعہ دونوں بستے ہیں ان میں انتشار پیدا کرنے والے اسباب کیا کیا ہیں اور ان کا سد باب کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اور ہر فریق کے مسلمات و نظریات کو کس طرح تحفظ دیا جاسکتا ہے۔

اسی سلسلے میں جب ۱۹۹۱ء میں ناموس صحابہ بل اسمبلی میں پیش کیا گیا جس میں گستاخی کرنے والے کی سزا پھانسی مقرر کرنے کی تجویز تھی، تو ۱۹۹۲ء میں ایک رافضی بشیر حسین بخاری نے معیار صحابیت نامی کتاب لکھ کر تمام ارکان اسمبلی تک پہنچائی جس میں اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق لکھا:

''ان میں اچھے بھی تھے اور برے بھی، جس کے بیان کرنے میں کوئی قدغن نہیں، لہٰذا اسے کسی طرح بھی قابل پھانسی یا گردن زدنی قرار دینا انصاف کے منافی ہے۔'' [صفحہ:۹]

اور اس کتاب میں صحابہ کرامؓ پر بے جا اعتراضات والزامات کی بوچھاڑ کی گئی، تاکہ اسمبلی ممبران کی ذہن سازی کر کے ناموس صحابہ بل کو منظوری سے روکا جاسکے۔ اس موقع پر علامہ ڈاکٹر خالد محمود موقع کی نزاکت واہمیت کو دیکھتے ہوئے میدان میں آئے اور اس کتاب کے جواب میں ''معیار صحابیت'' نامی کتاب تحریر کی۔ اس کتاب میں صحابیت کے معیار کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ شیعہ کے اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا اور ان کے دعووں کی قلعی کھول کے رکھ دی۔

علامہ صاحب نے دلائل سے ثابت کیا کہ صحابیت کا معیار وہ نہیں جو شیعہ کہتے ہیں بلکہ وہ ہے جو چودہ سو سال سے جمہور اہل السنۃ والجماعۃ مانتے آرہے ہیں۔ شیعہ جب کہتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام کو برا نہیں کہتے تو ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کو صحابی ہی نہیں سمجھتے، جبکہ اہل سنت کے نزدیک یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ انہیں برا کہنا یقیناً مسلمانوں میں انتشار وافتراق پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔

اہل سنت حضرت ابوبکرؓ کو اپنے عقیدے میں کامل صحابی سمجھتے ہیں اور آپ کی صحابیت کے انکار کو کفر جانتے ہیں۔ اب مسئلہ یہ نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شیعہ کے تجویز کردہ معیار پر پورے اترتے ہیں یا نہیں، مسئلہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں جو سنی عقیدہ ہے اسے اس ملک میں کس طرح تحفظ دیا جاسکتا ہے۔ اہل سنت چاہتے ہیں کہ آپ کی شان میں گستاخی کی سزا مرتد کی سزا قرار دی جائے اور صحابہ کرامؓ کو صحابہ قرار دینے میں معیار وہ رکھا جائے جو اہل سنت اپنی کتابوں میں طے کر چکے ہیں۔

اہل سنت کا عقیدہ:

اس کتاب میں اہل سنت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے علامہ صاحب نے لکھا ہے کہ اہل سنت کے عقیدے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نیک وبد کی کوئی تقسیم نہیں۔ قرآن میں تمام صحابہ کرامؓ سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ جن کے ایمان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنتی کہہ کر خبر دی ان کا ایمان یقیناً ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے خلافت کا وعدہ کیا تھا جن کو خلافت ملی وہ

یقیناً مومنین میں سے تھے، لہٰذا خلفائے راشدین کے ایمان میں کسی کو کوئی شک نہیں ہوسکتا۔ آپ ﷺ کی مجلس میں جو منافقین آتے تھے وہ یا تو خود نکل جاتے یا نکال دیے جاتے تھے۔ آپ ﷺ کے دنیا سے جانے سے پہلے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی اپنی جگہ نکھر چکا تھا، کوئی بات اندھیرے میں نہ رہی تھی، منافقین مومنین سے کلی طور پر الگ ہو گئے تھے۔

گستاخی کی سزا:

ارکان اسمبلی کو توجہ دلانے کے لیے علامہ صاحبؒ نے گستاخ کا حکم اور اس کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گستاخی یا ان کو برا کہنا عام گالی گلوچ نہیں بلکہ نہایت سنگین معاملہ ہے۔ جب تک گستاخان کو قانونی گرفت میں نہیں لیا جاتا اور ان پر شرعی سزائیں جاری نہیں کی جاتیں، ملک میں امن کبھی قائم نہیں ہو سکے گا۔

گستاخ صحابہ کی سزا کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ کا فیصلہ قاضی عیاض مالکی نے یوں بیان کیا:

”جس نے صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو گالی دی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو، حضرت عمرؓ کو یا حضرت عثمانؓ کو، حضرت معاویہؓ کو یا حضرت عمروؓ بن عاص کو، کسی کو بھی، اگر اس عقیدے سے گالی دے کہ وہ کفر اور گمراہی میں تھے تو اس کی سزا سزائے موت ہے اور اگر ان کو اس طرح برا بھلا کہے جیسے لوگ آپس میں گالی گلوچ کرتے ہیں تو پھر اسے سخت تکلیف میں ڈالا جائے گا یعنی کوڑے لگائے جائیں گے۔“ [الشفاء:۲/۳۰۸]

اسی سلسلے میں ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

”ہمارے بعض علماء نے تو بہت کھل کر بات کہہ دی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو برا بھلا کہنے کی سزا سزائے موت ہے۔ جو کافر توبہ کرے تو اس کی توبہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ لائق قبول ہے مگر وہ فرقہ جو نبی پاک ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو یا ان میں سے کسی ایک کو برا بھلا کہنے سے کافر ہوا یا جادو اور زندقہ کے باعث کافر ہوا تو اس کی توبہ بھی قبول نہیں، اگر وہ توبہ سے پہلے عتاب جرم میں پکڑا جائے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہنا کفر ہے۔“ [مرقاۃ:۱۱/۲۷۳]

تزکیہ میں تدریج وتربیت:

قرآن نے منصب رسالت کی ذمہ داریوں میں ایک اہم بات یہ بیان کی ہے کہ آپ اپنے فیض صحبت سے ایک جماعت کے دل کو پاک کریں۔ آپ ﷺ نے اس حکم الٰہی کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے دل بالتدریج پاک کیے۔ یہ آپ ﷺ کا فیض صحبت ہے جس نے آپ کے سب صحابہؓ کو ہدایت کے ستارے بنا دیا۔ اب اس تربیت کے دوران جن صحابہؓ سے کوئی ناپسندیدہ بات ظاہر ہوئی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خود ناپسندیدہ ہو گئے۔ دوران تربیت شاگردوں کی کمزوریاں نمایاں ہوتی ہیں، پھر استاذ ان کی اصلاح کرتا ہے، تب کہیں جا کر ان کی زندگیاں معیاری بنتی ہیں۔ تربیت کے دوران ان سے جو کمزوریاں صادر ہوئیں، ان کی بنا پر کوئی اعتراض ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔

اعتراضات کی حقیقت:

بشیر حسین نے اپنی کتاب میں جن واقعات کی بنا پر اعتراضات کئے ہیں، علامہ صاحبؒ نے ان میں سے ایک ایک کو

لے کر دلائل و براہین سے ان سب کی قلعی کھول کے رکھ دی۔ انہوں نے ثابت کیا کہ ان میں سے بعض واقعات تو سرے سے موجود ہی نہیں، ویسے ہی لکھ دیے گئے ہیں۔ اور بعض واقعات ایسے ہیں کہ دوران تربیت کوئی لغزش ہوئی، اللہ تعالیٰ ان کی نیتوں پر مطلع تھے، اس لئے قرآن میں انہیں معافی کا اعلان فرما دیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں حضور ﷺ کو فرمایا: **"وشاورھم فی الامــــر"** کہ انتظامی امور میں ان سے مشورہ لے کر چلیں۔ اور اعتراض کی بنیاد جو روایات ہیں وہ اکثر سند اور صحت سے عاری، متشابہ اور مشکوک روایات ہیں، کسی روایت کو اس روشنی میں نہیں سمجھا گیا جو شارحین نے اس کی وضاحت میں اختیار کی ہے۔ دوسری طرف صحابہ کرامؓ کا ایمان، فضیلت، شرف اور اللہ کا ان سے راضی ہونا قرآن و حدیث کے قطعی و یقینی دلائل سے ثابت ہے۔ لہٰذا قطعی دلائل کے مقابلے میں اس قسم کی بے سروپا روایات اور غلط الزامات کی بنیاد پر صحابہ کرامؓ کے ایمان و کردار پر تنقید کیسے کی جاسکتی ہے؟

صحابہ کرامؓ کا ایمان:

ایمان چونکہ اندر کی کیفیت کا نام ہے، اس کے لئے محض اعلان اور کلمہ پڑھ لینا کافی نہیں۔ اس لیے ہر کلمہ گو کے بارے میں شک ہو سکتا ہے کہ وہ اندر سے مومن ہے یا نہیں۔ یہ ایک ایسا مغالطہ ہے جس سے ہر مسلمان کے ایمان کو کسی بہانہ سے مشتبہ بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن اسلام نے حضور ﷺ کی امت کو ایسی مشتبہ اور مشکوک صورت میں نہیں چھوڑا بلکہ صحابہ کرامؓ کے ایمان کی تصدیق کر کے ان کو مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا۔ علامہ صاحبؒ نے صحابہ کرامؓ کے ایمان کو ثابت کرنے کے لیے قرآن کی آیات اور احادیث سے ایسے عمدہ نکات کا استخراج کیا ہے کہ کسی مخالف کا بھی دل مطمئن ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مثلاً:

۱۔ قرآن کے مطابق آخرت میں جنت مومنوں کے لئے ہے، صرف ظاہری اسلام لانے والوں کے لیے نہیں، لہٰذا آپ ﷺ نے جن صحابہ کرامؓ کو جنتی ہونے کی بشارت دی وہ یقیناً مومن ہیں، عشرہ مبشرہ اور ان کے علاوہ کئی حضرات کو یہ شرف حاصل ہے۔

۲۔ صدیق اور شہید ایمان کے بغیر یہ مرتبہ نہیں حاصل کر سکتے، لہٰذا حضور ﷺ نے جن حضرات کے صدیق اور شہید ہونے کی گواہی دی وہ یقیناً مومن ہیں۔

۳۔ اسلام میں نکاح کے لیے مومن ہونے کی شرط ہے، مومنہ عورت کسی کافر کے نکاح میں نہیں دی جاسکتی۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ نے جن مردوں کو رشتے دیے تو یہ نکاح ان کے ایمان کی اندرونی کیفیت کی تصدیق شمار ہوگی اور پھر ان کے ایمان میں شک و شبہ نہیں کیا جاسکے گا۔ نبی ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو رشتے دیے، حضرت علیؓ نے اپنی بیوہ بھاوج کا رشتہ حضرت ابوبکرؓ سے کرایا اور اپنی بیٹی ام کلثوم کا رشتہ حضرت عمرؓ سے کیا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایمان اور نیک اعمال بجالانے والے صحابہؓ سے خلافت کا وعدہ کیا تھا، دنیا گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خلافت کا یہ وعدہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ پر پورا ہوا۔ قرآن کی یہ آیت ان حضرات کے

ایمان پر کھلی شہادت ہے۔

ان دلائل سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا یقینی مومن اور صحابی ہونا ثابت ہوتا ہے، لہٰذا ان کے ایمان میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا، ورنہ قرآن وحدیث کی تکذیب لازم آئے گی۔

نفاق کی پہچان:

ایمان ایک اندر کی حقیقت ہے جو بذریعہ اسلام ظاہر ہوتی ہے، کوئی شخص کسی کے اندر کی بات کو از خود نہیں جان سکتا۔ جب تک کسی مسلمان کے بارے میں یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے قطعیاتِ اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کیا ہے ہم اسے مومن سمجھیں گے، یہ نہ کہیں گے کہ وہ صرف مسلم ہے، مومن نہیں۔ دین اس کی اجازت نہیں دیتا کہ کلمہ گو کے بارے میں شک کرتے رہیں کہ وہ اندر سے مومن ہے یا نہیں۔ اہل سنت کے ہاں نفاق اور اسلام جمع نہیں ہوسکتے، جب کسی کے نفاق کا پتہ چل جائے تو اب اسے مسلمان نہ کہا جائے گا منافق کہا جائے گا۔ اسلام صرف زبانی کلمہ پڑھنے کا نام نہیں، دلی تصدیق اس کے ساتھ لازمی ہے۔ جب کسی کا نفاق کھل جائے اور پتہ چل جائے کہ اسے تصدیق قلبی حاصل نہیں تو اب اسے مسلمان سمجھنے کی ہمارے ہاں کوئی صورت نہیں، ہاں نفاق اعتقادی نہ ہو عملی ہو تو یہ اسلام نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ بھی جمع ہوسکتا ہے۔ چنانچہ چند شواہد ملاحظہ فرمائیں:

ا۔ آپس میں قتال کرنا کوئی اچھی بات نہیں، ایک عملی نفاق ہے۔ اس میں جو لوگ ملوث ہوئے، قرآن کریم انہیں بھی مومن کہتا ہے۔ ترجمہ: ''اگر مومنوں کے دو فریق آپس میں قتال کریں تو ان میں صلح کراؤ'' یہ آیت بتاتی ہے کہ گناہ کرنے والا اسلام سے باہر نہیں نکلتا، وہ بغاوت کے باوجود مومن ہیں اور سب مومن بھائی بھائی ہیں۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان فرمایا اور انہیں دائرہ اسلام سے باہر نہ کیا۔ آپ نے حضرت حسنؓ کی منقبت میں فرمایا: ''بے شک میرا یہ بیٹا سید ہے اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرا دے۔'' یہ صلح وہی ہے جو حضرت علیؓ کے پیروکاروں اور حضرت معاویہؓ کے پیروکاروں میں ہوئی۔

۳۔ حضرت علیؓ بھی اپنے ساتھ لڑنے والوں کو کافر نہ کہتے تھے اور نہ منافق کہتے تھے، بلکہ کہتے تھے کہ وہ ہمارے بھائی ہیں۔

صحابیت ایک شرف:

پھر اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدے میں صحابیت خود ایک شرف ہے جو کسی آدمی کی عملی محنت پر مبنی نہیں۔ جس نے ایمان کے ساتھ بحالت بیداری آپ کو دیکھا وہ یہ دولت پا گیا بشرطیکہ اسلام پر ہی اس کی وفات ہوئی ہو۔

اس تفصیل سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ صحابہ کرامؓ سب اہل ایمان تھے۔ وہ حضرت علیؓ کے ساتھ ہوں یا حضرت معاویہؓ کے ان کے ایمان میں کسی کو کوئی شک وشبہ کرنے کا حق حاصل نہیں رہا۔ ان حضرات کا حضور ﷺ کی صحبت میں آنا ایک تاریخی حقیقت ہے، اس کا کسی کو انکار نہیں۔ پس یہ سب کے سب صحابہؓ ہیں، حضرت علیؓ ہوں یا حضرت معاویہؓ، سب صحابیت کے

شرف کے حامل ہیں۔کوئی بڑے سے بڑا عالم اور بڑے سے بڑا ولی ان کی برابری نہیں کرسکتا۔ اگر صحابہؓ میں سے کسی سے کوئی ایسا عمل سرزد ہوا جو اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے موافق نہ تھا تو اس سے وہ قطعا اس شرف وفضیلت سے نہیں نکلتے۔ان کی نیکیاں اور رفاقتِ رسول میں قربانیاں ان سب کوتاہیوں کو بہا کر لے جائیں گی۔ انہی حقائق کی روشنی میں بعض صحابہؓ سے دورانِ تربیتِ نبوی کبھی جو کوتاہی ہوئی اس سے ان کا مقام صحابیت ہرگز نہیں گرتا۔اور ان جزئیات کے تذکرہ سے صحابہؓ کے تقدس کو پامال نہیں کیا جاسکتا۔

معیار صحابیت

علامہ صاحبؒ نے اس کتاب میں صحابیت کا جو معیار بیان فرمایا ہے اس سے اہل السنۃ والجماعۃ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے بارے میں عقیدہ نکھر کر سامنے آجاتا ہے، جو دلائل و براہین سے ثابت، افراط وتفریط سے پاک اور نہایت معتدل عقیدہ ہے۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا (یا آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے) وہ سب شرف صحابیت پا گئے ہیں۔ان میں سے سابقین اولین بھی ہیں جو مکہ مکرمہ میں ایمان لائے، انہیں آپ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، مجلس کرنے اور تربیت پانے کا بہت موقع ملا تو وہ صحابیت کے بلند مقام پر سرفراز ہوئے۔اور بلاشبہ یہ پکے اور یقینی مسلمان تھے کہ انہوں نے دین کے لیے لیے بہت سخت مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کیں، کیونکہ کوئی بھی شخص تکالیف سہنے کے لیے اوپر اوپر سے مسلمان نہیں ہوسکتا۔اور جو مدینہ میں ایمان لائے ان میں اگرچہ کچھ لوگ ایسے تھے کہ جو محض اوپر سے کلمہ پڑھتے تھے، لیکن یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ اٹھنے بیٹھنے والے نہ تھے اور نہ ہی آپ نے ان کو اعتماد میں لیا۔آپ کی وفات سے پہلے ہی ان کی حقیقت ظاہر ہوچکی تھی، ان کو کبھی صحابی نہیں سمجھا گیا۔ان کے علاوہ باقی جو مدینہ میں آپ کے ساتھ رہنے والے اور آپ کی مجلس میں اٹھنے بیٹھنے والے تھے اور آپ نے جن پر اعتماد کیا تھا وہ سب یقینی اور پکے مسلمان تھے۔انہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا، وہ آپ پر اپنا مال خرچ کرتے رہے، آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے اور آپ پر اپنی جان نچھاور کرنے والے تھے۔

صحابہ کرامؓ سابقین اولین ہوں یا فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے، ان کے درجات اگرچہ مختلف ہیں، مگر قرآن کریم میں ان سب سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ نیز صحابہ کرامؓ مہاجرین ہوں یا انصار، نہ صرف ان سے بلکہ ان کی پیروی کرنے والوں سے بھی اللہ تعالی نے قرآن میں اپنی رضا کا اعلان کیا ہے۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ یہ سب ہدایت کے ستارے ہیں، جو ان کی اتباع کرے گا وہ بھی رضائے خداوندی کو پالے گا۔ بیعت رضوان جو حدیبیہ کے مقام پر چودہ سو صحابہ کرامؓ سے لی گئی تھی، یہ بیعت صحابہ کا ایک عمل تھا، اس پر اللہ تعالی نے انہیں اپنی رضا کی سند دی۔ بے شک اللہ تعالی ان کو بھی جانتے تھے اور ان کے آئندہ ہونے والے حالات بھی اللہ تعالی سے مخفی نہ تھے، اس کے باوجود ان سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور انہیں رضی اللہ عنہم کی سند دی۔

حضور ﷺ نے فرقہ ناجیہ یعنی نجات پانے والے گروہ کا پتہ دیتے ہوئے ''ما انا علیہ واصحابی'' فرمایا۔ اس میں وہی صحابہ کرامؓ مراد ہیں جو آپ کے ہم مجلس ہوئے اور انہیں بار بار آپ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملا۔ انہوں نے آپ کی تربیت پائی اور آپ نے ان کو اپنے اعتماد میں لیا۔ یہ آسمانِ ہدایت کے ستارے ہیں۔ حضرات صحابہ کرامؓ شرف صحابیت اور مقام صحابیت کے باوجود معصوم نہیں تھے۔ آپ کی تربیت کے دوران ان سے کوتاہیاں ہوتی رہیں، آپ ان کی اصلاح وتربیت فرماتے رہے۔ جب یہ حضرات تزکیہ کی دولت پا گئے تو پوری امت کے لئے نمونہ بن گئے اور امت کے لیے ایمان کا معیار قرار دیئے گئے۔

پھر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ جو غیر معصوم ہو وہ مقتدا اور پیشوا کیسے بن سکتا ہے؟ اس پر علامہ صاحبؒ نے قرآن کریم سے نہایت عمدہ نکات کے ذریعہ سے دلائل کا استنباط کیا کہ غیر معصوم بھی ہدایت کا ستارہ بن سکتا ہے۔ پیشوا بننے کے لئے صحیح علم اور تزکیہ قلب کافی ہے، معصومیت ضروری نہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ''اور جو میری طرف رجوع کرے، آپ اس کی پیروی کریں۔'' اس کا مطلب ہے کہ کوئی بھی اللہ کا نیک وخاص بندہ پیشوا بن سکتا ہے۔ اور ہم روزانہ سورہ فاتحہ میں صراط مستقیم کی دعا کرتے ہیں، یہ انعام یافتہ لوگوں کا راستہ ہے اور انعام یافتہ لوگ نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔ ان میں صرف نبی معصوم ہیں باقی معصوم نہیں، لیکن پھر بھی ان کی اقتداء کرنے کو صراط مستقیم کہا گیا ہے۔

لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ کے سامنے ان سے جو کمزوریاں صادر ہوئیں تو آپ نے ان کی تربیت واصلاح فرمائی۔ اور جو کمزوریاں آپ کے پردہ فرمانے کے بعد صادر ہوئی ہیں، ان پر وہ باقی نہ رہے، انہیں رجوع کرنے اور توبہ کرنے کی توفیق ملی۔ تمام صحابہ کرامؓ اس حال میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی تھا اور وہ اللہ سے راضی تھے۔

یاد رکھیں! عقیدے کا تعلق ایمان کے ساتھ ہے۔ اگر عمل میں کوئی کوتاہی ہو اس کی تو معافی ممکن ہے لیکن عقیدے میں خرابی ایمان کے خطرے کا باعث بنتی ہے۔ اس پرفتن دور میں جہاں ہر طرف مختلف فتنوں کی بارش ہے وہیں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں اور کردار کے بارے میں بھی غلط فہمیاں اور اعتراضات پھیلائے جا رہے ہیں اور ان کے معیارِ حق ہونے کی حیثیت کو مشکوک بنایا جا رہا ہے۔ نہ صرف روافض کی طرف سے بلکہ بہت سے سنی کہلانے والے بھی اپنی توپوں کا رخ صحابہ کرامؓ کی طرف کیے ہوئے ہیں۔ دو چار لفظ کسی کو لکھنے آ جائیں تو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو تختہ مشق بنا کر ان کا احتساب شروع کر دیتا ہے۔ خاص طور پر آج کل سوشل میڈیا کے پلیٹ فارمز پر ہر کہہ ومہ صحابہ کرامؓ پر تنقید کرتا نظر آتا ہے۔ ان حالات میں صحابہ کرامؓ کے بارے میں جو ہمارے اکابر اہل السنۃ والجماعۃ علمائے دیوبند کا متفقہ عقیدہ ہے اس پر قائم رہنا، اس معاملے میں افراط اور تفریط سے بچنا اور اعتدال کو برقرار رکھنا ایمان کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ اس مسئلے میں علامہ صاحب کی یہ کتاب نہایت مستند حیثیت کی حامل ہے۔

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد اسلم معاویہ، ڈیرہ اسماعیل خان

سلطان العلماء کی عیسائیت پر مضبوط علمی گرفت

''کتاب الاستفسار'' کے مطالعہ کی روشنی میں

گذشتہ سال ۱۴۴۰ھ جب چنیوٹ ختم نبوۃ کانفرنس میں جانا ہوا تو سٹال پر علامہ صاحبؒ کے مقدمہ سے آراستہ پیراستہ ایک کتاب میرے سامنے آئی، خریدی اور گھر آ کر اُس کے مقدمہ کا کافی حصہ مطالعہ کرنے کی توفیق ملی، یہ ''**کتاب الاستفسار**'' تھی۔ ردعیسائیت پر اُردو زبان میں سب سے پہلی کتاب ہے، اسکے مصنف مناظر اسلام حضرت مولانا سید آل حسن مہانی (م ۱۲۸۷ھ) ہیں، کتاب بڑی علمی، عظمت کا شاہکار، اور بعد میں آنے والے ہر عالم، مناظر کی ضرورت ہے، بہت سے کتابوں کے ابحاث کو اس میں سمو دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ مصنف، کو شایان شان بدلہ نصیب فرمائیں۔ (امین)

اس کتاب پر حضرت علامہ صاحبؒ کا ۱۸۲ر صفحات پر مشتمل مقدمہ اپنے موضوع کے لحاظ سے بڑا عمیق، گہرا، وسعت مطالعہ کی خوبیوں سے مزین، تحقیق و تدقیق میں اُن کا علمی شاہکار ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس شاندار مقدمہ نے کتاب کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے، اس مقدمہ میں علامہ صاحبؒ کی عیسائیت پر کامل گرفت جھلکتی نظر آتی ہے، عیسائیت کے عقائد و افکار، رسوم و عبادات پر ایسی گہری نظر کہ اس فکر کی ابتدا کب کہاں سے ہوئی؟ پرانے عہد نامے اور نئے عہد نامے کی کمزوریاں، ذات و مقام نبوۃ سے بائبل کی بے خبری، اناجیل کی ابتداء کی کہانی، اُن میں اختلافات، حضرت مسیح کی قربانی کی حقیقت، عشاء ربانی کی اصل اساس، کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نبوۃ جاری رہے گی؟ اُن کی پیشین گوئیوں کا مصداق، بائبل کا محرف ہونا، باوجود محرف ہونے کے خاتم النبیین حضرت محمد عربی ﷺ کی بعثت کی خبریں، اور لاکھ تاویلوں کے باوجود بھی اُن خبروں کا حضرت مسیح علیہ السلام پر صادق نہ آنا، اس سلسلہ میں پادری صاحبان کی اضطرابی و ہیجانی کیفیت، نیز اس راہ میں چلتے ہوئے دائیں، بائیں بہت سی اہم باتوں سے بھی پردہ کشائی کرتے چلے جانا، ملت اسلامیہ کے اذہان کو روئی کے گالوں کی طرح صاف و شفاف کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف بھی گامزن رہنے کی تلقین و تاکید۔ غرض ایک پڑھنے والے کو اس میں بہت کچھ ملے گا۔ اس کے مطالعہ سے اسلام کی عظمت و صداقت کے پرچم بلند ہوتے نظر آتے ہیں اور خوشی و مسرت سے ایک مومن کا دل جھوم جھوم جاتا ہے۔ اس مختصر تحریر میں اتنے متنوع عنوانات پر کلام کرنا اسے علامہ صاحبؒ کے موفق من اللہ ہونے کے سوا کیا نام دیا جا سکتا ہے۔

سطور ذیل میں ان عنوانات کو اختصار کے ساتھ کہیں علامہ صاحب کے الفاظ میں اور کہیں تلخیص کی شکل میں پیش کیا جاتا

ہے، تا کہ اس اختصار سے اصل مقدمہ اور اس کے بعد اصل کتاب سے استفادہ کی راہ آسان ہو سکے۔

مقدمے میں سات بڑے عنوانات قائم کیے گئے ہیں جن کے تحت درجنوں ذیلی عنوانات ہیں:

۱۔ ہندوستان میں انگریز کی آمد اور نئے مذہب کا تعارف

۲۔ حضرت مولانا سید آل حسن مہانیؒ کا تعارف

۳۔ مطالعہ عیسائیت (کس طرح کیا جائے؟) ۴۔ تاریخ بنی اسرائیل

۵۔ تاریخ یہود پر ایک نظر ۶۔ عیسائیت ۷۔ اناجیل کا تنقیدی مطالعہ

۱۔ ہندوستان میں انگریز (عیسائیت) کی آمد:

حضرت علامہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: ''ہندوستان میں انگریز کی آمد صرف ایک نئی فاتح قوم کی آمد نہ تھی، بلکہ اُن کے آنے سے ہندوستان ایک نئے مذہب سے متعارف ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ پہلے مسلمان کے ذریعہ علمی سطح پر کچھ عیسائیوں و یہودیوں کے تذکرے ہوتے رہتے تھے۔ لیکن اہل ہند نے عیسائیوں کو عملی شکل میں یا ایک قومی حیثیت میں کہیں نہ دیکھا تھا۔ یورپین اقوام کی آمد سے یہاں (ہندو پاک) میں عیسائیوں کا عملی تعارف ہوا۔

ہندوستان پر انگریز کے تسلط کے بعد عیسائی پادریوں کی آمد کا ایک سلسلہ شروع ہوا، بے شمار پادریوں نے مسلمانانِ ہند کے ایمانوں کا امتحان لینے کی کوشش کی اور پورے ملک کو عیسائی بنانے کیلئے زور وزر سے بھی کام لیا مزید براں ہر چوک، چوراہے پر کھڑا پادری مسلمانوں کو چیلنج کرتا ہوا نظر آیا مگر ان حالات میں علماء ربانیین نے اپنے فریضہ سے لحہ بھر کوتاہی نہ کی اور مسلمانان ہند کے ایمانوں کا پہرہ دینے لگے۔

حکومت، قانون، فوج سب انگریزوں کا تھا، اس جبر وظلم کے زمانے میں اہل اسلام کے شاہسوارانِ علم وعمل میدان میں اُترے، اور نہایت جرأت واستقامت سے انگریز پادریوں کا ترکی بہ ترکی جواب دینے لگے۔

اس کام کی ابتداء خانوادہ شاہ ولی اللہؒ سے ہوئی، شاہ صاحبؒ کے علمی جانشین حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے دہلی کی مسند پر بیٹھ کر عہد فرنگ کے ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا فتویٰ دیا اور پھر مختلف محاذوں پر اپنے تلامذہ اور عقیدت مندوں کو کھڑا کیا۔

سیاسی میدان میں سید احمد شہیدؒ، خطابت اور عسکری محاذ پر اپنے بھتیجے شاہ اسماعیلؒ مسند علم پر شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ، تفسیری علوم میں حضرت مولانا عبد الحیؒ، معقولات، منقولات میں مولانا صدر الدینؒ اور مولانا جعفر علیؒ جیسے شاگرد ومتوسلین پیدا کئے۔ مولانا جعفرؒ کے ممتاز تلامذہ میں حضرت مولانا سید آل حسن مہانیؒ تھے جو اپنے وقت کے جلیل القدر مناظر، فقیہ اور اُستاذ کے منطقی ذوق کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔

مولانا سید آل حسن مہانیؒ نے مسیح سرگرمیوں کا علمی نوٹس لیا اور اناجیل کا نہایت بالغ نظری سے علمی محاسبہ کیا۔ مولانا سید آل حسن مہانیؒ کے بعد اس میدان میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ (م ۱۳۰۸ھ) نکلے اور عیسائیت پر حجت تمام کر دی۔ اس

باب میں تاریخ ان کو امام کا مقام دیتی ہے۔

حضرت علامہ صاحبؒ اس وقت کے علماء کا بہترین انداز میں تعارف، اس میدان میں ان کی کاوشوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ ان علماء ربانیین نے بے سروسامانی کے حالات میں، دفاع اسلام و ناموس رسالت ﷺ، دفاع ایمان المسلمین میں تن من دھن کی بازیاں لگا دیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے متعلق گستاخانہ انداز کلام پادری صاحبان کی عام روش تھی۔ اس بارے آداب ملحوظ نہ رکھتے تھے بلکہ بعض اوقات نازیبا الفاظ استعمال کر کے مسلمانوں کا دل دکھاتے تھے۔ اس زمانہ میں بعض علماء اسلام نے ان کو اس پر متنبہ بھی کیا، مگر پھر بھی باز نہ آتے، علامہ صاحبؒ ایسے علماء کرام کی جرأت و بسالت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

”آپ اندازہ کریں ایک قوم جو سیاسی طور پر مغلوب کی جا چکی ہو، اس کے لئے فاتح قوم سے اپنے پیغمبر کے حق میں اس قسم کی زبان سننا کس قدر دل آزاری کا سامان ہوگا؟ مگر آفرین علماء حق پر جنہوں نے آگ کے سمندر میں کود کر بھی اپنے آقا و مولیٰ کی شان میں ذرہ بے دردی نہ آنے دی اور جب بھی کسی گستاخ نے آپکی شان میں کوئی ایسی بات کی مسلمانوں نے ترکی بہ ترکی جواب دے کر موت و حیات کے فاصلوں کو ختم کر دیا۔“۔۔۔۔۔”تاریخ گواہ ہے کہ اس دور کے علماء اسلام نے انگریزوں کے سیاسی عروج کے دور میں بھی صف اسلام کے گرد اس بے جگری سے پہرہ دیا کہ عیسائی اپنی صلیبی جنگیں بھول گئے“۔

مناظرین اسلام میں ڈاکٹر وزیر خانؒ نے عبرانی زبان سیکھی، اور اس میں مہارت حاصل کی، مولانا عنایت رسول چریا کوٹیؒ نے عبرانی زبان سیکھنے کیلئے چھ سال احبارِ یہود کے ساتھ گزارے اور کتاب مقدس کا اصلی عبرانی میں مطالعہ کیا۔

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، ڈاکٹر وزیر خانؒ کے بعد اس فن میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا ابوالمنصور ناصر الدینؒ کا نام نامی آتا ہے۔ کتاب کا جواب کتاب سے، مناظروں کا جواب مناظرے سے اِن علمائے ربانیین نے تمام پادریوں کو آڑے ہاتھوں لیا، انگریز کے تسلط کے زمانہ میں دفاع اسلام اور دفاع ناموس رسالت ﷺ سے لمحہ بھر کیلئے بھی غافل نہ ہوئے۔

اس حصہ میں علامہ نے ان علمائے ربانیین کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا کہ حضرت مولانا سید آل حسن مہانیؒ، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا ابوالمنصور ناصر الدینؒ اس محاذ کے آئمہ اربعہ تھے اور اس وقت انہی کا سکہ چلتا تھا اور آج یہ مقام فقط ان ہی کو حاصل ہے۔ ان علمائے ربانیین نے تمام پادریوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا۔ **فجزاہ اللہ احسن الجزاء**

علمائے ربانیین کو خراج تحسین پیش کرنے، انکی علمی و روحانی زندگی کے مختلف گوشوں کو پیش کرنے کے بعد فرمایا کہ پھر ہندوستان میں انگریز کے طور طریقے کیسے آئے تو فرماتے ہیں:

”علمائے اسلام کی یہ علمی خدمات اپنی جگہ قابل ستائش ہیں لیکن مغربیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے یہ کتابیں بند نہیں

باندھ سکتیں کیونکہ اس وقت عیسائیت ہمارے ملکوں میں علم کی راہ سے نہیں بلکہ تہذیب کی راہ سے آ رہی ہے، لوگ معیار زندگی بلند کرنے کیلئے انگریزوں کے طریقے اپنا رہے ہیں۔''

حضرت علامہ صاحبؒ کی اس عبارت کو بار بار پڑھیں اور غور و فکر سے کام لیں تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ان علماء ربانیین نے بے سروسامانی کے حالات میں عقائد کے راستے سے عیسائیت کو ہندوستان میں نہ گھسنے دیا اور انگریز یافتہ طبقہ نے چند ٹکوں کی خاطر، مفادات کے حصول کیلئے تہذیب کے راستے انگریز کے قدم مضبوط کئے جس کا خمیازہ پوری قوم آج تک جھیل رہی ہے۔

۲۔ حضرت مولانا سید آل حسن موہانیؒ :

علامہ صاحبؒ نے اس پیش لفظ میں حضرت مولانا سید آل حسن مہانیؒ کے تعارف ساتھ ساتھ ان کے عقائد پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ کہیں نام کی وجہ سے کسی کو اشتباہ نہ ہو۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

''مہان''، لکھنؤ کے قریب کوڑہ جہاں آباد کے متصل ایک آبادی ہے، آپ وہاں ۱۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے، والد مرحوم کا نام غلام سعید، دادا کا نام وجیہہ الدین تھا، آپ حضرت امام رضا رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۲۰۳ھ) بن حضرت موسیٰ کاظم رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۸۲ھ) کی اولاد سے تھے۔

نزہۃ الخواطر جلد ہشتم میں آپ کا تعارف ان الفاظ میں ہے ''**الحسینی الرضوی المهانی احد فحول العلماء وُلِدَ بمهان ۱۲۰۲ھ**'' (حسینی، رضوی، مہانی صاحب فضیلت علماء سے ایک ۱۲۰۲ھ میں مہان میں پیدا ہوئے) آپ نے انگریزوں سے محاذ آرائی کی بجائے ان کے قریب ہو کر انہیں عیسائیت سمجھانے کی کوشش کی اور آپ اپنی پالیسی میں کامیاب نہ ہوسکے اور انگریز سمجھ گئے کہ یہ شخص ہمارے لئے مفید نہیں ہے۔ ۸۰ر سال عمر پائی اور ۱۲۸۷ھ میں انتقال فرمایا۔

آپ کی تصنیفات میں ''کتاب الاستفسار'' اور ''کتاب الاستبشار'' دو ضخیم کتابیں ہیں اور یہ عیسائیت پر بلند علمی سرمایہ ہیں اور بعد میں عیسائیت پر لکھی جانے والی کتابوں کے لیے متن کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ''کتاب الاستفسار'' اردو زبان میں رد عیسائیت پر پہلی کتاب ہے۔ اس کتاب نے اردو میں رد عیسائیت پر گراں قدر علمی ذخیرہ مہیا کیا کہ اب بعد میں آنے والا کوئی مناظر، عالم، محقق، مستخرج اس کتاب سے مستغنی رہ کر اس باب میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔

آپؒ کی اس کتاب میں پادری فنڈر کی کتاب میزان الحق کے پہلے اور تیسرے باب کا جواب ہے۔

اس وقت تک ہندوستان میں بریلوی، دیوبندی اختلاف نہ اُبھرے تھے، جمہور مسلمان اہل السنۃ والجماعۃ کہلاتے تھے، ذیلی گروہ کوئی نہ تھے، اس کتاب پر نظر کرنے سے مولانا سید آل حسن مہانی کے عقائد کا پتہ چلتا ہے کہ وہ ان ہی عقائد پر عامل تھے جو علمائے اہل سنت دیوبند کے ہیں۔ مثلاً:

عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی بشریت کا انکار کرتے تھے :

پادری فنڈر نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت کا انکار کیا، تو مولانا سورۂ نساء کی آیت: **اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ**

مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُه کے جواب میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے یہ بات سمجھو کہ تفسیراً لکھنا کہ "مسیح از جنس بشر نیست" تحریف کرنا کہلاتا ہے۔' پھر آگے چل کے فرماتے ہیں:

'' حضرت عیسیٰ جنس بنی نوع بشر سے باہر نہیں ہو سکتے''

اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ردعیسائیت پر جن عالموں نے شہرت پائی، ان میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہ تھا، جیسا کہ بریلویت کے تعارف میں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں لکھا ہے۔'' آنحضرت ﷺ نور تھے، آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا، آپ ﷺ کی بشریت دوسرے انسانوں کی بشریت سے مختلف ہے۔'' (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام: ۴/ ۴۸۶، کتاب الاستفسار: ۵۶)

ابوالبرکات نعمان آلوسی نے عیسائی اسقف عبدالمسیح کے جواب میں القول الفسیح لکھی تو آپ نے لکھا:

''پس ہمارے نبی علیہ الصلوۃ والسلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور بشر ہیں، جنہیں بشری عوارض لاحق ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے قرآن میں فرمایا: [قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ] کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو نور من نور اللہ ماننے والا کس طرح حضرت عیسیٰ کے بیٹا ہونے کا انکار کرے گا؟

مولانا آل حسنؒ کے بارے میں شیعہ ہونے کا گمان اور اس کا ازالہ:

بعض لوگوں کو حضرت مولانا آل حسن مہانیؒ کی لکھنوی نسبت سے آپ کو شیعہ سمجھنے لگے تو علامہ صاحب نے انہی کی کتاب سے حوالہ جات نقل کر کے بتایا کہ مولانا آل حسن شیعہ نہ تھے بلکہ شیعہ عقائد پر انہوں نے تنقید بھی کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''بعد واقعہ صلیب کے حواریوں کا عقیدہ بدل جانا جیسا مؤلف انجیل کہتا ہے یہ صرف گمان فاسد ہے جیسے ہمارے یہاں کے امامیہ مذہب والے ہرگاہ اُنہوں نے ائمہ اثنا عشریہ علیہم السلام کی موافقت اصولِ دین میں جمہور مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کے ساتھ قرون اسلام میں ایسی ثابت دیکھی کہ اس سے انکار نہ کر سکے بلکہ خود بھی روایت کرنے لگے اور یہ بات انکے اپنے بعض اصول کے خلاف تھی سو کہنے لگے کہ ویسے ناراض تھے صرف ظاہر میں کس مصلحت سے موافقت رکھتے تھے۔''

عیسائیوں نے جب آیت: نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ، فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ (پارہ:۲، البقرہ:۲۲۳) پر شیعہ تفسیر کی رو سے طعن کیا کہ یہاں خلاف وضع فطری کی اجازت دی گی ہے تو مولانا آل حسنؒ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

''یہاں وہ معنی بھی لکھے ہوں گے جو شیعوں کے یہاں مقرر ہیں سو اُن کے لکھنے سے اور شیعوں کے ان معنی کے مقرر کرنے سے قرآن شریف پر اعتراض نہیں ہو سکتا، کیونکہ اَنّٰى شِئْتُمْ کے معنی صرف یہی نہیں کہ جدھر سے چاہو بلکہ یہ بھی ہیں کہ جس طرح چاہو اور حَرْثٌ کا لفظ کہ اس کے معنی ہیں کھیتی مشعر بتوالد وتناسل ہے۔ اس میں صریح لفظوں میں شیعیت سے اجنبیت ظاہر کی گئی ہے۔............شیعہ عقیدے کے مطابق موجودہ قرآن کریم میں سورۂ نورین کم کر دی گئی وہ کسی روایت سے سورۃ النورین کہیں نکال لائے اور دعوے کیئے کہ بتاؤ اس میں اور قرآن کریم میں کیا فرق ہے؟ مولانا آل حسنؒ شیعہ کی نادانی قرار دیتے ہیں کہ قرآن کریم میں کسی قسم کا کوئی شک کیا جائے مولانا لکھتے ہیں:

''بعض نادان امامیہ مذہب کے ایک عبارت عربی جو صاحبِ دلبستان نے بنا مزد سورۃ النورین لکھی ہے پیش ہو کر کہنے

لگے کہ اس میں اور قرآن کی عبارت میں کیا فرق ہے میں نے عرض کیا کہ انشاء کی بلاغت اور ابلغیت ایسی چیز نہیں ہے کہ ہر کوئی سمجھ لے۔

(اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے جیسے مستشرقین نے شیعہ عبارات کو اسلام کے خلاف استعمال کیا ایسے ہی اس زمانہ کے پادری بھی شیعہ حضرات کی کتابوں کو اسلام کے خلاف استعمال کرتے تھے، جس کی وجہ سے مسلمان مناظرین کو ان کے جواب دینا پڑتے تھے، اس سے حقیقت حال کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ ناقل اسلم)

ان تصریحات کے بعد اب کوئی شخص اس مغالطے میں نہیں پڑسکتا کہ شاید مولانا آل حسنؒ شیعہ ہوں، نام سید آل حسنؒ اور لکھنوی ہونے کے پہلو سے اس شبہ کی یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مولانا سید آل حسنؒ کے نزدیک شریعت کیا ہے اسے ان کی اس عبارت کی روشنی میں دیکھیں جو آپ نے جہاد کی بحث میں لکھی ہے کیا یہ عقیدہ رکھنے والا شیعہ ہوسکتا ہے؟

''جہاد ہماری شریعت میں قرآن کریم، احادیث طیبہ متواترۃ المعنیٰ، آثار خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور ائمہ کے اجماع سے ثابت ہے۔ (اِن چار سے تمسک پکڑنے والا کیسے شیعہ ہوسکتا ہے)'' (کتاب الاستفسار: ۷۵ تا ۵۹)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کا الزام:

قادیانیوں نے مولانا آل حسنؒ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کا الزام لگایا تو علامہ صاحب نے ان کی کتاب سے ان کی صفائی پیش فرمادی کہ جس عبارت سے قادیانی دجل وتلبیس سے کام لے رہے ہیں وہ مولانا مہانی نے الزاماً نقل کی تھی کیونکہ مولانا سید آل حسن مہانیؒ نے جب یہ کفریہ عبارت نقل کی تو معاذ اللہ کہہ کر شروع کی، آخر میں لکھتے ہیں ''میں نے یہ نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو ملحدانہ تقریر لکھی واللہ صرف الزاماً لکھی اور اللہ کی عنایت سے میرے دل میں اس کا وسوسہ بھی نہی چہ جائیکہ گمان۔''

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ ان کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ غلام احمد قادیانی اور اس کے ہم نوا، مولانا سید آل حسن کو کیسے مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں جبکہ خود غلام احمد قادیانی نے ''انجام آتھم'' میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی ہے۔

دوسروں کو الزام دینا آسان ہے، اگر مرزا قادیانی اور اس کے پیروکاروں کی کتابوں کا منصفانہ جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ حقیقت کیا ہے اور الزام کیا؟

اشکال کا جواب:

علامہ صاحبؒ نے ردعیسائیت پر محاذ سنبھالنے والے بہت سے علمائے کرام کی خدمات کو ذکر کیا ہے۔ مرزا قادیانی نے بھی عیسائیت کے خلاف کام کیا مگر اس کا تذکرہ نہیں کیا؟

علامہ صاحبؒ خود اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے اپنی پیشین گوئی میں پادری آتھم سے جو شکست کھائی، وہ ہمیں اس کے ذکر سے روکتی ہے۔ نیز انگریزوں کا حق نمک ادا کرنے کے لئے اس کا قلم رکا رہا کہیں میری تحریر سے اُمت مسلمہ کے اندر جوش پیدا ہوا اور انگریزی حکومت کہیں خطرے سے دوچار نہ ہوجائے۔ فافہم۔ مرزا کا اپنا ایک بیان ریکارڈ پر

ہے۔ (کتاب الاستفسار: ۴۷، ۴۸)

عیسائیت کے خلاف مولانا سید آل حسنؒ نے اپنی جان تک کو آزمائش میں ڈالا اور پادریوں کو مباہلہ کے چیلنج دیئے، اند رباہر کا کوئی پادری ان کے چیلنج کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور یہ علماء اسلام کی فتح تھی۔ علامہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''پادری فنڈر ان کے جوابات سے لاجواب ہوا، پھر اپنی کتاب کی قابل گرفت عبارت کو تبدیل کیا گویا اس کی نئی اشاعت اور تبدیلیاں مولانا آل حسن کی کامیابی و کامرانی کا کھلا اعتراف ہے۔''

علامہ صاحب رحمہ اللہ نے کتاب کے اس حصے کو ''مقدمۃ الکتاب'' قرار دیتے ہیں اور آگے مطالعہ عیسائیت والے حصے کو ''مقدمہ العلم'' قرار دیتے ہیں۔

مطالعہ عیسائیت:

علامہ صاحبؒ نے اپنے گہرے اور عمیق مطالعہ کی روشنی میں ایک اہم اصول کی طرف متوجہ کیا کہ کسی بھی مذہب یا فرقہ پر تنقید کے ساتھ ساتھ اس کی تاریخ سے واقفیت از حد ضروری ہے۔ اس لئے کہ نظریات کا نظریات سے جواب دینا خاصا محنت طلب کام ہوتا ہے اور اس میں الجھاؤ، نیز ردو قبول پر ذہنی توانائیاں خرچ کرنی پڑتی ہیں لیکن کسی فرقہ و مذہب کی تاریخ پر عبور ہونا، اس کی کمزوریوں سے آگاہی دلائے گی، کہ فلاں عقیدہ عمل، فلاں فکر و نظر کا آغاز کہاں سے ہوا اور یہی چیز اس کی شکست کا ذریعہ بنے گی ۔ علامہ صاحبؒ اس اصول و کلیہ کو اس مقدمہ کتاب میں عیسائیت کے عقائد و اعمال ، رسومات مثلاً عقیدہ تثلیث، عقیدہ نجات، عقیدہ کفارہ، عشاء ربانی میں ہر جگہ ملحوظ رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں، جس کی وجہ سے اس عقیدہ و عمل کی بنیادی کمزوری واضح انداز میں سامنے آتی ہے، اس کے بعد ایک حق پرست کسی شک وشبہ کا شکار ہی نہیں ہوتا۔ اس تنقید و تاریخ کے اصول کی سامنے رکھ کر بات کو آگے بڑھاتے ہیں، صرف خلاصہ پر اکتفا کیا جاتا ہے، اصل کتاب کی طرف رجوع ناگزیر ہے۔ (اسلم)

علامہ صاحبؒ نرالے اسلوب کے مصنف ہیں، جب بات کو طول دینا چاہتے ہیں تو بات سے بات نکالتے چلے جاتے ہیں، جب سمیٹتے ہیں تو چند سطروں میں اس کا خلاصہ بیان کر کے بات سمیٹ دیتے ہیں، ان کی باتیں بڑی نکتہ رس، گہری، اور توجہ طلب ہوتی ہیں۔ کامل توجہ سے بندہ بات کی گہرائی تک پہنچ جاتا ہے۔

علامہ صاحبؒ تاریخی قدیمی مذاہب کا بیان کرتے ہیں کہ وہ تین ہیں ۔ یہود، ہنود اور مسلمان، فرماتے ہیں کہ ان تین کو دوسرے بعض مذاہب کیلئے Parent Body کی حیثیت بھی حاصل ہے۔

فرماتے ہیں کہ عیسائی یہود سے نکلے ہیں، سکھ ہندوؤں سے نکلے ہیں اور قادیانی مسلمانوں سے نکلے ہیں ۔ پہلے تین کو اصل قرار دیتے ہیں دوسرے تین اس کی شاخیں ہیں، لیکن یہ شاخیں اپنی اصل سے نبرد آزما ہیں، اب ان کے اپنے عقائد، اپنا علم کلام اور اپنا طریق عمل ہے۔

عیسائی مسیح کے نام سے یہودیوں سے کٹے ہوئے ہیں، سکھ اپنے گروؤں کے نام سے ہندوؤں سے ہٹے اور قادیانی مرزا

غلام قادیانی کو مامور آسمانی مانتے ہوئے ملت اسلامیہ سے جدا ہوئے۔

آگے بڑھتے ہوئے ایک دوسرے انداز سے بات لکھتے ہیں کہ تین متقارب آسمانی مذاہب اس میں یہودیت، نصرانیت اور اسلام یہ تین آسمانی مذاہب ہیں، تینوں کے پیغمبر بھی الگ الگ ہیں، ان پر نازل ہونے والی کتابیں بھی الگ الگ ہیں، لیکن تینوں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر متفق اور انکو قدر مشترک مانتے ہیں۔

علامہ صاحب دلائل و براہین کی روشنی میں اس کا اظہار کرتے ہیں کہ مسلمان عیسائیوں سے قریب ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ مسیحی قوموں کے سامنے علم کے چراغ روشن کریں، پورے حلم و وقار کے ساتھ ان کی طرف بڑھیں اور انہیں یقین دلائیں کہ حضور پیغمبر عربی حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے بغیر کسی انسان کا انجیل پر عقیدہ قائم ہو ہی نہیں سکتا، پھر مسلمانوں کو ترغیب دیتے ہیں کہ ان حالات میں مسلمانوں کے لیے عیسائیت کا مطالعہ ناگزیر ہے اور ان کے مطالعہ عیسائیت میں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ پوری تاریخ بنی اسرائیل سے کسی درجے میں آشنا ہوں، کیونکہ عیسائیت اپنے آپ کو یہودیت کا وارث سمجھتی ہے (حالانکہ ایسا نہیں ہے)

تاریخ اور تنقید کا اصول:

اب علامہ صاحب رحمہ اللہ کے اپنے الفاظ میں اس اصول کو پڑھئے:

> ''یہ بات سمجھنا ہے کہ نظریات کی جنگ میں براہ راست نظریات سے اُلجھنا اور اسکے ردو قبول پر ذہنی توانائیاں صرف کرنا کوئی کار حکمت نہیں، نظریات کے پیچھے انکی تاریخ ہوتی ہے جس کی روشنی یا اندھیرے ان نظریات کو از خود حل کر دیتے ہیں۔ اختلاف مذاہب کو صرف ان کے عقائد و اعمال سے نہ جانچیں ان کی تاریخ پر نظر کریں کہ بات کہاں سے چلی ہے''۔ (کتاب الاستفسار: ۱۷)

یہ نہایت اہم قاعدہ وکلیہ ہے، اس لیے کہ تاریخی طور پر جب کوئی کذاب، دھوکہ باز اور فریبی ثابت ہو جائے تو پھر اس کے عقائد ونظریات، اعمال وافعال سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب کوئی فرقہ اپنی اساس و بنیاد کے اعتبار سے کمزوریوں اور ضعف کا شکار ہے، تو آگے دلائل حقہ کا مقابلہ اس کے بس کی بات نہیں، اس لئے کہ اس کی بنیاد فریب پر بالفاظ دیگر اس فرقہ کی عمارت ریت کی بنیادوں پر قائم ہے۔

متذکرہ قاعدہ واصول کی روشنی میں علامہ صاحب دو مثالیں پیش کر کے عیسائیت کا اسی انداز سے مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ قادیانیت مرزا غلام احمد قادیانی سے چلی ان کے مبلغین، مرزا کے موضوع، برٹش حکومت میں ان کی خدمات کے گفتگو کے لئے تیار نہیں ہوتے بلکہ وفات وحیات عیسیٰ علیہ السلام پر بات کرنے یا ختم نبوۃ ﷺ کے موضوع پر بات کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ (ہفت روزہ ختم نبوت ۲۳/ تا ۳۱/ جولائی ۲۰۲۰ء میں حضرت مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی صاحب مدظلہ نے علامہ صاحب

کا تذکرہ کیا تو ان سے بھی یہی بات سامنے آئی۔قادیانی مناظر نے اپنے دو موضوع بتائے:ا۔حیات و وفات عیسیٰ علیہ اسلام ۲۔اجرائے نبوت۔اس کے جواب میں علامہ صاحب نے بھی اپنے دو موضوع بتائے:ا۔مرزا قادیانی گوہ(غلاظت) کھاتا تھا۔۲۔مرزا بشیر الدین زانی اور شرابی تھا۔قادیانی مناظر نے ان دو موضوعات پر بات کرنے سے انکار کر دیا، کیونکہ غلام قادیانی نے اپنی کتاب میں خود لکھا ہے کہ اگر میں جھوٹ بولوں تو گوہ(غلاظت/پاخانہ) کھاؤں،مرزا اپنی تمام جھوٹی باتوں کی وجہ سے غلاظت خور ہوا۔)

۲۔ دوسری مثال علامہ صاحب اہل تشیع کی دیتے ہیں کہ مسئلہ خلافت و امامت پر بحث کے لیے تیار ہو جاتے ہیں لیکن اگر انہیں اپنے مذہب کے تاریخی تجزیے کے لیے کہا جائے تو موجودہ شیعہ کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ،حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما یا حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ تک مسلسل نہ لے جاسکیں گے،شیعہ مذہب کہاں سے پیدا ہوا؟اور کیا یہی ائمہ اہل بیت کا مسلک تھا؟اس پر ابھی تک بیرونی سیاسی مصلحتوں کے گہرے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔

اگر مسائل کے تنقیدی مطالعہ کے بجائے ان کی تاریخ پر سیر حاصل نظر کر لی جائے تو پھر آسمانی عقیدۂ امامت یا بازاروں کے جلوس ہائے تعزیت پر بحث کرنے اور مزید وقت لگانے کی حاجت نہیں رہتی۔

مطالعہ عیسائیت کیلئے بھی یہی راہ مفید ہے کہ ہم پتہ کریں کہ موجودہ عیسائیت کہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک پہنچی ہے اور موجودہ انجیلوں کو کیا قطعی اور یقینی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کہا جاسکتا ہے۔ (کتاب الاستفسار:۷۲)

تاریخ یہودیت:

تاریخ عیسائیت سے پہلے تاریخ یہودیت پر اور تاریخ یہودیت سے پہلے تاریخ بنی اسرائیل پر گہری نظر ہونی چاہیے پھر عیسائیت کا مطالعہ اس کے عقائد و افکار اور رسوم و اعمال کی روشنی میں بہت آسان ہو جائے گا۔علامہ صاحب نے اس پر تفصیل سے لکھا ہے،مختصراً نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بعد تمام انبیاء کے جد اعلیٰ ہیں ان کی اولاد سے دنیا آباد ہوئی شام و فلسطین میں بنی اسرائیل پھیلنے اور عالم عربی میں بنو اسماعیل سے آباد ہوا، بنو اسرائیل کے جد اعلیٰ حضرت یعقوب علیہ السلام تھے کیونکہ انہی کا لقب اسرائیل تھا اور حضرت یعقوب کی اولاد سے قوم حضرت موسیٰ اُٹھی جو پہلے تمام انبیاء کو مانتی ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رک گئی حالانکہ تورات میں کہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خاتم النبین ہونے کا بیان نہ تھا اور نہ یہ کہا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

تاریخ یہود اسی قوم موسیٰ کو کہتے ہیں جو تسلسل آگے حق قبول کرتی رہی ہے،قرآن میں بھی انہیں قوم موسی کے طور پر ذکر کیا۔

(پارہ۹الاعراف ع۱۲آیت ۱۵۹)

یہ وہ خوش قسمت لوگ تھے جو قوم موسیٰ میں حق پر رہے، تورات میں جن آنے والے پیغمبروں کی خبر دی گئی تھی انہوں نے ان کے آنے پر ایک ایک کی تصدیق کی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانا اور حضرت خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مانا۔جیسے حضرت عبداللہ بن سلام،حضرت کعب احبار،ثعلبہ بن شعبہ،اسید(القرطبی:۱۷۵/۴) موجودہ تورات وہ تورات نہیں ہے جو حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھی نہ یہ وہ نسخہ ہے جو حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعثت کے زمانہ میں محرف صورت میں یہودیوں کے پاس موجود تھا اب کتاب موسیٰ جس شکل میں دکھائی جاتی ہے اس کا کچھ تعارف یوں ہے:

کتاب مقدس یہود و نصاریٰ کا مشترکہ علمی سرمایہ ہے اس کے دو حصے ہیں:

۱۔ پرانا عہد نامہ (Old Testament)

۲۔ نیا عہد نامہ (New Tetament)

پرانا عہد نامہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتابوں، حضرت موسیٰ کے بعد آنے والے پیغمبروں کے صحائف حضرت داؤد کے زبور اور دیگر آسمانی صحائف پر مشتمل ہے، پہلی پانچ کتابوں کے متعلق یہ دعویٰ کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکھی ہوئی ہیں، یہ معاملہ بھی محل نظر ہے۔ ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تالیف جاننا مشکل ہے، قرآن کے بیان کے مطابق تورات ان کو لکھی ہوئی ملی تھی۔ حضرت موسیٰ کی طرف ان کتب کی تالیف کی نسبت کو علامہ صاحب نے دلائل و براہین کی روشنی میں غلط ثابت کیا ہے۔

پھر پرانے عہد نامے کے مطابق مقام نبوۃ پر بحث کی ہے تو اسلام میں انبیاء کا جو مقام و مرتبہ ہے ان کی کتب اس سے یکسر خالی نظر آتی ہیں نبی معصوم ہوتا ہے اسکو عصمت لاحق ہوتی ہے اللہ کیطرف سے جو پیغام ملتا ہے وہ لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری پوری کرتے ہیں مگر تورات کی تعلیمات کے مطابق نبی، کاہن اور نجومی ایک صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔

علامہ صاحبؒ نے اس پر بحث فرماتے ہیں کہ ’’یہودیت کے ہاں تصورِ نبوۃ کتنا پست ہے۔ص:۸۷۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے پیغمبروں کو معصوم نہ سمجھا تو انہیں ایک معصوم کی ضرورت محسوس ہوئی تو ان کے ایک طبقہ نے نبوۃ اور الوہیت کے درمیان خدا کے بیٹے کا تصور پیدا کیا، اگر یہود پیغمبروں کو ان کے مقام سے نہ گراتے نبی کا ترجمہ Seer حاضر و ناظر نہ کرتے تو عیسائیت کو کبھی خدا کے بیٹے کی ضرورت نہ پڑتی۔

علامہ صاحب نے اس پر مفصل کلام کرنے کے بعد پرانے عہد نامے سے مقام نبوت کے اخلاقی پہلو پر روشنی ڈالی تو ہر جگہ ردائے نبوت تار تار نظر آتی ہے۔ یہود نے انبیاء پر ایسے گھناؤنے الزام عائد کئے کہ پناہ باخدا جب نبوۃ کا دامن پاک نہ ہو تو معیار کون بنے گا اور کیسے بنے گا؟ انبیاء کے بارے میں توہین آمیز عبارات موجود ہیں۔

آخر میں یہود کی اخلاقی حالت پر کلام فرماتے ہوئے لکھا تو ’’یہودیت کی دینی قیادت پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تنقید کی فکر و نظر کی پستی کے ساتھ ساتھ انکی پست اخلاقی اور پستی عملی کو بھی نمایاں کیا نیز یہود کا عالمی خاکہ اور ان کے اخلاقی مذہبی اور سیاسی دائرے بھی زیر بحث لائے۔ یہودیوں سے عیسائیوں کا انتقامی سلوک پھر اچھے تعلقات کا نیا موڑ اسرائیل کی سلطنت کیسے قائم ہوئی؟ ان تمام پہلوؤں کو اجاگر فرما کر نشان منزل بھی دکھانے کی کوشش کی، چونکہ آگے عیسائیت زیر بحث آنی تھی اور انہوں نے عقیدہ تثلیث سے دنیا کے لوگوں کو روشناس کرایا۔

اس لئے علامہ صاحب نے پرانے عہد نامے سے عقیدہ توحید کو نقل فرمایا ’’حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے سے پہلے

بلکہ ان کے آنے کے بھی مدتوں بعد کسی مذہب اور کسی امت میں تثلیث کا تصور نہ تھا، عیسائی اعتقاد کے مطابق بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے نہ کوئی خدا کا بیٹا آیا، نہ باپ اور بیٹے میں رابطہ پیدا کرنے کیلئے کوئی روح القدس صادر ہوا، ان قرون سابقہ میں توحید باری تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے معبود کا تصور تک نہ تھا، ہزاروں نبی بس ایک خدا کی ہی عبادت بتاتے آئے اور عمل صالح کو ہی سبب ذریعہ نجات سمجھتے رہے (ص ۹۹)

پرانے عہد نامے کی کتاب استثناء کے چوتھے باب میں ہے یہ سب کچھ تجھ کو دکھایا گیا تا کہ تو جان کہ خداوند ہی خدا ہے اور اس کے سوا کوئی اور ہے ہی نہیں (باب: ۴ درس ۲۵)

آگے چل کر علامہ صاحب لکھتے ہیں:

’’آپ غور کریں توحید کا مسئلہ جو عہد عتیق میں کسی درجے میں پیچیدہ نہ تھا اب دور جدید میں کس قدر پیچیدہ ہو گیا ہے۔ عیسائی عوام ہرگز ان اقانیم ثلاثہ سے واقف نہ تھے، نہ ہی یہ تعبیر کہ تین سے مل کر ایک بنتا ہے۔۔۔ جو دین عوام وخواص کیلئے یکساں ہو وہ کبھی منطقی پیچیدگیوں پر مبنی نہیں ہوسکتا ورنہ اس میں فطرت کی رعایت نہ رہے گی‘‘ (ص ۱۰۶)

اناجیل اربعہ:

علامہ صاحبؒ لکھتے ہیں: ’’ویٹیکن کونسل Vitecun Council نے انجیل کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن ہم پورے افسوس سے کہتے ہیں کہ انجیل کی صحت کسی درجے میں سامنے نہیں آسکی اور جو کچھ ہمارے سامنے ہے وہ ’’اناجیل‘‘ ہے انجیل نہیں؟‘‘

مسیحیت کے کلامی علماء نے بہت کوشش کی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا کلام ثابت کیا جائے مگر ہزار کوششوں کے باوجود اناجیل کو اللہ تعالیٰ کا کلام ثابت نہ کرسکے۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ’’انجیل‘‘ اتاری تھی جبکہ ہمارے سامنے اناجیل اربعہ موجود ہیں اور ان اناجیل میں اس قدر تضادات ہیں کہ کسی ایک کو بھی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ انجیل نہیں کہا جاسکتا۔

صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں بے شمار تضادات موجود ہیں ان میں کونسی انجیل صحیح اور کونسی غلط ہے۔ مسلسل سوالات ایک سلیم الفطرت انسان کے ذہن میں اُبھرتے رہتے ہیں۔ علامہ صاحبؒ نے اس حصہ میں بڑا عمیق کلام فرمایا اور اناجیل کی کمزوریاں واضح کیں نیز یہ اللہ تعالیٰ کا وہ کلام نہیں ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ ان تضادات کے ذیل میں الزامی جواب کے طور پر مرقس کے حوالے سے لکھتے ہیں: ’’تم تمام دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو جو ایمان لائے اور وہ نجات پا گئے (مرقس باب ۱۶ درس ۱۵۔۱۶)۔ پھر اسی عبارت پر محاکمہ قائم کرتے ہیں کہ:

’’ظاہر ہے کہ یہ انجیل متی نہ تھی، نہ انجیل مرقس، نہ انجیل لوقا اور نہ انجیل یوحنا، یہ انجیل مسیح تھی جس کی آپ منادی کرتے تھے، اناجیل اربعہ اس وقت نہیں لکھی گئیں تھیں اور یہ اناجیل ہیں، انجیل نہیں جس کی منادی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے دورہ تبلیغ میں کرتے رہے وہ انجیل کہاں ہے؟ آہ وہ کہیں گم ہوگئی۔۔۔ اب عیسائیوں کے پاس کیا رہا؟‘‘

’’حضرت مسیح کے شاگردوں کے یادداشتوں اور مختلف تحریروں سے جو اناجیل مرتب ہوئیں ان میں سے کسی انجیل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل نہیں کہا جا سکتا یہ انجیلیں اپنے اپنے مؤلفین کی طرف منسوب ہوں گی انہیں انجیل متی اور انجیل مرقس کہا جائے گا یا انجیل لوقا اور انجیل یوحنا کہا جائے گا۔ ان میں سے کسی کا نام انجیل مسیح یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی آسمانی کتاب نہ ہوگا۔‘‘

مسیحی علماء کی تحریرات کی روشنی میں مزید لکھتے ہیں: ’’انکے ہاں ان اناجیل کا تقریباً وہی درجہ ہے جو مسلمانوں کے ہاں کتب احادیث کا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہاں کوئی سند نہیں۔‘‘

مزید لکھتے ہیں ’’سب سے پہلے مرقس نے اپنی انجیل مرتب کی بقول او۔ کلمان (O.Cluman) مرقس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں میں سے نہ تھا۔‘‘

بعد ازاں متی اور لوقا نے اپنی یادداشتوں کے علاوہ انجیل مرقس سے بھی استفادہ کیا، بعض عیسائی علماء متی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں میں سمجھتے ہیں مگر باوجود اس کے متی نے مرقس سے کچھ باتیں لیں ہیں۔ لوقا کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ دیکھا تھا، نیز اس وقت بہت لوگ انجیلیں تیار کر رہے تھے۔ یہ چار اناجیل سوانجیلوں سے انتخاب ہے۔

علامہ صاحب نے تمام اناجیل کے نام لے کر ان کی حقیقتوں اور تعلیمات سے اقتباسات نقل کر کے ان کی کمزوریوں اور بیانات کے فرق واضح کیا نیز انکے مؤلفین کے سیاسی ذہن کو بھی ماپا ہے۔

چنانچہ انجیل متی کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

’’متی پرانے عہد نامے سے تسلسل قائم رکھتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسکے اندر یہودی روح شامل ہے اور اس نے اس لئے یہ انجیل لکھی ہے کہ اس کے نزدیک حضرت مسیح یہودی امیدوں کی تکمیل تھے اور اس پر زور دیتا ہے کہ حضرت مسیح بنی اسرائیل میں سے تھے اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے آئے تھے۔‘‘

علامہ صاحب اس کی یہودی سوچ پر گرفت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’متی یہودی طریقوں اور عبرانی زبان سے پوری طرح واقف تھا، پھر اس نے انجیل یونانی زبان میں کیوں لکھی؟ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یونانی زبان بولنے والوں کو پرانے عہد نامے کے قریب لانا چاہتا ہے اور یونانی لبادے کے نیچے اس کی وہی یہودی روح کارفرما ہے، وہ یہودیوں سے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے موضوع پر جدا ہوتا ہے، باقی اس کے سارے احساسات یہودی ہیں...... یہ انجیل شام، انطاکیہ میں لکھی گئی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہاں بہت سے یہودی آباد تھے...... باوجود اس کے کہ متی اس درجے میں پرانے عہد نامے کا داعی نہیں، وہ بنی اسرائیل میں محدود نہیں رہنا چاہتا۔‘‘

آگے متی اور مرقس کے بیانات کا فرق لکھ کر فرماتے ہیں:

’’یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تالیف اناجیل میں ان مؤلفین کے اپنے سیاسی ذہن کو بھی دخل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرانس کے مشہور

کیتھولک پادری کنین گیز رجو اپنے حلقے کا معتمد عالم ہے کی رائے میں ''یہ انجیلیں مختلف لوگوں نے اپنے اپنے طبقے کی نمائندگی میں لکھی ہیں اس کی رائے میں یہودی بزرگوں کا پہرے داروں کو رشوت دے کر ساتھ ملانا مزید ثبوت کا محتاج ہے (اسے کسی طرح ثابت نہیں کیا جاسکتا) ایک بات جو یونہی مشہور تھی متی نے اسے لے لیا ہے''۔اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ اناجیل کتنی تحقیق اور احتیاط سے تالیف ہوئی ہوں گی۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نسب نامے میں اختلاف :

انجیل متی کے پہلے باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نسب حضرت داوٗد علیہ السلام تک ۲۸/ واسطوں سے پہنچایا گیا ہے،لیکن انجیل لوقا باب ۳/ کے ورس ۲۴/ تا ۳۱/ تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت داوٗد علیہ السلام میں ۴۳/ واسطے ذکر کیے گئے ہیں۔

اناجیل کے اس اختلاف نے عیسائی مشنریوں کو بڑی الجھن میں ڈال رکھا ہے ان کیلئے کتاب مقدس کے ایک ایک لفظ پر ایمان لانا ضروری ہے اب وہ بیک وقت کس طرح ان متعارض بیانات پر ایمان رکھ سکتے ہیں۔اس الجھن سے ان کو کلیسا ہی نکال سکتا ہے اور کس کی ہمت ہے کہ اس میں ان کی کچھ مدد کر لے ہم سوائے اظہار ہمدردی کے اور کیا کر سکتے ہیں۔

کس کا یقین کیجئے کس کا یقین نہ کیجئے لائے ہیں بزم یار سے لوگ خبر الگ الگ

علامہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''ہمیں عیسائی پادریوں سے گہری ہمدردی ہے جنہیں ان دونوں انجیلوں پر بیک وقت ایمان لانا پڑتا ہے اور وہ اس صدمے سے ہر وقت پریشان رہتے ہیں کہ کس طرح ان متضاد بیانات پر ایمان لائیں۔''

بعض اہم واقعات کو لوقا، مرقس، یوحنا، بیان نہیں کرتے مگر متی بیان کرتی ہے۔علامہ صاحبؒ کی تحریر کے مطابق بعض اوقات انجیل میں ایک ہی بات میں تضاد ہوتا ہے اور بعض اوقات اناجیل میں اختلاف ہوتا ہے مثلاً لوقا کا بیان ایک اور یوحنا کا بیان دوسرا ہوتا ہے۔

عیسائی دنیا کے لیے یہ بات پریشان کن ہے کہ ایک انجیل کے دو متضاد بیانوں پر ایمان رکھنا پڑتا ہے مگر درست کونسا ہے؟ بعض اوقات لوقا اور یوحنا کا اختلاف،اب کونسا مضمون درست ہے؟ حالانکہ پادری صاحبان اناجیل ثلاثہ (لوقا، متی، مرقس) کو ہم خیال کہتے ہیں اور انجیل یوحنا ان سے مختلف ہے۔لیکن ہم خیال اناجیل کا بھی آیات کے اعداد و شمار میں بھی اختلاف ہے:

۱۔ انجیل متی اور مرقس کی مشترکہ آیات = ۱۷۸

۲۔ انجیل متی اور لوقا کی مشترکہ آیات = ۲۳۰

۳۔ انجیل مرقس اور لوقا کی مشترکہ آیات = ۱۳۰

خلاصہ:

اناجیل کی خانہ تلاشی کے بعد علامہ صاحب نتیجہ کے طور پر لکھتے ہیں:

''یہ صحیح ہے کہ انجیل اپنی ابتدائی صورت میں کبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں نہیں لکھی گئی، عیسائی اپنے مذہب کی اساس انجیل پر نہیں اناجیل پر رکھتے ہیں یہ اناجیل ان کے مصنفین نے اپنے اپنے ذوق، رجحانات اور نظریات کے مطابق مرتب کیں تاہم ان کا مشترکہ مؤقف یہ رہا ہے کہ حضرت مسیح کی تعلیمات ہیں جنہیں مختلف کہانیوں کے ساتھ اور مختلف پیرایوں میں کتاب مقدس میں جگہ دے رہے ہیں۔ (کب جگہ دی گئی یہ بھی مستقل سوال ہے)

علامہ صاحبؒ لکھتے ہیں: Vitecan Council نے کتاب مقدس کا دفاع کرتی رہی اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں اناجیل کے دفاع کا ایک مستقل شعبہ قائم تھا۔ جو بائبل کے ایک ایک لفظ کے گرد حفاظت کا حاشیہ کھینچتا رہا لیکن بیسویں صدی کے موجودہ تحقیقات نے خود انگلستان کو اس جگہ لا کھڑا کیا ہے کہ آکسفورڈ یونیورسٹی سے اس شعبہ کو یکسر بند کر دیا گیا، کیونکہ اس کا وجود اب بالکل بے فائدہ ہو گیا تھا۔''

الغرض علامہ صاحبؒ انجیل اور اناجیل کے فرق کو خوب واضح کرتے ہیں۔ وہ اناجیل کی ابتدائی تاریخ سے لے کر مختلف مراحل سے گزرنے تک تمام ادوار پر خوب نظر رکھتے ہیں۔ وہ ان کی کمزوریوں سے نہ صرف آگاہ بلکہ اُس پر محاکمہ قائم کرتے ہیں اور مسیحیوں سے سوال کرتے ہیں شاید ان کے پاس کوئی حل ہو، بعض دفعہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عیسائیوں کے علمی افلاس اور بے بسی پر زیر لب مسکراتے ہوئے افسوس کا اظہار کر رہے ہیں۔

علامہ صاحبؒ ان کو غور وخوض تدبر و تفکر کی اپنے انداز میں دعوت بھی دیتے ہیں کہ کیا یہی خدا کا کلام ہے جس کو دنیائے عیسائیت نے حق و باطل کا معیار بنا رکھا ہے۔

ایک ہے تو تین نہیں، تین ہیں تو ایک نہیں کا پیچیدہ عقیدہ:

علامہ صاحب اقانیم ثلاثہ یا عقیدہ تثلیث کی حقیقت کو بھی واضح کرتے ہیں اور اس عقیدہ کی کمزوریوں پر گرفت کرتے ہوئے یہ بھی بتاتے ہیں کہ سابقہ تمام انبیاء اس عقیدہ کے داعی نہ تھے، لہذا یہ عقیدۂ نجات نہیں ہے، بلکہ کتاب مقدس میں لفظ تثلیث نہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے عیسائیوں ہی کی کتاب ''قاموس الکتاب'' سے حوالہ نقل فرماتے ہیں اور یہ بھی بتانا چاہتے ہیں کہ دین صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تو نہیں آیا تھا بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے یہ سلسلہ شروع ہوا، ان کے بعد لاکھوں نبی آئے تو ان کے زمانہ میں اللہ کی معرفت کا کیا طریقہ تھا؟

نیز لکھتے ہیں کہ ''دین فطرت وہ ہے جسے ہر شخص، وہ عالم ہو یا غیر عالم، مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا جوان، امیر ہو یا غریب، آقا ہو یا غلام برابر کی سطح پر سمجھ سکے۔ جبکہ توحید فی التثلیث کے نام سے عیسائیوں پادریوں نے اپنے عوام کو بدھو بنا کر رکھا ہے اس گورکھ دھندے کا ذکر تو عہدنامے میں بھی نہیں ہے اور اقانیم ثلاثہ کے دعویٰ کا عقیدہ یا توحید فی التثلیث کا عقیدہ عوام تو کجا بڑے بڑے لوگوں کیلئے معمہ بنا ہوا ہے کہ ایک ہے تو تین نہیں، تین ہیں تو ایک نہیں، ہر سطح کے آدمی کیلئے سمجھنا مشکل ہے لہٰذا اُسے دین فطرت نہیں کہا جا سکتا''

علامہ صاحبؒ اس پر مزید گرفت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''یہ بات تاریخ کے کسی طالب علم سے ڈھکی چھپی نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہیں یہ لوگ ابن اللہ اور اقانیم ثلاثہ میں سے ایک کہتے ہیں اسرائیلی انبیاء کے سب سے آخر میں تشریف لائے اور دنیا آپ کی تشریف آوری پر (اور وہ بھی مدتوں بعد) آپ کے ابن اللہ ہونے سے متعارف ہوئی سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے آنے سے پہلے انبیاء خدا کا کس طرح تعارف کراتے رہے جن لوگوں نے نہ حضرت مسیح کو دیکھا اور نہ روح القدس کو اترتے پایا وہ اپنے دور میں خدا کا کیا تعارف کراتے ہوں گے اور مخلوق کو خالق کا کیا تصور دلاتے ہوں گے۔''

اگر اس نقطہ پر ایک لاکھ اور کئی ہزار نبی جمع ہوئے کہ کائنات کا پیدا کرنے والا ایک اور ایک ہی خدا ہے تو اب سلسلہ نبوت کے آخر میں کیا ضرورت پڑ گئی تھی کہ لوگوں کو توحید کے کھلے اور ستھرے عقیدہ سے نکال کر تثلیث کے مشکل گزار راستے سے باپ ، بیٹے ، اور روح القدس کے ایک خدا ہونے کا پتہ دیا جائے ، اس کی بجائے کیا یہی تعبیر بہتر نہ تھی کہ خدا بشری صفات میں اُترا ، ہندو ایسے اتروں کو اوتار کہتے تھے ، اور یہ لوگ (عیسائی) باپ کو سرچشمہ الوہیت مانتے ہوئے مسیح کو خداوند یسوع اور ابن اللہ پکارنے لگے۔

مسیحی علماء کو خود بھی اس تبدیلی عقیدہ کا احساس تھا ، اس لئے وہ تاریخ مذاہب میں نئے عہد نامے سے گھسے اور پچھلے انبیاء کے عہد سے وہ یکسر باہر نکل آئے حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو عقیدہ توحید ہی کی تعلیم دی اور آگے اسی کی اشاعت کرنے کا امر فرمایا۔

پادری سچے یا بائبل:

اب آیئے آپکو بائبل سے بتائیں کہ وہ خدا کا تصور کیا پیش کرتی ہے پھر آپ فیصلہ کریں کہ پادری سچ کہتے ہیں یا بائبل یہاں سچ کہہ رہی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد انجیل یوحنا کے سترہویں باب درس سوم میں ملاحظہ فرمائیں:

''اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے مانیں''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد میں توحید ورسالت کی وہی تعلیم ہے جو اسلام پیش کرتا ہے۔ یہاں خدائے واحد کا لفظ یسوع مسیح کے بالمقابل ہے ، معلوم ہوا یسوع مسیح اس واحد میں شامل نہیں ، یسوع مسیح کیلئے یہ الفاظ ہیں جسے تو نے بھیجا ہے عربی میں اسے رسول کہتے ہیں رسول کے معنی ہیں بھیجا ہوا حضرت مسیح نے خداوند کو واحد کہا اور اپنے آپ کو رسول کہا اور دونوں کو واؤ عطف سے علیحدہ علیحدہ کیا اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ واؤ اصلاً تغائر کے لئے ہوتی ہے۔ (کتاب الاستفسار: ۱۴۸)

جس طرح کسی واقعہ کے دو گواہ ہوں تو ان میں تغائر حقیقی ہوتا ہے ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی طرح اپنے آپ کو اللہ رب العزت سے علیحدہ قرار دیتے ہیں آپ یہاں کی زندگی میں کبھی اپنے آپکو خدا سے مخلوط نہیں کرتے ایک مقام پر یہودیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اور تمہاری توریت میں لکھا کہ دو آدمیوں کی گواہی مل کر سچی ہوتی ہے ایک تو خود میں اپنی گواہی دیتا ہوں اور ایک باپ

جس نے مجھے بھیجا ہے۔'' (انجیل یوحنا: باب:۸، ورس:۱۷، ۱۸)

خدا کی خدائی میں شرکت تو درکنار آپ اپنے آپ کو اس درجہ عاجز قرار دیتے ہیں کہ کوئی بات میرے قبضہ قدرت میں نہیں آپ فرماتے ہیں:

''میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کرسکتا جیسا سنتا ہوں عدالت کرتا ہوں اور میری عدالت راست ہے کیونکہ میں اپنی مرضی نہیں بلکہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی چاہتا ہوں''۔ (انجیل یوحنا: باب:۵، ورس:۳۰)

ان بیانات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں جس میں پہلے انبیاء علیہم السلام کھڑے ہیں۔

لفظ تثلیث کی ابتداء:

لفظ تثلیث کتاب مقدس میں موجود ہی نہیں اصطلاح تثلیث فی التوحید پہلی مرتبہ دوسری صدی عیسوی کے آخری عشرہ میں بزرگ Tertulian نے استعمال کی اور یہ مسئلہ مسیحی علم الٰہیات میں اس شکل میں چوتھی صدی عیسوی میں بیان کیا گیا۔ (قاموس الکتاب/۲۳۳)

پادری علی بخش انجیل مرقس کی تفسیر میں صاف اقرار کرتا ہے:

''یسوع کی شخصیت میں الٰہی جوڑ اور انسانی کمزوری دونوں باہم وابستہ ہیں ہم اس راز کو حل نہیں کرسکتے لیکن ہمیں اس خیال سے تسلی مل سکتی ہے کہ یہ ہمارا نجات دہندہ ہے۔ (تفسیر مرقس:۲۳۲)

علامہ صاحبؒ، علی بخش پادری کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔''

''جناب علی بخش صاحب یہی بات تو زیر بحث ہے کہ آپ کا یہ خیال کہ یسوع ہمارا نجات دہندہ ہے یہ بات کہیں حضرت مسیح سے ثابت بھی ہے یا نہیں جو بات خود محتاج ثبوت ہو وہاں اور کسی بات کا ذریعہ ثبوت کیسے ہوسکتی ہے یہ آپ کا محض ایک خیال ہے کوئی عقیدہ نہیں جو آسمانی کتابوں سے ثابت ہوا اور اگر بائبل میں آپ کہیں ایسے الفاظ ملتے ہیں جو یہ وہم دلاتے ہوں تو کتاب مقدس کی واضح آیات توحید کی روشنی میں ان متشابہات سے تمسک نہیں کیا جاسکتا۔'' (کتاب الاستفسار:۱۵۰)

مزید پادری صاحب کے سابقہ عقیدہ کی بھی وضاحت بیان کرتے ہیں:

''پادری علی بخش پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے اسی بناء پر آپ کے والد نے آپ کا نام علی بخش رکھا یہ اپنی تمام مشکلات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرتے اور علی مشکل کشا کی منادی کرتے اور جب بپتسمہ لیا تو اپنا وہی عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وابستہ کرلیا اور اب آپ انہیں نجات دہندہ سمجھنے لگے ہیں۔''

حضرت مسیح اگر آپ کے نجات دہندہ ہوتے تو آپ کو اپنی حاجات خدا سے مانگنے کی تلقین نہ کرتے اور یہ نہ کہتے کہ میں اپنے آپ کچھ نہیں کرسکتا انجیل متی میں حضرت مسیح کے اس ارشاد پر غور کرو اگر یہ بات آپ کے دل میں اترے تو آؤ حضرت خاتم النبیین ﷺ کے حلقے میں داخل ہو جاؤ کیونکہ حضرت مسیح کی یہ ہدایت آج اگر کہیں موجود ہے تو وہ صرف مسلمانوں کے پاس ہے جنکے

ہاں اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کہے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ حکم یہ ہے: ''جب تو دُعا مانگے تو اپنی کوٹھڑی میں جا اور دروازہ بند کر کے اپنے باپ سے جو پوشیدگی میں ہے دعا مانگ...... اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا اور دعا مانگتے وقت غیر قوموں کے لوگوں کی طرح بک بک نہ کرو کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بہت بولنے کے سبب ہماری سنی جائے گی پس انکی مانند نہ بنو۔ کیونکہ تمہارا باپ تمہارے مانگنے سے پہلے ہی جانتا ہے کہ تم کن کن چیزوں کے محتاج ہو پس تم اس طرح دعا مانگا کرو کہ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے۔'' (انجیل متی: باب ۶ سے ۹ تک)

عیسائیوں کا عقیدۂ نجات:

عقیدہ تثلیث کے بعد دوسرا عجیب وغریب عقیدہ، عقیدۂ نجات ہے۔

''عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے گناہوں کا کفارہ ہو کر مصلوب ہوئے اور آپ اپنے خون سے اپنے ایمان لانے والوں کے گناہ دھو گئے، نجات کا یہ نیا عہد ہے جو ان کے ہاں باندھا گیا ہے اسے عقیدہ کفارہ کا نام دیتے ہیں۔''

اس عنوان کے تحت علامہ صاحبؒ بتاتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے جتنے نبی آئے عقیدۂ نجات کی دعوت دیتے رہے اور ہم اہل اسلام اسی عقیدہ نجات پر قائم ہیں، کیونکہ جس عقیدہ کی دعوت سابقہ انبیاء نے دی حضور اکرم ﷺ نے بھی اسکی دعوت دی۔ وہ راہ نجات جس کی دعوت انبیاء علیہ السلام نے دی، توبہ واستغفار تھی۔

گناہ کو ترک کرنا توبہ اور سابقہ کی پردہ پوشی، ندامت یہ استغفار ہے۔

تمام اہل ایمان یا کفر سے توبہ کرنے والے اسطرح نجات پاتے رہے ہیں لیکن مسیحوں نے ایک نیا عقیدہ نجات متعارف کرایا، اس کا تجزیہ کرنے کے بعد آخر میں علامہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

''سو مسیحی دنیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے تصور سے ایک نئی راہ نجات سے آشنا ہوئی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے پہلے اُمتوں کا عقیدہ نجات وہ تھا جس کی تعلیم ان کے پیغمبروں نے دی تھی، وہ راہ نجات توبہ واستغفار تھی اور خدا کے فضل وکرم کا اعتقاد تھا۔'' (کتاب الاستفسار: ۱۵۶)

عقیدۂ شفاعت و عقیدہ کفارہ:

اہل اسلام چونکہ عقیدہ شفاعت کو حق سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم واجازت سے انبیاء علیہ السلام، صلحاء، قراء، علماء اور خصوصاً شفاعت عظمیٰ خاتم النبین ﷺ کے لیے مانتے ہیں۔ عیسائیوں پادریوں سے جب عقیدہ کفارہ کا دفاع نہ ہو سکا تو الزاماً عقیدہ شفاعت کو عقیدہ کفارہ کے قریب قریب بتلانے لگے۔

تو علامہ صاحب نے اس کے پانچ جوابات نقل کر کے اس کا بطلان واضح کر دیا کہ عقیدہ شفاعت کہاں اور عقیدہ کفارہ کہاں؟ زمین وآسمان، مشرق ومغرب بھی کبھی قریب ہوئے ہیں۔

پہلا جواب: عقیدہ شفاعت میں کسی گناہگار کے گناہ اُترتے ہیں لیکن وہ کسی پر لادے نہیں جاتے اور نہ اس گناہ کے

بدلے میں دوسرے کو سزا ملتی ہے جبکہ عقیدہ کفارہ میں گناہ گاروں کے گناہ ان سے اترتے ہیں مگر وہ کسی دوسرے پر لاد دیئے جاتے ہیں اور وہ ان کی سزا پاتے ہیں۔

دوسرا جواب: گناہگاروں سے گناہوں کا اترنا (صاف ہونا) خدا کا فضل و کرم ہے مگر ان کا کسی دوسرے بے گناہ پر لادنا (ڈالنا) ظلم ہے جس کا خدا کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

مزید تین جواب بھی بہت عمدہ اور زبردست ہیں، کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ صاحبؒ نے دونوں عقائد کا تقابل کر کے عقیدہ شفاعت حق ہونا اور عقیدہ کفارہ کا باطل ہونا ثابت کیا، جو انصاف پسندوں کو دعوتِ انصاف بھی ہے۔

اسلام اور عیسائیوں کے عقیدہ کفارہ کا فرق:

علامہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے اِس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کے نیک اعمال بعض اوقات برے اعمال کا کفارہ بن جاتے ہیں نیک اعمال سے برے اعمال ختم ہوتے ہیں پھر اس کی طرف عود نہیں کرتے اور نہ کسی دوسرے بے گناہ پر چڑھتے ہیں۔ مثلاً رمضان کا روزہ قصداً توڑنے والے پر دو ماہ کے روزے اس کا کفارہ، قسم توڑنے والے پر کفارہ ہے۔

علامہ صاحبؒ نے کتاب مقدس سے حضرت حزقیل کا حوالہ نقل کیا اور اس عیسائی عقیدہ کا باطل ہونا واضح کیا، چنانچہ نقل کرتے ہیں:

’’اور خداوند کا کلام مجھے پہنچا اور اس نے کہا کہ تم اسرائیل کے ملک کے حق میں یہ مثل کیوں کہتے ہو کہ باپ دادا نے کچے انگور کھائے اور اولاد کے دانت کھٹے ہوئے...... وہ جان جو گناہ کرتی ہے سو وہی مرے گی۔ (حزقیل باب ۱۸ اور سزا۔۴)

جبکہ عیسائیت کے مطابق مسیح علیہ السلام نے مصلوب ہو کر تمام عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا، لہٰذا اسلام کے اس کفارہ اور عیسائیوں کے عقیدہ کفارہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اسلام میں قربانی کی حقیقت:

علامہ صاحبؒ لکھتے ہیں انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے قربانی کرتا ہے، کبھی مالی قربانی اور کبھی بدنی قربانی اور کبھی مالی بدنی دونوں قربانی کرتا ہے (نیز رکوع، سجدہ، روزہ، طواف) یہ سب کی سب قربانیاں اسی ذات کی تلاش قرب کی کڑیاں ہیں آگے لکھتے ہیں کہ قربانی کی بنیاد دو چیزیں ہیں:

۱۔ قربانی کرنے والے کی نیت کہ میرے اس عمل کو اللہ تعالیٰ قبول فرمالے اور مجھے اپنا قرب بخشے

۲۔ ہر ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہوتا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی، جہاد میں اہل ایمان کی جانی قربانی، عیدالاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی قربانی وغیرہ

یہ سب اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے ہوتا ہے اختصار کے ساتھ میں نے اشارہ کیا اس عنوان کی تمہید لائق دید ہے۔

علامہ صاحب عقیدہ کفارہ میں قربانی کا تجزیہ و تحلیل کرتے ہیں اس انداز سے تجزیہ فرمایا کہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی واضح ہو کر رہ گیا۔ عیسائیوں کی قربانی میں پہلے ان کی نیت نہیں ہوتی، دوسرا اعلیٰ ادنیٰ پر قربان ہو رہا ہے۔ یہ بات قربانی کے اصول کے خلاف ہے۔

عیسائیوں کا عقیدہ کفارہ کا تجزیہ و تحلیل:

قربانی کا مسیحی تصور مسلمانوں کے قربانی کے تصور سے بالکل جدا ہے، عیسائیوں کا موقف ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب ہو کر ہمارے گناہوں کا کفارہ بنے اس میں ان کے ہاں (ان عیسائیوں کی) اپنی نیت کا کوئی دخل نہیں حضرت مسیح کی قربانی ان گناہ گاروں نے پیش نہیں کی نہ حضرت مسیح نے (حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح) خود اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کیا بلکہ خدا تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ حضرت مسیح کو سولی چڑھنا پڑا جب اس میں ان کی امت کے اپنے ارادہ اور نیت کا کوئی دخل نہیں تو یہ خون ناحق ان کے گناہوں کا کفارہ کیسے بن گیا؟ قربانی کسی کی ہوئی اور گناہ کسی کے جھڑ رہے ہیں معلوم نہیں یہ کون سی قسم کفارہ ہے اور اس میں کون سا فلسفہ زندگی ہے؟

ثانیاً قربانی کی بنیاد کہ ادنی اعلیٰ پر قربان ہو، یہاں گنگا الٹی بہہ رہی ہے کہ اعلیٰ ادنیٰ پر قربان مانا جا رہا ہے، خداوند یسوع مسیح اپنے بندوں پر قربان ہو کر سولی چڑھ رہا ہے یا پیغمبر خدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اپنے امتیوں پر قربان ہو رہے ہیں، دونوں صورتوں میں یہ قربانی ادنیٰ کی اعلیٰ کے لیے نہیں ہے اور یہ بات قربانی کے اصول کے خلاف ہے۔

علامہ صاحب نے پھر ایک قدم آگے بڑھا کر انہی کی کتاب سے ان کی قربانی کا رد فرما دیا:

''کتاب مقدس میں صرف مالی قربانی انسان کے گناہوں کا فدیہ قرار دی گئی ہے اور نئے عہد نامے نے اس اصول کو منسوخ کیا امثال سلیمان میں ہے:

''دو آدمی کی جان کا فدیہ اس کا مال اور اسباب ہے درس ۸/ دانشمند کا قانون حیات کا سر چشمہ ہے تا کہ وہ موت سے چھٹکارہ پائے درس۔۱۴ (امثال باب ۱۳) اس عبارت سے معلوم ہوا جان بچانے کیلئے مال کا فدیہ دیا جائے مالی قربانی دے کر اپنے آپ کو موت سے بچاؤ''۔

علامہ صاحبؒ نے آگے ایک سوال قائم کر کے عقیدہ کفارہ و قربانی کی جڑ ہی کاٹ دی۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ انسان پیدائشی گناہ گار ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی جان کی قربانی پیش کر کے انسان کے پیدائشی گناہ دھو ڈالے، عورت کو پیدائشی گناہ کی سزا یہ ملی تھی کہ اس کو دردزہ میں مبتلا ہونا پڑتا تھا اور مرد کو پیدائشی گناہ کی سزا یہ ملتی تھی کہ وہ اپنے پسینے کی روٹی کھائے گا۔

اب علامہ صاحبؒ نے سوال قائم کر دیا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس پیدائشی گناہ کا کفارہ بن گئے ہیں تو پیدائشی گناہ کی سزا سے اب چھٹکارہ حاصل ہونا چاہیے تھا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے گناہ دھو گئے تو کم از کم عیسائی عورت تو درد

زہ میں مبتلا نہ ہوتی اور مرد پسینے کی کمائی نہ کھاتے لیکن مشاہدہ اس کے برعکس کہ اس دعویٰ کے باوجود مسیح عورت بچہ جنتے وقت دردزہ میں مبتلا ہوتی ہے اور مرد اپنے پسینے کی محنت سے روٹی کماتے ہیں۔ اگر دردزہ اور پسینے کی روٹی کھانا سزا تھی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی پر چڑھ جانے کے بعد یہ سزا باقی کیوں ہے؟ مسیحی اُصول کہاں گئے؟

انسان پیدائشی طور پر گناہ ہے بوجہ حضرت آدم علیہ السلام کے شجرہ ممنوعہ کھانے کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جان کی قربانی دے کر اس گناہ کو دھوڈالا۔

سینٹ پال جس نے عیسائیت کو اصل دین مسیح سے نکال کر موجودہ شکل دی ہے وہ اس باب میں کیا کہتا ہے یہ بھی پڑھنے کے قابل ہے۔

علامہ صاحب پال کا نئے عہدنامے میں خط نقل کرتے ہیں جو رومیوں کے نام ہے:

جو کام شریعت جسم کے سبب کمزور ہو کر نہ کر سکی وہ خدا نے کیا، یعنی اس نے اپنے بیٹے کو گناہ آلود جسم کی صورت میں اور گناہ کی قربانی کیلئے بھیج کر جسم میں گناہ کی سزا کا حکم دیا تا کہ شریعت کا تقاضا ہم میں پورا ہو۔ (رومیوں کے نام باب ۸ درس ۲۔۳)

یہاں خاص کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم کو گناہ آلود جسم کہا گیا ہے بقول مسیح حضرات کے جو پیدائشی طور پر گناہ گار ہو دوسرے گناہ گاروں کو نجات کیسے لے کر دے گا؟

اناجیل تضادات کا مجموعہ ہے اس کو سلجھانا مسیحیوں کے بس کا کام نہیں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل تھی اور یہاں اناجیل ہیں فرق صاف ظاہر ہے۔

تصویر بڑی صاف ہے سبھی جان گئے آئینہ انکو جو دکھایا تو برا مان گئے

علامہ صاحب ایک ایک عبارت سے کئی کئی باتیں نکالتے ہیں اور پھر نقل کرتے چلے ہیں، احقاق حق اور ابطال باطل کے حوالے سے ان کا یہ مقدمہ لاجواب ہے اللہ تعالیٰ استفادہ کی توفیق نصیب فرمائیں (آمین)۔

عشاء ربانی Last Sulper

علامہ صاحب نے ایک عنوان قائم کیا ''عیسائیوں کا طریق عبادت'' اس عنوان کے تحت بہت ہی کام کی باتیں لکھیں ،عیسائیوں پر بہت سے سوال قائم کر گئے جن کے جوابات ان کے ذمہ ہیں۔ ان میں سے ایک مسئلہ ''عشاء ربانی'' کو ان کے علوم و تحقیقات کی روشنی میں بیان کرتا ہوں ۔عیسائیوں کی عبادت کا طریقہ نقل کرتے ہوئے چھٹے نمبر پر عشاء ربانی (Last Sulper) کا ذکر فرماتے ہوئے علامہ صاحب لکھتے ہیں:

''کہ ایک خاص قسم کی میز پر صاف کپڑا اچھا دیا جاتا ہے اور اس پر روٹی اور شراب رکھ دی جاتی ہے روٹی پر ایک مہر لگاتے ہیں اور شراب میں پانی ملا دیا جاتا ہے ساتھ ساتھ دعائیں اور پھر آخر میں بڑی دعا Lords Prayer پڑھی جاتی ہے، مبارک روٹی کاٹی جاتی ہے اور اس روٹی کا ایک ٹکڑا شراب کے برتن میں ڈالا جاتا ہے پھر پادری اور سب حضرات اس پانی کو جس میں متبرک

روٹی ملائی گئی تھی کھاتے ہیں اور ان سب کا عقیدہ ہوتا ہے کہ مسیح کا گوشت کھا رہے ہیں اور اس کا خون پی رہے ہیں''

اس رسم کا علامہ صاحبؒ اپنے انداز میں اس کا ابطال کرتے ہیں:

''یہ عشاء ربانی حقیقت ہے یا شاعری؟ مذہب ہے یا افسانہ؟ یہ اس وقت موضوع سخن نہیں ہے۔ آپ جو نام چاہیں اس دعوت کو دیں ہم یہ سوال کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس عشاء ربانی میں قربانی کا کون سا پہلو مضمر ہے۔............حضرت مسیح کا خون جو ابھی صلیب پر نہیں بہا، وہ ان حواریوں کے پیٹ میں پہلے کیسے اتر گیا، اب تک اس روٹی اور پانی کو حضرت مسیح کا گوشت اور خون قرار دینے میں کونسی سنجیدگی اور مقبولیت ہے یہ وہ صورت ہے جسے عیسائی عبادت سمجھتے ہیں اور اس کیلئے ہر اتوار کو جمع ہوتے ہیں۔''

علامہ صاحب سینٹ پال کے بنائے ہوئے اس عقیدہ پر رد فرماتے ہیں اور عیسائیوں کو دعوت انصاف دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

''مسیح کتاب مقدس کے بموجب ہمارے گناہوں کیلئے مرا او دفن ہوا اور تیسرے دن کتاب مقدس کے بموجب جی اٹھا۔ (کرنتھیوں کے نام باب ۱۵ درس ۳۔۴)

تیسرے دن جی اٹھنا اور اپنے جسد عنصری سے آسمان پر چلے جانا اور قیامت سے پہلے ایک دن پھر آئے گا اور زندوں اور مردوں کا محاسبہ کریگا اس دوران تمہاری عبادت یہی ہے کہ گرجا میں جا کر زندگی کی روٹی جو پادری کاٹے مسیح کا گوشت سمجھ کر کھاؤ اور پانی مسیح کا خوان سمجھ کر پیو اور سمجھو کہ اس طرح مسیح تمہارے اندر اتر گیا اور تم اس کے ہو گئے۔۔۔عیسائی اس عقیدہ کو لیتے ہیں کہ اب مسیح کا گوشت اور خون ان کے اندر بسا ہوا ہے اور ان کی روح سے مل گیا۔ (کتاب الاستفسار/ ۱۶۸)

جب پادری لوگ جو خود اتوار کے دن گرجے میں زندگی کی روٹی کاٹتے ہیں اور اپنے مقتدیوں کو مسیح کا خون پلاتے ہیں کیا وہ خود کبھی کسی گھناؤنے جرم میں نہیں پکڑے گئے اور کیا ان میں سے کوئی کبھی کسی عدالت میں مجرم نہیں ٹھہرایا گیا؟ تو کیا پادری یہ سب گناہ اسی حالت میں کرتے رہے کہ مسیح کا گوشت اور خون بھی ان کے اندر بسا ہوا تھا اور روح القدس ان میں اُترا ہوا تھا؟

علامہ صاحبؒ فرماتے ہیں تنقید کے ساتھ تاریخ پر بھی نظر رہنی چاہیے، بعض اوقات نظریات کا نظریات سے جواب دینا طویل ہو جاتا ہے مگر تاریخ اس کی حقیقت سے پردے اٹھا دیتی ہے اور اس چیز کی حقیقت سامنے آجاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گوشت اور خون کھانا، پینا ان کی قربانی کے بعد شروع ہوا، لیکن اس معاملہ میں انکی کتابیں ان کا ساتھ نہیں دیتی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخری کھانا جس کا ذکر انجیل متی نے (باب ۲۶ درس ۲۔۳) میں کیا ہے۔

یہ آخری کھانا ''عید مسیح'' کے دن تھا جو یہودیوں کا تہوار تھا، متی کے مطابق یہ کھانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے سے پہلے شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ انگریز مصنف اے ٹرائی کاٹ **(A Tricot)** نے نئے عہد نامے کی ایک مختصر ڈکشنری لکھی ہے۔ اس میں وہ **(Eucharist)** کے تحت لکھتا ہے:

''آخری کھانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارہ حواریوں کے ساتھ کھایا اور دوران آپ نے قربانی **Eucharist** کا آغاز کیا'' اب متی کی عبارت دیکھیں:

''اور جب شام ہوئی۔۔۔جب وہ کھا رہے تھے تو یسوع نے روٹی لی اور برکت چاہ کر توڑی اور شاگردوں کو دیکھ کر کہا کہ کھاؤ یہ میرا بدن ہے اور پیالہ دے کر کہا کہ اس سے پی لو کیونکہ یہ عہد کا میرا وہ خون ہے جو بہتریوں کیلئے گناہ کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے۔(انجیل متی باب ۲۶ درس ۲۰۔۳۰)

عشاء ربانی حقیقت ہے یا شاعری، مذہب ہے یا افسانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خون ابھی صلیب پر بہا نہیں ہے مگر وہ حواریوں کے پیٹ میں پہلے کیسے اتر گیا؟ کیا اب مسیحوں میں اس پاکیزہ خون کے اثرات ہیں؟ اگر ہیں تو وہ گناہ کیوں کرتے ہیں؟ اور اب بھی ان کے جسم گناہوں سے آلودہ کیوں ہیں؟

علامہ صاحب اس نظریہ پر ایک اور بوجھل پتھر بھی رکھ کر سوال کرتے ہیں اور ان کا سوال اب بھی عیسائیت پر قائم ہے۔ فلسطین کے مختلف نظریات پر بحث کرتے ہوئے جہاں انہوں نے یہودی مذہب فلر کولیا یونانی ہفوات اور افلاطونیت کا مختصر جائزہ لیا وہیں پر متھر اازم (Mithraism) کو بھی لیا اور بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے تقریباً پون صدی پہلے یہ روم کا سب سے بڑا مذہب تھا، ان کی اصل ایران سے چلی تھی، ایران کی مغربی فتوحات سے یہ نظریات یورپ میں آئے جونہی عیسائیت پھیلی یہ نظریات دیتے چلے گئے۔

اس عقیدے میں روٹی، پانی اور شراب عبادت کے متبرک اجزاء سمجھے جاتے تھے اور کنواری عورتیں خدا کے نام کی آواز دیتی تھیں عیسائیت پھیلی تو اس نظریہ (میتھر اازم) سے گہرے اثرات لئے، عیسائیوں میں عبادت کے وقت گھنٹیوں اور موم بتیوں کا استعمال روٹی اور پانی کا استعمال اس نظریہ سے لیا ہوا معلوم ہوتا ہے، گرجاؤں میں مسیح کے خون کے نام سے جو پانی پلاتے اور روٹی کھلاتے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گوشت بنا کر کاٹتے ہیں اس میں متھر اازم نہیں تو اور کس بیرونی فکر کی جھلک ہے؟ عیسائیوں میں عشاء ربانی کا عمل کیا اُنہیں سے تو ماخوذ نہیں۔؟ (کتاب الاستفسار:۱۲۱)

کتاب مقدس میں حضرت خاتم النبین ﷺ کی خبر:

علامہ صاحب نے اس عنوان کے تحت پرانے عہد نامے اور نئے عہد نامے سے حضور خاتم النبیین ﷺ کی نبوت کا اعجاز ثابت کیا کہ موجودہ کتاب مقدس گو تحریف کے کئی ادوار سے گزری ہے تاہم حضرت خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کی خبر واضح طور پر موجود ہے۔ مقدمہ کتاب کے آخری حصہ میں بہت سے دلائل پیش کئے ہیں جس سے خاتم النبین ﷺ کی نبوۃ کا واضح ثبوت ملتا ہے ، پھر ان پیشن گوئیوں کی جس قدر تاویلیں کی جائیں تو پادری صاحبان اپنا مدعا ثابت نہیں کر سکتے بلکہ بعض اوقات اپنی بے بسی کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ ''ضد پر اڑے رہنے سے بہتر ہے کہ بندہ حق کو قبول کرلے''۔

اس حصہ میں علامہ صاحب نے چار بڑی پیشین گوئیوں کا ذکر کیا ہے، اور پوری تحدی کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ اس سے مراد امام الانبیاء حضرت محمد عربی ﷺ ہی ہیں۔

پیشن گوئیاں اور انکے عنوانات:

۱۔ وہ عہد کا نبی بنو اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا۔

۲۔ آتشیں شریعت لے کر آنے والے کی خبر

۳۔ آنے والے شیلوہ کی بشارت

۴۔ سلامتی کا شہزادہ کون ہے؟

پادری حضرات ان پیشین گوئیوں اور خبروں کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بتاتے ہیں لیکن ان کے دلائل پڑھنے کے بعد ایک عام قاری بھی مطمئن نہیں ہوتا چہ جائکہ ایک علمی شخصیت کو یہ باتیں اپیل کریں۔

متذکرہ چار پیشین گوئیوں پر علامہ صاحب نے ایسا دل آویز، محققانہ، مضبوط دلائل و براہین کے ساتھ کلام فرمایا کہ مسیحیت ان کے دلائل کا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہے، ان کے محققانہ کلام اور استدلالات کو پڑھ کر ایک مؤمن کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور بے اختیار اسکی زبان پر یہ دعائیہ کلمات جاری ہو جاتے ہیں:

رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلاً وَّ بِالْإِسْلَامِ دِيْنًا

علامہ صاحب نے اس حصہ کے ابتدا میں کتاب استثناء کی عبارت نقل فرمائی: ’’میں ان کے بھائیوں میں تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ (کتاب استثناء باب ۱۸ درس ۲۳۔۲۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کی بعثت کی یہ خبر دی۔

علامہ صاحب فرماتے ہیں ’’بنو اسرائیل کے بھائی کون ہیں؟ بنو اسماعیل جو فاران کے اردگرد آباد تھے یہ کونسا اسماعیلی نبی ہے جس کی خبر دی جارہی ہے۔

درج بالا تمام پیشین گوئیوں کا مصداق آمنہ کے لعل عبداللہ کے دریتیم فاران کی چوٹیوں پر دس ہزار قدسیوں کے ساتھ جلوہ گر ہونے والے حضرت اسماعیل کی اولاد سے...... تعلق رکھنے خاتم النبین حضرت محمد عربی ﷺ کے حق میں دلائل کی پوری قوت سے ثابت کر کے مخالفین کو مبہوت ولا جواب کر دیا۔

جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلَ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

بہر حال یہ مقدمہ طالب علموں کے لیے خصوصاً اور تمام مسلمانوں کے لیے بالعموم لائق مطالعہ ہے، اس مقدمہ کو پڑھنے کے بعد علامہ صاحب کے وسعت مطالعہ، علمی وثوق، گہری نظر احسن انداز سے ایک کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری دلیل مخالف پر پیش کرتے چلے جانا اور اپنے مخالف کو سکوت پر مجبور کر دینا آپ ہی کا خاصہ تھا۔ باوجود تمام تر علمی بلندیوں کے آخر میں عجز وانکساری کا اظہار معرفتِ الٰہی کے ابحار سے سرشار ہونا نہیں تو اور کیا ہے؟ لکھتے ہیں:

’’یہ مقدمہ بھی کوئی نئی تحقیق نہیں، اسی کتاب کا ایک اجمال ہے اس کتاب کو لکھے اب ڈیڑھ سو سال ہو رہے ہیں، اس کی

ترتیب اور مضامین کی تقریب اُس وقت کے حالات کے مطابق ہے، انہیں اِن حالات سے مطابق کرنے کے لیے احقر نے یہ سطور قلم بند کی ہیں تا کہ کتاب ھذا کے مضامین قارئین کے لئے سہل الوصول اور قریب الحصول ہو جائیں۔ **وما ذٰلک علی اللّٰہ بعزیز۔**

قارئین اگر کسی جگہ کسی قسم کا ابہام پائیں یا تعارض محسوس کریں تو راقم الحروف کو مطلع کر کے شکر گزاری کا موقع دیں۔

ھذا ما تیسرلی واللّٰہ اعلم و علمہ اتم واحکم۔ (خالد محمود)

''کتاب الاستفسار'' بڑی بلند و بانگ کتاب ہے، اس کے باوجود چونکہ اس کی زبان قدیم تھی، علامہ صاحبؒ نے ایسا شاندار مقدمہ لکھا جس کی وجہ سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی اور اب کتاب سے استفادہ آسان ہو گیا ہے۔ مزید اللہ تعالیٰ کا کرم و احسان اس اُمت پر کہ اسی کتاب کی تسہیل ''مکالمہ بین المذاہب'' میں مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرؤف فاروقی صاحب دامت برکاتہم فرما رہے ہیں جس سے کتاب کا سمجھنا اور سہل ہو گیا ہے۔

ادارہ دارالمعارف (لاہور) بھی مبارک باد کا مستحق ہے کہ اُمت مسلمہ کے ہاتھوں میں انکی وساطت سے یہ عمدہ کتاب آئی مزید اس اُمید پر کہ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو حضرت مولانا سید آل حسن مہانی رحمہ اللہ کی دوسری کتاب کا ''کتاب الاستبشار'' کو بھی منظر عام پر لانے کی توفیق ارزانی نصیب فرمائیں۔ آمین

اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کو ان کتب سے استفادہ کی توفیق عطا فرما کر احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ سرانجام دینے کی توفیق عطاء فرمائیں اور علامہ صاحبؒ کی خدمات جلیلہ کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرما کر آخرت میں بہترین جزا عطا فرمائیں۔ آمین

وہ آفتاب علم تھے، عرفاں کے آسماں	دانشوری کا شہر تو حکمت کا اِک جہاں
وہ نکتہ داں کہ اہل قلم دم بخود ہوئے	اُن کی کرامتوں سے نہاں راز یوں کھلے
ہر حرف اُن کا باب، تو ہر لفظ تھا کتاب	وہ فلسفی کہ ذات میں رکھتے نہ تھے جواب
تھے اتباع سنت ِنبویﷺ پہ گامزن	خائف تھے اُن کی ذات سے تھے جتنے راہزن

وصلی اللّٰہ علی النبی الکریم سید المرسلین وخاتم النبیین وعلی آلہٖ واصحابہٖ واتباعہٖ اجمعین الیٰ یوم الدین

☆......☆......☆......☆

مولانا رضوان عزیز

عقیدہ ختم نبوت کے گرد پہرہ دیتی چار عظیم الشان کتابیں

علامہ خالد محمودؒ کا علم و دانش سے چولی دامن کا ساتھ ہے، بات کسی بھی علمی معرکہ کی ہو، علامہ صاحبؒ اپنے زمانے میں اس میدان کے جرنیل ہی نظر آئیں گے، اگر چہ علامہؒ نے علم وفکر کا کوئی کھیت ایسا نہیں چھوڑا جسے اپنے نوادر علمی کی بارش سے سیراب نہ کیا ہو، مگر حبِ صحابہ اور دفاع ختم نبوت، یہ دو عنوانات ایسے تھے کہ علامہ صاحب کا خمیر ہی گویا اس زمین سے اٹھایا گیا تھا جہاں صحابہ کے عشق کے باغات اگتے ہیں اور جن باغوں کے سایے میں خدام ختم نبوت داد عیش دیتے ہیں۔

علامہ صاحب کی اس دقیق علمی محاذ پر خدمات پیش کرنے سے قبل ضروری ہے کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی زبانی مختصراً تین امتوں کا تعارف پیش کر دیا جائے تا کہ حضرت علامہ صاحب کا مقام سمجھنا آسان ہو جائے۔

حضرت حکیم الاسلامؒ فرماتے ہیں:

”کہ تین ملتیں اصل ہیں: یہودیت، نصرانیت اور حنفیت، باقی سب اقوام وملل بلواسطہ یا بلا واسطہ انہی کی خوشہ چیں ہیں، ان تین ملتوں کے اصل الاصول ہونے کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کچھ اس طرح فرمایا ہے: **قالوا کونوا ھودا او نصاری، تھتدوقل بل ملة ابرھیم حنیفاً** ۔ کہ وہ کہتے ہیں یہودی یا عیسائی ہو جاؤ فلاح و ہدایت پاؤ گے، آپ ان سے کہ دیجئے کہ ملۃ ابراہیمؑ کی طرز پر دین حنیف یعنی دین اسلام ہی میں فلاح ہے۔ ان تین ملتوں کی عادات اور فطرت میں اپنے انبیاء کی شان اعجاز کارفرما ہے، سیدنا موسیٰؑ کے لیے اللہ نے ید بیضاء اور عصاء کا معجزہ دیا، ان کی لاٹھی سانپ بن کر اپنی ہیئت کو تبدیل کر لیتی تھی، دریا رستوں میں بدل جاتے تھے، من وسلویٰ خوراک بن جاتی اور ان کے مخالفین پر بھی اسی تبدیلی ہی کا رنگ بصورت عذاب کارفرما رہا، پانی کا خون بن جانا، خوراک کا ٹڈیاں اور مینڈک بن جانا وغیرہ وغیرہ

سیدنا موسیٰؑ کے دنیا سے جانے کے بعد ان کے متبعین نے بجائے اس کے اس مثبت تبدیلی کو اپنی فلاح کا ذریعہ بناتے، گناہوں کو نیکیوں میں بدلتے، دل کی سیاہی کو نور استغفار سے منور کرتے، مگر انہوں نے اللہ کے احکام تبدیل کرنے کی غیر اخلاقی ذمہ داری اٹھالی اور ہفتے کے دن شکار ممنوع تھا انہوں نے ہفتے کو شکار کو گھیرنے کے لیے مختص کر دیا، چربی والے جانوروں کے متعلق شریعت موسوی کو تبدیل کر دیا وغیر ذالک۔

ان کے بعد سیدنا مسیح علیہ السلام کا تشریف لائے جو تورات کے احکام کی تکمیل کے لیے انجیل لائے۔ یہودیت کی کجروی کو راہ روی فراہم کی، مگر یہود ایسے سانپ تھے جوان کو ڈسنے سے باز نہ آئے، سیدنا عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے مردے زندہ کرنے، مادر زاد نابیناؤں کو بینائی بخشنے، مٹی سے پرندے بنانے جیسے معجزات سے نوازا، مگر قوم عیسیٰؑ اپنے نبی کی شان اعجاز کو غلط رنگ دینے میں پیچھے نہ رہی، جس طرح قوم یہود تبدیلی والی قوم بن گئی ایسے ہی قوم نصاریٰ نے پرندوں کے زندہ کرنے سے تصویر سازی کا شعبہ

سنبھال لیا اور ایک فلمی امت بن کر رہ گئی، اس وقت پوری دنیا کی فلم انڈسٹریز کے کرتا دھرتا عیسائی ہی ہیں، طب کے نام پر پوری دنیا کی آنکھیں چھین کر چراغ بانٹنا بھی قوم نصاریٰ ہی کا مکروہ چہرہ ہے، آخر میں نبی آخر الزمان فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے، آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار معجزات سے نوازا، لیکن جس معجزہ کو دیگر اقوام کے مقابل مابہ الامتیاز بنایا وہ معجزہ قرآن پاک کا ہے، جو رہتی دنیا تک نسل انسانی کا عجز ظاہر کرتا رہے گا، اس معجزہ نے محمد ﷺ کی امت کو ایک علمی امت بنا دیا۔

اب قوم یہود کی تبدیلیوں کی آزمائش بھی ان کی شکلیں تبدیل کرنے سے آئی، احکام موسوی سے روگردانی کی سزا میں ان کی جائے سکونت بھی تبدیل ہوتی رہی اور یہ پوری قوم بحیثیت مجموعی خانہ بدوش بن گئی۔

امت محمدیہ چونکہ علمی امت تھی، اس کی علمی خدمات نے چار دانگ عالم کو نور علم سے ضوء کر دیا ہے۔ اس کی آزمائش بھی علمی فتنوں کے ساتھ رکھی گئی اور دجال اکبر سے پہلے پہلے اور بے شمار دجاجلہ سے نبرد آزما کیا گیا، تا کہ یہ **انی جاعل فی الارض خلیفة** کی حقیقی مستحق اور خدا کے آخری پیغام کی حامل امت کہلواتے ہوئے عار محسوس نہ کریں۔ [ملخص از قاری محمد طیب صاحب]

یہاں تک بات تھی قاری محمد طیب صاحبؒ کی جن کو راقم نے بطور خلاصہ اپنے الفاظ میں قلمبند کر دیا، یہ تمہید ہے اس مرد مجاہد کی خدمات کی جس کا تذکرہ کرنے سے علمی دنیا کی ایمانی کیفیت میں پر کیف ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ مرد قلندر اس حدیث کا مصداق تھا جس میں آپ ﷺ نے اپنی امت کے علمی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے پیش منظر کی وضاحت یوں فرمائی تھی:

"یحمل هذاالعلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاهلین او کما قال." اس حدیث کے معنی کی تہہ میں جتنا بھی اترتے چلے جائیں علامہ صاحب کا چہرہ اتنا ہی نکھر کر سامنے آتا چلا جاتا ہے، امت محمدیہ کو اپنے یوم تاسیس سے آج تلک ہزاروں بار خونریز جنگوں سے گزرنا پڑا، جب جغرافیائی سرحدوں کے دفاع ظلم کے خاتمے اور قیام عدل کے لیے ان کو تلوار اٹھانی پڑی، جانبین میں خون بہا، یہ باب تلخ ہے، لیکن پھر بھی ایسا نہیں کہ کبھی ان کے لیے امن کا مرحلہ نہ آیا ہو یا کبھی یہ سیاسی جنگ موقوف نہ ہوئی ہو، ایسے کئی سال بھی آئے کہ امت مسلمہ بحیثیت مجموعی امن و سکون سے مصروف زندگی رہی، مگر پوری تاریخ میں ایک دن بھی ایسا نہیں ملتا جب اس امت کو علمی محاذ پر کسی معرکہ کا سامنا نہ رہا ہو، فکری یلغار اس پر ہمہ وقت ہوتی رہی اور امت کے علماء محققین اپنے علم و شعور اور فہم و دانش سے امت مسلمہ کے نظریاتی تشخص کی حفاظت کرتے رہے۔

آپ ﷺ نے ان لوگوں کے لیے صحابہ جیسے اجر کی بشارت دی جو اہل فتن سے ٹکرائیں گے اور منکرات کے خلاف اپنی صلاحیتیں صرف کریں گے۔ مسند احمد بن حنبلؒ میں حدیث مبارکہ ہے: **"عن النبی ﷺ "ان من امتی قوماً یعطون مثل اجور اولهم فینکرون المنکر.** [مسند احمد بن حنبل، رقم: ۶۵۹۲] میری امت میں ایسی قوم بھی ہوگی جو صحابہ جیسا اجر پائے گی اور یہ لوگ منکرات کے خلاف نبرد آزما ہونے والے ہوں گے۔

تاریخ اسلام ان قلم و قرطاس کی نمازیوں کے تذکروں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے اپنی عقل و فکر اور اپنے علمی

ہتھیاروں سے ان مشکوک وشبہات کی کھیتوں کو تلف کر دیا جن سے اگنے والے کانٹوں نے امت کے لیے سیدھی راہ چلنا مشکل بنا دیا تھا۔ برصغیر پاک وہند میں اسی فکری الحاد اور فکر اعتقادی فساد کی مرکزی شخصیت جو قرن الشیطان کی حیثیت سے قادیان نامی بستی میں طلوع ہوئی اور امت مسلمہ کو ختم نبوت کے مقدس پہرے سے نکال کر کفر کی تاریک گھاٹی میں گرانا چاہا تو امت مسلمہ کے بہترین دماغ اور چنیدہ لوگ اس کی سرکوبی کے لیے میدان میں اترے اور یوں معرکہ برپا کیا کہ کادنیت نامی اس بوٹی کے کاشت کار بھی اپنے کھیت کی بے بسی پر آنسو بہانے لگے۔ ۱۸۴۰ء میں مسلم گھرانے میں پیدا ہونے والے اس غیر مسلم فری میسن مرزا غلام احمد قادیانی نے ۱۸۸۹ء میں لدھیانہ شہر میں بحثیت آسمانی مامورْ اپنی پہلی بیعت لے کر امت اسلامیہ سے اپنے لیے الگ راہ تجویز کر لی تھی۔

امت مسلمہ کے ایمان واسلام کا محافظ طبقہ علماء نے بھرپور علمی مزاحمت کی اور نوزائیدہ کفر پر مبنی فرقے کے تار پور بکھیر کر رکھ دیئے **"یحمل هذا العلم من كل خلو عدوله."** کا مصداق یہ علماء اسلام کا مبارک طبقہ اگرچہ اس کا ہر فرد ایک جماعت کی حیثیت رکھتا تھا، مگر جس طرح ہر پھول کی خوشبو اور پھل کا ذائقہ جدا ہے، ایسے ہی علامہ خالد محمودؒ ملت اسلام کی سرحدوں کی پون صدی تک نگہبانی کرنے والے اس مرد قلندر کا انداز بیان بھی سب سے جداگانہ ہے، برصغیر پاک وہند کے اکابر کی صحبت اور حاشیہ نشینی نے اس ذرے کو آفتاب اور فانی کو خالد بنا دیا۔

علامہ صاحبؒ کی ختم نبوت کے محاذ پر سب سے بڑی خدمت ان کا وہ قلمی کارنامہ ہے جو کم وبیش چار کتابوں میں بہت تفصیل اور شرح بسط کے ساتھ ایسے انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی محروم القسمت سوختہ بخت کادیانی بھی غیر جانبداری سے حضرت علامہ کی ختم نبوت پر لکھی ہوئی تحاریر وکتب کا مطالعہ کر لے تو اس کی قسمت کی اجڑی مانگ پھر ایمان کے سندور سے چمک سکتی ہے، اب ضروری ہے کہ علامہ صاحب کی ختم نبوت کے دفاع میں لکھی ہوئی کتب کا تعارف پیش کر دیا جائے تاکہ کوئی بھی شخص اس فیض سے محروم نہ رہے اور واضح رہے میرے اس عریضہ میں علامہ صاحبؒ کی صرف ان کتب کا تعارف ہوگا جو ختم نبوت کے عنوان سے وابستہ ہیں اور بقیہ عنوانات ان کے باقی عقیدت مندوں کے لیے ہیں۔

(۱)......عقیدہ الامت فی معنیٰ ختم النبوت:

آج [۲۰۲۰ء] سے تقریباً ۷۰ رسال قبل امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مجاہد ختم نبوت مولانا محمد علی جالندھریؒ کی فرمائش پر حضرت علامہ خالد محمود صاحب نے یہ کتاب لکھی جو کہ کادنیت کا مقدمہ سمجھنے کے لیے ایک بنیادی اکائی کی حیثیت رکھتی ہے۔ ۴۰۰ رصفحات پر مشتمل یہ دقیق کتاب نبوت تشریعی، غیر تشریعی، کادیانی نبوت کی پانچ خصوصیات، حضور ﷺ کی ختم نبوت کے اعلیٰ تعارف، ختم نبوت مکانی کی بحث، مرزا غلام احمد کادیانی کے مختصر تعارف، قرآن وحدیث اجماع امت اور آثار سلف صالحین سے عقیدہ ختم نبوت کی وضاحت، فقہاء متکلمین کی تصریحات، صوفیا کی عبارات کی توضیحات اور مرزا غلام احمد کادیانی کی عقیدہ ختم نبوت پر بے چین کروٹوں کی نشان دہی، ختم نبوت پر مسلمانوں کی حساسیت وبیداری اسلام اور امت پر کادیانی افتراء کا بہت عمدہ

جواب ہے۔

کتاب کیا ہے، ایک انسائیکلو پیڈیا ہے، علامہ صاحب نے انتہاء کی عالمانہ مباحث کو ایسے عوامی انداز میں بیان کیا ہے کہ عقیدہ بحیثیت عقیدہ ہی نہیں رہتا، جنون بن جاتا ہے، باحوالہ اور مدلل گفتگو تو حضرتؒ کا خاصہ تھا ہی، مگر انداز تفہیم ایسا کہ غبی کو بھی ذکی کر دے، اگر کوئی کند ذہن انسان بھی حضرتؒ کی دو کتابیں پڑھ لے تو اس کا شمار عقلاء میں ہونے لگتا ہے، عقیدہ ختم نبوت کو آسان اور عوامی انداز میں سمجھنے کے لیے اور عالمانہ انداز میں دوسروں کو سمجھانے کے لیے اس سے عمدہ تصنیف بندہ کی نظر سے نہیں گزری، اس کتاب کا حق ہے کہ ہر مسلمان اس کا مطالعہ کرے تا کہ فتنہ کادیانیت کی سنگینی کو جان کر اپنے ایمان کی حفاظت کر سکے۔

(دیکھیے: ۱/۲۴۶......۱/۴۰۸......۱/۶۲۵......۱/۶۶۳......۱/۳۵۷......۱/۵۹۵......۲/۱۷۴[ادارہ])

(۲)...... عقیدہ خیر الامم فی مقامات عیسیٰ ابن مریمؑ

مطالعہ کادیانیت میں شامل یہ دوسری جلد ہے۔ جو سیدنا عیسیٰؑ کی شخصیت کے احوال پر ہر پہلو سے سیر حاصل معلومات فراہم کرتی ہے۔ ۵۲۰ر صفحات پر مشتمل یہ کتاب مرزا کادیانی کی نبوت نمبر ۴۲۰ر کا پول کھول کر رکھ دیتی ہے، سیدنا مسیح کی ذات کے گرد گھومتی پندرہ کے قریب مباحث کو اس کتاب میں ایسے سمیٹا گیا ہے کہ کوزے میں سمندر نامی محاورہ کی حقیقت سمجھ آجاتی ہے، سیدنا عیسیٰؑ کی حیات و وفات ہی وہ مسئلہ ہے جس پر کادیانی مذہب کی بوسیدہ عمارت قائم ہے اور کادیانی برملا کہتے نظر آتے ہیں کہ عیسیٰؑ کی زندگی میں ہماری موت اور ان کی موت میں ہماری زندگی ہے۔

دنیا کا یہ واحد مذہب ہے جس کی بنیاد ایک نبی کی موت منانے پر رکھی گئی ہے۔ بظاہر تو کادیانیت نے خود کو عیسائیت کے مدمقابل کے طور پر باور کروایا، لیکن درحقیقت ان کی تمام تر سعی مذموم سیدنا عیسیٰؑ کی توہین و تنقیص تک محدود رہی۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ نے اس کتاب میں حیات سیدنا مسیحؑ کے متعلقہ ہر پہلو پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے اور ایسا عمدہ اسلوب اختیار فرمایا ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی بصیرت اور دیانت ہوگی وہ راہ حق سے دور نہیں رہے گا، کادیانیوں کی شرانگیز تحاریر کو مشفقانہ اسلوب سے ایسے بیان کرنا کہ دشمن بجائے بدکنے کے روشنی کے قریب آئے اور اپنے کفر کو پہچان لے اپنے موضوع کے اعتبار سے ایسے جامع تصنیف جو خاص و عام کے لے یکساں مفید ہو زمانہ اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔

(۳)...... عقیدۃ الاعلام فی الفرق بین الکفر و الاسلام:

کفر و اسلام کے بنیادی اُصول وضوابط کا جاننا بہت ضروری ہے اور معاملہ کی حساسیت اس قدر ہے کہ تھوڑی سی چوک بھی انسان کو ایک ملت اسلام سے نکال کفر کی صفوں میں کھڑا کر دیتی ہے۔ علماء متقدمین و متاخرین ہمیشہ تکفیر کے معاملہ میں بہت محتاط رہے ہیں، اگرچہ برصغیر پاک و ہند میں کچھ تکفیری گروہوں کی کارستانیوں سے فتویٰ بازی کا بازار گرم تو ضرور ہوا، مگر سنجیدہ طبقہ نے ہمیشہ ایسی غیر سنجیدہ حرکات کی حوصلہ شکنی کی، لیکن اس کے باوجود ضروری تھا کہ عوام الناس کے لیے ایک عام فہم سا ایسا نصاب ہو جس

میں ایمان اور کفر کی واضح تعریف اور ایمان وکفر کی حد بندی بیان کی گئی ہو۔ ایمان اور یقین کا کوئی گوشہ وہاں پر معرض خفا میں نہ رہے، اسلام میں رات کے مسافر بھی شریعت کی راہنمائی میں دن کے اجالوں جیسا سفر کرتے رہیں۔ اس لیے اس امت کو کوئی بحثیت مجموعی ایسے اغواء نہیں کرسکتا جیسا پولس نے عیسائیت کو ذہنی طور پر یرغمال بنا کر تعلیمات مسیحؑ سے دوسرے کنارے پر لیجا کر کھڑا کر دیا۔ اللہ امت کی طرف بہترین جزا دے علامہ خالد محمودؒ کو جنہوں نے ۳۶۷ رصفحات پر مشتمل یہ انتہائی عمدہ تصنیف امت مسلمہ کے لیے پیش کی، جس سے حق کے راہی تو فیض یاب ہوئے ہی، مگر محروم دشمن بھی نہ رہے کہ انہیں سوچنے کی سیدھی راہ بھی مل گئی اور اتمام حجت بھی ہوگیا۔ اپنی افادیت کے لحاظ سے اردو لٹریچر میں اپنی مثال آپ یہ کتاب امت مسلمہ کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے، عام اسلوب بیان جو کہ علامہ صاحب کا خاصہ ہے کہ خاص بات عام لہجے میں کہہ جاتے ہیں کہ ذکی سے لے کر غبی تک ہر بندہ مستفید ہوئے بغیر نہیں رہتا، اس کتاب کا مطالعہ کیے بغیر عقائد پر گفتگو کرنا بے لذت رہتا ہے، ہر صاحب علم کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

(۴)......مرزا غلام احمد قادیانی اپنی تحریرات اور پیشین گوئیوں کے آئینے میں

کسی بھی ایسے شخص پر قلم اٹھانا اور اس کی سیرت کو قلم بند کرنا جس سے آپ کو عقیدت یا ضرورت کا تعلق ہو قدرے آسان کام ہے، دل میں اس شخص سے وابستہ عقیدت تصنیف وتالیف کے مشکل مراحل کو باآسانی حل کر دیتی ہے، لیکن ایسا شخص جس سے محبت تو کیا دل میں کوئی نرم گوشہ بھی نہ ہو، بلکہ اس سے نفرت جزو ایمان ہو اور درجہ ضرورت میں کوئی ایسی ہستی جس کی ضرورت کسی زمانے کے کسی طبقے کو بھی نہ رہی ہو بالکل ایک فالتو سا انسان ہو اور ظلم بالائے ظلم کہ اس کی یاد سے ایسی بے ہودہ باتیں اور طبقوں کو مقدر کر دینے والی وحشتیں وابستہ ہوں تو اس کے بارے لکھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے اور پھر اس پر مزید آزمائش یہ کہ اس کی بدکمینی کے باوجود اپنے ہاتھ سے اخلاق محمدی کا دامن نہ چھوڑنا اور تحقیق کی راہوں میں اس کے بارے کسی قسم کی علمی خیانت کا ارتکاب نہ کرنا اور مکمل دیانت داری سے اس کی شخصیت کا تعارف پیش کرنا یہ ایسی کٹھن وادی ہے جس سے بہت کم لوگ دامن عزت بچا کر باہر نکل سکے، علامہ خالد محمود صاحب وہ یگانہ روزگار ہستی ہیں جنہوں نے اس چوٹی کو بھی سر کیا۔ نفرت کے باوجود مرزا غلام احمد قادیانی کو اپنی تحریرات میں کہیں گالی نہیں دی اور قوت دلیل سے اس کے تار عنکبوت کو پاش پاش کیا اور ایک لمحے کے لیے اس (کذاب وضریب) کے معاملے میں غلط بات اس کی طرف منسوب نہیں کی اور سچ کا ساتھ خوب نبھایا۔ ۴۴۸ رصفحات پر مشتمل یہ کتاب مرزا غلام احمد قادنی کا مکمل انسائیکلو پیڈیا ہے، مرزا غلام احمد قادیانی کے پس منظر، پیش منظر اور تہہ منظر کو اس خوبصورتی سے لکھا کہ اس کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے، کادیادنیت کو سمجھنے والوں کے لیے لازم ہے کہ پہلے یہ کتاب پڑھ لیں، قوم کو سمجھنے سے پہلے اس کے بانی کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد نیاز اوکاڑوی

مدارک الأذکیاء فی حیاۃ الأنبیاء المسمّٰی بہ

مقام حیات(۱)

سات سو باون (۷۵۲) صفحات کی اس کتاب میں علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ نے عقیدہ حیات النبی ﷺ پر روشنی ڈالی ہے اور منکرین کے شبہات و اعتراضات کے مضبوط جوابات دیئے ہیں۔ منکرین حیات النبی ﷺ اس کتاب کے جواب الجواب سے عاجز ہیں۔ البتہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے کو پہلے چند ضروری تنقیحات ذہن نشین کر لینی چاہئیں۔

(۱)...... عالم دنیا میں نبی مکرم ﷺ پر موت کا ورود برحق ہے، اسی لئے آپ ﷺ کی عالم دنیا میں زندگی تریسٹھ (۶۳) سال ہے اس پر سب کا اتفاق ہے۔

(۲)...... روح زندہ ہے، روح کی حیات کا بھی کوئی منکر نہیں۔

(۳)...... نبی کریم ﷺ اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں بتعلق روح زندہ ہیں ان کے اجساد مبارکہ بعینہ محفوظ ہیں اور آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے پاس جو درود شریف پڑھا جائے تو آپ ﷺ اسے بلا واسطہ سنتے ہیں اور اگر دور سے پڑھا جائے تو فرشتے آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا دیتے ہیں یہ اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی واتفاقی عقیدہ ہے۔

علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ نے زیر تبصرہ کتاب ''مقام حیات'' میں اسی عقیدے کا برحق وصحیح ہونا ثابت کیا ہے جبکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے اس اتفاقی واجماعی عقیدہ کے خلاف دور حاضر کے اہل بدعت کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ نہیں بلکہ مردہ ہیں صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے اور آپ ﷺ کی روح مبارک کا جسم اقدس سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے جو شخص آنحضرت ﷺ یا کسی بھی نبی کو قبر میں زندہ مانے وہ مشرک ہے۔ اور یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اہل بدعت کے پاس اپنے اس نظریے پر نہ قرآن کی آیت ہے اور نہ ہی حدیث اور نہ ہی اجماع امت البتہ قرآن وسنت کے نام پر دھوکہ ہے، کہ عالم دنیا کی موت کے بارے میں موجود آیات اور احادیث مبارکہ کو عالم قبر پر چسپاں کر کے روضہ اطہر میں نبی اقدس ﷺ کے جسم اقدس کو بے حس و بے جان ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۴)...... ائمہ اہل سنت نے عقیدہ حیات النبی ﷺ کے متعلق اپنے موقف کی وضاحت درج ذیل تعبیراتی عنوانات سے کی ہے۔

حیات دنیوی، مماثل دنیوی، جسمانی، برزخی، روحانی۔

---

(۱) دیکھیے: ۱۹۸/۱...... ۲۰۳/۱...... ۲۷۹/۱...... ۶۲۹/۱...... ۶۶۵/۱...... ۷۳۱/۱ [ادارہ]

ائمہ اہل سنت کے ان تعبیراتی عنوانات کا مآل ایک ہی ہے اور ان عنوانات کا آپس میں کوئی تعارض نہیں ہے کہ باعتبار برزخ کے یہ ''حیات برزخی'' ہے، باعتبار دنیوی جسد مبارک ﷺ ''حیات دنیاوی جسمانی'' ہے اور باعتبار جسد اقدس ﷺ سے روحِ مبارک ﷺ کے تعلق کے ''روحانی یا روحی'' ہے۔

اہل بدعت اکابرین اہل سنت کی ان تعبیرات سے ''حیات برزخی''، ''حیات روحانی'' کے الفاظ لے کر کہا کرتے ہیں کہ یہ حضرات فقط روح کی حیات کے قائل ہیں، حالانکہ یہ سراسر دھوکہ ہے، حیات روحانی یا برزخی کہنے سے حیات جسمانی کی ہرگز نفی نہیں ہوتی اور نہ ہی ان الفاظ کا آپس میں کوئی تعارض ہے۔

چنانچہ الامام الشیخ نور الحق بن عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ م ۱۰۷۳ھ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

''وقول مختار ومقرر جمہور ایں است کہ انبیاء بعد از اذاقت موت زندہ اند بحیات دنیوی'' [تیسیر القاری: ۲۶۲/۳] اس عبارت میں شیخ نور الحق رحمہ اللہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات کو ''دنیوی'' کہہ رہے ہیں۔ جبکہ ایک دوسرے مقام پر یہی شیخ نور الحق رحمہ اللہ اسے ''برزخی'' بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ''انبیاء در عالم برزخ زندہ اند'' [ایضاً: ۲۴۵/۳] شیخ نور الحق رحمہ اللہ کا اسے کبھی ''حیات دنیوی'' سے اور کبھی ''حیات برزخی'' سے تعبیر کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان تعبیرات میں کوئی تضاد نہیں ہے اور ایک سے دوسری کی نفی نہیں ہوتی۔

ثقہ وصدوق امام سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ [م ۱۳۷۷ھ] ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:

''مدینہ منورہ کی حاضری محض جناب سرورِ کائنات ﷺ کی (قبر مبارک) کی زیارت اور آپ ﷺ کے توسل کی غرض سے ہونی چاہیے۔ آپ ﷺ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مؤمنین کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔ [مکتوبات شیخ الاسلام ۱۵۳/۱ مطبوعہ مجلس یادگار شیخ الاسلام کراچی، ۱۴۱۵ھ، ۱۹۹۴ء]

اس عبارت میں حضرت مدنی رحمہ اللہ بیک وقت نبی ﷺ کی حیات کو جسمانی بھی کہہ رہے ہیں اور دنیاوی بھی اور روحانی بھی، معلوم ہوا ان تعبیرات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

ثقہ متقن امام تقی الدین علی بن عبد الکافی سبکی شافعی رحمہ اللہ [م ۷۵۶ھ] لکھتے ہیں:

''واما حیوٰۃ الانبیاء اعلیٰ واکمل واتم من الجمیع لانھا الروح والجسد علی الدوام علی ماکان فی الدنیا'' [شفاء السقام: ۱۵۴] کہ بہر حال حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات تو تمام سے اعلیٰ اکمل اور اتم ہے کیونکہ ان کی حیات جسم اور روح دونوں کو دوامی طور پر حاصل ہے جس طرح کہ دنیا میں تھی۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ ہی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

''فان الصلوٰۃ تستدعی جسدا حیا وکذالک الصفات المذکورۃ فی الانبیاء لیلۃ الاسراء کلھا صفات الاجسام ولا یلزم من کونھا حیاۃ حقیقیۃ ان یکون الابدان معھا کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج

الی الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ فی الحجاب الکثیف وغیر ذلک من صفات الاجسام التی نشاھدھا بل قد یکون لھا حکم اٰخر فلیس فی العقل ما یمنع من اثبات الحیات الحقیقیة لھم واما الادراکات کالعلم والسماع فلاشک الی ذالک ثابت وسنذکر ثبوتہ لسائر الموتی فکیف بالانبیاء انتھیٰ. [شفاء السقام:۱۴۳]

نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے اور اسی طرح معراج کی رات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں جتنی صفات کا ذکر ہے وہ تمام اجسام کی صفات ہیں اور اس حیات کے حقیقی حیات ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حیات کے ساتھ ابدان کو کھانے پینے کی ویسی ہی حاجت ہو جیسے دنیا میں تھی یا یہ کہ وہ کثیف پردہ میں نفوذ نہ کرسکیں اور اسی طرح اجسام کی دیگر صفات جن کا ہم دنیا میں مشاہدہ کرتے ہیں یہ ہوسکتا ہے کہ ان ابدان کا حکم دنیوی ابدان سے جدا اور الگ ہو عقلاً اس میں کوئی امتناع نہیں کہ ان کیلئے حقیقی حیات ثابت ہو، رہے ادراکات مثلاً علم اور سماع وغیرہ تو ان کے ثبوت میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں، یہ تو تمام مردوں کے لئے ثابت ہیں پھر بھلا حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے کیوں ثابت نہ ہوں گے؟

ملاحظہ فرمائیں علامہ سبکی رحمہ اللہ پہلی عبارت میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات کو جسمانی بھی کہہ رہے ہیں اور روحانی بھی، اور پھر علامہ موصوف کی دوسری عبارت سے تو یہ بات بھی سامنے آ گئی کہ حیات جسمانی کے لیے جملہ لوازمات قبر میں ثابت نہیں ہیں مثلاً جس طرح دنیا میں کھانے اور پینے کی حاجت ہوتی ہے اس طرح عالم قبر اور برزخ میں نہیں ہوتی اور اسی طرح دیگر کئی امور میں بھی اچھا خاصہ فرق ہے، البتہ دنیاوی حیات کی طرح ان کو ادراک علم اور شعور حاصل ہے اور انہی اہم امور کی وجہ سے اس کو دنیاوی اور جسمانی حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ثقہ وصدوق مفسر مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''غرض یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات جسمانی ہے محض روحانی نہیں اس لئے کہ مرنے کے بعد روحانی حیات اور سمع اور ادراک حضرات انبیاء کرام علیہم السلام......الخ'' [حیات نبوی ﷺ: ۵] اس عبارت میں بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات کو روحانی اور جسمانی دونوں طرح تعبیر کیا جارہا ہے۔

اسی طرح اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی معتبر ترین کتاب المھند علی المفند (ص ۱۳۔۱۴) میں بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبر میں زندگی اور حیات کو دنیوی حیات سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کو برزخی بھی کہا گیا ہے کہ وہ عالم برزخ میں زندہ ہیں اور اس حیات دنیوی پر بطور دلیل علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ کی عبارت کا بغرض اختصار ابتدائی کچھ حصہ نقل کر کے لکھ دیا گیا ہے کہ **''الیٰ آخر ماقال''** جبکہ ہم نے ماقبل میں قارئین کی سہولت کے لئے علامہ موصوف کی معہود عبارت بمع ترجمہ نقل کردی ہے جس میں یہ وضاحت موجود ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات فی القبور دنیاوی ہے مگر دنیاوی زندگی کے تمام لوازمات اس کیلئے ضروری نہیں ہیں کہ وہ دنیوی کھانے پینے اور دیگر ضروریات کو مستلزم ہوں بلکہ ان احکام میں وہ جداگانہ حکم رکھتی ہے البتہ

ادراک وشعور اور علم وغیرہ میں وہ دنیوی زندگی کی طرح ہے آسان لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی روحوں کا تعلق ان کے اجساد دنیویہ سے ہے اور دنیا کی زندگی کی طرح علم اور ادراک وشعور ان کو حاصل ہے لیکن اگر دوسرا کوئی شخص اس زندگی کو دیکھنا چاہے تو اس کے لئے وہ بالکل محسوس نہیں ہو سکتی اور اس کو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام مبارکہ ساکن اور ساکت ہی نظر آئینگے کیونکہ دوسرے احباب کے حق میں وہ غیر محسوس ہے اور اس لحاظ سے وہ دنیوی نہیں اور نہ دنیوی زندگی کے مشابہ ہے بلکہ اس معنی میں وہ برزخی اور اخروی ہے ائمہ اہل سنت جب بھی اپنی کتب میں دنیاوی حیات کی نفی کرتے ہیں تو اسی معنیٰ کے لحاظ سے کرتے ہیں۔

مذکورہ گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کے متعلقہ ائمہ اہل سنت کی عنواناتی تعبیرات جیسے: حیات دنیوی، مماثل دنیوی، برزخی، روحانی وغیرہ سب کا مآل ایک ہی ہے، ان کا آپس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

(۵)......خصوصاً عرب ممالک میں اور عموماً پاکستان میں بعض حضرات نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ (اکابرین دیوبند) بھی غالی بدعتی فرقہ بریلویہ کی طرح حیات قبر دنیوی زندگی سے مراد احکام شرعیہ کی پابندی والی حسی ظاہری حیات مراد لیتے ہیں اور وہ اسی کے قائل ہیں، حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے، اکابر اہل السنۃ والجماعۃ (علماء دیوبند) میں سے کسی سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہے۔ اکابرین اہل السنۃ والجماعۃ (علماء دیوبند) نے اپنی متعدد کتب میں یہ صراحت کر رکھی ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد قبر میں حیات دنیوی سے مراد ان کے دنیاوی اجساد مبارکہ سے ارواح مبارکہ کا تعلق اور اس تعلق کی وجہ سے اجساد مبارکہ کی حیات مراد ہے، دنیا سے پردہ فرما جانے کی وجہ سے دنیاوی احکام نماز، روزہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ احکام اب ان پر نہیں۔

چنانچہ علمائے اہل السنۃ والجماعۃ دیوبند کی معتبر ترین کتاب المہند علی المفند میں یہ عبارت موجود ہے: "**وحیاتہ دنیویۃ من غیر تکلیف**" اور (وفات کے بعد) آنحضرت ﷺ کی حیات دنیا کی سی ہے (احکام شرعیہ) سے بلا مکلّف ہونے کے۔ [المہند علی المفند: ۱۳]

ثقہ وصدوق عالم مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اور ان اکابر کا یہ مطلب نہیں کہ وہ زندگی تمام احکام میں دنیوی زندگی کی طرح ہے اور اس زندگی پر تمام دنیوی احکام مرتب ہوتے ہیں۔ [ہدایت الحیر ان: ۳۷۵]

الامام الحافظ، الثقہ الحجہ، الفقیہ المحدث الشیخ محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دنیوی ظاہری کہنا اہل السنّت کے قول کے خلاف ہے۔ [تسکین الصدور: ۲۸۵]

حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضور ﷺ کی حیات طیبہ کو دنیویہ صرف اس پہلو سے کہتے ہیں کہ یہ دنیا والے جسد اطہر سے ہے تو یہ اس عالم کے لئے کھلی

زندگی نہیں۔آپ ﷺ برزخ میں اسی جسد اطہر سے نماز پڑھتے ہیں اور آپ ﷺ کی وہ حیات آپ ﷺ کے لئے بے شک حسی ہے۔لیکن ہم اسے محسوس نہیں کر پاتے۔نہ ہمیں اس عالم کی نماز کے رکوع وسجود نظر آتے ہیں......نہایت تعجب سے دیکھا اور سنا گیا ہے کہ بعض علماء ان دنوں ایسا پیرایہ بیان اختیار کیے ہوئے ہیں گویا علماء دیوبند انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس جہان میں زندہ مانتے ہیں اور وہ ان کی وفات اور اس عالم سے مفارقت کے قائل نہیں۔معاذ اللہ۔[مقام حیات:۲۳۴ طبع ۱۹۹۳ء]

اکابرین اہل سنت (دیوبند) کے ان اقتباسات سے واضح ہوگیا کہ علماء اہل سنت دیوبند کا دعوٰی حیات دنیوی، دنیوی برزخی ہے۔اور جو احباب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجساد مبارکہ سے ارواح مبارکہ کے تعلق کا انکار کرتے ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مبارکہ کو محض بے حس و بے جان کہتے ہیں وہی منکرین حیات انبیاء فی القبور ہیں۔اکابرین اہل سنت جب حیات دنیوی کی نفی کرتے ہیں تو اس نفی سے مطلقاً نفی مراد نہیں ہوتی، چنانچہ سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

چونکہ یہ زندگی کسی اعتبار سے دنیوی ہے اور کسی اعتبار سے برزخی ہے اس لئے اکابر کی کسی عبارت سے اس زندگی کے ناسوتی یا مماثل حیات دنیا کی نفی ہوتی ہو تو اس کا مطلب یہی ہوگا یہ حیات دنیویہ محضہ نہیں ہے۔اور تمام احکام میں مثل احکام دنیا کے نہیں ہے۔اس طرح عبارات اکابر میں تطبیق ہوسکتی ہے۔اکابر کی عبارات میں خواہ مخواہ تعارض پیدا کرتے رہنا اور ایک عبارت کو دوسری عبارت سے ٹکراتے رہنا کوئی علم کی بات نہیں۔[ہدایت الحیر ان:۳۷۷]

(۶)......اس مقام پر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ قبر اور برزخ میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات اور زندگی تسلیم کرنے سے ہرگز شرک لازم نہیں آتا جیسا کہ بعض اہل بدعت نے سمجھ رکھا ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کو دائمی اور ہمیشہ کیلئے جو حیات حاصل ہے وہ برزخی حیات ہے، اور عالم دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی انبیاء کرام علیہم السلام پر وفات آچکی ہے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر بھی وقت مقررہ پر آئے گی اور ''**کل نفس ذائقة الموت**'' (ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے) کا فیصلہ ان کے حق میں بھی پورا ہو کر ہی رہے گا۔اور جب ان کو ''الحی القیوم'' سے اس حیات دائمہ کی صفت میں سرے سے کوئی مماثلت ہی حاصل نہیں ہے تو پھر شرک کیسا؟ ہاں اگر کوئی شخص حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی کسی بھی قسم کی وفات کا قائل نہ ہو تو پھر یہ فتوٰی اس پر لاگو ہوسکتا ہے۔

یوں تو حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی ہر کتاب تحقیق وتدقیق، علم ومعرفت کا خزانہ اور حوالہ جات کا مخزن ہے لیکن حضرت کی جن کتابوں سے میں نے سب سے زیادہ استفادہ کیا اور متاثر ہوا وہ مقام حیات، آثار الحدیث، آثار التنزیل اور مطالعہ بریلویت ہیں جو شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں، مقام حیات کا سبب تالیف اور مختصر تعارف آئندہ سطور میں آرہا ہے۔

''مقام حیات'' کا سبب تالیف:

حیات النبی ﷺ کا مسئلہ دائرہ اہل سنت میں کوئی اختلافی مسئلہ نہ تھا سب اہل السنۃ والجماعۃ حیات النبی ﷺ کا عقیدہ رکھتے تھے۔اس حیات کو باعتبار عالم برزخی کہنے والے بھی تھے باعتبار جسد برزخ میں حیات دنیوی کہنے والے بھی تھے۔آپ کے

عالم برزخ میں اپنے آپ کو پوری طرح زندہ محسوس کرنے کے اعتبار سے اُسے حیات حسی کہنے والے بھی تھے، باعتبار رزق اُسے حیات قائم بالرزق کہنے والے بھی تھے اور اس پہلو سے اُسے حیات روحانی کہنے والے بھی تھے تاہم اس پر سب کا اتفاق تھا کہ وہ حیات اس دُنیا والوں سے پردے میں ہے یہاں کی آنکھیں اس حیات کو پا نہیں سکتیں، اُس جہان میں روح کے اثرات غالب ہیں ۔سو اسے کسی نے روحانی بھی کہہ دیا لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ سب ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیرات ہیں، حیات النبی ﷺ کا سب میں اقرار ہے اور معناً یہ سب عنوان متقارب ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ کے اس اجماعی اور متفقہ موقف کے خلاف مماتی حضرات نے ایک جداگانہ موقف اختیار کرلیا کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ نہیں بلکہ مردہ ہیں (معاذ اللہ)، صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے ، یہ عقیدہ شرکیہ عقیدہ ہے، اس کے دلائل من گھڑت ہیں، یہ عقیدہ شیعہ کا ہے، اس عقیدے کے قائلین شرک کے کھیت کے دہقان ہیں وغیرہ وغیرہ۔قارئین ان کی بعض عبارات ملاحظہ فرمائیں۔

فرقہ مماتیت کے نامور خطیب مولانا عطاء اللہ بندیالوی صاحب عقیدہ حیات النبی ﷺ وغیرہ کے قائلین کے بارے میں لکھتے ہیں: حیاۃ النبی ﷺ، سماع موتیٰ اور بزرگوں کے وسیلے جیسے موضوعات پر دلائل دے کر الٹا شرک کے کھیت کے دہقان بنے ہوئے ہیں۔[شرک کیا ہے:۴۰]

فرقہ مماتیت کے ہی خان بادشاہ لکھتے ہیں:

ولیس المراد من الحیاۃ حیاتھم فی ھذہ القبور المحفورۃ .[المسامیر الناریۃ:۱۹۱] ترجمہ:(انبیاء علیہم السلام کی) حیات سے ان زمینی گڑھوں والی قبروں میں زندہ ہونا مراد نہیں۔

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

آنحضرت ؐ کو روضہ مبارک میں بجسد عنصری کے ساتھ زندہ سمجھنا یہ شیعہ مسلک ہے۔[**التنقید الجوھری**:۳]

فرقہ مماتیت کے مولوی اللہ بخش صاحب لکھتے ہیں:

آنحضرت ﷺ کا درود وسلام عندالقبر سننا وجواب دینا یہ قصہ من گھڑت ہے۔

[دعوۃ الرشاد:۸ مؤلف مولوی اللہ بخش، مؤید مولانا عنایت اللہ شاہ گجراتی]

مولانا عطاء اللہ بندیالوی صاحب لکھتے ہیں:

امام الانبیاء علیہم السلام کے ذمہ یہ جھوٹ لگایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میری قبر پر سلام کہیں گے تو میں اس کا جواب دوں گا۔[کیا مردے سنتے ہیں؟:۳۷]

فرقہ مماتیت نے اپنے بعض عقائد جماعتی لیٹر پیڈ پر لکھ کر شائع کیے ہیں، ضیاء اللہ بخاری مماتی نے ان عقائد کی تصدیق بھی کی۔ان عقائد میں یہ لکھا ہوا ہے کہ:

عقیدہ نمبر۱: وفات کے بعد حضور اکرم ﷺ کی روح مبارکہ کا آپ کے جسم اطہر کے ساتھ قبر منور میں کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ قبر میں آپ مردہ ہیں۔

عقیدہ نمبر۲: آپ ﷺ عندالقبر صلوۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے جو سماع کا قائل ہے وہ بے ایمان کافر اور مشرک ہے۔

عقیدہ نمبر۳: ''**الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون**'' والی حدیث صحیح نہیں بلکہ من گھڑت ہے۔

تمام عقائد قرآن وسنت کے مطابق ہیں۔(دستخط) ضیاء اللہ

نوٹ: (اس کی کاپی محفوظ ہے: از ناقل بحوالہ فرقہ مماتیت کا تحقیقی جائزہ: ص ۱۶۷، ۱۶۹)

آپ نے فرقہ مماتیت کی عبارات دیکھیں کہ کس طرح یہ لوگ ایک اجماعی عقیدہ کے خلاف زبان دراز کرتے اور غلط نظریہ بیان کرتے ہیں۔ان حالات اور ضروریات سے متاثر ہوکر مبادا راہ گم کردہ قافلہ مسلک اہل سنت ہی کو ملتبس کردے اور جو ہر وحدت سے ہاتھ دھوکر محض تفرد ہی نہیں، اپنے عوام کے لیے انتشار وتشتت اور ذہنی آوارگی کا موجب ہوں، علامہ صاحب رحمہ اللہ نے ''مقام حیات'' لکھی جس میں عقیدہ حیات النبی ﷺ کو قرآن، حدیث، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام، اور دیگر علمائے امت، فقہاء ومحدثین اور اکابر علمائے دیو بند کے اقوال وتعلیمات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

مقام حیات کو حرفاً حرفاً اول سے آخر تک پورا دیکھا، اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گزری، مسئلہ کا تجزیہ نہایت ہی فاضلانہ اور محققانہ انداز سے کیا گیا ہے طرز بیان انتہائی بلیغ، مؤثر اور دلنشین ہے، مسئلہ کے ہر پہلو کا حکم نہایت ہی بالغ نظری کے ساتھ اس کی صحیح کیفیت وحقیقت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔اس کی ایک ایک سطر سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور بڑھا ہوا محسوس ہوتا تھا.................الخ۔[مقام حیات:۳۱]

کتاب کے مشتملات پر ایک نظر:

کتاب کی جن خوبیوں پر بندہ مطلع ہوا، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔حیات النبی ﷺ اور عذاب قبر وغیرہما پر احادیث، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کو بحوالہ نقل کیا گیا ہے۔

۲۔احادیث وآثار کو ذکر کرتے ہوئے متعدد ماخذ کو ذکر کرتے ہیں، بعض مقامات پر ان ماٗخذ کتب کے حوالہ جات کئی کئی سطروں پر سجے نظر آتے ہیں۔

۳۔احادیث وآثار کی سندوں کے راویوں کی توثیق کو محدثین کے اصولوں سے بیان کرتے ہوئے ان پر فرقہ مماتیت کے جو اعتراضات تھے ان کا بھی دندان شکن جواب دیا ہے۔البتہ ان احادیث وآثار پر غیر مقلدین اور مماتیوں نے اب کچھ جدید اعتراضات کیے ہیں ان کے جوابات راقم الحروف کے ترجمہ، تحقیق، تعلیق اور فوائد کے ساتھ شائع شدہ کتاب ''**حیـاۃ الانبیـاء علیھم السلام للبیھقی** رحمہ اللہ'' میں دے دیئے گئے ہیں وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

۴۔احادیث وآثار میں سے کسی حدیث واثر کے متن پر فرقہ مماتیت کا کوئی اعتراض تھا تو اس کا جواب بھی دے دیا ہے۔

۵۔مخصوص احادیث وآثار کی صحت اور ان کے معانی ومفہوم کے بارے میں ائمہ کرام رحمہم اللہ کی آراء بھی پیش کردی گئی ہیں۔

۶۔احادیث سے مسائل کا استنباط نہایت ہی فاضلانہ اور محققانہ انداز سے کیا گیا ہے مثلاً......''**الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون**''(انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔)والی حدیث پر بحث کرتے ہوئے علامہ صاحب لکھتے ہیں:

اس حدیث میں حیات انبیاء کو یصلون سے جوڑا گیا ہے نماز ذکر اور چند جسمانی حرکات چاہتی ہے،سو نماز جسد چاہتی ہے معلوم ہوا یہاں انبیاء کی کسی روحانی حیات کا ذکر نہیں ان کی جسمانی زندگی کا ذکر ہے جس کا قوی قرینہ ان کا نمازیں پڑھنا ہے، معلوم ہوا وہ بایں معنی حیات ہیں کہ ان کے اعمال اطاعت جاری ہیں اور یہ افتاد اُن سے سلب نہیں کی گئی۔

الانبیاء احیاء (نبی زندہ ہیں)میں الانبیاء (پہلے جزو) کے معنی سمجھ لیجئے کہ یہاں روح اور جسد دونوں مراد ہیں اور یہی نفس انسانی ہے،حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:**یرید بقولہ الانبیاء احیاء مجموع الاشخاص لا الارواح فقط.[تحیۃ الاسلام: ۳۶]**

ترجمہ: الانبیاء کے لفظ سے جسد اور روح کا مجموع اشخاص مراد ہے صرف روحیں نہیں۔

اور دوسرے جزء احیاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

اراد بالحیوۃ فعل الاعمال واکثر فی القبور فی العطلۃ بخلاف المقربین.[فیض الباری:۱/۱۸۳]

ترجمہ:حیات سے آپ کی مراد اعمال کا جاری رہنا ہے(جو بدوں جسد تقوم نہیں پاتے)اور اکثر اہل قبور بے کار پڑے ہیں لیکن مقربین کی یہ حالت نہیں (ان کے اعمال قائم ہیں)۔

ان کے اعمال ہمیں نظر نہ آئیں تو بھی ان کے اعمال سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ زندگی پردے میں ہے اور ہم اس جہان میں ہیں، یہاں رہتے ہوئے ہم اس جہان کے حالات کو دیکھ نہیں پاتے،نہ اس جہاں کی آوازیں سن سکتے ہیں۔بایں ہمہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء اور صدیق اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور باعتبار عالم ان کی زندگی برزخی ہے پردے میں ہے۔اور جس طرح ہم **یؤمنون بالغیب** کے تحت اور بہت سی حقیقتوں کو بن دیکھے تسلیم کرتے ہیں ان احوال قبر پر بھی ہم **یؤمنون بالغیب** کے سائے میں ایمان لاتے ہیں......الخ۔[مقام حیات:۴۸۸/تا۴۸۹]

الغرض''مقام حیات''اہل تذبذب کے لیے شفا قلب کا سامان،راہ گم کردہ دوستوں کے لیے منزل کا نشان اور اہل یقین کے لیے وضُوح وبرہان ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین.

نیاز احمد غفرلہ رفیق شعبہ تحقیق وتصنیف الاعتدال اکیڈمی لاہور......۸/ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ، بمطابق ۳۰/جون ۲۰۲۰ء بروز منگل

عمار خان ناصر کے بارے میں مجلّہ ''صفدر'' میں شائع ہونے والے مضامین

مضمون	مصنف	تاریخ
۱......امام اہل سنت کا مسلکِ اعتدال اور عمار خان ناصر	مولانا عبدالحق خان بشیر	جون ۲۰۱۱ء
۲......عمار خان ناصر! کس راستے پر چل نکلے	مولانا عبدالقیوم حقانی	جولائی ۲۰۱۱ء
۳......عمار خان ناصر کی فکری دہشت گردی	مولانا محمد احمد حافظ	جولائی ۲۰۱۱ء
۴......مرزا غلام احمد قادیانی کو پاگل کہہ کر تکفیر نہ کرنا	مولانا مفتی عبداللہ	جولائی ۲۰۱۱ء/مئی ۲۰۱۲ء
۵......توہین رسالت کا مسئلہ اور عمار خان ناصر	مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحدؒ	اگست ۲۰۱۱ء
۶......جناب عمار خان ناصر کی خدمت میں	پروفیسر خالد شبیر	نومبر ۲۰۱۱ء
۷......عمار ناصر کی قادیانیت نوازی: الزام یا حقیقت؟	مولانا احسن خدامی	مئی ۲۰۱۲ء
۸......مسجد اقصیٰ اور عمار خان کی یہود نوازی	مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحدؒ	اپریل/مئی ۲۰۱۳ء
۹......اسلام کا تصور جہاد اور عمار خان ناصر (قسط وار)	مولانا مفتی شعیب احمد	آغاز: جولائی ۲۰۱۳ء
۱۰......اجماعی مسائل اور عمار خان ناصر کی بہادریاں	مولانا حسین احمد مدنی	جولائی ۲۰۱۳ء
۱۱......مکتوب بنام عمار خان ناصر	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی	اکتوبر ۲۰۱۴ء
۱۲......ماہنامہ ''الشریعہ'' کا انکارِ جہاد نمبر	مولانا مسعود ازہر	نومبر ۲۰۱۴ء
۱۳......عمار خان ناصر پر جاوید غامدی کے اثرات	مولانا نور محمد تونسویؒ	فتنہ غامدی نمبر جون ۲۰۱۵ء
۱۴......عمار خان ناصر، گستاخ رسول کے دفاع میں!	حافظ محمد عدیل عمران	فتنہ غامدی نمبر جون ۲۰۱۵ء
۱۵......جاوید غامدی و عمار خان ناصر، فکری ہم آہنگی	حمزہ احسانی	اکتوبر ۲۰۱۵
۱۶......فکرِ ولی اللہی، غامدی و عمار ناصر	مولانا غلام محمد صادقؒ	نومبر ۲۰۱۵ء
۱۷......جاوید غامدی اور عمار خان ناصر کی حدیث دشمنی		جنوری ۲۰۱۶ء
۱۸......عمار خان ناصر کے بارے میں	مولانا سیف الرحمٰن قاسم	فروری ۲۰۱۶ء
۱۹......احادیث میں عمار خان ناصر کی من مانیاں	وقار چیمہ	مئی ۲۰۱۶ء
۲۰......عمار ناصر ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا نیا اسلوب	مولانا ساجد صدوی	مئی ۲۰۱۶ء
۲۱......اجماع صحابہ اور غامدی و عمار کی تعلّی	مولانا عبدالحمید تونسوی	ستمبر ۲۰۱۶ء

رابطہ: مجلّہ صفدر، مکان 4، گلی 82 محمود سٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ لاہور 0312-4612774

حمزہ احسانی

''علم حدیث پر عصر حاضر کی جدید مشقیں
اور حدیث کے قدیم علمی نظریات''

کتاب اللہ، حدیث وسنت رسول اور جماعتِ رسول دین اسلام کی وہ بنیاد اوراساس ہیں کہ ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی پس پشت ڈال دیا جائے تو دین اوراس کا صحیح حلیہ وحقیقی تصویر باقی نہیں رہ سکتے۔ مخالفین اسلام نے مختلف طریقوں سے ہر دور میں اِن تینوں کو ہی تختۂ مشق بنائے رکھا۔ حدیث کے قدیم علمی نظریات سے انحراف کرنے والے دورِ جدید کے بعض منحرفین (سر سید احمد خان، مرزا غلام احمد قادیانی اور مولانا احمد رضا خان) کے غلط نظریہ حدیث کا جائزہ لیتے ہوئے حضرت علامہ صاحب نے ماہنامہ ''الرشید'' ساہیوال میں کچھ مضامین لکھے تھے، جو رجب تا ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ کے شماروں میں شائع ہوئے۔ لگ بھگ چالیس سال بعد ایک مستقل تصنیف کی صورت میں اُن مضامین کی اشاعت کا ارادہ ہوا تو مزید چند حضرات وتنظیمات (اسلم جیراج پوری، عنایت اللہ مشرقی، مرزا عبدالحسین لکھنوی شیعہ، جناب مودودی، جاوید احمد غامدی، نوزائیدہ فرقہ اہلحدیث، شیخ ناصرالدین البانی اور مرکزی اشاعۃ التوحید والسنہ) کے خودساختہ نظریہ حدیث کا جائزہ بھی تحریر فرمایا اور اس کے ساتھ ساتھ حدیث کے قدیم علمی نظریات پر مشتمل قیمتی ابحاث شامل کیں، اِس طرح تین سو بیس (۳۲۰) صفحات پر مشتمل یہ مفید علمی کتاب تیار ہوگئی جس کا نام ہے:

''علم حدیث پر عصر حاضر کی جدید مشقیں اور حدیث کے قدیم علمی نظریات''

کتاب کے مقدمہ میں علامہ صاحب نے مختلف حوالہ جات کے ساتھ تفصیل سے یہ بات واضح کی ہے کہ ابتدائی زمانہ کے اسلافِ امت میں فقہ وحدیث کے دو ہی دَور اہم ہیں: (۱) دورِ اعتماد (۲) دورِ اسناد۔ یعنی ایک وہ دَور جس میں اسناد کا پوچھے بغیر ہی اعتماد کی بنیاد پر دین حاصل کیا جاتا تھا۔ یہ دور تقریباً ڈیڑھ سو سال چلا۔ اور پھر تیسری صدی سے اسناد کا دور شروع ہوا جس کی بنیاد دوسری صدی میں پڑ چکی تھی۔ اور بڑے بڑے جبال علم نے سلسلہ اسناد اوراس کی حفاظت پر اپنی زندگیاں کھپا دیں۔ رہا یہ سوال کہ دورِ اعتماد میں حفاظتِ دین کی کیا صورت ہوئی تو علامہ صاحب نے اسے بھی واضح کیا ہے کہ اس کا من جانب اللہ یہ انتظام ہوا کہ عام لوگ جو روایات کی جانچ پڑتال نہ کر سکتے تھے وہ کبار اہل علم کے گرد جمع ہوگئے اور اُن سے اعتماداً دین حاصل کرتے رہے۔ اور اِس دورِ اعتماد کی اپنی جگہ ایسی اُصولی حیثیت رہی کے دورِ اسناد میں بھی اِس کی ضرورت باقی رہی اور کبھی ایسے مواقع بھی آئے کہ دورِ اسناد والوں کو بھی دورِ اعتماد کے عمل سے راہ نمائی لیے بغیر چارہ نہ رہا۔ اِس پر علامہ صاحب نے دلچسپ مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ دورِ اعتماد واسناد میں ائمہ اربعہ اوران کے اقران کا حجیت سنت کے معاملے میں یک خیال ہونا بھی علامہ صاحب نے بیان کیا ہے۔ اور پھر یہ بتایا ہے کہ ایک ہزار سال تک مسلمان فقہ وحدیث میں اعتماد واسناد کی انہی لائنوں پر چلتے رہے۔ اور حدیث وفقہ میں ٹکراؤ

کی صورت کبھی دیکھی سنی نہیں گئی۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں انگریز کے قبضہ کے بعد کئی نئے فرقوں نے جنم لیا اور قدیم نظریہ حدیث کے مقابل نئے نئے نظریات قائم ہوگئے۔ ان نئے فرقوں میں منکرین حدیث کو حدیث دشمنی کی دنیاوی سزا یہ ملی کہ کسی منکر حدیث کو اپنے نظریات کا کوئی وارث نہ مل سکا۔ اور جو فرقے اسلاف امت اور حدیث پر کھلم کھلا نہیں برسے اُن کا تسلسل کچھ نہ کچھ قائم ہے۔

علامہ صاحب نے اپنی اِس کتاب میں اثنا عشریوں کا باقاعدہ تذکرہ نہ کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اُن کا ذخیرۂ حدیث اہل سنت سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ جبکہ اِس کتاب کا عنوان اہل سنت کا نظریہ حدیث اور اس پر ظالمانہ مشقوں کا تذکرہ ہے۔

علم حدیث میں امام ابوحنیفہ اور امام بخاری کا تقابلی مطالعہ:

''علم حدیث میں امام ابوحنیفہ اور امام بخاری کا تقابلی مطالعہ'' کے عنوان کے تحت علامہ صاحبؒ نے باحوالہ یہ واضح کیا ہے کہ جیسے امام بخاری و مسلم کے زمانہ میں دین کا دوسرا ماخذ علم سنت تھا ایسے ہی امام ابوحنیفہ کے ہاں بھی تھا۔ امام ابوحنیفہ بہت وسیع علم حدیث رکھتے تھے، لیکن اُن سے روایت کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اُن کی شرائطِ حدیث بہت کڑی تھیں۔ انہی کڑی شرائط کے باعث امام ابوحنیفہ کے فتاویٰ انتہائی اعلیٰ درجے کی احادیث سے چھن کر آگے پہنچے۔ امام بخاری و مسلم تحقیق روایت میں اُس مقام تک نہیں پہنچ سکے جس تک امام ابوحنیفہ پہنچے، لیکن امت تک علم حدیث پہنچانے کے لیے امام بخاری و مسلم نے رعایت کی جو راہ اختیار کی اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

علم حدیث: اصلاحِ امت اور اتحادِ امت کا نشان!

علامہ صاحب نے اِس بات کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ علم حدیث ہمیشہ سے اصلاحِ امت کا نشان رہا ہے۔ مگر مولانا محمد حسین بٹالوی نے انگریز حکومت کے زیر اثر اپنی جماعت کے لیے ''اہلحدیث'' کا نام منظور کرا کے اصلاح و اتحادِ امت کے اِس نشان کو بھی فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھا دیا۔

علامہ صاحب نے بڑی تفصیل سے قیمتی حوالوں کے ساتھ ائمہ اربعہ کے نظریہ حدیث کو بھی بیان کیا ہے اور ان کے مقابل اُس وقت کے بعض باطل فرقوں کے نظریہ حدیث کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ نیز یہ بھی بتایا کہ دیگر ائمہ کی طرح امام شافعی بھی حدیث کے جلیل القدر امام تھے مگر انھوں نے حدیث روایت کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگایا۔ اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن کے پاس علم حدیث کم تھا۔ حدیث کے علم میں کم ہونا اور بات ہے جبکہ قلیل الحدیث ہونا بالکل دوسری بات ہے۔ اس بحث میں علامہ صاحب نے طلاق ثلاثہ، بیس تراویح، آمین بالجہر، نماز میں ہاتھ باندھنے کا مقام اور آثارِ صحابہ کی حجیت کے حوالے سے بھی ائمہ اربعہ کے موقف کی روشنی میں نہایت نفیس نکات بیان کیے ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

علامہ صاحب نے اِسلام کی اِس خوبی سے بھی خوب پردہ اُٹھایا ہے کہ اسلام کی علمی تاریخ میں خبر (حدیث) اور نظر (رائے واجتہاد) ساتھ ساتھ چلے ہیں، جب بھی روایت کے ساتھ درایت کی ضرورت پڑی ہے، مسلمانوں نے اس میں قدامت

پسندی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ حدیث سے خبراً اور اجتہاد سے نظراً اس دین کو تازہ رکھا ہے۔ نیز مسلمانوں میں تین حلقے رہے ہیں: (۱) عوام (۲) محدثین (۳) فقہاء۔ عوام نے محدثین کے بجائے مجتہدین کی پیروی کی۔

علامہ صاحبؒ نے جابجا یہ بھی بتایا ہے کہ ابتدا اسلام سے لے کر ایک طویل عرصے تک اہل حق کی مسلکی پہچان ''اہل سنت'' کے عنوان سے ہی رہی ہے۔ اہل الحدیث اور اہل الرائے دونوں طبقے ہی اہل سنت کہلاتے تھے۔ حدیث و فقہ کی طرف نسبت تو اُن کا علمی تعارف تھا۔ نویں صدی تک اہل حدیث نام کا کوئی فرقہ نہیں تھا بلکہ یہ علمی گروہ کا نام تھا۔

علامہ صاحب نے اہل الرائے اور اہل حدیث میں فرق بتاتے ہوئے بڑے واشگاف انداز میں لکھا ہے کہ علم حدیث کی تحقیق میں اہل الرائے اہل حدیث سے آگے ہی رہے ہیں۔ یوں اِن عنوانات سے متعلق تقریباً پچھتر (۷۵) صفحات علامہ صاحبؒ نے اِس شان سے تحریر فرمائے ہیں کہ صفحہ صفحہ بلکہ سطر سطر علم و تحقیق، عقلی استدلالات اور گہرے نکات سے معمور ہے۔

سرسید احمد خان (۱۳۱۵ھ) کا نظریہ حدیث

اس کے بعد تقریباً ۱۸ صفحات سرسید احمد خان (۱۳۱۵ھ) کے نظریہ حدیث سے متعلق ہیں۔ علامہ صاحبؒ نے ہندوستان میں فتنوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے بڑے کرب سے بتایا ہے کہ چودہ سو سال سے ''ما انا علیہ واصحابی'' کے نشانِ نجات پر قائم فرقہ (اہل السنۃ والجماعۃ) انگریز کے ہندوستان پر قبضے تک صحابہ و تابعین کے آثار کی بدولت دوسرے گمراہ فرقوں سے ممتاز تھا۔ تابعین میں صحابہ و تابعین کے آثار سے ہٹ کر چلنے والے ''ما انا علیہ واصحابی'' کی پٹری سے اُترے اور معتزلہ کہلائے۔ انھوں نے اِن آثار کو عقل بے جا کی بنیاد پر ترک کیا تھا۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ ''کسی چیز کا بالائے عقل ہونا اور بات ہے اور خلافِ عقل ہونا اور بات ہے۔'' احکام شرعیہ ہماری عقل سے ماوراء ہو سکتے ہیں۔ لیکن انھیں خلافِ عقل کہنا بذاتِ خود خلافِ عقل بات ہے۔ معتزلہ کی اِس فکر کو صدیوں بعد ہندوستان میں سرسید احمد خان نے پروان چڑھایا اور تقدیر، شفاعت، عذابِ قبر اور خبر واحد کی حجیت کا انکار کر دیا۔ پھر علامہ صاحبؒ نے حدیثِ جبرائیل میں الحاد، لاوصیۃ لوارث کا انکار، احرام، مالِ غنیمت، حالتِ جنگ میں اونگھ کا ورود اور مؤمنین کی مدد کے لیے نزول ملائکہ وغیرہ عنوانات پر سرسید احمد خان کے الحاد کو قدرے تفصیل سے واضح کیا ہے۔ اور اِس سلسلے میں علمائے اہل سنت دیوبند کا طرزِ عمل بھی بیان کیا ہے کہ انھوں نے علی گڑھ کالج سے ٹکرانے کی پالیسی تو اختیار نہیں کی البتہ سرسید کو اس کے غلط دینی نظریات سے بچانے کے لیے سنجیدہ، علمی اور مہذب کوشش کی۔ اس پر حوالہ جات پیش کرنے کے بعد علامہ صاحب نے سرسید کی سیاسی مصلحت کا تذکرہ کرتے ہوئے سرسید کی تعلیمی سوچ کو دنیوی اعتبار سے صحیح قرار دیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا ہے کہ نزول عیسیٰ بن مریم جیسے اجماعی اور قطعی عقائد کا انکار حضور خاتم النبیین ﷺ کی امت سے نکلنے کے مترادف ہے۔

مرزا غلام احمد (۱۳۲۶ھ) کا نظریہ حدیث

سرسید کے بعد بیس (۲۰) صفحات میں علامہ صاحبؒ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے نظریہ حدیث کا جائزہ لیا ہے۔ مرزا قادیانی کے بارے میں علامہ صاحب کا کہنا ہے کہ ان کی تحریرات سے پتہ چلتا ہے کہ نہ تو انھوں نے علم حدیث کسی محدث سے پڑھا

تھا اور نہ ہی وہ فن روایت کی باریکیوں کو سمجھے ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ صوفیاء کے کشف والہام کو تحقیق حدیث میں پیش کر دیتے ہیں، ''سنن دارِ قطنی'' کو ''صحیح دارِ قطنی'' لکھ دیتے ہیں۔ صحیح مسلم میں درج حضور ﷺ کی ذکر کردہ پیش گوئی امام مسلم کی طرف منسوب کر کے ''مسلم کی پیشگوئی'' کہہ دیتے ہیں، امام بخاری کا نام ''محمد بن اسماعیل'' کے بجائے ''محمد اسماعیل بخاری'' ذکر کرتے ہیں، امام مسلم کی کتاب کو ''مسلم'' سمجھ کر ''صاحبِ مسلم کے سر پر تھا'' جیسے الفاظ رقم کر دیتے ہیں۔ **"ان المرء اذا اتی علی غیر فنه اتی بالعجائب"** کے مصداق مرزا صاحب کی جہالت کے یہ نمونے تو اپنی جگہ رہے، اس سے آگے بڑھ کر وہ قرآن کریم کی من چاہی تاویلات میں حدیث کو بڑی رکاوٹ سمجھ کر اس کی اُصولی حیثیت کا انکار کرتے ہوئے محض تائیدی درجے کی چیز کہتے ہیں۔ اور قرآن کے بعد دوسرا علمی ماخذ حدیث کے بجائے اپنی وحی کو قرار دیتے ہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ اپنے لیے حدیثیں وضع کرنے کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان (۱۳۴۰ھ) کا نظریہ حدیث

اس کے بعد چھبیس (۲۶) صفحات میں علامہ صاحبؒ نے مولانا احمد رضا خان (۱۳۴۰ھ) کے نظریہ حدیث پر تبصرہ کیا ہے۔ احمد رضا خان صاحب کے نظریۂ حدیث پر علامہ صاحب نے دو پہلوؤں سے گفتگو فرمائی ہے: (۱) وہ اپنے دعویٰ میں مقلد تھے، اِس لیے کسی نئے نظریہ حدیث کے بانی نہ تھے، بلکہ اُصولاً جمہور محدثین کے نظریۂ حدیث کے اقراری تھے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ اپنی رائے وفکر میں اجتہاد سے کام لیتے تھے، اس لیے انہوں نے قدیم نظریۂ حدیث میں بدعی راہیں کھول لی تھیں۔ اور اس اجتہادی رنگ نے انھیں نہ صرف علماء حنفیہ سے علیحدہ کر رکھا تھا بلکہ علماء اسلام کے مقابل لا کھڑا کیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ ایک مستقل دین ومذہب کے بانی سمجھے گئے۔ (۲) احمد رضا خان صاحب نے نہ تو علم حدیث کسی مدرسہ میں باقاعدہ مدرس بن کر پڑھایا اور نہ ہی اِس علم میں وہ کسی ممتاز علم کے مالک تھے۔ ممتاز تو درکنار ابتدائی اصطلاحات سے بھی نابلد اور لازمی قواعد وضوابط کے خلاف چلتے نظر آتے تھے۔ پھر علامہ صاحب نے اُنھی کے حلقہ فکر کے حوالہ جات اور اُن کی اپنی تحریرات سے کئی مثالیں اور ثبوت پیش کیے ہیں کہ حدیث کے نام پر پیش کی گئی ہر بات کو قبول کر لینا، سندٗ اتصالِ سندٗ اور راویوں کے حالات کی طرف توجہ کی ضرورت ہی محسوس نہ کرنا، علم حدیث کی اصطلاح ''غیر صحیح'' کے مختلف احتمالات سے لاعلم ہونا، حدیثِ معتبر کی حیثیت کا علم نہ ہونا، ثبوتِ عمل اور فضیلت عمل کا فرق ملحوظ نہ رکھنا اور اِس بنیاد پر صدہا غیر معتبر اعمال کو داخلِ اسلام قرار دینا، گمنام راویوں کی حدیث قبول کرنا، صوفیاء سے تصحیح حدیث لینا وغیرہ ایسی راہیں ہیں جنھیں علم حدیث پر ''ظالمانہ مشقیں'' نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ علامہ صاحبؒ کہتے ہیں کہ: علم کے ساتھ اس سے بڑا مذاق شاید ہی تاریخ میں کبھی کیا گیا ہو۔ اور علامہ صاحبؒ نے خان صاحب بریلوی کی اپنی عبارت سے ثابت کیا ہے کہ نہ تو وہ محدثین کا ذوق رکھتے ہیں اور نہ ہی قواعدِ حدیث ان کے لیے بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔

فہم حدیث میں غلطی نہ کیجیے!

اس کے بعد علامہ صاحب نے دو (۲) صفحات میں ایک مضمون لکھا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں فرقہ اہلحدیث جو اپنی

جہالت یا تعصب کی وجہ سے فقہ کو حدیث کے خلاف قرار دیتا ہے، اُن کے لیے یہ عنوان اختیار کرنا چاہیے: ''فہم حدیث میں غلطی نہ کیجیے!'' اسی طرح منکرین حدیث جو حدیث کو قرآن کے خلاف عجمی سازش کہتے ہیں، اُن کے لیے یہ عنوان اختیار کیا جائے کہ: ''فہم قرآن میں غلطی نہ کیجیے!''

پھر علامہ صاحب نے تین (۳) صفحات میں حافظ اسلم جیراج پوری (۱۳۷۵ھ) اور چار (۴) صفحات میں عنایت اللہ مشرقی (۱۳۷۳ھ) کے نظریۂ حدیث کا مختصر جائزہ لیا ہے۔

''صحیح بخاری'' کے رجال سند پر مرزا عبدالحسین لکھنوی شیعی کی ظالمانہ مشقیں

اس کے بعد تقریباً پندرہ (۱۵) صفحات میں ''صحیح بخاری'' کے رجال سند پر مرزا عبدالحسین لکھنوی شیعی کی ظالمانہ مشقوں کا تذکرہ کیا ہے کہ کس طرح حضرت حسینؓ کے قاتل شمر بن ذی الجوشن کو صحیح بخاری کے سند کا راوی بتا کر اپنی شقاوت قلبی کا اظہار کیا ہے، حالانکہ اِس نام کا کوئی راوی ''صحیح بخاری'' کے رجال سند میں نہیں ہے۔ اور حجاج بن یوسف جس کا تذکرہ امام بخاریؒ نے اس کے مظالم اور بعض غلط نظریات کی تردید کی خاطر کیا ہے، اُسے بھی رجال سند میں شمار کرلیا ہے۔ اِس سے آگے بڑھ کر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مفتری قرار دے دیا ہے۔ شیعہ عالم کی دریدہ دہنی پر علامہ صاحبؒ بجا طور پر غیرتِ ایمانی اور جلال میں نظر آتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں: ایک اور خباثت بھی ملاحظہ کریں۔'' [ص:۱۷۷] ''یہ شیعہ علماء کی بڑی جرات اور غلط بیانی ہے کہ وہ حضرت ابو ہریرہؓ جیسے جلیل القدر حافظ حدیث پر بھی الزام تراشی کرتے ہوئے ذرا شرم محسوس نہیں کرتے۔'' [ص:۱۸۰]

مودودی صاحب (۱۳۹۹ھ) کا نظریۂ حدیث

جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے نظریۂ حدیث پر علامہ صاحب نے ستائیس (۲۷) صفحات لکھے ہیں۔ جس میں مختلف جہات سے مودودی صاحب کی سنگین اغلاط کو واضح کیا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ انھوں نے انبیاء کی بے ادبیاں اور صحابہ کی گستاخیاں کی ہیں، اور اگلے پچھلے سب علماء کو خیر سے ہٹا ہوا قرار دیا ہے اور خود کو بالکل درست اور صحیح راہ پر۔ حالانکہ تعلّی کے اِس بدترین مقام پر فائز مودودی صاحب کا اپنا حال یہ ہے کہ جملہ اخبارِ احاد کو غیر ثابت شدہ کہہ دیا ہے۔ اخبارِ متواترہ سے ملنے والے علم کی قطعیت کا بھی انکار کردیا ہے۔ احادیث کو ''اپنے ذوق'' پر پرکھنے کی نئی راہ ڈھونڈ نکالی ہے، حیات عیسیٰ کی متواتر روایات کے باوجود اس مسئلہ کو درمیان میں لٹکا ہوا قرار دیا ہے کہ نہ تو یقینی نفی ہے نہ یقینی اثبات۔ دجال کے خروج کے سلسلے میں جناب رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی کا تذکرہ کرتے ہوئے مودودی صاحب یہاں تک زبان درازی کر گئے کہ: ''کیا ساڑھے تیرہ سو سالہ تاریخ نے ثابت نہیں کردیا کہ حضور کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا۔'' [ترجمان القرآن فروری ۱۹۵۶ء] خلیفہ راشد، پیکر حیا سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے بارے میں مودودی صاحب کی ہرزہ سرائی کا تذکرہ کرکے علامہ صاحبؒ نے مودودی صاحب کی جہالت اور صحابہ دشمنی سے خوب پردہ اُٹھایا اور ایک مقام پر لکھا ہے کہ:

''مودودی صاحب کے ''خلافت وملوکیت'' میں دیئے گئے بیانات سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کوئی خادم دین بول رہا ہے،

(بلکہ) یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کھنڈرات میں کوئی نمبردار یا چوہدری بول رہا ہو، پھر جب پتہ چلتا ہے کہ یہ تفسیر تفہیم القرآن کا مصنف ہے تو بے اختیار یہ بات منہ سے نکل جاتی ہے کہ: سیاسی لوگ سیاسی ہی ہوتے ہیں گو وہ کون ہوں۔'' [ص:٢٠٠]

غامدی صاحب کس طرح یورپ کی چمک تلے اپنے آپ کو کھو گئے

مودودی صاحب کے غلط نظریہ حدیث پر تبصرے کے بعد علامہ صاحبؒ نے چالیس (٤٠) صفحات میں جاوید احمد غامدی کے اُفکار کا جائزہ لیا ہے۔ گویا دیگر منحرفین کی نسبت غامدی صاحب پر علامہ صاحب کا تبصرہ طویل ہے۔ جس میں انھوں نے بڑی فراخ دلی اور دیانت داری سے ردِ غامدیت میں مولانا ڈاکٹر مفتی عبد الواحد رحمہ اللہ کے رسالہ ''تحفہ غامدی'' اور مولانا کمال الدین المستر شد کی کتاب ''تجدد پسندوں کے افکار کا جائزہ'' کا نہ صرف حوالہ دیا ہے۔ بلکہ مولانا کمال الدین کی چند عبارات پیش کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: ''حضرت امام محمد کے اس مستر شد کی یہ تحقیقات آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔'' [ص:٢٢٧]

علامہ صاحبؒ نے مولانا کمال الدین کی اس بات سے اتفاق کیا ہے کہ غامدی صاحب جیسے لوگوں کی کوشش یہ ہے دین کے ہر حکم اور ہر مسئلہ کی ایسی صورت طے کی جائے جو اہل مغرب کے ہاں بھی قابل قبول ہو چاہے وہ عنداللہ غلط اور رسول اللہ کے لائے ہوئے اسلام کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اور چونکہ مغرب کے تقاضے بدلتے رہتے ہیں اِس لیے اِن لوگوں کے اُصول و احکامات بھی ہر وقت تبدیلیوں کی زد میں رہتے ہیں۔ غامدی صاحب پہلے اپنی سوچ سے ایک چیز طے کر لیتے ہیں، پھر جو روایات اس سے متعارض نظر آئیں انھیں بے دردی سے رد کرتے جاتے ہیں۔ علامہ صاحب لکھتے ہیں کہ ''اصلاحی صاحب اپنے تدبر فی القرآن میں اتنے نہیں گرے جتنے غامدی صاحب اپنے تفکر فی الایمان میں گر گئے۔'' غامدی صاحب نے جن مسائل میں علمائے اسلام سے اختلاف کیا ہے وہ صرف ظنی اور فروعی درجے کے نہیں بلکہ اُصولی درجے کے ہیں، اسی لیے علامہ صاحب یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ: ''مسائل میں علماء میں اختلاف پہلے بھی ہوتا آیا ہے، اور اس سے کسی کی علمی حیثیت کا انکار نہیں ہوسکتا۔ ہاں جو اختلاف کفر و اسلام کا فاصلہ قائم کر دے اس کو کسی طرح برداشت نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کو کسی تاویل سے اپنے ساتھ ایک صف میں بٹھایا جا سکتا ہے۔'' [ص:٢٣١] پھر علامہ صاحب نے حدیث سبعۃ احرف پر غامدی حملے، بخاری و مسلم و مؤطا سے غامدی صاحب کی بداعتمادی اور حدیث کو اپنے علم و عقل کے پیمانہ پر پرکھنے کا غامدی معیار بیان کر کے واضح کیا ہے کہ غامدی صاحب کیسے محدثین کے علم و دیانت اور حفاظتِ حدیث کی خاطر اُن کی محنتوں کو حقارت سے ٹھکرا کر درحقیقت پرانے اسلام کے مقابلے میں مغرب کا پسندیدہ نیا اسلام پیش کرنا چاہتے ہیں۔ غامدی صاحب کی روش کی وجہ اور واحد وجہ یہی ہے کہ وہ یورپ کی چمک تلے اپنے آپ کو کھو گئے ہیں۔

اہلحدیث (باصطلاح قدیم) اور اہلحدیث (باصطلاح جدید) میں فرق

کتاب کے آخری حصے میں تقریباً چھتیس (٣٦) صفحات میں علامہ صاحب نے پہلے دور کے اہلحدیث یعنی محدثین اور موجودہ زمانہ کے فرقہ اہلحدیث یعنی غیر مقلدین کے مابین فرق واضح کیا ہے۔ جس کا لبِ لباب یہ ہے کہ ''پہلے دور کے اہلحدیث فکری طور پر اہل السنۃ والجماعۃ تھے، جبکہ موجودہ غیر مقلدین فکری طور پر اپنے وقت کا ایک نیا روپ ہیں۔'' پھر علامہ صاحب نے

صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، صحاح ستہ کے مؤلفین کے متعدد حوالوں سے اُن کے باہمی فقہی اختلاف کو واضح کر کے فقہی اختلافات کا رحمت ہونا سمجھایا ہے۔ اور پھر تقابل پیش کیا ہے کہ پہلے دور کے اہلحدیث یعنی محدثین کا نظریہ وسعت عمل کیسا تھا اور موجودہ غیر مقلدین چند فروعی اختلافات کو کس طرح جائز ناجائز، حرام وحلال بلکہ کفر واسلام کا اختلاف قرار دے کر الگ فرقہ بن چکے ہیں۔ نیز وہ مجتہد یا مقلد تھے جبکہ یہ غیر مقلد ہیں، وہ علم حدیث کے ماہر تھے، اِن کے عوام علم حدیث کی الف نہیں جانتے۔ الغرض غیر مقلدین کو محدثین کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ اور ایسے جاہلوں کا اپنے آپ کو اہلحدیث کہلانا اصل اہلحدیث کے ساتھ کس قدر ظلم ہے۔ آخر میں حضرت علامہ صاحبؒ نے حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ مولانا کرامت علی جون پوریؒ کا حکیمانہ جواب نقل کیا ہے کہ ایک وقت میں ایک ہی مسئلہ میں ایک شخص کو چاروں اماموں کی اتباع کی اجازت دے دی جائے تو اجتماع ضدین لازم آئے گا۔ ایک چیز کو امام ابوحنیفہ حرام اور امام شافعی حلال کہتے ہیں، یہ شخص کیسے دونوں اعتقاد بیک وقت رکھے گا؟ اور پھر اِس صورت میں یہ خود مختار ہو جائے گا کہ جو چاہے کرے، اور شریعت کا مقرر کرنا بے فائدہ ہو جائے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایک ہی امام کی تقلید کرے۔

شیخ محمد ناصر الدین البانی (۱۴۲۰ھ) کی حدیث میں لائی گئی بدعات

علامہ صاحب نے دس (۱۰) صفحات میں عرب کے مشہور صاحب جناب ناصر الدین البانی کی علم حدیث پر ظالمانہ مشقوں کا جائزہ بھی لیا ہے۔ جنھوں نے کتب حدیث کی وضع قطع بدلنے کی نازیبا جسارت کرتے ہوئے صحاح ستہ تک کا حلیہ بدل کے رکھ دیا۔ سنن ابی داؤد کو صحیح ابی داؤد اور ضعیف ابی داؤد میں، جامع ترمذی کو صحیح ترمذی اور ضعیف ترمذی میں اسی طرح سنن ابن ماجہ اور سنن نسائی کو بھی صحیح اور ضعیف میں تقسیم کر دیا۔ ایک تو یہ حرکت بذات خود نازیبا ہے، کسی کتاب کا نام بدلنے کا حق مصنف کے علاوہ کسی اور کو کیونکر حاصل ہو سکتا ہے؟ دوسرا صدیوں سے صحاح ستہ کا نام ایک بڑی عظمت کا حامل چلا آرہا ہے، البانی صاحب نے اس عظمت کو داغدار کر کے اپنا قد بڑھانے کی مذموم کوشش کی ہے۔ اور تیسری بات یہ کہ اس تصحیح وتضعیف کے لیے البانی صاحب نے معیار کسے بنایا ہے؟ اپنے ذاتی رجحانات، مسلکی تعصّبات اور اختراعی ترجیحات کو۔ یہی وجہ ہے کہ موقع بموقع اُن سے لاینحل تضادات کے ایسے شگوفے صادر ہوئے ہیں جنھوں نے اُن کی علمیت کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے۔ کئی سال قبل جب عالم عرب میں البانی صاحب کی علمیت کا پندار قائم تھا اور اُن کے معتقدین انھیں امام بخاری ومسلم سے فائق تسلیم کرتے تھے، کوئی اُن سے اختلاف کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا، تو سب سے پہلے دار العلوم دیوبند کے عظیم محدث مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ نے البانی کا تعاقب کیا، اور پھر عالم عرب میں بھی آوازیں اٹھنی شروع ہو گئیں تا آنکہ خواص وعام تک یہ بات پہنچ گئی کہ البانی صاحب کا بخاری ومسلم سے بڑے درجے کا محدث ہونا تو دور کی بات ہے، اُن کی معمولی حدیثی قابلیت وعلمیت ہی ثابت ہو جائے تو بڑی بات ہے۔ پھر علامہ صاحبؒ نے مولانا ابوبکر غازی پوری رحمہ اللہ کے اقتباسات پیش کر کے مولانا اعظمیؒ کے کام کا تعارف کرایا ہے۔ اور غیر مقلد عالم مولانا ابوالاشبال احمد شاغف کی عبارات بھی نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ البانی کو محدث تسلیم کرنے والے نرے جاہل ہیں۔

مرکزی اشاعۃ التوحید والسنۃ کا ملحدانہ نظریہ، امام بخاریؒ پر ایک ملحدانہ یورش

اپنی اِس کتاب کے آخر میں تقریباً بارہ (۱۲) صفحات میں علامہ صاحب نے بدنام زمانہ گستاخ مولوی احمد سعید چتروڑ گڑھی (۱۴۳۲ھ) کے رسالہ ''قرآن مقدس بخاری محدث'' پر تبصرہ کیا ہے۔ مولوی احمد سعید نے اِس رسالے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحیح بخاری قرآن کریم کے مقابل کتاب ہے جو قرآن کے خلاف ایک سازش کے طور پر لکھی گئی ہے۔ امام بخاریؒ کی توہین و تنقیص کرتے ہوئے پورے رسالے میں مولوی احمد سعید نے حد درجہ گھٹیا اور بازاری زبان استعمال کی ہے۔ اور ظلم بالائے ظلم یہ ہے کہ مولوی احمد سعید اپنے آپ کو علمائے اہل سنت دیو بند کی منسوب کرتا ہے۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں جو کچھ اس رسالے میں لکھا ہے یہ علمائے اہل سنت دیو بند کا مسلک نہیں بلکہ علمائے دیو بند کے نزدیک جو شخص بخاری و مسلم کی وقعت کر ہلکا کرنے اور تنقیص کی کوشش کرے وہ گمراہ اور بدعتی ہے۔ اس پر علامہ صاحب نے اپنے استاذ علامہ شبیر احمد عثانی رحمہ اللہ کی عبارت پیش کی ہے جو انھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حوالے سے لکھی ہے۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں: عام لوگوں میں یہ (اشاعتی) لوگ دیو بند سے انتساب رکھتے ہیں، ہم نے مناسب سمجھا کہ ان کی اکابر اہل سنت دیو بند سے نسبت نہ رہے اور عام لوگ انھیں ملحدین دیو بند کے طور پر جانیں۔ مولوی احمد سعید نے امام بخاریؒ پر ۵۴/الزامات عائد کیے ہیں، علامہ صاحب نے اُن میں سے چار کا بطور نمونہ ذکر کر کے ان کی حقیقت بھی واضح کی ہے کہ کس طرح مولوی احمد سعید نے امام بخاریؒ پر جھوٹ پر جھوٹ بولے اور جھوٹے الزامات عائد کیے ہیں۔ مولوی احمد سعید اِس کتاب سے پہلے بھی علمائے اہل سنت دیو بند سے جدا مسلک کا قائل تھا۔ علامہ صاحب نے آخری سطور میں مسئلہ حیات النبی کا بھی تذکرہ کیا اور لکھا مولانا غلام اللہ خانؒ اور مولانا قاضی نور محمدؒ دونوں بزرگ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ کی تحریر پر تائیدی دستخط کر کے اپنے اکابر اہل سنت دیو بند کے دامن سے جڑ گئے تھے۔

الغرض ۳۲۰/صفحات پر مشتمل علامہ صاحب کی یہ کتاب علم و تحقیق، تاریخی معلومات، منصفانہ تجزیوں، نادر حوالہ جات، حیران کن استدلالات، دلچسپ نکات اور معقول تبصروں پر مشتمل ہے۔ جس کے مطالعہ سے قاری کے کئی اشکالات حل ہو جاتے ہیں، متعدد شبہات کا جواب مل جاتا ہے، بے شمار معلومات حاصل ہو جاتی ہیں، لاتعداد فوائد ہاتھ آتے ہیں۔ جن کا صحیح اندازہ کتاب پڑھ کر ہی ہو سکتا ہے۔ ☆☆☆☆

> ''مسلمان نوجوان سر کے بال کاٹنے میں بھی انگریزی فیشن کو پسند کرتے اور لباس پہننے میں بھی انگریزی لباس ہی چاہتے تھے، کیونکہ ترقی پسند قوموں کا یہ رعب و دبدبہ غیر شعوری طور پر دِل و دماغ پر چھا جاتا ہے۔ جوتے کو ''جوتا'' کہنا انہیں پسند نہیں آتا وہ اسے ''شوز'' کہتے ہیں۔ سودی کاروبار کو وہ بینکنگ کہیں گے۔ قضائے حاجت کے لیے وہ بیت الخلاء نہیں جاتے ٹائیلٹ میں جاتے ہیں، باورچی خانہ میں نہیں وہ کچن میں کھانا پکاتے ہیں، قمیص نہیں شرٹ پہنتے ہیں۔ یہ عصری جدت پسندی اس قدر ان میں سرایت ہو چکی کہ اب دین و عقیدہ میں بھی انہیں پرانے اسلام پر رہنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔'' [جدید مشققیں: ۲۲۰]

مولانا مفتی نعمان احمد نعمانی، کھاریاں

علامہ صاحب اور ان کی تصانیف

جامع الصفات والکمالات شخصیت:

محقق العصر سلطان المناظرین مفکرِ اسلام جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات اُن ہستیوں میں سے ایک تھی جنہیں رب تعالیٰ نے گونا گوں صفات وخصوصیات اور بہت سے اوصافِ جمیلہ وحمیدہ سے نوازہ اور کمالاتِ حسنہ کا مرقع بنایا تھا۔جن کی بنا پر اگر آپ کو جامع المحاسن کہا جائے تو شائد مبالغہ نہ ہوگا۔

آپ بیک وقت ایک محقق و مدقق عالمِ دین، علمی دنیا کے بے بدل و مایہ ناز شہسوار۔اخلاقِ حسنہ کے خوگر، اخلاقِ رزیلہ سے محترز و متنفر، صدق ووفا، خلوص ومحبت، عجز وانکسار کے پیکر، حبِ نبی وصحابہ واہل بیت سے خوب سرشار، لشکرِ اہلِ حق کے نامور سپہ سالار، مسلکِ اہلِ سنت کے حقیقی معنی میں ترجمان و پاسدار، بزرگانِ دین وعلماءِ حق علماءِ اہل سنت دیوبند کے حبدار و جانثار، عقائدِ اسلامیہ بالخصوص عقیدۂ ختم نبوت کے صحیح معنی میں محافظ و پاسبان اور ناموسِ صحابہ، اہل بیت وازواجِ مطہرات کے نگہبان، تمام تر فرقۂ باطلہ وضالہ کے لیے شمشیرِ بے نیام، کئی سارے مدارسِ دینیہ اور مراکزِ اسلامیہ کے سائبان، نسبتِ اسلاف اور مذہبِ احناف کے علمبردار، تصوف وفقہ کے ماہر و رمز شناس، درس وتدریس، تحریر وتصنیف میں وہ بادشاہ وسلطان، میدانِ مناظرہ میں حق واعتدال کی راہ پر کاربند و گامزن، تصنیف وتالیف میں وہ اپنی مثال آپ، بس یوں سمجھ لیجئے کہ وہ مکمل ایک انجمن اور کئی دماغوں کے اکیلے انسان تھے۔

جن خوش نصیب لوگوں کو حضرت علامہ صاحبؒ کی معیت ومصاحبت میں وقت گزارنے کا سنہری موقع میسر آیا ہے آپ کی زندگی کو پڑھا، دیکھا اور سنا ہے وہ یقیناً اس بات کی گواہی دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے ان کو تمام تر محاسنِ اسلام، وراثتِ نبوت اور علمِ شریعت سے وافر حصہ، خاص کر علمی وتحقیقی میدان میں یدطولیٰ عطا فرمایا تھا۔اور پھر آپ کا اسلاف و اکابرین پہ لائقِ تحسین اعتماد آپ کی عظمت وفضیلت کو مزید اجاگر کرتا اور چار چاند لگا دیتا ہے۔

الغرض آپ کی علمی لیاقت و برتری، آپ کی عظیم کتب اور علمی شاہکار، حکمت ودانائی سے لبریز مجالسِ علمی، اخلاص و للٰہیت سے بھرپور جذبۂ خیر خواہی، دینی حمیت و بیدار مغزی، حق گوئی میں بے باکی، کمالِ عظمت، کردارِ عملی اور تبحرِ علمی، رہن سہن، لباس، طور طریقہ، گفتگو غرضیکہ ہر چیز میں سادگی اور بے تکلفی، اور ان جیسی بیسیوں صِفات وخصوصیات اس بات کی آئینہ دار ہیں کہ ربِ لَم یَزل نے آپ کو علم وعمل اور اخلاقِ حسنہ کا مَنبع وسرچشمہ بنایا تھا۔آپ ان گنت خوبیوں کے مالک اور ایک جامع شخصیت تھے کہ ڈھونڈنے پر بھی شاید ایسی باکمال ولاجواب ہستی نہ مل سکے۔یقیناً زمانہ ان کی مثال لانے سے ہمیشہ قاصر رہے گا۔

سرتاج الائمہ سراج الامت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان ابن ثابتؒ کے متعلق کہے گئے شاعر کے فقط یہ الفاظ ہیں جو اس مشکل گھڑی میں مجھے دلاسہ دیتے اور اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ زیادہ نہ سہی کچھ تو لکھو۔ جتنا آتا ہے اتنا ہی لکھو، ہاں مگر ضرور لکھو۔

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ ہو المسک ماکررتہ یتضوع

ہمارے لیے نعمان (امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اوصاف وکمالات) کا تذکرہ کرو کہ آپ کا تذکرہ وہ عظیم خوشبو ہے جسے جتنا مسلا جائے اس قدر وہ مہکتی (اور دل ودماغ کو معطر کرتی) ہے

بس اسی نقطۂ نظر سے کہ شاید کوئی بات کسی کی ہدایت کا سبب ذریعہ بن جائے، اپنے ذوق اور ناقص علم کے مطابق بندۂ ناچیز حضرت علامہ صاحبؒ کے ہزاروں عمدہ واعلیٰ اوصاف وکمالات میں سے صرف دو وصف وکمال مختصر انداز میں قارئین کی نظر کرنا چاہتا ہے۔اولاً: دفاعِ مسلکِ اہل السنۃ والجماعۃ، فرقۂ باطلہ وضالہ کی علمی وتحقیقی تردید۔اور اس تردید وتنقید میں بھی افراط وتفریط سے ہٹ کر حق واعتدال کے دائرے میں مقید وکاربند ہونا۔ثانیاً: آپ کی خدماتِ اسلام میں سنہری حروف سے لکھی جانے والی تحریرات وتالیفات اور تصانیف کی ایک دلکش ودلنشین جھلک۔

اعمال وعقائد میں اعتدال کا راہی:

ناچیز کے استاذ گرامی شیخ المشائخ حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کی کامیابی اور نجات کے لیے تین باتیں نہایت ضروری ہیں: عقائد صحیح اپنائے، عمل کی اصلاح کرے، اور اخلاق درست کرے۔اور ان تین چیزوں میں سے خاص وبنیادی چیز عقائد کی درستگی وپختگی ہے، کیونکہ عمل واخلاق کی اصلاح موقوف ہے عقائد کی صحت پر، جب تک عقائد درست نہیں تب تک نہ کوئی عمل قابلِ قبول ہے اور نہ ہی اخلاقی بہتری کی کوئی صورت۔

عقائد کی صحت بھی تب تک برقرار رہتی ہے جب تک وصفِ اعتدال پر انسان قائم رہے۔کیونکہ کوئی بھی کام ہو دینی ہو کہ دنیاوی، علمی ہو کہ عملی، تدریسی ہو یا تصنیفی، اصلاحی ہو یا تحریکی جب تک اعتدال کے دائرے میں رہتا ہے تب تک پھلتا، پھولتا، دن بدن بڑھتا اور نکھرتا ہے اور اگر کوئی سرِ مو بھی اعتدال سے انحراف کرتا ہے خواہ دنیاوی معمولات ومعاملات میں ہو یا کہ دینی عقائد ومسائل میں، سہوا ہو کہ عملا، تو ایسے انسان کی لحہ بالحہ زندگی اجیرن بنتی چلی جاتی ہے چین سکون کی نعمت چھنتی ہوئی نظر آنے لگتی ہے اور دھیرے دھیرے دین واسلام سے دوری بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ انسان یا تو کسی فتنے کے ہاتھوں شکار ہو جاتا ہے یا خود ایک نیا فتنہ بن جاتا ہے۔العیاذ باللہ۔

حضرت علامہ صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے وصفِ اعتدال سے خوب سے خوب تر نوازا تھا، آپ عقائد ومسائل، اعمال واذکار، مناظرہ ومباحثہ، تصنیف وتالیف، درس وتدریس میں اعتدال کے راہی تھے اور زندگی بھر افراط وتفریط سے پاک راہِ اعتدال پر ہی کاربند رہے۔اور یقیناً یہ آپ کا کمال تھا ورنہ ہر ذی شعور اور حقیقت سے آشنا وباخبر انسان جانتا ہے کہ میدانِ مناظرہ میں اترنے والے کسی بھی شخص کیلئے راہِ اعتدال اور متوارث نظریہ پر قائم رہنا بڑا دشوار اور دل گردے کا کام ہوتا ہے جس پر قائم رہنے کیلئے

مضبوط حوصلہ اور غیر متزلزل یقین کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ کہیں نہ کہیں راہِ اعتدال سے بندہ ہٹ ہی جاتا ہے۔

علامہ صاحب کی نگارشات کا فیضان!

حضرت علامہ صاحبؒ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر فن میں کمال اور ہر کمال میں بے شمار محاسن ومحامد سے نوازا تھا۔آپ بیک وقت مفسرِ کبیر بھی تھے اور محدثِ عظیم بھی، فقہ اسلام سے خوب آشنا بھی تھے اور تصوف واحسان کے خوگر وجوہر بھی، سینکڑوں علماء کے سرپرست بھی تھے اور ہزاروں تشنگانِ علم کے مشفق محسن ومربی بھی، علومِ دین کے نہایت ماہر بھی تھے اور فنونِ دنیا سے خوب واقف بھی، اسلامی تہذیب کی ترویج واشاعت میں محو بھی تھے اور مغربی ثقافت کے سامنے سینہ سپر بھی۔ان جیسی بیسیوں علمی وعملی صفات وکمالات کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ میں جو تحریری ملکہ ودیعت کر رکھا تھا وہ یقیناً آپ کا ہی خاصہ تھا۔

آپ کا انداز نہایت سلجھا ہوا اور ہر مضمون انتہائی دلچسپ اور وقیع مسائل کی تحقیق وتدقیق میں منبع ومرجع تھا، آپ کی ہر تصنیف وتالیف مدلل ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم بھی تھی، آپ بڑا شستہ، شائستہ، بے باک ومعتدل قلم رکھتے تھے۔حلقۂ علماء وطلبہ دین کے علاوہ یونیورسٹیوں، کالجوں میں پڑھنے پڑھانے والے طلبہ وپروفیسر حضرات کے ہاں بھی آپ کے تحقیقی، علمی، معلوماتی اور ادبی مضامین کو خاصی مقبولیت حاصل تھی، آپ کے علمی مضامین مختلف جرائد ورسائل کی زینت بنتے اور ہر مکتبہ والا آپ کی ہر تحریر کو شائع کرنے کا متمنی اور اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتا تھا۔آغاز ہی سے آپ کا قلم ضروریاتِ دین، عقائدِ اسلام، فہمِ قرآن وحدیث، تصوف وفقہ سے شناسائی، اسلاف واکابر کے مذہب ومشرب کی ترویج، تحفظِ ناموسِ رسالت مآب ﷺ اور تحفظِ ناموسِ صحابہ واہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین، تردید فرقۂ باطلہ وضالہ بالخصوص ردِ روافض میں مجاہدانہ، عالمانہ کردار کا حامل رہا ہے۔آپ کی ہر تحریر آبِ زر سے لکھنے کے قابل، لائقِ صد تحسین وتقلید ہے۔

آپ کی تصانیف وتالیفات کی جاذبیت نے ہی بندہ کو ہمیشہ کے لیے آپ کا گرویدہ کر دیا۔خامسہ والے سال حضرت کی ایک کتاب ''مناظرے اور مباحثے'' (تعارف آگے آئے گا.ان شاء اللہ) پڑھنے کی توفیق ہوئی۔اپنی کم عمری وکم علمی کے باوجود حضرت کی ذات سے عقیدت ومحبت میرے من میں رچ بس گئی اور ہمیشہ کے لیے دل کی سادہ تختی پر ثبت ہوگئی ؎

اتانی ھواھا قبل ان اعرف الھوی فصادف قلبا خالیا فتمکنا

(میرے دل میں ان کی محبت آ گئی جبکہ ابھی میں محبت کے مفہوم سے بھی ناآشنا تھا، محبت نے خالی دل پایا تو اس میں جم گئی۔)

اسی کا اثر ہے کہ تقریباً سادسہ سے لے کر اب تک جب بھی کوئی دوست مجھ سے کسی علمی وتحقیقی اور اعتدال پہ مبنی خاص کر فرقِ باطلہ کے متعلق کتاب کا مشورہ کرتا ہے تو بندہ بجائے ان کو کتب کے تعارف اور نام یاد کرانے کے چند شخصیات کے نام بتا دیتا ہے کہ ان حضرات کی کوئی بھی کتاب آپ کو جہاں سے، جتنے میں ملے ضرور لے لیں۔ان شاء اللہ آپ کو سو فیصد فائدہ ہی ہوگا نقصان ذرا برابر بھی نہیں۔بلکہ میرا تو دعویٰ ہے کہ اگر کوئی صاحبِ علم ان حضرات کی جملہ کتب کا زندگی میں فقط ایک بار بھی مطالعہ کر لے تو ان شاء اللہ احقاقِ حق ابطالِ باطل میں کوئی دشواری نہ رہے گی نہ سمجھنے میں اور نہ ہی سمجھانے میں۔برکت کے لیے ان شخصیات کا

نام لکھ دیتا ہوں۔

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند، امامِ اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ، مناظر اہل سنت مولانا محمد منظور نعمانیؒ، امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ، قائدِ اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ، امین ملت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ، شہیدِ اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، حکیم العصر شیخ الحدیث مولانا عبد المجید لدھیانویؒ، وکیلِ صحابہ و اہل بیت مولانا عبد الستار تونسویؒ، محقق العصر وکیلِ احناف مولانا منیر احمد منور مدظلہ، محقق ابنِ محقق مولانا عبد القدوس قارن مدظلہ، مناظرِ اسلام مولانا نور محمد تونسویؒ، منجملہ ان شخصیات میں سے ایک عظیم شخصیت مفکرِ اسلام حضرت مولانا ڈاکٹر علامہ خالد محمودؒ پی ایچ ڈی لندن بھی ہیں۔

حضرت علامہ صاحبؒ کے علمی کمال و منزلت کی جھلک، آپ کی زندگی بھر کا سرمایہ، آپ کے اوصاف و کمالات کا آئینہ دیکھنا ہو تو آپ کی تمام تر کتب کا مطالعہ بے حد ضروری اور ناگزیر ہے۔ آپ کی جملہ تصنیفات و تالیفات آپ کی زندگی کے عظیم ترین کارناموں میں سے ایک عظیم کارنامہ اور مرجع الخلائق ہیں، جو کہ اصل میں ''مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید'' (خوشبو کو بتانے کی ضرورت نہیں پڑتی کہ میں خوشبو ہوں وہ خود ہی اپنا وجود منوالیا کرتی ہے) کی حقیقی مصداق ہیں۔ آپ کی ہر ہر کتاب آپ کی مخلصانہ جد و جہد کی عکاس، آپ کی انتھک کاوشوں کی عظیم شاہکار، آپ کی قلمی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت اور علم سے گہری وابستگی کا حسین مظہر ہے۔

آپ نے تصنیف و تالیف کے سمندر میں علم و تحقیق کے چراغ لے کر جو قیمتی ہیرے و جواہرات امت کی جھولی میں جس انداز میں پیش کیے ہیں اس بنا پر آپ کے متعلق یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ آپ اس میدان کے عظیم شہسوار ہیں، آپ کا ایک ایک لفظ صرف عوام الناس کے دلوں کے سکون کا ذریعہ نہیں بلکہ علماء و طلبہ کے لیے بھی باعثِ تسکین ہے۔ آپ کی ہر کتاب مستند، ماخذ اور سند کا درجہ رکھتی ہے۔ اس میدان میں ضمانت کے لیے تو بس آپ کا نام ہی کافی ہے۔

حضرت کے علمی جواہر پارے:

حضرت علامہ صاحبؒ کی کتب پر مجھ جیسے ناقص و کوتاہ علم کا تبصرہ کرنا یقیناً چھوٹا منہ بڑی بات کا مصداق ہے، اس لیے مندرجہ ذیل چند سطور کو تبصرہ کے بجائے اپنے الفاظ میں اُن کی کتب کا تعارف اور اُن کی طرف شوق دلانے کی ادنیٰ سعی سمجھی جائے۔ (اؔ)

(۱)۔ آثار التنزیل:

قرآنِ کریم جو کتاب اللہ بھی ہے اور کلام اللہ بھی، جو انسانی ہدایت، دین کی سلامتی و بقاء کا ضامن بھی ہے اور قربِ الٰہی کے حصول کا مؤثر ترین ذریعہ بھی، جو زمانہ کے دست و بُرد سے پوری طرح محفوظ بھی ہے اور اپنے متبعین کو جہنم سے محفوظ کرنے کا

(اؔ) علامہ صاحب کی کتب کے عناوین کی فہرست کے لیے دیکھیے پروفیسر حافظ بشیر حسین حامدؒ کا مضمون [۶۲۱/۱]۔ اور کتب پر اکابر و علماء کی آراء، تقریظات اور تبصروں کے لیے دیکھیے مضمون: ''اکابر و معاصرین کی نظر میں'' [۵۳/۱] (ادارہ)

زینہ بھی، جس پر عمل پیرا ہونا دنیا و آخرت کی سرخروئی کا باعث بھی ہے اور اسے پڑھنا، سمجھنا حتیٰ کہ فقط دیکھنا بہترین عبادت بھی، جو تا قیامت باقی رہنے والا عظیم الشان معجزہ بھی ہے اور روزِ محشر سرورِ کائنات ﷺ کے فخر کا سبب ذریعہ بھی۔

حضرت علامہ صاحبؒ کا دعویٰ بھی یہی ہے کہ آثار التنزیل پڑھنے کے بعد ان شاء اللہ قرآن کے تعارفی حوالہ سے کوئی چیز مخفی اور ادھوری نہ رہے گی۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''آثار التنزیل میں طلبہ کو قرآن کے داخلی اور خارجی مباحث میں اتنا علمی مواد ملے گا کہ ان مباحث میں وہ پھر کوئی تشنگی محسوس نہ کریں گے، بشرطیکہ اسے وہ ایک طالب علمانہ نظر سے پڑھیں اور بار بار پڑھیں۔ ایک ترتیب سے چلیں اور پورے موضوع کا مطالعہ کریں۔'' (آثار التنزیل کے لیے مزید دیکھیے: ۱/۱۹۰......۱/۲۳۵......۱/۶۲۲......۱/۶۵۱......۲/۵۸۰ [ادارہ])

(۲)-آثار الحدیث:

قرآنِ کریم کے بعد دوسرا ماخذِ علمی حدیثِ رسول اللہ ﷺ ہے اور جس طرح قرآن حجتِ شرعی، قطعی دلیل ہے اسی طرح حدیثِ مبارکہ بالخصوص خبر متواتر بھی قطعی طور پر حجت ہے۔ بقول حضرت علامہ صاحبؒ یوں سمجھیں کہ قرآن متن ہے تو حدیث اس کی شرح، قرآنِ کریم اجمال ہے تو حدیث اس کی تفصیل، قرآن کریم پر عمل **اطیعوا اللہ** کا امتثال ہے تو حدیثِ رسول پر عمل **اطیعوا الرسول** کی تعمیل۔

اصل میں یہ سب اسلام دشمن اور اپنی نفسانی خواہشات کے پجاری ہیں جو علی الاعلان اور براہِ راست اسلام کو غلط کہنے کی جسارت نہیں رکھتے، اپنے اس غلیظ انداز سے دل کی بھڑاس نکال لیتے ہیں۔ خاص کر مستشرقین اسلام کی خدمات کے عنوان پر اور منکرین حدیث قرآن کا لیبل لگا کر سادہ لوح مسلمانوں کو اپنی مکاری و چالاکی سے اسلام کے متعلق مختلف قسم کے شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیتے ہیں جس کا احساس تب ہوتا ہے جب بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔

حضرت علامہ صاحبؒ کی ان دونوں گروہوں پر کڑی نظر تھی اور یہ آپ کی دُور اندیشی تھی کہ ایک طرف طلبہِ دین کو ان مستشرقین کی تحقیقات پر بھروسہ کرنے سے بایں الفاظ بالکلیہ منع فرما دیا کہ:

''طلبہ علومِ اسلامی ان علوم کے تحقیقی مراحل میں مستشرقین سے کہیں تائید لے لیں تو اس میں حرج نہیں، لیکن ان تحقیقات کے کسی باب میں ان پر بھروسہ نہ کریں۔ یہ اس فن کی کہیں تعریف بھی کریں گے تو اس کے آخر میں ''اگر، مگر'' کا الارم دے کر طالبین کو شک کی ایسی گہری وادی میں دھکیل دیں گے جس میں گرتے تو کئی دیکھے گئے لیکن نکلنے والا خوش قسمت کوئی کوئی رہا۔''

اور دوسری طرف منکرینِ حدیث کو امت کا سب سے بڑا فتنہ بتلایا اور ان کے چنگل سے نکلنے کا واحد راستہ ارشاداتِ نبوت کو قرار دیا۔ چنانچہ آپ اپنے خاص انداز میں یہ بات سمجھاتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں کہ:

''مدارس عربی میں آج سب سے بڑی جماعت کس گروہ کی ہے؟ جو دورۂ حدیث کا حلقہ لگائے بیٹھے ہیں۔ اور اساتذہ میں سب سے بڑا استاذ کون ہے؟ شیخ الحدیث، جو ہر لفظ سے حضور ﷺ کی خبر دے رہا ہے، قال اللہ و قال الرسول کی صدا بلند کر رہا

ہے۔اسی طرح دین کے لیے سب سے بڑا خطرہ اور دین پر سب سے بڑا حملہ کون سا ہے؟ انکارِ حدیث کا۔اور دین کے ہر اختلاف میں حرفِ آخر کیا ہے؟ ارشادِ نبوت۔''

آپؒ نے از خود بھی حدیث کے باب میں ایسی قولی، فعلی، علمی و عملی اور تحقیقی خدمات سرانجام دی ہیں جو رہتی دنیا تک طالبانِ علومِ حدیث کی تشنگی کی سیرابی کا ذریعہ اور مبتدی ومنتہی طلبہ، علماء ہر ایک کے لیے کارآمد، حرز جاں اور باقیات الصالحات کا مظہر رہیں گی۔ان شاءاللہ۔

انہیں خدماتِ اسلام میں سے ایک عظیم الشان خدمت آپ کی معرکۃ الاراء کتاب آثارالحدیث بھی ہے۔جو آپ کے علم وتحقیق کی گہرائی، سچائی اور اعتدال پہ مبنی ہونے کی علامت بھی ہے اور حدیثِ رسول اللہ ﷺ سے عقیدت ومحبت کی نشانی بھی۔

حضرت علامہ صاحبؒ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: ''آثارالحدیث کے ان مضامین میں ہر مضمون اپنی جگہ ایک مستقل کتاب ہے، اسے پڑھیے آپ کے ذہن میں اس موضوع سے متعلق کوئی تشنگی باقی نہ رہے گی۔'' آثارالحدیث ان شاءاللہ العزیز آپ کی زندگی کے پورے سفر میں آپ کا ساتھ دے گی، آپ بھی پوری توجہ سے اس کا ساتھ دیں، اسے پڑھیں اور پڑھائیں، حدیث کے خلاف پھیلائے گئے فتنوں کی جڑ خود بخود کٹتی جائے گی اور آپ کو اس میں حدیث کی صداقت پر ایک کھلا نور، سکون اور اطمینان ملے گا۔(آثارالحدیث کے لیے مزید دیکھیے :۱/۲۴۸......۱/۶۲۲......۱/۶۵۲......۲/۵۱۵......۲/۵۶۵[ادارہ])

حضرت علامہ صاحبؒ نے ایک نصیحت خاص کر دورہ حدیث کے طلبہ کے لیے بھی ہے کہ:

''دورۂ حدیث کے طلبہ اس کتاب کو پڑھ کر دورۂ حدیث شروع کریں، تو اساتذہ کی تحقیقات کو بڑی آسانی سے اس کتاب کے مختلف ابواب میں جگہ دے سکیں گے۔''۔

(۳)۔آثارالتشریع:

دینِ اسلام ایک کامل، مکمل اور ابدی دین ہے جو تمام تر ادیان میں سب سے بلند و بالا، عظیم الشان، ایک مکمل دستورِ زندگی اور ضابطۂ حیات ہے۔جو زندگی کے ہر گوشے، ہر موڑ پر انسان کی مکمل رہنمائی کرتا اور ہر دور و زمانہ کے انسانی فطری تقاضوں کے مطابق نت نئے مسائل اور حوادث کا حل مہیا کرتا ہے۔حضرت علامہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اسلام میں قانون کی اساس انسانی ضرورت، معاشرتی سہولت، فطری تقاضوں، شرافتِ انسانی اور طاعتِ ربانی پر رکھی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیے ہیں ان سب میں یہ پانچ امور ملحوظ رہے۔اور آنحضرت ﷺ نے بھی جو کچھ کیا اور فرمایا ان میں بھی انہی پانچ امور کی رعایت موجود رہی، آگے مجتہدین بھی کتاب وسنت کی روشنی میں انہی اصولوں پر چلے ہیں۔''

فقہ کہتے کسے ہیں؟ اور قرآن وسنت کے ہوتے ہوئے اس کی ضرورت کیا ہے؟ آیئے ان باتوں کا تسلی بخش، مختصر، پُراثر جواب حضرت علامہ صاحبؒ کی زبانی ملاحظہ فرماتے ہیں۔چنانچہ آپ فقہ کا لُبِ لباب اور خلاصہ آسان لفظوں میں یوں لکھتے ہیں کہ:

''دینِ اسلام کی اساس وبنیاد چار چیزوں پر مشتمل ہے۔کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ ﷺ، اجماعِ امت اور قیاسِ شرعی و

مجتہد۔ اور انہیں چاروں اُصولوں کے مجموعے کا نام فقہ ہے۔'' سابقہ شریعتوں کے مسائل کتاب اللہ کے تحت، اقوالِ صحابہؓ سُنت کے تحت، تعاملِ ناس اجماعِ امت کے تحت اور تحری و استصحابِ حال قیاسِ شرعی کے تحت داخل ہیں۔

اسی بات کو مزید مفصل و آسان کر کے بایں الفاظ ذکر کیا ہے کہ:

''اسلام میں علم کے ۳ تین ماخذ ہیں، ۱۔ قرآنِ کریم ۲۔ سنتِ رسول اور ۳۔ اجتہاد۔ سنت آنحضرت ﷺ کے اسوہ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے طریقِ عمل کو بھی شامل ہے۔ پھر اجتہاد اگر متفق علیہ درجے کا ہو تو اسے ''اجماع'' کہہ دیتے ہیں اور مجتہدین کا اپنا اپنا استنباط ہو تو اسے فقہ کہتے ہیں۔ اور جو مسائلِ شریعت اجتہاد کی راہ سے معلوم ہوں وہ بھی عین دین ہیں کیونکہ انہوں نے کتاب و سنت کے چشمے سے ہی ظہور پایا ہے، سو انہیں بھی اسی درجہ میں مانا جائے گا جس درجہ میں ہم نے کتاب و سنت سے رہنمائی پائی تھی، یہ فریضہ عادلہ ہے جو عمل میں ان کے برابر کا علمی ماخذ ہے۔ سو علم انہی تین دائروں میں ہے ۱۔ آیتِ محکمہ۔ ۲۔ سنتِ قائمہ اور۔ ۳۔ فریضہ عادلہ اس کے سوا جو ہیں وہ واردات ہیں یا بدعات، شریعت نہیں۔

آثار التشریع ہے کیا؟ بس یوں سمجھ لیجئے کہ فقہِ اسلامی کی ایک علمی و تحقیقی دستاویز اور عصر حاضر کا فاضلانہ شاہکار ہے۔ جس میں آپ کو آپ کے سارے سوالات کا تسلی و تشفی بخش جواب بھی ملے گا اور فقہ کے بارے پھیلائے گئے غلط عقائد و نظریات کا مدلل رد بھی، فقہِ اسلامی کا مکمل تعارف بھی ملے گا اور فقہاءِ کرام سے عقیدت و محبت میں اضافہ بھی، جس میں آپ کو فقہ کی ضرورت و حقیقت، درجہ و مقام پر سیر حاصل بحث بھی میسر ہو گی اور اصطلاحات الفقہ اور ائمہ فقہ کی پہچان بھی۔

(دیکھیے: ۱/۶۲۳......۱/۶۵۲......۲/۴۳۱ (اقتباسات)......۲/۵۷۹ [ادارہ])

(۴)۔ آثار الاحسان:

انسان جو اعمال و افعال کرتا ہے وہ ابتداءً دو طرح کے ہیں: علومِ ظاہرہ، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح و طلاق تجارت و سیاست اور معاشرت وغیرہ کے احکام و مسائل جنہیں علمِ فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور علومِ باطنہ جیسے تقویٰ و توکل، صبر و شکر جیسے اوصاف کی بصیرت و مہارت جنہیں علمِ تصوف کہتے ہیں۔ اور پھر اعمالِ باطنہ منقسم ہوتے ہیں دو اقسام پر، بعض وہ جن میں اچھائی کی تعلیم اور انہیں اپنانے کا ذکر کیا گیا ہے، جیسے اللہ و رسول ﷺ سے محبت، اخلاص و تقویٰ، صبر و شکر، تواضع و خشوع، قناعت و سخاوت، توبہ و استغفار، خوف و رجاء، توحید و توکل، جنہیں عرفاً فضائل و اخلاقِ حمیدہ کہا جاتا ہے۔ اور بعض وہ جنہیں چھوڑنے اور خود کو ان سے پاک رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے، جیسے غرور و تکبر، بغض و حسد، بخل و غضب، عجب و شہرت، حبِ جاہ و مال، حرص و ریاء، بزدلی و سنگدلی، کینہ و دشمنی جنہیں اصطلاحاً رذائل اور اخلاقِ ذمیمہ کا نام دیا جاتا ہے۔ انہی فضائل و رذائل، اخلاقِ حمیدہ و اخلاقِ ذمیمہ کے مجموعہ کو ہی تصوف، علم القلب و اصلاحِ قلب، علم الاخلاق و تصفیۂ باطن، سلوک و طریقت، تزکیۂ نفس اور احسان کے مختلف عنوانات و نام سے کتبِ شریعت میں ذکر کیا جاتا ہے۔

علامہ صاحبؒ نے اس پہلو کو بھی اجاگر کیا ہے کہ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ جس طرح علماء کرام نے دین کی اشاعت

میں اپنا ایک کردار ادا کیا ہے اسی طرح صوفیاء کرام نے بھی اسلام کی سر بلندی و سرفرازی کے لیے انتھک جدوجہد کی ہے۔ اوران کی خدماتِ اسلام کا تعارف تبھی ہو سکتا ہے جب ہم ان حضرات کی زندگیوں اوران کی محنتوں کا تذکرہ پڑھیں۔

آثار الاحسان بھی اسی سلسۃ الذہب کی ایک کڑی ہے جو اٹھارہ علمی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے، جنھیں ایک تاریخی تسلسل سے پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا ہر مضمون ایک مستقل رسالہ اور جامع تالیف ہے۔ جس کی ایک ایک سطر اس اصول کی خوب عکاسی کرتی ہے کہ مصنف کی عظمت ہی کتاب کی عظمت کی دلیل ہوتی ہے۔ حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کا طرزِ استدلال ہمیشہ کی طرح نہایت سلجھا ہوا علم و تحقیق سے بھرپور، سہل و آسان اور ان گنت خوبیوں سے لبریز جس کا صحیح اندازہ مطالعہ کیے بغیر بہت مشکل ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے جہاں تصوف و طریقت کی راہیں کھلیں گی، ان کی صحیح پہچان ہوگی وہیں عملی زندگی میں نکھار اور بہار آئے گی۔ صوفیاء کرام کی خدماتِ اسلام کا اعتراف بھی ہوگا اور کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے بیعت ہونے کر اپنی اصلاح کا داعیہ بھی، اصطلاحاتِ تصوف سے واقفیت بھی ہوگی اور مقامِ تصوف سے خوب شناسائی بھی۔ جس کے اسلوبِ بیان میں محدثین کی جھلک بھی دیکھائی دے گی اور کتاب وسنت کی صحیح مرادات کی تعیین بھی۔ راہِ طریقت کے شاہسواروں کا تذکرہ بھی اور چار سلسلوں میں بند ہونے کی وجہ وعلت بھی۔ الغرض یہ کہ تصوف واحسان، سلوک وطریقت کے حوالہ سے جو کچھ مطلوب ہو، جو کچھ ذہن میں گردش کرے ان سے کما حقہ آگاہی اور مکمل تفصیل وتعارف آثار الاحسان میں ملے گا۔ ان شاء اللہ۔

اس کتاب کی غرض حضرت علامہ صاحبؒ کے اپنے قلم سے کتاب کے آغاز میں موجود ہے۔ جس میں یہ الفاظ بھی شامل ہیں کہ:

''احقر یہ کہنے میں کوئی باک نہیں سمجھتا کہ یہ کتاب تصوف پر نہیں تصوف سے متعلق چند علمی مباحث پر ہے۔ اس کا مقصد طلبہ کو گو وہ کسی بھی مسلک اور مشرب سے تعلق رکھتے ہوں اس حقیقت سے آشنا کرنا ہے کہ تصوف آج کی کوئی نئی آواز نہیں بلکہ تزکیۂ قلب کا یہ وہ عمل ہے جس کی صدا ہمیں پچھلی چودہ صدیوں میں برابر سنائی دے رہی ہے۔'' (مزید دیکھیے: ۱/۲۰۰، ۱/۶۲۳، ۱/۶۵۵)

(۵)- مقامِ حیات: (۱)

عقیدہ حیات النبی ﷺ ایک اتفاقی مسئلہ ہے جس کے بارے منکرینِ حیات نے یہی طریقۂ واردات کا استعمال کیا اور خوب کیا۔ اپنے آپ کو اہل سنت دیوبند کہلانے والوں کو چاہیئے تو یہ تھا کہ جس مسئلہ پر چودہ صدیوں سے پوری امتِ مسلمہ کا اتحاد و اتفاق چلا آرہا ہے، جو اہل السنۃ والجماعۃ کے چاروں مسالک حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، اور حنبلیہ کا متفقہ عقیدہ ہے، قرآن کی آیات جس مسئلہ کے اثبات وصحیح ہونے پر دلالت کرتی ہیں، احادیثِ مبارکہ جس عقیدہ پر شاہدِ عدل ہیں، جو نظریہ اجماعِ صحابہ اور اجماعِ امت سے مزین ہے، جس مسئلہ پر قرآن وحدیث، دینِ اسلام کے صحیح ترجمان اس دور میں حق کا علم لہرانے والے علماءِ حق علماءِ اہل سنت دیوبند کی کتب وتائیدات موجود ہیں، جس عقیدہ کا منکر چودہ صدیوں کے اہل السنۃ والجماعۃ میں دکھائی نہیں دیتا، اس عقیدے اور نظریہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر لیا جاتا۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوا، بجائے اس متفقہ ومتوارث نظریہ کو قبول کرنے سے اس کے خلاف

---

(۱) ''مقام حیات'' کے مزید تعارف کے لیے دیکھیے: ۱/۱۹۸، ۱/۲۰۳، ۱/۲۷۹، ۱/۶۲۹، ۱/۶۶۵، ۱/۷۰۷ (مضمون) [ادارہ]

ایک اور عقیدہ گھڑ لیا گیا۔ اور جب پوچھا گیا کہ اہل السنۃ والجماعۃ میں سے کسی ایک معتبر عالم کا قول و کتاب پیش کریں تو وہی حربہ استعال کیا کہ جواب کی بجائے انہی کو مورد طعن بنا دیا اور عوام الناس کو قرآن کے نام پر چودہ سو سالہ امت سے بدظن کرنے کی نامبارک سعی کی گئی۔

حضرت علامہ صاحب فرماتے ہیں:

''احناف و شوافع، موالک و حنابلہ، محدثین و متکلمین اور فقہاء وائمہ ہدیٰ میں سے کسی ایک نامور شخصیت کا بھی، باوجود تلاش و تجسس کے پتہ نہیں چل سکا، جس کا یہ عقیدہ ہو کہ آں حضرت ﷺ کا جسدِ اطہر روضۂ منورہ میں محض بے جان اور بے حس اور بے شعور پڑا ہے اور روح مبارک کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔''

استاذِ مکرم مولانا منیر احمد منور دامت برکاتہم کے افادات کی روشنی میں مسئلہ کی تنقیح پیش خدمت ہے، جس سے بہت سے مغالطے، دھوکے اور شکوک وشبہات کا استیصال ہو جاتا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں:

عقیدہ حیات النبی ﷺ کے متعلق چار چیزوں پر اہل سنت کے تمام طبقات کا اتفاق ہے۔

(۱)......انبیاء علیہم السلام پر اس عالمِ دنیا میں موت کا وارد ہونا برحق ہے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ کی دنیوی زندگی مبارک تریسٹھ سال ذکر کی جاتی ہے۔

(۲)......انبیاء علیہم السلام کے اجسادِ مبارکہ اپنی اپنی قبروں میں محفوظ ہیں، ان حضرات کے اجسام کو جس طرح قبر مبارک میں رکھا گیا ہے آج تک بلکہ قیامت تک اسی طرح تر و تازہ اور محفوظ رہیں گے۔

(۳)......روحوں پر موت واقع نہیں ہوتی، انبیاء کی ہوں یا عام مومنین کی حتیٰ کہ کفّار کی بھی۔

(۴)......انبیاء علیہم السلام اپنے اصلی عنصری اجسادِ طیبہ کے ساتھ اپنی قبورِ مبارکہ میں زندہ ہیں، یعنی ارواحِ مبارکہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں، لیکن اجسادِ طیبہ کے ساتھ اُن کا تعلق اور ربط ہے، اسی تعلق کی وجہ سے جسم مبارک میں حیات ہے۔ روضۂ اطہر کے قریب پڑھا جانے والا درود و سلام آپ ﷺ بنفسِ نفیس خود سنتے ہیں اور جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں اور دُور سے پڑھا گیا صلوٰۃ وسلام آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔

حضرت علامہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ اہل السنۃ والجماعۃ سوادِ اعظم کا سلف و خلف سے یہ عقیدہ چلا آرہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالمِ برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ اسی جسدِ اطہر کے ساتھ ہے، جو دنیا میں آپ کا تھا اور جسے روضۂ مطہرہ میں دفن کیا گیا۔ قبرِ منور کی اس حیاتِ جسمانی کا مدار اس دنیا کے رزقِ مادی پر نہیں، بلکہ برزخ کے رزقِ روحانی پر ہے، حضور ﷺ کی ایسی حیاتِ برزخی کا، جو باعتبار تعلقِ بالبدن حیاتِ جسمانی اور باعتبار تعلق بالرزق حیاتِ روحانی ہو، آج تک سلف و خلف میں سے کسی نے انکار نہیں کیا، تاریخ کے مختلف ادوار میں، جس نے بھی اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کی، اسے اس متوارث نظریئے کے تسلیم کیے بغیر چارہ نہ رہا۔''

اہل السنۃ والجماعۃ نے جس حیات فی القبر کا اثبات کیا ہے کتب میں اسے مختلف ناموں سے تعبیر کیا گیا ہے، مثلاً: حیاتِ

برزخی، حیاتِ دنیوی، حیاتِ جسمانی، حیاتِ روحانی، حیاتِ حسی اور حیاتِ حقیقی۔ان میں فقط تعبیرات اور الفاظ و انداز کا فرق ہے، حقیقت میں کوئی تضاد نہیں، معنیً یہ سب عنوان متقارب ہیں۔اور ان سب میں حیات النبی ﷺ کا اقرار موجود ہے۔

جبکہ اس کے برعکس فرقۂ مماتیت، منکرینِ حیات کا دعویٰ و نظریہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسامِ مبارکہ تو محفوظ ہیں، لیکن ان میں حیات نہیں بلکہ یہ صرف ابدان ہیں جو علم و عمل حیات و شعور والے تمام کمالات سے خالی ہیں۔العیاذ باللہ۔اور جہاں تک تعلق ہے اس دعویٰ ناتمام پر دلائل برائے نام کا، تو اس کے متعلق منکرینِ حیات کی بڑھک تو یہ ہے کہ ہمارے پاس اپنے دعویٰ پر ستر آیاتِ کریمہ اور اٹھارہ سو احادیث کا ذخیرہ موجود ہے۔جبکہ حقیقت میں ان کے دعویٰ پر کوئی ایک آیت یا حدیث تو کجا کسی صحابی یا امام کا قول بھی نہیں۔منکرین حیات کے پاس اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے صرف دو چیزیں ہیں۔(۱) قرآن و حدیث کے نام پر صریح دھوکہ۔کہ عالمِ دنیا کی موت والی آیات و احادیث کو قبر پر فٹ کر کے روضۂ اطہر میں نبی کریم ﷺ کو بے حس و بے جان ثابت کرنے کی کوشش۔یعنی دنیا میں وعدۂ موت کی آیات سے قبر میں موت پر باطل استدلال۔(۲) چند شکوک و شبہات اور بے جا قسم کے سوالات اور اعتراضات۔

مقامِ حیات کیا ہے؟ جس عقیدہ کا اظہار سیدنا صدیق اکبرؓ نے حضور سرورِ کائنات ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے پر **والذی نفسی بیدہ لا یذیقک اللہ الموتتین ابدا** کے سنہری الفاظ سے اظہار کیا تھا اور صحابہ کرامؓ نے اس پر سکوت اختیار کر کے اجماعِ سکوتی کا درجہ عطا فرمایا تھا، جو نظریہ سیدنا صدیقِ اکبرؓ سے شروع ہو کر آج تک مسلسل و متوارث چلا آ رہا ہے۔جس مسئلہ پر فقہاء و محدثین، مفسرین و متکلمین نے بھرپور انداز میں کلام کیا ہے حتیٰ کہ اہل السنۃ والجماعۃ اور قریب زمانہ میں علم کے روشن چراغ حضرات علماءِ دیوبند کے بعض نامور علمائے کرام نے مستقل کتب و تصانیف درج کی ہیں بالخصوص مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کی المہند علی المفند جس پر بیسیوں اکابرین کے تائیدی دستخط بھی موجود ہیں۔اُسی سلسلہ کی ایک عظیم کڑی حضرت علامہ صاحبؒ کی کتاب **مقامِ حیات المسمیٰ مدارک الأذکیاء فی حیاۃ الأنبیاء** ہے۔جس کے بارے میں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ کے الفاظ دل کی گہرائی سے پڑھنے کے قابل ہیں۔

(۶/۷)-خلفائے راشدین اور عبقات:

حضرت علامہ صاحبؒ کی دو مزید کتب کا تعارف پیشِ خدمت ہے۔خلفائے راشدین اور عبقات۔یہ دو کتب بھی آپؒ کی دیگر تالیفات کی طرح خاص فضیلت و اہمیت کی حامل ہیں۔یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت علامہ صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے وہ صلاحیت و قبولیت عطا فرمائی تھی کہ آپ کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ایک ایک سطر آب زر سے لکھنے اور دل کی گہرائیوں سے پڑھنے کے قابل ہے، آپ کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک جملہ ہمہ تن گوش ہو کر سننے اور سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے۔مذکورہ بالا دونوں تالیفات دراصل آپ کے "ہفت روزہ دعوت" میں شائع ہونے والے علمی و تحقیقی کالم و مضامین اور بیانات کا مجموعہ ہے۔"ہفت روزہ دعوت" کیا تھا؟ اور اس کے مضامین پر پاک و ہند کے علماءِ عصر کو کس قدر اعتماد تھا؟ قدر الشہادۃ قدر الشہود کے تحت مناسب ہوگا کہ قارئین "ہفت روزہ دعوت" کا تعارف انہی دو کتب کی روشنی میں حضرت علامہ صاحب کے قلم سے پڑھ لیں جو "خلفائے

راشدین'' کے آغاز میں موجود ہے۔(خلفائے راشدین کے تعارف کے لیے دیکھیے :۶۲۴/۱، ۶۶۱/۱، ۵۰۳/۲[ادارہ])

خلفائے راشدین اور عبقات حضرت کے گراں قدر علم وتحقیق اور تدقیق سے مزین مضامین کی تاریخی یاد ہیں، دونوں کتابیں ایک ہی سمندر کے دو کنارے ہیں۔خلفائے راشدین متن ہے اور عبقات اسی کی تشریح،خلفائے راشدین میں حضرات صحابہ کرام بالخصوص خلفاءِ راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت کا جامع اور مدلل تذکرہ ہے تو عبقات میں انہیں حضرات کے گرد قرآن حدیث کے دلائل کا سخت پہرہ ہے،خلفائے راشدین میں حضرات خلفاءِ راشدین کی خلافت کا بالترتیب دلائلِ شرعیہ سے اثبات ہے تو عبقات میں ان کی خلافت پہ واقع ہونے والے سوالات کا تسلی بخش جواب ہے،اول الذکر میں خلفائے راشدین کی مکمل ومبرہن سوانح ہے اور ثانی الذکر میں ان مقدس شخصیات پر بے جا قسم کے اعتراضات کا مکمل دفعیہ،خلفائے راشدین نامی کتاب میں اہلِ ایمان، اہل السنۃ والجماعۃ کے تحفظِ ایمان کے تمام تر ذرائع کا بیان ہے،جبکہ عبقات میں اسلام دشمن لوگوں کی خباثتِ نفسیہ اور اخلاقِ مذمومہ کا ذکر ہے،خلفائے راشدین میں مفکرِ اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ کے بے شمار قیمتی اور علمی وتحقیقی مضمون اور مقالہ جات کے علاوہ محدث العصر شارح ترمذی حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا وقیع مقدمہ بھی ہے اور امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنویؒ، محدث العصر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ، امام پاکستان مولانا سید احمد شاہ بخاریؒ، مناظرِ اہل سنت حضرت مولانا علامہ دوست محمد قریشی صاحبؒ، وکیلِ صحابہ واہل بیت حضرت مولانا عبد الستار تونسویؒ اور ان کے علاوہ دیگر کئی سارے اکابر ودانشور حضرات کے علمی مقالہ جات بھی شامل ہیں۔اور عبقات میں فرقۂ رافضیت اور قادیانیت کی طرف سے اچھالے گئے بعض اعتراضات اور مختلف قسم کے شکوک وشبہات خلفاءِ راشدین کے متعلق بالخصوص اور بقیہ صحابہ کرامؓ کے لیے بالعموم ان سب کا حضرت علامہ صاحبؒ کے ہاتھوں بالتفصیل اور بالتحقیق جوابات درج ہیں اور صرف ایک ایک جواب نہیں بلکہ سینکڑوں سوالات کے ہزاروں جوابات ہیں، مذکورہ بالا دونوں کتب علماء، طلبہ، مدرسین ومناظرین کی اول ضرورت اور عصر حاضر کا قیمتی کشکول بھی ہیں اور رفض والحاد کے پھیلائے گئے شبہات واثرات کے ازالے کا بہترین سبب ذریعہ بھی، حضرت علامہ صاحبؒ کی بقیہ کتب کی طرح ان کی خاصیت بھی یہی ہے کہ شروع کرنے کے بعد ختم کیے بغیر دل کو سکون میسر نہیں آتا، اس قدر لطف وسرور کی کیفیت میں انسان ڈوب جاتا ہے کہ سر اٹھانے پر بھی دل آمادہ نہیں ہوتا۔مختصر یہ کہ حضرات خلفاءِ راشدینؓ کی سیرت اور زندگی بھر کا عکس دیکھنا ہو تو خلفائے راشدین کتاب کا مطالعہ کیا جائے، اور خلفائے راشدین کی زندگی پڑھنے کے بعد بھی کوئی سوال تشنہ ہو تو عبقات پڑھ لی جائے۔(عبقات کے لیے دیکھیے :۶۲۵/۱۔۔۶۶۱/۱۔۔۵۳۷/۲[ادارہ])

عقیدۂ ختمِ نبوت اور فتنۂ قادیانیت:

عقیدۂ ختمِ نبوت اسلام کا بنیادی اور اہم عقیدہ ہے، یہ اسلام کے اُن اجماعی عقائد میں سے ہے جنہیں اسلام کے اُصول اور ضروریاتِ دین میں شمار کیا جاتا ہے جسے یقین وقطعیت کے ساتھ پوری امتِ محمدیہ اور تیرہ صدیوں کا تسلسل حاصل رہا ہے کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ بلا کسی تاویل وتخصیص کے خاتم النبیین ہیں۔خاتم النبیین کا معنیٰ ومطلب یہ ہرگز نہیں نبی آخر الزمان ﷺ کی نبوت ہی ختم ہوگئی بلکہ وہ تو ہمیشہ کے لیے باقی اور جاری وساری ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی بلکہ مطلب فقط اتنا ہے کہ اب نبوت کا ملنا ختم

ہو گیا یعنی تا قیامت اب کسی شخص کو نبوت نہیں مل سکتی اور نبوت کی صفات لازمہ کسی کو عطا نہیں ہو سکتیں۔ نبوت، علم اور اخلاق کے جتنے مراتب ہیں وہ سب آپ کی ذات بابرکات پر ختم ہو چکے ہیں، آپ ﷺ سارے کمالات کے منتہاء ہیں، گویا آپ ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کا حقیقی مظہر ہیں۔

اسلام اور حضور ﷺ پر ایمان رکھنے کے دعویداروں کے لیے چاہئے تو یہ تھا کہ جو عقیدہ تیرہ سو سال سے بلا کسی تاویل و تخصیص کے قطعی اور صریح چلا آ رہا تھا، اسے اسی طرح تسلیم کیا جاتا اور اس تسلسل کو برقرار رکھا جاتا، اپنے نبی سے عہد وفا نبھایا جاتا۔ لیکن سچ ہے: **حبک الشئی یعمی و یصم**، کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے، مرزا غلام احمد قادیانی نے محض حبِ جاہ و منصب اور مال و دولت کی لالچ میں آ کر، اسلام دشمن قوم انگریز کے اشارے پہ چل کر اسلام کے اس متفقہ اور اجماعی عقیدے کا نہ صرف انکار کیا بلکہ اس کے خلاف ایک اور عقیدہ کو جنم دیا اور پھر اس کو فقط اپنے تک محدود نہ رکھا بلکہ اس گمراہی کی دلدل میں نہ جانے کتنے جاہلوں کو ہمیشہ کے لیے دھکیل دیا اور یوں اپنے ماننے والوں کا رشتہ نبی مکرم ﷺ کی ذات سے ہمیشہ کے لیے منقطع کر لیا۔ افسوس تو ان پر ہے جنہیں زندگی بھر اس کی شکل دیکھ کر بھی حقانیت سمجھ نہ آئی، ایک ایسا انسان، جسے انسان کہنا بھی انسانیت کی توہین ہے اس کے کہنے پہ اپنے اس پیغمبر ﷺ سے بغاوت کر لی جو زندگی کی ہر نماز میں اپنی امت کے لیے خیر و بھلائیاں مانگتا رہا، جسے مرتے وقت بھی اپنی امت کی فکر دامنِ گیر تھی حتیٰ کہ جب ہر نبی انسان نفسی نفسی پکار رہا ہوگا وہ اکیلی اور واحد ذات ہو گی جو امتی امتی پکار رہی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی سلامتی نصیب فرمائے۔ آمین۔

فتنۂ قادیانیت، دجال کے بعد اس امت کا سب سے بڑا فتنہ ہے جو اپنی باطل تاویلات کے ذریعے سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان کو تباہ و برباد کر رہا ہے کہیں مال و زر اور زن کی لالچ دے کر تو کہیں بیرون ممالک کے ویزے دے کر اسلام کی جڑیں کاٹ رہا ہے جو اسلام کا نہیں بلکہ ملکِ پاکستان کا بھی دشمن ہے۔ چنانچہ مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں ''کہ ہم نے پوری تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا، لیکن اس (قادیانیت) سے بڑا اور کوئی خطرناک فتنہ نہیں ہوا، یہ انتہائی خبیث ترین فتنہ ہے۔''(۱)

(۸)۔عقیدۃ الامت فی معنیٰ ختم النبوت :

علامہ صاحب نے عقیدہ ختم نبوت کے دفاع کی تاریخ پر نظر دوڑاتے ہوئے یہ حقیقت رقم فرمائی کہ مسئلہ ختم نبوت کا اثبات تو انیسویں صدی تک تاریخ کے ہر دور میں تسلسل کے ساتھ چلتا رہا ہے، بہت سے محدثین و مفسرین، فقہاء و صلحاء نے اس مسئلہ کو نہایت احسن اور آسان الفاظ و انداز میں امت کے سامنے پیش کیا، لیکن اسے مستقل موضوع بنا کر کتب تصنیف نہیں کی اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت تھی۔ مگر انیسویں صدی میں مسلمانوں کی سیاسی کمزوری کے باعث الحادی تحریکوں کا اجماعی جواب نہ ہو سکا تو مسلمانوں کو اس سیلاب کے آگے علمی بند باندھنے پڑے اور یہ مسئلہ بیسویں صدی کا بڑا علمی موضوع بن گیا۔ چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے فارسی زبان میں ''خاتم النبیین''، مفتیٔ اعظم مفتی محمد شفیعؒ نے ''ہدیۃ المھدیین'' (عربی زبان میں)، اور ''ختم نبوت کامل'' (اردو زبان میں) تحریر کی۔

---

(۱) عقیدہ ختم نبوت سے متعلق علامہ صاحب کی کتب کے مزید تعارف کے لیے دیکھیے مولانا محمد رضوان عزیز کا مضمون۔ [ادارہ]

تحریک ختم نبوت کی قیادت کرنے والے اکابر اہل سنت حضرت امیر شریعت اور مولانا محمد علی جالندھریؒ کی فرمائش پر حضرت علامہؒ نے یہ کتاب تصنیف فرمائی، جس کی من جملہ خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ قادیانیت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے سے قبل ہی اس کتاب کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے تھے۔ وجہ تالیف میں حضرت علامہؒ لکھتے ہیں:

"اگرچہ مذکورہ بالا کتب مسئلہ ختم نبوت پر نہایت جامع اور مفید کتابیں ہیں لیکن امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کا تقاضا تھا کہ قادیانیت کو سامنے رکھ کر مناظرانہ نقطۂ نظر سے اس پر ایک جامع کتاب لکھی جائے، جو مدارسِ عربیہ کے طلبہ کو اس عصری فتنے سے نبٹنے کے لیے سبقاً پڑھائی جا سکے۔" (دیکھیے: ۱/۲۴۶، ۱/۴۰۸، ۱/۶۲۵، ۱/۶۶۳، ۱/۷۰۴ (مضمون)، ۱/۵۹۵، ۲/۴۷۱)

(۹)۔عقیدۃ خیر الامم فی مقاماتِ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام:

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا زندہ آسمانوں پہ اٹھا لینا اور قربِ قیامت آپ کا دوبارہ اس دنیا میں نزول فرمانا اسلام اور مسلمانوں کے اجماعی عقائد میں سے ایک عظیم عقیدہ ہے، جسے علاماتِ قیامت میں سے ایک بڑی علامت شمار کیا جاتا ہے، جو قرآن کریم کی آیات، حضور سرورِ کائنات ﷺ کی سینکڑوں احادیثِ مبارکہ اور امتِ مسلمہ کے اجماع و اتفاق سے ثابت ہے۔ حضرت علامہ صاحبؒ نے یہ واضح کیا ہے کہ جو بات متعدد پیرایوں سے بار بار سامنے لائی گئی ہو اس میں تاویل کوئی راہ نہیں پاتی، ورنہ تو کہیں بھی کسی بات کو حقیقت ثابت نہ کیا جا سکے گا۔

اسلام میں تو عقیدہ نزول عیسیٰ بن مریم ایمانیات میں سے ہے اور اس کا منکر قطعیاتِ اسلام کا منکر اور کافر ہے جبکہ قادیانیوں کے ہاں یہ مسئلہ ایمانیات میں سے نہیں ہے پھر بھی نہ جانے کیوں اتنا کسی اور مسئلہ پر گفتگو کرنے کو آمادہ نہیں ہوتے جتنا کہ وفاتِ مسیح پر کرنے کو تیار ہوتے بلکہ اپنی گفتگو کا آغاز ہی اسی مسئلہ سے کرتے ہیں۔ میرے ناقص خیال میں یہ صرف اسی لیے کہ اس میں باطل تاویلوں کا کچھ نہ کچھ سہارا مل جاتا ہے، لیکن وہ بھی ایسے اور اس قدر ہی جیسے کسی اندھے کے ہاتھ میں چراغ، اور ہاتھوں سے معذور کے پاس ایک بندوق، اور کسی گونگے کو خطبہ صدارت پڑھنے کو مل جانا۔

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی مکمل زندگی سے روشناس کرانے اور ان کے متعلق قرآن وحدیث میں بیان کیے گئے امتِ مسلمہ کے اجماعی اور اتفاقی عقیدہ کو عوام الناس کے سامنے آسان الفاظ و پیرائے سے بیان کرنے اور فتنۂ قادیانیت کے گمراہانِ دین کو صحیح نہج پہ لانے کے لیے حضرت علامہ صاحبؒ نے یہ کتاب ترتیب دی ہے۔ جس کے مطالعہ کے بعد ان شاء اللہ صرف مسلمانوں کے ایمان و اسلام کو سلامتی میسر نہ آئے گی بلکہ اگر قادیانی بھی صدقِ دل سے راہِ حق کے متلاشی بن کر اس کو پڑھنے کی کوشش کریں گے تو ان کی کایہ بھی پلٹ سکتی ہے۔ چنانچہ حضرتؒ اس کا مقصد بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

"اسلام میں حضرت عیسیٰ بن مریم کی دوبارہ آمد علاماتِ قیامت میں سے ہے، اس وجہ سے تمام علاماتِ قیامت نے مسلمانوں اور قادیانیوں کے مابین شدید اختلاف کی صورت اختیار کر لی ہے، ہم نے چاہا کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے مختلف وقائعِ حیات پر قرآن شریف کی روشنی میں ان تمام مختلف جہات سے بحث کریں جو اب تک آپ کے بارے میں تاریخ کے مختلف عنوان بنتے رہے ہیں، قادیانی حضرات بھی اگر تعصب کی عینک اتار کر کھلے دل سے آپؑ کے وقائعِ حیات کی ان تمام منزلوں پر غور کریں تو

امید ہے کہ بہت سے راہ گم کردہ مسافر اپنی منزل پر پھر سے واپس آجائیں گے۔"

اس کتاب کے متعلق زیادہ کچھ لکھنے کی بجائے صرف اس کے عنوانات کو ایک نظر ملاحظہ فرمالیں: ان شاء اللہ مزید کچھ کہنے کی حاجت نہ رہے گی۔ دورِ عیسیٰ بن مریم۔ ولادتِ عیسیٰ بن مریم۔ دعوتِ عیسیٰ بن مریم۔ عدمِ مصلوبیت عیسیٰ بن مریم۔ رفع عیسیٰ بن مریم۔ حیات عیسیٰ بن مریم۔ نزول عیسیٰ بن مریم۔ تواترِ نزول عیسیٰ بن مریم۔ مہماتِ عیسیٰ بن مریم۔ وفاتِ عیسیٰ بن مریم۔ قبرِ عیسیٰ بن مریم۔ حشرِ عیسیٰ بن مریم۔ مقامِ عیسیٰ بن مریم۔ دجال اور عیسیٰ بن مریم۔ عقیدہ وفاتِ مسیح اور بزرگانِ دین۔

یہ صرف ان چودہ عنوانوں کے گرد گھومتی اسلام کی چودہ صدیوں کی شہادت ہی نہیں بلکہ ایمانی سلامتی کا بہترین ذریعہ بھی ہے۔ فتنۂ قادیانیت کی چال بازیوں اور باطل تاویلوں کا علمی وتحقیقی رد بھی ہے اور اپنے موضوع پر ایک لاجواب کتاب اور بہترین علمی ذخیرہ بھی۔

(۱۰)۔ عقیدة الاعلام فی الفرق بین الکفر والاسلام :

اسلام ایک کامل ومکمل دین، ضابطۂ حیات اور تا قیامت باقی رہنے والا مذہب ہے جس کی بنیاد قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ پر رکھی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ابدی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور حفاظتِ قرآن میں جس طرح الفاظ کا باقی رہنا ضروری ہے اسی طرح اس کے اصل معنیٰ ومفہوم کا باقی رہنا بھی لازم ہے، جس طرح حدیثِ مبارکہ کے الفاظ کا نقل ہونا اور امت کے آخری فرد تک پہنچنا راہِ راست پہ گامزن رہنے کی علامت ہے اسی طرح حدیثِ مبارکہ کے معانی ومفاہیم کا برقرار رہنا گمراہی سے بچنے کی ضمانت بھی ہے۔ اللہ کی شان، اللہ تعالیٰ نے الفاظِ قرآن کے لیے اگر حفاظِ کرام کے مبارک سینوں کا انتخاب کیا ہے تو قرآن کے صحیح معنیٰ ومطلب کے تحفظ کے لیے مفسرین عظام کا دل و دماغ کو روشن کیا ہے۔ اگر الفاظِ حدیث کے لیے محدثین حضرات کو عظیم سعادت بخشی ہے تو معانی وصحیح مفہوم کے لیے فقہاءِ کرام کو توفیق مرحمت فرمائی ہے۔ گویا کہ قرآن وحدیث کے فقط الفاظ کی حفاظت ہی نہیں بلکہ معنیٰ ومفہوم کو بھی ایک علمی اور تاریخی تسلسل حاصل ہے۔

فتنۂ قادیانیت نے یہ کھیل کھیلا کہ آیات واحادیث کا جو مفہوم تیرہ صدیوں سے چلا آرہا تھا اس کے خلاف اپنا خود ساختہ مفہوم گھڑ لیا اور یوں سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا۔ مثلاً: بعض کم علم لوگ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ: قادیانی کافر کیسے ہو سکتے ہیں؟ جبکہ وہ نمازیں ہماری طرح پڑھتے ہیں، کلمہ یہی پڑھتے ہیں، بڑے میٹھے انداز میں بولتے ہیں، روزہ، زکوٰۃ، اور حج کے فریضہ کے بھی قائل وفاعل ہیں، وہ تو اپنی زبان سے خاتم النبیین کے الفاظ بھی ادا کرتے ہیں تو پھر کافر کیسے؟ اور علماء تو کہتے ہیں کہ اگر کسی میں ۹۹ روجوہ کفر کی ہوں اور ایک اسلام کی ہو تو اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگانا چاہیے۔ نیز یہ اہلِ قبلہ میں سے ہیں اور اہلِ قبلہ کی تکفیر سے بھی منع کیا گیا ہے، وغیر وغیرہ۔ اس قسم کے سوالات سادہ لوح عوام کے ذہنوں میں ڈال کر انھیں گمراہ کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام وکفر کی تعریف، اہل قبلہ کا مصداق اور تاویل کا مفہوم وتفصیلات نہ جاننے کی بنا پر عوام الناس ان سوالات سے متاثر ہوکر گمراہی کی طرف مائل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ حضرت علامہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

''قادیانیوں نے نبوت ورسالت، اخبارِ غیبیہ، رفع ونزول، کشف والہام، بروز وکمون کے علمی مباحث میں یہی (باطل تاویلات والا) علمی کھیل کھیلا ہے۔ اور عوام میں وہ اس طرح ان الفاظ سے کھیلتے ہیں کہ سننے والوں کو کوئی بات کسی کنارے پر پہنچنے نہیں دیتی۔''

لیکن حضرت علامہ صاحب کی اِس تصنیف کے بعد اب عوام الناس کو کسی پریشانی کی ضرورت نہیں، اس کتاب میں ان جیسے بیسیوں نادر سوالات کے علمی وتحقیق جواب ملیں گے، قرآن وحدیث، رشد وہدایت کے چراغ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ائمہ اربعہ، اور تاریخِ امت کی روشنی میں کفر واسلام کے مابین حقیقی فاصلوں پر اکابرین علماءِ اسلام کی چودہ سو سالہ شہادت بھی ملے گی اور ایمان کے مختلف تخاطب، ایمان کی شرعی حیثیت، ایمان کی کمی بیشی کا مسئلہ، ایمان اور اعمال میں نسبت، ایمان بالمغیبات سے مراد، ارکانِ ایمان، ایمان اور اسلام کی نسبت، ایمان کی علامات، اہلِ قبلہ کی اصطلاح، اور ایمان میں نزاعِ لفظی کی مختلف صورتیں بھی ملیں گی، عقیدۂ ختم نبوت کے حوالہ سے امتِ مسلمہ کا تسلسل بھی ملے گا اور رافضیت کے عقیدۂ تضلیلِ امت اور قادیانیت کے عقیدۂ نسخِ امت کا کفر ہونا بھی، کفر کی حقیقتِ شرعی سے واقفیت بھی ہوگی اور فتنۂ قادیانیت کے وجوہِ کفر سے مکمل شناسائی بھی، اس کے علاوہ اور بہت کچھ یکجا میسر ہوگا جو شاید کئی کتب کی چھان بین کرنے کے بعد بھی نہ مل سکے۔

(۱۱)-قادیانیت پہ غور کرنے کا آسان راستہ:

یہ کتاب حضرت علامہ صاحبؒ نے ان لوگوں کے لیے لکھی ہے جو قرآن وحدیث کے علمی مسائل کو سمجھنے کی صلاحیت و لیاقت نہیں رکھتے، نہایت سہل انداز میں قادیانیت پہ غور کرنے کی دعوتِ فکر دی ہے۔ جس میں آپ کو مندرجہ سب صفاتِ رزیلہ کا ذکر ملے گا، مرزا کے مکر وفریب، جھوٹ وخیانت، سفہیات وفحشیات، پیشگویوں کا جھوٹا ہونا اور کثیر تعداد میں دعوؤں میں کھلا تضاد ہونا اور اس کے علاوہ اور بھی ایسا بہت کچھ جس سے عام سے عام انسان بھی مرزا کے جھوٹے ہونے میں کوئی تردد نہ کرے گا۔ نبی تو کیا اس کو انسانوں کی صف میں شامل کرنے کے لیے بھی شاید تیار نہ ہوگا۔

(۱۲)-معیارِ صحابیت:

اہل تشیع کے ایک عالم بشیر حسین بخاری نے جناح سٹریٹ بلاک ۲۰ ر سرگودھا سے ایک کتابچہ ''معیارِ صحابیت'' لکھ کر قومی اسمبلی اور سینٹ کے ارکان کے پاس بھیجا، جس میں موصوف نے چودہ صدیوں کے علماء کی تصریحات کے برخلاف معیارِ صحابیت کو ایک نئے سرے سے طے کرنے کی ناکام کوشش کی۔ اور اس کتابچہ میں حضرات صحابہ کرامؓ کے متعلق اپنا نقطہ نظر پیش کیا کہ ''شیعہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ صحابہ کرام اور ان کے بعد قیامت تک آنے والے مسلمانوں میں کوئی ذاتی امتیاز نہیں۔'' جو یقیناً قران و حدیث کی تصریحات کے بالکل خلاف تھا۔ اور امت میں ایک فتنہ اور جنگ وقتال کا ذریعہ بنتا، اس لیے حضرت علامہ صاحبؒ نے بڑی جانفشانی وتحقیق کے ساتھ ایک علمی مقالہ بنام ''معیارِ صحابیت'' ترتیب دیا جسے اسمبلی اور سینٹ کے احباب کی خدمت میں پیش کر کے انہیں دعوتِ فکر دی گئی کہ جو اختلافات صدیوں پہلے حل ہو چکے اور امت میں ایک تسلسل کے ساتھ چلتے آرہے ہیں ان کے

---

(۱) دیکھیے مولانا محمد عمر فرید کا مضمون: ۱/۱۷۶۔ نیز مزید دیکھیے: ۱/۶۳۰......۲/۳۹۰......۲/۴۹۹......۲/۵۶۲ [ادارہ]

خلاف زبان درازی کرنے سے بالکلیہ گریز کیا جائے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

''اب یہ کام ارکان اسمبلی کے سوچنے کا ہے کہ وہ سنی شیعہ اختلافات کو حل کر کے اور ان اختلافی مسائل پر مناظرانہ فضا اور سوال و جواب قائم کر کے پاکستان میں فرقہ وارانہ امن قائم کریں گے یا دونوں مذاہب جو اپنی اپنی جگہ طے شدہ ہیں انہیں اپنے مقام پر رکھتے ہوئے دونوں کو ان کے عقائد کا تحفظ فراہم کریں گے۔'' خلاصہ یہ کہ معیارِ صحابیت نامی کتابچہ سے جو غلط تاثر دینے اور امت کو پھر سے ایک محاذ قائم کرنے کی مذموم کوشش کی گئی حضرتؒ نے معیارِ صحابیت کتاب سے اس کی ہمیشہ کے لیے بیخ کنی کر دی۔

(۱۳)-دوازدہ احادیث:

اہل السنۃ والجماعۃ اور اہل تشیع اثنا عشریوں کے مابین اختلاف فقط مسائل کی حد تک نہیں بلکہ اسلامی عقائد و نظریات کی بنا پر ہے، اختلاف صرف فروعات میں نہیں بلکہ اصولیات میں ہے، عبادات میں ہی نہیں قران وسنت کے صریح احکامات میں بھی ہے اور یہ کوئی آج سے نہیں بلکہ جب سے ان کا وجود ہے تب سے متواتر چلا آ رہا ہے۔ نمازوں کی تعداد اور طریقِ ادائیگی جدا، کلماتِ آذان اور روزہ کا وقت علیحدہ، حتیٰ کہ بنیادی کلمہ اسلام تک میں فرق ہے۔ اہل سنت کے ہاں اگر خلافت راشدہ پر بالترتیب ایمان لانا اسلام کا حصہ ہے تو اہل تشیع کے ہاں اس ترتیب کو تسلیم کرنا کفر ہے، سنیوں کے ہاں صحابہ کرام کو معیارِ حق ماننا لازم وضروری ہے تو شیعوں کے نزدیک صحابہ کرام کے ایمان کو مشکوک و مخدوش بنانے کی فکر کرنا ایمان ہے۔ اس طرح بے شمار عقائد و نظریات ہیں اگر اہلِ اسلام کے ہاں کوئی چیز ایمان کی متقاضی اور جزو لازم ہے تو وہی چیز اہل تشیع کے ہاں کفر اور ایمان کے منافی ہے، اہل سنت کے ہاں اگر کوئی چیز منکر اور شریعت کے خلاف ایک سازش ہے تو اثنا عشریوں کے ہاں بعینہ وہی چیز ایمان اور مومن ہونے کے لیے از حد ضروری ہے۔

اس قدر اختلاف ہونے کے باوجود بعض لوگ بڑی ''دلیری'' سے اس حقیقت کا انکار کر دیتے ہیں اور بڑے معصومانہ انداز میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ کوئی اختلاف ہے جسے بیان کرنے پہ زور دیا جا رہا ہے اور اپنا قیمتی وقت صرف کیا جا رہا ہے؟ حضرت علامہ صاحبؒ نے اس بات کا ذکر بھی کیا ہے اور ساتھ اپنے ایسے احباب سے شکوہ بھی کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

''شیعہ حضرات کا ایک غیر عالم شخص بھی یہ جانتا ہے کہ سنی اور شیعہ حضرات کے عقائد و نظریات میں زمین و آسمان کا فرق ہے لیکن حیرانگی ہوتی ہے ان لوگوں پر جو اہلِ سنت کے اہلِ علم ہو کر بھی اصولی اختلافات کو معمولی سمجھتے ہیں۔''

اہلِ تشیع کا مقصد و مشن ہی شکوک وشبہات کے کانٹے پیدا کرنا ہے، چنانچہ انہوں نے بعض احادیث مبارکہ کی آڑ میں اپنے مذموم مقاصد پورے کرنے کی سعی کی تو حضرت علامہ صاحبؒ نے اہل اسلام کے ایمانی تحفظ کی خاطر ان مشہور احادیث کو؛ جنہیں اہلِ تشیع اپنے ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں، مدلل و محقق انداز سے زیبِ قرطاس کیا۔

اس کتاب کا مطالعہ جہاں عوام الناس کے ایمانی تحفظ کا سبب اور ذریعہ ہے وہیں علماءِ کرام کے لیے ایک بیش بہا علمی و تحقیقی تحفہ بھی ہے، جن احادیث کے سامنے آنے پر ہمیں کتب کی کتب کھنگالنی پڑتی تھیں، یہ ایک کتاب ان احادیث سے متعلق

مباحث میں کئی کتب سے مستغنی کرنے والی ہے۔

وہ بارہ احادیث ہیں کون سی ہیں جن کو اہلِ تشیع اپنے مذہب پر بطور استدلال اور اہل سنت کے خلاف استعمال کرتے ہیں؟ کتاب کی فہرست سے دیکھا جاسکتا ہے۔عنوانات ہی انسان کو کتاب کے مطالعہ پر مجبور کر دیتے ہیں۔(۱)

(۱۴)-محرم کی دس راتیں:

حضرت علامہ صاحب نے اپنی علمی مجالس میں محرم کے حوالہ سے کیے جانے والے حرام افعال، جھوٹے قصے کہانیاں اور باطل عقائد ونظریات کا نہایت جامع اور احسن انداز میں رد بھی کیا ہے اور حادثہ کربلا کی اصل حقیقت کو واضح بھی، حب اہل بیت کے لبادہ میں چھپے اہل تشیع کے اصل چہرہ کو بھی نمایاں کیا ہے،اور محرم اور افعالِ محرم سے متعلق اہلِ بیت کی تعلیمات سے روشناس بھی کرایا ہے،سنیوں اور شیعوں کے ہاں ایامِ محرم میں شہادتِ حسینؓ کی مجالس کو بھی بیان کیا ہے اور دونوں کے مفہوم ومقصود میں فرق اور ایک دوسرے سے جدا ہونا بھی، حضور سرورِ کائناتﷺ کی وفات اور حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کا تذکرہ بھی کیا ہے اور شریعت میں سوگ کی اجازت اور صبر کی تلقین کا ذکر بھی، حضرت سیدنا حسینؓ کی شہادت اوراس کے اسباب کا خلاصہ بھی نقل کیا ہے اور یزید سے بالکلیہ برأت کا اظہار اوراس کی وجوہات بھی، حضرت امیر معاویہؓ پہ لگائے گئے الزامات کو علم وتحقیق کی بنا پر رد بھی کیا ہے اور جنگِ صفین کے متعلق مسلکِ اعتدال کا بیان بھی، واقعہ کربلا کی آڑ میں پیدا کیے گئے مختلف شکوک وشبہات کا ازالہ بھی کیا ہے اوراس متعلق پھیلائے گئے غلط نظریات کا سدِ باب بھی، حضرات صحابہ واہل بیتؓ کی عزت وعظمت کے گرد پہرہ بھی دیا ہے اور اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد ونظریات کا پرچار بھی، ہمہ جہت سوالات کے علمی وتحقیقی جوابات سے مجالس کو آراستہ بھی کیا ہے اور عام فہم زبان میں قرآن وحدیث کی تعلیمات سے پیراستہ بھی۔ یہ کتاب حضرت علامہ صاحبؒ کی دس روزہ مجالس کا مجموعہ ہے، جنھیں ہر اُردُو دَان انسان بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔

(۱۵)-تقیہ نہ کیجئے:

شیعہ مذہب کا ظاہری ڈھانچہ تو یہ دکھائی دیتا ہے کہ وہ اہل بیت کے حبدار اور جانثار ہیں، جبکہ اگر باطن پہ نظر کی جائے، ان کی کتب اور عقائد کا جائزہ لیا جائے تو حقیقت یہ کھلتی ہے کہ اصل میں حضرات اہل بیت کے سب سے بڑے دشمن اور مخالف ومنکر یہی لوگ ہیں جو نہ صرف ان کی تعلیمات کو علی الاعلان قولاً وفعلاً رد کرتے ہیں بلکہ اپنے ہر مذموم فعل کو سندِ جواز مہیا کرنے کے لیے ان پاکیزہ ہستیوں پر جھوٹ بولنے اور تہمت لگانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ منجملہ باطل عقائد میں سے ایک عقیدہ تقیہ بھی ہے جو نہ صرف عقیدہ اور ایک مسئلہ ہے بلکہ ان کے ہاں ایمان کا جزءِ لازم ہے کہ جس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی، بلکہ جو تقیہ نہ کر سکے وہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے،ان کے ہاں تقیہ کرنے والوں کو اللہ سر بلند وسرفراز کرتا ہے اور تقیہ نہ کرنے والوں کو پستی کی

(۱) ''دوازدہ احادیث'' کے عنوانات وغیرہ کے لیے دیکھیے: ۶۵۲/۱......۶۶۲/۱......۵۱۷/۲ [ادارہ]

وادیوں میں دھکیل دیتا ہے، ان کے ہاں اگر دین کے دس حصے کیے جائے تو نو حصے فقط تقیہ کے بنتے ہیں، صرف اسی پہ بس نہیں بلکہ یہاں تک لکھا کہ غلط حکومت اور صلح کے دور میں اپنے دشمن سے ڈرنا (تقیہ کرنا) برحق حکومت کے دور میں امام برحق کے ساتھ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے بھی افضل ہے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

تقیہ کہتے کسے ہیں؟ تقیہ نام ہے کتمانِ حق کا، کہ حق بات کو چھپا کر اس کے برخلاف کا اظہار کرنا، دل میں ایمان رکھ کر زبان سے کسی غلط بات یا کفر کا قول کرنا، لیکن اس کی اجازت فقط عام آدمی کو ہے اور وہ بھی دائمی طور پر نہیں بلکہ صرف وقتی طور پر اور پھر ہر حالت میں بھی نہیں بلکہ صرف کسی سخت مجبوری کی حالت میں کہ جس کی وجہ سے جان جانے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا قوی اندیشہ ہو، اور دھمکی دینے والا اِس مجبور سے زیادہ طاقتور اور اپنی بات پوری کرنے اور نافذ کرنے پر قادر ہو۔ انہی کے متعلق قرآن کریم میں یہ رخصت دی گئی ہے: **الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب الیم**، مگر جس کو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پہ قائم ہو لیکن جنہوں نے کفر کے لیے دل کھول دیا تو ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

البتہ جو اہلِ میثاق و اہلِ عزیمت ہوں خواہ انبیاء ہوں یا نائبینِ انبیاء یا دیگر اہلِ علم (جن پر اظہارِ حق موقوف ہوتا ہے) ان لوگوں کے لیے کتمانِ حق کی قطعاً اجازت نہیں، بلکہ ان کے لیے حق کو واضح بیان کرنا واجب ہوتا ہے۔ اگر یہی لوگ جو حق کے راہی ہوتے ہیں، حق کو چھپانا شروع کر دیں تو دین کا کون سا حکم ایسا ہے جو باقی رہے، اور حق کیسے ظاہر ہو سکے؟ ایسے لوگوں کے متعلق تو کتمانِ حق پر قرآن کریم میں بہت سخت وعیدات وارد ہوئی ہیں۔ جس جرم کو مستوجبِ لعنت قرار دیا جائے، کھانا پینا تک حرام ٹھہر جائے اور جہنم میں جانے کا سبب بن جائے یہ کیسے ممکن ہے کہ اہلِ عزیمت ان افعال کو بجالانے کا تصور تک بھی کر سکیں؟

''تقیہ نہ کیجئے'' اصل میں حضرت علامہ صاحبؒ اور ایران کے بڑے شیعہ عالم آیۃ اللہ الحسینی کے مابین ہونے والے ایک دلچسپ مناظرہ کی روداد ہے جو ساؤتھ افریقہ کے صوبہ نٹال کے شہر ڈربن کے اورینٹ ہال میں منعقد ہوا، دلچسپ بات یہ ہے کہ شیعہ عالم پوری تیاری سے مناظرہ کی نیت سے ہی آیا تھا جب کہ حضرت علامہ صاحبؒ اپنے تبلیغی دورے پہ گئے ہوئے تھے، آپ کو وہاں پہنچ کر ان کی نیت کا علم ہوا، لیکن حق بہر حال حق ہی ہوتا ہے اور **جاء الحق وزھق الباطل** حق کے آنے پر باطل کا ٹھہرنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ یہی کچھ اس مناظرہ میں بھی ہوا، حضرت علامہ صاحبؒ نے شیعہ مناظر کو ایسا لاجواب کیا کہ اس مناظرہ کے بعد ایران کے مجتہدین کے مشورہ سے آیۃ اللہ الحسینی کو واپس ایران بلا لیا گیا اور اپنے سفارت خانہ کو ہدایت دی کہ آئندہ وہ سنی مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں۔ اصل مناظرہ تو انگریزی زبان میں ہوا تھا، حافظ محمد عرفان عالم صاحب نے اس کا اردو میں ترجمہ کر کے ایک احسانِ عظیم کر دیا کہ نہ جانے کتنوں کے ایمان کے تحفظ کا ذریعہ بن گیا۔

(مکمل مناظرہ کے لیے دیکھیے: ۱/۴۴۲ [ادارہ])

(۱۶)۔مناظرے اور مباحث:

اہلِ باطل کے روبرو، بالمشافہ احقاقِ حق اور ابطال باطل کے لیے کسی خاص موضوع پر فریقین کا گفتگو کرنا ''مناظرہ'' کہلاتا ہے۔اور احقاقِ حق اور ابطالِ باطل حضرات انبیاء علیہم السلام کے مناصب نبوت میں سے ایک عظیم مقصد ہوتا ہے کہ بلا خوف لومۃ لائم حق بات کو واضح کرنا اور باطل نظریات، شرک وکفر کا باطل وغلط ہونا ثابت کرنا، اور حضرات انبیاء علیہم السلام نے اس امر کو بوقت ضرورت سرانجام دیا بھی ہے جیسا کہ توحید باری تعالیٰ کے اثبات اور الوہیتِ اصنام کی نفی کیلئے اپنی بت پرست قوم کے ساتھ اور اللہ کی وحدانیت پر مدعی ربوبیت نمرود کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ کرنا قران کریم میں مذکور ہے اور پھر حضور سرورِ کائنات ﷺ کا الوہیت عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلہ پر وفدِ نصاریٰ کے ساتھ مسجدِ نبوی میں مناظرہ کرنا بھی قرآن میں موجود ہے۔اور قرآن کریم کی یہ آیت بھی اس پہ دال ہے **ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن**۔جس کا شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ نے ترجمہ ہی ان الفاظ میں کیا ہے۔اے نبی! دعوت دے اور بلا تو پروردگار کی راہ کی طرف علم وحکمت کی باتوں کے ساتھ اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور اگر بحث ومباحثہ کا وقت آن پڑے تو نہایت عمدہ طریقے کے ساتھ ان سے مناظرہ کرو۔اور اسی آیت کو ذکر کرنے کے بعد ابوالبرکات علامہ نسفیؒ لکھتے ہیں: ''**وھو رد علیٰ من یأبی المناظرۃ فی الدین**''۔اس آیت میں اس انسان کی تردید ہے جو دین میں مناظرہ کا قائل نہیں۔

بوقتِ ضرورت مناظرہ کرنا درست وجائز ہے بلکہ بعض موقع پر مناظرہ کرنا فرض وواجب کے درجہ تک بھی پہنچ جاتا ہے۔ ہاں البتہ مجادلہ کرنا بیشک ناپسندیدہ امر ہے۔بعض لوگ مناظرہ کو مجادلہ پر قیاس کر کے دونوں پر ایک ہی حکم لگا دیتے ہیں جو سراسر زیادتی ہے۔کیونکہ مناظرہ تو حق وباطل میں امتیاز کیلئے ہوتا ہے جبکہ مجادلہ میں احقاقِ حق اور ابطالِ باطل مقصود ہوتا ہی نہیں بلکہ محض فریقِ مخالف کو چپ کروانا اور رسوا کرنا ہوتا ہے جو یقیناً قابلِ مذمت ہے۔

علامہ علاء الدین الحصکفی الحنفیؒ مناظرہ کا حکم اور مقصد اصلی کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ **المناظرۃ فی العلم لنصرۃ الحق عبادۃ ولاحد ثلاثۃ حرام ،لقھر مسلم ،واظھار علم ،ونیل دنیا او مال او قبول، (الدر المختار للحصکفی ، کتاب الحضر والاباحۃ)** دین حق کی مدد ونصرت اور غلبہ حق کے لیے مناظرہ کرنا عبادت ہے اور مذکورہ تین اغراض میں سے کسی غرض کی خاطر ہو تو حرام ہے محض دوسرے مسلمان کو ذلیل ومغلوب کرنا یا اپنے علم کا اظہار مقصود ہو یا مال ومتاع اور لوگوں میں اپنی مقبولیت حاصل کرنا ہو تو حرام ہے۔

معلوم ہوا مناظرہ کے صحیح وغلط ہونے کا سارا دارومدار انسانی نیت پر ہے۔نیت ٹھیک ہو گی تو مناظرہ کرنا عبادت شمار ہو گا اور اگر نیت ہی فاسد ہو جائے تو الٹا ثواب کے گناہ کا سبب بن جائے گا۔بہر حال مناظرہ کا مطلقاً انکار کرنا اور یہ کہہ دینا کہ یہ اپنے وقت کو ضائع کرنا اور فرقہ واریت پھیلانا ہے، نہایت غلط بات اور انصاف سے تعدی ہے۔بعض لوگوں نے ذہن یہ بنا رکھا ہے کہ مناظرہ میں فریقِ مخالف کو منوانا ہی اصل ہے جبکہ حقیقت میں منوانا اصل نہیں صرف حق بات حق نیت اور حق طریقہ سے پہنچانا اور

دلائل کے ساتھ حق و باطل میں امتیاز کا سمجھانا ہے اور بس۔ منوانا اور ہدایت دینا فقط اللہ تعالیٰ کا کام ہے، جسے چاہے اپنے فضل و کرم سے اس نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز فرما دے اور جسے چاہے محروم کر دے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی زندگیاں اس پہ شاہد عدل ہیں ۔اور پھر تجربہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کے ایمان و عقائد کو تحفظ ضرور فراہم ہوتا ہے جن کے دلوں میں اہل باطل نے مختلف قسم کے شکوک و شبہات پیدا کر رکھے ہوں جس کی وجہ سے وہ مسلسل تذبذب کا شکار دکھائی دیں اور خود کو گمراہی کے کنارے پر تصور کرنے لگیں۔

حضرت علامہ صاحبؒ کی شخصیت ان عظیم شخصیات میں سے ایک ہے جنہوں نے زندگی بھر احقاقِ حق اور ابطال باطل کا فریضہ احسن انداز میں سرانجام دیا ہے آپؒ نے صرف تقریر و تحریر ہی نہیں میدانِ مناظرہ میں بھی نمایاں کردار ادا کیا ہے۔آپ ایک بلند پایہ عالم و محقق و مدقق ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم مناظر بھی تھے آپ صرف مناظر ہی نہیں استاذ المناظرین بھی تھے۔اور پھر آپ کوئی رسمی مناظر نہیں تھے بلکہ حقیقی معنیٰ میں مناظر کہلانے کے حقدار تھے۔میدانِ مناظرہ میں نہایت تحمل و بردباری کا مظاہرہ کرتے، فریق مخالف کو زیر کرنے کی بجائے اس کی ہدایت کی فکر کرتے، جملے کسنا آپ کو بالکل پسند نہیں تھا، دلائل کی دنیا میں بات کرنا اور قرآن وحدیث کی صحیح و معتبر تفسیر و تشریح پیش کرنا آپ کو انتہاء درجہ پسند تھا، اور اہلِ باطل کے پھیلائے گئے شکوک و شبہات کا ازالہ اس احسن انداز میں فرمانا کہ عام سے عام انسان کیلئے بھی حق و باطل میں امتیاز کرنا آسان ہو جائے آپ کا ہی خاصہ تھا۔حق بات سمجھانے اور خالی الذہن میں بٹھانے کا اللہ نے آپ کو خاص ملکہ عطا فرما رکھا تھا۔آپ ہمیشہ حق بات کو درست نیت اور انتہائی احسن طریقے اور آسان لفظوں میں سامعین کے قلوب و اذہان میں منتقل فرما دیتے جو یقیناً اللہ کی مدد و نصرت اور آپ کے اخلاص کا نتیجہ ہوتا۔علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس کام کیلئے بات صحیح ہو، نیت صحیح ہو اور طریق کار صحیح ہو تو اللہ کی نصرت ضرور آئے گی۔

حضرت علامہ صاحبؒ کس پایہ کے مناظر تھے؟ اس کی حقیقت وادنیٰ سی جھلک حضرت علامہ صاحبؒ کی کتاب ''مناظرے اور مباحثے'' کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی منکشف ہو سکتی ہے۔ یہ کتاب فرقۂ رضاخانیت، شیعیت، قادیانیت اور عیسائیت کے بارے میں علماء کرام کو پڑھائے ہوئے علمی و تحقیقی اسباق کا مجموعہ ہے، جس میں نہ صرف یہ کہ آپ نے ان فتنوں سے نبرد آزما ہونے کے عظیم گر سکھلائے ہیں بلکہ دلائل کی روشنی میں اپنے مسلک کا حق ہونا بھی واضح فرما دیا ہے۔اہلِ باطل اور ان کی باطل تعبیرات کی نہ یہ کہ خوب سرکوبی فرمائی ہے بلکہ ان کے الحاد و زندقہ اور بدعات کے ناسور کو جڑ سے اکھاڑ کے رکھ دیا ہے۔ایسے آسان پیرائیوں میں حق بات سمجھانے کی مشق کروائی ہے کہ پیچیدہ سے پیچیدہ مباحث آپ چٹکیوں میں حل فرما کر عام سے عام انسان کے حلق سے شہد کی طرح اتار سکتے ہیں۔اس کے علاوہ آپ کو کثیر تعداد میں ایسے اصول و قواعد بھی پڑھنے کو ملیں گے کہ شاید کئی کتب پڑھنے کے بعد بھی آپ کی ان تک رسائی نہ ہو سکے۔ یہ سب کچھ اور اس کے علاوہ بھی دیگر بہت کچھ آپ کو مل سکتا ہے۔

(۱۷)-درسِ بخاری:

حضرت علامہ صاحبؒ کا **اصح الکتب بعد کتاب اللہ الصحیح البخاری** کا درس خاص اور منفرد اہمیت

وحیثیت کا درس ہے جو حضرت علامہ صاحبؒ نے ۱۳ر اگست ۲۰۰۹ء بروز جمعرات کو امامِ اہل سنت مولانا علامہ علی شیر حیدریؒ کی دعوت پر جامعہ حیدریہ خیر پور سندھ میں سالانہ جلسہ ختم بخاری کے مبارک موقع پر مانچسٹر سے براہِ راست ارشاد فرمایا تھا، جس میں آپؒ نے نہ صرف یہ کہ صحیح بخاری کی آخری حدیثِ مبارکہ کا واضح اور صاف لفظوں میں دلائل و مختلف مثالوں کی روشنی میں مطلب بیان کیا ہے بلکہ امام بخاریؒ کا صحیح العقیدہ اور اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک پر ہونا بھی واضح کیا ہے۔حضرت علامہ صاحبؒ نے امام بخاریؒ کی ترتیب وطرزِ استدلال سے منکرینِ حدیث کا رد بھی کیا ہے اور منکرین فقہ کے فقہاء کے خلاف پھیلائے گئے غلط تاثرات کا ازالہ بھی۔امام بخاریؒ کے فرقِ باطل سے متعلق قائم کیے گئے مختلف ابواب کا ذکر کر کے اس بات کو واضح اور بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ دین کے لیے کبھی باطل کے خلاف نہ اٹھیں اور اشارۃً بھی کہیں اہلِ باطل کا رد نہ کریں وہ کبھی بھی امام بخاریؒ کے مسلک پر نہیں ہوسکتے ،اور امام بخاریؒ کے مقلد و مجتہد ہونے کی تحقیقی بحث فرما کر نتیجہ یہ نکالا ہے کہ امام بخاریؒ غیر مقلد بالکل بھی نہیں تھے۔انہیں غیر مقلد کہنا یا سمجھنا ان پر بڑا اتہام ہے۔اپنے اس دعویٰ پر بطور استشہاد مسئلہ طلاق ثلاثہ اور نمازِ تراویح کا خاص کر ذکر فرمایا ہے۔امام بخاریؒ کا تقریباً ہر باب میں اقوالِ ائمہ سے استناد کرنا جہاں اس بات کی علامت ہے کہ امام بخاریؒ کے ہاں منقبتِ صحابہ دین کا جز ہے وہیں اس بات کی نشانی بھی ہے کہ امام بخاریؒ کے ہاں صحابہ کرامؓ کے فیصلے اور ائمہ فقہاءؒ کے اقوال بھی ایک علمی سند کا درجہ رکھتے ہیں۔اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ایسی نادر ابحاث کا ذکر کیا ہے جو نہایت دلچسپ بھی ہیں اور علم و تحقیق سے لبریز بھی۔جس کے مطالعہ سے ان شاء اللہ آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ بخاری شریف کا نام لینے والے امام بخاریؒ کے مسلک سے کس قدر کٹے ہوئے ہیں اور مزید یہ کہ اس درس کا پڑھنا آپ کے دل و دماغ سے ائمۂ احنافؒ کے متعلق ایسے کئی منفی تاثرات کو زائل کر دے گا جو آپ کی پریشانی کا سبب بنتے ہیں اور کئی ایسی اشیاء کا حل بھی، جن کا علم نہ ہونے کی وجہ سے آپ مختلف پروپیگنڈا کا شکار ہو جاتے ہیں۔

آخری گزارش اور دعا:

حضرت علامہ صاحبؒ کی شخصیت اتنی جامع اور عالمگیر شخصیت ہے کہ ان کے کسی ایک علمی و عملی پہلو پہ لکھنا اور پھر لکھنے کا حق ادا کرنا ہی نہایت مشکل امر ہے چہ جائیکہ آپ کی زندگی کے ہر ہر پہلو کو نمایاں کیا جائے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و عمل کا منبع و سرچشمہ بنایا تھا آپ کی تحریر و تقریر میں ایسی چاشنی رکھی تھی کہ سننے والا سننے سے اور پڑھنے والا پڑھنے سے بالکل بھی نہیں اکتاتا، جس قدر پڑھتے چلے جائیں اس قدر دل کی حسرت بڑھتی چلی جاتی ہے۔آپ کے قلم میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت و روانی عطا کی تھی کہ آپ نے زندگی کے مختصر عرصہ میں جس قدر گراں قدر تصنیفات و تالیفات ترتیب دی اور امت کیلئے ایک ذخیرۂ علمی اور اپنے لیے توشۂ آخرت چھوڑی ہیں اگر ان کا زندگی میں فقط ایک بار مطالعہ کر لیا جائے تو انشاء اللہ قوی امید ہے اس کے بعد کوئی اہلِ باطل ہمارے عقائد و نظریات میں خلل پیدا نہیں کر سکے گا، کوئی اہل کفر و ضلال ہمیں گمراہی کی دلدل میں نہیں دھکیل سکے گا، قرآن و حدیث کا صحیح معنیٰ و مفہوم بھی نکھر کر ہمارے سامنے آجائے گا اور فقہاء و محدثین کی قدر و منزلت بھی ہمارے دلوں میں ہمیشہ کے لیے رچ

بس جائے گی، قرآن وحدیث کے نام پہ پھیلائے گئے فتنوں کا سدِ باب بھی ہو جائے گا اور ہمارے ایمان ونظریہ کا تحفظ بھی۔ اس لیے تمام قارئین سے التماس و دردمندانہ درخواست ہے کہ حضرت علامہ صاحبؒ کی کتب کا زندگی میں کم از کم ایک بار مطالعہ ضرور کیجئے گا، خاص کر علماء کرام اور طلبہ دین کے لیے تو حضرت کی کتب کا پڑھنا لازم کے درجہ میں ہے کہ ان کا خود بھی حق واعتدال پہ قائم رہنا لازم وضروری ہے اور دوسروں کے ایمان وعقائد کا تحفظ کرنا بھی فرض وذمہ داری میں شامل ہے۔ ان شاء اللہ حضرت علامہ صاحبؒ کی جمیع کتب آپ کو حق واعتدال پہ بھی قائم رکھیں گی اور کسی اہلِ باطل کے سامنے جھکنے اور مایوس ہونے سے بھی بچائیں گی۔

حضرت علامہ صاحبؒ کی اکثر کتب کا تذکرہ تو آپ نے سطورِ بالا میں ملاحظہ کر لیا البتہ دو کتب ابھی رہتی ہیں، مثلاً شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کا مقامِ توحید، درسِ بخاری اور سب سے اہم مطالعہ بریلویت، ارادہ تو یہی تھا کہ ان کا تعارف بھی ہو جاتا، لیکن اپنی کم علمی اور وقت کی نزاکت کے پیشِ نظر فی الوقت اسی پر اکتفاء کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بقیہ کتب کا تعارف ذکر کرنے کی توفیق مرحمت عطا فرما دیں۔ اللہ کی توفیق شامل حال ہوئی تو ان شاء اللہ بقیہ کتب کا تعارف بھی قارئین کی نظر کروں گا۔ دراصل تعارف کتب کے حوالے سے یہ تحریر بندہ کی زندگی کا پہلا تجربہ ہے۔ میں اپنی پوری ہمت وکوشش کے باوجود مکمل کتب کا تعارف پیش کرنے سے قاصر رہا، یا اللہ اس کی تلافی کی کوئی صورت پیدا فرما دیجئے۔ فی الوقت نہ چاہتے ہوئے بھی انہی الفاظ پر اکتفاء کرتا ہوں۔

ناانصافی ہوگی کہ اپنے مخدوم ومکرم محترم المقام قاری محمد انور سرفرازی صاحب دامت برکاتہم کا تہہ دل سے شکریہ نہ ادا کروں، جنہوں نے بندہ کو یہ مضمون لکھنے کی تلقین کی اور پھر اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس کے لیے حضرت علامہ صاحبؒ کی تمام کتب بھی مہیا فرمائیں، حتی کہ بعض وہ کتب جو حضرت قاری صاحب کے پاس ذاتی موجود نہیں تھی تو آپ نے لاہور اور سرگودھا کا طویل سفر کر کے اپنے خرچ پر مجھے لا کر دیں۔ یوں سمجھیں یہ جو چند الفاظ لکھ پایا ہوں یہ حضرت قاری صاحب کے اخلاص کی برکت اور مرہونِ منت ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب کے علم وعمل، زندگی وصحت، اخلاص اور مال ودولت میں برکت وکثرت نصیب فرمائے۔

اور جو چند الفاظ محض اللہ کے فضل وکرم حضرات اساتذہ کی دعاؤں سے تحریر کر پایا ہوں انہیں اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرما کر حضرت علامہ صاحبؒ کے درجات کی بلندی اور ہماری نجات کا سبب وذریعہ بنائے۔ [**آمین یا رب العالمین بجاہ النبی الکریم ﷺ**]

محتاجِ دعا: مفتی نعمان احمد نعمانی عفا اللہ عنہ۔ کھاریاں، گجرات
فاضل جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا، متخصص جامعۃ الحمید عظیم آباد رائیونڈ روڈ لاہور

☆......☆......☆......☆

شمار	نام کتاب	صفحات	شمار	نام کتاب	صفحات
۱	آثار التنزیل (جلد اول)	478	۲	آثار التنزیل (جلد دوم)	440
۳	آثار الحدیث (جلد اول)	466	۴	آثار الحدیث (جلد دوم)	472
۵	آثار التشریع (جلد اول)	480	۶	آثار التشریع (جلد دوم)	456
۷	آثار الاحسان (جلد اول)	520	۸	آثار الاحسان (جلد دوم)	432
۹	تجلیات آفتاب (جلد اول)	616	۱۰	تجلیات آفتاب (جلد دوم)	512
۱۱	مطالعہ بریلویت (جلد اول)	440	۱۲	مطالعہ بریلویت (جلد دوم)	456
۱۳	مطالعہ بریلویت (جلد سوم)	468	۱۴	مطالعہ بریلویت (جلد چہارم)	428
۱۵	مطالعہ بریلویت (جلد پنجم)	548	۱۶	مطالعہ بریلویت (جلد ششم)	428
۱۷	مطالعہ بریلویت (جلد ہفتم)	404	۱۸	مطالعہ بریلویت (جلد ہشتم)	400
۱۹	مقام حیات (جلد اول)	752	۲۰	مقام حیات (جلد دوم)	336
۲۱	عبقات (جلد اول)	588	۲۲	عبقات (جلد دوم)	400
۲۳	خلفائے راشدین (جلد اول)	688	۲۴	خلفائے راشدین (جلد دوم)	544
۲۵	عقیدۃ الامت (مطالعہ قادیانیت: جلد۱)	400	۲۶	عقیدہ خیر الامم (مطالعہ قادیانیت: جلد۲)	520
۲۷	عقیدۃ الاعلام (مطالعہ قادیانیت: جلد۳)	368	۲۸	مرزا قادیانی (مطالعہ قادیانیت: جلد۴)	448
۲۹	بست بابی فہرست مضامین قرآن (جلد۱)	128	۳۰	بست بابی فہرست مضامین قرآن (جلد۲)	88
۳۱	مقامِ اہل بیت کرامؓ	160	۳۲	عظمت الاصحاب فی ام الکتاب	108
۳۳	مقدمہ کتاب الاستفسار (مطالعۂ عیسائیت)	596	۳۴	معیارِ صحابیت	256
۳۵	شاہ اسماعیل شہیدؒ	208	۳۶	محرم کی دس راتیں	320
۳۷	مقدمہ تحذیر الناس		۳۸	عقیدہ ختم نبوت اور اثر ابن عباسؓ	286
۳۹	درس قرآن (خلافت کیسے قائم ہوئی؟)	48	۴۰	درسِ صحیح بخاری شریف	64
۴۱	دوازدہ احادیث	210	۴۲	نماز کا مقام توحید	64
۴۳	قادیانیت پر غور کا آسان راستہ	72	۴۴	علم حدیث پر عصر حاضر کی ظالمانہ مشقیں	320

باب نمبر ۷

رسائل وجرائد کا

خراج تحسین

حضرت علامہ خالد محمودؒ اسلامی اور عصری علوم پر غیر معمولی دسترس رکھتے تھے، آپ کی تقاریر اور بیانات کا رنگ بالکل جداگانہ تھا، عوامی جلسوں میں بھی علمی نکات اس خوبی سے بیان فرماتے تھے کہ عام سامعین بھی اَش اَش کر اٹھتے، آپ کے علمی مقام اور دینی علوم میں غیر معمولی حذاقت اور تعمق کی وجہ سے ''علامہ'' کا قابلِ قدر لقب ان کے نام کا جز بن گیا تھا۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی کے بعد علامہ خالد محمودؒ قوتِ استخراج وقوتِ استنباط میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ قوتِ حافظہ، حاضر جوابی اور نکتہ رسی میں اپنی مثال آپ تھے۔ بانی جامعہ خیر المدارس استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ جامعہ کے سالانہ جلسوں پر جن شخصیات کو خطاب کے لئے مدعو فرمایا کرتے تھے وہ حضرتؒ کے نزدیک امتیازی شان کی مالک ہوتی تھیں۔[۱/۷۷۶]

انہوں نے اسلامی عقائد اور علم کلام میں تقریری اور تحریری طور پر جو کام کیا ہے وہ ہمیشہ امت کی راہنمائی کرتا رہے گا۔ اہل حق اہل السنۃ کے عقائد ونظریات کا دلائل سے اثبات اور اہل باطل کے غلط عقائد کی دلائل وبراہین سے تردید ان کا خاص موضوع تھا۔ ختم نبوت اور حیات الانبیاء علیہم السلام کے موضوع پر ان کی کتب ورسائل دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اہل سنت کے عقائد حقہ کی حقانیت پر دلائل قائم کرنے کے ساتھ انہوں نے اہل بدعت واہل ھویٰ، روافض، اہل بدعت، منکرین تقلید غیر مقلدین کی تردید میں بھی نہایت مدلل اور پر مغز مواد تحریر فرمایا ہے، روافض، اہل تشیع کی تردید میں اور اہل بدعت کے عقائدِ زائغہ کے رد میں ''مطالعہ بریلویت'' لکھ کر اگر کہا جائے کہ انہوں نے حجت تمام کردی ہے تو اہل انصاف کے نزدیک یہ مبالغہ نہیں ہوگا۔

درس وتدریس کے علاوہ ساری زندگی ان کا تعلق قلم وقرطاس اور بیان وبنان سے رہا، غرضیکہ ہر موضوع پر آپ کی گرانقدر علمی کتب اور رسائل ومقالات دستیاب ہیں۔[۱/۷۸۰]

ماہنامہ ''**القاسم**'' نوشہرہ......[شوال المکرّم ۱۴۴۱ھ/جون ۲۰۲۰ء]

مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی، مرسلہ! مولانا عبد القیوم حقانی

آہ......حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ

مفکر اسلام محقق العصر حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحبؒ کے سانحہ وفات پر ۱۵/ مئی ۲۰۲۰ء بروز جمعہ درس قرآن کی مجلس سے محترم جناب حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب (مانچسٹر) کا خطاب

گذشتہ کل (۱۴/ مئی ۲۰۲۰ء جمعرات) استاذنا المحترم حضرت علامہ (خالد محمود) صاحبؒ کے سانحۂ وفات پر طبیعت نہایت ہی کبیدہ اور پریشان رہی......اس لئے بجائے اس کے کہ میں اُس درس کا تسلسل رکھوں جو پہلے سے چلا آرہا ہے......میں نے حضرت علامہ صاحبؒ کی اِک تقریر اور خطاب جس میں آپ نے موت کی حقیقت اور موت کے بعد آنے والے مناظر پر کچھ توجہ دلائی تھی......وہی ریڈیو پر نشر کردی تھی......اور میں خود بھی خاموشی کے ساتھ اُس تقریر کو دوبارہ سنتا رہا......تاکہ ہمارے جو سامعین ہیں، سننے والے ہیں......اُن کے سامنے بھی یہ نصیحت آموز کلمات آجائیں......اور اُن میں کسی کو اپنی قبر اور آخرت کی فکر پیدا ہو جائے......موت کے بعد کے حالات پر نظر رکھتے ہوئے اسے اپنی زندگی میں کچھ انقلاب پیدا کرنے کی توفیق ہو جائے...... تو یہ میرے لیے بھی صدقۂ جاریہ ہوگا، اور ان شاء اللہ حضرت علامہ صاحبؒ کے لیے بھی صدقات جاریہ میں سے ہوگا۔

اللہ تعالیٰ شانہ کا احسان ہوا، اُس کی مدد ہوئی، کہ آج بعد نماز جمعہ الحمد للہ قانونی رکاوٹوں کے ہوتے ہوئے بھی نہایت ہی سکون اور اطمینان کے ساتھ، مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے نماز جنازہ ادا کی پھر ہم نے اپنے اُستاذ کو اللہ تعالیٰ شانہ کے حوالے کر دیا......اللہ تعالیٰ شانہ آخرت کی اُن کی ساری منزلیں آسان فرمائے، اُن کی قبر کو جنت کے باغوں کا ایک باغ بنائے، اُن کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے، اور جن بزرگوں کی عزت اور دفاع میں اُن کی ساری زندگی گزری ہے، بالخصوص ہمارے آقا خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کی حفاظت......اور اس عقیدہ کی وضاحت......اور اُس کے دفاع میں......پھر صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدینؓ کی عزت وحرمت اور ان کی ولایت وعظمت پر جن لوگوں نے بھی انگلیاں اٹھائی ہیں آپ نے نہ صرف یہ کہ اُن کا عالمانہ جواب دیا ہے......صحابہ کی عزت کا تحفظ کیا ہے، اُن کی عظمت کو بیان کیا ہے، اُن کی عقیدت ومحبت تقریراً ہو یا تحریراً دُنیا کے دیگر ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے دلوں میں پوری طرح اُجاگر کی ہے، پوری طرح بٹھائی ہے......اللہ تعالیٰ شانہ کی ذاتِ باری سے قوی امید ہے......کہ انہیں ضرور بالضرور نبی کریم ﷺ کے خصوصی خداموں کی صف میں بٹھائے گا اور انہیں، خلفائے راشدینؓ، صحابہ کرام اور اولیاء عظام کی معیت ورفاقت ضرور نصیب ہوگی ان شاء اللہ۔

اور یہ بات سچ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ختم نبوت کے تحفظ کے سلسلے میں جو بھی چھوٹی موٹی خدمت انجام دی ہے، نبی کریم ﷺ قیامت کے دن اُنہیں ضرور اپنے دامنِ رحمت میں بٹھائیں گے......جن لوگوں

نے بھی حضور پاک ﷺ کے صحابہ پر آنے والے چھینٹوں کو دور کیا ہے، بکواسوں کو ختم کیا ہے، بکواسوں کا پورا جواب دیا ہے......ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ کل قیامت کے دن نبی کریم ﷺ ایسے لوگوں کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطاء فرمائیں گے......جب آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ (جن کے بارے میں حضرت علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی ایک خاص اصطلاح تھی ''ہم نشینانِ رسالت، ان) کے خلاف بولنے والوں پر لعنت بھیجنے اور انہیں خدا کی رحمت سے دور ہونے کی بددعا دی گئی ہے: **فقولوا لعنة الله علی شرکم.** تو کیا آپ ﷺ ان لوگوں کو اپنا قرب نہیں عطا کریں گے جنہوں نے ہم نشینان رسالت کی عظمت بلند کرنے اور مسلمانوں کے دلوں سے ان کے بارے میں شکوک دور کرنے میں زندگی صرف اور ختم کردی ہو؟ حضرت الاستاذ علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے ہمیں یہی بات سکھائی ہے، اور اسی پر زندگی گذارنے، اور اسی پر زندگی کو ختم کرنے کی تعلیم، تلقین وترغیب فرمائی ہے......اللہ تعالیٰ شانہ ہم سب کو اِس کی توفیق عطاء فرمائے کہ پیغمبر کے خلاف کوئی بات ہمارے کان کبھی نہ سنیں اور صحابہ کرامؓ کے خلاف ہمارے کانوں میں کوئی آواز آئے تو ایسا نہ ہو کہ ہم اسے خاموشی سے سنیں اور بھول جائیں، اپنی علمی و عملی استطاعت کو کام میں لائیں ورنہ ہم بروز قیامت مجرم ہوں گے، ٹی وی پہ کوئی ایسی بات سننے میں آجائے، فوراً لعنت بھیجو اُس کہنے والے پر اور ٹی وی بند کردو......اس پر قانونی حق استعمال کرکے احتجاج کرو......کیسٹ میں کوئی بات سُنی جائے، یکدم کہنے والے پر دو بول پڑھیں ......نبی کریم ﷺ نے ارشاد پڑھایا: **''لاتسبوا اصحابی''** (میرے صحابہ کو بُرا نہیں کہنا)......**''اذا رائیتم الذین یسبون اصحابی''** (جو لوگ میرے صحابہ کو گالی دیتے ہیں، بُرا بھلا کہتے ہیں) **''فقولوا لعنة الله علی شرکم''** (تو کہو: اللہ کی لعنت ہے تمہارے شر پر) اللہ کی لعنت ہو تمہاری اِس برائی پر۔ تمہاری اس خباثت پر۔

اس لئے کہ ہم امت ہیں اللہ کے آخری رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی، اور صحابۂ کرامؓ ہمارے محسن ہیں......اِن کے ذریعے سے اللہ کا دین ہم تک پہنچا......اللہ کے نبی ﷺ نے دین کی یہ امانت اپنے ہم نشینوں کو دی تھی......ان کے ذریعہ سے اللہ کے پاک پیغمبر کی تعلیم وشریعت ہم تک پہنچی ہے......حضرت علامہ صاحبؒ نے اپنی جوانی غالباً ۱۸۔ ۱۹ رسال کی عمر سے لے کر ۹۴، ۹۵ رسال تک اِسی دین کی خدمت اور اس کے دفاع میں گذاری ہے......جہاں کہیں اُنہیں اِس دین کی خدمت کے لیے بُلایا گیا آپ نے کبھی انکار نہیں کیا اور اِس دین پر حملہ کرنے والوں کا ہر محاذ پر مکمل جواب دیا ہے......مدلل جواب دیا ہے...... اطمینان بخش جواب دیا ہے......تحریر کی ضرورت پڑی، آپ نے لکھ کر بھی دفاع کیا ہے، عدالتوں میں جانا پڑا......خواہ وہ پاکستان کی عدالت ہو، خواہ وہ ساؤتھ افریقہ کی عدالت ہو، خواہ وہ کینیا، سینگال اور نائجیریا کا میدان ہو......جہاں جہاں بھی عدالتوں میں جانے کی بھی بات آئی حضرت علامہ صاحبؒ وہاں پر بھی گئے ہیں......اور وہاں نبی کریم ﷺ کی عزت کا اور ختم نبوت کا دفاع کیا ہے، اور اِس عقیدے کا تحفظ کیا ہے......ان علاقوں کے مسلمانوں کے اسلامی عقیدے کی حفاظت کی ہے......اور اللہ کے فضل اور اس کی عنایت سے ہر محاذ پر اللہ نے آپ کو کامیاب کیا ہے، اور آنحضرت ﷺ کے لہرائے ہوئے پرچم کو بلند سے بلند تر رکھنے میں آپ ہمیشہ سینہ سپر رہے کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ آپ نے پیٹھ دکھائی ہو۔ آپ دین کی خاطر ہمیشہ آگے بڑھے اور پوری قوت کے

ساتھ ہر میدان میں اترتے دکھائی دیئے ہیں وہ عیسائیت کا میدان ہو یا قادیانیت کا......رافضیت ہو یا خارجیت یا اہل بدعت کا ......آپ نے ہمیشہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی ہے اور یہ دلائل ان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا ہے...... **فجزاہ اللہ احسن الجزاء**......آمین

رہے گو زیر خنجر سر میرا تسلیم ہے لیکن عقیدت پر چلے نشتر گوارا کر نہیں سکتا
اپنی جان لٹا سکتا ہوں ناموس رسالت پر مگر گستاخی سرور گوارا کر نہیں سکتا

میں نے آج اُن کے جنازے پر بھی ایک بات کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کے اس آخری دین کی اِس عظیم خدمت کا، اور دین کی اِس نشر واشاعت کا، دین کی اِس تبلیغ کا، اور صحابہ کرام کے خلفائے راشدین کے دفاع کا، آنحضرت ﷺ کے سچے دین کو پھیلانے کا اور اُن پر آنے والے چھینٹوں کو ایک ایک کر کے ہٹانے کا اللہ تعالیٰ شانہ نے جو صلہ دیا ہے جو بدلہ دیا ہے، وہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں......آج جنازے کے موقع پر میں نے اپنے تمام ساتھیوں سے یہ بات عرض کی کہ آج اِس کا ایک ہلکا سا نظارہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں...... کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں کیسے اکرام وانعام کے ساتھ اپنے پاس بلایا ہے، کس شان کے ساتھ اُنہیں اپنے پاس بلایا ہے......ایک تو رمضان المبارک کا مہینہ ہے جو اپنی جگہ بہت مبارک مہینہ، بخشش کا مہینہ، مغفرت کا مہینہ، رحمتوں کا مہینہ، برکتوں کا مہینہ، رحمت کی گھٹاؤں کے آنے کا مہینہ، رحمتوں کی بارشوں کے برسنے کا مہینہ، جنت کے دروازوں کے کھلنے کا مہینہ اللہ تعالیٰ شانہ کے بے انتہاء فضل وکرم کے اُترنے کا مہینہ،......ایک مہینہ رمضان المبارک کا جس کو اللہ تعالیٰ شانہ نے اور اللہ تعالیٰ کے پاک پیغمبر نے مبارک مہینہ کہا ہے، برکت والا مہینہ کہا ہے، عظیم مہینہ کہا ہے،...... **شہر عظیم**......**شہر مبارک**......ایک تو رمضان المبارک کا مہینہ اُنہیں عطاء فرمایا،......نمبر۲......رمضان المبارک کے دوسرے عشرے کا آخری دن عطا فرمایا، اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ یہ جو رمضان کا دوسرا عشرہ ہے وہ مغفرت کا عشرہ ہے، بخشش کا عشرہ ہے......**أوسطه مغفرة**......اللہ تعالیٰ شانہ کے طرف سے معافی دے دینے کا عشرہ ہے، اِس مہینے میں اِن دنوں میں جو مسلمان شخص بھی اللہ تعالیٰ شانہ کے پاس جاتا ہے، اللہ تعالیٰ شانہ اِس کی مغفرت فرماتا ہے، یہاں تو ربّ کریم نے اُنہیں معاف کرنے کے لیے بلایا ہے، مغفرت کرنے کے لیے بلایا ہے، بخشش دینے کے لیے بلایا ہے، خوش کرنے کے لیے بلایا ہے، اپنی رحمت میں جگہ دینے کے لیے بلایا ہے،......تو ایک رمضان کا مہینہ جو اللہ نے اُنہیں عطا فرمایا......ایک، دوسرے عشرے کا آخری دن اُنہیں عطا فرمایا......نمبر۳......جو آخری عشرہ ہے رمضان المبارک کا، اُس کا یہ پہلا دن ہے آج کا دن، جس میں اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں تدفین کی سعادت عطاء فرمائی......آج وہ دفن ہوئے، اِس دنیا سے پردہ کر گئے، منوں من مٹی کے نیچے آرام سے جا کر سو گئے، تو یہ وہ دن ہے وہ عشرہ ہے جس کی ابتدا ہو رہی ہے، کہ اللہ تعالیٰ شانہ آج کے دن اپنے بندوں کو جہنم سے آزادی عطاء فرماتے ہیں، دوزخ سے آزادی عطا فرماتے ہیں...... **وآخره عتق من النار**......آج اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی تدفین کے لیے یہ دن مقرر کیا، علمِ الٰہی میں آج کا دن پہلے سے طے تھا......ہوسکتا تھا کہ گزشتہ کل جمعرات کو اگر ہمیں میت پہلے سے مل جاتی تو شاید کل ہی

اُن کی تدفین ہوجاتی، لیکن علم الٰہی میں پہلے سے طے تھا، کہ ہم نے ان کو آج کے دن تدفین کی سعادت دینی ہے، جو رمضان المبارک کے آخری عشرے کا پہلا دن ہے،...... جو دوزخ سے رہائی کا دن ہے...... نمبر ۴...... آج جمعہ کا دن ہے، جمعرات کے دن مغرب کی اذان شروع ہوتی ہے تو اللہ تعالی کی خاص رحمت متوجہ ہوجاتی ہے...... کب تک...... جمعہ کے دن سورج غروب ہونے تک...... اس میں جب کوئی مسلمان انتقال کرتا ہے، اللہ تعالیٰ شانہ نے اُس کے لیے خاص فضیلت رکھی ہوئی ہے، شب جمعہ یا یوم جمعہ میں کوئی انتقال کرتا ہے، اللہ تعالیٰ شانہ کے ہاں ایسے لوگوں کے لئے ایک خاص انعام ہے کہ وہ عذاب قبر سے مامون ہوتے ہیں...... ترمذی شریف میں یہ حدیث موجود ہے اور جن لوگوں کو شب جمعہ یا یوم جمعہ میں دفن ہونے کی سعادت ملتی ہے علماء نے ان کے لئے بھی یہ بات کہی ہے کہ چونکہ قبر کا عذاب (اللہ ہماری حفاظت فرمائے) دفن کے بعد شروع ہوتا ہے اللہ تعالی اس دن کی برکت سے عذاب قبر کو اٹھا دیتا ہے...... اللہ تعالی نے حضرت علامہ صاحبؒ کو یہ سعادت بھی دی اور آپ یہ نعمت بھی لے اڑے۔

...... پھر اکابر علماء ان کے جنازے میں موجود تھے، اہل دل اُن کے جنازے میں موجود تھے، نیک لوگ اُن کے جنازے میں موجود تھے،...... نہ معلوم کہاں کہاں سے علماء اُن کے لیے دعائیں کررہے ہیں، تو کتنی ساری فضیلتیں اور کتنی ساری برکتیں سعادتیں بیک وقت اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں عطا فرمائی ہیں......

پھر میں نے ایک بات اور کہی کہ ڈاکٹروں نے جو تشخیص کی ہے اُن کے مرض کی اُن کی بیماری کی جو رپورٹ دی ہے، اُس کی وجوہات میں ''کرونا'' (آ) کا بھی ذکر آیا ہے، اور جیسا کہ عرض کیا میں نے، پہلے بھی کسی اور مجلس میں کہا ہے، کہ یہ جو وبائی بیماریاں ہیں اس میں کوئی مؤمن آدمی اس دُنیا سے جاتا ہے، تو اللہ جل شانہ کے ہاں اس کو شہادت کا درجہ ملتا ہے، دنیا میں شہیدوں کے احکام گو اِس پر طاری نہیں ہوتے، لیکن آخرت کے اندر اُن پر احکام جو طاری ہوں گے، اُن پر جو احکام لاگو ہوں گے، اُن لوگوں کے لیے جو احکام جاری ہوں گے وہ شہادت کے احکام میں شمار کئے جائیں گے...... گویا اللہ تعالیٰ شانہ نے اُن کو شہادت کا مقام و مرتبہ بھی عطاء فرمایا ہے، طاعون کی بیماری میں جو فوت ہوجاتا ہے، اس کے لئے رحمت کے الفاظ ملتے ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں ۱۸ ہجری میں ''طاعون عمواس'' کے نام سے ایک بہت بڑا طاعون پھیلا تھا، جس میں کئی مسلمان فوت ہورہے تھے...... موت پر موت کی خبریں آرہی تھی اور لوگ ایک کے بعد ایک گرتے چلے جارہے تھے، اُس وقت بعض صحابہ ایسے تھے جنہوں نے دعائیں بھی مانگی تھیں، کہ اے اللہ ہمیں اس بیماری کے ذریعے اَپنے پاس بلالے تاکہ ہمیں بھی شہادت کی موت اور اس کی سعادت نصیب ہوجائے، وہ لوگ جو زندگی بھر نبی کریم ﷺ کے ساتھ میدان میں جاتے رہے، جہاد میں جاتے رہے، اللہ کے دین کی تبلیغ کے لیے، اعلاء کلمۃ الاسلام کے لیے، اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اپنی جان، مال اولاد کو لے کر جاتے رہے، اُنہیں اگر اُس مقام پر شہادت نہ مل سکی تو وہ دعائیں کرتے رہے کہ اے اللہ ہمیں کسی ایسے طرح سے

(آ) مارچ ۲۰۲۰ء میں اُٹھنے والی ایک عالمگیر وباء، جس سے دنیا بھر کے انسان متاثر ہوئے، لاتعداد اموات ہوئیں، ہسپتالوں کے ہسپتال مریضوں سے بھر گئے۔ اور حفاظتی لاک ڈاؤن کی وجہ سے پوری دنیا کا نظام معیشت شدید متاثر ہوا۔ [محمد عبد الجبار سلفی]

اپنے پاس بلانا کہ جس میں شہادت کے احکام بھی ہم پر جاری ہو جائیں...... یہ سعادت بھی ہمیں مل جائے گو حکماً سہی......، اِن میں سے بعض صحابہ کو اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ مقام ورتبہ بھی عطا فرمایا...... مشہور صحابی رسول حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کا انتقال اسی وباء میں ہوا تھا اور جب یہ وباء پھیل پڑی تو حضرت ابوعبیدہؓ نے ایک خطبہ دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ **ان هذا الوجع رحمة ربكم** ...... کہ یہ جو وبائی مرض ہے یہ خدا کی رحمت ہے...... **ودعوة نبيكم** ......اور تمہارے نبی کی دعا ہے...... **وموت الصالحين قبلكم** ...... تم سے پہلے بہت سے صلحاء اس مرض میں وفات پا گئے تھے...... **وأن اباعبيدة يسأل الله ان يقسم له منه حظه** ......اوراب بندہ ابوعبیدہ بھی اللہ سے اس سعادت میں حصہ پانے کی خواہش رکھتا ہے......اور پھر آپ اسی وبائی مرض میں اللہ کے حضور تشریف لے گئے تھے...... رضی اللہ تعالی عنہ...... آپ کے بارے میں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ جب انہوں نے یہ دعا کی تو پھر ان کی چھوٹی انگلی میں اس وباء کا ایک دانہ نکل آیا آپ اسے دیکھ رہے تھے اور جو لوگ آپ کے پاس اس وقت بیٹھے ہوئے تھے وہ کہنے لگے کہ فکر نہ کریں یہ کوئی بڑا مرض نہیں ہے...... حضرت ابوعبیدہؓ نے یہ سن کر کہا کہ مجھے امید ہے کہ اللہ اسی میں برکت ڈالے گا اور اللہ جب کسی تھوڑی چیز میں برکت ڈالتا ہے تو پھر وہ بہت ہو جایا کرتی ہے...... اسی وبائی مرض کے دوران جب لوگوں نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے دعا کے لئے کہا تو انہوں نے بھی یہی بات فرمائی تھی اور ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ یہ اس بات کی شہادت ہے کہ اللہ تعالی تم میں سے جس کو چاہتا ہے اس کے ساتھ اسے مخصوص کر دیتا ہے...... اسی طرح دیگر صحابہ بھی ہیں جو ''طاعون عمواس'' میں اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے...... صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے حضور ﷺ کی ایک حدیث مروی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ **الشهداء خمسة**......ان میں سے ایک مطعون بھی ہے یعنی جو طاعون یا دیگر وبائی بیماری میں فوت ہوا ہو...... آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے جن کے بارے میں شہداء میں سے ہونے کی بشارت ہو کیا اللہ تعالی کے ہاں انہیں یہ مرتبہ نہیں ملے گا؟...... ضرور ملے گا...... خدا کی دین کی خدمت کا اور خدمت کرنے کی جو سعادت ہے وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

نیک بخت ہوتے ہیں وہ لوگ، خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ، جن سے اللہ تعالیٰ شانہ دین کا اتنا عظیم کام لیتا ہے، کہ قیامت تک اگر اُن کے کام کو پھیلایا جائے، تو پھر بھی اس کام کی جو وسعت ہے، اُس میں کوئی کمی نہیں آتی...... پھیلتا ہی چلا جائے گا، حضرت علامہ صاحبؒ اُن نیک بخت لوگوں میں سے تھے کہ جن کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع اور روشن تھا، جن کی خدمات کا دائرہ عالمی تھا۔ ساری دنیا میں اُن کی دین کے خدمت کے چرچے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج دنیا بھر میں ان کے لئے مغفرت اور درجات کی بلندی کے لئے دعائیں بھی ہو رہی ہیں...... مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں علماء رنجیدہ ہیں اور آپ کے لئے رمضان کی مبارک ساعات میں ان مقدس مقامات میں دعائیں اور ایصال ثواب کر رہے ہیں...... اللہ جل شانہ قبول فرمائے۔

یہ ۱۹۷۰ء کی دہائی کی بات ہے جب نائیجیریا، کینیا، گھانا، سیرالیون، گمبیا اور افریقہ کے دیگر علاقوں کے اندر قادیانیوں نے اپنی دعوت اور تبلیغ کا کام تیزی سے شروع کیا اور وہ لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی نبوت سے ہٹا کر مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر

لانے کی کوششوں میں لگے، وہاں کے بچارے لوگ اَن پڑھ مسلمان تھے، انہیں کچھ پتہ نہیں تھا، ان پر دجل کا جال پھینکا گیا اور مال و دولت کا لالچ دے کر اُنہیں پھانسنے کی کوشش کی گئی، اور خطرہ تھا کہ ان علاقوں کے اندر قادیانیت پوری طرح اپنے پاؤں جما کر وہاں کے مسلمانوں کو بے دین بنادے اور اُن پر دینی حملہ کر کے، دجل وفریب دے کر اُن کے اسلام کو چھین لے، سعودی عرب کے علماء نے حضرت علامہ صاحبؒ اور حضرت مولانا منظور احمد چینوٹی صاحبؒ اِن دونوں بزرگوں کو اِس کام کے لیے تیار کیا اور اِن دونوں بزرگوں کو اِن ممالک کے اندر بھیجا، یہ حضرات وہاں تشریف لے گئے، وہاں ایک مترجم اپنے ساتھ لیا اور پھر اُس علاقے کے اندر آنحضرت ﷺ کے ختم نبوت کا تحفظ اِس طرح کیا ہے کہ اَب تک قادیانیوں کو پیر جمانے کی جرأت نہیں ہورہی ہے، ان کی ساری تمنائیں دم توڑ گئیں اُن کی ساری خواہشات پر پانی پھر گیا، وہ یہ چاہتے تھے کہ یہ پورے کا پورا ملک قادیانیوں کا ملک بن جائے، یہاں کا بادشاہ قادیانی بن جائے، یہاں کے قبیلے کا سردار قادیانی بن جائے، تاکہ دنیا بھر میں یہ تاثر اور پیغام دیا جاسکے کہ ہمارے پاس بھی اپنا ایک ملک ہے لیکن اللہ تعالیٰ شانہ نے ہمارے ان بزرگوں کی محنتوں کو قبول فرمایا، یہ اُن کی محنتوں کا صدقہ ہے کہ آج اُن علاقوں کے اندر رحمت عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے نام لیوا کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں ......اور علماء اور مبلغین کا آنا جانا رہتا ہے۔ اس وقت یہ ایک تاریخ ساز معرکہ تھا جو ان بزرگوں نے لڑا تھا اور اللہ نے اس میں انہیں پوری طرح کامیاب کیا......اس موقع پر قادیانیوں کے ساتھ ایک مناظرہ بھی ہوا تھا جو بعد میں مناظرہ نائیجیریا کے نام شائع ہوا تھا اور میرے پاس وہ موجود ہے۔(۱)

اللہ تعالیٰ شانہ غریقِ رحمت کرے، یہ ساری سعادتیں اللہ تعالیٰ شانہ نے اُن کو عطاء فرمائی ہیں......ذرا غور کیجئے! کتنی ساری سعادتیں اللہ تعالیٰ شانہ نے عطا فرمائی ہیں بیک وقت، یہ ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ شانہ اپنے بندوں میں ایسے بندے منتخب کرتا ہے، جن کو وہ اپنے دین کی خدمت کے لیے چن لیتا ہے، یہ چنے ہوئے لوگ ہیں، بے شمار علماء ہیں، کتنے اکابر علماء ایسے گذرے ہیں جو جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ صاب نور اللہ مرقدہ کو کن کن صلاحیتوں اور خوبیوں سے نوازا تھا، جب کہیں بات کرنے، بحث کرنے کی، ڈیبیٹ (Debate) کی ضرورت ہوتی، انگریزوں کے ساتھ ضرورت ہوتی، یہودیوں کے ساتھ گفتگو کرنے کی ضرورت پڑتی، یا دہریوں کے ساتھ علمی مقابلہ کرنے کی ضرورت پڑتی، آپ کو بلایا جاتا اور آپ ہر میدان میں علمی اور منطقی دلائل سے بات کو اس طرح سمجھاتے کہ سامنے والا گو کھل کا اس کا اعتراف نہ کرتا مگر سچ تو یہ ہے کہ اس کے پاس کوئی جواب بھی نہ ہوتا تھا۔

یہاں اللہ ہماری حفاظت فرمائے، اولڈھم (Oldham) نیلسن (Nelson) اور ان علاقوں کے اندر پاکستان کے بعض عیسائی علماء نے آکر بہت سے ان پڑھ لوگوں کو عیسائی بنانا شروع کیا......اولڈھم کے لوگوں نے اُس زمانے میں رجوع کیا حضرت علامہ صاحب کی طرف، حضرت علامہ صاحب وہاں گئے تھے، میں بھی اُن دنوں اُن کے ساتھ تھا، اور وہاں پر اُن کے

(۱) اس سفر کی تفصیلات کے لیے دیکھیے مولانا بلال احمد [۱/۸۷] اور مولانا عبدالجبار سلفی [۱/۲۱۱] کا مضمون۔ [ادارہ]

جو اشکالات تھے آپ نے وہ دور کئے...... ایک گھر میں ہم بیٹھے ہوئے تھے، جو عیسائی ہو گیا تھا اُس نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی ذاتی زندگی کے بارے میں شبہات پیش کر دئے، اُس کے ساتھ عیسائی مبلغ بھی وہاں موجود تھا، اُس نے بھی علامہ صاحب سے صحیح بخاری کے حوالے سے اس پر کچھ اور اعتراضات بھی پیش کئے، حضرت علامہ صاحب نے نہ صرف یہ کہ اس کے جوابات دئے بلکہ اس وقت ہمارے پاس بائبل بھی تھی، اس کے بھی کچھ حوالے اس طور سے پیش کئے کہ اب انہیں اس پر مزید اعتراضات کی جرأت نہ ہوئی پھر اللہ کا فضل ہوا اور وہ لوگ جو اُس کی تبلیغ سے عیسائی بن گئے تھے، اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت علامہ صاحب کی برکت سے اُن کو پھر اسلام میں آنے کی سعادت عطاء فرما دی۔ یہ آج سے تقریباً تیس بتیس سال پہلے کی بات کر رہا ہوں۔

کتنے ایسے مواقع آئے، میں گواہ ہوں اس بات کا...... اسلامک اکیڈمی کے اندر جب حضرت علامہ صاحبؒ اکیلے ہوتے تھے، اور میں ان کے ساتھ ہوتا تھا، کئی مرتبہ عیسائی علماء آتے تھے، یہود کے ربّی آتے تھے،، اور اسی طرح اہل باطل کے بعض علماء آتے تھے، اور آنے کے بعد اپنے اشکالات پیش کرتے تھے...... بحث کرتے تھے یونیورسٹی کے پروفیسر آتے تھے، جو اسلام کے بارے میں اپنے شبہات لے کر آتے تھے، اشکالات لے کر آتے تھے، اعتراضات لے کر آتے تھے، کہ کسی نہ کسی طرح اسلام کی خرابیاں بیان کر دی جائیں، اسلام کے بارے میں کچھ شبہات مسلمانوں میں پیدا کر دیئے جائیں، لیکن حضرت علامہ صاحبؒ چند لفظوں کے اندر اُن کے اُن سوالوں کے جوابات دے دیا کرتے تھے...... اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں چونکہ انگریزی زبان پر بھی مہارت عطا فرمائی تھی...... انگریزی زبان میں جواب دیتے تھے، بعض اوقات عرب کے علماء بھی آتے کبھی قادیانی مبلغ بھی عام آدمیوں کی طرح سوال وجواب کے لئے آتے مگر کچھ دیر بعد پتہ چل جاتا کہ وہ ان کے مبلغ ہوتے تھے، مگر میں نے دیکھا کہ آپ کبھی کسی سے مرعوب نہیں ہوئے، بہت کم ایسا ہوا کہ آپ کو کتابوں کی ضرورت پڑی ہو، آپ زبانی ہی ان کا جواب دیتے ہاں جب وہ اس بات کا انکار کرتے تو آپ پھر کتاب بھی دکھا دیتے تھے۔

آپ کو یاد ہوگا، ہمارے سامعین میں جو علماء ہیں وہ جانتے ہیں کہ ووکنگ کی جو مسجد ہے لندن کی یہ حضرت علامہ صاحبؒ، مولانا لعل حسین اختر رحمہ اللہ اور اسی طرح دیگر ہمارے اکابرین کی محنت کی بنا پر یہ ووکنگ کی مسجد قادیانیوں کے چنگل سے نکل کر مسلمانوں کے ہاتھوں میں آئی ہے۔ یہاں کا جو امام تھا یہ عبدالرحمان مصری کا بیٹا تھا، بشیر احمد مصری...... یہ بشیر احمد مصری، اِس نے جانوروں کے حقوق پر بڑا کام کیا اور کتابیں لکھیں...... انگریزی میں ماہر تھا، عربی میں ماہر تھا، اُردو بول سکتا تھا...... یہ امام تھا ووکنگ کی مسجد تھا، اِس کا باپ عبدالرحمان مصری تھا...... جس کو قادیانی لوگ مرزا غلام احمد قادیانی کا صحابی کہتے ہیں معاذ اللہ...... جس طرح وہ مرزا غلام احمد کو نبی کہتے ہیں اسی طرح وہ اس کی بیعت کرنے والوں کو صحابی کہتے ہیں انہوں نے سارے الفاظ اسلام کے ہی چرائے ہیں...... اِس کا بیٹا تھا بشیر احمد...... لندن کے اندر یہ اُس مسجد کا امام تھا۔

اور مجھے یاد ہے، کہ لندن میں جن دنوں ویمبلے ہال میں ختم نبوت کی کانفرنس ہوتی تھی، تو میں بھی اُس زمانے میں تقریر کرتا تھا، ہال میں تو اس سے بھی ملاقات رہی اور یاد پڑتا ہے کہ میرے رسالہ ''الہلال'' میں اس کے مضامین بھی شائع ہوئے

ہیں ...... حضرت علامہ صاحب کی بھی تقریر ہوتی تھی، مناظر ختم نبوت مولانا چینوٹی صاحب ہوتے تھے، خطیب الاسلام مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحبؒ ہوتے تھے، اور یہ جو بشیر احمد مصری ہے یہ بھی وہاں پر موجود ہوتا تھا، اِس کا بھی خطاب ہوتا تھا، جس وقت حضرت علامہ صاحب ووکنگ کی ایک مسجد میں گئے، وہاں تقریر کی، یہ بشیر احمد مصری وہاں پر بیٹھا ہوا تھا، حضرت علامہ صاحب تقریر کررہے ہیں، دورانِ تقریر کسی نے آکر حضرت علامہ صاحب کے کان میں کہہ دیا کہ علامہ صاحب یہاں پر ووکنگ کی مسجد کا امام آیا ہوا ہے، اور وہ آپ کی تقریر سُن رہا ہے...... آپ کو تو پتہ نہیں ہے کہ وہ کون ہے؟ لیکن آپ کی وہ تقریر سُن رہا ہے...... حضرت علامہ صاحب نے بات سُنی ان سُنی کر دی...... اپنی ختم نبوت پر تقریر جاری رکھی،...... جب تقریر ختم ہوگئی تو حضرت علامہ صاحب کا عام معمول تھا کہ اگر کسی کو کوئی بات اِس تقریر سے متعلق پوچھنی ہو تو وہ سوال کرتا، حضرت علامہ صاحب اس کا جواب دیتے...... موضوع سے ہٹ کر کوئی سوال کرتا تو آپ فرماتے کہ ذرا بعد میں اس پر گفتگو کریں گے، جو عنوان میں نے بیان کیا ہے، پہلے اس پر بات کی جائے تو مجھے اُس کا جواب دینا اچھا لگتا ہے، تو اُس آدمی سے کسی نے کہا کہ اگر تم نے کوئی سوال کرنا ہو تو علامہ صاحب پر سوال کرلو وہ جواب دیدیں گے، اُس نے کہا کہ نہیں! میرے دل میں جتنے شبہات واشکالات تھے، حضرت علامہ صاحب کی تقریر سے وہ سارے شبہات واشکالات ختم ہو گئے ......اور حضرت علامہ صاحب سے کہا کہ علامہ صاحب! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں آج تو آپ نے آکر ایک اور مسجد میں بیان کیا ہے، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میری مسجد میں آیئے اور ختم نبوت کے عنوان پر تقریر فرمایئے۔

آپ اندازہ کیجئے کہ کتنے لوگوں کا ایمان آپ کی وجہ سے محفوظ ہوا ہوگا، سچی بات ہے ہم لوگوں نے ان کی قدر نہیں کی، ہمارے قریب ایک اللہ والا بیٹھا ہوا تھا، دُنیا کا ممتاز عالم بیٹھا ہوا تھا، دُنیا کا ممتاز محقق بیٹھا ہوا تھا، دُنیا کے بڑے بڑے علماء جو اُن کے شاگردوں کے صف میں ہیں وہ ہمارے بالکل قریب تھے، ڈھائی میل کے فاصلے پر تھے، لیکن ہمارے پاس اُن کے لیے، اُن کے پاس جانے کے لیے استفادے کے لئے ٹائم نہیں تھا، کہ جا کر اُن سے کچھ معلوم کرلیں......، ہم کرتے کیا تھے اُن کو اپنے پاس بلاتے تھے، کہ آپ ہماری مسجد میں آیئے، ہم جانے کے لیے تیار نہیں اُن کو اپنے پاس بلاتے، کہ آپ آکر ہمیں سمجھائیں، لیکن ہمارے پاس اتنا وقت نہیں کہ ان کے پاس جا کر اپنی علمی پیاس بجھائیں ان سے کچھ پوچھیں......لیکن آپ اللہ کے ایسے نیک بندے تھے کہ بغیر کسی تصنع کے بغیر کسی تکلف اور بغیر کسی بناوٹ کے چپ چاپ ہماری دعوت پر ہماری درخواست پر ہماری مسجدوں میں آجاتے، اور آنے کے بعد ہمیں دین کی وہ مضبوط بنیادیں دے جاتے، جس پر ہم اپنی دین کی پوری عمارت کھڑی کر دیتے ہیں، ہمارے مسائل کا حل مل جاتا، ہماری علمی مشکلات دور ہو جاتی تھی۔

آپ نے علامہ صاحب کی تقریروں کو سنا ہوگا، اُن کے اندر کوئی لچھے داری نہیں ہوتی، کوئی قصے کہانیاں نہیں، حضرت علامہ صاحبؒ کے وعظ میں، تقریر میں، درس میں کوئی قصے کہانیاں نہیں، کوئی زیادہ ہنسانے والی بات نہیں، کوئی لطیفے لطائف اور ادھر ادھر کی بات نہیں تھی، علامہ صاحبؒ جو بات کرتے تھے، وہ اپنے موضوع کے اندر رہ کر بات کرتے تھے...... اُس موضوع سے باہر

نہیں نکلتے تھے، اُس موضوع کا پسِ منظر بھی بتاتے تھے، پیش منظر بھی بتاتے تھے، اُس موضوع سے جو تعلیمات ہمیں مل سکتی ہیں اُس کی طرف بھی توجہ دلاتے تھے، متوجہ کرتے تھے، اب اِن ہدایات کی روشنی میں آپ لوگوں نے اِس لائن کو لے کر چلنا ہے، وہ ایک گائیڈ لائن دے کر چلے جاتے تھے۔ اور اُس گائیڈ لائن پر چل کر کئی علماء آج نامور علماء بن گئے ہیں...... پاکستان میں آج ان حضرات کی کمی نہیں جو آپ کی وجہ سے نامور علماء بن گئے ہیں۔

آپ گجراتی بالخصوص ڈابھیل کے لوگ اس اعتبار سے خوش قسمت ہیں کہ حضرت علامہ صاحبؒ نے جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل میں بھی تعلیم حاصل فرمائی ہے، آپ دیوبند گئے تھے، (آ) پھر ڈابھیل آگئے تھے اور ڈابھیل میں آپ نے وقت کے نامور محدثین سے خوب خوب استفادہ کیا، علمی تعلیم مکمل کی تھی...... حضرت علامہ صاحب کی پیدائش ۱۹۲۵ء کی ہے، نومبر میں آپ کی پیدائش ہوئی ہے، تقریباً ۹۴، ۹۵ رسال اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کو عمر عطا فرمائی تھی اور اسلامی لحاظ سے دیکھا جائے تو اِس وقت آپ کی عمر ۹۸ رسال کی تھی...... ہر تیس سال کے بعد ایک سال اسلامی طور پر بڑھ جایا کرتا ہے، یعنی جس کی ساٹھ سال کی عمر ہے سمجھ لیجئے کہ اس وقت وہ باسٹھ سال کا ہوگیا، جس کی نوے سال کی عمر ہے سمجھ لیجئے کہ وہ تیرانوے سال کا ہوگیا، تو اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں طویل عمر عطا فرمائی تھی۔

اور میں نے اپنے بزرگوں کے جو واقعات کتابوں میں پڑھے ہیں اُن کی آخری زندگی کے واقعات جو کتابوں میں پڑھے، یا کبھی رسالوں میں پڑھے، اخباروں میں پڑھے، کہ عمر کی آخری حصے میں یا پلنگ پر ہیں، معذور ہوگئے ہیں، کوئی پیر دبا رہا ہے، کوئی سر دبا رہا ہے، کوئی چمچ سے اُنہیں کھانا کھلا رہا ہے، کوئی پاس بیٹھا ہوا ہے، کوئی ترجمہ کرنے والا ہے، کسی بزرگ کی آواز بھی پوری اس طرح سمجھ نہیں آرہی جس طرح کہ آپ لوگ سمجھ سکیں، اُن کی بات جو قریب ہمیشہ رہنے والا وہی سمجھ سکتا ہے، پھر وہ آگے اس کو نقل کرتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ شانہ حضرت علامہ صاحبؒ کی قبر کو نور سے منور فرمائے، جنت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا بنادے، وہ زندگی کے آخری لمحے تک، ایک گھنٹہ پہلے تک وہ اسی طرح اپنے ہاتھ سے کھاتے رہے ہیں، رمضان کے مہینے میں، اور لوگوں کے منع کرنے کے باوجود روزہ رکھتے تھے، منع کرنے کے باوجود آپ کھڑے ہوکر نماز پڑھتے تھے، ۹۷، ۹۸ رسال کا آدمی کھڑے ہوکر نماز بھی پڑھ رہا ہے، ۹۸ رسال کی عمر کا آدمی روزہ بھی رکھ رہا ہے، آپ سے کسی نے کہا: علامہ صاحب! آپ اب بیٹھ کر نماز پڑھ لیا کریں، علامہ صاحب فرماتے تھے کہ ''وہ نماز ہی کیا جس میں قیام ہی نہ ہو''۔...... تھوڑی سی بیماری آجائے تو لوگ بیٹھ کر نماز پڑھنا شروع کردیتے ہیں...... چاہیئے کہ نمازی کھڑے ہوکر نماز پڑھے، اللہ کے آگے تو قیام ہے۔

وصی الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ جو حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے بڑے خلفاء میں سے ایک تھے ان کے خلیفہ اور مجاز ہیں قمر الامت حضرت مولانا قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم ...... آپ ان سے واقف ہوں گے، یہاں

(آ) دیکھیے اداریہ: ۱/۳۵ [ادارہ]

مانچسٹر آتے رہے ہیں، مجھ سے بھی محبت فرماتے ہیں، کبھی کبھار فون پر بھی گفتگو کا شرف عطا فرما دیتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے لئے آپ اس بات کی دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالی مجھے ہمیشہ سجدۃ علی الطین کی سعادت میں رکھے، یعنی زمین پر سجدہ کرنے کی سعادت کبھی نہ چھینے، آپ کہتے تھے کہ اللہ نے اب تک جو زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت رکھی ہے اللہ اسے موت تک اسی طرح قائم رکھے، یعنی اس نماز کا کیا لطف جس میں زمین پر سجدہ نہ ہو، ایک مؤمن کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا دولت ہوسکتی ہے کہ اس کی پیشانی اس کا ناک زمین پر لگے...... اللہ رب العزت نے آپ کی اس دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا اور آخری نماز تک آپ اسی طرح قیام اور سجدہ علی الطین کی سعادت پاتے رہے ہیں۔

آپ کسی کام کے لیئے' کچھ لکھنے پڑھنے کے لیئے' کچھ مشورے کے لیے جب بھی ہماری مسجد میں آتے تھے...... اور بغیر اطلاع بھی آ جاتے تھے، اُنھیں پتہ ہوتا تھا کہ میں اِس وقت یہاں ہوتا ہوں، کبھی ہاتھ میں کوئی کتاب اور کبھی کوئی کاغذ اور کبھی کوئی مضمون لے کر تشریف لے آتے ...... یہ تھے بڑے لوگ ...... کبھی مغرب کا وقت ہوتا، کبھی، عشاء کا وقت ہوتا تھا، ہمارے جتنے بھی نمازی ہیں، وہ جانتے ہیں کہ میں علامہ صاحب کے لیے قدموں کے پاس ایک تکیہ بچھا دیا کرتا تھا نرم سا اور ایک کرسی رکھ لیا کرتا تھا، اور کرسی صرف اِس لیے رکھتا تھا، کہ جب آپ دوسرے سجدے سے اٹھتے تھے تو اُس پر سہارا لیتے تھے، بیٹھنے کے لیے، باقی نماز کھڑے ہو کر پڑھا کرتے تھے، سجدہ بھی اس طرح کرتے تھے جس طرح ہم اور آپ کرتے ہیں، صرف سجدہ کرتے ہوئے تھوڑا سا وقت لگتا تھا کہ آپ آہستہ آہستہ سجدے میں جھکتے ہوئے جاتے تھے، کہ اُن کو سجدے میں بڑی لذت ملتی تھی، سجدے میں بڑا لطف آتا تھا۔ اور زندگی کی آخری نماز آپ نے اس بڑھاپے میں بھی اسی طرح ادا کی تھی ...... نہ کبھی بیٹھ کر ادا کی اور نہ کبھی اشارے سے سجدہ کیا ...... پچھلے ہفتہ دو ہفتہ سے کمزوری بھی بڑھ رہی تھی، مگر مجال ہے کہ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی ہو، بعض حضرات نے آپ کو مشورہ بھی دیا کہ اس حالت میں روزہ نہ رکھیں اور کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھیں، مگر آپ نے اسے قبول نہیں کیا، آپ نے اس حالت میں سب روزے رکھے اور نماز تراویح کھڑے ہو کر پڑھی تھی۔

اس پر مجھے اپنے ایک بزرگ کی یہ بات یاد آتی ہے جن کی حکیم الامت حضرت تھانویؒ بھی عزت کیا کرتے تھے، اور حضرت تھانویؒ کے دل میں جن کی عظمت موجود تھی، نام ہے اُن کا حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ...... بہت اونچے درجے کے اللہ والے بزرگ گزرے ہیں، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں، کہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان صاحب گنج مراد آبادیؒ فرمایا کرتے تھے؛ ''کہ جب نماز میں، میں سجدہ میں جاتا ہوں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں نے مجھے پیار کر لیا ہے۔'' اور ساتھ یہ بھی فرمایا کرتے تھے: کہ جب میں ان شاء اللہ جنت میں جاؤں گا ...... یقین تھا پورا اُنہیں ...... کہ جب میں جنت میں جاؤں گا اور جنت کی حوریں میرے پاس آ کر بیٹھ جائیں گی، میرے ساتھ باتیں کرنے لگیں گی، تو میں اُن سے کہوں گا کہ بی: قرآن سنانا ہو تو سُناؤ ورنہ یہاں سے نکل بھاگو۔ یہ وہ لوگ تھے جو جنت میں جا کر بھی قرآن سننا چاہتے تھے، قرآن سے لطف حاصل کرنا چاہتے تھے، اور آج ہمارے گھروں سے قرآن کی آوازیں آنا بند ہو گئیں...... آج ہمارے گھروں سے گانے کی آوازیں

آتی ہیں، ہمارے موبائل سے گانے کی آوازیں آتی ہیں، ہمارے ریڈیو سے قوالی کی آوازیں آتی ہیں، آج ہم نے نعتوں کو بھی قوالی کا رنگ دے دیا ہے، ڈھول کا رنگ دے دیا ہے، باجے کے ساتھ حمد باری اور نعت شریف پڑھی جارہی ہے، بانسری بجائی جاتی ہے ، میوزک کا رنگ ڈھنگ دے دیا ہے، گانے اور میوزک کا لہجہ دے دیا ہے، اور ایک وہ دور تھا ہمارے بزرگوں کا کہ جب بھی صبح ہوتی تھی اُن کے گھروں سے قرآن کی آواز آتی تھی، جب شام ہوتی تھی اُن کے گھروں سے قرآن کی آواز آتی تھی۔

حضرت علامہ صاحب کو اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے، بے انتہاء اجر وثواب عطا فرمائے، رمضان کا پورا مہینہ...... میں رمضان میں چونکہ ان کے پاس جایا کرتا تھا، اس دفعہ (کرونا کے باعث کرفیو جیسے) حالات کی وجہ سے میں نہیں جاسکتا تھا، البتہ روزانہ فون پر گفتگو ہو جاتی تھی۔ ویسے رمضان اور غیر رمضان میں صبح وہ مجھے بلایا کرتے تھے، دس اور گیارہ بجے کے درمیان، علمی کام کے لیے، ایک ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھ اپنا کام کیا کرتے تھے، کوئی بات اُنہوں نے پوچھنی کہنی ہوتی تھی، فرمادیتے تھے، مجھے کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا تھا، میں اُن سے اپنی مشکل کو حل کرالیتا تھا، میں نے کوئی چیز لکھی ہوتی تو ان کو دے آتا تھا کہ وہ اس پر ایک نظر ڈالدیں ...... آہ!...... آج میرے پاس کوئی نہیں، آج میں جس طرف بھی نظر دوڑاتا ہوں یہاں کوئی نہیں، مجھے کوئی نظر نہیں آتا، کہ میری علمی مشکل کو کوئی حل کر سکے، کسی پیچیدہ مسئلے کو کوئی اس طرح آسان اور چند لفظوں اور حرفوں میں حل بتلا سکے،...... وہ آواز میں کہاں سے لاؤں گا؟ جو چند لفظوں کے اندر میں میرا مسئلہ حل کیا کرتی تھی چند لفظوں کے اندر میں مجھے اِس کا مطلب سمجھا دیتے تھے، آج وہ اللہ کی رحمت میں چلے گئے، تو رمضان المبارک میں جب بھی میں گیا ہوں، ان کے کمرے میں داخل ہوا ہوں، صبح کے وقت ساڑھے دس گیارہ بجے تو میں نے دیکھا ہے وہ قرآن کی تلاوت کررہے ہیں، عصر کے بعد دیکھو تو قرآن پڑھ رہے ہیں، یا لکھنے پڑھنے میں ہیں بس! کوئی کتاب پڑھتے ہیں یا کوئی مضمون لکھتے ہیں یا قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، ایک منٹ بھی اُنہوں نے اپنی زندگی میں فضول ضائع نہیں کیا...... تیس سال سے ان کے ساتھ تعلق رہا ہے جب آپ یہاں ہوتے تھے، ساری جوانی اُن کو دیکھتے ہوئے گزری ہے۔ اور اب بھی دل یہ بات نہیں مان رہا ہے کہ وہ چلے گئے ہیں، مگر کیا کریں حقیقت یہی ہے۔ **کل نفس ذائقة الموت** ...... اچھا لگے یا نہ لگے اس تلخ حقیقت کا تو ہم سب نے سامنا کرنا ہے، وہ اپنی تمام تر خوبیاں، کمالات اور علوم ومعارف اپنے ساتھ لے کر چلے گئے اور اب مانچسٹر کے سدرن سیمیٹری قبرستان میں علوم ومعارف کا ایک بہت بڑا علمی خزینہ مدفون ہے۔

اسلامک اکیڈمی کے ابتدائی دنوں میں جب میں اکیلا تھا، میری شادی نہیں ہوئی تھی، میں نے ہمیشہ اُن کو اسی حال میں دیکھا، یا وہ کوئی کتاب پڑھتے، یا کچھ لکھتے ہیں، اور عمر کے اس آخری مرحلے میں بھی آپ نے اسی طرح اپنے ہاتھوں پہ قرآن رکھا ہے، آپ نے ٹیبل پر قرآن رکھا اور اپنے ہاتھوں سے کچھ لکھ رہے ہیں، جب میں کہتا کہ علامہ صاحب آپ کہئے میں لکھتا ہوں تو مجھے کہتے کہ لکھ لو میں دیکھ لوں گا تو میں لکھ لیتا تھا، پھر میں اُن کو دے دیتا تھا، پھر وہ اپنے ہاتھ سے چشمہ لے کر دیکھ لیا کرتے تھے۔

آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ صاحب کو بلا کا حافظہ عطا فرمایا تھا، سالہا سال پرانی بات یاد رہتی تھی، حوالے یاد رہتے تھے، عبارات روانی سے پڑھتے تھے، شیعہ علماء کی عبارات اور حوالے بھی یاد تھے، مگر پچھلے کچھ عرصہ سے اُن کی

یادداشت پر عمر کی وجہ سے بہت تھوڑا سا فرق پڑا تھا، کوئی بات کوئی حوالہ ان کے ذہن میں ہوتا تھا، مگر وہ انہیں یاد نہ ہوتا یا وہ کتابیں سامنے نہ ہوتیں تو، مجھے صبح کے وقت فون کرتے تھے یا میرے گھر میں فون کر کے میری بیوی کو فون کر کے کہتے تھے کہ بیٹی! حافظ صاحب اگر سوئے ہوئے ہیں تو ان کو نہیں اٹھانا، جب وہ اٹھ جائیں تو ان کو کہنا کہ مجھے فون کرلیں، اور اگر وہ باہر گئے ہوں تو اُن سے کہنا کہ اگر ہو سکے تو مجھے مل کر جانا، میں چلا جاتا تھا اُن کے پاس...... اِس عمر میں بھی آخری دن تک جب تک وہ ہسپتال نہیں گئے، اُن کا ٹیبل گواہ ہے کہ کاغذات اُسی طرح پڑے ہوئے ہیں، پنسل اُسی طرح پڑی ہوئی ہے، چراغ لے کر بھی اگر ہم ڈھونڈیں، روشنی لے کر بھی ڈھونڈیں، ساری کائنات میں بتی لیکر ڈھونڈیں ایسی شخصیت ہمیں نہیں ملے گی...... حشر میں ان شاء اللہ تعالیٰ ہماری ملاقات ضرور ہوگی...... ان شاء اللہ ایمان کے ساتھ ملاقات ہوگی، ہم اب تو اُن کو نہیں دیکھ سکتے پر قیامت میں ضرور دیکھیں گے۔ ان سے ملاقات ہوگی...... **وإنا ان شاء الله بكم لاحقون**

آپ مجھے کہتے تھے حافظ صاحب! زندگی ضائع نہیں کرنی ہے، ہمیشہ لکھتے پڑھتے رہنا، یہی کام آئے گا، تقریروں کے بجائے تحریر کی طرف دھیان دینا، تقریریں کچھ عرصہ کے بعد ختم ہو جائیں گی، ہمارے سامعین جانتے ہیں کہ ایک زمانے میں کیسٹ کا بہت شہرہ تھا، اب کیسٹ کا دور چلا گیا، سی ڈی کا دور آیا، سی ڈی کا دور چلا گیا، اب پتہ نہیں کون کون سی نئی ٹیکنالوجی آئیگی، ایک کے بعد ایک چیز ختم ہو جائے گی، ایک کے بعد ایک مقرر آئے گا، اُس کی تقریر لوگ شوق سے سنیں گے، پانچ سال کے بعد دس سال کے بعد وہ تقریر بھی ختم ہو جائے گی، اُس کی آواز بھی ختم ہو جائے گی، لوگوں کی دلچسپی بھی ختم ہو جائے گی، لیکن جو چیز امت کے لیے چھوڑ کر جاؤ گے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لیے، اس کے پیغمبر کے دفاع میں، اُس کے پیغمبر کے دین کی حفاظت میں، صحابہ کرام کے تحفظ میں اور اُن کے دفاع میں جو چیز تم لکھ کر چلے جاؤ گے، ان شاء اللہ قیامت کی صبح تک وہ اِس روئے زمین پر موجود رہے گی۔

آج سے آٹھ سو سال پہلے، نو سو سال پہلے، ہزار سال پہلے جن بزرگوں نے تحریریں ہمیں دی ہیں، آج اُن کی ان قیمتی اور علمی کتابوں سے ہم استفادہ کرتے ہیں، ہماری ان تحریریں سے بھی قیامت تک ان شاء اللہ لوگ استفادہ کرتے چلے جائیں گے، یہ محفوظ رہیں گی، کسی لائبریری میں محفوظ رہیں گی، آج دنیا میں کتنے ایسے کتب خانے ہیں، کہ جہاں اُن اکابر کی تحریریں مخطوطات کی شکل میں محفوظ ہیں، اُن کی تقریریں نہیں ہیں ہمارے سامنے، اُن کی آوازیں نہیں ہیں ہمارے سامنے، آج اُن کی تقریروں کو سننے والا کوئی نہیں ہے، لیکن اُن کی تحریرات سے ساری دُنیا فائدہ اُٹھاتی ہے، ایک وقت آئے گا جہاں ہماری تحریروں کی ضرورت پڑے گی، جہاں ہماری اِن باتوں کی ضرورت پڑے گی، اور اُس وقت کے لوگ جب بھی میرا نام لیں گے، آپ کا نام لیں گے، تو اس وقت اِتنا تو اُن کی زبان پر آئے گا رحمۃ اللہ علیہ...... رحمۃ اللہ علیہ وہ ضرور کہیں گے نام لیتے ہوئے، جب نام لکھیں گے کسی کتاب میں تو وہ رحمۃ اللہ علیہ یا وہ مخفف اِس کا لکھیں گے، اور اللہ تعالیٰ شانہ اُن کی دعائیں ہمیں اپنی قبروں میں پہنچائے گا۔

اور مجھے تو ایک بزرگ بہت پہلے ہی رحمۃ اللہ علیہ لکھ گئے ہیں، غالباً ۳۰،۳۵ رسال پہلے کی بات ہے، میرا اُردو میں

مضمون ایک رسالہ کی شکل میں چھپا تھا ''ایمان کی شاخیں'' جو کراچی کے صدیقی ٹرسٹ والوں نے شائع کیا تھا، بہت پرانی بات ہے، اور صدیقی ٹرسٹ والوں کا یہ مطبوعہ رسالہ ہندوستان کے صوبہ گجرات کے ایک شہر راندیر پہنچ گیا کسی طرح، وہاں ایک مشہور مدرسہ جامعہ حسینیہ ہے اور ایک جامعہ اشرفیہ ہے، جامعہ حسینیہ میں تو حضرت مولانا احمد اللہ صاحب رَاندیریؒ تھے مجھے بچپن میں ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا برما میں، برما جب وہ آتے تھے، میرے ماموں کے وہاں یعنی امی کے ماموں کے وہاں وہ ٹھہرا کرتے تھے، ہم اوپر رہتے تھے، ان کا قیام نیچے تھا،......لیکن حضرت مولانا اشرف صاحب راندیریؒ کو میں نے دیکھا نہیں، اُن کو میرا رسالہ اچھا لگا، تو انہوں نے اِس رسالے کا گجراتی میں ترجمہ کر دیا، اب مجھے تو پتہ نہیں تھا، تو ایک دن میرا بیان تھا بلیک برن کی ایک مسجد میں، بہت پہلے کی بات ہے، ۳۵،۳۰ رسال پرانی بات ہے، بیان کے بعد میری عادت ہے کہ جب کسی مسجد میں جاتا ہوں تو وقت ہوتا ہے تو پہلے......نہیں تو بیان کے بعد الماریاں ضرور کھنگالتا ہوں، کہ کوئی نئی قیمتی کتاب ہو، ہو تو دیکھ لوں، کوئی عبارت دیکھ لوں، کوئی حوالہ دیکھ لوں، اس طرح عادت ہے میری ہر جگہ، دُنیا میں کہیں بھی جاؤں، حتیٰ کہ ائیر پورٹ پر جاؤں، وہاں پر بھی بیٹھا ہوں اور اگر وہاں بھی کتابیں ہوتی ہیں تو دیکھ لیتا ہوں، تو میری پرانی عادت ہے، تو میں دیکھ رہا تھا میرے ساتھ ایک دوست تھا جسے گجراتی زبان آتی تھی، تو اُنہوں نے مجھ کہا کہ یہ آپ کی کتاب ہے، گجراتی میں......میں نے کہا یہ نہیں ہوسکتا! کہنے لگے نہیں یہ آپ کی کتاب ہے......، میں نے کہا کہ گجراتی میں میری کتاب کیسے ہوسکتی ہے؟ نہ مجھے گجراتی پڑھنی آتی ہے نہ مجھے گجراتی لکھنی آتی ہے، ہاں! بچپن کے اندر کچھ الفاظ سیکھ لئے تھے وہ لفظ یاد رہ گئے......تو اُنہوں نے کہا: نہیں گجراتی میں ہی ہے اا ور آپ ہی کی ہے، میں نے کہا اچھا نام پڑھو، تو انہوں نے جب نام پڑھا تو اُس پر لکھا تھا ''ایمان کی شاخیں'' میں نے کہا، اب لکھنے والے کا نام پڑھو، تو اُس پر لکھا تھا ''حافظ مولانا محمد اقبال صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ'' یہ اُس کتاب پر لکھا تھا، اب میں تو زندہ ہوں، اور اُس کتاب پر یہ پورا نام لکھا تھا، ''مولانا محمد اقبال صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ''......تو پھر میں نے حضرت مولاناؒ کی خدمت میں خط لکھا، میں نے کہا: حضرت! اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے، کہ میں اِس لائق تو نہیں ہوں کہ آپ اتنے بڑے آدمی ہو کر میری کتاب کا گجراتی میں ترجمہ کریں، لیکن آپ نے ترجمہ کیا، اللہ آپ کو بہت جزا دے، اس سے ہوسکتا ہے کہ گجرات میں رہنے والے عام مسلمانوں کو کوئی فائدہ ہو جائے تو اُس کا ثواب آپ کے توسل سے مجھے بھی مل جائے گا، ان شاء اللہ، اس ثواب کے حقیقی مصداق تو آپ ہی ہیں، لیکن آپ کے توسل سے ان شاء اللہ میں بھی ثواب کا مستحق بن جاؤں گا...... یہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات درمیان میں آ گئی......۔

بتا یہ رہا تھا اگر ہم آج امت کو ایسی کتابیں دے جائیں جن سے ان کے عقیدے کی ان کے ایمان کی حفاظت ہو تو کیا آنے والے دور میں وہ ہمارے لئے دعا نہیں کریں گے؟......ان کی زبان اور قلم سے ہمارے لئے دعا کے الفاظ نہیں نکلیں گے؟ آج سے سو دو سو سال کے بعد دارالعلوم کی لائبریریوں میں مدارس کی لائبریریوں میں جب طلبہ کو تقابل ادیان میں مدد کی ضرورت پڑ جائے گی، کسی بحث کی ضرورت پڑ جائے گی، کبھی حضرت علامہ صاحب کی کتابیں اٹھائیں گے، تو کیا اس وقت کے علماء آپ کے لیے دعائے رحمت نہ کریں گے، تو، حضرت علامہ صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ زندگی کا ہر لمحہ قیمتی ہے، اسے فضول کاموں میں

ضائع نہیں کرنا چاہیئے ، جتنا اللہ تعالیٰ شانہ کی توفیق ہو روزانہ کچھ نہ کچھ کام کرلیا کرو، حضورا کرم ﷺ کے دین کی تحفظ کے لیے اور صحابہ کرام کے دفاع کے لیے جو شخص بھی کام کرے گا وہ سرخرو ہوگا ، دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ شانہ سرخروئی عطا فرمائے گا، موت کے وقت بھی اللہ تعالیٰ شانہ سرخروئی عطاء فرمائے گا ، اور انشاء اللہ آخرت میں بھی یہ سب چیزیں کام آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبولین کی عزت کا تحفظ کرنے والوں کو ہمیشہ عزت دیتا ہے کبھی رسوانہیں کرے گا۔

یہ ان کی نصیحتیں ہیں ، یہ اُن کی ہدایات ہیں ، یہ اُن کی تعلیمات ہیں ، یقین جانیئے کہ حضرت علامہ صاحبؒ ہیروں میں سے ایک حسین چمکتا دمکتا ہیرا تھے ، تمام ہیروں کو ایک طرف رکھیں ، آپ اُن ہیروں میں سے بھی ایک ہیرا تھے ، ایک ایسا ہیرا تھے کہ جس کی چمک سے عام آدمیوں نے بھی فائدہ اٹھایا ، جس کی چمک سے علماء نے بھی فائدہ اٹھایا ، جس کی چمک سے مدرسین اور مناظرین نے بھی فائدہ اُٹھایا ، اور جس کی چمک سے وقت کے بڑے بڑے شیخ الحدیث نے بھی روشنی پائی ، کوئی ایسا بزرگ ہم نے نہیں دیکھا کہ جس کی زبان پر حضرت علامہ صاحبؒ کے لیے تعریف اور منقبت کے الفاظ نہ ہوں ، آپ اندازہ کیجئے کہ جن کے لیے اللہ کے ولی اور صاحب دل بزرگ شخصیات دعائیں کرتے ہوں ، جیسے حضرت مولانا احمد علی لاہوری صاحبؒ ، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ ، مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ صاحبؒ ، حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ جامعہ اشرفیہ کے بانی ، حضرت تھانویؒ کے خلیفہ مولانا خیر محمد جالندھریؒ بانی جامعہ خیر المدارس وغیرہم ...... جن کی دعائیں اور توجہات ان پر ہمیشہ مرکوز رہیں ، جنہیں اِن کے علم پر ناز تھا ، اور جب جب دین کی نصرت وحمایت یا دفاع کے میدان میں اترنے کی ضرورت پیش آئی اکابر علماء کی زبانوں پر آپ کا نام آتا رہا کہ انہیں لے کر آجاؤ ان شاء اللہ یہ اکیلا مقابلہ کے لئے کافی ہے ، خطیب العصر حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کی یہ بات میں نے کسی سے سنی ہے کہ اگر عصر کے وقت کوئی نیا فتنہ سر اٹھائے تو اس کی سرکوبی کے لئے علامہ خالد محمود صاحب کو بلا لو تو مغرب سے پہلے پہلے وہ ان شاء اللہ اس فتنے کا جواب تیار کر کے دے دیں گے۔ یہ حضرات جانتے تھے کہ اللہ رب العزت نے انہیں علم نافع سے مالا مال فرمایا تھا اور یہ ان پر اللہ کا خاص انعام تھا۔

اور آپ جانتے ہیں کہ وقت کے نامور اکابر علماء نے آپ کو ہمیشہ ''علامہ صاحب'' کہہ کر ہی یاد کیا ہے...... ورنہ تو آج کل تو وہ شخص بھی علامہ بنا پھرتا ہے جسے قرآن کی ایک آیت بھی ٹھیک سے پڑھنی نہیں آتی ...... ٹی وی پر دیکھیں تو ہر ایک ہی علامہ بنا ہوا ہے ، جس کو دیکھو علامہ ، علامہ ، علامہ ...... واقعی یہ اس ٹائٹل کی توہین ہے ، ...... علامہ کے ٹائٹل کے واقعۃً اگر کوئی مستحق تھے تو وہ صرف آپ کی ذات گرامی تھی ، یہ ٹائٹل بزرگوں کی زبان سے نکلا ہے تو وہ صرف اور صرف حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کے لیے نکلا ہے ، اور آپ ہی اِس ٹائٹل کے صحیح مستحق تھے ، آپ واقعی علم کا پہاڑ تھے ، کہتے ہیں بحر بیکراں ، ایسا سمندر جس کا کوئی کنارہ نہیں ، اور ایسا گہرا کہ آدمی غوطہ مارتا رہے اندر سے موتی نکالتا رہے ، موتی ختم نہیں ہوتے ، علم کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا ، میں سچ کہتا ہوں کہ یہاں کے لوگوں نے آپ کی اس طرح قدر نہیں کی جس قدر کے آپ مستحق تھے ، ہمارے سامعین میں سے بتایئے کتنے لوگ ہیں جو ہر ہفتہ والے دن پوری تیاری کے ساتھ حضرت علامہ صاحبؒ کا درس سننے کے لیے ایک گھنٹہ نکال کر جاتے تھے؟ آج

کہا جائے کہ فلاں جگہ پر محفل قوالی ہے ہم چلے جاتے ہیں، فلاں جگہ یہ محفل ہو رہی ہے ہم وقت نکال کر جائیں گے......افسوس کہ ہمارے قریب علم وعرفان کا سمندر بہہ رہا تھا مگر ہم نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا......اب سوائے افسوس کے اور کیا ہوسکتا ہے؟...... مگر ہاں! اب بھی اگر آپ چاہیں کہ ان کے علم وعرفان سے فائدہ اٹھائیں تو پھر ان کی کتابیں پڑھیں جن سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت دل میں پختہ ہوگی اور ہمارا اپنے اسلاف کے ساتھ رشتہ مضبوط رہے گا۔

افطار کا وقت قریب ہوگیا ہے دو چار منٹ میں اذان ہو جائے گی......میں اپنے تمام سامعین سے درخواست کرتا ہوں کہ حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو نہ صرف یہ کہ ہمیشہ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں بلکہ ان کے لئے ایصال ثواب میں بھی کبھی کوتاہی نہ کریں، اُن کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ بھی آپ کا تذکرہ درس کی مجلسوں میں ہوتا رہے گا۔

اے اللہ حضرت علامہ صاحبؒ کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرما......اے اللہ آپ کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنادے......اے اللہ ان کی دینی خدمات کا انہیں بہترین اجر عطا فرما......اے اللہ ان کے فیوضات کو قیامت تک باقی وجاری فرما اور ہم کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق دے......اے اللہ ان کے اور ہمارے بھی گناہ معاف فرما......اے اللہ ہمارے روزوں ہماری نمازوں اور تمام دیگر جانی مالی عبادات کو اپنے حضور شرف قبولیت عطا فرما......اور ہم سب کی طرف سے سرور دوعالم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر کروڑوں درود وسلام نازل فرما......آمین......یارب العالمین

☆......☆......☆......☆

ماہنامہ ''**ندائے شاھی**'' مراد آباد، انڈیا......[جولائی ۲۰۲۰ء]

مولانا مفتی سلمان منصور پوری

عالم اسلام کی مشہور ومعروف علمی شخصیت، حامی سنت و ماحی بدعت، رئیس المناظرین حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحبؒ (مقیم مانچسٹر انگلینڈ) گزشتہ ۲۰ر رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بمطابق ۱۴ر مئی ۲۰۲۰ء بروز جمعرات کو ۹۵ ربرس کی عمر میں وفات پاگئے۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون۔

علامہ صاحب موصوف کو اللہ تعالیٰ نے فرقِ باطلہ سے مقابلہ کی بہترین انداز میں توفیق عطا فرمائی، چناں چہ آپ نے اپنے دروس اور مفید تالیفات کی صورت میں بالخصوص عیسائیت، قادیانیت، شیعیت اور بریلویت وغیرہ کی تردید کے متعلق بہت سا مواد یکجا کردیا جو بعد والوں کے لیے مسلسل رہنمائی کا سبب بنتا رہے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

راقم مرتب کو انگلینڈ کے سفر کے دوران متعدد مرتبہ حضرت موصوف سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی۔ ایک مرتبہ حاضری کے وقت آپ نے اپنا تیار کردہ ایک چارٹ دکھلایا۔ جس میں بڑی محنت سے معتبر تاریخی حوالوں سے حضرات اہل بیت اور خلفائے راشدین اور اُن کے خانوادوں کے درمیان قریبی رشتہ داریوں کو اُجاگر کیا گیا تھا۔ جس سے باآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ روافض نے ان حضرات کے درمیان مخاصمت کی جو داستانیں گھڑی ہیں۔ اُن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ علامہ

صاحب کا بنایا ہوا یہ چارٹ بعد میں بہت مقبول ہوا اور بہت سی جگہ اُس کی اشاعت ہوئی۔

آپ نے مانچسٹر میں اسلامی اکیڈمی کے نام سے ایک ادارہ قائم فرمایا تھا اور اُسی کے تحت ایک شاندار مسجد اور اسلامک سینٹر کی تعمیر فرمائی۔ اُسی کے قریب ایک مختصر پرانی عمارت میں آپ کا قیام رہا۔

بلا شبہ اس دور میں آپ اہل السنۃ والجماعۃ کے بہترین ترجمان اور علماء حق کے نقیب تھے اور قدیم وجدید علوم کے جامع تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائیں اور اُمت کو آپ کے نعم البدل سے نوازیں۔ آمین۔

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی عتیق احمد قاسمی بستوی [استاذ: دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنو]

علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کا حادثہ وفات

علامہ خالد محمود صاحبؒ کا حادثہ وفات پوری امت مسلمہ کے لئے غیر معمولی خسارہ ہے، موصوف نے الحمد للہ بہت طویل عمر پائی، ۹۷ رسال عمر پا کر وفات ہوئی۔ انہوں نے زندگی کے آخری ایام تک علم وتحقیق، تصنیف وتالیف، دعوت وارشاد، الامر بالمعروف والنہی عن المنکر کے کاموں کو پوری مستعدی اور بیدار مغزی کے ساتھ جاری رکھا۔

مولانا مرحوم جس نسل کے فرد فرید تھے، وہ تقریباً گزر چکی ہے، اس عمر کا اور اس علم ومرتبہ کا کوئی دوسرا عالم دین میری نظر میں اب موجود نہیں، انہوں نے بڑے بلند پایہ اساتذہ سے اسلامی علوم سیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا، تمام اسلامی علوم کے ماہر اور شناور تھے، ان کی جیسی جامع شخصیات کم ہوا کرتی ہیں۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ بلا شبہ امام اہل سنت تھے، دفاع دین کے ہر میدان میں سرگرم عمل تھے، اللہ نے انہیں لمبی عمر دی اور انہوں نے زندگی کے ہر لمحہ کو دین کی خدمت ونصرت میں صرف کیا، بلا شبہ وہ سرتاج محققین تھے، متکلم اسلام تھے، علم کلام پر ان کی گہری اور وسیع نظر تھی، قدیم علم کلام تو ان کی دسترس میں تھا ہی، جدید علم کلام کے بھی وہ شہسوار تھے، عربی، اردو، فارسی کے علاوہ انگریزی زبان پر عبور تھا، انگلینڈ سے انہوں نے اس زمانہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی جب طبقہ علماء میں سے خال خال ہی کوئی اس کوچے میں گیا ہوگا۔ انگریزی زبان اور انگریزی لٹریچر پر عبور کی وجہ سے انہیں معلوم تھا کہ اسلامی عقائد واحکام کے خلاف کیا کچھ لکھا جا رہا ہے اور کیا کیا فتنے اور شبہات برپا کئے جا رہے ہیں؟ اس لئے وہ جدید علم کلام کے تقاضوں سے بخوبی واقف تھے اور ان ہتھیاروں سے لیس تھے، جن کی مدد سے وہ دین کی ترجمانی اور دفاع کا فریضہ بہتر سے بہتر طور پر ادا کر سکتے تھے اور انہوں نے الحمد للہ تا حیات یہ فریضہ انجام دیا۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کا نام دور طالب علمی ہی سے سن رکھا تھا اور یاد پڑتا ہے کہ ان کی کتاب مطالعہ بریلویت کی ایک دو جلدیں مطالعہ میں آئی تھیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کی شخصیت اور ان کے کمالات سے واقفیت بہت تاخیر سے ہوئی، ان

سے پہلی ملاقات کی سعادت منیٰ میں حاصل ہوئی۔

غالباً ۱۹۹۰ء کی بات ہے، رابطہ عالم اسلامی کی دعوت پر حج کا سفر ہوا تھا۔ یہ میرا پہلا سفر حج تھا، ہندوستان سے دس سے زائد افراد رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے حج کے لئے مدعو تھے، ان میں میرے علاوہ دارالعلوم دیوبند سے حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحبؒ، اوراعظم گڑھ سے حضرت مولانا حبیب اللہ ندویؒ بھی شامل تھے، ہم لوگوں کا قیام منیٰ میں واقع رابطہ عالم اسلامی کی بلڈنگ میں تھا، ایک کشادہ ہال میں درمیان میں پارٹیشن کیا ہوا تھا، ایک طرف ہندوستان کے مندوبین کا قیام تھا اور دوسری طرف پاکستان کے مندوبین کا، پاکستان سے آئے ہوئے مندوبین میں حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ بھی شامل تھے۔ وہیں پر حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ سے پہلی ملاقات ہوئی، وہ بھی مجھ سے غائبانہ واقف تھے، ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنو اور'' ماہنامہ دارالعلوم دیوبند'' میں میرے مضامین پڑھ چکے تھے، جب تعارف ہوا تو بہت تپاک سے ملے اور بڑی اپنائیت سے باتیں فرماتے رہے، ان کے تواضع، سادگی اور بے تکلفی نے دل پر گہرے نقوش چھوڑے، بار بار ملاقاتیں ہوتی رہیں اور علمی موضوعات پر گفتگو ہوئی وہ اس کے لئے فکرمند تھے کہ ہندوستان کا کوئی ذمہ دار مکتبہ ان کی تصنیفات کی اشاعت کی ذمہ داری لے اور معاہدہ کے تحت ان کی کتابیں شائع کرے، افسوس ان کی یہ خواہش ان کے حسب منشا پوری نہ ہو سکی۔ کیونکہ ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہوں کے ناشرین اور مکتبات عموماً کسی عہد و پیمان کے قائل نہیں ہیں اور اگر غلطی سے کوئی معاہدہ کرلیا تو اس کی پاسداری ضروری نہیں سمجھتے اور مارکیٹ میں چلنے والی کتابوں کی اپنے حساب سے غیر معیاری اشاعت کرتے ہیں۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ بلاشبہ حلقہ اہل سنت دیوبند کے مضبوط ترین نمائندہ تھے، بلکہ اگر یہ کہا تو درست ہوگا کہ وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے طاقتور ترین ترجمان اور وکیل تھے انہوں نے اسلام کی ترجمانی اور دفاع اسلام کے ساتھ فرق باطلہ کی تردید اور ان کے شبہات و مکائد کی پردہ دری کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا، جیسا کہ ان کی تصنیفات سے واضح ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں شہرت و مقبولیت سے بھی نوازا تھا، ایک مدت تک وہ پاکستان کی شریعہ کورٹ کے سربراہ اعلیٰ بھی رہے، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ وہ اہل سنت کے تمام حلقوں اور مکاتب فکر کو جوڑنے اور قریب لانے کی کوشش بھی کرتے تھے، انہوں نے اپنے آپ کو کسی ایک مدرسہ، جماعت یا مکتبہ فکر کے اندر محدود نہیں کیا تھا، اس کا ایک نقصان یہ ہوا کہ موجودہ جماعت بندیوں اور حلقہ بندیوں کے دور میں کسی بھی خاص طبقہ فکر کے پیشوا نہیں بن سکے، کہ وہ خاص حلقہ ان کی تصنیفات اور افکار کو اپناتا اور انہیں بھرپور طریقہ سے پھیلاتا۔

مجھے اِس حقیقت کے اظہار میں کوئی تکلف نہیں ہے کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کی شخصیت اور تصنیفات کی جو قدردانی اور عمومی اشاعت ہونی چاہیے تھی وہ ان کی زندگی میں نہ ہو سکی، حالانکہ ان کا علمی، فکری اور تحقیقی کام اس کا مستحق تھا کہ بڑے پیمانہ پر اہل علم اس سے استفادہ کریں اور نوجوان نسل اس سے برابر فیض یاب ہو، کاش ان کے حادثہ وفات کے بعد ہمارے دلوں میں چوٹ لگے اور ہم ان کے افکار، تحقیقات و تصنیفات کو وہ اہمیت دیں جن کے وہ مستحق ہیں۔

برطانیہ کے اسفار میں بار بار ان کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوتی رہی، برطانیہ کے شہر مانچسٹر میں انہوں

نے اسلامک اکیڈمی قائم فرمائی تھی، تصنیفی اور تالیفی کاموں کو فروغ دیا، ایک عظیم الشان مسجد بھی تعمیر ہوئی، برطانیہ کے بہت سے علماء ان سے وابستہ رہے۔

میں خاص طور سے سفر برطانیہ میں کوشش کرتا تھا کہ اگر حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ مانچسٹر میں موجود ہوں تو ان کی خدمت میں حاضری ضرور دوں، ان ملاقاتوں میں عموماً ڈیوز بری اور باٹلی کے متعدد علماء میرے ساتھ ہوتے تھے، جناب مولانا مرغوب لاجپوری زید مجدہم (ڈیوز بری) پابندی کے ساتھ میرے ہمراہ جایا کرتے ہیں، ان کے علاوہ حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب صوفی (باٹلی) حضرت مولنا مفتی یوسف سانچہ صاحب، حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی (مانچسٹر) وغیرہ بھی متعدد بار ساتھ رہے، میں اپنی کوئی نہ کوئی نئی تصنیف ان کی خدمت میں پیش کرتا وہ اپنی خصوصی شفقتوں سے نہال کرتے، بڑی عالمانہ اور دلچسپ باتیں فرماتے۔

مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی صاحب دامت برکاتہم ان سے بے پناہ استفادہ کرتے رہے، حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کو ان پر بڑا اعتماد تھا اور علمی، تصنیفی کاموں میں حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ برابر ان کی راہنمائی فرماتے تھے، تقریباً ایک سال پہلے میرا برطانیہ کا سفر ہوا تو اس موقع پر حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ نے اپنے ادارہ میں اہتمام سے مدعو کیا بڑی اچھی دعوت کی، اس موقع پر کافی علماء اور معززین کو اپنے یہاں بلایا اور باصرار میرا بیان بھی کرایا، اپنی بعض تصنیفات ہدیہ میں پیش بھی فرمائیں، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ علامہ خالد صاحبؒ سے آخری ملاقات ثابت ہوگی، ان کی رحلت پوری امت کے لیے خاص طور سے علماء کے لئے بہت بڑا حادثہ ہے، علمی گتھیوں کو سلجھانے والے رخصت ہوتے جارہے ہیں، ان کی زندگی جہد مسلسل اور علم وفکر سے عبارت تھی، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، درجات بلند کرے اور ان کی رحلت سے جو خلاء پیدا ہوا ہے اسے پورا فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ ان شاء اللہ حضرت مولانا کی ہمہ جہت شخصیت اور کارناموں پر آئندہ تفصیل سے لکھنے کی کوشش کی جائے گی۔

☆......☆......☆......☆
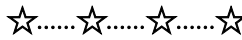
ماہنامہ ''**ندائے دارالعلوم**'' دیوبند، انڈیا

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب

عصر حاضر کی نابغۂ روزگار شخصیت

سال رواں کے رمضان المبارک کی ۲۰ ر تاریخ کو عصر کی نماز کے معاً بعد انگلینڈ سے یکے بعد دیگرے جناب حضرت مولانا فاروق ڈیسائی صاحب مدظلہ اور برادر عزیز جناب مولانا محمد عمار صاحب مدنی کے فون موصول ہوئے، جس کے واسطے سے یہ الم انگیز وصاعقہ اثر خبر ملی کہ ابھی دو گھنٹے قبل برطانیہ میں مقیم جماعت علمائے اہل حق کی ایک نہایت ہی قد آور و مقبول ترین شخصیت جناب حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ اس دارِ فانی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو کر حضرت حق جل مجدہ کی مشیت کے

قانون ازلی کے تحت اس کے بیکراں و بے حد و نہایت فضل واحسان کی راحت آمیز ٹھنڈی چھاؤں تلے ماہ صیام کے مقدس و متبرک ایام میں تا ابد آسودۂ رحمت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت علامہ صاحبؒ کے سانحہ وفات کی خبر سے نہ صرف یورپ میں جماعت کے حلقہ ہائے علم و عمل میں بلکہ برصغیر کے تمام اصحاب علم و فضل کے علمی دوائر و اجتماعیات میں پہنچنے والے الم انگیز جذبات وصدمات کو یکساں انداز میں شدت کے ساتھ محسوس کیا گیا اور مرحوم و مغفور کی عمر کے ایک طویل ترین عرصے پر محیط عظیم علمی و تصنیفی نیز اعلائے کلمہ حق کے حوالے سے کی جانے والی ان کی نہایت قابل قدر و لائق تقلید جھود و کاوش اور عظیم تر کارناموں سے دنیا بھر میں علمی و عملی وابستگی رکھنے والے ہزار ہا ہزار افراد ملت نے بشمول دار العلوم وقف دیوبند ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا، اور سربسجود حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بہ دعا ہوئے کہ رب ذوالکرم ہماری دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کو اعلیٰ علیین میں مقام کریم سے سرفراز فرمائیں اور جنت الفردوس کے مقام ابدی میں شہداء اور صدیقین و صالحین کی ہمراہی نصیب فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین۔

حضرت علامہ صاحبؒ کی بلند و بالا علمی شخصیت اپنے مقام علم و عمل اور اپنے ہمہ جہت وسعت مطالعہ اور تعمق فکر و نظر کے لحاظ سے دنیا بھر کے اصحاب علم و فضل کے درمیان ایک بے حد ممتاز ترین قد آور اور نمایاں ہستی کی مالک تھی، بالخصوص فرق باطلہ کے عقائد و علمی ترجیحات و تعاملات نیز جماعت اہل حق پر اعتراضات پر منقولات و معقولات سے مدلل و مزین سنجیدہ و بصیرت افروز اور مسکت نقد و تبصرے کے حوالے سے اہل السنۃ والجماعۃ کے ترجمان اور عصر حاضر میں اس میدان سے تعلق رکھنے والے سلف صالحین کے صحیح و سچے جانشین و ترجمان کی ممتاز حیثیت سے جانے جاتے تھے، ذہانت و فطانت، قوت حافظہ اور برجستہ و برمحل مستدلات و استحضار اور مدۃ العمر علم و عمل میں تطہیر باطنی کی بنیاد پر متوازن اور قابل رشک تعامل کے حوالے سے امتیازی اوصاف کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے خزانہ غیب سے ایسی صفات حمیدہ اور جواہر مطلوبہ سے مرحوم و مغفور کو خوب نوازا۔

دنیا کے پُر پیچ و پُر خطر راستوں سے اپنے آپ کو مامون و محفوظ نکال کر بارگاہِ رب العالمین میں بایں طور باریاب ہو جانا بقول شخصے کہ "خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے" یہ مقام قبولیت اور انسان کی حیات دنیوی و اخروی کی خوش بختیوں کی علامات میں بنیادی و مرکزی حیثیت رکھتا ہے، حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ سے علماء و عملاً یا عقیدت و محبت کی بنیاد پر فکری قربت کا تعلق رکھنے والے اکثر اصحاب علم و عمل کا ظن غالب یہ ہے کہ ان کا شمار بھی ان کے بتمام و کمال علم و عمل کی متوازن بنیاد پر ایسے ہی خوش بخت و بانصیب افراد امت میں ہوگا، اہل علم کا اس حقیقت منکشفہ پر بھی اجماع ہے کہ انہوں نے اپنے پیش رو علماء و صلحاء کی فکر انگیز و حسین تر علمی و عملی تحقیقی و تصنیفی روایات کو نہ صرف یہ کہ مدۃ العمر اپنے ہی لیے مشعل راہ کے طور پر حرز جاں بنائے رکھا بلکہ اس بصیرت افروز فکر کو عصر حاضر سے ہم آہنگ معیار رد و قبول کے تناظر میں فکر و تحقیق کے قالب میں ڈھال کر نسلوں کی راہ اصلاح کو منور کیے جانے کا فریضہ دیا۔

حضرت علامہ صاحبؒ کا تعلق عہد رواں کے ان اصحاب علم وفضل میں ہوتا تھا کہ جو محض کتابی علم کو تطہیر باطن کے جھود وشاقہ کے بغیر کافی نہیں گردانتے، ان کے نزدیک علم محض جانکاری کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ عملی استواری کے لزوم کو علم کی دنیا میں وسیلہ نجاح وفلاح کے تناظر میں مرکزی کلید کی حیثیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ تطہیر باطن کے بغیر علم کی حیثیت ایک خبر سے زیادہ کچھ نہیں ہے، چنانچہ علم وعمل کی راہ کو متوازن رکھنے کے لیے کسی صاحب بصیرت کی فکری راہنمائی لازمی ہے۔ علی العموم مشاہدہ یہ ہے کہ کسی صاحب بصیرت کی راہنمائی کے بغیر علمی مقام ومرتبے کا ترفع خودنمائی وخود پسندی کا مرض پیدا کردیتا ہے، شعور وآگہی رکھنے والے اکثر افراد کے تجربات ومشاہدات اس حقیقت کی صداقت پر کسی نہ کسی درجے میں دلیل کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔

حضرت علامہ صاحبؒ اس اصول کے رمز شناس بھی تھے، عامل بھی تھے اور اس کے داعی بھی تھے، چنانچہ انہوں نے اس بصیرت آفرینی کو بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت الامام النانوتوی کی فکری آفاقیت میں تلاش کیا، اسی سے اخذ کیا اور اسی کو راہنما قرار دے کر مدۃ العمر اپنے آپ کو اسی سے مربوط رکھا، چنانچہ علوم نانوتوی سے روحانی وفکری وابستگی اور علمی قربت کی جھلک ان کی تحریرات ومصنفات کے مستدلات میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے، حق آفریں وحکمت افروز نکات کو منقول ومعقول دلائل سے مزین کرکے: **کلموا الناس علی قدر عقولھم** کے اصول پر موثر انداز میں پیش کرنا ان کے امتیازی اور بلند فکر اوصاف کا ایک نمایاں حصہ تھا جس کو برملا وہ فکر نانوتوی سے ماخوذ قرار دیتے تھے۔

اسی حوالے سے یہ واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ جو میں اپنے لیے سعادت اور خوش بختی کی علامت پر محمول کرتا ہوں اور ان لمحات کی خوشگوار یادیں تادم تحریر آج بھی پہلے دن کی طرح سے قرطاس ذہن پر نقش ہیں۔ واقعہ کی تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ گذشتہ سال دورہ برطانیہ کے موقعہ پر راقم السطور کو مقتدر علمائے بولٹن کی معیت میں حضرت علامہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضری اور زیارت کا شرف حاصل ہوا، والہانہ شفقت آمیز ومسرت انگیز انداز میں پرتپاک خیر مقدم کیا جس کا اظہار ان کے ظاہری انداز و اطوار کے علاوہ آنکھوں سے محسوس کی جانے والی محبت آمیز چمک سے چھلک رہا تھا۔ جماعت علماء کو سنت کے مطابق واجب تعظیم و تکریم سے سرفراز فرمانے کے بعد راقم السطور کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم جانتے ہیں کہ اس وقت آپ خود اپنے ارادے سے نہیں آئے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرے پاس میری دعا کی قبولیت کے نتیجے میں بھیجا ہے، یہ فرما کر اپنی غالباً آخری تصنیف کا کتابت شدہ مسودہ جو طباعت کے لیے پریس میں جانے کے لیے تیار رکھا ہوا تھا اپنے معتمد رفیق کار جناب مولانا مفتی فیض الرحمٰن صاحب سے طلب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کتاب حضرت نانوتویؒ کے علمی مستدلات پر ایک کوشش ہے، پھر اس کی تفصیلات و جزئیات اور اس کے محتویات کو مفصل انداز میں بیان فرماتے ہوئے کہا کہ میرے رفیق کار مفتی صاحب اپنی از حد مصروفیات کے سبب اس کو بروقت طباعت کے لیے پریس میں نہ دے سکے جس کے سبب میں ان پر ناراض بھی ہوا، ادھر اسی کے ساتھ ساتھ میرے دل میں یہ خواہش بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی قدرت ہے کاش کہ حضرت نانوتویؒ سے علمی نسبت رکھنے والا ان کے خاندان کا کوئی فرد یہاں آجائے، سعادتاً جس کے وسیلے سے میں اس کتاب کو طباعت کے لیے بھیج سکوں اور میں اس کے لیے دعا کرتا تھا

۔اللہ نے میری دعا قبول فرمائی اور آپ کو میرے پاس بھیج دیا، یہ کہہ کر کتاب کا مسودہ میرے سر پر رکھتے ہوئے فرمایا کہ اب آپ یہ مفتی صاحب کو اپنے ہاتھوں سے حوالے کر دیں، عجیب بات یہ ہے کہ جس تاخیر کو میں مفتی صاحب کا قصور سمجھ کر ناراض ہو رہا تھا، وہ دراصل عالم تکوین میں میری دعا کو شرف قبولیت سے نوازا جا رہا تھا، یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بلاشک وشبہ میرے لیے موجب شرف وسعادت اور تاریخی واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔لیکن اپنے علم وعمل کی کم مائیگی کے تناظر میں اس واقعہ کے حوالے سے اس واقعہ کو میں ان کی بزرگانہ خورد نوازی کی روایت کے تناظر میں اسی عنوان سے تعبیر کر سکتا ہوں۔ چہ نسبت خاک را با عرش پاک۔

پھر اس کے بعد یہ واقعہ سنایا کہ حضرت نانوتویؒ کا غالباً آخری سفر حج ہے، معاصر علماء کی ایک جماعت اس مبارک سفر میں ساتھ ہے، راہ سفر میں کسی مقام پر ایک جرمن اسکالر سے ملاقات ہوئی، تبادلہ افکار وخیالات کے لیے دونوں کے مابین زبان کی اجنبیت کے سبب ترجمان ناگزیر تھا جس کو انگریزی اور اردو پر عبور حاصل ہو یہ مرحلہ بھی اللہ تعالیٰ نے حل فرما دیا، گفتگو ہوئی جس کا موضوع امن عالم اور فلسفہ انسانیت تھا، اس ملاقات کے بعد حضرت نانوتویؒ نے بڑے پُرعزم لب ولہجے میں اپنے معاصرین سے فرمایا کہ اگر زندگی نے مہلت دی تو جی چاہتا ہے کہ سفر حج کے بعد ہندوستان جا کر انگریزی سیکھوں اور پھر ایک مرتبہ یورپ جا کر وہاں کے اہل علم طبقے پر اسلام کی یہ حقیقت واضح کروں کہ جس چیز کو تم فلسفہ سمجھتے ہو وہ فلسفہ نہیں بلکہ تمہارے افکار پریشاں اور فاسد نظریات کا ایسا مجموعہ ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ قالب بدلتا رہتا ہے، جس کی سینکڑوں مثالیں تاریخ کے صفحات پر محفوظ ہیں، درانحالیکہ اصل اور برحق فلسفہ تو وہ ہے جس کو اسلام نے پیش کیا جو کہ رہتی دنیا تک تمام بنی نوع انسانی کو ہر دور اور عہد میں فکر وتدبر کی دعوت بھی دیتا ہے اور ہر عہد سے ہم آہنگ دنیا میں امن وانصاف کے واضح اور قابل عمل راہنما خطوط کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔لیکن حضرت نانوتویؒ کی یہ خواہش ان کی زندگی میں تو پوری نہ ہو سکی البتہ ان کی دعاء ذات حق جل مجدہ کی بارگاہ عالی میں قبول ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے اس بندہ عاصی کو اس کام کے لیے منتخب فرما کر یورپ بھیج دیا اور یہاں آنے کے بعد روز اول سے میں انہی کا فرض کفایہ ادا کر رہا ہوں اور خانوادۂ قاسمی سے میری محبت وعقیدت کی بنیاد واساس اسی فکر وخیال اور جہد پیہم میں مضمر ہے۔

صحبت فیض کی غرض حاضر باش اصحاب علم اور ان کی فکر سے قربت رکھنے والے رفقاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت علامہ صاحبؒ اپنی ذات کے ہالے میں گم رہنے والے سرد مہر اور خشک قسم کے عالم نہیں تھے بلکہ اُن کے مزاج میں سرزمین پنجاب کی روایتی شگفتگی ومزاح کے عنصر کا بھی خوب غلبہ تھا، ان کے علمی لطائف کی نکتہ آفرینی ارباب علم کو سرشار رکھا کرتی تھی، ان سے منسوب مزاح آمیز واقعہ راقم السطور نے اپنے والد مکرم خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمہ اللہ کی زبانی بارہا سنا کہ ایک مرتبہ ساؤتھ افریقہ کے دورے کے درمیان کسی موقعہ پر ایک شیعہ عالم دین سے ان کی ملاقات ہوئی، برسبیل گفتگو شیعہ عالم نے اپنے عقائد کے معروف پس منظر میں سوال کیا کہ حضرت یہ فرمائیے کہ امہات المومنین میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو افضلیت کا درجہ حاصل ہے؟ علامہ صاحب سمجھ گئے کہ یہ کہاں سے بول رہے ہیں اور سوال کے پس پردہ کیا مقصد ومنشاء مضمر ہے؟ چنانچہ مزاح کے پیرائے میں برجستہ فرمایا کہ بھائی قرآن سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہؓ افضل

ہیں، سائل نے متعجب ہو کر پوچھا کہ قرآن میں ان امہات کا کہاں ذکر ہے؟ کہا کہ میں نے یہ نہیں کہا کہ قرآن میں ان کا ذکر ہے میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ قرآن سے ایسا پتہ چلتا ہے، سورۃ الضحیٰ میں حق تعالیٰ کا فرمان ہے: **وللاخرۃ خیر لک من الاولی.** شیعہ عالم اس استدلالی مزاح سے حد درجہ محظوظ ہوتے بولے کہ حضرت گذشتہ چودہ صدیوں میں اس آیت سے شاید کسی مفسر قرآن نے یہ دلیل ہرگز اخذ نہیں کی ہوگی، میں آپ کے جواب سے متفق ہوں یا نہ ہوں لیکن آپ کی برجستگی اور ذہانت کا قائل ضرور ہو گیا ہوں، اس کے بعد کافی دیر تک اس موضوع پر سنجیدہ اور محقق گفتگو کا سلسلہ جاری رہا، عرض کرنے کا حاصل یہ ہے کہ ان کے ذوق ومزاج کا رنگ اعتدال ان کے ہر انداز بیاں سے جھلکتا تھا۔

حضرت علامہ صاحبؒ کا جد مکرم حضرت حکیم الاسلامؒ سے علمی عظمت اور وقیع تر نسبت کے سبب اخلاص وللّٰہیت پر مبنی نہایت عقیدت مندانہ تعلق، حضرت والد مکرمؒ سے علمی بنیادوں پر معاصرانہ محبت آمیز بے تکلف قربت اور اسی حوالے سے راقم السطور کے ساتھ بھی انتہائی مشفقانہ روش ان کے قول وعمل کی صداقت پر دلیل تھی اور اس کے من وعن اثرات دوطرفہ تھے یہی وجہ تھی کہ بصد شوق ان سے ہر ملاقات ان کی علمی وعملی عظمت ومحبت میں ہمیشہ اضافے کا سبب بنا کرتی تھی، اسی موقعہ پر عزیزم میاں محمد شکیب قاسمی سلمہ کو جو کہ میرے ہمراہ تھے تعارف کے بعد ان کو آباء اجداد کی علمی میراث کی جانشینی ونقش ثانی کی مخلصانہ ومستجاب دعاؤں اور بے حد قیمتی نصائح سے عزیز موصوف سلمہ کو نوازتے اور پُر شفقت انداز میں حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے ''حیاتِ طیب'' کے مرتب کی حیثیت سے کتاب کے متفرق اقتباسات کے حوالے سے نہایت بیش قیمت ومفید مشوروں سے سرفراز فرمایا اور اگلے ایڈیشن میں ان اصلاحات کی جانب توجہ دینے کی تاکید فرمائی، چورانوے سال کی عمر میں جبکہ عموماً انسان کے قویٰ مضمحل اور فکر ونظریات پر گرفت کمزور ہو جاتی ہے، ان کے حفظ وضبط کا یہ قابل رشک مرتبہ کمال ان کے علم وعمل کے درمیان مدۃ العمر مضبوط ربط وتوازن قائم رہنے کی حسی دلیل تھی کیونکہ اصحاب علم نے حفظ وضبط کے مرتبہ کمال کی مرکزی کلید علم وعمل کے توازن واعتدال کو ہی قرار دیا۔ ؏ آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

☆......☆......☆......☆

ماہنامہ ''**القاسم**'' نوشہرہ......[شوال المکرم ۱۴۴۱ھ/جون ۲۰۲۰ء]

شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی

محقق العصر مولانا علامہ خالد محمودؒ کی رحلت

حضرت مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی مدظلہٗ نے حد درجہ رنج وقلق اور درد والم اور نہایت غم اور بھرائی آواز کے ساتھ یہ دردناک خبر سنائی کہ گذشتہ جمعرات (۲۰/رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ، ۱۴/مئی ۲۰۲۰ء) کو علم وعمل اور فضل وکمال کی ایک اور شمع فروزاں گل ہوگئی۔ ترجمانِ اہل سنت، وکیل صحابہ، پروانۂ شمع رسالت حضرت مولانا علامہ خالد محمودؒ نے ۹۶/سال کی عمر میں چند روز کی علالت کے بعد

مانچسٹر ہسپتال میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ **فانا للّٰہ و انا الیہ راجعون .**

مرحوم اس عہد میں اگلی صحبتوں کی چند بقیۃ السلف یادگاروں میں سے تھے۔ وہ اتباعِ سنت‘ تبحر علم‘ وسعتِ نظر‘ طہارت و تقویٰ‘ زہد وورع اور کتاب وسنت کی تفسیر وتعبیر میں یگانہ تھے، برصغیر میں قرآن وسنت‘ تفسیر وحدیث‘ فقہ وافتاء‘ تصوف وسلوک‘ مناظرہ ردِّ فرقِ باطلہ‘ مطالعہ وکتاب‘ تصنیف وتالیف‘ تعلیم وتربیت اور ادب وفروغِ علم کی مسندِ درس ان کے فیضانِ کمال سے ایک عرصہ تک بارونق رہی اور سینکڑوں تشنگانِ علم ان کے منبع فیض سے سیراب ہوتے رہے۔ وہ بلاشبہ معلومات کے دریا‘ حافظہ کے بادشاہ اور وسعتِ علم کی ایک نادر مثال تھے۔ تمام مکاتب فکر اور ہر مجلس ومحفل میں یکساں ان کی قدر ومنزلت تھی۔ تفسیر وحدیث کے ساتھ فقہ وتصوف کی جزئیات پر اُن کی وسعتِ نظر مسلّم خیال کی جاتی تھی۔

انہوں نے برصغیر کے مختلف اصحابِ کمال کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے فقہ وادب‘ منطق وفلسفہ‘ اصولِ فقہ اور حدیث وتفسیر میں دسترس اور کمال حاصل کیا۔ ۱۹۶۶ء میں برطانیہ چلے گئے اور اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی بنیاد رکھی اور قلیل مدت میں اسے علم وفضل کا مینارۂ نورِ ہدایت بنا دیا۔ وہاں درسِ تفسیر وحدیث‘ درسِ فقہ وافتاء‘ درسِ ردّ فرقِ باطلہ اور فتنۂ قادیانیت کے رد میں بنیادی مسائل کے دروس دیتے رہے۔ یہ اسی طویل ریاضت ومجاہدہ کا نتیجہ تھا کہ مرحوم کا پایہ فقہ وحدیث اور رجال وانساب میں اتنا قوی اور بلند تھا کہ اس عہد میں اس کی نظیر بہت مشکل ہے، وہ ایک مشاق مصنف‘ مقرر‘ ادیب وخطیب اور مناظر کے منصب پر فائز ہوئے اور تصنیف وتالیف کے میدان میں خاص امتیازی مقام حاصل کیا۔ انہوں نے نصف صد سے زائد کتابیں یادگار چھوڑی ہیں جو خصوصیت کے ساتھ ان کے تبحر علمی، وسعت نظر، دقیقہ رسی اور بلند ذوقِ تحقیق وتفحص کی آئینہ دار ہیں۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ مرحوم کا علم کتنا حاضر ومستحضر اور جزئیاتِ فقہ وحدیث اور اسماء الرجال پر ان کو کیسا عبورِ کامل حاصل تھا؟ شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہیدؒ فرمایا کرتے تھے :

> ’’فضل وکمال کے ساتھ مرحوم کی شخصیت گوناگوں محاسنِ اخلاق کی حامل تھی، علم وعمل بہت کم یکجا ہوتے ہیں لیکن علامہ صاحبؒ کی ذات ان دونوں کی جامع تھی‘‘۔

وہ نہایت نیک طینت‘ متواضع‘ ملنسار‘ سادہ مزاج‘ کشادہ پیشانی‘ خندہ جبین‘ کریم النفس‘ رائے کے مضبوط اور کام کے دھنی تھے۔ علم وعمل‘ تقویٰ اور دینداری ان کے چہرۂ کمال کے نمایاں خدوخال تھے۔ وہ بایں ہمہ حاضر دماغ مناظر‘ وقارِ علم اور بذلہ سنج بھی تھے، اُردو ادب کا بڑا ستھرا اور نکھرا ذوق رکھتے تھے، ان کے ادبی اسلوبِ نگارش میں بہت سادگی، دلکشی اور رعنائی ملتی ہے۔ وہ پکے سنی‘ مسلکاً حنفی اور علمی حوالے سے دیوبندی تھے، مگر مزاج میں بڑا اعتدال تھا، اپنے اُصول میں بڑے پختہ تھے، مگر تخریب اور گروہ بندی سے کوسوں دور تھے، دوسروں کے ساتھ ایسی محبت اور یگانگت کے ساتھ پیش آتے کہ کسی کو اجنبیت کا اِحساس نہ ہوتا، وہ جماعتی عصبیّت کے بجائے اسلام کی وسعت اور ہمہ گیری کو پیش نظر رکھتے تھے۔ اہل علم اور عامۃ الناس کی جرأت وبے باکی اور

صداقت وحق گوئی کی بڑی قدر کرتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایسے نادر صاحبِ کمال صدیوں کی گردش میں پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس مجموعۂ کمالات واخلاق کی مرقد کو پُر نور فرمائے اور اس پر اپنا ابر رحمت برسائے۔

☆......☆......☆......☆

ماہنامہ ''**لولاک**'' ملتان......[ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ/جولائی ۲۰۲۰ء]

مولانا اللہ وسایا، مرکزی مبلغ: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

آہ! حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ

سیالکوٹ علم وفضل کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں پر ایک عالم ربانی مولانا کمال الدین تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی، مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی آپ کے نامور شاگردوں میں شامل ہیں۔ سیالکوٹ شہر کی جس مسجد میں حضرت مجدد صاحب، مولانا کمال الدین سے پڑھتے رہے، آج بھی وہ اصل شکل میں موجود ہے۔ جامع مسجد مولانا کمال الدین محلّہ کشمیریاں سیالکوٹ شہر اس کا نام ہے۔ فقیر راقم نے اس مسجد کی زیارت کی ہے۔ نظریہ پاکستان کے خالق علامہ اقبال مرحوم بھی سیالکوٹ کے تھے۔ غرض تعلیم ودانش وری میں سیالکوٹ کو بعض وہ اعزازات حاصل ہیں جو لائق تحسین ہیں۔ اسی سیالکوٹ کے ایک متوطن علامہ ڈاکٹر خالد محمود تھے جو ۱۷/ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو پیدا ہوئے۔ جنھوں ں نے ڈابھیل سے فراغت پائی، مختلف کالجوں میں پروفیسر رہے، تنظیم اہل سنت کے آغاز سے ہی اس کے ساتھ وابستہ ہوئے، اور اس کے علمی ترجمان قرار پائے۔

حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب خلفائے راشدین کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ: ۱۹۴۳ء میں رد قادیانیت کا واحد پلیٹ فارم تنظیم اہل سنت تھا۔ علامہ صاحب کی یہ بات محل نظر ہے۔ اس لئے کہ اس سے دس سال قبل ۱۹۳۴ء میں کل ہند مجلس احرار اسلام قادیان میں ختم نبوت کے عنوان پر احرار کانفرنس منعقد کر چکی تھی۔ قادیان میں شعبہ تبلیغ احرار اسلام کا قیام عمل میں آچکا تھا۔

ہاں! علامہ مرحوم کی یہ بات سو فیصد مبنی برحق ہے کہ تنظیم اہل سنت نے قادیانیت کے خلاف گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ تنظیم اہل سنت جریدہ کا ''مرزا غلام قادیانی نمبر'' بھی شائع ہوا۔ جسے ہم نے احتساب قادیانیت کی جلد ۵۵/ میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ یہ نمبر ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا تھا۔ ایک زمانہ تھا کہ ملک کی ہر جماعت ومدرسہ کے جلسہ میں علامہ خالد محمود کی شرکت ضروری تصور ہوتی تھی۔ آپ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں گرفتار بھی ہوئے۔ ختم نبوت کانفرنس، چنیوٹ وچناب نگر میں آپ کی شرکت لازمی ہوتی تھی۔ ایک بار ختم نبوت کانفرنس چناب نگر میں صبح کا درس آپ کا طے تھا۔ صبح کی امامت آپ نے کرائی۔ آپ کی قرأت احد عشر قرأت شمار ہوتی تھی۔ گزشتہ سال ختم نبوت مدرسہ مسلم کالونی چناب نگر کے منتہی طلبہ سے خطاب کے لئے زحمت فرمائی۔ ختم نبوت کانفرنس لندن وبرمنگھم میں آپ ہر سال شریک ہوتے تھے۔ بڑے اہتمام سے آپ کا بیان ہوتا۔ یورپ، افریقہ اور امریکہ تک آپ نے ختم نبوت کے ترانے بلند کیے۔

آپ بلا کے ذرخیز دماغ تھے۔ حاضر جوابی آپ پر ختم تھی۔ علمی تحقیقی جوابات کے علاوہ الزامی دندان شکن جوابات کے بلاشبہ بادشاہ تھے۔ اخیر عمر تک کھڑے ہو کر بیان کرتے۔ نکتہ رسی آپ پر ختم تھی۔ بات سے بات نکالنے اور بامقصد نتیجہ خیز بنانے میں مہارت تامہ کے حامل تھے۔ اس سال جامعہ اشرفیہ لاہور میں ملاقات کے لئے حاضری ہوئی۔ جناب رضوان نفیس دوسرے رفقاء ہمراہ تھے۔ دو باتیں بطور خاص یاد ہیں۔ فرمایا کہ قادیانیت کے احتساب کا شکنجہ کسنے کے لئے مجلس تحفظ ختم نبوت کی تشکیل وارتقاء مولانا محمد علی جالندھری کا مجددانہ کارنامہ ہے۔ میرے نزدیک اس عنوان پر آپ کا وجود مجددانہ شان کا حامل تھا۔

دوسرا فرمایا: ہمارے بہت سارے محاذ ہیں۔ ہم نے ان سب کو وقت دیا۔ آپ (فقیر) پچاس سال سے ایک محاذ پر آنکھیں بند کئے کاربند ہیں۔ اس کے صدقہ میں آپ کو جہاں رحمت عالم ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی وہاں سیدنا مسیح ابن مریمؑ کا دست شفقت بھی حاصل ہوگا۔ یہ کہتے ہوئے آواز بھرّا گئی۔ پھر فرمایا کہ میں عمر کے اس پیٹے میں ہوں کہ یہ بات بلاوجہ نہیں کہہ رہا۔ اس پر مجھے انشراح کا مقام حاصل ہے۔

۱۴ رمئی ۲۰۲۰ء کو آپ کا وصال ہوا۔ وصال پر دنیا بھر کے دینی حلقہ میں رنج والم کے پہاڑ ٹوٹے۔ حضرت مرحوم کا پورا گھرانہ برطانیہ میں ہے۔ یہاں کا پورا مسلکی حلقہ ان سے محبت واخلاص کے تعلق دار تعزیت کس سے کرتے۔ لیکن ان کے جانے کا پورے حلقہ کو صدمہ اس طرح ہوا۔ آپس میں ایک دوسرے سے تعزیت کرتے رہے۔ مرحوم کے وصال سے ہمارے مسلکی حلقہ کا ازحد نقصان ہوا کہ وہ ہم سب کے پشتیبان وسہارا تھے۔ [لولاک، الخیر: ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ رجولائی ۲۰۲۰ء، وفاق المدارس]

☆......☆......☆......☆

روزنامہ ''**اسلام**''......[۱۶ رمئی ۲۰۲۰ء]

مولانا زاہد الراشدی

ایک عبقری علمی شخصیت

مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ کی وفات کی خبر نے نہ صرف ان کے تلامذہ اور معتقدین بلکہ ان کی علمی جدوجہد اور اثاثہ سے باخبر عامۃ المسلمین کو بھی غم واندوہ کے ایسے اندھیرے سے دوچار کر دیا ہے جس میں دور دور تک روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہیں دے رہی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ علامہ صاحبؒ کی علالت کی خبریں چند دنوں سے آرہی تھیں اور بستر سے اٹھتے ہوئے گر کر زخمی ہونے کی خبر نے پریشانی میں اضافہ کر رکھا تھا۔ مگر موت نے اپنے وقت پر آنا تھا، وہ آئی اور علامہ صاحبؒ ہزاروں بلکہ لاکھوں عقیدت مندوں کو سوگوار چھوڑتے ہوئے اپنے رب کے حضور پیش ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حسنات قبول فرمائیں، سیئات سے درگزر فرمائیں، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں اور تمام متعلقین، پسماندگان اور سوگواروں کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

میرا ان کے ساتھ تعلق طالب علمی کے دور سے چلا آرہا تھا جب وہ مختلف تعلیمی ودینی نشستوں کے لیے گوجرانوالہ

بالخصوص جامعہ نصرۃ العلوم میں وقتاً فوقتاً تشریف لایا کرتے تھے اور ہمیں ان کے علمی نکات اور حاضر جوابی سے مستفید ہونے کا موقع ملتا رہتا تھا۔ یہ سلسلہ آخر تک جاری رہا اور ابھی رمضان المبارک سے قبل امامیہ کالونی لاہور میں حضرت علامہ صاحبؒ کے قائم کردہ جامعہ ملیّہ کی سالانہ تقریب میں شرکت کے موقع پر ان کی مجلس اور گفتگو سے شاد کام ہونے کا موقع ملا۔

علامہ صاحبؒ نے نفاذ شریعت اور تحفظ ختم نبوت کے ساتھ ساتھ حضرات صحابہ کرامؓ کے ناموس اور عقائد اہل سنت کے تحفظ ودفاع میں بھرپور اور متحرک زندگی گزاری ہے اور عمر بھر ان دائروں میں مسلسل سرگرم عمل رہے ہیں۔ ۱۹۵۶ء کے دستور کے نفاذ کے موقع پر جمعیت علماء اسلام پاکستان کے دستور کے حوالے سے کچھ تحفظات تھے جن کے اظہار کے لیے مولانا مفتی محمودؒ، علامہ شمس الحق افغانیؒ، شیخ حسام الدینؒ اور علامہ خالد محمودؒ پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی گئی تھی جس نے ''تنقیدات وترامیم'' کے عنوان سے رپورٹ مرتب کر کے شائع کی، وہ میری معلومات کے مطابق جماعتی زندگی کے حوالہ سے حضرت علامہ صاحبؒ کا پہلا تعارف تھا جو تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔

عقائد اہل سنت اور ناموس صحابہ کرامؓ واہل بیت عظامؓ کے تحفظ ودفاع میں سردار احمد خان پتافیؒ، علامہ عبدالستار تونسویؒ، مولانا قائم الدین عباسیؒ، مولانا عبدالحئی جام پوریؒ، علامہ دوست محمد قریشیؒ، مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ اور دیگر سرکردہ علماء کرام پر مشتمل جس گروہ نے ''تنظیم اہل سنت'' کے عنوان سے ملک کے طول وعرض بالخصوص جنوبی پنجاب میں صبر آزما جدوجہد کی وہ ہماری دینی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ حضرت علامہ خالد محمودؒ نہ صرف اس گروہ کے رکن رکین تھے بلکہ علمی ترجمان بھی تھے جن کی نکتہ رسی اور حاضر جوابی نے علمی مباحث کا میدان ایک عرصہ تک گرم رکھا اور بے شمار لوگوں کی علمی وفکری تسکین اور اعتقادی پختگی کا ذریعہ ثابت ہوئے۔ وہ تنظیم اہل سنت کے جریدہ ''دعوت'' کے مدیر تھے اور ان کے سوالات وجوابات کا سلسلہ اس علمی وفکری جدوجہد کا قیمتی اثاثہ ہے جن کا بہت سا حصہ ''عبقات'' کے نام سے مرتب ہو کر علماء وطلبہ کے استفادہ کا باعث ہے۔

قادیانیت کے محاذ پر وہ حضرت مولانا محمد حیاتؒ اور حضرت مولانا لال حسین اخترؒ کے ساتھ صف اول کے کامیاب مناظر شمار ہوتے تھے جنہوں نے مسلمانوں کے مسلّمہ اجماعی عقائد کے بارے میں قادیانی دجل وفریب کے تار وپود کو ہر دائرے میں اور ہر سطح پر بکھیر کر رکھ دیا۔ انہوں نے حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ اور حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی مرحوم کے ساتھ مل کر عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے عالمی سطح پر جو محاذ قائم کیا وہ ان کا صدقہ جاریہ ہے اور مسلمانوں کے عقائد کے تحفظ کا ایک مضبوط مورچہ ہے۔ حجیت حدیث اور دفاع سنت نبویؐ کے محاذ پر بھی ان کی خدمات کا دائرہ اپنے اندر بے شمار وسعت وتنوع رکھتا ہے جو علماء وطلبہ کے لیے ہمیشہ مشعل راہ رہے گا۔

علامہ صاحبؒ نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں لاہور کی ایک سیٹ پر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا مگر اس کے بعد برطانیہ منتقل ہو گئے، البتہ سال کا کچھ حصہ پاکستان میں گزارنے کا معمول آخر تک رہا۔ مجھے ان کے ہاں جامعہ ملیہ لاہور اور مانچسٹر (برطانیہ) میں ان کی قائم کردہ اسلامک اکیڈمی میں بیسیوں مرتبہ حاضری کا موقع ملا اور ان کے ساتھ دینی محافل میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ علامہ صاحبؒ اور حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کی رفاقت میں مجھے ۱۹۸۵ء میں

پہلے حج بیت اللہ کا شرف بھی حاصل ہوا، جبکہ افغانستان سے روسی فوج کے انخلا کے بعد آزاد افغان حکومت کے سربراہ حضرت پروفیسر صبغت اللہ مجددیؒ کی دعوت پر سرکردہ علماء کرام کے جس وفد نے کابل کا دورہ کیا ہم اس میں بھی اکٹھے شریک تھے۔

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ آج ہم میں نہیں رہے مگر ان کے قائم کردہ جامعہ ملیہ لاہور اور اسلامک اکیڈمی مانچسٹر، ان کی درجنوں تصانیف اور سینکڑوں بیانات وخطابات، جو محفوظ حالت میں موجود ہیں، ان کا ایسا صدقہ جاریہ ہیں جن سے اہل علم ایک عرصہ تک مستفید ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ دیں اور ان کے پسماندگان و متعلقین کو ان کی حسنات کا سلسلہ تا دیر جاری رکھنے کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔ [اوصاف: ۱۶ر مئی ۲۰۲۰ء] ☆☆☆☆☆

مولانا زاہد الراشدی کے بارے میں...... مجلّہ ’’صفدر‘‘ میں شائع ہونے والے مضامین

۱......عوام جمہور اہل سنت سے ہی وابستہ رہیں......مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی......جون ۲۰۱۱ء

۲......تصویر بنانے کا گناہ......مولانا احسن خدامی......مئی ۲۰۱۳ء

۳......امیر عبد القادر الجزائری......مولانا احسن خدامی......جولائی ۲۰۱۳ء / جون ۲۰۱۴ء

۴......مولانا زاہد الراشدی سے چند سوالات......محمد یامین......اکتوبر ۲۰۱۳ء

۵......مولانا زاہد الراشدی کی غامدیت نوازی، تصویر کا دوسرا رخ......مولانا احسن خدامی......دسمبر ۲۰۱۳ء

۶......مولانا زاہد الراشدی کے نام جوابی مکتوب......مولانا سلیم اللہ خانؒ......اپریل ۲۰۱۴ء

۷......گزارش احوال واقعی......حمزہ احسانی......اپریل ۲۰۱۴ء

۸......مولانا زاہد الراشدی کے بارے میں جید اکابر کا فیصلہ......مولانا عبد الرحیم چاریاری......اپریل ۲۰۱۴ء

۹......رجوع الی الحق کی فہمائش ودعوت......مولانا مفتی ابوالخیر عارف محمود......اپریل ۲۰۱۴ء

۱۰......اربابِ الشریعہ کی خدمت میں......حافظ محمد اسامہ مکی......اگست تا نومبر ۲۰۱۴ء

۱۱......قضیہ مولانا زاہد الراشدی مرحلہ وار......مولانا عبد الرحیم چاریاری......اگست تا نومبر ۲۰۱۴ء

۱۲......مولانا زاہد الراشدی سے چند طالب علمانہ سوالات......مولانا مفتی عبد القوی......ستمبر ۲۰۱۴ء

۱۳......صدرِ وفاق کی طرف سے مذاکرات کی پیش کش اور مولانا زاہد الراشدی......اکتوبر ۲۰۱۵ء

۱۴......حضرت! ایسے کام نہیں چلے گا، مطالبہ کیا ہے؟، تازہ تحریرات......حمزہ احسانی......فروری تا اپریل ۲۰۱۶ء

۱۵......مولانا زاہد الراشدی کی تجدد پسندی......حمزہ احسانی......مارچ ۲۰۱۷ء

۱۶......(رمضان میں ٹی وی پر کرکٹ دیکھنے کا عمل) آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟......ادارہ......اگست ۲۰۱۷ء

۱۷......مرکز اہل تشیع میں مولانا زاہد الراشدی کی امامت......حمزہ احسانی......جنوری ۲۰۲۰ء

۱۸......علامہ راشدی کی شیعہ مرکز کے اندر امامتِ نماز......ابن امام اہل سنت مولانا عبد الحق خان بشیر......جنوری ۲۰ء

۱۹......مولانا زاہد الراشدی صاحب سے ایک مؤدبانہ احتجاج......مولانا عبد الجبار سلفی......جنوری ۲۰۲۰ء

ماہنامہ ''الخیر'' ملتان......[الخیر: ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ/جولائی ۲۰۲۰ء]

مولانا محمد ازہر، مدیر: ماہنامہ الخیر ملتان

قافلہ حق کے چراغ

اس جہان ہست وبود کو ہر متنفس نے اپنے وقت موعود پر چھوڑنا ہے، مگر گزشتہ دو ماہ میں یکے بعد دیگرے چند ایسی شخصیات ہم سے جدا ہوگئی ہیں جن کا صدمہ کسی ایک فرد، خاندان یا ادارے کا نہیں پوری ملت اسلامیہ کا ہے۔ ان پے در پے حادثات نے علم وعمل کے دائروں میں ایک مہیب خلا پیدا کر دیا ہے۔

ان میں پہلا المناک سانحہ امام اہل سنت، رئیس المحققین، فاتح قادیانیت ورافضیت، نمونہ اسلاف، قافلہ حق کے آخری چراغ، عظیم عالم، مصنف، مناظر اور مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کا حادثہ وفات ہے۔ آپ نے ۲۰/رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بروز جمعرات مانچسٹر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور یوں پچھلے علماء کے قافلے کا یہ آخری چراغ بھی گل ہوگیا۔

حضرت علامہ خالد محمودؒ اسلامی اور عصری علوم پر غیر معمولی دسترس رکھتے تھے، آپ کی تقاریر اور بیانات کا رنگ بالکل جداگانہ تھا، عوامی جلسوں میں بھی علمی نکات اس خوبی سے بیان فرماتے تھے کہ عام سامعین بھی اَش اَش کر اٹھتے، آپ کے علمی مقام اور دینی علوم میں غیر معمولی حذاقت اور تعمق کی وجہ سے ''علامہ'' کا قابلِ قدر لقب ان کے نام کا جز بن گیا تھا۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی کے بعد علامہ خالد محمودؒ قوتِ استخراج وقوتِ استنباط میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ قوتِ حافظہ، حاضر جوابی اور نکتہ رسی میں اپنی مثال آپ تھے۔ بانی جامعہ خیر المدارس استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ جامعہ کے سالانہ جلسوں پر جن شخصیات کو خطاب کے لئے مدعو فرمایا کرتے تھے وہ حضرتؒ کے نزدیک امتیازی شان کی مالک ہوتی تھیں۔

حضرت مولانا خدا بخش مرحوم سابق استاذ جامعہ خیر المدارس کی روایت ہے کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے علم کی وجہ سے، خطیب اسلام حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے منفرد لہجے اور خطابت کی وجہ سے اور علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی ذہانت اور نکتہ رسی کی وجہ سے مدعو فرمایا کرتے تھے۔

بانی جامعہ خیر المدارس اور جامعہ خیر المدارس سے عمر بھر حضرت علامہؒ نے محبت وعقیدت کا غیر معمولی تعلق رکھا، بانی جامعہ کے وصال کے بعد حضرت کے صاحب زادے حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ اور بعد ازاں حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری حفظہ اللہ کے ساتھ تعلق خاطر آخر وقت تک برقرار رکھا، برطانیہ سے جب پاکستان تشریف لاتے تو خیر المدارس میں تشریف آوری نظم سفر کا حصہ ہوتی، نہایت سادگی کے ساتھ جامعہ کے عام مہمان خانہ میں فروکش ہوتے، یہ ایام جامعہ کے اساتذہ کے لئے فرحت وانبساط کے دن ہوتے، مختلف علمی موضوعات پر تبادلہ خیال ہوتا حضرت علامہؒ کلامی موضوعات پر اساتذہ کرام کے

نقطہ نظر کو سنتے، حوصلہ افزائی اور تصویب فرماتے اور موضوع سے متعلق نادر علمی نکات و معارف بیان فرماتے۔

حضرت علامہ صاحبؒ جدید اور قدیم فتنوں کے خلاف ہمیشہ نبرد آزما رہے اور دلائل و براہین کے ساتھ انہیں ہر میدان میں شکست دی۔ جب کوئی نیا فتنہ سر اٹھاتا یا ملحدین کی طرف سے اسلام پر اعتراضات کیے جاتے تو نگاہیں بے ساختہ حضرت علامہ صاحب کی طرف اٹھتیں اور پھر ان کی زبان اور قلم اس فتنے کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیتے۔ ماضی قریب میں باطل فرقوں کے رد میں حضرت علامہ جیسی قد آور شخصیت موجود نہیں تھی، اکابر علماء میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، استاذ العلماء مولانا خیر محمد جالندھری، امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر، محمود الملت حضرت مولانا مفتی محمود اور مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہم ان پر مکمل اعتماد فرماتے تھے۔

علم و تحقیق، نکتہ رسی، حاضر جوابی اور محیر العقول حافظہ جیسے امتیازی کمالات کے ساتھ آپ کی سادگی، درویشی اور فقر بھی قابل رشک تھے۔ نمود و نمائش سے کوسوں دور رہ کر فقر و درویشی میں خاموشی کے ساتھ آپ نے دین و مذہب کی وہ خدمت کی ہے جو بڑے بڑے ادارے نہیں کر سکے، بلاشبہ علامہ صاحب ہم میں نہیں رہے، لیکن ان کی عدم النظیر دینی، قومی، ملی، علمی اور تالیفی خدمات ان کے نام کو زندہ رکھیں گی، اللہ تعالیٰ ان پر کروٹ کروٹ رحمتیں نازل فرمائیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں۔

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی محمد عبداللہ، رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان......[الخیر:]

''علامہ'' کہلانے کے حقیقی مصداق

محقق العصر مناظر اسلام حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ نے ۲۰ رمضان ۱۴۴۱ھ کو داعی اجل کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ اللہ والوں سے علاقے کے علاقے خالی ہو رہے ہیں، خانقاہیں اہل اللہ کے مجمع اور اللہ اللہ کی مبارک آوازوں کو ترسنے لگی ہیں۔ جبالِ علم کی اس رحلت سے درس و تدریس کی رونقیں ماند پڑتی نظر آ رہی ہیں۔ حضرت علامہ علوم دینیہ اور علوم عصریہ کے جامع اور جملہ علوم میں خوب دسترس رکھتے تھے۔ باطل قوتیں ایشیا اور یورپ میں ان کے نام سے لرزاں تھیں، دیار غیر میں رہ کر بھی صحیح مسلک اور دین شریعت کا علم سرنگوں نہیں ہونے دیا۔

انوکھا طریق استدلال:

بندہ نے ایک موقع پر علامہؒ سے فرضوں کے بعد اجتماعی دعا کی بات کی کہ آیا اجتماعی دعاء کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ ارشاد فرمایا کہ متعدد احادیث سے اس کا ثبوت ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف کی ایک روایت کا تذکرہ کیا، کہ حضور ﷺ نے قبولیت دعا کے مواقع بیان کرتے ہوئے ایک موقع یہ بھی بیان فرمایا کہ فرض نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، اس پر بندہ نے عرض کیا کہ اس حدیث پاک میں اجتماعی دعا کا کوئی تذکرہ نہیں ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ قرآن وسنت اور شریعت مطہرہ میں انفرادی فرائض کا کوئی

تصور نہیں، اس لیے اس حدیث پاک میں اجتماعی دعا کا تذکرہ اور ثبوت ہے۔قرآن وسنت کو سمجھنے کے لیے اس کی اصطلاحات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے ورنہ بات پوری طرح واضح نہ ہوگی۔

مناظر اسلام حضرت اوکاڑویؒ کے بارے میں کا انوکھا اعلان:

ایک علاقہ میں ایک عظیم اجتماع تھا اس اجتماع سے حضرت علامہ خالد محمودؒ مخاطب ہوئے خوب بیان فرمایا: بیان کے اختتام پر سٹیج سیکرٹری نے مناظر اسلام وکیل احناف حضرت مولانا محمد امین صفدرؒ کا اعلان کرنا تھا۔حضرت علامہؒ نے اپنی تقریر کے اختتام پر حضرت مولانا اوکاڑویؒ کی تقریر کا ازخود اعلان فرمایا۔اعلان کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک عرصہ سے ہمارا پالا ایسے لوگوں سے پڑا ہوا تھا جو علم اور شرعی اصطلاحات سے نابلد اور جاہل ہیں۔حالانکہ علمی باتوں اور استدلات کو سمجھنے کیلئے علم چاہیے، جبکہ یہ فرقہ ایسا تھا جسے علم کی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔اللہ پاک نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں ایک ایسے جید اور محقق عالم سے نوازا جو علم میں انتہائی فائق ہیں اور اللہ پاک نے بات سمجھانے کا ایسا ملکہ عنایت فرمایا کہ وہ پرائمری کے بچوں کو بھی بات سمجھا دیتے ہیں۔میری مراد مناظر اسلام وکیل احناف حضرت مولانا محمد امین صفدر ہیں ......اس عجیب وغریب اعلان میں غیر مقلدین کے ایک مشہور اعتراض کا جواب تھا کہ مولانا ایک ماسٹر ہیں۔

فرق باطلہ کا رد:

پاکستان کی حد تک جن جن باطل اور شیطانی قوتوں نے جس جس روپ میں سر اٹھایا خواہ قادیانیت اور انکار ختم نبوت ہو، خواہ رفض اور ترویج بدعات ہو، خواہ انکارِ حجیتِ حدیث ہو، خواہ حضرات ائمہ مجتہدین کی تحقیقات پر عمل کرنے کا قلادہ اتار کر خود اجتہاد کے دعوی کرنے کا رویہ ہو، خواہ ناموس رسالت مآب اور ناموس صحابہ، ناموس اہل بیت عظام میں نقب لگانے کا محاذ ہو، خواہ اہل سنت والجماعت کے متفق علیہ ''عقیدہ حیات'' سے لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے دیوبندیت کا نام لیکر سید عنایت اللہ شاہ کی جماعت ہو، یا ڈاکٹر کیپٹن عثمانی یا چتروڑگڑھی کے روپ میں ہو، (**وغیـــــر ذلک**) حضرت علامہ خالد محمودؒ ہر میدان میں اسلام اور اسلامیات کا تحفظ کرنے والوں اور باطل قوتوں کو میدان کارزار سے بھاگنے پر مجبور کرنے والوں کی صف اول کے سپاہیوں بلکہ کمان کرنے والوں میں نظر آئے۔

ترجمان مسلک اہل السنۃ والجماعۃ دیوبند:

حضرت علامہ صاحبؒ ان ہستیوں میں سے ایک تھے، جن کو علمائے اہل سنت دیوبند کے مسلک کا ترجمان قرار دیا جاتا ہے۔سرمایہ اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدرؒ اور دفاع صحابہ اور دفاع اہل بیتؓ کے بے تاج بادشاہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ اور حضرت علامہ خالد محمودؒ مسلکِ حق کے سب سے بڑے ترجمان سمجھتے جاتے تھے۔

سیاسی قائد:

حضرت علامہ سیاسی سمجھ بوجھ بھی رکھتے تھے۔چنانچہ ۱۹۵۶ کے آئین پر حضرت علامہ کو کچھ تحفظات تھے۔اس سلسلہ میں

جو کمیٹی تشکیل دی گئی اس کے درج حضرات ارکان تھے: شمس العلماء حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ، اسلامی سیاست کے ترجمان محمود وقت حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ اور حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب وغیرہ۔ لاہور کے ایک حلقہ سے قومی اسمبلی کی سیٹ پر الیکشن بھی لڑا اور دینی مدارس اور کالج کے طلباء کی مشترکہ تنظیم جمعیت طلباء اسلام میں جس نے روح پھونکی وہ علامہ کی ذات باکمال تھی، طلباء کی ذہن سازی کی اور انہیں ایک لائحہ عمل مرتب کر کے دیا اور کام کرنے کے اسلوب بھی سکھائے۔

حضرت علامہ صاحبؒ کی کتب کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ علامہ صاحب کو حق تعالیٰ جل شانہٗ نے جو دماغ دیا وہ کمپیوٹر تھا، جس میں ہر نوع کی معلومات کا خزانہ تھا۔ اسی وجہ سے ایک جید عالم کی زبانی سنا، حضرت خالد محمود ہی در حقیقت علامہ کہلانے کے مستحق تھے، یا پھر علامہ شمس الحق افغانیؒ، ورنہ جعلی علاموں سے کائنات بھری پڑی ہے، ایسے لوگوں کو بھی علامہ کا لقب دیا گیا جو تقلید کی حقیقت سمجھنے سے نابلد تھے، حتیٰ کہ حضرات ائمہ مجتہدین کی تحقیقات اور تشریحات کو ماننے اور ان پر عمل کرنے کو شرک قرار دیتے تھے۔

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ آج ہم میں نہیں رہے مگر ان کے قائم کردہ جامعہ ملیہ لاہور اور اسلامک اکیڈمی مانچسٹر ان کی درجنوں تصانیف اور سینکڑوں بیانات و خطابات جو محفوظ حالت میں موجود ہیں، ان کا ایسا صدقہ جاریہ ہیں جن سے اہل علم ایک عرصہ تک مستفید ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ دیں اور ان کے پسماندگان و متعلقین کو ان کی حسنات کا سلسلہ تادیر جاری رکھنے کی توفیق سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین۔ [ماہنامہ الخیر، ملتان]

☆......☆......☆......☆

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری زید مجدہ......[الخیر: ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ/جولائی ۲۰۲۰ء]

مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ

عالم اسلام کی عظیم علمی شخصیت محقق العصر مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چھیانوے سال کی عمر پائی اور آپ کا علمی سفر پون صدی پر محیط تھا، پوری زندگی اسلام کی خدمت میں گذاری، ایک جید عالم دین، محقق، مدبر، عظیم اسکالر، پروفیسر، عظیم محدث، مفسر، شیخ الحدیث، عظیم مصنف، مناظر، جج (سپریم کورٹ شریعہ) اور متعدد عہدوں پر فائز رہ کر اسلام کی سربلندی اور عظمت کیلئے کام کیا اور اپنی زندگی مبارکہ میں ایک بڑا اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ دینی و علمی خدمات سے پوری دنیا میں امت مسلمہ کیلئے عالمی سطح پر ایک عہد ساز شخصیت ثابت ہوئے۔

بانی جامعہ اشرفیہ حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ آپ سے بڑی محبت فرماتے تھے اور آپ پر کلی اعتماد فرماتے تھے، بلکہ بقول حضرت مولانا عبید اللہ اشرفی رحمۃ اللہ علیہ والد صاحب نے علامہ خالد محمود کو اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا اور علامہ خالد محمود سمیت اپنے سات بیٹے شمار کرتے تھے، علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ زمانہ تعلیم سے لے کر حضرت مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت تک ان سے باقاعدہ وابستہ رہے اور علوم ظاہرہ اور علوم باطنہ میں خوب استفادہ حاصل کیا اور خوب علمی و روحانی طور پر فیض یاب

ہوئے۔

آپ کی پوری زندگی خدمت اسلام میں گزری، آپ پاکستان میں بھی ہر سال دو چار ماہ گزارتے اور جامعہ اشرفیہ لاہور میں مختلف احادیث کی کتب کا سبق پڑھاتے، اسی طرح جامعہ خیر المدارس ملتان، دار العلوم کراچی اور متعدد دینی مدارس میں آپ کے علمی بیانات اور دروس قرآن وحدیث بڑی شان وشوکت سے ہوتے رہے، آپ کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی، اللہ تعالیٰ حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆......☆......☆......☆

ماہنامہ ''**الحقانیہ**'' ساہیوال ضلع سرگودہا......[شعبان تا ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ/اپریل تا اگست ۲۰۲۰ء]

مفتی سید عبد القدوس ترمذی مدظلہم

حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ تعالیٰ

مفکر اسلام ترجمان مسلک اہل سنت متکلم اسلام مناظر اعظم حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا سانحہ وفات بلا شبہ ولکنہ بنیان قوم تهدما کا مصداق ہے۔ حضرت موصوف معقول ومنقول کے جامع اور بہت سی ظاہری باطنی خوبیوں اور ملکات کے حامل تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ذہانت وفطانت اور ذکاوت سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ مشکل سے مشکل مسئلہ کا حل اور فی البدیہہ جواب پر ان کو مہارت تامہ حاصل تھی، علم کلام اور تفسیر وحدیث، فقہ، اصول فقہ اسی طرح علم معقول میں بھی کامل رسوخ حاصل تھا۔

انہوں نے اسلامی عقائد اور علم کلام میں تقریری اور تحریری طور پر جو کام کیا ہے وہ ہمیشہ امت کی راہنمائی کرتا رہے گا۔ اہل حق اہل السنۃ کے عقائد ونظریات کا دلائل سے اثبات اور اہل باطل کے غلط عقائد کی دلائل وبراہین سے تردید ان کا خاص موضوع تھا۔ ختم نبوت اور حیات الانبیاء علیہم السلام کے موضوع پر ان کی کتب ورسائل دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اہل سنت کے عقائد حقہ کی حقانیت پر دلائل قائم کرنے کے ساتھ انہوں نے اہل بدعت واہل ھویٰ، روافض، اہل بدعت، منکرین تقلید غیر مقلدین کی تردید میں بھی نہایت مدلل اور پر مغز مواد تحریر فرمایا ہے، روافض، اہل تشیع کی تردید میں اور اہل بدعت کے عقائدِ زائغہ کے رد میں ''مطالعہ بریلویت'' لکھ کر اگر کہا جائے کہ انہوں نے حجت تمام کر دی ہے تو اہل انصاف کے نزدیک یہ مبالغہ نہیں ہوگا۔

درس وتدریس کے علاوہ ساری زندگی ان کا تعلق قلم وقرطاس اور بیان وبنان سے رہا، غرضیکہ ہر موضوع پر آپ کی گرانقدر علمی کتب اور رسائل ومقالات دستیاب ہیں۔

احقر کے والد ماجد قدس سرہ کو اہل السنۃ والجماعۃ اور اکابر علماء دیوبند کے عقائد ونظریات کے تحفظ کا ہمیشہ خیال رہا، جب

بھی محسوس کیا کہ کچھ حضرات اکابر کے مسلک پر اعتراض یا اس کی غلط تشریح کر رہے ہیں تو انہوں نے احقاق حق وابطال باطل کا فریضہ تحریراً وتقریراً نہایت اعتدال کے ساتھ مدلل انداز میں سرانجام دیا۔ حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ میں بھی یہ وصف بدرجہ اتم موجود تھا اسی لئے ان دونوں حضرات میں اس قدر مشترک وصف کی بناپر ہم آہنگی اور بڑی یگانگت پائی جاتی تھی، حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کی طرح حضرت علامہ رحمہ اللہ کو بھی اس کا اعتراف تھا، چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے احقر کو فرمایا کہ حضرت ترمذی رحمہ اللہ مسلک کے بڑے مضبوط اور صحیح ترجمان تھے اور میں نے ان کا یہ وصفِ خاص ابتدائی ملاقات ہی میں بھانپ لیا تھا۔ دراصل لوذعی کی تعریف ''الذی یظن بك ظناً كانه قد رأى وقد سمع'' اُن پر پورے طور پر صادق تھی۔

حضرت والد ماجد رحمہ اللہ بھی علامہ صاحب کی ذہانتِ حاضر جوابی کثرتِ معلومات کے قائل اور مداح تھے ان کی کتاب ''مقام حیات'' جو عقیدہ حیات الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پر ایک عمدہ کتاب ہے اس کی بہت تعریف فرماتے تھے، جامعہ خیر المدارس ملتان میں مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ کی صدارت میں ہونے والے آپ کے قیمتی بیانات کا اکثر بڑے اہتمام سے ذکر فرماتے، اس لئے کہ حضرت کی موجودگی میں کسی عالم کا بیان سند کا درجہ رکھتا تھا، ہر عالم کا بیان حضرت کی موجودگی اور صدارت میں نہیں ہوسکتا تھا۔

حضرت والد ماجد رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ علامہ صاحب کے سامنے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ کی ''فیض الباری'' سے درج ذیل عبارت پیش کی جس کی بناپر اہل تشیع حضرت علامہ کو تحریف قرآن کا الزام دیتے ہیں:

واعلم ان فی التحریف ثلاثة مذاهب، ذهب جماعة الی ان التحریف فی الکتب السماویة قد وقع بکل نحو فی اللفظ والمعنیٰ جمیعاً وهو الذی مال الیه ابن حزم وذهب جماعة الی ان التحریف قلیل ولعل الحافظ بن تیمیة جنح الیه وذهب جماعة الیٰ انکار التحریف اللفظی راسا فالتحریف عندهم کله معنوی قلت یلزم علیٰ هٰذا المذهب ان یکون القرآن ایضاً محرفاً فان التحریف المعنوی غیر قلیل فیه ایضاً، والذی تحقق عندی ان التحریف فیه لفظی ایضاً اما انه عن عمد منهم اولمغلطة فالله تعالیٰ اعلم به۔ (فیض الباری ص ۳۹۵ ج۳ ط دار المامون)

علامہ موصوف نے عبارت دیکھتے ہی فی البدیہہ اس کی ایسی توجیہ اور تقریر کی کہ جو الزام مخالفین حضرت شاہ صاحب قدس سرہ پر قائم کر رہے تھے وہ خود ہی اس کا شکار ہو گئے گویا ؏ لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

کا سا معاملہ ہو گیا حضرت والد صاحب رحمہ اللہ بڑے محظوظ ہوئے اور پھر اس عبارت کی یہ تشریح فرمائی کہ:

''اہل تشیع کا اس سے تحریف قرآن پر استدلال ہرگز صحیح نہیں، وہ بالکل غلط کہتے ہیں، کیونکہ اس عبارت کا تعلق قرآن کریم میں تحریف سے نہیں بلکہ کتبِ سماویہ میں تحریف سے ہے، کتبِ سماویہ میں تحریف سے متعلق کئی مذاہب میں سے ایک مذہب یہ ہے کہ ان میں صرف معنوی تحریف ہوئی لفظی نہیں ہوئی، حضرت علامہ انور شاہ اس مذہب کو رد فرما رہے ہیں، کیونکہ

اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے قرآن پاک میں تحریف لازم آتی ہے، اس لیے آپ نے "وعندی ان التحریف" سے فرمایا کہ کتبِ سماویہ میں صرف تحریف معنوی نہیں بلکہ تحریف لفظی بھی کی گئی ہے، اس توجیہ کے بعد قرآن کریم میں تحریف کا کوئی احتمال باقی نہیں رہتا''۔

علامہ صاحب پہلی مرتبہ ساہیوال تشریف لائے تو مدرسہ اور مرکزی جامع مسجد دیکھ کر بڑی خوشی کا اظہار فرمایا، جامع مسجد کی حسن تعمیر اور نہایت درجہ سادگی لیکن قدرتی کشش اور وسعت دیکھ کر اپنے تاثر کا اظہار انہوں نے اس بلند وبالا اور تاریخی جملہ سے کیا: ''شاہانِ تصوف نے شاہانِ مغلیہ کے فن تعمیر کو مات کر دیا''۔ یہ علامہ صاحب کی اتفاقیہ آمد تھی، بعد میں انہیں مستقلاً دعوت دی گئی اور انہوں نے جامع مسجد حقانیہ میں بڑا شاندار خطاب کیا، اس دوران حضرت والد ماجد رحمہ اللہ سے بھی ان کی خوب علمی تاریخی اور یادگار مجلس رہی۔

احقر ناکارہ نے بچپن سے جن بزرگوں اور علماء کرام کا تذکرہ سنا ان میں علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ کا اسم گرامی بھی شامل ہے، تنظیم اہل سنت کے آرگن ''دعوت'' کے پرانے پرچے اور دیگر کئی رسائل پر حضرت کا نام دیکھنا یاد پڑتا ہے، بعد میں آپ کی کئی علمی تحقیقی کتابیں پڑھنے کا موقع ملا اور بارہا آپ کا خطاب لاجواب بھی سنا۔

۱۴۰۲ھ/۸۲ء میں احقر لاہور جامعہ اشرفیہ میں زیر تعلیم تھا، ریگل چوک شہدا مسجد میں علامہ صاحب کا خطاب تھا، احقر نے جمعہ اس دن وہیں ادا کیا، حضرت نے جمعہ پر جو خطاب فرمایا اس کا بقیہ حصہ جمعہ کی نماز کے بعد مکمل کیا بیان کے بعد سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا حضرت علامہ صاحب کو اس سے خاص دلچسپی تھی، اس لئے انہوں نے خوب مدلل جوابات دیے، یزید کے متعلق علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کی شرح عقائد میں موجود عبارت: لعنة اللّٰه عليه وعلى آله واعوانه وانصاره کی بھی انہوں نے خوب وضاحت کی اور یزید کے متعلق اکابر علماء دیوبند اور اہل السنّت کا مسلک نہایت اعتدال سے بیان فرمایا جس کا خلاصہ یہی تھا کہ یزید بے شک فاسق تھا، لیکن اسے کافر کہنے میں توقف کرنا چاہیے۔

حسنِ اتفاق کہ ۱۹۸۶ء/۱۳۰۶ھ میں احقر فرقِ باطلہ کورس کیلئے دفتر تنظیم اہل سنت ملتان حاضر ہوا تو اس دوران براہ راست حضرت علامہ صاحبؒ سے استفادہ کا موقع بھی ملا، انہوں نے ہمیں قرآن کریم کی چند منتخب آیات کا درس دیا جس سے اہل تشیع کے باطل عقائد کی تردید ہو رہی تھی، اس دوران حضرت سے بعض اور موضوعات پر بھی استفادہ ہوا، غیر مقلدین کے بعض عقائد زائغہ کا رد بھی انہوں نے فرمایا، حضرت علامہ صاحب نے اس اہم نکتہ پر بھی زور دیا کہ غیر مقلدین کے ساتھ ہمارا اِختلاف آمین، رفع یدین اور فاتح خلف الامام کے مسئلہ پر نہیں بلکہ اصل اختلاف تقلید اور ان مسائل میں ہے، جو ائمہ اربعہ کے ہاں مجمع علیہ اور متفق علیہ ہیں اور یہ حضرات ان میں اہل حق سے اختلاف کرتے ہیں، لہٰذا ان مسائل میں گفتگو ہونی چاہئے جو اصولی ہیں، یا جن میں یہ اہل حق کے خلاف ہیں۔

علامہ صاحب کی فکر اور سوچ تھی کہ طلبہ علما کو اختلافی مسائل کی خوب تحقیق ہونی چاہیے تاکہ اگر ضرورت پیش آئے

تو دلائل کی روشنی میں یہ اپنا موقف بخوبی بیان کر سکیں اور فرقِ باطلہ کے موقف اور دلائل کا رد بھی احسن طریقہ سے کرنے پر وہ قادر ہوں، اس کے لیے وہ طلبہ وعلماء میں باہم مناظرہ کی مشق اور تمرین بھی کراتے تھے، چنانچہ انہوں نے ہم رفقا میں بھی ایک روز باہم مناظرہ کی نشست کا انعقاد فرمایا، خود اس کی سرپرستی فرمائی اور آخر میں فیصلہ بھی صادر فرمایا۔ آپ نے ہمیں دو حصوں میں تقسیم کیا اور فریقین کے لیے الگ الگ موضوع بھی متعین فرما دیا، مدعی، مدعیٰ علیہ، محل نزاع وغیرہ جملہ امور بخیر وخوبی طے ہوئے، ایک فریق کی طرف سے احقر مناظر تھا اور علامہ صاحب نے مجھے مجیب اور دوسرے فریق کے مناظر کو سائل بنا دیا، ظاہر ہے کہ سوال واعتراض آسان ہوتا ہے، جبکہ جواب کے لیے بڑی عقل وفہم اور علم نیز فن مناظرہ سے واقفیت کا بھی خاصا تعلق ہوتا ہے، حضرت کی موجودگی میں مناظرہ شروع ہوا، فریق اول نے کچھ سوالات کئے، جن کا جواب احقر نے بخوبی دیا اور ساتھ ہی کسی طرح خود کو سائل اور اسے مجیب بنا کر اس پر ایسے مشکل سوالات شروع کر دیے جن سے وہ مرعوب ہو کر لا جواب ہو گیا اور ہمارا یہ مناظرہ فریق اول کی شکست پر منتج ہوا، حضرت نے فیصلہ میں فرمایا کہ موقف اگرچہ فریق اول کا ہی حق تھا، لیکن اسے شکست مجیب بننے میں ہوئی، فریق اول نے سائل بن کر کامیابی حاصل کر لی، اصل مدار مناظرہ کا اسی پر ہوتا ہے، پھر مناظرہ کے لیے مزید اصول بھی سمجھائے، بہرحال طالب علمی کے ابتدائی دور میں احقر کو بھی مناظرہ اور قیل وقال اور قال اقول سے دلچسپی رہی ہے اور اکثر وبیشتر اہل بدعت بریلوی، مماتی، اہل تشیع اور بعض قادیانیوں سے بحث ومباحثہ کی نوبت بھی آئی، لیکن جب دیکھا کہ اب اس کا رنگ بالکل بدل گیا اور فائدہ بھی نہیں ہوتا تو طبیعت اس سے یکسر ہٹ گئی اور دل اچاٹ ہو گیا۔ اگرچہ علامہ صاحب رحمہ اللہ نے احقر کو ایک مرتبہ سرگودھا بلا کر بطور خاص ہدایت فرمائی تھی کہ سرگودھا کے علاقہ میں مناظرہ کی جہاں کہیں ضرورت ہو گی ہماری جانب سے تمہیں مناظرہ کرنا ہو گا، لیکن موجودہ مناظروں کا حال دیکھ کر احقر نے معذرت ہی کو مناسب سمجھا۔ تجربہ سے بھی یہی طریقہ بہتر معلوم ہوا کہ شائستہ اور سنجیدہ انداز میں احقاقِ حق وابطالِ باطل بہ نسبت ان مروجہ مناظروں کے کہیں بہتر اور مفید ہے۔ متعارف مناظروں کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر ہی حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے ایک مستقل رسالہ مروجہ مناظروں سے متعلق تحریر فرمایا جس کا نام ''المنافرۃ'' ہے۔

۱۹۹۲ء کا واقعہ یاد آیا کہ تحصیل ساہیوال کے علاقہ میں گوگوچکی کے نام سے ایک بستی ہے، جس میں زیادہ تر رہنے والے حضرات اہل بدعت اور دوسرے نمبر پہ دیوبندی کہلانے والے مماتی ہیں، جبکہ ایک آدھ گھر صحیح مسلک رکھنے والا بھی ہے، انہوں نے وہاں اصلاحی تبلیغی جلسہ رکھا جس میں علامہ عبدالغفار تونسوی اور احقر کو دعوت دی، چنانچہ ہم مقررہ تاریخ پر گوگوچکی پہنچ گئے، پہلے احقر نے بیان کیا اور پھر علامہ عبدالغفار تونسوی صاحب نے بیان فرمایا۔ دورانِ بیان مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے کسی نے سوال کیا تو مولانا عبدالغفار تونسوی نے مدلل انداز سے اس کی وضاحت فرمائی، لیکن فریق مخالف بار بار تقریر میں مداخلت کرتا رہا، اس کا مقصد جلسہ ناکام کرنا تھا، لیکن بحمداللہ تعالیٰ ایسا نہ ہو سکا اور جلسہ بخیر وخوبی مکمل ہوا، حضرت تونسوی صاحب مدظلہ نے تقریر کے آخر میں اعلان فرما دیا تھا کہ میں یہیں ہوں جس نے بات کرنی ہو نماز کے بعد مجھ سے آ کر بات کر لے۔

نماز عصر کے بعد ہم میزبان صاحب کے گھر پہنچے، کھانے کے دوران ہی وہ شر پسند عناصر جتھہ بنا کر پہنچ گئے اور انہوں نے تقاضہ کیا کہ ہم نے آپ سے حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ پر مناظرہ کرنا ہے، مولانا تونسوی صاحب نے فرمایا کہ میں مناظرہ کے لیے تیار ہوں تم میں سے کون مناظرہ کرے گا؟ ان حضرات نے کہا کہ مولانا محمد یونس نعمانی صاحب مناظرہ کریں گے، حضرت نے کہا کہ تمہارا کیا عقیدہ ہے جس پر تم مناظرہ چاہتے ہو؟ وہ عقیدہ لکھ دیں، انہوں نے اپنا یہ عقیدہ لکھوایا کہ:

''حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں روحِ مبارک کے جسد اطہر سے تعلق کے ساتھ حیات حاصل نہیں ہے اور جو شخص آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر اطہر پر حاضر ہو کر سلام عرض کرتا ہے آپ اسے سماعت نہیں فرماتے، آپ کو عالم برزخ میں روحانی حیات حاصل ہے، ہم اپنا یہ عقیدہ قرآن کریم کی صریح نصوص اور احادیث صحیحہ، اجماع امت اور اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ کی صریح عبارت سے ثابت کریں گے۔ اگر ہمارا مناظر مقرر کی گئی تاریخ پر یہاں گوگو چکی نہ آیا اور اس نے یہ عقیدہ ثابت نہ کیا یا مناظرہ نہ ہوا تو ہمیں شکست ہوگی اور ہم اپنے اس مماتی، معتزلی عقیدہ سے توبہ تائب ہونے کا اعلان کر کے علماء دیوبند کا صحیح عقیدہ اپنائیں گے۔''

ان حضرات نے اس تحریر پر دستخط کر دیے بطور گواہ وہاں کے چیئرمین کے دستخط بھی ہو گئے، ہم نے بھی دستخط کر دیے کہ ہم ۱۵/اپریل ۹۲ء گوگو چکی نہ آئے تو ہماری شکست ہے۔

یہ شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ کا واقعہ ہے، شوال المکرّم ۱۴۱۲ھ ۱۵/اپریل ۹۲ء کو مناظرہ تھا، مقررہ تاریخ سے قبل علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ، علامہ عبدالغفار صاحب تونسوی مدظلہ اور حضرت مولانا محمد رمضان صاحب نعمانی مدظلہ سب حضرات جامعہ حقانیہ تشریف لے آئے، حضرت والد ماجد اور حضرت علامہ خالد محمود صاحب کی سرپرستی میں ۱۵/اپریل کو ہونے والے مناظرہ کے حوالہ سے تفصیلی گفتگو ہوئی، حضرت علامہ صاحب نے بہترین راہنمائی فرمائی اور بہت وقت دیا، اس مناظرہ کا تمام تر بار تحریر کے مطابق اگرچہ دوسرے فریق پر ہی تھا، اس کے باوجود حفظ ماتقدم کے طور پر اصل موضوع سے متعلق حضرت والد ماجد اور حضرت علامہ نے خوب تیاری اور مولانا محمد رمضان نعمانی کو مناظرہ کی عملی مشق بھی کرائی اور اس موضوع پر انہیں خوب تیار کر دیا، اس کے علاوہ زبانی طور پر بھی ہدایات دیں، مناظرہ کا صدر مولانا نعمانی اور مناظر مولانا عبدالغفار تونسوی جبکہ معین مناظر احقر کو قرار دیا گیا۔

۱۵/اپریل آنے پر ہم سب اور موضع وجھ سے جناب مولانا محمود الحسن صاحب، قاری مطیع الرحمٰن مرحوم اور قاری فیض الرحمٰن سلمہ و دیگر متعلقین واحباب سرزمین گوگو چکی پہنچ گئے۔ جامعہ حقانیہ کے اساتذہ کرام جناب مولانا محمد اللہ بخش صاحب، مولانا محمد ظفر اللہ مرحوم، مولانا محمد صدیق سلمہ، احقر کے برادر بزرگوار جناب مولانا سید عبدالصبور ترمذی، حافظ سید عبدالغفور ترمذی بھی پہنچ گئے، جبکہ عبدالودود ترمذی سلمہ علامہ عبدالغفار تونسوی مدظلہ کو لے کر گوگو چکی پہنچے، علامہ خالد محمود صاحب اور حضرت والد صاحب دعا فرماتے رہے، مناظرہ کی شہرت کی وجہ سے بات انتظامیہ تک پہنچ چکی تھی اور پولیس آ چکی تھی، تاہم پھر بھی مقام مناظرہ

پر پہنچنے میں ہم کامیاب ہوگئے، وہاں اپنے کئی احباب سے ملاقات ہوئی جو اطراف وجوانب اور شہر سرگودہا سے آئے ہوئے تھے، جناب مولانا عبدالمعید مرحوم بھی ان میں شامل تھے۔

ہمارے میزبان نہایت مفلوک الحال اور بے یارومددگار صحیح مسلک کے تنہا شخص تھے، مناظرہ کے روز مخالفین نے ان کو بستی سے زبردستی کہیں بھیج دیا، ہم بستی کی مسجد میں چلے گئے، جبکہ فریق دوم اپنے میزبان کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے اور ان کا خوب اکرام کیا جارہا تھا، کچھ دیر بعد مولانا محمد یونس صاحب اپنے احباب کو لے کر از خود مسجد میں تشریف لے آئے اور آتے ہی انہوں نے مولانا عبدالغفار صاحب تونسوی کو پکار کر انہیں اپنے مدمقابل آنے کو کہا، ان کا انداز نہایت جارحانہ اور قطعاً نامناسب تھا، اس لئے مولانا قاری مطیع الرحمٰن مرحوم اور مولانا محمد رمضان نعمانی نے اس پر احتجاج کیا اور واضح کیا کہ اُصولی طور پر یہ انداز آپ کا بالکل غلط ہے، گفتگو کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں، آپ اپنی طرف سے صدر مناظر وغیرہ کا نام بتائیں، تاکہ ان سے بات ہو اور پھر مناظرہ شروع کیا جائے، لیکن ان کے احباب نے مسجد کے تقدس واحترام کو یکسر بالائے طاق رکھ کر وہ شور اور دنگل کیا کہ اللہ کی پناہ! جوابی کارروائی کے طور پر ہماری طرف سے بھی سخت جواب دیا گیا، بالآخر مقامی حضرات کے اصرار پر فریقین کا مسجد سے جانا طے پایا، اس پر بھی یہ مسئلہ بنا کہ مسجد سے پہلے کون نکلے؟ ہمارا موقف تھا کہ ہم پہلے سے مسجد میں موجود تھے، دوسرا فریق بن بلائے بعد میں آیا، یہ ان کی طرف سے گویا تعدی ہے، اس لئے پہلے یہ جائے، دوسرے فریق نے کچھ دیر ضد کی، بالآخر انہیں ہمارا موقف تسلیم کرنا پڑا، وہ مسجد سے نکل کر اپنے میزبان کے ہاں چلے گئے، ہمارے میزبان تو چونکہ مفقود الخبر تھے، ہم کہاں جائیں؟ اسی کشمکش میں تھے کہ ایک صاحب نے اپنا مکان ٹھہرنے کے لیے پیش کردیا، چنانچہ ہمارا قافلہ وہاں فروکش ہوا، اور یوں ہم نے اس جگہ کے ملنے پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

اب باقاعدہ گفتگو کا آغاز ہوا ہم نے قاری محمود الحسن صاحب مرحوم اور قاری مطیع الرحمٰن مرحوم کو دوسرے فریق کے پاس بھیجا، انہوں نے دوسرے فریق کے ذمہ دار حضرات سے کہا کہ آپ کے احباب اور ہم مسلک حضرات نے ہمیں یہ تحریر لکھ کر دی ہے، ہمیں یہ قبول ہے، ہم نے اس پر دستخط کردیئے ہیں، آپ بھی اس پر دستخط کردیں تاکہ اس کے مطابق بات شروع کی جائے، فریق ثانی نے اخوین کو اصل موضوع سے ہٹا کر غیر متعلقہ بحثوں میں اُلجھانے کی ناکام کوشش کی، لیکن ماشاءاللہ تعالیٰ اخوین محمودین مرحومین ان کے قابو میں نہ آئے اور اس بات پر ڈٹ گئے کہ آپ کے متعلقین نے یہ تحریر اپنے دستخطوں سے لکھ کردی ہے، اور اس میں جو عقیدہ لکھا ہوا ہے، یہی آپ اور آپ کے ماننے والوں کا عقیدہ ہے، آپ اس پر دستخط کردیں تاکہ مناظرہ شروع ہو، لیکن فریق مخالف کو اس تحریر پر دستخط کی صورت میں اپنی موت اور شکست فاش نظر آرہی تھی، اس لئے تمام تر کوششوں کے باوجود وہ اس پر راضی نہ ہوا اور بالآخر اس نے اس تحریر پر دستخط کرنے سے انکار کردیا اور اپنے احباب کے فارمولا کے مطابق مناظرہ نہ کرکے اپنی شکست وہزیمت کو تسلیم کرلیا۔ جس پر اہل سنت دیوبندی اور مقامی بریلویوں نے گوگوچکی کے چوراہے پر اجتماع کی صورت میں جلسہ کیا، مولانا محمد رمضان نعمانی صاحب نے اس پر بڑا پُر جوش خطاب کیا اور مماتی عقائد کا بطلان دلائل سے واضح کیا،

اور حضرت علامہ خالد محمود نے جیسے انہیں تربیت دی تھی اُسی کے مطابق انہوں نے بیان کیا، مماتیوں کے عقائد باطلہ کا علم ہوتے ہی عوام نے ان سے براءت کا ہاتھ اٹھا کر اظہار کیا اور صحیح مسلک کو اپنانے کا اعلان کیا، آخر میں علامہ تونسوی نے شاندار انداز میں اپنی فتح اور فریق مخالف کی شکست فاش پر مہر ثبت کی اور دعا فرمائی جس پر یہ معاملہ اپنے منطقی انجام کو پہنچا۔

ہم جب فاتحانہ انداز میں ساہیوال جامعہ حقانیہ پہنچے تو دونوں بزرگ نہایت متفکر اور شدت سے ہمارے منتظر تھے، ہمیں دیکھتے ہی ان کے چہرے کھل گئے، تفصیل معلوم ہونے پر اور بھی محظوظ ہوئے، حضرت والد ماجد اور علامہ خالد محمود صاحب نے مبارک باد دی اور حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا، حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ نے اس مناظرہ کی مکمل سرپرستی اور راہنمائی فرمائی اور دو دن تک جامعہ حقانیہ میں قیام فرما کر تیاری کرائی، جب حق تعالیٰ نے ہمیں فتح دی تب وہ واپس تشریف لے گئے، اس واقعہ سے حضرت علامہ کی مسلک و مشرب سے دلچسپی اور شغف واضح ہے۔

اگرچہ گوگوچکی میں عملی طور پر مناظرہ کی نوبت نہیں آئی، لیکن جو صورت حال پیش آئی، پورے علاقہ پر اس کا بڑا اچھا اثر ہوا، بہت سے سادہ لوح حضرات جنہیں مماتیوں کے عقائد کا علم ہی نہ تھا، ان کو ان کے عقائد سے آگاہی ہوئی اور انہوں نے برملا ان سے براءت کا اظہار کیا۔ حضرت علامہ مرحوم نے ہماری فتح کو زبردست فتح قرار دیا، حضرت والد صاحب رحمہ اللہ اس بات پر بہت خوش ہوئے کہ کوئی جھگڑا نہیں ہوا اور فریق مخالف کو سامنے آنے کی ہمت بھی نہ ہوئی۔ جب ان کا عقیدہ یہی ہے جو ان کے متعلقین نے تحریر کر کے دیا ہے، پھر اس پر مناظرہ کے لیے تیار نہ ہونا کھلی شکست ہے۔

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ بروز جمعۃ المبارک کو ان طلبہ کی دستار بندی ہوئی، جنہوں نے دفتر تنظیم میں یہ تربیتی کورس مکمل کیا تھا، علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ نے جمعہ پر خطاب فرمایا اور خطبہ سے قبل دستار بندی ہوئی اور ساتھ ہی کتاب ''مطالعہ بریلویت'' حصہ اول اور ''سید اسماعیل شہید'' بھی دی گئی، احقر عصر کے قریب ملتان سے سرگودھا کے لیے روانہ ہوا، حسنِ تقدیر کہ حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمہ اللہ بھی اسی بس میں جھنگ تشریف لے جا رہے تھے، اس طرح احقر کو جھنگ تک علامہ صاحب کی رفاقت اور ان کے ارشادات سننے اور ان سے استفادہ کا موقع ملا، مختلف موضوعات پر حضرت نے خوب افادہ فرمایا۔

مشکل سے مشکل مقام اور مباحث کو حل کرنے میں انہیں بڑا ملکہ حاصل تھا احقر نے ایک مرتبہ ''تحذیر الناس'' مؤلفہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی قدس سرہ سے متعلق اثرِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر بریلوی اشکالات کا ذکر کیا تو حضرت نے فی البدیہہ سب اشکالات کا جواب دے کر اس اثر پر ہونے والے اعتراضات کو دفع کر کے بریلوی اعتراض کو بے اثر کر دیا۔

قادیانی حضرات نے جب حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی کتاب ''**المصالح العقلیہ**'' سے متعلق دعویٰ کیا کہ اس کے مضامین مرزا قادیانی کی کتاب سے ماخوذ ہیں اور اسلامی احکام کی یہ فلاسفی مرزا قادیانی نے بیان کی ہے، حضرت تھانوی نے یہ سب مواد وہیں سے لیا ہے، حضرت علامہ نے اس اعتراض کا ایسا تحقیقی اور دندان شکن جواب دیا کہ قادیانیوں کو لینے کے دینے پڑ گئے، علامہ صاحب نے جوابی مضمون میں ثابت فرمایا کہ مرزا صاحب نے اسلامی احکام کی عقلی

وجوہات پر جو کچھ لکھا ہے، وہ خود ان کا اپنا مضمون نہیں ہے، انہوں نے فلاں کتاب سے سرقہ کیا ہے، ان حقائق کے سامنے آنے پر قادیانی بالکل ختم ہو گئے۔

ایک مرتبہ احقر نے ''امداد الفتاویٰ'' سے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کا ایک فتویٰ جس سے قادیانی اپنے مسلمان ہونے پر استدلال کرتے ہیں اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ مرزا قادیانی کو مسلمان کہنے والے کافر نہیں ہیں، حضرت علامہ صاحب کے سامنے پیش کیا، حضرت علامہ صاحب اس وقت جامعہ حقانیہ ساہیوال تشریف جلسہ پر تشریف لائے ہوئے تھے اور مہمان خانہ تشریف رکھتے تھے، حضرت تھانوی کا فتویٰ سنتے ہی فرمایا کہ اس سے قادیانیوں کا استدلال بالکل غلط ہے، وہ حضرت کے فتویٰ کو سمجھے ہی نہیں ہیں، حضرت کے فتویٰ کا اصل منشا ایسے حضرات کو مسلمان قرار دینا نہیں، بلکہ اصول تکفیر کو سامنے رکھ کر سوال کا جواب دینا ہے، اصول تکفیر کے مطابق حضرت کا جواب صحیح ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو مرزا قادیانی کو کافر نہ کہے وہ بھی مسلمان ہے، حضرت نے کچھ ایسے مدلل انداز سے فی البدیہہ تقریر فرمائی کہ سارا اشکال ہی ختم ہو گیا۔ حضرت علامہ صاحب کی ذہانت وفطانت حاضر جوابی کی فی البدیہہ اس وقت چند باتیں یاد آ گئی ہیں موقع کی مناسبت سے انہیں بھی سپردِ قلم کیا جارہا ہے۔

یہ واقعہ حضرت نے خود سنایا کہ مجھے کچھ دوستوں نے ایک جگہ خطاب کی دعوت دی، جس مسجد میں پروگرام تھا وہاں دیوبندی بریلوی دونوں مسلک کے لوگ تھے، بریلوی مسلک کے حضرات کا اصرار تھا کہ مسجد میں **الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ** اور **یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئاللہ** وغیرہ لکھا جائے تا کہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ بریلوی مسلک کی مسجد ہے، چنانچہ کچھ حضرات نے اس طرح کی عبارت مسجد کی دیواروں پر لکھوا دیں جس کی وجہ سے ان میں تنازع رہتا تھا، علامہ صاحب جب خطاب کے لیے وہاں تشریف لے گئے، فرماتے تھے کہ میں نے وہاں حالات معلوم کر کے مقتضائے حال کے مطابق بیان کیا، جسے سب نے پسند کیا، بیان کے بعد بریلوی مسلک کے حضرات نے اپنے تنازعہ کا ذکر کیا کہ ہم کہتے ہیں کہ مسجد کی دیوار پر لکھی گئی عبارت ''**یاشیخ عبدالقادر شیئاللہ**'' صحیح ہے، جبکہ دیوبندی حضرات اس کے مخالف ہیں، اَب آپ فرمائیے کہ یہ صحیح ہے یا نہیں؟

علامہ صاحب نے اس عبارت کو پڑھا اور پھر ایک دو مرتبہ غور سے دیکھنے کے بعد فرمانے لگے کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس عبارت میں سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی توہین کی گئی ہے، جسے کوئی شخص برداشت نہیں کر سکتا، انتہائی گستاخی ہے کہ اتنے بڑے شخص کو جن کی نسبت خاندان نبوت سے ہے، اور سب فرقوں کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ سید ہیں، لیکن اس عبارت میں دیکھئے کہ ایک سیدزادہ کو شیخ لکھ دیا گیا ہے، اس سے بڑی ان کی کیا توہین ہو گی؟ حضرت نے یہ بات کچھ اس انداز سے فرمائی کہ بریلوی مسلک کے حضرات بڑے متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ: حضرت! آپ نے صحیح فرمایا، افسوس کہ ہم نے اس طرف توجہ نہیں کی، واقعۃً اس سے حضرت کی توہین ہوتی ہے، ہم توبہ کرتے ہیں اور ابھی فوراً اسے مٹا دیتے ہیں، چنانچہ وہ پوری کی پوری عبارت انہوں نے فوراً مٹا دی اور یوں یہ تنازع ختم ہوا۔ بظاہر یہ ایک لطیفہ ہے لیکن ایسے موقع پر حضرت نے جس حکمت

ودانش اور عقل مندی سے اس عبارت کو ختم کرایا اہل علم وفہم پر مخفی نہیں۔

ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ انگلینڈ میں عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں کا کسی مسئلہ پر اختلاف ہوا، دیوبندی بریلوی سب نے متحد و متفق ہوکر عیسائیوں کا مقابلہ کیا، اس موقع پر عیسائیوں کی طرف سے کہا گیا کہ دیوبندی بریلوی حضرات کے آپس میں تو خود بھی بڑے اختلافات ہیں، بریلوی مسلک کی مساجد میں یا اللہ یا محمد لکھا ہوا ہوتا ہے، حالانکہ دیوبندی اس کے قائل نہیں ہیں، پہلے یہ اپنے اختلاف تو ختم کرلیں، پھر ہمارا مقابلہ کریں، حضرت علامہ فرماتے ہیں کہ میں نے جواب میں کہا کہ: اس بارہ میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں ہے، جن مساجد میں یا اللہ یا محمد لکھا ہوا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسجد اللہ تعالیٰ کے ماننے والوں کی ہے، یا محمد صلی اللہ کو ماننے والوں کی ہے، یعنی مسلمانوں کی ہے، غیر مسلموں کی نہیں اور یہ بالکل صحیح ہے، بتاؤ! اس میں کیا اشکال ہے؟ اس پر وہ حضرات لاجواب ہوگئے۔ حضرت علامہ نے اپنی ذہانت سے اس اختلاف کا حل پیش کر کے کیسے عیسائیوں کو لاجواب کردیا۔

ایک مرتبہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مذہب کا تقابلی جائزہ پیش فرمارہے تھے، جب عیسائیوں کا ذکر آیا تو فرمانے لگے کہ مسلمان جب گرجا کے قریب سے گزرے تو اسے گرجا کو خطاب کرتے ہوئے کہنا چاہئے او! گرجا! گرجا۔ یہ حضرت کی کمال ذہانت ہے کہ ایک ہی جملہ سے انہوں نے ایسا مفہوم لیا جو مسلمانوں کے مذہب کے مطابق ہے۔

آپ یورپ کے سفر سے پاکستان تشریف لائے تو ائرپورٹ پر بہت سے حضرات نے آپ کا استقبال کیا، اس میں کالج کے طلبہ بھی شامل تھے، کسی طالب علم نے سوال کیا کہ حضرت یورپ میں شرم کو کیا کہتے ہیں؟ حضرت فرماتے ہیں کہ اس طالب علم کے اچانک سوال سے ذہن انگریزی جملہ کی طرف متوجہ نہ ہوا، ادھر جواب بھی فی الفور ضروری تھا، فرماتے ہیں میں نے اس طالب سے فوراً کہا کہ: بھائی! ''یہ وہاں نہیں ہوتی'' اندازہ لگائیے کس قدر زبردست جواب ہے جو ہر لحاظ سے صحیح ہی صحیح ہے۔

ایک مرتبہ سرگودھا تشریف لائے تو فرمانے لگے کہ سماع موتی سے متعلق کسی نے سوال کیا کہ مُردے سنتے ہیں یا نہیں؟ میں نے اسے کہا کہ وفات کے بعد قبر میں میت کا سماع ثابت ہے، اس نے قرآن وحدیث سے دلائل کا مطالبہ کیا، چونکہ وہ عامی آدمی تھا قرآن وحدیث کے دلائل کو سمجھنا اس کے بس کی بات نہ تھی تو میں نے مخاطَب کا لحاظ کرتے ہوئے ایک عام اور عقلی انداز میں اسے سمجھایا، میں نے کہا کہ دیکھو تم بھی اس بات کو جانتے بلکہ مانتے ہو کہ فرشتے معصوم ہیں، گناہ اور خطا سے پاک ہیں اور کوئی کام بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں کرسکتے تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ میت سے آکر سوالات کرتے ہیں: من ربك؟ ما دينك؟ من نبيك؟ کیا وہ پاگل ہیں، جب میت سنتی ہی نہیں تو پھر یہ سوال وہ کس سے کرتے ہیں اور کیوں کرتے ہیں؟ اگر میت کو سماع حاصل نہیں تو پھر ملائکہ کے ان سوالات سے فرشتوں کا (نعوذ باللہ) غیر سمجھدار ہونا لازم آتا ہے، اور یہ محال ہے۔ فلہٰذا ثابت ہوا کہ میت کو سماع حاصل ہے۔ فرماتے تھے کہ اس پر اس کو پوری تسلی ہوگئی۔ حضرت علامہ نے ایک اختلافی مسئلہ عقلی انداز میں ایسے عمدہ طریقہ سے حل کردیا کہ اب اس میں جائے کلام نہیں رہا، **فلله دره.**

احقر نے عجلت میں یہ چند سطور اپنے تاثرات پر مشتمل قلم بند کردی ہیں، ضرورت اس کی ہے کہ علامہ صاحب کی تمام

کتب اور بیانات کو سامنے رکھ کر ہر موضوع پر ان کے علمی افادات کو مرتب انداز میں تحریر کرکے افادہ عامہ کے لیے شائع کیا جائے۔ امید ہے کہ حضرت کے متعلقین واحباب ضرور اس طرف توجہ فرمائیں گے کہ وقت کی یہ اہم ضرورت ہے۔ واللہ الموفق والمعین. آخر میں دعا ہے کہ حق تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمات کو قبول فرمائیں اور ان کے درجات بلند فرمائیں، نیز امت کو ان کے افادات سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

☆......☆......☆......☆

ماہنامہ ''**بینات**'' کراچی......[شوال المکرّم ۱۴۴۱ھ/جون ۲۰۲۰ء]

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود کا سانحۂ ارتحال

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۴ مئی ۲۰۲۰ء بروز جمعرات شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ، مولانا بدرِ عالم میرٹھی نور اللہ مراقدہم کے شاگرد رشید، اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کے ڈائریکٹر، سٹی جامع مسجد برطانیہ کے بانی، جامعہ ملیہ لاہور کے مہتمم وبانی، رئیس المحققین، قدوۃ المناظرین، عقیدہ ختم نبوت کے محافظ وترجمان، عظمتِ صحابہؓ واہل بیتؓ کے پاسبان، عالمِ اسلام کے عظیم اسکالر، مناظرِ اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ ۹۵ سال کی عمر گزار کر برطانیہ میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے، **إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ما أخذ ولہٗ ما أعطیٰ وکل شیء عندہٗ بأجل مسمّٰی.**

آپ علم وعمل، ہمہ جہت وسعتِ مطالعہ اور فکر ونظر کی گہرائی، ذہانت وفطانت، قوتِ حافظہ، برجستہ وبرمحل متدلات میں اپنی نظیر آپ تھے۔ دینی فتنوں کی سرکوبی کا خاص ملکۂ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا، جس سے اُمتِ مسلمہ کے مختلف افراد، حلقے اور طبقے ہمیشہ استفادہ کرتے رہے۔ اس بنا پر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم ثانی حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن نور اللہ مرقدہٗ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے دورہ حدیث سے فراغت پانے والے طلبہ کو مقارنہ بین المذاہب پڑھانے کے لیے شعبان ورمضان میں جامعہ میں آپ کو مدعو کیا کرتے تھے اور آپ اپنے وسیع تر مطالعہ اور معلومات کی روشنی میں طلبہ کو اپنے علوم وتجربہ سے مستفید فرمایا کرتے تھے۔

حضرت علامہ خالد محمودؒ اردو، عربی، فارسی اور انگریزی سمیت کئی زبانوں میں یکساں عالمانہ دسترس رکھتے تھے، آپ انگلینڈ میں مقیم تھے، اور اِس وقت علمائے اہل سنت دیوبند کی بزرگ ترین ہستیوں میں سے تھے، آپ نے مختلف دینی محاذوں پر کام کیا اور ہر محاذ کی صفِ اول کی قیادت میں رہے۔ کچھ عرصہ پاکستان میں وفاقی شرعی عدالت کے جج رہے۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، نائب رئیس حضرت مولانا سید سلیمان یوسف بنوری، ناظم تعلیمات حضرت مولانا مفتی امداد اللہ یوسف زئی، تمام اساتذہ وانتظامیہ حضرت علامہ خالد محمودؒ کے

انتقال سے اپنے آپ کو تعزیت کا مستحق سمجھتے ہیں اور حضرت کے اہل وعیال، پسماندگان اور جملہ متوسلین سے تعزیت کرتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت علامہ صاحبؒ کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، آپ کی جملہ حسنات کو قبول فرمائے، آپ کے جملہ متعلقین، احباب، مریدین اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور اُمتِ مسلمہ کو دنیا سے جانے والوں کا بدل عطا فرمائے، آمین بجاہ سید الأبرار والمرسلین ، اللّٰہم لاتحرمنا أجرہ ولاتفتنا بعدہ.

''بینات'' کے باتوفیق قارئین سے حضرتؒ کے لیے ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

☆......☆......☆......☆

ماہنامہ ''**ملیہ**'' فیصل آباد......[ذوالقعدہ، ذوالحج ۱۴۴۱ھ/جولائی، اگست ۲۰۲۰ء]

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، فیصل آباد

مشاہدات وتاثرات

ہمارے بعد ہمارے ہی تذکرے ہونگے
ہمارے بعد ہی محسوس اِک کمی ہوگی

یہ وہ شعر تھا جو کہ ملاقات کے بعد اُٹھنے کے وقت اکثر پڑھا کرتے تھے۔ وہ حضرت علامہ خالد محمودؒ اب دنیا میں نہیں رہے ''اناللہ وانا الیہ راجعون''

مجھ سے ان کا تعارف آج سے تقریباً پچاس، پچپن سال قبل ہوا جب کہ ان کی کتاب ''مقام حیات'' میری نظر سے گزری۔ یہ کتاب راقم نے اپنے والد حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ کے کتب خانہ میں دیکھی۔ اگر چہ اس وقت راقم کا ایسا شعور نہ تھا جو کہ اس کتاب کے رموز واسرار کو سمجھ سکے مگر اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ یہ ایک علمی تحقیق پر مشتمل ہے۔ ان کی پہلی زیارت فیصل آباد کے ایک مدرسہ ''اُم المدارس'' کے سالانہ جلسہ میں ہوئی، جس میں ان کا خطاب تھا۔ اس جلسہ میں اس وقت کے مشہور بزرگ، علماء، خطباء اور مناظرین بھی موجود تھے جو کہ حضرت علامہ صاحبؒ کی نقلی وعقلی وعلمی موشگافیوں پر ان کے ایک ایک جملہ پر داد دے رہے تھے۔ اس وقت ان کا موضوع ''ختم نبوت'' تھا۔ یہ مشرقی پاکستان (جو کہ اب بنگلہ دیش کے نام سے جانا جاتا ہے) کے مغربی پاکستان سے علیحدہ ہونے سے پہلے کی بات ہے۔

مُرشدی حضرت سید نفیس الحسینیؒ کے ہاں میرا اکثر جانا ہوتا تو وہاں ان سے ملاقات ہوتی، یا پھر کسی جلسہ میں۔ ہمارے ہاں کئی بار تشریف لائے، خصوصا ہمارے مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں۔ جب کبھی میرا برطانیہ جانا ہوتا تو وہاں میں ان کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا۔ اکثر ان سے علمی موضوعات پر بات چیت ہوتی۔ وہ میرے ہر سوال کا علمی ونقلی اور عقلی جواب دیتے۔ تاریخی و سیاسی حالات پر گفتگو ہوتی۔ کئی مذہبی وسیاسی تحریکوں کے خدّ وخال اور ان کے مستقبل پر بھی بات چیت ہوتی۔ سیاسی حالات میں وہ اکثر مجھ ناچیز کی رائے سے اتفاق فرماتے اور کہتے کہ چونکہ تمہارا خاندان تاریخی اعتبار سے سیاسی ہے اس لئے میں تمہاری رائے کو

ہی ترجیح دونگا۔ ہمارا ماہنامہ ''ملیہ'' ان کو ہر ماہ بھجوایا جاتا تھا، وہ اس کا بغور مطالعہ فرماتے، جب میری ان کے ہاں حاضری ہوتی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ میرے ہر اداریے کو از بر کئے ہوئے ہیں۔ وہ ہر ماہ کے ملیہ کے مضمون کا حوالہ دے کر بات فرماتے۔

جس دور میں پاکستان میں دفاع اور مدحِ صحابہ کی تحریک عروج پر تھی تو ان دنوں میں بہت قتل عام ہو رہا تھا۔ دونوں گروہوں میں سخت ٹکراؤ تھا۔ اصل میں یہ تحریک ہمارے ایک ہمسایہ ملک میں مسلکی انقلاب کے بعد شروع ہوئی تھی، چونکہ ان لوگوں نے اپنے مسلک کے نفاذ کے نام پر ہمارے ملک میں ایک تنظیم بھی بنا ڈالی تھی۔ اس کے بعد اس مسلک کے لوگ بڑی تیزی سے سرگرم ہو گئے تھے۔ جس کے جواب میں ہمارے ہاں بھی ایک تحریک اٹھی۔ یوں پورا ملک قتل وغارت اور بم دھماکوں کا مرکز بن گیا۔ جس کی وجہ سے عوام الناس کے ساتھ ساتھ بڑی تعداد میں اہل علم شہید کر دیئے گئے۔ جبکہ مخالف مسلک کے بھنگی چرسی مارے گئے۔ ہمارا ہمسایہ ملک اپنے مسلک کے نفاذ کے لئے ہر ممکن اقدام کر رہا تھا۔ اس کی طرف سے یہاں دامے، درمے، سخنے، قدمے اپنے ہم مسلکوں کی امداد کی جارہی تھی۔ جبکہ صحابہؓ کا دفاع کرنے والے بے سروسامان اور غیر منظّم تھے۔ ان پر بھی الزام تھا کہ ان کی بھی غیر ملک سے فنڈنگ ہو رہی ہے۔ مگر یہ الزام تک ہی بات تھی۔ انہی دنوں میں ایک دفعہ حضرت علامہ صاحبؒ کے پاس میری حاضری ہوئی تو انہوں نے مجھ سے ان دونوں تحریکوں کے ٹکراؤ اور ان کے مستقبل کے بارے میں بات کی تو میں نے عرض کیا کہ ایک طرف تنظیم ہے دوسری طرف تحریک۔ تنظیم کی باقاعدہ سرپرستی ایک ہمسایہ ملک کی طرف سے ہو رہی ہے جبکہ تحریک والے بے سروسامان ہیں۔ انہوں نے وضاحت چاہی۔ تو میں نے عرض کیا جو تنظیم ہوتی ہے وہ منظّم ہوتی ہے، اس کا ہر قدم منصوبہ بندی کے ساتھ ہوتا ہے، اس لئے انہوں نے اپنے مہرے بڑے سلیقہ سے مختلف جگہوں پر متعین کئے ہوتے ہیں۔ وہ مہرے اپنے منتظمین کے حکم واشارے پر چلتے ہیں۔ ان میں اگر کوئی مہرہ اپنی مرضی پر چلتا ہے یا اصولوں کی خلاف ورزی کرتا ہے، تو اُسے وہاں سے ہٹا کر دوسرے کو متعین کر دیا جاتا ہے، اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ جبکہ تحریک خودرَو پودوں کا ایک جھمگھٹا ہوتی ہے، جس میں نظم و نسق کا فقدان ہوتا ہے، جس میں ہر شخص اپنی مرضی سے قدم اٹھاتا ہے، اس میں ہر ایک انگارہ ہوتا ہے اور ہر سرُ ڈا اپنے آپ کو مینارہ سمجھتا ہے۔ اگر اس کو تنبیہ کی جائے تو وہ اپنوں ہی سے لڑنے پر اتر آتا ہے۔ اسی لئے تحریکوں میں غیر ذمہ داروں کی فوجِ ظفر موجود ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ملک کے مقتدر ادارے اس تحریک سے نہ صرف متنفر ہو جاتے ہیں، بلکہ ان کی بات سننے کے بھی روادار نہیں ہوتے۔ تحریک والوں کو چاہیے کہ اور کچھ نہیں تو اپنے مسلک کی کسی بڑی سیاسی جماعت کی حمایت حاصل کریں۔ ورنہ تحریکیں کچھ عرصہ کے بعد عملاً ختم ہو جاتی ہیں۔ میں نے مثالاً عرض کیا کہ تقسیم ہند سے پہلے مسلمانوں کی بقا کے لئے مجلس احرار اسلام کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اگرچہ اس سے پہلے جمعیۃ علماء ہند موجود تھی، مگر وہ ابھی علماء کی حد تک ہی تھی، عوامی سطح پر اس کی پذیرائی نہ تھی، چنانچہ بزرگوں کے مشورے سے مجلس احرار اسلام بنائی گئی۔ مگر اس کی پشت پر جمعیۃ علماء ہند اور انڈین نیشنل کانگریس تھی، اس لئے جب بھی کوئی مشکل پیدا ہوتی تو جمعیۃ علماء ہند مجلس احرار اسلام کے ساتھ ہوتی۔ ایک شخص دونوں جماعتوں کا رکن ہو سکتا تھا۔ جب تک یہ سلسلہ چلتا رہا اس وقت تک مجلس احرار کی ساکھ رہی۔ پھر ایک وقت آیا کہ مجلس احرار کے ایک اقلیتی گرپ نے

یہ قرارداد منظور کر لی کہ مجلس احرار کا کوئی رکن کسی دوسری جماعت کا رکن نہیں بن سکتا۔ چنانچہ اس وجہ سے رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ سمیت کئی حضرات مجلس احرار چھوڑ گئے۔ گویا جب جمعیۃ علماء سے دوری اختیار کی تو مجلس احرار اسلام کی ساکھ ختم ہوگئی۔ اسی طرح موجودہ تحریک مدح صحابہؓ یا دفاع صحابہؓ چلانے والے اصحاب کو چاہیے کہ وہ سیاسی سطح پر اپنی علیحدہ روش پر نہ چلیں مسلکی طور پر اپنا کام جاری رکھیں مگر سیاسی طور پر جمعیۃ علماء اسلام کے علاوہ نہ سوچیں کیونکہ ماضی میں بھی جمعیۃ کا ملکی سیاست میں ایک مؤثر کردار رہا ہے اور اب بھی ہے۔ حضرت علامہ صاحبؒ نے میری اس بات سے اتفاق فرمایا۔

کچھ عرصہ قبل حضرت علامہ صاحبؒ سے ایک ملمّع ساز قصہ گو واعظ (۱) کے متعلق بات ہوئی جو کہ دیوبندیت اور تبلیغی جماعت کی آڑ میں ہمارے مسلک کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔ حضرت علامہ صاحبؒ بہت رنجیدہ تھے، فرمایا کہ ایک دفعہ میرے پاس ان واعظ صاحب کے چاہنے والے آئے اور تقاضا کیا کہ واعظِ موصوف کا بیان میں اپنی مسجد میں کراؤں، میں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ واعظِ موصوف ایسا اونچا بیان فرماتے ہیں جو کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا تو عوام الناس کی سمجھ میں کیا آئے گا؟ میں نے عرض کیا کہ پہلے جب عوام الناس مکفّرین صحابہؓ کے بیانات سنتے تھے تو ہمیں آ کر پوچھا کرتے تھے کہ صحابہ مسلمان ہیں یا کافر؟ مگر جب سے پاکستان میں تحریک مدح صحابہؓ اور دفاع صحابہؓ چلی ہے تو اب عوام الناس پوچھنے لگے ہیں کہ مکفّرین صحابہ مسلمان ہیں یا کافر؟ مگر یہ ملمّع ساز قصہ گو واعظ اس تحریک کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے اسے جاہل خطیبوں کی خباثت کا نام دے کر اب مکفّرین صحابہؓ کے ایمان کا جھنڈا ہاتھ میں لئے لئے دنیا میں گھوم رہے ہیں۔ اس پر حضرت علامہ صاحبؒ نے مجھے فرمایا کہ تم اپنے قلم کے ذریعہ ان کی گرفت کرو، چنانچہ اس کے بعد میں نے یہ کام شروع کر دیا۔

تحریک دفاع صحابہؓ جن دنوں زوروں پر تھی اور مکفّرینِ صحابہؓ کے خلاف تکفیر کے نعرے بلند ہو رہے تھے، اس پر میں نے حضرت علامہ صاحبؒ سے مکفّرین صحابہؓ کے کفر و اسلام کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کی عظمت کے متعلق اللہ نے قرآن میں فیصلہ صادر کر دیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے متعلق جو جیسا نظریہ رکھتا ہے ویسا ہی اللہ نے اس کے متعلق حکم دیا ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب فرمایا کہ ''آمنوا کما آمن الناس'' ایمان لاؤ جیسے دوسرے لوگ (صحابہؓ) لائے، تو منافقین نے کہا تھا ''انؤمن کما آمن السفهاء''۔ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسے یہ بیوقوف لائے؟ تو اللہ نے جواب میں فرمایا ''الا انهم هم السفهاء ولكن لا يعلمون''۔ یاد رکھو! وہی لوگ بیوقوف ہیں لیکن علم نہیں رکھتے۔ گویا منافقین کا جیسا صحابہ کرامؓ کے متعلق گمان تھا ویسا ہی فتویٰ اللہ نے ان کے خلاف دیا۔ اب اگر کوئی صحابہؓ کے متعلق بیوقوف والا ذہن رکھے گا تو وہ اللہ کے فتوے کے مطابق بیوقوف ہوگا۔ بالکل اسی طرح جو صحابہؓ کے متعلق کافر ہونے کا نظریہ رکھے گا تو وہ بھی قرآن کے فتوے کے مطابق کافر ہی ٹھہرایا جائے گا۔ میں عرض نے کی کہ آپ اس بات کو عوام الناس میں بھی بیان فرمائیں تو انہوں نے وعدہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت علامہ صاحبؒ نے حسبِ وعدہ باقاعدہ ایک بیان میں یہ بات فرما دی جو کہ یوٹیوب پر موجود ہے۔

---

(۱) مولانا طارق جمیل، جو فتنہ وحدت ادیان کا شکار ہیں اور حب روافض میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔ [ادارہ]

۲۰۰۱ء کے شروع میں میرا امریکہ جانا ہوا، اس سے پہلے بھی مختلف اوقات میں امریکہ جانا ہوتا رہا، میری عادت تھی کہ میں امریکہ جاتے ہوئے راستے میں کچھ دنوں کے لئے برطانیہ ضرور اُترتا تھا، اس دفعہ بھی ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ حسب عادت حضرت علامہ صاحبؒ کے ہاں بھی حاضری دی۔ باتوں باتوں میں افغانستان کے حالات کا تذکرہ شروع ہوگیا۔ اس سے کچھ عرصہ قبل افغانستان میں طالبان کی حکومت نے غزنی میں بُدھا کے مجسمے توڑ ڈالے تھے، جس پر پوری دنیا میں کھلبلی مچی ہوئی تھیں۔ سیکولر اور لبرل طبقہ اس کی مذمت میں پیش پیش تھا اور دینی طبقہ خصوصاً علماء کرام اس عمل کی داد دے رہے تھے۔ بہت سے لوگوں نے یہ بات بھی اُٹھائی تھی کہ محمود غزنویؒ بذاتِ خود بُت شکن تھے مگر پھر بھی انہوں نے اپنے دور میں یہ مجسمے نہیں توڑے، اب طالبان کو یہ مجسمے توڑنے کی کیا ضرورت تھی؟۔ اگر اچھے نہیں لگتے تھے تو کسی ملک کو بیچ دیتے۔ اس پر ملا عمرؒ کا یہ بیان مشہور ہوگیا کہ مسلمان بُت فروش نہیں بُت شکن ہوتا ہے۔ اس پر حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ نے میری رائے بھی مانگی۔ میں نے اُن سے عرض کیا کہ اس بحث سے قطع نظر کہ انہیں بیچ دینا چاہیے تھا یا توڑ دینا چاہیے تھا مگر طالبان کا یہ عمل ایک مستحسن اقدام ہے، اس کی کوئی مسلمان مخالفت نہیں کرسکتا مگر مسئلہ یہ ہے کہ یہ مستحسن اقدام کسی دوسرے وقت کے لئے اٹھائے رکھا جاتا۔ جہاں تک میرا خیال ہے جو کہ حتمی نہیں وہ یہ کہ اُسامہ بن لادن کے معاملے میں امریکہ کے ساتھ طالبان کا کچھ تنازع چل رہا ہے، ہوسکتا ہے کہ کل وہ طالبان کے خلاف کوئی کاروائی کا سوچے۔ افغانستان کا ایک ہمسایہ ملک چین بھی ہے، جو کہ بدھ مذہب کے ماننے والوں کا ملک ہے۔ لگتا ہے کہ طالبان کے کچھ نادان دوستوں کے ذریعہ ان کے جذبات اُبھار کر امریکہ نے یہ کارروائی کروائی ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ آنے والے وقت میں امریکہ طالبان کے خلاف کوئی بڑی کارروائی کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے طالبان کے اس عمل کے ذریعہ امریکہ نے چین کو باور کروادیا ہے کہ اگر طالبان کے خلاف کوئی کارروائی ہو تو وہ غیر جانبدار رہے۔ میری اس رائے پر حضرت علامہ صاحب نے میری حوصلہ افزائی نہیں کی۔ بات ختم ہوگئی۔ پھر میں امریکہ چلا گیا۔ میں دو ماہ کے بعد واپس برطانیہ آ گیا۔ میں ان دنوں سکاٹ لینڈ میں اپنے ایک دوست کے ہاں مقیم تھا کہ گیارہ ستمبر کے دن ظہر کی نماز پڑھ کر میں لیٹا ہوا تھا کہ تقریباً شام کے تین بجے میرے دوست نے مجھے زور سے جھنجھوڑ کر جگایا اور حواس باختہ حالت میں کہنے لگا کہ نیویارک کے دو بڑے ٹاوروں سے کسی نے جہاز ٹکرا دیئے ہیں ،جس کی وجہ سے وہ دونوں ٹاورز میں بوس ہوگئے ہیں۔ میں ہڑ بڑا کر اٹھ گیا۔ میں نے پوچھا کہ کس نے یہ کام کیا ہے؟ اس نے کہا ابھی تو کسی کا نام نہیں لیا جار ہا البتہ ''اسلامک ٹیرارِسٹ'' کے نام سے میڈیا پر شور برپا ہے۔ کچھ ہی دیر کے بعد اُسامہ بن لادن کا نام گونجنے لگا۔ مختصر یہ کہ پھر سات اکتوبر کو نیٹو کی فوجوں نے افغانستان پر حملہ کردیا جس کی حمایت چین نے بھی کی۔ اس حملے کے کچھ ہی دن کے بعد میں مانچسٹر میں حضرت علامہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو وہ بڑے تپاک سے ملے، بیٹھتے ہی فرمانے لگے کہ تمہارا کہا ہوا سچ نکلا، تمہارے کہنے کے مطابق امریکہ نے جو چال چلی تھی وہ کامیاب ہوگئی۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ انہوں نے مجھے میری بات یاد دلائی جو کہ کچھ ہی عرصہ قبل بدھا کے مجسمے توڑنے کے متعلق میں نے کہی تھی۔ سچی بات ہے کہ اس وقت میرا خیال اس طرف نہیں گیا تھا، مگر حضرت علامہ صاحبؒ کے یاد دلانے پر مجھے یاد آیا۔ اس وقت حضرت علامہ صاحبؒ بہت گھبرائے

ہوئے تھے، میں نے ان سے عرض کیا کہ فکر نہ کریں یہ خوف کی فضا جلد یا بدیر چھٹ جائے گی۔اور نیٹو افواج پسپا ہو جائیں گی۔اس کے بعد حضرت علامہ صاحبؒ میری ہر حاضری میں میری باتوں پر توجہ فرمایا کرتے تھے۔

۲۰۰۵ء میں ہم نے ''ماہنامہ ملیہ'' کے نام سے جریدہ جاری کیا۔اس کی ایک کاپی ہر ماہ حضرت علامہ صاحبؒ کو بھی بھیجی جاتی۔میں جب بھی حاضر ہوتا تو فرماتے کہ میں تمہارا اداریہ باقاعدہ پڑھتا ہوں۔اس میں تاریخی معلومات کے ساتھ ساتھ جو عالمی سیاسی حالات پر تمہارا تجزیہ ہوتا ہے وہ قابل داد ہے۔

ایک دفعہ مکاتیب رئیس الاحرارؒ میں سے ''ماہنامہ ملیہ'' میں ایک خط شائع کیا گیا جو کہ رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کو لکھا تھا۔جس میں ان کی نئی نئی شائع ہونے والی کتاب ''الجہاد فی الاسلام'' کی کچھ تعریف کی گئی تھی۔اس پر وہ بڑی تشویش میں مبتلا ہو گئے، ایک ملاقات میں فرمانے لگے کہ اس خط کی اشاعت سے ہمارے اس موقف میں کمزوری پیدا ہو گی جو کہ مودودی صاحب مرحوم کے متعلق ہے۔میں نے عرض کیا کہ فکر نہ کریں یہ پہلا مکتوب ہے ،اس کے بعد میں آنے والے مکتوبات اس تاثر کی خود بخود نفی کر دیں گے۔میں نے یہ بتایا کہ مودودی صاحب مرحوم کا سب سے پہلے تعارف ''سہ روزہ اخبار الجمعیۃ دہلی'' سے ہوا۔مودودی صاحب کو اس کام کے لئے رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے ہی حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہؒ مرحوم سے متعارف کروایا تھا۔یہ اخبار جمعیۃ علماء ہند کا ترجمان تھا۔مودودی صاحب ۱۹۲۵ء سے لے کر ۱۹۲۸ء تک ''الجمعیۃ'' کے ایڈیٹر رہے، پھر وہ اچانک حیدرآباد دکن چلے گئے۔ان کی جگہ ہلال احمد زبیری ''الجمعیۃ'' کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔مودودی صاحب اس کے بعد کافی عرصہ تک گم رہے، پھر وہ اپنے رسالہ ''ماہنامہ ترجمان القرآن'' کے ذریعہ منظر عام پر آئے۔اس رسالہ کے رئیس الاحرارؒ باقاعدہ خریدار تھے، مگر اس رسالہ میں منکر حدیث غلام احمد پرویز کے مضامین شائع ہوتے تھے، جس کی وجہ سے عام مسلمانوں کے عقائد پر اثر ہوسکتا تھا، اس پر مودودی صاحب کو رئیس الاحرارؒ نے تنبیہی خط بھی لکھا، لیکن ان پر اس کا اثر نہیں ہوا، اس لئے رئیس الاحرارؒ نے وہ رسالہ بند کرا دیا۔

ایک دفعہ تحریک ختم نبوت کے متعلق بات چل پڑی۔اصل میں ۱۹۹۷ء میں راقم نے حضرت سید نفیس الحسینیؒ کے مشورے پر تحریک ختم نبوت میں اپنے خاندان کے اکابر کی خدمات پر ایک کتاب مرتب کی۔اس کا نام ''مرزا غلام احمد قادیانی کے ارتداد پر سب سے پہلا فتوائے تکفیر علماء لدھیانہ نے دیا'' حضرت سید نفیس الحسینیؒ صاحب نے ہی رکھا تھا۔یہ کتاب حضرت علامہ صاحبؒ کی خدمت میں پیش کی تو فرمایا کہ شکر ہے کہ اب تحریک ختم نبوت کے اصل تاریخی حقائق کھل کر آ گئے۔میں نے عرض کیا کہ مجھے اس پر حیرانی ہے کہ تحریک ختم نبوت کے معاملہ میں غیروں کو تو چھوڑیئے، ہمارے اپنوں ہی نے اس کا بلیک آؤٹ کیا ہوا ہے۔کوئی بھی اس سلسلہ میں ہمارے خاندان کا تذکرہ کرنے کے لئے تیار نہیں۔خصوصاً رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کا نام لینا تو گناہ سمجھا جاتا ہے، جنہوں نے ہندوستان میں تحریک ختم نبوت میں قائدانہ کردار ادا کیا۔اس سلسلہ میں کسی بھی بزرگ کے قلم و زبان میں جنبش تک نہیں ہوتی۔نئی نسل کو تو اس کا علم کیسے ہوسکتا ہے؟ اس پر علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ چونکہ وہ تقسیم ہند کے مخالف

تھے شاید اس ڈر کی وجہ سے ذکر نہ کرتے ہوں۔میں نے عرض کیا کہ اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی ان حضرات کا ڈر نہیں اُترا؟ دوسری بات یہ ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ بھی تقسیم ہند کے مخالف تھے،مگر ان کا ذکر تو برسر عام اکثر ہوتا ہے،اس پر کسی کو ڈر نہیں لگتا۔اس پر علامہ صاحبؒ فرمانے لگے کہ تمہارا شکوہ بجا ہے، یہ میرے بس میں ہوتا تو ضرور کچھ کرتا،البتہ میں نے کئی جگہ تذکرہ کیا ہے،خصوصاً مرزا قادیانی پر کفر کے فتوے کے معاملہ میں علماء دیو بند پر علماء لدھیانہ کے' تفوق اور' تفقہ فی الدین'' کے معاملہ میں لکھا ہے۔میں نے عرض کیا کہ علماء لدھیانہ ۱۸۲۰ء سے ہی دینی، علمی اور سیاسی محاذ پر کام کرتے چلے آرہے ہیں،حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد میں بھرپور مالی امداد کی،اس کے لئے حضرت سید احمد شہیدؒ کی اہلیہؒ نے ہمارے خاندان کے جدّ امجد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر لدھیانویؒ کو خطوط لکھے تھے۔۱۸۲۵ء میں انہوں نے لدھیانہ میں ''مدرسہ اللہ والا'' بھی قائم کیا تھا،جس میں اُس دور میں سیکڑوں طلبہ علم دین حاصل کیا کرتے تھے۔پھر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حضرت مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ اپنے بیٹوں کے ہمراہ لدھیانہ سے باقاعدہ اپنی فوج لے کر دہلی میں جہاد کے لئے گئے اور وہاں فتویٰ فرضیت جہاد مرتب کیا،اس دوران انگریز نے یہ مدرسہ بند کر دیا تھا۔مولانا غلام رسول مہر مرحوم نے اپنی کتاب ''جنگ آزادی'' اور غیر مقلّدین کے سرخیل مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے اپنے رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔پھر ۱۸۶۱ء میں عام معافی کے اعلان کے بعد علماء لدھیانہ نے اس مدرسہ کو دوبارہ جاری کر دیا تھا۔دارالعلوم دیو بند کا تو بعد میں معرض وجود میں آیا، یہ تو ۱۸۶۷ء میں قائم ہوا۔لدھیانہ کے مدرسہ ''اللہ والا'' میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ پڑھتے رہے،رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے اپنی یادداشتوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے کہ میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی گود میں کھیلتا رہا ہوں۔علم منطق کی مشہور کتاب شرح ملّا کے مصنف حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ اور نقیب انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ بھی اسی مدرسہ میں پڑھتے رہے ہیں۔مشہور شاعر مولانا حسرت موہانیؒ تو ہمارے پڑدادا رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے والد حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے ہم سبق ساتھی تھے،مولانا موہانیؒ نے تو اپنا ایک دیوان بھی مولانا محمد زکریاؒ کے نام سے منسوب کیا ہے۔

حضرت علامہ صاحبؒ میں ایک بات خصوصی طور پر میں نے دیکھی کہ ان کی مجلس میں کبھی کوئی غیر اخلاقی بات نہیں ہوتی تھی۔نہ کبھی مزاح میں اور نہ ہی کبھی غصہ میں۔جو بات بھی کرتے ناپ تول کر کرتے تھے،تاکہ بعد میں پشیمانی نہ ہو۔ایک دفعہ کسی بات پر میں نے ان سے کہہ دیا کہ فلاں آدمی نے آپ سے معذرت کا پیغام دیا ہے،تو فوراً بولے کہ معذرت کا تعلق معذوری سے ہے مگر وہ تو معذور نہیں ہیں۔فرمایا کہ وہ صحیح وسلامت ہیں، ان کے سارے اعضاء بھی صحیح ہیں، ذہن بھی صحیح و سلامت ہے پھر معذوری کیسی؟ معذوری تو بیچارگی کا دوسرا نام ہے، گویا کہ معذور ہونے کی وجہ سے ترس کھایا جائے۔ایسے حالات میں معافی کا لفظ بولا جاتا ہے۔

ترک تقلید کے فتنے پر وہ کافی سنجیدہ تھے، جب بھی میں ان کو میں کوئی ایسی بات کہتا جس سے ترک تقلید والوں کی نفی ہوتی

تو خوش ہوتے۔ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ امریکہ میں ایک غیر مسلم مسلمان ہوا۔اس سے اگلے سال جب میں وہاں گیا تو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں بخاری شریف ہے۔میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟اس نے کہا کہ بخاری! پھر میں نے زور دے کر کہا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے یہی جواب دیا کہ بخاری! میں نے کہا کہ تمہیں پتہ ہے کہ اس میں کیا ہے؟اس نے کہا کہ اس میں مسائل ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ تو مسائل کی کتاب نہیں،تو وہ حیران ہوکر میرے منہ کی طرف دیکھنے لگا،میں نے کہا کہ میرے بھائی یہ مسائل کی کتاب نہیں،واقعات کی کتاب ہے،اس میں درج ہے کہ میں نے فلاں سے سنا اس نے فلاں سے سنا اس نے فلاں سے سنا کہ اللہ کے نبی نے یہ فرمایا،اللہ کے نبی نے یوں کیا۔اس میں تو واقعات درج ہیں،مسائل کا تعلق سنت سے ہے حدیث سے نہیں،ہر حدیث میں سنت نہیں مگر ہر سنت میں حدیث ہے۔پھر وہ مجھے گھورنے لگا۔میں نے کہا کہ ہمارے ہاں بخاری شریف کا بہت اونچا مقام ہے۔بخاری شریف ہمارے ہاں سب سے آخر میں پڑھائی جاتی ہے۔احادیث کی کتابوں کو سمجھنے سے پہلے آٹھ سال تک ہمیں مختلف علوم پڑھائے جاتے ہیں۔علم الصرف،علم النحو،علم المنطق،علم الکلام،فقہ،اصول فقہ،اصول حدیث،تفسیر،اصول تفسیر،علم البلاغۃ،علم المعانی وغیرہ پڑھانے کے بعد ہمارے سامنے بخاری شریف رکھی جاتی ہے،کہ اب سمجھو کہ امام بخاریؒ کیا کہنا چاہتے ہیں۔تمہیں جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے اور اپنے ہاتھ میں بخاری پکڑے ہوئے ہو۔ایسی حالت میں بخاری لئے پھرنا سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں۔اس نے کہا چونکہ یہ صحیح احادیث کا مجموعہ ہے اس کے مقابلے میں باقی کتابوں میں ضعیف احادیث ہوتی ہیں،اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اسی میں سے دیکھ کر مسائل لئے جائیں۔میں نے کہا کہ تمہیں پتہ بھی ہے کہ ضعیف یا صحیح کی اصطلاحات کب شروع ہوئیں؟ چاروں ئمہ کے گزر جانے کے بعد،وہ ائمہ حضرات صحیح یا ضعیف کے چکر میں نہیں پڑتے تھے،ان کے ہاں راجح ومرجوح کا معاملہ ہوتا تھا۔اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ جہاں پر یہ چاروں ائمہ متفق ہوں وہاں کسی صحیح حدیث پر بھی عمل نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ ائمہ کرام محدثین کے زمانے سے پہلے گزرے ہیں۔ان ائمہ کرام کا زمانہ محدثین کے زمانہ کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کے زیادہ قریب ہے۔محدثین کرام ان ائمہ اربعہ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں،اس لئے ان کو ان ائمہ کرام پر فوقیت نہیں دی جاسکتی۔ان ائمہ کرام نے اپنے طور پر احادیث کی چھان پھٹک کر کے فقہ کی تدوین کی۔محدثین کرامؒ نے صحیح وضعیف میں تفریق کی بنیاد اس لئے رکھی کہ ان تک راویوں کی تعداد ائمہ اربعہ کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی،اس لئے اس میں سچ اور جھوٹ کی ملاوٹ کا اندیشہ تھا،بس اسی احتیاط کو محدّثین نے مدّنظر رکھا۔مثلاً تراویح کی بیس رکعات یا طلاق ثلاثہ۔اب اگر کوئی یہاں ضعیف وصحیح کے چکر میں پڑے گا تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔میں نے کہا کہ احادیث میں سے مسائل کا نکالنا علماء کا کام ہے ہر ایک کا نہیں۔اس پر وہ مطمئن ہوگیا۔پھر میں نے یہی مضمون رات کو تراویح کے بعد بیان کیا،اس کا فائدہ یہ ہوا کہ عام آدمیوں کے بھی کئی شبہات دور ہوگئے۔

اسی طرح ایک مرتبہ رمضان المبارک میں امریکہ میں ایک اجتماع سے میں بیان کررہا تھا کہ ایک صاحب نے رویئت ہلال کی شہادت کے متعلق سوال کیا کہ علماء اسلام دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی گواہی کی بات کرتے

ہیں یہ صرف مالیاتی امور میں ہے باقی معاملات میں نہیں، اس نے کہا کہ احادیث میں ایک صحابیؓ کی گواہی لیتے ہیں، عورتوں میں حضرت عائشہؓ کی مثال دی کہ ان سے کتنی روایات مروی ہیں، ہم ان کی ایک گواہی پر کتنے مسائل حل کرتے ہیں، اس لئے اگر کسی ایک مرد یا ایک عورت نے چاند دیکھ لیا تو ایک ہی کی یہ گواہی کافی ہونی چاہیے۔ میں ایسے سوال کے جواب کے لئے تیار نہ تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد میں نے جواب دیا کہ حدیث گواہی کا نام نہیں یہ تو خبر ہے، اسی لئے محدثین حدثنا یا اخبرنا کہتے ہیں، اشھدنا نہیں کہتے۔ اسی لئے حدیث کو خبر واحد کہا جاتا ہے گواہی نہیں۔ اس پر علامہ صاحبؒ بہت مسرور ہوئے انہوں نے فرمایا کہ یہ جواب برمحل تھے، عام علماء ایسے جواب نہیں دے سکتے۔

حضرت علامہ صاحبؒ سے ایک ملاقات میں عرض کیا کہ ایک دفعہ میں امریکہ گیا تو نیو یارک میں ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ تم علامہ خالد محمود کو جانتے ہو؟ میں نے ان صاحب سے پوچھا کہ تم بتاؤ انہیں کیسے جانتے ہو؟ تو اس نے کہا کہ کچھ عرصہ قبل وہ امریکہ آئے تھے۔ پھر میں نے بھی کہا ہاں میں انہیں جانتا ہوں۔ تو ان صاحب نے کہا کہ وہ شخص مشرک ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ تو اس نے کہا کہ ان کے بیانات سے شرک کی بُو آتی ہے۔ میں نے پوچھا کہ مشرک کسے کہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ جو ایک کا نہ ہو، میں نے کہا کہ وہ تو ایک کے ہیں۔ وہ کہنے لگا کہ وہ کیسے؟ میں نے کہا کہ میں تمہیں مثال دے کر سمجھاتا ہوں، وہ یوں کہ ایک دفعہ ایک غیر مقلد عالم اور حنفی عالم کے درمیان مناظرہ طے پا گیا، پھر وہ دونوں ایک تانگے پر بیٹھے ہوئے مقام مناظرہ کی طرف چل پڑے۔ اُس دور میں آجکل کی طرح نفرت وغیرہ نہیں ہوا کرتی تھی، مناظرین حضرات اکٹھے مناظرے کے لئے جاتے اور اکٹھے ہی مناظرے کے بعد واپس لوٹ جاتے تھے۔ قوم ہی لڑا کرتی تھی مناظرین نہیں۔ تو جب وہ دونوں مناظر لاہور کے بازار حسن کے قریب سے گزرے تو غیر مقلد مناظر نے چڑانے کے لئے حنفی مناظر سے کہا کہ ''اس بازار میں بیٹھنے والیاں امام ابوحنیفہؒ کی مقلد ہیں، اس پر حنفی مناظر نے کہا کہ چلو ان کے پاس چلتے ہیں اگر تو وہ ایک ہی کی ہیں تو حنفیہ ہوں گی اور اگر ایک کی نہ ہوئیں تو وہ تمہارے مسلک کی ہونگی'' میں نے یہ کہہ کر اس شخص سے پوچھا کہ اس کا جواب کیا ہوسکتا ہے؟ وہ کھسیانا سا ہوگیا۔ میں نے کہا کہ اللہ نے قرآن پاک میں دو قسم کے شرک بیان کئے ہیں، ایک شرک فی الخالق دوسرا شرک فی المخلوق'' فرمایا کہ ''الزانی لاینکح الا زانیة او مشرکة والزانیة لاینکحها الا زان او مشـــــرك'' پھر میں نے کہا کہ اس میں زنا اور شرک کو ایک ہی زمرے میں شمار کیا گیا ہے، پھر میں نے پوچھا کہ تم بتاؤ علامہ صاحب ان دونوں شرکوں میں سے کس شرک میں مبتلا ہیں؟ اس پر وہ خاموش ہوگیا۔

میں نے عرض کیا کہ کافی عرصہ قبل ایک دفعہ میرا کینیڈا کے شہر ٹورینٹو جانا ہوا، وہاں ایک ہال میں میرا بیان تھا، وہاں جا کر پتہ چلا کہ کچھ اور لوگوں کے بھی بیانات ہیں، سب سے آخر میں میرا بیان تھا، مجھ سے پہلے ایک مشہور غیر مقلدہ خطیبہ خاتون (جن کے ٹی وی پر بیانات ہوتے ہیں اور ان کی کیسٹیں بھی ملتی ہیں) کے شوہر کا بیان تھا، جن کا دعویٰ تھا کہ وہ قاسم العلوم ملتان سے فارغ ہیں۔ انہوں نے سیرت پر بیان کرتے کرتے اچانک تقلید کا مسئلہ چھیڑ دیا، جس میں کہنے لگے ''تقلید'' لفظ ''قلادہ'' سے نکلی ہے اور

قلادہ اردو یا پنجابی میں پٹے کو کہتے ہیں اور پٹہ جانور کو ڈالا جاتا ہے، اور ایک مخصوص جانور کے لئے پٹے کا لفظ بولا جاتا ہے۔ پھر کہنے لگے کہ اس پٹے سے بہتر ہے کہ آدمی اپنی سوچ آزاد رکھے۔

ان کے بیان کے بعد میرا بیان تھا، میں نے اپنا بیان انہی صاحب کے ان چھوڑے ہوئے الفاظ سے شروع کیا۔ میں نے کہا کہ جس جانور کی طرف موصوف نے اشارہ کیا ہے وہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک پٹے والا اور دوسرا بغیر پٹے کے ہوتا ہے۔ موصوف نے پٹے والے جانور کا تو ذکر کر دیا مگر بغیر پٹے کے جانور کا ذکر نہیں کیا۔ یہ نہیں بتایا کہ پٹے والے اور بغیر پٹے والے جانور کی معاشرے میں کیا وقعت ہوتی ہے؟ وہ میں بتا دیتا ہوں۔ میں نے کہا کہ جو پٹے والا ہوتا ہے وہ قانونی ہوتا ہے اور جو بغیر پٹے کے ہوتا ہے وہ غیر قانونی ہوتا ہے۔ جو بغیر پٹے کے ہوتا ہے وہ بلا وجہ بھونکتا ہے اور جو پٹے والا ہوتا ہے وہ اس وقت بولتا ہے جب کہ اس کے مالک یا مال کو نقصان کا خطرہ ہو، پٹے والے جانور کا شکار حلال ہے اور بغیر پٹے کے جانور کا شکار حرام ہوتا ہے، پٹے والے جانور کا خیال رکھا جاتا ہے، اس کو اچھا کھانا اچھی رہائش اور اچھی دیکھ بھال کی جاتی ہے، اس کے لئے تو باقاعدہ ڈاکٹر کا انتظام بھی ہوتا ہے، جبکہ بغیر پٹہ کے جانور کو دَرُ دَرُ سے دُرُ دُرُ کہا جاتا ہے اور پتھر مار کر بھگا دیا جاتا ہے، اور اگر قابو میں نہ آئے تو اس کو گولی ماردی جاتی ہے یا میونسل کمیٹی والے اس کو کُچلا (زہر) دے کر مار دیتے ہیں۔ میں ابھی یہاں تک ہی پہنچا تھا تو وہ صاحب خاموشی سے اٹھے اور باہر نکل گئے، تو مجمع میں سے ایک صاحب بولے کہ چھوڑ و مولانا صاحب وہ اپنی اصلیت سن کر بھاگ گیا ہے۔

عمرہ وحج کے لئے سعودی عرب جانا رہتا ہے وہاں پر بعض اوقات وہاں کے علماء سے ملاقات ہوتی ہے اور سوال جواب بھی ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ مدینہ یونیورسٹی میں جانا ہوا تو وہاں کے ایک ذمہ دار سے ملاقات ہوئی۔ اس سے میں نے کچھ سوالات کئے، جس پر وہ فرمانے لگے کہ "احناف کے عقلی استدلال کا ہمارے پاس جواب نہیں"۔ اس پر علامہ صاحبؒ بہت خوش ہوئے فرمایا کہ یہ بات ان سے لکھوا لینی چاہیے تھی۔ میں نے کہا آپ ہوتے تو لکھوا لیتے ہماری اتنی حیثیت کہاں؟

باتوں باتوں میں میں نے عرض کیا کہ میری سمجھ میں نہیں آتی کہ ہمارے علماء آدھے غیر مقلّد ہوتے جارہے ہیں اور آدھے بدعتی۔ ہمارے ہاں دینی مدارس میں دارالحدیث میں ہر حدیث پر بحث کی جاتی ہے اور اپنے مسلک کی حقانیت کے لئے دلائل کے انبار لگا دیتے ہیں مگر عمل کا جب وقت آتا ہے تو دوسرے کے پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جب ہم بیت اللہ یا مسجد نبوی جاتے ہیں تو اپنے تمام دلائل کے باوجود عصر کی نماز احناف کے نزدیک وقت نہ ہونے کے باوجود ان کے پیچھے پڑھتے ہیں، جبکہ ہمارے ہاں اس مسئلے پر بڑی بحث ہوتی ہے۔ ہمارے علماء جو کہ عمرہ اور حج کے لئے گئے ہوتے ہیں یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ہم چونکہ مسافر ہیں اس لئے ہمیں اجازت ہے، اور اس پر فتویٰ بھی ہے، میں کہا کرتا ہوں یہ مفتیٰ بہ قول نہیں ہے، مسافر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کسی گاڑی یا ٹرین میں سفر کر رہے ہیں اور تھوڑی دیر کے وقفے کے لئے راستے میں ٹھہرنا پڑ جائے تو شاید گنجائش ہو مگر جب آپ ایک جگہ اپنا بوریا بستر رکھ لیں اور رہائش اختیار کر لیں تو اجازت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس پر حضرت علامہ صاحبؒ نے مجھ سے اتفاق کیا۔ پھر میں نے کہا کہ یہ ان کی بات تھی جو کہ باہر سے حرمین شریفین جاتے ہیں مگر جو لوگ وہاں

مستقل مقیم ہیں وہ بھی عصر کے وقت کا خیال نہیں رکھتے۔اس پر علامہ صاحبؒ نے ہنس کر کہا کہ انہوں نے کوئی اجتہاد کر لیا ہوگا۔میں نے کہا کہ ہم لوگ اصلی حنفی ہونے کے دعویدار ہیں مگر عملی نہیں،جبکہ وہ لوگ جو کہ ہمارے مخالف مسلک کے ہیں اور حنفی ہونے کے دعویدار ہیں اور ہم ان کو بدعتی کہتے ہیں وہ اس قسم کے مسائل میں پختگی کا مظاہر کرتے ہیں۔میں نے عرض کیا کہ ان لوگوں کے ایک بڑے مولوی صاحب مدینہ منورہ گئے،وہ عصر کی نماز مسجد نبوی میں حنفی مسلک کے مطابق جماعت کی شکل میں پڑھتے تھے۔کسی پاکستانی غیر مقلد نے ان کی شکایت کر دی کہ یہ علیحدہ جماعت کراتے ہیں۔اس پر انہیں گرفتار کر لیا گیا۔یہ مولوی صاحب اُس وقت پاکستان میں شرعی عدالت کے جج تھے۔دوسرے دن قاضی کے سامنے ان کو پیش کیا گیا،گویا کہ قاضی کے سامنے قاضی کو پیش کیا گیا تھا۔قاضیٔ مدینہ نے مولوی صاحب سے عصر کی نماز علیحدہ وقت میں پڑھانے کی وجہ پوچھی تو مولوی صاحب نے قاضی صاحب سے اُلٹا سوال کر دیا کہ میں حنفی ہوں آپ ہی بتائیں کہ آپ کے وقت کے مطابق میری نماز ہو جاتی ہے؟اس پر قاضیٔ مدینہ پریشان ہو گئے،اور کہا کہ نہیں،تو مولوی صاحب نے کہا کہ باقی ساری نمازیں آپ کے پیچھے پڑھتا ہوں کیونکہ باقی نمازوں کے اوقات میں ہمارا اور آپ کا کوئی اختلاف نہیں مگر عصر کے اوقات میں اختلاف ہے اس لئے یہ میری مجبوری ہے۔چنانچہ قاضیٔ مدینہ نے ان مولوی صاحب کو باقاعدہ عصر کی نماز باجماعت حنفی وقت کے مطابق پڑھنے کی اجازت دیدی۔اس پر علامہ صاحبؒ نے فرمایا کہ افسوس یہی ہے کہ ہم ایسا نہیں کرتے۔میں نے کہا کہ اس کا حل ہمارے خاندان کے بزرگوں نے نکالا ہے کہ عصر کی نماز وہاں کے وقت کے مطابق ان کے پیچھے ضرور پڑھیں مگر نیت نفل کی کر لیں اور فرض نماز بعد میں پڑھ لیں،میں بذاتِ خود ایسا ہی کرتا ہوں۔اس پر فرمانے لگے کہ تمہارا خاندان ہندوستان میں حنفیت میں پختگی میں ہمیشہ سب سے آگے رہا ہے۔فرمایا کہ ہندوستان میں جب ترکِ تقلید کے فتنے نے سر اُٹھایا تو سب سے پہلے تمہارے بزرگوں نے اس کی مخالفت کی۔ان کے خلاف فتوے دیئے،ایک رسالہ''**انتظام المساجد باخراج اهل الفتن و المفاسد**'' لکھا،جس سے پورے ہندوستان میں بڑا کام ہوا۔اسی طرح تمہارے خاندان کے ایک بڑے شاگرد حضرت مولانا محمد حسن فیض پوریؒ گزرے ہیں،یہ تمہارے بزرگ حضرت مولانا محمد لدھیانویؒ کے شاگرد تھے،فراغت کے بعد وہ غیر مقلدوں کے نرغے میں آ گئے تو پکّے غیر مقلّد ہو گئے۔پھر وہ اپنے ہی استاذ حضرت مولانا محمد لدھیانویؒ کے پاس آ کر ان سے تقلید پر بحث کرنے لگے،مگر وہ حضرت مولانا محمد لدھیانویؒ کے علمی تبحّر کے سامنے ٹھہر نہیں سکے،چنانچہ بحث میں ناکام ہونے کے بعد وہ پکّے مقلّد ہو گئے۔اور ایسے پکّے مقلّد کہ انہوں نے اس کے بعد غیر مقلّدین کے خلاف ایک کتاب''الدّلیل المبین فی ردّ غیر المقلّدین''،لکھی،جس کا جواب آج تک کوئی نہیں دے سکا۔

میں نے عرض کیا کہ ایک دفعہ رمضان المبارک میں مدینہ منورہ جانا ہوا،نماز تراویح کے بعد میں اور میرا ایک ساتھی مواجہہ شریف پر سلام عرض کرنے کے بعد باہر نکل کر قبلہ جانب سے روضہ اقدس کی طرف منہ کر کے دورد شریف اور سلام عرض کرنے کی نیت سے بیٹھ گئے،کہ اچانک دو مطوّے ہمارے پاس آ دھمکے،ان میں ایک عربی تھا دوسرا پاکستانی،ہم سے کہنے لگے کہ

یہاں سے اٹھ جاؤ، میں نے کہا کہ ہم یہاں کچھ نہیں کر رہے صرف درود شریف پڑھ رہے ہیں، اس نے کہا کہ مسجد میں جاؤ وہاں اس کا ثواب زیادہ ملے گا، میں نے کہا کہ ہم روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے آئے ہیں، مسجد میں تراویح پڑھ کر فارغ ہو گئے ہیں۔ مگر اس نے پھر مسجد جانے پر اصرار کیا اور ساتھ ہی دھمکی دی کہ اگر یہاں سے نہیں اٹھو گے تو میں شُرطے کو بلا کر تمہیں مکتب (یعنی عمّال کے دفتر) لے جاؤں گا۔ میں نے کہا کہ تم ہمیں مسجد جانے کو کہہ رہے ہو مگر تم لوگ تو مسجد میں تراویح بھی پوری نہیں پڑھتے اور آٹھ تراویح پڑھ کر مسجد سے نکل آتے ہو۔ اگر مسجد کا اتنا ہی خیال ہے تو پوری بیس تراویح پڑھا کرو، تو اس پر اس نے کہا کہ بیس تراویح عمرؓ کی بدعت ہے۔ میں نے اُسے وہیں سے پکڑ لیا، میں نے کہا فرمان نبوی ہے ''کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار'' تو پھر حضرت عمرؓ کے متعلق کیا خیال ہے؟ آؤ ہم مکتب جا کر اس بات کا فیصلہ کراتے ہیں۔ اس پر وہ جلدی سے جانے لگا، میں نے کہا کہ اب جاتے کہاں ہو، اب تم اپنے ہی مکتب جانے سے گھبراتے ہو۔ پھر وہ تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ جب ہم وہاں بیٹھے ہوتے تو وہ ہم سے کنّی کترا کر نکل جاتا۔ اس پر حضرت علامہ صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ بڑی جرأت کا کام ہے۔

میں نے بتایا کہ جب میں نے مرزا غلام احمد قادیانی پر سب سے پہلے کفر کے فتوے کے متعلق کتاب لکھی اس میں دلائل اور ثبوتوں کے ساتھ ثابت کیا کہ ''اس کے ارتداد پر سب سے پہلے کفر کا فتویٰ میرے خاندان علماء لدھیانہ نے دیا'' تو اس پر غیر مقلّدین نے بڑے تنقیدی تبصرے کئے اور کہا کہ اصل فتویٰ تو مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے دیا تھا۔ جبکہ میں نے اپنی کتاب میں حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کا اپنا اقرار بھی شائع کیا تھا کہ ان کے بقول یہ نیک کام انہوں نے نہیں کیا بلکہ علماء لدھیانہ نے کیا تھا۔ مگر پھر بھی وہ بضد ہیں کہ نہیں یہ کام مولانا بٹالوی ہی نے کیا ہے۔ تو اب میں نے اس کا ایک حل نکالا ہے، وہ یہ کہ جب بھی کوئی غیر مقلّد مجھے کسی حدیث کا کوئی حوالہ دیتا ہے تو سب سے پہلے میں اس کے سامنے اپنی کتاب رکھ دیتا ہوں اگر تو وہ میری کتاب کے حقائق کو تسلیم کر لیتا ہے تو پھر میں اس کو کہتا ہوں کہ تم حدیث کے بیان کرنے کے اہل ہو اور اگر کوئی انکار کرتا ہے تو میں اس کو کہتا ہوں کہ تم ''دجّال و کذّاب'' ہو تم حدیث بیان کرنے کے اہل نہیں ہو، اس لئے کہ تم ایک سو سال پہلے گزرے ہوئے اپنے ہی محسن اور مکتبۂ فکر اہل حدیث کے مفکر مولانا بٹالوی مرحوم کی بات تسلیم کرنے سے انکاری ہو تو میں چودہ سو سال پہلے بیان کی گئی حدیث پر تمہارا کیسے اعتبار کر لوں؟ ایک دفعہ ایک لطیفہ ہوا، وہ یوں کہ غیر مقلدین کے ایک بہت بڑے مؤرخ و ادیب جو کہ لاہور میں رہتے تھے ان کا انتقال ہو گیا ہے، انہوں نے غیر مقلدین کو چڑھانے کے لئے کئی کتابیں لکھ ماری ہیں، اور تاریخ لکھتے ہوئے انہوں نے کئی بار ڈنڈی بھی ماری ہے، انہوں نے ایک کتاب ''فقہائے ہند'' کے عنوان سے لکھی مگر اس میں انہوں ہمارے خاندان کے اکابر کا ذکر تک نہیں کیا۔ جبکہ ''سلیم التواریخ'' کے مصنف مولوی اکبر علی مرحوم نے لکھا ہے کہ ''ہندوستان میں مولانا محمد لدھیانویؒ جیسا فقیہ نہیں گزرا''۔ (یاد رہے کہ یہ مولانا محمد لدھیانویؒ میرے پردادا کے والد تھے اور انہوں نے ہی مرزا غلام احمد قادیانی پر سب سے پہلے کفر کا فتویٰ دیا تھا)۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے باوجود وہ غیر مقلد مفکر مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک

تھے۔ میں نے ان کا ایک خط بنام حافظ عبدالرشید ارشد مرحوم "مکتبہ رشیدیہ لاہور" اپنی کتاب "تاریخ ختم نبوت" میں بھی شائع کیا ہے، جس سے ان کے اس ذوق کا پتہ چلتا ہے کہ وہ بعض اوقات مزاح میں حقیقت بیان کرتے ہوئے اپنوں سے بھی رعایت نہیں کرتے تھے۔ میری ان سے لاہور میں کئی بار ملاقات بھی ہوئی، وہ بہت ہی انکساری اور احترام سے پیش آتے، کیونکہ وہ ہمارے دادا رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے بڑے مداح تھے۔ ایک دفعہ وہ ایک غیر مقلد دوست کے ہاں فیصل آباد تشریف لائے، ان غیر مقلد دوست کی بڑی نایاب لائبریری تھی، انہوں نے میری کتاب کی اشاعت میں لائبریری سے استفادہ کرنے کا دل کھول کر موقع دیا، ان کا بھی انتقال ہو گیا ہے۔ وہاں غیر مقلدین کے ان مفکر صاحب سے پھر ملاقات ہوگئی، باتوں باتوں میں وہاں مرزا قادیانی پر اوّل فتوائے تکفیر پر بات شروع ہوگئی۔ وہ بضد تھے کہ سب سے پہلے یہ فتویٰ مولانا بٹالوی مرحوم نے دیا ہے۔ میں نے ان کے سامنے مولانا بٹالوی مرحوم کا رسالہ "اشاعۃ السنۃ" رکھ دیا، جس میں مولانا بٹالوی نے لکھا تھا کہ یہ فتویٰ علماء لدھیانہ نے دیا ہے۔ مگر وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ وہاں پر غیر مقلدین کے ایک اور بڑے عالم بھی موجود تھے جو کہ فیصل آباد میں ہی رہتے تھے، انہوں نے بھی ان مفکر صاحب کو سمجھایا کہ مان لیجئے، یہ فتویٰ سب سے پہلے علماء لدھیانہ ہی نے دیا تھا اور یہ حقیقت ہے، مگر پھر بھی وہ اس طرف نہ آئے۔ اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی کے مسلک پر بات چلی جو کہ اس کے دعوائے ارتداد و نبوت سے پہلے کا تھا، کہ وہ غیر مقلد عرفاً (اہل حدیث) تھا، اس پر بھی وہ مفکر صاحب نہ مانے، اس پر وہ فرمانے لگے کہ وہ تو حنفی تھا، میں نے عرض کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی کسی بھی کتاب یا خطاب میں اس کا کوئی ایک جملہ بھی دکھا دیں جس میں اس نے اپنے آپ کو حنفی ظاہر کیا ہو؟ مگر پھر بھی وہ اس پر نہ آئے تو میں نے پھر مولانا بٹالوی مرحوم کا رسالہ "اشاعۃ السنۃ" آگے رکھ دیا جس میں مولانا بٹالوی نے ببانگ دُہل خود اقرار کیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی "اہل حدیث" تھا۔ میں نے کہا کہ آپ لوگ مرزا قادیانی کو حنفی کہتے ہیں جبکہ اس نے کبھی ایسا دعویٰ نہیں کیا، اس کے مقابلے میں مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے خود حنفیت کا دعویٰ کیا ہے مگر آپ لوگ ان پر حنفی ہونے کا فتویٰ نہیں لگاتے بلکہ اس کو چھپا جاتے ہیں۔ مولانا بٹالوی مرحوم خود اپنے رسالہ "اشاعۃ السنۃ" میں لکھتے ہیں: حضرت شیخنا وشیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب شمس العلماء دہلوی بھی ایسے ہی تھے۔ وہ اہلحدیث کے سردار بھی تھے اور حنفی بھی کہلاتے تھے۔ اور حنفی مذہب کی کتب متون وشروح اور فتاویٰ پر فتویٰ دیتے تھے............ اور خاکسار خود اس مشورہ پر عمل کر چکا ہے۔ مجھ سے کوئی میرا مذہب پوچھتا ہے تو میں یہی کہتا ہوں کہ میں اہلحدیث حنفی ہوں۔ (اشاعۃ السنۃ نمبر ۳ جلد ۲۱ ص ۴۷)

میں نے کہا یہ بات مولانا بٹالوی مرحوم نے صرف اپنے لئے ہی نہیں کہی بلکہ اپنے ماننے والوں کو بھی اس کی نصیحت فرمائی، فرماتے ہیں:

آج کل کے بعض اہل حدیث کہلانے والوں میں، نیچریت، مرزائیت، چکڑالویت، معتزلیت و رافضیت پھیلتی جاتی ہے۔ اہل حدیث کے ساتھ لفظ "حنفی" ملانے سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اس لقب کا مصداق، سنی اہل حدیث ہے۔ نہ معتزلی اور نہ مرزائی اور نہ نیچری اور نہ رافضی وغیرہ۔ (اشاعۃ السنہ نمبر ۱۰، ج: ۲۲/ ۳۱۰۔۳۱۱) میں نے یہ رسالہ جات ان کے سامنے بھی پیش

کیے۔مگر پھر بھی وہ اس پر نہ آئے۔میری اس بات کی تصدیق بھی پھر اسی غیر مقلد عالم نے کر دی، پھر بھی وہ نہ مانے۔اس کے بعد وہ مفکر صاحب اپنے ان ہم مسلک غیر مقلد مولوی صاحب کی طرف منہ کر کے فرمانے لگے کہ ''تمہاری بات خبر واحد ہے باقی حضرات اس کے مصدق نہیں''۔اس پر میں نے کہا کہ میں سنا کرتا تھا کہ محدثین بعض راویوں کو ''**انہ دجّال کذّاب**'' کہا کرتے تھے مگر میں نے ایسے لوگوں کا مشاہدہ نہیں کیا تھا مگر آپ کے طرز عمل کو دیکھ کر بے اختیار میرے منہ سے ''دجّال کذاب'' نکل رہا ہے۔اس پر باقی حضرات بھی ہنس پڑے، وہ مفکر صاحب شرمندہ سے ہو گئے۔حضرت علامہ صاحبؒ میری یہ بات سن کر بہت ہنسے اور خوش ہوئے اور فرمایا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔

حضرت علامہ صاحبؒ کے ساتھ اور بھی بہت یادیں وابستہ ہیں، مگر سب نہیں لکھی جاسکتیں، ان شاءاللہ کوشش کرونگا کہ وقتاً فوقتاً لکھتا رہوں۔بہر حال میرا ان باتوں کا لکھنا اپنی علمی قابلیت جتانا نہیں بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ حضرت علامہ صاحبؒ مجھ جیسے ناکارہ کی باتوں کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔حضرت علامہ صاحبؒ سپریم کورٹ کے جج بھی رہے ہیں، بیسیوں دینی و علمی کتابوں کے مصنف تھے۔صدر جنرل محمد ضیاء الحق شہیدؒ کے دور میں ساؤتھ افریقہ کی عدالت میں پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے انہوں نے قادیانیوں کو وہاں پر عدالتی طور پر غیر مسلم قرار دلانے میں بنیادی کردار ادا کیا تھا۔اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحبؒ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔آمین۔

☆......☆......☆......☆
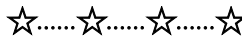
ماہنامہ ''**صدائے فاروقیہ**'' شجاع آباد ضلع ملتان......[]

مولانا زبیر احمد صدیقی، مدیر و شیخ الحدیث: جامعہ فاروقیہ، شجاع آباد

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ میرے مشاہدات کے آئینہ میں

بقیۃ السلف، بحر العلوم، جامع الفنون، امام المناظرین، استاذ العلماء اہل السنۃ والجماعۃ کے عظیم پیشوا، امت مسلمہ کے بے بدل اسکالر، آیۃ من آیات اللہ، حضرت مولانا ڈاکٹر علامہ خالد محمودؒ سے شناسائی تو زمانہ طالب علمی سے ہے۔۱۹۸۵ء میں یہ عاجز جہاں ایک طرف مدرسہ میں درس نظامی کا طالب علم تھا تو دوسری جانب کالج کا اسٹوڈنٹ بھی تھا، کالج کے اجنبی ماحول میں لادین اور گمراہ مذہبی تنظیموں کو دیکھ کر خون کھولتا تھا، اہل حق کی طلبہ قوت بنانے اور منظم کرنے کی امنگ پیدا ہوئی، گھرانہ علمی اور مذہبی تھا والد گرامی حضرت مولانا رشید احمد مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ اور حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ کے تلمیذ رشید ہونے کے ناطے شروع سے ہی جمعیت علماء اسلام سے وابستہ تھے، ان کی جمعیت کی وابستگی کی وجہ سے جمعیت کے اکابرین وقائدین کی شجاع آباد اور گھر تشریف آوری بکثرت ہوتی، اِس لیے جمعیت طلبہ اسلام سے شناسائی تو تھی ہی اور کسی وقت جے ٹی آئی شجاع آباد کالج میں متحرک بھی رہی تھی، جو اب غیر فعال ہو چکی تھی، اس لیے جمعیت طلباء اسلام کو شجاع آباد میں متحرک کرنے کے لیے اپنے برادر اکبر اور چند دیگر طلبہ و دوستوں کے ہمراہ محنت شروع کر دی، جے ٹی آئی سے وابستہ ہوئے تو طلبہ کنونشنز میں شرکت کے مواقع بھی

میسر آئے، سب سے پہلے علامہ صاحب کو خانیوال کے ایک طلبہ کنونشن میں سننے کا موقع ملا، یہ نظریاتی اور فکری تقریر تھی جو یقیناً طلبہ کی ذہنی استعداد کو پیش نظر رکھ کر کی جارہی تھی، تقریر میں اکابر اہل سنت دیوبند کی انگریز کے خلاف جدوجہد قربانیوں کے ساتھ مختلف لطیفے، انگلش کی کہاوتیں اور جملے سن کر طلبہ محظوظ ہوئے۔

ہمارے والد گرامی کے قائم کردہ مدرسہ عربیہ فاروقیہ شجاع آباد کے سالانہ جلسہ میں آپ کی تشریف آوری کے موقع پر بارہا خدمت وقرب کا شرف حاصل رہا، متعدد بار والد گرامیؒ کی معیت میں کراچی کا سفر ہوا تو آپ کے ساتھ مہمان خانہ میں قیام اور طلبہ دورہ حدیث شریف کے دروس میں شرکت کی سعادت بھی میسر آئی، بندہ کے دورۂ حدیث کے سال جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد میں شیخ محترم حضرت مولانا نذیر احمدؒ نے بطور خاص سال میں متعدد بار آپ کو جامعہ میں بلا کر طلبہ میں اور عوام الناس میں خطاب بھی کروائے، تب بھی آپ سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا۔

شجاع آباد میں مسئلہ حیات النبیؐ پر زبردست قسم کا تقابل اور مناظروں کے ساتھ اشتعال انگیزی ہوئی تب اکابرین اہل سنت دیوبند کی ترجمانی کی قیادت والد گرامی حضرت مولانا رشید احمدؒ کر رہے تھے، آپ کی دعوت پر حضرت علامہ صاحب کی متعدد بار شجاع آباد تشریف آوری ہوئی، اس وقت بھی ضیافت وخدمت کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ والد گرامیؒ اکثر لاہور کے اسفار میں حضرت علامہ صاحبؒ سے ملاقات کرتے اور واپسی پر آپ کی تصنیف کردہ کتب بھی خرید کر لاتے، جن سے آپ کی تصنیفات سے شناسائی اور آگاہی رہی، ایک عرصہ تک علامہ صاحب اپنی تصنیفات حضرت والد گرامی کی خدمت میں اشاعت کے لیے بھی ارسال کرتے رہے، جن میں بطور خاص ''مطالعہ بریلویت'' ''آثار الحدیث'' اور ''آثار التنزیل'' وغیرہ شامل تھیں، ''مقام حیات''، ''خلفاء راشدین'' وغیرہ بھی حضرت والد گرامیؒ کے کتب خانہ میں اکثر نظر سے گزرتیں۔

۲۰۰۷ء میں دورۂ تفسیر القرآن الکریم شروع کیا تو اس کے لیے حضرت علامہ صاحب نے فن مناظرہ کے لیے عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ''تقابل ادیان ومسالک'' کا غیر متنازعہ اور خوبصورت عنوان تجویز کر کے دیا اور آئندہ سال احقر کی دعوت پر پڑھانے کے لیے تشریف لائے، تقریباً تین روز قیام فرمایا، خوب علمی جواہر پارے تقسیم کیے، بندہ نے انہیں ریلوے اسٹیشن بہاول پور سے وصول کیا، وہ ہیضہ کی بیماری میں مبتلا تھے، انہیں شجاع آباد لا کر علاج معالجہ کروایا تو بحمد اللہ تندرست ہو گئے، جاتے ہوئے ارشاد فرمایا: تم نے ایک بیمار کو وصول کیا اور تندرست کر کے واپس کیا۔ اس موقع پر بھی بے حد قرب حاصل ہوا، نیز شرف ضیافت اور دعائیں سمیٹنے کا خوب موقع میسر آیا اور بعد ازیں متعدد مرتبہ مختلف اجلاسوں میں بالمشافہ اور فون پر ملاقاتیں جاری رہیں۔

احقر کا دو بار گردہ کی پیوند کاری کا آپریشن ہوا، دوسری بار ۵؍نومبر ۲۰۱۹ء کو کراچی کے ایک نجی ہسپتال میں یہ خطرناک ترین اور مشکل ترین آپریشن ہوا، انفیکشن کے خطرہ کے پیش نظر ڈاکٹر نے پانچ دن ہسپتال داخل رکھنے کے بعد کراچی رہائش گاہ بھیج دیا اور میل جول سے زبردست پرہیز کرنے کا حکم دیا۔ تب تقریباً دو ماہ تک کراچی میں ہی ڈاکٹر حضرات کی نگرانی میں زیر علاج رہتے ہوئے علامہ صاحب کے درس سے استفادہ کا موقع ملتا رہا جو جامعہ اشرفیہ لاہور سے صبح کے وقت آن لائن نشر ہوتا تھا۔ مذکورہ

بالا تفصیل عرض کرنے کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ ذیل میں علامہ صاحبؒ کے متعلق ذکر کیے گئے تاثرات سنے سنائے نہیں بلکہ مشاہداورچشم دید ہیں۔احقر نے انہیں جیسے پایا ویسے ہی زیر قلم کر رہا ہے۔

تبحر علمی اور حسن بیان:

اہل علم کا ہتھیار ان کا علم ہوتا ہے اور عموماً علم کا مدار کثرت مطالعہ اور ورق گردانی ہی ہے، جو شخصیات اپنی زندگی کا بہترین مشغلہ کتاب بینی ورق گردانی اور کثرت مطالعہ کو بنا لیتے ہیں، یقیناً ان کے علم میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ علم ایسا بحر بے کراں ہے جس کی کوئی حدو انتہاء نہیں۔اس لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ مَنْهُوْمٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْه، وَ مَنْهُوْمٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا.** دو حریص کبھی سیر نہیں ہوتے، ایک علم میں حریص کہ علم سے اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور ایک دنیا کا حریص کہ دنیا سے اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔حضرت علامہ صاحبؒ اسی حدیث کا عین مصداق تھے۔ان کا تبحر علمی دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر مطالعہ کرتے تھے، بلاشبہ انہوں نے اپنی حیات مستعار میں تفسیر، حدیث اصول حدیث فقہ اصول فقہ علم کلام، معانی بیان بدیع مناظرہ وغیرہ علوم کی سینکڑوں کتب کے لاکھوں صفحات کا مطالعہ کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کتب کثیرہ میں چھپا علم صحیفے سے ان کے سینے میں منتقل کر دیا تھا، ایک طرف ان کے زندگی کے کثیر الجہت مشاغل اور دوسری طرف ان کے تبحر علمی کو دیکھ کر بندہ ششدر رہ جاتا ہے کہ علامہ صاحب نے ہزاروں اوراق کن اوقات میں پڑھے؟ یقیناً یہ ان کی کرامت اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ برکتِ وقت کا نتیجہ ہی ہوسکتا ہے، ان کے تبحر علمی کا اندازہ اہل علم ان کی کسی بھی موضوع پر گفتگو یا کسی بھی خاص فن یا موضوع پر لکھی گئی کتاب سے کر سکتے ہیں۔حق تعالیٰ نے انہیں وسعت مطالعہ کے ساتھ وسعت حافظہ کی نعمت اور دلنشین انداز بیان، حاضر جوابی اور علمی استحضار بھی عطا کیا تھا، ان کی گفتگو و تحریر، استدلالات و حوالہ جات سے لبریز ہوتی، ایسے محسوس ہوتا کہ وہ اپنے وقت کے علامہ انور شاہ کشمیریؒ ہیں، جن کے سینے میں کتب خانوں کی سینکڑوں کتابیں ثبت ہو چکی ہیں، معروف و متداول کتب کے علاوہ غیر معروف اور نایاب کتب بھی ان کی دسترس میں تھیں۔

کثرت مطالعہ، قوت حافظہ، ملکہ استنباط، یادداشت، خود اعتمادی، علمی استحضار اور حاضر جوابی ساتوں اہم کمالات ہیں، ان سب کا فردِ واحد میں اجتماع عنقاء ہوتا ہے، لیکن علامہ صاحبؒ میں یہ ساتوں کمالات جمع تھے۔انہیں بیک وقت اردو، فارسی، عربی اور انگلش زبانوں پر بھی نہ صرف عبور تھا بلکہ ان میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔اکابر اہل السنۃ والجماعۃ کی ترجمانی علماء دیوبند کے علوم کی اشاعت اور عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کا تحفظ آپؒ کی زندگی کا مشن رہا۔منکرین اسلام، منکرین حدیث، الحادو زندقہ کے داعیوں سے زندگی بھر نبرد آزما رہے۔ختم نبوت، ناموس صحابہ واہل بیت اطہار جیسے مقدس عقائد ونظریات کے دفاع کے لیے اہل علم کی علمی آبیاری کرتے رہے۔۱۹۷۵ء کی تحریک ختم نبوت کے نتیجے میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے کی گئی قانون سازی میں آپ کے علم وفضل اور تحریر و تدوین آپ کے لیے عظیم صدقہ جاریہ ہیں۔

عقائد اہل السنۃ والجماعۃ، صفاتِ خداوندی، کمالاتِ مصطفوی، توحید وسنت، عقیدہ حیات النبی ﷺ الغرض کون سا ایسا

موضوع ہے جس پر آپ کی گفتگو وعبارت سند اور حرف آخر کا درجہ نہ رکھتی ہو؟ توحید خداوندی کے تمام پہلوؤں کو اس طرح اجاگر کرنا کہ نہ حضرات انبیاءؑ کی توہین وتنقیص کا ادنیٰ شائبہ ہو اور نہ ہی اجماعی عقائد سے سرمو انحراف ہو۔ سنت کا اثبات اور بدعت کا رد، کمالات صحابہ کا بیان، خلفاء راشدین کی عظمتوں، کمالات، قضایا، مسلک، باہمی اعتماد، فتوحات، طرزِ حکمرانی اور ان کی تشریعی حیثیت کو جس قدر اور جس انداز سے آپ نے اجاگر فرمایا وہ بس آپ ہی کا خاصہ ہے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو مذکورہ بالا کمالات کے ساتھ حسن تعبیر کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ علمی دقیق اور عمیق مباحث کو عوامی انداز میں اس طرح بیان کرتے اور تحریر کرتے کہ سامع اور قاری نہ صرف اس دلنشین انداز کو سمجھ جاتا بلکہ اَش اَش کر اٹھتا۔

حضرات اہل بیت اطہار کی محبت کی آڑ میں حضرات صحابہ کرام کی تنقیص کا جب رد فرماتے تو ایسا خوبصورت اسلوب اختیار فرماتے کہ اہل بیت اطہار کے دامن پر نہ صرف داغ ودھبے برداشت کرتے بلکہ عدالت صحابہ کے ساتھ طہارت اہل بیت کی خوشبوئیں بھی بکھیر دیتے۔

اس قدر تبحر علمی کے باوجود اپنے اکابر پر اعتماد اور ائمہ مجتہدین کی تحقیقات کو حرف آخر سمجھتے۔ مجتہدین بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہؒ کے کمالات، آپ کی اولین فقہ کی خصوصیات، مسلک امام ابوحنیفہ کا دفاع بھی آپ کا خاصہ تھا۔ حدیث کی تدریس میں آپ کہنہ مشق محدث، فقہ کے بیان میں بے بدل فقیہ، مناظروں میں ماہرِ علم کلام، خطابت میں بے بدل خطیب اور تحریروں میں سریع القلم مصنف اور محقق نظر آتے۔ آپ عدالت کی کرسی پر جلوہ افروز ہوتے تو بہترین جج اور کالج ومدرسہ کی مسند پر بہترین استاذ نظر آتے۔ منبر ومحراب میں بہترین خطیب، میدان مناظرہ میں دندان شکن مناظر اور تنظیموں اور جماعتوں میں بہترین قائد نظر آتے۔

اخلاص وللّٰہیت:

تجربہ شاہد ہے کہ راہ حق میں مقام رفیع اور مرتبہ عظیم اسی کو نصیب ہوتا ہے جسے حق تعالیٰ کی جانب سے قبولیت نصیب ہوتی ہے۔ بلاشبہ آپ **"فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ"** کا مصداق تھے۔ آپ کی قبولیت عنداللہ کا حسین ثبوت اہل علم وفضل، مشائخ اور اکابر کا آپ پر حسن اعتماد ہے۔ آپ بلاشبہ مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ، محدث جلیل حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، امام اہل سنت مولانا دوست محمد قریشی، مناظر اہل السنّت علامہ محمد عبدالستار تونسویؒ، حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی، خطیب اہل السنّت حضرت مولانا قائم الدین عباسیؒ، حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کے نہ صرف منظور نظر تھے بلکہ ان کے دست وبازو رہے۔ حق تعالیٰ نے ہند وپاک، شرق وغرب، ایشاء ویورپ میں آپ کو یکساں مقبولیت نصیب فرمائی تھی۔ دنیا بھر میں جہاں بھی اسلام کی حقانیت، ختم نبوت کے اثبات، دفاع صحابہ واہل بیت یا تحفظ سنت اور رد بدعت کا معرکہ درپیش ہوا سب کی نظریں علامہ صاحب کی جانب تھیں۔ آپؒ یقیناً مرجع خلائق تھے۔ کالج کے ڈائس سے لے کر جامعات کی مسند حدیث تک، منبر ومحراب سے لے کر سپریم کورٹ کی شرعی عدالت کی کرسی تک آپ یکساں مقبول ہوئے۔ ایک مرتبہ حضرت علامہ صاحبؒ والد گرامی حضرت اقدس مولانا رشید احمدؒ کی دعوت پر شجاع آباد تشریف لائے اس وقت ہمارا جامعہ محض ایک مدرسہ تھا

اور مدرسہ کی بھی اپنی کوئی مسجد نہ تھی۔ تھانہ چوک کی معروف جامع مسجد مدنی میں مدرسہ کے جلسہ سے آپ نے خطاب کرنا تھا، اس وقت شجاع آباد میں تعینات اسسٹنٹ کمشنر شجاع آباد (نام یاد نہیں) نے حضرت والد گرامی سے رابطہ کر کے بتایا کہ میں علامہ صاحب کا کالج کا شاگرد ہوں، علامہ صاحب کی ضیافت کا بھی شرف مجھے بخش دیا جائے، حضرت والد گرامی نے اسے بخوشی قبول فرمایا۔ احقر کا زمانہ طالب علمی تھا، والد صاحب بھی مدعو تھے، دونوں بزرگ کھانے پر تشریف لے گئے، میزبان نے علامہ صاحب کی ہرن کے گوشت سے ضیافت کی۔ اِس قدر قبولیت حق تعالیٰ کی جانب سے مفوض تھی۔ لیکن یہ قبولیت بجا طور پر اخلاص وللّٰہیت، زہد و تقویٰ کا ثمر ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ صاحب میں اخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، یہ اخلاص وللّٰہیت آپ کے مشائخ و اساتذہ جو وقت کے بہترین محدث، مفسر اور مشائخ طریقت تھے، (جن کی نظر میں دنیا کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہ تھی) کی نگاہِ پُر تاثیر اور صحبت کا نتیجہ تھا۔ اسی اخلاص کا ثمرہ تھا کہ زندگی بھر بغیر کسی لالچ وطمع کے خدمت دین میں مصروف رہے۔ اُنہیں نے کبھی کسی کے سامنے مطالبہ و تقاضہ کرتے اور ہاتھ پھیلاتے نہیں دیکھا گیا۔ ان کے لیے نہ کوئی لالچ وطمع دین کے کام سے مانع بنا اور نہ ہی کسی قسم کی حرص و ہوس و تمنا آڑے آئی۔ زندگی بھر رضاء الٰہی کے لیے دین متین کی خدمت میں مصروف رہے، وہ اگر چاہتے تو اپنے علم وفضل کے بدلے اپنے آپ کو کیش کروا کر بعض اہل باطل کی طرح اپنے آپ کو فروخت کر کے اربوں وصول کرتے، لیکن آپ کے اخلاص وجذبہ رضائے الٰہی نے انہیں اس خطرناک عمل سے محفوظ رکھا۔

آپؒ کو بیان ومناظرہ کے لیے کسی نے شہر میں بلایا یا دیہات میں، فوراً پہنچ گئے۔ نہ آپ روایتی و پیشہ ور خطیب تھے اور نہ ہی دکاندار پیر و مرشد، نہ تعویذ گنڈے کی دکان کھولی اور نہ ہی الگ جماعت بنا کر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد قائم کی۔ ہمیشہ اپنے اکابر و معاصر واصاغر سے جڑے رہے اور انہیں ساتھ جوڑے رکھا۔

انکساری وسادگی:

اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ عجز وانکساری اور تواضع بھی آپ کا نرالی وصف تھا، بلاشبہ آپ ''نہد شاخ پر میوہ سر زمین'' کے مصداق تھے۔ بہت بڑے ہو کر اپنے آپ کو چھوٹا قرار دیتے تھے، اکابر کی صف میں شامل ہونے کے باوجود اپنے آپ کو خادم قرار دیتے تھے، اپنی شان بڑھانے کی بجائے دوسروں کی عزت افزائی اور حوصلہ افزائی فرماتے، کھانے کو جو دستیاب آیا کھا لیا، کبھی ناک نہ چڑھائی، بیٹھنے کو چٹائی دستیاب ہوئی یا کرسی، ان کے لیے برابر تھا، سونے کو فرش محمدی نصیب ہوا، چارپائی یا بیڈ؟ انہیں اس سے کوئی غرض نہ تھی۔ سفر کے لیے ہوائی جہاز کم اور عام سواری زیادہ اختیار فرمائی۔ کبھی میزبان پر بوجھ نہ ڈالتے کہ جہاز یا اعلیٰ درجہ کی سواری کے بغیر میرا سفر نہ ہوگا۔ بلکہ آپ کا شباب اور کہولت تو کثرت اسفار کا زمانہ رہا۔ واقفان حال جانتے ہیں کہ آپ کا اکثر سفر بذریعہ عوامی بس یا ٹرین ہوا کرتا تھا۔ بہت کم مہنگی سواری استعمال فرماتے۔ کبھی شیخی یا بڑائی کا اظہار نہ کیا۔ فقیر منش انسان تھے، فقر ہی ظاہر فرماتے۔

ایک بیان میں بطور لطیفہ کے بیان فرمایا: ''ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں آپ سے ملنے آیا ہوں آپ بہت

بڑے بزرگ ہیں اور میرے محسن ہیں میں نے پوچھا کیسے؟ تو وہ کہنے لگا کہ میں تین بار امتحان میں فیل ہوا، اَب کی بار میں نے گڑگڑا کر دعائیں کیں، میں پیپر والی رات آپ کو خواب میں دیکھتا، آپ مجھے سوالات کی نشاندہی فرماتے اور صبح وہی سوال پرچہ میں آئے ہوئے ہوتے ہیں، میں آپ کی رہنمائی پر سوالات تیار کر کے جاتا تو یوں میں پاس ہو گیا۔ علامہ صاحب نے فرمایا: میں نے اسے کہا بھائی! نہ مجھے اس کا علم ہے اور نہ ہی میں بزرگ ہوں، یہ تو آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت ہے۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ شخص کہنے لگا کہ یہی تو بزرگوں کی نشانی ہوتی ہے، وہ اپنے آپ کو بزرگ تسلیم نہیں کرتے۔ علامہ صاحب نے بتایا کہ میں مسلسل انکار کرتا رہا اور وہ مسلسل مجھے بزرگ بتاتا چلا گیا۔

طبیعت میں مزاح غالب تھا بہت مشکل مسائل کو مزاح میں حل فرما دیتے، تمثیل کے بادشاہ تھے، خوش طبعی اور ظرافت سے مجلس کو کشتِ زعفران بنا دیتے تھے، مشہور ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا کہ: اہل جنت کی زبان عربی ہوگی جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے، اہل جہنم کی کونسی زبان ہوگی؟ بطور ظرافت طبع کے فرمایا: انگلش محسوس ہوتی ہے۔ پھر اس کی مزاحاً دلیل بھی بیان کی کہ جہنمیوں کو قرآن کریم نے اصحاب الشمال کہا ہے، یعنی بائیں ہاتھ والے اور انہیں اعمال نامہ بھی بائیں ہاتھ میں ملے گا، جبکہ اصحابِ جنت اصحاب الیمین اور ان کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا تو جہنمی بائیں جانب والے ہوں گے، فرمایا: انگریزی بائیں جانب سے لکھی جاتی ہے اور اکثر بائیں ہاتھ سے ہی لکھتے ہیں۔ بلکہ ان کے اکثر کام بائیں جانب سے ہوتے ہیں۔ سامع یہ جواب اور استدلال سن کر ششدر رہ گیا۔ ان کی ظرافت طبع کے سینکڑوں واقعات زبان زد عام ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی ظرافت ومزاح سے بھی علم چھلکتا تھا۔

ایک مرتبہ شاہی جامع مسجد شجاع آباد میں ایک جلسہ میں تشریف لائے، جلسہ کے بعد مسجد کی چھت پر پرانی درسگاہوں اور برآمدہ میں تشریف لے گئے، والد گرامی حضرت مولانا رشید احمدؒ بھی ہمراہ تھے، چند روز قبل ہی اشاعت التوحید کے حضرات کا جلسہ ہوا تھا، جس میں ان کے ایک معروف سرتا روالے گستاخ مقرر نے تقریر کی اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعد از وفات عدم حیات پر ''**اللّٰہُ یَتَوَفَّی الْأَنفُسَ حِینَ مَوْتِھَا**'' سے استدلال کیا اور کہا کہ ''**فَیُمْسِکُ الَّتِی قَضَی عَلَیْھَا الْمَوْتَ**'' سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد روح واپس نہیں لوٹ سکتی، لہٰذا جسم پر کوئی حیات نہیں۔ مجلس میں اس استدلال کا ذکر ہوا۔ حضرت علامہ صاحبؒ والد صاحبؒ کی جانب متوجہ ہوئے اور استفسار کیا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ والد گرامیؒ نے ارشاد فرمایا: اگر امساک روح مطلق ہے، تو پھر قیامت میں اعادہ روح بھی نہیں ہوسکتا۔ آیت تو مطلق ہے، آیت میں قیامت تک کی غایت مذکور نہیں، لہٰذا اگر قبر میں اعادہ نہیں تو پھر قیامت میں اعادہ کیسے؟ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں امساک سے مراد یہ ہے کہ روح کو دنیا میں واپس کر دینے سے روکا جاتا ہے اور ہم جس اعادہ روح کی بات کرتے ہیں وہ اعادہ روح عالم برزخ میں ہے، جیسے عالم آخرت میں اعادہ آیت کے خلاف نہیں، ایسے ہی عالم برزخ میں اعادہ بھی آیت کے خلاف نہیں۔ اس جواب کو سن کر حضرت علامہ صاحب اَش اَش کر اٹھے اور جواب کی خوب تحسین فرمائی۔

ہمہ گیر شخصیت:

تجربہ ومشاہدہ یہ ہے کہ ماہرین فن عموماً صرف ایک ہی فن میں ماہر ہوتے ہیں، جبکہ حضرت علامہؒ صاحب کے متعلق ابتدائی طور پر عرض کیا جا چکا ہے کہ آپ کسی ایک فن یا کسی ایک شعبہ کے ماہر نہیں بلکہ ہمہ گیر شخصیت تھے۔ دین کے جملہ شعبوں میں کمال رکھنے کے ساتھ حالات حاضرہ کے تقاضوں کو بھی خوب سمجھتے۔ قرآن وسنت کی عصری تطبیق میں آپ سے بڑھ کر کوئی نظر نہیں آتا۔ علوم شریعت کے ساتھ علوم طریقت کے بھی ماہر تھے، یہ الگ بات ہے کہ آپ نے اپنی تواضع اور سادگی کی وجہ سے مروجہ خانقاہ بنا کر اپنے آپ کو بطور مرشد وشیخ پیش نہیں کیا، بایں ہمہ آپ طریقت کے بھی امام تھے۔ آخر عمر میں اس موضوع پر کام شروع فرمایا، تصوف کے شجروں میں موجود مشائخ، طریقت اور بزرگان دین کے تعارف کے لیے مجالس کا انعقاد شروع کرایا اور ان گمنام اکابر کا تعارف، ان کے زہد وتقویٰ، کارہائے نمایاں کو منظر عام پر لائے اور روحانی دنیا میں انقلاب پیدا فرمایا۔ آپ پر یہ آشکارا ہو گیا تھا کہ عصر حاضر میں اکثر فتنوں کے خروج کی وجہ سے مادیت پرستی اور روحانیت سے بُعد ہے، اس لیے آخر عمر میں دیگر کارہائے نمایاں کے ساتھ احیاء طریقت کی غیر اعلانیہ تحریک شروع فرمائی، چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ جو برصغیر میں سلسلہ طریقت کے آفتاب ومہتاب ہیں سمیت متعدد مشائخ کے عنوان سے اجتماعات منعقد فرما کر مختلف بزرگان دین اور ماہرین طریقت کو مدعو کرواتے۔ یہ مشائخ بھی عنوانات کے مطابق گفتگو فرماتے اور حضرت علامہ صاحبؒ بھی ان اکابر کی غیر نمایاں تعلیمات کو نمایاں فرماتے یوں ایک غیر معمولی کارنامہ سرانجام دیا۔

اکابر پر اعتماد:

عموماً دیکھا گیا ہے کہ جو علماء یا غیر علماء حد درجہ ذہین ہوں اور عوامی مقبولیت بھی پیدا ہو جائے، مطالعہ اور قوت بیان بھی رکھتے ہوں وہ نئی نئی تحقیقوں کے چکر میں راہ سلف سے منحرف ہو جاتے ہیں، رفتہ رفتہ ان کا یہ طرز گمراہی تک جا پہنچتا ہے۔ ماضی بعید وقریب میں درجنوں ایسی شخصیات پیدا ہوئیں جن کے نام لینے کی چنداں ضرورت نہیں، یہ سب صاحب علم بھی تھیں، صاحب مطالعہ اور عوامی مقبولیت رکھنے والی بھی۔ لیکن سلف سے کٹ کر گمراہی کے گڑھے میں جا گریں۔ حضرت علامہ صاحبؒ باوجود حد درجہ ذہین فطین، علم کے بحر بے کراں اور اپنے وقت کے امام ہونے کے اپنے اکابر کے ساتھ وابستہ رہے، نہ صرف وابستہ رہے بلکہ ان کے ترجمان بھی رہے۔ سرمو بھی اپنے اکابر سے انحراف نہیں فرمایا۔ وہ اہل السنۃ والجماعۃ کی متفقہ شخصیات بالخصوص اکابر اہل سنت دیوبند کی تحقیقات پر مکمل اعتماد رکھتے اور اپنے اکابر کو نہ صرف حق پر سمجھتے بلکہ حق کو ان کا قرین سمجھتے۔ اور زندگی بھر اپنے اکابر کے مسلک ومشرب، عقائد ونظریات کی ترجمانی میں مصروف رہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زیغ وضلال سے محفوظ فرمایا اور یوں وہ جادہ مستقیم پر چلتے چلتے جنت سدھار گئے۔ ماہنامہ صدائے فاروقیہ، شجاع آباد

☆......☆......☆......☆

ماہنامہ ''آبِ حیات'' لاہور......[]

مولانا محمود الرشید حدوٹی [مدیر اعلیٰ: ماہ نامہ آب حیات لاہور]

مفکر اسلام، مناظر اسلام علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ

علم و عمل کے کوہ ہمالیہ، حجۃ اللہ، مفکر اسلام، متکلم اسلام، حامی توحید وسنت، ماحی شرک وبدعت، مناظر اہل حق، داعی کتاب وسنت، مدرس، محقق، محدث، لسان، ادیب وخطیب، استاذی المکرّم علامہ ڈاکٹر خالد محمود رمضان المبارک کے درمیانی عشرہ کی آخری رات ۱۴رمئی ۲۰۲۰ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

علامہ خالد محمودؒ سے میری پہلے پہل شناسائی جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام مدنی محلّہ جہلم میں ہوئی، جہاں میں ۱۹۸۴ء سے ۱۹۸۸ء تک زیر تعلیم رہا، جامعہ حنفیہ کے سالانہ جلسہ میں ملک بھر سے اکابرینِ ملت اور اساطینِ امت تشریف لاتے اور اپنے علمی دلائل وحجج سے بھرے خطابات سے سامعین کو نوازتے تھے۔

علامہ خالد محمودؒ کی زیارت یا تو جامعہ حنفیہ میں ہوئی یا پھر ضلع چکوال کے ایک گاؤں بھیں میں ہوئی، جہاں قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کی زیرنگرانی سالانہ عظیم الشان سنی کانفرنس ہوا کرتی تھی اور اب بھی بڑے تزک واحتشام کے ساتھ ہو رہی ہے، علامہ رحمہ اللہ کو ان کانفرنسوں میں خصوصی بیانات دیے جاتے تھے۔

پھر دورِ طالب علمی ہی میں حضرت کی ایک بار زیارت گجرات شہر کے مدرسہ حیات النبی ﷺ میں ہوئی تھی، حضرت بیان کے لیے تشریف لائے تھے اور ہم جہلم سے یہاں جلسہ سننے پہنچے تھے، یہاں میں نے حضرت سے شاگردی کا پہلا شرف اس وقت حاصل کیا جب میں نے ایک کاغذ پر کچھ اردو عبارات لکھ رکھی تھیں اور علامہ صاحب سے میں نے ان عبارات کا اردو میں ترجمہ کروایا تھا۔

۱۹۸۸ء میں بندہ لاہور آ گیا تھا، اسی دوران مجھے پتا چلا کہ علامہؒ یہاں سنت نگر میں اقامت پذیر ہیں، میں اپنا وقت نکال کر علامہؒ کے پاس آتا تھا، علامہ صاحب کو اسی سنت نگر کے ایک چھوٹے سے کمرے میں میں نے مصروف مطالعہ پایا، آنے والوں کے مختلف سوالات کے تشفی بخش جوابات دیتے تھے، یہاں ہی میں نے محسوس کیا تھا کہ علامہؒ وقت کے ولی اور دُرویش انسان ہیں، ہر طرف کتابوں کے انبار دکھائی دیتے تھے، کسی دوسرے کمرے میں علامہؒ کی اپنی کتابیں رکھی ہوئی تھیں جو طلب پر طالب کو پیش کی جاتی تھیں۔

علامہؒ طالب علموں میں کتاب کی محبت وعشق پیدا کرنے کے لیے کسی کو کتاب مفت میں نہیں دیتے تھے، وہ کہتے تھے کہ مفت کی چیز بے قدری ہوتی ہے، اس لیے کتابوں کا معمولی سا ہدیہ وصول کرتا ہوں، مجھے بھی حضرت نے اپنے دست مبارک سے ایک بار کچھ کتابیں دی تھیں جن پر میرا نام بھی لکھا تھا، جس کی لذت ایک عرصہ تک میں محسوس کرتا رہا، مجھ سے حضرت نے پچاس روپے وصول فرمائے اور ساتھ ہی یہ ارشاد فرمایا کہ آئندہ حسب استطاعت اور حسب سہولت ان کے بقایاجات ادا کرتے رہیں،

اس طرح **تعاونو علی البر** پر عمل ہوگا اور کتاب کی اہمیت اور افادیت کا بھی احساس رہے گا، آج بھی شاید وہ کتابیں میری لائبریری میں موجود ہیں۔

ایک بار طالب علمی کے زمانہ میں میں لاہور اس وقت آیا تھا جب یہاں نیلا گنبد میں بڑے بڑے علماء کرام نے ایک جلسہ منعقد کیا تھا، اس جلسہ میں علامہ عبدالستار تونسویؒ، مولانا عبداللطیف جہلمیؒ، مولانا حق نواز شہیدؒ، جناب عطاء المحسن بخاری جیسے حضرات اس عظیم الشان جلسہ کی رونق تھے، علامہ خالد محمودؒ اس خوبصورت جلسہ میں نقابت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

۱۹۹۰ء میں دورۂ حدیث شریف جامعہ اشرفیہ لاہور سے کیا، اس کے بعد میں شالیمار باغ کے سایہ میں ایک مسجد ابوذر غفاری میں امامت کرنے لگ گیا، کچھ عرصہ بعد یہاں خطابت بھی شروع کر دی، دورانِ خطابت میں نے ایک بار علامہ صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضرت! آپ نے میری مسجد کے لیے کوئی جمعہ دینا ہے، چنانچہ حضرت نے کمال مہربانی اور شفقت سے مجھے وقت دیا، پھر میں سنت نگر سے حضرت کو اپنے ہمراہ رکشہ پر بٹھا کر لایا، حضرت نے کوئی آدھ گھنٹہ یہاں بیان فرمایا، سبحان اللہ کیا علمی سوغات تھیں، کیا علمی لعل و گوہر تھے، انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

یہاں سے فارغ ہونے کے بعد ہم امام السلاطین ڈاکٹر عبدالقادر آزاد مرحوم سابق خطیب شاہی مسجد لاہور کے ڈیرے پر پہنچے، جہاں ڈاکٹر آزاد بھی شاہی مسجد میں خطبہ جمعہ سے فارغ ہوکر اپنے مہمان خانے میں اپنے نمازیوں، عقیدت مندوں اور حب داروں کے جھرمٹ میں محوِ تکلم تھے، ہماری آمد پر حضرت ڈاکٹر آزادؒ نے پرتپاک استقبال کیا اور اپنی شایانِ شان ہماری تواضع کی، مولانا آزاد وسیع الظرف اور کشادہ دسترخوان رکھنے والے علماء میں سے ایک تھے، عصر کی نماز تک ہم مولانا آزاد کے پاس بیٹھے رہے، مولانا آزاد بہت دیر تک دنیا بھر کے مسائل پر گفتگو کرتے رہے۔

پھر ایک وہ شاندار، خوبصورت اور یادگار موقع آیا جب میں نے حضرت علامہ سے عرض کیا کہ حضرت! میں نے امیر عزیمت مولانا حق نواز شہید کی سوانح عمری لکھی ہے؟ اس پر آپ مقدمہ تحریر کریں تاکہ میری کتاب کو استنادی حیثیت مل جائے؟ حضرت علامہ صاحب نے پہلا سوال یہ کیا کہ تم اس سوال کا جواب دو کہ حق نواز شہید کی شہادت مظلومانہ تھی یا مجاہدانہ؟ تو میں نے جواب دینے کی بجائے اس سوال پر غور شروع کر دیا۔

پھر ایک دن حضرت نے مجھے فرمایا کہ اس طرح کرتے ہیں کہ ہم پرسکون ماحول میں چلتے ہیں، امامیہ کالونی [شاہدرہ لاہور] میں جامعہ ملیہ تعمیر ہوا ہے، تم چل کر اسے بھی دیکھ لو اور وہاں دو تین دن رہ کر یہ کام وہاں بیٹھ کر کریں گے، میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ایسا کرنے کی ہامی بھر لی۔

چنانچہ ایک دن ایسا آیا کہ حضرت نے اپنے ایک مرید خاص سے کہا کہ وہاں کھانے پینے کا انتظام نہیں ہے، تو اس طرح کرتے ہیں کہ کچھ خشک سی چیز تیار کر کے ساتھ لے چلتے ہیں اور اس پر گزارا کر لیں گے، چنانچہ مرید خاص نے کریلوں میں قیمہ بھر کر اوپر سے سلائی کروائی اور کریلے توشہ دان میں رکھ لیے اور یوں ہم چند لوگ امامیہ کالونی کے جامعہ ملیہ کی طرف روانہ ہوگئے،

جہاں ہم تین دن تک قیام پذیر رہے اور وہاں حضرت نے میری لکھی ہوئی کتاب امیر عزیمت مولانا حق نواز شہید بہت سے مقامات سے دیکھی، بہت خوش ہوئے، پھر اس کتاب پر آپ نے تاریخی مقدمہ تحریر فرما کر میری حوصلہ افزائی کی، ان کا تحریر کردہ مقدمہ میری کتاب تاریخ عزیمت کی پہلی جلد میں موجود ہے۔

پھر ایک موقع پر حضرت سے اس وقت میں نے بات کی جب آپ مشرف کے زمانہ میں شرعی عدالت کے جج مقرر ہوئے، ان سے پہلے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی بوجوہ شرعی عدالت کے جج کے منصب سے سبکدوش ہو گئے تھے، علامہ مرحوم نے شرعی عدالت میں سود کے بارے میں قائم رٹ کے بارے میں کہا کہ اس پر نظر ثانی کی جائے، میں نے ان پر اعتراض کر دیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو علامہ صاحب نے مجھے صیانۃ المسلمین لاہور کے دفتر میں مولانا مفتی وکیل احمد شیروانیؒ کی موجودگی میں اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر میں اس پٹیشن کو نظر ثانی کے لیے نہ بھیجتا تو مشرف اسے مکمل طور پر اڑا کر رکھ دیتا۔(۱)

علامہ خالد محمود واقعتاً ایک نابغۂ روزگار انسان تھے، وہ چلتے پھرتے کتب خانہ تھے، انہیں بڑی بڑی کتابوں کی عربی عبارات زبانی یاد تھیں، ان کا اسلوب نگارش اور طرز تکلم انتہائی سادگی کے ساتھ جاذبیت رکھتا تھا، وہ تصنع اور مسجع ومقفّٰی عبارات کی بجائے سہل اسلوب میں بات کرنے کے عادی تھے، وہ ایک سوال لوگوں کو سمجھانا چاہتے تو اس پر بھی اچھی طرح بات کرتے تھے تا آنکہ وہ سامعین کے دل ودماغ میں نقش کالحجر ہو جاتی تھی۔

تاریخ عزیمت پر مقدمہ:

میری کتاب تاریخ عزیمت جو شہید ناموس صحابہؓ، وکیل اصحاب پیامبر، مداحِ صحابہؓ، نقیب اہل اِسلام، قاطع رافضیت، حامی توحید وسنت، امیر عزیمت مولانا حق نواز شہید کی جامع سوانح عمری ہے، جو پونے پانچ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، جسے قافلہ حریت اور ناموس صحابہؓ کے تحفظ کے لیے کام کرنے والے اکابرین اور رضا کاروں نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے اور قبول کیا ہے، میری اس کتاب کی تقریظ مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ نے تحریر کی تھی، جب کہ اس پر مقدمہ لکھنے کے لیے میں نے مفکر اسلام علامہ خالد محمود صاحبؒ سے گزارش کی تو انہوں نے کمال شفقت اور مہربانی سے اس پر مقدمہ لکھا، امامیہ کالونی لاہور کے جامعہ ملیہ میں بیٹھ کر مختلف مقامات سے اسے دیکھا، پڑھا اور مختلف اشکالات بھی پیش کیے، اس پر بہترین اصلاح بھی فرمائی، جس سے بندہ کو حوصلہ ملا اور ایمانی ایقانی جذبات میں رسوخ آیا، یہاں میں علامہ خالد محمود صاحب کا تحریر کردہ وہ مقدمہ بھی اپنے پڑھنے والوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ علامہ صاحب لکھتے ہیں:

''الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد! تاریخ عالم میں ظالموں کی ایک طویل فہرست ہے لیکن ظلم کے ایلیے بھی کچھ کم نہیں، انسان جو دوسرے انسانوں کے لیے انس واخوت کا عنوان ہونا چاہیے، اپنے بنائے جنس کا گلا کاٹنے لگا، لیکن ایسے مظلوم جن کی مظلومیت ان کے اس دنیا سے رِحلتِ سفر باندھنے کے بعد ختم نہ ہو، آپ کو اصحاب رسول اللہ کے سوا کہیں اور نہ ملیں گے، یہ پاکیزہ جماعت تھی جن سے بہتر انسانوں پر انبیاءؑ کے بعد شاید ہی کہیں سورج چمکا ہو۔

---

(۱) دیکھیے: ۱۸۸/۲ [ادارہ]

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں: ''محبتِ ایمان کی اس آزمائش میں صحابہ کرامؓ جس طرح پورے اترے اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کر لی ہے اور وہ محتاجِ بیان نہیں، بلاشبہ ومبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا جیسا کہ صحابہؓ نے اللہ کے رسول ﷺ سے راہِ حق میں کیا، انہی نے اس محبت کی راہ میں وہ سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کر سکتا ہے اور پھر اس کی راہ میں وہ سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پا سکتی ہے۔'' [ترجمان القرآن، ج:۲]

جب یہ مقدس گروہ یہود ونصاریٰ کے کسی جال میں نہ آسکا تو ان کے دشمنوں نے ان کیخلاف پھر وہ ہتھیار اٹھائے جو ہمیشہ سے بزدل مخالفوں کا وطیرہ رہا ہے، وہ کیا ہے؟ وہ یہ کہ ان کے سامنے آکر مقابلہ نہ کرو، پسِ پشت ان کی عیب چینی کرو، ان پر طرح طرح کے الزام لگاؤ ان کے بارے میں کہانیاں وضع کرو، طرح طرح کے بہتان باندھو اور اتنا جھوٹ بولو اور بار بار بولو کہ دیکھنے سننے والے اگر یقین نہ کر سکیں تو کم از کم کچھ شک میں تو ضرور مبتلا ہو جائیں، یہ وہ شرمناک سوچ ہے جو دشمنانِ اسلام نے صحابہؓ کے خلاف سوچی، اسے ایک عقیدے کے طور پر قائم کیا اور اسی کے کانٹے آج اسی ملت کے بدنوں کو زخمی کر رہے ہیں، آج کل کی زبان میں انہیں فرقہ وارانہ فسادات کہا جاتا ہے۔

افسوس کہ وہ طبقہ جسے حضور ﷺ کے پچانوے فیصد پیروکار اس وقت کے بہترین انسان جانتے ہیں، قرآن کریم انہیں خیر امت کہتا ہے، ان کی عیب چینی اور ان کیخلاف الزام تراشی ایک بدنصیب گروہ کے ہاں اعلیٰ درجے کی عبادت شمار ہوتی ہے، ان سے تبرا ان کے ہاں اصولِ دین میں سے سمجھا جاتا ہے اور ان کی ساری تبلیغی کوششیں صرف اسی ایک نقطہ پر جمع ہوتی ہیں کہ جس طرح بھی بن پڑے امت مسلمہ کو ان کے بارے میں بدگمان کر دیا جائے، انہیں برا کہے بغیر ان کی مذہبی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی اور ان کی نماز تک ادا نہیں ہوتی۔

ملا باقر مجلسی جو اپنے وقت میں ان کا سب سے بڑا عالم سمجھا جاتا ہے لکھتا ہے:

''باید بعد از ہر نماز بگوید اللھم العن ابابکر وعمر وعثمان ومعاویہ وعائشہ وحفصہ وھند وام الحکم'' [عین الحیاۃ ص ۹۹۵ مطبوعہ تہران]

کیا آپ نے اور کوئی ایسی قوم دیکھی جس کا اوڑھنا بچھونا ہی ان لوگوں پر لعنت کے گڑے برسانا ہو، جنہیں حضور ﷺ کی امت کا ۹۵ رفی صد طبقہ اپنے وقت کے بہترین انسان سمجھتا ہو، اور اپنے تو در کنار غیر مسلم مؤرخین بھی ان کے تذکرے کریں تو انہیں خلفاء راشدینؓ کہے بغیر آگے نہ گزر سکیں۔

زندگی میں ان حضرات پر ابولہب اور ابوجہل کے سوا شاید ہی کسی نے سبّ بکی ہو بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ یہ حضرات وفات کے بعد بھی صدیوں مسلمانوں کے دلوں پر حکومت کرتے رہے، قاضی نوراللہ شوستری اس سوال کے جواب میں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اپنے دورِ خلافت میں کیوں سیرت شیخین پر عمل کرتے رہے؟ لکھتا ہے:

حضرت امیر در ایام خلافت خود دید کہ اکثر مردم حسن سیرت ابی بکر وعمر را معتقد اند وایشاں را برحق مے دانند قدرت براں نداشت کہ کارے کند کہ دلالت برفساد خلافت ایشاں باشد۔ [مجالس المؤمنین: ۲۴۱]

حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں محسوس کیا کہ لوگوں کی اکثریت ابھی تک حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اعلیٰ سیرت کی معتقد ہے اور ان کو خلیفہ برحق جانتی ہے، آپ نے ہمت نہ کی کہ کوئی ایسا کام کریں جو ان کی خلافت کے غلط ہونے پر کسی پہلو سے دلیل بن سکے۔

افسوس کہ جب مسلمانوں سے سیاسی شوکت چھنی تو یہ مارِ آستین (آستینوں کے سانپ) کھلے بندوں تفرقہ بازی کے کھلے محاذ پر آ گئے اور اہلِ بیت کی عزاداری اسی میں سمجھی کہ ان حضرات پر برسر عام تبرا کہیں اور اسی جبر وتشدد کے سہارے ایک پورے اسلامی ملک کی حنفی اکثریت اِثناعشری عقیدے میں بدل گئی، اسماعیل صفوی سے پہلے اِیران میں تین چوتھائی مسلمان حنفی مسلک پر تھے۔

مزا تب تھا کہ جب یہ حضرات اس دنیا میں تھے اس وقت کوئی بدبخت ان کے آڑے آتا، یہ تو بڑا کمینہ پن، شرمناک بزدلی ہے کہ کسی کو فوت ہونے کے بعد دشمنی کی بھینٹ پر لایا جائے اور ان کے خلاف گالی اور تبرا کی زبان استعمال کر کے اپنی شقاوت کو آشکار کیا جائے، ان کی زبانیں ان حضرات کے خلاف جو خود آکر اپنا دفاع نہ کر سکیں، دن رات تبرا کا لاوا اگلتی ہیں، بہادر لوگ زندوں سے معرکہ آرائی کرتے ہیں یہ فوت شدگان سے معرکہ آرائی کیسی؟ عقاب ہمیشہ زندہ شکار کرتا ہے اور گدھ ہمیشہ مردار پر گرتے ہیں، یہی وہ طبقہ ہے جو مقام انسانیت سے بے نصیب ہے

بلند بال تھا لیکن نہ تھا جسور و غیور
حکیم سر محبت سے بے نصیب رہا
اڑا فضاؤں میں کرگس اگرچہ شاہین وار
شکار زندہ کی لذت سے بے نصیب رہا

حق وباطل کی معرکہ آرائی ہمیشہ سامنے سامنے ہوتی ہے، حضرت علیؓ کے بارہ میں یہ بدگمانی کہ آپ اندر سے تو حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے خلاف تھے مگر سامنے آنے کی ہمت نہ رکھتے تھے، یہ عقیدہ ایک بڑی شقاوت اور شیر خدا کی بڑی بے ادبی ہے، یہ جرأت مچھر کو بھی حاصل ہے کہ جب حملہ کرنے آتا ہے تو وہ آواز دے کر آتا ہے

پشّہ سے سیکھ جوہر مردانگی کہ وہ
جب قصدِ خون پہ آئے تو پہلے پکار دے

اہلِ حق کبھی تقیہ کی چادر نہیں اوڑھتے نہ جھوٹ بولتے ہیں، مسلمانوں نے ابوجہل کو برسر میدان مارا ہے، اس کی لاش گھسیٹنے میں بہادری نہیں سمجھی، فوت شدگان کو برا بھلا کہنا اور گالی بکنا شرفِ انسانی اور اخلاقی ہمت کے سراسر خلاف ہے۔

علماء اسلام نے ان نفوسِ قدسیہ پر کیے گئے جملہ اعتراضات کے بڑے شافی ووافی جواب دیے ہیں جس کو ضرورت ہو وہ حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے لیکر حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کی تالیفات کو دیکھے پھر اسی پندرہویں صدی کی دفاع صحابہؓ پر لکھی گئی عمدہ اور اعلیٰ تالیفات بھی اس باب میں قابل قدر علمی سرمایہ ہیں، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگردوں میں مولانا قاضی مظہر حسینؒ، مولانا نور الحسن بخاریؒ، مولانا عبدالستار تونسویؒ اور محقق العصر

حضرت مولانا محمد نافعؒ نے اس محاذ پر سبائیوں کے جملہ اعتراضات کے نہایت شافی اور وافی جواب دیے ہیں، اور الحمدللہ ان کے اچھے خاصے اثرات ہوئے اور برصغیر پاک وہند کے متعدد ایسے حلقے ملیں گے جہاں لوگ اِرتداد کی آغوش میں جاتے ہوئے ان عملی محنتوں کے سبب بچے اور حوزہ اسلام محفوظ رہا۔

اُلجھن کا حل اور شبہے کا جواب ہوسکتا ہے، مسلمان اہلِ علم ان ابواب میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں، لیکن ان سب حضرات کے پاس ان گالیوں اور ان کے دن رات کے سب وشتم کا کوئی جواب نہ تھا، یہ ایک دکھتی رگ تھی جس پر یہ لوگ ہر محرم پر تا مقدور نمک پاشی کرتے، نام عزاداری اہلِ بیت کا ہوتا مگر کام عوام کا اس مقدس طبقہ سے اعتماد اٹھانا اور انہی زخموں کا تازہ کرنا ہوتا جن کا جواب انہیں امت مسلمہ بارہ سوسال سے دیتی چلی آرہی ہے۔

صحابہؓ نسبتِ نبوت کے امین ہیں، ان کے خلاف تبرا کی شرمناک کارروائی یقیناً امت مسلمہ کے ماتھے پر ایک کلنک کا ٹیکہ ہے جسے کوئی مسلمان ملک برداشت نہیں کرسکتا اور نہ امت مسلمہ اسے کوئی نرم گوشہ دے کر اپنی ملی سالمیت کا تحفظ کرسکتی ہے۔

دشمنان صحابہ کی یہ مشق تبرا برصغیر پاک وہند کی ستانوے (۹۷) فیصد سنی آبادی کے لیے سوہانِ روح بنی تھی کہ یکا یک اللہ رب العزت کی غیرت جوش میں آئی، نوجوان بغیر کسی تمہید اور بغیر کسی سابقہ تربیت کے اچانک میدان میں نکل آئے کہ نسبتِ رسالت کو مجروح کرنے والی ان تحریکوں کا جواب اب طاقت سے دیا جائے گا اور جب تک پاکستان میں صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیتؓ کی عزتیں بذریعہ قانون محفوظ نہیں ہوتیں مظلوموں کی یہ پکار قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، چوک چوک اور شہر شہر ہر جگہ جاری رہے گی، یہ ایک منصفانہ مطالبہ اور اپنے حق کے لیے ایک جمہوری آواز ہے جسے کچھ وقت کے لیے روکا جاسکتا ہے لیکن ختم نہیں کیا جاسکتا، تاریخ کے اوراق میں ترمیم تو ہوسکتی ہے مگر انہیں دھویا نہیں جاسکتا، صحابہ کرامؓ کی مظلوم شخصیتوں کی یہ آہ ہے جو اب شعلہ جوالہ بن کر بھڑک رہی ہے، اگر ہم چاہتے ہیں کہ ملک کا خرمنِ امن اس آگ سے بچے تو اب اس مسئلے کو حل کرنا ہی ہوگا ۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردند

اِجابت از درِ حق بہر استقبال مے آید"

علامہ خالد محمود صاحب کی اس تحریر سے آپ لوگ اندازہ لگاسکتے ہیں کہ ان کے دل میں حضرات صحابہ کرامؓ کی محبت وعقیدت کس قدر جاگزیں تھی، اور آپ کا اندازِ تفہیم کس قدر خوبصورت تھا، کہ عام فہم بندہ بھی ان کی بات بآسانی سمجھ سکتا ہے، آپ نے اس تحریر میں حضرات صحابہ کرامؓ کے دفاع کا حق ادا کردیا۔ سبحان اللہ!! علامہ خالد محمود صاحب نے میری کتاب کے اسی مقدمہ میں "اچانک یہ شعلہ کیسے بھڑک اٹھا؟" کے زیرعنوان لکھا ہے کہ:

"خمینی کے برسراقتدار آنے کے بعد پاکستان میں یکا یک نفاذِ فقہ جعفری کا مطالبہ کردیا گیا، اور نہ صرف مطالبہ بلکہ اسے ایک مکمل تحریک کی شکل دی گئی، اس پر پاکستان کی ستانوے (۹۷) فیصد سنی آبادی یکسر کانپ اٹھی اور مسئلہ افہام وتفہیم کی بجائے حقوق کی حد تک جا پہنچا، پاکستان کی سنی آبادی نے اپنے جمہوری حق کا مطالبہ کردیا اور قرار پایا کہ پاکستان کو ایک سنی اسٹیٹ تسلیم کیا جائے اور یہاں صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیت کی عزتوں کا تحفظ بذریعہ قانون کیا جائے، کہتے ہیں لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے، جب اہلِ اِقتدار نے پاکستان کی اکثریت کے اس معصوم مطالبہ پر کان نہ دھرے اور معلوم ہوگیا کہ یہ لوگ جو نچلی سطح پر تین

فیصد سے زیادہ نہیں اور اوپر کی سطح پر چالیس فیصد تک براجمان ہیں، اس پر سنیوں کو اپنے حقوق کے لیے اٹھنا تھا اور وہ اٹھ کھڑے ہوئے، یہ وہ دور ہے جب ملک میں سپاہ صحابہؓ کا قیام عمل میں آیا، ان کے طریقہ کار سے اختلاف ہوسکتا ہے، یہ کہا جاسکتا ہے کہ بغیر ابتدائی تربیت کے اتنے بڑے میدان میں آنکلنا مناسب نہ تھا، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ بارہ سو سال سے اہل السنۃ والجماعۃ جو صحابہؓ کی مظلومیت کا رونا رو رہے ہیں اور اس پر ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں اگرچہ یہ بے غیرتی ہے تو اسے بھی کبھی ختم ہونا چاہیے، اس کے مثبت جواب کے لیے ایک نیا باب نکلنا تھا کہ اب تحفظ ناموس صحابہؓ کی تاریخ قربانیوں کے خون سے رقم کی جائے گی۔

برصغیر کے اس مطلع پر ہر طرف گہرے بادل چھائے تھے کہ برسنے میں پہلا قطرہ کون ہو؟ اس کے لیے جھنگ کا ایک نوجوان عالم جس کے پیچھے کوئی سرمایہ کی قوت تھی نہ اس کی بڑی برادری تھی، نہ اس نے کسی سیاست دان کے زیر سایہ کوئی تحریکوں کی تربیت پائی تھی اچانک اٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک پر چھا گیا، یہ کس طرح ہوا؟ یہ اس طرح ہوا کہ وہ مظلوموں کی حمایت میں اٹھا تھا اور اس کے پاس علم وصداقت اور علم ودیانت کے وہ ہتھیار تھے جن کا مقابلہ کبھی دنیا کی کوئی طاقت نہیں کرسکی۔''

علامہ خالد محمود صاحب کی اس تحریر سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ صاحب کس انداز سے حالات کا جائزہ لے لیا کرتے تھے اور اس سارے منظر اور پس منظر کو اس طرح قلمبند کرنے کا ملکہ رکھتے تھے جسے دریا بکوزہ کہا جاسکتا ہے۔

علامہ خالد محمود صاحب نے امیر عزیمت مولانا حق نواز شہید کی تحریک ناموس صحابہؓ کی بڑی ہی احسن انداز میں نقشہ کشی فرمائی، علامہ لکھتے ہیں کہ: ''مولانا حق نواز شہیدؒ کے میدان میں آنے سے پہلے ناموس صحابہؓ کی علمی اور تحقیقی سرحدوں پر بہت کام ہو چکا تھا، گزشتہ چالیس سال میں متعدد علماء کرامؒ دفاع صحابہؓ پر ہر ہر شہر اور ہر ہر قریہ میں کام کر چکے تھے، اب ان محنتوں پر صرف قربانیاں گزارنے کی ضرورت تھی اور اس کے لیے اللہ ربّ العزت نے جھنگ کے اس مرد قلندر کا انتخاب کر رکھا تھا۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، مولانا حق نوازؒ کی ان قربانیوں سے دین حق کے لیے پہلے قربان ہونے والوں کی تاریخ بھی جاگ اٹھی۔''

بندہ راقم الحروف حدوٹی کے بارے میں میری کتاب کے مقدمہ میں علامہ خالد محمودؒ لکھتے ہیں کہ:

''عزیز محترم مؤلف کتاب ہذا مولانا ابواسامہ محمود نے مولانا حق نوازؒ پر لکھنے سے پہلے حق وباطل کی معرکہ آرائی پر ۵۵ر مجاہد علماء کا بڑے دلسوز پیرایہ میں ذکر کیا ہے، پھر اس میدان کی ۳۵ر جانگسل وادیوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن میں اہل حق نے اسی میں اپنی سعادت سمجھی کہ ان میں ان کی جان کام آجائے۔

مصنف نے صحابہ کرامؓ کی مظلومیت کی دلگداز داستان بڑے دلسوز پیرایہ میں ذکر کی اور اس کے کئی باب ہیں، ان تمام مباحث سے گزر کر ابواسامہ محمود نے مولانا حق نواز شہیدؒ پر قلم اٹھایا ہے۔

میں ان تمام تحریرات کو سطراً سطراً تو نہیں دیکھ سکا لیکن یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ مولانا حق نواز شہیدؒ پر لکھی گئی یہ

کتاب مولانا شہید کو قربانیوں کی اس تاریخ میں پہلے گزرے ہوئے اہلِ حق میں ایک ممتاز مقام دینے میں ایک بڑی کامیاب کوشش ہے۔

مولانا ابواسامہ محمود کی تحریر میں سوز وگداز پایا جاتا ہے، کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف نے بڑی عرق ریزی، محنت شاقہ اور پوری دیانت داری سے اس محاذ پر کام کیا ہے، مولانا شہید پر لکھی گئی یہ واحد کتاب ہے جس سے مولانا مرحوم کے مشن، مؤقف اور پروگرام کی عکاسی ہوتی ہے، اس میں صرف مولانا کی ذات کے حوالہ سے نہیں بلکہ اس عظیم مشن کے حوالہ سے بات کی گئی ہے، جس کے لیے مولانا نے اس سنگلاخ اور خاردار وادی میں عنفوانِ شباب سے ہی قدم رکھ دیا تھا اور تاوقتِ شہادت وہ اس پر قائم رہے اور کھلم کھلا اپنے سچے مؤقف کا اظہار کرتے رہے۔''

علامہ خالد محمود اب ہم میں نہیں رہے لیکن ان کی باقیات الصالحات ان کی زریں اور وقیع کتابوں کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہیں، ان کی تحریریں تا ہنگامہ یوم النشور دیکھی اور پڑھی جاتی رہیں گی، علم کے یہ بحر ذخار ومواج اپنے قارئین کی سدا راہنمائی اور راہبری کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان کی کاوشہائے فکر کو دوام بخشے اور ان کے لگائے ہوئے اس علمی گلشن کی آبیاری فرمائے۔ آمین یارب العالمین **بحرمة النبی الکریم علیه الصلاة والتسلیم**

☆......☆......☆......☆

روزنامہ ''**اسلام**'' ......[رمضان ۱۴۴۱ھ، ۱۶؍مئی ۲۰۲۰ء]

مولانا محمد اسماعیل ریحان

سلطان العلماء کی رحلت

خبر ہی ایسی ہے کہ یقین کرنے کا دل نہیں چاہتا۔ علم وفضل، تحقیق وتدقیق، مباحثہ ومناظرہ اور حدیث وتاریخ کا سلطان چلا گیا۔ وہ شجرِ سایہ دار ہم سے چھن گیا جس کی گھنی چھاؤں کئی عشروں سے علم کے ہر متلاشی کے لیے خدا کی رحمت تھی۔ اس مردِ قلندر نے طویل عمر پائی اور عمر کے ہر لمحے کو خوب کارآمد بنایا۔ وہ ایک صدی پوری کرنے والے تھے، مگر اس کے باوجود متحرک اور فعال تھے۔ تحریر خود پڑھتے اور قلم سے خود لکھتے تھے۔ اتنی کہنہ سالی میں حافظے کا جواب دے جانا ایک عام بات ہے، مگر حضرت سلطان العلماء کے حافظے میں معمولی فرق کے سوا کچھ نہ تھا۔ عبارتوں کی عبارتیں اُسی طرح ازبر تھیں۔ نکات ومعارف کا چشمہ اُسی طرح جاری تھا۔

حضرت سلطان العلماء علمائے اہل سنت دیوبند میں ایک چمکتا ستارہ تھے۔ دورانِ طالب علمی جن جلیل القدر اساطینِ اُمت سے فیض حاصل کیا اُن میں سے ہر ایک اپنی جگہ علم کا ایک سمندر تھا۔ کیا قسمت تھی کہ جن ہستیوں کے تصور سے ہی چشم بصیرت میں نور کے جھماکے ہونے لگتے ہیں، حضرت سلطان العلماء کو سالہا سال ان کی طویل مدت تک صحبت ملی۔ آپ کی رفاقت اُن بے نظیر علماء کے ساتھ رہی، جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ علم ومعرفت کا ماہتاب اور جرأت وعزیمت کا آفتاب تھا۔

ویسے تو آپ ہر فن مولا اور ہر میدان میں یکتا تھے مگر فنِ مناظرہ آپ پر تمام تھا۔ باطل فرقوں میں سے بھی کوئی آپ کی قوتِ استدلال اور منطق وحاضر جوابی کے سامنے ٹھہر نہ سکتا تھا۔ تقابلِ ادیان کے فن میں بھی آپ کو مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ نصرانیت، یہودیت، ہندومت اور سکھ مذہب (کے علاوہ رافضیت وقادیانیت) کے متعلق آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ آپ کی سیاسی بصیرت بھی بے مثال تھی اور طبیعت میں نہایت اعتدال تھا۔ آپ مدنی اور تھانوی نسبتوں کے جامع تھے اور اکابر کے ہاں مختلف فیہ معاملات میں ایسا توازن اختیار کرتے تھے کہ جس سے اتحاد واتفاق کی راہیں کھلتی تھیں اور راہِ عمل آسان ہوتی تھی۔

حضرت سلطان العلماء کو جس قدر گفتار وخطابت پر گرفت حاصل تھی، اسی قدر آپ کا قلم بھی بے مثال تھا اور بڑے بڑے ادیبوں سے خراجِ تحسین وصول کرتا تھا۔ آپ ہفت روزہ خدام الدین (لاہور) اور تنظیم اہل سنت کے ترجمان ہفت روزہ ''دعوت'' کے مدیر بھی رہے۔ آپ کے علمی مضامین مشہور علمی مجلّات میں شایع ہوتے رہے تھے جن میں ماہنامہ دارالعلوم (دیوبند)، ماہنامہ الرشید (جامعہ رشیدیہ ساہیوال) اور ماہنامہ الصدیق (ملتان) قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کا بہت سا کام غیر مطبوعہ بھی ہے۔ آپ کی تحریر کی خاص صفات اختصار، اعتدال، منطقی ربط، استدلال اور جامعیت تھی۔ بڑے بڑے مضامین کو آپ چند جملوں میں سمو دیتے تھے۔ اختصار ایسا نہ تھا کہ سمجھنے میں کچھ دشواری ہو۔ نکتہ فوراً سامنے آجاتا تھا جس کی تشریح پر پورا مضمون لکھا جا سکتا تھا۔

اس قدر مصروفیات کے باوجود تحفظِ ختم نبوت، دفاعِ ناموسِ صحابہ، مناظروں اور دعوتی وعلمی پروگراموں کے لیے بیرونی اسفار کا سلسلہ جاری رہا۔ جنوبی افریقہ میں قادیانیوں کو عدالتی طور پر غیر مسلم قرار دلوانے کے لیے پاکستان کی نمائندگی کی اہم ذمہ داری بھی آپ نے انجام دی۔

راقم نے حضرت کی پہلی بار زیارت فروری ۱۹۹۰ء میں اس وقت کی تھی جب حسن ابدال اور واہ کینٹ کے علاقے میں دفاعِ صحابہ کے لیے سرگرم علامہ شعیب ندیم شہید، سید موسیٰ رضا اور ان کے رفقاء نے حضرت کو مدرسہ اشرفیہ حسن ابدال میں ایک پروگرام سے خطاب کے لیے مدعو کیا۔ حضرت کی عمر اس وقت پینسٹھ سال کے قریب تھی۔ **مشلح** (عربی چغا) زیبِ تن تھا۔ سر پر کتھی رنگ کی قراقلی ٹوپی تھی۔ کندھوں کو چھوتی ہوئی زلفوں اور گھنی ڈاڑھی میں سپیدی اور سیاہی کی آمیزش تھی۔ یہ پُرجلال شخصیت ایک شاہانہ تمکنت کے ساتھ جب مدرسے کے احاطے میں داخل ہوئی تو مجھ جیسے پہلی زیارت کرنے والے دم بخود رہ گئے۔ پھر حضرت کا بیان شروع ہوا۔ مدرسے میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ حضرت کے خطاب کے کچھ نکات آج بھی ذہن میں گردش کر رہے ہیں۔ ہر بات حکیمانہ اور ہر جملے نپا تلا ہوا۔ سمجھانے کا انداز نہایت مؤثر اور انوکھا تھا۔ درمیان میں کہیں کہیں کچھ ظرافت کی جھلک بھی تھی۔

اس کے بعد دوسری زیارت بہت طویل وقفے کے بعد دو ہزار اٹھارہ عیسوی میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں ہوئی۔ حضرت مؤطا امام مالک کا درس دے رہے تھے۔ الحمد للہ اس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ ایسا لگا کہ علم کا ایک دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ حضرت کے خادم مولانا ظہیر احمد ظہیر حفظہ اللہ کے توسط سے حضرت کی خدمت میں حاضری بھی ہوگئی۔ راقم نے ''تاریخِ اُمتِ

مسلمہ'' پر کام کا ذکر کیا تو حضرت نے انتہائی مسرت کا اظہار کیا اور بہت زیادہ حوصلہ افزائی فرمائی۔ کتاب طبع ہوئی تو حضرت کو ملاحظے کے لیے برطانیہ بھیج دی گئی۔ حضرت حسبِ فرصت گاہے گاہے اس کا مطالعہ فرماتے رہتے تھے۔ اس دوران حضرت کے خادمِ خاص مولانا ثقلین حیدری سے معلوم ہوتا رہتا تھا کہ کتاب حضرت کو پسند آئی ہے۔ راقم کے لیے یہ بڑی سعادت ہے کہ آخر تک اس کی کاوش حضرت کی میز پر تھی۔

علم وفضل کی ان فلک بوس بلندیوں پر پہنچ کر بھی آپ زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر کام کے خوگر تھے۔ نام اور شہرت کے قطعاً متلاشی نہ تھے بلکہ اپنے کمالات، مجاہدات اور مقامات کو انتہائی پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ کو جو نسبتیں حاصل تھیں، ان میں سے ایک بھی اس دور میں گوہرِ نایاب تھی اور ان میں سے ایک نسبت والے کے گرد بھی پروانوں کا ہجوم لگ سکتا تھا مگر آپ شرعی ضرورت اور دینی تقاضے کے بغیر تنہائی کو پسند کرتے تھے۔ صحافی اور میڈیا والے آپ سے وقت لینے کی کوشش کرتے تھے مگر آپ ان سے دور رہتے تھے۔

آپ اپنے مومنانہ وقار اور طبعی خودداری کے باعث پہلی نگاہ میں شاہانہ مزاج معلوم ہوتے تھے مگر آپ کو قریب سے دیکھنے سے محسوس ہوتا تھا کہ آپ مردِ قلندر تھے۔ تکلفات سے دور تھے۔ پرانے بزرگوں کی سادگی اور بے نفسی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

آپ علماء کے سرتاج اور ان کے ملجأ وماویٰ تھے۔ ہر دینی تحریک اور ہر دینی شعبے کی سرپرستی فرماتے تھے۔ مگر خاص کر تحفظِ ختم نبوت، دفاعِ صحابہ اور ردّ فتن پر کام کرنے والے نوجوان علماء کی آپ بہت زیادہ قدر فرماتے تھے اور انہیں دعاؤں سے نواز کر ان کے حوصلوں کو کئی گنا بلند کر دیتے تھے۔

راقم نے حضرت کے بعض بیانات یوٹیوب سے سنے تو محسوس ہوا کہ حضرت ایک چلتی پھرتی تاریخ ہیں۔ کم از کم گزشتہ آٹھ نو عشروں کی تاریخ کے وہ چشم دید گواہ ہیں۔ پھر بحمد اللہ حافظہ بھی اس پیرانہ سالی کے باوجود بہت قوی ہے۔ اس پسِ منظر میں راقم نے کوشش کی کہ کسی طرح حضرت سے ایک تفصیلی انٹرویو کا وقت مل جائے۔ آپ کے بچپن، طالب علمی، تقسیمِ ہند کے حالات، تحریکِ ختم نبوت میں شرکت کے واقعات، اکابر میں سے ایک ایک کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات کی جھلکیاں اور بہت کچھ جو آج تک لوگوں کو معلوم نہیں، وہ محفوظ ہو جائے مگر حضرت کے خدام نے افسردگی کے ساتھ بتایا کہ حضرت ایسی چیزوں کو بالکل پسند نہیں فرماتے۔ اللہ اکبر! یہ شانِ قلندری فی زمانہ عنقا ہے۔ اگر ہے تو ان گنے چنے بندگانِ خدا کے پاس جنہیں اہل اللہ کی نسبت نصیب ہے۔

حضرت سے گرم موسم برداشت نہ ہوتا تھا۔ ہر سال موسم سرما میں پاکستان تشریف لا کر تشنگانِ علم کو سیراب فرمایا کرتے تھے اور گرمی شروع ہونے سے قبل عموماً مارچ کے آخر میں واپس تشریف لے جاتے۔ اس سال بھی حضرت حسبِ معمول سرما میں تشریف لائے۔ راقم نے مولانا ظہیر احمد ظہیر کے ساتھ رابطہ کر کے حاضری کا پروگرام بنالیا تھا مگر اچانک معلوم ہوا کہ حضرت طبیعت

کی خرابی کی بناء پر وقت سے پہلے برطانیہ واپس چلے گئے ہیں۔ یہ سن کر انتہائی رنج ہوا مگر دل کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ ان شاء اللہ حضرت دوبارہ تشریف لائیں گے اور ایک بار پھر ان کی زیارت سے چشمِ مشتاق روشن ہوگی۔

مگر افسوس کہ وہ دن پھر نہ آیا۔ اس رمضان کے آغاز میں ہی راقم کا موبائل خراب ہوگیا اور اکثر احباب کے نمبر ضایع ہوگئے۔ یوں حضرت کے تمام خدام سے رابطہ منقطع ہوگیا۔ اگر چہ حضرت سلطان العلماء کے ساتھ ان دنوں روحانی نشست غیر معمولی ہوگئی اور وہ یوں کہ مولانا ثقلین حیدری صاحب نے انتہائی نوازش کرتے ہوئے کچھ دنوں پہلے لاہور کے احباب کی وساطت سے حضرت کی بہت سی کتب مجھے ارسال فرمائی تھیں۔ ان میں سے کئی کتب کا مطالعہ میں نے پہلے نہیں کیا تھا۔ میں نے ''خلفائے راشدین'' سے مطالعے کی ابتداء کی اور تاریخِ اُمت مسلمہ کو بہتر بنانے کے لیے حضرت کے نکات وتحقیقات کو نوٹ کرنے لگا۔ یہ سلسلہ جاری تھا کہ کسی نے میسج کر کے اطلاع دی کہ حضرت برطانیہ میں اپنی رہائش گاہ میں گر کر زخمی ہوئے ہیں، ران کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے جس کا آپریشن ناگزیر ہے۔ اس خبر سے دل پر ایک قیامت گزر گئی۔ بے چینی سے بُرا حال تھا، دل چاہتا تھا کہ فون کر کے مولانا ثقلین حیدری سے حضرت کی خیر خیریت کا پتہ کروں، مگر رابطے کے وسائل ٹوٹ چکے تھے۔ دعا کرتا رہا کہ اللہ حضرت کو جلد شفائے کاملہ عطا فرمادے۔ مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ کل اُنیس رمضان چودہ سو اکتالیس ہجری بمطابق چودہ مئی دو ہزار بیس عیسوی کو سلطان العلماء کی رحلت کی خبریں ہر طرف سے آنا شروع ہوگئیں۔ اب ہر طرف ایک سوگ کی فضا ہے۔ ایک سناٹا سا چہار سو طاری ہے۔ آپ کے فرزندوں اور صاحبزادیوں کے علاوہ بے شمار تلامذہ آپ کے ورثاء ہیں جو سوگوار ہیں۔ ''**موتُ العالِم موتُ العالَم**'' اسی کو کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت سلطان العلماء سے اپنے فضل وکرم کے شایانِ شان معاملہ فرمائے۔ ان کے درجات کو بے انتہاء بلند فرمائے۔ ان کے تمام پس ماندگان کو صبرِ جمیل نصیب کرے اور ہمیں ان کے بتائے ہوئے راستے پر استقامت بخشے۔

علوم کا ایک بے بہا ذخیرہ حضرت کی میراث ہے۔ اس میں سے بہت کچھ غیر مطبوعہ ہے۔ نیز حضرت کے بہت سے آڈیو بیانات ان کے معتقدین کے پاس کیسٹوں کی شکل میں ہیں۔ میری تمنا ہے کہ حضرت کے تمام مقالات، مضامین، تصانیف اور بیانات منظر عام پر آئیں۔ مولانا ثقلین حیدری جیسے حضرت کے جید خدام اس ہدف کی تکمیل کے لیے ایک مدت سے مستعد ہیں۔ اللہ ان کی ہر طرح مدد فرمائے۔ حضرت کی شایع شدہ تصانیف دیکھ کر قدر دان اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دورِ حاضر میں یہ ایک مستقل نوع کا علمِ کلام ہے۔ قادیانیت اور فرقِ باطلہ کی تردید کے حوالے سے نسلِ نو کو مطمئن کرنے والے ایسے نت نئے نکات، ایسے عجیب استدلالات اور اس قدر علمی معارف ولطائف پر مشتمل کام میری نظر سے کسی عرب عالم کا بھی نہیں گزرا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حضرت کی مطبوعہ کتب کو عربی، انگریزی اور دیگر زبانوں میں منتقل کیا جائے۔ یہ ایک قرض ہے جو سلطان العلماء ہمارے کندھوں پر چھوڑ گئے ہیں۔ اللہ ہمیں اس سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆......☆......☆......☆

ماہنامہ ''نقیبِ ختم نبوت'' ملتان......[شوال تا ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ/جون تا اگست ۲۰۲۰ء]

سید محمد کفیل بخاری

مفکر اسلام علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ کو میں نے سب سے پہلے ۱۹۷۰ء کی دہائی میں جامعہ خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسے میں سنا۔ تب ان کی داڑھی سیاہ تھی۔ غالباً مہندی لگاتے تھے، ہماری رہائش جامعہ میں ہی تھی اور تقریباً پچیس سال خیر المدارس میں ہمارا قیام رہا۔ آپ اپنے خطاب میں ایسے علمی موتی پروتے جو کسی کتاب میں پڑھنے کو نہ ملتے۔ علمی استدلال اور نکتہ آفرینی تو ان پر ختم تھی۔ ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۰ء کے دہائیوں میں وہ گاہے گاہے جامعہ خیر المدارس تشریف لاتے رہے۔ دورہ حدیث کے طلبہ میں ان کے اسباق ودروس میں بہت علمی وقیمتی باتیں سننے کو ملیں۔ باطل فرقوں اور فتنوں کا ایسے انداز میں رد کرتے کہ باید وشاید۔

آپ جب بھی ملتان آتے تو جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری اور حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہما اللہ سے ملاقات کے لیے ضرور تشریف لاتے۔ اُن کی مجالس میں ہونے والی گفتگو سے ہم ایسے طالب علموں کے بے شمار اشکالات دور ہوتے۔ وہ سائل کے سوال کو بڑی توجہ سے سنتے، بعض اوقات دو دو مرتبہ سوال سنتے اور اسی طرح جواب میں بعض جملوں کو دو یا تین مرتبہ دہراتے۔ حضرت علامہ خالد محمود اپنی گفتگو سبق پڑھانے کے انداز میں کرتے۔ اس طرح ان کی باتیں سننے والوں کے دلوں پر نقش ہو جاتیں۔

چونتیس سال پرانی بات ہے، راقم نے لاہور میں ایک ملاقات میں حضرت علامہ کو ۷/مارچ ۱۹۸۶ء کو مسجد احرار چناب نگر میں مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام شہداءِ ختم نبوت کانفرنس میں شرکت وخطاب کی دعوت دی اور انہوں نے فوراً قبول فرمالی۔ سوءِ اتفاق کہ سواری بروقت نہ ملنے کی وجہ سے وہ اجلاس میں شریک نہ ہو سکے۔ نماز جمعہ کے بعد عصر تک کانفرنس کی آخری نشست تھی۔ نماز مغرب سے کچھ دیر قبل ہم کارکنان احرار، ابناء امیر شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاری اور مولانا سید عطاء المؤمن بخاری رحمہما اللہ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ اچانک حضرت علامہ تشریف لے آئے۔ ہمیں اس بات پر حیرت ہوئی کہ وہ ایک طالب علم کے ساتھ سائیکل پر بیٹھ کر یہاں پہنچے تھے۔ تبادلۂ سلام ودعا کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ سائیکل پر کہاں سے آئے ہیں؟ ہمیں اطلاع کی ہوتی، سواری بھیج دیتے۔ فرمانے لگے:

''لاہور سے بس تاخیر سے چلی، مسجد احرار کا راستہ معلوم نہ تھا۔ پھر میں تنہا مسافر، کوئی رفیق سفر بھی نہ ملا۔ عصر کے وقت مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکز مسلم کالونی کے بس اسٹاپ پر اتر گیا۔ وہاں موجود حضرات سے مسجد احرار کا پتا پوچھا تو انہوں نے ایک طالب علم کو سائیکل دے کر میرے ساتھ روانہ کر دیا۔ آپ سے وعدہ کیا تھا، وعدہ نبھانے آ گیا ہوں۔ ضروری تو نہیں کہ جلسے میں ہی

گفتگو کروں۔ مجلس میں بھی تو گفتگو ہو سکتی ہے۔ مجھے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی جماعت مجلس احرار اسلام سے بہت ہی محبت ہے۔ یہی محبت مجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔ جب امیر شریعت سے محبت ہے تو اس کا لازمی تقاضا ہے کہ اُن کے بیٹوں اور اُن کی جماعت سے بھی محبت کی جائے۔ میں نے سوچا کہ کانفرنس تو ختم ہو گئی لیکن امیر شریعت کے بیٹے تو موجود ہوں گے، احرار کارکن بھی ہوں گے۔ میں انہیں دیکھ کر امیر شریعت کی یادیں تازہ کر لوں گا۔''

یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی گرنے لگے۔ گزرا ہوا زمانہ، بیتے واقعات، امیر شریعت کی اُن پر شفقت، احرار کانفرنسوں کے تاریخی مناظر، نہ جانے کیا کیا یاد آیا ہوگا۔ ابناء امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری اور حضرت مولانا سید عطاء المومن بخاری رحمہما اللہ کے ساتھ دیر تک گفتگو فرماتے رہے، موتی رولتے رہے۔ کتنے ہی موضوعات تھے جن پر ایک ہی مجلس میں انہوں نے علم کے دریا بہائے۔ حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ کو بھی حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ سے بہت محبت تھی۔ جب بھی ملاقات ہوتی تو وہ ان سے سوالات ضرور کرتے۔ حضرت شاہ جی ان کے مزاج شناس بھی تھے اور علمی وجاہت کے قدردان بھی۔ اس مجلس میں بھی عقیدہ ختم نبوت، حیات ونزول سیدنا عیسیٰ علیہ اسلام، مرزا قادیانی کے دجل وفریب اور دیگر موضوعات پر شاہ جی نے سوالات کیے۔ حضرت علامہ کھلتے اور کھلتے چلے گئے۔ اے کاش! اس مجلس کی گفتگو کوئی لکھ لیتا۔ نماز عشاء سے قبل حضرت علامہ نے واپسی کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ سواری کا انتظام کیا اور حضرت کو رخصت کیا۔ آج سوچتا ہوں کہ اتنا بڑا آدمی اور اتنی سادگی و وضع داری، یہ اُن کے علم وتقویٰ کا فیض تھا۔

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

اگست ۱۹۹۲ء کو جناح ہال لاہور میں مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں جلسہ تھا۔ ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ جلسہ کی صدارت فرما رہے تھے۔ اکثر خطباء اپنی تقاریر کر چکے اور اب صاحبِ صدرات کے خطاب کا اعلان ہونا تھا کہ اچانک حضرت علامہ خالد محمود اور حافظ عبدالرشید ارشد (مکتبہ رشیدیہ لاہور) رحمہما اللہ ہال میں داخل ہوئے۔ میں انہیں سٹیج پر لے آیا۔ عرض کیا کہ ایک تو مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ پاکستان تشریف لائے ہوئے ہیں، ورنہ آپ کو جلسے میں خطاب کی دعوت دیتا۔ دوسرا یہ کہ اب آخری تقریر حضرت ابن امیر شریعت کی ہونی ہے اور ہال کا وقت ختم ہونے میں آدھا گھنٹہ باقی ہے۔ آپ تشریف لے آئے ہیں تو چند منٹ کے لیے دعائیہ کلمات ارشاد فرما دیں۔ آپ کے بعد حضرت شاہ صاحب کا خطاب ہوگا۔ فرمانے لگے کہ:

''میں حافظ عبدالرشید صاحب کے مکتبہ رشیدیہ پر آیا تو آپ کے جلسے کا علم ہوا۔ حافظ صاحب احرار کے پرانے کارکن اور جلسے سننے کے بے حد شوقین ہیں۔ پھر حضرت امیر شریعت کی یاد میں جلسہ ہو اور میں سنے کے بغیر پاس سے گزر جاؤں، ممکن نہیں۔ سو ہم

دونوں آ گئے ہیں''۔

ڈاکٹر محمد عمر فاروق سٹیج سیکرٹری تھے۔ انہوں نے میری ہدایت کے مطابق اعلان کیا اور کہا کہ ہماری خوش نصیبی ہے حضرت علامہ خالد محمود جلسے میں تشریف لے آئے ہیں۔ میں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ چند دعائیہ کلمات ارشاد فرما دیں۔ حضرت علامہ خالد محمود مائیک پر آئے اور فرمایا:

''منتظمین نے دعا کے ساتھ ایک لفظ کا اضافہ کیا کہ دعائیہ کلمات! میں اسی سوچ میں کھویا ہوا ہوں کہ دعائیہ کلمات کیا ہوتے ہیں؟ دعا تو سمجھ آئی لیکن دعائیہ کلمات سے میں اس وقت سمجھا ہوں کہ حضرت امیر شریعت کی یاد میں یہ جو تقریب منعقد ہو رہی ہے اس کے بارے میں دو چار کلمات ہو جائیں پھر دعا ہو'' اس کے بعد یہ شعر پڑھا ۔

مجتہد لوگ مر نہیں سکتے، وہ فقط راستہ بدلتے ہیں
ان کے نقش قدم پر صدیوں تک منزلوں کے چراغ جلتے ہیں

دورانِ خطاب ارشاد فرمایا: ''انگریز دور میں ڈپٹی کمشنر اور گورنر اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد اس دور کے باغیوں کے بارے میں ایک جملہ لکھتے تھے، ایسے ہی حضرت امیر شریعتؒ کے بارے میں لکھا: ''سید عطاء اللہ شاہ بخاری ایسی شخصیت ہیں جن کو خریدا نہیں جا سکتا''۔ یہ ایک ایسا جملہ ہے جس کی شرح کی جائے تو گھنٹوں چاہئیں ۔

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیے
پیدا کیے فلک نے تھے جو خاک چھان کر

حضرت شاہ صاحب جب میدان میں آئے تو ان پر اعتماد کا ہاتھ علم کے باب میں مولانا انور شاہ کشمیری نے رکھا، ان کے جوہر کو جوہر نے مانا (مولانا محمد علی جوہرؒ) شاہ صاحب اس درجے کے خطیب تھے جس کا اظہار واقرار مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا، شاہ صاحب کا اخلاص چودھری افضل حق نے مانا۔ ہندوستان میں بڑے بڑے لیڈر آئے، بڑے بڑے سیاست دان آئے، بڑے بڑے مفکر آئے لیکن کم ہی ایسا ہوا کہ کسی لیڈر نے جو کچھ کہا اور وہ ہو گیا ہو۔ اگر آپ تاریخ رفتہ کو آواز دیں تو صرف دو لیڈر ملتے ہیں پورے برصغیر کی تاریخ میں، جنہوں نے جو کہا وہ ہو گیا۔ ایک محمد علی جناح جنہوں نے کہا ملک کو تقسیم ہونا ہے اور پاکستان کو بننا ہے تو جو کہا وہ ہوا یا نہیں؟ دوسرے حضرت امیر شریعتؒ نے کہا کہ اس ملک میں قادیانی مسلمان شمار نہیں ہوں گے اور یہ تمہیں ماننا پڑے گا۔ تو شاہ صاحب نے جو کہا وہ ہو کر رہا ۔

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئینِ گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

میں بات ختم کرتے ہوئے عرض کرتا ہوں، میں نے آپ کے سامنے دو لیڈر پیش کیے۔ محمد علی جناح اور امیر شریعت۔

محمد علی جناح نے جو کہا وہ ہو کر رہا لیکن انھوں نے جو جنگ جیتی تھی ان کے جانشین وہ جنگ آدھی ہار گئے اور ملک دو ٹکڑے ہو گیا ۔اور جب قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جارہا تھا تو اس وقت یہ مسئلہ حضرت امیر شریعت کے وارثوں اور نمائندوں کے پاس پیش ہوا کہ جو قادیانی ہے وہ تو غیر مسلم ہے لیکن لاہوری عقیدہ کے جو مرزائی ہیں ان کو قبول کرلو۔لیکن شاہ صاحب نے جو وارث اور اس مسئلہ کے جو علمبردار چھوڑے تھے انہوں نے کہا کہ اسلام تقسیم قبول نہیں کرتا۔اسلام ایک امر بسیط ہے۔ہو گا تو پورا ہو گا، نہیں ہو گا تو کچھ نہیں ہو گا''۔

حادثۂ کربلا پر آپ کی دس تقاریر پر مشتمل کتاب ''محرم کی دس راتیں'' مسلک حق کی ترجمان اور متلاشیان حق کے لیے بہترین کتاب ہے، یہ غالباً ۲۰۱۸ء میں مانچسٹر میں ہونے والی اُن کی تقاریر ہیں۔حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ ہمیشہ علماء اہل سنت دیوبند کے فکری، اعتقادی اور مسلکی منہج پر رہے اور اُن کی ترجمانی کا حق ادا کیا۔

اگست ۱۹۹۹ء کی ایک سہ پہر حضرت علامہ رحمہ اللہ دفتر مجلس احرار اسلام لاہور میں ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔حضرت علامہ، شاہ جی کے روبرو بیٹھے تھے۔یہ ایک گھنٹے کی ملاقات تھی جس کے حسین نقوش آج تک میرے دل ودماغ پر مرتسم ہیں۔حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کا بار بار تذکرہ کرتے ہوئے اُن کی آنکھوں سے آنسو چھلکتے رہے۔اُدھر بارش کی رم جھم، اِدھر آنسوؤں کی برسات۔عجیب سماں تھا۔امرتسر میں حضرت امیر شریعت سے ملاقاتوں اور ان کی شفقتوں کا مسلسل ذکر کرتے رہے۔پھر قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں حضرت امیر شریعت اور مجلس احرار اسلام کے تاریخ ساز قائدانہ کردار اور قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے آبدیدہ ہو جاتے۔ واپس جاتے ہوئے بار بار پلٹ کر حضرت سید عطاء المحسن بخاری کو دیکھتے اور آنسو پونچھتے رہے۔میں نے سواری کا انتظام کرنے کی درخواست کی تو منع فرمایا اور بارش میں ہی ویگن پر سوار ہو کر رخصت ہوئے۔

میں جب بھی حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا علم وحکمت کے موتیوں سے جھولی بھر کے اٹھا۔کبھی خالی واپس نہیں لوٹا۔ ان کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں بہت علمی مواد ہوتا۔ہمارے مبلغ ختم نبوت مولانا محمد مغیرہ نے ایک مجلس میں کسی مرزائی کا سوال پیش کیا تو فرمایا:

> ''مولوی صاحب! ہر سوال کا جواب دینا بھی ضروری نہیں ہوتا۔بعض اوقات جواباً الزامی سوال کر کے معترض کو امتحان میں ڈال دیا کریں۔وہ سوچتا رہے اور آپ آگے بڑھ جائیں۔''

ایک دفعہ مجھے فرمانے لگے:

> ''فن مناظرہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ مخالف کی بات سننے کے دوران کہتے رہیں کہ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ مخالف آپ کے سوال کا جواب دینے کی صلاحیت سے محروم ہو جائے گا۔آپ مخالف کی گفتگو سے ہی اس کے

موقف کی تردید کرتے ہوئے دلائل پیش کریں اور کہیں کہ آپ ٹھیک ہی تو کہہ رہے تھے۔''

یہ بات حضرت علامہ نے تو بڑی آسانی سے بیان فرمادی۔لیکن میں سوچتا رہا کہ اس کو روبہ عمل لانا کتنا مشکل ہے۔یقیناً اس کے لیے علم، تقویٰ اور تجربہ تینوں ضروری ہیں۔تب کہیں یہ مشکل گھاٹی عبور ہوسکتی ہے اور حضرت علامہ اس میدان کے شناور تھے۔

حضرت علامہ خالد محمود رحمہ اللہ سے آخری ملاقات جنوری ۲۰۲۰ء میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں ہوئی۔میرے ساتھ ڈاکٹر محمد آصف بھی تھے۔میں نے ان کا تعارف کرایا کہ ڈاکٹر آصف، مجلس احرار اسلام کے شعبہ دعوت وتبلیغ کے ناظم ہیں، سابق قادیانی ہیں اور کئی قادیانیوں کو دعوت کے ذریعے مسلمان کر چکے ہیں۔حضرت علامہ چونکے اور ان کی طرف متوجہ ہوکر فرمانے لگے:

''اب صرف کانفرنسیں کرنے سے کام نہیں چلے گا، دلیل، علم، عمل اور اخلاق کے بغیر دعوت کامیاب نہیں ہوسکتی۔نومسلموں کا معاشی تحفظ بھی انتہائی ضروری ہے۔''

مجھے فرمانے لگے:

''نئی نسل کا یہ عقیدہ ہے کہ مولوی جاہل ہیں۔زبان وقلم میں شائستگی کے ساتھ ساتھ حالات حاضرہ سے باخبر ہونا اور عصری علوم سے استفادہ کرنا بھی داعی کے لیے انتہائی ضروری ہے۔اپنے اخلاق بلند کریں، سماجی رویے بہتر کریں، نوجوانوں سے محبت کریں، اپنا بیانیہ بدلیں اور علم سے تعلق مضبوط کریں۔تب محنت کامیاب ہوگی، نئی نسل کو قریب کرنا ہے تو اُن کے سامنے علم وتحقیق پیش کرو۔''

پھر فرمانے لگے:

''حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ میں یہ خوبیاں نمایاں تھیں۔شاہ جی علما میں ایک منفرد شخصیت تھے۔ایسی نرالی شان والا کھرا اِنسان میں نے کوئی نہیں دیکھا۔وہ سب کے محبوب تھے اور مخلوق سے محبت کرنے والے تھے۔انہوں نے بہادروں اور مخلصوں کی جماعت مجلس احرار اسلام بنائی اور تحفظ ختم نبوت کے لیے سب کچھ قربان کردیا''۔

ملاقات کے بعد واپس لوٹا تو رات گئے تک اُن کی باتوں پر غور کرتا رہا۔ذہن کھلتا چلا گیا اور کام کرنے کی اُمنگ بڑھتی چلی گئی۔حضرت علامہ خالد محمود حقیقتاً عالم اسلام کی عبقری شخصیت تھے۔تقریباً پون صدی انھوں نے دین اسلام کی علمی، تبلیغی اور تحقیقی خدمت کی۔وہ اپنی وضع اور خصوصیات کے منفرد انسان تھے۔

ان کے قریبی احباب وتلامذہ کی ذمہ داری ہے کہ حضرت کے حالات جمع کرکے کتاب شائع کریں اور نئی نسل کو اُن کے حالات، خدمات اور تحریری نگارشات سے مستفید کریں۔اللہ تعالیٰ حضرت علامہ خالد محمود کی قبر پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور ان کی دینی خدمات قبول فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔آمین

☆......☆......☆......☆

ماہنامہ ''**البلاغ**'' کراچی......[ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ / جولائی ۲۰۲۰ء]

مولانا حنیف خالد

حضرت علامہ خالد محمود صاحبؒ کی علمی و دینی خدمات

۲۰/رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بروز جمعرات عالم اسلام کے عظیم محقق، درویش صفت بزرگ عالم دین، ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر برطانیہ جسٹس (ر) علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۹۶/سال کی عمر میں چندروز کی علالت کے بعد مانچسٹر ہسپتال برطانیہ میں رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت علامہ مرحوم کے سانحہ ارتحال کا خاص طور پر اہل علم کو بہت صدمہ ہوا، مگر اس جیسے سانحات میں تسلیم ورضا ہی بندہ مومن کا شیوہ ہے۔ فرمان خداوندی ہے: **كُـل نَـفـسٍ ذائقة الموت، ثم اِلَينا تُـرجَـعـوُن** [العنکبوت: ۵۷] ''ہر متنفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، پھر ہماری ہی طرف تم سب کو واپس لایا جائے گا۔'' **ان لـلـه مااحد وله مااعطى و كل شئ عنده باجل مسمى، فلنصبر ولنحتسب**۔ ایک عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

لو كانت الدنيا تدوم لواحد لكان رسول الله فيها مخلدا

''اگر یہ دنیا کسی ایک ہی شخصیت کے گرد گھومتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں ہمیشہ تشریف فرما ہوتے۔'' فارسی شعر میں یہ حقیقت یوں بیان کی گئی ہے ؎

دریں دنیا کسے پائندہ بودے ابوالقاسم محمد ﷺ زندہ بودے

''اس دنیا میں کوئی ہمیشہ رہتا تو ابوالقاسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ رہتے''

اللہ تعالیٰ نے جس متنفس کے لئے جتنا وقت مقرر کیا ہوتا ہے وہ اتنا وقت پورا کر کے دنیا اور اہل دنیا کو چھوڑ کر دارالبقاء کی طرف روانہ ہو جاتا ہے، زندگی جتنی زیادہ لمبی ہو جائے ہر حال میں ایک نہ ایک دن یہاں سے رخصت ہونا ہے۔

زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے یہ اقامت تجھے پیغام سفر دیتی ہے
موت سے کس کو رستگاری ہے آج وہ کل ہماری باری ہے

حضرت علامہ خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی متعدد مجالس میں الحمدللہ بندہ کو بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی اور استفادے کا موقع ملا، آپ کا طرز معاشرت بہت سادہ، گفتگو دھیمی، باوقار اور مدلل ہوتی تھی، دورانِ درس سائل کے سوال کو تحمل اور غور سے سننا اور پھر اس کا مدلل جواب دینا آپ کا خاص وصف تھا، جس سے سامعین بہت محظوظ ہوتے تھے اور ان کے چہروں پر قلبی طمانیت کے آثار واضح طور پر محسوس کئے جاسکتے تھے۔ مشکل اور انتہائی متنازعہ سوال کا معتدل جواب دینا آپ کا خاص وصف تھا، یقیناً آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحب قدس سرہ، عظیم علمی منصب پر فائز ہونے کے باوجود افادہ عام میں کبھی بھی بخل سے کام

نہیں لیتے تھے، علماء وطلبہ کا اجتماع ہو یا عام مسلمانوں کا مجمع ہو، موقع محل کے مطابق عام فہم انداز میں مسائل بیان کرنا آپ کا معمول تھا۔اس میں وقت کی کوئی قید نہیں ہوتی تھی۔جب تک حاضرین بیٹھے رہتے آپ کی طرف سے ان کو سمجھانے کا سلسلہ جاری رہتا تھا، بعض اوقات یہ مجلس کئی گھنٹوں پر بھی محیط ہو جاتی تھی۔کسی بھی سوال پر غصے یا طیش میں آنا آپ کے مزاج کے خلاف تھا، جس نے بھی اپنے ہاں درس کے لئے وقت مانگا، بلا تکلف اُسے وقت عنایت فرما دیتے تھے اور پھر پبلک ٹرانسپورٹ کے ذریعہ سفر کر کے وہاں بروقت پہنچتے تھے۔اپنے وعدے کا ہمیشہ پاس رکھتے تھے۔

بعض اوقات حضرت مرحوم علمی لطیفے اور خاص قسم کے چٹکلے بھی سنا دیا کرتے تھے۔ایک مجلس میں فرمایا کہ ایک استاذ انگریزی پڑھا رہے تھے۔ایک طالبعلم نے سوال کیا کہ انگریزی میں ''غیرت'' کو کیا کہتے ہیں، استاذ کو وہ لفظ معلوم نہیں تھا تو بجائے اس کے کہ استاذ لاعلمی کا اظہار کرتے، انہوں نے کہا کہ دراصل انگریزوں کے ہاں ''غیرت'' ہے ہی نہیں اس لئے ان کے ہاں اس کے لئے کوئی لفظ بھی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ دین کی دعوت، نشر واشاعت اور شعائر اسلام کی حفاظت کے لئے آپ کی تمام جدو جہد کو قبول فرمائے۔زلات وخطاؤں سے درگزر فرما کر درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے۔پسماندگان کو صبر جمیل اور فلاح دارین عطا فرمائے، علماء کرام وطلبہ کو ان کے علمی تاثر سے کماحقہ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

☆......☆......☆......☆

ماہنامہ ''**الصیانہ**'' لاہور......[صفر المظفر، ربیع الاوّل ۱۴۴۱ھ، اکتوبر، نومبر ۲۰۱۹ء]

مولانا افضال خان اشرفی

سلطان المناظرین حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ [۱]

اُستاذ جی حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ کی ذاتِ والاصفات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔آپ اُمتِ مسلمہ کے لیے عالمی سطح کی ایک عہد ساز شخصیت ہیں۔

آپ کے آباؤ اجداد ہندوستان کے معروف شہر امرتسر کے رہنے والے تھے۔والد صاحب کا نام پیر محمد غنی تھا۔جو کہ محکمہ تعلیم کے ایک سرکاری آفیسر تھے۔ان کی دورانِ ملازمت ۱۹۲۵ء میں قصور شہر میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

آپ کی ابتدائی دینی تعلیم کا آغاز قصور سے ہوا۔اس کے بعد امرتسر جا کر بھی تعلیم کو جاری رکھا۔اپنے گھر کے ماحول کے مطابق عصری تعلیم آپ نے مضبوط بنیادوں پر حاصل کی۔عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ کا ذوق اور رجحان دینی تعلیم کی طرف رہا۔

---

(۱) زیرِ نظر مضمون حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں شائع ہوا تھا۔یہ من وعن شائع کیا جا رہا ہے، کیونکہ فاضل مضمون نگار کا دعویٰ ہے کہ یہ مکمل مضمون حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سنا کر اُن سے اصلاح لی گئی تھی۔واللہ اعلم [ادارہ]

دینی تعلیم اور عصری تعلیم دونوں میدانوں میں آپ کو ترقی کرنے کا شوق آگے لے کر چلتا رہا۔ یہاں تک ایک وقت آیا کہ علامہ آپ کے نام کا جزو بن کے رہ گیا۔

آپ نے دورۂ حدیث شریف ۴۴، ۱۹۴۳ء میں از ہر ہند دار العلوم دیو بند سے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں رہ کر کیا۔ بعد از فراغت آپ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ہمراہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے۔ جہاں پر شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت مولانا سید یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ سے بھی اکتساب علم کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد جامعہ اشرفیہ میں بھی دورہ حدیث کے اسباق میں شرکت فرماتے رہے۔

آپ کے اساتذہ کرام:

۱- شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ
۲- شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
۳- مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ بانی جامعہ اشرفیہ، لاہور
۴- شیخ الکل فی الکل مولانا رسول خان صاحب رحمہ اللہ
۵- شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ
۶- مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ
۷- شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ
۸- حضرت مولانا ابراہیم بلیاوی صاحب رحمہ اللہ
۹- شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اویس کاندھلوی صاحب رحمہ اللہ
۱۰- مولانا محمد نافع گل صاحب رحمہ اللہ

حضرت مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ کا آپ سے بہت محبت اور اعتماد کا تعلق تھا۔ بلکہ اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا۔ راقم کو حضرت مولانا عبید اللہ قاسمی صاحب رحمہ اللہُ نے بتایا کہ اگر والد صاحب (محمد حسن امرتسری رحمہ اللہُ) سے پوچھا جاتا کہ کتنے بیٹے تو علامہ صاحب کو شامل کر کے ۷ بتاتے تھے۔ ان حضرات سے آپ نے علومِ ظاہرہ اور باطنہ میں استفادہ کیا۔ آپ نے اپنے وقت کے تمام جید اکابر کا بھرپور اعتماد حاصل کیا۔

۱۰ سال شیخ التفسیر امام اولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے سفر وحضر میں تبلیغی وملکی امور سرانجام دیئے۔ امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے حکم پر آپ نے ''عقیدۃ الامّت فی معنیٰ ختم نبوت'' جیسی مایہ ناز کتاب تصنیف کی۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہُ اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ اپنی مجالس میں آپ کی

کتب کے نکات سے سامعین کو بھی محفوظ فرماتے۔

آپ قدیم وجدید فکر وفلسفہ کے بھی عظیم شناور ٹھہرے۔مرے کالج سیالکوٹ،اے۔اے۔او کالج لاہور، گورنمنٹ کالج خانیوال میں بطورِ پروفیسر کے خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔

ماہنامہ ’’الرشید‘‘ ساہیوال میں مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی مرحوم نے ایک زمانے میں جن الفاظ میں علامہ صاحب کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا تھا وہ اقتباس درج ذیل ہے:

’’علامہ صاحب ادیبوں میں ادیب، خطیبوں میں خطیب، مصنفوں میں مصنف، عالموں میں عالم، مناظروں میں مناظر، مفکروں میں مفکر، ان کی زبان ترجمان صداقت ہے، ان کا قلم حقیقتِ رقم ہے، قوتِ حافظہ، وسعتِ مطالعہ، فصاحت و بلاغت اور علومِ جدید وقدیم میں مہارت تامہ کے باعث طبقہ ؟ علما میں اپنے شرف وامتیاز کے بلاشرکتِ غیرے مالک ہیں۔ یہ حقیقت بلاخوف وتردید کہی جاسکتی ہے کہ ان کی صداؤں نے ڈھلتی راتوں کے تاریک سناٹوں میں یارانِ نبی ﷺ کا نام بلند کیا۔ نہ معلوم کتنے دماغوں میں توحید وختمِ نبوت کا اُجالا پھیلایا ہے۔ نہ معلوم کتنے ان گنت دل ایسے ہیں جن میں انہوں نے صحابہ ؟ کی عظمت ثبت کردی۔ حق یہ ہے کہ ان کی شخصیت، نگہ بلند، سخن دلنواز، جانِ پُرسوز کا حسین مرقع ہے۔‘‘

حضرت علامہ صاحب تحقیقی دنیا کی قدآور شخصیت ہیں۔ آپ کے ہاں شعلہ نوائی اور مبالغہ آرائی نہیں بلکہ آپ کی گفتگو میں حقیقت سے بھرپور، عقل وخرد سے معمور اور سامعین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دینے والے وہ نایاب علمی جواہرات ہوتے ہیں جو سینکڑوں کتب کے مطالعہ سے بھی سیر نہ ہوں، وہ آنِ واحد میں مل جاتے ہیں۔ جس عنوان پر گفتگو فرماتے ہیں اسی کے شہسوار معلوم ہوتے ہیں۔ تقریر وتحریر اور میدان مناظرہ کے ایسے ماہر کو۔۔۔۔۔۔ آپ کی خدمات کو صدیوں سلام پیش ہوتا رہے گا۔

فرقِ باطلہ، مرزائیت، رافضیت، نیچیریت، منکرین فقہ اور اہلِ بدعت کے بارے میں اُمتِ مسلمہ کی جو راہنمائی آپ نے فرمائی وہ یقیناً مستقل ایک تاریخی سرمایہ ہے۔

بقول امیر شریعت پیر سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری: ’’اگر کوئی فتنہ عصر کے وقت سر اُٹھائے، علامہ صاحب کو اس فتنے کے نظریات اور دلائل بتادیئے جائیں تو علامہ صاحب اپنے دلائل کی روشنی میں سورج غروب ہونے سے پہلے اس کا قلع قمع کر سکتے ہیں۔‘‘

تصانیف میں بھی آپ نے اہل علم کے لیے گراں قدر سرمایہ تیار کیا ہے آپ کی تصانیف میں آثار التنزیل ۲ جلد، آثار الحدیث ۲ جلد، عبقات ۲ جلد، مقدمہ کتاب الاستفسار، مطالعہ بریلویت ۹ جلد، عقیدۃ الامت فی معنی ختم نبوت، عقیدہ خیر الامم فی مقامات عیسیٰ ابن مریم، عقیدۃ الاعلام فی الفرق بین الکفر والاسلام، مرزا غلام احمد قادیانی اپنی سیاست وکردار کے آئینے میں، تجلیاتِ آفتاب، شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہُ، حجیت حدیث (انگلش) اسلام ایک نظر میں (انگلش) اور اس کے علاوہ چارٹر کی شکل میں شجرہ علمی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ شجرہ مودت، شجرہ محدثین دہلی، شجرہ علمائے دیوبند اور دین میں لائے گئے نئے اعمال جیسے انتہائی علمی

پوسٹر بھی شائع کیے۔

آپ کے قدر دان اور علمی مرتبہ و مقام کو پہچاننے والے اور آپ کی تقاریر و تحریرات پر داد، اور دُعائیں دینے والے حضرات میں خیر العلما حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ، حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ، مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبد الحق صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبد الخالق صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ، امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ، حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبد المجید صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا امین صفدر صاحب اوکاڑوی رحمہ اللہ نمایاں شخصیات ہیں۔

ویسے تو آپ کے ان گنت شاگرد صرف ملک پاکستان میں نہیں بلکہ پوری دُنیا میں موجود ہیں لیکن ان میں نمایاں حضرات حضرت مولانا عبد الرحمٰن اشرفی صاحب رحمہ اللہ، مصلح الامت حضرت صوفی محمد سرور صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا ضیاء القاسمی صاحب رحمہ اللہ، مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہید رحمہ اللہ، علامہ علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ، مولانا عبد الغفار تونسوی صاحب، مفتی محمد شاہد عبید صاحب ہیں۔

حضرت علامہ صاحب کی دینی خدمات میں مسلمانان اہلِ مشرق اور اہلِ مغرب دونوں کو فائدہ حاصل ہوا ہے۔ آج کل آپ کا زیادہ وقت اہلِ یورپ کو دین کی دعوت دینے میں گزرتا ہے۔ آپ کے اہل وعیال برطانیہ کے شہر مانچسٹر میں قیام پذیر ہیں۔ قلیل عرصہ کے لیے آپ پاکستان تشریف لاتے ہیں اور پاکستان کے قیام کے دوران اپنے قیمتی وقت کا زیادہ حصہ اپنی مادر علمی جامعہ اشرفیہ کے مہتمم حضرت مولانا عبید اللہ صاحب رحمہ اللہ کے شدید اصرار پر دورۂ حدیث کے طلباء کو موطا امام مالک کا درس دینے میں صرف کرتے ہیں۔

آپ کا درس کیا ہوتا ہے، علوم و معارف کا ٹھاٹھیں مارتا ایک سمندر موجزن ہوتا ہے۔ اور آپ کے درس میں بیٹھنے والا ہر طالب علم صرف اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد پر پختگی حاصل نہیں کرتا بلکہ تمام تر باطل فرقوں کا رد بھی قرآن وسنت کے عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں کرنے کا ڈھنگ اور سلیقہ حاصل کرتا ہے۔

کہاں تک آپ کی خدمات اور کمالات کا تذکرہ کیا جائے۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ کے درج ذیل اشعار کا آپ حقیقی مصداق ہیں کہ جن میں آپ کے اوصاف کی جھلک موجود ہے، اسی کلام پر آپ کا ذکر مکمل کیا جاتا ہے۔

میری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں تسبیح روز و شب پہ شمار کرتا ہوں دانہ دانہ
میں ہراک سے آشنا ہوں لیکن جدا جدا رہ و رسم میری
کسی کا راکب کسی کا مرکب کسی کو عبرت کا تازیانہ

میرے خم و پیچ کو نجومی کی آنکھ پہچانتی نہیں ہے
ہدف سے بیگانہ تیر اس کا نظر نہیں جس کی عارفانہ

اللہ رب العزت تا دیر آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم اور دائم رکھے۔ آمین

☆......☆......☆......☆

ماہنامہ ''متفرق قومی اخبارات''

نوراللہ فارانی

''ایک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی'' کے عنوان سے نوراللہ فارانی صاحب کا ایک مضمون روزنامہ اکثریت پشاور، روزنامہ آئین پشاور، روزنامہ میٹرو واچ اسلام آباد، روزنامہ عوامی دستک کرک اور روزنامہ اسلام وغیرہ میں شائع ہوا، جس میں حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کی سوانحی معلومات، اساتذہ و رفقاء کا تذکرہ، دینی و ملی خدمات اور تصنیفی خدمات کا ذکر تھا۔ یہ سب معلومات کیونکہ سوانح کے باب میں شامل اشاعت ہیں، اِس لیے مذکورہ اخبارات کی نمائندگی کے لیے فارانی صاحب کے محولہ بالا مضمون کا ایک پیراگراف پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ [ادارہ]

آج عالم اسلام کے مایہ ناز محقق ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر جسٹس (ر) علامہ ڈاکٹر خالد محمود پی ایچ ڈی ۹۳ رسال کی عمر میں اس فانی دنیا سے ہمیشہ کے لیے کوچ کر گئے۔ آپ پاکستان کے ممتاز ترین علماء کرام اور مذہبی سکالرز میں بڑے بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ کی علمی، ادبی، روحانی، تصنیفی، تالیفی اور تحقیقی خدمات پون صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہیں۔ آپ نے جس بے جگری سے باطل نظریات و عقائد کا قلع قمع کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ آپ نے مختلف موضوعات مسائل، اور عقائد پر بڑے دو ٹوک اور تحقیقی انداز سے قلم اٹھایا۔ اور جس موضوع پر بھی لکھا کمال لکھا۔ بعض موضوعات پر آپ کی کتابیں آٹھ آٹھ جلدوں تک پھیلی ہوئیں ہیں۔ آپ نے بیسیوں تحقیقی کتب تصنیف کیں جو رہتی دنیا تک آپ کا نام تاریخ کے اوراق پر زندہ رکھیں گی۔

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد نواز سیال [مدیر و شیخ الحدیث: جامعہ قادریہ حنفیہ، ملتان]

ایک چلتا پھرتا کتب خانہ جورو پوش ہوگیا

مولانا محمد نواز سیال مدظلہ کا یہ مضمون قبل از وقت ہی موصول ہوگیا تھا۔لیکن ابواب بندی کے دوران ترتیب میں نہ آسکا۔لہٰذا حضرت موصوف سے بصد معذرت کے ساتھ یہاں پیش خدمت کیا جارہا ہے۔[ادارہ]

تقریباً ایک صدی کی تاریخ کے امین، مناظرِ اسلام، سابق جج شریعت ایپلیٹ بنچ سپریم کورٹ آف پاکستان حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمہ اللہ ۲۱/رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بمطابق ۱۴/مئی ۲۰۲۰ء بروز جمعہ صبح آٹھ بجے ۹/دن کی علالت کے بعد مانچسٹر کے ایم آر ائی ہسپتال میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر محبوب حقیقی سے جاملے! انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت رحمہ اللہ کی جدائی کے غم میں امت مسلمہ کے تمام اہل حق برابر کے شریک ہیں، کیونکہ آپ دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ، اہل السنۃ والجماعۃ احناف علماء دیوبند کے سرخیل، حق پرست عقائد حقہ کے مضبوط ترین پہرے دار اور سینکڑوں خوبیوں کے امین، اہل حق کے قیمتی ترین سرمایہ تھے۔

حدیث شریف میں ہے: **العلماء فانهم ورثة الانبياء.[کنز العمال، کتاب العلم: ۱۵۰/۱۰]** علماء امت، انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اور وراثت کا اصول ہے کہ وہ جمیع متروکات میں چلتی ہے۔

حضور ﷺ کی ذات بابرکات علوم ظاہری وباطنی صفات وکمالات کی جامع ذات تھی، آپ ﷺ کی صحبت کی برکت سے یہ جامعیت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف منتقل ہوئی، پھر یہ دین اسلام کی حقانیت اور شریعت مطہرہ کے امتیازات میں سے ہے کہ ہر دور میں اس امت میں مشیت ایزدی کے مطابق ایسے رجال وشخصیات رونما ہوتی رہتی ہیں جو اس جامعیتِ نبوت یعنی علوم ظاہری وباطنی کیفیات وکمالات کی علمبردار ومحافظ ہوتی ہیں۔

انہی رجال اللہ اور دین اسلام کی اہم ترین شخصیات میں حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمہ اللہ تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ کو جہاں ایک طرف علوم قرآن، علوم حدیث اور علوم آلیہ وعالیہ میں تعمق عطا فرمایا تھا وہاں ذوق احسانی، فہم وفراست اور کمالات باطنیہ کا بھی وافر حصہ لیے ہوئے تھے، موجودہ دور کے فتنوں پر کڑی نظر، پھر حکمت وبصیرت اور مضبوط دلائل کے ساتھ ان کی سرکوبی آپ ہی کا طرہ امتیاز تھا۔ جدید دور کے روشن خیال لوگوں کے انکار حدیث، انکار تصوف اور انکار فقہ جیسے فتنوں پر ان کا حکیمانہ رد اور راہِ ہدایت کی دعوت پر آپ کی تصانیف آثار الحدیث، آثار الاحسان اور آثار التشریع وغیرہ آپ کے ذوق کا بین ثبوت ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ رحمہ اللہ کو علمی گہرائی اور مناظرانہ کمال عطا فرمایا تھا۔

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ سے میری ایک عرصہ تک مصاحبت رہی، سفر وحضر میں ساتھ رہنے کا موقع ملا، حضرت

واقعی اس دور میں چلتا پھرتا کتب خانہ، علم وعمل کے پہاڑ، سادگی وتواضع کا نمونہ تھے، جب میں ۸۰ء کی دہائی میں دارالعلوم عیدگاہ کبیر والہ میں مدرس تھا، اس علاقہ میں فتنۂ مماتیت نے مولوی احمد سعید بلوچ کی صورت میں سر اُٹھایا، ہم لوگ اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے میدان میں آئے، کیونکہ یہ فتنہ علاقے میں بڑی تیزی سے زور پکڑ رہا تھا، ہم نے مناظر اہل حق حضرت مولانا امین صفدر اکاڑوی رحمہ اللہ، حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ اور امیر عزیمت مولانا حق نواز جھنگوی شہید رحمہ اللہ کو باقاعدہ اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے دعوت دی، ان حضرات کے ساتھ پورے علاقے کے دورے کیے، حضرت امیر عزیمت رحمہ اللہ نے اپنے کمال خطابت سے عوامی زبان میں عوام الناس کو اس فتنے سے بچانے کی محنت فرمائی اور باقی ہر دو حضرات نے دلائل کے زور سے اس فتنے کو دبایا، اللہ تعالیٰ نے الحمد للہ جلد اس میں کامیابی عطا فرمادی۔

ایک سفر میں حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ فرمانے لگے کہ: جتنے نئے فتنے اٹھے یا اٹھ رہے ہیں ان کے بانی وموجد بڑے ذہین لوگ ہیں، اس کمال ذہانت کی بنیاد پر عقل کے پیچھے دوڑے تو حق سے محروم ہوگئے اور نئی راہ ایجاد کرلی۔ پھر فرمایا مجھ پر بھی کئی مرتبہ عقل نے حملہ کیا، مگر اللہ تعالیٰ نے ایک چیز کے ذریعے مجھے بچالیا وہ ہے اعتماد علی الاکابر (یعنی اکابر پر اعتماد) میں نے عقل کو یہ کہہ کر جھٹک دیا کہ میرے اکابر نے جو کچھ فرمایا وہی حق ہے۔

حضرت علامہ صاحب رحمہ اللہ نے ساری زندگی حق کے تحفظ اور حق کی اشاعت میں صرف کردی، آخر عمر میں مانچسٹر میں اسلامک اکیڈمی کی بنیاد رکھی جو عصری اداروں کے نوجوانوں کی تربیت گاہ تھی اور تاعلالت اسی محنت میں لگے رہے۔ یوں راہنمائے امت کو سبق دے گئے کہ مستقبل کا تحفظ حکمت وبصیرت کے ساتھ نوجوانوں کی علمی واخلاقی تربیت میں ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کا عظیم تحریری اثاثہ اور تربیتی خدمات اور مسلکِ اہل سنت دیوبند کے تحفظ کے عظیم کام کو صدقہ جاریہ بنادے۔ آمین ☆☆☆☆

"حضرت اقدس لازوال شموس فیوضکم بازغة علینا." السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج اقدس؟

احوال آنکہ "رجوع الی الحق" کا مختصر جواب حاضر خدمت ہے۔ بندہ کی صحت کے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وعافیت کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے۔ آمین۔ علامہ خالد محمود صاحب انگلینڈ سے آگئے تھے۔ ۲۴ر نومبر کو میٹنگ ملی یکجہتی کے سلسلہ میں خیر المدارس میں ہونی تھی، وہ فاروقی صاحب کی گرفتاری کی وجہ سے ملتوی ہوگئی، علامہ خالد محمود صاحب نے گفتگو کے لیے مندرجہ ذیل اُصول رکھے تھے: "(۱) کیا شیعہ ہمیں مومن مان کر گفتگو کریں گے؟ کیونکہ اُن کے ہاں اسلام دنیوی احکام کے لیے ہے اور ایمان اُخروی نجات کے لیے! (۲) چونکہ شیعہ کہتے ہیں کہ سارا جھگڑا تکفیر کے نعرے سے چلا ہے جب شیعہ اپنے ایمان کی نفی کو فتنہ مان رہے ہیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی نفی سب سے بڑا فتنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں سب سے بڑی گستاخی ہے۔ (۳) بوقتِ بحث محض لزوم پر فیصلہ نہیں ہوگا، الزام پر فیصلہ ہوگا۔ (۴) اس فیصلے کے خلاف جس فرقے نے اقدام کیا، اس فرقہ کے شاملِ مجلس لوگ اپنے فرقہ کے خلاف پولیس میں پرچہ دیں گے۔" الغرض یہ ایسی باتیں ہیں کہ جن پر شیعہ تیار ہی نہیں ہوں گے، احباب کو تسلیمات۔" [مکتوب مولانا امین اوکاڑویؒ بنام قائد اہل سنتؒ مرقومہ ۳، رجب ۱۴۱۵ھ ملتان (صفدر جنوری ۲۰۲۰ء)]

سیدی و سندی و ملجئی و مولائی حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

علامہ رحمہ اللہ کا مولانا مفتی محمد حسن امرتسری کے نام مکتوب
اور مفتی صاحب رحمہ اللہ کا جواب